بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکتوبات

بسلسلہ مودودی جماعت

از حضرت شیخ الاسلام

مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی

صدر جمعیۃ العلمائے ہند

و شیخ الحدیث دار العلوم

دیوبند

ناشر

کارخانہ بازار ملک سنز بک سیلرز اینڈ پبلشرز شاہ فیصل آباد

باسمہ سبحانہ

مکتوبات شیخ الاسلام

حصۂ اول

یعنی

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا الحافظ الحاج السید حسین احمد مدنی دامت برکاتہم شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کے ان خطوط کا مجموعہ جو انھون نے اپنے دوستون، عزیزون، اور ارادتمندون کو لکھے جن مین مذہبی علمی فقہی ملکی سیاسی خیالات و افکار و مسائل کا بڑا عظیم الشان ذخیرہ موجود ہے

(مرتبہ)

نجم الدین اصلاحی

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

در مطبع معارف اعظم گڑھ طبع گردید

سنہ ۱۹۵۲ء

فہرست مضامین

مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل مع حواشی و فوائد

مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول کے ملنے کا پتہ

(۱) نجم الدین اصلاحی، سیدھاری، اعظم گڑھ

(۲) محمد اسعد و محمد ارشد، راجہ پور سکرور، سرائے میر، اعظم گڑھ

قیمت: [illegible] علاوہ محصول ڈاک

فہرست مضامین

مکتوبات شیخ الاسلام جلد سوم مع حواشی و فوائد

تصحیح اغلاط مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل مع حواشی و فوائد

(مطالعہ کتاب سے پہلے اغلاط ذیل درست کر لیے جائیں)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۲	۸	بالصور	بالصوم	۲۷۲	۱۸	گردزجوایش	گردندجوابش
۴۱	۱۱	قناعت کر	قناعت نہ کرو	۲۸۹	۷	للمقربین	المقربین
۵۳	۴	سانخ	سانح	۲۹۲	۱۳	انکاردیہ	انکارردیہ
۷۳	۵	الحار	لجار	۲۹۸	۹	وبعضے آں بارا	بعضے آن را
۹۸	۱۱	نس	جن وانس	״	۱۷	دن	مفرد(۱)
۹۹	۱۹	ذرباب	ذمہ ارباب	۳۱۱	۱۷	مدنی	مولانا مدنی
۱۰۱	۱۴		تصوف	۳۱۲	۱۰	احمد	محمدؐ
۱۰۳	۱۲	تطھرلنا	تطھرنا	״	۱۷	اندرکام	اندراتے کام
۱۰۴	۱۹	توح	توجہ	۳۲۲	۱۷	بگریز	دیوبگریزد
۱۱۰	۱۹	اوران کا	اورنزان کا	۳۲۸	۴	جالمان	جالندان
۱۱۸	۹	سکندر	سکندررا	۳۴۸	۱۸	یوسنان	یوسفستان
۱۲۲	۴	جھن	جُبن	״	۱۹	تز	تتن
۱۳۴	۴	عمل	محمول	۳۴۹	۳	شیاطین	شیاطین انس
۱۳۵	۱۲	د	عقائد	״	۱۲	عمار	عماسوۃ ۱
۱۵۸	۱۹	خبر	بےخبر	۳۶۱	۱۸	ن	تین
۱۶۵	۷	نغنی	الغنی	۳۶۲	۶	لی ہم	لی نہم
۱۶۶	۱	حصو	حصہ	۳۷۳	۱۸	سول ڈس اوس	سول ڈس اوبیڈینس
۱۸۲	۶	گھسا	نہیں گھسا	۳۷۴	۸	دس بار	دس بارہ
۱۸۷	۱۲	تنغذوا	تَنْفُذُوا	۳۸۹	۱۳	وعقلہ	وعقلاً
۲۱۳	۱۹	آیت	روایت	۳۹۸	۱۵	نمبر	نمبر ۱۴۵
۲۳۷	۲۰	حاشیہ مکتوب نمبر	حاشیہ مکتوب نمبر ۸۶	۴۰۳	۱	گندھوں	کندھوں
۲۴۲	۵	یقبلان	لایقبلان	۴۱۰	۱۳	قالولی	قالوا بلی
۲۵۵	۱	خون در	خوان اور	״	۱۷	سو بار مرتبہ	سو بار
۲۵۶	۱۸	نقاہ	نقلت لفظ ار	۴۱۵	۱۳	فنہ	ما تقدمنا
۲۶۲	۹	منعقد ہوتے	منعقد ہونگے تم تاکل جونگے اور انکی عدد فتنے عموم و محول کے نزول ہونگے	۴۴۶	۲	انشنال	اشتغال
				״	۷	شیخ	شیخ

تقدیم و تہدیہ

مدنی اسرار و حکم کے اس گنج گرانمایہ کو اُس ذاتِ گرامی کی خدمتِ اقدس میں پیش کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں جس نے اٹھارہ برس تک حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھکر اور خود صاحبِ کتاب وسنت کے زیرِ نظر رہ کر کتاب وسنت کا درس دیا ہے اور جس کے فیضان کا دائرہ عجم سے عرب تک وسیع ہے۔

صحابہ کی حیاتِ پاک کو اس نے نہیں جانا
حقیقت میں یہ شانِ زندگی جس نے نہ پہچانی

وہ جس کی خلوتِ شب کی بدولت اب بھی تازہ ہے
گدازِ یوذرؓ و عشقِ اویسؓ و سوزِ سلمانیؓ

خاکپائے مدنی

نجم الدین اصلاحی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ۔ اما بعد۔ امت مرحومہ کا کوئی قرن علماء ربانی اور رجال حقانی سے خالی نہین گذرا، ہر دور مین بڑے بڑے رجال علم موجود رہے ہین جنھون نے آفتاب و ماہتاب بنکر گہری تاریکیون مین امت کو راہ حق دکھائی، صراط مستقیم پر ڈالا اور اپنی اپنی معنوی روشنی کی قدر حق کو کبھی باطل کی اندھیریون مین چھپنے نہین دیا بلکہ شریعت اسلام کی سدابہار روشنی کے بارہ مین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سچی خبر کو "لیلہا ونہارہا سواء" سچا کر دکھلانے مین ان ہی نورانی حضرات کا ید بیضا کام کرتا رہا ہے مگر پھر بھی ان مین ایسے جامع علوم ہی نہین بلکہ جامع شئون بھی ہون گنے چنے ہی رہے ہین جنھون نے اپنی جامع روشنی سے افراد امت کو دین کے ہر ہر علمی اور خفی گوشہ کی نشاندہی اور عملی طور پر امت کو جامعیت کے ان گوشون پر چلایا ہو، گویا ارائۃ طریق کے ساتھ من اللہ ایصال الی المطلوب کا وسیلہ بھی ثابت ہوئے،

الحمد للہ کہ یہ قرن بھی جو باوجود عہد نبوت سے بعید تر اور عہد تجدید سے دور ہو جانے کے سبب صدہا تاریکیون اور فتنون کا مجموعہ ہے ایسے جامع اور ربانی علماء سے خالی نہین جن کو جامعیت اجتماعیت اور جمعیۃ کی نعمتون سے نوازا گیا ہے اور ان غیر معمولی کمالات کے سبب انھین منجانب اللہ قبول عام کی دولت عطا ہوئی ہے ان ہی گنے چنے نفوس قدسیہ مین سے حضرت اقدس مولانا حافظ الحاج السیّد

حسین احمد مدظلہ العالی شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کی ذات ستودہ صفات بھی ہے جو اپنے مخصوص فضائل وکمالات کے لحاظ سے بلاشبہ ایک فرد منفرد ہستی ہے، آپ نہ صرف عالم دین ہی ہیں بلکہ عارف باللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ بھی ہیں، آپ کا علم عارفانہ، عمل مجاہدانہ اور اخلاق درویشانہ ہے، متضاد احوال ومقامات کو ایک دامن میں لئے ہوئے ہیں، ایک ہی وقت میں آپ دار العلوم دیوبند جیسے مرکز علم ودین کی مسند تدریس کے صدرنشین بھی ہیں جن کے ارد گرد سیکڑوں طلبہ زانوئے ادب تہہ کئے نظر آتے ہیں اسی آن آپ جمعیۃ العلماء اور سیاسی اسٹیج کے مسند نشین بھی ہیں جن کے دائیں بائیں ہزاروں مجاہد صفت انسانوں کا جمگھٹ لگا ہوا ہے اور پھر اسی ایک وقت میں آپ اپنے ریاضت کدہ میں خانقاہ نشین بھی ہیں جن کے چہار طرف سیکڑوں ذاکر وشاغل اور راہ باطن کے جویا افراد کا ہجوم ہے اور آپ کی جامع ذات ہے کہ ایک طرف آپ اپنے عالمانہ وقار ونکتہ سنجی سے دوسری طرف مجاہدانہ جوش واقدام پسندی سے اور تیسری جانب عابدانہ انکسار وتواضع آفرینی سے ہر دائرہ کے طالبوں کی پیاس بجھا رہے ہیں اور ہر میدان میں آپ کی ہمت مردانہ اس طرح یکسانی کے ساتھ کام کر رہی ہے کہ کسی ایک میدان کی تگ وتاز دوسرے میدان سے بے التفات نہیں ہونے دیتی،

غرض شریعت، طریقت اور سیاست جیسے متضاد رُخ ومقامات کی سیر اور اُن میں بیک وقت ان تھک عروج آپ کی ہمت مردانہ کا ایک عملی شاہکار ہے،

ع، یوں ہم کس نے کئے ساغر وسندان دونوں

آپ کی اسی مجاہدانہ روش اور دین کے عملی شعبوں میں ان تھک دوڑ کے بارہ میں میں نے حکیم الامت حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہٗ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں اپنی جماعت میں مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کے حسن تدبر کا اور مولانا حسین احمد صاحب کے جوش عمل کا معتقد ہوں، ایک موقع پر حضرت قدس سرہ العزیز کی مجلس خیر وبرکت میں تحریکات وقت کا ذکر چھڑا ایک صاحب نے حضرت مدنی کے کسی مجاہدانہ عمل کا حوالہ

دیتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت آپ کا اس پر عمل نہیں، فرمایا بھائی میں اُن جیسی (مولانا مدنی جیسی) ہمت مردانہ کہاں سے لاؤں ؟

مجھ سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ میں مولانا حسین احمد صاحب کو اُن کے سیاسی کاموں میں، مخلص اور متدین جانتا ہوں البتہ مجھے ان سے جہت کے ساتھ اختلاف ہے اگر وہ جہت رفع ہو جائے تو میں ان کے ماتحت ایک ادنیٰ سپاہی بنکر کام کرنے کے لئے تیار ہوں،

بہرحال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین کے ہر بنیادی شعبہ میں آپ کو عمل، جوش عمل اور ہمت مردانہ کی توفیق عطا ہوئی ہے اور اس پیرانہ سالی میں بھی یہ جوش و خروش اور امنگ کے ساتھ یہ ان تھک دوڑ دھوپ واقعہ یہ ہے کہ جوانوں کی جوانیوں کو شرمائے ہوئے ہے، آپکے یہاں راحت و آرام کا لفظ گویا لغت میں آیا ہی نہیں اور آیا ہے تو اس کے کوئی معنی نہیں ہیں یا کم از کم اُن کی زندگی کی نسبت سے یہ لفظ مہمل اور بے معنی ہے،

اس دور عجز و کسل میں جو آج مسلمانوں پر چھایا ہوا ہے آپ کی اس ہمت و جوش عمل کو سوائے کرامت کے اور کس لفظ سے تعبیر کیا جائے ؟ اور اگر اس کا نام استقامت ہے تو وہ بلاشبہ فوق الکرامت ہے، جو اس دور قحط الرجال میں ایک غنیمت بارد ہے، حضرت ممدوح کی مدح سرائی میری تحریر کا موضوع نہیں ہے اور میں ان کے فضائل و مدائح کا احاطہ کر بھی کیا سکتا ہوں تذکرہ آگیا ہے تو قلم اس سے نہیں رکتا کہ اُن کی ہزارہا مدائح و فضائل میں سے یہ کوئی کم منقبت اور تھوڑی فضیلت نہیں ہے کہ دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد ہی، جب کہ آپ عنفوان شباب میں نشو و نما پاکر مقام پر پہنچ چکے تھے آپنے ۱۸ برس تو حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بیٹھکر اور خود صاحب کتاب و سنت کے پاس، اور اُن کے زیر نظر درس کتاب و سنت دیا جس سے مشرق و مغرب کے ہزارہا عوام و خواص اور علماء و فضلاء مستفید ہوئے اور حجاز و شام، مصر و عراق، ترک و تاتار وغیرہ تک آپکے کمالات کا شہرہ پہونچ گیا،

اس دوران میں آپ دیوبند بھی آتے جاتے رہے اور احاطۂ دارالعلوم میں اپنے فیوض سے طلبہ کو اور اپنے برگزیدہ استاد حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے فیوض سے خود اپنے آپ کو مستفید فرماتے رہے مگر مستقل قیام اور مسلسل افادہ کا مقام مدینہ منورہ ہی رہا، قیام مدینہ کی انتہا اس پر ہوئی کہ آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اسارت مالٹہ کے موقع پر اپنے استاد کی معیت میں پانچ برس مالٹہ کے اسارت خانہ میں رہے، گویا حرم نبوی کے اشارہ پر حرم شیخ میں کر رداخل ہوئے اور اس مسلسل فیضان صحبت سے آپ کو وہ اخلاقی عروج ہونا رہا جو اس مقام پر ہو سکتا تھا، رہائی کے بعد ہندوستان تشریف آوری ہوئی تو آپ کو حق تعالیٰ نے ایک مرکز نشوونما (دارالعلوم دیوبند) کے لئے منتخب فرمایا جو درحقیقت اپنے وقت کے اولیاء و اقطاب کی نسبتوں کا مجموعہ اور مرکز ہے، گویا حرم شیخ کے بعد حرم شیوخ میں داخلہ ہوا اور اکابر و اسلاف کی گدی نے آپ کو اپنے لئے چن لیا، تقریباً ۲۶ برس سے مسلسل اس مرکز علمی کی صدارت تدریس کی مسند آپ کے فیوض سے مالا مال ہو رہی ہے، پس اٹھارہ برس مرکز اسلام (مدینہ منورہ) میں رہ کر افادہ و استفادہ فرمایا، پانچ برس مالٹہ کی جہاد پر دور خانقاہ میں آپ کو وقت کی سب سے بڑی شخصیت سے خصوصی استفادہ کا یکسوئی کے ساتھ موقع میسر ہوا اور ۲۶ برس سے آپ اس علم و مذہب کے ایشیائی مرکز (دارالعلوم دیوبند) میں مصروف افادہ و استفادہ ہیں، حرم مدینہ نے آپ میں جمعیۃ کی روح پھونکی، مالٹہ نے آپ میں جامعیت کی لہر دوڑائی اور دارالعلوم دیوبند نے آپ کو اجتماعیت کے مقام پر لا کھڑا کر دیا اس لئے قدرتی طور پر چند مرکزوں کی بنائی ہوئی شخصیت کو ایک جامع علم و عمل اور جامع اخلاق و شئون شخصیت ہونا ہی چاہیئے تھا جو ہو گئی، وَذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

آپ کی مرکزی شخصیت اس وقت دارالعلوم کے جس عہدہ پر فائز ہے وہ روایتی طور پر محض مدرسی یا صدر مدرسی کا عہدہ نہیں بلکہ ہمیشہ ایک عمومی مقتدائیت کا عہدہ رہا ہے جس کی طرف رجوع عام ہوتا

رہا ہے، اور جس کے لئے منجانب اللہ ہمیشہ ایسی ہی ممتاز شخصیتیں منتخب ہوتی رہی ہیں جن کا امتیاز ہمیشہ مناسب وقت فضائل وکمالات کے معیار سے رہتا آیا ہے،

دار العلوم کے اول صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ اپنی جامعیت علوم وفنون، جودت طبع، ذکاوت احساس اور رموز ولایت میں شاہ عبد العزیز ثانی تسلیم کئے جاتے تھے، اور فن حدیث میں آپ کا انداز درس حکیمانہ، عارفانہ اور ساتھ ہی عاشقانہ تھا، آپ کے بعد ایک قلیل عرصہ کے لئے حضرت مولانا سید احمد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ صدر نشین مسند درس ہوئے، آپ فنون عقلیہ ریاضیہ میں امام وقت سمجھے جاتے تھے اس لئے دینیات کے درس میں آپ کا انداز درس عاقلانہ مستدلانہ اور غکرانہ تھا، آپ کے بعد حضرت شیخنا شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ اس گدی پر بٹھائے گئے آپ جامعیت علوم کے ساتھ شیخ کامل، عارف باللہ، جامع معقول ومنقول اور اخلاق فاضلہ میں راسخ القدم تھے، اس لئے آپ کا انداز درس اپنے استاد حضرت قاسم العلوم قدس سرہٗ کے نقش قدم پر عالمانہ، حکیمانہ، فقیہانہ اور فانیانہ تھا، ان کے بعد آپ کے ارشد تلامذہ آیت من آیات اللہ استاذنا حضرت اقدس علامۂ دہر مولانا السید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ مسند آرائے درس کتاب وسنت ہوئے، آپ کا غیر معمولی حافظہ، تبحر علمی حفظ کتب ومصنفین اور دوعار علوم وفنون گویا ایک اعجازی شان رکھتا تھا، عقل ونقل کا ہر علم وفن اور اس کے تفصیلی اصول وفروع آپ کو اس طرح مستحضر تھے کہ آپ کو وقت کا چلتا پھرتا کتبخانہ کہا جانے لگا، اس لئے آپ کا انداز درس حدیث حافظانہ، وداعیانہ، محدثانہ اور تبحرانہ تھا، آپ کے بعد حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہ سے اس گدی کو رونق بخشی گئی، تو آپ کے جوش جہاد، ذوق عمل، ہمت باطنی اور وسعت اخلاق نے علم کو عمل کے ہر ہر گوشہ میں دوڑا کر عملی سانچوں میں پیش کیا اور علمی کمالات پر دوامی عمل کو غلبہ پانے کا موقع ملا، اس لئے آپ کے درس کا انداز عالمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہدانہ اسپرٹ سے بھرپور اور جذبات عمل سے لبریز ہوتا ہے، جس سے طالبوں کے قوای عمل کی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور جذبات عمل زیادہ سے زیادہ

مشتعل ہو جاتے ہین،

ہندوستان کی تحریک جنگ آزادی مین آپکے علم اور جوش عمل نے اہل علم کے سیاسی حلقون کی لاج رکھ لی، استخلاص ملک وملت کے لئے آپنے جو جو قربانیان دی ہین وہ جریدۂ عالم سے کبھی محو نہین ہوسکتین، عموماً سیاسی میدانون کے شناور اسٹیج پر پہونچکر غیر محتاط اور ذہنی طور پر آزاد وبے باک ہو جاتے ہین، لیکن حضرت ممدوح کا یہ کمال استقامت تھا کہ سیاسی اسٹیج پر بھی آپ کا تقشف مذہبی اس حد تک قائم رہا جس حد تک ایک مدرس کا اپنے حلقۂ درس مین قائم رہ سکتا ہے، گویا آپکا اسٹیج بھی بزم کتاب وسنت ہی کا محل ومقام ہوتا تھا جس سے وہی آثار خیر وبرکت ہویدا ہوتے تھے جو کتاب وسنت کے خصوصی آثار ہو سکتے ہین،

ساتھ ہی اس عامۃ الورود مقام پر جو حقیقتاً مزلت اقدام ہے آپ کی اخلاقی قوتین اس حد تک بیدار اور ہموار رہین کہ سیاسی اقدامات بجائے خود ایک اخلاقی درس کی شان سے نمایان ہوتے رہے، ہر خدمت بے لوث، ہر عمل بے لاگ، اور ہر اقدام خلوص وایثار سے پُر، نہ کسی عُہدہ کا سوال، نہ جاہ کی طلب، نہ مال کی طرف ادنیٰ التفات، نہ اقتدار کی ذرہ برابر خواہش، ہندوستان کے آزاد کرانے اور انگریزون کو نکالنے مین سر اور دھڑ کی بازی لگا دی لیکن کیا کسی وقتی صلہ کے لئے؟ کسی عُہدہ کے لئے؟ یا قومی اسٹیج پر عہدہ دارون کی کسی سرگرہی کے لئے؟ معاذ اللہ۔ بلکہ ہر خدمت مین مخلصانہ جذبات، بے غرضانہ داعی بے لوث ارادے، سادگیٔ ضمیر اور محض اپنے بزرگون کے نصب العین کی تکمیل اور اپنے سلف کے نقش قدم کے اقتضا و اقتدا کے ساتھ اسے باقی رکھنے کیلئے اور بس،

آپ اس وقت بھی جوش عمل کے ساتھ قائد میدان تھے جب کہ نعرہائے تہنیت کے ساتھ پھولون کے ہار پیش کئے جا رہے تھے، اور اس وقت بھی اسی انداز خدائیت کے ساتھ معروف عمل رہے جب کہ افراد وجماعات مخالف بنکر بے حرمتی اور بدگوئی کی ٹھان لی تھی، کیونکہ یہ خدمت نہ خواہش صلہ

پر مبنی تھی، نہ نعرہ ہائے تحسین و آفرین پر، بلکہ صرف اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پر۔

آپ کی رایوں اور افکار سے افراد و جماعات کو نیک نیتی کے ساتھ اختلافات بھی ہے اور آئندہ بھی رہ سکتے ہیں لیکن اس میں موافق و مخالف کی دو رائیں کبھی نہیں ہوئیں کہ آپ اپنی رایوں میں مخلص جذبات میں صادق، نیات میں بلند مقام، عمل میں صاحب عزم اور اخلاق میں صاحب حال ہیں۔ اختلاف رائے سے نیچے اتر کر یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کے مجاہدانہ مزاج سے جس میں سیاسی رنگ اور انتہاپسندانہ عزائم و جذبات بطور جوہر مزاج کھپے ہوئے ہیں کسی اعتدال پسند اہل معاملہ کے دل میں کچھ خلش بھی ہو اور بعض اہل معاملہ کے نفوس کچھ گھائل بھی ہوں (چنانچہ ان مکاتیب کے بعض عنوانات اس کی غمازی بھی کر رہے ہیں) لیکن میں اس قسم کی معاملاتی خلش اور گھاؤ کو اپنی جگہ صحیح اور برمحل سمجھتے ہوئے بھی یہ ضرور عرض کروں گا کہ جو اکابر دین تکوینی طور پر من اللہ کسی خاص خدمت کے لئے مقرر اور مامور کئے گئے ہوں ان کی طبائع اور خصوصیات مزاج کے لحاظ سے ان پر اسی وصف کا غلبہ ہوتا ہے جو اس خدمت خاص اور وقت خاص کا مقتضیٰ ہو، اور وہی وصف غالب ان کے کاموں کا قدرتی معیار بن جاتا ہے گویا ان کی طبیعتیں غیر اختیاری بلکہ غیر شعوری طور پر ادھر ہی چلتی ہیں جدھر یہ وصف اور وقت انہیں لے چلتا ہے، اس لئے بظاہر تو معاملات میں ان کی طبیعت اور مزاج کار فرما نظر آتا ہے لیکن فی الحقیقت منشا خداوندی ان حضرات کی طبیعتوں کے راستہ سے اپنا کام کرتا ہے۔

مولانا مدنی کی شخصیت جس اسٹیج کے لئے منتخب کی گئی، وہ بلا شبہ ایک طاقت ور دشمن کے مقابلے اور اس کے پنجۂ استبداد سے ایک پسماندہ اور محروم آزادی ملک کے چھوڑانے کا اسٹیج تھا تاکہ اس راہ سے کسی وقت شعائر الٰہیہ بلند کئے جا سکیں، ظاہر ہے کہ یہ کٹھن نصب العین رحم و کرم، عفو و درگذر اور مسامحت کے جذبات سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا، بلکہ جوش، وجذبہ، فرق بین الناس اور تیز قائم دفاع کے دواعی ہی اسے آگے بڑھا سکتے تھے، بالفاظ دیگر اس طرح کے فی سبیل اللہ تصادم اور تقابل کیلئے البغض فی اللہ کی قوت

نی اللہ کے غلبہ کی ضرورت تھی نہ کہ حب نی اللہ کے آگے رکھنے کی اور اس کے لئے طبیعت گرم اور جہاد آگین درکار تھی جس کے ذاتی رجحانات ہی خلقی طور پر بغض فی اللہ کے اخلاق کیلئے صالح اور مستعد ہوں نہ کہ نرم اور حلم وصبر پیشہ طبیعت جس کا وصف غالب حب فی اللہ کے تحت بڑے سے بڑے دشمن سے درگذر اور عفو و سماحت ہو۔ پھر یہ گرم طبیعت بھی ایسی کہ یہ وصف بغض فی اللہ اس کے حق میں استدلالی نہ ہو بلکہ حالی ہو اور خود طبیعت ہی اپنی افتاد سے اس طرف دوڑتی ہو حضرت ممدوح کے طرز و انداز اور رفتار کار سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ پر بغض فی اللہ کا غلبہ ہے جو آپکے عام معاملات کے لئے و منتہی مقام کے لحاظ سے معیار کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے،

بلاشبہ ایسے حضرات جو بغض فی اللہ کے مقام پر ہوں اللہ کی ایک تلوار ہوتے ہیں کہ جو بھی مخالف روبہ سے اس کی دھار کے نیچے آجاتا ہے صاف ہوجاتا ہے ؎

پس تجربہ کردیم درین دیر مکافات ۔۔۔ با دُردکشان ہرکہ در افتاد بر افتاد

ظاہر میں وہ مغضوب الغضب نظر آتے ہیں لیکن وہ خود ان کا غضب و بغض نہیں ہوتا بلکہ بغض الٰہی ہوتا ہے جو ان کے اخلاق میں سے ہوکر گذرتا ہے اور انھیں جارحہ الیہ بنا کر ان کے راستہ سے اپنا کام کرتا رہتا ہے،

اہل اللہ کی یہ مزاجی اور طبعی خصوصیات نہ صرف یہ کہ بندگی کے منافی نہیں ہوتیں بلکہ نوع بزرگی کا مورد اور مظہر ہوتی ہیں، جن میں شئون الٰہیہ گذر کر اپنا کام کرتی ہیں گویا جن حضرات پر حب فی اللہ کے غلبہ سے عفو و درگذر، سماحت اور چشم پوشی وغیرہ کے جذبات چھائے ہوئے ہوتے ہیں وہ حق تعالیٰ کے حلم و عفو، رحم و کرم اور فضل عظیم کا بغض فی اللہ کے تحت دار و گیر مواخذہ و مطالبہ اور تفریق حق و باطل کے جذبات غالب ہوتے ہیں وہ حق تعالیٰ کے جبر و قہر، مواخذہ و انتقام اور عدل کا مظہر ہوتے ہیں پس ایسے حضرات اگر کسی پر رحم کھائیں یا کسی پر غضبناک ہوں تو وہ درحقیقت رحمت اور

غضب الٰہی ہوتا ہے جو ان کی طبعی خصوصیات مزاج کو راہ حق کا خادم اور کلیۃً حق کا آلہ کار بنا لیتے ہیں،
بہرحال اس قسم کے مقبول افراد کو جس میدان میں بھی کام کیلئے چھوڑ دیا جاتا ہے تو ان کی طبائع کو اس میدان کی رہنمائی دیدی جاتی ہے اور اس میں ان کی یہ طبعی خصوصیات شئون الٰہیہ سے مربوط ہو کر اپنا مفروضہ کام غیر شعوری طور پر کرنے لگتی ہیں،

دائرۂ نبوت ہو یا دائرۂ ولایت متعلقہ افراد کی طبعی خصوصیات اور مزاجی امتیازات سے الگ نہیں رہ سکتا، موسیٰ علیہ السلام کی طبعی خصوصیات جلال آگین تھیں تو ان کی نبوت اور شریعت میں بھی وہی شدت فی امر اللہ اور جلالی شان غالب ہے، عیسیٰ علیہ السلام کی طبع مبارک جمال آفرین تھی تو اُن کی نبوت اور شریعت میں بھی حب فی اللہ اور تسامح کی شانوں کا غلبہ ہے، نبوت سے اتر کر دائرۂ ولایت میں مثلاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر طبعاً رحم وکرم غالب ہے تو ان کے عام معاملات اور کاروبار میں بھی رحمت ہی چھائی ہوئی نظر آتی ہے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ طبعاً متشدد اور جبار ہیں تو اُن کے عامۂ امور سے وہی سخت گیری، جلال اور تشدد فی امر اللہ نمایاں ہے، غرض انبیاء کی نبوت اور اولیاء کی ولایت اُن کے خلقی مزاجوں اور طبعی خصوصیات ہی کے ڈھانچوں میں اترتی ہے جب کہ وہ طبائع وہبی یا کسبی طور پر نفسانی رذائل سے پاک کر کے وابستۂ حق بنا دی جاتی ہیں اور قبول کر لی جاتی ہیں، پس ان وابستۂ حق طبائع سے جو امور سرزد ہوتے ہیں وہ بظاہر تو طبعی جذبات نظر آتے ہیں لیکن حقیقتاً اُن میں منشاء الٰہی کام کرتا ہے، اور وہ جوارح الٰہیہ ہوتے ہیں جو اپنی طبعی رفتار سے منشاء الٰہی کو پورا کرتے رہتے ہیں، گویا اس غبار میں ہوا مرضی الٰہی کی بھری ہوئی ہے جس سے وہ اڑتا ہے پس بظاہر تو غبار اڑتا نظر آتا ہے لیکن حقیقتاً اڑنے والی چیز ہوا ہوتی ہے جس کی اڑان کا مظہر یہ غبار ہوتا ہے،

أنت كالريح ونحن كالغبار	يختفي الريح وغبراه جهار
تو بہاری ما چو باغ سبز و خوش	او نہان و آشکارا بخشش

توجہ جمالی ۔ ما بشال دست و پا ۔ قبض و بسط دست ۔ از جمال شد دُ

توجہ عقلی ۔ ما بشالِ این زبان ۔ این زبان از عقل می یابد بیان

توبشالِ شادیی ۔ وما خندہ ایم ۔ کہ نتیجہ شادئی و فرخندہ ایم

اسی طرح مولانا مدنی کے معاملات کی نوعیت اور افتاد طبع سے واضح ہے کہ اُن پر بغض فی اللہ کا غلبہ ہے اور ان کی خصوصیات طبع سے ہر اس دائرہ میں جس میں ان کا دخل ہو ایک خاص معیار کے تحت فصل اور فرق کا کام لیا گیا ہے جسے زد میں آئے ہوئے افراد طبعی جذبات سے تعبیر کرتے ہیں اور بالبصر لوگ اسے منشا حق سے تعبیر کرتے ہیں جو مولانا کے مقام کے لحاظ سے تکمیل فرائض کے وقت اُن کے طبعی جذبات سے مراست کئے ہوئے ہوتا ہے اور اس لئے عموماً مخالف پر بھی اس کا اثر برا نہیں ہوتا، بنا بریں ایسے حضرات کے معاملات میں محض جذبات سے صرف سطح ہی کو نہ دیکھ لینا چاہیئے بلکہ اس کی مخفی روح کو بھی پیش نظر رکھنا ہے یہاں ان کی عصمت یا خطا و نسیان سے بالاتر ہونے کا دعویٰ نہیں بلکہ عامۃً منشا خطا کے صواب ہونے کا دعویٰ ہے یعنی ان کی خطا انشاء اللہ نیک عاصی کی سی خطا نہیں بلکہ ایک مجتہد کی خطا ہو سکتی ہے جو اپنے فکر میں مصیب بھی ہوتا ہے اور خاطی بھی، پس ان کی خطا سے صاحب معاملہ کی کلفت اور شکایت اپنی جگہ کتنی ہی درست اور صحیح کیوں نہ ہو مگر وہ پھر بھی اپنی خطا پر مستحق اجر و مقبولیت ہی رہتے ہیں کیونکہ اس میں طلب حق اور استرضا حق کے سوا نفسانی جذبات آگے نہیں ہوتے، اور احیاناً بمقتضائے بشریت ہوں بھی تو ایسے حضرات کی کثرت حسنات کے مقابلہ میں ان کی یہ احیانی لغزشیں شاذ اور کالعدم ہوتی ہیں جن سے ان کی مقبولیت کے مقام میں فرق نہیں پڑتا، اندریں صورت اس سے اختلافِ رائے بھی نیک نیتی سے ممکن ہے اور معاملات کے سلسلہ میں ان کا کسی غلط فہمی یا خطاء اجتہادی سے کلفت و اذیت ہو جانا بھی ممکن ہے لیکن ایسے صاحب مقام افراد سے نفسانی جذبات کے تحت کسی کی آزار رسانی عادۃً ناممکن ہے۔

اس سے میری غرض نہ ان کے تمام معمولات اور منصوبات کی حمایت ہے اور نہ ان سے اختلاف رکھنے والوں کی مخالفت ہے بلکہ ان کے باطنی رتبہ کی بلند مقامی اور ان بلند پایہ عزائم و جذبات پر روشنی ڈالنا ہے جو فکری اور عملی لغزشوں کو بھی مقبول اور این خطا از صد صواب اولیٰ تر است کا مصداق بنا دیتی ہے، اور یہ کہ وہ موافقت و مخالفت ہر حال میں یکساں بلند مقام ہیں جیسا کہ قلوب بھی عامۃً اسے تسلیم ہی کئے ہوتے ہیں،

بہرحال حضرت ممدوح کی کچھ خصوصیات ہیں جن کے جامع ہونے سے منجانب اللہ کچھ خدمات بھی لیجارہی ہیں اور منتسلین کی تربیت بھی ہو رہی ہے، جو بھی سچی طلب اور حقیقی استفادہ کا جذبہ لیکر آتا ہے وہ بلاشبہ اس جامع ہونے سے بقدر استعداد حصہ لیکر لوٹتا ہے، ہاں اگر طالب ہی صادق نہ ہو یا سلسلہ میں شامل ہونے کی غرض ہی فاسد ہو تو ان جذبات سے آنے والے انبیاء کے حلقوں سے بھی محروم ہی اٹھے ہیں تا با ولیاء چہ رسد،

حضرت ممدوح کی ان خصوصیات کے پیش نظر یہ افسوس تھا کہ ان خصوصیات سے تربیت پاکر گو ایک جماعت ضرور تیار ہو گیا مگر علمی طور پر ان کا کوئی ذخیرہ سطح کاغذ پر جمع نہیں ہوا جس سے موجودہ نسل کی طرح آئندہ نسل بھی فائدہ اٹھا سکتی، خود حضرت مولانا کو بھی اپنی غیر معمولی مصروفیات مشاغل درس و تدریس، کثرتِ اسفار، واردین و صادرین کے ہمہ وقت ہجوم سیاسی خدمات اور ان کے ذیل میں ارباب معاملہ کے شبانہ روز رجوع و ازدحام کے سبب اتنا موقع نہیں ملتا کہ آپ جتنی خدمات زبان اور دست و بازو سے انجام دیتے ہیں اتنی ہی قلم کے واسطہ سے بھی انجام دیں جس سے آپ کی یہ خصوصیات میدان عمل سے گذر کر میدان تصنیف میں آجائیں اور یہ لوگ معنوی دولتیں جس طرح زبان فیض ترجمان سے سینوں میں بھر کر لیجاتے ہیں اسی طرح قلم کی بدولت سفینوں میں بھی محفوظ کر لیں تاکہ آج کی دنیا کیساتھ آنے والی دنیا بھی اس سے مستفید ہو سکے، گو بعض اوقات مختلف علمی اور سیاسی مضامین خطبات

صدارت وغیرہ کی صورت مین خاص دواعی کے ماتحت قلمبند بھی فرمائے گئیں وہ وقتی اور ہنگامی حالات
سے تعلق رکھنے کے سبب صرف ان ہی حالات مین فیض رسان بن گئے جس سے لوگون نے فائدہ
اٹھایا، مگر وقت کی قید سے آزاد ہوکر کوئی مستقل علمی ذخیرہ غیر معمولی مشاغل وشواغل کے ہوتے ہوئے
تصنیفی صورت مین اب تک سامنے نہین آسکا پھر بھی اسے ایک غیبی امداد سمجھنا چاہئیے کہ حضرت کے متوسلین
نے وقتاً فوقتاً خطوط کے ذریعہ اپنے مختلف احوال پیش کرکے استفار نفوس کی جو تدبیر پوچھین توان کے جواب
مین کچھ علمی، سیاسی اور عرفانی جواہر پارے کاغذ کی سطح پر جمع ہو گئے جس سے فی الجملہ پیاسون کی سیرابی کا کچھ
مستقل سامان فراہم ہوگیا لیکن ان کی افادیت عام نہ تھی جن کے خطوط تھے صرف وہ یا زیادہ سے زیادہ
ان کا قریبی حلقہ ہی ان قطرات علم ومعرفت سے اپنے خطرات نفس اور وساوس شیطانی دفع کرسکا مگر ہمین
ممنون ہونا چاہیئے حضرت محترم مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی کا جنھون نے کافی محنت وعرق ریزی
سے ان بکھرے ہوئے موتیون کو مختلف جگہون سے چن چن کر جمع فرمایا اور پھر ایک سلسلہ مین پروکر انہین
کتابی صورت مین ملک وملت کے سامنے پیش کردیا جس سے ایک طرف تو یہ مخصوص فیض فیض عام بن گیا اور
دوسری طرف ہر طالب صادق کیلئے سہل الوصول بھی ہوگیا،

ان مکاتیب اور ان کے مکنون علوم واحوال کی فہرست پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہی سے اس
جامعیت کا اندازہ لگالینا مشکل نہین رہتا جو حضرت ممدوح کی ذات مین ودیعت کی گئی ہے اور جو تمام ہی
دینی طبقون کے لئے یکسان شفا بخش ہے، حال وقال والے حضرات ہون یا براہین واستدلال والے ہون
طالبان مسائل ہون یا عاشقان دلائل سب ہی کے لئے اس مختصر مگر جامع ذخیرہ مین سامان سیرابی
موجود ہے، ان جامع ہدایات سے اگر ایک طرف طریقت ومعرفت کے مسائل حل ہوتے ہین تو دوسری
طرف شریعت کے حکمیات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اور جہان شریعت وطریقت کے مقامات کھلتے ہین وہین
سیاست وادارت اور قومی معاملات کے دقائق بھی واشگاف ہوتے ہین، غرض بیک وقت شریعت کے

طریقت اور سیاست کے دقیق اور حیات بخش نکتے اس طرح زیب قرطاس ہوگئے ہین کہ ایک جویائے حقیقت ومعرفت ایک متلاشئی احوال طریقت اور ایک طالب گار شریعت وسیاست کے لئے یکسان شفا، اور سکونِ روح کا سامان بہم پہنچا سکتے ہین

حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا نجم الدین صاحب کو جن کی علم پرورانہ کاوش اور جذبۂ افادیت نے یہ مشکل آسان کر دی اور جو روشنی محدود ہو کر رہ گئی تھی اسے ایک چمکدار فانوس مین منظر عام پر لاکر رکھدیا تاکہ متوسلین کیلئے خصوصاً وہنموان علم کیلئے عموماً ضیاء افروز اور نور افشان ثابت ہوا اور اس طرح بہت سون کے شوق بیتاب کی تسکین کا سامان بہم پہنچ جائے،

امید ہے کہ وقت کے اس زبردست مجاہد جلیل (مولانا مدنی) کے ان علم پرورانہ حقائق اور عمل آفرین دقائق سے جن مین شرعی رہنمائی کے ساتھ عرفانی ارشادات اور سیاسی ہدایات ایک جگہ جمع ہین نیز ضمناً اور بھی بہت سے کارآمد فوائد آگئے ہین لوگ منتفع ہونے مین کوتاہی اور سستی سے کام نہ لین گے اور اس زلال حیات سے ابدی زندگی حاصل کرین گے،

ترتیب مکاتیب کے ساتھ مولانا نجم الدین صاحب نے بطور تعارف حضرت مدنی کی مختصر مگر جامع زندگی خاندانی حالات وخصوصیات، آپ کے سلاسل طیبہ اور آپ کی صفات محمودہ پر جو سطرین سپرد قلم فرمائی ہین وہ بجائے خود ایک مستقل علمی اور عرفانی ذخیرہ ہے جو قابل استفادہ ہے مرتب ممدوح چونکہ براہ راست حضرت اقدس مولانا محمود علی رحمۃ اللہ علیہ کے حدیث مین شاگرد اور بواسطہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے تلمیذ ہوتے ہین اس لئے آپ کو جو روحانی اور طبعی مناسبت حضرت مولانا مدنی خلیفۂ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے علوم وکمالات سے ہو سکتی تھی وہ ظاہر ہے، ایسے ہی صاحب افراد ان حضرات کے علوم وکمالات کو جامعیت اور سلیقہ کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر لاسکتے تھے، چنانچہ مولانا نے اپنے مرتبہ دیباچہ اور سطور تعارف مین حضرت مولانا مدنی کے علوم وکمالات

اور نسبتوں کو مشبع اور حاوی الفاظ میں کھول دیا ہے، اس لئے مکاتیب پڑھنے سے پیشتر ان کی اس تحریر کا پڑھ لیا جانا استفادہ کی تکمیل کے لئے ضروری ہے، حق تعالیٰ ممدوح کو ہم سب مستفیدین کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے، (آمین)

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند نزیل بمبئی،

۲۸ رمضان ۱۳۷۰ھ یوم چہارشنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ!

(از مرتب مکتوبات)

اللہ تبارک و تعالیٰ کا بڑا ہی احسان ہے کہ اس نے ہم کو مکتوبات شیخ الاسلام کے جمع و ترتیب اور نشر و اشاعت کی توفیق بخشی، اور اس کا فضل شامل حال رہا کہ کتاب مذکور اہل علم اور اہل دل دونوں میں مقبول ہوئی، احباب اور بزرگوں کا اصرار ہوا کہ دوسری جلد بھی جلد از جلد شائع کر دی جائے، ساتھ ہی اخبار و رسائل میں مفید مشورے بھی دیئے گئے، اور تحسینی کلمات سے حوصلہ افزائی بھی کی گئی اور بعض حضرات نے تقریظ کے سلسلہ میں ہماری بعض باتوں پر تنقید بھی فرمائی، ہم ان تمام حضرات کے تہ دل سے شکر گزار ہیں۔

مدنی برادری سے ہم کو خصوصی طور پر یہ شکایت ہے کہ انہوں نے خطوط کے بھیجنے میں پوری فیاضی سے کام نہیں لیا، ضرورت تھی اور ہے کہ جو خطوط بالغرض اشاعت بھیجے جائیں تو سوال کو بھی ضرور لکھا جائے، کیونکہ مکتوبات شیخ الاسلام کی اشاعت گویا حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کے حالات زندگی کی اشاعت اور ایک خاص طرح کی سوانح حیات کی داغ بیل ہے اور جس کی تالیف بھی اپنے پیش نظر ہے اسی لئے حواشی اور دیباچہ وغیرہ میں عام روش کے خلاف حضرت شیخ مدظلہ العالی کی زندگی کے مختلف چھپے ہوئے گوشوں کو زیادہ اجاگر کرنا پڑا اور بعض جگہ متوسلین اور عقیدت کیشوں پر بھی کچھ روشنی ڈالنی پڑی یہ دوسری جلد بھی گوناگوں مشکلات کے تحت شائع ہوئی، اسکے بعد انشاء اللہ تعالیٰ تیسری جلد بھی گویا آخری جلد ہوگی، کیونکہ خطوط کی رفتار اب وہ نہیں رہی جو پہلے تھی تاہم ابھی لوگوں کے پاس اتنے خطوط

ہوں گے کہ تیسری جلد مکمل ہو جائے پاکستانی حلقہ سے خطوط بہت کم آئے مدنی برادری سے ہماری یہ پُرزور اپیل ہوگی کہ جو صورت بھی ممکن ہو لوگوں سے خطوط حاصل کر کے ہماری مدد فرمائیں تاکہ تیسری جلد کے بعد انہیں خطوط کو مضامین کے لحاظ سے ترتیب دیکر افادات مدنی کے عنوان سے بطور امانی شائع کر دیا جائے امید ہے کہ ہماری یہ درخواست بھی شرف قبول حاصل کرے گی۔

ناچیز کو اپنی نااہلی کا واقعی اعتراف ہے کجا اپنی پستی اور کجا مولانا مدنی جیسی عظیم المرتبت ہستی کی بلندی مولانا پر کچھ لکھنا بڑا نازک کام ہے بلکہ خواص شخصیتوں کے متعلق لکھنا ہی بڑی ذمہ داری کی بات ہے مولانا کے یہ خطوط آپ کی زندگی کے اصلی نقوش ہیں جو ان مکتوبات میں ابھرے ہوئے ہیں جن سے مولانا کی زندگی پر کافی روشنی پڑتی ہے، اور کہیں کہیں علمی بلندی کا بھی سراغ ملتا ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ مولانا مدنی مدظلہ العالی نے بھول کر بھی اپنے علمی کمالات اور روحانی مقامات کو ظاہر کرنے سے حتی الوسع احتراز فرمایا ہے، حالانکہ جن لوگوں کو ایک دن بھی صحبت نصیب ہو چکی ہے، وہ اس صحبت کے روحانی اثرات کا انکار نہیں کر سکتے، بخاری اور ترمذی کی تقریریں بہت حد تک لوگوں نے محفوظ کی ہیں جنہیں سے بعض کو ناچیز نے بھی دیکھا ہے، بخاری کی کتاب التفسیر اور مغازی کی عقدہ کشائی ہر مدرس کا کام نہیں ہے، لیکن مولانا مدنی کے نزدیک ایسے اہم مباحث کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوٰۃ کی طرح صاف اور بے غبار ہیں، کاش اہل علم ان تقریروں کی اشاعت پر متوجہ ہو جاتے۔

مکتوبات شیخ الاسلام اور امام العصر دامت برکاتہم کو اگر سمجھنا اور صحیح حالات کو جاننا اور پرکھنا ہے تو مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے، تاکہ فرق مراتب کیساتھ بزرگوں کے شیون اور حالات، عزائم اور نیات، احوال اور مقامات میں تمیز کیساتھ علماء کرام یعنی صوفیاء کرام اور علماء رسوم یعنی متصوفین میں تفریق نہ کرنے سے جو خرابی رونما ہوتی اس کا سدباب ہو جائے، اور مولانا مدنی متع اللہ المسلمین بطول بقائہ کے سوانح زندگی کو ایک ایسی دستاویز ہاتھ آجائے کہ اسکی روشنی میں آپ کی حیات طیبہ کے سرخط و خال کو پوری طرح نمایاں کیا جا سکے، یہ حقیقت ہے کہ میری آنکھوں نے حسین احمد کو دیکھا دل نے پہچانا مگر قلم انکی روحانیت کا خاکہ کھینچنے سے معذور ہی رہا۔

مایرجع الطرف عنہ عند رویتہ حتی یعود الیہا الطرف مشتاقا

احوال و مقامات امام العصر | منازل تصوف وسلوک طے کرنے کے بعد انسان کے اندر متعدد وصاف روحانی پیدا ہوجاتے ہیں، جن کو تصوف کی اصطلاح میں مقامات اور احوال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہی اوصاف تصوف اور فلسفہ اخلاق میں مابہ الامتیاز ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اسپر تفصیلی بحث کی ہے اور ہر مقام اور ہر حال کی مثال صحابہ کرام کے اوصاف روحانی سے دی ہے مقامات اور احوال کے پیدا ہونے کی صورت یہ ہے۔

جب کوئی شخص خدا کی کتاب اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر ایسا ایمان لاتا ہے جو اس کے قوائے قلبیہ اور نفسیہ کی رگ و پے میں سرایت کرجاتا ہے اور پھر ذکر و فکر میں مشغول رہتا ہے اور اعضاء و جوارح کے ساتھ حق عبودیت ادا کرتا ہے، اور مستمرا ان اعمال کو بجالاتا ہے، تو ان لطائف ثلاثہ یعنی عقل. قلب اور نفس کے اندر عبودیت کی روح حلول کرجاتی ہے، گویا خشک پودے کو خوب سینچ دیا جاتا ہے اس لئے اسکی تمام شاخوں اور پتیوں میں رطوبت موجزن ہوجاتی ہے پھر اس سے پھول نکلنے لگتے ہیں اسیطرح یہ تینوں لطیفے عبودیت میں شرابور ہوجاتے ہیں اور ان کے رذیل ترین طبعی اوصاف صفات ملکوتیت سے بدل جاتے ہیں، اب اگر ان صفات کو ملکات راسخہ کی حیثیت حاصل ہوگئی ہو، اور انکے افعال میں مستمرا ہمواری اور یکرنگی پائی جاتی ہو تو انہیں کا نام مقامات ہے اور اگر وہ بجلی کیطرح کوندکر پھر نظروں سے غائب ہوجاتے ہیں اور ان میں ثبات و قرار نہیں پیدا ہوتا ہے مثلا خواب یا غیبت کی آواز؛ تو ان کو احوال اور اوقات کہتے ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء وغیرہ)

مقامات اور احوال کے اندر صوفیاء میں اختلاف ہے سبب اختلاف تشابہ تداخل کا پایا جانا ہے ورنہ کوئی واقعی اختلاف نہیں ہے مثلا رضا کے بارے میں مشایخ عراق و خراسان میں اختلاف بیان کیا جاتا ہے میرے نزدیک بات صرف اتنی سی ہے، کہ رضا کی ابتدا بندے کے کسب سے ہوتی ہے اسی کو مقامات کہدیا گیا ہے، اور رضا کی انتہا احوال میں سے ہے جو کسب نہیں

پھر اختلاف ہی کیا رہا؛

بہرحال مندرجہ ذیل امور کو احوال کہا گیا ہے، وہ یہ ہیں شوق اتصال قبض بسط فنا، بقا، تجلی استتار تجرید، تفرید، وجد، تواجد، وجود غلبہ، مسامرہ سکر، صحو، محو، اثبات علم یقین، عین یقین حق الیقین، وقت، غیبت، شہود، ذوق، شرب، رَے، محاضرہ مکاشفہ، مشاہدہ، فاورح، طوالع، لوامع، لوائح، تلوین تمکین وغیرہ

ان چیزوں کو مقامات کہا گیا ہے، مثلاً توبہ، ورع، زہد، صبر، فقر، شکر، خوف، رجا توکل، رضا وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ ان تمام مراحل اور مقامات کو طے کرنے کے بعد یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ سالک کا سفر ختم ہو گیا، بلکہ اس کے بعد روحانی ترقی کی اور منزلیں باقی رہتی ہیں، اور سالک یکے بعد دیگرے ترقی کرتا ہوا وہاں پہنچ جاتا ہے، کہ جہاں خالق کی عظمت سالک کے دل کا اس طرح احاطہ کر لیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی چیز اس کو نظر نہیں آتی، یہاں تک کہ بیچ سے خود اپنا وجود بھی غائب ہو جاتا ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ کے قول" وانیبوا الی ربکم و اسلموا لہ" کی اصلی لذت و حلاوت سالک پر پوری طرح منکشف ہو جاتی ہے اور تب اس پر کھلتا ہے کہ مشائخ نے جو ان کلمات یعنی ما فی الجبۃ الا اللہ، ما اری غیر اللہ لا انظر الی غیر اللہ وغیر ذالک کو کہا تھا۔ اس کا کیا مقصد تھا، اور اس کی تعبیر کیا تھی؛

مشائخ کے مذکورہ بالا کلمات کی توجیہ اگر ہم مولانا رومؒ اور شیخ اکبرؒ کی زبان سے بیان کریں تو کوئی خاص بات نہ ہوگی، کیونکہ یہ حضرات تو جاسوس القلوب، اور لسان القوم ہونے کے باوجود علماء رسوم کے نزدیک ہدف ملامت بنے ہوئے ہیں، البتہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ جو مخالف تصوف و سلوک سمجھے جا رہے ہیں اور غیر متصوف مشہور ہیں ان کی تحقیق کو ہم نقل کرتے ہیں تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو رسالہ عبودیت۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ مشائخ صوفیہ کی مراد ان اقوال سے یہ ہے کہ میرا اللہ کے سوا کسی کو

کائنات کا پروردگار یا خالق یا مدبر نہیں مانتا اور نہ دیکھتا اور نہ کسی غیر کی طرف محبت یا خوف یا امید کی نگاہیں نہیں ڈالتا۔ پس یہ ایک حقیقت ہے اور نہایت قابل ستائش حقیقت ہے کہ بزرگان دین مخلوقات پر اسی حیثیت سے نظر ڈالتے تھے اور ان کے اقوال مذکورہ کا یہی مدعا ہے وہ ان جملوں میں توحید اور اخلاص کی اس کامل اور بے آمیز حقیقت کا اعلان فرماتے ہیں کہ بندہ کو غیر اللہ کی طرف التفات نہ کرنا چاہیئے اور نہ کسی ماسوا کی طرف محبت یا خوف یا رجا کی آنکھ اٹھانی چاہیئے۔ بلکہ اس کے دل کو تمام مخلوقات کے ذکر و فکر سے خالی اور بے نیاز ہونا چاہیئے اور جب بھی ان کی طرف دیکھے اللہ کے نور سے دیکھے حق کی نظروں سے دیکھے، حق کے کانوں سے سنے، حق کے ہاتھوں سے پکڑے، حق کے پاؤں سے چلے اس کائنات کی انہیں چیزوں سے محبت رکھے جنسے خدا کو محبت ہو اور ان سے نفرت کرے جنسے خدا کو نفرت ہو۔ اس دنیا کو برتنے میں اللہ سے ڈرے اور اللہ کی رضا کے معاملہ میں ساری مخلوق کی مخالفتوں اور عداوتوں سے بے خطر ہو۔

شیخ بو علی سینا اور حضرت ابو سعیدؒ کے باہمی مکالمہ میں شیخ کے جواب میں حضرت ابو سعیدؒ کا فرمانا۔ "آنچہ تو می گوئی من می دانم و آنچہ تو می دانی من می بینم" کے اندر جو چیز بول رہی ہے آخر اس کا محرم اسرار کون ہے، علماء رسوم؟۔

اس کے بعد مثنوی شریف کو پڑھیے، مولانا رومؒ نے ان باتوں کو نہایت بلیغ تشبیہ کے ذریعہ سمجھایا ہے کہ انسان شراب کی حالت میں جب کوئی بدمستی کی بات کہتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس وقت یہ شخص نہیں بولتا بلکہ شراب بول رہی ہے۔ فرماتے ہیں۔

(۱) در سخن پر دا زد از نو یا کہن — تو بگوئی بادہ گفت است این سخن

(۲) بادۂ را می بود این شر و شور — نور حق را نیست این فرہنگ و زور

(۳) گرچہ قرآن از لب پیغمبر است — ہر کہ گوید حق نگفتہ او کافر است

ایک شبہ کا ازالہ۔ | بعض مستشرقین یورپ اور دوسرے نام نہاد لوگوں کا خیال ہے کہ صوفیا

نے جس حالت کو فنا سے تعبیر کیا ہے یہ بعینہ وہی چیز ہے جس کو بدھ مت میں یزدان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان بت پرستانہ مزعومات کے اندر جو گمراہیاں اور حماقتیں چھپی ہوئی ہیں ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ دلائل السلوک" البتہ یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ ہمارے صوفیاء کرام کا فنا اس سے بالکل علیحدہ چیز ہے، صوفی اپنے نفس اور تمام حیوانی صفات سے خدا کی محبت میں علیحدہ ہوتا ہے اور علیحدگی کے لئے جو شئے بطور وسیلہ اختیار کرتا ہے وہ اپنے نفس کی تہذیب و تربیت ہے نہ کہ تعذیب اور تنکیل خوب سمجھ لیا جائے۔

پس جنید بغدادی ہوں یا مولانا روم، ابن عربی ہوں یا مولانا مدنی، جو شخص بھی صحیح تصوف اختیار کرے گا، وہ بالآخر روحانی ترقی کی آخری منزل پر پہنچ کر رہیگا اور اس کا قلب تقوی کے انوار سے جگمگا اٹھے گا، وہ شہوانی آمیزشوں نفسانی خواہشوں سے بالکل پاک ہو جائیگا، عجب، نمائش، کبر و ریاء، و نفاق و حسد اور طمع وغیرہ دنی صفات اس کے اندر سے یکسر معدوم ہو جائیں گی، صداقت، مروت، بلند نظری، طہارت، محبت اور رافت سے اس کا قلب سمندر بن جائے گا، وہ اللہ کے تمام بندوں بلکہ مخلوقات کے لئے ماں کی طرح شفیق ہوگا، یہاں تک کہ چرند و پرند بھی اس کی شفقت سے محروم نہ رہیں گے۔ شیخ محی الدین ابن عربی کے ان اشعار میں اسی مقام کے احوال بیان ہوئے ہیں۔

(۱) لقد کنت قبل الیوم انکر صاحبی اذا لم یکن دینی الی دینہ انی

آج سے پہلے میرا یہ حال تھا کہ اگر کسی شخص کا مذہب میرے مذہب کے الگ ہوتا تو میں اسکو بیگانہ خیال کرتا

(۲) وقد صار قلبی قابلاً کل صورۃ فمرعی لغزلان ودیر لرھبان

اور اب میرے دل کا یہ حال ہے کہ ہر صورت قبول کرنے کے لائق ہو گیا ہے، اب وہ ہرنوں کی چراگاہ بھی ہے اور راہبوں کا صومعہ بھی۔

(۳) وبیت لیران وکعبۃ طائف والواح توراۃ ومصحف قرآن

آتش پرست کا آتشکدہ بھی، اور عازم حج کا کعبہ بھی، لوح توراۃ بھی اور مصحفِ قرآن بھی۔

(۴) ادین بدین الحب انی توجہت رکائبہ فالحب دینی وایمانی

میں مذہبِ عشق کا پیرو ہوں وہ جہاں بھی لیجائے عشق ہی میرا دین اور عشق ہی میرا ایمان ہے، اس حقیقت کو سمجھنے میں اگر کسی کو شک ہو وہ سلسلہ چشتیہ، صابریہ، امدادیہ، رشیدیہ کے خاتم شیخ الاسلام وامام العصر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی متع اللہ المسلمین بطول بقائہ ونفعنا وسائر الطالبین باقوالہ وافعالہ واحوالہ کی صحبت اختیار کرے، انشاء اللہ اس آخری دور میں آپ کے وجود کو مغتنمات باردہ متصور کرے گا، اور جن امور کی جانب اوپر اشارہ کیا گیا ہے، آنکھوں سے مشاہدہ کے بعد قلب کو ہر طرح مطمئن پائے گا بلکہ شاہ ولی اللہ کی زبان میں پکار اٹھے گا، کہ "وقت وقت تست واے بر کسے کہ زیر لوائے تو نہ باشد"

ممکن ہے میری یہ باتیں کسی سرپھرے کو مبالغہ معلوم ہوتی ہوں، اس لئے اس موقع پر ہم امام العصر کے ایک مکتوب کو درج کر دینا ضروری سمجھتے ہیں، جو خلاصہ ہے ساری شریعت وطریقت کا، ارشاد ہوتا ہے۔

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

تصوف کا ضروری اور مضبوط اصول جو کہ نفس پر شاق بھی بہت ہوتا ہے یہ ہے کہ اپنے نفس کے ساتھ بدظنی اور دوسروں کے ساتھ حسنِ ظن رکھا جائے، اسی کے ماتحت حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

معرفت خدائے تعالیٰ ابراں کس حرام است کہ خود را از کافر فرنگ بہتر داند فکیف از اکابر دین۔

اپنے نفس کے کید و مکر سے کسی وقت بھی مطمئن نہ ہونا چاہیئے۔ ع

فانک تعرف کید الحضر والحکم

وَمَا اُبَرِّئُ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء . الخ پورا خط مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول کے اندر ملاحظہ ہو۔

اس مکتوب عالی کے شانِ نزول کے متعلق حیات شیخ الاسلام صفحہ ۲۷ ملاحظہ ہو،

والانامہ کے مذکورہ بالا فارسی فقروں کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ایسے شخص کو نصیب نہیں ہوتی جو اپنے کو کافر فرنگی سے بہتر سمجھے" یہ تو ہوئی عبارت مذکور کی ظاہری صورت لیکن جب ذرا گہرائی سے نصوص شرعیہ پر غور کیا جاتا ہے تو دو چیزیں ایسی ملتی ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں جن میں سے ایک کی پستی کی کوئی حد نہیں اور دوسری کی رفعت و بلندی سے برتر کوئی مقام نہیں یعنی ایک تواضع اور دوسرے کبر۔

تواضع کے معنی فروتنی و عاجزی کرنا، ارباب طریقت کے نزدیک تواضع نام ہے انقیاد و فرمانبرداری اللہ سبحانہ تعالیٰ خوف و رجا کے ساتھ کرنا اور مقام عبودیت میں اپنے نفس کو بیچ سے نکال دینا، اور مخلوق کیساتھ انصاف سے پیش آنا ہے جسکی علامت یہ ہے کہ اگر بندے پر غصہ کیا جائے یا اس کے خلاف کوئی بات ظاہر کیجائے یا اس کا رد و انکار کیا جائے تو وہ بندہ ہر ایک کو بخوشی قبول کرلے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ تواضع و خاکساری ایسی نعمت ہے کہ اس پر کوئی شخص حسد نہیں کرتا ہے اور اسی کے مقابل کبر یعنی بڑائی اور بزرگ بننا ایسی مصیبت ہے کہ جس پر کوئی شخص رحم کرنے کو تیار نہیں، کیونکہ اپنے تئیں عالی قدر او معزز خیال کرنا اور نفس پرور ہونا، اپنے مقابل دوسروں کو ذلیل سمجھنا۔۔ خود سری کرنا، ایسے مذموم اوصاف ہیں کہ دنیا دشمن بن جاتی ہے، چنانچہ سارا گھمنڈ دنیا ہی میں ناک کی راہ سے نکل جاتا ہے اور آخرت کا عذاب تو جو کچھ ہوگا وہ اللہ ہی بہتر جانے وجہ یہ ہے کہ عظمت و بزرگی، کبریائی اور ہر طرح کی بڑائی اللہ تعالیٰ کے مخصوصات میں سے ہے، یہی کبر ذات باری کے ساتھ لگ جاتا ہے، تو اسکی عظمت و رفعت اور بڑائی کی کوئی انتہا نہیں رہتی لیکن جب یہی کبر مخلوق کے اندر آجاتا ہے تو ساری بلندی کا مفہوم

پستی میں تبدیل ہو جاتا ہے، اسی طرح تواضع کی نسبت ذات واجب الوجود کے ساتھ کرنا صحیح نہیں، اور بندے کے لئے عین ایمان و اسلام بن جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہم نقل کرتے ہیں، جس سے تواضع اور کبر کی اہمیت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے برسر ممبر ارشاد فرمایا کہ اے لوگو فروتنی کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص لوگوں کے ساتھ اللہ کے لئے تواضع کرے تو اللہ اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے پس وہ اپنی نظر میں حقیر ہے اور لوگوں کی آنکھوں میں بزرگ ہے۔ اور جو کوئی تکبر کرے پست کرتا ہے اللہ تعالیٰ مرتبہ اس کا، ایسا آدمی لوگوں کی آنکھوں میں حقیر ہے، اور اپنی نظر میں بزرگ ہے، بلکہ وہ خوار و ذلیل تر ہے، لوگوں کے نزدیک کتے اور سور سے (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی)

حدیث مذکور کے الفاظ پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کبر بدترین گناہ اور شرک کے مرادف ہے، اور یہ جو صوفیہ نے فرمایا ہے کہ تمام عبادات کا سر امخالفتِ نفس ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تواضع کے پیدا ہونے میں جو چیز مانع ہوتی ہے وہ محض نفس کی خواہشات، جہاں اسکی مخالفت ہوئی فروتنی و خاکساری نے اپنا ڈیرہ ڈالدیا اور جہاں اسکی خواہشات پر عملدرآمد شروع ہوا، کبر، غرور، گھمنڈ نے اپنا ہاتھ پیر پھیلانا شروع کر دیا، خوب بات فرمائی حضرت سری سقطیؒ استاذ جنید اور شاگرد معروف کرخیؒ نے معصیتے کہ از شہوت خیزد امید آمرزش تواں داشت وآنچہ از کبر خیزد امید مغفرت نیست کہ نافرمانی ابلیس از کبر بود و زلت آدم از شہوت "

حضرت ابو ہاشمؒ جو سب سے پہلے لفظ صوفی سے موسوم ہوئے، اور جنہوں نے سب سے پہلے رملہ میں خانقاہ کی بنیاد رکھی، کوفہ کے رہنے والے تھے اور قیامگاہ شام تھی، فرماتے ہیں۔

نقلع الجبال بالابرۃ ایسر من اخراج یعنی سوئی سے پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا بہت آسان ہے

الکبر من القلب۔ لیکن قلب سے کبر اور غرور کا نکلنا کارے دارد۔

قرآن مجید میں ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ — اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو آمادہ

الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُہٗ جَھَنَّمُ — کرے اسکو غرور گناہ پر، سو کافی ہے اسکو دوزخ

وَلَبِئْسَ الْمِھَادُ۔ (بقرہ) — اور وہ بیشک برا ٹھکانہ ہے۔

ان معروضات کے بعد کہنا پڑتا ہے کہ آج سب سے زیادہ جو جنس نایاب بلکہ کمیاب ہے وہ تواضع و خاکساری، عاجزی اور فروتنی ہے، اور جس چیز کی سب سے زیادہ کثرت و بہتات ہے وہ کبر اور غرور کی لعنت ہے۔ حضرت مسیح کی زبان میں جو زمین کا نمک ہیں، یعنی علماء اور مشائخ اور جن پر امت کی رہنمائی کے ساتھ خود شناسی اور خدا شناسی کا اہم فریضہ عوام سے زیادہ عائد ہوتا ہے، ان میں اختلاف و شقاق، تفرق و تشتت (جو قرآن کی زبان میں کفر ہے) پایا جانا صاف پتہ دے رہا ہے کہ تواضع مفقود اور کبر رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے، اس لئے امت کا شیرازہ پراگندہ اور اتفاق و اتحاد کی دولت رخصت ہو چکی ہے، جس کا اعتراف بلکہ عجیب و غریب انکشاف دادا پیر عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

"اتفاق و اتحاد کی جڑ تواضع ہے، اگر ہر شخص دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھنے لگے جو تصوف کی تعلیم و تربیت کا لازمہ ہے تو پھر نا اتفاقی کی نوبت ہی نہ آئے، کیونکہ نا اتفاقی اسی سے تو پیدا ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے کو دوسرے سے افضل سمجھتا ہے اور اس سے بڑھنا چاہتا ہے۔ (معارف)

حضرت حاجی صاحبؒ جو فن کے امام ہیں، آپ کا یہ پیغام حق خصوصاً تمام علماء و مشائخ کے نام وقت کا سب سے اہم پیغام ہے، اور عطر ہے اسلامی تعلیمات کا جس پر عمل کئے بغیر انسان ہونا محل بحث ہے صوفی اور سجادہ نشین ہونا تو غیر ممکن نہیں، یہ اور بات ہے کہ اپنی دوکانداری اور عزت رفتہ کے لئے بزرگوں کے شرف و مجد کو استعمال کیا جائے جیسا کہ

مشاہدہ ہے، لیکن تواضع اور بےنفسی جو لازمۂ تصوف و سلوک ہے، وہ خاصہ ہے امام العصر دامت فیوضہم کا نہ کہ عہدِ حاضر کے دوکانداروں کا ؎

جلالِ عشق مصافِ خودی جہاد و ستیز حسین مابہ مقام محمدی محکم

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر ہزاروں رحمتیں نازل ہوں کہ آپ نے ہندی مسلمانوں کے لئے جو علمی اور عملی پروگرام مرتب فرمایا تھا اس میں اتباع سلف صالحین ہی کو اصل اور اساس قرار دیا تھا۔ { حضرت مولانا مدنی اور اتباع اساتذہ و مشائخ }

اس کو شاہ صاحب کے علوم و معارف کے شناسا اچھی طرح جانتے ہیں، اگر اس حقیقت کو نظر انداز نہ کیا گیا ہوتا تو علماء کے اندر سے بہت سا اختلاف خود ختم ہو گیا ہوتا، علماء دیوبند کی اکثریت نے اپنے شیوخ اور اساتذہ کی سیاسی اور اعتقادی مسلک کو مضبوطی سے پکڑا، ان میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی مدظلہ العالی کا مقام بہت بلند بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ خصوصی امتیاز آپ کو حاصل ہے تو عین حقیقت ہوگی، تاہم افادہ کے طور پر چند باتیں ذکر کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام کو اپنے استاذ اور شیخ طریقت سے کس درجہ گہرا رابطہ اور کس درجہ گہری عقیدت و مماثلت ہے:

(۱) حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ اپنے کو کمترین مخلوقات سمجھنا۔ (امداد المشتاق)

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہندؒ کے حالاتِ زندگی پڑھئے اور اس کے بعد مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول و دوم پڑھئے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کی تواضع اور خاکساری کی دوسری نظیر حضرت حاجی صاحبؒ اور مولانا گنگوہی اور شیخ الہندؒ کے تلامذہ اور مریدین میں نہیں ہے اور اگر بھی اور ہے تو بہت کم۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حکیم الامت ص ۹۱)

(۲) حضرت حاجی صاحب مہمانوں کی ضیافت بخوشی فرماتے تھے، اور آپ کی

غیرت نہیں چاہتی کہ کسی اور کو موقع دیا جائے۔ (حوالہ مذکورہ)

مکتوباتِ شیخ الاسلام کو پڑھیئے، اور اسی کے ساتھ شیخ الہندؒ کی زندگی کو ملاحظہ فرمائیے اور پھر مدنی ضیافت اور حضرت ابراہیم خلیلؑ کی سنت کو سامنے رکھیئے تو کیا شیخ الاسلام سے بڑھ کر کوئی اور ہستی اس خلق نبوی صلعم میں آپ کی شریک وسہیم ہے؟

(۳) ایک شخص نے حاجی صاحب کی شان میں ایک قصیدہ مدحیہ لکھا تھا اور پڑھنا شروع کیا، حضرت حاجی صاحب کے چہرے سے برابر آثار کراہت کے ظاہر ہو رہے تھے۔ (حوالہ مذکور)

مکتوباتِ شیخ الاسلام کو پڑھیئے اور جی میں آئے آپ کی تعریف نثر اور نظم میں آپ کے سامنے کیجئے، خود فیصلہ ہو جائے گا کہ کس درجہ اپنی تعریف سے نہ صرف احتراز بلکہ نفرت اور کراہت کا اظہار فرماتے رہتے ہیں۔

(۴) حاجی صاحب اپنی خوش اخلاقی سے بے وقت آنے والوں اور وقت ضائع کرنے والوں کو کچھ نہیں کہا کرتے۔ اسوجہ کی شفقت اعلیٰ درجہ کی شان مشیخت ہے۔ (امداد المشتاق)

حضرت شیخ الاسلام کی بارگاہ میں حاضری کا شرف جن کو حاصل ہوا ہے یا جن کو بیعت ارادت کی سعادت نصیب ہو چکی ہے وہ تو خیر سب سے بڑے شاہد ہیں جن کو محض کبھی کبھار خدمت میں آنے جانے کا وقت اور بے وقت اتفاق ہوا ہے پوچھ لیجئے ان کی کیا شہادت ہے؟ آخر یہ اعلیٰ شان مشیخت کا کون حکم صادر فرما رہا ہے؟

(۵) تصوف کا یہ مسئلہ مسلم ہے کہ صاحب نسبت ہونے کے بعد منتہی کو شیخ کے ہر فعل کا اتباع ضروری نہیں، جیسا کہ مبتدی کو۔ (امداد)

مکتوباتِ شیخ الاسلام میں حضرت شیخ مدنی مدظلہ العالی کا بھی یہی فیصلہ ہے، اور اسی کو حق سمجھتے ہوئے، پھر بھی اپنے اساتذہ اور مشایخ کے طریق سے تجاوز گوارا نہیں ہے۔

(۶) حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کیا نماز روزہ ہی عبادت ہے اور دوستوں کا دل خوش کرنا عبادت نہیں۔ (امداد المشتاق)

حضرت شیخ الاسلام اس وصف میں بھی اپنے اساتذہ اور مشائخ سے پیچھے نہیں ہیں بلکہ خدام کی دلجوئی وغیرہ میں اپنے معمولات تک کو ترک فرمانا اور مؤخر کرنا ہر وارد و صادر کا مشاہدہ ہے،

(۷) حب ایمانی اور حب عشقی میں حضرت حاجی صاحب حب عشقی کو ترجیح دیتے ہیں (امداد)۔ یہی مسلک عملاً حضرت شیخ الاسلام کا ہے، البتہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ وغیرہم اکابر نقشبند حب ایمانی کو بہتر خیال کرتے ہیں، ملاحظہ ہو۔ (صراط مستقیم)

(۸) حضرت حاجی صاحبؒ کا عقد ساڑھے ریال پر ہوا تھا یعنی ۱۲۵ روپیہ ہندی، (امداد) حضرت شیخ الاسلام مدظلہٗ اس معاملہ میں بھی حضرت حاجی صاحبؒ حضرت نانوتویؒ اور شیخ الہندؒ کے نقش قدم پر سختی سے عامل ہیں، ملاحظہ ہو مکتوبات شیخ الاسلام۔

(۹) مکتوبات شیخ الاسلام کو پڑھئے، جو انداز تحریر، استدلال، عقیدہ، مسلک اور تصوف و سلوک وغیرہ کی تعلیم میں حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کا رنگ ہے، وہ بھی اپنے استاد اور مربی حضرت شیخ الہندؒ وغیرہم اکابر ہند کا کامل اتباع ہے ملاحظہ ہو مکتوب سامی حضرت شیخ الہند جو مولانا حافظ حبیب الرحمٰن صاحب سیوہارہ کے نام مالٹا سے شرف صدور ہوا تھا، اور جو قارئین کرام کے افادہ کے لئے درج ذیل ہے، ہم مولانا سیوہاروی کے بہت شکرگذار ہیں کہ اصل کی زیارت کا شرف مجھ جیسے سراپا تقصیر کو بخشا، جزاہ اللہ خیر الجزاء

نقل مکتوب شیخ الہندؒ

سراپا عنایت و کرم عافاکم اللہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

آپ کا جوابی کارڈ جس پر تاریخ و مہینہ کچھ نہ تھا، موسم حج کے بعد آخر ذی الحجہ پر بندہ کو ملا، اول تو ہمارے پاس جو خط آتا ہے، اس کا محصول معاف ہے، آپ نے ناحق

دو۲ کارڈ ضائع کئے، دوسرے ہم لوگ بجز اس کارڈ کے جس پر آپ کو خط لکھ رہا ہوں کسی دوسرے کاغذ پر خط نہیں لکھتے، اس لئے آپ کا جوابی کارڈ تبرکاً رکھ کر اسپر آپ کو جواب لکھ رہا ہوں۔

مکرما! آجکل جو تغیرات عالم میں پیش ہیں ان پر بے تکلف مقولہ حضرت شیخ علیہ رحمہ کہ؛

یاراں فراموش کردند عشق

صادق آتا ہے، لیکن حسب ارشاد قرآنی ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ عالم میں ان حوادث کے ظاہر فرمانے سے حق سبحانہ تعالیٰ رحیم و کریم کی یہی حکمت ہوتی ہے کہ جو بندے دنیا اور معاصی میں منہمک ہیں ان کو تنبیہ ہو، اور دنیاوی خرافات سے ہٹ کر فکر آخرت کی طرف رجوع کریں اور دنیا کی محبت سے باز آئیں، سہ

انقلاباتِ جہاں واعظِ رب ہیں سُن لو ہر تغیر سے ندا آتی ہے فافہم فافہم

ان حوادثِ گوناگون کو دیکھ کر بھی اگر ہم کو تنبیہ نہ ہو تو پھر ہم سے زیادہ بد قسمت اور محروم کون ہوگا، ہم کو نظرِ عبرت سے اور غور سے ان کو دیکھنا چاہیے، اور ہمت اور استقلال کے ساتھ اس کی اطاعت میں کمربستہ ہوجانا چاہیئے اور جملہ معاصی سے متنفر اور یکسو ہونے میں کوشش کرنی چاہیئے اور دعاء توفیق میں مشغول رہنا چاہیئے، بندہ آپ کے لئے دعاءِ خیر کرتا ہے، آپ بھی دعاءِ خیر سے یاد رکھیں، آپ سے ہوسکے تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ ولا ملجا، ولا منجا من اللہ الا الیہ، تین تسبیح روزانہ باطمینان پڑھ لیا کریں، معلوم نہیں آپ حج کو گئے یا نہیں، خدا کرے آپ بامراد واپس ہوچکے ہوں، باقی سب خیریت ہے، والسلام۔ فقط سب رفقاء سب کو سلام فرماتے ہیں۔ مولوی رضا حسن صاحب کو معلوم ہو کہ مکرم رفیق مولوی سید نصرت حسین صاحب بماہِ ذیقعدہ مرض نمونیہ میں وفات پاچکے، انا للہ ولہ ما اخذ۔ مالٹہ ۱۳۳۶ھ محمود حسن ۲۳/۱۹

اس والانامہ کے اوپر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی مدظلہٗ العالی کے ہاتھ سے ذیل کے دو شعر تحریر ہیں ؎

گفتن آن طوطی کہ آنجا طوطیاں چون بہ بینی کن زحال من بیان

کہ فلاں طوطی کہ مشتاق شما است از قضاء آسماں در حبس ما است

ان دونوں شعروں میں ساری داستان آگئی جس کی تفصیل کیلئے دفتر ناکافی ہے، شیخ الہندؒ کا ایک اور والانامہ بھی ملاحظہ ہو جو فوائد سے خالی نہیں۔

مکرم بندہ سلمکم اللہ تعالیٰ،

بندہ محمود سلام مسنون کے بعد ملتمس ہے، عنایت نامہ موصول ہوا حضرت رائے پوری رحمہ اللہ نے جو آپ کو تعلیم فرمایا، اس کو بالالتزام کرنا ضروری ہے، اگر طبیعت کاہلی کرے تو بالجبر اپنے معمولات کو پورا کرو، کسی وقت طبیعت نہ لگے تو بھی اپنے معمولات کو ناغہ مت ہونے دو، کسی وقت پریشانی زیادہ ہو تو غسل کرنا ٹھنڈے پانی سے مفید ہے، نیز پریشانی کے وقت اس دعا کو چند بار پڑھ لیا کرو۔

اللھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب اللھم نقنی من الذنوب کما انقیت الثوب الابیض من الدنس اللھم اغسل خطایای بالماء والثلج والبرد۔

بالجملہ ہمت اور شوق سے کام کرو، اور کاہلی دفع کرنے میں جدوجہد سے کام لو، دعا بندہ بھی کرتا ہے، مولوی حسین احمد صاحب، مولوی عزیز گل صاحب سفر پر گئے ہیں۔ حافظ حبیب الرحمٰن صاحب کو سلام مسنون، والسلام۔

بندہ محمود دیوبند ۱۰ر ذیقعدہ۔

یہ والانامہ مولوی عبدالغفور صاحب سیوہارہ کے نام ہے جو حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں، موصوف نے اپنے قلبی حالات حضرت شیخ الہندؒ کو تحریر کئے تھے

جواب میں یہ مکتوب گرامی شرف صدور ہوا۔ ناظرین خود انصاف فرمائیں گے کہ مولانا مدنی مدظلہ سلوک و تصوف میں بھی کس درجہ اپنے اساتذہ اور شیوخ بالخصوص حضرت شیخ الہند کے نقش قدم پر ہیں، شیخ الہند کے ان ہر دو والا ناموں سے یہ بات ظاہر ہے کہ سالک کی تربیت اور تعلیم میں وہی طریقہ اختیار فرمایا ہے جو فطرت کے قریب اور مزاج شریعت کے مطابق ہے، نہ کوئی فلسفیانہ تمہید ہے، نہ بوعلی سینائی موشگافی بلکہ وہی کتاب و سنت کا آزمودہ نسخہ جو ایک ماہر فن ہی تجویز کر سکتا ہے، بتلایا جا رہا ہے مکتوبات شیخ الاسلام میں مدنی مطب کی یہ خوبی نمایاں ہے، جو پرتو ہے محمود و رشید اور حاجی صاحب کا

(۱۰) حضرت شیخ الاسلام کا سیاسی مسلک وہی ہے، جو حاجی صاحب، قطب گنگوہی حجۃ الاسلام نانوتوی اور حضرت شیخ الہند کا جانا بوجھا مذہب تھا، شیخ الاسلام متع اللہ المسلمین بطول بقائہ کی لازوال مسکراہٹ اور دلنواز بذلہ سنجی میں ایک گہرے غم کی تلخی بھی شامل ہے علم و عمل کے اس محشرستان میں حسین احمد کا دل خاموش مزار بنا ہوا ہے، کیونکہ آپ کا تعلق دنیا کے اس خاندان سے ہے جس کو ملت اور انسانیت کہتے ہیں، مگر تاریخ کا یہ سب سے بڑا حادثہ ہے کہ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء کے درمیان ہندوستان میں مسلمانوں کی قیادت عظمیٰ کا دور کم و بیش اس دور سے مشابہت رکھتا ہے، جو یورپ میں ایک بے پناہ آمریت کا گذرا، اور قیادت عظمیٰ نے اپنی قیادت کی عظمتوں کا ایک مینار تعمیر کر لیا، لیکن دنیا کا آنے والا مورخ کس طرح اس حقیقت کو بھول جائے گا کہ پاکستان جب قیادت عظمیٰ کی کوششوں سے آباد اور آراستہ ہوا تو ساتھ ہی خود قائد اعظم کے ہم قوموں کے کروڑوں گھر بے چراغ اور کروڑوں دل ویران ہو گئے، اور راوی کے کنارے سے گنگا اور جمنا کے ساحل تک خون کی ندیاں بہ گئیں، ان کا تذکرہ ہی شرمناک ہے، حالانکہ آزادی ہند کی تاریخ شاہد ہے کہ مولانا مدنی ایک مخصوص فکر کے شاندار ترجمان ہیں، جو برطانوی سامراج کے خلاف ایک مستقل بغاوت بن کر آئے، ہندوستان، ملایا، انڈونیشیا، افغانستان، ایران، مصر، ٹیونس اور

الجزائر وغیرہ پر برطانوی استعمار غالب تھا، ان ملکوں اور قوموں کی طرف سے اگر واقعی کوئی فرض کفایہ بن سکتا تھا تو وہ مولانا مدنی ہی کی ذات تھی، اور بقول ایڈیٹر پیام مشرق دہلی یہ فرض اس طرح ادا ہوا کہ پیرانہ سالی کے باوجود اس مجاہد اعظم اس بطل جلیل کی ریڑھ کی ہڈی میں آج تک خفیف سا بھی خم پیدا نہ ہوا۔ انگریزوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار کو للکارا تھا، اور حکومت مغلیہ کا خاتمہ دنیا کے چالیس پچاس کروڑ مسلمانوں سے زیادہ کے لئے اہم ترین واقعہ تھا، انگریز ہمارے طریقے، ہمارے فکر، ہماری معاشرت ہماری زبان بدلنا چاہتا تھا، اس سے لڑائی بالکل اصولی تھی، اور یہی وجہ تھی کہ علمائے کے ایک بیدار طبقہ نے جس کی رہنمائی کا شرف بعد کو حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے شاگرد رشید مولانا حسین احمد مدنی کو حاصل ہوا۔ مولانا مدنی نے سوچا کہ برطانیہ جیسی قہرمان طاقت کا مقابلہ گنتی کے کچھ علماء نہیں کر سکتے بلکہ اس کیلئے مختلف فرقوں، مختلف جماعتوں کا ایک ہندوستان گیر و عالمگیر متحدہ محاذ قائم ہونا چاہیئے اور اگر یہ محاذ ہندوستان میں مضبوط ہو گیا تو برطانوی استعمار کی گرفت ایشیا میں" ڈھیلی پڑ جائے گی۔ مولانا مدنی کے سامنے اقلیت مسلمانوں کے چھین نیصدی حقوق کا معاملہ نہیں تھا، بلکہ استخلاص وطن یا ہندوستان کی آزادی کا معاملہ تھا، جو ایشیا اور افریقہ کی آزادی کا ایک بنیادی نکتہ ہو سکتا تھا، ایشیا میں مولانا مدنی کی وہ یکہ اور تنہا ذات تھی، جس کی نگاہ کا مرکزی نکتہ صرف انگریزی سامراج تھا، اور چاروں طرف سے آنکھیں بند کر کے انہوں نے انگریزوں اور صرف انگریزوں سے ٹکر لی، اور اس مقصد میں بڑی حد تک کامیابی ہوئی اور بیسویں صدی میں انگریزی سامراج کے دشمن مولانا مدنی ہوئے، نہ کہ نیا دت عظمیٰ۔

ایک مجاہد جو اپنی زندگی کی آخری سانس تک مجاہد رہے گا، وہ مولانا مدنی ہیں جس کے خلوص کے آگے بڑے سے بڑے فرعون کی اکڑی ہوئی گردن جھک سکتی ہے، اس پیرانہ سالی کے باوجود اب بھی آپ کی آنکھوں میں ترک مجاہد کا عزم و ارادہ کا خمار

پایا جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ معصوم بچہ ابھی ابھی نیند سے بیدار ہوا ہے اور بالکل شگفتہ ہے،، یہ مخصوص مقام اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جو اپنے مشائخ اور اساتذہ کے علم و عمل اعتقاد و مذہب اور سیاسی مسلک میں بھرپور ہو اور جس کے لئے قدرت نے سلسلہ امدادیہ چشتیہ، صابریہ اور رشیدیہ کا خاتم ہونا لکھدیا ہو، مولانا مدنی کے علوم و فنون پر میرے جیسا طالب علم کیا خامہ فرسائی کر سکتا ہے، ہاں جن بزرگوں کو حق تھا اور ہے ان میں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عاشق الٰہی مرحوم، مولانا سید اصغر حسین صاحب مرحوم کے تاثرات اور شہادتیں آپ کے محقق ہونے پر پیش کی جاتی ہیں اور بہت سی جلد اول میں اور جلد دوم کے حواشی میں آچکی ہیں۔

(۱) مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی کو حضرت تھانویؒ ہدایت فرماتے ہیں۔

"کوئی مضمون دینی بدون ملاحظہ مولانا حسین احمد صاحب کے شائع نہ کیا جاوے" (حکیم الامت ۱۰۳)

ایسی تحقیقات کیلئے مولانا حسین احمد صاحب، مولانا انور شاہ صاحب کی طرف توجہ دلاتا ہوں، ص ۱۳۳

(۲) مولانا حسین احمد صاحب کا درس حرم نبوی میں بحمد اللہ بہت عروج پر ہے اور عزت و جاہ بھی حق تعالیٰ نے وہ عطا فرمایا ہے جو ہندی علماء کو کیا معنی یمنی و شامی بلکہ مدنی علماء کو بھی وہ بات حاصل نہیں، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ۔ (تذکرۃ الرشید)

(۳) ۱۳۵۱ھ میں حضرت شیخ الہندؒ کے حلقہ درس میں دوسری مرتبہ جامع ترمذی اور صحیح بخاری شریف پڑھی، مولانا مدنی کی شرکت اور حسن سوال کی وجہ سے حضرت شیخ الہندؒ سبق میں وہ مضامین عالیہ بیان فرماتے تھے جن کو عام طور سے ہمیشہ درس میں ذکر فرمانے کی عادت نہیں تھی،، (حیات شیخ الاسلام)

مگر ہمارے مخدوم مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہٗ جو اپنے بیتے ہوئے دن کی روداد رسالہ دارالعلوم میں شائع فرما رہے ہیں، جب آپ کا قلم حضرت مولانا مدنی پر پہنچا ہے تو اس طرح گذر گیا، گویا مولانا موصوف کوئی غیر دیوبندی بزرگ تھے ہمکو تعجب ہے کہ حالانکہ

علا عن المدح حتی مایزان بہ کانما المدح من مقدارہ یضع

ترجمہ:۔ مادحین کی مدح ان کے ہمرتبہ نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ مدح ان کے رتبہ سے نیچے رہ جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ مولانا مدنی کے اوصاف میں اخلاق یعنی وہ حقوق جو باہم ایک دوسرے پر قانونی حیثیت سے فرض نہیں ہیں، مگر روح کی تکمیل اور معاشرت کی ترقی کے لئے ناگزیر ہیں، بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں اس میں استقامتِ عمل، حسن خلق، حسن معاملہ: عدل و انصاف جود و سخا، مہمان نوازی گداگری سے نفرت صدقہ سے پرہیز، عدم تشدد، عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی، سادگی اور بے تکلفی، شرم و حیا، عزم و استقلال، راست گفتاری، ایفائے عہد، زہد و قناعت، عفو و حلم، دشمنوں سے درگزر، کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ، غریبوں کے ساتھ محبت، بچوں سے شفقت، رقیق القلبی، عیادت و تعزیت، لطف طبع، بڑوں کی تعظیم، علماء کی صحبت، اپنے نفس پر جبر، جاہلوں کو نصیحت، تواضع و مساوات ایثار اخلاق کے وہ خط و خال ہیں، جو ایک شیخ طریقت میں صحیح طور پر موجود ہونے چاہئیں اور انسان کی اسی عملی سیرت کا دوسرا نام کتاب و سنت کی اصطلاح میں خلق ہے ایک شیخ وقت اور امام عصر جو وراثت و نیابتِ انبیائے کے مقام پر فائز ہوتا ہے، اگر اس کے اندر صداقت پاکدامنی، نماز کی پابندی، خدمت خلق، اور اہل قرابت کے حقوق کی ادائگی میں کمزوری پائی جائے، تو وہ شیخ کامل نہیں بلکہ ناقص ہے، یہی اوصاف صوفیاء قدیم کی زندگی کا لاینفک جزو ہیں، اور یہی چیز صحیح تصوف و سلوک اور متصوفین عہد قدیم و جدید میں مابہ الامتیاز ہے، جو امام العصر اور شیخ الاسلام کا طغرائے امتیاز ہے ؎

درکفِ جام شریعت درکفِ سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

صوفیائے کرام اور اشاعت اسلام تاریخ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ترویج احکام شرعیہ اور توسیع اسلام کا کام ہندوستان میں علماء حق اور صوفیاء برحق ہی نے جس ہوشمندی اور جانفکاہی سے کیا ہے وہ ان کا مخصوص کارنامہ ہے، چنانچہ سندھ کے بعد شمالی ہندوستان

میں ارشاد و ہدایت کا سرچشمہ سب سے پہلے لاہور میں پھوٹا اور اولاً اس شہر میں جس بزرگ نے اشاعت اسلام کا کام شروع کیا وہ حضرت شیخ اسمٰعیل لاہوری تھے، آپ کے بارے میں علمائے ہند کے تذکروں میں لکھا ہے۔

"از عظمائے محدثین و مفسرین بود اول کسے است کہ علم تفسیر و حدیث بہ لاہور آوردہ ہزار ہا مردم در مجلس وعظ وے مشرف باسلام شدند، در سال چہار صد و ہشت ہجری در لاہور گذشت"

شیخ اسمٰعیل لاہوری سے پہلے بعض عربی کتابوں میں لاہور کے نو مسلم فقیر بابا رتن ہندی، بابا خاکی، بی بی پاکدامن کا ذکر ملتا ہے، حتیٰ کہ اول الذکر فقیر کے بارے میں صوفیہ کے علاوہ ابن حجرؒ جیسا محدث اسکی صحابیت کی طرف مائل ہے، حالانکہ ابن حجر کے علاوہ جملہ محدثین انکار صحبت کرتے ہیں نہ کہ انکار وجود، شیخ مجدالدین فیروز آبادی صاحب قاموس بچشم خود دیکھنا بیان فرماتے ہیں، اور صحابیت کے شدت سے بدلائل منکر ہیں اور یہی حق ہے، یہی صوفیاء کرام جن کا اسلامی نام علماء حق ہے، انہیں کی مساعی جلیلہ اور شیم جمیلہ سے لاہور، اجمیر، ملتان، دہلی، مالابار، گجرات، کچھ، بنگال، کشمیر وغیرہ کے گرد و نواح میں اسلام پھیلا، اور حسب بیان انڈین اسلام از ٹائی ٹس صوفیاء کی آمد اور مسلمانوں کی حکومت کے قیام سے ہندوستان کو بیش از بیش فائدے پہنچے جن کی تفصیل میں ہم پڑنا نہیں چاہتے کیونکہ خاک ہند کا چپہ چپہ اس صداقت کا گواہ ہے، اور سلسلۂ چشتیہ کے سرخیل سلطان الہند حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے سلسلہ کے متوسلین اور مریدین کے کارنامے رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے، جنہوں نے جماعت سازی اور فرقہ بندی سے بہت بلند ہو کر اسلام کی ہمہ گیر تعلیم کو محدود نہیں کیا۔ بلکہ ... مسلمانوں کی زندگی کے ہر ہر گوشہ کو اس سے منور کیا اور اعلاء کلمۃ الحق میں بلا خوف لومۃ لائم اپنے کو ڈال کر باطل کا رخ موڑ دیا، اپنے کردار کی بلندی اور خلق نبوی کی طاقت سے لوہے کو

سوم، زہر کو تریاق، نفرت اور عداوت کو پریم و محبت میں تبدیل کر دیا، صدیاں گزر گئیں، مگر آج بھی ہزاروں لاکھوں مخلوق الٰہی باوجود غیر مذہب ہونے کے انہیں بزرگوں کے آستانوں پر حاضری دیتی اور غیر معمولی ادب و احترام، عقیدت و نیازمندی سے پیش آتی ہے، چنانچہ تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کے شہید کرنے والوں میں ۱۹ ہندو ریاستیں شریک تھیں لیکن باوجود اس کے آپ کی رحلت کے بعد وہی لوگ آپ کے مزار پر آپ کی صداقت، خلوص وللہیت کے اعتراف کیساتھ برابر حاضری دینے اور اب تک نذر عقیدت کے پھول چڑھانے میں دوسروں سے پیش پیش ہیں، صوفیاء کا قدیم مذہب صلح کل خدمت خلق، اور محبت مخلوق الٰہی پر مبنی تھا یہی وجہ ہے کہ جو ان کو کامیابی ہوئی آج تک دوسروں کو کامیابی نہ ہو سکی ؎

رقص و سرود میں ہے نہ بادہ کشی میں ہے
لذت جو سوز و درد و غم عاشقی میں ہے

سلوک بالنبوت میں تصوف و سلوک کے بارے میں علماء رسوم اور ارباب ظاہر میں سے تغیر اور آمیزش بعض کو نام سے اور بعض کو کام سے نفرت ہے اس نفرت کی وجہ میں جہاں ان کی جہالت کو دخل ہے وہیں متصوفین کے کچھ کارنامے بھی ہیں جو قدیم صوفیاء سے بہت دور کر دیتے ہیں تفصیل کے لئے ہماری کتاب "دلائل السلوک" کا انتظار کرنا چاہیئے، جن لوگوں کو نام سے چڑھ ہے، ان کا کہنا ہے کہ تصوف کا لفظ غیر اسلامی ہے جو لغوی اور صرفی اعتبار سے نہ تو صفا اور صفہ سے مشتق ہے اور نہ اس کی کوئی صحیح تحقیق سمجھ میں آتی ہے، حالانکہ طوسی صاحب اللمع صاحب عوارف اور علامہ ابن خلدون وغیرہم کی تحقیق یہ ہے کہ اس لفظ کا اطلاق ان زاہدین اور عرفاء پر ہوتا ہے جو صوف (اون) کے لباس زیادہ تر پہنا کرتے تھے اور اشتقاق لغوی پر ان کا یہ استدلال بالکل حق ہے اہل عربیت بولا کرتے ہیں، تصوف اذالبس الصوف جیسے کہا جاتا ہے، تقمص اذالبس القمیص" صاف بات ہے کہ صوفی اسکو کہا جانے لگا جو عموماً حضرات انبیاء اور صحابہ

کی پیروی میں موٹے اور ادنی کپڑے پہنا کرتے تھے اور یہ بات عام طور پر تمام امتوں اور زبانوں میں جانی بوجھی حقیقت ہے کہ بہت سی اشیاء کے اسماء محض خارجی توافق کے بنا پر بولے جاتے اور سمجھے جاتے ہیں، اسی بنا پر متصوفین محض بلاد عربیہ اور حدود فارس ہی کے اندر صوف پوشی کی بنا پر مشہور تھے، لیکن فارس کے اندر اور ترکستان اور ہند میں ان کا نام عدم صوف پوشی کی بنا پر درادیش اور فقراء تھا، حواریین حضرت عیسٰی وغیرہ اس استدلال حق کے مؤید ہیں، نیز امام احمد کتاب زہد میں بسند صحیح روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام بالوں کا کپڑا پہنتے تھے، خواجہ حسن بصری کا قول ہے کہ میں نے ستّر بدری صحابیوں کو پایا کہ جن کا لباس صوف تھا اسکو فقیہ اور محدث ابوعبداللہ حسین شافعی نے مجمع الاحباب میں بروایت ابی نعیم اصفہانی بیان کیا ہے امام طحاوی مشکل الآثار میں بسند جید حضرت ابن مسعود سے روایت لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سابق میں صوف پہنتے تھے، ترمذی اور حاکم حضرت عائشہؓ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ کے پاس جبہ صوف کا ہونا ثابت ہے، اور اسکی تصحیح بھی ترمذی نے کردی ہے، حتی کہ ابن ماجہ، بیہقی وغیرہ میں بھی صوف پوشی پر روایتیں موجود ہیں اسی کے ساتھ البذاذة من الایمان جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، سامنے رکھا جائے، جس کے معنی لباس میں تواضع شان ایمان میں سے ہے لگے ہاتھوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد "من رق ثوبہ رق دینہ" یعنی جس نے باریک کپڑے پہنے اسکا دینی احساس بھی کمزور ہو جاتا ہے بڑی ہی گہری نفسیات کی حکیمانہ غمازی ہے۔

عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں آیت سورہ جمعہ ھوالذی بعث فی الامیین الخ کی تشریح کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

عَلم احسان یعنی از قوالب عبادات بارواح آں و از صور طاعات بانوار آں ترقی نمودن و نام احسان امروز طریقت و معرفت است، عـ۴۳

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اما اتصاف شیخین بصفات کاملہ قلبیہ کہ آنرا درعرف زماں ما طریقت گویند از خوف وخشیت ومحبت وفنا در مرضی خدا تعالیٰ ورسول او صلعم وتعظیم جانب خدا تعالیٰ ورسول او صلعم ونصیحت قرآن وایستادن نزدیک اوامر ونواہی او ورع وزہد واعراض از دنیا وتقلل از معاش وماننداٰن پس طریق اتم بود الخ۔ صلا۹۳

علم تصوف کو علم سلوک، علم اخلاق، علم حقائق، علم معاملہ علم اخلاص، علم قلوب علم معارف، علم اسرار اور علم اشارہ سے تعبیر اور موسوم کرتے ہیں، ملاحظہ ہو مجمع السلوک فلامشاحۃ فی الاصطلاح۔

پس حدیث جبرئیل جو بخاری میں ہے اس کے اندر احسان کو دین کہا گیا ہے اسلئے جو اسماء احسان کہ اوپر ذکر ہوئے سب کے سب علم دین ہیں اگرچہ اس کے اصطلاحی نام میں فرق ہے لیکن مقصد اور روح ہر جگہ ایک ہی ہے۔ ع

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔"

پس یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ صوفیاء کرام کا اصلی موضوع شریعت کے اسرار اور طریقت وحقیقت کے مسائل کا بیان کرنا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ شریعت علم ہے، طریقت عمل ہے، حقیقت عمل کا اثر ہے، یا مثلاً ایک شخص نے علم طب پڑھا یہ شریعت ہے، دوا استعمال کی یہ طریقت ہے، مرض سے افاقہ ہوگیا یہ حقیقت ہے، خلاصہ یہ نکلا کہ شریعت چار چیزوں کا نام ہے، اقرار زبانی، اعتقاد قلبی، تزکیہ اخلاق و اعمال، یعنی اوامر و نواہی، اسی تزکیۂ اخلاق کے جو احکام شریعت میں مذکور ہیں انکا نام شریعت ہے، لیکن محض احکام کے جاننے سے تزکیۂ اخلاق نہیں ہوتا، علماء ظاہر اخلاق کی حقیقت و ماہیت سے بخوبی واقف ہوتے ہیں، لیکن خود ان کے اخلاق پاک نہیں ہوتے، یہ مرتبہ مجاہدات اور فنائے نفس سے حاصل ہوتا ہے، اور اسی کا نام

طریقت ہے، تعمیل فرائض اور اجتناب منہیات کا بھی یہی حال ہے، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شریعت اور طریقت دو متناقض چیزیں نہیں، بلکہ دونوں میں جسم و جان، جسد و روح ظاہر و باطن، پوست و مغز کی نسبت ہے اور اسی علم و عمل کے مرکب کا نام تصوف ہے، حضرات صوفیہ کہتے ہیں کہ جس طرح علوم ظاہری کے سیکھنے کا ایک خاص طریقہ ہے، اسی طرح اس علم کا بھی پس یہ امر مسلم ہے کہ بہت سے مسائل علمی ایسے ہیں جنکو کسی خاص حکیم یا عالم نے دریافت کیا اور لوگ صرف انکی شہادت کی بنا پر ان مسائل کو تسلیم کرتے ہیں اسی قیاس پر جب ہزاروں بزرگ جنکے فضل و کمال، صدق و دیانت دقت نظر اور حدت ذہن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا نہایت وثوق اور اذعان سے اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ علم باطن جو اس سے بالکل جداگانہ چیز ہے تو انکی شہادت پر کیوں نہ اعتبار کیا جائے سیکڑوں ایسے علماء گزرے ہیں جن کو علم باطن سے قطعاً انکار تھا، لیکن جب وہ اس کوچہ میں آئے اور خود ان پر وہ حالت طاری ہوی تو وہ سب سے زیادہ اس کے معترف بنگئے، اسکا انکار وہی کریگا جو پہلے درجے کا احمق اور جاہل ہوگا، مرزا غالب مولانا روم کے اس شعر پر سر دھنا کرتے تھے۔

بزیر کنگرۂ کبریاش مرد انند فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

یہ جلال اور بلند آہنگی صوفیہ کے سوا کس کے کلام میں ہے؟۔

جن حضرات کو تصوف کے غیر اسلامی نام سے چڑ ہے انکی تسلی خاطر کیلئے اوپر کچھ عرض کر دیا گیا ہے، جو اہل دیانت کے لئے کافی ہے، البتہ تصوف کے کاموں سے نفرت کے سلسلہ میں ذرا کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے۔

اصل یہ ہے کہ تصوف کا لفظ اب مدت سے دو معنوں میں بولا جاتا ہے، ایک مذہبی تصوف اور دوسرا فلسفیانہ تصوف مذہبی تصوف سے مقصود مذہبی روح یعنی اخلاص، محبت، زہد تقوی، عبادت اور شریعت پر سنت نبوی کے مطابق عمل ہے اور اسی کا نام احسان ہے، پہلی اور دوسری صدی میں زہاد اور عباد اسی قسم کے تھے، عام مسلمانوں سے الگ انکے

کچھ خاص عقائد و خیالات نہ تھے، وہ فلسفے سے بھی نا آشنا تھے، وہ صرف قرآن اور حدیث سے توغل رکھتے تھے۔ اور روزہ، نماز، تلاوتِ قرآن اور نوافل انکا شب و روز کا شغل تھا اور اخلاصِ عمل اور خلق کی خدمت پر انکے ہاں سب سے زیادہ زور تھا۔ غرض پہلے تصوف کا مرکزِ خیال نبوت ہے، اور اس میں انبیاء کے احوال کی پیروی ہوتی ہے دوسرے تصوف یعنی فلسفیانہ تصوف میں فلاسفہ اور حکماء کے احوال کی پیروی کیجاتی ہے۔ فلسفیانہ خیالات کی وجہ سے تصوف کے اندر جو تحول اور تبدیلی ہوئی اس کا صحیح اندازہ کرنا ہے تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات دربارۂ توحید باری اور صانع عالم کے وجود پر غور فرمایا جائے کہ کس طرح ہر دو بزرگ استدلال اور استشہاد فرماتے ہیں، حضرت جنیدؒ اس طرح زمزمہ سنجِ معرفت ہیں۔

اول مایحتاج الیہ العبد من عقد الحکمۃ معرفۃ المصنوع صانعہ والمحدث کیف کان احداثہ فیعرف صفۃ الخالق من المخلوق وصفۃ القدیم من المحدث ویذل لدعوتہ ویعترف بوجوب طاعتہ فان لم یعرف مالکہ لم یعترف بالملک لمن استوجبہ (قشیریہ)

حضرت ذوالنونؒ۔

"ہو ان تعلم ان قدرۃ اللہ تعالیٰ فی الاشیاء بلا مزاج وصنعہ للاشیاء بلا علاج وعلۃ کل شیئ صنعہ ولا علۃ لصنعہ ولیس فی السموت العلی ولا فی الارضین السفلی مدبر غیر اللہ وکل ما تصور فی وہمک فاللہ بخلاف ذالک" (رسالہ قشیریہ)

ان دونوں استشہادوں پر اگر اہل علم توجہ فرمائیں گے تو صاف ظاہر ہو جائیگا کہ ان دونوں کے طریقِ فکر اور طریقِ استدلال میں زمین آسمان کا فرق ہے، حضرت جنیدؒ فلسفی اور متکلم ثابت ہونگے حضرت ذوالنونؒ سیدھے سادے مومن اور مسلم نظر آئیں گے۔

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے تذکرۃ الاولیاء میں شیخ ابوالحسن خرقانی المتوفی ۴۲۵ھ اور شیخ بو علی سینا المتوفی ۴۲۸ھ کی باہمی ملاقات کے تذکرے کے بعد لکھتے ہیں:

"بعد از ان طریقت (تصوف) بفلسفہ کشید چنانچہ معلوم ہست ۲۰۵ نصف ثانی نیز دبستانِ مذاہب کا مصنف فانی کشمیری المتوفی ۱۰۸۱ھ بھی اور علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابوریحان بیرونی وغیرہم کی یہی تحقیق ہے، اسی فرق کو نہ کرنے بلکہ نہ سمجھنے کی بنا پر نہ جانے کتنے خیالات، عقائد اور رسمیات تصوف میں نہ صرف داخل بلکہ جان تصوف ہو گئیں اور اس کی نسبت بھی اسلامی سلوک و تصوف سے کیجانے لگی اور اس چیز کا اثر تصوف کے کاموں پر بھی پڑا اور ہر دور میں محققین صوفیہ نے اصلاح فرمائی، مگر کچھ باتیں رہ بھی گئیں جنکا تصوف سے دور و قریب کا تعلق کبھی بھی نہیں رہا، متاخرین میں حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ ان بے سروپا امور کی پردہ دری کرتے ہیں۔

مدار کار طریقہ اکابر استقامت است کشف و کرامت، وجد و سماع، عرس و چراغان، خلافت و شجرہ و کلاہ و رسوم را ہیچ اعتبارے نیست در پیش کتاب و سنت، آثار و احوال عرفی را قدرے و مقدارے نیست۔

متقدمین اور متاخرین صوفیہ میں جن حضرات نے نماز، روزہ، حج وغیرہ کو دین سمجھا اسیطرح انسانی تمدن و سیاست، معیشت، عدالت اور ایسے دوسرے امور دنیا کو بھی دین سمجھا جس پر سوسائٹی کا نظام اور ملک کا انتظام چلایا جاتا ہے اور جنہوں نے صرف عام مذہبی معنوں میں خدائے واحد کی عبادت کرانے اور محض چند مخصوص عقائد کی پابندی ہی کو سلوک اور تصوف یقین کر لیا اس کا اثر صوفیا کی زندگی پر پڑ کر رہا، اور دین کے قیام کی سعی اور جد و جہد کا بدن کمزور ہونا شروع ہو گئی اور اعلائے کلمۃ اللہ جو مجاہدین متقین اور صوفیائے کرام کا نصب العین تھا یکسر ختم ہو کر ہر دور میں مسلمانوں کی راہ میں سنگ گراں حائل ہو گیا، اور جہاد جو فرائض دینیہ میں سب سے اہم مقام رکھتا تھا، اس کی کسی قسم کو ان حضرات نے اپنے تصوف و سلوک کا جز بننا گوارا نہ کیا کیونکہ یہ چیزیں ان کی راہبانہ زندگی کے منافی تھیں خدمت خلق کا جذبہ چند رسمی طور و طریقے میں منحصر ہو چکا تھا اور عبادت کا ہمہ گیر تصور چند نوافل اور واجبات کے اندر سمٹ کر رہ گیا

اورا اوراد و وظائف ہی کے ذریعہ سارے مدارج و مقامات طے ہونا انکا منتہائے نظر اور مبلغ تحقیق قرار پاچکا تھا، ان متصوفین کے سامنے سے صدر اول بالخصوص خلفائے راشدین کے واقعات یا تو فراموش ہو چکے تھے یا ان کے اندر من مانی تاویلات باردہ اور توجیہات رکیکہ عین دین کی خدمت بن چکا تھا، حالانکہ صحابۂ کرامؓ کی زندگی کا نقشہ یہ تھا کہ دین کی اشاعت میں محض خدا کی رضا، خدمت خلق انکا نصب العین تھا، ذکر اللہ اور محاسبۂ نفس کو پیش نظر رکھتے ہوئے جزیرہ نمائے عرب سے نکلکر اپنی باطل شکن روحانی قوت اور صداقت شعاری سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں دین کو پہنچایا اور خوف الٰہی میں روتے ہوئے راتیں گذاردیں، اور "حب الدنیا راس کل خطیئۃ" کے فلسفہ کو اچھی طرح سمجھ کر دنیا کو یہ پیغام دیدیا تھا کہ خاموشی، سکون، خلوت نشینی اور منفردانہ زندگی اسلام نہیں ہے، اسلام جد و جہد سعی و عمل اور سرگرمی ہے۔ وہ موت نہیں وہ حیات ہے، وہ سراپا جہاد اور مجاہدہ ہے لیکن خلوت میں بیٹھ کر نہیں بلکہ میدانوں میں نکل کر، مگر ان کی یہ پاک زندگی جو بنیاد اور اساس دین اور تصوف و سلوک کی روح تھی، دوسری صدی کے بعد سے کمزور ہونا شروع ہوئی اور تصوف کے اندر تبدیلی شروع ہوگئی۔

بغداد کا واقعہ ہے جس کو غالباً صاحب بحر ذخار نے لکھا ہے کہ حضرت جنیدؒ کے زمانے میں کرخ کے اندر ایک جماعت صوفیوں کی آئی اور اپنے ہو حق سے بغداد کے اندر کافی شہرت حاصل کر لی اور عوام جوق در جوق خدمت میں باریاب ہوتے رہے، یہ خبر حضرت جنیدؒ المتوفی ۲۹۸ھ کو بھی پہنچائی گئی کہ بڑے مرتبہ اور مشرب تصوف کے مخصوص عرفاء آئے ہوئے ہیں، حضرت بھی تشریف لے چلیں آپ نے حضرت شبلیؒ کو تحقیق حال کیلئے بھیجا، حضرت شبلیؒ گئے اور دور و قریب گھس بیٹھکر مشاہدہ کیا اور حضرت جنیدؒ کی بارگاہ عالی مرتبت میں عربی کا ایک شعر پڑھا جو کتاب میں غلط تحریر ہو چکا ہے مفہوم اس کا یہ ہے کہ میں نے اس جماعت کو اندر و باہر سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ خیمہ لیلی کا ہے اسکی طنابیں لیلی کی ہیں رنگ ڈھنگ لیلی کا ہے مگر لیلی خود اسکے اندر نہیں ہے، حضرت جنیدؒ نے انا اللہ پڑھا اور جانے کا ارادہ فسخ کر دیا۔

اسی زمانہ میں تصوف کا اور صوفیوں کا یہ حال ہو چکا تھا اور خود صوفیار کرام کو یہ کہنا پڑ گیا تھا ۔

اہل التصوف قد مضوا صار التصوف مخرقہ

چنانچہ پانچویں صدی ہجری کا قصہ ہے جس کو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے عوارف میں ظاہر فرمایا ہے ۔کہ بعض صالحین نے اپنے بھائیوں اور دوستوں کو خط کے ذریعہ جہاد کے لئے آمادہ کرنا چاہا تو صوفی صاحب نے اپنی راہبانہ ذہنیت کا ثبوت دیا اور علمار حق نے مجاہدانہ روش اختیار کی، اہل علم ذیل کی عبارت سے خود فیصلہ کریں ، خط ملاحظہ ہو۔

یااخی کل الثغور مجتمعة لی فی بیت واحد والباب علی مردود فکتب الیہ اخوہ لوکان الناس کلھم لزموا مالزمتہ اختلّت امور المسلمین وغلب الکفار فلا بدّ من الغزو والجھاد) فکتب الیہ الصوفی یااخی لولزم النّاس ماانا علیہ و قالوا فی زوایاھم علی سجاداتھم اللہ اکبر انھدام سور قسطنطنیہ)

اس تبدیلی کا یہ اثر ہوا کہ اسلامی حمیت ، شجاعت و بسالت ، غلو فی العبادۃ اور نوافل کی کثرت اور جہاد سے نفرت میں بدل گئی اور بعض فلسفیانہ نظریات وغیرہ کی ترویج واشاعت ہی تصوف اور وہ بھی شاہانہ تصوف سے تعبیر کی جانے لگی اور پھر تصوف ایک اجنبی چیز بن کر رہ گیا جس کا نہ اسلام سے کوئی تعلق ٍ۔با اور نہ رشتہ و ناتہ ، اسی بنا پر حنابلہ نے تصوف کی کتنی کتابوں کو نذر آتش کر دیا اور اصحاب تصوف کے طور وطریق سے بیزاری ظاہر کی اور اس کے مناہج اور طریق پر سخت نکتہ چینی کی ، بلکہ حسب تصریح مستشرق جبور عبدالنور کے کہ ابن تیمیہؒ نے ایک دوسری راہ سے تصوف پر نکتہ چینی کی اور اس کی جائز حمایت بھی ، اور یہ انکشاف فرمایا کہ کتب تصوف میں جو فقر کا ذکر آیا ہے وہ مسیحی تعلیم سے ماخوذ ہے ، کیونکہ قرآن میں یہ لفظ اس مفہوم میں کہیں نہیں آیا ہے البتہ لفظ زہد ایک ایسا لفظ ہے جس کا ماخذ کتاب وسنت میں بھی موجود ہے اور مفہوم بھی اہل تصوف کے منشا کے مطابق ہے ۔

ابھی باتھ لگے حضرت محی الدین ابن عربی المعروف بشیخ اکبر المتوفی ۶۳۸ھ جن کے بارے میں

نادانوں نے بڑی غلط فہمی پھیلا رکھی ہے، جب ہم شیخ کی زندگی کو سامنے رکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو مخلوق الٰہی کے ساتھ کس درجہ ہمدردی اور مسلمانوں کی اصلاح و فلاح کا کس قدر خیال تھا، سلطان صلاح الدین ایوبی کے صاحبزادے حلب کے بادشاہ ملک ظاہر غازی کو آپ نے ۱۸ انصائح تحریر فرمائے جس کو اس نے منظور کر لیا۔

روم ایشیائے کوچک کے سلطان عزالدین کیکاؤس کے جواب میں ایک منظوم مکتوب لکھا جس کا یہ شعر مدعا کے لئے کافی ہے۔

اریدارى دين النبى محمداً يقام و دين المبطلين يزول

مفہوم یہ ہے کہ دین محمدی قائم ہو اور سارے ادیان باطلہ مٹ جائیں۔

اسی بادشاہ کے کسی نائب السلطنت کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں۔

لكم نائب فى الامر اصبح ملحداً واضحى لاهل الدين يقطعهم قطعاً

یعنی تمہاری حکومت میں تمہارا نائب بے دین ہوگیا ہو ارباب دین کو اسنے ٹکڑے ٹکڑے کرکے رکھدیا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب شیخ اندلس سے روانہ ہو کر جبل الطارق کی آبنائے ستبہ نامی شہر میں آئے تو ایک صوفی سے مکالمہ ہوا، آخر میں درویش نے کہا کہ میاں ایسا آدمی ذلیل ہو جاتا ہے جس کی اعانت کوئی ظالم نہ کرے، شیخ نے فرمایا جی ہاں ایسا بادشاہ بھی گمراہ ہو جاتا ہے جس کی رہنمائی کوئی عالم نہ کرے، صوفی صاحب نے فرمایا نرمی نرمی! شیخ نے فرمایا کہ جب تک اصل پونجی پر آنچ نہ آئے، یعنی دین محفوظ ہو۔ صوفی صحیح کہتے ہو (ملاحظہ ہو معارف) اس طرح کے بیسیوں واقعات ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائے صدنیار کے دو گروہ ہو گئے تھے ایک کا مقصد محض گوشہ میں بیٹھ کر تعلیم و تعلم اور مخصوص قسم کے لوگوں کو تیار کرنا تھا اور ایک جماعت کا منتہائے نظر تصوف و سلوک کی اس روح کو باقی رکھنا تھا جو احسان کے اندر شارع نے ودیعت فرمائی تھی شیخ اکبر انہیں بزرگوں میں سے تھے جن کا مطمح زندگی خدمت خلق اور اعلاء کلمۃ الحق عند السلطان جائر تھا۔ ابن عربی

کے متعلق بہت غلط فہمیاں بعض اہل علم میں بھی پیدا ہوگئی ہیں جن کو ہم نے اپنی کتاب .....
دلائل السلوک میں صاف کر دیا ہے، وہی ہمارے اصلی مخاطب ہیں نہ کہ مودودی
جماعت کے نام نہاد رسمی مولوی۔

واقعاتِ مذکورہ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ نتیجہ آسانی سے نکل آتا ہے کہ صوفیاءِ کرام کی نگاہیں بادشاہوں کے تخت اور حکومتوں کے اس طرزِ عمل پر بھی رہتی تھیں جن کا اثر اس پیغام پر پڑتا تھا جسے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان بزرگوں نے وراثتاً پایا تھا ہر قسم کے مصائب اور آفات کا مقابلہ کرتے ہوئے انہیں صوفیاء نے اس پیغام کی اصلی روح کو ایک نسل سے دوسری نسل تک پہونچایا اور ہر دور میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں رہی، جن کا خلوت اور عزلت کے نام پر تن آسانی شیوہ ہوگیا تھا، اسی کے ساتھ ایسے صاحب عزیمت بزرگ بھی ہر زمانہ میں رہے جنہوں نے عزلت اور خلوت کے باوجود ایک لمحہ کے لئے تن آسانی کو اپنی بارگاہ کی ہوا لگنے نہیں دی انہیں میں سے اس دورِ تصوف و سلوک کے آخری سرخیل سلسلہ امدادیہ چشتیہ صابریہ کے خاتم اور حضرت خواجہ اجمیریؒ کے بواسطہ شاگرد و مرید حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی مدظلہٗ کی ذاتِ گرامی اپنے گوناگون کمالات اور اپنی سیاسی مذہبی خدمات کے لحاظ سے ان بزرگوں میں ہیں جن کی مساعی سے اسلام ہند میں جنم لیکر صدیوں پھولتا رہا، چنانچہ مشائخ کرام اور اسلاف کا یہ سچا جانشین آج بھی اپنی پیرانہ سالی اور شبانہ روز مشاغل علمیہ کے باوجود مسلمانوں کی اصلاح حال اور تزکیہ نفوس کی جانب ہمہ تن متوجہ ہے، ایک طرف دارالحدیث میں قال اللہ اور قال الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے طالبان علوم دین کو بہرہ ور کرتا ہے تو دوسری طرف حال رسول کے سرچشمہ سے تشنگان معرفت کو آب حیات پلاتا ہے اور نامساعد حالات سے سینہ سپر ہوکر اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کر رہا ہے۔

جو ڈٹے تھری دوراں کے مقابل آ دوست   مرد کامل ہے کہ جو سینہ سپر آج بھی ہے

حضرت مولانا مدنی کی زندگی نمونہ ہے، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی زندگی کا، جو لوگ جانتے ہیں وہ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جس طرح امام صاحب کے علم و زہد نے دین و ملت کی سیاسی ضرورتوں سے ان کو بے حس بناکر نہیں چھوڑا تھا، بلکہ حلقۂ درس اور تسبیح و مصلی کے ساتھ آپ کی نگاہیں کسی اور طرف بھی رہا کرتی تھیں اسی طرح آج جس کو اس صداقت میں کوئی شبہ ہو وہ مولانا کی اسّی سالہ زندگی میں سلف صالحین کی سچی، جیتی اور جاگتی تصویر آکر دیکھے اور مشاہدہ کرے انشاء اللہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیگا ؎

سیاست رانقاب چہرہ کردی   دگرنہ عاشق مستانہ بودی

حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی اپنے پیشرو مجاہدین کی صف میں جو علو و سربلندی اور عزیمت رکھتے ہیں اس کا انکار وہی کرسکتا ہے جس کے جسم کے اندر سر تو ہے مگر وہ عقل و خرد سے خالی ہے اس روشنضمیر پیرمرد نے ہر دور میں اپنی طاقت کے مطابق مسلمانوں کی خدمت کی اور مسلمانوں نے اپنی طاقت کا جتنا سرمایہ اس کے سپرد کیا تھا اس مجاہد جلیل نے اسے مسلمانوں کی زندگی کے ہر محاذ پر لگا دیا، نادان لوگ یہ تو کرسکتے ہیں کہ آپ کی خدمات کا انکار کردیں مگر چار کروڑ انسانوں کی تباہی کے ویرانے کو گلستان بنا دینا بہت مشکل ہے ایک فوج کا بنانا آسان ہے مگر ایک قوم کی فرقہ پرستی کے طوفان کے تیز دھارے کے سامنے کھڑا ہو جانا اور طوفان کا منہ پھیر دینا مذاق نہیں ہے، ملک کی تقسیم کے بعد پنجاب میں چالیس لاکھ تلواریں یوپی کے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے بڑھ رہی تھیں، ایسے نازک وقت میں مولانا مدنی سہارنپور پہونچے یہ وقت وہ تھا جب مسلمانوں کے لاشے سڑکوں پر تڑپ رہے تھے ریلوں میں قتل جاری تھا، اور نام نہاد بدعتی مولوی اور جماعت اسلامی کے نوخیز بچے اور مالا جپنے والے صوفی اپنی چارپائیوں کے نیچے چھپے ہوئے تصوف و سلوک کے مقامات طے کررہے تھے، ٹھیک اس وقت مولانا مدنی نے حکومت یوپی کو چیلنج دیا، مولانا نے پنتھ کے منہ پر فرمایا مسلمانوں کے

متعلق آپ کے دل میں کیا ہے؟ آج آپ بھی اپنے دل کی بات کہدیجئے، میں بھی اپنے دل کی بات مسلمانوں سے کہدوں آخری فیصلہ ہو جائے، یہ چیلنج حکومت یوپی کے لئے کافی ہوا اس طرح یوپی کے مسلمان قتل عام سے بچ گئے، اسیطرح دہلی میں حضرت مولانا آزاد مولانا حفظ الرحمن اپنی تاریخی قربانیوں کا سرمایہ جھونک نہ دیتے تو آج دہلی کا نقشہ اور ہوتا بس اے مسلمانوں اپنے ان ستونوں کو گرنے نہ دو اور مولانا مدنی کی عالمگیر روحانیت سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔ اور خود کو اللہ کے حوالہ کر کے قرآن کی بولی میں وہ زندگی حاصل کرو، جسکا نام حیاۃ طیبۃ ہے ساتھ ہی اس نکتہ کو ملحوظ رکھو کہ انبیاء علیہم السلام کی جنگ جن میں اللہ والے شریک ہوں وہ قطعاً خدائی جنگ ہے اور اس شبہہ کی ذرا گنجائش نہیں کہ یہ جنگ صحیح ہے یا نہیں؟ بلکہ خالص خدا پرستی اور اعلاء کلمۃ الحق اس جہاد وستیز کا زرین عنوان ہے، مگر ان تمام باتوں کے باوجود انبیاء اور اولیاء کی سیرت اور کردار کی رفعت کا یہ حال اور مقام ہے کہ زبان سے یہی نکلتا ہے۔ ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا۔ آج جو حضرات دماغی اور قلمی عیاشی کے خوگر ہیں کیا انہیں بھول کر بھی اپنی مذہبی سیاسی جدوجہد کی کمزوری اور غلطی کا کبھی بھی احساس ہوتا ہے، اور اپنی ہی شامت اعمال کا تصور سامنے آتا ہے؟ آؤ میں تمہیں اللہ کا ایک بندہ ایسا بھی بتاؤں جس کی آہ نیم شبی فرش خاکی سے اللہ کے عرش عالی تک پہنچتی ہے، دنیا سوتی ہے اور یہ اللہ کا بندہ غیر معمولی کیف ومستی اور بیخودی ووارفتگی کے عالم میں انتہائی سوز وگداز کے ساتھ اپنی کمزوری اور تقصیرات پر روتا اور مناجات میں امت محمدی کے لئے دعائیں کرتا مغفرت اور نجات کے لئے الحاح وزاری میں کوئی کور کسر باقی نہیں رکھتا ہے، حضرت مولانا مدنی کی ان کیفیات کا وہ نقشہ آنکھوں نے دیکھا، جس کا تصور بھی کسی کو شاید بہت کم ہوا ہو، ناچیز کو بھی اس کا موقع اب تک ۲-۳ بار مبارکپور وغیرہ میں سحر خیزی کے صدقہ میں حضرت کی لاعلمی اور سیر الی اللہ و فی اللہ ومن اللہ وسیر باللہ کے سلسلہ میں حاصل ہوا۔ فللہ الحمد والمنۃ۔

اللہ والوں کی راز و نیاز کی باتوں میں خیر خواہی بنی نوع انسان کا جو مقام ہے وہ علمارِ رسوم اور اربابِ ظاہر کی دنیا سے ورارالورا ہے، بھلا یہ چیز کسی کے تصور میں بھی آسکتی ہے؟ ؎

چہ بودے کہ دوزخ زمن پرشدے مگر دیگراں را رہائی شدے

ہاں علمارِ حق اور صوفیارِ برحق جن میں ہمارے حضرت شیخ مدنی متع اللہ المسلمین بطول بقآ اپنے اساتذہ اور مشائخ کے سچے جانشین اور وراثت و نیابت انبیا کے مقام پر فائز اور مسلمانوں کی سب سے بڑی متاع گرانمایہ ہیں، متاخرین میں ہماری نظر سے کوئی نہیں گذرا واللہ علیٰ ما نقول کیل

مقدمہ مکتوبات جلد دوم : پہلی جلد کے بعد سے میرا یہ خیال ہوا کہ آیندہ جلدوں پر مقدمات ہندوستان کے مشہور اہل علم اور صاحبِ نسبت بزرگوں سے لکھواؤں تاکہ تنوع خطوط کے ساتھ ہر ایک کے تاثرات میں بھی جدت اور تنوع ہو، اس طرح حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کے کمال و جمال کے مختلف گوشے اور علم و عمل، سیاست اور مذہب کے مخفی پہلو سب سامنے آجائینگے، چنانچہ اس کام کیلئے میری نگاہ دو ندوی بزرگوں پر جا کر رک گئی، ان میں سے ایک ملک کے مشہور عالم اور محتاط مصنف ہمارے مخدوم حضرت علامہ سید سلیمان ندوی تھے اور دوسرے ہمارے محب کرم مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ہیں۔

حضرت سید صاحبؒ اپنے ۲۰ر نومبر ۵۲ء کے والانامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

برادرم حفظکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ....

"مکتوبات پر مقدمہ لکھنے کی اہلیت تو نہیں، البتہ چند سطریں لکھی جا سکتی ہیں، ضرور لکھوں گا۔

(سید سلیمان ندوی)

مولانا ابوالحسن علی صاحب اپنے ۸ر دسمبر ۵۲ء کے والانامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

محب محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جس سعادت کے لئے آپ نے اس نااہل کا انتخاب فرمایا ہے.... میں اس کو عمل نالیہ سمجھ کر انجام دوں گا...... والسلام علی

آہ اول الذکر مخدوم کی وفات حسرت آیات سے علم و تحقیق کی ایک ایسی مسند خالی ہو گئی جو شاید خالی ہی رہ جائے، انا للہ وانا الیہ راجعون، جاننے والے جانتے ہیں کہ ندوۃ العلماء ایک مخصوص تحریک علمی لیکر اٹھا تھا، تاکہ جدید و قدیم کے سنگم سے ایسے اہل علم پیدا کئے جائیں جو علم و تحقیق کے ساتھ یورپ کے الحاد و زندقہ اور ایشا کی اشراقیت کا مقابلہ سلوک و احسان کی اس روح سے بھرپور ہو کر کریں، جو مقصود اسلام اور کمال انسانیت ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ مولانا ابوالحسن علی اور علامہ ندوی دونوں ہی ندوہ کے ایسے نمونہ بنکر نکلے جو ندوی علماء کے تعارف سے بے نیاز کر دیتے ہیں، مولانا ابوالحسن علی کا جلد دوم پر مقدمہ آپ حضرات کے سامنے ہے، جو اپنی جامعیت کے اعتبار سے مولانا مدنی کی ایک مختصر سوانح حیات ہے، جسکی تفصیل آیندہ سوانح نگار کا فرض ہے، کہ وہ اسی روشنی میں شیخ الاسلام سے دنیا کو آشنا کرائے، ہم مولانا ندوی کے تہ دل سے شکر گزار ہیں، ساتھ ہی امید وار ہیں کہ وہ اپنی علمی صلاحیتوں اور عملی خدمات کے ذریعہ حضرت سید صاحبؒ کی خالی جگہ کو پُر کرنے اور انکی چھوٹے ہوئے کاموں کے پورا کرنے کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں گے اور سید صاحبؒ کے انتقال سے جو علمی نقصان ہوا ہے اور دار المصنفین اعظم گڈھ کی علمی ساکھ ختم ہو چکی ہے اس کو واپس لانے کی سعی سے دریغ نہ فرمائیں گے، وما ذالک علی اللہ العزیز۔

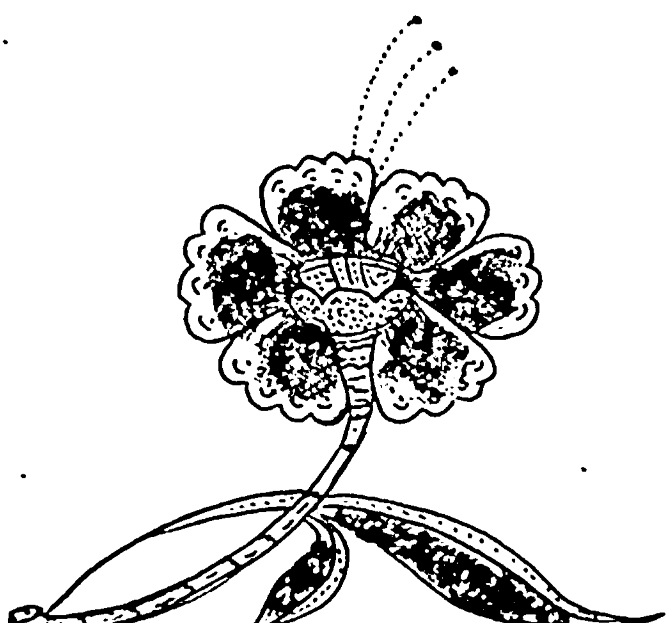
بزرگوں اور احباب کا شکریہ مکتوبات شیخ الاسلام کی اشاعت میں جن احباب اور اکابر نے حصہ لیا ہے ان میں حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب دینی بھائی حضرت مولانا اسعد صاحب، خلف الصدق حضرت مدنی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مئو اعظم گڈھ، مولانا حاجی احمد حسین صاحب لاہرپور، مولانا فخر الدین صاحب گیا، مولانا عبد الحمید صاحب اعظمی۔ مولانا عبد الجبار صاحب بنارسی، حکیم اعظمی صاحب بمبئی، مولانا طاہر صاحب کلکتہ، مولانا ابو سعید صاحب ملتان۔ مولانا حامد میاں صاحب سلمہٗ، مولانا شمس الدین صاحب بارکپور حاجی ولی محمد صاحب جون پور، بابو سراج الحق صاحب سید معاری، حضرت مولانا قاری

اصغر علی صاحب دیو بندی وغیرہم کے اسمار گرامی انشار اللہ العزیز رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے خصوصًا اول الذکر بزرگ کی محبت اگر میرے شریک حال نہ ہوتی تو یہ جلد ابھی شائع نہ ہو سکتی، اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آئندہ جلدوں کی اشاعت کی توفیق بخشے، آمین۔ آخر میں قارئین سے یہ کہتا ہوا رخصت ہوتا ہوں ؎

زریں کتاب پریشاں نہ بینی از ترتیب
عجب مدار کہ چوں حال من پریشان است

والسلام
ننگ حیات.......... نجم الدین اصلاحی کان اللہ لہٗ

رجب ۱۳۷۳ھ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

فغاں کہ گشت نیوشندۂ سخن خاموش
دگر چگونہ تسلی کنم من ایں لب و گوش (نزاہی)

مکتوبات شیخ الاسلام جلد سوم مرتب ہوکر بیشتر حصہ کتابت کے لئے دلی پہونچ چکا ہے۔ کئی بار ارادہ کیا کہ دیباچہ لکھکر کام ختم کردوں اور چوتھی جلد کی تیاری میں مصروف ہوجاؤں۔ مگر خلاف اُمید قلم آگے بڑھنے سے رک جاتا تھا۔ اپنی سستی و کاہلی سمجھ کر دل کو مطمئن کرلیا کرتا تھا کہ ابھی جلدی کیا ہے لکھ لوں گا اسی لیت و لعل اور حیص بیص میں ستمبر ۱۹۵۷ء کے اندر یہ سننے میں آیا کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح علیل ہیں۔ خط لکھکر حالات معلوم کئے اور عیادت کی تیاری میں لگ گیا۔ اطمینان بخش خطوط آتے رہے مگر پھر بھی دل نہ مانا اور رخت سفر ۱۶ ر ستمبر کو باندھکر روانہ ہوگیا۔ دیوبند پہونچکر بعد ظہر زیارت سے مشرف ہوا کافی مطمئن ہونا پڑا۔ کیونکہ بظاہر کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے کسی قسم کا دبدھا ہوتا۔ دس یوم قیام کرکے ۲۰ ر ستمبر کو واپس ہوا۔ واپسی میں جناب حاجی شیخ ولی محمد صاحب جونپور، جناب حاجی محمد سعید صاحب لاری، جناب مولانا ابوالحسن صاحب جبلدری وغیرہم احباب ساتھ تھے راستہ بھر اسی تصور کے ساتھ سفر ختم ہوا کہ ابھی ہمارے حضرت انشاءاللہ اچھے ہوکر چند سال اور ہم گم گشتگان راہ ہدایت کی ہدایت فرماتے رہیں گے اور ابھی یہ دریائے معرفت پورے جوش کے ساتھ بہتا رہے گا۔ باوجود ہر طرح اطمینان ہوجانے کے یہ انتظام کرکے دیوبند سے آیا تھا کہ ہفتہ میں دو بار حالات ملتے رہیں۔ چنانچہ ملتے رہے - ۵ ر نومبر کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خود نوشتہ والانامہ آیا اس نے اور بھی شبہات کو دور کردیا جو اسی جلد میں درج

ہے. کلی اطمینان ہوگیا. ناچیز نے ایک عریضہ کے ذریعہ ایک اہم شبہ کا حل معلوم کرنے کی درخواست بھی حسب دستور پیش کر دی. دفعۃً نومبر کے آخری ہفتہ میں پھر خبر پہونچی کہ دوبارہ دورہ پڑ گیا ہے اور یہ سلسلہ قائم ہے سخت بے چینی ہوئی. بقول غنی کشمیری ؎

مدت شادی و غم نیست برابر بجہاں
گریۂ شمع شبے خندۂ صبح است دمے

اسی اثنار میں یکم دسمبر ۵۷ء کو حضرت مہتمم صاحب دیوبند نے مئو تشریف لیجاتے ہوئے سدھاری پر عصر کی نماز ادا فرمائی. سب سے پہلے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حالات دریافت کئے. فرمایا کہ دورہ پڑ گیا ہے نقاہت عمر کا تقاضا ہے. چند ہی دن پہلے خواب دیکھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ سامنے رکھا ہوا ہے ایسے لوگوں کا ہجوم ہے کہ جن کو کبھی دیکھا نہیں تھا جس کا ذکر بابو سراج الحق صاحب سدھاری سے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں ہیں کر دیا تھا مہتمم صاحب کے بیان سے طبیعت میں کھٹک سی پیدا ہوئی. صبح کو جوابی خط لکھا. جواب کا منتظر ہی تھا کہ مولوی محمد مسلم اعظمی کا خط ۵ دسمبر بعد ظہر ملا کہ نقاہت بہت بڑھ گئی ہے دعا کی ضرورت ہے.

اپنا یہ دستور رہا ہے کہ جب بھی کوئی ایسا تردد لاحق ہوا جو بظاہر لاینحل تھا تو قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی یا نماز نفل پڑھکر دعا چاہی یا بزرگان دین کے حالات پڑھنے لگ گیا یا دیوان حافظ کی طرف رجوع کیا. چنانچہ بعد عشا کمرے میں آیا. دیوان حافظ لیکر دل بہلانے کی خاطر کھولا تو اسی غزل پر نظر پہلے گئی. ؎

بلبلے خون جگر خورد و گلے حاصل کرد
باد غیرت بصدش حال پریشاں دل کرد

آگے بڑھا تو "کہ خود آساں بشد و کار مرا مشکل کرد" شعر بھی سامنے آیا اور جب اس شعر پر پہونچا

؎ آہ و فریاد کہ از چشم حسود مہ و مہر
در لحد ماہ کماں ابروئے من منزل کرد

تڑپ اٹھا آنکھیں بہہ پڑیں کہ خدایا یہ کیا ہو رہا ہے. دل کو بہتیرا سمجھایا مگر کسی طرح سکون نہ ملا.

؎ دل بسے خوں بکف آورد ولے دیدہ بریخت
اللہ اللہ کہ تلف کرد کہ اندوختہ بود

دیوان حافظ رکھ کر ریاض الصالحین پڑھنے لگا۔ شام ہونے آئی مگر آہ کیا خبر تھی کہ آج کا سورج بھی غروب ہوگا لیکن تنہا نہیں بلکہ اپنے ساتھ اسی یوم پنجشنبہ ۵ ردسمبر ۱۹۵۷ء کے اُفق مغرب میں ایک اور آفتاب شریعت طریقت بھی ڈوب رہا ہے جو اُفق مشرق پر کبھی طلوع ہوا تھا۔ پوری رات جس طرح بسر ہوئی کون بیان سکتا ہے۔ جمعہ کو بعد نماز فجر ریڈیو کے توسط سے ایک جانکاہ اور ہوش ربا خبر سننے میں آئی کہ جس کے لئے میں آجتک سب کچھ ہوجانے کے باوجود یقین نہیں آرہا ہے اور دل ہے کہ بار بار جھٹلاتا رہتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور دیر تک یہ شعر پڑھتا رہا۔ ؎

این صبح چہ صبح است کہ خوں شد جگر من

این شام چہ شام است کہ سنگ است و سر من

اُفتاں وخیزاں غریب خانہ راجپور سکرور پہونچکر بعد نماز جمعہ قرآن خوانی کرکے ایصال ثواب کیا گیا اور تعزیتی جلسہ کے بعد کارروائی اخبار کو بھیجدی گئی۔ اس کے بعد سدھاری واپس آکر کئی یوم تک پڑا رہا کہ جب جنازہ کے آخری دیدار سے بھی محرومی رہی تو اب رہی کیا گیا ہے۔ بقول شاعر۔ ؎

شرمندہ ام ازانکہ دریں تعزیت مرا   رخصت نہ شد کہ خدمت آں آستاں کنم

اما بعذرخواہی ایں شعلہائے آہ   قندیل وار جانب قبرش رواں کنم

بزرگوں میں سے مولانا مسعود علی صاحب ندوی اور اُستاذی مولانا شبلی صاحب ندوی سابق پرنسپل مدرسۃ الاصلاح سرائے میر تعزیت میں تشریف لائے اور احباب میں مولانا عبدالباری صاحب صفگنج وغیرہم آتے رہے اور بہلاتے رہے جس سے اس قابل ہوسکا کہ دیوبند کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ پورا راستہ انہیں کی یاد میں کٹا۔ کبھی اپنی حرماں نصیبی پر ہنسی آگئی اور کبھی اپنی بدقسمتی پر پھوٹ پھوٹ کر رو دئے مگر کسی نے اُن کے نئے آستانے کا پتہ نہیں بتایا کہ ؏ پیر چرخ کجا برد شیخ رہبر را۔

سہارنپور سے ٹرین روانہ ہوئی جس قدر دیوبند سے قریب ہوتی جاتی تھی اسی قدر دل پر ایک چوٹ سی لگتی جاتی۔ آخرکار ٹرین ہی پر سے دارالعلوم کی عمارت کا نظر آنا تھا کہ بے قابو ہوجانا پڑا کہ ایک بڑا ناجانا تھا کہ یہی عمارت اور اس کے آثار روح پروری کے لئے سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ تھے

اور آج یہی آنا جانا زندگی کی دنیا کا سب سے روح فرسا حادثہ ہے "تانگہ" مدنی منزل" پہنچکر رک گیا سامان چھوڑ کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نئے آستانے جس کو دنیا کی بولی میں شہر خموشاں اور نہ جانے کن کن ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے پہونچا۔ دیر تک آنکھیں وقف ماتم و غم ہوگئیں۔ ؎

از دیدۂ زمانہ روان است جوی خون　　　ای دیدۂ زمانہ بگو تا چہ دیدۂ

پھر خدا سے مخاطب ہوکر عرض رسا ہوا ؎

بضبط گریہ عاجز ماندہ ام یارب چہ حال است ایں
کہ آتش می نہفتم در دل اکنوں آب می تراوم

پھر خود ہی جواب بھی نکل آیا ؎

کجا ز دیدۂ من ضبط گریہ می آید　　　کہ ایستادن باران بدست مردم نیست

ساتھ ہی یہ بھی غور کرتا جارہا تھا کہ یا الٰہی مرقد منور کی یہ زمین کہاں سے آگئی؟ ابھی عیادت کے لئے آیا تھا اُس وقت اور اس سے پہلے بھی فاتحہ پڑھنے حاضر ہوتا رہا حضرت قاسم نانوتویؒ کے قدموں میں شیخ الہندؒ آسودہ تھے نیچے اُوپر اور درمیان میں کوئی گنجائش نہ تھی۔ کیا ماجرا ہے کہ حضرت نانوتویؒ کے قدموں میں حضرت مدنیؒ آگئے اور شیخ الہندؒ نے سمٹ کر اپنے کامیاب شاگرد کو گلے سے لگا لیا گویا ان ہر دو بزرگوں نے پہلے سے سمجھوتہ کر رکھا تھا۔ سوانح قاسمی کے مطالعہ نے اس معمہ کو حل کر دیا یہ صحیح ہے کہ قاسم العلوم والخیرات کے علوم و کمالات اگرچہ بہتوں کو پہونچے مگر اُن کی پوری زندگی کا نقشہ اور علوم و معارف کا تحفظ کامل طور پر حضرت محمود اور حضرت مدنی ہی کی ذات سے ہوا۔ زمانہ شاہد ہے کہ پوری ایک صدی یعنی ۱۸۵۷ء تا غایتہ ۱۹۵۷ء کی جہادی تاریخ اور اس کے نتائج و ثمرات نیز حضرت قاسمؒ کے چھوٹے ہوئے کاموں کی تکمیل حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شیخ الاسلام کے سوا کس نے کی؟ ظاہر ہے کہ جس نے کی تھی قدرت اُس کو بجز اس کے چھوٹی سی زمین کو ملکم ملاکر دنیا وسیع ہو جاوے پھیل گئی سب دیکھتے دیکھتے رہ گئے اور حضرت مدنی انار اللہ مضجعہ و نور اللہ مرقدہ اپنی کارگذاریوں اور پرخلوص قربانیوں کی بنا پر حضرت قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز کے قدموں میں ذیل کے شعر کے مصداق ہوگئے ؎

توھم واشینا بلبل مزارنا فھم لیسعی بیننا با لتباعد

فعا نقتہ حتی اتخذ نا تعا نقا فلما اتانا ما رای غیر واحد

عربی کے مذکورہ اشعار کا مفہوم فارسی کے اس شعر میں بڑی خوبی سے ادا کر دیا گیا ہے۔ ؎

جذبۂ وصل بحدیست میان من و تو کہ رقیب آیدو پرسید نشان من و تو

فاتحہ پڑھکر یہ کہتے ہوئے ؎

گرنے کہ از سجدہ درت برجبین ماست سرمایۂ سعادت دنیا و دین ماست

مہمان خانہ میں آیا۔ حضرت مولانا سید محمد اسعد صاحب مدنی خلف اکبر حضرت شیخ الاسلامؒ سے سلام اور مصافحہ کر کے بیٹھ گیا۔ موصوف کی استقامت اور اُن کے صبر جمیل کو دیکھکر دنیا کو ممکن ہے حیرت ہو مگر مجھے ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی اس لئے کہ یہ اس باپ کے بیٹے ہیں کہ جس کی ساری زندگی اتباع سنت نبوی اور اصحاب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر تھی اور سفر و حضر میں معیت و شرف ہمرکابی کی سعادت نے اور بھی چار چاند لگا رکھے تھے حتی کہ زندگی کے آخری اور سب سے قیمتی اوقات تک عالم اسلامی کی سب سے برگزیدہ اور روحانی شخصیت سے بلا واسطہ ہر وقت کسب فیض کرتے رہنا شاید ہی کسی خوش قسمت کے حصہ میں ایک صدی پہلے آیا ہو ممدوح اس کے تنہا حامل اور مدنی فیوض و برکات کے جائز وارث ہیں اس لئے جو نمونہ آپ نے پیش فرمایا ہے ہمارے لئے اس میں بڑی دلکشی اور سامان زندگی موجود ہے۔

اللھم زد فزد اطال اللہ عمرہٗ وجعلہ فوق کثیر من الناس

ایک ہفتہ اپنا قیام رہا۔ مہمان خانہ کی وہی کیفیت تھی۔ ایک دن حضرت مہتمم صاحب دیوبند اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور دیگر اکابر کھانے پر موجود تھے۔ مہتمم صاحب نے ایک خاص تاثر کے ساتھ فرمایا کہ سب کچھ وہی ہے مگر وہی نہیں ہیں۔ ؎

شمع و گل و پروانہ و بلبل ہمہ جمع اند اے دوست بیا رحم بہ تنہائی ما کن

مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہان پوری بھی تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے تو ذرا بھی اس جگہ یہ خیال نہیں ہوتا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ رحلت فرما گئے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محفل میں موجود ہیں

یا ابھی اندرون مکان سے مہمان خانہ میں آنے والے ہیں۔ مولانا شاہجہانپوری کا ذوق شعری مسلم ہے برجستہ یہ شعر پڑھا۔ ؎

نہیں ہے پیر مےخانہ مگر فیضان باقی ہے ابھی تک میکدہ سے لوٹے عرفانی نہیں جاتی

تعزیت ہی کے اثنا قیام میں ایک روز خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کے یہ دو شعر ٹہل ٹہل کر پڑھ رہا تھا

؎ اتنا پیغام درد کا کہنا جب صبا کوئے یار سے گذرے

کونسی رات آپ آئیں گے دن بہت انتظار میں گذرے

دوسرے روز خواب میں رات کو زیارت ہوئی کیا دیکھتا ہوں کہ مہمان خانہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں۔ گرمی محسوس ہو رہی ہے مگر کسی کو ہمت نہیں ہوتی کہ وہ پنکھا لیکر لوگوں کو اور حضرت کو آرام پہونچائے۔ کیونکہ لوگوں کو معلوم تھا کہ پنکھا جھلنے سے حضرت کو تکدر ہوتا ہے۔ یہ ناچیز بارگاہ مدنی میں بڑا گستاخ اور حضرت کی انتہائی شفقت اور محبت نے بظاہر گستاخ بنا دیا تھا مگر اسی کے ساتھ آپکے اخلاقی اور روحانی اثرات نے دل و دماغ کو اتنا مسخر کر لیا تھا کہ اس شعر کو پڑھ لیجئے بات سمجھ میں آجائے گی ؎

از برائے سجدۂ عشق آستانے یافتم سر زمینے بود مقصود آسمانے یافتم

لوگوں کے اشارہ کرنے پر پنکھا لیکر جھلنا شروع کیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خدمت سے عظمت ہوتی ہے" اور حضرت مولانا احمد علی صاحب بدرپوری سے جو حضرت کے مجاز ہیں فرمایا کہ اب پنکھا تم لے لو۔ میں اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ ایک صاحب نے مجھ کو بتایا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے شمال جانب یہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح ہیں حضرت سے ملنے آئے ہیں غور سے دیکھنے لگ گیا۔ پھر مجدد صاحب نے اپنے قریب کے ایک صاحب سے فرمایا کہ آپ نے حضرت مدنی کے بارے میں مجھ سے پوچھا ہے تو میں اس کو لکھ دوں یا زبانی کہہ دوں انہوں نے کہا کہ حضرت اگر لکھ دیا جاتا تو یہ چیز زیادہ مفید ہوتی فرمایا اچھا اتنے میں چار کا گھنٹہ بجا اور نیند کھل گئی افسوس ضرور ہوا مگر اسی کے ساتھ قلبی راحت اور دلی سکون بھی مل گیا۔ ع

زہے حریم وصال تو قبلۂ عرفاء

کاش اس دن کے آنے سے پہلے یہ خاکپائے مدنی اس مستقر خاکی سے عالم جاودانی میں پہنچ گیا ہوتا اور اس شعر کا مصداق نہ ہوتا۔ ؎

ہر جا کہ ماتم است دلم صاحب عزا است　　شمع است ایں کہ وقف سر ہر مزار شد

اور یہ تو اپنی عین تمنا تھی۔ ؎

منم و ہمیں تمنا کہ بوقت جان سپردن　　برخ تو دیدہ باشم تو بروں دیدہ باشی

اس ناچیز کو اپنی تردامنی اور سیہ کاری کا اچھی طرح احساس ہے اور عمر کا تقاضا بھی ہے بڑی ہی خوش بختی اور فیروزمندی ہوتی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں اپنا آخری سفر ہو جاتا خدا کی ذات سے قوی اُمید تھی کہ اس کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دعا مغفرت پر ضرور ترس اور رحم آجاتا بیڑا پار تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے اس کو رحمت کرنے کے لئے ایک بہانہ درکار ہے سو وہ بہانہ بزرگان دین بالخصوص علماء حق یعنی صوفیاء برحق سے اپنی سچی عقیدت و نیازمندی ہے۔ کیونکہ بقول عارف رومی رح۔ ؎

اولیاء راہست قدرت از الٰہ　　تیر جستہ باز آرندش ز راہ

بہت پرانی بات ہے کہ حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کا نام نامی اکثر لوگوں کی زبانوں پر آتا تھا اور یہ عاجز سُنا کرتا تھا چنانچہ ۱۹۲۵ء سے اس نام کی ایک عجیب ہیبت اور حرمت دل میں پیدا ہوگئی تھی۔ ۱۹۳۲ء میں شرف زیارت سے مشرف ہوا اور پھر ۱۹۴۷ء سے تو سفر و حضر میں دور و قریب سے دیکھنے اور پاس بیٹھنے، صدہا مسائل میں استفادہ کرنے اور ایک پوری تاریخ آزادی ہند کی داستان جستہ جستہ سننے اور ہزاروں مکتوب کے پڑھنے اور اپنے پاس دنیا کے گوشہ گوشہ سے پہنچ جانے کی وہ سعادت قدرت نے ارزانی فرمائی کہ اگر فخر کروں تو کر سکتا ہوں پھر بھی فخر نہیں بلکہ تحدیث نعمت سمجھ کر اتنا بھی اشارہ کر دیا ہے۔ ساتھ ہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہ اور غیر معمولی تعلق کا اندازہ کرنے کے لئے مکتوبات کو پڑھیے اور حضرت قاری اصغر علی صاحب و حضرت مولانا سید محمد اسعد صاحب مدنی خلف اکبر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھئے کہ اس ناچیز اور ناکارہ پر حضرت کی کیا توجہ تھی۔ مگر بقول شاعر ؎

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل | کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی میں دریا کی سی سخاوت، سورج کی طرح شفقت اور زمین کی سی تواضع تھی ہر ایک نے اپنے ظرف کے مطابق حصہ پایا اور شکر ہے کوئی محروم نہیں رہا کیونکہ صادق مصدوق کا ارشاد ہے" ھم القوم لا یشقی جلیسھم"

پوری ذبان سے کہہ رہا ہوں اور گویا خانہ شہادت میں کھڑا ہوا بیان دے رہا ہوں اتنی پاکیزہ اور حسین زندگی نہ میں نے دیکھی ہے نہ سنی ہے۔ البتہ بزرگوں کے تذکروں میں خال خال اکابر ہی کی زندگی ضرور پڑھنے میں آئی۔ اب یہ زندگی بہشت اور جنت کے سوا دنیا میں دیکھنا اور ملنا میرے نزدیک محالات میں سے ہے۔ ممکن ہے میرے ان تاثرات کو نری عقیدت مندی پر محمول کیا جائے تو ایک ایسی آزاد شہادت جو نہ تو حضرت مدنیؒ کے وہ شاگرد ہیں اور نہ مرید پیش کر دینا اس لئے بھی میرے نزدیک ضروری ہے کہ اس متن کی شرح اگر زندگی نے وفا کیا تو آئندہ کروں گا۔

ملاحظہ ہو مولانا شاہ معین الدین صاحب کے تاثرات۔

"شیخ الہند حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی وفات ملک و ملت کا اتنا بڑا حادثہ ہے کہ اس پر اظہارِ غم سے قلم قاصر ہے۔ یہ تنہا ایک شخص کی موت نہیں بلکہ صحیح معنیٰ میں موت العالم موت العالَم ہے۔ ؎

وما کان قیس ھلکہ ھلک واحد | ولکنہ بنیان قوم تھدما

علم و عمل، دین و تقویٰ، سلوک و تصوف، ارشاد و ہدایت، جہاد و جانبازی، خلقِ عظیم و لطفِ عمیم کس کس چیز کا ماتم کیا جائے وہ اس دور میں سلف صالحین کا نمونہ اور اسلام کی مجسم تصویر تھے۔ اُن کی ایک ایک ادا سے اُسوۂ صحابہ آشکارا تھا۔ دین کے متفرق جلوے اس دور کے اور بھی صلحاء و اخیار میں ہیں گے مگر اُن کی ذات ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کی مصداق تھی اور اُن پر اس جامعیت کا خاتمہ ہو گیا، وہ سراپا عمل، سراپا جہاد اور ہمارے

پُرانے کاروانِ ملت کے آخری مسافر تھے ۔ اُن پر اس سلسلۃ الذہب کی خصوصیات ختم ہوگئیں جس کا آغاز خاندان ولی اللٰہی سے ہوا تھا .... (معارف جنوری ۱۹۵۸ء)

ع تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

شیخ الاسلامؒ کی علالت اور وفات کے مختصر حالات

ستمبر ۱۹۵۷ء میں جب دیوبند حاضر ہوا تھا تو پہلی ہی زیارت میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گذشتہ شوال میں جو لوؤں کا اثر ہوگیا تھا مکمل طور پر صحت یاب نہ ہو سکا تھا کہ مدراس کا سفر پیش آگیا اور آسی میں پھر بیمار ہوگیا

حضرت قدس اللہ سرہٗ العزیز کی علالت میں کئی دور تشویش انگیز آئے اور گذر گئے خدا نے شفا دیدی ۔ مثلاً پہلے درد ہوا اور پھر وہ جاتا رہا ۔ صرف اٹھنے بیٹھنے میں تکلیف ہوتی تھی بعد کو اس میں بھی کمی ہونے لگی، ڈاکٹری پابندیاں ختم ہوگئیں ۔ باہر مکان میں پنج وقتہ نماز با جماعت ادا فرمانے لگے ۔ تقریباً ایک مہینہ کے افاقہ کے بعد بے خوابی کی شدید تکلیف ہوگئی ۔ یعنی نیند آتی تھی مگر تنفس کی شدت کی وجہ سے لیٹنا دشوار تھا کسی طرح بھی ٹیک وغیرہ لگا کر سونا ممکن نہ تھا ۔ رات اور دن نیند سے جھومتے اور بالکل سیدھے بیٹھے بیٹھے گیارہ رات و دن اسی حالت میں بسر فرمائے ۔ اور اسی کے درمیان نویں دن سے اُبکائی کا اضافہ ہوگیا ۔ دوا اور غذا کا کھانا دشوار ہوگیا ۔ علاج اور دواؤں میں برابر تبدیلیاں ہوتی رہیں ۔ گیارہویں روز اس عارضہ میں افاقہ ہوا اور نیند آئی اور اُبکائی بھی بند ہوگئی ۔ ایک گونہ اطمینان ہوگیا ۔ دفعۃً اعالی صدر میں شدید درد کا دورہ پڑا ۔ انتہائی پریشانی میں تین دن گذرے اور پھر درد میں افاقہ ہوا ۔ صبح کی نماز بیٹھ کر چوکی پر پڑھ رہے تھے چکر آیا چوکی سے زمین پر گر پڑے ۔ معاً طبیعت سنبھل گئی اور سنبھلتی چلی گئی ۔ نبض، بلڈ پریشر، ضعف وغیرہ صحت کی طرف مائل حتیٰ کہ ۵ ؍ دسمبر جمعرات کو بغیر کسی سہارے حضرت شیخ ؒ چھڑی ٹیکتے زنان خانہ کے صحن میں تشریف لائے ۔ حجام کو بلوایا! قاری اصغر علی صاحب کی طرف جانے کا ارادہ فرما رہے تھے ۔ جب حجام نہیں ملا تو صحن ہی میں دھوپ کھاتے رہے ۔ پھر کمرے میں تشریف لے گئے اور کچھ تھوڑا سا کھانا تناول فرمایا ۔ سرخے کا عرق پیا ایک خط کو پڑھا اور ایک خط پر دستخط فرمائے ۔ مولانا اسعد صاحب کو ایک خط کے جواب کی ہدایت فرمائی ۔ گھر

کے تمام لوگ موجود تھے سب کو اچھے طریقہ پر رہنے سہنے کی نصیحت فرمائی۔ پان نوش کر کے خود چارپائی پر جا کر لیٹ گئے۔ مولانا اسعد صاحب حسب دستور بدن دبانے لگے اور پھر نیند آتی دیکھ کر ہٹ گئے۔ کچھ دیر کے بعد اسعد صاحب آئے تو اسی داہنی کروٹ پر آرام فرماتے دیکھ کر چلے گئے۔ ڈھائی بجے نماز کے واسطے بیدار کرنے کے لئے اہلیہ محترمہ آئیں دیکھا کہ "نم کنومة العروس" کا سماں ہے۔ مولانا اسعد صاحب نے بیدار کرنے کی کوشش کی جو بیکار ثابت ہوئی، نبض پر ہاتھ رکھا ساقط تھی، ڈاکٹری تدبیروں نے جواب دیدیا۔ بالآخر وہ آفتاب شریعت و طریقت جس کی روحانی کرنیں اب تک چمک رہی ہیں اور جب تک دنیا میں اہل نظر موجود رہیں گے چمکتی رہیں گی طائر روح اس قفس عنصری سے پرواز کر کے اسی عالم روحانیت میں جا پہونچا جہاں اس کا حقیقی نشیمن تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ وعلی اتباعہ الی یوم الدین۔ ے

اندر غم عشق تو رود اولی تر ‌ ‌ ‌ ‌ جانے نیست ہر آئینہ بخواہد رفتن

اس خبر وحشت اثر کا پہونچنا تھا کہ ہر طرف سے آدمیوں کا ہجوم ٹوٹ پڑا۔ دنیا بھر میں کہرام مچ گیا۔ اندر و باہر آنا جانا دشوار ہو گیا۔ لوگ انتظامات میں مصروف ہو گئے۔ لوگوں کی آمد شروع ہو گئی۔ زنانخانہ میں مستورات کا اتنا بڑا مجمع تھا کہ اندر جانا اور باہر آنا دشوار تھا کسی طرح ممکن نہ تھا کہ باہر لا کر غسل دیا جائے۔ مجبوراً حضرت رحمۃ اللہ کی جائے وصال ہی پر غسل دیا گیا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مظاہر العلوم غسل میں برابر شریک رہے۔ مولانا عبدالاحد صاحب نے غسل دیا۔ سارے اعضا نرم اور ملائم پائے حتیٰ کہ ہاتھوں کی انگلیاں بھی چٹخیں۔ کفن دیکر تقریباً چار گھنٹہ تک لوگوں نے اپنے ہادی و رہبر شیخ کامل اور مرشد برحق کا آخری دیدار کیا۔ رات ہی کو ۱۲ بجکر پچاس منٹ پر شیخ الحدیث سہارنپور نے نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ کے مجمع کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ یوں تو اخبارات نے پچاس ہزار لکھا ہے تاہم ۳۵-۴۰ ہزار کا عام تخمینہ ہے اگر دوسرے دن بعد نماز جمعہ تجہیز و تکفین عمل میں آتی تو پھر مجمع پر کنٹرول کرنا قصبہ کے لوگوں کو دشوار ہو جاتا۔ اگر یہی وصال دہلی جیسے شہروں میں ہوتا تو کئی لاکھ انسانوں سے متجاوز ہوتا اس لئے اور بھی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بلا تفریق قوم و ملت سب کے نزدیک روحانی طور پر مسلم

بزرگ تھے وہ صرف حکومتوں ہی کے محبوب نہ تھے بلکہ عالم اسلامی کے محبوب ترین اور بزرگ ترین پیشوا تھے اور اس عہد میں آپ کا مقام سب سے ممتاز اور ارفع تھا۔ صرف سنت نبوی کی اتباع میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلف اکبر مولانا سید محمد اسعد مدنی نے باوجود لوگوں کے اصرار کے شب ہی میں دفن کرنے پر زور دیا، اور حضرت کا بھی یہی مخفی اشارہ تھا اور اس روایت پر عمل کرانا مقصود تھا کہ تجہیز و تکفین میں جہاں تک ہو جلدی کی جائے (او کما قال) اصل یہ ہے کہ ایسے باکمال روز روز پیدا نہیں ہوتے کیونکہ دنیا میں مصنف، عالم، صوفی وغیرہ پیدا ہوئے اور ہوتے رہیں گے مگر ان میں انبیاء کا سا عزم اور گنبد خضرا کے سایہ میں پلے ہوؤں کا دماغ اور روحانیت کہاں سے آسکتی ہے جو حضرت مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کا اصلی مقام اور مدنی فیض تربیت کا نکھرا ہوا رنگ تھا۔ بقول حافظ رح ؎

نہ ہر کہ طرف کلہ کج نہاد و تند نشست　　　کلاہ داری و آئین سروری داند

دار العلوم سے قبرستان کا مختصر فاصلہ ڈیڑھ گھنٹہ میں طے ہوا اور تقریباً تین بجے رات کو "ما اُخفی لھم من قرۃ اعین" کی بشارت کی صحیح مصداق ذاتِ گرامی کو تہجد کی نماز کے بعد نہ جانے کس دل کے ساتھ اور کس غیر معمولی صبر و استقامت کے ساتھ مولانا اسعد مدنی نے قاسم و محمود رح رشید و امداد اللہ رح کی سب سے بڑی کمائی اور ان حضرات کی روایات کی حامل ہستی کو اس جگہ سپرد خاک کر دیا جہاں پہلے سے قاسم و محمود رح کی ارواح طیبہ چشم براہ تھیں۔ بقول آسی مرحوم ؎

اب تو پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی　　ہے شب گور بھی اس گل کی ملاقات کی رات

سنت نبوی کی آخری تقریب میں جو روحانی برکات مشاہدہ ہوئے اور رات کے پردہ میں ؏

زمیں پراست ز بال فرشتگاں یکسر

کا کیف آور سماں اور روح پرور منظر عرفاء کاملین کو دیکھتے ہیں آیا وہ ان کو کہاں میسر آسکتا تھا اور مرقد مبارک کے در و دیوار اور اللہ والوں کے قلب سے دن کو یہ صدا کہاں سنائی دیتی ؎

کس کو لائے ہیں بہر دفن کہ قبر

ہمہ تن چشم انتظار ہے آج

وفات فرمانے سے چوبیس گھنٹہ قبل حضرت مولانا فخر الدین صاحب مدظلہٗ مرادآبادی اور حضرت قاری اصغر علی صاحب اتنذ حضرت شیخ الاسلامؒ کے پاس گئے طبیعت بالکل اچھی تھی مرض کا گویا نام نہ تھا کمزوری تھی۔ مولانا فخر الدین صاحب کو اپنے سامنے بٹھایا اور یہ فرمایا کہ دنیا مجھ کو اچھا سمجھتی ہے حالانکہ بدترین خلق ہوں یہ کہہ کر عادت کے خلاف رونا شروع کر دیا۔ پورا بدن لرزاں اور ترساں تھا روتے ہوئے فرمایا کہ میں تیمم سے نماز پڑھتا ہوں نہ معلوم قبول ہوگی یا نہیں یہ کہہ کر اور زیادہ رونا شروع کر دیا۔ بہت روئے آخر میں رونا چھوڑ کر یہ حضرات باہر چلے آئے۔ وفات کی صبح کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا معلوم ہوتا ہے۔ سیر کی کتابوں میں حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ وفات کے وقت زار و قطار روتے تھے اور آخرت کی بازپرس سے اس درجہ خائف تھے کہ لوگوں کے تسکین دینے پر فرمایا کہ میری ساری پرخلوص خدمات کے صلہ میں اگر برابر سرابر اللہ نے معاملہ کر دیا تو عمر اسی کو اپنی سب سے بڑی فلاح و نجاح متصور کریگا۔ یہی کیفیت سلف میں اکابر اولیاء اللہ کی تھی چنانچہ حضرت فضیل عیاض وغیرہم رحمہم اللہ کے صدہا واقعات اس پر شاہد ہیں۔ گریہ وزاری ہی پر رحمت ایزدی کا انحصار ہے۔ مولانا رومؒ لکھتے ہیں۔ ؎

کام تو از قوت زاری دل است بے تضرع کامیابی مشکل است

رونے کی قدر و قیمت کا اندازہ مولانا روم سے پوچھئے فرماتے ہیں۔ ؎

اشک کاں از بہر او بارند خلق گوہر است و اشک پندارند خلق

گریۂ باصدق با جانہا زند تاکہ عرش و فرش را نالاں کند

گریہ و زاری کا میلان ہی مبارک اور سعید کام ہے ارشاد فرماتے ہیں۔ ؎

اے خنک چشمے کہ او گریان اوست اے ہمایوں دل کہ او بریان اوست

گو حضرت شیخ رحمۃ اللہ نے راز کا افشاء نہ کیا لیکن یہ واقعات شاہد ہیں کہ آپ کو اپنے وصال کے آثار معلوم ہو چکے تھے اور زندگی کے آخری لمحے تک جس طرح غیر معمولی اختصار سے ہر ہر واقع پر کام لیا تھا

اس موقع پر بھی کام لیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی جس شان سے زندگی بسر کرائی اسی شان سے بالکل اُدھی موت بھی واقع ہوئی۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ؁

این سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان و اخلاص کا اصلی مقام

حضرت رحمۃ اللہ کی ایک ایک ادا سے اسوۂ صحابہ آشکارا تھا یہ جو کہا جاتا ہے اس کی شرح یہ ہے کہ" انسان جب کبھی کسی مقصد کی راہ میں قدم اٹھاتا ہے اور مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے تو دو طرح کی حالتیں پیش آتی ہیں کچھ لوگ جوانمرد اور باہمت ہوتے ہیں وہ بلا تامل ہر طرح کی مصیبتیں جھیل لیتے ہیں لیکن اُن کو جھیلنا جھیل لینا ہی ہوتا ہے یہ بات نہیں ہوتی کہ مصیبتیں اُن کے لئے مصیبتیں نہ رہی ہوں عیش و راحت ہوگئی ہوں لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنھیں صرف باہمت ہی نہیں کہنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ سمجھنا چاہیئے ان میں صرف ہمت و جوانمردی ہی نہیں ہوتی بلکہ عشق و شیفتگی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے راہ محبت کی ہر مصیبت ان کے لئے عیش و راحت کی ایک نئی لذت بنجاتی ہے بلکہ اس راہ میں جس قدر مصیبتیں بڑھتی جاتی ہیں اتنی زیادہ اُن کے دل کی خوش حالیاں بھی بڑھتی جاتی ہیں اس بات کا تصور کہ یہ سب کچھ کسی کی راہ میں پیش آرہا ہے اسکی نگاہیں ہمارے حال سے بیخبر نہیں ایسا سرور اور بے پایاں جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ اس کی سرشاری میں جسم کی کوئی کلفت اور ذہن کی کوئی اذیت محسوس ہی نہیں ہوتی۔ صحابہ کرام میں عام اور مقام صدیقیت پر فائز ہونے والے بزرگوں اور اولیاء اللہ میں خاص طور پر یہ کیفیت ہمیشہ پائی گئی جس کے آخری علمبردار حضرت مولانا مدنی نور اللہ مرقدہٗ تھے آپ کے عشق و محبت اور ایمان و اخلاص کا مقام اس لئے بہت اونچا ہے کہ اس کا سرچشمہ حضرات انبیاء و رسل کی میراث ظل نبوت اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی یہ ہی ہیں" دریں رہ قدم مقام مقامے دیگر فاصلہ نیست" کی صحیح تعبیر ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی میں مصیبت کا تصور اتنا بلند اور پاکیزہ تصور اور عیش و راحت کی ایسی لذت تھی کہ جس کی بناء پر قدرت نے اپنے مماثل اور اقران میں تو ممتاز کیا ہی تھا ایک صدی پہلے کے بزرگوں میں اس مقصد اور اس کیفیت کا سراغ بہت ہی کم ملتا ہے۔ ثبوت کے لئے مکتوبات کی جلدوں کو پڑھو تم خود بول اٹھو گے

یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں انشاء اللہ تفصیل دوسرے موقع پر آئے گی اس ناچیز کو ایسے اساتذہ اور شیخ طریقت ہاتھ آئے جو بیک وقت غزالی اور رازی، جنید و شبلی تھے جن کی علمی جلالت اور عملی استقامت آپ اپنا نظیر تھی لیکن اس کو کیا کہیئے کہ بارگاہ مدنی میں جو دیکھنے میں آیا اور جو فرق محسوس ہوا وہ یہی تھا جو اوپر ذکر کیا گیا۔ فرق مراتب کے یہ معنے نہ سمجھے جائیں کہ خدانخواستہ کسی کی تنقیص ہے یا یہ ناچیز غلو کا شکار ہے بلکہ ہر ایک بزرگ کا اپنی جگہ پر احترام ملحوظ خاطر ہے اور جو کچھ فیصلہ ہے اس میں قطعاً عقیدت مندی کو دخل نہیں ہے بلکہ ان حضرات کے ظاہری کمالات کا ماخذ خود اُن کی ذات اور اُن کی زندگی کے کارناموں کی روداد پر رہ گیا یہ کہ حضرت کے کمالات اور مقام صدیقیت پر تو وہی کچھ لکھ سکتا ہے جو خود بھی کچھ ہو یہاں تو کچھ بھی نہیں البتہ "ولی را ولی می شناسد" کے پیش نظر چند اقتباسات الاعتدال فی مراتب الرجال مصنفہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارن پور سے یہاں درج کر دیئے جاتے ہیں جو حضرت موصوف نے پاکستانی تحریک کے موقع پر کسی استفسار کرنے والے عزیز کے سوالات کے جواب میں حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ پر اپنے جچے تلے الفاظ اور صحیح و سنجیدہ بیان میں نہایت ہی قیمتی افادات فرمائے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

مخلصین کی جماعت میں اختلاف کا ہونا مستبعد اور دشوار چیز نہیں ہے۔ ہمیشہ سے اختلاف ہوتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ رہے گا..... میں تو اس چیز میں اتنا ٹھنڈا ہوں کہ لکھ نہیں سکتا شوال میں حدیث کے اسباق کی بسم اللہ ہوتی ہے اور رجب میں تمت ہوتی ہے ان دس ماہ میں اسباق کا کوئی دن بھی ایسا نہیں گذرتا جس میں کم از کم بیس مرتبہ یہ نہ کہنا پڑتا ہو کہ اس مسئلہ میں فلاں امام کا یہ مذہب ہے اور فلاں کا یہ ہے صحابہ کے مذاہب میں تابعین میں یہ اختلاف ہے۔ اگر آپس کا اختلاف ہی اخلاص کے منافی ہوگا تو پھر تو بڑی مشکل پیش آجائے گی کہ ان سب حضرات رضی اللہ عنہم و رحمہم اللہ تعالےٰ کو مخلصین کی جماعت سے خدانخواستہ نکالنا پڑ جائے گا

"میں کہتا ہوں کہ ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک کی طرف سے بھی دل میں

کدورت نہ لانا اگر خدانخواستہ ایسا کروگے تو اپنا ہی نقصان کروگے .. حضرت شیخ علی خواص جو مشہور اولیاء میں ہیں فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو اس چیز سے نہایت محفوظ رکھنا کہ کسی ایسے شخص کی بات پر کان دھرو جو علماء یا مشائخ صوفیہ (پر بلا کسی شرعی وجہ کے) اعتراض کرتا ہو کہ اس کی وجہ سے تم اللہ جل شانہ کی نگاہ حفاظت سے گرجاؤگے اور اللہ کی ناراضی اور غصہ کے سزاوار ہوگے۔ اس لئے تمہیں خاص طور سے نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ والوں سے جتنی محبت اور تعلق پیدا کرسکو اس میں ذرا کمی نہ کرنا۔

اللہ کے بندے اتنا تو سوچا ہوتا کہ ان حضرات کا علم و فضل، زہد و تقویٰ، دیانت و تبحر، اللہ کا خوف، اللہ سے تعلق، دینی اشتغال، دینی تصلب کونسی چیز ایسی ہے جس کے پاسنگ میں بھی میں اپنے آپ کو رکھدوں۔ ایسی صورت میں میرا منھ یا میرے قلم میں یہ طاقت ہے کہ ان اکابر میں محاکمہ کروں۔ مگر مجھے حضرت مدنیؒ کی حرص کرنا سراسر حماقت ہے بھلا جس شخص کے یہاں سفر و حضر برابر ہوں، دن رات یکساں ہوں نہ اس کو راحت کی ضرورت ہو نہ تکان پاس پھٹکتا ہو اس کی کوئی کیا حرص کرسکتا ہے اُن کا تو یہ حال ہے کہ حجاز سے سفر شروع کریں اور کراچی سے اُتر کر سیدھے دو شب و روز ریل میں گذار کر پانچ بجے صبح دیوبند پہونچیں اور چھ بجے بخاری شریف کا سبق پڑھادیں۔ جیسا کہ اس آخری سفر حج میں پیش آیا ہے وہ مسلسل پندرہ دن تک روزانہ کئی میل کا سفر کریں اور کئی کئی تقریریں کردیں۔ جیسا کہ گذشتہ سال ہوا۔ ابھی دو ایک برس کا قصہ ہے کہ سہارنپور میں سیرت پر ایک ہفتہ وار تقریر کا دورہ ایک مجلس میں کرگذرے تھے کئی مہینہ تک ہر ہفتہ شب کی گاڑی سے آنا عشا کے بعد سے ایک بجے تک تقریر کرنا اور تین بجے بلا کسی کے جگانے اُٹھ کر ریل پر چل دینا اور صبح کو سبق پڑھانا جس میں مسلسل تین چار گھنٹہ تقریر فرمانا اس کے علاوہ حضرت مدنی کی ابتدائی مدرسی مدینہ منورہ میں برسوں ایسی جانفشانی سے گذر چکی ہے کہ بعض زمانوں میں مسلسل بارہ تیرہ سبق روزانہ پڑھانا اور شب و روز میں

صرف دو تین گھنٹہ سونا باقی اوقات یا سبق یا مطالعہ ...... یہ تو علوم کا حال ہوا اب سلوک کی سنو. سب سے پہلا غوطہ تو بحرِ عشق و معرفت شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے یہاں لگایا اور مدینہ پاک میں مسجد اجابت جیسی بابرکت اور یکسو جگہ میں عرصہ تک ضربیں لگائیں پھر اس کی تکمیل و تخصیص قطب الارشاد حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے یہاں ہوئی اور پھر برسوں حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے ظلِ عاطفت میں مالٹا کی یکسوئی میں اس رنگ کو پکایا ایسے شخص پر کیا اغیار کا اثر ہو اور کیا تشتت اس کو مضر ہو ....

اس اقتباس سے چند باتیں معلوم ہوئیں .

(۱) اہل اللہ سے جتنی بھی محبت پیدا کی جا سکے اس سے دریغ نہ کرنا چاہیئے اور بے دین لوگوں سے جتنا بھی ممکن ہو دور رہنا چاہیئے بقول مولانا رومؒ . ؎

صحبت صالح ترا صالح کند　　　صحبت طالح ترا طالح کند

(۲) اللہ والوں سے تعلق رکھنے میں بہت سے فوائد ہیں منجملہ اُن کے یہ ہیں . ؎

دست در دامن مرداں زن و اندیشہ مکن ⁂ ہر کہ با نوح نشیند چہ غم از طوفانش

(۳) حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے کبریت احمر او لعل شب چراغ ہوں تو اس کی بھی توقع ہے

؎ نشو ہمدم پروانہ تا سوختن آموزی　　　با سوختگاں بنشیں شاید کہ تو ہم سوزی

مخلصانہ گذارش

حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ دونوں بزرگ رحمت الٰہی کے جوار میں پہنچ چکے اب ان ہر دو بزرگوں کے مریدین اور مجازین کا ایک لمبا سلسلہ ہے بالخصوص حضرت مدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے شاگردوں اور مریدوں کا تو اتنا بڑا سمندر ہے کہ جس کے ساحل کا پتہ ہی نہیں جن میں تقریبًا ڈیڑھ سو سے زیادہ تو مجازین ہی ہیں . ان ہر دو بزرگوں میں تھوڑے سے سیاسی اختلاف کے باوجود ایک

دوسرے کا غیر معمولی احترام واجبی طور پر قائم تھا حضرت مدنیؒ کی تواضع وخاکساری جب اپنے چھوٹوں تک کے ساتھ ایسی رہ چکی ہے کہ کوئی دوسری نظیر دیکھنے اور سننے میں نہ آئی تو پھر اپنے برابری کے بزرگوں کی شان میں کوئی ایسا فقرہ کم سے کم اس ناچیز کے علم میں موجود نہیں ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہاں تک کا ثبوت مکاتیب مدنی سے ملتا ہے کہ اپنے مریدوں اور شاگردوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ مولانا تھانویؒ کے علوم سے استفادہ کرتے رہیں مگر دوسری جگہ اس کے برعکس نظر آیا۔ بڑے کی بات بڑے ہی جانیں کوئی بات تو ہوگی آخر؟

یہ ناچیز اپنے احباب سے معافی چاہتا ہوا عرض رسا ہے۔ ـــ ۵

غزل سرایم وپیغام آشنا گویم   بایں بہانہ دریں بزم محرمے جویم

اگر آپ محرم ہیں تو آپ پر مجھ سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اصلی مجاز وہی ہو سکتا ہے جو حضرت مدنیؒ کے چھوڑے ہوئے کام کو پورا کرے اگرچہ یہ واقعہ ہے اور ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت ہے کہ ہندوستان بھر کے مجازین اور خلفاء اگر مل کر بھی اُن کاموں کو کرنا چاہیں جو حضرت مدنیؒ بنفس نفیس یکہ وتنہا انجام دیتے تھے تو اُن کی بساط سے باہر ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اپنی زندگی کو آئینہ جمال مدنی میں دیکھ دیکھ کر سنوارنا چاہئے تنگ نظری اور سوء ادب جو طریق میں کفر کے علاوہ ایک مستقل جرم ہے اس سے حتی الوسع احتراز برتیں۔ شیخیت کا عجب وپندار جو مجاز ہونے کے ساتھ ہی برگ وبار لانا شروع کرتا ہے اور نفع سے زیادہ نقصان کا آجکل شاہدہ ہے مدنی زندگی اور تعلیم کے قطعاً منافی ہے ورنہ پھر یہ مثل صادق آئے گی۔ ع

بآدمی نہ رسید ی خدا چہ می جوئی

پس جو حضرات اہل علم میں سے ہیں اُن کو چاہیئے کہ وہ تعلیم وتدریس کا سلسلہ قائم رکھیں کیونکہ امامت وقیادت کا رشتہ ہمیشہ علم تحقیقی سے وابستہ رہا ہے۔ تزکیہ نفس اور اصلاح قلوب پر مزید توجہ ضروری ہے۔ قرآن حکیم اور سنت نبی کریمؐ صحابہؓ تابعین اولیاء اللہ وغیرہم علماء حق کی سیرت سے ایسا ہی ثبوت ملتا ہے ہاں جو مجازین قرآن وحدیث وغیرہ کے درس وتدریس کی اہلیت اور لیاقت اپنے

اندر نہیں پانتے یا تن آسانی اسی میں سمجھتے ہیں اور کم علمی کا راز بھی فاش نہیں ہونے دینا چاہتے ترجیح وہ اپنے شیخ کے افادات ہی کو پہونچاتے رہیں اور ذکر و شغل کے چرچہ کو ترقی دیں تاکہ جو لوگ بغیر اجازت پیر دکانداری کرنا چاہیں اُن کا سدّباب ہو جائے باقی حضرت مدنی کا خلیفہ و جانشین کون مائی کا لال ہو سکتا ہے اور کس کو حضرت مدنی کی طرح باقاعدہ دستار خلافت وغیرہ حسب تصریح نقش حیات ملی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جن کو مجاز قرار دیا گیا ہے وہ کوئی چیز نہیں حاشا ایسا خیال نہ لایا جائیگا بلکہ وہ خوش قسمت ہیں کہ حضرت مدنی نے ان کو اپنا مجاز بنا کر اعلان فرمایا ہے کفی بذلک لھم فخرا و ثناء۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ نے اس سلسلہ میں اپنی طرز زندگی اور عملی تعلیمات سے جو اصلاح فرمائی ہے اُس کو تو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلف اکبر حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنی باوجودیکہ حضرت کے مجاز نہیں بلکہ باجازت خلفاء مجاز ہیں مگر کون ہے جو اُن جیسا اپنے کو سمجھ سکتا ہے؟ ناچیز اُن کی طرف سے یہ شعر پڑھ دینا چاہتا ہے ؎

نفس دانیم و بس راہ چمن از ما چہ می پرسی ؛ کہ پیش از بال و پر برداشتند از آشیاں ما را

افسوس یہ ناکارہ تو کسی کام کا بھی نہیں ہے ہاں اُن کو دیکھا دل نے پہچانا مگر اُن کی خو بو اور زندگی کا خاکہ کھینچنے سے معذور اور محروم ہی رہا پھر بھی کوئی بے اطمینانی نہیں۔ احباب سے البتہ گذارش ہے ؎

بچشم کم منگر عاشقان صادق را ؛ کہ ایں شکستہ بہایاں متاع قافلہ اند

اپنا تو بس یہ عقیدہ ہے اور خدا کرے دوسروں کا بھی یہی ہو جائے کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا سا باکمال اور صحابہ کرام کی جیتی جاگتی تصویر کے دیکھ لینے کے بعد اگر پوری زندگی اس نعمت کی شکر گذاری میں وقف ہو جائے تو بہت ہی کم ہے مگر ہے بات کام کی اس دولت جاوید کے مل جانے کے بعد یہ مذہب ہو جانا چاہیئے جس کی تعلیم حافظ علیہ الرحمۃ نے دی۔ ؎

بہ ہیچ در نہ روم بعد ازیں ز حضرت دوست ؛ چو کعبہ یافتم آیم ز بت پرستی باز

کیونکہ بعض بزرگوں کا فیض بہت دیر جاری رہتا ہے اور اہل دل کو معلوم ہے جیسا کہ اس شعر سے

ظاہر ہے ؎

در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست می بینمت عیاں و دعامی فرستمت

(تنبیہ) ایک مرید سالک اور مجاز بن جانے کے بعد مقام عبودیت، مقام عشق، مقام معرفت مقام وحید طے کرتا ہوا مقام حقیقت پر پہونچتا ہے مگر اس کا سفر اب بھی ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے بعد بھی روحانی ترقی کی تین منزلیں باقی رہجاتی ہیں منزل فنا، منزل لقاء اور منزل بقاء وغیرہ جس کی تشریح جلد چہارم یا پھر حضرت رح کی سوانح حیات میں آئے گی جس کی تکمیل کے بغیر اس مبارک سلسلہ کے برکات اور ثمرات کا وہ اثر پیدا نہ ہو سکا جو اکابر سلف کی زندگی میں تھا جس کے آخری تاجدار حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

مکتوبات شیخ الاسلام جلد چہارم

تیسری جلد آپ کے ہاتھوں میں پہونچ چکی ہے۔ یہ اللہ کا بڑا احسان ہے۔ افسوس کیساتھ صدمہ اس بات کا ضرور ہے کہ اے کاش یہ جلد اور اس کے بعد چوتھی جلد جو مکتوبات گرامی کی آخری جلد ہوگی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر فیض اثر سے گذر چکی ہوتی۔ بہر کیف خدا کو یہ منظور نہ تھا البتہ اس سے اطمینان ہے کہ اول و دوم مقبول ہوگئی اور حضرت کے سامنے شائع ہو کر لائق استناد اور قابل اعتماد قرار پا چکی فللہ الحمد والمنتہ۔

یہ جلد بھی پوری احتیاط اور عرق ریزی کی بنا پر انشاء اللہ مقبول ہوگی اور اہل علم اور ارباب حال سے خراج تحسین حاصل کریگی۔ کوئی خاص بھول چوک اگر ہوگئی ہو ضرور اس سے آگاہ فرمایا جائے اور جلد چہارم کے لئے جو خطوط اب تک شائع ہونے سے رہ گئے ہیں فوراً بھیجدیئے جائیں کیونکہ اب یہ چشمۂ حیات دوسری صورت اختیار کرچکا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و جذبات معتقدات خیالات، نظریہ و افکار اور سیاسی خدمات وغیرہ کے معلوم کرنے کا مکتوبات سے بڑھ کر اور مستند اگر دوسرا کوئی ذریعہ ہو سکتا ہے تو وہ حضرت اقدس کی خود نوشت سرگذشت ہے۔ اب حضرت

موجود نہیں ہیں مگر اُن کے یہ مکتوبات صدیوں تک کے لئے وہ اساسی اور بنیادی دستاویز ہونگے کہ کوئی مورخ ہند بے نیاز نہ ہوسکے گا۔ اور نہ کوئی اہل دل اس کی افادیت سے محروم ہوگا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مجازین کا فرض ہوگا کہ اس مکتوبات پر لوگوں کو اور خصوصیت سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین کو متوجہ فرمائیں کہ وہ خود برابر پڑھتے رہیں اور مجلس احباب میں اس کو سنایا کریں۔ انشاء اللہ مثمر برکات ہوگا۔

جن حضرات کے خطوط اس جلد میں درج نہ ہوئے ہوں وہ چوتھی جلد کا انتظار کریں یا جوابی خط کے ذریعہ یاد دہانی کرادیں اور ایسے خطوط روانہ فرمائیں جو اپنے اندر معنویت رکھتے ہوں اور شائع نہ ہوئے ہوں۔ اگر اسی مضمون کے دوسرے خطوط شائع ہوگئے ہوں تو پھر چنداں ان کی اشاعت ضروری نہیں اور سوالات بھی ضرور تحریر فرمادیا کریں۔ ساتھ ہی اپنا رابطہ اور تعلق حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنی زاد شرفہ و دام فیضہ سے اسی طرح قائم رکھیں جس طرح حضرت سے تھا۔

جلد اول سے لیکر جلد چہارم تک کوئی جلد ایسی نہیں ہے کہ جس میں فتنہ مودودیت پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کافی توجہ نہ رہی ہو۔ اس فتنہ کو بہت حد تک حضرت نے پھیلنے سے روکا اور آخر دم تک اس گروہ سے بوجہ جمیت دینی تکدر رہا۔ ہمارا بھی فریضہ ہونا چاہیئے کہ اس طرح کی گمراہ جماعتوں کے خیالات وعقائد کو پھیلنے پھولنے کا موقع نہ دیں اور مسلک اہل سنت والجماعت کی حمایت عین دین کی حمایت سمجھیں۔

ناچیز کے ہاتھوں سے مکتوبات کی دو جلدیں شائع ہوچکی ہیں اب یہ تیسری بھی احباب اور بزرگوں کے ہاتھوں میں پہونچ چکی ہے۔ چوتھی بھی زیر ترتیب ہے۔ اتنے بڑے اہم کام کا انجام پاجانا اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فیض باطنی کا اثر نہ سمجھا جائے تو بدرجہ اقل اس عقیدت کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے جو اس عاجز کو بدو شعور سے ایسے باکمال بزرگوں کی ذات بابرکات کے ساتھ رہا ہے

خطوط کی فراہمی میں ہمارے مخدوم اور لائق صد احترام بزرگ حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحب مدرس دیوبند، مجاز حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا اہتمام سے اپنی بیاض خاص میں درج کرتے رہنا

اور لطیب خاطر نقل کرا دینا نہایت قیمتی سرمایہ اور سب سے وزنی امداد ہے یہ ناچیز مولانا موصوف کی خدمت میں شکریہ پیش کرتا ہے اور مزید توجہ کا محتاج ہے اس کے ساتھ میں مولانا عبد الحق صاحب دامانی مجاز حضرت مدنی موضع شبر وکھنہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں صوبہ سرحد کا تہ دل سے شکرگذار ہوں کہ موصوف نے نقول کے بھیجنے میں بڑی ہی جانفشانی فرمائی اللہ جزا رخیر دے۔ آپ ہی مہمان خانہ کے گویا انچارج اور مہمانوں کی خدمت پر مامور ہیں اور بڑے مخلص لوگوں میں ہیں۔

آخر میں یہ ناچیز اپنے اور تمام احباب کے محبوب مولانا حافظ رشید الدین صاحب داماد حضرت مدنیؒ اور برادر عزیز حافظ سید محمد ارشد سلمہٗ خلف اوسط حضرت مدنیؒ کا بہت بہت شکرگذار ہے کہ آپ صاحبان نے چند خطوط جو نجی اور گھریلو تھے مگر تھے اس قابل کہ اُن کو عام کیا جائے، عنایت فرمائے۔ جزاھما اللہ خیر الجزاء

عذرم بنہ دراز اگر شد حدیث غم
کیں داستان درد کسے مختصر نہ کرد

والسلام
حزین و غمگین نجم الدین
اصلاحی کان اللہ لہٗ
رجب ۱۳۷۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ الذی جعل النسل فی معرفتہ الیقین والاکثر دسیر من غاب وحضر من اعظم العبر والصلوٰۃ والسلام علی صفوۃ الصفوۃ ونخبۃ النخبۃ مختار الخیرۃ من نوع البشر وعلی آلہ الکرام البررۃ قرناء القرآن کما صح بذلک الخبر وعلی صحبہ الذین ارغم اللہ بعلو ارثہم ومعارفہم انف کل من جحد وکفر ما اتصلت عین بنظر واذن بخبر اما بعد۔

با طفل کم سواد و سبق تعہد درست
صد بار خواندہ و دگر از سر گرفتہ ایم

پیش نظر کتاب حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی دامت برکاتہم کے مکتوبات کی پہلی جلد ہے جو افادۂ عام کی غرض سے شایع کی جارہی ہے، اس کے بعد اگر خدا نے چاہا تو مکتوبات کی اور جلدین بھی یکے بعد دیگرے چھپتی رہین گی، مکتوبات کا جو سرمایہ فی الحال خاکسار کے پاس موجود ہے، وہ امید ہے کہ ابھی کم از کم دو جلدون کے لئے کافی ہوگا، احباب و بزرگون سے درخواست ہے کہ اگر یہ سلسلہ ملک و ملت کے لئے مفید نظر آئے تو خدارا اس خزانہ کے ان جواہر پارون کو بھی اب وقف عام کردینا چاہیئے جو ابھی تک لوگون کے پاس بطور تبرک رہ گئے ہین تاکہ ان کی افادی حیثیت بھی محدود نہ رہے اور یہ گنج گرانمایہ دستبرد زمانہ سے بھی محفوظ ہوجائے،

سنہ ۱۹۴۹ء مین حضرت مولانا سید محمد میان صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند کی مشہور تصنیف "حیات شیخ الاسلام" جب چھپ کر شایع ہوئی پوری کتاب کئی بار پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی.

لیکن ہر مرتبہ یہی محسوس ہوا کہ اس کے مباحث تشنۂ تفصیلات ہیں، اور امام عصر پر ابھی مستقلاً بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے، حتی کہ اپنا یہ تاثر، میں نے مصنف کی خدمت میں بھی لکھ بھیجا، موصوف نے میرے اس خیال سے اتفاق فرمایا اور خاکسار کو بھی اس بزم میں شریک ہونے کی دعوت دی، مولانا مدنی جیسی بلند پایہ شخصیت کی زندگی کے کسی گوشہ کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا میرے لئے اپنی بے بضاعتی کے باعث، چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق تھا، اس لئے اس کی تو جرأت نہ کرسکا لیکن "حیات شیخ الاسلام" میں امام عصر کے جو عالمانہ اور محققانہ مکاتیب میں نے پڑھے، اس نے یہ خواہش ضرور پیدا کردی کہ اگر امام عصر کے مکاتیب، جس میں باتوں، باتوں کے اندر نہایت ہی اہم علمی، مذہبی، اخلاقی، سیاسی، تہذیبی اور تمدنی حقائق بیان کئے گئے ہیں، ایک مناسب ترتیب کے ساتھ جمع کر کے شائع کردیئے جائیں تو وقت کی ایک نہایت ہی اہم اور مفید خدمت ہو، چنانچہ اسی جذبہ کے ماتحت ۱۱ر جولائی ۱۹۴۹ء کو میں نے ایک اپیل مکاتیب مدنی کے جمع و ترتیب کی ضرورت کے عنوان سے مختلف اخباروں میں شائع کرائی حضرت مولانا محمد میاں صاحب اور حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب نے اخبار الجمعیۃ میں اس تجویز کی پرزور تائید فرمائی، اور خود اخبار مذکور نے بھی اپنے اڈیٹوریل کالم میں اس کی ضرورت پر زور دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ ملک کے طول و عرض میں امام عصر کے مکتوبات کے جمع و ترتیب کا ایک چرچا پھیل گیا، بعدہ خاکسار کے پاس مکاتیب کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا، صورت حال کا یہ نقشہ دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ کوئی اور طاقت ہے جو بے اختیار یہ کام لے رہی ہے،

مری طلب بھی اسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

بزرگان دین اور علمائے سلف کے ملفوظات اور مکتوبات، اپنی غیر معمولی افادیت کے باعث ہر دور میں جمع کئے گئے ہیں، خیر المجالس سرور الصدور، انفاس رحیمیہ مکتوبات امام ربانی، اور مکتوبات و ملفوظات

شیخ عبد القدوس، مخدوم الملک بہاریؒ، شاہ ولی اللہؒ، مرزا مظہر جانجاناںؒ وغیرہم آج تک جادہ پیمائے سلوک و تصوف کیلئے شمع راہ ہیں،

حضرت امام العصر مولانا سید حسین احمد مدنی دامت فیوضہم کی ذات گرامی درحقیقت ہندوستان میں اسلاف کرام کی آخری یادگار، علم و عمل، حریت و جہاد، زہد و تقویٰ، عرفان و ہدایت کی وہ زندہ کتاب ہے جس کی نظیر صرف کتابوں یا صدر اول میں ملتی ہیں۔ پس آپ کی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق افادہ و فیضان کا ایک عظیم الشان دفتر ہے، بڑی حرمان نصیبی ہوتی اگر اس کو محفوظ نہ کر دیا جاتا، چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کام کو ایسے حضرات کرتے جو خود بھی کچھ ہوتے جیسا کہ سلف کا طریقہ رہا ہے، یہاں اپنا حال یہ ہے کہ امام عصر کی طرف اپنا انتساب ہی خود اس مبارک سلسلہ کی توہین ہے مگر اس کو کیا کیا جائے ؎

داد او را قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داد اوست

علمائے ربانی کا حقیقی مقام

جاننے والے جانتے ہیں کہ ہر دور میں مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی مشکلات کا علاج باوجود تقوی و طہارت شان حضرت علماء نے کیا ہے، کیونکہ علماء کسی خاص نسل یا خاص ملک کے لئے نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اگر ایک آدمی کو اپنی تن پروری کے سوا کی فکر نہ ہو اس کو ہم ایک ذی عقل حیوان سے زیادہ حیثیت نہیں دے سکتے جو شخص یا جماعت محض اپنا گھر بچانے کی فکر تو کرے مگر دوسری قوموں کی بربادی پر ٹس سے مس نہ ہو، ایسے آدمی کو آدمی کہنا انسانیت کے قانون میں جرم ہے، خادمین قرآن اور مجاہدین نے قرآن کی روشنی میں انسانیت کی غیر طبعی تقسیم کو منسوخ ... تنگ خیالی کے طلسم کو توڑ کر فرض شناسی کے ایک وسیع عالم کی راہیں کھولدی ہیں تاریخ

سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ اور امام ابوحنیفہؒ اپنے اپنے زمانون مین نہ صرف علم و فضل کے امام رہے بلکہ دینی سیاست کے مقتضیات کے مطابق دنیا کی رہنمائی اور حجرون سے نکل کر میدانون کی جادہ پیمائی و نبرد آزمائی اُن کا اہم کارنامہ ہے قاضی ابویوسف کا دربار رشید مین فایز ہونا اور امام زہری کا عبدالملک کے زمانہ سے لیکر یزید بن عبدالملک کی حکومت تک رہنا، عبدالملک کے دربار سے امام شعبی کا قیصر روم کی طرف سفیر ہو کر جانا، علامہ ابن حزم کا پانچوین صدی ہجری مین وزارت کے بار خطیر کو برداشت کرنا، شیخ عبدالقادر جیلانی و ابن عربی کا باوجود استغراق و تبتل اپنے زمانہ کے سلاطین کے احکامات پر تنقید کرنا اور امت کی ضرورتون کے پیش نظر زمین و آسمان کو ایک کر دینا، امام رازی اور خواجہ اجمیری کا غوری کے ساتھ اشتراک عمل کرنا تاریخ کی اہم روداد ہے، دور کیون جایئے خود ہندوستان مین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ذات گرامی کو جو حیثیت ہر اعتبار سے حاصل ہے وہ اب تک کسی عالم ربانی کو حاصل نہ ہو سکی، آپ کے ہمعصر سلاطین مغلیہ مین عالمگیر سے لیکر گیارہوین تاجدار شاہ عالمؒ تک کا زمانہ آپ کی آنکھون کے سامنے گذرا ہے اور کم و بیش احمد شاہ ابدالی کے سات حملے ہندوستان پر آپ ہی کی زندگی مین ہوئے ہین، کیا آپ ایسے نازک دور مین گوشہ نشین ہو گئے تھے، ہرگز نہین بلکہ احمد شاہ ابدالی کا ہندوستان آنا نجیب الدولہ کا امیر الامرا ہو جانا سب شاہ ولی اللہ کی سیاسی بصیرت کا نتیجہ تھا، شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات کا دوسرا خط اسباب سیاست کو پڑھنا چاہئیے کہ شاہ صاحب نے کس طرح سیاسی انتشار اور زوال کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے، اور سیاسی بصیرت کے ساتھ سمجھا اور سمجھایا ہے شاہ صاحب ہی کا کام تھا کہ اُس زمانہ کی مختلف سیاسی طاقتون سے کام لیکر ہندوستان کی فضا سے سیاسی بدامنی، قتل و غارت گری، فتنہ اور مفسدانہ عناصر کی بیخ کنی مین کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا، بقول مولانا خلیق احمد نظامی ،، پانی پت کا میدان کارزار حقیقت مین شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا سجایا ہوا تھا، اگر سلطنت مغلیہ مین تھوڑی سی بھی جان ہوتی تو وہ جنگ پانی پت

کے نتائج سے فائدہ اٹھا کر اپنے اقتدار کو ہندوستان میں پھر کچھ صدیوں کیلئے قائم کر سکتی تھی، اس کے ساتھ شاہ ولی اللہؒ اور احمد شاہ ابدالی، انگریزوں سے بے خبر نہ تھے، بلکہ وہ شدت سے محسوس کر رہے تھے کہ کہیں مغل بادشاہ کے تساہل سے انگریزوں کو اپنا اقتدار قائم کرنے کا موقع نہ مل جائے، جس کے روک تھام کی تدبیریں کیں اور بہار سے شاہ عالم ثانی کا دہلی بلانا اسی لئے تھا کہ وہ انگریزوں کے اثر سے نکل آئے، اور دہلی آکر اپنی خلافت کا استحکام کرے، یہ تھے حکیم الامت اور امام شریعت و طریقت شاہ ولی اللہؒ

تحریک آزادی ہند کا آغاز اور سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ

و شاہ عبدالعزیزؒ

پوری صدی گذر جانے کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ دارالاسلام ہندوستان پر جب انگریزی حکومت نے تغلب کیا تو سب سے پہلا کون شخص تھا جس نے قانون اسلام کی پیروی کرتے ہوئے ہندوستان کو دوبارہ دارالاسلام بنانے کی سعی کی؟ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگزیب کے بعد جب ہندوستان کی حکومت کو گھن لگنا شروع ہوا تو سیدنا شاہ ولی اللہؒ ہی نے پوری فراستِ ایمانی اور سیاست دانی کا ثبوت دیتے ہوئے اسباب و علل پر بحث فرمائی اور حکومت، امراء، وزراء اور سوسائٹی کے دوسرے طبقات کو مخاطب کر کے ایک پروگرام دیا جس کا متن سید سلیمان صاحب کے الفاظ میں یہ ہے،

"ہندوستان پر اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہوئی کہ مین تنزل اور سقوط کے آغاز میں شاہ ولی اللہؒ کے وجود نے مسلمانوں کی اصلاح و دعوت کا ایک نیا نظام مرتب کر دیا تھا،" (مولانا سندھیؒ کے افکار و خیالات پر ایک نظر ص۹)

اس متن کی شرح مولانا موصوف ہی سے سننے کے لائق ہے،

دلی میں اسلامی حکومت کا آفتاب جب غروب ہو رہا تھا تو اسی کے مطلع سے اسلام کا ایک اور آفتاب طلوع ہو رہا تھا، یہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا خانوادہ تھا، سچ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی پیشین گوئی کے مطابق اس کے بعد جس کو لا اسی دروازہ سے لا، ہندوستان میں رد بدعات کا ولولہ ترجمہ قرآن پاک کا ذوق، صحاح ستہ کا درس، شاہ اسمٰعیل اور مولانا سید احمد بریلوی کا جذبۂ جہاد، فرق باطلہ کی تردید کا شوق، دیوبند کی تحریک ان میں سے کون چیز ہے، جس کا سررشتہ اس مرکز سے وابستہ نہیں؛

(حیات شبلی ص ۹۸ ۲)

چنانچہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ جب ہندوستان میں اورنگزیب کے بعد یہاں کی حکومت میں ابتری پیدا ہوئی تو حضرت شاہ ولی اللہ نے نہ صرف یہ کہ اس کو محسوس کیا بلکہ اس کے اسباب و علل پر بڑی دیدہ وری اور جامعیت کے ساتھ بحث کی، اور ان کی اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے اس کی طرف حکومت کو، امراء اور وزراء کو عمال اور سوسائٹی کے دوسرے طبقات کو توجہ دلائی اور پھر آپ کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں دہلی کے حالات اور زیادہ بگڑے اور حکومت شاہ عالم از دہلی تا پالم کی مثل صادق آنے لگی، انگریزوں کا اقتدار اور ان کا ظلم و ستم اور اس کے بالمقابل لال قلعہ کے بادشاہ کی طاقت و قوت کا اضمحلال روز افزوں ہو گیا تو شاہ عبدالعزیزؒ نے دہلی کے دار الحرب ہونے کا فتویٰ دیا خاص دہلی کے متعلق ارشاد ہے،

دریں شہر حکم امام المسلمین اصلا جاری نیست	امام المسلمین کا حکم اس شہر میں بالکل جاری نہیں ہے
و حکم رؤسا نصاریٰ بے دغدغہ جاری است	اور بڑے بڑے عیسائیوں کا حکم بے دغدغہ
و مراد از اجراء احکام کفر اینست کہ در	جاری ہے اور احکام کفر کے اجراء سے مقصد یہ ہے
مقدمہ ملک داری و بند و بست رعایا	کہ ملک داری رعایا کا بندوبست خراج اور باج کا وصول
و اخذ خراج و باج و عشور اموال تجارت	کرنا، کسٹم ڈیوٹی لینا، رہزنوں کو سزا دینا اور

وسیاست قطاع الطریق وفیصل مقدمات	مقدمات کا فیصلہ کرنا اور جرمون کی سزا دینا،
وسزائے جنایات کفار بطور خود حاکم باشند	تمام معاملات یہ لوگ خود ہی کرتے ہین،

فتاویٰ عزیزی جلد اول ص۲

آگے چل کر فرماتے ہین کہ

"کوئی مسلمان یا ہندو ان سے پروانۂ امن لئے بغیر دہلی یا اس کے اطراف وجوانب مین نہین آسکتا،"

اس فتویٰ سے دو باتین روز روشن کی طرح واضح ہین،

(۱) حضرت شاہ صاحب نے انگریزون کے خلاف جو ظلم وستم کی شکایت کی ہے اس مین مسلمانون کے ساتھ ہندوٗن کا ذکر کیا ہے کہ دونون شہر دہلی اور اس کے نواح مین امن کا پروانہ حاصل کئے بغیر نہین آسکتے اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ شاہ صاحب انگریزون کے مظالم سے صرف مسلمانون کو نہین بلکہ ہندوٗن کی بھی گلو خلاصی چاہتے تھے،

(۲) شاہ صاحب کسی ملک کے دار الاسلام ہونے کیلئے اس مین محض مسلمانون کی آبادی کو کافی نہین سمجھتے بلکہ اس کے لئے یہ بھی ضروری جانتے ہین کہ مسلمان باعزت طریقے پر رہین اور ان کے شعائر مذہبی کا احترام کیا جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر کسی ملک مین سیاسی اقتدار اعلیٰ کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھون مین ہو لیکن مسلمان بھی بہرحال اس اقتدار مین شریک ہون اور ان کے مذہبی شعائر کا احترام کیا جاتا ہو تو وہ ملک شاہ صاحب کے نزدیک قطعاً دار الاسلام ہوگا،

اور از روئے شرع مسلمانون کا فرض ہوگا کہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر اس کے لئے ہر نوع کی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا معاملہ کرین،

اس فتاویٰ کی تائید علماء جونپور کے فتویٰ سے بھی ہوتی ہے جس کو مولانا طفیل احمد مرحوم نے ڈاکٹر ہنٹر کے حوالہ سے لکھا ہے، (ملاحظہ ہو مدینہ) ستمبر ۴۲ء

اس فتویٰ کے بعد دو ہی راہیں رہ گئی تھیں یا تو جہاد کیا جائے یا بصورت عدم۔ تند۔ت ہجرت اختیار کی جائے،

۱۲۰۱ھ ۱۲۴۶ھ
۱۷۸۶ء — ۱۸۳۱ء

یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ حضرت سید احمد شہید بریلوی اور ان کے ساتھیوں نے جس دینی تجدید و انقلاب کی کوشش کی تھی، اس کی داغ بیل شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیزؒ نے بہت پہلے ڈال دی تھی، ان بزرگوں نے علم کو بنیادی حیثیت دی تھی اس لئے بہتوں کو ان کے کاموں کے سمجھنے میں غلط فہمی ہو گئی حالانکہ بات صاف تھی کہ جو انقلاب صحیح علم کے بعد لایا جاتا ہے وہ بہت پائدار اور ناقابل تسخیر ہوتا ہے کیونکہ امامت، نیابت، خلافت، اصلاح و تجدد کا رشتہ ہمیشہ علم سے وابستہ رہا ہے اور جو طبقہ یا گروہ علم کی صفت میں بڑھ جاتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے اگرچہ اس کی کامیابی میں دیر بھی ہو جائے مگر وہ کامیاب کہا جائے گا حضرت شاہ صاحب کی دعوت نے ہندوستان میں فروغ حاصل کیا، چنانچہ نظری و مذہبی اور علمی اعتبار سے اس کی جڑیں مضبوط بنیادوں پر قائم ہیں جن کو ہندوستان کا سیاسی انقلاب بھی جگہ سے ہلا نہ سکا، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شاہ صاحب یا سید احمد شہید کی تحریک سیاسی حیثیت سے ناکام رہی میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے یہ بات ذہن میں رکھی ہے کہ ناکامی اصول کی خرابی کا نام ہے، جب اصول صحیح ہیں تو پھر ناکامی اور شکست کے کیا معنی؟ صحیح اصول کو نہ تو تاریخ میں کبھی شکست ہوئی ہے اور نہ ہو گی کیونکہ افراد یا جماعت کی غلطی سے جو وقتی شکست ہو جایا کرتی ہے، اس کو تم اپنی بولی میں شکست کہہ لو مگر وہ شکست و ہزیمت ہے نہیں، اس فرق کو سمجھ لینے کے بعد یہ تاریخی حقیقت کبھی فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کا مقصد جہاد ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں کو کمپنی بہادر کے اقتدار سے نجات دلانا تھا مگر ہندوستان کی یہ بدقسمتی تھی کہ پنجاب کے مسلمانوں کی زبوں حالی سے رنجیت سنگھ سے مقابلہ کرنا پڑا، اور بالاکوٹ میں شربت شہادت پی کر ملک کے اندر ایسی روح پیدا کر دی جو

اب تک کام کر رہی ہے۔ انگریز بہادر سید صاحبؒ کے اس منصوبہ سے خوفزدہ تھا اور جب معلوم ہوگیا کہ نزلہ کا رخ سکھوں کی طرف ہے تو اس راہ میں سہولتیں بھی پیدا کر دیں۔ سید صاحبؒ کے مقصد کو نہ سمجھنے کی بنا پر بعض مدعیان اصلاح و تجدد کو دانستہ یا نادانستہ طور پر دھوکا ہوا اور ایک الگ راہ پیدا کر کے امت کے اندر انتشار و تشتت کے ساتھ ساتھ اکابر امت کے کاموں کی تحقیر و تذلیل بڑے پیمانہ پر شروع کر دی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

سید صاحبؒ کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط و اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے اس بنا پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی اور اس میں صاف صاف انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کر دینا ہے اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی اس سے آپ کو غرض نہیں ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں سرحد ریاست گوالیار کے مدار المہام اور مہاراج دولت راؤ سندھیہ کے وزیر اور نسبتی راجہ ہندو راؤ کو آپ نے جو خط تحریر فرمایا ہے وہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ ملاحظہ ہو یکم ستمبر ۱۸۲۵ء مدینہ بجنور

۱۸۵۷ء

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی شہادت کے بعد یہ شیرازہ بکھر گیا مگر آپ جو جذبہ ملت بیدار اور استخلاص وطن کا پیدا کر گئے تھے وہ مرنے والا نہ تھا اور ۱۸۶۴ء تک اس جماعت کی سرگرمیاں برابر جاری رہیں۔ ان کے علاوہ جو ارباب عزیمت ہندوستان میں تھے انہوں نے ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی کا نقارہ بجایا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور حضرت ضامن شہیدؒ جو حضرت میانجی کے بڑے خلیفہ اور تمام خلفاء میں سب سے ممتاز اور سلوک میں افضل تھے، جہاد کی طرف راغب تھے اور شیخ محمد تھانوی انگریزوں سے جہاد کے مخالف تھے، مولانا محمد صاحب علم ظاہر میں مشہور اور صاحب فتویٰ و تدریس تھے، اس لئے عوام میں آپ کا فتویٰ چلتا تھا مولانا قاسم اور مولانا رشید احمد رحمہما اللہ بھی اطراف و جوانب میں صاحبِ فتویٰ و تدریس مانے جاتے تھے

اس لئے حضرت حاجی صاحب نے سب کو اکٹھا کیا، مولانا نانوتوی و مولانا گنگوہی نے جہاد کے وجوب کا حکم دیا، مولانا محمد صاحب نے اہل ہند کی بے سر و سامانی کا ذکر اور شرائط فرضیت میں ہتھیار، عدد وغیرہ کا عذر کیا کہ انگریزوں کے مقابلہ میں ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اس کے بعد مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ کیا وہ استطاعت جو کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے پاس بمقابلہ کفار موجود تھی وہ بھی نہیں ہے اور کیا ہم ان سے بھی کمزور ہیں آخر مولانا محمد صاحب مرحوم خاموش ہو گئے، اس کے بعد حاجی صاحب و حافظ صاحب دونوں کو شرح صدر ہو گیا اور جہاد کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور حکم دیدیا گیا، اور شیخ محمد صاحب طبعی ضعف وغیرہ کی بنا پر اپنی رائے پر قائم رہے یا ہو سکتا ہو کہ مولانا محمد صاحب سکھوں اور انگریزوں میں فرق کرتے ہوں گے کیونکہ سکھ بمقابل انگریز عدد اور عدد دونوں میں کم تھے، حضرت حاجی صاحب نے امامت منظور فرمائی جس میں اس دور کے اکابر علماء مولانا فضل حق، مولانا قاسم، مولانا رشید احمد، مفتی عنایت احمد صاحب وغیرہم نے شرکت فرمائی اور دست بدست جہاد کر کے حافظ ضامن صاحب وغیرہم شہید ہوئے، تھانہ بھون پر قبضہ کر کے قصبہ شاملی ضلع مظفر نگر تک مسلمانوں نے فتح کر لیا، کہا جاتا ہے کہ علماء کو سیاست نہیں آتی، حالانکہ تاریخی اعتبار سے یہ بات بالکل غلط ہے، کیا سلاطین کا عزل و نصب، جنگ و مصالحت، امراء اور وزراء کا تقرر وغیرہ یہ سب سیاسی کام نہیں ہیں اور کیا یہ علماء کے مشوروں سے انجام نہیں پائے اور کیا کوئی چھوٹا بڑا انقلاب ایسا بھی ہوا جو علماء کا مرہون منت نہیں؟

اس جنگ ۱۸۵۷ء میں سب سے زیادہ دخل علماء اور مسلمانوں کا تھا جب تصریح ثورۃ الہندیہ ہندو کم تھے، جب انگریزوں نے یہ معرکہ جیت لیا تو اس کا انتقام بھی اتنا لیا کہ انسانیت کو شرم آتی ہے، غرض اس جنگ میں جہاں مسلمان علماء اور امراء کے نام آتے ہیں وہیں ہندوؤں میں مہاراجہ شمبھو عرف نانا صاحب اور رانی جھانسی وغیرہ کے نام آتے ہیں، ملک اور وطن کے غدار تھے تو حکیم احسن اللہ خان اور بلدیو سنگھ جیسا بھیبوشن کی طرح دونوں تھے، اس جنگ میں ہندو مسلمانوں کی کوئی تفریق نہ تھی بلکہ پردیسی راج کو ختم کرنے میں دونوں متفق

باقی جو لوگ مخالف تھے یا ضعف وغیرہ کا عذر لنگ کرکے کنارہ کشی اختیار کی ایسے لوگوں کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب نے بہت پہلے ہی یہ تحریر فرما دیا تھا،

اگر بعض مسلمانان کہ نیت ایشان در اعلاء دین محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات ضعیف است اندیشہا در دراز ستولی کنند آن را بنز اسماع نہ باید نمود[1] ترجمہ یہ کہ اگر بعض مسلمان جنکی اعلاء دین محمدی کے سلسلہ میں نیت کمزور ہے لمبے چوڑے خطرے سامنے لاکر پیش کریں ان کی بھی نہ سننا چاہیئے،

شیخ الکل حکیم الامت و مجدد ملت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی جانشین وہی کہے جا سکتے ہیں جنہوں نے آپکے پروگرام کو کامیاب بنایا باقی جنہوں نے جنگ آزادی میں اپنی کمزوری کا عذر پیش کیا بقول ..... شخصے ..... ضعف ایمان اور خامئ عشق کی دلیل ہے۔

تحریک دار العلوم دیوبند

سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ کا خاندان گویا ابراہیمی خانوادہ ہے اور یہ کہنا کسی طرح خلاف نہ ہوگا کہ "أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ" آپکے بعد کے کاموں کو اگر سمجھنا ہے تو ذرا ماضی پر ایک اجمالی نظر کرنے کی ضرورت ہے جب کہ ایسٹ انڈیا کمپنی ایک تجارتی ادارہ سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی ہندوستان میں سب سے پہلا کالج ۱۷۸۱ء میں قائم ہوا، اس کے بعد ایکلیے چرچ آف انگلینڈ کی طرف سے تقریباً بیس اسکول کھل گئے اور پبلک کے چندہ سے جو انگلستان میں جمع ہوا ۱۸۲۰ء میں کلکتہ میں بشپ چرچ کا افتتاح ہوا، پھر ۱۸۴۹ء میں کلکتہ کے اندر سب سے پہلا زنانہ مدرسہ کھولا گیا، یوپی اور پنجاب میں بیسوں ایسے مرکز قائم ہوگئے جن سے مشن کے لٹریچر کی اشاعت ہوتی تھی، ان عیسائی مشنوں کو عیسائیت

---

[1] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات

پھیلانے مین کوئی زیادہ کامیابی ابتداءً نہ ہوئی البتہ انھین اس باب مین یقینی کامیابی حاصل ہو گئی کہ لوگون کے سامنے جب مذہب کا نام لیا جائے تو ذہن ایک ایسے نظریہ کی طرف منتقل ہو جائے جس مین عقل کو کوئی دخل نہ ہو اور جاہلانہ تعصبات کا مجموعہ ہو،

غرض وہ تحریک شروع ہوئی جسے انگریزی ذریعہ تعلیم کی تحریک کہا جاتا ہے۔ ۱۸۲۹ء مین الگزنڈر ڈف نے چاہا کہ ایک ایسا اسکول کھولا جائے جس مین ذریعہ تعلیم انگریزی ہو اگرچہ اس وقت کی حکومت نے مصلحۃً اس کی مخالفت کی مگر ۱۸۳۹ء مین لارڈ میکالے کو اس امر کی تحقیق کے لئے مقرر کیا گیا کہ طریق ذریعہ تعلیم کیا ہونا چاہیئے؟ انگریزی ذریعہ تعلیم کے حامی اپنے خیال کی تائید مین یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ اس سے ایک ایسی قوم پیدا ہو جائے گی جو رنگ و خون مین تو ہندوستانی ہو گی لیکن مذاق، خیالات، اخلاق اور ذہنیت کے لحاظ سے انگریزی ہو گی، چنانچہ اس دلیل کو وزنی سمجھا گیا، انگریزی ذریعہ تعلیم قرار دیدی گئی اور لارڈ ہیٹنگز نے ۱۸۴۴ء مین اعلان کر دیا کہ سرکاری ملازمت کے لئے انگریزی خوان کو ترجیح ہو گی،

ایک طرف انگریزی زبان کی اشاعت و ترویج کے لئے یہ کچھ کیا جا رہا تھا دوسری طرف عربی اور فارسی کو مٹانے کے لئے کم کوششین صرف ہو رہی تھین، مسلمانون کو لائبریریون سے خارج کیا جا رہا تھا...... ان کے اوقاف تک جو خاص ان ہی کے لئے وقف تھے غیر مسلمون کی تعلیم مین صرف ہونے لگے، چنانچہ محسن ٹرسٹ پریذیڈنسی کالج کلکتہ پر صرف ہونے لگا، اعتماد الدولہ ٹرسٹ کا بھی یہی حال ہوا، قدیم زبانون کی تخریب اور جدید تعلیم کے حاصل کرنے کے مواقع پیدا کئے گئے،

یہ بات قطعاً غلط ہے کہ مسلمانون کا مذہب انھین تعلیم جدید سے روکتا تھا بلکہ اصلی بات یہ ہے کہ تمام مدرسے عیسائی مشنریون کے تھے اور وہان بچون کو عیسائیت کی تعلیم دے کر انھین اسلام سے دور ہٹایا جاتا تھا چنانچہ ۱۸۵۶ء کا واقعہ ہے کہ حیدرآباد سندھ کے ایک مدرسہ مین مسلمان بچون کو عیسائی بنایا گیا اور دوسرے ہی دن دو سو بچون نے تعلیم چھوڑ دیا ...... یہ تھے وہ حالات

جن کے تحت یہاں نئی تعلیم کا اجرا ہوا، دل میں درد، آنکھوں میں بینائی اور دماغ میں فہم و ادراک رکھنے والے مسلمان ان حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتے تھے، لیکن اس وقت بھی خدا کے ایسے بندے تھے جو مسلمانوں کی متاع ایمان کو یوں دن دھاڑے لٹتے نہ دیکھ سکتے تھے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز کی زیر قیادت اس تحریک عظیم کی بنیاد پڑی جس کو تاریخ میں "ترغیب" سے ملقب کیا گیا ہے جس نے آگے چل کر جمعیتہ العلما بنی اور آپ کے بواسطہ شاگردوں میں حضرت حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء یوم پنجشنبہ ہندوستان کی سب سے بڑی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند قایم کی۔ اس شجرۂ طوبیٰ کی شاخیں بساط ارض اور فضائے آسمانی سے گذر کر وہاں تک پہونچ گئیں جو حضرت نانوتوی کا منتہائے نظر تھا، فللہ الحمد والمنہ۔

الزام دیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو ملانوں اور مولویوں نے انگریزی پڑھنے سے روکے رکھا اس لئے یہ قوم تعلیم میں پیچھے رہ گئی، لیکن مذکورہ بالا واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے پھر فیصلہ کیجئے کہ مسلمانوں کو تعلیم سے روکنے والے مولوی تھے یا ایک منظم اسکیم تھی؟ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے تو اپنے زمانہ میں یہ فتویٰ دے دیا تھا،

"انگریزی پڑھنا علوم جدیدہ کا حاصل کرنا اسلام کی روایات اور روح کے بالکل مطابق ہے" (ملفوظات عزیزی)

ممکن ہے کہ کسی عالم نے یا چند مولویوں نے حسب عادت اس طرح کا فتویٰ دیدیا ہو مگر جہاں تک مولانا نانوتوی وغیرہم علماء حق کا تعلق ہے اس طرح کی باتیں قطعاً بے بنیاد ہیں، یہ علما نہ تو ملک کے سفید آقاؤں کی تلوار سے خوفزدہ ہوئے اور نہ ان کو ہندوؤں کی عددی اکثریت نے اس پر مجبور کیا کہ وہ اس کی زد سے بچنے کیلئے کسی وقت کے دامن کرم میں پناہ ڈھونڈتے بلکہ انھوں نے کمال خود اعتمادی اور اطمینان قلب کے ساتھ مسلمانوں کے ذہنی اور دماغی تربیت کا کام شروع کر دیا اور الحمد اللہ صحیح اسلامی فکر پیدا کرنے میں ان کو کامیابی بھی ہوئی،

کانگریس اور علماءِ حق کے نقطۂ نظر میں فرق

یہ خیال بالکل غلط اور حقائق سے چشم پوشی کے مرادف ہے کہ ملک کی آزادی کا اولین جنگ بنیاد کانگریس کا قیام ہے، حالانکہ کانگریس کی ابتداء ۱۸۵۷ء کے بعد ہوئی جس کے اولین مقصد میں ملک کا آزاد کرانا نہ تھا بلکہ کچھ انگریزوں اور ہندوستانیوں میں باہمی اعتماد پیدا کرنا اور ان کے دلوں کو ایک کرنا تھا۔[1]

(۱) ہندوستان کی آبادی جن مختلف عناصر سے مرکب ہے ان سب کو متحد و متفق کر کرکے ایک قوم بنانا،

(۲) اس طرح جو ہندوستانی قوم پیدا ہو اس کی دماغی، اخلاقی، اور اجتماعی صلاحیتوں کو بیدار کرنا،

(۳) ایسے حالات کی اصلاح و ترمیم کرنا جو ہندوستان کے لئے نقصان کا باعث اور غیر منصفانہ ہوں اور اس طرح ہندوستان اور انگلستان میں اتحاد و یگانگت کو استوار کرنا،

اس واقعہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں،

(۱) مسلمان اور ہندو اور دوسرے مذاہب کے ارباب نظر نے ۱۸۵۷ء کے بعد ہی یہ محسوس کر لیا تھا کہ انگریز اپنی حکومت مضبوط اور دیرپا بنانے کے لئے ہندو اور مسلمانوں کے مذہبی اختلافات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جیسا کہ انہوں نے کیا، اس بنا پر انہوں نے کانگریس کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی قرار دیا تھا کہ ہندوستان کی سب قوموں کو ملا کر ایک ہندوستانی قوم بنایا جائے،

[1] ملاحظہ ہو پہلا خطبۂ صدارت مسٹر بنرجی وکیل کلکتہ اجلاس منعقدہ ۲۰ دسمبر ۱۸۸۵ء

(۲) کانگریس کے بنام کا مقصد انگریزون سے ملک واپس لینا نہین تھا ملکہ رائی اور رعایا دونون کے باہمی تعلقات کو خوشگوار رکھنا تھا،

بہرکیف کانگریس کے عالم وجود مین آنے سے بہت پہلے ۱۸۰۳ء مین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور دیگر علماء کی رہنمائی مین ایسی جماعت پیدا ہو گئی تھی، جو ہندوستان کو انگریزون کے اقتدار سے نجات دلانا اپنا فرض سمجھتی تھی،

علماء کے نصب العین کا خلاصہ یہ ہے کہ حکومت کو ہمیشہ جمہوریت کے اصول پر چلنا چاہئیے تاکہ حکومت ہر مذہب وملت کی خدمت کا ذریعہ بن سکے نہ کہ تغلب اور جبر وتشدد کا ——— قرآنی دعوت کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسانیت کو اس کے نشو ونما مین مدد دینا، خدا کی پاک زمین سے ظلم وفساد کی گندگی کو دور کرنا، عدل وانصاف کا راج قائم کرنا حق اس کے حق دار کو پہنچانا، خدا کے مختلف المذاہب بندون مین خلوص اور محبت اور صلح وآشتی پیدا کرنا وغیرہ چنانچہ جب تک سلطنت مغلیہ قائم رہی اور دربار پر علماء کا اثر واقتدار رہا سلطنت انتظامی معاملات مین اسی عدل وانصاف کے اصول پر عامل رہی، جس کا اعتراف مشہور مقرر اڈمنڈ برک نے پارلیمنٹ مین کیا کہ عیسائی بادشاہون کے مقابلہ مین مسلمانون کے قانون مین بدرجہا مضبوطیان ہین ...... اس قانون کی شرح کرنے والے علماء یا قاضیون کا طبقہ موجود ہے جو اس کا محافظ قرار دیا گیا ہے، اور اسکی روسے بادشاہون تک کو حقیقی اعلیٰ طاقت حاصل نہین ہے ...... (مدینہ، ستمبر ۱۹۴۸ء)

حضرت شیخ الاسلام کے اجمالی حالات

حکایت مدح آن یار دلنواز کنیم   باین فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی عمت فیوضہم کی ولادت ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ ۱۸۷۹ء کو دوشنبہ اور سہ شنبہ

کی درمیانی شب میں بوقت ۱۱ بجے بمقام بانگرمئو ضلع اناؤ میں ہوئی جہاں آپکے والد ماجد مولانا حبیب اللہ (خلیفۂ مجاز مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ) مدرس تھے تاریخی نام چراغ محمد رکھا گیا، آپ نسباً حسینی سید ہیں ۱۳۱۶ھ میں جب آپکے والد ماجد بقصد ہجرت مع اہل وعیال عازم حجاز ہوئے تو حضرت والا کو بھی اپنی معیت سے سرفرازی بخشی اور اس قافلۂ مہاجرین نے حجاز مقدس پہنچکر رحمۃ للعالمین کے جوار رحمت کو اپنے لئے فلاح دارین سمجھا اور وہیں پر اقامت فرمائی اس طرح حضرت والا کو مشیت ایزدی نے اکتساب فیض نبوت اور تحصیل مجد وشرف کے وہ گران قدر مواقع عطا فرمائے جو سب کو نہیں ملا کرتے صرف ان ہی کو بخشے جاتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کیلئے مخصوص فرمائے، اس وقت مدینہ منورہ میں دو کتبخانے غیر معمولی اہمیت رکھتے تھے، ایک کتب خانہ شیخ الاسلام اور دوسرا محمودیہ ان دونوں ہی کتبخانوں میں علاوہ مطبوعات کے مختلف علوم وفنون پر نایاب قلمی کتابیں بھی تھیں جن سے حضرت کو استفادہ کا پورا موقع ملا، عسرت اور معیشت کی تنگی قیام مدینہ میں آپکے شامل حال رہی اس لئے بیشتر ایسا بھی ہوا کہ آپنے کتابیں نقل کرکے اپنی معیشت کے سامان مہیا فرمائے، مگر کوئی ایسا ذریعہ اختیار نہ فرمایا جس سے اپنی خودداری اور عزت نفس کو ٹھیس لگے، مدینہ منورہ میں آپ کا خانوادہ تیرہ افراد پر مشتمل تھا مگر صرف بارہ چھٹانک مسور کے پانی پر یہ تمام حضرات قناعت فرماتے تھے.

ادبیات کی تکمیل آپنے مدینہ منورہ کے معمر ادیب مولانا الشیخ آفندی عبد الجلیل برادہؒ سے یہیں پر فرمائی، جو علمائے حجاز میں اپنی ادبیت کی وجہ سے نمایاں حیثیت رکھتے تھے، تکمیل علوم کے بعد آپنے تدریس کی خدمت شروع کردی اور تقریباً اٹھارہ برس تک مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے رہے، تشنگان علوم دین ہزاروں کی تعداد میں آپسے سیراب ہوئے، حرمین اور نجد وحجاز دیگر مقامات پر آج بھی آپکے تلامذہ کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے، ۱۳۳۲ھ میں حضرت شیخ الہندؒ بھی حجاز تشریف لے گئے اور حج کے بعد دربار نبوت میں حاضری دی، اُسی سال جمال پاشا، انور پاشا مرحوم بھی دربار رسالت

لہ تفصیلی حالات کے لئے بینات شیخ الاسلام ملاحظہ ہو،

میں حاضری دینے آئے، اس کے کچھ ہی عرصہ بعد شریف حسین نے انگریزوں کی شاطرانہ اور پُر فریب سازش میں آکر ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا، حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے خدام اور رفقاء کی معیت میں اس موقع پر ترکوں کی حمایت میں سرحدی قبائل کو آراستہ کیا، انور پاشا اور جمال پاشا کو نقشہ کار کی تشکیل میں کافی مدد پہنچائی، حاجی ترنگ زئی مرحوم، مولانا لطف الرحمٰن، مولانا فضل ربی مولانا فضل محمود، مولانا محمد میاں عرف مولانا محمد منصورؒ، مولانا عبید اللہ سندھی، اور دیگر اشخاص سے اس موقع پر بہت کچھ کام لیا، مگر مشیت کسی اور ہی نقشہ کی تشکیل کر رہی تھی، اُدھر عرب کی بساط سیاست الٹ جانا تقاضائے مبرم بن چکا تھا اور اِدھر ان مردان کار کے لئے ابتلاء و آزمائش کی نئی راہیں باز ہو رہی تھیں، انگریزی چالیں کامیاب ہو گئیں حضرت شیخ الہند مالٹا میں ساڑھے چار برس مع دیگر رفقاء و تلامذہ جس میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی، مولانا عزیز گل، مولانا عبد الوحید مدنی مقید رہے۔

اسارت مالٹا سے رہائی

بالآخر ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کو حضرت شیخ الہند مع اپنے خدام کے مالٹا سے رہا کئے گئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان میں تحریک خلافت اور استخلاص وطن شروع ہو چکی تھی، حضرت شیخ الاسلام اپنے شیخ محترم کی ہمرکابی میں ہندوستان آئے، حکومت ترکی جو جنگ عظیم سے پہلے دول عظمیٰ میں شمار ہوتی تھی اس کا خاتمہ ہو چکا تھا، اس کے ممالک محروسہ پر عمل جراحی کر کے ہر ایک حصۂ جسم کو یورپ کے کفن فروشوں نے تقسیم کرلیا تھا، حجاز، عراق، شرق اردن کے علیحدہ علیحدہ پاکستان بنا کر برطانوی تولیت میں دیدئیے گئے تھے، حضرت شیخ الاسلام کے نزدیک آزادیٔ ہند ملت اسلامیہ کے نزدیک ممالک اسلامی کی آزادی کا واحد ذریعہ تھا، اس لئے آپ نے مدینہ طیبہ جانا مفید نہیں سمجھا اور مصروف کار ہو گئے جیسا کہ آپ کے عربی مکتوب میں وجہ اقامت ہند مترشح ہوتی ہے وانی ایضاً حسب الارادۃ

الا لابتہ مسافرت الی اقصی الدیار الہندیہ) آپ بغرض اعلاء کلمۃ الحق ارض مقدسہ سے آزادی
ہند کا پروانہ لیکر وارد ہندوستان ہوئے اور کارکنان قضا و قدر کے فیصلۂ ازلی کے مطابق حضرت
شیخ الہند کی تحریک اور آپکے مشن کی کامیابی کا سہرا شیخ الاسلام کے ناصیۂ جمال احمدی کا طغراے امتیاز
بنا۔ فالحمد للہ الحمد والمنۃ۔

امام الہند مولانا آزاد کے دار العلوم کلکتہ کی صدارت

حضرت شیخ الاسلام پر اپنے شیخ اور مرشد کی اطاعت و محبت کا وہی غلبہ ہے جو سلف میں
علامہ سخاوی کا ابن حجر کے ساتھ اور علامہ ابن قیم کا ابن تیمیہ کے ساتھ تھا اور علی ہیثمی کا اپنے شیخ عراقی
کے ساتھ تھا، علماء رسوم کو بڑا دھوکا ہوا کہ انھوں نے حاشیہ نشینی اور حاضر باشی کا نام ارادت و محبت رکھا
حالانکہ ارادت و محبت کا معیار اطاعت شعاری بموجب ہمہ تن یکسوئی اور مرضی محبوب کے سامنے تسلیم و رضا کے سوا دوسری
اور کوئی چیز نہیں ہے، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بجائے شیخ الاسلام کو دار العلوم کلکتہ کی صدارت
سے نوازا، اور کلکتہ رخصت کرتے وقت شیخ الہند نے شیخ الاسلام کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھا
آنکھوں سے لگایا سینے سے چمٹایا اور تمام بدن پر اس کو پھیرا اس وقت کا عالم ہی اور تھا جو ان
ناسوتی آنکھوں سے ورا الورا اور واقفین رموز طریقت کے نزدیک عطاء فیوض روحانی کی خاص صورت
تھی جس کے شواہد سلف سے متوارث ہیں، حضرت شیخ الاسلام کو خدمت شیخ سے جدا ہونا حد
درجہ شاق تھا جس کے لئے سب کچھ قربان کر چکے تھے زندگی کے آخری لمحات میں اس سے
جدائی دردانگیز سانحہ تھا، بعض حضرات جو شیخ الہند سے خصوصی تعلق کے دعویدار تھے، جب
شیخ الہند نے مامور فرمانا چاہا تو یہ عذر کر کے جان چھڑالی کہ اس حالت میں جدائی شیخ سخت
سوہان روح ہے، حالانکہ اسارت مالٹا میں اس مفارقت کو خندہ پیشانی سے برداشت

کر چکے تھے بلکہ بعض تو وہ تھے کہ انھوں نے ذلت آمیز جد وجہد کر کے خطرہ زنانت سے جان بچائی تھی.

یہ واقعات نہ صرف شیخ الہند کی جانشینی کی غمازی کرتے ہین بلکہ بتاتے ہین کہ آپکے سوا کسی اور پر یہ منصب نہ صادق آیا اور نہ آنا چاہیئے تھا، چنانچہ آپ کی مجاہدانہ زندگی، خلوص، ایثار، صداقت، حق پرستی، فراخ حوصلگی، بلند ہمتی، تواضع وخاکساری اور آپ کا علم وعمل زہد وتقوی وغیرہ ایسے اوصاف کمال تھے کہ جو لوگ شیخ الہند سے تعلق رکھتے ہین، انھون نے حقیقی جانشین قرار دیا، سچ ہے یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا، عربی شاعر کہتا ہے ؎

مجد لا مجد کل مجد   وماجد بلا مجد مجد

ہر طرح کی بزرگی کوشش سے حاصل ہوتی ہے نہ اس وجہ سے کہ اس کے باپ دادا بزرگ تھے اور نہ کوئی دادا بزرگی کے بغیر داد دینے کے قابل ہے،

سیدنا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ۱۸۵۷ء کے پہلے تک ملک مین کام کرنے والون کا ایک ہی طبقہ تھا وہ علما اور مذہبی مسلمانون کا طبقہ تھا ۱۸۵۷ء مین علی گڈھ قایم ہوتا ہے اس وقت سے جدید وقدیم تعلیم کا فرق ہونے لگتا ہے، حجۃ الاسلام مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو پہلے دن سمجھ لیا تھا کہ ہندی مسلمانون کی خیر نہین ہے اور اب ذہنی ودماغی، مذہبی اور سیاسی اعتبار سے ہندی مسلمانون کے رجحانات مین ایسا فرق ہو جائے گا کہ اگر بروقت علی گڈھ کے قیام کی تحریک مین اصلاحات نہ کی گئین تو آیندہ چل کر نہ صرف ملک کے حصے بخرے ہو جائین گے بلکہ دیوبند اور علی گڈھ کی وہ کشمکش پیدا ہوگی جو پھر ہندی مسلمانون کے رہے سہے بھرم کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دے گی، مولانا نانوتوی کی فراست ایمانی اور نگاہ مرد مومن کے سامنے ہندوستان کی پچاس سال قبل اور

اور پچاس سال بعد کی سیاست تھی اس لئے آپ نے سرسید مرحوم سے خط وکتابت شروع کی اور چاہا کہ جدید وقدیم تعلیم کے فرق کو بیچ سے نکال کر صحیح اسلامی فکر کو اصول تسلیم کر کے میدان کو جیت لیا جائے، کیونکہ دین کی بنیاد صحیح علم وعمل پر ہے اور علم نام ہے خود شناسی اور خدا شناسی کا، سرسید مرحوم اس بنیادی اساس کے خلاف تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ سرسید اپنے خیالات پر سختی سے اڑ گئے اور مولانا نانوتوی کو اشتراک اور تعاون کا خیال جاتا رہا جس کا قصہ طویل ہے،

اس چیز کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا قاسمؒ کی ایسی کمائی تھے کہ جو علوم وفنون افکار اور خیالات میں اپنے استاد حقیقی کے جانشین اور چھوٹے ہوئے کاموں کے پورا کرنے والے تھے، یہ شیخ الہند تھے کون؟ ایک عالم ربانی وعارف یزدانی تھا جو اپنے کام ودہن میں نہ ابوالکلام کی زبان رکھتا تھا نہ ہاتھ میں شبلی کا قلم، اس نے نہ انقلاب فرانس کی تاریخ پڑھی تھی اور نہ روسو اور مانٹسکو کے انقلاب انگیز لٹریچر کا مطالعہ کیا تھا، و نہ گلیڈسٹون کے مجموعۂ قوانین سے واقف تھا اور نہ ملٹن اسپنسر کے افکار ونظریات سے اس نے کسی دل کشی کا حظ اٹھایا تھا اور نہ عشرت کدہ فرنگ کی کسی لذت سے کام جوئی کی تھی، ان سب چیزوں کے برعکس ان کا شیرازۂ حیات قال اللہ وقال الرسول اور اس کی زندگی کا خمیر اتباع سنت نبویہ تھا، اس کے فکر ونظر کا تاروپود احکام الٰہی کے انوار سے بنا اور شریعت اسلام کے آفتاب وجہانتاب کی شعاعوں سے گوندھا گیا تھا...... سینہ میں صبر واستقامت کا ایک کوہ گران رکھتا تھا، بظاہر وہ اپنے گوشۂ عزلت میں سب سے الگ تھا لیکن اس کی نظر جہاں بین میں زمانہ کی تمام کروٹیں اور لیل ونہار کی تمام گردشیں سمٹ کر جمع ہو گئی تھیں...... نیشنل کانگریس حکومت سے حقوق طلبی کی جنگ لڑ رہی تھی لیکن شیخ الہند یہاں اس حکومت کا تختہ الٹ دینے ہی کا نقشہ تیار کر رہے تھے،، (مدینہ)

ہم کو تسلیم ہے کہ مولانا شبلی مرحوم اور مولانا ابوالکلام آزاد کے زبان و قلم نے غفلت کدۂ ہند کے خس و خاشاک میں آگ لگا رکھی تھی لیکن حریت طلبی کے ذوق کی خامی کا ابھی یہ عالم تھا کہ ملک کی سب سے بڑی ترقی پسند جماعت کا قدم بھی حقوق طلبی کی منزل سے آگے نہ بڑھنے پایا تھا مگر علمارِ حق آنے والی جنگ آزادی کے لئے خاموشی سے بہادر سپاہی تیار کرنیکی مہم میں مصروف تھے. ان کا نصب العین نہ تو دین و دنیا بہم آمیز" تھا اور نہ ان کا مطمح نظر "درسع الدہر کیف دار" تھا بلکہ ان کا طرۂ امتیاز "زمانہ با تو نہ سازد تو بازمانہ ستیز" پر تھا. اور ان کے نزدیک دین کا مفہوم ایک مکمل نظام زندگی تھا جسکی پہنائی اور وسعت کا ایک گوشہ زمین و آسمان ہے،

اوپر گذر چکا ہے کہ مولانا نانوتویؒ نے چاہا تھا کہ جس تعلیم و تہذیب کے ذریعہ مسلمانوں میں اختلاف کی داغ بیل پڑ رہی تھی اس پر پہلے ہی دن تیشہ چلا دیں اور علی گڈھ و دیوبند کے بنیادی تصادم کو ختم کردیں مگر ناکامیابی ہوئی، حضرت شیخ الہندؒ چونکہ حضرت نانوتویؒ کے ساختہ پرداختہ اور پوری اسکیم سے واقف تھے، بانی مالیا کے بعد علی گڈھ کے طلبا نے مسلم نیشنل یونیورسٹی قائم کرنی چاہی تو صدارت کی ذمہ داری شیخ الہندؒ نے قبول فرمائی اور چاہا کہ کسی طرح ایک کو دوسرے سے قریب لایا جائے اور نصف صدی سے جو حکومت پرستی کی تعلیم و تربیت ہو رہی ہے خدا پرستی میں اس کو تبدیل کر کے مسلمانوں کے باہمی اختلاف و تفرق جس کو قرآن نے "کفر" سے تعبیر کیا ہے، اس کا دروازہ بند کر دیا جائے، پوری تفصیل "علمارِ حق اور اُن کے مجاہدانہ کارنامے" میں ملاحظہ کی جائے، شیخ الہندؒ کے خطبۂ صدارت کی چند عبارتیں پیش ہیں، ارشاد ہوتا ہے،

"بہت سے نیک بندے جن کے چہروں پر نماز کا نور ہے اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے، لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا جلد اٹھو اور امت مرحومہ کو نرغہ سے بچاؤ تو ان کے دلوں پر خوف مسلط ہو جاتا ہے خدا کا نہیں بلکہ ناپاک طاقتوں کا اور اس کے سامان حرب و ضرب کا"

اُے نونہالان وطن (طلباء علی گڈھ) جب مین نے دیکھا کہ میرے اس درد کی غمخوار (جس سے میری ہڈیان پگھلتی جارہی ہین) مدرسون اور خانقاہون مین کم اور اسکولون کالجون مین زیادہ ہین تو مین نے دیوبند اور علی گڈھ کا رشتہ جوڑا، کچھ بعید نہین کہ بہت سے نیک نیت مجھ کو اپنے مرحوم بزرگون کے مسلک سے منحرف بتائین لیکن اہل نظر سمجھتے ہین کہ جس قدر مین علی گڈھ کی طرف آیا اس سے کہین زیادہ علی گڈھ میری طرف آیا۔ (مدینہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۰ء)

چنانچہ اسی درمیان مین جامعہ ملیہ دہلی کی بنیاد بھی شیخ الہندؒ نے رکھی جو اس نظریہ کے بموجب قائم کیا گیا تھا کہ علوم عصریہ کی اعلیٰ التعلیم کے لئے ایسی آزاد درسگاہ ہو جو گورنمنٹ کی اعانت اور اس کے اثرات سے بالکل آزاد ہو، اور جس کا تمام تر نظام عمل اسلامی خصائل اور قومی احساسات پر مبنی ہو، بلاشبہ شیخ الہندؒ کی تشریف آوری پر مسلمانون کے اقبال کا ستارہ گردش سے نکل چکا تھا اور امید تھی کہ ہندوستان کا نقشہ جلد سے جلد بدل جائے گا اور صدیون کا دلدر جاتا رہے گا کہ آپ کی وفات نے بزرگون کے کام کو بہت پیچھے ڈالدیا اور مولانا محمد علی مرحوم نے روتے ہوئے فرمایا: "آپ کی وفات نے کمر توڑ دی"، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

امام العصر اور دیگر مشائخ

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانون مین اعلاء کلمۃ الحق کی خدمت انجام دیکر تقرب الی اللہ کا جذبہ کار فرما اور قرآن عزیز کو سارے عالم پر حکمران بنا کر اپنے خدا کو راضی کرنے کی خواہش تھی اس وقت تک ان کی تمام عبادتون مین جان اور روح باقی تھی اور جب سے دین کے متعلق ان کا تصور یہ ہو گیا کہ وہ صرف انفرادی اعمال کی اصلاح اور شخصی نجات کا ایک ذریعہ اور صوم وصلوٰۃ، درود و وظائف، تلاوت قرآن کی پابندی مذہبیت کی علامت ہے، اس وقت سے ان کے

اندر دھن اور حب الدنیا وکراہیۃ الموت نے لے لیا ہے ہم کو مذکورہ بالا امور شرعی کی فرضیت واستحباب سے انکار نہیں بلکہ ہمارا مدعا یہ ہے کہ مذہب ایک باطنی جذبہ ہے جس کا اظہار زندگی کے جملہ اعمال سے ہونا چاہیئے تاکہ اسلام کی مخالف طاقتوں کا مقابلہ کرنے اور دین حق کو غالب بنانے کا بنیادی تخیل بروئے کار آئے،

پس دینی کام یہ ہے کہ کوئی دنیوی کام جب جذبۂ دینی کے تحت اور اسلامی نصب العین کی محبت میں کیا جائے تو پھر وہ دنیا کا کام نہیں رہتا بلکہ یہی دینی کام بن جاتا ہے بخلاف اس کے دنیاداری یہ ہے کہ ایک طرف ہم نمازیں پڑھیں، عبادات کریں اور خدا کی محبت کا دعویٰ کریں اور دوسری طرف ہم کفر وشر کی طاقتوں سے مداہنت کریں، کافرانہ تہذیب کے غلبہ پر راضی رہیں اور ارباب اقتدار کی برائیوں اور ناحق شناسیوں کو خاموشی سے دیکھا کریں کہ مبادا اظہار حق سے ہمیں نقصان پہنچ جائے تو یہ دنیوی کام ہے اور ایسی برائی ہے کہ سارا کیا دھرا برباد گناہ لازم سے اسی کو تعبیر کرتے ہیں،

ہو سکتا ہے کہ کسی سر پھرے کو میرے مذکورہ بالا معروضات پر اطمینان نہ ہو سو ان کی تسکین کے لئے صرف سورہ توبہ کی چند آیات پیش ہیں ارشاد ہوتا ہے،

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ
وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ
اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا
وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ
وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا
حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ

(اے رسول) کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ تمہارے
بیٹے تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے
اہل خاندان اور وہ مال جنہیں تم نے جمع کیا ہے
اور وہ تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے
ہو اور وہ قیام گاہیں جو تمہیں پسند ہیں، اگر
یہ سب چیزیں اللہ اور رسول سے اور اللہ کی

راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے،

.... تمہارے سامنے آئے،

غور کا مقام ہے کہ یہ مخاطبت کن لوگون سے کی جا رہی ہے؟ ان سے جن کی نمازین، اور عبادتین یکسر خلوص وللہیت سے معمور تھین، جن کے اعمال صالحہ و فضائل اخلاق دنیا کی ساری تاریخ مین اپنی نظیر نہین رکھتے باوجود اس کے انھین چیلنج کیا جاتا ہے کہ اگر زندگی کی محبتون اور الفتون نے دین حق کی راہ مین اور اعلاء کلمۃ الحق کی طلب مین ادنی سی رکاوٹ بھی پیدا کی تو خدا کے حکم کے منتظر رہو، آج جو لوگ یہ خیال کرتے ہین کہ ہماری نمازین، دعائین اور ریاضتین نجات کے لئے کافی ہین انھین غور کرنا چاہیئے کہ جب صحابۂ کرام کو ان نمازون اور عبادتون اور اعمال صالحہ کے باوجود انجام سے اس لئے ڈرایا جاتا ہے کہ مبادا اسلام کی سربلندی اور دین حق کے غلبہ کی کوشش مین ان کے قدم سست پڑ جائین تو ہم لوگون کی عبادتین اور شاہی تصوف کس شمار و قطار مین ہین جب کہ ہم اپنے خدا کے دین کو سربلند کرنے اور اسلام کو دنیا پر غالب کرنے کیلئے ادنی ترین قربانی دینے پر تیار نہین، جی چاہے تو غزوہ تبوک کے متخلفین کو بھی اسی مین شامل کر لیا جائے،

خلاصہ یہ نکلا کہ اگر دنیا مین اپنی آنکھون کے سامنے اسلامی تمدن مٹ رہی ہون کعبہ پر گولیان برس رہی ہون اور آپ مسجدون اور خانقاہون مین لمبی لمبی تسبیحین جپتے رہین اور تہجد گذاری مین مصروف ہون تو حقیقتاً آپ کو نہ اسلام سے محبت ہے اور نہ کفر سے نفرت، لہٰذا اپنے ایمان کا امتحان کرنا ہو تو دیکھو کہ خدا کی راہ مین تکالیف و مصائب برداشت کرنیکی خواہش تم مین کتنی ہے یہ وہ کسوٹی ہے جس پر کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جاتی ہے چونکہ ہم مذہب کے کچھ فرائض اور واجبات پر قانع ہو گئے ہین اس لئے خدا کی راہ مین صعوبتین برداشت کرنے اور کلمۂ حق کے بلند کرنے کے فرق کو نہین سمجھا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرح کی ترقی کی خواہش سے ہم کو دست بردار ہونا پڑا،

حدیث مین آتا ہے کہ جب تم بیلون کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤگے اور اللہ کی

راہ میں جدوجہد ترک کر دو گے تو خدا تم پر ایسی ذات مسلط کر دے گا جس سے کبھی نہ نکل سکو گے یہاں تک کہ پھر اپنے دین کی طرف واپس آؤ،

چونکہ امام العصر کی زندگی کامل اتباعِ نبوی اور صحابہ کرامؓ کی تقلید ہے اس لئے آپ میں مقصد کی لگن اور نصب العین کا وہ عشق ہے کہ جس کے لئے کوئی قربانی نہ تھی جس کو آپنے گوارا نہ فرمایا ہو اور کوئی مشقت نہ تھی جس کو آپنے دین حق کیلئے نہ سہا ہو اور کوئی تکلیف نہ تھی جس کا استقبال مسکراتے ہوئے نہ کیا ہو یعنی عشق کا وہ جنون ہے کہ جب سر پر سوار ہوتا ہے تو محبوب کی طلب میں کوئی مزاحمت مزاحمت نہیں رہتی اور شوقِ منزل راہ کی تمام دشواریوں سے بے نیاز کر دیتا ہے، خلاصہ یہ کہ امام العصر کی زندگی کا خمیر عشق کی ولولہ انگیزیوں اور جنون نوازیوں سے تیار ہوا ہے اور آپ کی ذات میں ایثار و قربانی اور سرفروشیوں کی ایک دنیا آباد ہے اور یہی وہ چیزیں ہیں جو آپ کو دوسرے مشائخ سے ممتاز کرتی ہیں کیونکہ صحابہ کرام کے اتقاء و اخلاص کا پیمانہ جہاد فی سبیل اللہ تھا وہی روح اور یہی تڑپ آپکے اندر بھی اپنا برابر کام کرتی رہی ہے،

اس موقع پر ایک بات کا صاف کر دینا ضروری ہے جو کہی جاتی ہے کہ ارباب تصوف و سلوک اور اولیاء کرام نے اپنے زمانہ کے سیاسی اور تمدنی نظام کو کبھی اپنے ہاتھوں میں نہیں لیا بلکہ صرف دینی نماز روزہ، درود وظائف وغیرہ کی تلقین کرتے رہے اور اخلاقی تعلیمات پر چلنے اور دنیاوی بکھیڑوں سے الگ تھلگ رہنے پر ساری توجہ مرکوز کر دی، صوفیاء کرام پر یہ الزام غلط ہے، ان کو معلوم نہیں کہ صوفیاء کرام کی نشوونما جس نظام میں ہوئی تھی وہ اصلاً اسلامی نظام تمدن تھا، مانا کہ حکومت کا طرز اور سیاست کا نظام ضرور بدل گیا تھا لیکن معاشرت و تمدن کا پورا ڈھانچہ اسلامی طریقہ پر بدستور قائم تھا اور اسلامی عنصر غیر اسلامی عنصر پر غالب تھا حتیٰ کہ حکومت کا مذہب اسلام تھا جس کو قطعاً بدلنے کی ضرورت نہ تھی لیکن کیا ہندوستان کے حالات دب سے پائیں۔

"سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست"

باقی رہا امام العصر کی زندگی پر مستقلاً الگ گفتگو کرنا میرے موضوع سے خارج ہے اگر کسی کو شوق ہو وہ اس شعر کو جسقدر بھی ممکن ہو وسعت دے لے آپ کی زندگی سامنے آتی جائیگی ؎

زیستن طفل صفت پاک ز آلایش دہر راۓ چون پیر زدن کار چو برنا کردن

تمہید
حضرت شیخ الاسلام کے بعض قیاسی کارنامون کی

مسلمانون کے تنزل نے عرصہ سے منکرین اسلام کو پریشان کر رکھا ہے کہ وہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اسلام کا عروج ہو اور مذہبی و سیاسی اعتبار سے اسلام ایک ہمہ گیر دعوت بنجائے، علامہ سید جمال الدین افغانی نے اس کا علاج اتحاد اسلامی تجویز کیا، اس پان اسلام ازم کی خاطر در بدر کی خاک چھانی اور اسی دعوت کی سعی مین جان جان آفرین کے سپرد کردی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ قریب قریب اسی تصور کو لیکر ٹرکی مین مدحت پاشا بلاد روسیہ و ترکستان مین شیخ صدر الدین مصر مین شیخ محمد عبدہٗ، شام مین عبدالرحمٰن کواکبی اٹھے اور بہت حد تک کامیاب رہے، اس کے بعد مصر، ٹرکی اور ایران مین اسلامیت کے بجائے یورپ کی وطنیت کی چیخ پکار شروع ہوئی جس کے علمبردار، ون مین مصطفیٰ کامل اور مفتی زادہ ایران ہوئے اور ٹرکی نوجوانون نے اسی راستہ کو اپنایا، ہندوستان مین سرسید مرحوم نے مسلمانون کے تنزل کا علاج تجویز کیا کہ مذہب کے سوا ہر چیز مین انگریز بنجاؤ، مگر ہندی مسلمانون پر خدا کی بڑی رحمت ہوئی کہ عین تنزل اور سقوط کے آغاز مین حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے وجود نے مسلمانون کی اصلاح اور دعوت کا ایک نیا نظام مرتب کر دیا تھا، شاہ صاحب کی دعوت کا محور و مرکز علم و عمل مین سلف صالحین کا کامل اتباع

تھا، اور حضرت شاہ صاحبؒ ہی کا یہ فیض تھا کہ آپ کے تربیت یافتہ تلامذہ و مسترشدین بواسطہ اور بلا واسطہ بزرگون مین سے ایک مجاہد اعظم سرفروشی وجانبازی کا تصور لیکر اٹھتا ہے جو صحیح تجدید و اصلاح کر کے ایک ایسی صالح جماعت پیدا کر دیتا ہے جس کی نظیر صحابہؓ کے بعد اب تک نہ تو دیکھنے مین آئی اور نہ سننے مین یہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی ذات گرامی تھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وعلی اتباعہ الی یوم الدین

تنبیہ:- مصلحین اور علما مشائخ نے بے شبہہ اسلام کی گرانقدر خدمات انجام دی ہین اور ہزارون بندگان خدا کو ان سے ہدایت ہوئی، ہزارون کو ان کی وجہ سے کلمہ نصیب ہوا، ہزارون کے خاتمے اچھے ہوئے، آج بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض ان سے جاری ہے لیکن ان سب کے محدود حلقے اور عمل کے دائرے ہین،

حضرت سید صاحبؒ نے جماعت سازی کے بجائے افراد سازی فرمائی اور ماحول کی تبدیلی پر اپنی ساری قوت مرکوز کر دی اور یہ نشہ پیدا کر دیا کہ روحانی ترقی ہو یا کمال باطنی، ذہنی سیاست ہو یا مذہبی انقلاب بدون شوق شہادت ناممکن ہے کیونکہ مجاہدہ کی تکمیل جہاد ہے اور سرفروشی وجانبازی، جہاد و قربانی اور تجدید و انقلاب فتح و تسخیر کے لئے جس روحانی و قلبی قوت جس وجاہت و شخصیت، جس اخلاص و للہیت، جس جذب و کشش اور جس حوصلے اور ہمت کی ضرورت ہے وہ بسا اوقات روحانی ترقی، صفائی باطنی، تہذیب نفس، ریاضت و عبادت کے بغیر نہین پیدا ہوتی اس لئے تم دیکھوگے کہ جنھون نے اسلام مین مجددانہ و مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے ہین ان مین سے اکثر افراد روحانی حیثیت سے بھی بلند مقام رکھتے تھے، اور شوق شہادت سے لبریز تھے: ان آخری صدیون ہی پر نظر ڈالو، امیر عبدالقادر الجزائری مجاہد جزائر محمد احمد السوڈانی (مہدی سوڈانی) سیدی احمد الشریف السنوسی (امام سنوسی) سید احمد شہید اور آپ کے خلفا مین سلسلہ چشتیہ صابریہ

کے نامور شیخ حاجی عبدالرحیمؒ ولایتی، میاںجی نور محمد جھنجھانویؒ اور اس سلسلہ کے دوسرے حضرات مولانا حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الہند اور شیخ الاسلام مولانا مدنی کو حضرت سید شہیدؒ سے ایسا گہرا روحانی وجہادی رابطہ ہے کہ جس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ ؎

ہوتے سیرت میں ہیں مردان دلاور ممتاز ورنہ صورت میں تو کچھ کم نہیں شہباز سے چیل

خلاصہ یہ کہ روحانی ترقی اور باطنی کمال میں شوق جہاد اور ولولۂ شہادت کو جو دخل ہے، قرآنی صداقت اس پر مہر تصدیق ثبت کر چکی ہے وہ غیر مجاہد کو کہاں نصیب ہو سکتی ہے، فن سلوک اور قوت نسبت میں حضرت حاجی عبدالرحیمؒ مشہور شیخ اور عارف تھے آپ کی شہادت ہے کہ اگر میں سید احمد شہیدؒ سے بیعت بغیر مر جاتا تو میری موت بری ہوتی، یہ کون سی چیز تھی یا کون سی کمی تھی؟ وہی جذبۂ جہاد و اعلاء کلمۃ الحق کی کمی، خود حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تیاری جہاد کی بدولت جو نعمت دی اور خیر و برکت عطا کی اس کے دسویں حصہ کے برابران اوّل معاملات کی تمام خیر و برکت کو نہیں پاتا ہوں، (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو سیرت شہیدؒ)

من از سر زنده کنم دار و رسن را

تحریک ترک موالات کا اہم واقعہ کراچی کا مقدمہ ہے جو زیر دفعہ ۱۲۰ و ۱۳۱ و ۵۰۵ حضرت شیخ الاسلام، علی برادران مرحوم، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولوی نثار احمد کانپوری مرحوم اور جگت گرو سوامی کرشن تیرتھ (شنکر اچاریہ) اور غلام محمد مجدد صاحب سندھی پر چلایا گیا، بنا مقدمہ شیخ الاسلام کی وہ تجویز تھی جو آپ نے آل انڈیا خلافت کانفرنس ۱۹۲۱ء میں پیش فرمائی تھی اس تجویز کا حاصل یہ تھا کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لئے سرکاری فوج میں ملازم رہنا یا بھرتی ہونا یا دوسروں کو بھرتی کی ترغیب دینا حرام ہے۔ مولوی محمد علی مرحوم اور دوسرے حضرات اس کی تائید یا اشاعت کے الزام میں ماخوذ تھے۔ تفصیل کے لئے روداد کراچی اور حیات شیخ الاسلام ملاحظہ ہو،

مقدمہ کراچی شیخ الاسلام کی زندگی کا وہ مجاہدانہ کارنامہ ہے کہ جس کی نظیر مشکل سے سلف میں ملتی ہے، برطانیہ کی حکومت اور اس کے قوانین سے اسلام کا مقابلہ ہے، پھر سنگینوں کے سایہ اور زنجیروں کی جھنکار میں حکومت کو اپنی شوکت کا مظاہرہ بھی کرنا ہے، ایسی حکومت جس کے حدود کے بلند سورج کو آرام نصیب نہیں فرعون سے بڑی اور جابر حکومت جس کے لئے موسیٰ جیسے اولو العزم پیغمبر کو نجات دہندۂ بنی اسرائیل بنا کر بھیجا گیا تھا، برطانیہ دمن اخواتہا کے مقابلہ میں علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا مظاہرہ پوری بلند آہنگی اور کمال آزادی کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک امتی جو بظاہر بے سروسامان ہے لیکن جس کے قلب میں حسین ابن علی کی شجاعت، اور دماغ میں امام احمد کا نشہ سنت ہو منصور اور مجدد الف ثانی کے دار و رسن کی لذت ہنوز تازہ ہے اس کو سلف کی

سنت کو از سر نو زندہ کرنا اور خوف سلطان و امیر کو اپنے جوتوں کی ٹھوکروں سے پامال کرکے اور

افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر کی امت کو پھر سے یاد دلانا ہے ؎

غریبیت کہ افسانۂ منصور کہن گشت
من از سر نو زندہ کنم دار و رسن را

دوستو یہ شاعری نہیں واقعات ہیں، مقدمۂ کراچی کے بیان کے یہ آخری کلمات، "اگر گورنمنٹ مذہبی آزادی چھیننے کو تیار ہے تو مسلمان اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار رہیں گے اور میں پہلا شخص ہوں گا جو اپنی جان قربان کروں گا" اور جو میدان جہاد میں سربکف نظر آئے گا وہ حسین احمد ہوگا، مولانا محمد علی مرحوم نے شیخ الاسلام کے قدموں کو چوم لیا، اللہ اکبر العظمۃ للہ ؎

وان یک لا بد من الموت للفتی
فقتل امرئ فی اللہ بالسیف اجمل

(حسین ابن علیؓ)

باتیں بنانا، ترک دنیا کا مشورہ دینا، تصوف وسلوک کی گتھیوں کو سلجھانا، سالہا سال اعتکاف ومکاشفہ میں گذار دینا، مراقبات میں لگے رہنا، استغراق وتبتل کی زندگی بسر کرنا، خلوت نشینی وعزلت گزینی اختیار کرنا، مطالعہ کتب سے تبحر پیدا کرنا، کسی علمی ادارہ میں تصنیف وتالیف کی قابلیت بہم پہنچانا بہت آسان ہے لیکن جو چیز سب سے زیادہ مشکل روح فرسا اور صبر آزما ہے، وہ میدان میں نکل کر زہد وتقویٰ، علم وفضل کے ساتھ خدمت خلق، نوع انسانی کی ہمدردی، عزم واستقلال، صبر وتحمل، رضا وتسلیم کے ساتھ دعوت عمل، مخلوق کی سچی بہی خواہی ہو کبھی مسجدوں میں لے جائے کبھی حلقہ درس میں، کبھی منبر پہ کھڑا کرے کبھی سیاسی پلیٹ فارم پہ کبھی اپنوں کی گالیاں سنوائے اور کبھی پابہ زنجیر جیل خانوں میں لیجائے،

راتوں کو "ہم باللیل رہبان" اور دن کو بالنہار فرسان" کا منظر آنکھوں کے سامنے پیش کرے، گفتار اسلام کی ونشر، جو نیند کو حرام کر دے اور مجلس احباب کو سوز وگداز سے بھر دے، افق پہ

صبح صادق کی کرنین چمکین تو وہ توبہ واستغفار مین مشغول ہو جب آفتاب روپوش ہو جائے تو مخلوق اپنی آرام گاہون کی طرف دوڑین اور اہل وعیال کی چہل پہل سے دن بھر کی کوفت دور کرین لیکن یہ مبتلائے سوز عشق امت مرحومہ کا تنہا مرثیہ خوان، دور دراز کے سفر پر حریت عمل اور آزادی ضمیر کا درس دیتا، مردہ دلون کو زندگی بخشتا، در بدر کی خاک چھانتا، اپنے پروردگار کے سامنے سر بسجود و معترف گریہ و بکا ہو اور اپنے بطول طویل قیام وسجود سے زاہدان خشک اور شاہی تصوف کے مدعیون کی خلوت خانون کو شرما رہا ہو اور سارے رشتے توڑ کر عشق حق کا یہ ترانہ گا رہا ہو سہ

با نشۂ درویشی در ساز و دمادم زن چون پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

غرض یکم نومبر ۱۹۲۱ء کو اس تاریخی مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا گیا، بغاوت کے جرم سے ملزمین کو بری قرار دیا گیا البتہ زیر دفعات ۵۰۵ اور ۱۰۹ انعزیرات ہند حضرت شیخ الاسلام اور آپ کے تمام رفقاء کو دو دو سال قید با مشقت کا حکم سنا دیا گیا اسی سلسلہ مین محمد علی مرحوم نے حضرت شیخ سے ترجمۂ قرآن مجید پڑھا اور حضرت امام العصر کی زندگی کا اثر محمد علی مرحوم پر یہ تھا کہ بر سر اجلاس حضرت کو اپنا آقا کہا اور پھر ہمیشہ اپنا چھیتا بھائی کہا کرتے تھے۔

جیل خانون مین حضرت شیخ کا محبوب مشغلہ قرآن حکیم اور مراحل سلوک رہا، چنانچہ آپ اپنے مالٹا اور کراچی سے علم وتقوی کے ساتھ حفظ قرآن عزیز کی دولت لیکر واپس آئے، مکتوب کراچی اس سلسلہ کی بڑی دستاویز ہے جو اس پہلی جلد مین کہین درج ہے مفصل مکتوب حیات شیخ الاسلام صفحہ ۵ مین موجود ہے، غرض حضرات انبیاء علیہم السلام کے حالات زندگی اور بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے یہ بات معلوم ہے کہ ان منعم علیہم السلام پر جو جسمانی مصائب آئے اور جس قدر ان بزرگون نے جانبازی وسرفروشی کی اس کی تفصیل کا یہ موقع نہین تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ دنیا مین کسی کو اتنی اذیت نہین برداشت کرنی پڑی جتنی حضرات انبیاء کو تو کوئی وجہ نہین کہ جو منصب امامت پر فائز ہو

نیابت و وراثت کے مقام پر متمکن، تجدید و اصلاح کا علمبردار ہو اور وہ بغیر اس راہ سے گذرے مجدد ہو جائے

بڑی غلط بات ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت کا جزو لاینفک حریت اور جہاد کا احیاء رہا ہے ملاحظہ ہو

مکاشفات یوحنا، اگر انبیاء اور ان کے جانشینوں کی زندگی سے جسمانی مصیبتوں کا اٹھانا، جان پر کھیلنا، سرفروش

ہونا نکالدیا جائے تو پھر تواصی بالحق کے ساتھ تواصی بالصبر اور وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا

أَصَابَكَ "کی حقیقت کس طرح جلوہ گر ہو سکتی ہے، اور افضل الجہاد کلمۃ حق کا مظہر کون ہوگا؟ وہ جس کو

دار و رسن سے لرزہ آئے یا وہ جو کراچی اور رانچی کے قید خانوں میں انبیاء کی زندگی کا ثبوت پیش کر رہا ہو؟

سچ فرمایا گیا ہے۔ ؎

نازنینان جہان ناز فراموش شدند | کہ گدائے تو باندازہ دگر می نازد

پارسایان ہمہ نازند بزہد و طاعت | اک ندیم است کہ بر دامن تر می نازد

شیخ الاسلام اور تبلیغ اسلام

اسلام ایک ابر کرم تھا اور سطح خاک کے ایک ایک چپہ پر برسا لیکن فیض بقدر استعداد پہونچا،

جس خاک میں جس قدر قابلیت تھی اسی قدر زیادہ وہ فیضیاب ہوئی، یہ ایک ایسی نفسیاتی علت ہے

جو تبلیغ اسلام اور توسیع مذہب کے اسباب کو ظاہر کر رہی ہے کیونکہ اسلام ابر کرم ہے، پریم و محبت ہے

اخلاق اور رواداری ہے، خلوص اور للہیت ہے، ہمدردی خلق اور بنی نوع انسان کی خدمت ہے،

تواضع اور خاکساری ہے، حق پرستی اور حق شناسی ہے، سچائی اور ایمانداری ہے یہ اوصاف انسانیت

کا زیور، جذب و کشش، گرویدگی و میلان طبع کے وہ ہتھیار ہیں جن کا نہ کوئی روک ہے اور نہ جن کے

رد عمل کے لئے کوئی حربہ کارگر ہے، بس جس طریقے سے اسلام ہندوستان کے مختلف حصوں میں

پہونچا، ان میں علماء حق اور صوفیاء کرام کی زندگی کو سب سے بڑا دخل ہے، اگر یہ کہا جائے کہ حکومت

کے زور وزر سے اسلام پھیلا تو اتنا کہہ دینا اس کی تردید کے لئے کافی ہوگا کہ دہلی، آگرہ، اور لکھنو، احمد اور احمد آباد وغیرہ کے نواح مین جو صدیون مسلمانون کی حکومت کے مرکز رہے اب بھی مسلمانون کی تعداد دوسری قومون کے مقابل مین کم ہی ہے حالانکہ مسلمانون کو زیادہ ہونا چاہیئے تھا،

ہندوستان مین مسلمانون کی آبادی بیشتر دو علاقون مین ہے شمال مغرب یعنی صوبہ سرحد، سندھ، کشمیر پنجاب اور شمال مشرق یعنی بنگال اور آسام مین بنگال مین مسلمانون کی اکثریت کی کیا وجہ ہے؟ صاف جواب ہے کہ یہ اسلامی تعلیم کا اثر ہے، چنانچہ مالابار، گجرات، کچھ اور شمالی ہندوستان کے بعد سب سے پہلے جس علاقے مین اسلام پہنچا وہ بنگال اور آسام ہے یہ علاقہ قطب الدین ایبک کے عہد ہی مین بختیار خلجی نے فتح کر لیا تھا، سب سے پہلے بزرگ جو دہلی چھوڑ کر بنگال گئے، وہ مولانا جلال الدین تھانیسریؒ تھے، جو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید اور مایہ انی نسل کے تھے بنگال مین آپ کی ذات سے بڑا فروغ ہوا جس جگہ آپ کی خانقاہ ہے وہان پہلے بت خانہ تھا یہان کے تمام پجاری آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے، آپ کی وفات سنہ ۱۲۲۵ء سنہ ۶۲۲ھ مین ہوئی مزار سلہٹ مین ہے،

شیخ الاسلام کی تبلیغ کا سب سے اہم محور صوبہ بنگال و آسام رہا ہے یہی صوبہ حضرت سید شہیدؒ اور آپ کے خلفاء کے دائرہ رشد و ہدایت کا بھی مرکز تھا، چنانچہ مولانا کرامت علی جونپوری اکاون سال تک ان صوبون مین ہدایت کرتے رہے اور وہین رنگپور مین رحلت فرمائی ان اکابر کے صحیح جانشین نے بھی اس علاقہ کو اپنی جد وجہد کا مرکز بنایا، جہان سے گم گشتگان راہ کو دعوت اسلام دی جاتی اور رہ نوردان معرفت کو دوبارہ زندگی عطا کی جاتی تھی،

"سنہ ۲۳ء سے سنہ ۵۰ء تک تقریباً ۶ سال آپ بنگال مین اور سلہٹ (آسام) کے جامعہ اسلامیہ مین شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس علاقہ کی اصلاح

کے لئے آپ کا قیام رحمت خداوندی اور تائید غیبی تھا، اس عرصہ میں درس و تدریس کے علاوہ آپ کا
نرا مشغلہ تبلیغ و اصلاح تھا، صوبہ آسام کی مرطوب آب و ہوا میں کافی احتیاط کے بغیر صحت کا باقی رکھنا
بالخصوص غیر بنگالی اور غیر آسامی کے لئے امر محال ہے، ندیوں نالوں، اور سیلاب زدہ نشیبی زمینوں کا ایک
سلسلہ ہے جس کا نام آسام اور بنگال ہے، قدرت نے گویا اس کو طوفانوں سیلابوں اور بارشوں
کے لئے بنایا ہے، مگر انسانوں نے زبردستی رہنا شروع کر دیا ہے اور سطح زمین نہیں ملتی تو سطح آب پر کشتی
کے سینہ ہی کو مسکن بنا لیا ہے، ایسی سرزمین میں کسی خشک ملک کا باشندہ کس طرح صحت باقی
رکھ سکتا ہے، مگر حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کو خداوند عالم نے فوق العادت ہمت عطا فرمائی ہے
آپ نے چھ سال تک وہاں قیام ہی نہیں کیا، بلکہ سطح آب کو سطح زمین کی طرح تبلیغی دوروں کا جولان
گاہ بنا لیا۔

وہ ندی اور نالے جو ہر آبادی کے گرداگرد ہیں اور ایک آبادی کو دوسری آبادی سے جدا کرتے
ہیں اور بسا اوقات ایک ہی آبادی کے سینہ کو چاک کرتے ہوئے گذرتے ہیں گویا شہر کی گلیاں
تھیں جن کو بلا تکلف حضرت شیخ الاسلام راتکے وقت طے کر کے قرب و جوار کی آبادیوں میں پہنچتے
اور وعظ و تبلیغ فرماتے،

ایسا بھی ہوتا کہ ان خطرناک ندیوں اور نالوں کو طے کرنے کے بعد جس گاؤں میں پہنچتے وہاں
مٹھی بھر انسانوں ہی کا اجتماع ہوتا، مگر آپ مجمع کی قلت سے کبھی بھی کبیدہ خاطر نہ ہوتے اور سات
آٹھ آدمیوں کی مجمع کو بھی اسی بشاشت کے ساتھ اللہ کے احکام سناتے جس مسرت اور دلولہ کے
ساتھ ہزاروں کے مجمع کو، ان مجاہدات کا اثر بہت خوشگوار رہا، تھوڑے عرصہ بعد ہی سلہٹ اور کچھار
وغیرہ کے اضلاع آپ کی طرف متوجہ ہو گئے اور آپکے اخلاص و ایثار سے متاثر ہو کر حلقہ ارادت
میں داخل ہونے لگے، چنانچہ یہ علاقہ جہاں بیس سال بیشتر دو چار عالم ہی ہوں گے بفضلہ تعالیٰ

گلشنِ علم بن گیا ہے،، دو درجن کے قریب عربی مدارس صرف ضلع سلہٹ مین قائم ہو چکے ہین جن مین ہزارون بچون کو نہ صرف یہ کہ دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بلکہ بعض مدرسون مین عربی کی انتہائی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ تجوید اور قرأت تعلیم کا لازمی جزء قرار دیدیا گیا ہے، جس کا ثمرہ یہ ہے کہ اس علاقہ کا ہر ایک بچہ متوسط درجہ کا قاری ہوتا ہے، بالگھاٹ وغیرہ کے مدرسون مین کئی کئی سو طلبہ تعلیم پاتے ہین جن کو تعلیم کے ساتھ رضا کارانہ پریڈ بھی سکھلائی جاتی ہے اور بنوٹ وغیرہ کی تعلیم بھی دی جاتی ہے،، (حیاتِ شیخ الاسلام)

فریضۂ آزادیٔ ہند

آزادیٔ ہند کا فریضہ عام باشندگان ہند سے زیادہ مسلمانون پر ضروری اور لازم تھا۔ اس لئے ہندوستان کی اکثریت و اقلیت دونون نے اس مین حصہ لیا اور علماء کی اکثریت ہمیشہ پیش پیش رہی اور جب بھی کوئی کمزوری محسوس ہوئی تو اس کو آگے بڑھنے نہین دیا گیا، چنانچہ شیخ الہندؒ نے ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو اکٹھا کر کے زمانہ کی موجودہ ضرورتین ان کے سامنے پیش کین، سب نے موافقت فرمائی اور صرف مولانا تھانویؒ نے ضعف قلب کا عذر کر کے معذرت کر دی، (ملاحظہ ہو علماء حق صفحہ ۱۲۵) اسی طرح مولانا منظور نعمانی مدظلہ نے حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت مین حاضری دی تو اور باتون کے ضمن مین موجودہ دور کے فتنون کی قوت اور مسلمانون کی موجودہ شکستہ حالی وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا "یہ ایسا وقت آگیا ہے کہ اگر کوئی شخص حالات کی انتہائی خرابی کی وجہ سے مایوس ہو جائے اور اس لئے اصلاح حال کے واسطے جو کوئی بڑا اور اہم قدم اٹھانے کی ہمت نہ کرے تو اس کو صاحب رخصت سمجھ کر معذور سمجھنا چاہئیے۔"

اور اس کو طعن و تشنیع اور ملامت نہ کرنا چاہیے .... لیکن جو باہمت اور اصحاب عزیمت مثلاً حضرت مولانا حسین احمد مدنی دامت برکاتہم) ان حالات میں بھی مایوس نہ ہوں اور نہ ان کو بدل ڈالنے اور شر سے خیر کی طرف زمانہ کا رخ پھیر دینے کا عزم اپنے اندر رکھتے ہوں اور اس لئے وہ کوئی جد و جہد کرنا چاہیں تو ان کو متوکلاً علی اللہ اپنے عزم کے مطابق کام کرنا چاہیئے اور اصحاب رخصت کو چاہیئے کہ وہ ان کی راہ میں رکاوٹیں نہ ڈالیں اور ان کے اس اقدام کی مخالفت نہ کریں"

(الفرقان جمادی الاولی ۱۳۶۱ھ)

مگر تھانہ بھون اور متوسلین حضرت مولانا تھانویؒ نے موقع بموقع تحریک آزادی ہند کے بارے میں جو کچھ کیا ہے اس کی داستان بڑی دردناک ہے اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے حالانکہ آج تک ہندوستان کی وسیع فضا میں کسی مسلمان کی حلق سے جو آواز مذہب کے نام سے بلند ہوئی ہے یا ہند کی وسیع سطح پر کوئی قدم مذہب کی طرف بڑھا ہے وہ درحقیقت علماء حق کی صدا یا ان کا قدم رہا ہے۔

باقی رہ گیا تقسیم ہند کی روداد سو یہ کہانی بڑی طول ہے اگر کسی کو اپنے شبہات کا ازالہ کرنا ہو کہ حضرت امام عصر نے ۱۹۳۶ء میں لیگ کو کیوں اپنایا اور پھر اس کی مخالفت فرمائی تو اس کو چاہیئے کہ وہ اسی جلد میں آپ کا مکتوب گرامی بنام بابو فضل الرحمٰن صاحب بغور ملاحظہ کرے ......

...... مزید تفصیل کے لئے حیات شیخ الاسلام مرتبہ مولانا سید محمد میاں ناظم جمعیۃ علماء ہند کو پڑھنا چاہیے۔ میرے نزدیک تو ملک کی تقسیم کی داغ بیل ۱۸۵۷ء کے بعد علی گڈھ کے قیام سے شروع ہو چکی تھی اور صاف بات تھی کہ اس بٹوارہ میں مسلمان ہی سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے تھے۔ مثلاً سرحدات کا تعین دو کمیشنوں پر چھوڑ دینا۔ صدر غیر جانبدار قوم کا آدمی نہیں بلکہ انگریز اور جو گورنر جنرل رہ جانے والا تھا، اور ہماری قیادت عظمیٰ نے پیشگی یہ قول دیدیا تھا اس شدید غلطی

ہوئی کہ بنگال اور پنجاب دونوں میں مسلمان اکثریت کے متعدد علاقے ہندوستان کے ساتھ ملحق کردیئے گئے، مشرقی پنجاب کی پوری تحصیلیں جن میں مسلمان اکثریت میں تھے سکھوں وغیرہ کے قبضہ میں چلی گئی اور سب سے زیادہ یہ کہ گورداسپور کا ضلع ہندوستان میں شامل ہوگیا جس کی وجہ سے کشمیر کے ہندو رئیس کو ہندوستان کے ساتھ تعلق جوڑنے کا راستہ مل گیا[لہ]۔

خشت اول چون نہد معمار کج　　تا ثریا می رود دیوار کج

واقعات شاہد ہیں کہ مسلمانوں کو بدترین مظالم کا تختۂ مشق بننا پڑا اور تقسیم کے بعد اس تحریک کے مقامی لیڈر اور قومی کارکن ۹۵ فی صدی سخت ناقابل اعتماد نکلے۔ غرض قیادت عظمیٰ کے سارے نامۂ اعمال میں اگر کوئی چیز نفع کے خانہ میں رکھی جاسکتی ہے تو یہ کہ نصف مسلمانوں کو بچالیا اور ان کی ایک ملی ریاست بنوادی لیکن ہندی مسلمان اپنے سابق حریف کے قبضہ میں ہیں جو غدار اور جاسوس کہے جاتے ہیں، ہر ایک کی وفاداری مشتبہ اور ہر ایک کے لئے خانہ تلاشی وگرفتاری مقدر ہے تقریباً چار کروڑ مسلمانوں کی یہ عظیم الشان قوم اس وقت بے سہارا ہے، جمعیۃ العلماء مسلمانوں کے مستقل وجود اور حقوق کے لئے میدان میں پوری ہمت اور غیر متزلزل عزائم کے ساتھ ڈٹی ہوئی ہے اور آج بھی اسی جماعت سے مسلمانوں کا بھرم قائم ہے، اس جماعت کا نصب العین خود جینا نہیں ہے بلکہ اسی کے ساتھ دوسروں کو جلانے کا کام بھی تو اسی کے سپرد ہے۔ اس جماعت کے روح رواں امام العصر حضرت مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ العالی ہیں، اس مجاہد جلیل نے سنہ ۱۹۴۵ء کے الیکشن میں جس کمال استقامت اور طمانیت قلب کے ساتھ اپنوں کی گالیاں سنیں اور ہر طرح کے مصائب و آلام برداشت کئے حق یہ ہے کہ ۱۳ سو سال قبل واقعۂ ہائلہ کربلا کی یاد تازہ کردی جو آپ کے امتیازی کارناموں میں تاریخ کی اہم سرگذشت ہے، دنیا نے دیکھ لیا کہ اسیران مالٹا کی دل کشی روز بروز بڑھتی گئی اور برطانیہ کے جادو اقتدار کی نا ایک چشم زدن میں اڑ گئی، مجاہدین کی قربانیوں اور شیخ الہند کے مشن کو کامیابی حاصل ہوئی اور آزادی

لہ ماخوذ از ترجمان القرآن

ہند کا سہرا ہندو مسلمانوں دونوں کے سر بندھا، لہٰذا ہندوستان کی خیریت دونوں قوموں کے انسانی میل جول اور صحیح مذہبی زندگی کے اندر منحصر ہے، اور جواہر ولیاقت پیکٹ ومعاہدہ ہی میں دونوں ملکوں کا مستقبل درخشاں ہو سکتا ہے، کیونکہ تقسیم سے پہلے قیادت عظمٰی نے کوئی حل تجویز نہیں کیا تھا جو ہندوستانی مسلمانوں کی قسمت پر کوئی اچھا اثر ڈال سکے، تقسیم ہند سے جو بربادی، تباہی اور ہلاکت و عصمت دری عورتوں کی ہوئی اس سفاکی کی نظیر تاریخ میں فرانس کے بارتھلمی ہنگامہ اور پیرس کی گلیوں کے خون میں ملتی ہے کہ جس سے دریائے سین کا پانی لہو بن گیا تھا، خدا کے حضور میں یہ خون ضرور رنگ لائے گا

ایک عارف باللہ کی شہادت

چونکہ امام العصر کا اسم گرامی دو اسماء مبارکہ کا مجموعہ ہے یعنی حسین اور احمد شان احمدیت کا ذکر اپنے موقع پر ہو چکا ہے، شان حسینیت پر حافظ سید عطاء المنعم بن حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری مدظلہ العالی سے یہ روایت مجھ ناچیز تک بطریق ثقات پہونچی ہے کہ شہر جالندھر مسجد غلام رسول صاحب میں حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری دامت فیوضہم تشریف فرما تھے اور مجمع علماء اور صلحا کا تھا حضرت رائے پوری نے فرمایا کہ بھائی حضرت شیخ مدنی کا ذکر کیا پوچھتے ہو پہلے تو ہم یوں ہی سمجھتے رہے مگر وقت کی نزاکتوں اور ہنگامہ آرائیوں میں جب ہم نے اس مرد مجاہد کو آنکھ اٹھا کر دیکھا، تو جہاں شیخ مدنی کے قدم تھے وہاں اپنا سر پڑا دیکھا، آج حضرت اس وقت ہر دو منصب پر فائز المرام ہیں اور ملک وملت کی خاطر باطل کے مقابلہ میں حق کا دامن تھام کر جس مردانہ وار صورت میں استقامت اور استقلال کے ساتھ قربانیاں پیش فرما رہے ہیں یہ شان حسینیت کا مظاہرہ ہے،

حضرت امام العصر کا صحیح موقف اور مقام نہ سمجھنے کی بنا پر خواص تک کو دھوکا ہوا اور

انھون نے اپنے اوپر قیاس کر کے جو جی مین آیا کہہ ڈالا اور کر دکھایا اور اس پر اصلا توجہ کی ضرورت نہین سمجھی کہ آپ کی باتون کو سنتے، تقریر دن پر غور کرتے، کیا مدینہ منورہ اور مالٹا کی زندگی قدرت کی طرف سے ایک ٹریننگ نہ تھی جو آپ کو دی جارہی تھی؟ خود مدینہ منورہ مہبط وحی اور مرکز اسلام ہونے کی وجہ سے دنیائے اسلام کے مشاہیر اور یگانہ روزگار اشخاص و رجال کی آمد و رفت کا ذریعہ تھا اور امام العصر کو ان سے تبادلہ خیالات کا موقع ملتا تھا، مالٹا مین غازی احمد پاشا والد ماجد غازی انور پاشا ولیعہد جرمنی اور دیگر جرمن و ترک ماہرین سیاست سے مذاکرہ جاری رہتا جن کا لازمی نتیجہ تھا کہ انگریز کی اسکیم اور دنیائے اسلام کی بربادی کے تمام منصوبون اور ارادون کا حقیقی علم حاصل ہوتا رہتا تھا، مزید بران حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت اور خصوصی توجہ نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور آپ کی انگریز دشمنی کی سب سے بڑی وجہ یہی چیزین قرار پائین، اسلام مین اس طرح کی قومی عصبیت اور ملکی و نسلی تعصب کے لئے کوئی جگہ نہین ہے بلکہ انگریز دشمنی کی وجہ خود ان کے غیر انسانی کارنامے ہین، بھلا جن نگاہون مین جاہ و جلال محمدی نے گھر کر لیا ہو اور آپ کا دل قدرت لم یزلی کی بے پناہی کا نشیمن بن گیا ہو، وہ دولت سکندری و دبدبۂ خسروی کو کوئی اہمیت دے سکتا تھا یہی وجہ ہے کہ امام العصر کی ذات گرامی جدید و قدیم افکار و نظریات کا ایسا سنگم اور جنرل معلومات کا وہ خزانہ ہے کہ جس کی نظیر خانقاہون اور مدارس مین گویا ناپید ہے اور اگر یہ کہا جائے تو خلاف نہ ہوگا کہ شاہ ولی اللہؒ کے بعد حضرت امام العصر نے علما کے طبقہ مین جس چیز کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور معاش و معاد کو یکسان اہمیت دیکر پہلے اس تخی کو کم کیا جو ۱۸۵۷ء کے بعد پیدا ہو گئی تھی وہ امام العصر کی ذات گرامی تھی آپ نے قوم و ملت کے سامنے معاشی و اقتصادی پروگرام رکھا اور بتایا کہ انگریز نے ملک و ملت کو غلام بنانے کی دو تدبیرین کین تھین، ایک اقتصادی اور معاشی لوٹ دوسرے تعلیم کے ذریعہ خیالات مین تبدیلی، چنانچہ آپ کی شاید ہی کوئی تقریر اس سے خالی رہی ہو، معاشی اور اقتصادی نقطۂ نظر سے آپ کی تقریر دن مین

جو غیر معمولی معلومات اور یادداشت ہوتی تھیں گو کھلے انجانی کے بعد اور کوئی دوسری نظیر نہین مل سکتی؛
سوت، کپاس، غلہ کا کیا نرخ سلاطین ہند کے وقت مین تھا اور اب انگریزون کے زمانہ مین
گیا ہے، ایک مسلسل سلسلہ ہوتا تھا، اس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ غلامی کی زنجیر کو جلد از جلد
توڑا جائے، سیکڑون ناعاقبت اندیش لوگون نے اعتراضات کئے کہ کیا علماء کرام قرآن و حدیث
بھول گئے اور صرف آٹے دال کا بھاؤ ان کو یاد رہ گیا، مگر خدارا بتاؤ کہ ہندوستان کے یہی غیور مسلمان
جو علماء ملت پر ہندو پرستی کا الزام لگاتے ہین، گذشتہ جنگ جرمنی مین انہون نے عراق، شام،
ایران وغیرہ اسلامی ممالک کو انگریز کے لئے کیون تباہ کیا خاص قبلۂ ایمان اور کعبۂ اسلام پر کیون
گولیان چلائین، کیا اس کا سبب زبردست سبب بھوک اور فاقہ، بے روزگاری اور تہیدستی نہ تھی؛
یا ان کے دلون مین اسلام اور ایمان حرمین شریفین عربون اور ترکون سے کوئی بغض پیدا ہوگیا تھا؟
زمانۂ شاہد ہے کہ امام العصر کی ان تقریرون اور تحریرون کا اثر بیکار نہین گیا اور لوگون نے
دیکھ لیا کہ انگریز بڑی ہشیاری کے ساتھ اپنا بوریہ بستر سنبھال کر چلتا بنا اور شیخ الہند کا مشن کامیاب
رہا باقی جنھون نے محض دنیاوی اقتدار کی خاطر منافرت کے جذبات پیدا کر کے ملک کا بٹوارہ کرایا،
ان ہی کو مبارک رہے ؎

بیکاری جنون کو ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائین تو پھر کیا کرے کوئی

سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکران کیلئے

امام العصر کے اوصاف کمال کے چند واقعات آپکے نواسہ فکری ذہنی کے بہترین ترجمان
ہین ان ہی پر دوسرے اوصاف اور اخلاق کو سمجھا جا سکتا ہے، تمام کے حصر کا موقع
نہین ہین،

(۱) حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری سے روایت ہے کہ جب حضرت مولانا مدنی آخری حج سے تشریف لا رہے تھے تو ہم لوگ اسٹیشن لاہور پر شرف زیارت کے لئے حاضر ہوئے، حضرت کے متوسلین میں صاحبزادہ محمد عارف ضلع جھنگ بھی تھے جو دیوبند تک ساتھ گئے ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹل مین بھی تھے جن کو ضرورت فراغت لاحق ہوئی وہ رفع حاجت کے لئے گئے اور الٹے پاؤں بادل ناخواستہ واپس ہوئے۔ حضرت مولانا مدنی سمجھ گئے فوراً چند سگریٹ کے ٹوٹے ہوئے ڈبے اور پانی کا لوٹا لیکر اس پاخانہ میں گئے اور اچھی طرح صاف کر دیا اور پھر ہندو دوست سے فرمانے لگے کہ جائیے پاخانہ تو بالکل صاف ہے شاید آپ کو رات کی وجہ سے صحیح اندازہ نہیں ہو سکا۔ نوجوان نے کہا کہ مولانا میں نے دیکھا ہے پاخانہ بالکل بھرا ہوا ہے۔ قصہ مختصر وہ اٹھا اور جا کر دیکھا تو پاخانہ بالکل صاف تھا بہت متاثر ہوا اور بھرپور عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا یہ "حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے باہر ہے"

اسی ہاتھ لگے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس یہودی مہمان کی روایت کو سامنے رکھنا چاہیئے جس نے رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر اقدس پر گندگی کر دی تھی اور آپ اپنے دست مبارک سے اس کو صاف فرما رہے تھے تو اس پیکر خلق نبوی اور مظہر جمال محمدی کی بے نفسی اور نفس کشی کا کچھ سراغ مل سکتا ہے۔

(۲) مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے صاحبزادہ مولوی حبیب اللہ صاحب دورۂ حدیث میں شریک تھے کسی گستاخ نے ایک رقعہ بھیجا تھا جس کا جواب امام عصر نے دوسری نشست میں نہایت نرم و شائستگی سے دیا اور فرمایا کسی دوست نے مجھکو رقعہ لکھا ہے کہ تو اپنے باپ سے نہیں ہے تمام مجلس میں ہیجان برپا ہو گیا اور ہر طالب علم غیظ و غضب میں بھر گیا آپ نے فرمایا کہ خبردار کسی کو غصہ کرنے کی ضرورت نہیں میرا حق ہے کہ میں اس کی تسلی کر دوں، فرمایا میں ضلع فیض آباد قصبہ ٹانڈہ

محلہ اللہ پور کا رہنے والا ہوں اس وقت بھی میرے والدین کے نکاح کے گواہ زندہ ہیں خط بھیج کر یا جاکر سمجھ لیا جائے۔ الغرض للہ بردباری کی انتہا ہے اگر جی میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو سامنے رکھ لیا جائے جس کا مفہوم یہ ہے کہ پہلوان وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے کہ غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے، اور اپنے نفس کو مغلوب کر دے،

(او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم)

(۳) مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے روایت ہے کہ یوپی میں میری تقریر تھی رات کو تین بجے تقریر سے فارغ ہو کر لیٹ گیا۔ بین الیقظہ والنائم مجکو محسوس ہوا کہ کوئی میرے پیرون کو دبا رہا ہے۔ مین نے کہا خیر مجکو عادت بھی ہے کوئی دوست ہوگا۔ مگر اسی کے ساتھ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ یہ مٹھی تو عجیب قسم کی ہے باوجود راحت کے نیند رخصت ہوتی جا رہی ہے سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضرت شیخ مدنی ہین۔ فوراً بھڑک کر چارپائی سے اتر پڑا اور ندامت سے عرض کیا حضرت کیا ہم نے اپنے لئے جہنم جانے کا خود سامان پہلے سے کم کر رکھا ہے کہ آپ بھی ہم کو دھکا دے کر جہنم بھیج رہے ہین، شیخ نے جواباً فرمایا آپ نے دیر تک تقریر کی تھی آرام کی ضرورت تھی اور آپ کی عادت بھی تھی، اور مجھ کو سعادت کی ضرورت، ساتھ ہی نماز کا وقت قریب تھا مین نے خیال کیا آپ کی نماز چلی نہ جائے تو بتایئے حضرت مین نے کیا غلطی کی ہے۔ سچ فرمایا گیا ہے ؎

فروتنی است دلیل رسیدگان کمال — کہ چون سوار بہ منزل رسد پیادہ شود

اس طرح کے نہ جانے کتنے واقعات ہین جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی ذات گرامی ایک پیکر حلم و آشتی، کریم النفسی و فراخ چشمی کا مرقع، حق گوئی و حق پرستی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ جس کی جنبش لب اور عرش اعظم کے درمیان، وہ سلسلۂ ربط اس کی عبدیت نے قائم کر دیا ہے جس کی فہم و دید سے عقل و علم کی آنکھین محروم ہین اور جس کے تسلیم و رضا کے شیوہ نے ہر تلخ کو

شیرین اور ہر مصیبت کو راحت اور ہر آگ کو پانی بنا دیا ہے پس قابل رشک ہے وہ سینہ جو اس بار امانت کا متحمل ہے اور مبارک ہیں وہ لوگ جو صحیح جذبہ عقیدت اور اخلاص و محبت کے ساتھ آپ کی زیارت اور آستان بوسی پر فخر کرتے ہیں کیونکہ ایسے درباروں میں صرف خلوص نیت و صدق عمل کی نذر مقبول ہوا کرتی ہے اور ملمع سکون کا اس دربار میں چلن نہیں۔ لذت آشنایان عشق جانتے ہیں کہ اگر کسی کو شوق لقاء ہے تو امام عصر کی طرح اپنے آپ کو اس راہ میں فنا ہونے اور مٹا دینے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ غرض چشم فلک نے شاید دیکھا ہو لیکن اپنے جیسی ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں آنکھوں نے حضرت امام عصر سا بردبار، جفاکش، مجاہد، متواضع منکسر، بے نفس، پاک مشرب، بے غرض سلوک کرنے والا، اپنے اللہ پر پورا پورا بھروسہ رکھنے والا، مخلوق الٰہی کا بہی خواہ دیکھا نہیں جا سکا۔

ے مضت الدھور وما اتین بمثلہ ولقد اتی فعجزن عن نظرائہ

زندہ کرامت

کرامت اولیاء اللہ سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن ولایت کا جو مفہوم عام ذہنوں کا مسجود بنا ہوا ہے وہ یقیناً دین الٰہی کے نزدیک ضلالت اور کھلی ہوئی گمراہی ہے وہی کرامت معتبر ہے جو اوامر و نواہی شرعی کے تحت صادر ہو نہ وہ کہ جس کی ہر ایک حرکت سے مذہب بیزار اور عقل ملامت کناں ہو۔ حضرت امام العصر دامت فیوضہم کی سیاسی، تبلیغی، تدریسی خدمات وغیرہ فوق العادات روحانی قوت اور عزیمت، راتوں کو مسلسل تقریر، صبح کو درسگاہ میں پہونچکر کئی کئی گھنٹہ ڈھائی سو طلبہ کو درس دینا جس میں ہر استعداد و قابلیت، مذاق اور مشرب کے موجود ہوں حتیٰ کہ بعض مدرسی کرکے سماعت حدیث کے لئے آئے ہوں، پھر اسی طرح بعد ظہر و بعد عصر اور بسا اوقات بعد عشا ایک دو دن نہیں بلکہ ہمیشہ یہ قدرتی مشین چلتی رہتی ہے اور فی صدی ۹۵ طلبہ حضرت اقدس کے گرویدہ و جان نثار

بنکر واپس ہوا کرتے ہیں، زندہ کرامت ہے۔

گلشن مدنی کے یہ گلچین صرف ہندوستان کے نہیں ہوتے بلکہ افغانستان، ایران، چینی ترکستان حجاز، یمن اور برما، ملایا، جاوا، وغیرہ جزائر شرق الہند کے ہوتے ہیں تخمینہ یہ ہے کہ اس ۲۶ سال کے عرصہ میں آٹھ یا دس ہزار طلبہ بلا واسطہ آپ سے فیضیاب ہو کر تمام عالم اسلامی میں پھیلے ہوئے ہیں اور علمی خدمات میں مصروف ہیں،

اس عرصہ میں اگر ہر ایک فیض یافتہ کے سلسلہ درس سے دس طلبہ بھی فیضیاب ہوے، تو آپ کے بلا واسطہ تلانذہ کی تعداد پچاسوں ہزار سے متجاوز ہو جاتی ہے۔ اور ۱۸ سال قیام مدینہ کو بھی اگر شامل کر لیا جائے تو ان مسترشدین و متوسلین اور تلامذہ کی تعداد لاکھوں سے زیادہ ہو جاتی ہے، جو حضرت امام العصر کے مشکوۃ علم و فضل سے نور و ضیا حاصل کر رہے ہیں وَذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

آپ ہی کے بارے میں مرشد رومیؒ بہت پہلے فرما گئے ہیں ؎

صورتش برخاک جان در لامکان لامکانے فوق وہم سالکان

امام العصر پر گرانقدر شہادتیں

(۱) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد عالی۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب بہت شریف طبیعت کے ہیں باوجود سیاسی اختلاف رکھنے کے بھی کوئی کلمہ خلاف حدود ان سے نہیں سنا گیا۔ (اشرف العلوم)

(۲) حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور کا فیصلہ

میرے نزدیک ابو حنیفہ زمانہ بخاری اوانہ جنید و شبلی عصر حضرت اقدس شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ کی مدح میں کچھ لکھنے والا مادح خورشید مداح خود است

کا مصداق ہے...... میرا خیال ہے کہ حضرت کے فضل وکمال تبحر فی العلم والسلوک سے شاید ہی کسی اہل بصیرت کو بھی اختلاف ہو..... آپ نے سنا ہو گا کہ مولانا کی اسارت کی خبر پر حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ نے کس قدر رنج وحزن کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا "مجھے خیال نہیں تھا کہ مولانا مدنی سے مجھے اتنی محبت ہے" اور جب حضار مجلس میں سے کسی نے عرض کیا کہ مولانا مدنی تو اپنی خوشی سے گرفتار ہوئے ہیں تو حضرت نے فرمایا تھا کہ آپ مجھے اس جملہ سے تسلی دینا چاہتے ہیں کیا حضرت حسینؓ یزید کے مقابلہ میں اپنی خوشی سے نہیں گئے تھے مگر آج تک کون ایسا شخص ہو گا جس کو اس حادثہ سے رنج نہ ہوا ہو"

مختصر یہ کہ اس ناکارہ کے نزدیک حضرت مدنی ہی رشد وہدایت اور علم وفضل کے درخشاں آفتاب ہیں۔

حضرت علامہ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی کا ارشاد۔

"حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب فیض آبادی ثم المدنی آسمان علم وہدایت کے آفتاب اور زہد وورع میں یگانۂ زمانہ اور جہاد تخلیص وطن کے ایک ممتاز شہسوار ہیں ہندوستان کے مسلمان ان کی ذات گرامی پر جس قدر بھی فخر کریں بجا ہے، وہ علم ہدایت اور مستحق منصب قیادت ہیں، ان کی مذہبی اور وطنی خدمات سے تمام مسلمانان ہند واقف ہیں اور ان کے اخلاص ودیانت کے مخالف بھی معترف ہیں اور ان کی بے غرضانہ محبت کا لطف وہی حاصل کر سکتا ہے جو ان کی صحبت ومعیت سے بہرہ ور رہا ہو۔

(۴) حضرت مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی کا اعتراف حق۔ ۹.۱۲

"شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی کے فضل وکمال، کے مرتبہ ومقام پر گفتگو تو وہ کرے جو خود بھی کچھ ہو...... مجھے ذاتی تجربہ اور عینی شاہدہ تو مولانا

ایک ہی کمال اور ایک ہی کرامت کا ہے اور وہ آپ کی بے نفسی، سادگی، تواضع اور انکساری اور خدمت خلق کا عشق ہے...... کہتا ہون اور گویا خانۂ شہادت مین کھڑا ہوا بیان دے رہا رہون کہ وہ بہترین دوست مین بہترین رفیق سفر ہین، مہمان ہو جئیے تو آپ کی میزبانی مین اپنے معمولات تک ترک کر دین گے، روپیہ پیسہ کی ضرورت پیش آجائے تو خود قرض دار ہو جائین گے لیکن آپ کی حاجت ضرور کہین سے پوری کر دین گے... خدا نخواستہ بیمار پڑ جائیے تو تیمارداری مین دن رات ایک کر دین گے۔ نوکری کی ضرورت پیش آجائے، کوئی مقدمہ کھڑا ہو کسی امتحان مین بیٹھ جائیے تو سفارش نامون مین اور عملی دوڑ دھوپ مین نہ اپنے مرتبہ کا لحاظ کرین گے نہ اپنی صحت کا اور نہ خرچ کا جس طرح بھی ہوگا آپ کا کام نکلنے پر تل جائین گے....

اپنے بزرگون کے ساتھ معاملہ جو بھی رکھتے ہون اپنے خوردون، شاگردون اور مریدون کے ساتھ روش یہ رکھتے ہین کہ خادم کو مخدوم ہی بنا کر چھوڑتے ہین، حالی کے شعر کے معنی اب جا کر روشن ہوئے ہین ؎

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا — خاکساری اپنی کام آئی بہت

سنا ہے کہ یہ شان، محمود حسن شیخ الہند دیوبند کی تھی، اگر یہ صحیح ہے تو جانشینی کا حق ان سے زائد کسی کو نہین پہنچتا..... فرصت میسر آتی تو اس متن کی شرح بھی اپنے قلم سے کرتا اور پھر نوبت شرح پر حواشی کی آتی اور ایک مختصر المعانی پر کئی کئی مفصل اور مطول تیار ہو جاتے

ع "سفینہ چاہیئے اس بحر بیکران کے لئے"

(۵) مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی لاہور کی رائے۔

عرب وعجم کے شیخ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی ذات گرامی مسلمانان عالم کے لئے قدرت کا ایک بے بہا انعام ہے جو دن رات ملک وملت کی فلاح وبہبود کی خاطر

مصائب و مشکلات میں مبتلا رہتے ہیں...... خدا اس مرد مجاہد کا سایہ تادیر قائم رکھے"

(۶) مولانا نصر اللہ خان صاحب عزیز بی۔ اے لاہور کا سچا تاثر۔

امام برحق حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو لوگ اُن کے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت کی بناپر جانتے اور عقیدت و احترام کا سر اُن کے سامنے خم کرتے ہیں...... لیکن مولانا کی حقیقی عظمت ان کا محض علم و فضل، عبادات و اشغال وغیرہ نہیں بلکہ اُن کی پاکیزہ تنھی سیرت ہے اس معاملہ میں ہندوستان تو درکنار غالباً عالم اسلام میں بھی ان کی مثال نہ ملیگی.....

جس طرح مولانا مدنی مدظلہ کی طرف دل کھنچتا ہے اس طرح کسی اور کی طرف نہیں کھنچا.....

یہ تمام رائیں حسین احمد نمبر مرتبہ محمد یوسف صاحب جوہر منظور ضلع بجنور سے ماخوذ ہیں،

خلاصہ یہ کہ جو لوگ علم الاحسان یعنی تصوف و سلوک سے دلچسپی رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ انسانی شرف و مجد اور کمال انسانیت کا دارومدار تو اسے فکری و عملی کے اعتدال پر ہے اور فن سلوک میں جن اصول اخلاق سے بحث کی جاتی ہے وہ چار ہیں، طہارت، عجز و نیاز، سماحت اور عدالت آخر الذکر وہ ملکہ ہے جب انسان افراط و تفریط سے بچکر فکر و عمل دونوں میں اعتدال پر قائم رہتا ہے تو یہ عطیۂ خداوندی خوش قسمتی سے نصیب ہوتا ہے اس ملکہ کے پیدا ہو جانے کے بعد ایک انسان مجموعۂ اضداد بن جاتا ہے..... لیکن ہر جذبہ اور ہر فعل کا محل الگ الگ ہوتا ہے اور اس بنا پر اس میں موزونیت اور حسن تناسب پیدا ہو جاتا ہے حضرت امام العصر کی شخصیت کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کا یہی وصف جامعیت سب سے زیادہ نمایاں ہو کر نظر آتا ہے اور اسی بناپر بلاخوف تردد کہا جا سکتا ہے کہ امام العصر اپنے عہد میں انسانی شرف و مجد کے ایک اعلیٰ پیکر ہیں اور ایسے لوگ روز روز نہیں پیدا ہوا کرتے بلکہ کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں۔

پس بقول مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایم۔ اے کہ میں ہندوستان کے باہر عالم

اسلام کے بہتیرے علماء اور مشائخ سے اور ان کے حالات و سوانح سے باخبر ہون اور ان مین ایسے
ہین جن سے مجکو ذاتی طور پر ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا ہے اس کے باوجود موجودہ زمانہ مین جامعیت
اوصاف و فضائل کے اعتبار سے اگر کوئی شخصیت پیر و مرشد بنانے کے قابل ہے تو مین یقین کے ساتھ
کہہ سکتا ہون کہ وہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی ہی شخصیت ہے لیکن باین ہمہ مجھکو آج تک
نہ مولانا مدنی سے شرف بیعت حاصل ہوا ہے اور نہ شرف تلمذ اس بنا پر مین جو کچھ کہہ رہا ہون وہ محض
اندھی عقیدت کا نتیجہ نہ سمجھنا چاہیئے" اصل یہ ہے کہ امام العصر داہت بر کاتہم ان افراد مین ہین جو اپنی جامعیت
مین ایک پوری امت ہین اگرچہ زمانہ کے لحاظ سے پیچھے ہین لیکن مرتبہ کے اعتبار سے بہت آگے ہین

امامُ الہند و شیخُ الاسلام

شورش عندلیب نے روح چمن مین پھونکدی ‌ ‌ ‌ ‌ ورنہ یہان کلی کلی مست تھی خواب ناز مین

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانون کے اندر سے آزادی رائے آزادی ضمیر غلط اور صحیح قیادت کی تمیز کے
جوہر کا مفقود ہو جانا غیر معمولی انقلاب اور ایسا حادثہ ہے کہ جس پر جتنا ماتم بھی کیا جائے کم ہے اور جو بدقسمتی سے
ادھر چند سالون سے اور ترقی کر گیا ہے جس کو اکبر مرحوم کی حقیقت بین نگاہ نے پہلے دن تاڑ لیا تھا ع

"دل بدل جائین گے تعلیم بدل جانے سے"

اگر قائدین کے اعمال پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے تنقید کی گئی ہوتی تو صاف نظر آجاتا کہ جو سائل اسلامیہ
مین اعلیٰ بصیرت ورسوخ اور سیاست اسلامی مین تقوی اور تدین کے ساتھ تفقہ و اجتہاد کی قابلیت
نہ رکھتا ہو امت کو اس کے حوالہ کرنا بڑے گناہ کا کام تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد مسلمانون کی وہ متاع
تدبر ہین کہ جن کی رہنمائی پہ ایشیا و یورپ کو ناز ہونا چاہیئے اور جس کی سحر نگاری نے ملک کے گوشہ گوشہ
مین حکومت برطانیہ سے متصادم ہونے کی جرأت پیدا کر دی اور حضرت شیخ الہندؒ جیسے عارف کو

اس شعر کو پڑھنے پر مجبور کر دیا ہے

کال اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی　　　　کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

برادرانِ وطن اب تو معلوم نہیں کہ ان کی نسبت کیا رائے رکھتے ہیں لیکن دنیا جانتی ہے کہ ہندو ہی لیڈروں میں مہاتما گاندھی اور آنریبل جواہر لال نہرو مولانا کی سمجھ بوجھ، تدبر اور غیر معمولی ژرف نگاہی کے نہ صرف قائل بلکہ مستفید اور خوشہ چین رہے ہیں، ماضی قریب میں کانگریس کی زندگی میں ایسے نازک دور آئے کہ مولانا ہی کی ذات تھی جو خضر راہ بنی، اور آج بھی صرف یہی ایک ذات ایسی ہے کہ اگر اس کے مشورہ کو ترجیح دی جائے تو حکومت کی کشتی ساحل مراد تک پہنچ سکتی ہے کیونکہ نصف صدی قبل سے بھی کسی قوم میں اتنا بڑا آدمی پیدا نہیں ہو سکا اگر کسی کو شبہ ہو تو اس کو چاہئے کہ مکتب سیاست میں داخل ہو کر تعمیر اور تخریب ملک کے فرق کو ایمان داری سے سمجھے اور مولانا آزاد کے تدبر کی داد دے۔

حضرت شیخ الاسلام دامت فیوضہم کی ذات گرامی اس الحاد کدۂ ہند میں مشعل ہدایت ہے۔ عام طور پر علما اپنی یبوست مزاجی اور غیر ضروری سنجیدگی کے لئے بدنام ہیں مگر عالم اسلام کی یہ سب سے بڑی شخصیت ہر وقت مسکراتی رہتی ہے جس کا سرمایۂ کمال محض علم و فضل ہی نہیں ہے بلکہ اس کی پاکیزہ سیرت ہے اور بقول مولانا آزاد جس کا قلب ہمہ تن خدا کی طرف مائل اور جھکا ہوا ہے، آپ پلیٹ فارم کی زندگی میں جتنے اچھے معلوم ہوتے ہیں اس سے کہیں زیادہ جاذب اور دلکش ہو جاتے ہیں جب قریب سے مطالعہ کیا جائے غرض ملک کی تسخیر اور حکومت کے عزل و نصب میں ہمیشہ اللہ والوں کی روحانیت اور فضل و بزرگی کے ہاتھ کام کرتے رہے ان میں مجاہدین ہند کے غیر مرئی ہاتھ اور شیخ الاسلام کی نہ جھکنے والی روحانی قوت کو سب سے زیادہ دخل تھا اور ہے، لیکن قوم کے ذہین طبقہ کو مدت سے جس طرح کی ٹریننگ دی جا رہی تھی اور جس تمدن و تہذیب کا ان کو خوگر بنا کر لادینیت پھیلا دی گئی تھی اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ اتنی بڑی عظیم المرتبت شخصیت کی اطاعت کے بجائے

اس کے خون کے پیاسے اور آبرو کے دشمن بن جائیں اور اس کی پگڑی کو اچھالنا شروع کر دیا آخرت کا معاملہ تو خدا کے ہاں ہو کر رہے گا دنیا ہی میں کرتوتوں کو اس کی پاداش مل گئی بھلا جس قوم و ملک کے پاس ایسی ایسی متاع ایمان ہو تو بر ہوا اس کی دس کروڑ تعداد کی بدنصیب قوم تیس کروڑ کی اکثریت سے اس درجہ خائف ہو جائے کہ ملک کے حصے بخرے کرا کے چوروں کی طرح بھاگ نکلے اس کا واحد سبب وہی تھا جو اوپر ذکر کیا گیا، اگر ان دو بزرگوں پر اعتماد کر لیا گیا ہوتا تو خدا کی قسم ہندوستان کا نقشہ اس سے بہتر ہوتا جو آج دن ہے کیونکہ ان ہر دو بزرگوں کو ایک طرف رکھ دو اور دنیا کے علماء و فضلاء سیاسیین کو ایک طرف تو انشاء اللہ ہندی علماء ہی کا پلہ راجح ہو گا۔

ماخذ مکتوبات جلد اوّل

میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے ۱۳۳۵ھ کے لگ بھگ جناب مولانا حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری مدظلہ نے ایک مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ مکتوبات کے جمع و ترتیب کا خیال ظاہر فرمایا تھا مگر یہ ایسا دور تھا کہ کسی ایسی تحریک کے اندر جس میں حضرت امام العصر کا تعلق ہو لوگ حصہ لینے سے خائف تھے اس وقت یہ کام آگے نہ بڑھ سکا، لیکن مولانا لاہرپوری کا خلوص ایسا نہ تھا کہ رنگ نہ لاتا چنانچہ جس طرح بڑوں کے باقی ماندہ کاموں کو ان کے چھوٹوں نے پورا کیا۔ احقر کو کرنا پڑا جو فی الحقیقت وہی کر رہے ہیں نہ کہ ناچیز ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند | آنچہ استاد ازل گفت ہمان می گویم

اگر مولانا لاہرپوری کی مسلسل ہمت افزائی اور ہر ہفتہ اپنے والا ناموں کے ذریعہ مفید مشورے اور بزرگانہ ہدایات شامل حال نہ ہوتیں تو بلاشبہ میں اس کام کو جاری نہ رکھ سکتا کیونکہ موصوف کے سوا ایک آدمی بھی ایسا نظر نہیں ... جس کو اس کام سے اس درجہ عشق رہا ہو،

اس لئے ناچیز مولانا لاہرپوری کی خدمت میں اپنا پرخلوص شکریہ پیش کرنے پر مجبور ہے اور درخواست ہے کہ وہ اپنے کام کو بدستور جاری رکھیں ابھی ان کی بہت ضرورت ہے۔

آپکے بعد مولوی حافظ فرید احمد صاحب (خلف حضرت مولانا سید احمد مدنی اسیر مالٹہ مرحوم) نے مکتوبات کی طرف توجہ فرمائی اور مکاتیب شیخ الاسلام" کے نام سے ایک مختصر مجموعہ شایع فرمایا حالات کی ناسازگاری کی بنا پر موصوف اس کی حسب دلخواہ ترتیب وغیرہ نہ کر سکے مگر نقش اوّل کے طور پر موصوف نے ایک مستحکم بنا رکھدی جو لائق تحسین ہے آپکے اس مجموعہ سے ناچیز نے ۲۰۳ مکتوب بہ اجازت اپنے مجموعہ کے اندر داخل کر لئے ہیں، اور اسی طرح حیات شیخ الاسلام سے بھی چند خطوط لئے گئے ہیں،

مولانا ابوالحسن حیدری نازی پوری کا مجموعہ } افسوس کہ ناچیز کو مولانا موصوف سے شرف ملاقات حاصل نہیں اور نہ موصوف کے متعلق کوئی تفصیلی علم ہے۔ ورنہ ان کا تعارف کراتا۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ موصوف امام العصر کے مخصوص خدام میں ہیں اس لئے یہ انتساب سب سے بڑا تعارف ہے، آپنے امام العصر کے ان والا ناموں کا ایک مجموعہ فراہم کیا تھا جو آپکے نام ہیں، مگر اس کے ساتھ تمام عربی و فارسی عبارتیں بلا ترجمہ اور بعض حصے لائق حذف اور اکثر و بیشتر تشریح و حواشی کے محتاج تھے چھوڑ دیا تھا جن پر کئی ماہ مسلسل وقت دینے کے بعد بھی خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی، ہم نے اس جلد میں اس مجموعہ کو مخصوص جگہ دی ہے اور بہت سے دوسرے حضرات کے اہم خطوط کو دوسری جلد کے لئے مؤخر کر دیا ہے، کیونکہ مولانا حیدری نے غیر معمولی ایثار سے کام لیکر یہ مجموعہ ہمارے حوالہ کر دیا ہم موصوف کے حکم کے مطابق اپنی صوابدید سے اس مجموعہ کو مکمل کر کے شایع کر رہے ہیں اور تہ دل سے شکر گذار ہیں۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

مکتوبات شیخ الاسلام کی یہ جلد اوّل مکمل نہ ہو سکتی، اگر حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیتہ علماء ہند حضرت مولانا سید محمد میاں ناظم جمعیتہ و حضرت مولانا حکیم النظار احمد مراد آباد و حضرت مولانا عبدالحق مدنی و حضرت مولانا اعزاز علی و حضرت قاری اصغر علی و حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی

وحضرت مولانا پروفیسر عبدالباری ندوی وحضرت مولانا احمد علی لاہوری وحضرت مولانا منت اللہ خانقاہ مونگیر ومولانا فخرالدین گیا وعزیز محترم مولانا حامد میان سلمہ وبرادرم مولانا اویس ندوی وقاری عبدالرحمٰن صاحب وغیرہم کی خصوصی توجہات نہ ہوتین، ان بزرگون اور احباب کیلئے میرے پاس الفاظ نہین کہ ان کا شکریہ ادا کرون فجزاہم اللہ احسن الجزاء،

مکتوبات شیخ الاسلام کی پہلی جلد امام العصر کے ان مکتوبات کی اہمیت کا تقاضہ تھا کہ کوئی ایسی ہستی اس کا مقدمہ اور بعض ضروری اشارات پر مقدمہ لکھے جو خود احوال ومقامات کی حامل اور امام العصر کی زندگی پر گہری نظر رکھتی ہو تاکہ مقدمہ کے ذریعہ آسانی سے ناظرین کو مکتوبات تک پہنچادے۔ اسی فکر مین تھا کہ میری نگاہ آرزو ایک ایسی ذات گرامی پر پڑی جو علم وعمل کے موروثی مالک، دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور جن کو دنیا حضرت مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کے نام نامی واسم گرامی سے یاد کرتی ہے، الحمد للہ کہ میری درخواست کو آپ کی جناب تک شرف قبول نصیب ہوا اور مقدمہ لکھکر میری حوصلہ افزائی فرمائی گئی، امام العصر کی آخری زندگی سے قاری صاحب ممدوح کو جو قریبی تعلق ہے وہ محتاج بیان نہین ایک دارالعلوم کا شیخ اور صدر مدرس، دوسرا مہتمم اس رابطہ نے ایک کو دوسرے سے ملنے جلنے کا زیادہ موقع بخشا ہے اور مہتمم صاحب قبلہ کا مقدمہ خود ان باتون کا غماز ہے یہ ناچیز جناب مہتمم صاحب کے مورد اخلاق کا تہ دل سے شکر گذار ہے اور اس ذرہ نوازی کا دل مین سچا احترام، ادام اللہ فضلہ واجل قدرہ وضاعف اجرہ۔

مکتوبات جلد اول کی ترتیب } خیال تھا کہ مکتوبات کی ترتیب عنوانات کے تحت قائم کی جائے بعض ایسی دشواریان حائل ہوئین کہ ایسا کرنا ناممکن ہوگیا، مثلاً ایک ہی والانامہ میں مختلف سوالات اور کئی کئی استفسارات وغیرہ، اگر اکثر وبیشتر خطوط حاصل ہو گئے ہوتے تو پھر بڑی آسانی سے یہ کام ہو جاتا انشاء اللہ یہ کام کسی دوسری فرصت مین بقیہ خطوط کے حاصل ہو جانے پر ادارات

مدنی کے نام سے کیا جائے گا، بر وقت مندرجہ ذیل صورت اختیار کی گئی ہے،

(۱) تعارف - حضرت امام العصر کے ایک بیان سے کرا دیا گیا ہے۔

(۲) خاندانی حالات - امام العصر کے مکتوب گرامی سے۔

(۳) پہلا عربی مکتوب - امام الہند مولانا آزاد وزیر معارف ہند کے نام ہے، اس کے بعد تمام عربی خطوط حضرت مولانا عبد الحق مدنی کے نام ہیں عربی خطوط کو مقدم رکھا گیا اور ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

(۴) جو مکتوبات ایسے تھے کہ جن میں کوئی خاص اصطلاح تھی یا ایسے جملے تھے کہ جن کی تشریح کے بغیر نفس مکتوب سے استفادہ دشوار تھا حتی الوسع ان کو واضح کیا گیا ہے، اور عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ خود راقم الحروف کا ہے۔

(۵) اردو مکتوبات میں حتی الوسع ان کو مقدم رکھا گیا ہے جن کی تعداد زیادہ ہے، اور حتی الوسع سنہ وار ترتیب رکھی گئی ہے۔

(۶) کہیں کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ مکتوب اور مکتوب الیہ کی اہمیت کی بنا پر تقدیم و تاخیر کر دی گئی ہے۔

(۷) دیباچہ میں امام العصر کے حالات اور آپ کی خدمات کا ماخذ "حیات شیخ الاسلام" اور "علماء حق" وغیرہ ہے۔

(۸) آئندہ جو مکتوب عنایت فرمائے جائیں سوالات بھی اسی کے ساتھ بھیجنے کی زحمت گوارا فرمائی جائے، ورنہ مرتب کو سخت دشواریوں کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور پھر بھی سبب نزول کا پتہ نہیں چلتا۔

(۹) مکتوب نمبر ۴۴ حیدر آباد میں ایک بزرگ مولانا محمد حسین مرحوم تھے، ان کا خیال تھا کہ حج عبدیت و افتقار کی تربیت کا ذریعہ ہے، ہمارے مولانا مدنی دامت برکاتہم کے یہاں نزد حج کے عاشقانہ پہلو پر ہے، یہ والا نامہ بجنسہ سفر عشق کے عنوان سے الفرقان نمبر ۸ سنہ ۱۹۵۰ء میں شایع ہو چکا ہے جو اسرار و معارف اور حقائق کا ایک بے پایان سمندر ہے، یہ حاشیہ درج ہونے سے رہ گیا تھا امید کہ معذور سمجھا جائے گا۔

(۱۰) اگر کسی مکتوب کے اندراج اور فوائد و حواشی میں کچھ فروگذاشت ہو گئی ہو براہ کرم اس سے

مطلع کر دیا جائے گا ناچیز کو اعتراف ہے کہ یہ کام میرے جیسے طالب علم کا نہین تھا بلکہ عہد حاضر کے ممتاز علماء اور صلحاء کا تھا کیونکہ صاحب مکتوب ایک وقت مین امام، مفسر، محدث، فقیہ، تصوف و سلوک کے عارف، شریعت و طریقت کے معلم، اور دینیات کے فاضل سب کچھ ہین لیکن دنیا ان کو، ان حیثیتون سے قطع نظر جو قدرت نے کمال فیاضی سے ان مین جمع کر دی ہین صرف ایک سیاسی رہبر و پیشوا جمعیۃ علماء کے روح رواں اور کانگریس کے نقیب و دمساز کی حیثیت سے جانتی اور پہچانتی ہے لیکن ان مکاتیب سے اندازہ ہوگا کہ ان تمام حیثیات گوناگون کے ساتھ وہ عربی کے ادیب، فارسی کے ادا شناس اور اردو زبان کے نثار و انشا پرداز بھی ہین اور اپنے مفہوم ما فی الضمیر کے بہترین الفاظ فصیح و بلیغ عبارت مین ادا کرنے پر بھی قدرت رکھتے ہین، یہ سارے خطوط مسلمانون کی ایک صدی کی جد و جہد آزادی کی ایک مکمل و مرتب تاریخ ہے جو میری جیسے کم مایہ علم و عمل کے فہم و ادراک سے وراء الوراء ہے اس لئے فروگذاشت کا بہت زیادہ امکان ہے، مقصود متن کی ادا دینا ہے، نہ کہ حواشی و فوائد،

اس طرح کے علمی کام کرنے کی راہ مین ہمیشہ مالی زحمتین سد راہ ہوتی ہین چنانچہ یہ زحمت ترکہ کے طور پر اپنی زندگی کا جزء لاینفک تنگی اور طباعت کی صورت اپنے امکان سے باہر ہو گئی ساتھ ہی اپنی خودداری اور مکتوبات کی عظمت کا تقاضہ تھا کہ سوال سے گریز کر کے قرض سے کام چلایا جائے چنانچہ سب سے پہلے حضرت حاجی شیخ ولی محمد صاحب مدظلہ جونپوری نے ہمت افزائی فرمائی اور پانسو کی رقم عنایت فرما کر مالی مشکلات کے حل کی راہ پیدا کر دی پھر مولانا نبی احمد، مولانا ما سرائے میر، مولانا عبد الجبار بنارس، مولانا عبد الباری مبارکپور، مولانا محمد اسعد دیوبند نے مکتوبات کی طباعت و اشاعت مین ہاتھ بٹایا، تاہم دشواری بہت حد تک قائم تھی اگر تائید ایزدی کے طور پر شہر اعظم گڑھ کے محبوب طبیب جناب حکیم محمد اسحق صاحب سید ھاری کے رئیس اور اپنے محسن خاص بابو سراج الحق صاحب اور حضرت مولانا مسعود علی صاحب ندوی مہتمم مطبع معارف اعظم گڑھ کی مساعی شریک حال نہ ہوتیں تو میرے لیے غیر ممکن تھا کہ گھر پر کر اور بہت سی دشواریوں کے باوجود پہلی جلد کی اشاعت سے عہدہ برآ ہوتا اور ۴۰۰ صفحات کے بجائے ۵۰۰ صفحات سے زائد شائع کر سکتا میں ان تمام حضرات کا تہ دل سے شکرگذار ہوں جنھوں نے ولے، درمے، سخنے مدد فرمائی ہے جزاہم اللہ احسن الجزاء

قصۂ شوق حدیثے است کہ پایانش نیست تا بکے فکر توان کرد بہ سخن تازہ نوشت

والسلام ننگ حیات نجم الدین اصلاحی کان اللہ لہٗ۔ جنوری ۵۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمۂ وتعارف

(مولانا سید ابوالحسن علی مدظلہ کے تاثرات)

کسی صاحبِ کمال ہستی کے کمالات و خصوصیات شخصیت و صفات کا تعارف کرانا اہلِ نظر کا کام ہے لیکن کسی صاحبِ کمال شخصیت کے متعلق اپنے ذاتی مشاہدات، نقوش و تاثرات کے اظہار کے لئے خود صاحبِ کمال اور صاحبِ نظر ہونا قطعاً ضروری نہیں، ایک دہقانی اور ایک مبتدی طالب علم بھی بڑے سے بڑے شخص کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرسکتا ہے اور ایک مبصر، مورخ اور سوانح نگار اس سے بعض ایسے بے تکلف حقائق اور واقعات اخذ کرسکتا ہے جو نامور معاصرین اور پرجوش معتقدین کے بیانات میں بعض اوقات نہیں ملتے۔

۱۹۲۸ء کی بات ہے لکھنؤ کی مشہور سفید بارہ دری میں آل پارٹیز کانفرنس ہو رہی تھی، اور نہرو رپورٹ پیش تھی، شب کی نشست میں مرحوم تصدق احمد خاں شروانی نے کسی تجویز پر تقریر کی اور اس میں کچھ اعداد و شمار پیش کئے، ان کی تقریر کے بعد ایک بزرگ کھڑے ہوئے، جبہ و دستار میں ملبوس، عربی مسلح اور ہندوستانی عمامہ، لیکن عجیب بات یہ کہ شروانی مرحوم دجو ایک کہنہ مشق سیاسی لیڈر تھے، کے پیش کردہ بعض اعداد و شمار کی تصحیح فرمائی، متجسس نگاہوں کا جواب تھا۔ "مولانا حسین احمد مدنی"

اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک جلسہ میں جو طلبہ کے درس قرآن کی تکمیل کی تقریب و مسرت میں منعقد ہوا تھا، مولانا کو خالص دینی و علمی تقریر کرتے سنا جس میں آپ نے قرآن کے فضائل

وآداب بیان کئے اور اس کی توجیہ فرمائی، کہ بعض فرقوں کو قرآن مجید کیوں یاد نہیں ہوتا
نیز قدیم نصاب درس میں معقولات کی زیادتی اور قرآن مجید کے درس و مطالعہ کی کمی اور
اس کی حق تلفی پر تنقید فرمائی ایک دوبار لاہور کی طالب علمی کے زمانہ میں مولانا کی حج سے
واپسی کے موقع پر زیارت کی، حافظہ پر زور ڈالا، تو یہی ابتدائی نقوش ابھرے ایک
سبزہ آغاز طالب العلم جس نے عقیدت و ارادت کے حلقہ سے دور نشو ونما پایا ہو، اور سیاسی میدان سے
نہ فطری مناسبت رکھتا ہو نہ طبعی وہ ایک نامور عالم اور ایک معروف خادم قوم کی زیارت و دید سے
اتنا ہی مشرف اور سعادت اندوز ہو سکتا ہے۔

سنہ ۱۳۰۳ سے ہمارا مکان لکھنؤ میں مولانا کی مستقل قیام گاہ قرار پایا، راقم سطور کے
برادر معظم حکیم ڈاکٹر مولوی سید عبدالعلی صاحب ناظم دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور شیخ الہند
مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید ہیں، حضرت سید احمد شہیدؒ سے نسبت خاندانی
کی بدولت بزرگان دیوبند اس خاندان کے افراد سے ہمیشہ سے محبت و شفقت و یگانگت کا
معاملہ کرتے رہے، بھائی صاحب جب تک دیوبند رہے شیخ الہندؒ کے الطاف و عنایات سے سرفراز رہے
بیعت و ارادت کا اگر کبھی خیال آتا تو نظر حضرت ہی کی طرف جاتی، ابھی اس ارادہ کی تکمیل نہیں ہونے
پائی تھی، کہ حجاز کا سفر اور مالٹا کی منزل پیش آگئی، واپسی میں بھی اس کا موقع نہیں مل سکا،
اب اس ارادہ کی تکمیل اس سے ہوئی، جس کو حضرت کے بہت سے ارادوں کی تکمیل کرنی تھی لکھنؤ
بہت سے اسباب و خصوصیات کی بنا پر قومی و سیاسی تحریکوں کا ایک بڑا غالباً سب سے بڑا مرکز تھا
کانگریس سے لے کر معمولی کمیٹیوں اور سیاسی انجمنوں کے اجلاس لکھنؤ میں ہوتے تھے، اور
مولانا کو اکثر ان میں شرکت کرنی ہوتی تھی، سیاسی انہماک کانگریس کے جلسوں اور کانفرنسوں
کی ہمہ وقت شرکت بھی کبھی مولانا کے مزاج، افتاد طبع اور معمولات میں فرق نہیں پیدا کر سکی
سیاسی رہنماؤں اور مندوبین کی قیامگاہ لکھنؤ میں عموماً بڑے ہوٹل قیصر باغ کے پرانے محلات
یا امراء کی کوٹھیاں ہوتی تھیں، مولانا کو اس ماحول سے کبھی مناسبت نہیں رہی، انکو ایک سادہ

بے تکلف، مخلصانہ قیامگاہ جہاں سے مسجد قریب ہو اور جہاں معمولات آسانی سے پورے ہو سکتے ہوں، اور جہاں رہنے اور کھانے میں تکلفات نہ ہوں، ہزار درجہ پسند ہے، ہمارا محلہ (بازار جھاؤلال) ہمیشہ سے اس بارہ میں ممتاز رہا ہے کہ وہاں صحیح العقیدہ غریب مسلمان رہتے ہیں، والد صاحب (مولانا حکیم سید عبد الحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کی وجہ سے اور ندوہ کے تعلق سے یہ محلہ اور اس کی مسجد ہمیشہ علماء و فضلا کا مرکز رہی ہے، مولانا نے اس محلہ اور ہمارے مکان کو لکھنؤ کے قیام کیلئے منتخب فرمالیا، اور آج بیس برس ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ بھی اس وضعداری اور معمول میں فرق نہیں آیا، ایسا بھی ہوا ہے کہ مسلم پورہاؤس یا شاہی بارہ دری کی شاندار ایوان کے جلسہ اور مباحثوں میں ایک گھنٹہ شریک رہے، اور کھانا ہمارے "شیرازی" دسترخوان پر کھایا، خواہ کتنی دیر لگ جائے، مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے زمانہ میں کسی حلقۂ انتخاب میں تشریف لے گئے، دیر رات گئے تشریف لائے، معلوم ہوا ابھی کھانا نہیں کھایا، ماحضر تناول فرمایا، اور استراحت کی، اس گھر کی یہی ادا (سادگی) آپکو پسند ہے، اگر کبھی کچھ تکلف کیا گیا تو شکایت فرمائی۔

مسلم پارلیمنٹری بورڈ، تحریک مدح صحابہ وغیرہ کے موقع پر آپ کا قیام کئی کئی دن مسلسل ہا محدود و مختصر قیامگاہ، اور سادہ طرز رہائش میں گھر والوں کو معزز مہمانوں کو قریب سے دیکھنے اور ان کا مطالعہ کرنے کا موقع زیادہ ملتا ہے، جو چیز خاص طور پر محسوس کی وہ ذہن میں انکی شگفتگی مستعدی و بیداری، ہر ایک کیطرف توجہ والتفات اور شب کے معمولات کی پابندی و مشغولی ان آنکھوں نے متضاد مناظر بھی دیکھے، بعض مقامی تحریکوں میں عقیدت و ارادت کا جوش بھی دیکھا، ان کی نیازمندی اور اظہار جاں نثاری بھی دیکھی، پھر انہیں آنکھوں نے زود رنج طوطا چشم عوام کو سخت برہم اور مغلوب الغضب بھی دیکھا اور ان کے ذمہ داروں کو تند و تلخ الفاظ رُو در رُو کہتے بھی سنا، لیکن مولانا کی حالت یکساں پائی، بعض سیاسی تحریکوں کے زمانے میں بھی مشاہیر کو نیازمندانہ حاضر ہوتے اور تعارفی و سفارشی خطوط لکھواتے بھی دیکھا، پھر ان کی تلخ نوائیاں اور احسان فراموشیاں بھی دیکھیں، اس کو تنقیدی ذہن کہئے یا حقیقت

بینی کہ طبیعت نے یہ محسوس کیا کہ آنے والوں اور بیٹھنے والوں میں مولانا کے اصل ذوق اور اصل فن سے استفادہ کرنے والے بہت کم نظر آئے زیادہ وقت اشخاص یا جماعتوں کے تذکرہ یا سطحی تبصرہ یا تعویذ دعا کی فرمائش میں گذرتا، مولانا اپنی فطری عالی ظرفی سے کسی کو گرانی یا ناگواری کا احساس نہ ہونے دیتے، مگر جہاں کوئی تصوف و سلوک کا کوئی مسئلہ پوچھ لیتا یا کوئی علمی بحث چھیڑ دیتا، یا اہل اللہ کا تذکرہ کرنے لگتا، تو فوراً چہرہ پر بشاشت ظاہر ہوتی، اور ایسا معلوم ہوتا کہ دل کا ساز کسی نے چھیڑ دیا ۔

صرف باہر ہی نہیں اس ناچیز نے مولانا کو اپنے مستقر پر بھی دیکھا، چار مہینے دیوبند قیام رہا، تقریباً مہینہ بھر خاص مولانا کے دولت کدہ پر، پھر اپنے اصرار سے دارالشفا کے ایک حجرہ میں (جو مولانا کے دروازہ سے متصل اور گذرگاہ پر واقع ہے) منتقل ہوگیا، یہ قیام گاہ بھی زیر سایہ ہی تھی، آتے جاتے ملاقات چمن میں صبح و شام نشست و برخاست، اخیر میں صبح کی چائے میں پابندی سے حاضری (جس کی مولانا نے شرط فرمادی تھی) اس زمانۂ قیام میں مہمانوں کی کثرت اور اس پر مولانا کی مسرت و بشاشت بچشم خود دیکھی، مہمانوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی، مستقل مہمان خاصی تعداد میں الگ تھے، بعض اوقات خود اندر سے کھانا لاتے، مہمانوں میں ہر طبقہ کے لوگ تھے، ارکانِ جمعیت، مشاہیر علماء سیاسی کارکن، نوجوان ورکر جیل سے آنے والے خفیہ پولیس کے خفیہ اشخاص، بیعت کے خواہشمند، تعویذ کے طالب وغیرہ وغیرہ۔

یہیں مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی زیارت ہوئی، کئی ہفتے ان کی ہمسائگی رہی، اور ان کے محاسن کا علم ہوا، بخاری و ترمذی کے درس میں شرکت کرتا تھا مولانا کا استحضار اور مسئلہ کی مبسوط تقریر ان لوگوں کے لئے نئی بات ہے، جو مولانا کی سیاسی مصروفیتوں اور سفروں کی کثرت سے واقف ہیں، ایک مسئلہ پر بعض اوقات تین تین چار چار دن مسلسل (۶۰ منٹ کے تعلیمی گھنٹہ میں) تقریر جاری رہتی اور مسئلہ کا مالہ وما علیہ، آئمہ کا اختلافات مذاہب اور ان کے دلائل و ماخذ، متن و اسناد و رجال کی بحثیں، برجستہ ان سب پر مولانا کی

کی قرأۃ حدیث. مولانا کا مخصوص دلکش لہجہ اور دار الحدیث کی روحانی و پرسکینت فضا ابھی تک آنکھوں میں ہے، اور گویا اس وقت بھی وبالسند المتصل الی امیر المومنین فی الحدیث.. کی آواز کانوں میں گونج رہی ہے، درمیان میں طلبہ کے سوالات کا (جن میں بعض غیر متعلق بھی ہوتے) تحمل کے ساتھ جواب دیتے جاتے، آخر سال میں درس کی مصروفیت اتنی بڑھ جاتی کہ عصر کے بعد بھی درس، عشاء کے بعد دیر رات تک درس، صبح کی نماز کے بعد درس اچھے اچھے مستند طالب علموں کی ہمت جواب دے جاتی ہے۔ لیکن مولانا کی مستعدی نشاط اور قوت میں فرق نہ آتا۔

یہ ۳۲ء کا زمانہ تھا، مولانا کے سفر کے پروگرام پہلے سے مرتب ہوتے، اکثر جمعہ باہر ہی گذرتا، اللہ تعالیٰ نے جس طرح داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو موم کر دیا تھا والنالہ الحدید مولانا کے لئے سفر سہل فرما دیا ہے ع ما آب من سفر الا الی سفر مجھے قرآن مجید کی تفسیر کے مطالعہ کا شوق تھا، اس میں اشکالات پیش آتے تھے۔ جو بعض مرتبہ کسی کتاب سے حل نہ ہوتے، مولانا نے جمعہ کی نماز کے بعد کا وقت مرحمت فرمایا تھا، کہ اپنے اشکالات کو پیش کروں، مگر تھوڑے ہی جمعہ میرے حصہ میں آئے، مطالعہ کے لئے بعض سیاسی کتابیں حکومت خود اختیاری وغیرہ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل عنایت فرمائے، دیوبند کے قیام کی برکت تھی کہ انگریزوں سے نفرت میں (جس کے جراثیم میرے اندر موروثی طور پر تھے،) شدت پیدا ہوئی، بعد میں اس میں اتنا اضافہ ہوا، کہ ایک انگریز ہی نہیں سارا یورپ ہی اس وقت کفر و مادیت کا علمبردار ہے اور اس کے زوال کے بغیر دین و اخلاق کا عروج اور اسلام کی دعوت کا پھلنا پھولنا مشکل ہے یہ صرف کسی ایک حکومت اور کسی ایک ملک کی غلامی کا سوال نہیں، سوال ایک پوری تہذیب ایک مستقل نظام فکر اور ایک عالمگیر دعوت کا ہے، جو پیغمبروں کی لائی ہوئی تعلیمات اور ان کے نتائج و اثرات کے بالکل متضاد اور متناقض ہوئی ہے، وہ کیا وقت

اور ماحول تھا، جس میں حضرت موسیٰؑ نے بڑے اضطرار سے یہ دعا کی تھی ربنا انک آتیت فرعون وملاہ زینۃ واموالا فی الحیوۃ الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلک ربنا اطمس علیٰ اموالھم الآیۃ - یہ بات یورپ کے عالمگیر اقتدار اور اس کی سحر انگریز ترقی ہی کو دیکھ کر سمجھ میں آئی، انگریز مشرق میں اپنی لادین، مادہ پرست یورپ کا ایک کامیاب ایجنٹ تھا، اور ہم اہل مشرق کو سب سے پہلا اور سب سے بڑا واسطہ اسی سے پڑا اس لئے اس سے ہماری نفرت بالکل قدرتی امر ہے، لیکن الکفر ملۃ واحدۃ ع

ایں خانہ تمام آفتاب است

اس تہذیب اور اس دعوت کے علمبردار امریکہ، روس اور خود ایشیا کے وہ لادینی ممالک اور ریاستیں ہیں جنھوں نے یورپ کے نظام فکر اور نظام حیات کو پورے طور پر اپنا لیا ہے نیز یورپ سے عالم اسلامی کو جو دینی ایمانی، اخلاقی نقصان پہنچا ہے، وہ ان مادی نقصانات سے کہیں بڑھ کر ہے، جو غیر ملکی حکومت سے ان ممالک کو پہنچا ہے بہر حال انگریز سے یہ مخصوص نفرت بھی قابل قدر چیز تھی، اور اس میں شبہ نہیں کہ اس میں اس ماحول، مولانا کی ... صحبت اور مطالعہ کو خاص دخل تھا۔

دیوبند کے قیام میں میرے لیے دل بستگی کا واحد ذریعہ مولانا کی ذات گرامی تھی میری ذہنی تعلیمی پرداخت اس انداز سے ہوئی تھی کہ میرے لئے وہاں کے مذہبی و مدرسی ماحول میں دلچسپی کا کم سامان تھا، لیکن مولانا کی ایک نگاہِ التفات ایک تبسم کسی وقت شفقت سے کچھ پوچھ لینا سارا بوجھ ہلکا کر دیتا، اور دل دیر تک اسکا مزہ لیتا رہتا۔

رجب کے آخر یا شعبان کی ابتدا میں مکان واپس آگیا۔ مولانا کی آمد و رفت اور قیام کا سلسلہ جاری رہا، اور ہم لوگوں کو خدمت کا شرف حاصل ہوتا رہا مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے زمانہ میں ایک حلقۂ انتخاب میں معیت و ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا، مولانا ہمارے ضلع (رائے بریلی) میں دورہ کرنیوالے تھے مسلسل سفروں سے خستہ ہو رہے تھے، لوگوں کو

اپنے کام سے کام ہوتا ہے، کسی کی صحت و راحت کی پرواہ نہیں کرتے، بھائی صاحب نے خستگی و تکان محسوس کر کے مجھے ساتھ کردیا کہ رائے بریلی پہنچکر ایک دوروز کے لئے اپنے یہاں... (دائرہ شاہ علم اللہ) میں مولانا کے آرام کا اہتمام کرنا اور اس کی کوشش کرنا کہ مولانا کچھ وقت سکون وراحت کے ساتھ گزاردیں، جائس و نصیر آباد کے حلقہ میں دورہ تھا، کار کا سفر تھا، امیدوار صاحب بھی جو یو پی کے ایک مشہور مسلمان بیرسٹر ہیں ہمراہ تھے، اس سفر سے اندازہ ہوا کہ مولانا اس کام کو اپنا ایک دینی فرض سمجھ کر اور ایک عقیدہ وارادہ کے ماتحت کر رہے ہیں، وہی بے غرضی، وہی مستعدی، وہی جفاکشی جو ایک سپاہی میں میدان جنگ کے اندر ہوتی ہے، جمعہ کی نماز ایک قصبہ کی جامع مسجد میں پڑھی، خطیب صاحب حضرات دیوبند کی تکفیر کرنے والوں میں تھے انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر بعض بزرگوں کے متعلق بہت کچھ کہا، مولانا سنتوں سے فارغ ہو کر خاموش بیٹھے تھے، نماز ہوئی خاموش تشریف لے آئے، سفر کے آخر تک کبھی بھول کر بھی، خطیب صاحب کا تذکرہ نہیں کیا امیدوار صاحب نے کھانے کا پرتکلف اہتمام کیا تھا، (جیسا کہ امیدوار صاحبان کرتے ہیں اور حلقہ انتخاب کے مقررین توقع رکھتے ہیں) مولانا نے مجھے اپنے ساتھ ایک ہی پلیٹ میں شریک کیا، اور اس قدر جلد ہاتھ اٹھا لیا کہ میں سمجھ گیا کہ وہ قوت لایموت کے طور پر اس کھانے کا استعمال جائز سمجھتے ہیں رائے بریلی میں ایک شب قیام فرمایا، حضرت شاہ علیم اللہؒ جد امجد حضرت سید احمد شہیدؒ کی مسجد میں دیر تک تنہا مراقب رہے، نکلنے کے بعد گھر میں کچھ دیر بیان فرمایا جو محض عالم آخرت عالم ارواح اور برزخ کی زندگی سے متعلق تھا، چلتے وقت اس مقام کے متعلق اپنے باطنی تاثرات کا اظہار کیا اور طویل قیام کی خواہش ظاہر کی جسکی مولانا کی مصروف و متحرک زندگی میں بہت کم گنجایش ہے۔

پھر وہ ہنگامہ خیز دور آیا جب مولانا کی رائے اور سیاسی بصیرت عام مسلمانوں کی خواہش اور جذبات اور اس وقت کی مقبول قیادت کے سیاسی فکر سے بالکل مختلف تھی مولانا نے پوری قوت اور بیباکی کیساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا تقسیم کے خطرات و نقصانات بیان کئے اور اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اپنے

خیالات کی دعوت و تبلیغ کیلئے سارے ملک کا دورہ کیا جابجا تقریریں کیں متعدد رسائل و مقالات شائع کئے، اس وقت مسلمانوں پر ایک اعصابی کیفیت طاری تھی، جس کے دو بڑے محرک تھے، ایک برادرانِ وطن کی تنگ نظری اور کم حوصلگی کا طویل و مسلسل تجربہ جو انگریزی حکومت میں برسہا برس سے ہو رہا تھا چنانچہ اس تحریک میں وہی طبقہ پیش پیش تھا، جس کو دفتروں، تعلیم گاہوں اور شہری زندگی میں اس سے سابقہ پڑتا تھا، دوسرا محرک مسلمانوں کی قومی قیادت کا مزاج تھا اس لیڈر شپ نے مسلمانوں کے جذبات کو اتنا متحرک و مشتعل کر دیا تھا کہ ان میں کسی مخالف رائے کے سننے اور برداشت کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہی تھی، اور کسی مسئلہ پر ٹھنڈے دل دماغ سے غور کرنے اور اس کے نشیب و فراز کے سوچنے کے وہ روادار ہی نہیں رہے تھے، مولانا کے خلوص، عزم اور احساس فرض نے اس کیفیت کو جو ایک واقعہ تھا، تسلیم کرنے اور اس کے سامنے سپر ڈالنے سے انکار کر دیا، اور انہوں نے اپنے عقیدہ اور ضمیر کے مطابق رائے عامہ کی اس طاقت کے سامنے کلمۂ حق کہنے کو اپنا فرض اور افضل الجہاد سمجھا، نتیجہ یہ ہوا کہ سفروں اور جلسوں میں وہ سب کچھ پیش آیا، جو مولانا کی شخصیت انکی سابقہ خدمات، ان کے علمی و دینی مقام کے بالکل شایانِ شان نہ تھا، اس وقت ایک طبقہ تھا جو سطح کی چیزوں کے علاوہ باطنی کیفیات کا بھی ادراک رکھتا ہے، وہ ان واقعات سے جو مختلف مقامات پر پیش آ رہے تھے، سخت تکلیف محسوس کرتا تھا، اور مولانا کے علو مقام للہیت و بے نفسی کی کھل کر شہادت دیتا تھا، اور ان واقعات کو مسلمانوں کے حق میں بعض نامبارک سمجھتا تھا، مجھے یاد ہے کہ ایک ایسی ہی مجلس میں جب سید پور کے اسٹیشن کا واقعہ کسی اخبار سے پڑھ کر سنایا جا رہا تھا تو بعض اہلِ دل فرط تاثر سے رو پڑے، مشکل سے کوئی ایسا تھا جس کی آنکھیں نم نہ ہوں، اس وقت مولانا کی عقیدت و محبت اور ان کے خلوص و للہیت پر اعتماد ایک جزیرہ سا بن کر رہ گیا تھا جس کے چاروں طرف ناراضگی، برہمی و بدنامی کا سمندر پھیلا ہوا تھا جس کی موجیں اس جزیرہ کے کنارہ سے آ کر ٹکراتیں، اور

واپس جائیں، اس جزیرہ پر وہ ہزاروں لاکھوں مسلمان آباد تھے جن کو اب بھی مولانا کے خلوص و للّٰہیت پر اعتماد تھا، اور جو اس پر ایمان رکھتے تھے کہ مولانا سے تمام اصحاب اجتہاد کی طرح خطاء اجتہادی تو ممکن ہے، لیکن خود غرضی، موقع پرستی، سربلندی اور قیادت کی خواہش حب جاہ وہ چیزیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے مولانا کو بہت بلند کردیا ہے، لکھنؤ میں ہمارا مکان بھی اس جزیرہ پر واقع تھا، اور چونکہ لکھنؤ اس قومی تحریک کا بہت بڑا مرکز تھا اس لئے ہمیں بھی ناراضگی کی ان لہروں کا تجربہ کرنے کا موقع ملا۔

آخر وہ دور آیا کہ جن لوگوں نے مسلمانوں کے جذبات میں یہ تحریک پیدا کی تھی، وہ انکو بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنی بنائی ہوئی دنیا میں چلے گئے، مسلمانوں میں سخت مایوسی، مستقبل سے ناامیدی اور اپنے بارہ میں بے اعتمادی اور احساس کمتری رونما تھا، ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا، ہر شخص ایک یتیمی و کسمپرسی کی سی کیفیت محسوس کرتا تھا، اب مولانا اور ان کے رفقاء کی جماعت تھی کہ انہوں نے مسلمانوں میں خود اعتمادی، مستقبل کی طرف سے اطمینان اپنے وطن میں رہنے اور ناسازگار حالات کا مقابلہ کرنے کا عزم پیدا کرنے کی تبلیغ کی شمالی ہندوستان اور بالخصوص یوپی جو ہندوستان کے مسلمانوں کا ذہنی، علمی اور سیاسی مرکز ہے مسلمانوں کی قسمت اور ان کے قیام کا انحصار یوپی کے مغربی، سرحدی اضلاع (سہارنپور مظفر نگر، میرٹھ) کے برقرار رہنے اور مسلمانوں کے اپنی جگہ قائم رہنے پر تھا، سہارنپور جو یوپی اور مشرقی پنجاب کا درمیانی ضلع ہے، اکھڑ جاتا تو مسلمانوں کا کسی ضلع میں باقی رہنا مشکل تھا سہارنپور اور اس کے متصل اضلاع میں مقامی حالات اور مشرقی پنجاب کے قرب کی وجہ سے ترک وطن اور انخلاء کی طاقتور تحریک اور رجحان پایا جاتا تھا، علماء دیوبند اور سہارنپور کا یہ بڑا احسان ہے کہ ان حضرات نے ترک وطن کی تحریک و ترغیب کا سختی سے مقابلہ کیا اور اس کو دینی و سیاسی حیثیت سے مسلمانوں کیلئے اقدام قتل کا مرادف بتلایا اور مسلمانوں کے رو کنے اور ان کے قدم جمانے کی سخت جد و جہد کی، اس میں بھی مولانا کا بہت بڑا حصہ تھا، خود ان کے قیام نے

پھران کی ایمان آفرین تقریروں نے ان اضلاع کے مسلمانوں میں دینی روح اور نیا حوصلہ پیدا کر دیا، ترک وطن کا سلسلہ رک گیا، بہت سے لوگوں کو میری طرح یہ احساس ہوگا کہ مولانا کی صحت زیادہ جدوجہد کے لائق ہوتی، ماحول اور رفقاء کچھ بھی مساعد ہوتے اور خلاف توقع حالات و واقعات نے طبیعت کو افسردہ اور دل کو شکستہ نہ کر دیا ہوتا تو مولانا اب بھی اسی عزم اور طاقت کے ساتھ اس بدلے ہوئے دور کی رہنمائی کرتے اور وقت کے غلط رجحانات کا مقابلہ کرتے ؎

ولو أنّ قومی انطقتنی رماحهم نطقت ولکنّ الرماح اجرّت

جوانی کی بہترین طاقتیں اور قلب و دماغ کی پوری توجہات اور ہمت قلبی انگریزی حکومت کے مقابلہ میں اور انگریزوں کے اخراج پر صرف ہوئی جس کے لئے شیخ الہندؒ کی صحبت اور تجربہ و مطالعہ نے آپ کو تیار کیا تھا، جب نیا انقلاب ۴۷ء اپنے نئے تقاضوں اور عذر توں کے ساتھ آیا تو وہ عمر کے انحطاط، قویٰ کے اضمحلال اور مصروفیتوں کی زیادتی کا زمانہ تھا اور عام طور پر یہ خیال غالب تھا کہ مسلمانوں کا اس ملک میں کسی نہ کسی طرح رہ جانا ہی ایک بڑی کامیابی اور فتحمندی ہے، اب یہ ان لوگوں کی خدمت و عزیمت کا زمانہ ہے، جو اس انقلاب کے دوربین اثرات سے واقف ہیں اور علمی و فکری طور پر اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔

ایک جامع فضائل ہستی کے بارہ میں یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہوتا ہے کہ اس کے فضائل و کمالات میں مرکزی اور نمایاں صفت کون سی ہے، جس کو اس کی شخصیت کی کلید قرار دیا جائے، اور جس سے اس کی زندگی اور خصوصیات کو سمجھنا آسان ہو جائے مولانا کو بہت سے لوگ، ایک عالم اور محدث کی حیثیت سے جانتے ہیں بہت سے لوگ ایک شیخ طریقت اور سالک کی حیثیت سے جانتے ہیں، بہت سے لوگ ایک سیاسی رہنما اور مجاہد کی حیثیت سے جانتے ہیں اور اسمیں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپکی ذات کو ان سب فضائل سے آراستہ کیا ہے۔ لیکن میری کوتاہ نظر

ہیں دو صفتیں آپ کی زندگی میں کلیدی حیثیت رکھتی ہیں جنھوں نے آپ کو اپنے معاصرین میں ممتاز بنایا ہے، ایک عزیمت، دوسرے حمیت، عزیمت کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا، کہ آپ نے علماء و اہل درس کے حلقہ سے باہر قدم نکالا اور اس مسئلہ کی طرف توجہ کی جو وقت کا اہم مسئلہ تھا، اور عین انگریزی حکومت کے عروج کے زمانہ میں اعلان حق کرکے کلمۂ حق عند سلطان جائر کے افضل جہاد کا شرف حاصل کیا، مالٹا میں اسیری کے دن گذارے اور ہندوستان کے جیلوں میں برسوں رہ کر سنت یوسفی ادا کی اور دنیا کی عظیم ترین سلطنت کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے، یہاں تک کہ آپ کا مقصد پورا ہوا، پھر یہ عزیمت آپ کی پوری زندگی میں نمایاں ہے، فرائض کی ادائیگی، نوافل و مستحبات کی محافظت، مخالف ماحول میں معمولات کی پابندی اس زمانہ میں بڑی استقامت ہے، دعوتوں کے ایفاء، دور دراز جلسوں اور اجتماعات میں شرکت اور اس کے لئے ہر طرح کی صعوبتیں برداشت کرنا مستقل عزیمت ہے، پھر اس سب کے ساتھ دار الحدیث کے اسباق کی پابندی اور کتابوں کی تکمیل ایک مستقل مجاہدہ مہمانوں کی میزبانی اور مختلف الطبائع اشخاص کے ساتھ معاملہ اور ان کی مزاجی خصوصیات کا تحمل مستقل جہاد، پھر مریدوں کی تربیت اور نگرانی، کثیر التعداد خطوط کا جواب دینا اور سب اس ضعف و پیری اور مصروفیت میں یہ سب آپ کی غیر معمولی عزیمت و علو ہمت کی دلیل ہے، حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں ان اللہ یحب معالی الامور و یکرہ سفاسفھا پر عمل کرکے دکھا دیا۔

حمیت آپ کی کتاب زندگی کا نہایت روشن عنوان ہے، اسی حمیت نے انگریزوں کی مخالفت کا جذبہ پیدا کیا، جس کی آسودگی اس وقت تک نہیں ہوئی، جب تک کہ انگریز اس ملک سے چلے نہیں گئے۔ تحریک خلافت اور جمعیۃ علماء کی جد و جہد میں یہی روح کام کر رہی تھی، اور یہی آپ کو سدا جوان، مستعد و سرگرم رکھے ہوئے تھی، اور اسی نے سیکڑوں، ہزاروں آدمیوں کو متحرک بنا رکھا تھا، یہی حمیت تھی جس نے آپ سے مہینوں دشمن اسلام طاقتوں کے

خلاف قنوت نازلہ اس جوش و زلزلہ کے ساتھ پڑھوائی کہ معلوم ہوتا تھا کہ محراب میں شگاف پڑ جائیں گے، اور الفاظ نہیں ہیں بلکہ شرارے ہیں، جو آپ کے دل سے نکل رہے ہیں یہی حمیت ہے جو کسی منکرِ شرعی اور خلاف سنت فعل کو آپ دیکھنے کے روادار نہیں اور جس کی حرارت اور آنچ پاس بیٹھنے والوں کو اکثر محسوس ہوتی، جن لوگوں نے آپ کے اس جذبہ کو پہچان لیا ہے، اور سمجھ گئے ہیں کہ حمیت آپ میں کس قدر کوٹ کوٹ کر بھری ہو وہ بعض اوقات اس سے غلط فائدہ اٹھا لیتے ہیں، اسی طرح مولانا کی شرافت و مروت سے جو آبائی ورثہ اور سادات کرام کا شیوہ ہے بہت سے لوگ غلط فائدہ اٹھا کر آپ کے مخلص محبین اور نیاز مندوں کے لئے شرمندگی کا باعث بنتے ہیں اور اپنی اغراض برآری کر کے اپنی ہوشیاری اور موقع پرستی کا ثبوت دیتے ہیں اور مولانا کی ذات کو نقصان پہنچاتے ہیں افسوس یہ تھا کہ ایک ایسی جلیل القدر شخصیت کے حقیقی مقام اور اس کے علمی و عملی کمالات و محاسن کے معلوم کرنے کے ذرائع مفقود تھے جو لوگ صحبت سے محروم رہے یا بعد میں آئینگے ان کے لئے یہ جاننے کا کوئی موقع نہ تھا، کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو کیسی جامعیت علمی استحضار مسائل و سلوک و تصوف پر نگاہ اور علمی رسوخ عطا فرمایا ہے، اس کا اندازہ نہ آپ کی عوامی تقریروں سے ہو سکتا ہے، نہ آپ کے سیاسی مقالات و رسائل اور خطباتِ صدارت سے بلکہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ یہ خطبات اور رسائل آپ کی ذات کے متعلق غلط فہمی اور کوتاہ نظری پیدا کرنے کا باعث ہوں اسلئے کہ آپ کی ذات اس سے کہیں زیادہ جامع اور وسیع ہے جیسی آثار علمیہ و سیاسیہ میں نظر آتی ہے، صدیق محترم مولانا نجم الدین اصلاحی نے مولانا سے محبت و عقیدت رکھنے والوں پر بڑا احسان کیا اور آنے والے مورخین سوانح نگاروں کی بڑی مدد فرمائی کہ مولانا کی ان خصوصیات سے بلا واسطہ اور باوثوق طریقہ پر واقف ہونے کا ایک ایسا ذریعہ پیدا کر دیا جس سے زیادہ مستند اور یقینی ذریعہ عرصہ تک کی... رفاقت صحبت کے بعد کوئی اور نہیں ہو سکتا، مولانا کے مکتوبات کا مجموعہ اس وقت تک

مولانا کی شخصیت و سیرت اصلی خیالات و افکار حقیقی ذوق و مزاج اور دینی و علمی خصوصیات کا سب سے زیادہ جامع مرقع ہے جو منظر عام پر آیا ہے، پہلے ہی حصہ سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس کی اشاعت مولانا کے صحیح تعارف کے لئے بہت ضروری تھی اور میں نے جامع کتاب کو اس مجموعہ کی اشاعت پر مبارکباد دی، دوسرا حصہ ابھی پریس ہی میں ہے میں اسکے مطالعہ سے مشرف نہیں ہو سکا لیکن مجھے توقع ہے کہ وہ بھی کافی ذخیرہ پر از معلومات اور شریعت و طریقت کے بہت سے علوم و حقائق پر مشتمل ہوگا، میری یہ بھی تمنا تھی کہ یہ حصہ معاصر اشخاص اور وقتی تاثرات کے تذکرہ سے بھی خالی ہو کہ اس چمن کا بے خار ہونا باغبان کی شہرت اور گلچین کی قسمت دونوں کے لئے بہتر تھا۔

اس مقدمہ کی تحریر کے بعد اپنی ایک پرانی عربی تحریر یاد آئی، جو غالباً ۴۱ء-۴۲ء کے لگ بھگ لکھی گئی ہوگی، دارالعلوم کے طلبہ نے عربی کا ایک رسالہ "الاخلاق" کے نام سے نکالا تھا، اس کا وہ مولانا "حسین احمد نمبر" نکالنا چاہتے تھے، انہوں نے اس ناچیز سے بھی اس کے لئے کچھ لکھنے کی فرمایش کی، یہ فرمایش چونکہ دل کی خواہش کے مطابق تھی بغیر کسی تکلف و تکلیف کے ایک مضمون عربی میں لکھ کر ان کو بھیجدیا گیا، جس کا عنوان تھا صلتی بمولانا حسین احمد المدنی صفحۃ من صفحات حیاتی (مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے میرا تعارف و تعلق اپنی تاریخ کا ایک ورق) یہ نمبر نکلنے کی تو شاید نوبت نہیں آئی، مگر اس بہانہ سے وہ مضمون لکھ لیا گیا، اس میں اپنے دیوبند جانے اور وہاں کے قیام کے تاثرات اور مولانا کی شخصیت کے جو نقوش قلب و دماغ پر مرتسم ہوئے تھے ان کو اجاگر کیا گیا ہے جی چاہا کہ اس کا آخری پیراگراف یہاں بھی نقل کر دیا جائے۔ اس لئے کہ بحمد اللہ اب بھی اس میں ایک نقطہ کی ترمیم کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

اما الشیخ فلا ازال علی صلتہ بہ — مولانا سے بحمد اللہ میرا ربط و تعلق قائم ہے

واجدد العهد بأنفاسه ومجالسه
واتفق لي بعد ذلك ان صحبته
في السفر فانكشفت لي ناحية
مهمة من نواحي الحياة
الانسانية وقرأت صفحة
جديدة من صفحات حياته
أطالها الله والانسان
في السفر غيره في الحضر
ولكني رأيته في بيته بل
واجمل نزاهة اخلاق
وعفة بطن، وعلو همة
وشهامة نفس، وصبرا
يعرف السآمة والملل وهمته
لا تعرف الفتور والكسل
سهر في طاعة ويقظة في شغل
ونومة في اعتدال واكلة في
اقتصاد وحياة كلها جد و
اجتهاد وتضحية وجهاد

اور مجھے انکے انفاس و مجالس سے استفادہ
کے مواقع وقتاً فوقتاً ملتے رہتے ہیں، مجھے
انکے ساتھ سفر میں رہنے کا اتفاق ہوا تو
انسانی زندگی کا ایک اہم گوشہ بھی سامنے
آگیا، اور میں نے ان کی مبارک زندگی کا
نیا ورق بھی مطالعہ کیا۔ انسان اکثر سفر
میں اس سے مختلف نظر آتا ہے جیسا قیام
کے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے، لیکن میں نے
انکو سفر میں ویسا ہی پایا جیسا وہ گھر میں
نظر آتے ہیں، بلکہ کچھ بڑھا ہی ہوا پایا، پاکیزہ
اخلاق، محتاط و خوددار، بلند ہمت و عالی حوصلہ
ایسے جفاکش کہ اکتانا اور گھبرانا جانتے
نہیں، ایسے جوان ہمت کہ سستی اور کسلمندی
کے پاس نہیں جاتے، بیدار ہوں تو طاعت
اور کام میں مشغول آرام فرمانا کھانا تناول
فرمانا سب بقدر ضرورت ان کی زندگی
مسلسل جد وجہد اور سراپا قربانی و
مجاھدہ ہے۔

ابوالحسن علی لکھنو

۱۴/صفر ۷۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بلاشبہ اِس اُمّت میں فتنے بہت آئے اور آرہے ہیں۔ خیرالاُمم کا درجہ بھی اُونچا تھا اور امتحان بھی شدید ہوتا رہا۔ اگر اِس قسم کے فتنے جیسے اس اُمّت میں آئے کسی سابق اُمّت میں ہوتے تو اُسی وقت وہ اُمّت دُنیا سے مِٹ جاتی۔ یہ دینِ اسلام اور دینِ محمدؐ کی خصوصیت تھی کہ جنگِ جمل و جنگ صفین، واقعۂ حرہ، دیرالجماجم، واقعۂ کربلا وغیرہ جیسے دردناک حوادث پیش آئے لیکن اسلام کا یہ قلعہ ان سَیلابوں سے ذرّہ بھر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا اور اسلام کے عساکر و افواج کا سَیلاب مشرق سے مغرب تک اپنی پُوری شوکت کے سَاتھ پھیلتا چلا گیا اور باطل و کُفر کے تمام قلعے مسمار ہوتے چلے گئے اور خس و خاشاک کی طرح بہتے چلے گئے۔

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ	سو وہ جھاگ تو جاتا رہتا
جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ	ہے سوکھ کر اور وہ جو کام
النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى	آتا ہے لوگوں کے سو باقی
الْاَرْضِ ؕ {سورۂ رعد آیۃ ۱۷}	رہتا ہے زمین میں۔

بہرحال حق و باطل کا معرکہ ہر دَور میں گرم رہا، فرق صرف اتنا ہے کہ عہدِ نبوّت کے قُرب کی وجہ سے اُمّتِ اسلامیہ کے عقائد پختہ تھے

اسلامی عملی زندگی کے آثار و نشان سب قائم تھے، فتنوں کا سیلاب آیا اور چلا گیا یا مضمحل ہوگیا، اسلام بخیر رہا۔ لیکن اُمّتِ محمّدیہ کے ان قرونِ اخیرہ میں نہ تو وہ عقائد کی پختگی رہی، نہ عام نسلِ اسلامی کو وہ عملی زندگی و اسلامی معاشرہ نصیب ہوا جو قرونِ سابقہ کو نصیب تھا۔ خاص کر برطانوی عہدِ حکومت میں خصوصًا ۱۸۵۷ء کے بعد بڑی دانائی سے اسلامی اقدار، اسلامی معاشرے کی بنیادوں کو ہلایا گیا۔ کچھ فتنے تو خود حکومت نے قائم کئے، کچھ فتنے حکومت کی سرپرستی میں قائم ہوئے۔ کچھ فتنے حکومت کی جدید تعلیم نے پیدا کئے۔ الغرض ان فتنوں کے اثرات دُور دُور تک پھیل گئے۔ فتنے کا سب سے خطرناک رُخ وہ ہوتا ہے کہ اسلام کا نام لیکر اُٹھے اور اسلام کی خدمت کے عزم سے ظاہر ہو اور اس میں جاذبیت ہو مظاہر عمدہ ہوں، کچھ باتیں بہت ہی عمدہ ہوں، کچھ پہلو بہت مفید ہوں تحریرات میں اچھی خاصی افادیت ہو، تقریروں میں معنویت ہو۔ اس کے مؤثر و نافع پہلوؤں کو دیکھکر لوگ متاثر ہوں۔ یہ فتنے زیادہ تر اُن حضرات سے اُٹھتے ہیں جو کہ اچھی خاصی ذہانت کے مالک ہوتے ہیں۔ بڑی حد تک سنجیدگی سے آراستہ ہوتے، صحافت و انشاپردازی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ لیکن نہ تو اُن کی علمی تربیت کامل ہوتی ہے نہ اسلامی منابع اور سرچشموں سے پُوری سیرابی ہوتی ہے۔ نہ کسی مستند درسگاہ سے مستفید ہوتے ہیں نہ صحیح اربابِ علم کے صحبت یافتہ ہوتے ہیں۔ زیادہ تر مدار مطالعہ پر ہوتا ہے۔ نہ اربابِ قلوب سے قلبی تعلق و رابطہ ہوتا ہے

جس کے ذریعہ قلب میں تقوٰی وخشیتِ الٰہی کا بیج بویا جائے۔ بلکہ اگر سوءِ اتفاق سے ذہنی الحاد میں مبتلا اصحاب کی صحبت نصیب ہوجاتی ہے تو دماغ میں ایسا عُجب وکبر پیدا ہوجاتا ہے کہ ان علماءِ حق کو جاہل وبے عمل سمجھ جاتے ہیں بلکہ اُن سے نفرت پیدا ہوجاتی ہے اور اس مرحلے پر پہنچ کر اربابِ حق سے استفادہ کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ جب ان کے اتباع پیدا ہوجاتے اور مداح پیدا ہوجاتے ہیں اور رفتہ رفتہ اِن میں حُبِّ جاہ کا مرض پیدا ہوجاتا ہے اور اپنی شخصیت اور عالمی شہرت کیلئے مؤثر تدبیریں اختیار کرتا رہتا ہے اور کامیابی بھی حاصل ہوجاتی ہے اس مقام پر پہنچ کر " اَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْئَتُہٗ " کی عبرت ناک صورت پیدا ہوجاتی ہے۔ پھر کوئی نصیحت یا تنقید کارگر نہیں ہوتی۔ یہ وہی مقام ہے جہاں پہنچ کر تمام اصلاحی تدابیر ناکام ہوجاتی ہیں۔

میرے خیال میں دورِ حاضر میں جناب مودودی صاحب کی شخصیت اور اُن کی تحریک اور اُن کے کارناموں سے جو عظیم فتنہ اُمت میں پیدا ہوا ہے وہ پُورا پُورا اس بیان کا مصداق ہے جس کا نقشہ سطورِ بالا میں کھینچا گیا ہے۔ اور پھر مادّی وسائل سے اپنی تحریک کو پروان چڑھانے کا جو موقع اُن کو مِل گیا ہے اس پر مستزاد۔ ایسے حضرات پر تنقید کرنے کیلئے جن صفات کی ضرورت ہے وہ حسبِ ذیل ہیں:۔

الف:۔ علم صحیح وپختہ ہو، علومِ نبوّت سے سیرابی حاصل ہو۔

ب:۔ اربابِ قلوب کی صحبت اور تعلق کی وجہ سے تقوٰے و

خشیت سے آراستہ ہو کہ جو کہے تو مقصود رضاءِ الٰہی ہو۔

ج :۔ ایمان میں دینی حمیت و دینی حرارت اور دینی حماست حُبّ فی اللہ بغض فی اللہ کا کمال ہو کہ جب دینی ضرورت پیش آئے خاموش نہ ہو۔

د :۔ ذکاوتِ طبع سے آراستہ ہو کہ اپنی طبعی ذکاوت سے باریک سے باریک لغزش اور اُس کے بُرے انجام کو سمجھ سکتا ہو۔

ھ :۔ قلب میں اتنی قوّت ہو کہ اظہارِ حق کی وجہ سے عوام کے طعن و تشنیع سے متأثر نہ ہو۔

و :۔ طبیعت میں عدل و انصاف ہو تاکہ تنقید میں جادۂ اعتدال سے باہر نہ ہو۔

ہمارے خیال میں ان نفوسِ قدسیہ میں جو شخص ان صفات کا مالک تھا وہ اپنے عصر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تھے۔ موصوف سے جب جب سوالات ہوتے رہے یا کوئی دینی ضرورت پیش آئی وقتاً فوقتاً اپنے مکاتیب میں ان افکار کا اظہار فرماتے رہے۔ ان مکاتیب میں سب سے طویل مکتوب جو ۱۹ نمبروں پر مشتمل ہے وہ ہے جو جماعتِ اسلامی کے امیر جناب مولانا ابو اللیث کے نام ہے۔ جس میں نہایت تفصیل کے ساتھ ان نتائج و عواقب کا بیان ہے جو مودودی صاحب کے لٹریچر میں موجود ہیں۔ مولانا سید صبغۃ اللہ بختیاری کے نام مکتوب میں صراحت سے فرمایا ہے :۔

"میں مودودی صاحب اور اُن کے لٹریچر اور ان کی جماعت

کو سخت گمراہ اور ضالّ و مضلّ سمجھتا ہوں "۔

الغرض حضرت رحمہ اللہ نے اپنے مکاتیب میں اپنے تمام مخلصین کو آگاہ کر دیا تھا کہ جدید نسل کے لئے کیا کیا مضر اثرات یہ لٹریچر پیدا کر سکتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی حجّت اس طرح پوری ہو جائے اور دین اسلام کے حقائق منکشف ہوں اور کوئی التباس باقی نہ رہے۔

محدّثِ عصر، مسندِ وقت حضرت مولانا محمّد زکریا صاحب صدیقی شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی خواہش پر مکتوبات حضرت شیخ الاسلام کی چاروں جلدوں میں سے وہ مکاتیب جو فتنہ کی نشاندہی کرتے ہیں، اُن کو نکال کر مستقل ایک رسالہ کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ بلاشبہ یہی ان نفوسِ قدسیہ کی فراستِ ایمانی کا نور ہے جس سے اتنا جلد اس فتنے کا احساس ہوا اور اس کے بُرے عواقب و خطرناک نتائج کو تاڑ گئے۔ بہت چیزیں وہ ہیں جو بعد میں مودودی صاحب کے قلم سے ایسی خطرناک نکلی ہیں جن میں کسی تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

"خلافت و ملوکیت" میں حضرات صحابہؓ کا بغض، خصوصًا حضرت سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جس طرح اُن کے بے لگام قلم نے جو خیال میں آیا لکھ ڈالا اور اس مقام پر پہنچ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غالی شیعہ یہ زہر افشانی کر رہا ہے۔ اور ترجمان القرآن میں وہ خطرناک عقیدہ ظاہر ہوا جس سے تمام دین حکمتِ عملی کے ماتحت ختم ہو سکتا ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ سوائے توحید و رسالت وغیرہ عقائد کے علاوہ تمام دین کے

احکام حکمتِ عملی اور مصالح کی وجہ سے بدل سکتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کا آخری رفیق مولانا امین احسن اصلاحی بھی ان سے کٹ گیا اور بہت کچھ اس کی تردید میں لکھا۔ راقم الحروف نے "الاستاذ المودودی" ۱ میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس کے خطرناک نتائج سے اُمّت کو واقف کر دیا ہے۔

میرے حضرت والد محترم مولانا سیّد محمّد زکریا صاحب رحمہ اللہ کی کتاب علمی مقالات حصّہ اوّل کے صفحہ ۵۶۵ تا ۵۶۷ کا ایک اقتباس نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:-

"ماہنامہ الفرقان ماہ شعبان ۱۳۷۷ھ میں مولانا منظور نعمانی مدظلہ العالی صفحہ ۵۴ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے (مودودی صاحب نے) خود جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں یہ بات کہدی ہے۔ نیز یہ تماشہ دیکھکر کہ ایک ہی گفتگو میں ایک موقع پر مصلحت کے لحاظ سے اسلام کے اصولوں میں ترک و استثناء کو حکمتِ دینی سے تعبیر کرتے ہیں اور معًا دوسرے موقع پر جب ضرورت کا تقاضہ اس کے برعکس ہوتا ہے تو وہ مصلحت اندیشی کے تصوّر سے بھی کانوں پر ہاتھ رکھنے لگتے ہیں۔"

تازہ چیزیں دیکھکر ہمیں وہ پُرانی بات یاد آئی اور یقین ہو گیا کہ وہ اسی نیت کے ماتحت تھی جو یہاں بالکل صاف اور شبہ سے بالاتر ہے ہاں اس اُمّت کی بدقسمتی، کبھی یہ خیال بھی نہیں ہوتا تھا کہ مولانا مودودی

صاحب کے متعلق بھی کہنا پڑے گا ع

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

جماعتِ اسلامی نے جماعت کی دینی حالت کا جائزہ لینے کے لئے جو ایک کمیٹی پچھلے دنوں مقرر کی تھی جس کی رپورٹ ہی جماعتِ اسلامی پاکستان کے موجودہ خلفشار کا باعث ہوئی۔ غالباً اواخر ۱۳۵۶ھ میں مجلسِ شوریٰ کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ جماعتِ اسلامی کی دینی اور اخلاقی حالت بہت پست ہے، بلکہ خود مولانا مودودی کا تأثر اس کے متعلق یہ تھا کہ یہ غلاظت کے ایک ٹوکرے کی شکل میں نظر آتی ہے...... تو شوریٰ کے ایک گروپ نے جو رپورٹ کی مخالفت میں مودودی صاحب کا ہمنوا تھا مولانا امین اصلاحی کے الفاظ میں اس رپورٹ پر یہ تبصرہ کیا کہ صحابہؓ کے زمانہ میں بھی کوئی جائزہ کمیٹی بیٹھتی تو وہ بھی اسی طرح کی رپورٹ پیش کر دیتی جس طرح کی رپورٹ جائزہ کمیٹی نے پیش کی ہے .... ذرا اندازہ کیجئے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی کے حسین تخیّل کو غیر واقعی قرار دینا کتنا لرزہ خیز نتیجہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کو بے تکلف اپنی سطح پر لایا جانے لگا۔ کیا ایسا ذہن پیدا ہو جانے کے بعد اس جماعت سے صحیح معنیٰ میں دینی انقلاب کی کوئی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ رفتہ رفتہ جماعتِ اسلامی کا ذہن یہ بنتا جا رہا ہے کہ دین کو اور دین کے تقاضوں کو اگلوں نے صحیح نہیں سمجھا، اب بس مودودی صاحب نے صحیح سمجھا ہے...... اور ظاہر ہے کہ فہمِ دین کے بارے میں سلف سے بے اعتمادی ساری گمراہیوں اور سارے

فتنوں کی جڑ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے مکاتیب میں اُس وقت تک جو چیزیں پریس میں آ گئی تھیں اُن کا خلاصہ اِن مکاتیب میں آپ کے سامنے آئے گا۔ اِس وقت بہت عجلت میں یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں کہ سفر حرمین شریفین کیلئے پا بہ رکاب ہوں ورنہ جی چاہتا تھا کہ زیادہ روشنی ڈالتا۔ وَاللہُ سُبْحَانَہٗ وَلِیُّ الْھِدَایَۃِ وَبِیَدِہِ التَّوفِیق

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

شب سہ شنبہ ۱۴ ر رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ

بوقت ۱۱ بجے :

ملنے کے پتے

مکتبۃ امدادیۃ باب العمرۃ مکۃ المکرمۃ

مکتبۃ امدادیۃ باب المجیدی مدینۃ المنورۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حَامِدًا وَّ مُصَلِّیًا وَّ مُسَلِّمًا

حضرتِ اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی کا معمول کئی سال سے یہ ہے کہ عصر کے بعد کی مجلس میں اکابر کا کوئی مضمون یا سوانح سُنا کرتے ہیں اور بار بار فرماتے ہیں کہ باتیں تو مجھے آتی نہیں، یہ لوگ بے چارے آکر خالی مزاج پُرسی کر کے یا میرا مُنہ دیکھکر چلے جاویں، مجھے تو ضعفِ بصارت کی وجہ سے ان کا مُنہ بھی نظر نہیں آتا، اس سے یہ اچھا ہے کہ اکابر کے جواھر پاروں میں سے ان کے کچھ کان میں پڑ جائے۔ دو سال سے مکتوباتِ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، صدر جمعیۃ العلماء ہند، و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، ہو رہے ہیں۔ اس دوران میں کبھی کوئی وقتی رسالہ "بیّنات" یا "الرشید" ساہیوال، یا "البلاغ" کراچی یا کوئی اور رسالہ آجاتا ہے تو دو ایک دن کو اس کو بند کر کے وقتی طور پر وہ سُن لیا جاتا ہے۔ دو سال سے مکتوبات کا سلسلہ چل رہا ہے۔ کئی دفعہ احباب نے اصرار کیا کہ مودودی کے متعلق مضامین بہت منتشر اور طویل خطوط میں کچھ جملے ہیں، یہ ایک جگہ طبع ہو جائیں تا کہ حضرت کے خیالات معلوم کرنے کے جو لوگ متمنی ہیں اُن کو یکجا مل جائیں۔

فقط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

{ یوم السبت ۳؍ صفر ۱۳۹۴ھ کو ظہر، عصر کے درمیان اقدام عالیہ
میں بیٹھکر مکتوبات کی نقل شروع کی۔ نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم ۔ }

① مکتوب بنام امیر جماعت اسلامی ہند

در مجلسِ خود راہ مدہ ہمچو منے را　　افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

محترم المقام زید مجدکم　　السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

والا نامہ باعثِ سرفرازی ہوا۔ اس سے پہلے دعوت نامہ پہنچا تھا۔ اجلاس سالانہ جمعیۃ کے سر پر آجانے کی وجہ سے میری مصروفیتوں کا عُذر جناب نے صحیح طور پر اندازہ کیا۔ مگر اس کے علاوہ اور بھی ایسے ہی یا اس سے زائد قوی اعذار اِس وقت در پیش ہیں۔ مثلاً دارالعلوم کا سالانہ امتحان ہے جو کہ رجب کی آخری تاریخوں سے شروع ہوکر ۲۳۔۲۴ شعبان پر ختم ہوتا ہے۔ نیز دارالعلوم کے تعلیمی سال کا اختتام ہے جس میں کتب مفوّضہ بخاری شریف اور ترمذی شریف کا ختم کرانا ہے۔ جس کو ۲۷، ۲۸؍ شعبان تک انجام دینا ہے۔ یہ اُمور علاوہ ان اُمور کے

مخدومی۔ السلام علیکم۔ اُمید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔

جماعتِ اسلامی کے سالانہ اجتماع میں آنجناب کی شرکت کے لئے ایک دعوت نامہ کئی روز ہوئے ارسال خدمت کیا گیا تھا۔ اب تک یہ معلوم نہ ہوسکا کہ آپ نے اسے قبول فرمایا یا نہیں جمعیۃ علماء کے سالانہ اجتماع کی وجہ سے آنجناب کی مصروفیتوں کا بخوبی اندازہ ہے۔ لیکن ان دونوں اجتماعات کی تاریخوں میں اتنا تفاوت ہے کہ آپ تھوڑا سا وقت ہمیں بھی مرحمت فرمائیں گے

ہیں جو کہ تمام سال میں انتہائی مصروفیتوں کے باعث ہوتے ہیں۔ جن موٹی موٹی سرخیوں والے اشتہارات کو آنجناب ذکر فرماتے ہیں اُن کا مجھ کو آپ کے والا نامہ سے پہلے کوئی علم نہ تھا۔ صرف سہارن پور سے ایک رسالہ مسمّٰی بہ "کشفِ حقیقت" یعنی 'تحریکِ مودودیت اپنے اصلی رنگ میں' ایک صاحب نے بھیجا تھا اُس کا البتہ علم ہوا تھا۔

محترما! میرا پہلے یہ خیال تھا کہ آپ کی تحریکِ اسلامی مسلمانوں کی علمی اور عملی، دُنیاوی اور دینی کمزوریوں اور اُن کے انتشارات کو دُور کرنے اور مسلمانوں کو منظم کرنے تک ہی محدود ہے، اگرچہ طریقِ تنظیم میں اختلاف رائے ہو۔ اس لئے میں نے اس کے خلاف آواز اُٹھانا یا تحریر کرنا مناسب نہ سمجھا تھا اگرچہ افرادِ جماعت اور قائدِ جماعت کی طرف سے بسا اوقات ناشائستہ کلمات تقریراً اور تحریراً معلوم ہوئے۔ مگر ان سب سے چشم پوشی کرنا ہی انسب معلوم ہوا۔ مگر آج جبکہ میرے سامنے اطراف وجوانبِ ہندو پاکستان سے آنے والے مودودی صاحب کی تصانیف کے اقتباسات کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور پانی سر سے گذر گیا ہے تو میں ان کے دیکھنے اور سمجھنے سے مندرجہ ذیل نتیجہ پر پہنچنے میں اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں۔

ہمارا اجتماع انشاء اللہ ۲۰/ اپریل سے شروع ہوگا۔ آنجناب سے ملنے کا اشتیاق تو بہت عرصہ سے ہے چنانچہ اس سلسلہ میں میں نے خط وکتابت بھی کی تھی لیکن بدقسمتی سے آپ اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے اُس وقت کوئی وقت نہیں دے سکے۔ اس کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے ذریعہ وقت کے تعین کی خواہش کی تھی۔ لیکن اُس موقع پر بھی مُلاقات کی کوئی سبیل پیدا نہ ہو سکی ...... بہر حال میں متعدد مسائل پر تبادلۂ خیال کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہا ہوں اور بہت سے

آپ کی تحریکِ اسلامی، خلافِ سلفِ صالحین، مثل معتزلہ، خوارج روافض، جہمیہ وغیرہ فرقِ قدیمہ اور مثل قادیانی، چکڑالوی، مشرقی، نیچری مہدوی، بہائی وغیرہ فرقِ جدیدہ ایک نیا اسلام بنانا چاہتی ہے اور اسی کی طرف لوگوں کو کھینچ رہی ہے۔ وہ ان اصول وعقائد واعمال پر مشتمل ہے جو کہ اہلِ سنّت والجماعت اور اسلافِ کرام کے خلاف ہیں۔

(۱) وہ تفسیر بالرائے کی قائل ہے۔ ہر وہ پروفیسر جو کہ ملحدانِ یورپ اور ان کی نئی روشنی کا حامل اور تھوڑی بہت عربی زبان سے واقف ہے اس کے نزدیک یہ حق رکھتا ہے کہ اپنی رائے اور مذاق سے تفسیر کر کے مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ بنے۔ اور یہی آپ کے یہاں ہو رہا ہے۔ خواہ اس کی تفسیر کتنی بھی سلفِ صالحین کے اور اقوالِ صحابۂ کرامؓ کے خلاف ہو۔

حالانکہ سب سے پہلے یہی فتنہ اسلام میں پیدا ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تحکیم پر اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کی تفسیر بالرائے کر کے بارہ ہزار کی جماعت نے بغاوت کی اور علیحدہ ہو گئی۔ اس کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "حَقٌّ اُرِیْدَ بِھَا الْبَاطِلُ"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو سمجھانے کے لئے بھیجا اور فرمایا کہ قرآن ذو وجوہ ہے۔ ان لوگوں کو سُنّت سے

امور میں آنجناب سے کچھ مشورے بھی کرنے ہیں۔ اگر اس اجتماع کے موقع پر آپ تشریف لے آسکیں تو یہ ہماری عزت افزائی کا بھی موجب ہوگا اور یہ پیشِ نظر مقصد بھی حاصل ہو سکیگا۔ لیکن اگر خدا نخواستہ یہ ممکن نہ ہو تو پھر اجتماع حیدرآباد سے واپسی کے بعد آپ مجھے کوئی موقع عنایت فرمائیں تو انشاءاللہ میں خود حاضرِ خدمت ہوں گا۔ اس وقت فوری مسئلہ جس پر میں گفتگو کی سخت ضرورت محسوس کر رہا ہوں وہ دارالافتاء دیوبند کا وہ فتویٰ ہے جو سہارنپور سے مودودی فتنہ کو مٹادو

سمجھانا، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سمجھایا جس پر آٹھ ہزار آدمی تائب ہو گئے۔ مگر چار ہزار اپنی ضد اور رائے پر قائم رہے اور تکفیر اور قتل کا بازار گرم کرتے رہے۔ یہی فرقہ خوارج کے نام سے مشہور اور معروف ہوا۔ اس کے بعد اس تفسیر بالرائے کی وباء اس قدر پھیلی کہ نہ صرف مسئلہ تحکیم میں بلکہ دیگر مسائل میں بھی اپنی آراء کو عمل میں لایا گیا۔ مرتکب کبائر وغیرہ دیگر مسائل میں بہت زیادہ افراط و تفریط جاری ہوئی اور نہ صرف خوارج ہی تک اس کی محدودیت رہی بلکہ فتنہ ہائے معتزلہ، روافض، جہمیہ، کرامیہ، مجسمہ، مرجیہ وغیرہ اسی تفسیر بالرائے کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئے۔ اہل سنت والجماعت ہمیشہ اتباع سنت اور اسلاف صالحین، صحابہ کرامؓ اور افاضل تابعین کو پیشوا اور رہبر بناتے ہوئے اپنی آراء اور مذاق کو انہیں کے رنگ سے رنگ کر فائز المرام ہوتے رہے اور ما أنا علیہ و اصحابی کی سند حاصل کرتے رہے۔ یہی بعینہٖ واقعہ ان ازمنۂ اخیرہ میں پیش آیا۔ نیچریہ، قرآنیہ اتباع چکڑالویہ، قادیانیہ، خاکسار، بہائیہ وغیرہ نے بھی یہی تفسیر بالرائے اور اپنی عقل اور مذاق کو پیشوا بنایا اور نصوص کو اس طرف کھینچنا یا ترک کر دینا اختیار کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی پیش بندی کرتے ہوئے فرما دیا تھا من فسر القرآن برایہ فقد کفر (او کما قال) کیا تعجب کی

مودودی تحریک مہلک اور زہر قاتل ہے، مودودی کے ہم خیال گمراہ ہیں، مودودیوں کے پیچھے نماز نہ پڑھو" کی موٹی موٹی سرخیوں سے شائع ہوا ہے۔ معلوم نہیں یہ فتوی آنجناب کی نگاہ سے بھی گذرا ہے یا نہیں۔ یہ فتوی قدرتی طور پر ان تمام لوگوں کے لئے انتہائی حد تک تکلیف دِہ اور دل آزار ہے جو تحریکِ اسلامی کو حق سمجھ کر اس میں شریک ہوئے ہیں یا اس کو حق سمجھتے ہیں۔ ایسے فتوے کا دارالعلوم دیوبند سے شائع ہونا جہاں آپ جیسے محتاط حضرات ہیں ہمارے لئے انتہائی

بات نہیں ہے کہ وہ صحابۂ کرامؓ اور اُن کے تلامیذ جن کی زبان مادری عربی تھی اور جنہوں نے وحیِ خداوندی کا مشاہدہ کیا تھا، جناب رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وجودِ باوجود اور آپؐ کے اعمال اور سُنن کو دیکھنے والے تھے اور تابعین جو مشاہدینِ وحی کے شاگردِ رشید تھے اُن کی تفسیریں تو بالائے طاق رکھدی جائیں اور اُن کو مردود اور غلط قرار دیدیا جائے اور ان کے مقابلہ میں تیرہ سو برس بعد کے پیدا ہونے والے عجمی اشخاص جن کو زبانِ عربی اور اُس کے ادب اور اصولِ دین وغیرہ میں کوئی مہارتِ تامّہ بلکہ ناقصہ بھی نہ ہو، صرف کیمبرج یا آکسفورڈ یا کسی یونیورسٹی یا کالج کی ڈگریوں اور معمولی عربیت کی بنا پر اُن کی تفسیروں کو معتمد علیہ قرار دیدیا جائے۔ جن لوگوں کی عمریں زبانِ عربی اور علومِ دینیہ میں پڑھتے پڑھاتے گذر گئی ہیں، اُن کی تفسیر کو غلط اور تاریک خیال قرار دیا جائے اور پروفیسرانِ علوم ملاحدہ یورپ کی ستم ظریفیوں کو مُرادِ خداوندی اور مقصودِ الٰہی بتایا جائے۔ کیا کوئی عقلمند یا کوئی قوم اس بات کو روا رکھتی ہے کہ کسی فوجی کالج کے سند یافتہ کو یا انجینیرنگ کالج کے فارغ التحصیل کو اگرچہ ان کی ڈگریاں کتنی ہی اُونچی کیوں نہ ہوں میڈیکل ڈپارٹمنٹ میں کام کرنے اور بیماروں میں معالجہ کو عمل میں لانے کی اجازت دی جائے گی جبکہ وہ کسی میڈیکل کالج کی طبّی سند بھی نہیں رکھتا ہے۔ ہر شخص جانتا

حیرت اور قلق کا موجب ہوا ہے، بالخصوص ایسی حالت میں کہ ان امور کے بارے میں جن پر اس فتوے کی بنیاد قائم کی گئی ہے متعدد بار ہماری طرف سے توضیحات شائع کی جاچکی ہیں اور جن کے بارے میں ذمّہ دارانِ دارالعلوم سے براہِ راست خط وکتابت بھی ہو چکی ہے جس کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ اُمید ہے کہ آنجناب جواب سے جلد مشرف فرمائیں گے۔ والسّلام

ابو اللیث

اور سمجھتا ہے کہ ایسا کرنا انسانوں کو برباد کر دینے کے مرادف ہے اور بجائے نفع رسانی مضرت اور بجائے تعمیر تخریب کا باعث ہوگا۔ یہی حال ایسے مفسّرین کی تفسیر بالرّائے کا ہے کہ سلف الصالحین کی تفسیر اور اصول دینیہ کے خلاف بجائے ہدایت، ضلالت اور گمراہی کی پیش خیمہ ہوگی۔

(۲) ــــ وہ پیغمبر اسلام حضرت خاتم النّبیّین صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنے قیاسات اور اٹکلوں پر چلانے والا ابتلاتی ہوئی تاریخی واقعات کے ذریعہ سے احادیثِ صحیحہ اور حسنہ کو ردّی کی ٹوکری کی نذر کرتی ہے۔ حالانکہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ پیغمبروں کی جملہ تبلیغات کو وحیِ خداوندی قرار دیتی ہیں۔ دُنیاوی مشوروں اور جزئیاتِ یومیہ اور روزمرّہ کی ضروریاتِ زندگی پر اخبار ہائے نبویّہ اور احکاماتِ سماویہ تبلیغیہ کو قیاس کرنا سراسر تلبیس اور مخالفتِ نصوصِ قطعیہ ہے، ابتداع فی الدّین کی کھُلی ہوئی تجویز ہے۔

(۳) ــــ وہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کو سقیم یا صحیح غیر حقیقی المراد روایات کی بنا پر مثل روافض غیر قابلِ وثوق اور ہدفِ ملامت بناتی ہے۔ حالانکہ انہیں کے اعتماد اور ثقاہت پر پیچھے آنے والوں کے لئے اسلام کا مدار ہے۔ اگر معاذ اللہ یہ اوّلین اساتذۂ اسلام غیر قابلِ اعتماد ہوگئے تو تمام عماراتِ دین بالکل ڈھے جائے گی۔ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ نے ان کی جگہ جگہ پر تعدیل کی ہے بے شمار احادیث اور کتبِ سابقہ ان کو معتمد علیہ قرار دیتے ہیں اور

زور دار الفاظ میں اُن کی مدح سرائی کرتے ہوئے تمام انسانوں سے افضل اور اعلیٰ قرار دیتے ہیں۔ اس دروازہ کے کھُلنے سے تمام دینی اصول و فروع ملیا میٹ ہو جاتے ہیں۔

④ ـــــ وہ صحابۂ کرامؓ کی متعدد روایتوں کو خواہ وہ کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہوں اُن کی خوش اعتقادی پر مبنی بتاتی ہوئی واقعیت سے دُور کر دیتی ہے، حالانکہ اِس دروازہ کے کھُلنے سے تمام معجزات اور اعلیٰ ترین اخلاق و اعمالِ نبویہ کی عمارت بالکل کھوکھلی ہو جاتی ہے اور ملاحدہ کو اس سے بڑا کاری ہتھیار ہاتھ آجاتا ہے۔

⑤ ـــــ وہ احادیثِ صحیحہ کے راویوں اور ائمۂ حدیث کو مجروح اور غیر ثقہ بتاتی ہوئی اقوال ضعیفہ یا غیر ظاہر المراد اقوال صحیحہ یا ان جیسے خود غرض اہلِ ہوا دشمنوں کے اقوال کو پیش کرتی ہے۔ مشاہیرِ عالم ائمۂ ثقات کو غیر قابلِ اعتبار قرار دیتی ہے۔ حالانکہ اس سے تمام ذخائرِ احادیث بالکل فنا ہو جاتے ہیں اور لعن آخر ھذہ الامۃ اولھا کا سماں پیش آجاتا ہے۔

⑥ ـــــ وہ تقلیدِ شخصی کو نہایت گمراہی اور ضلالت قرار دیتی ہے، حالانکہ یہ امر آیاتِ قرآنیہ "فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ" "وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ" "وَمَنْ يَّتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ" الآیۃ کی بناء پر فی زماننا (جبکہ اہلِ علم و جامعینِ شروط اجتہاد معدوم ہیں جیسا کہ چوتھی صدی کے بعد سے آج تک احوال اور وقائع بتلا رہے ہیں)

تمام مسلمانوں پر واجب ہے، اور تارک تقلید نہایت خطرہ اور گمراہی میں مبتلا ہے۔ اس سے ایسی آزادی کا دروازہ کھلتا ہے جو کہ دین اور مذہب سے بھی بیگانہ بنا دیتا ہے اور فسق و فجور میں مبتلا کر دینا تو اس کا معمولی اثر ہے۔

(۷) ـــــ وہ ائمۂ اربعہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالک، امام شافعی امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید کو گمراہی اور حرام بتلاتی ہے، حالانکہ یہ ائمۂ کرام اپنے اپنے زمانہ میں آفتاب ہائے ہدایت و تقویٰ اور علومِ دینیہ اور فقہ کے نہایت روشن چراغ اور انابت الی اللہ کے درخشاں ستارے ہیں ان کی تقلیدِ شخصی پر چوتھی صدی کے بعد تمام اُمّتِ مسلمہ کا اجماع ہے۔

(۸) ـــــ وہ ہر پروفیسر اور عامی کی رائے کو آزادی دیتی ہے کہ وہ اپنے مذاق اور اپنی رائے کو عمل میں لائیں اور مسلمانوں کو اس پر چلائیں۔ خواہ اس سے سلف صالحین کے مذاق اور رائے کے کتنا بھی خلاف کیوں نہ ہو۔

حالانکہ منکرین تقلید بھی اس کے مخالف ہیں، ان کو بھی تجربہ کے بعد اس کی مضرتوں کا قوی احساس ہوا ہے۔ مولانا محمد حسین مرحوم بٹالوی جو کہ غیر مقلدوں کے نہایت جوشیلے امام تھے اور عدم تقلید کے زوردار حامی اور ہندوستان میں اس کے پھیلانے والے تھے، اپنے رسالہ اشاعت السنّۃ جلد دوم ۲۰ ص ۵۱، ۵۲، ۵۳ میں لکھتے ہیں:۔

"پچیس ۲۵ برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور تقلیدِ مطلق کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔

ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لا مذہب جو
کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکامِ شریعت
سے فسق و خروج تو آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے۔ ان فاسقوں
میں بعض تو کھلم کھلا جمعہ، جماعت، نماز روزہ چھوڑ بیٹھتے
ہیں۔ سود و شراب سے پرہیز نہیں کرتے اور بعض جو کسی
مصلحت دُنیاوی سے فسقِ ظاہری سے بچتے ہیں وہ فسقِ
مخفی میں سرگرم رہتے ہیں۔ ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح
میں پھنسا لیتے ہیں۔ ناجائز حیلوں سے لوگوں کے مال،
خدا کے مال و حقوق کو دبا رکھتے ہیں۔ کفر و ارتداد و فسق
کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں
کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترکِ تقلید
بڑا بھاری سبب ہے۔" (اھ مختصراً)

جس بے علمی کو مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی مذکور نے ذکر فرمایا ہے وہ تو اس زمانہ میں عام طور پر اہلِ علم میں بھی موجود ہے۔ بالخصوص پروفیسروں اور انگریزی تعلیم یافتہ حضرات میں۔ یہ حضرات تو علومِ اسلامیہ اور فنونِ عربیہ اور ادبِ عربی سے اسی طرح ناواقف ہیں جس طرح عوام مسلمین۔ اور اگر کسی میں قدرے شُد بُد موجود بھی ہے تو وہ بمنزلہ عدم ہے عموماً یہ حضرات اردو فارسی یا انگریزی ترجموں سے کام لیتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے جو لوگ کسی یونیورسٹی میں خواہ ہندوستانی ہوں یا یورپین عربی

کے ایم، اے اور فاضل بھی ہیں، وہ عربی درسگاہوں کے فاضل کے سامنے بمنزلہ طفلِ مکتب ہیں۔ نہ صحیح عبارت عربی کے قواعد کے مطابق پڑھ سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں، نہ بے تکلف بول سکتے ہیں۔ اور اگر بعض چیدہ اشخاص میں ایسی قابلیت بھی پائی جاتی ہے تو وہ ان دیگر علوم سے یقیناً بے بہرہ ہوتے ہیں جن پر اجتہاد فی الدّین کے علاوہ ادبِ عربی کا مدار ہے۔ چنانچہ مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ ایسی صورت میں ان پروفیسروں کو اجتہاد اور ترکِ تقلید کرنا اور اس کی اجازت دینا سراسر دین اور شریعت کی جڑ کھودنا اور ضلالت اور گمراہی کو پھیلانا ہے۔ ہم نے خود اس زمانہ کے مجتہدینِ مطلق کو آزما کر دیکھا ہے۔

(۹) ـــــ وہ طرق تصوّف اور سلوک اور اس کے اعمال کو جاہلیت اور الحاد و زندقہ قرار دیتی ہے۔ اس کو بدھ اِزم اور یوگ بتلاتی ہے حالانکہ یہی طرق اور اعمال ہیں کہ فی زماننا اسلام اور اعمال کی تکمیل اور احسان کے مامور بہ کی تحصیل اور عبودیتِ کاملہ کا استحصال بغیر ان کے اسی طرح غیر ممکن ہے جیسے فی زماننا قرآن کا صحیح پڑھنا بغیر زیر زبر پیش جزم و تشدید اور بغیر تجوید غیر ممکن ہے۔ اور جیسے کہ قرآن و حدیث کا فی زماننا سمجھنا اور بیت عربی کو حاصل کرنا بغیر صرف و نحو معانی و بیان، بدیع و کتبِ لغت غیر ممکن ہے۔ قرونِ اولیٰ کو تلاوتِ صحیح اور فہم معانی میں اِن چیزوں کی حاجت نہیں تھی مگر آج ہم کو بغیر ان کے کوئی کامیابی حاصل ہی نہیں ہوسکتی بلکہ خود ملک عرب اور عراق و شام و مصر کے باشندے بھی (جن کی مادری اور روزمرّہ

کی بول چال عربی ہے) ان علوم کے آج ہماری طرح محتاج ہیں۔ کم وبیش کا فرق دوسری بات ہے۔ اختلاط با لعجم نے ان کو عجمی بنا دیا ہے۔ زمانہ ہائے قدیمہ اور قرونِ اولیٰ میں احسان وعبدیتِ کاملہ قُربِ زمانۂ نبویہ کی بنا پر ان طرق واعمال کی محتاج نہ تھی، مگر آج بغیر ان کے ان مامور بہا کمالات کا حاصل کرنا عادتاً غیر ممکن ہوگیا ہے۔ ان کو یوگ قرار دینا سراسر ظلم اور ناانصافی ہے۔

(۱۰) ـــــــ وہ سلفِ صالحین اور اولیاء اللہ سابقین کی شان میں نہایت زیادہ زبان درازی کرتی ہوئی سخت گستاخانہ لفظ استعمال کرتی اور ان کو عوام الناس میں نہایت ذلیل وخوار کرتی ہے۔ حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے " من آذی اولیائی آذنته بالحرب " اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا " اذکروا موتاکم بخیرٍ " اور تیسری جگہ ارشاد فرمایا " لعن آخر ھٰذہ الامّة اوّلھا " جس سے تحذیر مقصود ہے۔

(۱۱) ـــــــ وہ حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہ العزیز اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ العزیز اور اُن کے اتباع واحفاد اور دیگر ائمۂ ہدیٰ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ اسرارہم ائمۂ طریقت کو مسلمانوں میں افیون اور ضلال وگمراہی کے انجکشن دینے والے اشخاص بتلاتی ہے، حالانکہ یہ وہ اکابر اور اسلافِ کرام ہیں جنھوں نے تمام دُنیائے اسلام میں دین اور سُنّت کو زندہ کیا اور ان کے فیوض وبرکات سے لاکھوں

اور کروڑوں انسانوں کو وصول الی اللہ اور حقیقی تقویٰ کی نعمت حاصل ہوئی ان کے مآثر اور برکات سے تواریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔

(۱۲) ـــــــ وہ مذکورہ بالا مشائخِ طریقت رحمہم اللہ تعالیٰ کو یوگ اور بدھ اِزم اور ضلالت کے پھیلانے والے بتاتی ہوئی اُن کی تذلیل کرتی ہے حالانکہ اعمالِ طریقت خواہ نقشبندیہ کے ہوں یا چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ وغیرہ کے یوگ اور بُدھ ازم سے کوسوں دُور ہیں۔ طریقت کی تعلیم سراسر کتابُ اللہ اور سُنّتِ رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ماخوذ اور توحید اور رسالت کی تعلیم اور جنابِ رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قدم بقدم چلنے کی سخت تاکید ہے۔ جس پر حضرت مجدّد رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب شاھد عادل ہیں۔ دیکھو تصانیف امام ربّانی و تصانیف حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور عوارف المعارف فتوح الغیب وغیرہ۔

(۱۳) ـــــــ وہ علمائے ظاہر اور محافظین علومِ شرعیّہ کی شان میں گستاخی کے الفاظ استعمال کرتی ہوئی عوام کو اُن سے متنفّر کرتی ہے اور اُن کی تذلیل و توہین عمل میں لاتی ہے اور اُن کو غیر قابلِ اعتماد ٹھہراتی ہے اور مسلمانوں کو نئے اسلام اور اُس کے لیڈر کی تقلید اور تابعداری کی طرف لے جاتی ہے۔

حالانکہ اِس پُر آشوب اور پُر فتن زمانہ میں جبکہ فسق و فجور اور الحاد و کفر، ہوا پرستی اور خواہشاتِ نفسانی کا چاروں طرف دَور دورہ ہے خدا اور رسُول سے لوگ دُور ہوتے جارہے ہیں اور شریعت کو پس پُشت

ڈالتے جاتے ہیں ضروری تھا کہ محافظین شرع اور مبلغین دین وہدایت کا وقار عام میں قائم کیا جاتا اور احیائے دین اور اتباع شریعت کی صورتیں پیدا کی جاتیں، عوام کے اذہان میں اس کے برعکس توہین اور تذلیل کو جمانا دین کے مٹانے کے مرادف ہے۔ یہی طریقہ تمام مبتدعہ نے ہمیشہ سے جاری کر رکھا ہے۔ یہی طریقہ نیچریوں، قادیانیوں اور خاکساروں وغیرہ نے کیا، بلکہ مشرقی کا رسالہ ماہوار "مولوی کا ایمان" تو اس باب میں خوب کھیل کھیلا اور ہر مبتدع اور ضال اپنے عیوب کو چھپانے اور اپنی ضلالت اور گمراہی کے پھیلانے کے لئے یہی طریقہ عمل میں لاتا رہتا ہے۔

(۱۴)______ وہ احادیثِ صحیحہ کو صرف اپنی عقل اور اپنے مذاق سے مجروح قرار دیکر عام مسلمانوں کو ان سے منحرف کرتی ہے۔ حالانکہ سلف صالحین، صحابۂ کرامؓ، تابعین عظام و قرون مشہود لہا بالخیر نے ان کو قبول فرمایا ہے اور جو شبہات اس پر وارد کئے جاسکتے ہیں اُن کے دفعیہ کی صورتیں بتائی ہیں۔ اپنی عقول اور اپنے مذاق کو ہم کتنا بھی اعلیٰ درجہ عطا کریں مگر وہ ناقص اور نارسا ہی ہیں جن پر تجربہ اور واقعات شہادت دیتے ہیں، احمق سے احمق بھی اپنی عقل اور سمجھ کو سب سے اعلیٰ خیال کرتا ہے ؎

گر از بسیط زمین عقل منعدم گردد
بخود گمان نہ برد ہیچ کس کہ نادانم

(۱۵)______ وہ مثل خوارج اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اور مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ کا لیبل لگا کر مسلمانوں کو کافر قرار دیتی ہے۔ حالانکہ

یہ اس کی غلط تاویلات اور بے ربط توجیہات کا ثمرہ اور "کلمۃ الحق ارید بھا الباطل" کا نتیجہ ہے۔ نیز سلف صالحین کی آراء اور اعمال سے بغاوت اور انحراف ہے۔

⑯ ـــــ وہ چکڑالوی کی طرح ذخیرہ احادیثِ دینِ متین کو (معاذاللہ) ناقابلِ اعتبار قرار دیتی ہے اگرچہ وہ اخبار آحاد ہی کیوں نہ ہوں۔ حالانکہ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک ان کو اصولِ دین قرار دیا گیا ہے اور بہ نسبت روایاتِ تاریخیہ ان کو زیادہ قابلِ اعتماد سمجھا گیا ہے۔

⑰ ـــــ وہ مثل فرقہ قادیانیہ اپنے قائدِ اعظم اور امیر کو ایسا مختار بتاتی ہے کہ اپنے مذاق سے جس حدیث کو چاہے قابلِ اعتماد قرار دے اور جس کو چاہے ردّی کی ٹوکری میں پھینک دے، حالانکہ ایسی مطلق العنانی رائے اور حکم میں نہ کسی میں پہلے ازمنہ مشہود لھا بالخیر میں مانی گئی اور نہ اس زمانۂ فتنہ و فساد میں مانی جا سکتی ہے (جبکہ رائے صائب) انابۃ کاملہ اور علم کامل عنقا ہو رہی ہے۔ بلکہ حسبِ ارشاد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ "من کان منکم مستنًّا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا یؤمن علیہ الفتنۃ" ایسا امر موجودہ دَور کے اشخاص میں انتہائی ضلالت کا پیش خیمہ ہے۔

⑱ ـــــ وہ ذخائرِ فقہ کو غلط اور ذخیرۂ ضلالت بتلاتی ہوئی ترمیم اور اصلاح اور حذف کا حکم دیتی ہے اور مسلمانوں کے آج تک تیرہ سَو برس کے عملدرآمد کو جاہلیت اور گمراہی بتلاتی ہے اور سب گزشتہ مسلمانوں کو

غیر ناجی کہتی ہے ۔ حالانکہ یہ ایسا فتنہ ہے کہ جس پر جس قدر بھی افسوس اور رنج کیا جائے کم ہے ۔

⑲ ____ وہ مثل معتزلہ وروافض وغیرہ اپنے سائن بورڈ وغیرہ پر حقیقی توحید کا دفتر جماعت موحّدین حقیقی کا ملین اسلام یا اس کے مرادف الفاظ میں لکھتی ہے ۔ جس طرح معتزلہ اپنے آپ کو اصحابُ العدل اور اصحاب التوّحید کہتے اور لکھتے تھے ۔ شیعہ اپنے آپ کو محبّینِ اہلِ بیت لکھتے ہیں جس کے معنٰی یہ سمجھے گئے کہ ہم سے علیحدہ ہونے والے افراد اور فرقے اصحابِ عدل نہیں ، نہ اصحابِ توحید ہیں اور نہ اہلِ بیت سے محبّت رکھنے والے ہیں ۔

اس قسم کے سَائن بورڈوں سے عوام مسلمین میں زمانہ ہائے گزشتہ میں جو زہریلا اثر پھیلا وہ ان تاریخی واقعات سے ظاہر ہے جو کہ ازمنۂ سَابقہ میں معتزلہ خوارج روافض وغیرہ اور اہلِ سُنّت کے آپس میں پیش آئے اور ازمنۂ اخیر میں بھی اسی قسم کی حرکتوں سے غیر مقلّدوں اور مقلّدوں قرآنیوں ، نیچریوں ، قادیانیوں ، خاکساروں وغیرہ میں ظہور پذیر ہوئے ۔ ہر ایک اپنے اس قسم کے سَائن بورڈوں سے دوسرے فرقوں پر اس قسم کا حملہ کرتا ہے کہ وہ اس کمال سے محروم اور خالی ہیں ۔ غیر مقلّد اپنے آپ کو اہلِ حدیث والتوحید کے خوشنما سَائن بورڈ سے مزیّن کر کے آوازہ بلند کرتا ہے کہ احناف حدیثِ نبوی سے محروم اور توحید سے خالی ہیں ، وغیرہ وغیرہ ۔ آپ کے سَائن بورڈ سے بھی یہی چرکا لگتا ہے کہ جو لوگ جماعت اسلامی

کے ممبر نہیں ہیں وہ حقیقی موحد نہیں ہیں، وہ اسلامیتِ کاملہ نہیں رکھتے۔ اس سے عوام کو جس قدر انتشار اور افتراق میں مبتلا کیا جاتا ہے وہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے، جس کا ادنیٰ اثر یہ ہوگا کہ جماعتِ اسلامی میں نہ داخل ہونے والے مُشرک اور کافر اور غیر ناجی ہیں۔ ہر ایک من مانی باتوں پر ہٹ کریگا اور گالی گلوچ، مناظرہ، مجادلہ، مارپیٹ وغیرہ کا بازار گرم ہوگا۔ اور عوام کو سنبھالنا قبضہ سے باہر ہو کر اُمتِ مسلمہ کو انتہائی مُشکلات میں مبتلا کر دے گا۔

محترما! دَورِ حاضر کے ہم مسلمانان انڈین یونین کی مُشکلات جو کہ اکثریت کی طرف سے مسلمانوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ مہا سبھائیوں کی فرقہ وارانہ ذہنیت، آر۔ ایس۔ ایس کی اسلام دشمنی، آریوں کی جارحانہ مذہبی پالیسی اور مرتد بنانے کی جان توڑ کوششیں مسلمانوں کی ہر قسم کی مادّی اور رُوحانی کمزوری اور اُن کی منتشرہ حالت، ان میں احساسِ کمتری کا روز افزوں مرض ملحدانِ مغرب کی طرف سے الحاد و زندقہ کی مسموم آندھیاں مادّہ پرستی کی زوردار اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم، نفوسِ انسانیہ کا دُنیاوی اور مادّی ترقّی کا طبعی رجحان وغیرہ وغیرہ اُمور تو متقاضی تھے کہ مسلمانوں کے شیرازہ کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنایا جاتا اور حکیمانہ عاقلانہ تنظیم عمل میں لاکر اُن کے خوف و ہراس، بدحواسی اور بزدلی، بے دینی اور بدعملی کو دُور کیا جاتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی تحریک اس کے برخلاف دینی اور دُنیاوی بربادی کی وبائی ہوا فضا میں پیدا کر رہی ہے اور آئندہ تمام مُلک کو اس سے

مسموم کر دینے کا سامان مہیا کیا جا رہا ہے۔ اس لئے میں مناسب جانتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس تحریک سے علیحدہ رہنے اور مودودی صاحب کے لٹریچروں کے نہ دیکھنے کا مشورہ دوں۔

آپ حضرات کا یہ ارشاد کہ ہم کو مودودی صاحب کے اعتقادات اور شخصی خیالات سے سروکار نہیں ہے ہم اس کا بار بار اعلان کر چکے ہیں ایسا ہی ہے جیسے کہ مشرقی صاحب نے لوگوں کے اعتراضات کو تحریکِ خاکساران میں رکاوٹ دیکھکر اعلان کیا کہ ہم تو مسلمانوں میں جنگی اور حربی تعلیم اور اسپرٹ پیدا کرنا اور اس کو پھیلانا چاہتے ہیں، ہمارے عقائد اور ہماری تصانیف سے مسلمانوں کو کوئی سروکار نہیں ہے۔ پھر کیا ایسا ہوا؟ اور جماعت خاکساران کیا اپنے لیڈر کے عقائد و اخلاق اور اُس کی تصانیف کی گندگیوں سے محفوظ رہی؟ خود مودودی صاحب ہی کی زبان سے سُن لیجئے۔ دیکھئے 'الفرقان' نمبر ۲ و ۳ صفحہ ۹ و ۱۰ بابت ماہ صفر و ربیع الاوّل بعنوان "خاکسار تحریک اور علامہ مشرقی"۔

محترما! جب کوئی تحریک کسی شخص کی طرف منسوب ہوگی تو وہ قبلۂ توجہ ہوگا اور اُس شخص کے عقائد اور اخلاق کا اثر ممبروں پر قطعی طور پر ضرور پڑیگا۔ خصوصًا جبکہ مودودی صاحب کے لٹریچر برابر زوردار طریقہ پر شائع کئے جا رہے ہیں اور ممبروں اور غیر ممبروں کو ان کے مطالعہ کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ ایسے وقت میں وہ زہریلے مواد جو نہایت چالاکی سے زوردار تحریروں میں رکھے گئے ہیں اپنے اثر سے خالی نہیں رہ سکتے۔

میرے محترم! اُمورِ مذکورہ بالا کے ہوتے ہوئے میں نہیں سمجھ

سکتا کہ جناب سے شرفِ ملاقات سے کیا نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے۔ میں ایک پُرانا مسلمان اور مقلد حنفی خادمِ مشائخِ طریقت ہوں۔ آپ حضرات نئے اسلام کے رَوشن چراغ ہیں، مسلمانوں کو سلفِ صَالحین کے راستہ پر چلانا چاہتا ہوں اور اس میں ان کی نجات سمجھتا ہوں۔ آپ حضرات مودودی صاحب کے نئے اسلام پر مسلمانوں کو چلانا چاہتے ہیں۔ اُن کی تجدید اور احیاء کو جوکہ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت سید احمد شہید وغیرہ رحمہم اللہ کو بھی نصیب نہیں ہو سکی ذریعۂ نجات مسلمانوں کے لئے قرار دیتے ہیں۔ آپ سلف صَالحین کی تیرہ سَو سالہ جاہلیت سے جوکہ مسلمانوں میں اُس وقت سے لے کر آج تک جاری رہی اور ہر مقتدٰی اور امامِ اسلام بجز شرذمۃ قلیلۃ اس میں مبتلا رہا اس سے نجات دلانا چاہتے ہیں۔ پھر اس اصول بون بعید پر کیا اُمید ہے کہ آپ مجھ پر اثر ڈالیں اور میں آپ پر کوئی اثر ڈال سکوں۔ آپ اس تحریک کو عرصۂ دراز سے چلا رہے ہیں۔ کئی برس ہو چکے ہیں کبھی آپ نے دیوبند تشریف ارزانی کی تکلیف گوارہ نہ فرمائی۔ نہ آپ نے جمعیۃ علماء کے دفتر میں آکر اُس کے کارکنوں سے تبادلۂ خیالات کر کے مسلمانوں کی بہتری کی راہ پر غور و فکر فرمایا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ آج کس وجہ سے آپ کو اس طرف توجہ ہوئی۔ بہرحال میں آپ کی توجہ کا شکرگزار ہوں مگر اس بون بعید کے ہوتے ہوئے مجھ کو کوئی اُمیدِ فائدہ معلوم نہیں ہوتی۔ خصوصًا جبکہ آپ کا رامپور کا جلسۂ عام بڑے درجہ پر آپ کو پہنچا چکا ہے تو بجز اس کے کہ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ کہہ کر آپ کو تکلیف فرمانے کی زحمت سے سبکدوش کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

میں حیدر آباد کے اجلاس اور دیگر مصروفیتوں کی بنا، پر اس عریضہ کو پورا نہ کر سکا تھا کہ آپ کا دوسرا والا نامہ جوابی رجسٹری والا باعثِ سرفرازی ہوا اس کا بھی شکرگزار ہوں جیسے کہ پہلے والا نامہ کا شکرگزار ہوں۔

میرے محترم! مذکورہ بالا مضامین جوکہ بہت زیادہ اقتباسات سے لئے گئے ہیں بجائے خود مایوس کن ہیں۔ دارالافتاء کے مضامین کا جناب کو شکوہ ہے اور اس کے روکنے کا تا اجتماع حکم دیتے ہیں۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں ایک مستقل ادارہ ہے، اس کے سرپرست مولانا المفتی سید مہدی حسن صاحب ایک معمر تجربہ کار فاضل و محقق ہیں۔ روزانہ ان کے پاس تیس[۳] چالیس[۴] بلکہ اس سے زائد استفتاء آتے رہتے ہیں جن کے جوابات ان کو چکانے ضروری ہوتے ہیں۔ تحریکِ اسلامی مذکور کے متعلق بھی جب وہ مجبور ہوئے اور استفتوں کی بھرمار ہوگئی تو قلم اٹھانا اور مودودی صاحب کی تصانیف کو مطالعہ کرنا پڑا۔ ان کے پاس ان تصانیف کا معتدبہ ذخیرہ بھی ہے، ان کا روکنا میرے اختیار سے باہر ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ آمین

ننگِ اسلاف

حسین احمد مدنی غفرلہٗ

دیوبند

(مکتوب ۱۴۰ جلد دوم ص ۴۰۳ تا ص ۴۲۸)

(۴)

{ایک مکتوب میں کئی سوالات کے جواب ہیں، مودودی صاحب سے متعلق سوال یہ ہے}

سوال ۴؎ ملکی، قومی اور ملی مفاد کے پیشِ نظر جماعت مودودی کے کسی جائز مطالبہ میں تائید یا اشتراک ہونا چاہیئے یا کُلّی اجتناب ہو؟

جواب ۴؎

(از حضرت شیخ الاسلام نوّر اللہ مرقدہٗ)

میں نے اس جماعت کے اصول و فروع کو بہت دیکھا۔ یہ ایک گمراہ اور گمراہ کنندہ جماعت ہے۔ اگر اس کا تعلّق محض سیاسیات سے ہوتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ مگر اس نے تو نفسِ مذہب اور طریقِ اہلِ سُنّت والجماعت میں نقص وابرام اور قطع و برید کر ڈالی اور بہت کرڈالی۔ وہ ایک نیا فرقہ خلاف اہلِ سُنّت والجماعت بنا رہی ہے، اس لئے اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ حکومت سے کسی ایسے مطالبہ کو لیکر کھڑی ہوتی ہے جو کہ صحیح اور شرعی ہے اور اس میں کوئی شائبہ باطل کا نہیں ہے تو اس کی تائید اور تقویت بقدرِ مطالبہ ہونی چاہیئے کلمة الحكمة ضالة المؤمن اينما وجدها فهو احق بها[۱] (الحدیث)

---

[۱] دانشمندی کی بات مؤمن کی گمشدہ دولت ہے جہاں وہ اس کو پالے تو اس کا سب سے زیادہ حقدار وہی ہے

مگر اس طرح تائید نہ ہونی چاہیئے کہ اس جماعت میں شرکت معلوم ہو اور اس کی تقویت ہو جائے۔ صرف اس جائز اور مشروع مقصد کی تائید ہونی چاہیئے۔ واللہ اعلم والسلام (مکتوب ۹۹ جلد دوم ص ۳۰۵)

ننگِ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

ٹانڈہ

۲ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ

---

(۳)

{مکتوب بنام مولانا صبغۃ اللہ صاحب بختیاری دار الارشاد علیم آباد رای چوٹی ضلع کڈپہ مدراس}

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج مبارک۔ منسلکہ والا نامہ شعبان میں آیا تھا۔ وہ زمانہ انتہائی عدیم الفرصتی کا تھا۔ مجھ کو اس زمانہ میں بعض امراض سے بھی

---

(۳) حضرت اقدس مخدومی ومطاعی مد اللہ فیضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ یہ ناکارہ خلائق آوارہ بے علائق اب گذشتہ شعبان کے بعد سے اپنے ذہن کو یکسو کر لیا ہے اور بے شرط و بے تحفظ اپنے وجود کو حوالۂ خدا کرنے کا قصد کر لیا ہے۔ دربارِ عالی میں حاضری اور قدم بوسی کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ تمام بزرگانِ سلسلہ کو واسطہ بنا کر درخواست کرتا ہوں، میرے بزرگانِ خاندان کی تمنائیں بھی یہی تھیں۔ کمترین خدام بارگاہِ حسینی (صبغۃ اللہ)

ابتلاء واقع ہوا تھا۔ جواباً عرض ہے :-

میں مودودی صاحب اور ان کے لٹریچر اور اُن کی جماعت کو سخت گمراہ اور ضالّ اور مضلّ سمجھتا ہوں۔ مجھ کو جس قدر بھی اُن کی تصانیف دیکھنے کی نوبت آئی اُسی قدر میرا گمان متعلق عقیدہ بڑھتا گیا۔ اگر آپ کی توبہ صادق ہے تو اعلان فرمائیے اور اخباروں میں شائع کرا دیجئے کہ مَیں مودودی صاحب اور ان کی جماعت کو سخت ضالّ اور مضلّ سمجھتا ہوں اور اس لئے میں ان سے علیحدہ ہوتا ہوں مسلمانوں کو چاہئیے کہ اس جماعت سے علیحدہ رہیں۔ ان کی تلبیسات میں نہ آئیں اور سلفِ صالحین کے متّبع ہو کر احیاءِ شریعت حقہ اور اتباعِ سُنّت نبویہ علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سرگرمِ عمل رہیں۔ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ۔ والسلام (مکتوب ۱۲۰ جلد دوم ص ۲۴۷)

ننگِ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

دیوبند۔ ۳؍ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ

مولانا بختیاری کا اعلان بیزاری۔ مدینہ مورخہ ۷؍ مارچ ۱۹۵۳ء

مولانا سید صبغۃ اللہ بختیاری علاقہ آندھرا جنوبی ہند اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ ان کو جماعتِ اسلامی کے نام سے جو مجموعۂ افراد کی تنظیم ہوئی تھی کوئی علاقہ نہیں رہا۔ بعض وجوہ کی بناء پر پہلے قلب ٹوٹ گیا پھر قالب الگ ہو چکا ہے۔ اور اس امر کا اعلان بھی کرتا ہے کہ قرآن وحدیث، فقہ تصوف ان علومِ دینیہ اربعہ کے بغیر ہند میں تحریکِ اسلامی کا نام لینا مشکل ہے۔ اور چند خالی الذہن افرادِ احاد کا مہیا ہو جانا کافی نہیں جبتک کے اصحاب تفقّہ کا اجتماع نہ ہو جائے۔ تبلیغ دعوت و اصلاح کے اہم کام انجام نہیں پا سکتے۔ وَھُوَ الْمُوَفِّق

(۴)

{مکتوب بنام جناب اقبال احمد خاں صاحب سہیل ایل، ایل، بی}

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج مبارک۔ مجھ کو بعض ضروری گزارشات عرض کرنی ہیں مگر چونکہ عرصہ سے اعظم گڑھ حاضر ہونے کا اتفاق نہیں ہوا اس لئے اب تک ان کے پیش کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس مرتبہ رمضان شریف میں سخت بیمار ہو گیا تھا۔ جس کا اثر اب تک ہے اس لئے اس سفر میں حاضری سے محروم رہا۔ مجبورًا تحریر کرنا ضروری معلوم ہوا۔ مدرسہ اصلاح سرائے میر سے مجھ کو جو کچھ قدیم سے تعلق ہے وہ آپ حضرات کو بخوبی معلوم ہے۔ مدرسہ مذکور کے رُوح رواں مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ تھے جو کہ قرآن شریف کے مسلّم عالم تھے۔ اور ایک خاص فکر و خیال رکھتے تھے۔ ضرورت تھی کہ مدرسہ مذکور کے اساتذہ اور طلباء مولانا مرحوم کی زندگی کو اپناتے اور سلفِ صالحین اور اکابر اہلِ سُنّت والجماعت کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے مولانا مرحوم کے اصُول کے مُطابق علمی جدّ و جہد جاری رکھتے۔ لیکن یہ معلوم کر کے سخت صدمہ ہے کہ اب اس مدرسہ میں مودودی جماعت کا زور ہے۔ جیساکہ جماعت کا آرگن زندگی رامپور مورخہ دسمبر و جنوری ۵۲-۵۳ء صفحہ ۱۰۲ سے ظاہر ہے۔ ایسی صورت میں آپ جیسے اراکینِ مدرسہ کا فرض ہے کہ اس خیال کے لوگوں سے مدرسہ کو پاک فرمائیں۔ یا کم از کم یہ کریں کہ مدرسہ سے ان کے لٹریچروں اور

خیالات کی (جو کہ گمراہیوں سے بھرے ہوئے ہیں) نشر و اشاعت قطعاً نہ ہو میں نے ان کو بغور دیکھا ہے۔ میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں یہ جماعت مسلمانوں کے عقائد اور اصول کے لئے سخت مضر اور گمراہ کن ہے۔ یہ رائے صرف میری نہیں ہے بلکہ تمام علمائے دیوبند و سہارنپور و دہلی وغیرہ اسی نتیجہ پر ہیں۔ اگر زندگی باقی ہے اور حاضری کا کوئی موقع ملا تو انشاء اللہ مزید توضیحات پیش کروں گا۔ وَالسَّلَامُ

ننگِ اسلاف

(مکتوب ۱۳۷ جلد دوم ص ۳۸۸ تا ص ۳۹۴)

حسین احمد غفرلہٗ

ٹانڈہ، فیض آباد، ۱۴ر جولائی ۵۳ء

۵

{مکتوب بنام مولانا عبد اللہ بستوی}

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

محترما! مودودی جماعت کے لٹریچر جن کی اشاعت کی جارہی ہے وہ ایسے مضامین سے لبریز ہیں جو کہ ضلال سے پُر ہیں۔ گمراہی کے پھیلانے

---

(۵) سیدی ومطاعی واستاذی ومرشدی ادام اللہ فیضکم ونفعنا بہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آج یکم ذیقعدہ بروز جمعہ گرامی نامہ دستیاب ہوا۔ بغور پڑھا۔ ایسے مکاتیب سے جو صدمات ہونے چاہئیں ہوئے، اور نہ جانے کب تک رہیں گے۔ اللّٰھم ارحمہ رحمۃ کاملۃ سرنامہ پر سلام اور نقیش تسمیہ نہیں تھا۔ اخیر میں سلام کے لئے وہ الفاظ استعمال کئے تھے

والے ہیں "مُشتے نمونہ از خروارے" چند باتیں پیش کرتا ہوں۔

صفحہ ۳۲۷ ترجمان ۳۵/۳۹ میں بطور قاعدۂ کُلّیہ لکھا گیا ہے :۔

"اگر کسی شخص کے احترام کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس پر کسی پہلو سے کوئی تنقید نہ کی جائے تو ہم اس کو احترام نہیں سمجھتے بلکہ بُت پرستی سمجھتے ہیں اور اس بُت پرستی کو مٹانا منجملہ ان مقاصد کے ایک اہم مقصد ہے جس کو جماعتِ اسلامی اپنے پیشِ نظر رکھتی ہے۔"

غور فرمائیے اس کے الفاظ میں وہ عموم ہے جو کہ انبیاء، اولیاء صحابہ، تابعین، ائمۂ مذاہب محدّثین، فقہاء، عوام و خواص سب کو شامل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور نہ حضرت موسٰی و عیسٰی علیہم السّلام اور نہ خلفائے راشدین وغیرہ میں سے کوئی بھی مستثنٰے نہیں ہے۔ کسی کو بھی تنقید سے بالاتر کہنا اور سمجھنا بُت پرستی اور شرک ہے۔

ادھر دستورِ جماعت مطبوعہ مکتبہ جماعتِ اسلامی لاہور صفحہ ۵ میں ہے

"رسُولِ خدؐا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا

جو...... کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ اس سے مجھے اچھی طرح یقین ہوگیا کہ حضرت نے میرے متعلق کیا نظریات قائم کئے ہیں اور غالباً میرے عریضہ کی سطروں پر نظرِ مبارک بھی نہیں ڈالی گئی۔ سمع خراشی معاف فرما کر میرے مختصر حالات معلوم کرلیں لَعَلَّ اللّٰہ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا۔

غالباً ۱۳۵۸ھ میں اللہ کے فضل نے دستگیری فرمائی اور دولتِ ایمان نصیب ہوئی اتفاق سے حضرت استاذی مولانا عبدالوہاب صاحب کا ساتھ ہوا۔ موصوف نے اپنے بچے کی طرح پرورش

نہ ہو" الخ

آپ ان دونوں اعلانوں اور اصولوں پر غور کیجئے۔ کیا ان میں احکامِ قرآنیہ اور اصولِ اسلام اور مسلّمات اہلِ سُنّت والجماعت سے بغاوت نہیں ہے اور تمام ان مسلمانوں کی تکفیر اور تضلیل نہیں ہے جو کہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالےٰ کی تقلید کرتے ہیں۔ قرآن وحدیثِ صحیح صحابہؓ کو معیارِ حق بتاتے ہیں۔ اُن کی ہر طرح مدح سرائی کرتے ہیں۔ ان کے اتّباع کا حکم کرتے ہیں۔ مگر یہ جماعت ان کے اتباع کو بت پرستی بتلاتی ہے اور اس قدر عموم کے ساتھ نفرت دلاتے ہیں کہ جن سے نہ صرف صحابۂ کرامؓ اور اولیاء اللہ سے انقطاع ہوتا ہے بلکہ انبیاء علیہم السّلام اور خود سیدالمرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری سے بھی انقطاع پیدا ہوتا ہے۔ نہ اجماعِ صحابۂ کرامؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین قابلِ اعتماد رہتا ہے، نہ اوامرِ خلفائے راشدین وشیخین رضی اللہ عنہم اجمعین نہ فتاوٰی دیگر صحابہؓ وتابعین اور اوامر ومجتہدات واجماعِ اہلِ قرون مشہود لہا بالخیر اور ائمۂ مذاہب قابلِ اعتماد رہتے ہیں اور نہ ان کے مقلدین اور اتباع مسلمان رہتے ہیں بلکہ سب کے سب بُت پرست اور ضالّ ہو جاتے ہیں۔ صحابۂ کرامؓ

کی اور تعلیم دلائی۔ دارالعلوم بھیجا۔ تعلیم کے بعد شادی کر دی۔ اب اُن کے مدرسہ میں تعلیم دے رہا ہوں، اکثر کاروبار مجھ ہی سے متعلق ہیں، ان کو مجھ ہی سے بڑی بڑی اُمیدیں ہیں۔ میں نے ایک دکان کرلی ہے جس کا کام قرض سے چل رہا ہے۔ اس وقت بھی تقریبًا ۵۰۰ روپے کا قرض ہے۔ یہ ہیں میرے حالات۔

مودودی ہونے اور نہ ہونے کے متعلق بہترین جواب تو وہی ہے جو حضرت عائشہؓ نے

رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے :-

اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ	اور سبقت کرنے والے پہلے مہاجرین
الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ	اور انصار اور جنہوں نے ان کی پیروی
وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ	کی نیکو کاری میں، اللہ ان سے راضی
رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا	اور وہ اللہ سے راضی اور اللہ نے
عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ	تیار کر رکھے ہیں ان کیلئے باغ
تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ	بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں،
فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ	اس میں ہمیشہ رہیں گے،
الْعَظِيْمُ ○ (سورۂ توبہ)	یہی بڑی کامیابی ہے۔

دوسری جگہ فرماتا ہے :-

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ	محمدؐ اللہ کا رسول ہے اور جو لوگ
مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ	آپ کے ساتھ ہیں سخت ہیں کافروں
رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ	پر۔ نرم دل ہیں آپس میں تو اُن کو
رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ	دیکھتا ہے رکوع کرنیوالے سجدے کرنیوالے
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا	طلب کرتے ہیں اللہ کا فضل اور خوشنودی

عند الافتراء دیا تھا۔ دیکھنے والے سمجھ رہے ہیں کہنے والوں کو موقع ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ میں جماعت اسلامی میں داخل نہیں۔ البتہ ایک تک اس کے تعلیمی نظام کو پسند کرتا تھا۔ دیگر طریق کار سے مجھے قطعاً اطمینان نہیں۔ آج تک صرف ایک اجتماع میں شریک ہوا ہوں، وہ بھی صرف دیکھنے کی غرض سے۔ جب آپس میں تعارف کرا رہے تھے تو اپنی باری پر میں نے یوں کہا تھا کہ فلاں جگہ ضلع بستی میں ایک جماعتی طرز کے مدرسہ میں تعلیم دیتا ہوں۔ جماعت سے میرا کیا تعلق ہے

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ	ان کی نشانی ان کے چہروں پر ہے
مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ	سجدوں کے اثر سے۔ یہی ان کی
مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ	صفت ہے توریت میں اور ان
فِي الْاِنْجِيْلِ (سورۂ فتح)	کی صفت انجیل میں۔

تیسری جگہ فرماتا ہے:-

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ	لیکن اللہ نے محبت ڈالدی تمہارے
الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ	دلوں میں ایمان کی اور اس کو
قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ	عمدہ کر دکھایا تمہارے دلوں میں،
الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَ	اور تمہاری نظروں میں بُرا بنا
الْعِصْيَانَ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ	دیا کفر اور فسق اور نافرمانی کو
الرّٰشِدُوْنَ۔ فَضْلًا مِّنَ	یہی لوگ ہیں جو نیک چلن ہیں،
اللّٰهِ وَنِعْمَةً الخ (سورۂ حجرات)	اللہ کے فضل اور احسان سے۔

چوتھی جگہ فرماتا ہے:-

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ	تم بہتر ہو اُن اُمتوں میں جو پیدا
لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	ہوئیں، لوگوں کیلئے تم حکم کرتے ہو

میں نہیں جانتا اسے جماعت والے جانیں (ہر شخص اپنا تعلق بھی بتلاتا تھا) میرا مطلب یہ تھا کہ ذمہ دارانہ اور عہدہ دارانہ تعلق بالکل نہیں۔ اجتماع کے نگراں کے (جو رامپور سے آئے تھے) سوال پر کہ جناب نے کیا ترقی کی اور لٹریچروں میں سے کس کس کا مطالعہ کیا۔ جواب دیا کہ دارالعلوم میں جن رسالوں کو دیکھا تھا بس انہیں کو دیکھا ہے اور اس وقت جس سطح پر تھا اس پر ہوں اور اس میں فرق نہیں آیا ــــــ اب حضرتِ والا کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میں اپنے قول

وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	نیک کاموں کا اور منع کرتے ہو
وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ الخ (آل عمران)	بُرے کاموں سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔

پانچویں جگہ فرماتا ہے:۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ	اور اسی طرح ہم نے تم کو
اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا	بنایا ہے اُمتِ معتدل
شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ	تاکہ بنو تم گواہ لوگوں پر
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ	اور بنے رسول ؐ تم پر
شَهِيْدًا۔	گواہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں معیارِ حقانیت بتلاتے ہوئے ما انا علیہ واصحابی[1]۔ مگر یہ جماعت ان کے معیارِ حق ہونے کو اور ان کو مبرّا از تنقید کہنے کو بُت پرستی کہتی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ۔ عضوا علیها بالنواجذ[2]۔ اور یہ جماعت ان کی ذہنی غلامی اور معیارِ حق سمجھنے کو ضلالت اور بت پرستی قرار دیتی ہے۔

---

[1] ترجمہ:۔ جس پر مَیں اور میرے صحابہؓ ہیں۔
[2] ترجمہ:۔ تم پر لازم ہے میری سُنّت پر عمل کرنا اور ان خلفاء کی سُنّت پر عمل کرنا جو راشدین ہدایت یافتہ ہیں۔ انکی سُنّت کو دانتوں سے پکڑ لو۔

میں صادق ہوں۔ یہاں رہ کر اُستادِ محترم مولانا عبدالوہاب صاحب کا مقابلہ کرنا یا تبادلۂ خیالات کرنا نہ مفید ہے اور نہ ہو سکیگا۔ یہاں رہتے ہوئے ہر قسم کے تعلقات تو منقطع ہو سکتے ہیں بلکہ ہیں ہی نہیں البتہ تعلیمی نظام پر عمل ضرور ہوگا، کم از کم اس معیار پر رہنا ضروری ہوگا جس پر ہوں آگے آپکا جو حکم ہو انشاء اللہ بسر و چشم قبول کرونگا اور وہی میرے اس دعوے کی دلیل ہوگا کہ میں مودودی نہیں ہوں۔ اللہ میرے حال پر رحم فرمائیں۔
احسن کما احسن اللہ الیک۔

خویدکم عبداللہ البستوی

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں علیکم بالذین[۱] من بعدی ابی بکرؓ و عمرؓ۔ اور جماعت اس سے منع کرتی ہے اور بت پرستی کہتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اصحابی کالنجوم[۲] بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ اور یہ جماعت اس کو بت پرستی قرار دیتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رضیت لامتی[۳] ما رضی بھا ابن اُمّ عبد۔ اور یہ جماعت اس کو ضلالت اور شرک قرار دیتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوکنت[۴] مستخلفاً احداً بغیر مشورۃ لاستخلفت ابن امّ عبد۔ اور جماعت ان کو معیارِ حق بنانے کا انکار کرتی ہے اور شرک اور اتخاذ ارباب من دون اللہ قرار دیتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لو کان الدّین عند الثریا لنالہ رجل من ابناء فارس۔ اور یہ جماعت اس کے مصداق اوّل حضرت امام ابوحنیفہؒ کو غیر حقانی ان کے اتباع کو بت پرستی قرار دیتی ہے

۱ھ تم پر لازم ہے ان دو کی اتباع اور پیروی جو میرے بعد ہوں گے یعنی ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما۔
۲ھ میرے صحابہؓ مثل ستاروں کے ہیں۔ ان میں سے تم لوگ جس کی اقتدار کرلو گے ہدایت پا جاؤ گے۔
۳ھ میں نے اپنی اُمت کے لئے وہی پسند کیا جس کو ابن اُمّ عبد نے پسند کیا۔
۴ھ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے خلیفہ بناتا تو بناتا بیٹے اُمّ عبد کو۔

اور جماعتِ اسلامی کا نصب العین ایسے اُمور کو بتلاتی ہے۔

محترما! اگر میں تمام ضلالت اس جماعت کی اور ان احادیث کو جو تمام صحابہ کرامؓ اور تابعین کے معیارِ حق ہونے اور ان کی ذہنی غلامی کے واجب ہونے کی ہیں ذکر کروں تو ایک طویل اور ضخیم کتاب ہو جائے۔ یہ چند باتیں ذکر کر کے امیدوار ہوں کہ غور کیجئے۔ اگر سمجھ میں آئے تو جلد از جلد ان سے علیحدہ ہو جائیے اور ان کی ضلالتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کیجئے ورنہ عذابِ آخرت کے لئے تیار ہو جائیے۔ یہ استاد کا احترام اُسی وقت تک ہے جب تک وہ صراطِ مستقیم پر ہے اور جبکہ اس نے صحابۂ کرامؓ کا احترام اور اتباع سلفِ کرام چھوڑ دیا اور تمام مسلمانوں کے اساتذہ کرام کو چھوڑ دیا۔ اور باغیوں اور غیر مقلدوں اور اہل ضلال میں شامل ہو گیا تو کوئی احترام اس کا باقی نہیں رہا۔ مودودیوں کی کتابوں کو پڑھنا ضلالت اور گمراہی ہے۔ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ۔ ھَدَانَا اللّٰہُ وَاِیَّاکُمْ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضَاہُ اٰمِیْن۔ والسلام

ننگِ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

(مکتوب نمبر ۱۳۸ جلد دوم صفحہ ۳۹۴ تا صفحہ ۴۰۱)

(۶)

{بنام مولانا محمد ادریس صاحب سرائے میر اعظم گڑھ}

محترم المقام زید مجدکم　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا۔ یاد فرمائی کا شکر گزار ہوں میرے مکتوبات پر ان کا اعتراض کرنا بے محل ہے

(الف) یہ مکتوب جیل میں لکھا گیا جبکہ میرے پاس کتابوں کا کوئی ذخیرہ نہ تھا۔

(ب) یہ مکتوب شخصی کلام ہے اس میں کوئی اصول اور دستور دِکھلایا نہیں گیا۔

(ج) کسی جماعت کی بنیاد نہیں رکھی گئی۔

(د) اس کو قبل طبع اور بعد طبع پورا دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔

(ہ) اس کی تصحیح میں اگرچہ ناشر نے بہت کوشش اور عرق ریزی فرمائی ہے مگر پھر بھی بہت سی غلطیاں کھلی ہوئی موجود ہیں۔

(و) اس میں کوئی عقیدہ نہیں دکھلایا گیا جو کہ مدارِ مذہب ہوتا ہے۔

---

(۶) مخدومی ومطاعی متعنا اللہ بطول حیاتکم　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
مزاجِ گرامی! بفضلہ تعالیٰ اچھا ہوں۔ خدا کرے حضرت والا بعافیت ہوں۔ حضرتِ والا کی تقریر کے جو اثرات لوگوں پر ہوئے ہیں اور عام طور پر مودودی جماعت سے جو نفرت پیدا ہوگئی ہے اُس کو مٹانے اور محو کرنے کیلئے یہ لوگ کوشش میں ہیں۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ اس کام کیلئے کسی اجتماعِ عام کے موقع پر مکتوباتِ شیخ الاسلام جلد اوّل میں سے حضرتِ اقدس کا ایک مکتوب جو ص ۲۵۸ پر ہے

(ن) اگر اس میں کوئی بات خلافِ اصولِ اہلِ سُنّت والجماعت پائی جائے تو شخصی رائے ہوگی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو تمام اہلِ سُنّت والجماعت غیر معصوم مانتے ہیں مگر یہ قابلِ تسلیم نہیں ہے کہ معیارِ حق صرف معصوم ہی ہوسکتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضاء کا اعلان کر دیا۔ اس کے جنّتی اور مخلّد فی الجنّۃ ہونے کا اعلان کر دیا وہ کیوں نہ معیارِ حق ہوگا جس کے تحفّظ کی ذمّہ داری اللہ تعالیٰ نے لے لی۔ جیسے آیت حجرات بتلاتی ہے اُس کے محفوظ ہونے میں کیا شک کرنا درست ہوگا؟ جس کو اجتباء اصطفاء ہدایت وغیرہ نعمِ کاملہ سے سرفراز فرمایا وہ کیوں نہ معیارِ حق ہونے کا حقدار ہوگا۔

امورِ مسئول عنہا

(۱) قبطی کا قتل یقیناً قبل اعطاء النّبوۃ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوّت مدین سے ہجرت فرمانے پر راستہ میں طور پر عطاء فرمائی گئی اور یہ واقعہ قبطی کے قتل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے مدین جانے کا سبب ہے جس کا تقدّم اظہر من الشمس ہے۔ سورۂ قصص میں اعطاء حکم اور علم کا اس سے قبل ذکر کرنا تقدم زمانی کا موجب نہیں ہے۔ کما ذکرہ اربابُ التفسیر۔

اور یزید کی خلافت سے متعلق ہے استعمال کیا جائے گا۔ بنیاد یہ ہوگی کہ انبیاء کرام کی شان میں لوگ ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو اُن کے مرتبہ سے فروتر ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ خود صحابہؓ کو غیر معصوم مانتے ہیں، یعنی ان سے غلطیاں سرزد ہوسکتی ہیں۔ تو جن سے غلطیاں سرزد ہوں اُن کو کیسے معیارِ حق بنایا جاسکتا ہے۔ خیر جب اس قسم کے فتنے سامنے آئیں گے تو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے یہ خدّام کافی ہیں۔ محض حضرت والا کی اور توجّہ کی ضرورت ہے۔ البتّہ میں اپنے مزید

(۲) اگرچہ حضرت ہارون علیہ السّلام وزیر اور خلیفہ تھے اور اُن کو نبوّت بھی حضرت موسٰی علیہ السّلام کی دُعا ہی سے ملی مگر جب نبوّت دیدی گئی توحسبِ قاعدۂ کُلّیہ الشّیء اذا ثبت ثبت بلوازمہ۔ نبوّت کے تمام لوازم کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔ باز پُرس کا حق اسی درجہ میں تسلیم کیا جاسکتا ہے جس درجہ میں لوازمِ نبوّت کا ثبوت رکھا گیا ہو۔ نیز بڑے بھائی ہونے کا بھی احترام کیا گیا ہو جو کہ "یا ھارون ما منعك اذ رأيتهم ضلّوا ان لا تتّبعن افعصيت امری" تک ہی ہوسکتا ہے۔ اخذ راُس، اخذ لحیہ اور جَرّ باز پُرس میں سے نہیں ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس القاء الواح کو وضع کے معنٰی میں لینا تحریفِ معنوی سے جدا نہیں ہے۔

اس مقام پر اس سے غفلت کرنا غلطی ہوگا کہ ہم معصیت کی حقیقت پر غور نہ کریں۔

محترما! کسی عمل کے طاعت اور معصیت ہونے کا مدار نیت ہی پر ہے "انّما الاعمال بالنّيات و انما لكل امرا ما نوی" نص صریح ہے نیز حدیث انّ اللّٰہ لاینظر الی صورکم بل ینظر الی قلوبکم و نیّاتکم (اوکما قال) پس وہ اعمال جو کہ سہوًا یا خطاءً یا غلط فہمی سے صادر ہوں وہ درحقیقت

اطمینان کے لئے چند باتیں جاننا چاہتا ہوں جو درج ذیل ہیں۔ اجمالی اشارات بھی کافی ہوسکتے ہیں۔ اجمال کی تفصیل انشاء اللہ میں خود کرلوں گا۔

(۱) قبطی کے قتل کا واقعہ قبلِ نبوّت کا ہے یا بعد نبوّت کا۔

(۲) یہ درست ہے کہ حضرت ہارونؑ نبی تھے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ بڑے بھائی تھے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ ان کے وزیر اور خلیفہ تھے۔ خلیفہ سے اس کی کوتاہیوں پر باز پُرس کا حق

معصیت نہ ہوں گے (جبکہ نیت میں فساد اور نافرمانی نہ ہو) اگرچہ صورتِ معصیت پر کبھی مواخذہ بھی ہو جائے۔ فان حسنات الابرار سیّئات المقربین نزدیکاراں بیش بود حیرانی۔ یقیناً حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی نیت ان معاملات میں صحیح تھی۔ حُبِّ خداوندی اور غیرتِ دینی ان اسباب اور اعمال کے موجبات ہیں اس لئے تحملات اور تکلفات کا ارتکاب بے محل ہے جس سے تحریفِ معنوی کا بہت بڑا دروازہ کھلتا ہے۔ عصمت تو معصیت سے تحفّظ کی ضمانت کرتی ہے۔ سہو، خطأ، غلط فہمی کی محافظ نہیں ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ بوقتِ شفاعتِ کبریٰ قتل قبطی کا تو تذکرہ فرمایا گیا اور حضرت ہارون علیہ السّلام اور الواح کا تذکرہ نہیں آیا۔ قبطی کے قتل میں نیت کا فرق کچھ نہ کچھ ضرور ہے، اگرچہ قصدِ قتل نہ ہو مگر اس واقعہ میں نیت نہایت اعلیٰ تھی۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے استغفار (عما فعلہ بھارون علیہ السّلام والالواح) کے متعلق تفسیر مظہری جلد ثالث ص۴۶۴ میں ہے۔

والظاهر ان المقصود الاستغفار لاخيه ضم اليه نفسه توطية له ودفعا للشماتة عنه ولان سمنة

ہے چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے اسی حیثیت سے باز پرس فرمائی بئسما خلفتمونی اس پر شاہد ہے جبکہ معاملہ اس حیثیت سے ہو تو نبی کی توہین کا سوال کب پیدا ہوتا ہے۔ رہا القاء الواح کا معاملہ تو کیا یہ ممکن نہیں ہے القاء کو وضع کے معنی میں لیا جا سکے محض بے توجہی کے اظہار کیلئے القاء کا لفظ استعمال ہوا ہو۔ اگر ایسا درست ہو تو معاملہ ہلکا ہو جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو بات ہو سکتی ہے وہ یہی کہ جوشِ غضب میں بے اعتدالی کا ظہور ہوا۔

الاستغفار لغیرہ ان یبدء بالاستغفار لنفسہ دفعا لتزکیۃ النفس ولان الدعاء بعد الاستغفار اقرب الی الاجابۃ ومن ثم ورد فی دعاء الجنازۃ اللّٰھم اغفر لحیّنا ومیّتنا قدم الاستغفار للاحیاء لکونہ منھم وفی الدعاء لاھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم وقال اللہ لنبیّہ صلی اللہ علیہ وسلم مع کونہ معصوما واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات حتّٰی تبقی منہ سنۃ فی امتہ الخ

اِس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السّلام اپنے آپ کو مرتکبِ معصیت نہیں سمجھتے ہیں اور نہ حقیقتًا اس سے استغفار کرتے ہیں، بلکہ اپنے استغفار کو بھائی کے استغفار کیلئے توطیہ اور تمہید بناتے ہیں۔

اور اگر بالفرض مذکورہ بالا تحقیق ناقابلِ قبول ہی سمجھی جائے (حالانکہ اس کے قبول کے شواہد صحیحہ موجود ہیں) تو مجھ کو اس کے قبول کرنے میں کوئی باک نہیں کہ یہ غلطی اور سبقت قلم ہے۔ استغفر اللہ عن کُلّ ذنب واتوب الیہ

---

(۳) حضرت والا کا ارشاد ہے "مگر اس ذنب سے حضرت موسٰیؑ کا استغفار منقول نہیں" حالانکہ استغفار منقول ہے "قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ" کیا یہ سہو کتابت کی بنا پر ہے۔

(۴) انبیاء کرامؑ معصوم ہیں اور باوجود معصوم ہونے کے ان سے لغزشیں ہوئیں لیکن وحی الٰہی نے فورًا اصلاح فرمادی اور اُن کی لغزش اُنہیں محسوس کرادی۔ اس لئے بلاشبہ انہیں معیارِ حق

(۴) الف ۔ انبیاء علیہم السلام کو معیارِ حق قرار دینا اور اُس کو جزوِ ایمان سمجھنا کسی نصِ صریح میں وارد ہے یا عقلی قضیہ ہے۔ یعنی جس طرح محمد رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصِ صریح ہے۔ کیا محمد معیار للحق بھی کسی نص میں وارد ہے کہ اس کو جزوِ ایمان بنایا جائے یا نہیں، یا کسی نص میں وارد ہے النبی معیار للحق یا کہیں فرمایا گیا ہے "الانبیاء معیار للحق"۔

ب ۔ اگر نصِ صریح میں وارد نہیں ہے بلکہ عقلِ صحیح اور دلائلِ صریحہ اس کے باعث ہیں تو کیا رسالت اور معیارِ حق میں نسبتِ مساوات ہے تاکہ یہ کہا جا سکے "کل نبی معیار للحق اور کل معیار للحق نبی" اور اسی طرح نفیاً کہا جا سکے "لاشیءٍ من الانبیاء الا ہو معیار للحق" اور "لا شیءَ من معیار للحق الّا وھو نبی"۔ یا ان دونوں میں نسبت عموم وخصوص مطلق ہے یعنی "کل نبی معیار للحق" کہنا مسلّم ہے مگر کل معیار للحق نبی غیر لازم التسلیم ہے کیوں نہیں ہو سکتا کہ کوئی معیار حق ہو اور وہ نبی نہ ہو۔

ج ۔ اگر عصمت معاصی اور غلطیوں سے تحفظ کی ذمّہ دار ہے تو رضائے خداوندی کیوں ذمّہ دار نہ ہو گی اور خصوصاً جبکہ اس کی خبر علّام الغیوب نے دی ہو جس کے سامنے ازل اور ابد کی تمام کائنات حاضر ہیں کوئی چیز اس سے چھپ

تسلیم کرنا جزوِ ایمان ہے لیکن حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تو غیر معصوم ہیں ان سے لغزشوں اور غلط فہمیوں کا زیادہ امکان ہے بلکہ وقوع بھی ہوا ہے۔ بر وقت ان کی اصلاح کا بھی قدرت کی طرف سے کوئی اہتمام نہیں تو اس کے باوجود انہیں معیارِ حق کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے اور تمام امور میں ان کی اتباع کیسے ممکن ہے! لامحالہ بہت سی باتوں میں ان کی اتباع ترک کرنی پڑے گی اس ترک کے لئے ہمارے پاس معیار رسول ہی کی سُنت ہو گی۔ پھر صحابہؓ کو معیارِ حق کہنے کا کیا مطلب ہے؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان پر تنقید اور عیب جوئی حرام و ناجائز ہو گی صحابہؓ کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(۵) اور اگر یہ معیارِ حق ہیں تو جملہ صحابہؓ یا محض خلفاء راشدین؟

حضرت اقدس کی دعاء و توجہ کا محتاج

محمد ادریس سرائے میر۔ ۳ رجب ۱۳۷۴ھ

نہیں سکتی۔ قال سُبحانہ وتعالیٰ لایضل ربّی ولا ینسٰی۔ سابقین اوّلین کے متعلق آیاتِ وارده پر غور فرمائیے کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی رضاء کی تصریح فرمائی ہے۔

د۔ اگر عصمت معاصی اور غلطیوں سے تحفظ کی ذمہ دار ہو سکتی ہے تو قادرِ مطلق علام الغیوب کا یہ ارشاد قطعی اپنی کفالت کا "وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝" کیوں نہیں ذمہ دار ہوگا۔ کیا اس خبر میں شک کرنا درست ہو سکتا ہے۔ کیا اس میں تأمّل کفر نہیں ہے تو یہ حضرات کیوں نہ معیارِ حق ہوں گے۔

8. اگر عصمت (جس کا صریح اشارہ کسی قطعی نص میں نہیں ہے۔ اشارات و دلالت ہی سے اخذ کیا گیا ہے) قابلِ اعتماد ہے تو خبر خدا وندی دخول وخلود فی الجنۃ کی جو یقینی اور قطعی ہے کیوں نہیں قابلِ اعتماد ہے۔ کیا اس میں شک کرنا درست ہوگا اور کیا خلود فی الجنۃ کسی عاصی اور نافرمان کیلئے ہو سکتا ہے۔ سابقین اوّلین صحابہؓ کے لئے فرمایا جاتا ہے "واعد لھم جنّاتٍ تجری تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدًا ذٰلك الفوز العظیم ۝" جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بشارت دخول جنّت اور خلود کی عطاء فرماتے ہیں کیا اس کی تغلیط ہو سکتی ہے۔ پھر کیا یہ حضرات معیارِ حق نہ ہوں گے۔ اور اگر

عصمت مفہوم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے موجب معیار حقانیت ہوسکتی ہے تو وہ شہادت قطعی خداوندی درباره صحابۂ کرام جس کی تصریح تورات، انجیل، قرآن میں فرمائی گئی ہو کیوں نہ معیار حقانیت قرار دی جائے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اِلٰی قَوْلِہٖ تَعَالٰی ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ۔

و۔ اگر عصمت کی وجہ سے اصحاب عصمت معاصی سے محفوظ ہوسکتے ہیں تو خبر قطعی "یوم لا یخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معہ نورھم یسعٰی بین ایدیھم و بایمانھم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا" الخ کیوں باعث تحفظ نہیں ہوسکتی۔

خلاصہ یہ کہ متعدد آیات قرآنیہ قطعیہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے عدم صدور معاصی اور ان کے تحفظ عن المعاصی کے دلائل قطعیہ ہیں۔ معیار حق ہونے کیلئے یہی اصل اصول ہے یعنی یہ علم الیقینی کہ وہ شخص وقوع اور صدور معاصی سے محفوظ ہو۔ خواہ عصمت کی وجہ سے یا ثبوت رضائے خداوندی کی وجہ سے یا ثبوت خلود فی الجنۃ کی وجہ سے یا ثبوت اجتباء یا تکفل خداوندی بالمحافظت عن اسباب المعاصی وغیرہ کی وجہ سے، اس کیلئے عدم امکان وقوعی خواہ بالذات ہو یا بالغیر کافی ہے جو کہ صحابۂ کرامؓ کیلئے حسب آیات مذکورہ یقینی ہے۔

باقی رہا یہ شبہ کہ انبیاء علیہم السلام کی غلطیوں کا تدارک بالوحی ہوسکتا ہے غیر انبیاء کی غلطیوں کا تدارک نہیں ہوسکتا کیونکہ وحی غیر انبیاء پر نہیں آسکتی بالکل لایعنی ہے۔

(الف) جبکہ عنایت ربانی اپنی رضاء اور توجہ کی قطعی خبر دے چکی ہے

تو وہ غلطی ہونے ہی نہ دے گی ورنہ کذبِ خبرِ خداوندی لازم آئے گا۔ وہو محال۔

(ب) اور اگر غلطی بفرضِ محال ہوئی بھی تو اس کا تدارک کریگی جسکی وہ ذمہ داری اپنے اُوپر لے چکی ہے۔

(ج) کیوں نہ تحدیث اور الہام سے اس کا تدارک ہوسکیگا۔ قَالَ[1] النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ کَانَ فِی الْاُمَمِ قَبْلَکُمْ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ کَانَ فِیْکُمْ مُحَدَّثٌ فَعُمَرُ (اَوْ کَمَا قَالَ) وَقَالَ[2] عَلَیْہِ السَّلَامُ اَلْحَقُّ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ (اَوْ کَمَا قَالَ)

(د) کیوں نہ رُویائے صالحہ سے اس کا تدارک کیا جاسکیگا۔ قَالَ[3] النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذھبت النبوّۃ وبقیت المبشّرات قالوا وما المبشّرات یا رسول اللّٰہ قال الرؤیا الصالحۃ یراھا المؤمن اوتری لہ (اَوْ کَمَا قَالَ) وَقَالَ[4] عَلَیْہِ السَّلَامُ الرّؤیا الصّالحۃ جزء من ستّۃ واربعین جزءًا من النبوّۃ (اَوْ کَمَا قَالَ)

(ہ) کیوں نہ بصیرتِ خواص مُومنین اس کی تدارک کرسکیگی۔ قَالَ[5] اللّٰہُ تَعَالٰی قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا

---

[1] فرمایا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے تم سے پہلی اُمتوں میں بھی محدث ہوا کرتے تھے (جن پر منشاءِ الٰہی منکشف ہوجایا کرتا تھا) پس اسی انداز میں اگر تم میں بھی محدث ہیں تو وہ عمرؓ ہیں۔ [2] حق عمرؓ کی زبان پر بولتا ہے۔ [3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ نبوت تو ختم کردی گئی البتہ مبشّرات باقی رکھے گئے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسُول اللہؐ! مبشّرات سے کیا مُراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا اچھے خواب جس کو مسلمان دیکھے یا اُس کو دکھایا جاوے۔

[4] اچھا خواب نبوّت کا ایک ٹکڑا ہے نبوّت کے چھیالیس ۴۶ ٹکڑوں میں سے۔

[5] کہدے یہ میری راہ ہے بُلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں بھی اور جو میرے پَیرو ہیں وہ بھی۔

وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (سورۂ یوسف)

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللّٰہ (الحدیث)[1]

(و) جبکہ ارشاد ہے لا تجتمع امتی علی الضلالۃ[2] اور قرآن فرماتا ہے وَمَنْ یَّتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی الآیۃ تو کیا یہ ارشاد باعثِ تحفظ نہ ہوگا اور وہ قادرِ مطلق مقلب القلوب تحفظ کر کے ایسی غلطیوں کو نیست و نابود نہ کر دیگا؟

محترما! صحابۂ کرامؓ کی وہ غلطیاں جن کو آپ امکان بلکہ وقوع کے درجہ میں دکھلا رہے ہیں۔ اگر روایاتِ تاریخیہ اور احادسے ثابت ہیں تو وہ ان قطعیاتِ قرآنیہ کے سامنے کسی طرح کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ اور اگر ان کی کوئی حقیقت ہو بھی تو وہ نیت ہائے فاسدہ سے صادر ہوتی ہے یا نیت ہائے صالحہ سے۔ کیونکہ لبسا اوقات غلط فہمی اور خطا سے کوئی عمل صادر ہوتا ہے مگر وہ ان اعمالِ قبیحہ سے بہت ہی گرا ہوا اور خفیف شمار ہوتا ہے جو کہ عمداً اور بہ نیتِ فاسدہ وقوع میں آئے ہوں۔ قتلِ عمد اور قتلِ خطا کی جزاؤں میں کس قدر تفاوت ہے۔ حالانکہ دونوں میں مقتول کی جان ہلاک ہوتی ہے۔ اگر کسی نے اپنی زوجہ سمجھکر اجنبیہ سے جماع کیا تو کیا اس وطی بالشبہ کی وہ سزا ہوگی جو جان بوجھ کر اجنبیہ سے جماع پر مقرر ہے، حالانکہ دونوں میں جماع

---

[1] فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے کہ مؤمن کی فراست سے بچو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔
[2] میری امت کا اجماع گمراہی پر نہیں ہو سکتا۔

متحقق ہے۔ بہرحال جو اعمال خطأً ہوئے ہوں وہ ان اعمال سے نہایت ہلکے ہیں جو کہ عمدًا کئے گئے ہوں۔ خواہ یہ خطأ فعل میں ہو یا علم یا سمجھ میں ہو۔ ثانی الذکر ہی کو معصیت کہا جاتا ہے بخلاف اوّل الذکر کے۔ ان کے لئے تو رفع کی تصریح ہے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی "لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَأْنَا"[۱] وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُفِعَ عن اُمَّتِی الخطأُ والنِّسیانُ[۲]۔ انبیاء علیہم السّلام کی خطائیں سب اسی قسم کی ہیں اس لئے وہ باوجود عصمت صدور پذیر ہوئیں ان میں فسادِ نیت کا شائبہ بھی نہیں۔ اسی وجہ سے ائمۂ اہلِ سُنّت والجماعت مشاجرات صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کو خطأً اجتہادی قرار دیتے ہیں۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام کے ارتکاب اکل شجرہ کو ارشاد فنسی ولم نجد لہ عزمًا[۳] ذنب خفیف اور غیر موجبِ مؤاخذہ اور داخل فی العصمۃ قرار دیتا ہے تو حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مشاجرات کو ان کے مناقب کی آیات اور احادیثِ صحیحہ کیوں نہ ہلکی اور غیر موجبِ مواخذہ اور داخل فی المحفوظیت قرار دیں گی اور کیوں نہ اُن کے دامن کو خطأً اجتہادی قرار دیکر منزّہ اور پاک سمجھا جائے گا۔

محترما! صحابۂ کرامؓ میں جو بھی کمالات اور بھلائیاں ہیں خواہ از قسمِ علم ہوں یا از قسمِ عمل، وہ سب جناب رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی کے

---

[۱] اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھُولیں یا چوکیں [۲] میری اُمّت سے خطأ اور نسیان معاف کر دیا گیا ہے۔ [۳] پھر بھُول گیا اور نہ پائی ہم نے اس میں پختگی۔

طفیل اور آپ کے اتباع ہی سے ہیں۔ بالذات کچھ نہیں ہے۔ مگر جب کہ قرآن اور احادیثِ صحیحہ نے ان میں موجبات معیاریت حقانیت کی خبر دیدی تو آج ہم کو اُن کی معیاریت میں کلام اور تأمل کرنا یقیناً قطعیات کا انکار ہوگا جو کہ انکارِ کتاب اللہ ہے۔

آپ کا یہ ارشاد " اور تمام اُمور میں ان کی اتباع کیسے ممکن ہے۔ لامحالہ بہت سی باتوں میں ان کی اتباع ترک کرنی پڑے گی اور اس کے ترک کیلئے ہمارے پاس معیار رسول ؐ ہی کی سُنّت ہوگی۔ پھر صحابہؓ کو معیارِ حق کہنے کا کیا مطلب؟" میری سمجھ میں نہیں آتا۔

جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتوں میں بھی تو روایات اور احادیث متعارضہ موجود ہیں تو پھر آپ کو بھی معیارِ حق کس طرح قرار دے سکتے ہیں اور پھر آگے چلئے۔ جناب باری سبحانہٗ وتعالیٰ کے ارشادات قرآنیہ میں بھی تو بظاہر تعارض وتخالف موجود ہے۔ پھر کتاب اللہ اور جناب باری عزّ اسمہٗ کو بھی معیارِ حق قرار دینا ناممکن ہوگا۔ آخر اسی کی وجہ سے تو مجتہدوں اور اسلاف کرام میں جد وجہد اور اصول فقہ وکلام اور کتبِ مبسوطہ لکھنے اور تدوین کی ضرورت پیش آئی۔

پھر حدیث اقتدوا[1] بالذین من بعدی ابی بکر وعمر۔ الحدیث۔ اور علیکم[2] بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ وغیرہ احادیثِ صحیحہ کثیرہ دربارۂ صحابۂ کرامؓ کا اتباع جناب

---

[1] ترجمہ: ان دو کی پیروی کرو جو میرے بعد ہیں، یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ۔

[2] " تم پر لازم ہے میرے طریقہ (سُنّت) کی اتباع اور خلفاء راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں اُن کی سنت (طریقوں) کی اتباع۔ اس کو دانتوں سے پکڑ لو۔

رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اتباع ہے جس کو جناب رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر واجب کیا ہے۔ ان کا اتباع بحیثیت رسالت نہیں ہے بلکہ بحیثیت نقل وفہم ہی کیا جاتا ہے۔ کسی کو مطاع بالذات نہیں کہا جاتا ہے۔ مطاع مطلق تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لئے یہ کلام جنابِ والا کا سمجھ میں نہیں آتا۔ غور فرمائیے۔

(۵) آپ فرماتے ہیں" اور اگر معیارِ حق ہیں تو جملہ صحابہؓ یا محض خلفاء راشدین۔"

محترما! جن صحابہؓ کے متعلق نصوص وارد ہیں اُن کے لئے تو اس کو تسلیم کرنا ضروری ہوگا۔ آپ نے دربارہ صحابۂ کرامؓ نصوص کو دیکھ لیا۔ اب آپ خود فیصلہ فرمائیں۔ مگر مودودی صاحب تو سلب کلی فرماتے ہیں، کسی ایک صحابی کو مستثنےٰ نہیں کرتے بلکہ تمام انبیاؑ کو بھی سوائے جناب رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معیارِ حق، تنقید سے بالاتر، اور اُن کی ذہنی غلامی جائز نہیں قرار دیتے تو پھر یہ عقیدۂ مودودیان کس طرح جائز اور صحیح ہے اور کس طرح یہ تعلیم ایمان کی تعلیم قرار دیجا سکتی ہے۔ غور فرمائیے اور ان کے ایمان کو ثابت کیجئے جو ہم کو نسلی مسلمان اور اپنے آپ کو اصلی مسلمان کہتے ہیں۔ وَاِلَی اللہِ الْمُشْتَکٰی۔ (مکتوب جلد سوم ص۲۷ تا ص۳۸)

ننگِ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

۷

{بنام جناب مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی}

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

والانامہ مورخہ ۶ رمئی باعثِ سرفرازی ہوا ۔ گرمی کی شدت اور مشاغلِ رمضان کی گراں باری کی وجہ سے باوجود ضرورت اور روزانہ جدوجہد کے ارسالِ عریضہ میں تاخیر ہوگئی ۔ بحمد اللہ خیروعافیت سے ہوں ۔ جناب کا جو بیان چھپا ہے اُس کی ایک کاپی حاصل کر کے ارسالِ خدمت کر رہا ہوں تاکہ غور فرمائیں ۔

مندرجہ ذیل امور قابلِ غور ہیں :-

(۱) یہ بنیادی عقیدہ دستور اس جماعت کا بنایا گیا ہے جس کو مودودی صاحب نے انشاء کیا ہے اور اس کو اصلی مسلمان اور دوسرے کو نسلی مسلمان کے لقب سے بار بار یاد فرماتے ہیں ۔

(۲) اس عقیدہ کی بناء پر اجتہاد ہر عربی جاننے والے گریجویٹ اور پروفیسر وغیرہ پر اس طرح ضروری ہو جاتا ہے جیسے کہ ہوا اور پانی ہر انسان کے لئے ضروری ہیں چنانچہ ان کی تصانیف تصریح کر رہی ہیں ۔

(۳) اس عقیدہ والے کو تقلید کسی امامِ مذہب اور امامِ طریقت اور کسی تابعی اور کسی صحابی کی کرنی درست نہیں ہے ۔

(۴) ان لوگوں کی تصریح ہے کہ بجز رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام انسان خواہ صحابہؓ ہوں یا تابعین، خلفاء راشدین ہوں یا غیر خلفاء، ائمہ جرح و

تعدیل ہوں یا ائمہ حدیث وفقہ ہوں، سب میں انسانی کمزوریاں ہیں، کوئی معصوم نہیں ہے۔ اس لئے کسی کو امام اور مقلَّد بنانا درست نہیں ہے۔ سب میں خطا اور غلطی کا احتمال ہے۔ اس لئے بجز ذاتِ نبوّت علیہ السّلام کوئی بھی نہ معیارِ حق ہے اور نہ کسی پر اعتمادِ کُلّی ہے۔

(۵) یہ لوگ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ میں جاہلیت، حضرت مسطحؓ کے نفقہ کو بند کرنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاہلیّت وفاتِ نبویؐ پر تلوار نکال کر لوگوں کو قولِ وفات سے روکنا وغیرہ ذکر کرتے ہیں، اور اسی طرح حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی متعدد جاہلیتوں کو ذکر کرتے ہیں۔ نیز دیگر صحابۂ کرامؓ کے متعلق ایسے ایسے واقعات ذکر کرتے ہیں کہ ایک عامی مسلمان ان کو سُننا گوارا نہیں کرسکتا اور ان امور کو ابن عبدالبر اور ابن تیمیہ وغیرہ مصنّفین کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ اس قسم کے متعدد امور ہیں جن کو اسی عقیدہ کی بناء پر فروغ دیا گیا ہے اور مودودی تصانیف جگہ جگہ پر ایسی باتوں سے بھری ہوئی ہیں۔

چونکہ ایسی ایسی ہفوات کی بناء پر تمام قلعہ روایات کی تصحیح اور تقویت کا منہدم ہوجاتا ہے، اس لئے ذوق مجتہد (مودودی) کو ہی معیارِ حق قرار دیتے ہیں۔ یہ غیر متناہی مجتہدوں اور بالخصوص ان کے امام مودودی صاحب جن روایات کو اپنے ذوق سے صحیح قرار دیں وہ ہی صحیح ہیں اور جن کو مجروح قرار دیں وہ مجروح ہیں۔ ہر پروفیسر اور ہر مجتہد اس کا مجاز ہے۔ کتب صحاح بالکل لغو ہیں۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ تمام اہلِ سُنّت والجماعت محدّثین، فقہاء، علماء کرام وغیرہ متفق ہیں کہ تمام صحابۂ کرامؓ عادل ہیں ان کی توثیق اور عدالت کی بحث کی ضرورت

ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ قرآن مجید میں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اس قدر ان کی توثیق اور تعدیل کر دی ہے کہ اس سے زائد ممکن نہیں۔ البتہ خوارج، روافض وغیرہ فرق مبتدعہ عدالتِ صحابہؓ کے قائل نہیں ہیں۔ اب سوال ہوتا ہے کہ اگر صحابۂ کرامؓ میں انسانی کمزوریاں اسی طرح غالب ہیں تو کتاب (قرآن مجید) اور حدیث (سنت) پر اعتماد کیسے ہوسکتا ہے۔ ہر ملحد و زندیق کو گفتگو کرنے اور دین اسلام سے برگشتہ کرنے کا موقع ہاتھ آتا ہے۔

بہرحال یہ عقیدہ جس کے متعلق آپ نے بلاغور و فکر فرمایا کہ "آپ نے بنیادی عقیدہ کی جو عبارت نقل کی وہ تو عین حق و صواب ہے اور ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا ہی چاہیئے" الخ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ تو مودودی صاحب کے اقوال اور عقائد سے بہت زیادہ واقف ہیں کیا ان الفاظ میں تلبیسِ شدید اور انتہائی تخریب پنہاں نہیں کی گئی ہے۔

(الف) رسولِ خدا (علیہ السلام) کے سوا جتنے انبیاء علیہم السلام ہیں کیا وہ معیارِ حق نہیں ہیں؟

(ب) کیا ان پر آج بھی ایمان لانا اور اخلاقِ کاملہ و اعمالِ نبوت سے متصف قرار دینا فرض نہیں ہے؟

(ج) کیا ان کی شان منصبِ نبوت کے خلاف کسی قسم کی گستاخی کرنا آج جائز ہے؟

(د) کیا معیاریتِ حق لوازمِ نبوت میں سے نہیں ہے؟ اس کا انکار ان کی نبوت کے انکار کو مستلزم نہ ہوگا؟

(ہ) جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معیارِ حق قرار دینا اور دوسرے انبیاء علیہم السلام سے اس وصف کو نفی کرنا جیساکہ صریح مدلول اِس دفعہ کا ہے۔ کیا یہ تفریق بین الرسل اور حرام نہیں۔

(و) کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصدق لجمیع الانبیاء ہونا اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ جن انبیاء علیہم السلام کی تفصیل قرآن اور حدیث میں آئی ہے اس کا انکار کر دیا جائے ؟

(ز) کیا اصول فقہ کا مسلّم مسئلہ نہیں ہے کہ شریعت من قبلنا شریعت لنا اذا لم یکن منسوخًا وذکر فی کتبنا۔

(ی) کیا قرآن مجید کی آیت " اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (سورۂ انعام) ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا. (سورۂ نحل) قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ الآیۃ (سورۂ بقرہ) وغیرہ آیاتِ متعددہ میں آج بھی ان انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور یقین رکھنے اور اُن کو معیارِ حق ماننے کا حکم قطعی نہیں ہے۔

امورِ مذکورہ بالا کے ہوتے ہوئے آپ کا جواب سمجھ میں نہیں آتا۔ غور فرمایئے یہ ارشاد اس جگہ میں فرمانا " انبیاء سابقین کی تصدیق اور اُن پر ایمان تو ایک کھلا ہوا مسلّمہ ہے۔ یقین نہیں آتا کہ مودودی صاحب یا ان کے اتباع میں سے کسی نے اس سے انکار کیا ہو"۔ ان کی صریح عبارت کا انکار ہے۔ مودودی صاحب دستور اپنی جماعت کا لکھ رہے ہیں۔ عرصہ دراز سے یہ دستور شائع اور معمول بہ ہو رہا ہے اور الفاظ اتنی وضاحت کے ساتھ سلب کلی کے طور پر ہر انسان سے معیاریت

حق اور تنقید سے بالاتری اور ذہنی غلامی کے ابتلا کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ پھر آپ کی یہ توجیہ کس طرح قابلِ تسلیم ہو سکتی ہے۔ اس عموم اور استغراق اور سلب کلی اور اطلاق کو کہاں لیجائیں گے۔ بحث الفاظ پر ہے احتمالات غیر مفہومہ عن العبارۃ پر نہیں ہے اور اگر آپ مودودی صاحبؒ کی تصانیف اور اُن کے خواص کی تالیفات کا استقصاء فرمائیں گے تو نہ صرف عام انبیاؑ و رسلؑ بلکہ اولوا العزم رسولوں کی بھی ان کے بے پناہ قلم سے پناہ اور ان کی تنقید سے نجات نہ پائیں گے۔

بہر حال الفاظ صاف ہیں۔ آپ کا فریضہ یہ تھا کہ خطأ کو ظاہر فرما کر لوگوں کو غلط روی اور گمراہی سے بچاتے کسی شخص کی تکفیر اور تضلیل مطمح نظر نہیں ہے بلکہ اس بنیادی غلطی اور فاسد عقیدہ سے لوگوں کو بچانا ہے۔ غور فرمائیے۔

لفظ معیارِ حق کی جو تاویل جناب نے فرمائی اور وہ بھی بلفظ غالباً وہ بھی محل تامل ہے۔ اگر بالفرض ایسا ہی تھا جیسا کہ والانامہ میں (۲) پر کہا گیا ہے "معیارِ حق سے اس جماعت کا اشارہ غالباً وحی کی جانب ہے۔ یعنی اصلاً معیارِ حق وحیِ الٰہی ہی ہے۔" تو اولاً عرض یہ ہے کہ اگر اس قسم کا احتمال اعتبار کرنے پر اس کی تصویب کی گئی ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ شائع شدہ عبارت یعنی" اپنے بنیادی عقیدہ کی جو عبارت نقل کی وہ تو عین حق و صواب ہے اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا چاہیئے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس کے بعض توضیحی فقرے بڑھا دیئے جائیں" کس طرح صحیح ہو سکتی ہے جبکہ یہ مسئلہ یقینی اور اتنا ضروری کیسے رہ گیا کہ آپ فرماتے ہیں کہ وہ تو عین حق و صواب ہے اور مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا ہی چاہیئے۔

محترما! لفظ معیارِ حق ایک لغوی لفظ ہے کسی فن کا اصطلاحی لفظ نہیں ہے۔ لغت عربی میں معیار ہر اُس شئے پر بولا جاتا ہے جس سے کسی چیز کی مقدار پہچانی جائے خواہ ناپ وکیل ہو یا وزن وغیرہ۔ اس لئے ہر وہ شخص جس کے فعل، قول، عقیدہ، حال پر پورا اعتماد اسی طرح ہو جائے کہ اس میں قصداً غلطی اور نافرمانی کی گنجائش نہ ہو وہ معیارِ حق ہوگا اور اس کے ذریعہ سے حق پہچانا جائیگا خواہ اس پر وحیِ الٰہی آتی ہو یا نہیں۔

(الف) اگر رسول یا نبی نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے کلام قطعی اور قدیم میں اس شخص کے متعلّق خبر دیتا ہے کہ ہم اس سے راضی ہیں، تو یقینی بات ہے کہ اس سے قصداً کوئی گناہ سرزد نہیں ہوگا ورنہ اس علمِ قدیم میں جو کہ "لا یعزب عنہ مثقال ذرّۃ" کا مصداق ہے خلل لازم آئے گا۔ یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ قصداً گناہ کرنیوالے سے بھی راضی ہو سکتا ہے حالانکہ حق وہ ہی امر ہے جس سے اللہ تعالےٰ راضی ہوں۔ قرآن مجید میں ہے "ولا یرضی لعبادہ الکفر" اس لئے کسی ایسے شخص کے معیارِ حق ہونے پر تامل کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا جس کے لئے اللہ تعالےٰ نے کلام اللہ میں اپنے راضی ہونے کی خبر دی ہو۔ جیسے سابقین اوّلین مہاجرین اور انصار اور تابعین بالاحسان کے لئے سُورۂ توبہ میں اور اصحابِ حدیبیہ کے لئے سُورۂ فتح میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

(ب) علیٰ ھٰذا القیاس اگر قرآن مجید میں کسی کے متعلّق ہمیشہ جنّتی رہنے کی یعنی تابید کی خبر دی گئی ہے تو اس کے متعلّق بھی کوئی بالقصد غلط کاری اور معصیت کے ابتلا کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یقیناً اس کے اعمال اور اقوال حق ہی

ہوں گے۔ اس میں کوئی شائبہ باطل کا نہیں پایا جا سکتا ورنہ یا اخبار قطعیہ قرآنیہ پر حرف آئے گا یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ اشخاص جن میں معصیت کا تحقق ہے وہ مُؤبّد فی الجنۃ ہوں۔ یا یہ خبر تابید جنّت کی سابقین اوّلین مہاجرین اور انصار اور تابعین بالاحسان کے لئے سورۂ توبہ میں وارد ہے۔

(ج) علیٰ ھٰذا القیاس اگر قرآن مجید میں کسی کے متعلق تحفظ عن المعاصی والمکروہات کا اعلان کر دیا گیا ہے وہ یقیناً معیارِ حق ہوگا۔ اس کی تمام حرکات و سکنات نظرِ خداوندی کی حفاظت میں ہوں گی۔ اس سے کوئی گناہ قصداً صادر نہ ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ حجرات میں صحابۂ کرام رضؓ کے متعلق اعلان کیا گیا ہے۔ مذکورہ ذیل الفاظ پر غور فرمائیے۔

ولٰکن اللہ حبّب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم
وکرّہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولٰئک
ھم الرّاشدون۔ الآیۃ۔

کیا اس کفالتِ قویّہ کے بعد بھی کسی نافرمانی کا احتمال ہو سکتا ہے؟

اسی طرح سورۂ تحریم کی آیت "یوم لا یخزی اللہ النّبیّ والّذین اٰمنو معہٗ" الآیۃ۔ سورۂ فتح کی آیت "محمّد رّسول اللہ والّذین معہ اشدّ اءعلی الکفّار رحماء بینھم الآیۃ۔ سورۂ حشر کی آیت۔ سورۂ اعراف کی آیت اور متعدد کئی آیتیں قطعی طور پر صحابہ رضوان اللہ علیہم کے متعلق انتہائی تزکیہ اور تعدیل پر زوردار روشنی ڈال رہی ہیں تو کیا یہ صحابۂ کرام رضؓ معیارِ حق نہ ہونگے؟ اور ان کے اعمال و اقوال سے حق پہچانا نہ جا سکیگا؟ حالانکہ حدیث شریف میں ہے

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الرّاشدین (الحدیث) اقتدوا بالّذین من بعدی ابی بکرؓ وعمرؓ (الحدیث) احادیثِ صحیحہ اس بارے میں بہت زیادہ ہیں طول کے خوف سے مذکورہ بالا مختصر عرض پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس لئے میں نہیں سمجھ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی اس تصریح کے بعد اگر ہم اس عقیدۂ مودودیہ ۶ پر نظر ڈال کر فیصلہ کرتے ہیں تو کیا مخالفتِ قرآن حکیم لازم نہیں آتی اور کیا ایسی خبر خداوندی کے بعد بھی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ رضی اللہ عنہم اور دوسرے محترم صحابہؓ کو جانچنے کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ اور کیا مودودی صاحب کا سلب کلّی کہ کوئی انسان رسُولِ خدا کے سوا نہ معیارِ حق بن سکتا ہے نہ تنقید سے بالا تر ہو سکتا ہے، نہ اس کی ذہنی غلامی جائز ہو سکتی ہے بالکل غلط اور باطل نہیں ہوتا۔ پھر آپ کے یہ کلمات شائع شدہ کس طرح قابلِ تسلیم ہو سکتے ہیں؟

محترما! گفتگو اس میں ہے کہ ان نصوص کے وارد ہونے کے بعد جناب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سوا کوئی معیارِ حق ہے یا نہیں؟ اس کی تقلید آنکھ بند کر کے کرنے پر انسان متبع حق رہیگا یا نہیں؟ مودودی صاحب کلیۃً نفی فرماتے ہیں۔ صحابۂ کرامؓ تک کو بلکہ خیر الامۃ حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کو بھی یہ حق معیاریت اور تنقید سے بالاتری اور ذہنی غلامی کا نہیں دیتے۔ مگر آپ کا شائع شدہ مضمون نہ صرف اس کی تائید کرتا ہے بلکہ اس کو عین حق اور صواب اور ہر مسلمان کا وہی عقیدہ ہونا لازم کر رہا ہے۔

آنجناب کے اس والا نامہ کے مضمون کو جبکہ میں شائع شدہ عبارت کے

سامنے رکھتا ہوں تو توافق تو درکنار مخالفت پاتا ہوں۔ مہربانی فرماکر واقعیت سے خبر دیجئے اور مودودیوں کی شائع کردہ تحریر کی تردید فرمایئے۔ احتمالات اور حُسنِ ظن کے امکانات سے قطعی فیصلہ کسی عقیدۂ دینیہ اور دستور میں کرنا انتہائی غلطی کے مُرادف ہے۔ اس سے خلقت کی گمراہی کا وبال اُٹھانا لازم آئے گا۔

یہ تو نہایت مختصر عرض پیش کرسکا ہوں، اگر کوئی موقعہ ملا تو تفصیلی باتیں عرض کروں گا۔ میری اس عرض پر جبیں بجبیں نہ ہوں۔ ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ اگر ممکن ہو تو جلد جواب باصواب سے مشرف فرمائیں۔

(مکتوب ۲ جلد سوم ص ۳۹ تا ص ۴۷) ننگِ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

۲۱ رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ

(۸)

{ایک سائل کے نام}

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمام اہلِ سُنّت والجماعت مسلمان ہمیشہ سے اس امر پر متفق ہیں کہ جو شخص کلمہ طیبہ (اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ) صدقِ دل سے کہے اس کا ایمان اجمالی متحقق ہوجاتا ہے اور جو شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی تمام یقینی باتوں (وحدانیت، رسالت، ملائکہ کتابہائے خداوندیہ، قیامت، تقدیر، ختم نبوت وغیرہ قطعیات) کو دل سے مان لے

اور اقرار کر لے اس کا تفصیلی ایمان متحقق ہو جاتا ہے اور وہ مسلمان اور ملتِ اسلامیہ کا فرد بن جاتا ہے۔ اعمال میں کوتاہی سے یہ ایمان و اسلام زائل نہیں ہوتا۔ اعمالِ ضروریہ کی کوتاہی سے صرف فسق آتا ہے کفر نہیں آتا۔ ہاں اگر ان امورِ ایمانیہ کا انکار و جمود پایا جائے تب بیشک استحقاقِ کفر ہوتا ہے۔ اعمال خواہ کسی درجہ کے ہوں ان کا ترک کرنے والا کافر نہیں ہوتا۔ البتہ گمراہ فرقے خوارج معتزلہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ اعمالِ مرضیہ کے ترک کرنے سے یا کبیرہ گناہ کے مرتکب ہونے سے انسان ایمان سے نکل جاتا ہے۔ آج ہندوستان بھر میں مودودی صاحب اور ان کی جماعت بھی یہی عقیدہ رکھتی ہے اور اسی کی تعلیم اور تلقین کرتی ہے۔

چنانچہ مودودی صاحب اپنے رسالہ "حقیقتِ حج" میں زیرِ عنوان "حج کی تاریخ مابعد" میں فرماتے ہیں۔

(نیز ان چھوٹے رسالوں کے علاوہ خطبات میں بھی یہ عبارتیں موجود ہیں اور انہیں سے یہ مضامین اور عبارتیں چھوٹے چھوٹے رسالوں کی صورت میں شائع کئے گئے ہیں)

"ــــــ یہ ہے وہ مسلمان جن کو عمر بھر کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ حج بھی کوئی فرض اُن کے ذمّہ ہے۔ دُنیا بھر کے سفر کرتے پھرتے ہیں کچھ یورپ کو آتے جاتے حجاز کے ساحل سے بھی گزر جاتے ہیں جہاں سے مکہ صرف چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے اور پھر بھی حج کا ارادہ تک اُن کے دل میں نہیں گزرتا تو وہ قطعًا مسلمان نہیں ہیں۔

جھُوٹ کہتے ہیں اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اور قرآن سے جاہل ہے جو اُن کو مسلمان سمجھتا ہے۔" (خطبات صفحہ ۱۸۶)

نیز رسالہ "حقیقت زکوٰۃ" میں زیرِعنوان "زکوٰۃ کی اہمیت" فرماتے ہیں :۔

"اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے بغیر نماز روزہ اور ایمان کی شہادت سب بیکار ہیں، کسی چیز کا بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔" (خطبات صفحہ ۱۲۷ شائع کردہ مکتبہ جماعت اسلامی گوشہ محل حیدر آباد دکن)

پھر لکھتے ہیں :۔

"ان دو ارکانِ اسلام (نماز روزہ) سے جو لوگ رُوگردانی کریں اُن کا دعوٰیِ ایمان ہی جھوٹا ہے۔" (خطبات صفحہ ۱۳۰ زکوٰۃ)

پھر فرماتے ہیں :۔

"قرآن کی رُو سے کلمۂ طیبہ کا اقرار ہی بے معنیٰ ہے اگر آدمی اس کے ثبوت میں نماز اور زکوٰۃ کا پابند نہ ہو۔" (خطبات صفحہ ۱۳۲)

مذکورہ بالا تصریحات پر غور فرمائیے۔ پاکستان اور ہندوستان کے وہ تمام سربرآوردہ مسلمان لیڈر جو کہ برسرِ اقتدار ہیں اور دُور دُور کے ممالک یورپ اور امریکہ وغیرہ کا سفر کرتے رہتے ہیں یا زمانۂ سابق میں ان دور دراز ممالک بالخصوص انگلستان کے سفر کر چکے ہیں اور نعمتِ حج و زیارت مدینۂ منورہ سے فائز نہیں ہوئے۔ سرسید اور جسٹس محمود سے لے کر اس زمانہ کے جملہ اشخاص جن

میں علامہ سر اقبال، قائدِ اعظم، نواب زادہ لیاقت علی خاں، سر ناظم الدین وغیرہ وغیرہ بے شمار لیڈرانِ قوم آتے ہیں۔ سب کے سب کو بیک قلم قطعی اور یقینی طور پر اسلام اور ایمان سے خارج کر دیا گیا اور فتویٰ صادر کر دیا گیا کہ ان کا اپنے آپ کو مسلمان کہنا جھوٹ ہے۔ جو شخص بھی ان کو مسلمان کہے وہ قرآن سے جاہل ہے۔

اسی طرح وہ تمام اسلامیت کے دعویدار جو زکوٰۃ نہیں دیتے یا نماز نہیں پڑھتے یا روزہ نہیں رکھتے اُن کا دعویٰ ایمان جھوٹا ہے اور ان کا کلمۂ طیبہ پڑھنا بے معنیٰ اور ان کے ایمان کی شہادت غیر معتبر اور بے کار ہے۔ اور چونکہ ایمان اور کفر میں کوئی واسطہ نہیں، ایک کے زوال سے دوسرے کا آجانا یقینی ہے اس لئے جب ان لوگوں کو ایمان اور اسلام سے قطعی طور پر نکال دیا گیا تو قطعی طور پر کفر میں بھی داخل کر دیا گیا۔ اس طرح کی عمومی تکفیر صرف مودودی صاحب اور ان کی جماعت یا خوارج کے سوا کلمہ گویان اُمتِ محمّدیہ کی کس نے کی اور کب کی گئی؟ بے شک ایسے لوگ فرائض کے تارک گنہگار مستحقِ عقاب ہیں۔ ان کو جلد سے جلد توبہ کرنا اور اپنی بداعمالیوں کو ترک کر دینا ضروری ہے (اگر زندہ ہوں) اور خداوندی عذاب کے مستحق ہیں (اگر بلا توبہ مر گئے ہوں) مگر وہ دائرۂ ایمان اور اسلام سے خارج نظر شرع میں نہیں کئے جا سکتے۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ اور ایمان ان کو ضرور بالضرور نفع پہنچائے گا اگرچہ بداعمالیوں کی سزا کے بعد ہی ہو (اگر شفاعت یا دیگر وجوہ رحمت سے مستفید نہ ہو سکے) مگر ایسے لوگ خلود فی النار سے محفوظ رہیں گے۔ ذرہ برابر بھی ایمان کا درجہ ان کے لئے خلود فی النار سے محافظ اور جنت کے دخول کا ذریعہ ہوگا۔ مودودی صاحب اور ان کی جماعت کا یہ عقیدہ اُمت محمدیہ پر انتہائی ظلم اور خوارج کی طرح غلو فی الدین ہے۔

اعمال کو جزوِ ایمان قرار دینا اس مقام پر جب یہ کہا گیا کہ اعمالِ اسلامیہ کو جزوِ ایمان بجز فرقہ ہائے ضالّہ خوارج اور معتزلہ وغیرہ کسی نے قرار نہیں دیا اور نہ یہ کہا کہ ان کے ترک سے ایمان سے خارج ہو جائے گا۔ جیسا کہ مودودی صاحب اور ان کے متبعین ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ ان کا مسلک اہلِ سُنّت والجماعت کے مسلک کے بالکل خلاف اور احادیثِ صحیحہ اور آیاتِ صریحہ کے بالکل منافی ہے تو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اعمال کے جزوِ ایمان ہونے کے قائل تو تمام سلف محدثین اور شافعیہ اور اہلِ ظاہر وغیرہ ہیں جو کہ اہلِ سُنّت میں سے ہی ہیں۔ مگر یہ جواب بالکل غلط ہے اور دھوکا ہے۔ شافعیہ اور محدثین اعمال کو ایمان کا جزو مقوم نہیں کہتے کہ اس کے عدم سے انعدامِ ایمان اسی طرح ہو جائے جس طرح جزو کے انعدام سے کُل کا انعدام ہو جاتا ہے۔ بلکہ جزو متمم اور مکمّل کہتے ہیں اور ان کے انعدام سے کمالِ ایمانی معدوم ہو جاتا ہے، نفسِ ایمان معدوم نہیں ہوتا جیسے کہ اجسامِ انسانیہ کے دو قسم کے اجزا ہیں، بعض مکملہ ہیں جیسے کہ انگلیاں، ناک، کان، آنکھ، ہاتھ، پیر۔ اور بعض مقومہ ہیں، جیسے دل، دماغ، جگر وغیرہ اعضائے رئیسہ۔ پہلے قسم کے اعضاء کے کٹ جانے سے انسان مرتا نہیں ہے البتہ اُس کے جسمانی کمال میں نقصان ہو جاتا ہے۔ بخلاف دوسری قسم کے اجزا کے کہ اگر وہ باقی نہ رہیں تو انسان فنا ہو جاتا ہے اس لئے تارکِ اعمال کی تکفیر نہیں کی جا سکتی خواہ وہ اعمال کتنی ہی عظیم الشّان اہمیت رکھتے ہوں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں:۔

"المعاصی من امر الجاهلیّة ولا یکفر صاحبها بارتکابها الّا بالشرك" الخ (معاصی رسوم جاہلیت میں

سے ہیں (لیکن) عصاۃ کو جب تک کہ ان کی معصیت حدِ شرک میں نہ داخل ہو کافر نہ کہا جائے گا)

امام نووی شافعیؒ شرح مسلم ص۲۵ میں فرماتے ہیں:۔

ثم ان اسم الایمان یتناول ما فسر به الاسلام فی ھذا الحدیث وسائر الطاعات لکونها ثمرات للتصدیق الباطن الذی ھو اصل الایمان ومقویات ومتممات وحافظات له ولھذا فسر صلی اللہ علیه وسلم الایمان فی حدیث عبد القیس بالشھادتین والصلوٰۃ والزکوٰۃ وصوم رمضان واعطاء الخمس ولھذا لا یقع اسم المؤمن المطلق علی من ارتکب کبیرۃ او ترك فریضة لان اسم شیٔ مطلقا یقع علی الکامل منه ولا یستعمل فی الناقص ظاھراً الا بقید۔

لفظ ایمان میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو اس حدیث میں بسلسلہ تفسیرِ اسلام بیان کی گئی ہیں اور تمام طاعات بھی شامل ہیں کیونکہ یہ اس تصدیق کے ثمرات اور مقوی اور متمم ہیں جو کہ اصل ایمان ہے۔ اسی لئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد القیس والی حدیث میں ایمان کی تفسیر شہادتین، صلوٰۃ زکوٰۃ، صوم رمضان اور ادائے خمس کے ساتھ کی ہے۔ اور اسی لئے مؤمن مطلق کا لفظ اس شخص پر نہیں بولا جاتا ہے جو کہ مرتکبِ کبیرہ ہو یا تارکِ فرض ہو، کیونکہ مطلق کا اطلاق کامل ہی پر ہوتا ہے اور ناقص میں استعمال قرینہ یا قید کے بغیر نہیں ہوتا۔

اور صفحہ ۲۶ میں فرماتے ہیں :-

و اعلم ان مذهب اهل الحق انه لا يكفر احد من اهل القبلة بذنب ولا يكفر اهل الاهواء والبدع وان من جحد ما يعلم من دين الاسلام ضرورة حكم بردته وكفره الخ

جاننا چاہیئے کہ اہلِ حق کا مذہب یہ ہے کہ اہلِ قبلہ میں کسی کو کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر نہ کہا جاوے۔ نہ اہلِ اہواء اور اہلِ بدعت کو کافر کہا جاوے لیکن ضروریات اور قطعیاتِ اسلامیہ کے منکر خارج از اسلام ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری ج ۱ ص ۴۴ میں فرماتے ہیں :-

فالسلف قالوا هو (الایمان) اعتقاد بالقلب ونطق باللسان وعمل بالارکان وارادوا أن الاعمال شرط فی کماله ومن هٰهنا القول بالزيادة والنقص كما سيأتي والمرجئة قالوا هو اعتقاد ونطق فقط والمعتزلة قالوا هو العمل والنطق والاعتقاد والفارق بينهم وبين السلف انهم جعلوا الاعمال شرطاً في صحته والسلف جعلوها شرطاً في كماله ؛

سلف صالحین کا مسلک یہ ہے کہ ایمان کہتے ہیں دل سے شہادتین کا اعتقاد کرنا اور اعضاء سے مقتضائے شہادت پر عمل کرنا۔ زبان سے کلمۂ شہادت ادا کرنا۔ سلف نے عمل کرنے کو کمالِ ایمان کے لئے شرط قرار دیا ہے اور اسی وجہ سے سلف قائل ہوگئے کہ ایمان میں زیادتی اور کمی واقع ہوسکتی ہے (یعنی اعمال کی کمی اور زیادتی کے اعتبار سے) اور فرقہ مرجیئہ کا مسلک یہ ہے کہ ایمان اعتقاد، شہادت اور زبان سے ادائے شہادت کا نام ہے (یعنی عمل سے ایمان کا کوئی تعلق نہیں) اور فرقہ

کرامیہ کا مسلک یہ ہے کہ ایمان صرف زبان سے ادائے شہادت کا نام ہے۔ اور فرقۂ معتزلہ کا مسلک یہ ہے کہ ایمان عمل، نطق شہادت اور اعتقاد کا مجموعہ ہے۔ معتزلہ اور سلف صالحین کے مسلک میں فرق یہ ہے کہ معتزلہ عمل کو ایمان کے صحیح ہونے کے لئے شرط قرار دیتے ہیں اور سلف صالحین عمل کو صحتِ ایمان کے لئے شرط قرار نہیں دیتے بلکہ کمالِ ایمان کے لئے شرط کہتے ہیں۔

کلام سابق سے معلوم ہوا کہ علمائے کلام (اشاعرہ وماتریدیہ) اور شافعیہ اور محدثین اور سلف میں نزاع لفظی ہے۔ علمائے کلام نفس ایمان میں اعمال کی جزئیت کے نافی ہیں، کمالِ ایمان میں جزئیت کے نافی نہیں۔ اور سلف اور شافعیہ اور محدثین کمالِ ایمانی میں جزئیت کے قائل ہیں نفسِ ایمان میں نہیں۔ اس لئے مرتکبِ کبیرہ اور تارک اعمال مفروضہ کسی کے نزدیک کافر نہیں ہوگا اور نہ نفسِ ایمان سے محروم ہوگا، البتہ کمالِ ایمانی سے سب کے نزدیک محروم رہے گا۔ اس لئے مودودی صاحب کا ارشاد بالکل اہل سُنّت والجماعت کے خلاف اور خوارج اور معتزلہ ہی کا مذہب ہے جس کو مودودی جماعت اختیار کئے ہوئے ہے اور مسلمانوں کو اسی طرف بلاتی ہے اور اسی میں داخل کرتی ہوئی ان کو خارجی اور معتزلی بنا کر گمراہ کرتی ہے۔ اس پر مودودی صاحب کے یہاں آج ہندوستان اور پاکستان بلکہ تمام دنیائے اسلام کے اکثر و بے نہایت مسلمان دائرۂ اسلام سے قطعًا خارج ہوجاتے ہیں کیونکہ آج ملّتِ محمدیہ میں بڑی اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے جو تمام یا اکثر یا بعض فرائض کے تارک ہیں۔ ان کا کلمۂ طیبہ پڑھنا اور اقرار و یقین باللہ و بالرسول لغو اور غیر قابلِ اعتبار ہوجاتا ہے۔

جو حضرات مودودیت کی دعوت دینے کے لئے پروپیگنڈہ کرتے پھرتے اور

بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے دام اور جال میں پھنسا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ مودودی صاحب کی تحریروں اور لٹریچروں سے بے شمار انگریزی خواں جو کالجوں کی تعلیم سے بالکل ملحد اور بے دین ہو گئے تھے دین دار ہو گئے ہیں۔ یہ عظیم الشان کارنامہ مودودی صاحب کا ہے جس کی بنا پر سب کو ان ہی کے حلقۂ ارادت کی طرف دعوت دی جاتی ہے اور جو حضرات اس دامِ تزویر میں گرفتار ہیں وہ غور فرمائیں کہ مودودی صاحب کے لٹریچروں سے دائرۂ ایمان و دین میں داخل ہونے والے زیادہ ہیں یا ان لٹریچروں کی وجہ سے نکل جانے والے زیادہ ہیں۔ اور غضب تو یہ ہے کہ جو لوگ ان گنہگار مسلمانوں کو دائرۂ اسلام و ایمان سے خارج نہیں کرتے اُن کو کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ قرآن سے جاہل ہیں، حالانکہ قرآن کی متعدد آیتیں اور بے شمار احادیث ان لوگوں کے ایمان اور اسلام کی شہادت دیتی ہیں اور ان کو مغفرت اور نجات کی امید دلاتی ہیں۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ: فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لھا۔ الآیۃ ۲۵۶	پس جو شخص شیطان سے بداعتقاد ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش اعتقاد ہو (یعنی اسلام قبول کرے) تو اُس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کو کسی طرح شکستگی نہیں۔
(۲) وقال سبحانہٗ وتعالیٰ: ومن یسلم وجھہ الی اللہ وھو محسن فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ والی اللہ عاقبۃ الامور ومن کفر فلا یحزنک کفرہ	اور جو شخص اپنا رُخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو اُس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا اور اخیر سب کاموں کا اللہ ہی کی طرف پہنچے گا۔ اور جو شخص کفر کرے سو آپ کے لئے باعثِ غم نہ ہونا چاہیے۔

الینا مرجعھم فننبئھم بما عملوا ان اللہ علیم بذات الصدور (لقمان)	ان سب کو ہمارے پاس لوٹنا ہے سو ہم ان کو جتلا دیں گے جو کچھ کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں۔
(۳) وقال تعالیٰ: ومن یرغب عن ملة ابراھیم الا من سفہ نفسہ ولقد اصطفیناہ فی الدنیا وانہ فی الاٰخرة لمن الصالحین۔ اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العٰلمین (بقرة)	اور ملتِ ابراہیمی سے تو وہی شخص رُوگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو اور ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کیا اور آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں جبکہ ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ تم اطاعت اختیار کرو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی۔
(۴) وقال تعالیٰ: قل یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمة سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ و لا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون (آل عمران)	آپ فرمادیجئے کہ اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم اور کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے حق تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ پھر اگر وہ اعراض کریں تو کہدو کہ گواہ رہو، ہم تو ماننے والوں میں ہیں۔
(۵) وقال اللہ تعالیٰ: ان اللہ	بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے

لا یغفر ان یشرك به — کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے
و یغفر ما دون ذالك — اس کے سوا جتنے گناہ ہیں جس کیلئے منظور
لمن یشآء (انعام) — ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے۔

(۶) وقال تعالی: قل یاعبادی — آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو!
الذین اسرفوا علی انفسہم — جنہوں نے اپنے اُوپر زیادتیاں کی
لا تقنطوا من رحمۃ اللہ — ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید
ان اللہ یغفر الذنوب — مت ہو۔ بالیقین اللہ تمام گناہوں
جمیعًا (الزمر) — کو معاف کردے گا۔

(۷) وقال سبحانہ وتعالی: وان — اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں
طائفتان من المؤمنین — لڑ پڑیں تو ان کے درمیان
اقتتلوا فاصلحوا بینہما۔ — اصلاح کردو۔

(۸) وقال تعالی: الذین امنوا — جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان
ولم یلبسوا ایمانہم — کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے
بظلم اولئك لہم الامن — اُنہیں کے لیے امن ہے اور وہی راہ
وھم مھتدون (انعام) — پر چل رہے ہیں۔

وفسر النبی صلی اللہ علیہ — نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ظلم کی جو
وسلم "الظلم" بالشرك۔ — اس آیت کریمہ میں ہے شرک کے ساتھ تفسیر بیان فرمائی

(۹) وقال النبی صلی اللہ علیہ — نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اللہ
وسلم ما من عبد قال لا الہ — کا بندہ کلمۂ توحید کا قائل ہو پھر اسی عقیدہ

الا الله ثم مات على ذالك
الا دخل الجنة، قلت وان
زنى وان سرق، قال وان
زنى وان سرق، قلت وان
زنى وان سرق، قال وان
زنى وان سرق، قلت وان
زنى وان سرق، قال وان
زنى وان سرق على رغم
انف ابى ذر (الحديث متفق عليه)

پر اُس کو موت آجائے تو وہ ضرور جنتی ہوگا
(راوی حدیث یعنی ابو ذرؓ صحابی فرماتے ہیں)
میں نے عرض کیا کہ کلمۂ توحید کا قائل جنتی
ہے چاہے وہ زنا اور چوری بھی کرے؟
آپؐ نے فرمایا ہاں! چاہے وہ زنا اور
چوری بھی کرے۔ پھر میں نے تعجب سے
کہا اگرچہ وہ زنا اور چوری بھی کرے؟
آپؐ نے فرمایا ہاں اگرچہ وہ زنا اور چوری
بھی کرے۔ میں نے پھر عرض کیا اگرچہ
زنا اور چوری بھی کرے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں وہ جنتی ہے ابوذرؓ کی ناگواری کے
باوجود اگرچہ وہ زنا اور چوری بھی کرے۔ (بخاری ومسلم)

(۱۰) وعن عبادة بن الصامت
قال قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم من شهد
ان لا اله الا الله وحده
لا شريك له وان محمدا
عبده ورسوله وان عيسى
عبد الله ورسوله وابن
امته وكلمته القاها

عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس
بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت
کے لائق نہیں، وہ یکتا ہے اور اُس کا کوئی
شریک نہیں۔ اور بلاشبہ محمدؐ اللہ کے بندے
اور اُس کے رسول برحق ہیں اور حضرت عیسیٰؑ
بھی اُس کے بندے اور رسول برحق ہیں اور
اللہ تعالیٰ کی ایک بندی کے بیٹے ہیں اور کلمۃ اللہ

الی مریم و روح منه والجنة	ہیں جن کو حق تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کی طرف
والنار حق ادخله الله الجنة	القار فرمایا تھا اور حق تعالیٰ کی جانب سے ایک
علیٰ ما کان من العمل ؏	رُوح ہیں اور گواہی دے کہ جنّت اور دوزخ
(متفق علیہ)	حق ہیں۔ ایسے کو حق تعالیٰ جنّت میں داخل

فرمائیں گے اس کے عمل خواہ کیسے ہی ہوں۔ (بخاری ومسلم)

(۱۱) وعن انس رضی الله عنه قال	انس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ عذاب نار
یخرج من النار من قال لا اله	سے ایسے لوگ بالآخر نکال دیئے جائیں گے جو
الا الله وفی قلبه وزن شعیرة	کلمۂ توحید کے قائل تھے اور اُن کے دل میں جَو
من الخیر ویخرج من النار من	برابر ایمان تھا۔ اور وہ لوگ بھی دوزخ سے
قال لا اله الا الله وفی قلبه	نکال دیئے جائیں گے جو کلمۂ توحید کے قائل تھے
وزن ذرّة من خیر قال ابو	اور ان کے دل میں گیہوں کے دانہ کے برابر ایمان
عبد الله قال أبان حدثنا	تھا۔ اور ایسے لوگ بھی دوزخ سے نکال دیئے
قتادة قال حدثنا انس	جائیں گے جن کے دل میں ذرّہ برابر ایمان تھا
عن النبی صلی الله علیه وسلم	ابو عبداللہ بخاری فرماتے ہیں کہ (راوی) ابان
من ایمان مکان خیر (بخاریؒ)	نے کہا کہ ہم سے قتادہ نے بیان کیا کہ یہ روایت

ہم کو انسؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کی تھی اور بجائے "من خیر" کے لفظ "من ایمان" نقل کیا تھا (بخاری)

....

....

ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"یہاں حال یہ ہے کہ جو شخص بھی اس تحریک سے متأثر ہو گیا ہے وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر تمام سلف صالحین کی عظمت اور رفعت اپنے دل سے نکال چکا ہے۔ تقلید اس کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ وہ ہر موقع پر کورانہ تقلید کے الفاظ استعمال کرتا ہے اگرچہ مودودی صاحب کا ربقۂ تقلید وہ اپنی گردن میں ڈال چکا ہے وہ عام مسلمانوں سے اپنے کو کچھ علیٰحدہ سمجھتا ہے اور اس کی ہر چال ڈھال، انداز تکلم ہر حسّاس آدمی کی نظر میں علیٰحدہ امتیازی نظر آتا ہے۔ مودودی اور غیر مسلمانوں میں انتشار وافتراق بڑی حد تک پھیل چکا ہے۔ اگر کسی اسکول کا ہیڈ ماسٹر مودودیت سے متأثر ہو چکا ہے تو وہ مذہبی لحاظ سے اپنے چپڑاسی پر رحم نہیں کرتا۔ اگر کسی کمیٹی کا منیجر مودودی ہو چکا ہے تو وہ ایک کلرک کی بھرتی کے وقت مودودی کلرک رکھنا چاہتا ہے۔ بیٹا مودودی ہو گیا ہے تو وہ بوڑھے اور ضعیف حاجتمند باپ کی امداد نہیں کرتا۔ بھائی سے بھائی چچا سے بھتیجا، ماموں سے بھانجہ آپس میں دست وگریبان ہیں۔ پرانی دوستیاں ختم ہو گئیں۔ عزیزوں میں اختلاف و افتراق رونما ہو گیا۔ جناب محترم! ان سب باتوں کی بوقتِ ضرورت نشاندہی کی جا سکتی ہے۔"

غور فرمائیے کہ مودودیوں کے اس غلو اور افراط کے نتائج (کہ وہ اپنی جماعت کو اصلی مسلمان قرار دیتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو نسلی مسلمان قرار دے کر سلف اور متبعین مذاہب اربعہ اور صوفیائے کرام کو نہایت دلخراش الفاظ سے علانیہ ذکر کرتے ہوئے تکفیر اور تحمیق و تجہیل کرتے ہیں اور سلف صالحین اور صحابۂ کرامؓ سے آج تک کے تمام مسلم افراد پر زبان درازیاں کرتے ہوئے تنقید و سب و شتم کرتے ہیں) کہاں سے کہاں پہنچ رہے ہیں اور آئندہ ان نتائج کے کیا کیا پھول و پھل لگ سکتے ہیں۔ دوربین اور سمجھدار لوگوں کا متنبہ ہونا اور عبرت پکڑنا از بس ضروری ہے۔ اور جس قدر احتیاط اور انضباط ممکن ہو عمل میں لانا واجب ہے۔ واللہ الموفق

ننگ اسلاف

(مکتوب ۱۰ جلد سوم ص ۲۷ تا ص ۳۰)

حسین احمد غفرلہٗ

محرم ۱۳۷۱ھ

⑨

{بنام جناب مولوی محمد سالم صاحب ہنسوہ ضلع فتح پور}

محترم المقام زید مجدکم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا تفصیلی والانامہ ملا۔ مضمون دیکھکر تعجب ہوا۔ آپ جب چاہتے اپنے اشکالات کو پوچھ سکتے تھے۔ کوئی مرعوبیت کی وجہ نہیں تھی۔ میں یہاں تو دیوبند سے زیادہ مصروف ہوں۔ استفسارات کے جوابات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اخوان المسلمین کے عقائد کی ہم کو کوئی تفصیل نہیں معلوم۔ البتہ جماعتِ اسلامی کے عقائد ان کی تحریروں سے معلوم ہوئے ہیں۔ اس لئے دونوں کو ایک کہنا غلط ہے۔ مجھ کو دارالعلوم کے تبصرہ مذکور کی کوئی اطلاع نہیں۔ آج آپ کے خط سے معلوم ہوا۔

(۲) جو عقائد مودودیوں کی طرف نسبت کئے گئے وہ رسائل میں مفصل طریقہ پر آگئے ہیں، وہ ایک دو نہیں ہیں۔ اگر ان کے وہ عقائد نہیں ہیں تو کیوں نہیں تبرّی شائع کرتے۔ اور جو عبارتیں ان کی مخدوش ہیں اُن کو اپنی تصنیفات سے کیوں نہیں نکال دیتے ہیں۔ اگر ان کو واقع میں گفتگو کرنی ہے تو اس کے لئے باقاعدہ تحریک ہونی چاہیئے۔ ابواللیث صاحب کو اگر اس طرح کی تکلیف دی جاتی تو پھر واپس ہو کر جو چاہتے شائع کرتے اور ہم جو جو چاہتے شائع کرتے تو یہ تُوتُو مَیں مَیں کس طرح ختم ہوتی۔ اس لئے کہہ دیا گیا تھا کہ ہمارے پاس فرصت نہیں ہے۔ یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ پیش آیا تھا جبکہ اخیر سال تھا اور کتابوں کی مصروفیت زیادہ تھی۔ اب بھی یہی کہتا ہوں کہ اگر صفائی دل سے گفتگو کرنی ہے تو باقاعدہ تحریک ہو، ہم ہر وقت تیار ہیں۔

(۳) پیغمبر بعد البعثت شرک، کفر، کبائر سب کے صدور سے معصوم ہے اور قبل البعثت شرک اور کفر سے معصوم ہے۔ کبائر کے متعلق اختلاف ہے۔ مگر کسی گناہ کا خیال آنا تو معصیت نہیں ہے۔ اس کا سوال آپ نے کیوں کیا۔ خیال تو اختیار کے اندر داخل نہیں ہے۔

(۴) گنگوہ کے واقعہ میں جو "دعوت" میں مضمون شائع ہوا ہے وہ بہت

زیادہ جھوٹ اور افتراء پر مشتمل ہے ۔بہت سی غلط باتیں شائع کی گئی ہیں۔حکیم عبدالرشید صاحب نے اس کو شائع کیا ہے..

....

(۵) مودودی صاحب کی اس عبارت کا مطلب مجھ سے آپ کیوں پوچھتے ہیں اُنہیں سے پوچھیئے۔ میں ان کے اس مضمون (کہ ہر نبی سے ایک نہ ایک غلطی ہوئی اور دوسری اس قسم کی ہفوات) سے تکفیر نہیں کرتا۔ضلال سمجھتا ہوں۔

(۶) خواب کی تعبیر حضرت رائے پوری زید مجدہم سے پوچھیئے۔ والسّلام

ننگِ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

۱۸ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ

(مکتوب ۱۳ جلد سوم ص۸۷)

۱۰

.... نظر بندی کا علم فقط اس خط سے ہوا۔ اگرچہ عرصہ دراز سے کوئی والانامہ نہیں آیا تھا مگر یہ خیال نہ تھا۔ حق تعالیٰ آپ حضرات کے اس دینی جہاد کو قبول فرمائے اور باعثِ کفّارۂ سیّئات اور ترقی درجات کرے۔ آمین۔

محترما! اس دَورِ فتن میں دین کو پکڑنا قبض علی الجمر کے مرادف ہے۔سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیئے۔ اگر تعلیماتِ دینیہ کا مشغلہ ہو تو زیادہ مفید اور ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ تبلیغی جماعت کا پروگرام انسب ہے۔کم از کم سلفِ صالح کے قدم بقدم تو رہنا نصیب رہتا ہے۔جو جماعتیں نئی نئی زرق برق پوشاک میں نمودار ہو رہی ہیں

ان کی چمک دمک میں محو ہو جانا انتہائی خطرناک ہے۔ مودودیوں کی گمراہی سے آپ غالباً ناواقف ہیں۔ آپ فرماتے ہیں "جماعتِ اسلامی کے معاملہ میں بندہ اکثر متردّد رہتا ہے۔ کیا اس جماعت کی مخالفت کرنا ضروری ہے یا نظامِ اسلامی کے پیشِ نظر ان سے اتفاق کیا جائے یا توقف و سکوت بہتر ہے۔" آپ اس قدر غافل کیوں ہیں؟ ان کی کتابوں کو تنقیدی اور گہری نظر سے دیکھئے۔ وہ تو چودہ سو برس والے طریقۂ اسلامیہ کے علاوہ ایک نیا اسلام بنا رہے ہیں جس میں ہر پروفیسر، ہر گریجویٹ، ہر عربی زبان سے شدبد رکھنے والا مجتہدِ مطلق ہے۔ یہی نہیں کہ اس کو اجتہاد کرنا جائز ہے بلکہ اس پر اجتہاد کرنا اس قدر ضروری اور لازم ہے جیسا کہ سانس کے لئے ہوا اور پیاس کے لئے پانی ضروری ہے۔ اس اسلام میں بڑے سے بڑے صحابی پر بھی اعتماد کلی نہیں ہے اگرچہ وہ خلیفۂ اوّل ہی کیوں نہ ہو۔ عام صحابہؓ تو کسی شمار و قطار میں نہیں ہیں۔ اور جبکہ صحابہؓ اور اربابِ قرنِ اوّل اس حال میں ہوئے تو تابعین اور بعد والے کس درجہ میں مانے جا سکتے ہیں۔ یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے ائمۂ حدیث یا ائمۂ فقہ یا ائمۂ جرح و تعدیل کیا درجہ رکھ سکتے ہیں۔ اہلِ سنّت والجماعت کا متفقہ اصول تمام صحابہؓ کی عدالت کا جو کہ دلالتِ قطعیہ سے ماخوذ ہے بالکل ان کے نزدیک واہی اور لچر ہے۔ کوئی ہستی صحابہؓ تابعین، تبع تابعین وغیرہم میں سے قابلِ تقلیدِ مطلق نہیں ہے اور نہ کوئی ان میں سے معیارِ حق ہے۔ بلکہ ہر ایک انسانی کمزوریوں سے بالفعل متصف ہے۔ ان کا بنیادی عقیدہ دستورِ جماعتِ اسلامی دفعہ ۳ نمبر ۶ میں حسبِ ذیل ہے:۔

"رسولِ خدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے۔ کسی کو تنقید

سے بالاتر نہ سمجھے۔ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ ہر ایک کو
خدا کے بنائے ہوئے اس معیار کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو
اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہے اس کو اسی درجہ میں رکھے۔"

اب آپ اس عقیدہ اور اسی دفعہ پر غور فرمایئے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے اور کس قدر الحاد اور بے دینی اس کی تہ میں رکھی گئی ہے اور تمام سلفِ صالح کی کس قدر بے اعتباری درایۃً اور روایۃً شریعتًا اور طریقۃً اس میں کوٹ کر بھری گئی ہے۔ اور اس سے کتنے زہریلے جراثیم دین میں پیدا کئے گئے ہیں۔ کیا آپ کتاب و سنت کو اس عقیدہ کے بعد ثابت کر سکتے ہیں اور کسی زندیق و ملحد پر اتمامِ حجت کا راستہ کھول سکتے ہیں جبکہ ہر دو طریقہ (روایت، درایت) کا مدار صحابۂ کرامؓ ہی پر ہے۔ اور وہ معیار اور مدارِ حق نہ رہے اور نہ تنقید سے ہی بالاتر رہے اور نہ ان کی ذہنی غلامی جائز رہی۔ ظاہر ہے کہ تنقید کسی بُرائی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ تو جب ان میں خرابیاں اور بُرائیاں موجود ہیں تو ان کی روایت کا کیا اعتبار ہے۔ اور اسی طرح ان کی درایت کا کیا اعتبار ہو گا۔ اور علیٰ ھٰذا القیاس ان کے طریقہ پر چلنا یعنی ذہنی غلامی بھی اگر صحیح نہیں ہے تو خیر القرون ہونا اور "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" اور "أُمَّةً وَسَطًا" وغیرہ آیات کو کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ تمام وہ احادیثِ صحیحہ جو کہ گوناگوں فضائلِ صحابہؓ سے بھری ہوئی ہیں سب بے کار ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ سلب کلی کا مصداق بجز اس کے نہیں ہو سکتا۔

افسوس صد افسوس کہ بہت سے علماء اور فارغینِ دار العلوم بھی مودودی صاحب کی تلبیسات کے شکار ہو رہے ہیں[1]۔ آپ بھی اس جماعت کی تنظیم اور ڈسپلن

---

[1] یہ اُس وقت کی بات ہے۔ بعد میں تقریبًا سارے ہی علماءِ حق اس جماعت سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔

کی تعریف کرتے ہوئے اس میں شرکت کی خواہش کر رہے ہیں یا تردد میں ہیں۔ جس طرح چکڑالوی، قادیانی، مشرقی نے نیا دین اور نیا اسلام بنایا ہے، اسی طرح مودودی صاحب نے نیا اسلام بنایا ہے۔ سابقین مجددین کی تجدیدات کو لات مار کر اپنی تجدیدات کو سب سے بالاتر فرماتے ہیں اور تمام اہلِ سنت والجماعت کے متفقہ اصول کو ٹھوکر مارتے ہیں۔ تمام علماء اور اہلِ طریقت حتّٰی کہ حضرت مجدد سرہندیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور اکابر علم و طریقت میں کیڑے نکال کر سب کی انتہائی تذلیل و توہین کرتے اور سب سے نفرت دلاتے ہیں۔ بہرحال سوچئے اور سمجھئے اور اسلاف کرام کے طریقہ پر چلئے۔ واللہ معکم اینما کنتم۔

....

....

.... آپ مودودیوں کی تنظیم اور جدوجہد کو سراہتے ہیں۔ محترما! قادیانیوں اور عیسائیوں کی تنظیم وجدوجہد اس سے بدرجہا بالاتر ہے۔ پھر کیا حکم دیں گے؟

....

....

.... والسلام

(مکتوب ۳۵ جلد چہارم ص ۱۱۶)

ننگِ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

۲۲ رشوال، ۱۳۷۳ھ

(۱۱)

{بنام جناب محمد اقبال صاحب اوکاڑہ ضلع منٹگمری}

محترم المقام زید مجدکم السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

والا نامہ باعثِ سرفرازی ہوا۔ جناب کو مودودی صاحب کی تحریریں دیکھ کر اس قدر متأثر ہونا کہ اسلام سے بدظن ہو جائیں تعجب خیز ہے۔

(اوّلاً) علامہ مودودی خود اقرار کرتے ہیں کہ میں عالم نہیں ہوں۔ وہ ترجمان ۲۷ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مجھے گروہِ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے میں ایک بیچ کی راس کا آدمی ہوں جس نے جدید و قدیم دونوں طریقہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصہ پایا ہے اور دونوں کوچوں کو چل پھر کر دیکھا ہے۔ اپنی بصیرت کی بنا پر نہ تو میں قدیم گروہ کو سراپا خیر سمجھتا ہوں اور نہ جدید گروہ کو۔"

تعلیم میں ان کا صاف اقرار ہے کہ میں نے کچھ کچھ حصہ پایا ہے۔ اس کے بعد ان کا کوئی حکم شرعی امور کے متعلق آیا قابلِ وثوق و اعتماد قرار دیا جا سکتا ہے۔ نیم طبیب خطرۂ جان و نیم مُلّا خللِ ایمان مشہور مقولہ ہے۔

(ثانیاً) علاوہ ازیں ڈاڑھی کے مسئلہ میں ان کی کیا کسی دوسرے کی رائے میں کتنا ہی بڑا اختلاف کیوں نہ ہو اس کی وجہ سے اصول مذہبِ اسلام اور اس کے عقائد اور فرائض اعمال پر کیا اثر پڑ سکتا ہے جس کی بناء پر آپ اسلام سے بدظن ہوتے

پرآمادہ ہو گئے ہیں۔

علامہ مودودی صاحب کا یہ قول "میرے نزدیک ڈاڑھی کا بڑا اور چھوٹا ہونا یکساں ہے۔ صحابہؓ میں صرف دو ایک آدمی ایسے ملتے ہیں جن کی ڈاڑھی مشت برابر ہے" یہ صرف اُن کی رائے ہے کہ دونوں یکساں ہیں۔ یہ رائے ایک ناقص العلم یا ناقص العقل کی رائے ہے جس کے مقابل تمام فقہائے اسلام کی تصریحیں موجود ہیں کہ ڈاڑھی کی مقدار کم از کم ایک مشت ہونی چاہیئے۔ تو آیا مودودی صاحب کی رائے قابلِ اعتبار ہوگی یا تیرہ سو برس کے مستند علماء اور فقہائے مذہب کی؟

(ثالثًا) اگر آپ نے یہی اصول رکھا کہ ہزار بارہ سو برس کے بعد آنے والے ایک نیم تعلیم یافتہ کی جو کچھ رائے ہو وہ پُرانے کامل التعلیم اور معتبر علماء کی رائے اور روایات سے اُونچی شمار کی جائے تو پھر تمام دین ہی کو سلام کرنا پڑے گا۔ اس دَورِ فتن و غلبۂ ہوا و ہوس و عجب و تکبّر خود پسندی و خود رائی میں نہ صرف ادھورے علم والے بلکہ بڑی بڑی سندوں والے بھی ایسے ملیں گے کہ اپنی خواہشاتِ نفسانی کے لئے تمام متقدمین کے دفتروں کو اساطیر الاوّلین اور بکواس کہکر ٹھکرا دینگے اور اپنے غلط سے غلط افکار کو سب سے اُونچا بتلاکر لوگوں کو اس طرف بلائیں گے گذشتہ معتمدین اہلِ تقویٰ اور اہلِ علم کی تحمیق و تجہیل کریں گے اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ مفکر، سب سے زیادہ محقّق بتائیں گے۔

ڈاڑھی کے متعلق مندرجہ ذیل امور پر غور فرمائیں:۔

(۱) قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت ہارون علیہ السّلام نے حضرت موسٰی علیہ السّلام سے کہا کہ "میری ماں کے بیٹے میری ڈاڑھی اور میرا سر مت پکڑ" لاتاخذ

بلحیتی ولا برأسی۔ اگر حضرت ہارون علیہ السّلام کی ڈاڑھی قبضہ (مشت) سے چھوٹی ہوتی تو موسیٰ علیہ السّلام کس طرح پکڑ سکتے تھے؟ (سورۂ طٰہٰ)

(۲) جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی ڈاڑھی کا خلال وضوء کے وقت میں کیا کرتے تھے. یعنی ڈاڑھی کے بالوں میں جڑوں کے نیچے سے اُنگلیاں ڈال کر پانی پہنچایا کرتے تھے. ترمذی جلد اوّل صـ۶ میں ہے:۔

عن حسان بن بلالؒ قال رأیت عمار بن یاسرؓ توضأ فخلل لحیته فقیل له او قال فقلت له اتخلل لحیتك قال وما یمنعنی ولقد رأیت رسول الله صلّی الله علیه وسلّم یخلل لحیته عن عثمان رضی الله عنه ان النبیّ صلّی الله علیه وسلّم كان یخلل لحیته قال ابو عیسٰے هٰذا حدیث حسن صحیح ۔

ابن ماجہ صـ۲۵ میں ہے:۔

عن ابن عمر رضی الله عنهما قال كان رسول الله صلّی الله علیه وسلّم اذا توضأ عرك عارضته بعض العرك ثمّ شبك لحیته باصابعه من تحتها (صحواِبن السکن)

یہ روایتیں متعدد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ابوداؤد، ترمذی ابن ماجہ، بیہقی، دارقطنی وغیرہ محدثین نے ذکر فرمائی ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور ان صحابہ کرامؓ کی ڈاڑھیاں نہ خس خسی تھیں نہ چھوٹی تھیں بلکہ اتنے بڑے بڑے بال تھے کہ ان میں نیچے سے

انگلیاں ڈال کر پانی پہنچایا جاتا تھا۔ جبڑے کے نیچے انگلیاں ڈال کر پانی پہنچانا ایک مشت یا اس سے زائد ہی میں ہوگا۔

ابوداؤد میں ہے :-

" اخذ کفا من ماء فادخله تحت حنكه فخلل به لحيته "

کیا چھوٹی ڈاڑھی یا خس خسی میں یہ ہوسکتا ہے یا اس کی ضرورت پڑسکتی ہے؟

(۳) عن انس بن مالك رضی الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكثر دهن رأسه وتسريح لحيته ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر میں تیل کی مالش اور کنگھی سے ڈاڑھی کے بالوں کا سنوارنا بکثرت کرتے تھے۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ خس خسی ڈاڑھی میں نہ کنگھی ہوتی ہے نہ اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ اس کو سنوارا جائے۔ اور یہی حال چھوٹی ڈاڑھی کا ہے۔

(۴) كان رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المسجد فدخل رجل ثائر الرأس واللحية فاشار اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده ان اخرج كانه يعنى اصلاح شعر رأسه و لحيته ففعل الرجل ثم رجع فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اليس هٰذا خيرا من ان ياتى احدكم ثائر الرأس كانه شيطان (مؤطا امام مالکؒ ص۳۷۶ مشکوٰۃ ص۳۸۲)

ترجمہ : جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے ۔ بس ایک پراگندہ سر اور ڈاڑھی

داخل ہوا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکل جانے کا حکم دیا۔ آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ اپنے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو سنوارے تو اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر لوٹ کر آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ اس سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی پراگندہ بال اس طرح آئے کہ گویا کہ وہ شیطان ہے۔

ظاہر ہے کہ ڈاڑھی اور سر کے بالوں میں پراگندگی جب ہی ہو سکتی ہے جبکہ وہ دراز ہوں۔ خس خسے یا چھوٹے بالوں میں نہ پراگندگی ہوتی ہے نہ اُن کے سنوارنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور نہ سنور سکتے ہیں۔

(۵) عن عائشۃؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشر من الفطرۃ قص الشارب واعفاء اللحیۃ والسواک والاستنشاق بالماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانۃ وانتقاص الماء یعنی الاستنجاء (الحدیث) یعنی دس چیزیں فطرت میں سے ہیں۔ مونچھوں کا کترنا اور ڈاڑھی کا بڑھانا اور مسواک کرنا الخ (ابن ماجہ ص۲۵ مسلم ص۱۲۹، ابوداؤد ص۸)

اس حدیث میں جو کہ نہایت قوی روایت ہے دسؔ چیزوں کو جن میں سے ڈاڑھی کا بڑھانا اور مونچھوں کا کتروانا بھی ہے فطرت بتلایا ہے۔ اور فطرت عرفِ شرع میں ان امور کو کہا جاتا ہے جو کہ تمام انبیاء اور رسولوں کی معمول بہ اور متفق علیہ ہیں اور ہم کو ان پر عمل کرنے کا حکم ہے۔

صاحب مجمع البحار ص۹۵ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"عشرۃ من الفطرۃ ای من السنۃ ای سنن الانبیاء علیہم السلام التی اُمرنا بالاقتداء بھم فیھا (ک)

ای من السنة القدیمة التی اختارھا الانبیاء علیھم السلام و اتفقت علیھا الشرائع فکانھا امر جبلی فطروا علیہ"۔ الخ

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم ص۱۴۸ میں فرماتے ہیں :۔

"قالوا ومعناہ انھا من سنن الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیھم"

اس حدیث سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ڈاڑھی بڑھانے کا تمام شریعتوں میں حکم تھا اور یہی سُنّت تمام انبیاء علیہم السّلام کی رہی ہے۔ اور چونکہ حضرت ہارون علیہ السّلام کی ڈاڑھی کم از کم ایک قبضہ تھی جیسا کہ ہم ۱ میں کہہ آئے ہیں تو یقیناً تمام انبیاء علیہم السّلام اور جناب رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ڈاڑھی بھی کم از کم ایک مشت ضرور تھی۔ اور چونکہ ہم کو ان انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی اقتدا کرنے کا حکم کیا گیا ہے "اولٰئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ"۔ اس لئے ہم کو بھی اس امر یک مُشت میں ان کا اقتدا کرنا ہوگا۔

(۶) عن ابن عمر رضی اللہ عنھما عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلم قال خالفوا المشرکین و فروا اللحی واحفوا الشوارب وکان ابن عمرؓ اذا حج أو اعتمر قبض لحیتہ لما فضل اخذہ (باب اعفاء اللحی عفوا اکثروا وکثرت اموالھم) وبسندہ عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم أنھکوا الشوارب واعفوا اللحی (بخاری

صـ۷۵، نسائی صـ۴، مسلم صـ۱۲۹، ابوداؤد صـ۲۳۱)

اس حدیث صحیح میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی کے مطلقاً بڑھانے کا حکم کیا ہے جس میں کوئی حد مقرر نہیں فرمائی گئی، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاڑھی کو بڑھاتے ہی رہنا چاہیئے اگرچہ وہ بڑھکر پاؤں......... زمین تک پہنچ جائے۔

چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں:۔

"والمختار ترکھا علی حالھا وان لایتعرض لھا بتقصیر ولا غیرہ"

امام طبری فرماتے ہیں:۔

"ذھب قوم الی ظاھر الحدیث فکرھوا تناول شیء من اللحیة من طولھا وعن عرضھا" (فتح الباری صـ۲۹۶ جلد ۱۰)

مگر چونکہ اس طرح کا عمل بدنمائی پیدا کرتا ہے اور بسا اوقات صورت بگڑ جاتی ہے اور لوگوں کو استہزاء اور تذلیل کا موقع ملتا ہے اور یہ چیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھی۔ نیز آپ اپنی ڈاڑھی کے طول وعرض سے کترا کرتے تھے، اس لئے اس کی حد معلوم کرنی ضروری سمجھی گئی۔ چونکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے افعال واقوال کے مشاہدہ کرنے والے ہیں اس لئے ان کے عمل کو اس بارے میں امام بخاری نے ترازو بنایا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے فدائی ہیں اور آپ کی سنتوں کی پیروی میں نہایت پیش پیش رہنے والے ہیں۔ ان کے عمل کو بطور معیار پیش کیا ہے:۔

"وکان ابن عمرؓ اذا حج أو اعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل اخذہ" (ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ جب حج یا عمرہ سے فارغ ہوتے تو اپنی ڈاڑھی کو مٹھی سے پکڑ لیتے تھے۔ جو حصہ زائد ہوتا تھا اُس کو کتر دیتے تھے)

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا عرض اور طُول میں ڈاڑھی کا کترنا اسی مقدار اور کیفیت سے ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت عمرؓ اور حضرت ابوہریرۃؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں طبری سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"وقال قوم اذا زاد علی القبضۃ یوخذ الزائد ثم ساق بسندہ الی ابن عمرؓ انہ فعل ذٰلک برجل ومن طریق ابی هریرۃؓ انہ فعلہ" (فتح الباری جلد ۱۰ ص ۲۹۶)

یعنی ایک جماعت کہتی ہے کہ ڈاڑھی جب ایک مشت سے زائد ہو جائے تو اس زائد کو کتر دیا جائے پھر (طبری نے) اپنی سند سے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ اسی عمل اور طریقہ کو فقہاءِ حنفیہ اور شافعیہ وغیرہ نے کتبِ فقہ وغیرہ میں ذکر فرمایا ہے۔

(۷) عن جابرؓ قال کنا نعفی السبال الا فی حج او عمرۃ (ابوداؤد ص ۲۲۰ ج ۲)

یعنی ہم لوگ ڈاڑھی کے اگلے اور نکلے ہوئے حصّہ کو بڑھا ہوا رکھتے تھے مگر حج اور عمرہ میں۔ یعنی حج اور عمرہ سے فارغ ہو کر کتر دیا کرتے تھے جس کی تفصیل

حضرت ابن عمرؓ کے عمل سے ہو گئی ہے۔ اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجرؒ شرح بخاری صـ۲۹۹ جلد ۱ میں فرماتے ہیں:۔

"واخرج ابوداؤد من حدیث جابرؓ بسند حسن قال کنا نعفی السبال الا فی حج اوعمرۃ وقولہ نعفی بضم اولہ وتشدید الفاء ای نترکہ وافرًا وھٰذا یؤید مانقل عن ابن عمرؓ فان السبال بکسر المھملۃ و تخفیف الموحدۃ جمع سبلۃ بفتحتین وھی ما طال من شعر اللحیۃ فاشار جابرؓ الی انھم یقصرون منھا فی النسک"۔

یہ حدیث صاف طور سے بتلا رہی ہے کہ عام صحابۂ کرامؓ تمام سال میں ڈاڑھی کا اگلا اور لانبا حصہ کترواتے نہیں تھے۔ ہاں جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو ایک مشت سے زائد حصہ کو کتروا دیتے تھے۔

(۸) عن یزید الفارسی وکان یکتب المصاحف قال رأیت النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم فی المنام زمن ابن عباسؓ فقلت لابن عباسؓ انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فی النوم فقال ابن عباسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کان یقول ان الشیطان لا یستطیع ان یشتبہ بی فمن رآنی فی النوم رآنی ھل تستطیع ان تنعت ھٰذا الرّجل الّذی رأیتہ فی

النوم قال نعم انعت لك رجلا بين الرجلين جسمه ولحمه اسمر الى البياض اكحل العينين حسن الضحك جميل دوائر الوجه قد ملأت لحيته ما بين هٰذه الى هٰذه قد ملأت نحره قال عوف ولا ادری وكان مع هٰذا النعت فقال ابن عباسؓ لو رأيته فی اليقظه ما استطعت ان تنعته فوق هٰذا (ترمذی فی الشمائل ص۳۰)

یعنی یزید فارسی جو کہ مصاحف کو لکھا کرتے تھے اُنہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کے زمانہ میں جناب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھا تو میں نے ابن عباسؓ سے ذکر کیا کہ میں نے جناب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھا ہے۔ تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرمایا کرتے تھے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا اس لئے جس شخص نے بھی مجھ کو خواب میں دیکھا ہے اُس نے مجھ ہی کو دیکھا ہے۔ کیا تم اُس شخص کا جس کو خواب میں دیکھا ہے حلیہ بیان کر سکتے ہو۔ میں نے کہا ہاں وہ متوسط بدن اور قامت کا تھا۔ گندم گوں سفیدی مائل، سرمگیں آنکھوں والا، اچھا ہنسنے والا، چہرہ کے خوبصورت دائروں والا۔ اُس کی ڈاڑھی نے یہاں سے یہاں تک (دائیں سے بائیں تک) کے حصّہ کو بھر دیا ہے اور سینہ کو بھر لیا ہے (پہلے کلام میں ڈاڑھی کی چوڑائی اور دوسرے میں لمبائی بتلائی) (راوی عوف نے کہا کہ اس کے علاوہ جو چیزیں

حلیہ کی ذکر کی تھیں ان کو میں اس وقت نہیں جانتا یعنی بھول گیا) تو حضرت
ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر تم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاگتے ہوئے
دیکھتے تو اس سے زیادہ بیان نہ کر سکتے۔

یہ روایت صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی ڈاڑھی لانبی اور چوڑی اتنی تھی کہ سینۂ مبارک کی لمبائی اور چوڑائی کو اُس نے
ڈھانک رکھا تھا۔

(الف) ان روایاتِ معتبرہ پر غور فرمایئے۔ آیا ان سے وہ بات ظاہر ہوتی
ہے جس کو آپ نے "ترجمان" سے نقل فرمایا، یا اس کے برعکس؟

سابقین انبیاء علیہم السلام سبھوں کا عمل کم از کم ایک مشت بلکہ اس سے
زائد ڈاڑھی رکھنے کا ظاہر ہوتا ہے۔

(ب) نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کم از کم
ایک مشت بلکہ اس سے زائد اتنی ثابت ہوتی ہے جس میں تخلیل فرماتے تھے، کنگھی
سے درست فرمایا کرتے تھے۔ وہ اتنی بڑی اور گنجان تھی کہ اُس نے سینۂ مبارک کے
اُوپر کے حصہ کے طول و عرض کو بھر لیا تھا۔

(ج) حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو ہریرہ
حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے صراحۃً یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مشت یا
اس سے زائد ڈاڑھی رکھتے اور رکھواتے تھے۔

(د) تمام دوسرے صحابہؓ کا یہی عمل ہونا التزاماً ثابت ہوتا ہے کیونکہ
حضرت جابر رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ڈاڑھی لمبی رکھتے تھے، بجز حج

اور عمرہ کے کترواتے نہیں تھے۔

(ہ) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرامؓ اور امت کو ڈاڑھی بڑھانے کا بلا تحدید و تقیید ارشاد اور حکم فرمایا ہے۔

(و) اس عمل کو بلا تحدید مسلمانوں کے لئے مابہ الامتیاز قرار دیا ہے جو کہ ان کا مخصوص شعار اور یونیفارم ہوگا۔ نہ منڈانا جائز ہوگا نہ خس خسی رکھنا، نہ چھوٹی رکھنا۔

ان تصریحات کے ہوتے ہوئے مودودی صاحب کا یہ فرمانا (جو آپ ذکر فرماتے ہیں) بالکل غلط ہے۔ ناواقفیت کی وجہ سے یا نفسانی خواہشات سے ایسا واقع ہوا ہے۔ فقہاءِ حنفیہ شافعیہ وغیرہ کی تصریحات پر آپ کو عمل کرنا چاہیئے۔ مودودی صاحب کی تصانیف اس قسم کی غلطیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے بچنا چاہیئے۔

مودودی صاحب علومِ دینیہ کے فاضل نہیں ہیں۔ آپ کا یہ فرمانا "جب مولانا مودودی جیسے فاضل نے یہ کہا کہ چھوٹا اور بڑا ہونا برابر ہے تو منڈوانا بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ علماء کا اپنی طرف سے اضافہ ہے۔ ملک کے رواج کے مطابق رکھ بھی سکتا ہے اور منڈوا بھی سکتا ہے" خود ان کی تصریح کے خلاف ہے۔ وہ کسی مشہور درسگاہ کے سند یافتہ نہیں ہیں۔ نہ کبھی ایسی درسگاہ میں انہوں نے پڑھا ہے۔ نہ کسی مشہور دینی فاضل کے یہاں علومِ دینیہ کی تحصیل کی ہے۔ ان امور کا خود ان کو اور ان کے متبعین کو اقرار ہے۔ ان کا مبلغ علم صرف مطالعہ پر ہے۔ اس پر آپ کا ارشاد کہ "منڈوانا بھی کوئی حرج نہیں رکھتا

علماء نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے"۔ انتہائی ظلم اور علماء سے بہت شنیع بدظنی ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "خالفوا المشرکین قصوا الشوارب و وفروا اللحی" سے صریح بغاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم کو اور تمام مسلمانوں کو ہدایت عطاء فرمائے۔ آمین۔

مودودیوں کا اتباع کتاب و سنت کا ڈھول پیٹنا اور اس طرح سنت رسول اللہ علیہ السلام اور عمل صحابہؓ کی مخالفت کرنا انتہائی تعجب خیز ہے۔ والی اللہ المشتکیٰ۔ والسلام۔

ننگ اسلاف

(مکتوب ۵۰ جلد چہارم ص ۱۷۸ تا ص ۱۸۰)

حسین احمد غفرلہ

۱۵ محرم ۱۳۷۱ھ

۱۲

{بنام مولانا عبدالجلیل صاحب ۲۶ فیلڈ رجمنٹ لاہور گیٹ}

(مکتوب میں اور باتیں بھی تھیں، مودودی صاحب کے متعلق سوال اور جواب نقل کیا جاتا ہے)

سوال ۲: ہمارے یہاں یہ بحث ہے کہ جماعت اسلامی پاکستان کے رسالوں اور اخبارات میں یہ مضمون (یعنی خط) آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ آپ نے مودودی کے متعلق یہ مندرجہ ذیل فقرے استعمال کئے ہیں۔ "ایسے ٹٹ پونجیے اپنی بدبختی کے سوا کرہی کیا سکتے ہیں"۔ "ایسے کم بخت، ایسے بدنصیب بدبخت اور ایسے خبیثوں سے منہ نہ لگانا" الخ کیا واقعی یہ آپ کی عبارت ہے

آپ کا شائع کردہ خط چونکہ لمبا تھا اس لئے اقتباسات لکھے گئے ہیں۔ ہم یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی انہیں کے ہتھکنڈوں میں سے ایک ہے جو کسی کی عبارت کو کسی کے سر منڈھ دیتے ہیں اور پھر علماء کو بدنام کرنے کا راستہ نکال لیتے ہیں جیسا کہ تھوڑا عرصہ ہوا مولانا قاسمؒ کی عبارت کو کس چالاکی سے توڑ مروڑ کر مفتی مہدی حسن صاحب دیوبند سے فتوای حاصل کیا اور پھر حاشیہ آرائی کی جو کہ اخبارات میں تفصیل سے آچکا ہے۔ یہ بھی اسی میں سے ایک ہے۔ جواب سے آگاہ فرما کر تسلّی دیں تاکہ ہم ان کو جواب دے سکیں۔

جواب ۲؎ (از حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ)

محترما! آپ نے اس جواب کو دیکھا اور اس کے طویل ہونے کی وجہ سے اس کے اقتباسات نقل کر دیئے مگر یہ نہیں دیکھا کہ وہ میرا جواب کس کو لکھا گیا تھا اور کہاں لکھا گیا تھا اور کن باتوں کا جواب تھا۔ اگر اس کی تحقیق فرماتے تو آپ کو پوچھنے کی ضرورت نہ پیش آتی اور نہ مودودیوں کے ہتھکنڈے آپ پر مخفی رہتے واقعہ یہ ہے کہ قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور میں کچھ لوگ مودودی جمع ہوگئے تھے اور اپنے عقائد اور طریقہ کا اعلان اور تبلیغ اور دعوت جاری کی تھی۔ اُن کی ہذیانات کے متعلق ایک سوال آیا تھا جس میں منجملہ اور ہذیانات کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرامؓ اور ائمۂ عظام کی توہین اور بے ادبی ذکر کی گئی تھی۔ ایک یہ بھی ہذیان لکھا کہ یہ لوگ حضرت ابوسعید صاحب کے متعلق نہایت دلخراش الفاظ استعمال کرتے ہیں اور ان کی زیارت کے متعلق نازیبا الفاظ کہتے ہیں (واضح ہو کہ) حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سلسلہ

مشائخ چشتیہ صابریہ میں نہایت معزز اور محترم بزرگ گذرے ہیں جو کہ تقریباً ۱۱۴۱ھ میں فوت ہوئے تھے۔ حضرت شاہ نظام الدین بلخیؒ کے خلیفہ اور حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد ہیں۔ ان کا مزار حضرت شاہ عبد القدوسؒ کی خانقاہ کے قریب ایک قبہ میں ہے۔ یہ جوابی خط میں نے اسی شخص کو گنگوہ میں بھیجا تھا جنہوں نے سوال بھیجا تھا۔ مدرسہ اشرفیہ کے مدرس مولوی عبدالحمید صاحب حسن پوری تھے۔ انہوں نے اس خط کو شائع کر دیا۔ اب قابلِ غور یہ بات ہے کہ اس خط میں جو الفاظ ٹٹ پونجیے، کم بخت، بدنصیب وغیرہ کے لکھے گئے ہیں اُنہیں لوگوں کے لئے ہیں جن کے تذکرے سائل نے اپنے خط میں کئے ہیں۔ اور وہی لوگ ہیں جو کہ گنگوہ میں مودودی مسلک پھیلاتے تھے اور بزرگان دین کی شان میں گستاخیاں کرتے ہوئے اَول فَول بَک رہے تھے۔ مودودی صاحب کو ان الفاظ کا اپنے اوپر اوڑھنا یا مودودیوں کو اپنے امیر کو اس کا مصداق بنانا یہ ان کا پروپیگنڈا اور ہتھکنڈا ہے۔ اصل خط میں مودودی (ابوالاعلیٰ) صاحب کا نہ کوئی تذکرہ تھا نہ ابوالاعلیٰ صاحب کا جواب میں کوئی تذکرہ ہے۔ بہر حال ان الفاظ کے مصداق وہ اشخاص ہیں جنہوں نے گنگوہ میں بدزبانیاں اور بے عنوانیاں کی تھیں اور اسی وجہ سے جمع کے الفاظ لائے گئے ہیں۔ اگر مودودی صاحب کی طرف رُوئے سخن ہوتا تو مفرد لایا جاتا۔ گنگوہ میں نہ مودودی صاحب موجود تھے نہ ان کو وہاں آنے کا موقعہ ملا۔

ثانیاً۔ بالفرض اس کے مصداق اگر مودودی صاحب ہی قرار دیئے جائیں تو اُنہوں نے اسلافِ کرام کی شانہائے عالیہ میں کیا کیا ہرزہ سرائی

نہیں کی ہے۔ یہ الفاظ تو بہت ہی ہلکے ہیں۔ مودودیوں کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچنا چاہیئے۔ یہاں تو "جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا"۔ بھی نہیں کیا گیا ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ "کلوخ انداز را پاداش سنگ است" کا معاملہ کیا جائے جب کسی کے باپ کو گالی دوگے تو کب تمہارا باپ گالی سے بچ سکتا ہے۔ اگر کسی کو اپنے باپ کی عزّت مطلوب ہے تو اُس کو ضروری ہے کہ دوسروں کے آباء واجداد کی عزّت اور تکریم میں کوتاہی روا نہ رکھے۔ قال النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم لایسب احدکم والدیہ قالوا یا رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم هل یسب احد والدیہ قال نعم یسب ابا الرّجل فیسب اباہ (او کما قال) اور ٹٹ پونجیہ تو کوئی ایسا شنیع اور سبّ وشتم کا لفظ ہی نہیں ہے اس کے معنٰی کم مایہ کے ہیں جس کی تمام پونجی ٹاٹ ہو۔ کم مایہ ہونے کا خود مودودی صاحب کو اقرار ہے۔ بہرحال یہ الفاظ اُن کے لئے نہیں لکھے گئے اور نہ لکھنے کے وقت اُن کا خیال تھا۔ یہ الفاظ فقط اُن مودودیوں کے لئے تھے جنہوں نے گنگوہ میں اُدھم مچا رکھی تھی۔ مودودی صاحب کے لئے ان الفاظ کو قرار دینا یہ اُن کا اور ان کی جماعت کا ہتھکنڈا ہی ہے اور بس۔ (مکتوب ۶۲ جلد سوم ص۱۹۱ جواب نمبر دوم)

(۱۳)

{بنام مولانا ابوسعید خدا بخش صاحب ملتانی}

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مزاج شریف۔ ابوالاعلیٰ صاحب ایک اخبار نویس ہیں۔ تحریر، مضامین اور

تراجم وغیرہ سے کوئی شخص صاحبِ فتوای نہیں ہوسکتا۔ نہ صرف واقفیتِ زبان اس کے لئے کافی ہے اور نہ کسی کو اپنی زبان زوری سے لوگوں کو لبھا لینا قابلِ اعتماد قرار دیا جاسکتا ہے۔ آپ روزانہ دنیاوی معاملات میں ججوں اور ہائی کورٹوں میں وکلاء اور بیرسٹروں کے اقوال کو جوکہ لاء کی تعلیم حاصل کرکے سرٹیفکٹ حاصل کرچکے ہیں قابلِ اعتبار قرار دیتے ہیں۔ غیر سَنَد یافتہ وکیل یا بیرسٹر کو خواہ وہ کتنا ہی فیلسوف اور لاء کے علاوہ دوسرے فنون میں کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو کورٹ میں کسی لاء اور قانون اور فیصلہ کے متعلق بحث کرنے کی اجازت ہی نہیں دیتے بلکہ اگر غیر سند یافتہ کچھ کہنا چاہے تو کورٹ کے کٹگھرے سے نکلوا دیتے ہیں۔ وہ جس نے لاء کالج میں تعلیم حاصل کی ہو مگر فیل ہوگیا ہو اُس کو بولنے کی اجازت نہیں دیجاتی۔ ایسے لوگوں کو جج کے فیصلہ میں گفتگو کرنا قانونی جرم قرار دیا جاتا ہے۔ ان کی بات کو ماننا تو درکنار۔ مگر کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ انسانی لاء کی اور دنیاوی قوانین کی تو اتنی پابندی ہو اور خداوندی لاء اور اسلامی قوانین میں ہر شخص رائے دینے اور بڑے بڑے ان حاملینِ قوانینِ شرعیہ کے فیصلہ کو جنہوں نے دس دس، بیس بیس، تیس تیس سال تک اس لاء کی خدمت عرق ریزی سے کی ہو آسے ٹھکرا دیتے ہیں۔ مودودی صاحب نے کس عربی مدرسہ میں تکمیل کی؟ کونسا سرٹیفکٹ اُن کے پاس ہے؟ علومِ عربیہ اور فقہ اسلامی (اسلامک لاء) میں ان کا کیا پایہ ہے؟ کتنے دنوں انہوں نے عربی علوم وفنون اور فقہء اسلامی کے اصول وفروع کی خدمت کی؟ ہم تک اس کی کوئی تفصیل نہیں پہنچی ہے۔ بے شک ان کے سینہ اور دل میں اسلامی ہمدردی اور مذہبی جوش بہت کچھ بھرا ہوا ہے۔ تحریرات زوردار کرتے ہیں مگر فتوے

کے لئے یہ مقدار کافی نہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم سے ہمارا سیاسی اختلاف ہے اور بہت زیادہ اختلاف۔ مگر وہ جزئیات اور فروع۔ اسلامک لا جن کو سیاسیات سے تعلق نہیں ہے ان میں ان کا قول قابل اعتماد ہوگا۔ مولانا موصوف کا اسلامی تفقہ اور علوم وفنون میں تمام عمر مصروف رہنا ان کی تعلیم دینا، ان میں اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگری حاصل کرنا ان میں بے شمار مفید اور کارآمد تصانیف وتالیف کرکے عالم اسلامی اور خلائق کو فیضیاب بنانا آفتاب کی طرح دنیا میں روشن ہے اور ہوچکا ہے۔ اس بارے میں مودودی صاحب کا قول ان کے سامنے ایسا ہی شمار کیا جائے گا جیسے کہ ایک کامیاب بیرسٹر کے سامنے چوتھی پانچویں کلاس کے طالب علم کا قول ہوگا۔ آپ نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ "مودودی صاحب زمانہ کی سائنٹفک ایجادات اور تیز رفتار تمدنی انقلابات کے ہوتے ہوئے ہدایہ اور بدائع کی روشنی میں مسائل کو حل کرنا نوجوان طبقہ کو اسلام سے بدظن کردینا اور الحاد کے شکار کردینے کے مرادف ہوگا" الخ نہایت تعجب خیز مقالہ ہے۔ پھر تو آپ بجائے ہدایہ اور بدائع کے قرآن وحدیث کو بھی لائیں گے۔ اگر ان چیزوں کی موجودگی میں ہدایہ اور بدائع کی روشنی میں حل نہیں کیا جاسکتا تو یہ بھی کہنا کیوں نہیں درست ہے کہ پھر آج قرآن وحدیث کو اسی وجہ سے بالائے طاق رکھ دینا چاہیئے ورنہ نوجوان طبقہ اسلام سے بدظن ہوجائے گا............... والسلام

(مکتوب ۱۵۶ جلد اول ص ۴۲۶)　　حسین احمد غفرلہ　　۲۹ رمضان ۵۸ھ

(۱۴)

{بنام جناب مولانا رعایت اللہ صاحب}

عالیجناب مولانا رعایت اللہ صاحب زید مجدہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا۔ حضرت مولانا محمد صادق صاحب اور اہلِ مدرسہ منظہر العلوم کی خیر وعافیت اور مدرسہ کی بہترین حالت معلوم کر کے خوشی ہوئی۔
محترما! ہم نے ہمیشہ اپنے اکابر کا طریقہ دیکھا ہے۔ اور حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی وصایا میں (جو کہ دارالعلوم دیوبند کیلئے چارٹر ہیں) ہم مشرب ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے اکابرؒ مقلد ہیں۔ حنفیؒ ہیں، سُنّی ماتریدیؒ اشعری ہیں۔ اہلِ طریقتؒ ہیں (صوفیہ چشتی نقشبندی قادری سہروردی ہیں) بدعات سے متنفر مجتنب ہیں۔ یہ مشرب ہمارے اکابر اور اسلاف کا رہا ہے۔ اس مشرب کے خلاف ہونے والوں کو ہم نہ سب کو کافر کہتے ہیں نہ سب کو فاسق کہتے ہیں، نہ سب سے ہم عداوت رکھتے ہیں (ہاں اگر کوئی شخص کسی امرِ مکفر یا مفسق وغیرہ کا مرتکب ہوگا تو حسب استحقاق معاملہ ہوگا) غیر مشرب والوں کا کسی ادارے میں موجود ہونا ہم ادارے کیلئے مضر اور بجائے نفع، نقصان کا موجب سمجھتے ہیں اور یہی تجربہ ہمارا ہے۔ کوئی ادارہ مخالف مشرب کے اجتماع میں پھول پھل نہیں سکتا۔ غیر مقلد یا مبتدع کی شرکت ادارہ کی عملی نظام بالخصوص تدریس اور تعلیم میں مضر اور سببِ بربادی ہے۔ حالانکہ ان دونوں کے تفردات تکفیر تک نہیں پہنچتے تو قادیانیوں، شیعوں اور اُن کے جیسے غالیوں کے کیا اثرات ہوں گے۔ ہمیشہ ہمارے اکابر

عدم تقلید سے متنفّر اور حنفیت اور تقلید کے مقلّد اور داعی و دلدادہ رہے ہیں۔ طریقت اور تصوّف کے موید اور عامل رہے ہیں۔ مودودیت غیر مقلّدیت سے بھی نہایت زیادہ گندی اور گمراہ کُن ہے۔ مودودی کی تصانیف دیکھئے۔ وہ نہ صرف امام ابوحنیفہؒ اور ائمہ اور فقہاء سے نفرت دلاتی ہیں بلکہ وہ صحابۂ کرامؓ اور خلفائے عظام کی بھی توہین کرتی ہیں۔ ائمۂ حدیث اور مجتہدین کرام کے متعلق زہر اگلتی ہیں۔ اگر کوئی مدرّس اس خیال کا ہے تو اُس کی تعلیم سے طلباء میں کیسا زہر بھر جائے گا آپ خود اندازہ فرمایئے۔ جو شخص امام ابوالحسن اشعریؒ، امام غزالیؒ حضرت مجدّد الف ثانیؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت خواجہ معین الدّین چشتیؒ وغیرہم کی شان میں ہرزہ سرائی کرتا ہے اور اس کی تصانیف اس سے بھری ہوئی ہیں، اس کی تصویب کرنے والا مدرّس طلباء میں کس ضلال و گمراہی کا باعث ہوگا، آپ خود اندازہ فرمایئے۔ اس لئے ہم تو یہی کہیں گے کہ ایسے مشرب والے لوگ ہرگز ادارہ میں نہ ہونے چاہئیں۔ نہ طلباء نہ مدرّس، مودودی کی تصانیف کو دیکھئے عمل کو جانچیئے۔ ہم تو یہاں تک دیکھتے ہیں کہ ہم مشرب شخص بھی اگر بے عمل یا بد عمل ہے تو اداراتِ تعلیمیہ میں بہت مضر واقع ہوتا ہے۔ میں حاجی قائم الدّین صاحب کے عمل کی تصویب کرتا ہوں۔ اگر مولوی عبدالحلیم صاحب مودودیوں کے ہم خیال اور موید ہیں اور اُنہوں نے اس کی تالیف وغیرہ کا مطالعہ کرکے یہ رائے قائم کی ہے تو یقیناً ان کو ادارے سے نکال دینا چاہیئے۔ آئندہ آپ حضرات کو اختیار ہے۔ ہم نے جو اعلان مودودیوں کے متعلق کیا ہے سوچ سمجھ کر اُن کی کتابیں اور عملی حالت دیکھکر اور ان کے اثرات کا مشاہدہ کرکے

کیاہے اور جو کچھ ابھی تک نہیں لکھا اور نہیں شائع کیاہے وہ بہت زیادہ ہے۔ ان کی تالیفات گمراہیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ فالحذر۔ الحذر۔ والسّلام۔

(مکتوب ۱۴ / ۱۴ جلد سوم ص۸۹)

ننگ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ دیوبند

(۱۵)

محترم المقام زید مجدکم   السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ.....

مودودیوں سے جو حضرات وہاں پر ہیں ناواقف ہیں۔ ان کی کتابیں دیکھتے نہیں یا اگر دیکھتے بھی ہیں تو تنقیدی نظر اور غور سے نہیں دیکھتے۔ جو نوٹ میں نے دستورِ اسلامی کا آپ کو لکھا تھا کہ ص۵ / ۶ عقیدۂ رسالت جناب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"رسُولِ خدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے۔ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔" الخ

اس پر غور فرمائیے۔ کیا یہ انبیاء سابقین علیہم السّلام جن پر ایمان لانا اور ان کی رسالت میں تفریق نہ کرنا ضروری ہے اس کا انکار نہیں؟ کیا اس سے ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت کا انکار نہیں ہوتا جن کی تعدیل اور مقبولیت میں آیاتِ قطعیہ وارد ہیں کیا یہ عقیدہ اسلام کو باقی رکھنے والا ہے کیا اس میں وہ لاتعداد روایتیں ذخیرۂ احادیث کی جو کہ انفرادی طور پر صحاح میں

مدح صحابہؓ کے لئے اور اجتماعی طور پر وارد ہیں۔ ان سب کا انکار نہیں ہے اور کیا ایسے عقیدہ کے ہوتے ہوئے کوئی شخص فرقۂ ناجیہ اہلِ سُنّت میں شمار کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا اس قاعدہ اور دستور کے تسلیم کرنے کے بعد احادیث اور قرآن قابلِ اعتماد ہوسکتے ہیں؟ مدار دین کے نقل کا صحابۂ کرامؓ ہیں۔ جب وہ انفراداً اور اجتماعاً معیارِ حق نہیں، نہ تنقید سے بالاتر ہیں تو ان پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اور اُن کی مرویات کا کوئی اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ اس پر تو روافض کا کہنا کہ انہوں نے قرآن میں تحریف کی، اس میں سے دس۱۰ پارے نکال دیئے گئے۔ وغیرہ وغیرہ سب قابل قبول ہوسکیگا۔ کیا اس میں تقلیدِ صحابۂ وتابعینِ کرام اور ائمہ کا انکار نہیں؟ غور فرمائیے۔ یہ جماعت اسلام کو برباد کرنے اور اس کے اصول وفروع کو جڑ سے اُکھاڑ دینے کے لئے نیا مذہب بنا رہی ہے اور ہمارے ہی نادان اور بھولے بھالے علماء اور عوام اس کی رَو میں بہتے جارہے ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ................

ننگِ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ۔

۱۵/ ذوالحجہ ۱۳۷۳ھ دیوبند

(مکتوب ۳۶ جلد چہارم ص۱۱۹)

(مشہور آفسٹ پریس کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ

وتابعیہ اجمعین

امابعد

چونکہ ارشاد خداوندی وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ تحدیث اور اظہار نعماء اللہ کو واجب قرار دیتا ہے، بنابریں حسب مقام بعض امور کا ذکر نہ صرف مناسب بلکہ ضروری خیال کرتا ہوں،

اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے بے شمار اور عظیم الشان مادی اور معنوی نعمتوں کی اس ظلوم وجہول ننگ خاندان پر بارش فرمائی فللہ الحمد والمنت۔،

من آن خاکم کہ ابر نو بہاری کند از لطف بر من قطرہ باری

ان گرانمایہ نعمتوں میں سے یہ عظیم الشان نعمت بھی ہے کہ ۱۳۱۶ھ ماہ شعبان میں جبکہ میں تقریباً تمام کتب درسیہ اوران کے آخری امتحان سے فارغ ہوا تھا، اور اسی مہینہ کی آخری تاریخوں میں حضرت والد صاحب مرحوم ومغفور نے سفر حجاز کا مع اپنے جملہ متعلقین کے اعلان کر دیا تھا، باشارۂ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز، باصرار برادر بزرگ مولوی محمد صدیق صاحب مرحوم آستانہ حضرت قطب الاقطاب سرگروہ اولیاء اللہ سید العارفین امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب حنفی انصاری چشتی صابری، نظامی نقشبندی، قادری، سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز پر حاضر ہوا، اور بوسیلۂ حضرت

استاد جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی مرحوم و مغفور استدعا بیعت طریقت و ارشاد پیش کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بلا چون وچرا درخواست قبول فرماکر سلاسلِ اربعہ میں بیعت فرمالیا، اور ارشاد فرمایا کہ چونکہ تو مکہ معظمہ جارہا ہے اور وہاں حضرت مرشد قطب العالم سید العارفین مولانا الحاج امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز موجود ہیں، انھیں سے ذکر وشغل کی تلقین حاصل کرلینا، چنانچہ اسی روز وہاں سے روانہ ہوکر دیوبند ہوتا ہوا وطن مالوف پہنچا، خدا کے فضل وکرم سے اس بیعت مبارکہ کے آثار اسی دن سے میں اپنے میں پانے لگا، رویاے صالحہ کا سلسلہ بھی جب ہی سے شروع ہوگیا۔

چونکہ اس زمانہ میں سفر حجاز کے لیے صرف بندرگاہ چاٹگام (بنگال) کھلا ہوا تھا، سواحل وغیرہ پر طاعون کے زور شور کی بنا پر قرنطینوں کی بھی سختیاں تھیں، اس لیے بہت زیادہ زمانہ مکہ معظمہ پہنچنے میں صرف ہوگیا، یہانتک کہ آخر ماہ ذی قعدہ ۱۳۱۶ھ میں تین ماہ متواتر سفر میں گذارنے پر مکہ معظمہ پہنچا ہوا بعد از انتظام اقامت وضروریاتِ مناسک سید العارفین قطب العالم جناب حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی بارگاہ میں شرف یابی کی نعمت حاصل ہوئی، حضرت حاجی صاحب موصوف سے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما کا بیعت فرمانے کے بعد ارشاد وتلقین کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر محمول فرمادینا مع دیگر پیغامات ذکر کیا، حضرت حاجی صاحبؒ نے نہایت شفقت فرمائی، اور پاس انفاس کی تلقین کرنے کے بعد ارشاد کیا کہ ہر روز بوقت صبح ہمارے یہاں حاضر ہوکر اور یہی عمل کیا کر، اس زمانہ میں تقریباً آٹھ بجے صبح سے دس گیارہ بجے تک اذن عام ہوتا تھا، مولانا محب اللہ مرحوم مثنوی شریف پڑھا کرتے تھے، چنانچہ حسب ارشاد روزانہ حاضر ہوتا رہا، حج وعمرہ کے مناسک سے فارغ ہونے پر اواخر ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ میں بوقت روانگی قافلہ مدینہ منورہ بعد از ظہر حاضر ہوا، اگرچہ وہ وقت عام اجازت کا نہ تھا، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہ میں بلایا، باوجودیکہ اس وقت بہت ضعیف تھے، پلنگ پر لیٹے ہی رہا کرتے تھے، بیٹھے پر بیٹھ گئے، اور غایت شفقت سے پاس بلاکر میرے، اور بھائی سید احمد صاحب

کے سر پر اپنے دونون ہاتھون کو پھیر کر فرمایا کہ تم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا، چونکہ اس ارشاد پر مین نے سکوت کیا تھا، فرمایا کہو کہ مین نے قبول کیا، حسب ارشاد دونون نے وہان سے رخصت ہو کر تبریز کی جگہ (بیرون مکہ معظمہ جہان پر قافلہ روانگی کے وقت جمع ہوا کرتا تھا) پر پہنچا، دو ہی تین دن گذرے تھے کہ منزل رابغ کی شب مین جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت باسعادت خواب مین نصیب ہوئی، یہ سب سے پہلی زیارت آنحضرت علیہ السلام کی تھی، آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھکر قدمون پر گر گیا، آپ نے ارشاد فرمایا کیا مانگتا ہے؟ مین نے عرض کیا کہ حضرت جو کتابین مین پڑھ چکا ہون وہ یاد ہو جائین، اور جو نہین پڑھی ہین ان کے متعلق اتنی قوت ہو جائے کہ مطالعہ مین نکال سکون، آپ نے فرمایا کہ یہ تجھکو دیا، محرم الحرام ۱۳۱۷ھ کی ابتدائی تاریخون مین مدینہ منورہ پہنچا، وہان پہنچنے پر قیام مکان اور معیشت کے اسقدر الجھاؤ پڑے کہ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے تعلیم کردہ شغل پر عمل نہ کر سکا، فقط مکہ معظمہ کے قیام کی مدت مین اس پر عمل پیرا رہا تھا، بالآخر اسی سال ماہ جمادی الثانیہ مین حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کا وصال ہو گیا، اس کے بعد مجھکو شوق سلوک پیدا ہوا، تعلیم کردہ شدہ ذکر کو مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مین کیا کرتا تھا، مگر چونکہ بدن مین حرکت پیدا ہوتی تھی، اس لیے لوگون کے مطلع ہونے کا خیال اس امر کا باعث ہوا کہ بیرون شہر قریب مسجد اجابہ بعض افتادہ کھجورون کی جھاڑیون مین جا کر تنہائی مین جانکے جی لگے ذکر کیا کرون، چنانچہ اس حالت پر ایک زمانہ گذرا، اس اثنا مین جو رویاے صالحہ اور حالتین پیش آئی تھین گنگوہ شریف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ مین بذریعہ مکاتیب پیش کرتا رہتا تھا، الطاف بیکران کے ساتھ ہمیشہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جوابات مین مفید ارشادات کے ساتھ اعانت فرماتے رہے، اس اثنا مین ایک مرتبہ خواب مین دیکھا کہ گیارہ حضرات اولیاء اللہ ہیں سے تشریف لائے ہین، اور فرمایا کہ ہم تجھکو اجازت دیتے ہین، ایک مرتبہ خواب مین دیکھا کہ حضرت خواجہ ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہما

ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں ہیں خدمت میں حاضر ہوا تھا کہ ایک تہائی کھجور کا عنایت فرمایا، اور کہا کر باقی دو ثلث دوسرے مشائخ طریقت کے ذریعہ سے تجھکو دیے جائیں گے، اس قسم کے بہت سے خواب دیکھے، بالآخر شوال ۱۳۱۶ھ کے رمضان یا شوال میں کرامت نامہ پہنچا کہ تجھکو ایک مہینہ کے لیے گنگوہ آنا چاہیے، اس پر حضرت والد صاحب مرحوم نے ارادہ فرمایا کہ صرف مجھکو گنگوہ شریف بھیجیں۔ بڑے بھائی صاحب مرحوم کو وہاں کی حاضری کا بہت زیادہ شوق تھا۔ وہ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ میں خفیہ طریقہ پر بقصد حاضری گنگوہ شریف روانہ ہوگئے، اگرچہ حضرت والد صاحب کا قصد یہ تھا کہ بعد از حج جب کہ قوافل مدینہ منورہ سے جدہ واپس ہون گے۔ اس وقت مجھکو بھیجین گے، مگر بھائی کی تنہائی کی بنا پر حکم فرمایا کہ تو بھی ابھی چلا جا، چنانچہ مین براہ ملیح البحر جدہ پہنچا، تو معلوم ہوا کہ بھائی صاحب مرحوم جہاز نہ ملنے اور حج کے قریب ہوجانے کی بنا پر مکہ معظمہ چلے گئے ہیں، اور وہان ہی مقیم ہیں، بالآخر مین بھی مکہ معظمہ پہنچا، اور نعمت حج وعمرہ سے فیضیاب ہونے کی تاریخون کے بعد جدہ دونون واپس ہوئے، مگر دخانی جہازون کا اس سال کرایہ اس قدر زیادہ تھا کہ ہم دونون کے پاس کی مقدار ہرگز کافی نہ تھی، بالآخر اوائل محرم ۱۳۱۹ھ میں بادبانی جہاز (بغلہ) مسقط جانے والا ملا جس نے تقریباً سوا مہینہ کے بعد مسقط پہنچایا، مسقط سے ہر ہفتہ میں ایک دخانی جہاز کراچی جاتا تھا، تقریباً ایک ہفتہ قیام کرنے کے بعد وہ جہاز آیا، دو دو روپیہ فی ٹکٹ پر کراچی پہنچا ہوا اور پھر اوائل ماہ ربیع الاول مین گنگوہ شریف کی حاضری نصیب ہوئی، اس اثنا مین تمام راہ مین میرے مشاغل سلوک برابر جاری رہے، اور بفضلہ تعالی رویائے صالحہ اور مختلف احوال وارد ہوتے رہے۔ گنگوہ شریف پہنچنے پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت زیادہ عنایت فرمائیں، والد صاحب مرحوم کے خطوط سے چونکہ حضرت کو پوری کیفیت معلوم ہو چکی تھی، اس لیے یہان انتظار تھا۔

بھائی صاحب مرحوم سہارنپور سے بالا بالا حاضر خدمت ہوئے اور مین نے عرض کیا کہ میں پہلے

دیوبند جاؤں گا اور وہاں سے خدمت اقدس میں حاضر ہوں گا. بھائی صاحب مرحوم سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں کے لیے ہم نے ایک ایک جوڑا کپڑا تیار کر رکھا ہے. مگر حسین احمد کے حاضر ہونے کے بعد دوں گا، چنانچہ جب میں دیوبند سے براہ نانوتہ پیدل حاضر ہوا تو دو جوڑے جو کہ ابھی جدید تھے، ہر ایک کو عطا کیے گئے، چونکہ اس میں کرتہ پاجامہ، ٹوپی ہی تھی، اس لیے بھائی صاحب مرحوم نے عرض کیا کہ حضرت ہم دونوں اپنے اپنے عمامے لاتے ہیں اور پیش کر دیتے ہیں، جناب ان کو بھی ہمیں دیدیں. فرمایا کہ اس کو پھر دیکھا جائے گا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بکمال شفقت آخری شغل سلوک تلقین فرمایا، میں نے اپنی اُن رویا کو جو کہ راستہ میں دیکھی تھیں. تنہائی میں پیش کیا، جن میں سے ایک یہ تھی کہ میں حضرت قطب العالم حاجی امداد اللہ صاحب مرحوم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں، اور اس سے پہلے ایک مقدار کھجوروں کی حضرت کے یہاں بطور ہدیہ پیش کر چکا ہوں، تو حضرت نے فرمایا کہ تو خود آ کر ان کھجوروں کو تقسیم کر دے، میں نے عرض کیا حضرت یہ کھجوریں تو میں آپ کے لیے لایا ہوں، میرے یہاں تو اس کی دکان ہے. حاجی صاحبؒ نے فرمایا، نہیں میں جانتا ہوں کہ کن مشقتوں سے کھجوریں حاصل ہوتی ہیں، مولانا گنگوہیؒ نے یہ خواب سنکر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب سے تجھکو اجازت ہو گئی. مجھسے بھی عنقریب ہو جائیگی، چونکہ اجازت وخلافت میرے گمان میں بھی نہ تھی، میں نے عرض کیا، میں تو اس کا خواستگار نہیں، اس پر غالباً سکوت فرمایا. بارگاہ رشیدی کی حاضری میں بفضلہ معنوی نعمتیں بہت حاصل ہوئیں، ایک شب پندرہ دن کے بعد، بعد عشاء میں حضرت کی پیٹھ دبا رہا تھا. بین النوم والیقظہ کی حالت ہوئی، اور سنا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ تجھے چالیس دن بعد اجازت ہو گی، اس کے ٹھیک چالیس دن بعد حضرت نے بعد عصر فرمایا کہ اپنے عمامے لے آؤ، بھائی نے دو عمامے حاضر کیے، حضرت نے ہر دو کو اپنے پاس بٹھا کر اپنے دست مبارک سے باندھے. اس کے چند روز بعد بھائی صاحب

فرمایا، جانتے ہو، یہ کیسی دستار تھی، بھائی صاحب نے فرمایا، دستارِ فضیلت تھی، فرمایا نہیں، یہ دستار خلافت ہے، تم دونون کو مجھ سے اجازت ہے، اس کے بعد کچھ عرصہ خدمت مین رہنا ہوا، مگر بہت جلد افتراق جسمانی کی نوبت آگئی، افسوس کہ اپنی تن پروری اور نفس پرستی ہمیشہ میدانِ عمل مین سدِ راہ ہوتی رہی جس کی بنا پر ناقص رہا، ورنہ نعماء الہیہ نے کبھی بخل نہ فرمایا، اور نہ حضرت مرشدی قدس سرہ العزیز کی توجہات اور حضرت شیخ الہند کی برکات نے اضافہ سے کوتاہی کی ؎

سود گشت از سجدۂ راہ بتان پیشانیم ‏ چند بر خود تہمتِ دینِ مسلمانی نہم
از نکتہ مقصود نہ شد فہم حدیثے ‏ لا دین و لا دنیا بکار رہماندیم

حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت مین اگرچہ زیادہ رہنا نصیب ہوا مگر باوجود ان کی توجہات کے اپنی نالائقیون نے گل کھلانے مین کمی نہ کی، غرضکہ مین اپنے اسلاف اور اکابر کرام کے لیے ننگ و عار ہی رہا، اور حضرات اہل چشت اور دیگر مشائخ اہل طریق کا صحیح معنون مین بدنام کرنے والا، تاہم مجھکو افضال خداوندی سے امیدین ہین کہ مثل سگ اصحاب کہف مجھکو اپنے اولیاء کرام سے فیوض سے مستفید ہونے کا موقع عنایت فرمائین گے، اور اپنے بھائیون سے امیدوار ہون کہ دعوات صالحہ اور توجہات وہمم سے اس روسیاہ کی دستگیری فرمائین گے، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۳۰۶ھ
(سلاسل طیبہ)

مکتوب نمبر ۲

سادات شیخپورہ، مرزاپور، مادھوپور، ضلع سہارنپور وغیرہ کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف، والانامہ باعث سرفرازی ہوا، یاد آوری کا شکرگذار ہون، میرے متعلق نسبی حیثیت سے سید ہونے کا انکار جن حضرات نے کیا ہے

وہ اس کے ذمہ دار ہیں، میں تو اپنے نام کے ساتھ سید لکھتا بھی نہیں ہوں جس کی وجہ یہ ہے کہ مدار نجات نسب نہیں ہے عمل ہے، اگر نسبی حیثیت سے کوئی اعلیٰ درجہ کا عالی نسب ہے مگر اعمال قبیح ہیں، تو مثل پسر نوح علیہ السلام رد رانده درگاہ خداوندی ہے، اور اگر چمار زادہ یا بھنگی زادہ ہے مگر وہ مسلمان متقی ہے، تو اس کی فوز و فلاح مثل حضرت بلال و صہیب رضوان اللہ علیہما ہے، میرے عمل اس ادعا کی اجازت نہیں دیتے، مجھکو شرم آتی ہے،

محترما۔ میں الہداد پور، قصبہ ٹانڈہ، ضلع فیض آباد کا باشندہ ہوں، الہ داد پور قصبہ ٹانڈہ کے بالکل متصل ہے، تقریباً چار سو برس یا اس سے زاید سے ہمارے خاندان کی جائے سکونت ہے، وہاں کے اطراف و جوانب میں ضلع سلطان پور، اعظم گڈھ اور ضلع فیض آباد کے دیہات اور قصبات میں صرف سادات اور بڑے ذات کے شیخ زادوں میں ہماری رشتہ داریاں صدیوں سے چلی آتی ہیں، ہمارا آبائی پیشہ زمینداری اور پیری مریدی ہے، شاہان دہلی مغلیہ خاندان کے ابتدائی بادشاہوں نے یا ان سے پہلے بادشاہوں نے ہمارے اعلیٰ مورثوں کو ۲۴ گانوں دیئے تھے، جن میں سے ۱۸۵۷ء تک ۱۳ باقی رہ گئے تھے، ۱۸۵۷ء میں ایک ہندو راجہ نے جس سے پہلے سے عداوت چلی آتی تھی، بڑوں کے انتقال اور بدعملی کی اشاعت کی وجہ سے سب پر قبضہ کر لیا، اور الہ داد پور لوٹ لیا، ہمارے قدیمی کاغذات وغیرہ پر بھی قبضہ کر لیا بے شمار خزانے اور غلہ اور سامان اس نے لوٹے جس کو وہ ایک مہینہ تک گاڑیوں میں منتقل کرتا رہا، اس کے حصار کے زمانہ میں عورتیں اور بچے بھیس بدل کر رشتہ داروں کے یہاں شہر ٹانڈہ کے بعض محلوں میں جو کہ ماموں بھتے پناہ گزین ہو گئے تھے، اور دوسرے لوگ بھی نوکروں اور رعایا کو چھوڑ کر منتشر ہو گئے تھے، بہرحال اگر کسی کو تفتیش کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد دور نہیں ہے، وہاں جا کر تفتیش کر کے حال معلوم کر سکتا ہے، ۱۸۵۷ء کے بعد صرف دو گانوں ہمارے خاندان

کے پاس باقی رہ گئے تھے، جن مین والد مرحوم کا ایک آنہ آٹھ پائی تھا جس کو فروخت کرکے والد مرحوم نے حجاز کا قصد کیا تھا،

ہمارے مورث اعلیٰ جو کہ اللہ داد پور مین اولاً پہنچے ہین ان کا نام شاہ نور الحق قدس سرہ العزیز ہے، ان سے لیکر مجھ تک سترہ پشتین گذری ہین، سلسلہ حسب ذیل ہے،

حسین احمد بن سید حبیب اللہ بن سید پیر علی بن سید جہانگیر بخش بن شاہ نور اشرف بن شاہ مدن ابن شاہ محمد ماہ شاہی بن شاہ خیر اللہ بن شاہ صفت اللہ بن شاہ محب اللہ بن شاہ محمود بن شاہ لدھن ابن شاہ قلندر بن شاہ منور بن شاہ راجو بن شاہ عبد الواحد بن شاہ محمد زاہد بن شاہ نور الحق قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم،

یہانتک ہمارا شجرۂ نسبی موجود ہے، اس کے بعد کا شجرۂ طریقت ہے، نسبی موجود نہین ہے شاہ نور الحق صاحب خلیفہ ہین شاہ داؤد چشتی کے وہ شاہ عناب الدین چشتی کے وہ شاہ نجم الدین چشتی کے، وہ شاہ رومی چشتی کے وہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے وہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہم اللہ تعالیٰ و قدس اسرارہم کے، اس کے بعد شجرہ مین وہی اسما بزرگان طریقت کے درج ہین جو حضرات خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تمام شجرون مین مذکور ہین،

ہمارے خاندان کے بڑے، میرے تایا، والد، ماموں، ماموں ہر دو بھائی کے آبائی اور خاندانی مرید ضلع گونڈہ بستی گورکھپور، فیض آباد وغیرہ کے دیہات اور اطراف مین تھے اور اب تک چلے جاتے ہین، اکثر رشتہ دارون نے پیری مریدی چھوڑ دی ہے، مگر بعض بعض نے ابتک غربت کیوجہ سے اسی پر گذران کر رکھی ہے، اس مین شک نہین کہ اخیر ایام یعنی ۱۲۸۵ھ کے قریب ایام مین جہالت اور دنیاداری کا ہمارے خاندان پر غلبہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ہماری نانی مرحومہ نے جو کہ خاندان ہی کی تھین، والد مرحوم پر زور دیا کہ تم کسی کامل سے بیعت ہو جاؤ، کیونکہ اب طریقت کی تعلیم اور

کمال خاندان مین باقی نہین رہا، چنانچہ ہمارے والدین ماجدین حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی سے بیعت ہوئے، اور شرف حاضر بارگاہی حاصل کیا، بہرحال یہ احوال مختصر ہین، والحقیقۃ عند اللہ، محررا۔ اگر قبولیت عند اللہ نصیب ہو تو نجاح و فلاح ہے، ورنہ سب ہیچ ہے، اخبارون وغیرہ مین ایسے مضامین لانے کی ضرورت نہین، آپ کو ضرورت ہے کہ اپنی قوم کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ترقی دین، نسبی حیثیت سے غرور اور تکبر بے موقعہ پیدا ہوتا ہے، وہ ترقی سے مانع ہو جاتا ہے، سادات پر تمام مسلمانون کی خدمت گذاری ضروری ہے نہ کہ سادات تمام مسلمانون کو اپنا غلام سمجھین اور ان سے خدمت کی خواہش کرین، تذکرۃ الاولیاء مین ہے کہ ایک روز امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بغداد مین ایک بڑے مجمع کے سامنے فرمانے لگے کہ بھائیو تم مین سے جو روز قیامت . . . مین اللہ تعالیٰ بخش دے تو میری شفاعت کرنا، لوگون نے تعجب کیا، اور کہا کیا ہم آپ کی شفاعت کرین، حالانکہ آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ہین، تو فرمانے لگے کہ یہی چیز میرے لیے باعث بے چینی ہے، امت کے تمام مسلمان میرے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہین اور مین ان کے خاندان کا بچہ ہون، قاعدہ ہے کہ مہمانون کی خدمت گذاری خاندان کے چھوٹون پر ضروری ہوتی ہے، اگر وہ کوئی کوتاہی کرتا ہے تو صاحب خاندان بہت خفا ہوتا ہے، اور چھوٹون کی سرزنش کرتا ہے، اگر قیامت مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھکر مجھ سے سوال کیا کہ جعفر تم نے میرے مہمانون کی کیا خدمت کی تو مین شرم کی وجہ سے منہ نہ اٹھا سکون گا،

یہ ارشاد حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا صحیح ہے اور سادات کے لیے نہایت عبرت کا فرمان ہے، مگر افسوس کہ ہم انتہائی غفلت مین مبتلا ہین، مین نے جب سے یہ ارشاد دیکھا ہے بہت فکرمند رہتا ہون، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے؛

ہمین فخر نسبی کا موقع صرف اسی وقت حاصل ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور ہمارے آقا ولی نعمت نانا جان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔ اس سے پہلے یہ مفاخرت جہالت اور نادانی ہے،

سادات کا فرض سب سے زیادہ اور اولین ہے کہ آقائے نامدار علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت کو زندہ اپنے عمل سے کرین۔ اور آپ کی سنتون پر نہایت مضبوطی سے چلین اور ہر امتی کا خواہ وہ کیسا ہی غریب اور جاہل اور چھوٹی ذات کا مسلمان ہو احترام کرین، اور اس کی خدمت گذاری کرین، وہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان اور بلایا ہوا مہمان ہے، امید وار ہون کہ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائین گے، اور واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہہ دینگے، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، دار العلوم دیوبند

سہارنپور، ۱۳ $\frac{۶}{۶۵}$ ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲) ایک مجلس مین تذکرہ ہوا کہ امیر الہند مولانا حسین احمد مدنی دامت برکاتہم سید ہین یا نہین؛ اس مذاکرہ مین اسقدر شدت ہوئی کہ آپس مین رنجشین ہوگئین، بجواب عریضہ ہذا حضور اس سوال کا جواب عنایت فرمائین ہم سب حضور والا کے دامن سے وابستہ ہین، مگر ہم مین سے بہت سے اہل سادات کسی دوسری قوم کو فخر خاندانی کی بنا پر اپنا رہنما اسنے پر تیار نہین۔ مکتوب گرامی نے شرف صدور ہو کر باعث طمانیت ہوا کہ حضرت امام العصر دامت برکاتہم کے آباء واجداد رحمہم اللہ سید تھے، جیسا کہ شجرۂ مبارکہ سے ظاہر ہے، یہ مسلم ہے کہ اسلام نے نجات اور عزت حقیقی کی بنیاد محض تقویٰ پر رکھی ہے، اصل مین انسان کا بڑا چھوٹا یا معزز و حقیر ہونا ذات، پات اور خاندان و نسب سے تعلق نہین رکھتا، بلکہ جو شخص جسقدر نیک خصلت، مؤدب اور پرہیزگار ہوگا اسی قدر اللہ کے ہان معزز و مکرم ہے، ضلالت کدۂ عرب کے اندر یہ وبا جس طرح پھیلی ہوئی تھی اس سے کون صاحب نظر ناواقف ہے، سارا عرب تفاخر بالانساب کا اکھاڑا بنا ہوا تھا، قبیلہ قبیلہ فخر نسب کی دکانین سجا سجا کر نقد عزت حاصل کر رہا تھا، لیکن جب

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۱ پر)

مکتوب نمبر ۳

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد وزیر معارف ہند کے نام

(۱) سیدنا المحترم لازالت معالیکم فی غایۃ من الارتقاء۔ آمین

غب اهداء السلام والتحیۃ اللائقۃ المقام فالمعروض علی سیادتکم ان الداعی وصل سلهٹ فی الثالث من رمضان صباحًا من کل خیر وسلامۃ وحیث ان المواصلات السلکیۃ والکتابیۃ الی هذه الساعۃ منقطعۃ اقتضت الظروف والاحوال ارسال حامل العریضۃ الی جنابکم السامی فالمرجو من حسن الطافکم ان لاتغفلوا عن الاسعاف

بعد ہدیۂ سلام مسنون کے خدمت اقدس میں عرض ہے کہ خاکسار ۳ رمضان المبارک کی صبح مع الخیر سلہٹ پہونچا، چونکہ برقیات و مراسلات کا سلسلہ منقطع ہے اسلیے حالات اس کے مقتضی ہوئے کہ حامل رقعہ کو جناب کی خدمت میں بھیجوں، مجھکو جناب والا کے حسن اخلاق سے امید ہے کہ میری درخواست پر توجہ فرمائیں گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱) جب حق و صداقت کی شعاعیں چمکیں تو فخر باطل کی ساری گھٹائیں چھٹ کر رہ گئیں، کیونکہ انسان کے لیے معیار شرف جوہر ذاتی اور خود حاصل کردہ علم و عمل ہے نہ کہ اسلاف کی روایات پارینہ اور نسب فروشی کا غرور باطل، ہم کو ایسا ہونا چاہیے کہ ہماری نسبت سے ہمارے خاندان کو لوگ پہچانیں، نہ یہ کہ اپنی عزت کے لئے خاندان کے شرف رفتہ کے محتاج ہوں، البتہ جس کو حق تعالیٰ کسی شریف اور بزرگ و معزز گھرانے میں پیدا کردے، وہ ایک موہوب شرف و بزرگی ہے، کیونکہ جدید تحقیقات و انکشافات اس امر پر شاہد عدل ہیں کہ بہت سی چیزیں موروثی طور پر اشخاص و رجال کے اندر پائی جاتی ہیں اور اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کہ بسا اوقات خاندان کے موروثی اثرات خارجی اثرات سے بے نیاز کردیتے ہیں، اس لیے جس شخص کو

(باقی حاشیہ ص ۱۲ پر)

سیدی! منذ وردت هذه الدیار
لم ازل اسمع الشکوی من جهة عدم تقرر
الوزارة الاسلامیة فی القطر الآسامی وانها
تسبب ضیاع کثیر من الحقوق الاسلامیة
فی هذه الدیار، وکل من لقینی من الوطنیین
وارباب الجمعیة یشتکی عن هذا الامر
ویحضنی علی الاجتهاد والسعی حتی سمئت
فلزم توجه عزائمکم الی هذا المهم الحالی۔
اهل هذه الدیار یفوهون بالشدة ان
الوزارة الاسلامیة فی هذا القطر تشتمل

سیدی! جب سے میں یہاں آیا ہوں برابر یہ شکایت
سنتا ہوں کہ صوبہ آسام میں اسلامی وزارت قائم
نہیں ہو رہی ہے جس کی وجہ سے اسلامی مفاد کو
سخت نقصان پہنچ رہا ہے، وطن پرست اشخاص اور
ارکان جمعیۃ مجھ سے اس بات کی شکایت کر رہے ہیں
اور مجھے اس کام کے لیے ترغیب دے رہے ہیں، لہذا
جناب والا اس مہم کو انجام دینے کی طرف خصوصی توجہ
فرمائیں، اس صوبہ کے باشندوں کو اس بات کی زبردست
خواہش ہے کہ اس علاقہ میں مجالس میں ہونی تھیں
پھر کیا بات ہے کہ حکومت اور زعماء قوم صرف ایک

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱) حق تعالیٰ شرافت و نجابت حسب و نسب کی عزت سے سرفراز فرمائے، اسے بمقابل دوسروں کے اور بھی اصلاح اعمال و تزکیہ نفس و اخلاق حمیدہ کی طرف مائل ہونا چاہیے، خلاصہ یہ کہ عادت اللہ ہمیشہ سے یوں ہی جاری ہے کہ جس کو مرجع خلائق بنانا اور منصب ارشاد و اصلاح پر متمکن کرنا منظور ہوتا ہے اسکو اعزاز خاندانی اور شرافت نسبی سے بھی ممتاز فرمایا جاتا ہے تاکہ لوگوں کو اس کے اتباع میں عار و ننگ محسوس نہ ہو، اور ایسے شخص پر کسی کی وجاہت ظاہری کا بیجا اثر نہ ہونے پائے، گو قبول عند اللہ کے لیے شرافت نسب کی بالکل حاجت نہیں اور نہ اسلام نے اپنے نسب کو بدلنے کی اجازت دی ہے کہ خواہ مخواہ اپنے کو سید، صدیقی، فاروقی، عثمانی، انصاری اور علوی ظاہر کریں یہ گناہ ہے حضرت امام العصر کو حق تعالیٰ نے اگر ایک طرف عقل و فراست، علم و عمل اور خلعت امامت سے نوازا تو دوسری جانب شرافت نسبی اور وجاہت ممتازانہ سے مالا مال کر دیا ع "یار ما این دارد و آن نیز ہم" اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد

على ثلاثة مجالس فما بال الحكومة و
كبار الوطنيين يقتصرون على مجلس واحد
فقط لا بد لهم من الاكمال. وان مولانا
محمد ابراهيم الجتولى ايضاً انشاء الله
يقوم لفرائض الحكومة بالجد التام
والحذاقة وان لم يكن ماهراً فى اللغة
الانكليزية، واما مولوى عبد الرشيد
تفحصت عن احواله فذكر من جهته
غاية الحذاقة فى جميع الفرائض المفوضة
وكذالك اللغة الانكليزية
المسئلة الثانية مسئلة المهاجرين
الى آسام من سكان بنكال فانها انقلبت
مسئلة مهمة فالمرجو من افضالكم ان
تعجلوا فيها بان من نزل هذه الديار
۱۹۳۸ء يترك ههنا ولا يخرج هذا
قد وجدت القلق والانزعاج من
هاتين المسئلتين فى السياسة الموجودة
وههنا مسئلة ثالثة وهى انتخاب
المسلمين فى مناصب الحزب الوطنى

مجلس کے قیام پر اکتفا کر رہے ہیں، الغرض ان کو تینوں
پوری کرنی چاہیے، اور مولانا محمد ابراہیم صاحب
اگرچہ انگریزی کے فاضل نہیں ہیں پھر بھی
انشاء اللہ اپنے کار منصبی کو پوری مہارت
اور انتہائی جد وجہد سے انجام دیں گے۔
لیکن جہاں تک میں نے مولانا عبد الرشید
صاحب کے حالات کی تحقیق کی موصوف
بڑے تجربہ کار اور انگریزی سے بھی کافی
واقف ہونے کی وجہ سے اپنے تمام فرائض کو
باحسن وجوہ انجام دے سکیں گے۔
دوسرا مسئلہ ان مہاجرین کا ہے جو بنگال چھوڑ کر
آسام آرہے ہیں، یہ مسئلہ نہایت اہم اور نازک
ہے، امید کہ جناب والا اس کو جلد از جلد حل فرمائیں
کہ جو شخص اس صوبہ میں ۱۹۳۸ء تک آکر
آباد ہو گیا ہے اس کو یہاں رہنے دینا چاہیے،
یہ دونوں سیاسی مسائل سخت تردد اور کشمکش کا
باعث ہیں، یہاں ایک تیسرا مسئلہ بھی ہے یعنی کانگریس
کے مندوبین کیلئے مسلمانوں کا انتخاب،
یہ مسئلہ بھی مسلمانوں کے لیے سخت پیچیدہ ہے،

اعنی الکانگرس نانها عادت .... مسئلة	کیونکہ انبا وطن مسلمانون کو اس بات کا موقع
- - - - - - - - -	ہرگز نہ دین گے کہ وہ کانگریس کے کسی
عویصة للمسلمین جدا فان ابناء	عہدہ پر فائز ہو اور نہ کوئی مسلمان کانگریس
الوطن لا یدرکون مسلما یفوز بمرتبة	کے ہائی کمان کا رکن ہو سکتا ہے، اگر کونسلون
ما فی المجلس الوطنی ولا یترکونه منتدبا	مین مسلمانون کی سیٹین محفوظ نہ کی گئین تو
فی المجلس الکبیر فان لم تصر المجالس	پھر مسلمانون کا ان کونسلون مین جانا ناممکن
محفوظة للمسلمین یکاد ینقطع دخولهم	ہوجائے گا............
فیها ثم یا سیدی اطلب منکم السماح	....
فیما اجترأت فی اللیلة جعلکم الله	....
ملاذا للآمال والامانی سائر الایام	....
مادمتم	....
محسوبکم حسین احمد غفرله بن بلدة سلهٹ فی	والسلام
۹ رمضان المبارک ۶۵ھ	حسین احمد غفرلہ سلہٹ، ۹ رمضان المبارک ۶۵ھ

مکتوب نمبر ۴

مولانا عبدالحق مدنی مدظلہ مسجد شاہی مرادآباد (یو-پی) کے نام،

الی الاخ المحترم زادت معالیه آمین السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

اما ما وقع فی مسئلة الحجاز وابن سعود	مسئلۂ حجاز اور ابن سعود کے بارے مین جو حالات
فنعم فهمنا شرذمة تخالف النجدیین منهم من کان	پیش آگئے ہین وہ یہ ہین کہ ایک مختصر جماعت یہان
مخالفا لهم لتوغله فی البدع واحتال فی هذا	بھی ان کی مخالف ہے، بعض تو اس لیے کہ

الامر بمظالمة التي وقعت في الطائف
وبما وقع من هدم القبب وغيرها
ومنهم من كان مستندا الى الشريف
ولم يكن يجد سبيلا لاظهار مضراته
والآن وجد لذلك طريقا فصار
يشيع بتلك المظالم والعقائد لرجوع
الناس الى الشريف وقد وقعت
المكاتبات بيني وبين بعضهم وانا
ارى انه لو اقيم هنالك الشيخ
السنوسي تنسد اكثر ابواب الفتن
والا فحكومة ابن سعود ايضا فيها
صلاح لكثير من الامور السياسية
وان كان رأيكم على خلاف ذلك انا
ارى ان سائر العربان مدرهم
وغير مدرهم من الوالم والهذيل
والهيثم وغيرهم حجازيهم وتهاميهم
يمنيهم ونجديهم وغيرهم يخافون
منه كالغنم من الذئب فلا يمكن
شيء من هذه القبائل ان تطيع بها

وہ غالی بدعتی ہیں، اور اس کے لیے انھوں نے
ان مظالم کو جو طائف میں ہوئے ہیں، اور جو
قبے وغیرہ ڈھائے گئے ہیں بہانہ بنا لیا ہے، کچھ
لوگ شریف حسین کے حامی ہیں جو اپنے خیالات کے
اظہار کا موقع نہیں پاتے تھے، اب ان کو موقع
مل گیا ہے، وہ لوگ نجدیوں کے ان مظالم اور
ان کے عقائد کی اشاعت اس لیے کرتے ہیں تاکہ
لوگ شریف حسین کی تائید کریں، ان حضرات میں
سے بعض سے خط و کتابت رہی، میرا خیال ہے
کہ اگر شیخ سنوسی کو وہاں کی سرداری دیدی جائے
تو اکثر فتنوں کے دروازے بند ہو جائیں گے
ورنہ پھر ابن سعود کی حکومت میں سیاسی معاملات
کے سلجھانے کی صلاحیت تو موجود ہی ہے،
اگرچہ آپ لوگ اس رائے کے مخالف ہیں؛
میں تو دیکھتا ہوں کہ تمام عرب، بدوی، شہری
والم، ہذیل، حجازی، تہامی، یمنی، نجدی وغیرہ
سب کے سب ابن سعود سے اس طرح ڈرتے ہیں
جیسے بکری بھیڑیے سے ڈرتی ہے، لہذا یہ قبائل
اب عرب پر ایسی دست درازی نہیں کر سکتے

على العرب كما كانت تحصل فى حكومة
الشريف وكذالك السفهاء بمكة و
المدينة وعبيد الاشراف بل
الاشراف ايضاً لا يقدرون على
ان يوذوا احدا وكذالك ما كان فى
المدينة المنورة من تعدد الحكام
وجريان الاحكام القرقوشية فيها
وميلان كل حاكم الى من طاوعه و
قدم له ما يشتهيه وتسلط العربان
واولاد الحارة على الناس وكذالك
المصادرات الباهضة والجمارك
الثقيلة التى كانت على التجار واصحاب الاموال
وكذلك الحيل الباطلة التى كانت تصطاد
بها اموال الحجاج فيقدم البعض الى الشريف و
البعض الآخر لعماله والبعض للمطوفين وشيوخهم
وغير ذالك من الامور الشنيعة ارجوان يحصل
بحكومته اصلاح الجميع مرة واحدة نعم اخاف انا
ايضا من تشددهم المتجاوزة من
الحد فى الديانات ان يحصل فيه ما لا خير

جیسے شریف حسین کے زمانہ میں کرتے تھے، اور
اب مکہ و مدینہ کے جہلا، اشراف اور اراذل بھی
کسی کو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتے۔ اسی طرح اور
بہت سی خرابیاں نجدی نظام حکومت مین
دور ہوگئین، مثلاً مدینہ منورہ مین حکام کی کثرت
قرقوشی قوانین کا نفاذ، ہر حاکم کی بیجا حمایت اور
پاسداری ان اشخاص کی جو ان کی خوشامد اور
اطاعت کرتے تھے، بدوؤں اور محلہ کے لڑکون
کے لوگون پر مظالم، تاجرون اور سرمایہ دارون
پر محاصل اور ٹیکسوں کی بھرمار حجاج سے مختلف حیلون
سے رقمیں وصول کرنا، کچھ شریف کو دینا کچھ حاکمون
کو نذر کرنا، کچھ معلموں اور شیوخ کی جیب بھرنا،
میرا خیال ہے کہ ابن سعود کی حکومت ان تمام
خرابیوں کو بیک وقت دور کر دیگی۔ ہاں مجھے
اس بات کا اندیشہ ضرور ہے کہ شرعی
مسائل اور احکام میں ان کی حدود
سے متجاوز زیادتیاں بہت سی خرابیاں
پیدا کریں گی، کیونکہ نجدیوں مین اعتدال
پسندی نہیں ہے، بلکہ ان کا یہ طرز عمل لوگوں کو

فانصرہ توسط لدیہم سیما عند
عامتہم وذالک یقر قلوب الناس
فیخشی نفرۃ الاسلام الآفاقی، ویجد
بذالک اصحاب الاھواء سبیلا لتسویل
الکفار علی الحرمین الشریفین اعاذنا
اللہ من ذالک، وکذالک یحصل بہ
مظالم علی الناس کما وقع سالفا لدی
تسلطہم علی الحجاز والحاصل ان السیاستہ
یرجی منہم فیہا منافع واصلاحات
ولکن الدیانتہ تجمع بین الحسن والقبیح
والتشدید غیر مرضی لدی النبی علیہ السلام
ومنتج مضار کثیرۃ۔ ثم الدولتہ
الانکلیزیتہ ترید القاء الفتن بین
المسلمین فلا اطمینان من جہتہ
علی اخوانہ اذا حصلوا ما یفوتہم
کما یظہر من بعض الاخبار۔ والی
اللہ المشتکی۔

حسین احمد غفرلہ

اسلام سے متنفر کر دے گا، اور ہوا پرستوں
کو اس بات کا موقع دیگا کہ وہ کافروں کو
حرمین شریفین پر قبضہ کرنے کی ترغیب دیں
خدا اس فتنہ سے بچائے، اگر اغیار کا تسلط
حرم پر ہو گیا، تو لوگوں پر مظالم ہوں گے،
جیساکہ اسکے قبل ان کے تسلط سے حجاز پر مصیبت
گذر چکی ہے، خلاصہ یہ کہ نجدیوں کی حکومت سے
سیاسی بنا پر بہت سے فوائد اور اصلاحات کی
توقع کیجا سکتی ہے، لیکن شرعی نقطۂ نظر سے
انکی حکومت میں خوبی بھی ہے اور برائی بھی، اور
سختی تو آنحضرت صلعم کے نزدیک غیر پسندیدہ چیز ہے
جس سے بہت سے مضر نتائج پیدا ہوتے ہیں،
علاوہ ازیں انگریزی حکومت مسلمانوں میں فتنہ
وفساد پیدا کرنا چاہتی ہے، اس لیے شریف اور
اور انکے بھائیوں کی طرف سے مجکو اطمینان نہیں ہے
جب کہ ان کو اقتدار حاصل ہو گا، جیساکہ خبروں
سے پتہ چلتا ہے۔ والی اللہ المشتکی

حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۵

(۱) لا شك ان الهند دار حرب
بيد ان حضرة مولانا النانوتوى
قدس الله سره العزيز كان يرى ان
من كان سكان الديار الاسلامية له
ان يدخل الهند ويأخذ من الحربين
الاموال بالربوا والقمار، وامثال
ذالك مما فيه التراضي بغير نقض عهد
واما القاطنون بالهند، فليس لهم ذلك
ويرى ان النص الفقهي معناه كذلك
وله رسالة فى ذالك، واما
حضرت مولانا الگنگوهی قدس الله
سره العزيز فكان يرى ان المسلمين
القاطنين بالهند ايضا لهم ان يأخذوا
من الانكليز والهنود وبيد انه كان
لا يفتي بهذا الفتوى لمصلحة
حفظ العوام

(۲) لا شك ان البنوك الرائجة

(۱) اس مین شک نہین کہ ہندوستان دار الحرب
ہے، مگر حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ العزیز
کا خیال تھا کہ باشندگان بلاد اسلامیہ کے لیے
جائز ہے کہ وہ ہندوستان مین داخل ہو کر سود
اور جوئے سے کفارہ کا مال لے سکتے ہین بشرطیکہ
اس مین تراضی طرفین ہو اور عہد شکنی نہ ہو،
لیکن باشندگان ہند کے لیے جائز نہین ہے
ان کا خیال تھا کہ اس معنی مین نص فقہی بھی ہے،
چنانچہ اس مسئلہ پر ان کا ایک رسالہ بھی ہے،
البتہ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز
کا خیال تھا کہ ہندوستان کے رہنے والے مسلمان
بھی انگریزون اور ہندون سے سود لے
سکتے ہین، لیکن عوام کی مصلحت کا لحاظ کر کے
اس فتویٰ کو شائع نہین کرتے تھے، ....

....

....

(۲) ہندوستان مین جو بنک قائم ہین ان مین سے

بالهند بعضها للحربيين الحارّ بين
من اهل اوربا هولاء يدفعون
النقود الربوية لجماعتهم لتبشيرية
اعني البادريين لاشاعة المسيحية
اذا لم يأخذوا ارباب الاموال
الربوا عليها. وحيث ان عدم الاخذ
حينئذٍ اوجب مفسدة عظيمة افتى
ارباب الحل والعقد بوجوب اخذ الربوا
ثم صرفها على فقراء المسلمين تصدقا
او في غير هذا المحل حتى انها لو توخذ
ثم ترمى في البحر لهي خير من ابقائها
في البنوك. اما اخذ الربوا من
الهنود فالى الساعة اولئك متوقفون
لان اشاعة هذه المسئلة تودي الى
جريان الربوا بين المسلمين فان
عامة سكان الهند من المسلمين
هم فقراء يحتاجون الى الاستدانة
بالربوا.
واما الهنود فاولئك اصحاب

بعض اہل یورپ کے ہیں جو اسلام کے مخالف
اور دشمن ہیں، یہ لوگ سود کی رقمیں پادریوں کو
عیسائیت کی تبلیغ کے لیے ان کے تبلیغی مشن
کو دیتے ہیں، جبکہ سود کی رقموں کا مطالبہ
روپیہ جمع کرنے والے نہیں کرتے، اسلیے
سود کی رقم نہ لینا ایک بڑے فتنہ و فساد کا
سبب ہے، لہذا ارباب فتوی نے فیصلہ کیا
ہے کہ سود کی رقمیں ضرور لینا چاہیے، اور
بطور خیرات کے مساکین کو تقسیم کر دینی چاہیے
یا اور کہیں دیدینی چاہیے، بلکہ سمندر میں پھینک دینا
بنک میں چھوڑ دینے سے بہتر ہے، البتہ ہندوؤں
سے سود لینے میں ابتک علماء کو تذبذب ہے
اس لیے اور بھی کہ اس مسئلہ کے رواج سے
سودی معاملہ مسلمانوں میں پھیل جائیگا
کیونکہ ہندوستان کے عام مسلمان
غریب ہیں، اور وہ سودی روپیہ قرض
لینے پر مجبور ہیں۔

ہندو اکثر سرمایہ دار ہیں، ان کو سود دیکر روپیہ

اموال طائلة لا يحتاجون الى الاستدانة
غالبا ومن احتاج منهم فاذا حصلت
الاشاعة لهذه الفتوى تكون ذريعة
للفساق من ارباب الدنيا من المسلمين
ان ينهبوا اموال الضعفاء منهم بردها
حلالا واما الان فنحن نقول للمسلمين
ان اخذ الربو واعطائها وكتابتها
وغير ذالك حرام فامتنعوا عنه
وقللوا مصاريفكم حتى لا تحتاجوا الى
الاستدانة. ونقول لهم لا تعينوا
باموالكم الطائلة اعداءكم الوطنيين
الهنود وغير ذالك ههنا مصالح
عديدة مع ان الهنود بالديار الهندية
اسراء مثلنا، فان فى نظرى وضعية
القاطنين بالهند وضعية الاسير
بايدى اهل الحرب لان احوالنا
اشبه بالاسير وبناء عليه يحل لنا
من هولاء المحاربين كل شئ سوى الفروج
كما صرح به الفقهاء واذا تاملتم بنظركم

لینے کی چندان ضرورت نہیں ہے، اور
جب جواز سود کے فتوی کی اشاعت ہوگی
تو دنیادار مسلمان غریب مسلمانون کے مال
کو لوٹ لین گے، کیونکہ مسلمان جائز سمجھکر
ان کو سود دین گے، ہم مسلمانون کو مشورہ
دیتے ہین کہ سود کا لین دین اور معاملہ حرام
سمجھین اور اس سے باز آئین اور اپنے اخراجات
کم کرین تاکہ قرض لینے کی نوبت نہ آئے،
اور مسلمانون سے ہم یہ بھی کہتے ہین کہ تم اپنی
رقموں اور سرمایہ سے اپنے ہموطن ہندو
دشمنوں وغیرہ کی مدد نہ کرو، اس کے علاوہ
سود نہ لینے مین اور بہت سے مصالح ہین
ہندوستان مین ہندو بھی مسلمانون کی طرح
انگریزون کے غلام ہین، میرے نزدیک
باشندگان ہند کی حیثیت ان قیدیوں کی سی
ہے جو دشمنون کے ہاتھ مین گرفتار ہین، اور
ہماری حالت محض قیدیون جیسی ہے، اس
بنا پر ان دشمنون کی ہر چیز ہمارے لیے مباح ہے
سوائے عورتون کے جیسا کہ فقہانے اسکی تصریح

الامر وهل يحل من الهنود ام لا تحل
تامل. وما قلتم ان دفع الفلوس
الى البنوك لا يحل لاعانة الكفار
فهو صحيح وذالك امر واقعي اجترأ
عليه ارباب الدنيا ومن لا مبالاة
في قلبه للدين بحيلة انه يخاف
على نقوده من السارق وارباب
الفساد وبان المال اذا كان في صندوقه
لا يحصل له منفعة اصلا بخلافه
اذا كان في البنك ....
....
....
(۳) طالعت في تفسير بيان القرآن
فوجدت عبارة الموجودة هنالك
تندفع اعتراضكم فانه يقول ان ما
وجب بعقد في حالة الكفر وفي
الديار الحربية سواء كان العقد
حلالا او حراما يبقى بعد الاسلام
وبعد انقلاب الدار كذالك ولكن لي

فرمائی ہے، غور کرنے پر مسئلہ روشن ہو جائے گا،
البتہ ہندوؤں کے ساتھ یہ برتاؤ جائز ہے یا نہیں
قابل غور ہے، آپ کا یہ فرمانا کہ بنک میں رقم
جمع کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں دشمنوں
کی مدد اور تائید ہوتی ہے، تو یہ بھی درست
ہے، اور واقعہ ہے کہ دنیا پرست لوگ بنک
ہی کی طرف رخ کرتے ہیں، اور وہی لوگ
بنک میں روپیہ جمع کرتے ہیں جن کو دین و
مذہب کی پابندی کا خیال نہیں ہے، اور یہ عذر کرتے
ہیں کہ چوروں اور بدمعاشوں سے ہم کو خطرہ ہے
نیز جو روپیہ صندوق میں بند رہتا ہے اس سے
کوئی نفع نہیں حاصل ہوتا ہے بخلاف بنک کے کہ اسمیں نفع
(۳) میں نے تفسیر بیان القرآن کا مطالعہ کیا،
اس میں جو عبارت ہے اس سے آپ کا اعتراض
دور ہو جاتا ہے، کیونکہ مصنف کا قول ہے کہ جو رقم
کسی معاملہ کے ذریعہ حالت کفر یا دار الحرب میں
واجب الادا ہوتی ہے، خواہ معاملہ جائز و ناجائز
ہو وہ رقم اسلام لانے کے بعد اور دار کے بدل جانے
کے بعد بھی واجب الادا ہوتی ہے، یہاں پر ایک

ههنا وجه اخر للجواب لم اطمئن عليه
لبقاء بعض الخدشات وان اراد الله
واتضح اطلعكم عليه وينبغي ان
تتوجهوا الى جوانب المسئلة وغورها
لعله يظهر لكم وجه وجيه و
لاشك ان اباحنيفة رحمة الله تعالى
لايقول بحل الربوا اصلا في وقت
ولا مكان وانما يقول لاربوا بين
المسلم والحربي ثمه فانه لم يره
ربوا ونفاه عن مصداق الربوا
لا انه قال بحل الربوا
والسلام حسين احمد غفرله

دوسرا جواب بھی ہے لیکن اس مین چند شکوک ہین اسلیے
اس کا مجھکو اطمینان نہین ہے، اگر خدا نے چاہا
اور مسئلہ کی مزید وضاحت ہو گئی تو جناب کو مطلع کرونگا
آپ خود مسئلہ پر غور کرتے رہین، شاید کوئی معقول
وجہ ذہن مین آجائے، اس مین شک نہین کہ
امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کسی جگہ کسی وقت بھی
سود لینا جائز نہین ہے لیکن امام صاحب کہتے ہین
کہ مسلم اور حربی مین سود کا وجود ہی نہیں ہوتا،
وہ یہ نہیں فرماتے کہ سود جائز ہے، بلکہ سود کی
اس معاملہ مین نفی کرتے ہین،
والسلام
حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۶

اخي المحترم! احب شئ
الى الاجتماع بك في رمضان وغيره
ولكن ما يحصل به النفع للمسلمين
فاحب من كل شئ ومن اجل ذالك
اخترت القيام بهذه الديار الشاسعة

برادر محترم! میری خواہش تو یہی ہے کہ
رمضان اور غیر رمضان مین ہم آپ یکجا رہین،
لیکن جس چیز سے مسلمانون کو فائدہ پہنچے وہ
میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے
اس لیے مین نے دور دراز ملک مین قیام کرنا

مع انی فی قلق الی المدینة المنورة
وصاحبها واهلها واخوی
والسلام
حسین احمد غفرله
۹ شعبان سنہ ۱۳۳۳ھ
من تنسکیا - آسام

پسند کیا ہے، حالانکہ میرا دل مدینہ منورہ اور آنحضرت
علیہم اور مکان مدینہ اور برادران عزیز کی یاد میں
بے چین رہتا ہے۔ والسلام
حسین احمد غفرلہ
۱۹ شعبان سنہ ۱۳۳۳ھ
(آسام)

مکتوب نمبر ۷

اخی المحترم! السیئة سیئة
وان کانت من الآباء والامهات
نحن لا نحامی ابن سعود علی المعاصی
والقبائح فان کان الامر علی خلاف
ما علمناه فنحن براء منه. هذا
الشریف حسین مع شرفه النسبی
خالفناه لمخالفة الاسلام فکیف
نرضی علی ابن سعود مع القبائح، غیر
ان بعض الشر اهون من بعض، الی
الآن لم یظهر معیته مع الانکلیز
واما المعاهدات التی انت ذکرتها فی

بھائی جان! برائی بہرحال برائی ہے، خواہ
اس کا صدور اور ارتکاب والدین کی طرف سے
کیوں نہ ہو، ہم ابن سعود کی ناجائز حرکتوں اور
گناہوں کی تائید نہیں کرتے۔ اگر باتیں ہماری
معلومات کے خلاف ہوں تو ہم اس سے بری
ہیں، ہم تو شریف حسین کے باوجود شرافت نسبی کے
اسلام کی مخالفت کی وجہ سے مخالف تھے، پھر ہم
ابن سعود کی خرابیوں کو کیوں پسند کرنے لگے،
ہاں بعض برائی بعض سے نسبتہً ہلکی ہوتی ہے،
اب تک یہ بات صاف طور پر ظاہر نہیں ہوئی کہ ابن
سعود انگریزوں کے بہی خواہ ہیں جن معاہدات

الجرائد فانها متعلق بالحدود وغيرها
مما لا محيص لاحد لديه حكومة
في هذه الاعصار. نعم يلزم ان ننظر
الى انه هل بغى على الحكومة الاسلامية
وهل اعان الكفار على الاسلام وهل
افنى المسلمين واموالهم واعراضهم
للكفار على الاسلام ....
.... وهل
سلم الديار الاسلامية بيد الكفار
وهل هتك الحرم المحترم وامثال
هذه الامور كما فعله الشريف من
قبل ام لا. فان كان الجواب في النفي
فكيف الاستواء.

اخي المحترم! ان اهل الحجاز
ومنهم اصحاب هذه المكاتيب
ينظرون الى العوائد الجارية في
الحجاز من القديم الى امور جزئية
وفروعية والى مصالحها الخاصة
بالجماعات والعوائل والى افعال

کی خبریں اخبارات میں شائع ہوئی ہیں ان کا تعلق
حدود وغیرہ سے ہے جن سے کسی حکومت کو اس
زمانہ میں مفر نہیں ہے، البتہ ہم کو غور کرنا چاہیے کہ
انھوں نے اسلامی حکومت کی مخالفت تو نہیں
کی، اسلام کے خلاف کفار کی مدد تو نہیں کی، مسلمانوں
کی جان، مال، عزت اور آبرو کو کافروں پر قربان
تو نہیں کیا، بلاد اسلامیہ کو کافروں کے قبضہ میں تو
نہیں دیا، حرم محترم کی توہین تو نہیں کی جیسا کہ ان
امور کا ارتکاب شریف حسین نے کیا تھا، اگر جواب
نفی میں ہے تو پھر شریف حسین اور ابن سعود
دونوں برابر کیسے ہوں گے ......
....
....

بھائی صاحب! اہل حجاز اور نامہ نگاروں
کی نظر میں وہ رسمیں اور عبادات جو پہلے
سے چلی آتی تھیں، حجاز کے موجودہ نظام حکومت
کی چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتوں اور اپنی جماعت
وخاندان کے مفاد، نجدیوں کی حرکتوں اور
ان کی زیادتیوں پر پڑتی ہیں، البتہ ارکان جمعیۃ

الجندیین والغلاة منهم واما ارباب
الجمعیة والخلافة فینظرون الی
اعمال الاجانب مع الاسلام وارادا تهم
وما یصدر منهم کل یوم ضد الاسلام
والمسلمین وبناء علیه فیریدون
العلقة والحمایة لکل من یحصل
بسببه اعلاء کلمة الاسلام فلا یرون
باسا فی حمایة العجم والامام یحیی و
کل من یتفوه بلا اله الا الله ولسبب
تفاوت مطامح الانظار اختلفت
الافکار وعلی کل فلا نرضی الا بما
یرضی الله ورسوله۔

اخی المکرم! انت اعلم باحوال
غالب الکبار من الحجازیین انهم
یمسحون الجوخ ویاتون الناس بوجهین
ویقدمون منافعهم الخاصة علی
التجارة بل علی الدین والشرع و
المال اعلی واغلی لدیهم من کل شیء ٥

وخلافت تو صرف اغیار کی نقل وحرکت پر غور
کرتے ہیں، کہ وہ اسلام کے خلاف کیا کارروائی
کر رہے ہیں، ان کے منصوبے کیا ہیں، اور اسلام
کے خلاف روزانہ انکی کوشش کیا رہتی ہے، اس لیے
ارکان جمعیۃ ان لوگوں کی حمایت اور تائید
کرتے ہیں، جن سے اسلام کی شان بلند
ہوتی ہے، پس ان کے نزدیک ایران
اور امام یحیی اور ہر کلمہ گو کی تائید کرنا درست
ہے، خواہ ان کے اغراض ومقاصد اور
مصالح میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو، بہرحال
جو چیز اللہ ورسول کو پسند ہے وہی ہم کو
بھی محبوب ہے،

برادر مکرم! آپ کو حجاز کے امرا کا
حال معلوم ہے، وہ اونی اور بانات کے
کپڑوں پر مسح کرتے ہیں، اور لوگوں سے
دو رخی باتیں کرتے ہیں، ذاتی اغراض کو
قومی مفاد بلکہ اسلام اور شریعت پر ترجیح
دیتے ہیں، مال ان کے نزدیک سب سے
بڑی قیمتی چیز ہے، ٥

اذا ما الناس جربھم لبیب — اگر کسی عقلمند نے لوگوں کے معاملات کا تجربہ
فانی قد اکلتھم و ذاقنا — کیا ہے تو میں بھی لوگوں کو چکھ کر اور کھا کر تجربہ کیا ہے۔
فلم ار ودھم الا خداعا — میرا تو یہی تجربہ ہے کہ لوگوں کی دوستی مکروفریب
ولم ار دینھم الا نفاقا — ہے، اور ان کی دینداری ریا اور نفاق ہے،

والسلام۔ حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۹

امتثالا لامرکم کتبت الی الصوفی...... ولم اقصر فی التاکید ولکنی فی خصومۃ من ساذجیتک و عدم تدبرک الامور، الا تتدبر فی احوال الحجاز الیوم من وجوہ (اول) ماظھر من فساد اعمال النجدیین و الصلوات والامامات والتدریسات والامور النظامیۃ وغیرھا (الثانی) ماظھر القبض علی کثیر من الائمۃ و الخطباء والعلماء لتشکیلھم موامرۃ خلاف ابن سعود وحکومتھم وان اولئک یربون عددھم عن خمسین نفرا انہ عوی

آپ کے ارشاد کے مطابق صوفی کو خط لکھا، اور تاکید مزید کر دی، لیکن مجھکو آپ کی سادہ لوحی اور آپکے عدم تدبر پر افسوس ہوتا ہے آپ ذیل کے مسائل سامنے رکھکر حجاز کے معاملات اور حالات پر غور کریں، (۱) نجدیون کے کامون، نماز، امامت تعلیم، انتظامی امور وغیرہ میں خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں، (۲) ابن سعود اور انکی حکومت کے خلاف جن لوگوں نے تنظیم قائم کی ان علماء خطباء اور ائمہ کو گورنمنٹ نے قید کر لیا، ان لوگوں کی تعداد تقریباً پچاس سے زائد ہے، بغاوت اور جاسوسی کا الزام رکھکر ان پر مقدمہ چلانے کے لیے نجد میں بھیجدیا ہے،

البغاوة واخبار الجواسيس حبسوا
ونفوا الى بلاد نجد للمحاكمة وهذا
فى الموسم فلا ندرى ماذا يحصل
بعد الموسم. (الثالث) ان السياسة
يوما فيوما تزداد اختراقا وهجمة
وتشددا والله اعلم الى ما ينقضى الحال.
(الرابع) قلة الحيل والاسباب للحاصل
هنالك وهل يكفيك لقيام المدينة
المنورة ثلاثون ربية. (الخامس) عدم
الحرية فى التعليم والكتب الدرسية
وان العلماء قد الجئوا على ان يحضروا
حلقة علمائهم ولا يتكلموا فى المباحث
ومثل هذه امور ما كنا نظن انها
تحصل وكلما تمضى الايام يظهر لنا
امور تقشعر منها الجلود فاذا جئنا
هنالك فاما سكتنا على التشديدات
والتكفيرات والبدع فكفى به فتنة
فى الدين وان تكلمنا مع علمائهم
الجفاوى كفى به فتنة فى الدنيا

یہ تو حج کے وقت کا قصہ ہے۔ اس کے بعد
کیا نہ معلوم کیا ہوگا۔ (۳) نجدی انتظامات
سیاست میں روز بروز بموقع سختی، بربریت
ابتری، انتشار اور تشدد بڑھتا جاتا ہے،
انجام کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ...
....
(۴) اسباب و ذرائع معاش کی قلت کیا
قیام مدینہ منورہ کے لیے تیس روپئے
کافی ہوں گے؟ (۵) تعلیم اور درسی کتابوں
کے پڑھانے میں آزادی نہیں ہے، علماء
مجبور ہیں کہ وہ نجدی علماء کی مجلسوں میں
شرکت کریں اور بحث و تحقیق میں حصہ نہ
لیں۔ ان انقلابات کی خبر نہ تھی کہ وہ
ظہور پذیر ہوں گے۔ آئندہ جتنا زمانہ
گذرتا جا رہا ہے ایسے حوادثات پیش
آرہے ہیں کہ آپ لرزہ براندام ہو جائیں۔
اگر ہم مدینہ منورہ آئیں تو یا ان کے بیجا تشدد
تکفیروں اور بدعتوں پر چشم پوشی کریں تو اس سے
ہماری دیانتداری میں فرق آگیا یا اگر سب نہ

مع ان الحجازیین اقل انتفاعا فی القوة
العملیة والتاثر فیهم عدیم تقریبا
کما هو معلوم لدیك الا ماشاء الله
بخلاف الهند وامثالها۔ یغلب علی
اهل تلك الدیار محبة الدنیا
ویضحون لها کل شی وانما المقصد
رضوان الله عز وجل ورضاء رسوله
علیه السلام وخدمة الدین
فاینما حصل ذا المقصد فهو المراد
ولذلك فارقت الصحابة والاتباع
رضوان الله اجمعین المدینة المنورة
مع شدة محبتهم بالمدینة المنورة
وبصاحبها علیه الصلوة والسلام
وعلی الاقل یلزم علینا ان نصبر
ایاما حتی یتبین لنا ان الجمل علی ای
شق یبرك وعلی ای منوال ینسج الثوب

والسلام

حسین احمد غفرله

ان پر چون وچرا کریں تو دنیاوی فساد اور پریشانی
میں گرفتار ہوں، نیز اہل حجاز کی قوت عملیہ
مردہ اور بے حس ہو چکی ہے، ان میں کسی تحریک اور
اصلاح کے قبول کرنے کی صلاحیت مفقود ہے،
جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، الا ماشاء اللہ۔ یہ حال ہندوستان
اور دیگر ممالک کا نہیں ہے، ان عربی ممالک
کے باشندوں پر حب دنیا غالب ہے، دنیا
کے لیے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں،
ہمارے پیش نظر خدا اور رسول کی خوشنودی
حاصل کرنا اور دین کی خدمت کرنا ہے، جہاں
بھی یہ مقصد حاصل ہو، ہم کامیاب ہیں -
اسی خدمت دین کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم
و تابعین کرام نے باوجود حب رسول و محبت
مدینہ کے مدینہ منورہ کو چھوڑا۔ بہرکیف ہمارا
فرض ہے کہ کچھ دنوں صبر کرکے دیکھیں کہ
اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے اور کپڑا کس طرز پر بنا جاتا ہے،

والسلام

حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۹

اظن انكم اتممتم امر الارث و
انفصلت القضية مع الشيخ..... وانا
اتعجب عنكم كيف خفيت عليكم الفريضة
فان المسئلة لا هى ردية ولا عائلة
فان النصف لكم والثلث للام والسدس
للشيخ..... فان اولاد الام لا يحرمون
مع وجود الام وهذا من الشواذ التى
يرث فيها الفرع مع وجود من تدلى
به والاحسن فى التقسيم بالقيمة بما
يحكم به ذو بصيرة وتراضيتم به
نعم الفاظكم تدل على شدة الحيرة
والاندهاش وهذا مما لا يليق بكم
انما الرجل جبل لا يحركه شى من
العواصف ولا يزول عن مكانه سبا
لزلازل ! يا اخى كن صبورا قوى القلب
ماضى العزيمة متجلدا مستقل المزاج
كما هو ديدن الرجال

میرا خیال ہے کہ میراث کا معاملہ آپنے طے کر لیا
ہوگا، اور معاملہ فلان صاحب سے نپٹ گیا ہوگا.
مجھکو تعجب ہے کہ یہ میراث کا مسئلہ آپ کی سمجھ
مین کیون نہین آیا، یہ مسئلہ نہ تو اس مین رد ہے
نہ عول ہے، نصف آپ کا اور سدس فلان کا ہوا
اخیافی بھائی ان کی موجودگی مین محروم نہین ہوتے،
یہ شاذ اصول ہے جس مین وہ شخص بھی وارث
ہوتا ہے جس کی اصل موجود ہے جس کی وجہ سے وہ
مورث کی طرف منسوب ہے، بہتر تو یہی ہے کہ قیمت
جو صاحب بصیرۃ لوگ تعیین کردین اسی معیار پر
میراث تقسیم کیجائے، آپ لوگ باہمی رضامندی سے
معاملہ طے کرلین، آپکے خط سے آپ کی پریشانی کا
اظہار ہوتا ہے، یہ آپ جیسے شخص کیلیے زیبا
نہیں ہے، انسان پہاڑ کی طرح مستحکم ہو جسے زمانہ
جنبش نہ دے سکے نہ زلزلہ ہلاسکے، میرے بھائی!
دل کو مضبوط، ارادہ کو مستحکم اور طبیعت کو مستقل مزاج
بنایئے جیسا کہ اولوالعزم ہستیون کا شیوہ ہے.

اما شغفك بالسلوك فنعم القصد عسى
الله ان يوفقك لما يحبه ويرضاه
ولا يتوقف على الصحبة ولعلك ان تصدت
تستفيد على المهمات من ذالك في ديوبند
ان الاقامة لدى هذا العاجز فلا يجدي
نفعا لقلة بضاعتي وخلو جرابي مع
انا نيه من كثرة الاشغال وهجوم الافكار
وتوالي الاسفار وبعد الاقطار وضعف
الهمة وجمود الطبيعة وخمود القريحة
وعسى الله ان يهديكم سبيل الرشاد
وان مولانا محمد صديق صاحب
المرادابادي مخزن كل خير نعم سواه
مولانا خليل احمد صاحب ومولانا المفتي
عزيز الرحمن صاحب واما علام ميلكم
الى مولانا اشرف علي صاحب فاراكم
مخطئين فيه[له] ـ والسلام

حسین احمد غفرلہ

٢٥ من ذي القعدة ١٣٣٣ھ

آپ کو تصوف سے شغف ہے، اچھا شغل
ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی خوشنودی ومحبت
عطا فرمائے، یہ کچھ میرے ساتھ رہنے پر موقوف
نہیں ہے، اگر آپ کی خواہش ہے تو دیوبند قیام
فرماکر ضروری مسائل اور مقامات حاصل کر سکتے
ہیں، مجھ خاکسار کے ساتھ رہنا چنداں مفید
نہیں ہے، کیونکہ اپنی بے بضاعتی اور کم مائگی
کے ساتھ مشاغل اور اذکار کا ہجوم ہے، مسلسل
طویل سفر میں زندگی بسر ہوتی ہے، طبیعت ڈرے
اور دل افسردہ ہے، خوشی باقی نہیں، اللہ تعالیٰ
آپ کو سیدھے راستے کی توفیق دے، مولانا محمد صدیق
صاحب مرادابادی مجمع کمالات ہیں، انکے علاوہ
مولانا خلیل احمد صاحبؒ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن
صاحبؒ گرامی قدر ہستیاں ہیں، اگر آپ کا میلان
طبع مولانا اشرف علی صاحبؒ کی طرف نہیں ہے
تو میرے خیال میں یہ آپ کی غلطی ہے، والسلام

حسین احمد غفرلہ

۲۵ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

[له] اس مکتوب سے حضرت امام العصر کے وسعت ظرف کا اندازہ ہوتا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۰

امسی الیوم تاریخ ۲۶ شوال سنہ ۱۳۴۴ھ
وصلنی مکتوبکم المنیف فی دھلی فساء فی
مضمونہ جدا - انا للہ وانا الیہ راجعون۔
عظم اللہ اجرکم وغفر میتکم وخلفکم
بخیر امین - اخی المحترم ھذہ الغربۃ
وھذہ الاحزان مکدرۃ جدا کان اللہ بکم
اینما کنتم - ما نزل بکم فانزلہ اللہ
عزوجل وکن صبورا شاکرا فللہ ما اخذ
وما اعطی وان الدنیا سجن المومن جنۃ
للکافر

اما قولکم ان اصلاح الباطن مع
الاشتغال بالزوجۃ لا یمکن فلا اکاد
اسلمہ فان الجماع یصفی القلب ویزیل
الکدورات الروحیۃ۔ وقد قال
شارح کتاب القاضی عیاض رحمہما اللہ
تعالیٰ کل شھوۃ تسود القلب الا الجماع
فانہ یزیدہ صفاء۔ نعم ان التکثرات

۲۶ شوال سنہ ۱۳۴۴ھ کی شام کو آپ کا گرامی نامہ
دہلی میں موصول ہوا، مضمون پڑھکر افسوس ہوا،
انا للہ الخ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے،
مرحوم کی مغفرت فرمائے اور آپ کو امان میں رکھے،
آمین۔ برادرم یہ غربت اور رنج والم بہت پریشانی کا
باعث ہیں، خدا آپ کا محافظ رہے جہاں بھی آپ
رہیں، یہ مصیبت اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہے
آپ صبر وشکر سے کام لیں، اللہ ہی دیتا ہے
اور اللہ ہی لیتا ہے، دنیا مومن کے لیے زندان
اور کافر کے لیے باغ جنت ہے۔

آپ کا فرمانا کہ زن وشو کے تعلقات کیساتھ
اصلاح نفس محال ہے، میں اس کو تسلیم نہیں کرتا،
کیونکہ بیوی کے ساتھ خلوت بھی قلب کو صفا اور
روح کو جلا دیتی ہے۔ کتاب قاضی عیاض کے شارح
نے لکھا ہے کہ ہر شہوت دل کو زنگ آلود کرتی ہے
سوائے خلوت صحیحہ بیوی کے ساتھ، کیونکہ اس سے
صفائی باطن ہوتی ہے، ہاں فکر معاش انہماک

المعاشية قد تمنع عن التفرغ لاصلاح	نفس میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے، لیکن جو تجرد پر
الباطن فمن لایقدر علی التجرد فلا	قادر نہ ہو تو لا محالہ اس کو شادی اور باطنی اصلاح
محیص لہ عن التزوج والاشتغال	کے کام دونوں ہی سے دو رہنا پڑے گا،
باطنہ[1] والسلام	والسلام
حسین احمد غفرلہ، دہلی	حسین احمد غفرلہ، دہلی

[1] حضرت امام العصر کا تصوف سلوک بالنبوت ہے، رہبانیت اور تبتل احسان کے منافی ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔ ابن ماجہ میں ہے من اراد ان یلقی اللہ طاہرا مطہرا فلیتزوج الحرائر۔ تصوف اور سلوک کا مقصد اس کے سوا کیا ہے کہ آدمی کی نظر اور فرج دونوں اس کے قابو میں ہوں، یہ بدون بیوی کے ناممکن ہے، کیونکہ حدیث مشہور کی بنا پر یہی دو چیزیں گناہوں کا سرچشمہ بھی ہیں، اور اسی کی حفاظت جنت کی ضمانت بھی ہے، تاکہ آدمی اللہ سے پاک وصاف ہو کر ملے، اس راہ میں شادی اور بیوی دونوں مددگار ہیں نہ کہ اصلاح نفس کے مخالف، چنانچہ جالینوس نے کتاب حفظ الصحۃ کے اندر تصریح کی ہے کہ بیوی سے اختلاط مخصوص حد اعتدال کے ساتھ حفظ صحت کے اسبابوں میں قوی سبب اور بہت سے امراض کی شفا ہے، اکامل الصناعۃ میں ہے ان الجماع داخل فی باب الاستفراغات الطبیعیہ اذکان خروج المنی احد الاستفراغات التی یحتاج الیہا فی حفظ الصحۃ، نیز قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مزید تائید حافظ ابن قیمؒ نے الطب النبوی میں شرح وبسط سے کی ہے، لہٰذا جو چیز حفظ صحت کا ذریعہ اور صفاء باطن کا سبب ہو اس کو ترک کر کے سالک اور صوفی ہونا تو بڑی چیز ہے بھلا آدمی نہیں ہو سکتا ؎

محال است سعدی کہ راہ صفا ... تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

مکتوب نمبر ۱۱

(۱) نعم ان تشترط ان یکون جهرا واقله ان یکون بصوت یسمع نفسه۔ وان یخرج لفظ لا اله من القلب جاریا الی منکبه الایمن محضرا انه اخرج من قلبه کل معبود ومحبوب والقاه وراء ظهره وان یضرب بلفظ الا الله فی القلب مثبتا معبودیته ومحبوبیته فقط وان یکون لدی الذکر متوجها الی القبلة متربعا او کجلسة الصلوٰة وان یتوجه بقلبه الی المعنی مفرغا نفسه عن الخطرات واحادیث النفس مهما استطاع ولا یصلح له ان یترک الذکر اذا ان عسر بعض ذلک وینبغی ان یحسن الصوت بالذکر ویقوی الضرب علی القلب لدی الاثبات

(۱) ہاں شرط یہ ہے کہ آواز بلند ہو یا کم از کم اتنا بلند آواز کہ خود سن سکے۔ لفظ لا الہ کو دل سے نکالے اور داہنے کندھے کی طرف منہ کو کھینچ لائے، یہ اظہار کرتے ہوئے گویا اس نے ہر معبود، ہر محبوب چیز کو سینے سے نکال کر پھینک دیا اور الا اللہ کو دل پر زور دیکر ضرب لگائے، اور اس کی محبوبیت اور معبودیت پر زور دیتے ہوئے، ذکر کے وقت قبلہ رو بیٹھے، خواہ چار زانو خواہ حالت صلوٰۃ کا قعود ہو، دل کو حقیقت مختصر کی طرف متوجہ کرے ہر قسم کے وسوسے، خیالات و افکار سے دل کو پاک رکھے، اور اس طرح ضرب لگانے میں تکلیف محسوس کرے تو تکلیف کے خیال سے بالکل ذکر کرنا موقوف نہ کرے، بہتر یہ ہے کہ خوش آوازی سے ذکر کرے، اور اثبات توحید کے وقت قلب پر زور ڈالے۔

(٢) نعم يجب الجهر ولكن بحيث لا يؤذى احدا.

(٣) قد علم سابقا

(٤) نعم دافع الخطرات وقطع احاديث النفس بالخصوص فان برزخ الشيخ له تاثير عجيب بغير ان يكون للشيخ علم بذالك او ارادة لايصال المنافع للمريد وتوجه اليه وذالك من الامور الفطرية التى جعل الله تعالى ذريعة قوية لدفع آثار الشيطان وميزابا قويا لجلب بركات الله عز وجل وحيث ان العامة يتزلزل اقدامهم فى هذا الميدان فبناء عليه حكماء الامة يحتاطون فيه فان له مساغ شرعى وثبوت من السنه وطريقه ان يتوجه الى برزخ الشيخ فتصوره فى صورته التى كان فى الدنيا لديه يمينا او قدامه او فى بلدة الشيخ ومكانه ثم

(٢) ہاں ذکر جہری بہتر ہے، بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ پہنچے؛

(٣) پہلے معلوم ہو چکا ہے،

(٤) تصور شیخ وسوسہ اور پریشان خیالات سے بچاتا ہے، تصور شیخ سے عجیب وغریب کیفیات پیدا ہوتی ہیں اور شیخ کو خبر بھی نہیں ہوتی، اور نہ وہ مرید کو کوئی تعلیم یا نفع پہنچانا چاہتا، نہ اس کی توجہ مرید کی طرف ہوتی ہے، بلکہ یہ فطری موثرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ شیطانی وسوسوں سے بچنے کا ذریعہ بنایا ہے، اور برکات یزدانی کے نزول کا باعث گردانا ہے، چونکہ عوام الناس کے قدم اس راہ میں لغزش کرتے ہیں اس لیے حکماء امت اس مسئلہ میں احتیاط سے کام لیا ہے، ورنہ شرعاً اس کی اجازت اور روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے. طریقہ یہ ہے کہ وہ شیخ کی زندگی کو اپنے داہنے یا سامنے تصور کرے، یا اس کے مکان اور شہر میں تصور کرے، اور ذکر کی طرف

يتوجه به الذكر متخيلا الى مشتغل
بالذكر بما تعلمني الشيخ بين يديه
وفي مجلسه.

(٥) قد علمت سابقا غير مرة في
ابتداء الامر لا ينبغي للطالب ان
يتشوش بالخطرات واحاديث النفس
فيترك الذكر على الرغم من كل
ذالك يجري على ذكره. ولقراءة القرآن
في آخر الليل في اثناء الصلاة تاثير قوي
في تصفية القلب سيما اذا كانت القراءة
طويلة بتدبر وإمعان

(٦) لا يترك شيئا عند الخيالات
ينبغي ان يأتي بمعمولاته من الذكر والصلاة
والتلاوة مستعيذا بالله من الشيطان
الرجيم، ومعتذرا الى الله عز وجل
بحضور القلب انك تدري اني لم
اعمله بهذا القصد ولا فرق في
ذالك بين المداومة بلا انقطاع و
من حصل له الانقطاع احيانا نعم

اس طرح متوجہ ہو کر اپنے دل میں یہ تصور کرے
کہ میں ذکر میں اسی طرح مشغول ہوں جس طرح شیخ کے
سامنے اسکے بتائے ہوئے اصول کے مطابق ذکر کرتا تھا،

(۵) پہلے معلوم ہو چکا ہے ان مرید کو ابتدائی
منزلوں میں خطرات، وسوسوں اور پریشان کن خیالات
سے دلگیر نہ ہونا چاہیے، نہ اس سے گھبرا کر
ذکر کو ترک کرنا چاہیے، بلکہ حسب معمول ذکر میں
مشغول رہے، (بالخصوص) آخری شب میں نماز کے
اندر قرآن کی تلاوت کرنا تزکیۂ قلب کے لیے
سب سے مفید اور موثر ہے خصوصاً اس وقت
جبکہ قرأت لمبی اور تفکر وتدبر کے ساتھ ہو،

(۶) خیالات سے گھبرا کر وظائف کو ترک نہ کیجئے
نماز، ذکر، تلاوت اور وظائف حسب معمول ادا
کرتا رہے، اور اللہ تعالیٰ سے شیطانی وساوس سے
پناہ مانگتا رہے اور ساتھ ہی صمیم قلب سے بارگاہ ایزدی
میں معافی ومعذرت بھی کرتا رہے اور کہتا رہے کہ اے
اللہ میں دنیاوی اغراض کے لیے یہ نیک عمل نہیں
کرتا ہوں، اور وسوسوں کا آنا تو ہر شخص کیلیے لازمی ہے
اس کام پر مواظبت کر لیو لے اور اس شخص میں کوئی فرق نہیں

يريد من تفريغ نفسه واصلاحها عن الرياء والسمعة بغير قطع العمل فقد قال السلف ان ترك العمل لمخافة الرياء ايضا شرك

جس سے کبھی کبھی رہجاتا ہے، البتہ یہ بات مذموم ہے کہ ان اعمال کو مطلقاً چھوڑ دے اور انکو کرتے ہوئے ریا وغیرہ سے اپنا تزکیہ ذکر کرتا جائے، کیونکہ سلف نے فرمایا ہے، ریا کے خوف سے عمل کا ترک کرنا بھی شرک ہے،

(٧) الاحسن ان تكون الرواتب للذكر بوضوء وفي مكان يتفرغ القلب للحضور وان فات ذلك فياتي كيفما امكن ولا يترك راسا

(۷) نیز یہ اشغال با وضو ایسے مقام میں کئے جائیں جہاں سکون قلب حاصل ہو، اگر ایسے مواقع حاصل نہ ہوسکیں تو جیسے بھی ممکن ہو عمل کرنا چاہیے، قطعی ترک بہتر نہیں ہے،

اخي لا تترك شيئا بالخطرات والوساوس وهذه الخشية ترجى ان تكون حسنة مطلوبة الا ترى الى قوله تعالى وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ الاية. فان الغرور والاعتماد على شيء من العبادة مما يخشى عليه جدا. اعاذنا الله واياكم من كل ما لا يرضيه او يحبط العبادة.

میرے بھائی! وسوسوں اور پریشان خیالات کی بنا پر کوئی وظیفہ ترک نہ کرو، کبھی کبھی یہ خوف و ہراس نیک نتائج کا پیش خیمہ اور سبب بنتے ہیں، جیسا کہ آیت شریفہ میں اللہ تعالی فرماتا ہے: "نیک لوگ نیک کام کرتے بھی جاتے ہیں اور دل میں ڈرتے بھی رہتے ہیں" کیونکہ عبادت پر اعتماد اور گھمنڈ کرنا خطرناک ہے، اللہ تعالی ہم سب کو ایسے کاموں سے بچائے جو اسے پسند نہ ہوں یا حبط عمل کا باعث ہوں،

والسلام

حسين احمد غفر له

والسلام

حسین احمد غفرلہ

حاشیہ مکتوب ۱۱ تصور شیخ پر امام العصر کا مفصل والانامہ راقم الحروف کے نام آگے آئے گا،

مکتوب نمبر ۱۲

وقد جاءني النوتس من الحكومة الحالية
ان سبب التسجين هو انك تريد
تدمير الحكومة الموجودة القانونية
وتسعى في عوائق الحرب فاجبت عن
ذالك ان الحرية من فرائض الانسانية
عند العالم اجمعهم وقد اقرت
بفرضيتها الحكومة ايضا - وهذه
عقيدتي وسعيي، ولكني لا ارى الفتن
والتشدد في هذا السبيل ولم ات
بعمل في عوائق الحربية، ومن اخبركم
بذالك فهو كاذب فلابد من اطلاق
سراحي عجلا - فلم يات جواب بعد
هذا والامور بيد الله -
هذا والسلام ختام
حسين احمد غفر له

انگریز وجالون کی طرف سے میرے
پاس نوٹس آیا ہے کہ تمھاری گرفتاری کا سبب
یہ ہے کہ تم موجودہ آئینی حکومت کی بیخکنی
کرنا چاہتے ہو، اور جنگی کارروائیوں میں
رکاوٹ پیدا کرتے ہو، میں نے اس کا
جواب یہ دیا ہے کہ اقوام عالم کے نزدیک
آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے اور
حکومت بھی اس فریضہ کو تسلیم کرتی ہے
چنانچہ اسی پیدائشی حق کے لیے میری تگ و دو
اور تحریک ہے لیکن میں اس مقصد کے حاصل
کرنے کے لیے ہنگامہ اور زیادتی کو پسند نہیں
کرتا۔ اور نہ میں نے جنگی کارروائیوں میں رکاوٹ
پیدا کی ہے جس نے خبر دی وہ جھوٹا ہے
لہذا مجھکو فوراً رہا کرنا چاہیے اگر چہ اب تک جواب
نہیں آیا، اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں

والسلام
حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۱۴۲

تشرفت بخطابکم المفصل الذی	آپ کا مفصل گرامی نامہ مرسلہ بمبئی پاکر
ارسلتم من بمبئی فشکرت اللہ علی	شرف حاصل کیا، آپ کی صحت دری اور
صحتکم وعلی وصول المکتوب وعلی	یاد فرمائی، خطبات میں کامیابی کی خبر سنکر
فوزکم فی الخطبات، واما ما افدتم بہ	شکر خدا بجا لایا، آپ نے سلوک میں جن
فی السلوک فسررت بہ جدا حیث لم	باتوں کا ذکر کیا ہے، اس سے بیحد مسرت
اکن اتذکر کثیرا مما ذکرتموہ فمن	ہوئی، بہت سی باتیں جو آپ نے لکھی ہیں
الواجب الآن التمرین فی التنفس	مجھے یاد نہ تھیں، اس لیے اب ضروری ہے
حتی یکون مجری الذکر بالطبع وغیر	کہ سانس کے ساتھ اور مشق و تمرین جاری رکھیں
القصد ای اذا دخل النفس فتحدث	تاکہ یہ ذکر ذکر طبیعت ثانیہ بن جائے، اور
لفظۃ الجلالۃ واذا خرج فلفظۃ ھُو	پھر بغیر قصد و ارادہ کے جاری رہے، یعنی
بغیر ادنیٰ حرکۃ اللسان او الشفۃ و	جب سانس اندر جائے تو لفظ اللہ اور جب
بغیر الصوت فلتمرنوا بہ فی اوقات	باہر نکلے تو ھُو، بغیر لبوں کی حرکت زبان
اللیل والنہار قیاما وقعودا وعلی الجنب	کی جنبش اور بغیر آواز کے نکلتا رہے، لہذا
واجعلوا لہ ایضا بالخصوص وقتا فارغا	رات دن، کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہر حالت میں اسکی
صباحا ومساء وقت خلوت بمقدار	مشق و عادت جاری رکھیے، تنہائی کا تقریبا
ساعۃ او قریبا من ذالک ولیکن التفکر	ایک گھنٹہ مخصوص طور پر الگ اس کے لیے
اقلہ ساعۃ حسب قولہ تعالیٰ	نکالیے یعنی صبح و شام کو، اور تقریبا ایک گھنٹہ کم سے

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ
(يعنى النفس الذى ياتى من الخارج
ينبئ انه تعالى مع غاية تنزهه
عن جميع لوازم المادة واتصافه
بجميع كمالات موجود فى الظاهر
كما يليق بشانه تعالى. والنفس
الخارج من الباطن ينبئ انه تعالى
موجود كذلك فى باطن القلب و
الروح واجتهدوا فى هذا التمرين
عسى الله ان يمن عليكم بما من
به المخلصين من عباده وما ذلك
على الله بعزيز. واما ما كان حضرة
الشيخ امر به من تصور الكتابة[1]
الذهبية فلا حاجة له الآن
بعد ما اشتغلتم بالنفس فان
ذالك اول قدم فى السلوك و
الحمد لله قد تجاوزتم عنه.

تک خاموش مراقبہ کیجیے، اور اس وقت تصور قلبی
حسب ارشاد باری ہونا چاہیے، (اللہ تعالیٰ اول ہے
آخر ہے، ظاہر ہے، باطن ہے) یعنی جو سانس اندر
جائے وہ ظاہر کرے کہ اللہ تعالیٰ مادی وجسمانی
لوازم سے پاک ومنزہ ہوتے ہوئے جملہ اوصاف
وکمالات الوہیت کے ساتھ ظاہر مین موجود ہے
اور جو سانس اندر سے باہر آئے وہ بھی اس عنوان
کو ظاہر کرے کہ ذات باری ان ہی اوصاف کیساتھ
باطن مین موجود بھی ہے، آپ مسلسل مشق باری رکھین
ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ پر فیوض وبرکات کا
نزول فرمائے، جو اس نے اپنے مخلص بندوں کو
بخشا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کوئی بڑا کام نہین.
لیکن شیخ نے جو لکھا ہے کہ نقش زرین کا تصور کرے، تو
اب اسکی ضرورت باقی نہین رہی، کیونکہ اب آپ
ذکر بالنفس مین مشغول ہو چکے ہین، اور تصور شیخ
تو تصوف کی ابتدائی منزل ہے، اور آپ اس سے
آگے نکل چکے ہین،

[1] کتابت ذہبیہ سے مراد وہ تعلیم ہے جو کہ مبتدی کیلیے چشتیہ اور قادریہ کے یہان تعلیم دیجاتی ہے کہ لفظ اللہ سونے کے پانی سے لکھا ہوتا ہے اور تصور کرایا جاتا ہے کہ قلب مین اس طرح لفظ اسم ذات مرقوم ہے،

وامّا التسبیحات ۱۲ فان کان المراد
من ذالک الذکر الجہری بالنفی والاثبات
اعنی لا الٰہ الا اللہ مأتین والاثبات
المحض اربعمائۃ واسم الذات
المکرر ستمائۃ فان تیسر ذالک دائماً
فبہا ونعمت وان کان المداومۃ
علی ذالک غیر متیسر فاترکوہ واقتصروا
علی التنفس فاذا صار الذکر بالتنفس
دیدنا طبعیا جاریا فحینئذٍ سیکون
الاشتغال بامر اٰخر ان شاء اللہ

رہ گئیں ۱۲ تسبیحات، تو اگر آپ نفی اور اثبات
سے ذکر جلی کرنا چاہتے ہیں یعنی لا الٰہ الا اللہ
دو سو بار، اثبات محض چار سو بار اور اسم ذات
چھ سو بار، اگر برابر اس کی پابندی ممکن ہو
تو بہتر ہے اور پھر کیا کہنا، اگر دوام نہ ہو تو ترک
کر دیجئے، اور صرف ذکر خفی ضرب پر اکتفا کیجئے
جب یہ ذکر خفی آپ کی فطرت اور طبعی
فعل بن جائے گا تو پھر انشاء اللہ دوسرا
شغل جاری کیجئے گا، ....

....

وامّا ان کان المراد من التسبیحات
الاثنا عشر یعنی سبحان اللہ مائۃ والحمد
للہ مائۃ ولا الٰہ الا اللہ مائۃ وغیرہا
من التسبیحات الستۃ صباحاً ومساءً
فالامر الیٰ تیسیر الیکم ولیس ہٰذا من
اذکار السلوک بل من الاوراد۔

اگر تسبیحات سے مراد بارہ تسبیحیں ہیں یعنی
سبحان اللہ سو بار، الحمد للہ سو بار اور لا الٰہ الا اللہ
سو بار، یہ چھ تسبیحات صبح و شام تو یہ
آپ کی سہولت پر موقوف ہے، یہ
اذکار سلوک میں سے نہیں ہیں، بلکہ عام
اوراد و وظائف ہیں،

واما ما ذکرتم من مسائل الحج مع
ورود کتب المناسک فہی غیر موجودۃ
لدینا وانما کان اشتریٰ لی بالمدینۃ

آپ نے حج مسائل اور ان کے اوقات
کا مسئلہ دریافت کیا ہے، تو مناسک کی کتابیں
میرے پاس موجود نہیں ہیں، میں مدینہ منورہ

المنورة تدريساً لا افتاءً وانما العمدة
لديهم الروضة التحفة وكتب ابن حجر
والرملي فلا ادري هل هذه المسئلة
توجد في هذه الكتب ام لا واين محلها
وارى ان تكتبوا صورة السوال ثم
ترسلوها الى السيد زكي البرزنجي
بالبوسطة الهوائية. وتذكروا
الامور الفاسدة والعواقب الكاسدة
صراحة في ورقة اخرى فان التفصيل
لا يمكن اتيانه في السوال ولا يلزم
ان تذكروا الخصوصية ...... وجامعها
واكدوا عليه باسراع الجواب فان
فزتم في ذالك تقويم الحجة المقنعة
على اركان الجامع

واما علماء الهند فقد افتوا
بجواز صرف اوقاف المسجد اذا كان
المسجد الموقوف عليه مستغنيا على غير
الموقوف عليه من المساجد بل افتوا
بجواز ذالك على وجوه اخرا يضا غير المسا

میں درس و تدریس میں معروف تھا، فتویٰ
نہیں دیتا تھا، الروضۃ التحفہ شوافع کی مستند ترین
کتاب ہے اور ابن حجر و رملی کی کتابیں بھی ہیں،
معلوم نہیں یہ مسئلہ ان کتابوں میں ہے یا نہیں،
اور کہاں ملے گا، میرا خیال ہے کہ آپ سوال لکھکر
سید زکی برزنجی کے پاس ہوائی ڈاک سے بھیجدیں
کیونکہ فتویٰ کے اندر تفصیل کرنا ممکن نہیں
ہے، اور نہ مسئلہ کی مخصوص صورت وکیفیت
لکھنا کافی ہے، اور تاکید کردیجئے کہ
جلد جواب دیں، اگر آپ کا جواب آگیا
تو جامع مسجد کے ارکان پر انھیں خاموش
کرنے والی حجت قائم ہو جائے گی .....

. . . .

. . . .

ہاں علماء ہند نے فتویٰ دیا ہے کہ ایک
مسجد کے اوقاف دوسری مسجد کی ضروریات
میں صرف کرسکتے ہیں، بشرطیکہ مسجد کو
ضرورت نہ ہو، بلکہ غیر ضروری آمدنی کو غیر
مساجد پر بھی خرچ کرنے کی اجازت دی ہے

وان شئتم فاطلبوا نقل ذالک عن
دار الافتاء بدار العلوم دیوبند
فانه قد وقع هذا فی زمان حضرة
مولانا عزیز الرحمن صاحب مرحوم للراندیر وغیرها.
وان فتشتم علی الامر بواسطة القاضی
مسعود احمد تجدونه انشاء الله ،
ولکن اری ان هذا الامر لا یقنع ارکان
الجامع . وکذالک الامر فی اخذنا
الربوا من المخزون فی البنک وان
المسئلة عند الحنفیة بینة فان ابا
حنیفة رحمة الله تعالی یجیز ذلک فی دار الحرب خلافا
للصاحبین والثلاثة رحمهم الله تعالی ولکن اذا
ذکرتم هذه الوقائع للسید زکی البرزنجی فلعله یفوه
بنص فی مذهب الشافعیة ایضا لذالک واما الحنفیة
فقد افتوا بجواز بل بوجوب اخذ الربوا من البنوک
الافرنجیة التی بالدیار الحربیة
وانه لا یجوز ترک شیء من ذالک
وقد شاع قبل فتوی الجمعیة بذالک
لعلکم تصلون الیها فی دفتر الجمعیة

دیوبند کے دارالافتاء سے اس کی سند
منگا لیجیے، کیونکہ اس قسم کے فتاوے
حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب مرحوم
کے سامنے راندیر وغیرہ سے آئے تھے۔
اگر قاضی مسعود کے ذریعہ اس کی تلاش
کرائیے تو انشاء اللہ مل جائے گا۔ لیکن
ارکان مسجد کو اس سے تسلی نہ ہوگی، یہی
حال بنک کے سود کا بھی ہے، یہ مسئلہ بھی
حنفیہ کے نزدیک واضح ہے۔ کیونکہ
امام ابوحنیفہ نے دارالحرب میں اسکی
اجازت دی ہے، صاحبین اور ائمہ ثلاثہ
خلاف ہیں، اگر آپ ان ہنگاموں کو
سید زکی برزنجی کے یہاں لکھ بھیجیں تو
بہت ممکن ہے کہ وہ مذہب شافعیہ کے
نصوص آپ کے پاس بھیجدیں، علماء احناف
نے نہ صرف جواز ہی کا بلکہ ان بنکوں سے سود
لینا واجب قرار دیا ہے، جو انگریزوں نے
دارالحرب میں قائم کیا ہو لہٰذا سود کی رقم ذرا بھی
چھوڑنی جائز نہیں ہے اور جمعیۃ کا فتوی پہلے شائع ہوچکا ہے

اوعند المفتی کفایت اللہ ولکن اری ان
ھذا ایضا لا یقنع ارباب الجامع ....
اخی تعجبت من الاشکال الواقع
فی الذکر النفسی واظن انکم نسیتم
الطریق الذی تبین لکم الاصل فیہ
ان الانسان اذا ادخل النفس فی
الباطن فلیقل بنفسہ لفظۃ الجلالۃ
بغیر صوت ولا تحریک شفۃ اولسان
وانما تحدث ساعتئذ صوت خفی
بالنفس فقط یعلمہ الذاکر المتنفس
لا غیر واذا اخرج النفس من الباطن
فلیحدث بنفسہ لفظۃ (ھُوْ) بغیر
صوت ولا تحریک شفۃ ولسان
وحیث ان بعض الناس لا یقدرون
ساعتئذ علی منع اللسان من التحرک
امر ارباب الفن بالصاق اللسان
بالحنک الاعلیٰ اوالاسفل ولیس
ذالک الا لمنع اللسان من التحریک
فان حصل الامتناع بغیر الصاق اللسان

دفتر جمعیۃ سے آپ کو مل سکتا ہے، یا مفتی کفایت اللہ
صاحب سے، مگر اس سے بھی اراکین مسجد کو تسلی نہ ہوگی،
بھائی مجھے تعجب ہے کہ ذکر خفی سے آپ کو اشکال
پیدا ہو رہا ہے، غالباً آپ کو اس کا واضح طریقہ فراموش
ہو گیا ہے، اصل یہ ہے کہ جب انسان سانس اندر لیجائے
تو جی میں (اللہ) کہے بغیر آواز کے، اور بغیر
حرکت لب کے صرف دل سے، اس وقت ایک
خفیف آواز پیدا ہوگی جس کو صرف ذاکر
محسوس کریگا اور کوئی نہیں، اور جب سانس باہر
آئے تو دل سے لفظ (ھُوْ) نکلے بغیر آواز و حرکت
لب و جنبش زبان کے، چونکہ بعض لوگ حرکت
زبان کو روک نہیں سکتے اس لیے ارباب
فن نے حکم دیا ہے کہ زبان کو تالو سے ملادے
تاکہ زبان کو جنبش نہ ہو، اگر بغیر الصاق
کے زبان کی حرکت رک جائے تو فبہا،
یہ جبکہ منہ سے سانس لے، اور جس وقت
ناک سے سانس لے تو منہ بالکل بند ہو
لب اور زبان کو جنبش نہ ہو، اور سانس
کی آمد مذکورہ بالا طریق سے ہوتی رہے

بالخنث فهو المراد وهذا اذا كان النفس
من الفم واما اذا كان بالانف فحينئذ ينبغي
ان يسد الفم بالكلية فلا يتحرك اللسان ولا
الشفتان ويجري النفس كما ذكرنا سابقا ان
يحدث لفظ الجلالة (الله) بالنفس الداخل
ولفظ (هُوَ) بالخارج بيد ان التنفس بالفم
لا يضر بالدماغ. واما التنفس بالانف
ربما يورث اليبوسة في الدماغ اذا الكثرت
وينبغي مع الذكر ان يتصور في
القلب مفهوم الظاهر والباطن من اية
(هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ)
اي تصور بالنفس الداخل القائل لفظ
الجلالة ان الله سبحانه موجود في الظاهر
كما يليق بشانه منزها عن الالوان
والاعراض والمادة وجميع النقائص
التي لا تليق بشانه متصفا بسائر الكمالات
وغاية الجلال والنفس الخارج ينبغي
انه تعالى موجود في باطن القلب الروح
كما يليق بشانه وينبغي ان يكون الذكر

یعنی نفس داخل سے (اللہ) ......
اور نفس خارج سے (ہُو) نکلتا رہے،
ان منہ سے سانس لینے میں دماغ کو
ضرر نہیں پہونچتا، البتہ ناک سے سانس
لینے میں دماغ میں خشکی پیدا ہوتی ہے
جبکہ ذکر زیادہ کیا جائے، ....
....
....
ذکر میں (هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ
وَالْبَاطِنُ) کے مطابق ظاہر و باطن کے
مفہوم کا قلب میں تصور رکھے، یعنی جب
سانس اندر جائے اور لفظ (اللہ) نکلے
تو تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ خارج میں موجود
ہے، جیسا کہ اس کی شان ہے، وہ اعراض
الوان، مادی اوصاف وعیوب نقائص
سے پاک اور صفات کمال وجمال سے
متصف ہے، اور جب سانس باہر نکلے
تو ظاہر کرے کہ اللہ تعالیٰ دل اور روح
میں حسب شان جلالی موجود ہے، اسی طرح

هكذا كل يوم على الاقل زهاء ساعة كاملة متوضأً مستقبلاً للقبلة فى مكان يطمئن فيه الخاطر ثم فى اوقات الاخر ينبغى ان يداوم على ذلك قياما وقعودا ومضطجعا وعلى الجنب ومشيا وركوبا فى سائر الاحيان حتى لدى التغوط والبول فان الذكر النفسى لا يمتنع فى حالة ما فان كانت العوائق تمنع عن الذكر الجهرى فاقتنع على هذا الذكر النفسى فانه خفى لا يطلع عليه احد ولا يحتاج الى مجلس وداوم عليه حتى يكون ديدنا طبعيا بغير احتياج الى الارادة ثم الاشتغال بالتدريس والمطالعة فمن اهم الامور فاشتغل فيها واجتهد فى تفريغ الوقت للذكر قدر ما امكن

نعم ينبغى ان يكون المقصد من الذكر والجد فى ذلك ارضاء الله سبحانه والقيام بشكر نعمائه لا غير

ينبغى ان تطالع فى اوقات الفراغ

روزانہ ایک گھنٹہ ذکر کرنا چاہیے، باوضو قبلہ رو، پرسکون جگہ میں، اور دوسرے اوقات میں بھی دوام رکھے، کھڑے بیٹھے، لیٹے، چلتے، پھرتے، سوار، پیدل ہر آن میں، یہاں تک کہ حالت بول و براز میں، کیونکہ ذکر خفی ہر حال میں جائز ہے اگر ذکر جلی میں دشواریاں ہوں تو ذکر خفی پر اکتفا کیجئے، اس سے کوئی آگاہ نہ ہوگا، اور نہ مجلس کی ضرورت ہے، اسی پر مواظبت کیجئے تاکہ یہ طبیعت ثانیہ بن جائے اور بلا قصد و ارادہ صادر ہو، درس و تدریس کا مشغلہ بھی رکھیے، اور جس قدر ممکن ہو ذکر و فکر کے مواقع بھی پیدا کیجئے

. . . .

. . . .

ذکر و شغل کا مقصد خوشنودی رب اور شکر ہونا چاہیئے . . . .

. . . .

[illegible] فرصت کے اوقات میں سید شہید کے

الصراط المستقیم ملفوظات حضرة السید
الشهید التی جمعها مولانا اسمٰعیل الشهید
رحمهما الله تعالیٰ، وکذلك امداد السلوك
فانهما کتابان جلیلان فی السلوك، واما
الخطرات والوساوس فلا یهمنك امرها
واجتهد فی دفعها قدر ما امکن فقد
قال سبحانه وتعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا
اِذَا مَسَّهُمْ الآیة، وقال سیدنا رسول الله
صلی الله علیه وسلم ان العبد اذا قام فی الصلوٰة
اتاه الشیطان یقول اذکر کذا الحدیث۔
فان اقلقك الخواطر واحادیث النفس
فعلیك بتکرار سورة الناس کل یوم
مائة مرة فانها اکسیر لذلك ان شاء الله،
واما القیام من آخر اللیل فاجتهد
فی ذلك فان لم یتیسر لاجل المشاغل
العلمیة فلا ضیر فان النیة لذلك لا
تخلو عن ثمراتها۔ نعم قبل النوم لو اتیت
برکعتین باواخر البقرة تکفیان ان شاء الله
عن القیام حسبما ورد فی الاحادیث الصحیحة

ملفوظات کا مطالعہ کیجئے جس کو مولانا اسمٰعیل
شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا ہے، اور
امداد السلوک بھی، یہ تصوف کی بلند
کتابیں ہیں، وسوسہ وخطرات نفس کی
فکر نہ کیجئے، حتی الامکان ان کے دفع
کی کوشش کرنا چاہیے، جیسا کہ ارشاد
خداوندی ہے "جن کے دل میں ڈر ہے
جہاں پڑ گیا ان پر شیطان کا گذر چونک گئے،
پھر اسی وقت ان کو سوجھ آتی ہے" اور آنحضرت صلعم
نے فرمایا ہے کہ جب بندہ نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے
تو شیطان اس کے پاس آتا ہے اور وسوسے دلاتا ہے
اگر وسوسوں سے زیادہ تردد ہو تو سورۃ الناس
کا وظیفہ کیجئے، یہ اکسیر اعظم ہے۔
آخر شب میں تہجد کی بھی کوشش کیجئے
اگر مشاغل کی کثرت سے موقع نہ ملے
تو چنداں مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ حسن
نیت بھی مفید نتائج پیدا کرتی ہے، اگر
سوتے وقت دو رکعت سورہ بقرہ آخر رکوع کیساتھ پڑھ لیں
تو کافی ہے ان شاء اللہ۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ اس سلسلے میں وارد ہیں

ثم الصلوة فی اللیل بعد العشاء الآخرة
فی ای وقت کانت هی التهجد فان فیها
ترک الهجود فبعد الفراغ عن المطالعة
قبل النوم لو صلیت کانت هی من قیام
اللیل واما حبس النفس فلا تعجل فی
ذالک ومرن نفسک بالذکر النفسی
الآن حتی یجری وعسی الله ان ینجح
بذالک ایضاً

واما بشر تمرنه من جریان
الذکر النفسی والمداومة علیه
فشکرت الله تعالی علی ذلک وعسی
ان یکون الآن ازدیاد منکم حسبما تیسر
فانه الفوز بالمراد ہ

هذی المکارم لا قعبان من لبن
شیبا بماء فکانا بعد ابوالا

والسلام ختام
حسین احمد غفر
۱۸ ربیع الثانی
سنہ ۶۳ھ

نیز عشا کے بعد کسی وقت نماز پڑھنا تہجد ہے
کیونکہ اس میں ترک نوم ہے۔ اگر مطالعہ
سے فراغت پانے کے بعد قبل استراحت
دو رکعت پڑھ لیں تو یہ بھی تہجد
ہو جائے گی، ہاں حبس دم کے لیے
جلدی نہ کریں۔ ذکر خفی کی مشق کریں تاکہ
آسانی سے عادت پڑ جائے، امید ہے
کہ آپ کامیاب رہیں گے،

اور آپ نے جو ذکر نفسی کے جاری
اور برابر ہونے پر خوشخبری سنائی ہے تو میں
بھی خدا کا شکر اس پر ادا کرتا ہوں اور امید ہے
کہ اس میں زیادتی حسب موقع ہوتی
رہیگی جو مقصد اصلی ہے ہ

یہ مکارم ہیں نہ پانی سے ملا ہوا دودھ کے پیالے
کہ پینے کے بعد پیشاب بنجاتا ہے،

والسلام
حسین احمد غفرلہ
۱۸ ربیع الثانی
سنہ ۶۳ھ

مکتوب نمبر ۱۴

مولانا مظفر صاحب دیوبند کے نام

اما ماذکرتم من الذکر ومشاهدة القلب فمبارک زاد الله هذه المساعی والمشاهدات وینبغی ان لا تلتفتوا الی غیر المقصود والمحبوب الحقیقی۔ واجتهدوا فی قطع الخطرات واحادیث النفس وادامة الذکر مهما امکن ولا تیئسوا من روح الله۔

ذکر اور قلبی مشاہدہ جسکا تذکرہ آپ نے کیا ہے مبارک صورت ہے، اللہ تعالیٰ ان مساعی اور مشاہدات مین زیادتی عطا فرمائے، مناسب یہ ہے کہ مقصود حقیقی اور محبوب حقیقی کے سوا دوسری طرف التفات نہ کرو اور اسکی پوری کوشش کرو کہ خطرات اور وساوس بالکل بند ہوجائین اور جہانتک ممکن ہو ذکر کے سلسلہ کو جاری رکھو اور خداوند عالم کی رحمت سے ناامید مت رہو۔

واما ماذکرتم من الدعاء فمن امثالی العجزة ماذا یمکن غیر هذا ولنعم ما قال حضرت السعدیؒ

باقی رہی دعا تو ہم جیسے عاجزون کے امکان مین دعا کے سوا اور ہے ہی کیا حضرت سعدی فرماتے ہین۔

له مولانا مظفر صاحب کے نام جو والا نامے حضرت امام العصر دامت فیوضہم نے ۱۹۴۲ء مین نینی جیل سے تحریر فرمائے ہین اہل ذوق کیلیے خاص طور پر مفید اور درس آموز ہین، اور ان سے یہ بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ زمانہ اسارت مین امام العصر کے روحانی مشاغل کیا تھے اور کس طرح جاری رہے، مولانا مظفر صاحب بھی کسی دوسرے جیل مین نظر بند تھے، ان مکتوبات کو حیات شیخ الاسلام سے نقل کیا گیا ہے۔ ذکر کے طریقون کو جب تک شیخ سے بالمشافہ نہ سمجھا جائے اور شیخ کی نگرانی مین نہ کیا جائے، تحریر سے ذرا ٹیڑھی کھیر ہے، عارف رومیؒ فرماتے ہین،

ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد　　　او ز غولان گمرہ و در چاہ شد

جز یادِ دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است	دوست کی یاد کے سوا جو کچھ کرتے ہو عمر ضائع کر رہے ہو
جز سرِ عشق ہرچہ بخوانی بطالت است	رازِ عشق کے سوا جو کچھ پڑھتے ہو بیکار ہے،
سعدی بشوئے لوحِ دل از نقشِ غیرِ حق	اے سعدی غیر حق کے نقش سے لوحِ دل کو دھو ڈالو
علمے کہ راہِ حق ننماید جہالت است	جو علم حق کی رہنمائی نہ کرے وہ جہالت ہے،
فعلیك یا اخی بتوجیه القلب الی الذات	لہذا برادرِ من تم پر لازم ہے کہ خاص ذات حق جل مجدہٗ
البحت مهما امکن فان ذکر اللسان لقلقة	کی جانب جہانتک ممکن ہو قلب کو متوجہ کرو،
وذکر القلب وسوسة وذکر الروح	کیونکہ زبان سے ذکر کرنا گویا زبان ہلانا ہے اور قلب
هو الذکر رزقنا الله وایاکم وایاه	ذکر وسوسہ ہے اور حقیقی ذکر روح کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ مجھکو
وما ذلك علی الله بعزیز ــه	اور آپکو ذکر روح عطا فرمائے اور یہ خدا کیلئے کچھ مشکل نہیں۔
اذا غامرت فی شرف مروم	جب کسی عظیم الشان مقصد کا ارادہ کرو تو
فلا تقنع بما دون النجوم	تاروں سے کم پر قناعت کرو
فطعم الموت فی امر حقیر	کیونکہ کسی حقیر کام میں موت کا مزہ
کطعم الموت فی امر عظیم	بڑے کام میں موت کے مزے جیسا ہے،
واغتنم هذه الفرصة	اس فرصت کو غنیمت جانو اور اس کو
ولا تضیعها ...... والسلام	ضائع مت کرو ...... والسلام
حسین احمد غفرلہ	حسین احمد غفرلہ
۱۹ ربیع الاول سنہ ۶۳ھ	۱۹ ربیع الاول سنہ ۶۳ھ

مکتوب نمبر ۱۵

واما الذکر الروحی فذلك	ذکر روحی قلب کی توجہ کا نام ہے جو

التوجہ بالقلب الی الذات البحتۃ التی	حضرت حق جل مجدہ کی ذات خاص کی جانب ہو
متنزھۃ عن الکم والکیف وسائر	جو کہ مقدار کیفیت اور جملہ اعراض سے منزہ ہے
الاعراض جسما ورد وھو معکم اینما	جیسا کہ ارشاد ربانی ہے وہو معکم اینما کنتم یعنی
کنتم وحسب وفی انفسکم افلا تبصرون	جہان بھی تم ہو خدا تمہارے ساتھ ہے اور جیسا کہ ارشاد ہوا
وعلیکم بالجد فی الذکر وسیکون	خود تمہارے اندر ہے کیا تم دیکھتے نہیں. ضروری ہے
للذکر الروحی مقام عن قریب	کہ پوری کوشش سے ذکر جاری رکھو. عنقریب ذکر روحی کا درجہ بھی[۲]
والسلام ، حسین احمد غفرلہ	والسلام . حسین احمد غفرلہ
۲۹ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ	۲۹ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ

مکتوب نمبر ۱۶

غالباً اس عرضداشت کے پہنچنے کے وقت آپ بڑے گھر (جیل) ہون گے، تو سیع[ا] منظور نہ ہونے کا افسوس ہوا، فی سبیل اللہ مالقیت[۲] - ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ الآیۃ[۳] - خوشدل اور مطمئن الخاطر رہ کران ایام خلوت کو غنیمت سمجھیے، اور کچھ توشۂ معرفت وقربت حاصل کر لیجئے، اور اس چلہ کشی کو انعام خداوندی سمجھیے، افکار کو تمام جانب سے پھیر کر ایک ہمّ[۴] آخرت مین صرف کر دیجئے،

---

[۱] یعنی پیرول مین اضافہ [۲] جو تکلیف اٹھا رہے ہو وہ راہ خدا مین ہے [۳] سورۂ توبہ کی آیت کی طرف اشارہ ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ راہ خدا مین جو تکلیف، بھوک، پیاس کی پریشانی بھی لاحق ہو، راہ بھی ایسی اختیار کی جائے جو دشمنان دین کے لیے غیظ وغضب اور دماغی تکلیف کا باعث ہو. اس کے بدلہ مین عمل صالح کا ثواب ملتا ہے [۴] ہم آخرت، فکر آخرت یا مقصود آخرت،

جہان اے برادر نماند بکس دل اندر جہان آفرین بند و بس

صراط مستقیم ملفوظات حضرت سید شہید رحمۃ اللہ علیہ اور امداد السلوک مترجمہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ از رسالہ مکیہ کو زیر مطالعہ رکھیے۔ ذکر کو طبیعت ثانیہ اور فکر کو ملازم و دائم بنا لیجئے، (وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ)۔ من نکردم شما حذر بکنید۔

والد ماجد کی بیماری سے تشویش ہوئی، اللہ تعالیٰ شفاء کامل عطا فرمائے، آمین۔ "من یرد اللہ بہ خیرا یصب منہ"[1] کی بنا پر شکر کا موقع ہے۔ مصائب دنیا آخرت کے مصائب کے سامنے ہیچ ہے۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ[2] لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا کی تفسیر ان مصائب اور آلام سے بھی کی گئی ہے، اس لیے درحقیقت خوشی اور اطمینان کا مقام ہے۔ "اشد الناس بلاء[3] الانبیاء ثم الامثل"۔ قلب کو ساکن و صابر بلکہ شاکر رکھ کر خلاق الکائنات کی طرف متوجہ ہو جیے، یوفقنا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ۔ دار العلوم کے حالات معلوم کر کے افسوس اور صدمہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کریم کارساز اپنے فضل و کرم سے ہر قسم کے شرور سے اس منبع علم کو محفوظ رکھے اور مزید ترقی عطا فرمائے، عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم[4]۔ بہرحال یہ مصائب فی سبیل اللہ ہیں جن پہ عظیم الشان وعدے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا مصداق کرے اور اخلاص للہیت ہمارے قول و عمل میں بالکمل الوجوہ عطا فرمائے، آمین۔

حضرت حافظ صاحب کی توسیع نامنظور ہونے سے صدمہ ہوا، ان کی خدمت میں بھی

---

[1] اللہ تعالیٰ جس کی بہتری کا ارادہ کرتا ہے اس کو پریشانیوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ [2] اے اہل بیت رسول اللہ کا ارادہ ہے کہ تمہاری نجاست جس کو دور کرے اور تم کو پوری طرح پاک و صاف کرے۔ [3] تمام انسانوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے، ان کے درجہ بدرجہ جو افضل ہو اسکی آزمائش بقدر افضلیت ہے۔ [4] بہت ممکن ہے تم کسی چیز سے کراہت کرو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو۔

سلام مسنون عرض کر دیں۔ میری رفاقت میں تین مسلمان اس بارک میں ہیں، اور سرکل میں چھ
سات آدمی نماز جماعت سے ادا ہوتی ہے۔ بحمد اللہ مطمئن الخاطر ہوں، والسلام
ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ۲۱ رجب

مکتوب نمبر ۱۷

آپ کا اپنے مستقر پر پہنچنا معلوم ہوا، کیا عجب ہے کہ رؤف ورحیم کے یہاں کوئی بڑی
خیر مضمر ہو، حضرت سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

اگر بلا از طرف حق تعالیٰ نبودے بندگان را طریق الی اللہ نمی بود
اگر خدا کی جانب سے مصیبت اور آزمائش نہ ہوا کرتی تو خدا تک پہنچنے کا راستہ ہی مفقود ہو جاتا۔

ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

بلائے خدا تعالیٰ الجبین را تحفہ وہدیہ وتحریک سلسلہ مواصلت مضمرہ است
مصیبت و آزمائش محبین اور عاشقان مولا کیلئے تحفہ اور ہدیہ اور پوشیدہ تعلق کی سلسلہ جنبانی ہے۔ ۵ ابادجل

رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

عالم از بلا استغاثہ می کند و صرف او می خواہد وعارف بلا لذت میگیرد و ہرگز کشف او نمی خواہد . . . .
دنیا مصیبت سے فریاد کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ وہ ہٹ جائے، مگر عارف اس سے لذت حاصل کرتا ہے اور اس کے ازالہ کی خواہش نہیں کرتا۔

جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

بلا چراغ عارفین وتنبیہ مریدین است وہلاک غافلین
مصیبت عارفین کیلئے چراغ ہے، مریدین اور راہ سلوک کے راہ رو کیلئے تنبیہ ہے اور غافلوں کیلئے ہلاکت ہے۔

میرے محترم! اس بلا میں اہل عقل و انصاف خوش ہوتے ہیں۔ ضرب[1] الحبیب ذبیب مشہور مقالہ ہے، بالخصوص اس فراغت اور خلوت کی بنا پر جس کے ذریعہ سے آپ بہت زیادہ مجالست مع الحبیب کر سکتے ہیں ؎

اعزّ مکان فی الدنیٰ سرج سابح — تیز رفتار گھوڑے کی زین دنیا میں سب سے زیادہ باعزت جگہ ہے
وخیر جلیس فی الوجود الٰہٖ — اور بہترین ہمنشین خداوند عالم ہے۔

انا جلیس[2] من ذکرنی ؎

بفراغ[3] دل زمانے نظرے بماہ روئے — بہ ازین کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے و ہوئے

فاغتنم[4] ایہا الاخ ھذہ الفرصۃ۔ ولا تضیعہا بقیل وقال وبما لا یعنی فان العمر قصیر والطریق طویل والعوائق کثیرۃ ؎

کیف الوصول الی سعاد ودونہا — سعاد (محبوبہ کا نام) تک کس طرح رسائی ہو سکتی ہے
قلل الجبال ودونہن حتوف — درانحالیکہ اسکی راہ میں پہاڑوں کی اونچی اونچی چوٹیاں ہیں
الرجل حافیۃ ومالی مرکب — کہ ان چوٹیوں کو طے کرتے کرتے انسان موت کا شکار ہو جائے
والکف صفر والطریق مخوف — پاؤں برہنہ، کوئی سواری میسر نہیں، ہاتھ خالی اور راستہ پر خطر
فاجتہد قدر ما یمکن فی الذکر — لہذا جتنا بھی ممکن ہو ذکر اور مذکور کی طرف توجہ
وحسن التوجہ الی المذکور۔ وداوم — اور دھیان رکھنے کی پوری کوشش کرو اور اس پر
علی ذلک فقد قال تعالیٰ وَالَّذِیْنَ — مداومت رکھو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، "جو ہمارے
جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا — بارے میں پوری کوشش کرتا ہے ہم یقیناً انکیلئے اپنی راہیں کھولدینگے

---

[1] دوست کی مار میں بھی مٹھاس ہے [2] اللہ میاں فرماتے ہیں کہ میں اسکا ہمنشین ہوں جو مجھکو یاد کرتا ہے [3] تھوڑی دیر کیلئے دل کی فراغت کیساتھ محبوب پر نظر ڈالنا چتر شاہی اور ہا و ہو کی بہت بہتر ہے [4] لہذا برادر من! اس فرصت کو غنیمت جانو، اسکو قیل وقال اور بیفائدہ باتوں میں ضائع مت کرو کیونکہ عمر تھوڑی ہے اور راستہ لمبا ہے اور مشکلات بہت ہیں۔

فانظر ایها الاخ لم یات فی جانب
الشرط بشیٔ من المؤکدات وما یدل
علی طلب الکثرة والشدة. واما فی
جانب الجزاء فقد اتی باللام الموطئة
للقسم. ونون الجمع. بفعلیة الجملة
المبدوءة بالمضارع الدالة علی
الاستمرار التجددی. والنون الثقیلة
وجمع لفظ السبیل واضافته الی ضمیر
جمع المتکلم لتعظیم نفسه. ثم ذیلها
بقوله تعالی ان الله لمع المحسنین ولا
یخفی ما فیه من المؤکدات والبشائر فلا ینبغی
لاحد ان ییٔس من رافته تعالی بمعاینة عجز
نفسه. وعلو رفعته تعالی فعلیک بمداومة
قرع بابه تعالی فان من داوم قرع
الباب لابد ان یفتح له ولا یعجزک
عدم ظهور الکیفیات واللذة فی
اثناء الذکر فانها لیست بمقصودة
فانها امور ترجی بها اطفال الطریقة
وانما المقصد الوحید رضاءه

برادر من! اس آیت کریمہ کی لفظی ترکیب پر
نظر ڈالو شرط کی جانب مین یعنی پہلے جملہ میں تو صرف
یہ ارشاد ہے کہ جو ہمارے بارے مین پوری
کوشش کرتے ہین۔ یہان صرف پوری کوشش کا
تذکرہ ہے اور کوئی تعلیق نہین اور جملہ کے دوسرے
حصہ کی تاکید اور تقویت کیلیے اول لام لایا گیا ہے
جو تمہید قسم ہوتا ہے۔ پھر جمع متکلم کا نون لایا گیا اور جملہ
فعلیہ لایا گیا جو استمرار تجددی پر دلالت کرتا ہے۔ نون
ثقیلہ لایا گیا لفظ سبیل کو جمع کیساتھ بیان کیا گیا
اور اسکو جمع متکلم کی ضمیر کی طرف مضاف کیا گیا جس سے
راستون کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد
یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی المحسنین کیساتھ ہے معنون
کی مزید تقویت کی گئی، پھر عربی نحو کے لحاظ سے
ان اللہ لمع المحسنین مین جو موکدات اور بشارتیں
ہیں وہ بھی مخفی نہین، لہذا کسی کو بھی خدا کی رحمت سے اس
وہم کی بنا پر مایوس نہ ہونا چاہیے کہ وہ عاجز اور کمزور
اور ناچیز ہے اور اللہ تعالی کی ذات وراء الوراء ہے
تمہارا کام یہ ہے کہ اس کریم کے دروازہ کو کھٹکھٹاتے رہو
کیونکہ جو دروازے پر دستک دیتا رہتا ہے لا محالہ اس کیلئے کھولدیا

تبارک و تعالیٰ. جاتا ہے، اور تم اس سے ہرگز پریشان نہ ہو کر اثناء ذکر

. . . . میں کیفیات کا ظہور نہیں ہوتا یا لذت نہیں محسوس

. . . . ہوتی، کیونکہ یہ مقصود نہیں۔ یہ تو ایسی چیزیں ہیں

. . . . کہ راہ طریقت کے بچوں کو ان سے بہلایا جاتا ہے مقصود

. . . . لہ حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اسکا فضل ہے

دنیا و آخرت را بگذار از حق طلب کن کایں ہر دو لولیاں را من خوب می شناسم

فراق و وصل چہ خواہی رضاء دوست طلب کہ حیف باشد از دو غیر از یں تمنائے

حسین احمد غفرلہ، ۱۳ر شعبان ۶۳ھ

مکتوب نمبر ۱۸

آداب شیخ کے بارے میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے اور جو کچھ امداد السلوک میں تحریر کیا گیا ہے وہ حقیقی مشائخ لہ اور اہل کمال کے لیے ہے، ہم جیسے ناکارہ و نااہل بدنام کنندۂ نکونامان ننگ اسلاف

لہ حقیقی مشائخ اور اہل کمال کی تعیین نہ کرنے کی وجہ سے بہت سے نقصانات رونما ہوئے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، حقیقی شیخ کامل وہ ہے جو عقائد میں سلف اہل سنت والجماعت کا ہم عقیدہ ہو۔ کیونکہ بدعتی شیخ ہرگز شیخ کامل نہیں ہو سکتا، وجہ یہ ہے کہ سلاسل صحابۂ کرام پر منتہی ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ صحابہ کی زندگی کامل نمونہ تھی صاحب شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اور شریعت نے بدعات و محدثات پر جسقدر نکیر فرمائی ہے اہل علم پر پوشیدہ نہیں، حتی کہ بدعتی کی امامت اور روایت حدیث میں بھی کلام ہے، دوسری چیز حقیقی شیخ اور اہل کمال کے اندر تواضع، فروتنی، عاجزی، خاکساری اور بےنفسی ایسی ہو کہ ہر ایک کے فضل و کمال کا میر حسنی سے معترف ہو، اس لیے کہ کبر کیساتھ مشیخت جمع نہیں ہو سکتی اور نہ اس گناہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۷ پر)

کب مستحق ہیں، ہم تو اس شعر کے مصداق ہیں ؎

نهارك يا مغرور سهو وغفلة	اے دھوکے میں پڑے ہوئے تیرا دن غفلت و سہو میں گذرتا ہے
وليلك نوم والردى لك لازم	رات سونے میں لہذا تیری تباہی لازمی ہے،
وشغلك فيما ليس يغنيك مشغله	بیکار اور فضول باتیں تیرا مشغلہ ہیں،
كذلك في الدنيا تعيش البهائم	دنیا میں بہائم اسی طرح رہا کرتے ہیں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵) کی مغفرت کی امید ہے جو کبر سے پیدا ہو، آدم و ابلیس کا قصہ سب سے بڑا ثبوت ہے، یوں تو نفس سے کوئی انسان خالی نہیں لیکن کمال تو اسی میں ہے کہ بہیمیت پر ملکیت غالب ہو جائے، یہ کمال کہ نفس مغلوب ہو جائے اور اپنے کو سب سے ہیچ متصور کرے بدون صحبت شیخ کامل ممکن نہیں، مولانا روم فرماتے ہیں

ہیچ نہ کشد نفس را جز ظل پیر — دامن آن نفس کش را سخت گیر

قرآن حکیم رشد و ہدایت کا مجموعہ اور ہر طرح کے امراض ظاہری و باطنی کے لیے رحمت اور شفا ہے، اور سب سے کامیاب مطب اس نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جس کی صفت یا سند بارگاہ احدیت سے یہ عطا ہوئی ہے يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. سمجھ میں نہیں آتا کہ شیخ اکبرؒ نے کس طرح فرمایا کہ "شیخ میں دین انبیاء کا سا ہو اور تدبیر اطبا کی سی اور سیاست بادشاہوں کی سی"۔ تو یہی کیوں نہ کہہ دیا جائے کہ شیخ نمونہ ہو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا، جبکہ اتباع سنت نبوی ہی میں سب کچھ ہے۔ خوب بات فرمائی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ میں نے اپنا قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی پیروی میں اسی جگہ رکھا جہاں آپ نے رکھا تھا، "الا قدم نبوت"۔ سبحان اللہ۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے اور پردہ ہٹا دیا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ "ولایت کی نہایت نبوت کی بدایت ہے"۔ تفاضل بین الانبیاء والاولیاء کا مسئلہ بھی صاف ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت امام العصر دامت برکاتہم حقیقی مشائخ اور اہل کمال میں ہیں بشرطیکہ کامل کی جستجو ہو اور نکتہ چین نہ کرا دے، مگر انشاء اللہ تعالیٰ اپنی دامنوں کو پھولوں سے بھر کر واپس ہو گے ؎

دادیم ترا بہ گنج مقصود نشان — گر ما نہ رسیدیم تو خود را برسان

ہاں آپ حضرات کی ادعیہ صالحہ سے اگر اصلاح ہو جائے اور ہم کسی لائق ہو جائیں جس طرح بڈھے ڈاکو کی اصلاح مریدوں کی دعوات اور توجہ سے ہو گئی تھی، تو مضائقہ نہیں۔ عزیز موصوف کا دوسری مرتبہ محراب سنانا نہ صرف موجب فرحت و سرور ہے بلکہ موجب ہزار ہا تشکرات ہے۔" او ولد صالح یدعو لہ" صدقہ جاریہ اور خیرات دائمہ ہے، آج جبکہ بڑے خاندان والے اپنی اولاد کو انگریزی اسکول کی تعلیم دلوا کر ان کو دوزخ کا کندہ بنا رہے ہیں اور دنیا کے لالچ میں ان کو بے دینی اور الحاد کی تعلیم دلوا کر دین سے برگشتہ اور اسلام کیلئے عار بلکہ دشمن بناتے ہوئے اپنی اور ان کی عاقبت برباد کر رہے ہیں۔ دنیاوی زندگی میں کفار کی غلامی کی لعنت کا پٹہ اپنی اولاد کے گلے میں ڈال رہے ہیں، آپ کی اولاد کا دیندار، حامل قرآن، اور حافظ دین متین ہونا لازوال اور عظیم الشان نعمت ہے، اللّٰھم زد و بارک۔

پھر بچہ ماشاء اللہ اصلاح پذیر اور سعید ہے، امید ہے کہ فخر خاندان ہو، یہ دعا ہمیشہ ہونی چاہیے رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔ "اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا۔

یقیناً اولاد کا صالح اور دیندار رہ کر ناتوں پر گذر کرنا، ڈپٹی کمشنر، وکالت اور بیرسٹری، پولیس وغیرہ کی انسپکٹری وغیرہ عہدہائے غلامی کفار سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے، دیدۂ عبرت کھولنا چاہیے، ھدانا اللہ وایاکم الی ما یحبہ ویرضاہ ویجعل لنا ولھم جمیعا الاخرۃ خیرا من الاولی، آمین

حسین احمد غفرلہ

۱۲ر شوال ۶۳ھ

مکتوب نمبر ۱۹

مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء مراد آباد

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

تصوف کا ضروری اور مضبوط اصول جو کہ نفس پر شاق بھی بہت ہوتا ہے یہ ہے کہ اپنے نفس کے ساتھ بدظنی اور دوسروں کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے، اسی کے ماتحت حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "معرفت خداے تعالیٰ برآں کس حرام است کہ خود را از کافر فرنگ بہتر داند فکیف از اکابر دین"۔ اپنے نفس کے کید و مکر سے کسی وقت بھی مطمئن نہ ہونا چاہیے، ع "فانک تعرفنا کید الخصم والحکم"۔ وَمَآ اُبَرِّیُٔ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ۔

پس جو حضرات پہلے سے معتقد علیہم ہیں یا جن کے افعال و اقوال مسائل خاصہ کے سوا مرضی پسندیدہ ہیں ان کے ساتھ بد اعتقادی وغیرہ نہ چاہیے، حسن ظن رکھنا چاہیے، ہمارے لیے مشاجرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین درس عبرت ہیں، ممکن ہے کہ ان حضرات ہی کی آراء صحیح ہوں، اگرچہ غلبۂ ظن یہی ہے کہ ہمارے آراء اور اعمال بالکل حق بجانب ہیں، لہذا نہ زبان درازی چاہیے نہ بد اعتقادی بلکہ ان کے اور اپنے لیے دعا کرنی چاہیے۔ اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔ ذکر سے غافل نہ ہوجیے، وقت کو غنیمت جانیے گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں، آج کچھ کر لیجیے، کل کو کرنا ناممکن ہوگا، جفاکش بنیے۔ آرام و راحت آخرت کے لیے چھوڑیے۔

نازپروردہ تنعم نبرد راہ بدوست عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

من نہ کردیم شما حذر بکنید

وانقین پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیجئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۲۰

کچھ تفصیلات مجلس شوری معلوم ہوئیں، بحمد اللہ مخالفین اور اہل شر کو کامیابی نہیں ہوئی اور آپ کی مساعی بارآور ہوئیں، جزاکم اللہ خیرالجزاء۔ اگرچہ طلبار کا داخلہ بالفعل نہیں ہوا، اور ذی القعدہ تک اس کو موخر کر دیا گیا، مگر قوی امید ہے کہ اکثر داخل ہو جائیں گے اور ان کو ترقی بھی حاصل ہو جائیگی، ٹوڈیوں کے چوارادے اور گورنمنٹی جو چالیں تھیں بحمد اللہ ناکام رہیں، وللہ الحمد وجزاکم اللہ تعالی خیرالجزاء۔

آپ کو اپنی تعلیمی اور مدرسہ شاہی کی ضروریات کو انجام دینے کی پوری جد و جہد کرنی چاہیے، اس وقت میں کوئی تعمیری خدمات قومیہ انجام نہیں دیجا سکتیں، شاہی کے دو مدرس اس وقت جیل میں ہیں اسوقت آپ کو صرف تعلیمی فرائض انجام دینے چاہئیں، اور اسفار

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۹) یہ وہی بطل حریت اور کوہ استقلال ہے جو برطانوی فرمانیوں کے سامنے ہر موقع پر بلند آہنگی اور بے باکی کی اعلیٰ مثال پیش کرتا ہے لیکن جب خود پسندی اور خود نمائی کا وہم پیدا ہوتا ہے، تو تواضع و انکسار کی یہ حالت ہے کہ کافر فرنگ کو بھی اپنے سے بہتر سمجھنے لگتے ہیں۔ مالٹا اور مقدمہ کراچی وغیرہ کی تقریریں مطالعہ کرنے کے بعد جب اس مکتوب گرامی کو پڑھا جاتا ہے تو یہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے ۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق ہر ہوسناکے نہ داند جام و سندان باختن

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حیات شیخ الاسلام ص ۲۶۸ تا ۲۷۲

وغیرہ جن سے تعلیم پر برا اثر پڑے، اس سے بالکل کنارہ کشی کرنی چاہیے، گذشتہ سال آپ نے
اپنی کتابوں کے ربع یا ثلث ہی کو پڑھایا، غلط کاروائی ہے...... اسباق اور طلبہ کا
ہرگز ہرگز حرج نہ کیجیے...... وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً الآیہ کو زیر نظر
رکھکر ان فرائض دینیہ کو بخوبی انجام دیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے آمین
والسلام، ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۱۵ ر شوال سنہ ۶۱ھ

مکتوب نمبر ۲۱

مندرجہ امور کی طرف توجہ ہونی چاہیے،

(۱) مسلکہ مصاریف حکیم انظار احمد صاحب نے کیے ہیں، ان سے ان مصاریف کی مقدار
معلوم کیجئے، اور میرے متعلق جو نقد آپکے پاس موجود ہے، اس میں سے ادا کیجئے، اگر وہ خرچ
ہوگئے ہوں تو قاری اصغر علی صاحب سے روپے طلب کیجئے، حکیم صاحب موصوف پر ایک
پائی کا بھی بار ہرگز ہرگز نہ ڈالیے، اس فہرست میں ممکن ہے بعض چیزیں رہ گئی ہوں کیونکہ میں نے
اپنی یاد سے لکھی ہے، ان سے پوچھ کر ان کو بھی لکھیے، اور اس کا حساب ادا کیجئے،

(۲) ان تین طالبعلموں کے متعلق جو کہ بلاوجہ گرفتار کیے گئے ہیں ابھی تک آپنے کوئی
معاملہ نہیں کیا، حالانکہ آپنے لکھا تھا کہ میں انکے متعلق پوری کارروائی انجام دیکر سفر کروں گا۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۱) سنہ ۴۲ء کے ہنگامہ میں پولیس نے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم سے شکایت کی کہ کچھ طلبہ تحریک
میں حصہ لے رہے ہیں، اس کے نتیجہ میں دار العلوم کے لیے خطرات کا بھیانک نقشہ پیش کر دیا۔ مولانا مرحوم بھولے
بھالے آدمی تھے اس سے متاثر ہوگئے، اور طلبہ کی ایک معتدبہ تعداد کو خارج کر دیا، اور یہ بھی حکم دیا کہ سالانہ
امتحانات وقت سے پہلے ختم کر دیے جائیں۔ اس والا نامہ میں اسی جانب اشارہ ہے، باقی تفصیلات اور جگہ آئیں گی

(۳) مولوی غلام حسین بھاگلپوری اور شیخ انعام اللہ مرادابادی کو کل حکم سنا دیا گیا، اور یہ بتایا گیا کہ ایک سال قید اور پچاس پچاس روپیہ جرمانہ اور بصورت عدم ادائگی تین تین ماہ قید ہوگی، ثانی الذکر کے متعلق بھی جاپان کا نعرہ لگانا پولیس بھی قائل بالنفی ہے، پھر دونوں کو برابر سزا دینا اور ہر ایک کے لیے اتنی بڑی مقدار مقرر کرنی بہت زیادہ سختی ہے، اس لیے ان کی نگرانی ضرور ہونی چاہیے، نگرانی میں اسقدر زائد صرفہ بھی نہیں ہے جس کے تحمل کا خوف ہو، اگر دوسرا ذریعہ مصارف کا نہ ہو تو میرے ڈیفنس کے روپیہ باقیماندہ سے اس میں خرچ کیجیے،

(۴) مدرسہ شاہی کے اوقات اور اسباق کی سختی سے پابندی کیجیے،

(۵) مولانا بشیر احمد صاحب بھٹہ کو زوردار طریقہ پہ لکھیے کہ وہ دیوبند جا کر صدر صاحب کو اپنے سحر بھرے کلام سے موم بنائیں اور آمادہ کریں کہ وہ تمام مخرجین طلبہ کو بلا استثنا داخل فرمالیں اور اپنے احکام کو واپس لے لیں، کیونکہ انھوں نے حافظ محمد یوسف اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں کسی سے انتقام نہیں لونگا اور نہ خارج کروں گا، اور طلبہ ان دونوں حضرات کے حکم کے پابند ہو گئے تھے، اور اس وعدہ کو ان دونوں حضرات نے مجمع عام میں بھی طلبہ کو سنا دیا تھا، بہرحال مولانا بشیر احمد صاحب ذرا آجائیں اور صدر صاحب کا غصہ ٹھنڈا کریں، اگر ایسا نہ کیا تو مولانا بشیر احمد صاحب کے کمالات دو کوڑی کے رہ جائیں گے، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۱۶ شوال ۱۳۶۱ھ

مکتوب نمبر ۲۲

نیاز احمد صاحب کو شکریہ لکھدیجئے اور سلسلہ عریضہ بھیجدیجئے آپ کا یہ فرمانا کہ مٹھائی واجب کے متعلق یہ شرط ہے مگر اس کا لگانا حسب قول مولانا اسمٰعیل صاحب نہ دینے کا بہانہ ہے، کیا ابواب شکر میں یہ شرط کہیں آئی ہے، وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ [1] لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ [2] ولیر اثر نعمتہ علیک۔ [3] وہ فرماتے ہیں کہ وہ اتقیا جو مجاہدین فی سبیل اللہ کے مصداق حقیقۃ ہیں اور اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ اور اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ ان پر صادق آتا ہے، ایسے مجمع کو کھلانے میں ٹال مٹول کرنا بہت ہی زیادہ ناانصافی اور ظلم ہے، اور خوف ہے کہ کہیں بخل اور بدترین بخل کی نشانی نہ بنجائے، (او کما قال) "وای داءٍ ادوءُ من البخل"۔ [4] والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۷ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ

مکتوب نمبر ۲۳

جناب صوبیدار صاحب..... آپ کے حفظ قرآن میں صرف ایک منزل میں کامیاب ہونے پر صدمہ ہوا، امید تو یہ تھی کہ اس مدت میں آپ ربع سے زائد پر کامیاب ہو چکے ہوں گے، بہرحال آپ باہر آنے سے پہلے کم از کم فیض آباد کی پنج ماہہ جدوجہد ضرور بار آور کرلیں اور آخر شب میں یا اول شب میں اس کا معتدبہ حصہ نوافل میں ضرور

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۲) [1] اور تیرے رب کا جو احسان ہے اسکو بیان کر [2] اگر احسان مانو گے اور شکر ادا کروگے تو تم کو اور بھی دونگا، [3] حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کا اثر بندہ پر دیکھنا چاہتا ہے [4] بخالت سے بڑھکر اور کون بیماری ہے،

پڑھ لیا کریں، ہمت بلند رکھیں، انشاء اللہ، خداوندی شامل حال ہوگی، یہاں سے بھی لوگ بڑے پیمانہ پر رہا ہو رہے ہیں، ہمارا مقدمہ چل رہا ہے، آج بھی تاریخ ہے دیکھیں کیا ظاہر ہوتا ہے، القلوب بین اصبعی الرحمٰن۔ بہرحال مارآہ المولیٰ فہو الاحسن وعو الادنی۔ میں مطمئن ہوں اور الحمد للہ احسن حال میں ہوں، افضال خداوندی کا شکرگذار ہوں، ذکر میں عالی ہمتی اور استقلال سے کام لیجیے، اور افضال خداوندی سے مایوس نہ ہو جئے، دفع وساوس وخطرات کے لیے سورۂ ناس اکسیر ہے، روزانہ ایک سو مرتبہ یا کم از کم چالیس مرتبہ مع خیال پڑھ لیجیے، صاحبزادہ صغیر کے لیے دعا کرتا ہوں، انشاء اللہ آپکی حسن تربیت سے وہ بھی طریق قدیم پر آجائے گا۔۔۔۔۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۱۷ ذی القعدہ ۶۲ھ

مکتوب نمبر ۴۲

جناب صوبیدار صاحب۔ زید مجدہم المعروف بہ فیروز الاسلام۔

والسرائے صاحب نے جواب جلد مانگا تھا، غالباً وہ تاخیر کی بناء پر عبوس و قمطریر ہو بیٹھے، مگر ظروف و احوال کی مشکلات نے یہ تاخیر کرا دی تھی، میں نے جواب میں تاخیر نہیں کی، مجھکو جناب حافظ[1] صاحب اور مفتی صاحب کی رائے سے اتفاق ہے، ہاں عملی حیثیت سے میں اسکو نہایت مشکل دیکھتا ہوں جس کا احساس ان دونوں حضرات اور دیگر اہل الرائے اہل حل و عقد

[1] حافظ صاحب سے جناب حافظ محمد یوسف صاحب نبیرہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں، اور مفتی صاحب سے حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہند مراد ہیں، یہ دونوں حضرات دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے،

کو ضرور ہوگا، ایسے امور میں مجھ سے پوچھنا غلط ہے، مذکورہ بالا دونوں حضرات اور آپ حضرات کی آراء ان امور میں ہم جیسے ناکاروں کے لیے واجب التقلید ہے، آپکی دوبارہ حفظ قرآن مزید جد و جہد ہم ناکاروں کے لیے بہت زیادہ سرور بخش اور امید افزا ہیں، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے، آمین، ع

علی قدر اهل العزم تاتی العزائم ، فاجتهد ولا تیاس من روح الله [۱]

مولانا بشیر احمد صاحب کی غیبوبیت تعجب خیز ہے، اللہ تعالیٰ بہتر کرے، بحمد اللہ میں بخیر و عافیت و آرام و سکون سے ہوں، یکم نومبر کے واقعہ سے تاثر غلط ہے ؎

در منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجان ، شرط اول قدم آنست کہ مجنون باشی

عشق میں اسکے کو غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو ، عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

والسلام

بقدر الجد تکتسب المعالی ، ومن رام العلیٰ سهر اللیالی [۲]

من نکردم شما حذر بکنید

فلا تکسل ولا تیئاس ولا تکن من القانطین

داعیکم المحبور فی ۔، من الحجة ۱۳۶۳ھ

---

[۱] حوصلہ اور عزم کے لحاظ سے بخشش اور انعام بھی ہوا کرتا ہے، کوشش کرتے رہو اور اللہ کی مہربانی سے مایوس نہ ہو،

[۲] اس شعر کا ترجمہ دوسرے مکتوب میں آتا ہے؛

مکتوب نمبر ۲۵

جناب گورنر صاحب ... ۲۴؍ مارچ کا والانامہ مفصلہ باعث سرفرازی ہوا، بحمد اللہ خیر و عافیت سے ہوں، یہاں اجتماع عظیم ہے، تمبل کہاں نصیب ہو سکتا ہے، نمبر این جنتا تقریباً دو سو ہے، شاہد صاحب، مظفر صاحب بھی اسی احاطہ میں ہیں، ان کے علاوہ پانچ موحد اور بھی ہیں، ہر طرح سے آرام و راحت ہے، مسل کا واقعہ معلوم کر کے صدمہ ہوا، کاش روانگی سے پہلے آجاتی، تقدیرات الٰہیہ میں کیا چارہ ہے،

صدیقی صاحب کا مفصل والانامہ یہاں آیا، جو کہ صدر صاحب کی روانگی اور ان کے جماعت کی نیرنگیوں کی مفصل داستان ہے، آپ کے اور گورنر جنرل صاحب کے ملاحظہ کے لیے بھیج رہا ہوں، دیکھیے اور عبرت پکڑیے، قدرت کے کارنامے ہیں، استعفا کے الفاظ بھی عجیب وغریب ہیں، مگر اس کو نہیں بھیجتا، بہرحال چار پانچ نئے ممبروں کے ذریعہ سے دارالعلوم سنبھال لیا گیا،

امور مسئولہ کے جوابات (۱) ٹوکری میں بصورت سانپ[۱] گھناؤنی چیز کا نکلنا بہت عمدہ اور

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۵) اس مکتوب گرامی میں بعض اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں، جو تحریک سنہ ۴۲ء کے زمانہ میں برتی گئی تھیں، گورنر صاحب سے مراد مولانا سید محمد میاں صاحب ہیں، اور صدیقی صاحب سے مراد مولانا عبدالوحید صاحب غازیپوری جنرل منیجر الجمعیۃ ہیں جو اس وقت دارالعلوم کے شعبہ تنظیم کے انچارج تھے، اور صدر صاحب سے مراد مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم تھے جو دارالعلوم کے صدر مہتمم تھے، اور گورنر جنرل سے مولانا حفظ الرحمان صاحب مراد ہیں۔ ابو جعفر حافظ سادات حسن کی کنیت ہے،

[۱] واقعہ یہ ہوا کہ مولانا محمد میاں صاحب نے خواب دیکھا کہ ایک کالا سانپ میرے اندر سے نکلا ہے،

(باقی حاشیہ ص ۶۶ پر)

مفید ہے، اس کے یہ معنی ضروری نہیں ہیں کہ خناس بالکل جدا ہوگیا، ہاں اس کا کوئی اثر کم ہوگیا، اور ذکر کی برکتوں سے ایسا ہونا ضروری ہے "وَمَنْ یَعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ" سے معلوم ہوتا ہے کہ غفلت عن الذکر کی بنا پر جو شیطان مسلط تھا وہ بوجہ ذکر جدا ہوگیا، اب وہ جدا تو ہوگیا، مگر کیا صرف ایک ہی تھا کہ اس کے جدا ہونے کے بعد میدان بالکل خالی ہوگیا، یہ کہاں سے سمجھ لیا گیا، اتنے دنوں کی غفلت نے خدا جانے ان شیاطین کے کتنے انڈے بچے پیدا کردیے ہوں گے، ذکر پر مداومت کیجئے انشاء اللہ آہستہ آہستہ صفائی ہوجائیگی، نیز نفس تو جدا نہیں ہوا، وہ سالہا سال کی مصاحبت سے جو رنگ حاصل کرچکا ہے وہ دو چار دن میں کہاں جائے گا، وہ اپنا رنگ لاتا ہی رہے گا، بہرحال مردانہ وار کام کیجئے اور ان لغویات کی طرف دھیان نہ کیجئے،

(بقیہ حاشیہ ص ۶۵) جس پر گھنونی چیز مثل رطوبت کے موجود ہے جس سے طبیعت سخت متوحش ہوئی، اگر یہ چیز میرے اندر رہ گئی ہوتی تو کیا حال ہوتا، حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے جوابا جو تعبیر ارشاد فرمائی ہے اور قرآنی روشنی میں خواب کو واقعہ بنادیا ہے، یہ حضرت اقدس کا ادنیٰ کمال معرفت اور تاویل رویا کا معمولی کرشمہ ہے، مولانا محمد میاں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک بڑا احاطہ ہے، اس کے وسط میں ایک بوسیدہ کمرہ ہے، جس کی زمین زرد رنگ کے سنگریزوں سے ملی ہوئی ہے، اس وسیع احاطہ میں ایک بہت بڑا اژدہا اس طرح زمین میں گھسا ہوا ہے کہ جس طرح درخت کی جڑ کا کچھ حصہ موٹا سا کبھی زمین کے اوپر آجاتا ہے، اژدہے کا رنگ زرد ہے، بارہ گز لمبا اور ایک گز کے قریب چوڑا ہوگا، طول اور ضخامت کا حصہ ایک جگہ سے اتنا ہی! ہر سرے کچھ کم دوسری جگہ ہے، اس اژدہا کو دیکھکر مولانا کو بڑا خوف ہوا کہ اس کا مارنا اور نکالنا دونوں مشکل ہے، اس پر امام العصر دامت برکاتہم نے یہ والا نامہ تحریر فرمایا اور تعبیر بھی صاف صاف بیان فرمادی،

(۲) میرے ان الفاظ میں "کوشش کیجئے کہ معانی کا تصور اور قلب کا تعلق از ابتدا تا انتہا ہو جائے"۔ اس سے تو یہی مقصد تھا کہ جو الفاظ زبان سے یا قلب سے (ذکر قلبی میں) یا سانس کے ساتھ (پاس انفاس میں) نکلتے ہیں۔ ان کے معانی کا تصور قلب میں قائم رہے، یہ نہ ہو کہ زبان سے کچھ نکل رہا ہے اور قلب غافل ہے، یا کسی دوسری طرف متوجہ ہے اور بر زبان تسبیح در دل گاؤ خر کی صورت کو دفع کرتے رہیے، مثلاً لا الٰہ الا اللہ کہتے ہوئے کوشش کیجئے کہ معانی لا محبوب الا اللہ قائم رہیں، اور لفظ لا الٰہ کہتے ہوئے خیال قائم ہو کہ ماسوی اللہ کو قلب سے نکال کر پس پشت پھینک دیا، اور الا اللہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی محبت کو ضرب لگاتے ہوئے زور سے دل میں گاڑ دیا ؎

خواہم کہ ہیچ صحبتِ اغیار رہ کنم ۔ در باغ دل رہا نہ کنم جز نہال تو
از دل برون کنم غم دنیا و آخرت ۔ یا خانہ جائے ذکر بود یا خیال تو

خطرات وساوس حدیث نفس وغیرہ کو حتی الوسع دفع کرتے رہیے، اثناء ذکر میں ابتدا سے انتہا تک یہی کوشش جاری رہنی چاہیے ؎

حضوری گر ہمین خواہی از و غافل مشو حافظ ۔ متی ما تلق من تھوی دع الدنیا و اھملھا

مگر آپ دوسری طرف دوڑ گئے اور جناب باری عز اسمہ کے تصور اور کلمات مشائخ رحمہم اللہ میں الجھ گئے۔ محترما جو کچھ عقیدہ اہل سنت[1] والجماعت ہے اور جو کچھ دلائل عقلیہ و نقلیہ

---

[1] الفاظ اہل سنت والجماعت پر ہم کسی قدر بحث کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اس کا صحیح مفہوم واضح ہو جائے اور گمراہ جماعتیں تدلیس سے کام نہ لے سکیں، اس میں تین الفاظ ہیں (۱) اہل، اشخاص، مقلدین، اتباع اور پیرو کو کہتے ہیں۔ (۲) سنت عربی میں راستہ کو کہتے ہیں، یہاں سنت سے مقصود عام سنت نہیں بلکہ دینی اصطلاح میں آنحضرت صلعم کی طرز زندگی اور طریق عمل کو سنت کہتے ہیں۔ (۳) جماعت سے
(باقی حاشیہ ص ۶۸ پر)

سے ثابت ہوتا ہے، وہی حق ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عزشانہٗ نور اور نار اور شکل وصورت وغیرہ تمام اعراض وجواہر سے منزہ اور پاک ہے، اور تمام صفاتِ کاملہ لائقہ بذاتہ اس کے ساتھ قائم ہیں، ادراک ذات بحت احاطہ علم بشر سے خارج ہے، صفات کاملہ ثبوتیہ اور صفات سلبیہ تک ادراک بشر پہنچتا ہے، اس لیے اس کی ذات بحت کے نفوذ کے لیے موجود حقیقی کما یلیق بشانہ منزھا من جمیع النقائص وسمات الزوال متصفا بجمیع صفات الکمال والجلال مدرکہ میں لانا ضروری ہوگا۔

دور بینان بارگاہ الست　　غیر ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

اے برتر از خیال وقیاس گمان ووہم　　وز ہرچہ گفتہ اند شنیدیم وخواندہ ایم

(بقیہ حاشیہ ص ۶۷) کے معنی گروہ کے ہیں، یہاں جماعت سے مراد جماعت صحابہ ہے، لہذا اہل سنت والجماعت کا اطلاق ان اشخاص پر ہوتا ہے جن کے اعتقادات وغیرہ کا مرکز پیغمبر علیہ السلام کی سنت صحیحہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اثر مبارک ہے۔ پس اہل سنت کے مذہب کا مدار اور مبنی دو اصول ہیں، (۱) داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عقائد اور اعمال کے متعلق اپنی امت کو جو کچھ تعلیم اور تلقین کی اس میں ایک ذرہ زیادتی یا کمی نہیں ہو سکتی۔ (۲) عقائد یا خدا کی ذات اور صفات کے متعلق قرآن نے جو کچھ بیان کیا یا آپ نے جو کچھ بتایا اور جس مسئلہ کی جس حد تک قرآن نے تشریح کی صرف اسی پر ایمان لانا واجب ہے۔ اپنی عقل وقیاس واستنباط سے اس کی تشریح وتفسیر صحیح نہیں اور نہ اس پر ایمان لانا اسلام کی صحت کے لیے ضروری ہے، بلکہ ممکن ہے کہ وہ گمراہی اور ضلالت کا موجب ہو، غرض جو رسمی فرقے آج پیدا ہوگئے ہیں اور اپنے کو اہل سنت والجماعت بلکہ حنفی اہل سنت وغیرہ کا نام مثل استعمال کرتے ہیں وہ برعکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق ہیں، امام عبدالبر جامع بیان العلم میں امام مالک کا عقیدہ بتاتے ہیں، عقائد میں گفتگو کرنا ناپسند کرتا ہوں، اور ہمیشہ ہمارے شہر مدینہ

(باقی حاشیہ ص ۶۹)

لیس کمثلہٖ شیئ اس کے لیے ذریعہ اتم ہے، ہاں اس کی تجلیات انوار مختلفہ اور صور کاملہ شمسیہ وغیرہ مین ہو سکتی ہے جن سے وہ ذات مقدسہ وراء الورا ہے، آفتاب آئینہ ہائے مختلفہ مین متجلی ہو سکتا ہے، اگر وہ اپنے مقام پر لاکھون میل دور ہے، یہ آئینہ مظہر شمس ہے عین شمس نہین، اس مظہر مین شمس حقیقی موجود نہین، اس کا عکس ہے، اس کے عکس کو عین شمس نہین کہہ سکتے جیسے غیر بھی من کل الوجوہ نہین کہہ سکتے، چونکہ ذات بلاکیف وبلاکم کا سمجھانا لوگون کو بالخصوص ابتدا مین مشکل ہوتا ہے، انوار وغیرہ سے درکرمین استقرار کرایا جاتا ہے ؎

ہست رب الناس را با جان ناس اتصالے بے تکیف بے قیاس

(بقیہ حاشیہ ص ۶۸) کے علما ء اس کو ناپسند کرتے رہے ہین اور اس سے روکتے رہے ہین، مین بحث ومباحثہ ان امور مین ناپسند کرتا ہون، جن کے تحت مین کوئی عمل ہو لیکن خدا کے متعلق عقائد اور خود خدا کی ذات مین سکوت میرے نزدیک پسندیدہ ہے، امام طریقت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہین وعلی المومن اتباع السنۃ والجماعۃ فالسنۃ ما سنہ رسول اللّٰہ صلعم والجماعۃ ما اتفق علیہ اصحاب رسول اللّٰہ صلعم فی خلافۃ الائمۃ الاربعۃ الخلفاء الراشدین (غنیۃ الطالبین) مفہوم یہ ہے کہ مومن پر واجب ہے کہ سنت والجماعت کی پیروی کرے، سنت تو وہ ہے جو آنحضرت صلعم کا طرز عمل اور روش تھی، اور جماعت وہ کہ جس پر اصحاب رسول اللّٰہ صلعم خلفاء اربعہ کے زمانہ مین متفق رہے، چنانچہ علماء امصار اور جملہ اہل سنت اور ارباب سلوک کے عقائد ایک ہی ہین جسکو صاحب یامن المرتاض نے از صفحہ ۴ تا صفحہ ۹ ختم تک مفصل بیان کیا ہے، اور یہی وہ حقیقت ہے جس کی جانب حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے اپنے اس کرامت نامہ مین اشارہ فرمایا ہے، باقی معتزلہ کا یہ کہنا کہ صفات عین ذات ہین اور حنابلہ کا یہ اعتقاد کہ صفات غیر ذات ہین اور اشاعرہ وماتریدیہ کا یہ خیال کہ وہ نہ عین نہ غیر ہین، اجماع شریعت سے عدول اور خروج ہین تینون برابر ہین، اس لیے کہ ان مین شریعت نے کسی کی

(باقی حاشیہ ص ۷۰ پر)

آپ انشاء اللہ عالم اجل اور فاضل بے بدل ہین، آپ اس حقیقت پر پہنچکر اپنے قوی مدرکہ کو پوری تنزیہات و تقدیسات کے ساتھ عامل اور عالم کر سکتے ہین، وہ ذات بے چون و بے چگون مد کرین قائم رکھنی اور علیم بذات الصدور اور اقرب الیہ من حبل الورید اور وھو معکم اینما کنتم تصور کرنی آپ کے لیے مشکل نہین، اس کے احاطہ منزہ عن الاعراض والکیفیات کا تصور کرتے ہوئے ذکر نفی و اثبات محض مین جد و جہد فرمائین اور تدریجاً ترقی کرین، انشاء اللہ آہستہ آہستہ کامیاب ہون گے، وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ نہایت قوی وعدہ ہے، مایوس ہونا اس کی رحمت عامہ سے کفران ہے، اس فرصت کو غنیمت جانیے، اور نعمت اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ سے فیضیاب ہونے کی کوشش کیجیے، نعم المولی و نعم النصیر کی مدد ضروری ہے، بحرمتہ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وآلہ الامجاد۔

(۳) ہر شخص جس راستہ سے فیض یاب ہوا ہے، اس کا گیت گاتا ہے، اور اسی کا مداح و ثنا خوان ہوتا ہے، اور یہ اس کا فریضہ ہے ورنہ لطف خداوندی منحصر کسی خانوادہ اور کسی طریقہ مین نہین ہے، ہان ازمنہ مختلفہ مین اسی طرح تبدل ہوتا رہتا ہے، جیسا کہ کاشتکار کبھی کسی نالی سے پانی جاری کرتا ہے اور کبھی کسی نالی سے، فیض مبدا فیاض بھی اسی طرح الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۶۹) تصریح نہین کی ہے، خوب غور کر لیا جاوے،

جواب سوال نمبر ۳ کے متعلق مولانا سید محمد میان صاحب تحریر فرماتے ہین کہ صورت یہ ہوئی کہ باوجودیکہ احقر ۱۹۲۳ء مین بیعت ہوا تھا، مگر عرصہ تک یہی سمجھتا رہا کہ حضرت نے طریقہ مجددیہ مین بیعت کیا ہے، اس زمانہ مین علماء ہند کا شاندار ماضی جلد اول مرتب کیا جس مین حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہے، اس اس ترتیب کے لیے مکتوبات کی تینون جلدین اور اس سلسلہ کے اکابر کی تصانیف دیکھنی پڑین، حضرت مجدد صاحب نے اس زمانہ کے حیثیتون پر اپنے مکتوبات مین تنقید کی ہے، احقر نے بھی اس سلسلہ پر شاندار ماضی مین تنقید کی

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اپنے طریقہ کا گیت گاتے ہیں، وہ سچ فرماتے ہیں، ان کو وہاں ہی فیض اتم حاصل ہوا، اور اس زمانہ میں توجہ اور عنایات ازلیہ اس طرف بہت زیادہ مبذول تھی، مگر ہمیشہ نہ پہلے تھی اور نہ بعد کو ہوئی، ہمارے اسلاف کرام پر عنایات الٰہیہ سلوک چشتیہ میں بہت زیادہ مبذول ہوئیں، جو کہ ازمنہ اخیرہ میں دوسرے طرق میں اپنا مثیل نہیں رکھتیں، وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ ہم جملہ طرق اور انکے مشائخ کے سب کے دریوزہ گر ہیں، مگر اپنے باپ کا گیت گانا اس سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں جتنا کہ چچا تایوں حتیٰ کہ اجداد و کرام کا، جس کا کھائے اس کی گائے مشہور مثل ہے، ہمارے اسلاف کرام قدس اللہ اسرارہم اگرچہ سلوک چشتیہ میں بہت زیادہ چست و چالاک اور گامزن ہیں، مگر عمل کی حیثیت سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ ہی کے قدم بقدم ہیں ؎

درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

(بقیہ حاشیہ ص) کردی ہے ۱۹۴۲ء کی فرصت میں جب احقر کو موقع ملا کہ حضرت شیخ مدظلہ العالی سے استفادہ کرے تو حقیقت منکشف ہوئی کہ حضرت طریقہ چشتیہ میں تلقین فرماتے ہیں، بڑی ندامت ہوئی، چنانچہ احقر نے ایک عریضہ میں ندامت کو ظاہر کرتے ہوئے معذرت چاہی...... حضرت نے سکوت فرمایا اور شفقت بزرگانہ عتاب پر غالب آگئی، اس موقع پر ایک بات کا صاف کر دینا ضروری ہے وہ یہ کہ حسب تحقیق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ طریقہ چشتیہ میں وصول بطریق جذب ہوتا ہے بطریق سلوک نہیں اور یہ جذب برکت ہے اتباع سنت کی، کیونکہ اتباع سنت کا ثمرہ بوجہ تشبہ بالمحبوب کے محبوبیت عند اللہ ہے اور محبوبیت کے لیے جذب لازم ہے، یہی وہ حقیقت ہے جس کی جانب حضرت امام العصر دامت برکاتہم تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارے اسلاف کرام پر عنایت الٰہیہ سلوک چشتیہ میں بہت زیادہ مبذول ہوئیں جو کہ ازمنہ اخیرہ میں دوسرے طرق میں اپنا مثیل نہیں رکھتیں۔

(باقی ص ۲۰ پر)

یہ نعمت غیر مترقبہ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتی سے شروع ہوتی ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ پہلے نہ تھی یا دوسرے اس سے خالی تھے، مگر اعتبار غلبہ کا ہے، ہر طریقہ میں غلط کار، نقال، پست ہمت، روٹی کھانے والے نفس پرست، نام کے بندے ہم جیسے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے ظاہر بین طریقہ پر حرف اعتراض زبان پر لاتا ہے، مگر یہ غلطی ہے کسی ننگ اسلاف کی وجہ سے اسلاف پر تنقید نہیں کی جاسکتی، لہٰذا زمانہ موجودہ کے چشتیوں کی حالت سے نفس طریقہ پر حرف تنقید لانا غلط تھا، کسی مقصد یا حال میں ناکامی کا سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس شخص سے ارتباط اور تعلق پیدا کیا گیا ہے وہ بذاتِ خود نالائق اور سخت ناقص ہے، جو کہ واقعی امر ہے، نیز حسب ارشاد شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ "طرق الوصول الی اللہ بعدد انفس الخلائق" طبائع کا اختلاف پیدائشی بھی ہوتا ہے، بہر حال جد وجہد جاری رکھیں اور کسی کامل اور مکمل رفیق طریق کی تلاش کریں، ازمنہ موجودہ میں اگرچہ ان کی کمی ہے مگر معدوم نہیں، لایزال اللہ یغرس لھذا الدین غرسا (او کما قال) لاتزال طائفۃ من امتی الحدیث کسی ناقص کو چھوڑ کر کامل کو اختیار کرنا ممنوع نہیں، بلکہ یہی سمجھ کی بات ہے، اور اکابر نے ایسا کیا ہے۔

(۴) پاس انفاس میں کامیابی موجب صد شکر ہے، اللّٰھم زد فزد۔ بسط و قبض خلقت بشری کا تقاضا ہے، مایوس نہ ہونا چاہیے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ) امام العصر کا شعر در کفے جام شریعت الخ کہ اس موقع پر پڑھا اور نقل فرمانا بڑی معنویت رکھتا ہے اور ان ہی بزرگوں کا کمال ہے کہ سلوک نقشبندیہ و چشتیہ دونوں کو جمع کر کے ان کا عطر نکال لیا ہے۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ جس طریقہ سلوک سے وابستہ ہو تعلیم بھی اسی طریقہ کے مطابق رکھی جائے، تاکہ نسبت بھی اس طریقہ کی باقی رہے کسی حد تک یہ بات صحیح ہے لیکن مقصود نہیں، کیونکہ مقصود رضاء الٰہی اور خوشنودی باری ہے، یہ جب (باقی صفحہ ۶۳ پر)

(۵) سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تو مشائخ طریقت میں ہیں، درود شریف ان کے لیے خاص ہونے کے ساتھ ایصال ثواب بھی ان کے لیے ہو ہی جاتا ہے، بہر حال اگر آنحضرت علیہ السلام کے لیے کوئی خصوصی چیز ہدیہ کیجائے تو اس میں کلام ہی کیا ہے، جبکہ جناب علیہ السلام فرماتے ہیں۔

لا یحقرن جارۃ لجارتھا	اور پڑوسی کو ہدیہ دینے میں حقیر نہ جانے اگرچہ
ولو فرسن شاۃ	ایک ٹکڑا بکری کے کھر کا بھیجے (ترمذی)

اور مشہور مقولہ ہے "الھدایۃ علی قدر مھدیھا" تو کیوں قلت ہدیہ سے شرم آئے، آپ کا حصہ تو ہماری ہر عبادت میں لگا ہوا ہے، خواہ نماز ہو یا ذکر ہو، مالی عبادت ہو یا بدنی قلیل ہو یا کثیر، پھر اس میں لگ جائے گا اختیاری و اضطراری دونوں طرح سے،

بحمد اللہ میں ہر طرح خیر و عافیت سے مطمئن الخاطر ہوں، جب کبھی کوئی خیال آتا ہے تو معاً یہ آیت سامنے آجاتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ ع۲) سلوک سے حاصل ہو، اور تزکیہ و تطہیر قلب جس صورت سے ممکن ہو کرنا چاہیے، بفضل خدا زندگی کسی طریقہ میں منحصر نہیں ہے، بلکہ راستے مختلف ہیں، منزل ایک

(جواب نمبر۴) اس میں لفظ قبض و بسط استعمال فرمایا گیا ہے، جس پر صاحب عوارف اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح فتوح الغیب میں مفصل کلام فرمایا ہے، صوفیہ اسکو دو حالت سے تعبیر کرتے ہیں یعنی ترقی کے بعد بندہ پر خوف اور رجا کی حالت طاری ہوتی ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ خوف و رجا کا تعلق امر مستقبل سے ہے، اور قبض و بسط امر حاضر سے تعلق رکھتا ہے، قبض بسط سے زیادہ نافع ہے، کیونکہ بسط میں عجب کا خطرہ ہے۔

(جواب نمبر۵) مولانا سید محمد میاں صاحب کو یہ ہدایت تھی کہ ذکر شروع کرنے سے پہلے گیارہ مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب کیا جائے، اس پر مولانا موصوف نے

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا اور تو ٹھہرا رہ منتظر اپنے رب کے حکم کا تو تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے،
(   )

تو سکون ہو جاتا ہے، مار ۱۶۱ المولیٰ نعم المولیٰ۔

دو روز ہوئے ڈاکٹر کچو چھوڑ دیے گئے، وزن تقریباً ۴۰ پونڈ کم ہو گیا تھا، تبخیر وغیرہ کی شکایت تھی، وہ اور آر بیں، پنڈت اور ٹنڈن صاحب اور دوسرے پانچ چھ آدمی اے کلاس میں اس وقت تھے، جبکہ سابقہ سشن میں اسمبلی میں سوال اٹھا تھا، اور ابتک میں اس کلاس والوں کو گرمیوں میں باہر سونے کی اجازت ہے، اور غذا اور میووں وغیرہ میں مراعتیں ہیں، میرا ٹکٹ ابتک وہاں سے نہیں آیا، اگر آجاتا تو مجھکو بھی کچھ احتجاج کا موقع مل جاتا، حافظ صاحب اور گورنر جنرل صاحب، ابوجعفر صاحب اور دوسرے حضرات سے سلام مسنون عرض کر دیں، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ
(۱۳۶۲ھ)

مکتوب نمبر ۲۶

قاعدہ ہے کہ مہینہ میں کلکٹر معائنہ جیل کے لیے آتا ہے، ستمبر میں جب آیا تو نمبر ۲ میں جسمیں سی کلاس کے سیاسی قیدی ہیں اور نمبر ۹ و ۱۰ میں جن میں ۱۲۹ اور ۲۶ کے غیر مسلم سیاسی قیدی ہیں، دیواروں پر انگریزی میں لکھا ہوا تھا کہ "ہندوستان چھوڑ دو" اس پر وہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲) شبہہ پیش کیا کہ بارگاہ عظمت پناہ میں یہ ہدیہ بہت ہی کم ہے، کبھی کبھی ایصال ثواب کے وقت ندامت بھی محسوس ہوئی کہ این بضاعۃ مزجاۃ باآن بارگاہ عالی چہ نسبتے دارد؟

خفا ہوا اور کہہ گیا کہ لکھنے والون پر مقدمہ چلاؤ، تحقیقات ہوئی، چند شخصون نے اقرار کیا، ان پر مقدمہ چلایا گیا، اور ان کو دفعہ ۲۶ کے علاوہ ایک ایک سال کی قید کر دی گئی، اور وہ سی کلاس نمبر ۲ مین بھیجدیے گئے، اکتوبر مین جب آیا تو وہی عبارت لکھی بھی گئی، اور جب وہ نمبر ۲ مین آیا تو یہی آواز بلند بھی کی گئی، آواز بلند کرنے والے چھ آدمی تھے، اس نے چپ کرایا مگر وہ نعرے لگاتے ہی رہے، پھر جیلر اور سپرنٹنڈنٹ نے بھی چپ کرانا چاہا مگر انھون نے نعرے لگانے بند نہین کیے، وہ خفا ہوکر واپس لوٹ گیا، ہمارا حلقہ نمبر ۲ کے بعد اندر کو ہے، غصہ کی وجہ سے ہمارے حلقہ مین آیا، اس کے بعد وہ نمبر ۹ مین گیا، وہ لوگ جھنڈے کا گیت گا رہے تھے، اس نے کہا شور مت مچاؤ، وہ چپکے ہوئے تو پوچھا کون لوگ تلقین کر رہے تھے، دو آدمی آگے بڑھتے کہ ہم جھنڈے کا گیت گا رہے تھے، اس نے ان کو حکم دیا کہ ان کو تنہائی کی کوٹھری مین بھیجدو اور مقدمہ چلاؤ، اس کے بعد اس نے کہا کہ کون کون آگے آتے ہین، شور مچانے مین بیس آدمی آگے آگئے، ان سب کے نام درج کرالیے، اور حکم دیا کہ ۶ آدمی نمبر ۲ ان کو پندرہ پندرہ بید لگائے جائین، اور ان بیسون پر مقدمہ چلایا جائے، چنانچہ اسی وقت دفتر مین بیٹھکر پولیس کو بلوایا کہ باہر موجود رہے، اور مجسٹریٹ آئے اور مقدمہ دایر کیا جائے، چنانچہ سٹی مجسٹریٹ عبد القیوم خان لائے گئے، اور مقدمہ دائر کیا گیا، بحثین ہوئین، باہر سے کوئی وکیل کسی کا نہین لایا گیا، مجسٹریٹ نے فیصلہ چند آدمیون پر نمبر ۲ کے لیے پندرہ پندرہ بید کا، اور نمبر ۹ کے دونون لیڈرون پر بھی پندرہ پندرہ بید، اور ایک ایک سال قید کا، اور باقی ۲۰ پر صرف ایک ایک سال قید کا کیا، مگر ابھی تک ان مین سے کسی کو بید لگائی نہین گئی، ان لوگون نے تبدیلی مقدمہ کی درخواست کی کہ اس کلکٹر کے غیر زیر اثر مجسٹریٹ کے یہان ہمارا کیس ہو، مگر کلکٹر نے اجازت

نہیں دی، اب ان صاحبان کا مقصد اپیل ہے،

اس سے پہلے چند سیاسیون کو بید پندرہ پندرہ یا اٹھارہ اٹھارہ لگائی گئی ہیں۔ وہ وہ لوگ ہیں جن پر پولیس نے ایسی دفعات ہی عائد کی تھیں جس میں موجودہ آرڈی ننس میں سزائے بید مقرر ہے، تار کاٹنے، لائن توڑنے یا ان کی ترغیب دینے کا جرم، اس لیے ان کو بید لگائی گئی اور چھوڑ دیے گئے، مولوی غلام حسین اور شیخ انعام اللہ کا تو فیصلہ ہو چکا، اس کی نقل لیجئے اور کام کیجئے، مولانا بشیر احمد صاحب کے متعلق مولانا عبد الحلیم صاحب نے فرمایا کہ وہ گیا سے آگئے ہیں، اور اسی وجہ سے وہ گیا نہیں گئے، بنارس سے واپس ہو گئے مولوی حبیب اللہ صاحب کا خط بھیج چکا ہوں، مولانا اسمٰعیل صاحب کی رائے ہے کہ اپیل کے متعلق منشی حامد صاحب انشاء اللہ اچھا کام کرلیں گے، دیگر امور کے متعلق مولانا ابوالقاسم کل لکھ ہی چکے ہیں، اور اب ان کی دوسری تحریر زیادہ روشنی ڈالے گی،

حکیم صاحب کے مالی بار کا پورا خیال رکھیے، آپ فرماتے ہیں کہ روزہ بخشوانے گئے تھے نماز سر پڑ گئی، تو جناب حکم شرعی تو دونوں ہی کا ہے، دن کو روزہ رکھیے اور رات کو نماز پڑھو فرض اللہ علیکم صیامہ وسننت لکم قیامہ[1] الحدیث، دونوں کو ادا کرنا پڑیگا

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۲۷

...... میں غالباً اٹھارہ شوال سے پہلے دیوبند نہ پہونچ سکوں گا، محترمہ ہمشیرہ کے

---

[1] آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دن کے روزے تم پر فرض کر دیے اور میں نے تراویح کو سنت قرار دیا (حدیث)

عقد میں اس وجہ سے ہرگز تاخیر نہ فرمائیں، خیر البر عاجلہ، جسقدر سادہ اور سنت کے موافق ہو ضروری ہے، ہمارے لیے حضرت نانوتوی اور حضرت شیخ الہند قدس اللہ اسرارہما کے کارنامے مشعل راہ ہیں.........

ذکر بارہ تسبیح سب ایک مجلس میں ہونا ضروری ہے، نہ معلوم نفی اثبات یعنی ذکر لا الٰہ الا اللہ کے متعلق آپ کو کیا شبہ ہے، لفظ اللہ اللّٰہُ میں رفع ہی ہوگا، اور وہ بھی رفع معروف، اور ضرب حرف اول پر ہوگی، اور ثانی ساکن ہوگا، تیرھویں تسبیح میں ضرب پوری ہوگی، صرف اسم ذات ایک ہی مرتبہ ہوا کرے گا، ذکر پاس انفاس میں اس کا خیال رہے کہ زبان اور ہونٹ کو حرکت نہ ہو، سانس حسب معمول لیجائے، زور سے لینے میں خوف ہے کہ دماغ پر کچھ اثر ہو، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۲۸

مولانا احمد حسین صاحب لاہرپور ضلع سیتاپور کے نام

محترم المقام زید عنایتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا جماعت اور اذکار سے تغافل باعث افسوس اور تعجب ہے، ہمیشہ تکاسل اور غفلت کو حتی الوسع دور کرنے کی کوشش کیجئے، مردانہ وار ہمت ہونی چاہیے، یہ چند دنوں کی زندگانی ہے، اور پھر اس میں قویٰ کی طاقت اور بھی اقل ہے جس قدر بھی ممکن ہو زاد برائے راہ آخرت اس میں تیار کر لیجئے، محبوب حقیقی کے یہاں جاہ وعزت حاصل کر لیں، وہ کہتا ہے فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ، وہ حدیث قدسی میں فرماتا ہے، انا مع العبد اذا ذکرنی

وہ دوسری حدیث قدسی میں فرماتا ہے، من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعاً۔ الحدیث

یقین میدان کہ آن شاہ نکونام — بدست سر بریدہ می دہد جام

الحاصل ہمت بلند رکھیے، غفلت پر لعنت کیجیے، جس قدر ممکن ہو اپنے سانس اور اعضا وارکان کو پروردگار حقیقی کے نام لینے میں صرف کیجیے،

ع "من نکردم شما حذر بکنید"

خدا کی رحمت سے ناامید مت ہوجیے، اس کی ستاریت اور سخاوت سے مغرور مت ہوجیے اور نہ اس کی پکڑ سے کسی وقت مطمئن ہوجیے، ؎

کارکن کار بگذر از گفتار — کاندرین راہ کار دارد کار

میرے محترم، جس طرح آپ پاس انفاس کرتے ہیں، یعنی باہر سے آنے والے سانس کے ساتھ لفظ اللہ پیدا ہو، اور اندر سے نکلنے والے سانس کے ساتھ ھو کا بلا صوت و حرکت جسمانی پیدا ہو، یہی معنی ارشاد مرشد کے بھی ہیں، غور کیجیے، اور یہی طریق عمل میں نے آپ سے عرض کیا تھا، اور یہی طریقہ مجھکو خود قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز مصنف ارشاد مرشد نے بتایا تھا، اسی پر عمل درآمد کیجیے، کتاب کو دیکھکر آپ کو بلا پوچھے عمل کرلینا بسا اوقات ضرر رساں ہوگا، لہذا اس سے اجتناب کیجیے، بوقت ذکر نور کا خیال چھوڑ دیجیے، وَالظَّاهِرُ وَالبَاطِنُ کا خیال رکھیے، یعنی باہر سے جانے والا سانس لفظ اللہ پیدا کرتا ہوا خبر دیتا ہے کہ مجھ سے باہر خداوند کریم (بلاجسم وجسمانیت وبلاکیف وکم وغیرہ) الہی صفات کمالیہ کے ساتھ متصف اور تمام صفت نقص سے منزہ ہوتا ہوا موجود ہے، اور اندر سے نکلنے والا سانس لفظ ھو پیدا کرتا ہوا خبر دیتا ہے کہ وہی ذات پاک بلاکیف وکم میرے اندر اور قلب میں موجود ہے، وہ نور اور نار اور حجاب حوادث سے پاک اور منزہ ہے،

وساوس اور خطرات جو کچھ پیدا ہوں ان کا خیال بھی نہ کیجئے، اپنے کام میں لگے رہیئے،

ذکر قلبی

روزانہ صبح کی نماز کے بعد یا تہجد کے بعد جس وقت بھی فرصت ہو اور دل لگے خالی جگہ پر بیٹھکر قلب کی طرف متوجہ ہوں اور تصور کریں کہ لفظ اللہ نہایت عاشقانہ بیچینی کے ساتھ دل سے نکل رہا ہے، کیونکہ سب کا محبوب حقیقی وہی ہے، اس میں حبس دم نہ ہو، اس مدت میں (پاس انفاس) کا خیال ترک کر دیجئے، وہ اپنی حالت پر حسب عادت جاری رہے۔ قلب کا خیال کیجئے، اور بجائے ایک تسبیح کے ۵ تسبیح بذکر قلبی کیجئے، انشاء اللہ کل کو شجرہ بھی روانہ کروں گا، گھر میں سے کہدیجئے کہ ان کو بیعت کر لیا گیا، نماز کی پابندی کا خیال رکھیں، شریعت مطہرہ اور سنت نبویہ کا جہانتک ہو سکے خیال رکھیں، حقوق العباد سے حتی الوسع بچیں، توبہ زیادہ کریں، صبح و شام الحمدللہ۔ سبحان اللہ۔ لاالہ الااللہ۔ اللہ اکبر ایک ایک تسبیح پڑھا کریں، اور ایک تسبیح درود شریف اللھم صل علی سیدنا ومولنا محمد والہ وصحبہ وبارک وسلم بعدد کل شی معلوم لک اور اسی طرح ایک تسبیح استغفار استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ دونوں کو صبح و شام پڑھا کریں۔

والسلام، از دیوبند ضلع سہارنپور آستانہ حضرت شیخ الہند مرحوم، ۱۲ صفر ۳۲۶ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۸) ذکر کی اہمیت پر قرآن و حدیث صحیحہ شاہد ہیں، ذکر قلبی کے بغیر ذکر کی لغوی و معنوی خوبی و حقیقت پائی نہیں جا سکتی، ذکر کے معنی یاد یا یادداشت ہی کے ہیں، کیونکہ جب کسی بھولی ہوئی چیز کو یاد کرنا ہوتا ہے تو اسکی طرف قلبی یا ذہنی طور پر متوجہ ہونا پڑتا ہے بس یاد نام ہے ذکر کا دل سے یاد کرنے یا توجہ باطنی کا۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ (وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے) یہ چیز بغیر ذکر لسانی کے مہارت بختہ نہیں ہوتی پھر لوگ کو بغیر حبس دم اور بغیر پاس انفاس کے صرف قلب کیطرف متوجہ ہوں، اگر حسب عادت جاری ہے تو قلب کی نگہداشت برابر رکھی جائے کیونکہ ذکر قلبی بغیر تکان نہیں رہتا ہے، اسلئے محققین صوفیہ پہلے اللہ کے نام کی یاد پھر بواسطہ نام کے ذات کی یاد اور پھر کو بلا واسطہ ذات کے ذکر کو تجویز فرماتے ہیں، اور یہی امام العصر کا بھی طریقہ ہے۔

مکتوب نمبر ۲۹

امور مستفسرہ کا جواب لکھتا ہوں، پہلے والا نامہ میں تحریر ہے کہ ذکر قلبی سانس کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ ابتدائی حالت ہے، آپ کو توجہ قلب کی طرف رکھنی چاہیے، اگر خود بخود سانس ذاکر ہو تو کچھ حرج نہیں، جو حالت دہلی میں ہوئی تھی اگر اس کی حفاظت کی جاتی تو قائم ہو جاتی، مگر افسوس کہ اسکی حفاظت میں کوتاہی ہوئی، خیر ذکر دوام انشاء اللہ العزیز مفید نتائج پیدا کرے گا، مایوس نہ ہونا چاہیے، خداوند کریم کارساز ہے، تدریجاً حالت درست ہوتی جائے گی ہمت عالی رکھنی چاہیے اور جفاکشی واستقلال ہاتھ سے نہ دینا چاہیے ؎

یقین می داں کہ آں شاہ نکونام | بدست سر بریدہ می دہد جام

اس عالم اسباب میں جو ثمرہ اپنی کوشش سے حاصل ہوتا ہے وہ دیرپا اور کثیر النفع ہوتا ہے، دوسری طرف متوجہ ہونے میں اگر بالفعل جریان ذکر نہیں ہوتا تو کچھ باک نہیں، آپ اپنی کوشش جاری رکھیے، خداوند کریم پوری طرح جاری کرا دیگا،

ع من نکردم شما حذر بکنید

شجرہ ارسال خدمت کر چکا ہوں، طریقہ وردو بھی عبارت سے سمجھ سکیں گے، اس کے پڑھنے کے بعد محبت، اغیار سے صفائی، اور انوار معرفت سے قلب کی روشنی اور حصول رضاء باری عزوجل کی دعا کریں، اور اس ناکارہ "ردسیاہ بدنام کنند و نکونامے چند" کو دعا کے ساتھ یاد کر لیا کریں، کیا عجب ہے کہ خداوند کریم آپ بھائیوں کی دعوات صالحہ کی برکت سے اپنے فضل و کرم کے سایہ میں لیلے، گھر کی بیماری باعث تفکر ہے، دعا کرتا ہوں خداوند کریم ان کو جلد صحت یاب فرمائے، آمین، اور آپ کے دینی اور دنیوی مقاصد کے حصول کیلیے بھی دعا کرتا ہوں، کہ اسکی

بارگاہ رب العزت میں مجھ جیسے گندہ کی دعا بمقام قبولیت کو پہنچ جائے۔

جن صاحب کے یہاں میلاد اور عرس ہوتا ہے اور چونکہ خلاف شرع ہوتا ہے اسلیے اولاً ان کی اصلاح ہونی چاہیے، اگر یہ ممکن نہین تو آپ ان کے ان افعال میں شرکت نہ فرمائیں، ہاں اگر ظن غالب ہو کہ وہ لوگ اس کی وجہ سے آپ کی ایذا کے درپے ہوں گے یا تعصب وغیرہ مین پڑ کر اس سے زاید گناہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یا مسلمانون مین افتراق کا زہریلا بازار گرم ہو جائے گا تو شریک ہو جانا جائز ہے[1]۔

---

[1] اس مکتوب گرامی مین حضرت امام العصر نے عجیب حکیمانہ فتوی دیا ہے، اور صدہا مسائل اعتقادی کا جو حل تجویز فرمایا ہے اس سے انکار منکر کے چار درجے سمجھے جا سکتے ہیں، اور جس میں فرق نہ کرنیکی وجہ سے بہت سے مدعیان اصلاح وارشاد کو ٹھوکریں کھانی پڑیں، ہم ذرا اس کو اور صاف کرنا چاہتے ہیں تاکہ حضرت کے مدعا کو سمجھنے مین زحمت اٹھانی نہ پڑے، سوچنا چاہیے کہ انکار منکر کا پہلا درجہ یہ ہے کہ منکر کو زائل کر کے اس کی جگہ معروف کو قائم کر دیا جائے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ منکر کو بالکلیہ زائل نہ کیا جا سکے تاہم اس کو گھٹا دیا جائے، تیسرا درجہ یہ ہے کہ ایک منکر کو اس طرح مٹا دیا جائے کہ ویسا ہی دوسرا منکر اس کی جگہ قائم ہو جائے، چوتھا درجہ یہ ہے کہ ایک منکر کو مٹانے کی کوشش مین اس سے بدتر منکر قائم ہو جائے، ان میں تو پہلے دونوں درجے تو مشروع ہین اور جب ان دونوں میں سے کسی کی امید ہو تو انکار منکر ضرور کرنا چاہیے، تیسرے درجے میں اجتہاد کا موقع ہے، رہا چوتھا درجہ تو وہ ممنوع ہے، مثال کے طور پر اگر تم دیکھو کہ اہل فجور وفسوق شطرنج کھیل رہے ہیں، تو ان کو محض زجر وتوبیخ کرنا حکمت اور بصیرت کے خلاف ہو گا۔ عقلمندی یہ ہے کہ ان کو ایسے کھیل میں لگاؤ، جو خدا ورسول کو پسند ہے، مثلاً تیراندازی اور گھوڑدوڑ وغیرہ۔ ایک جگہ تم دیکھتے ہو کہ فساق وفجار کا مجمع ہے اور لہو ولعب ہو رہا ہے، یا رقص وسرود کی محفل گرم ہے۔ اگر تم ان کو کسی تدبیر سے عبادت یا فعل خیر کی طرف منتقل کر سکتے ہو تو ضرور کرو، لیکن اگر ان کو منتشر

(باقی ص ۸۲ پر)

اپنی جائداد کا انتظام نہایت بیداری اور جفاکشی سے کیجئے، تاکہ قرضہ بھی ادا ہو اور سرمایہ کی ترقی ہو، کارکنان اور ملازموں پر بھروسہ کرنا اور خود غافل ہو جانا بہت سے رؤسا کو برباد کرچکا ہے، انسان کو توکل[1] کرتے ہوئے سمجھ بوجھ کے ساتھ اپنی معیشت کے اسباب درست کرنا اور خداوند کریم

(بقیہ حاشیہ ص ۸۰) کردینے کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ اس سے بدتر کاموں کیلیے فارغ ہو جائیں تو انکو اسی چھوٹے درجہ کے فسق میں مبتلا رہنے دینا زیادہ بہتر ہے، کہ وہ چھوٹی برائی ہی انکو بڑی برائی سے روکے ہوئے ہے، ایک شخص کو تم دیکھتے ہو افسانہ مزاح کی کتابیں پڑھ رہا ہے، اگر اسکو ایسی چیزوں کے مطالعہ سے منع کرنے کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ بدعت اور گمراہی اور سحر کی کتابیں پڑھنے لگے تو اسکو افسانہ مزاح ہی میں چھوڑ دینا اولیٰ ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ تاتار کے زمانہ میں میرا گذر تاتاریوں کے ایک گروہ پر ہوا، جو شراب نوشی میں مشغول تھا، میرے ساتھیوں نے ان کو ملامت کرنی شروع کی، مگر میں نے ان کو روک دیا، اور ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ ذکر اللہ اور نماز سے روکتی ہے، مگر یہاں شراب انکو قتل نفوس اور نہب اموال اور ظلم وستم سے روکے ہوئے ہے، لہٰذا ان کو ان کے حال ہی پر چھوڑ دو۔ اس تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے ساتویں صدی کے شیخ الاسلام اور چودھویں صدی کے شیخ الاسلام و امام العصر کے توافق اصلاح پر غور کرو" ہاں اگر ظن غالب ہو کہ وہ لوگ اس کی وجہ سے آپ کی ایذا کے درپے ہوں گے یا تعصب وغیرہ میں پڑ کر اس سے زیادہ گناہ میں مبتلا ہوجائیں گے یا مسلمانوں میں افتراق کا زہریلا بازار گرم ہو جائیگا تو شریک ہونا جائز ہے" تو معلوم ہوگا کس قدر حکیمانہ فیصلہ اور عارفانہ نکتہ ہے، اگرچہ یہ فتویٰ ہر دکاندار صوفیوں اور ملاؤں کا کام نہیں ہے، بلکہ ان علماء حق کا فریضہ ہے جو علم وعمل کیساتھ معرفت وخداشناسی کے امام ہیں۔

(حاشیہ ص ہذا) [1] خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے، اور محض اسباب پر تکیہ نہ کرنا چاہیے۔ اللہ کی قدرت اسباب کی پابند نہیں، البتہ اسباب اس کی مشیئت کے تابع ہیں، یہی صحیح توکل ہے، اسی کی جانب امام العصر نے ایک خاص انداز میں اشارہ فرمایا ہے۔

سے غافل نہ ہونا ضروری امور ہین،

وضو مین مسواک کسی لکڑی کی ہو جائز ہے، اگرچہ لکڑیان جن مین کڑواہٹ یا بکھٹاپن ہو زیادہ مفید تر ہوتی ہین، اس لیے ان کا استعمال انسب ہے پیلو کی مسواک سب سے افضل ہے، مگر دوسری لکڑیان بھی جائز ہین، شب کو اور قیلولہ کے وقت مین اگر ممکن ہو تو وضو ورنہ تیمم کرکے سوئین، لیٹنے کے لیے یہ ہے کہ داہنی کروٹ پر قبلہ رو لیٹین، یہ حالت ابتدائی ہے، پھر جس طرف بھی انسان کروٹ بدل لیگا جائز ہو جائیگا،

دوسرے والانامہ کا جواب

شجرہ کا ورد[۵] بہتر ہے، جس وقت فرصت ہو کرلیا جائے، نماز باجماعت اور تہجد کی مداومت

[۵] "شجرہ کا ورد بہتر ہے" ممکن ہے حضرت امام العصر کے اس فقرہ پر کسی کو کچھ شکوک وشبہات پیدا ہون، سو انھین معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح فن حدیث مین سند ایسا علم ہے کہ صرف اسی کے ذریعہ ہر دینی کام کی نسبت پیغمبر صلعم تک صحیح طور پر معلوم کی جاسکتی ہے، ٹھیک اسی طرح سلاسل صوفیہ و شجرہ کے ذریعہ سلوک وتصوف جسکو حدیث جبرئیل مین احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے، جانا اور پوچھا جاسکتا ہے، اس مین بھی یہی ہوتا ہے، مثال کے طور پر سمجھیے کہ ہمین ایک بزرگ سے بیعت ہے، اس بزرگ کو دوسرے بزرگ سے، اور یہ سلسلہ آخر مین اس بزرگ پر منتہی ہوتا ہے جس کے نام سے وہ سلسلہ مشہور ہے، حدیث مین بھی تو یہی ہوتا ہے، چنانچہ اہل نظر واقف ہین کہ جب حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ نیشاپور تشریف لے گئے تو حافظ حدیث امام ابوزرعہ وامام ابومسلم طوسی نے خدمت مین حاضر ہو کر امام ممدوح کے آبا واجداد کرام کے سلسلہ سے روایت حدیث کی درخواست کی، حضرت ممدوح نے اپنے والد ماجد سے لیکر رسول اللہ صلعم تک مرفوعاً روایت کی، جب شمار اہل محابر ودوات دین کا کیا گیا تو بیس ہزار اشخاص وہان حاضر پائے گئے، چنانچہ اسی سند کے متعلق امام الجرح والتعدیل

نعمت الٰہی ہے، اور ذکر کی مداومت حتی الوسع جی لگا کر نہایت ضروری امر ہے، بلا عذر ناغہ نہ کیجیے،
قضا عمری پڑھنا بہت زیادہ ضروری امر ہے، آپ نے بہت اچھا کیا کہ نوافل کو ترک کر کے اسمین
اشتغال کیا، خداوند کریم توفیق عطا فرمائے،

اثناء ذکر وغیرہ مین وساوس کی وجہ سے ہرگز مت گھبرایئے، اپنا کام کیے جایئے، اور کوشش
کیجیے کہ حتی الوسع جی اسی طرف لگا رہے، یہ زمانہ بیماریون کا بھی ہے، دنیاوی مصائب سے گھبرانا
نہین چاہیے، نہایت استقلال سے خداوند کریم کی طرف لو لگانا چاہیے، قرضہ سخت مصیبت ہے،
خصوصاً سودی تو زہر قاتل ہے، اگر ممکن ہو تو کچھ حصہ جائداد کا کسی مسلمان کے ہاتھ فروخت کر کے
اس سے سبکدوشی اختیار کیجیے، اگر مسلمان خریدار نہ پیدا ہو تو کافر ہی کے ہاتھ فروخت کرین اور
ہمیشہ احتیاط رکھین کہ قرضہ خصوصاً سودی ہرگز نہ لین، والسلام

از دیوبند ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہ

(بقیہ حاشیہ ص ۸۰) حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہین، "ولو قری ھذا الاسناد علی مجنون لافاق من جنونہ" ظاہر ہے کہ اس اسناد مین ایسے بزرگون کا نام نامی واسم گرامی ہے کہ جس کی برکت مسلم ہے، ضرور اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے مجنون کو فائدہ بخشے گا، چنانچہ اسی بناء پر حسب قول امام ابوالقاسم قشیریؒ جب یہ سند بعض امراء سامانیہ تک پہنچی تو انھون نے اس کو آب زر سے لکھا، اور وصیت کی کہ ان کے ساتھ اسکو بھی قبر مین دفن کر دیا جائے، چنانچہ ایسا کیا گیا اور پھر ان کو خواب مین مرنے کے بعد دیکھا گیا اور پوچھنے والے نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا کہا مغفرت فرمائی، اور، ہ المناوی فی شرحہ الکبیر علی الجامع الصغیر قبر میں شجرہ رکھنا بہتر نہین ہے، البتہ شجرہ کا ورد برکت کے لیے صوفیہ نے جائز رکھا ہے، اسی کو حضرت امام العصر نے بہتر فرمایا ہے،

مکتوب نمبر ۳۰

مردہ بچہ کی ولادت کی کیفیت معلوم کرکے صدمہ ہوا، میرے محترم! اولاد کی محبت یوں تو طبعی ہے، مگر یہ طبعی بات بھی عقل کے ذریعہ سے زیادہ تر اثر پذیر ہوتی ہے، چونکہ اولاد سے مختلف قسم کے منافع دنیویہ کی امید ہوتی ہے، اس لیے ان کے مرنے سے بہت زیادہ صدمہ ہوتا ہے، مگر ذرا عقل کو کام میں لایا جائے تو مرنا اور خصوصاً اس زمانہ میں زندہ رہنے سے زیادہ خوشی کا باعث ہے، زندہ رہنے والی اولاد بہت سے بہت دنیاوی زندگی میں کارآمد ہو سکتی ہے، یہ بھی اس وقت ہے جبکہ اولاد صالح اور قابل ہو، (جو کہ اس زمانہ میں بہت شاذ و نادر ہے) دیکھا یہی جاتا ہے کہ اولاد بڑے ہونے کے بعد بھی ماں باپ کے لیے سوہان روح رہتی ہے، مگر ذرا مرنے والی نابالغ اولاد کی طرف نظر اٹھائیے، حسب ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ نہایت صحیح اور مستند احادیث اور عرض آیات کے مضامین سے مفہوم ہوتا ہے، نابالغ مرجانے والے بچے ماں باپ کے لیے دوزخ سے بچالینے والے اور حجاب ہوں گے، یہاں تک فرمایا گیا کہ جو حمل ساقط ہوگیا ہو وہ بھی اپنے ماں باپ کے لیے خداوند کریم سے جھگڑا کرے گا اور بالآخر رحمت الٰہی حاصل کرکے اس خطاب کا مستحق ہوگا ایھا السقط المراغم ربہ اخرج ابویک من النار۔ یعنی اے ساقط ہوجانے والے حمل اپنے پروردگار سے بہت جھگڑنے والے جا اور اپنے ماں باپ کو دوزخ سے نکال لے، اس مضمون کی بکثرت احادیث موجود ہیں، جن میں صبر اور شکر کی بھی بعض مقام پر شرط ہے، اب خیال کیجئے کہ آخرت کی زندگی ایک پائدار اور ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی ہے، اس کے حصول کے لیے یہ مرجانیوالی اولاد بالخصوص جبکہ صبر اور شکر سے کام لیا گیا ہو، تریاق کا کام دینے والی ہے، اور آخرت کا عذاب وہ عذاب ہے کہ دنیا کی جملہ انواع کی تکالیف ایک طرف اور آخرت کے عذابوں کی ایک قسم کی تکلیف چند منٹوں

کی ایک طرف ہو تو یہ آخرت والی تکلیف اس پر بالا ہو جائے گی، اور یہ مرجانے والی اولاد آخرت کے جملہ عذابوں سے بچانے والی ہے، لہذا مین تو سمجھتا ہوں کہ اگر کسی کو دنیا مین بچپن مین ایک یا زیادہ اولاد کے مرجانے کی صورت پیش آگئی ہو تو اس کو بہت خوش ہونا چاہیے، کہ الحمد للہ ہماری مغفرت کا سامان خداوند کریم نے پیدا کر دیا، اور یہ اولاد ہماری پیش خیمہ بنکر ہم سے پہلے بارگاہ الٰہی مین پہنچ گئی، ہمارا خاتمہ خداوند کریم ایمان پر کردے تو اس سے بڑھکر ہمارے لیے کوئی نعمت نہین ہو سکتی، ایسی نعمت پر اولاد کو دنیا مین باقی رہنے کی نعمت ہزار مرتبہ قربان ہے، الحاصل عقلمند مسلمان کو تو یہان فقط خوش ہونے کا مقام ہے،

(۲) بات غور کی یہ ہے کہ اگر کوئی ہمارے پاس امانت لاکر رکھتا ہے تو ہم پر بہت بڑی ذمہ داری پڑ جاتی ہے، اور جب تک اس کی امانت اس کو ادا نہین کر دیجاتی جبتک بوجھ ہلکا نہین ہوتا جب ادا ہو جاتی ہے تو سمجھ دار اور امانت دار طبیعتین بہت زیادہ خوش اور ہلکی ہو جاتی ہین، اور یہ خیال کرتی ہین کہ آج ہمارے سر سے بہت بڑے پہاڑ کا بوجھ اتر گیا، اسی بنا پر وہ حمد و ثنا بھی کرتی ہین، ہاں دروغ گو بے اطمینان، خائن طبیعتین رنجیدہ ہوتی اور آہ واویلا کرتی ہین، ہم کو جو کچھ اس دار فانی مین عطا کیا گیا ہے، وہ سب خداوند کریم کی امانت ہے، خصوصًا اولاد جن کی پرورش، تعلیم وغیرہ ہم پر لازم ہوتی ہے، اور کمی کرنے کی صورت مین مواخذہ کا کھٹکا ہر وقت سر پر ہے، اس امانت کا رکھنے والا جب اپنی امانت کو واپس لے لیتا ہے تو ہم اگر رنجیدہ خاطر ہون تو آپ ہی فرمائین کہ خائن کہلانے کے مستحق ہون گے یا امانت دار، اور کیا ہم عتاب کے مستحق ہون گے یا ثواب کے؟

افسوس ہے ہم کس شدید اور قبیح غلطی مین مبتلا ہین، ہم امانتون کو اپنی ملک اور کفران نعمت کو شکر اور احسان کو کفران سمجھ رہے ہین، غرضکہ ہمارے لیے اولاد کے مرنے پر خوشی کا مقام تھا

رنج کرنا سراسر غلطی اور قبیح ہے، امانت رکھنے والے نے جو امانت باقی رکھی ہے اس کی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اس کا . . . . . . اور جس امانت کو ہم سے واپس لیکر ہمارے بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے اس کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہیے،

(۳) بندہ اور غلام کا فرض یہ ہے کہ اپنے آقا کی خوشی اور اس کی رضا میں فنا ہو، دن رات یہی دھن رہنی چاہیے، اور جس بات میں اس کا آقا خوش ہو اسی کی دن و رات کوشش کرنی چاہیے، ورنہ برابری اور ہمسری کا دعویٰ شمار ہوگا کسی اعتراض کو جگہ دینا، یا دل کا غم آلود ہونا بندگی اور عبدیت کے بالکل ہی خلاف ہے، پس جبکہ کسی بچے یا کسی نعمت کو آقا نے ہم سے لے لیا تو اس کے اس فعل سرتاپا حکمت پر صدمہ یا ناراضی کا اظہار ہونا نہایت زیادہ بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے، ہمارا فرض یہی ہے کہ دل اور زبان سے یہی کہیں ع

راضی ہیں ہم اسی میں خدا جس میں ہے تیری رضا

ہم کو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کا مصائب کے وقت میں خاص طور سے اتباع کرنا ضروری ہے، انھوں نے اس وقت میں نہایت صبر و استقلال سے کام لیا ہے، آپ دونوں صاحبوں کو بھی یہی چاہیے، ان اسلاف کرام کا اتباع باعث رحمت ہے، دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لیے فجر کے فرض اور سنت کے درمیان میں چالیس دفعہ سورہ فاتحہ اول و آخر درود شریف تین بار پڑھ لیا کریں۔ والسلام۔ از سلہٹ خلافت آفس، ۹ر رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۰) ام سلمہ، زینب، رقیہ، کلثوم اور محمد کریم کے پیہم انتقال کے بعد محمد نعیم ۸ ماہ کا سیتاپور اسپتال میں پیدا ہوا، اور عدم سے عالم وجود میں آتے ہی ایک چیخ کے ساتھ اپنے بھائی بہنوں سے جا ملا، اسپتال میں یہ ۸ ماہ بجید تکلیف اور پریشانی میں کاٹے گئے، گھر میں بجید کمزور تھیں، اور ہر وقت قلب بند ہو جانے کا

(باقی حاشیہ ص ۸۸ پر)

مکتوب نمبر ۳۱

محترما! آپ کا ارادہ حضوری حرمین شریفین اور قیام مدینہ منورہ زیدہ شرفاً بہت ہی نیک فال اور مبارک امر ہے، کون مسلمان ہے جو ایسی مبارک بات پسند نہ کریگا، مگر ضروری ہے کہ انجام اور احوال پر غور کر لیا جائے، ہندوستان میں رہتے ہوئے شوق مدینہ منورہ میں بیقرار رہنا اور اسی عشق میں مرنا ہزار مرتبہ بہتر اس سے ہے کہ مدینہ منورہ میں رہ کر ہندوستان کے لیے بیچینی ہو،

میرے محترم! مدینہ منورہ میں بہت سی سختیاں پیش آتی ہیں، جن پر صبر کرنا مشکل ہو جاتا ہے عالی ہمت اور مستقل الارادہ حضرات پھسل جاتے ہیں، پھر عورتوں اور بچوں کا قائم رہنا نہایت ہی دشوار اور مشکل امر ہے، آج وہاں کی سختیوں کی یہ حالت ہے کہ پشتہا پشت سے وہاں کے باشندے دوسرے ملکوں میں مارے مارے پھرتے ہیں، آپ کی جائداد مقروض ہے اور پھر وہ قرضہ سودی ہے، اس کا ادا کرنا بہر حال نہایت ضروری ہے، اور جلد از جلد جس طرح بھی ممکن ہو عمل میں لانا چاہیے، اور آئندہ عہد کر لینا چاہیے کہ کیسی بھی ضرورت ہوگی قرضہ اور خصوصاً سودی قرضہ ہرگز نہ لوں گا، اس کے بعد اگر حج فرض ہے تو حج کے ادا کرنے کا ارادہ کیجئے، یعنی اگر جائداد کی آمدنی آپ اور آپ کے متعلقین کے سالانہ اخراجات سے زائد ہوتی ہے، یا آپ کے پاس اتنا نقد یا زائد سامان موجود ہے کہ جس سے مکہ معظمہ کا سفر ہو سکتا ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۸۷) خطرہ تھا، خود لیڈی ڈاکٹر انکی زندگی سے تقریباً مایوس ہو چکی تھی، بچہ کے مرنے سے انکی صحت پر اور زیادہ برا اثر پڑا ہی، میں نے انتہائی پریشانی میں حضرت مدظلہم کی خدمت میں عریضہ ارسال کی بہ ثبت صحیفہ گرامی شرف صدور لایا۔ احمد حسین لاہر پوری

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۱) ۱۳۴۷ھ میں مجھے نہایت جوش تھا کہ کسی طرح مدینہ منورہ (زادہ اللہ شرفاً و تعظیماً) مع متعلقین

(باقی ص ۸۹ پر)

توزاید جائداد کو بیچکر یا زائد نقود کو لیکر حج کرائیں اور وہاں جاکر چند مہینہ قیام کرکے نشیب و فراز پر غور کیجئے، اور اس کو خوب بچشم کر ملاحظہ کیجئے، پھر اگر ہمت پڑے تو وہاں جاکر قیام کا ارادہ کیجئے، پھر بھی تجربہ کی نیت مت کیجئے، مگر تمام جائداد کو بیچکر جانا یا رہن رکھکر جانا یا منو کلانہ زندگی وہاں بسر کرنے کا خیال کرنا میری سمجھ سے باہر ہے، آپ بذات خود اگر ایسا یقین وایمان رکھتے ہیں کہ ذرا بھی قدم پھسل نہیں سکتا تو مجھکو ہرگز اطمینان نہیں کہ عورتیں اور بچے ایسا یقین رکھیں گے۔

ع کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مجاورت مدینہ چھوڑدیا، ہزاروں صحابہ کرام اور کروڑوں اولیاء اللہ غیر عرب میں ہوئے اور وہیں مرے، کیا ان کو عشق نبوی نہ تھا؟ کیا ان کو ایمان اور غیرت ایمانی نہ تھی، وہاں رہنا فرض نہیں واجب نہیں، مقصود اصلی رضاء الٰہی ہے، جہاں بھی حاصل ہو جائے وہیں کار آمد ہے، اور اگرچہ ہمارا مرقد حجرہ شریف مطہرہ میں ہے اور خدا نخواستہ رضاء الٰہی اور مغفرت کا سامان نہ ہو تو وہ ذرہ برابر قابل اعتبار نہیں،

میرے محترم! اس فضیلت یا سنت کو حاصل کرکے فرائض اور واجبات کو ترک کریں، یا محرمات اور مکروہات کا ارتکاب کریں، کس شریعت میں جائز ہے؟ لوگوں کی طرف ہاتھ پھیلانا ریاستوں یا اہل دنیا سے قرض لینا، جائداد کو دوسروں کے رحم وکرم پر چھوڑنا وغیرہ امور کسی طرح بھی میری سمجھ ناقص میں نہیں آتے، حیدرآباد میں منتظم صاحبان سے کوئی امید ہو سکتی ہے اور نہ دوسرے رؤسا یا ارباب ہمم سے کوئی فائدہ حاصل ہونا ممکن معلوم ہوتا ہے ؎

کعبہ ہیہ می داری چہ کشی رنج بادیہ ‏ ‏ کعبہ است کوئے دلبر قبلہ است روئے دوست

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ماں کی اطاعت وخدمت میں حضور گاہ نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ترک کر دیتے ہیں، اور عشق وجذب نبوت کی واقعی داد دیتے ہیں، سید الاولیاء والاصفیاء

ہوتے ہیں حضرت عمرؓ جیسے صحابی کو اُنسے دعا حاصل کرنیکا ارشاد ہوتا ہے، حالانکہ رویت نبوی سے ممتاز نہ ہوئے تھے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است　　از ہزاران کعبہ یک دل بہتر است

میرے محترم! خانہ کعبہ کی زیارت مقصود اور مقدم نہیں صاحب خانہ کی زیارت مقصود و مقدم ہے، آپ اس کوشاں ہوجیے ؎

نازپروردہ تنعم نبرد راہ بدوست　　عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

کوشش کیجئے، اصلاح باطن میں دن رات صرف کیجئے، پھر دار و دیار کا بھی قصد کیجئے، وساوس میں مت پڑیئے، وقت اور عمر عزیز ضائع نہ کیجئے ؎

ہر نفس بہرت مسیحائیست چست　　گر نداری پاس او از اہل سست

این چنین انفاس خوش ضائع مکن　　غفلت اندر شہر جان منشائع مکن

من نکردم شما حذر بکنید۔ والسلام۔ از دیوبند۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳) ۱۳۴۴ھ میں مجھے نہایت جوش تھا کہ کسی طرح مدینہ منورہ (زادہ اللہ شرفاً وتعظیماً) مع متعلقین حاضر ہوجاؤں، اور وہیں پر متوکلانہ زندگی بسر کروں۔ میں نے عزم ارادہ کرلیا تھا کہ کل جائداد فروخت یا رہن کرکے میں ہندوستان سے ہجرت کرجاؤں، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ شریف مکہ اور سلطان ابن سعود کا باہمی آویزش اور جنگ کیوجہ سے مدینہ منورہ کی آبادی ناقابل برداشت سختیاں برداشت کر رہی تھی، اور وہاں کے باشندے دوسرے ملکوں کو ہجرت کر رہے تھے، میں نے اپنے اس ارادہ کا اظہار حضرت والا دامت برکاتہم سے کیا، جس پر یہ صحیفۂ برکت شرف صدور لایا، فقط احمد حسین، لاہرپوری،

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ قبیلہ مراد سے تھے، جو مذحج کی ایک شاخ ہے، عہد رسالت میں موجود تھے، اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت کی وجہ سے، جو نابینا تھیں، دربار نبوی صلعم میں حاضر نہ ہوسکے، اس وجہ سے صحابیت کے زمرہ سے محروم رہے، لیکن باتفاق صلحاء اور صوفیہ کرام ان کا درجہ زہد اور تقویٰ کے لحاظ سے

(باقی ص ۹۱ پر)

مکتوب نمبر ۳۲

ذکر جو کچھ کرتے ہیں برابر کرتے رہیے، واقعہ یہ ہے کہ ذکر کرتے کرتے جب چھوڑ دیا جاتا ہے تو قلب میں ایسی قساوت پیدا ہوجاتی ہے کہ اس کے بعد ذکر کرنے میں پہلی حالت زیادہ دنوں میں عود کرتی ہے، ہاں اگر انسان کے باطنی اجزاء ذکر سے پوری طرح رنگین ہوچکے ہوں تو پھر ترک کرنا مضر نہیں ہوتا، بلکہ وہ ترک نہیں ہوسکتا، دوسری بات یہ ہے کہ ذکر میں مختلف افکار وخیالات کا چھا جانا ذکر کی برکت اور اس کے اثر کو کم نہیں بلکہ بسا اوقات بالکل زائل کر دیتا ہے، اس لیے آپ کو

(بقیہ حاشیہ ص ۹۰) تابعین میں سب سے بہتر ہے، علقمہ کا بیان ہے کہ تابعین میں آٹھ اشخاص میں سے اویس ہیں جن پر زہد منتہی ہوگیا، ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ اویس ثقہ ہیں گو ان سے کوئی حدیث مروی نہیں لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اویس کو باصطلاح محدثین فی اسنادہ نظر لکھکر مجروح کیا ہے، امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ اویس نے تو کوئی روایت ہی نہیں کیا ہے، جو انکی ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کی بحث اٹھائی جائے، اگر امام بخاری نے انکو ضعفا میں نہ لکھا ہوتا تو میں قطعاً اس کا ذکر ہی نہ کرتا، کیونکہ وہ اولیاء صادقین میں سے ہیں، امام مالک وغیرہم حضرت اویس قرنی کے منکر ہیں، لیکن بقول امام ذہبی علم عدم علم پر مرجح ہے، ممکن ہے ان منکرین کو انکی بابت علم نہ پہنچا ہو، حالانکہ اسیر بن جابر کی روایت مسلم میں تین طرق سے مروی ہیں، جو اویسؓ کے وجود پر سب سے زبردست شہادت ہے۔ بہرکیف بزرگوں سے دعا کی درخواست کرنا حتی کہ بڑوں کا چھوٹوں سے دعا کرانا محمود طریقہ ہے، اور بڑوں سے دعا کی درخواست کرنا تو عام بات ہے، اجابت دعا سب سے بڑی کرامت ہے مستجاب الدعوات بزرگوں کی ایک لمبی فہرست ہے، جو انبیاء سابقین اور اولیاء صالحین گذر چکے ہیں ان کے متعلق آنحضرت صلعم کے ارشادات کافی سے زیادہ موجود ہیں، توریت، انجیل، زبور میں انکی حکایتیں موجود ہیں، البتہ ارباب سلوک اس امر میں مختلف ہو گئے ہیں کہ دعا کرنا بہتر ہے یا سکوت اور تفویض۔ ترجمان عوارف کا فیصلہ یہ ہے کہ مطلقاً ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جائے

(باقی ص ۹۲ پر)

استقلال کے ساتھ کاربند رہنا چاہیے، اور ذکر کرتے وقت حتی الوسع حدیث نفس اور خیالات دنیا کو زائل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، خدا کو منظور ہے تو اثر ظاہر ہوگا، تاہم مقصود محض ذات الٰہی اور اس کی رضا ہونی چاہیے، کوئی لذت روحانی یا مرتبہ معنوی وغیرہ کا طلب کرنا درست نہیں سب کے زیر لا کھینچنا چاہیے، اور الا اللہ کا مقصد زیر نظر رکھنا چاہیے۔ ؎

یقین میداں کہ آں شاہ نکو نام ... بدست سر بریدہ می دہد جام

من جدّ وجدّ مشہور اور معتبر مقولہ ہے۔ "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" ارشاد قرآن ہے۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، از دیوبند، جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ

(بقیہ حاشیہ ص ۹۱) حاصل نہیں، الا بقید سے دوہرے ہے کہ دعا کا بھی ایک خاص زمانہ اور وقت ہوتا ہے جو بہترین ہوتا اس وقت دعا کرنا چاہیے، مثلاً دل کے اندر خواہش اور رغبت صادق دعا کرنے کی طرف زیادہ ہو اور طبیعت میں شگفتگی اور انسیت دعا کی طرف سمجھی جائے، اور خاموشی کا بھی ایک وقت ہوتا ہے کہ اس وقت دعا کرنے کو جی نہیں چاہتا، مثلاً ایسے وقت میں جبکہ دل کے اندر خوف وہراس اور انقباض محسوس ہو تو دعا نہ کرنا ہی بہتر ہے، لیکن حق یہ ہے کہ دعا کرنے کا حکم کتاب و سنت میں اسد رجہ ہے کہ کرنا ہی اولی اور افضل ہے، سکوت کا کہیں حکم نہیں ہے، چنانچہ حضرت ابو حازم کا ارشاد ہے کہ دعا کا قبول نہ ہونا مجھکو زیادہ شاق نہیں جتنا کہ دعا کا نہ کرنا حرماں کا باعث ہے، دعا کے آداب بہت سے ہیں جو احادیث میں مروی اور کتب ادعیہ میں مرقوم ہیں، ان میں سے صدق مقال اور اکل حلال اہم رکن ہے، دعا میں الحاح ہی افضل ہے، حضرت مولانا تھانوی نے دعا اور تفویض میں عجیب انداز میں جمع فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ "تفویض کے یہ معنی نہیں کہ مانگے نہیں، بلکہ عزم یہ رکھے کہ مانگے پر بھی نہ ملا تو اس پر راضی رہوں گا، ورنہ مانگنے کا امر نہ فرمایا جاتا۔"

(تجدید تصوف وسلوک صفحہ ۲۱)

مکتوب نمبر ۳۲

سلہٹ والوں کے پے در پے سخت تقاضوں نے مجبور کیا کہ میں رمضان المبارک یہاں کروں، چنانچہ یکم رمضان کو یہاں پہنچ گیا، انشاء اللہ العزیز شوال کی ۳ یا ۴ کو یا اسی کے قریب یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا، ذکر پر مداومت کیجئے، لذت مطلوب اصلی نہیں ہے محض ذریعہ ہے، مطلوب اصلی محض اللہ تعالیٰ اور اس کی رضا[1] ہے، لطائف[2] کا جاری ہونا مقصد اصلی نہیں، اگر

---

[1] رضا کے معنی خوشنودی کے ہیں، اور ارباب تصوف کے نزدیک رنج و راحت میں بندہ کا اپنے خدا سے راضی رہنا اور اس کی مرضی پر سر تسلیم خم کر دینا، اسکا ماخذ قرآن مجید کی آیت "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" اور حدیث جابرؓ کہ جس میں تصرف انصراف رہو پر اہل جنت کا ذکر ہے، مشائخ عراق اور مشائخ خراسان میں اختلاف ہو گیا ہے کہ رضا یا مقام ہے یا احوال جاننا چاہیے کہ منازل سلوک کے طے کرنے کے بعد انسان کے اندر متعدد روحانی اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں جنکو تصوف کی اصطلاح میں مقامات اور احوال سے تعبیر کرتے ہیں پس اگر رذائل اوصاف ملکوتیت سے بدل جائیں اور ان میں ثبات و قرار نہ ہو تو انکو احوال اور اوقات سے موسوم کرتے ہیں پس اہل خراسان رضا کو مقام کہتے ہیں چنانچہ اسی بنا پر رضا کو توکل کی انتہا کا نام دیتے ہیں، البتہ اہل عراق کہتے ہیں کہ رضا حالت کا نام ہے جو فعل بندہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک خاص چیز ہے جو دل کے اندر آجاتی ہے، امام قشیری ان دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بدایت رضا فعل بندہ ہے، اور وہ مقامات میں سے ہے، اور اسکی انتہا جملہ احوال میں سے ہے، جو مکتسب نہیں ہے، حضرت دقاق کا ارشاد ہے کہ بلا کا احساس نہ ہو اسی کا نام رضا ہے، حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ رضا زہد سے افضل ہے، اس لیے کہ زاہد راستہ میں ہے اور راضی پہنچا ہوا ہے، حضرت علیؓ کا ارشاد ہے من جلس علی بساط الرضا لم ینله مکروہ۔ غرض اگر رضا فراق میں ہو تو وصال ترک کردو

میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق — ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

[2] حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے لطائف پر بہت زور دیا ہے، لطیفہ کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ دقیق اشارہ

(باقی ص ۹۴ پر)

منظور الٰہی ہے تو یہ اشیاء بھی حاصل ہوجائین گی ؎

بشنوید یا نشنوید من گفتگوے میکنم
یابم او را یا نیابم جستجوے میکنم

ان اشیاء کا قصد کرنا بھی کہین غیر کی طلب نہ ہوجائے، مداومت کے ساتھ دل لگا کر برابر ذکر جاری رکھیے........ اعتکاف نہایت عمدہ اور موکد سنت ہے، جس کے معنی یہ ہین کہ سائل اور محتاج غلام اپنے آقا کے دروازہ پر اور اس کے گھر پر آپڑے، اور کہے کہ جب تک میری حاجت برآری نہ ہوجائے گی مین اس در سے نہ جاؤن گا، کھانا پینا، سونا چھوڑ کرون بدراتت اسی کے در کا ہوجائے، ظاہر ہے کہ اس حالت مین آقائے کریم کے عظیم الشان الطاف اسکو مورد الطاف کیون نہ بنائین گے، غرضیکہ یہ مبارک عبادت ہے گناہون ہی کے ازالہ کیلیے کیا جاتا ہے، اس لیے گناہون کی عظمت اور کثرت کی وجہ سے اس کو چھوڑنا نہ چاہیے، بلکہ اور اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے، حقوق العباد کی معافی کے لیے بھی دسائل اس کے ذریعہ سے طلب کرنی چاہیے، اور پھر اس سے توبہ مین جو ضروری امور ہین ان کو انجام دینا چاہیے.... .... قرضہ اور وہ بھی سودی نہایت خطرناک اور مہلک چیز ہے، اس کی ادائیگی کے لیے جسقدر بھی ممکن ہو جلد از جلد علاج کیجئے......... مین حسب ارشاد دعا کرتا ہون، اور

(بقیہ حاشیہ ص ۹۳) سمجھ مین تو آئے لیکن عبارت اور الفاظ مین بیان نہ کیا جاسکے، جیسے علوم اذواقی وغیرہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک انسان ایک مجموعہ اجزاء عشرہ یعنی اربعہ عناصر و نفس ناطقہ و قلب و روح و سر و خفی اور اخفیٰ ہے، انہ ان کو لطائف عشرہ بھی کہتے ہین، اربعہ عناصر عالم خلق کی چیزین ہین اور لطائف خمسہ یعنی قلب و روح و سر و خفی و اخفیٰ عالم امر سے ہین، اور جملہ قوائے انسانی ان ہی اجزاء سے مرکب ہین، اور یہ اجزاء اربعہ عناصر کی طرح ایک دوسرے کے ضد ہین اور اسی طرح لطائف خمسہ بھی مختلفہ خاصیت رکھتے ہین، سلوک مجددی مین بعض خلفاء لطائف پر زور دیتے ہین اور بعض نہین، مشایخ چشتیہ اس سے کام نہین لیتے، چنانچہ حضرت امام العصر دامت برکاتہم کا بھی یہی مسلک ہے، لطائف کا جاری ہونا مقصد نہیں ہے بلکہ وسیلہ ہے، خوب سمجھ لیا جاے

اور کرونگا، اللہ تعالیٰ کوئی سبیل مفید پیدا کردے، (دکمرہ بن کیا اور میری دعا کیا) والسلام

از سلہٹ خلافت آفس، ۹ار رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۴۲

والا نامہ عین انتظار میں پہنچا، عزیزم محمد امین سلمہٗ کی طرف سے فکر اور انتظار تھا، تحمد اللہ ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے شفا بخشی۔ اللہ تعالیٰ عزیز مذکور کو اور دوسرے بچوں کو صحیح و سالم طویل العمر، نیک و صالح کرے، آمین

محترم المقام: میں خود ہی ایک ننگ خلائق، روسیاہ، ناکام، نامراد، سگ دنیا ہوں، مجھکو خود ہی اپنی حالتوں پر شرم آتی ہے، مجھکو کب سزاوار ہے کہ ان امور کا مدعی رہوں، جو کہ اہل اور اکابر کے شایان ہیں، آپ حضرات کا حسن ظن ہے، کہ ایسے نالائق کی نسبت اچھا خیال رکھتے ہوئے انتہا سے عقیدت رکھے ہوئے ہیں۔ شاید ان ہی امور کی بنا پر فضل الٰہی شامل حال ہو جائے،

ع علم جو کچھ ہے وہ بے سود عمل ہیں سو خراب ہ

سوہ گذشت از سجدۂ راہ بتان پیشانیم چند بر خود تہمت دین مسلمانی نہم

رسوم و بدعات کی چیزوں کے متعلق اچھا ہی معلوم ہوتا ہے کہ احباب و اعزہ کو مطلع کر دیا جائے، خواہ لوگ متکبر کہیں یا متواضع، ہاں انکے ساتھ میل جول، محبت اور خوش خلقی میں کمی نہ کیجائے ...... مگر اینکہ رشتہ داروں کے طعنے اور بدزبانی پر زیادہ تحمل کریں، اور جہانتک بھی ممکن ہو قطع علائق اور سختی کو پاس نہ آنے دیں، ان کے مطاعن کو بنظر عفو دیکھیں۔ والسلام

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ۔ از دیوبند، ۱۱ر محرم الحرام ۱۳۵۴ھ

مکتوب نمبر ۳۵

لَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ امر ہے اور اسی پر عمل ہونا چاہیے، مگر جب مجبوری ہو تو میتہ، خنزیر، خمر بھی حلال ہوجاتے ہیں۔ ریلوے کے ٹکٹوں میں، پارسلوں میں، لگانون میں، تجارتوں میں، کیا دارفنڈ نہیں رکھا گیا ہے، اس لیے جب کہ فی زمانا اسلحہ اشد ضروری ہیں، بدرجہ مجبوری کم سے کم مقدار دیجا سکتی ہے۔[۱] والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۰ ذیقعدہ ۶۰ھ

مکتوب نمبر ۳۶

آپ کی روانگی بمقصد مرادآباد اور پھر خبر وفات جناب مولوی منیرالدین صاحب تعلقدار دیوہ معلوم ہوئی، مرحوم کی تعزیت میں آپ کا تشریف لے جانا ازبس ضروری تھا بہت اچھا کیا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، اور پسماندوں کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے آمین۔ آپ کے مرسلہ آم پہنچ گئے۔ میرے محترم! انسان کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر خوش و خرم اور شاکر رہے، رضا بالقضا، اصولی مسئلہ ہے، یہ تو عبدیت کا تقاضا ہے۔ اور منزل عشق میں تو رضاء محبوب میں عاشق کا فنا ہونا ازبس ضروری ہے۔ حافظؒ فرماتے ہیں

فراق و وصل چہ خواہی رضاء دوست طلب

اسلیے کسی قسم کی پریشانی ہونی بالکل خلاف اصول ہے خصوصاً جبکہ ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ ہمارا اور تمام عالم کا رب ہے، مربی جو کچھ کرتا ہے وہ برائے تربیت اور در پردہ بھلائی کیلیے کرتا ہے

[۱] اسلحہ کی تجدید کے وقت دار فنڈ وغیرہ میں کچھ رقم دینے کا جواز اس والانامہ سے سمجھا جاتا ہے۔

اگرچہ پروردہ کو تکلیف ہو سہ

الا لا یجازن اخو البلیہ فللرحمٰن الطاف خفیہ

اس لیے آپ کو اور تمام احباب کو کسی قسم کی ہرگز پریشانی نہ ہونی چاہیے خصوصاً جب کہ فرمایا گیا ہے "اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل"۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ۷ر جولائی اور ۲۰ر جولائی اور اس کے پہلے ۳۰ر جون کی تاریخوں میں استغاثہ اور اسکے گواہوں کی گواہی اور جرح میں اور پھر صفائی اور اس کے گواہوں کی گواہی اور جرح میں واقعات پیش ہوئے، ۲۳ر جولائی بحث کے لیے اور ۲۸ر جولائی ججمنٹ کیلیے مقرر ہوئی ہے۔ استقامت[۱] کے لیے دعا فرمایئے، اور اطمینان خاطر رکھیے، مجھکو بفضلہ تعالیٰ نہ کچھ تکلیف ہے اور نہ اضطراب

---

[۱] استقامت کے معنی سیدھا پن کے ہیں، اور اصطلاح کتاب وسنت میں دل سے اللہ تعالیٰ کا اقرار کرنا اور اسکی ربوبیت والہیت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، اور نہ اس اقرار ویقین سے مرتے دم تک ہٹنا، اور جو کچھ زبان سے کہدیا اس کے مقتضیٰ پر عملاً واعتقاداً جمے رہنا، اور جو عمل کرنا خالص اللہ کی خوشنودی اور شکر گذاری کیلیے کرنا، غرض ماسواے منہ موڑ کر اسی کے ہو رہنا وغیرہ، اسی کا نام استقامت ہے، یہ دولت جسکو حاصل ہوجاتی ہے اللہ کے فرشتے دنیا وآخرت کی زندگی میں اس پر اترتے اور تسکین وشرح صدر کا باعث بنتے ہیں، آیت سورۂ حٰم السجدہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا الخ کی تفسیر خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جس سے آیت مذکورہ کی اہمیت وجہ گیری پر روشنی پڑتی ہے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ خدا کا کسی کو شریک ذرہ برابر بھی نہ بنایا جائے، یہ معنی ہیں استقامت کے۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ اوامر اور نواہی شرعیہ پر قائم ہوجانا آیت کی تفسیر ہے، حضرت عثمان غنیؓ فرماتے ہیں خدا کے لیے خالص طور پر عمل کرنا استقامت ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے، تمام فرائض کا ادا کرنا ثم استقاموا کی تفسیر ہے۔ صوفیہ میں ابو علی شبویؒ کا قول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ آپ کا ارشاد ہے شیبتنی هود وہ کونسی چیز ہے کہ

(باقی حاشیہ ص ۹۰ پر)

متعلقین اور احباب، پرسان حال بالخصوص مولوی محمد میان صاحب سے سلام مسنون عرض کر دیجئے،

والسلام - یہان آنے کا قصد نہ کیجئے،

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

از ڈسٹرکٹ جیل، مراد آباد

۷، رجب ۱۳۶۱ھ

(بقیہ حاشیہ ص ۹۷) جس نے آپ کو بوڑھا کر دیا، کیا انبیاء کے قصص اور امتون کی ہلاکت وتباہی یاد رکھو،
آنحضرت نے فرمایا کہ یہ چیزین نہین، بلکہ اللہ تعالیٰ کا قول فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ - اسی لیے لوگون نے فرمایا ہے
کہ سوائے اکابر کے دوسرے کو استقامت کی طاقت نہین، نصوص کتاب وسنت سے یہ بات واضح
ہو جاتی ہے کہ وہی استقامت موجب کرامت ہے جس مین دوام ہو، قرآن مین وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا
عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنَاهُمْ مَّاءً غَدَقًا فرمایا، سقیناھُم نہین فرمایا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ
اگر جن وانس حق کی سیدھی راہ پر برابر چلتے تو ہم ان کو ایمان واطاعت کی بدولت ظاہری وباطنی برکات
سے سیراب کر دیتے، اسی بنا پر جوزجانی فرماتے ہین کن صاحب الاستقامۃ لا طالب الکرامت
فان نفسک متحرکۃ فی طلب الکرامۃ وربک یطالبک بالاستقامۃ - خلاصہ
یہ کہ استقامت ایک ایسا درجہ ہے کہ جملہ امور اور تمام نیکیون کا حصول کمال اور نظام اسی پر موقوف
ہے، کیونکہ جو شخص اپنی حالت مین مستقیم نہین اس کی سعی رائگان اور کوشش ضائع اور وہ خائب
وخاسر رہے گا، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ ترقی نہین کر سکے گا، الاستقامت خیر من الکرامت
کتنی سچی بات ہے۔

حضرت امام العصر دامت برکاتہم کے مختصر لفظ استقامت کی یہ مختصر تشریح ہے تاکہ اچھی
طرح سمجھ لیا جائے۔

مکتوب نمبر ۴۷

عزیزم محمد امین بھی بخیریت پہنچکر اپنی عالسنون سے والدین اور اعزہ کے لیے باعث طمانیت ہوئے ہون گے، آپ کو معلوم ہوچکا ہوگا کہ سشن سے پہلے فیصلہ کی منسوخی ہوکر صرف چند ماہ قید محض باقی رہ گئی، مین نے دوستون کے مشورہ سے تخفیف مدت کے لیے مشقت بھی لے لی جس مین خاص رعایتین ہین، اور امید ہے کہ ایک ماہ سے کچھ زیادہ تخفیف ہوجائے گی، مگر فیصلہ سے پہلے ہی دفتر جیل مین دفعہ ۱۲۹ کا وارنٹ صرف اس احتمال پر آگیا تھا کہ کہین جیل سے رہائی نہ ہوجائے، اور اب دفعہ ۲۶ بھی آگیا ہے، ع

دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر است

جب سے نئی گرفتاریان ہوئی ہین، لوکل حکام نے ہماری ملاقات اور اخبار وغیرہ بند کردیے ہین، باقی امور حسب سابق ہین، بحمد اللہ نہایت اطمینان اور خوشی وخرمی سے یہ دن بسر ہورہے ہین، اب اس وقت حافظ محمد ابراہیم صاحب، مولانا حفظ الرحمان صاحب، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی وغیرہ آٹھ حضرات یہان موجود ہین، کھانا ساتھ کھاتے ہین۔ اب جیل جیل نہین رہا، والحمد للہ۔ آپ کی حالت پر مجھے سخت افسوس ہے، ذکر پر مداومت تو درکنار احکام شرعیہ ضروریہ پر بھی آپ کی مداومت نہین رہی، پنجگانہ جماعت کی پابندی نہین فرماتے ہین، نماز مین دل نہین لگاتے، دنیاوی جھگڑون مین منہمک رہتے ہین، حقوق اللہ مین اس قدر بے پروائی اور کسلمندی ہے، اور حقوق العباد مین بہت زیادہ کوتاہی ہے، آپکے ذو۔ ارباب خصوص اور رشتہ دارون کے بہت زیادہ حقوق ہین، ان مین برابر کوتاہیان ہورہی ہین، آخر آپ کو اپنے انجام کی رستگاری کس طرح حاصل ہوگی؟ مین پہلے بھی بارہا تنبیہ کرچکا ہون

اور عرض کر چکا ہون کہ حقوق العباد نہایت زیادہ خوفناک ہین حقوق اللہ تو توبۂ صادق
سے معاف بھی ہو جاتے ہین، مگر حقوق العباد توبہ سے بھی معاف نہین ہوتے، رشتہ دارون
پر صلہ رحمی اور احسانات تو آپ کیا کرتے، ان کے حقوق واجبہ مین بھی آپ بہت زیادہ
فروگذاشت کرتے رہتے ہین، بلکہ ان کے عادی ہو گئے ہین، رشتہ دارون کے خطوط،
آپ کی شکایات اور حق تلفیون سے بھرے ہوتے ہین، رعایا پر ناجائز دباؤ وغیرہ سے تحریرین
بھری ہوئی ہین، آخر آپ کو یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ مین کس طرح نجات حاصل ہو سکے
گی، کوئی حجت دنیا کے حکام کے سامنے آپ کو نجات دلا دے، مگر عالم السر والخفایا سے کس طرح
نجات دلا سکتی ہے، صلہ رحمی سے بے پروائی، ضعفاء اور کمزورون پر تعدی کے مہلک نتائج دنیویہ
اور اخرویہ مصائب لانے والے ہین، ان سے خلاص کس طرح ہو گی، آپ کو اپنی حالت نہایت
جلد درست کرلنی چاہیے، ورنہ عواقب نہایت زہریلے ہین، مین بار ہا متنبہ کر چکا ہون، کہ دنیا مین
جن پریشان کن حالات کا بار بار سامنا ہوتا رہتا ہے وہ ان فروگذاشتون اور غلط کاریون
کے نتائج ہین جن کے آپ مرتکب ہوتے رہتے ہین اور متنبہ نہین ہوتے، مَا اَصَابَکُمْ مِنْ
مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ مین پھر عرض کرتا ہون کہ جلد متنبہ ہو جیے
اور اپنی غلط کاریون کو چھوڑتے ہوئے رشتہ دارون اور ارباب حصص کو راضی کیجیے، مظلوم
کی بد دعا مین اور اللہ تعالیٰ مین حجاب نہین ہوتا، جناب رسول اللہ صلعم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ
کو یمن کا گورنر بنا کر رخصت کرتے ہوئے فرماتے ہین، "اتق دعوة المظلوم فانہ لیس بینہا
وبین اللہ حجاب"۔ یہ بد دعائین توپ کے گولون اور ٹینک اور مشین گنون کی گولیون سے زیادہ
ضرر رسان اور مہلک ہین، جاگیے اور تیاری کیجیے، خداوند کریم ہم کو اور آپ کو اور تمام مسلمانون کو
اپنے غصہ اور غضب سے بچائے، والسلام، ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۳۰ شعبان سنہ ۱۳۶۱ھ۔

(حاشیہ ص ۱۰۱ پر ملاحظہ ہو)

مکتوب نمبر ۳۸

والانامہ مورخہ ۲۰ جمادی الاول و ۲۳ جمادی دونون ایک ہی وقت مین بتاریخ ۲۷ جمادی الاول موصول ہوا ہے، مولانا محمد میان صاحب مرحوم کے انتقال سے صدمہ ہوا، اللہ تعالے ان کی مغفرت فرمائے، اور اپنی رحمت خاصہ اور رضوان سے نوازے۔ آمین۔ پسماندگان کو صبر جمیل

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۷) حضرت مولانا دامت برکاتہم نے اپنے ان متعدد والاناموں مین جو مولانا احمد حسین صاحب لاہرپوری کو لکھے ہین حقوق العباد پر سخت زور دیا ہے، اور بلا خوف لومۃ لائم دو ٹوک فیصلہ فرمایا، اور خیر خواہی مین کوئی کسر باقی نہین رکھی، واقعہ یہ ہے کہ آجکل نماز بھی پڑھی جاتی ہے، تسبیح و وظائف مین بھی کمی نہین کیجاتی ہے، لیکن جہانتک معاملہ اور حق العباد کا تعلق ہے اسکو نہ تو ادا کیا جاتا ہے اور نہ معاف کرایا جاتا ہے، حالانکہ کتاب وسنت مین حقوق العباد کو تمام حقوق اور واجبات پر اہمیت دی ہے اور جس کے نتائج دنیا مین بھی سامنے آتے رہتے ہین، مگر بوجہ غفلت تنبہ نہین ہوتا ہے، عربی کا ایک فقرہ ہے یعرف الناس بالمعاملة۔ مطلب یہ ہے کہ جس کے معاملات صاف ہوتے ہین ہر چیز سدھر جاتی ہے، اور آدمیت وانسانیت صحیح طور پر سامنے آجاتی ہے، ارباب سلوک اور تصوف نے حقوق العباد پر خصوصی توجہ فرمائی ہے، حافظ شیرازی فرماتے ہین ؎ مباش در پئے آزار آنچہ خواہی کن ۔۔ کہ در شریعت ما غیر ازین گناہے نیست

بکا ایجابی پہلو خدمت خلق اور سلبی پہلو مردم آزاری ہے جو زیادہ تر حقوق العباد ہی سے متعلق ہے، بقول حضرت امام العصر مظلوم کی آہین اور بددعائین توپ، ٹینک اور مشین گنون سے زیادہ ضرر رسان ہوتی ہین۔ اللہ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلائے اور حق تلفی سے بچائے، آمین۔ سچ فرمایا حضرت سید سلیمان صاحب ندوی نے "اس زمانہ قحط الرجال مین جو جنس سب سے زیادہ کمیاب ہے وہ اتقیا، و صلحا کا وجود ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو علماء کا فریضہ تھا وہ مسامحت اور مداہنت مین بدلتا جاتا ہے، ہم برائیان دیکھتے ہین، بدعات پر زمرو نظر کر گذرتے ہین

اور اجر جزیل عطا فرمائے، ان کی جاری کردہ خیرات دائمہ یعنی مدرسہ تجوید القرآن کی آبیاری اور اسکی ترقی اب آپ کے ذمہ ہے، جہانتک ممکن ہو اس کو بڑھایئے، مرحوم کے لیے اور آپ کے لیے یہ بہت بڑی نعمت اخروی ہوگی، نیز مسلمانون کی جہالت اور بے دینی کے دور ہونے کا ذریعہ قویہ ہوگا، بچون کی تجوید اور قرآن کی تعلیم کے ساتھ کچھ دینی اور لکھنے پڑھنے کی بھی تعلیم ابتدائی جاری رکھنی چاہیے، تعلیم الاسلام حصہ اول و دوئم وسوئم وچہارم مصنفہ مفتی کفایت اللہ صاحب اسکے لیے بہت مفید ہین، ترجمہ قرآن شریف بہت ضروری اور مفید ہے، مگر وہ بڑی عمر والون کے لیے کارآمد اور ضروری ہے، اللہ تعالیٰ امین سلمہٗ کو اس قابل بنادے تو انشاء اللہ وہ آپ کے خاندان کے لیے اور مسلمانون کے لیے چمکتا ہوا ستارہ ہوگا، آپ نے ہزاروں روپئے برباد کرکے جن رشتہ دار بچون کو طاغوت اکبر بنایا ہے، ان کے نفع کو اور اس بچہ کے نفع کو آخرت مین موازنہ فرمایئے گا، آج تو غیب کے پردے پڑے ہوئے ہین، مگر کل کو جب یہ پردے اٹھا جائینگے تو حقیقت معلوم ہوگی،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۱) مگر سوسائٹی کی تاثیر کبھی مصلحت کا خیال کبھی بڑون کی بڑائی اور اکثر حب جاہ اور طمع دنیا کلمہ حق کے اظہار سے باز رکھتا ہے، اور یہ ہمارے علماء وصوفیہ کی وہ کمی ہے جس سے بہت کم لوگ محفوظ ہین ۔ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۔ ایسے وقت مین اگر ہمارے درمیان کوئی ایسی ہستی موجود ہے تو وہ خدا کی سب سے بڑی نعمت ہوگی ۔ حضرت امام العصر کا وجود العلماء ورثۃ الانبیاء کا صحیح مصداق ہے۔ خلاصہ یہ کہ سلوک مین قدم رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سب گناہون سے توبہ کیجائے، اور اگر اس کے ذمہ لوگون کے حقوق ہین تو ان کو ادا کرنے کی فکر میں لگ جائے، یا حق والون سے معاف کرائے، کیونکہ بدون اس کے کہ حق والون کے حق سے ہلکا ہو، اگر عمر بھر محنت ومشقت کرے گا، ہرگز ہرگز اللہ تک نہ پہنچے گا،

(قصد السبیل)

ذکر میں کوتاہی نہ فرمائیں۔ اگر ہو سکے تو ان آفات سے تحفظ کے لیے روزانہ درود تنجینا [1] ستر مرتبہ پڑھا کریں۔

والسلام

۲ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ - دعاگوئے قدیم

چراغ محمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۳۹

والا نامہ مورخہ ۲ ذی الحجہ مجھکو سلہٹ میں ملا۔ واقعہ یہ ہے کہ اسفار کی کثرت جنکو میں مجبور ہو کر کر رہا ہوں، اور عدیم الفرصتی جو انتہائی درجہ کو پہونچی ہوئی ہے۔ اور طبعی کسل جس سے سخت عاجز ہوں، یہ امور جس طرح مجھکو اپنی اصلاح اور خبر گیری سے مانع ہیں، اسی طرح کرم فرماؤں کے خطوط کے جوابات سے بھی مانع ہیں، مدرسہ تجوید لاہرپور کے متعلق جو احوال جنابنے درج فرمائے ہیں، نہایت افسوس ناک ہیں۔ کسی مدرس تجوید کے متعلق کوئی تجویز دیوبند ہی پہونچ کر کر سکتا ہوں، میں وہاں پہونچکر اولین فرصت میں اس کام کو انجام دینے کی کوشش انشاء اللہ کروں گا، آپ کی بیماری اور میڈیکل کالج سے ناکام واپسی اور اطبا کی علاجی جد وجہد کی عدم افادیت سے صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ شفاء عاجل عطا فرمائے، آمین۔ مقدمات کی حالت سے بہت زیادہ افسوس ہوا، اللہ تعالیٰ دور فرمائے، آمین۔ اس میں کامیابی کے لیے جو اوراد بتائے گئے تھے، افسوس کہ آپ نے

---

[1] درود تنجینا یہ ہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُنْجِيْنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَهْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِيْ لَنَا بِهَا جَمِيْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ اَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَا اَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرَاتِ فِي الْحَيٰوةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ان کو چھوڑ دیا،

آپ کا ۱۶ ذیقعدہ کا والا نامہ جس کو آپ نے ہسپتال سے لکھا تھا پہنچا تھا، مگر عدیم الفرصتی کی بنا پر جواب نہ دے سکا، یہ بات بالکل غلط ہے کہ علم حدیث کی تدوین تین صدی کے بعد ہوئی علم حدیث کی تدوین تو آنحضرت علیہ السلام ہی کے زمانہ سے شروع ہوئی تھی، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو آپ نے احادیث کے لکھنے کی اجازت دیدی تھی وہ لکھا کرتے تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ احادیث نبویہ کا حافظ کوئی دوسرا بجز عبداللہ بن عمرو بن العاص نہیں ہے، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا (بخاری)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حجۃ الوداع میں منیٰ میں اپنا نہایت جامع اور فصیح خطبہ پڑھا جس میں اجمالاً تمام شرایع اسلامیہ کو ذکر کیا گیا تھا تو ابو شاہ نے اس کے لکھوا دینے کی استدعا کی، آپ نے ارشاد فرمایا اس کو لکھ دو۔ (بخاری)

زکوٰۃ حیوانات اور نقود وغیرہ کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیلات اپنے عاملوں کو لکھوا کر دیں، جو کہ کتاب ابن حزم وغیرہ کے نام سے مشہور ہے، دیت کے اقسام اور ان میں اونٹوں کی عمریں وغیرہ درج ہیں، جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سوال کے جواب میں کہ کیا آپ کے پاس کتاب اللہ کے علاوہ کوئی دوسری چیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موجود ہے؟ فرمایا کہ نہیں، مگر جو کاغذ ہماری تلوار کے میان میں موجود ہے، پوچھا گیا اس میں کیا ہے، کہا دیت کے اونٹوں کی عمریں وغیرہ اور احکام اہل ذمہ وغیرہ۔ (بخاری)

غرضکہ تسوید احادیث زمانہ نبوی علیہ السلام میں شروع ہو گئی تھی، جو کہ صحابہ کرام کی توجہ سے ترقی پذیر ہوتی رہی، (اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کو منضبط کر دینے کی بنا پر پورے اطمینان اور وثوق کے ساتھ اس پر توجہ ہو گئی)۔ مگر یہ تحریریں محض یادداشت اور

مسودہ کے طور پر تھیں، کوئی ترتیب نہ تھی، ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اسلام کی نشر و اشاعت کی مصروفیت، اشتغال بالجہاد کی شدید اہمیت کی بنا پر صحابہ کرام نے اپنے اپنے حافظہ پر اعتماد کر رکھا تھا، مگر اسی زمانہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یعنی تابعین میں اہل قلم اور اہل حفظ ایسے ایسے نشو ونما پا جاتے ہیں جنہوں نے ان متفرق مسودوں کو محفوظ فی الصدور احادیث کو ابواب پر ترتیب دینا اور بڑے بڑے دفاتر تیار کرنا شروع کر دیا تھا، ابن شہاب زہری اور محمد ابن ابی بکر بن حزم اور ان کے معصر بڑے بڑے ائمہ تابعین ہر ہر مرکز میں بکثرت موجود ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا زمانہ خلافت سو ہجری ہے یعنی بعد وفات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام نوے برس پر، انھوں نے بہت سے صحابہ کرام سے علم حاصل کیا تھا، بہت بڑے علامہ جلیل القدر خلیفہ راشد ہیں، انھوں نے اپنے عہد خلافت میں نشر و اشاعت حدیث کا نہایت عظیم الشان اور غیر معمولی انتظام کیا، ان کے زمانہ خلافت میں علم حدیث کی بے بہا ترقی ہوئی، اور اسوقت سے علم حدیث کی تدوین کتابوں کی صورت میں شروع ہو گئی۔

امام مالک رحمہ اللہ کی جو کہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے، محمد بن اسحٰق اور واقدی وغیرہ کی کتاب المغازی ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق کی ضخیم ضخیم تصنیفات نہایت کثرت سے فقہ اور حدیث میں کی گئی، امام محمد رحمہ اللہ کی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف بھی اسی زمانہ کی ہیں جن میں فقہ کے ساتھ احادیث بکثرت مذکور ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مؤطا اور کتاب الآثار اور سیر کبیر و سیر صغیر مبسوط وغیرہ کتب ظاہر الروایت ملاحظہ فرمایئے، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، نیز سفیان ثوری، اعمش، طبری وغیرہ نے نہایت بڑی بڑی کتابیں لکھیں، ہاں ان کتابوں میں یہ بات ضرور تھی کہ احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اور فتاوی بھی بکثرت ہوتے تھے فقہی استخراجات

اور استدلالات بھی ہوتے تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الام اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی امالی وغیرہ ایسے مضامین سے بھری ہوئی ہیں، یہ حضرات سن ایک سو ہجری کے بعد عموماً ابتدائی صدی میں یہ ذخائر جمع کردیے ہیں، پھر اسی دوسری صدی کا آخری زمانہ آتا ہے جس میں ایسے بڑے بڑے اولوالعزم حضرات پیدا ہو جاتے ہیں جو کہ ان سابقہ مولفات کو چھانٹتے ہیں اور فقط صحیح اور مرفوع احادیث کو جمع کرتے ہیں،

امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے، امام احمد بن حنبل ان سے بہت پہلے پیدا ہوئے، امام بخاری نے الجامع الصحیح مشہور کتاب تصنیف کی، امام احمد انکے استاد ہیں، انھون نے اپنے مسند کو خاص طور پر ترتیب دیا، اور اسی دوسری صدی کے آخری زمانہ میں امام طحاوی، علی ابن المدینی، ابن معین، یحیی بن سعید القطان، دارمی وغیرہ ہیں جن کی تصانیف کثرت سے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ تدوین حدیث کا ابتدائی دور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی حسب الحکم شروع ہو جاتا ہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کی ترتیب کے بعد اس میں ترقی ہو جاتی ہے، عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں عام طور پر تسوید اور ترتیب ابواب جاری ہو گئی، اور روز افزون ترقی کے ساتھ آخیر صدی تک میں بڑی بڑی کتابیں مرتب اور مہذب ہو کر وجود میں آگئیں، ہر حدیث کے معلم کے یہاں املا کا طریقہ جاری تھا، ان محدثین کی جو کہ پہلی ہی صدی اور زمانہ صحابہ کرام میں مشہور بالروایت اور تدریس حدیث ہیں، تاریخ میں ملاحظہ فرمایئے، صرف یہی طریقہ نہیں تھا کہ احادیث مجمع تحدیث میں سنادی جائے اور ان کی تفسیر کردی جائے، بلکہ عموماً قلم دوات اور کاغذ ہر طالب علم کے پاس استاد کی مرویات کا ایک ضخیم خزانہ جمع ہو جاتا تھا جس کی یادگار معجمات ہیں، معجم صغیر وکبیر و اوسط طبرانی کی اسی کی

یادگار ہین، ہان ان مجموعات مین استاد کی جملہ روایات رطب و یابس لکھی جاتی تھین، امام مالکؒ نے اولاً یہ قدم اٹھایا کہ ان روایات کی چھان پھٹک اور کاٹ چھانٹ کی اور اسی وجہ سے انکی کتاب مؤطا و تصنیفہ محدثین مین بہت زیادہ مقبول ہوئی، اور عام شہرہ ہوگیا کہ (اصح الکتب تحت ادیم السماء بعد کتاب اللہ الموطا) مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بناپر کہ اس مین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال اور فتاوی اور تابعین کے اقوال بکثرت درج ہین، اور اس وجہ سے کہ اس مین عموماً روایات حفاظ مدینہ منورہ کی ہی پائی جاتی ہین، دوسری تصنیف کی ضرورت سمجھی، اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ ظہور پذیر ہوئین، جو کہ تیسری صدی کی ابتدائی یادگار ہین، بہرحال یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ تدوین حدیث تیسری صدی کے بعد ہوئی،

علم حدیث کی تعریف

۱۔ علم حدیث کی تعریف حسب ذیل ہے "علم یعرف بہ احوال ما نسب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قولا وفعلا او تقریرا او صفۃ"۔ علم حدیث وہ علم ہے جس سے ان چیزون کے احوال معلوم ہوتے ہین، جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کیے گئے ہون بطور قول کے یا فعل کے یا تقریر کے یا صفت کے، یہی تعریف راجح اور قوی ہے، بعض حضرات نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی داخل کیا ہے، اور ان کے اقوال و افعال کو بھی حدیث مین شمار کیا ہے، عمادی صاحب کی تعریف اس قول پر ہے،

۲۔ جبکہ قرآن شریف مین وارد ہے، وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (سورۂ نجم) إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (سورۂ قیامہ) تو پھر اس مین دارمی وغیرہ کی روایت کی کیا حاجت ہے کہ حدیث کے وحی ہونے مین اس کو تلاش کیا جائے، اور اس کی صحت وسقم سے بحث ہو۔ جو کچھ نبی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از قسم تفسیر کلام اللہ اور از قسم وبینات

ارشاد فرمائیں گے وہ سب وحی ہے، ہاں بعض وحی اس قسم کی ہے کہ جس کے الفاظ بھی القا فرمائے گئے ہیں، اور بعض وہ ہے جس کے معنی القا کیے گئے، اور الفاظ میں اختیار دیا گیا، ان معانی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں، پھر وہ الفاظ دو قسم کے ہیں بعض وہ ہیں جن کی نسبت جناب باری عز اسمہ کی طرف ہے، اور اکثر وہ ہیں جن کی نسبت جناب باری عزوجل کی طرف نہیں، اول الذکر قرآن ہے، ثانی حدیث قدسی ہے، ثالث عام حدیث قولیہ ہیں، سب واجب التسلیم ہیں، مگر فرق ثبوت کے درجات میں ہے۔ قرآن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتراً منقول ہے یعنی اس کو نقل کرنے والے ہر زمانہ میں اسقدر نفوس کثیرہ رہے ہیں جنہیں جھوٹ بولنے یا غلطی کرنے کا احتمال باقی نہیں رہتا، اس لیے اس کا منکر کافر ہے، اور اس کو ماننا عقلاً و نقلاً ضروری ہے۔ اور احادیث خواہ قدسیہ ہوں یا غیر قدسیہ ان کے نقل کرنے والے اتنے کثیر نفوس نہیں ہیں، اس لیے ان میں احتمال جھوٹ یا غلطی کا آتا ہے، اس لیے قطعی الثبوت نہ ہوں گی اور ان کا منکر کافر نہ ہوگا، یہ تو فرق ہمارے لیے ہے صحابہ کے لیے نہیں، ان کے لیے قرآن اور ارشادات نبویہ سب قطعی الثبوت ہیں، وہ اگر ایک حدیث کے بھی سننے کے بعد منکر ہوں تو کفر لازم ہو جائے گا،

پھر اگر ایسے لوگ ناقل اور راوی ہیں جن کے احوال ایسے پاکیزہ اور عمدہ ہیں جن سے جھوٹ کا احتمال بالکل جھوٹ جاتا ہے، تو غلبہ ظن سچائی اور واقعیت ثبوت کے پیدا ہو جانے کی بنا پر اس حدیث کو مقبول اور صحیح یا حسن کہا جاتا ہے، اور اگر ان کے احوال ایسے نہیں ہیں تو حدیث ضعیف یا مردود قرار دیجاتی ہے، پھر اگر صحیح احادیث ہم معنی متواتر طریقہ پر ہوں اگرچہ الفاظ میں تواتر نہ پایا جاتا ہو تو اس حدیث کو متواتر بالمعنی کہا جاتا ہے، عذاب قبر وغیرہ کی روایت ایسے ہی ہیں، انھیں میں سے اعداد رکعت وغیرہ کی روایات ہیں، ان

ایمان لانا واجب ہوگا، اور انکار کفر ہوگا۔ اگرچہ الفاظ کا انکار ایسا درجہ نہ رکھے گا۔

جو ارشادات نبویہ حسب عادت بشری ہوں، ان کا تعلق دینیات اور تفسیر کلام اور تبلیغ عن اللہ نہ ہو، جیسے روزمرہ کے بشری کاروبار دنیاویہ وغیرہ میں کلمات ہوتے رہتے ہیں، ان کا تعلق وحی سے نہ ہوگا۔ وہ حسب طبیعت بشریہ مثل دیگر بشر آپ سے صادر ہونگے، انہیں کو کھجور کے متعلق والی حدیث میں ارشاد فرمایا گیا انتم اعلم بامور دنیاکم الخ

ہر حدیث کی وحی کے لیے نزول جبرئیل علیہ السلام ضروری نہیں، وحی کے اقسام آٹھ یا نو ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہیں، الہام اور کشف بھی وحی ہے، ان کے دل میں کوئی بات من جانب اللہ آجائی جس کو ان کو بتلا دیا جائے کہ منجانب اللہ وحی ہے، وغیرہ وغیرہ

اس وقت ریل میں جلدی میں یہ تحریر لکھ سکا ہوں، بہت سے خطوط کے جوابات میں اس کی وجہ سے حرج ہو رہا ہے، اگر کافی ہو فبہا، اگر اس پر کوئی شبہ ہو تو لکھیں، بوقت فرصت اس کے لیے بھی کچھ عرض کر سکوں گا۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۰) ذہانت و حافظہ خدا کی بخشی ہوئی وہ قوتیں ہیں جن پر تاریخ ہمیشہ ناز کرے گی، چنانچہ ہر صدی میں بزرگان دین و پرستاران اسلام عدیم النظیر دل و دماغ، حافظہ و ذہانت کے مالک تھے، اور آج تک قوت حافظہ کی تنہا، یہ نہ صرف اپنے ملک غیر دینے پر مجبور ہیں، حضرت امام العصر مد ظلہ العالی کے دماغ اور سر کی ساخت سے، فزینا لوجسٹ کو اس قدر معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ میں غیر معمولی عقل و فہمیدگی اور حافظہ کی قوتیں موجود ہیں، جن لوگوں کو آپ کے مواعظ اور تقریروں میں شرکت کا اتفاق ہوا ہے وہ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اس بحر بیکراں کے علم سینہ کے سامنے علم سفینہ کی کوئی حقیقت نہیں، مذہبی معلومات کا تو کہنا ہی کیا؟ اقتصادیات اور سیاسیات میں کون شبہ جو زبان کھول سکتا ہے، مسٹر گوکھلے آنجہانی کے بیانات کو جنھوں نے سنا اور

(باقی صفحہ ۱۱۰ پر)

گھر میں اور دیگر متعلقین اور احباب پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیں، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳۶۳ھ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۹) پڑھا ہے وہ حضرت امام العصر کی وسیع معلومات کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا، معاشیات جیسے خشک موضوع پر محض اپنے حافظہ کی مدد سے گھنٹوں بولتے رہنا اور مسلسل بحث کرنا صرف آپ کا واحد کارنامہ ہے، یوں تو آج ہر طفل دبستان جس کو ایک بات بھی پیغمبر صلعم کی مع سند یاد نہیں وہ آج امام بخاری سے اپنے کو کم سمجھنے پر خوش نہیں، حالانکہ حدیث کا پڑھا دینا اور بات ہے اور فن حدیث کا جاننا بدون خداداد حافظہ و فراست ایمانی کے ناممکن اور محال ہے، مشتے نمونہ از خروارے، کے طور پر صرف اسی ایک خط کو جو تاریخ تدوین حدیث وغیرہ خالص علمی مباحث پر مشتمل ہے غور کرنا چاہیے، سفر میں ٹرینوں پر قلم برداشتہ ایسی تحقیق چند منٹوں میں دنیا کے سامنے رکھدینا کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ وہی کر سکتا ہے جو واقعی محدث ہو، اور غیر معمولی تبحر رکھتا ہو۔ ع تو حدیث مفصل بخوان از یں مجمل

اس مکتوب گرامی سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ تدوین و تحریر احادیث آنحضرت صلعم کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی، مگر یہ تحریریں محض یادداشت اور مسودہ کے طور پر تھیں، کوئی ترتیب نہ تھی صحابہ کرام مشغولیت جہاد اور اشاعت اسلام وغیرہ کی بنا پر اپنے حافظہ پر اعتماد رکھتے تھے، بعد کو تابعین نے ابواب کے تحت احادیث نبویہ کو مرتب کرنے کی طرح ڈالی، اور محدثین کرام نے الفاظ اور مجتہدین عظام نے معنی کی طرف توجہ فرمائی اور اس قطرہ کو دریا بنا دیا۔ آج دنیائے تحقیق ان بزرگوں کی مصوری پر حیران ہے، لہذا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ تدوین و تحریر احادیث دوسری یا تیسری صدی کے بعد ہوئی، خوب سمجھ لیا جائے۔

علم حدیث کی تعریف میں (۱) و (۲) کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید جناب رسول اللہ صلعم سے تواتراً منقول ہے اس لیے اس کا منکر عقلاً و شرعاً کافر ہوگا، احادیث خواہ قدسیہ ہوں یا غیر قدسیہ قطعی الثبوت نہ ہونگی اور ان کا

(باقی ص ۱۱۱ پر)

مکتوب نمبر ۴

..... جو شغل آپ کو تعلیم کیا گیا ہے اس کو پاس انفاس کہتے ہین، اس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی سانس آمدنی ورفتنی ذکرِ خداوندی سے خالی نہ ہو، اور اس کے ساتھ ذکرِ قلبی کا بھی رابطہ حاصل ہو، جو اوقات صبح و شام اس کے لیے مقرر کیے گئے ہین، وہ محض مشق کرنے کی غرض سے ہین، انسان کوئی کام خواہ دنیاوی ہو یا دینی، جسمانی ہو یا روحانی جب شروع کرتا ہے، طبیعت بوجہ عدمِ عادت اس سے گھبراتی اور الجھتی ہے، پھر آہستہ آہستہ اس سے مناسبت پیدا ہوتی رہتی ہے، اور آخر کار اس سے الفت پیدا ہو کر طبیعت ثانیہ کا ظہور ہو جاتا ہے، استقلال اور ثبات سب سے زیادہ ضروری امر ہے، خس و خاشاک پر نظر ڈالنے سے بچنا ضروری ہے، اس ذکر کو چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت جاری رکھنا چاہیے، صبح و شام خصوصاً خلوِ معدہ کے اوقات مین اس خیال تعلیم کردہ کے جمانے اور اس ذکر کے مشق کرنے کی ضرورت ہے، اگر شام کو بوجہ اشغالِ دنیاویہ فرصت نہ ہو تو صبح ہی کو اس کا انتظام رکھیے، مگر حتی الوسع ناغہ نہ ہونا چاہیے، جو سابقہ اوراد ہین ان کو بالفعل ترک کیجئے، فقط تسبیحات چہارگانہ اور درود شریف و استغفار

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۰) منکر کافر ہوگا، یہ فرق ہمارے لیے اصولاً ہوتا ہے، البتہ صحابہ کرام کیلیے قرآن اور ارشاداتِ نبویہ سب قطعی الثبوت ہین، مدارج احادیث اصولِ حدیث مین مفصل موجود ہین، ہان جو ارشادات نبوی حسب عادت بشری ہون ان کا تعلق دینیات، تفسیر کلام اللہ اور تبلیغ سے نہ ہو نہ وہ وحی ہونگے اور نہ واجب العمل بلکہ انکی حیثیت روزمرہ کے بشری اور دنیاوی کاروبار کی ہوگی، اور دوسرے انسانون کی طرح آپ سے بھی صادر ہون گے، جیسے تابیرِ کھجور کا واقعہ اور آپ کا فرمانا کہ "تم اپنی دنیا کے کامون کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو"۔

ایک ایک تسبیح روزانہ عمل مین رکھیے، قرآن شریف روزانہ ایک پارہ پڑھ لینا اگرچہ بلامعنی ہو مفید ہے، دوا کی تاثیر خواہ معلوم ہو یا غیر معلوم نفع ضرور ہوتا ہے، اگر ان اوراد مذکورہ سابقہ اور تلاوت[1] کی بھی فرصت نہ ہو تو ان کا ترک کر دینا مضایقہ نہین رکھتا، مگر ذکر مذکور کے اجرا، وانہماک مین کوتاہی ہرگز نہ کرین، اور معنی "ھُوَ الظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ" کا متخیلہ مین حسب تعلیم قائم رکھین۔ استغفار یہ تھا "استغفر اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ"۔ درود شریف یہ ہے اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد والہ وصحبہ وبارک وسلم بعدد کل معلوم لک۔

ہر چند سالک[2] کو ذکر کی کیفیات اور یہ کہ وہ کس طریق کا ہے، پوچھنا نہ چاہیے، مریضیا کو

[1] کسی کو دھوکہ نہ ہو کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم نے مکتوب ہٰذا میں یہ کیسے تحریر فرما دیا کہ "تلاوت کی بھی فرصت نہ ہو تو ان کا ترک کر دینا مضائقہ نہین رکھتا، مگر ذکر مذکور کے اجرا، وانہماک مین کوتاہی ہرگز نہ کرین"، کیا قرآن کی تلاوت ذکر نہین ہے، پھر ذکر کے اور کیا معنی؟ سو معلوم ہونا چاہیے کہ یہان ذکر سے مقصود محض مذکور کی قلبی یاد یا یادداشت کے ہین، جس کے مختلف مدارج ہین، (۱) اللہ کے نام کا یاد کرنا (۲) بواسطہ نام کے ذات کو یاد کرنا (۳) یہ کہ نام کا بھی واسطہ نہ رہے، ذات ہی کی یاد پر قادر ہو جائے۔ لفظ ذکر نفی مین امراض کے علاج کی جانب بھی اشارہ ہے۔ یعنی بدون اصلاح حال کے جو ذکر کرتا ہے گویا وہ ذکر نہین

[2] اس مکتوب گرامی مین حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے ایک لفظ سالک کا ارشاد فرمایا ہے، ممکن ہے مقدمہ مین ہم مقامات سلوک کی کچھ توضیح کرین، یہان لفظ سالک بتانا چاہتے ہین۔ صوفیہ کی اصطلاح مین سالک وہ ہے جو خدا کی نزدیکی بھی چاہے اور شغل معاش بھی رکھتا ہو یا بالفاظ دیگر سالک وہ ہے جو بغیر علم و تصور اپنے حال سے مقام کو طے کر رہا ہو، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی کے دل مین ایک پرزور اور غیر مسخر جذبہ وجدانی ایمان کے حصول کا پیدا ہو جائے، اور وہ صرف اس تصدیق و یقین پر قانع نہ رہ جائے

(باقی ص ۱۱۳ پر)

وہ اکا استعمال ضروری ہے، اس کی کیفیت وغیرہ سے سوال کرنا لایعنی امر ہے، تاہم اس امر کے ظاہر کرنے میں کوئی بخل نہیں ہے، یہ شغل طریقہ چشتیہ قادریہ کا ہے، آپ کام میں مشغول ہوں، سوائے ذات خداوندی کسی چیز کی ہوس نہ ہونی چاہیے۔

دنیا و آخرت را بگذر حق طلب کن　　　کین ہر دو لولیاں را من خوب می شناسم

جس سے تعلق ہو محض خدا کی وجہ سے اور جس سے نفرت ہو محض اسی کی وجہ سے قول کم ہو حال زیادہ ہو۔ پرسان حال سے سلام کہدیں۔ والسلام

حسین احمد غفرلہ

مورخہ ۱۲ اکتوبر۔ از دہلی

مکتوب نمبر ۴۱

ہماری قدیم رشتہ داری سادات یا شیوخ سے چلی آتی ہے، اور شیوخ بھی وہ رشتہ دار رہے ہیں، جس کا سلسلہ نسب اعلیٰ رہا ہے، پرانے کاغذات میں میں نے لفظ سید لکھا دیکھا ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۲) جو وراثت میں ملا ہے، یا منطقی اور عقلی دلائل کے پاسے چوبین پہ کثرت ہے، روح کی صلاحیت اور نفس کی استعداد کے اعتبار سے یہ رغبت انسان کے اندر بڑھتی رہتی ہے، یہانتک کہ اس میں ایک بے پایاں جذبہ اس امر کے لیے پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے خالق کو ذوقی طور پر پہچانے۔ چنانچہ قدم رکھتے ہی اوہام دل میں ابھرنے لگتے ہیں پس وہ ایک مرشد کے دامن میں پناہ لیتا ہے، جو محقق اور عارف باللہ ہو، تصوف و سلوک کے تمام مراحل طے کر چکا ہو اور بڑے مشائخ کبار کی طرف سے اس امر کی اجازت رکھتا ہو کہ دوسروں کی تعلیم و تربیت کرے، اور جس کا اصل مقصد دنیا میں آنا یہ ہو کہ شیخ کی تعلیم کے مطابق خدا کی بندگی و عبادت و ریاضت میں زندگی گذاریگا، وہ مصدق بیت کیا تم نے کبھی خدا کے بارے میں پڑھتا ہے، وہ غیر خدا کی وابستگی سے پاک کرتا ہے، اسی کو مالک کہتے ہیں ع گر بگویم شرح این بیحد شود۔

ف ۱۱۲ ام آ دمیرے نا ساز ی حالات پر مشتمل مکتوب پہلے گذر چکا ہے

والد صاحب کے جوابات بھی اس پر دلالت کرتے ہیں، پرانے لوگوں سے بھی سید ہونا میں نے سن لیا تھا، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ والد مرحوم کو جبکہ وہ بانگرمئو میں ہیڈ ماسٹر تھے اور مولانا سے بیعت ہو چکے تھے، ایک مجلس میں فرمایا تھا کہ میاں یہ تو بڑے خاندانی ہیں اور پیرزادے ہیں، ان کے جد امجد شاہ نور الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ رات میرے پاس آئے تھے، اور مجھ سے درخواست کی کہ حبیب اللہ میری اولاد ہے، ان کی طرف خصوصی توجہ کرو۔ اس کے بعد سے حضرت مولانا مرحوم خصوصی توجہ فرمایا کرتے تھے، اور پیرزادے وغیرہ کے الفاظ سے یاد فرمایا کرتے تھے، یہ بات صحیح ہے کہ بادشاہان دہلی کی طرف سے تقریباً چوبیس گانوں ہمارے اسلاف کو ملے تھے، باون ۵۲ گانوں کی تقسیم میں خاندانوں پر ہوئی تھی جن میں سے یہ مقدار ہمارے اسلاف کو ملی تھی، یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ یہ گانوں خانقاہ کے مصارف کے لیے دیے گئے تھے، ۱۸۵۷ء میں ان میں سے ۲۳ یا ۲۴ گانوں ہمارے اسلاف کے پاس باقی تھے، مگر راجہ بھٹی نے لوٹا اور ان پر قبضہ کر لیا، متعدد وجوہ کی بنا پر اُن کا واپس لینا ممکن نہ ہوا، یہ صحیح ہے کہ رجھبر قوم کا یہاں قلعہ تھا، اور وہ مسلمانوں کو تنگ کیا کرتے تھے، حضرت شاہ نور الحق صاحب مرحوم نے کرامات سے راجہ کو زیر کیا، اور وہ قلعہ چھوڑ کر مع اپنے ارکین دولت بھاگ گیا، اس قلعہ پر حضرت شاہ نور الحق صاحب مرحوم قابض ہو گئے، اس قلعہ کے نشانات اب بھی ہیں، اسی قلعہ میں ان کا مزار ہے، اور ہمارے مردے اسی میں دفن ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ نور الحق صاحبؒ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے درمیان شجرۂ طریقت میں غالباً تین یا چار واسطے پڑتے ہیں، مگر یہ سلسلہ طریقت حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے نہیں ہے، اس سلسلہ طریقت کی نقل میرے پاس موجود ہے، جس کو میں نے پرانے کاغذات سے نقل کیا ہے،

یہ بھی سننے میں برابر آیا ہے کہ ہمیشہ اس خاندان میں اہل اللہ اور ارباب کرامت موجود رہے ہیں، اور اسی وجہ سے شیعوں کے دور حکومت میں اودھ میں تشیع سے یہ خاندان محفوظ رہا آصف الدولہ نے زور ڈالا، مگر اس وقت کے موجودہ بزرگوں کی کرامت نے اس کو مجبور کیا، والد صاحب مرحوم سے میں نے بارہا سنا ہے کہ آخر میں دو تین پشتیں ایسی گذری تھیں کہ جن میں دنیاداری غالب اور علم معرفت سے محرومی پیش آئی تھی، سلسلۂ طریقت صرف اسمی باقی رہ گیا ظاہری مریدی بھی کرتے تھے، مگر اندرونی کمالات سے خالی تھے، اسی بنا پر والد مرحوم حضرت مولانا گنج مرادآبادی سے بیعت ہوئے، اور ہم ناکاروں کو حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کی غلامی کا شرف حاصل ہوا، نانی صاحبہ مرحومہ صاحب نسبت اور صاحب کشف تھیں، انھوں نے والد صاحب کو مجبور کیا کہ جب تک تم کسی کامل سے بیعت ہو کر منازل سلوک طے نہ کرلو مرید کرنا تمھارے لیے آخرت میں وبال ہوگا، تم اس راہ سے ناواقف ہو تمھارے لیے یہ سلسلہ جاری کرنا ناجائز ہے۔

کراچی جیل میں ہم نے "جھڑتی"[له] کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی، اور نسکر پر بھی اعتراض کیا تھا، مگر نتیجے نسکر ہم کو بآسانی مل گئے تھے، البتہ جھڑتی کی مخالفت کرکے پر سزائیں دی گئیں تھیں، میں اکیلا اس پروٹسٹ میں نہ تھا بلکہ تین ہندو مسلو جے رام دولت رام سوامی کرشنانند وغیرہ بھی تھے، ہم کو اولاً سزا دن رات کو ہتکڑیاں لگائی گئی تھیں، پھر جب ہم نے نہیں مانا تو بجائے کھانے کے کانجی (نمکین حریرہ جوار کے آٹے کا) دیا جاتا تھا، پھر جب ہم نے نہ مانا تو پیروں میں زنجیر دار بیڑیاں ایک مہینہ کے لیے دی گئی تھیں، یہ مدت

[له] اخلاقی قیدیوں کے ساتھ یہ طریقہ اب بھی باقی ہے کہ جب دینی مشقت سے فارغ ہو کر اپنے کیا ونڈ میں داخل ہوتے ہیں تو انکے کپڑوں کی تلاشی لیجاتی ہے حتی کہ کبھی ان کو برہنہ بھی کردیا جاتا ہے۔

ختم نہ ہونے پائی تھی کہ خبر باہر نکل گئی اور گاندھی جی کے ینگ انڈیا مین مضامین نکلے تو ہم سے سزائین اٹھالی گئین، اور صورتاً اہل جیل بدن کو ہتھ لگا کر چلے جاتے تھے، حقیقی چھڑی ہم سے نہین لیجاتی تھی، الٹے لٹکانے کی کبھی نوبت نہین آئی، یہ بالکل غلط ہے، اور یہ سزا جیل مینول[۵] مین ہے بھی نہین، ہان یہ سزا ہے کہ ہتھکڑی لگا کر اونچی چیز سے ہتھکڑی باندھ دیتے ہین جس کی وجہ سے قیدی بیٹھ نہین سکتا، تمام دن کھڑا رہتا ہے، مگر بحمد اللہ اس کی نوبت ہی نہین آئی کہ مضامین شائع ہوئے اور سختیان اٹھالی گئین۔

اذان کا واقعہ عرصہ کے بعد ظہور پذیر ہوا تھا، اس مین ہم نے ہنگر اسٹرائک کیا تھا، تین ہندو اور آٹھ مسلمان اس مین شریک تھے، اس مین ہم کو فقط کوٹھریون مین بند کیا گیا تھا، چھ دن کے بعد فیصلہ ہو گیا تھا، اور پست آواز سے اذان کی اجازت مل گئی تھی۔ مالٹا مین کوڑے کا واقعہ بالکل غلط ہے، کسی کے ساتھ ایسا معاملہ نہین کیا گیا۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۳ صفر مطابق ۱۲ مارچ ۱۳۵۱ھ

از پنجاب میل قریب ہردوئی،

---

۵ جیل کے دستور العمل اور قوانین و ضوابط کو جیل مینول کہتے ہین۔

مکتوب نمبر ۲۴

مولانا عبد الماجد صاحب بی اے، دریاباد ضلع بارہ بنکی کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج مبارک، کیا آپ مجھے بتلا سکتے ہیں کہ آر۔ سی۔ دت کی تاریخ اقتصادیات ہند کا ترجمہ اردو میں ہوا ہے یا نہیں، اور پراسپرس برٹش انڈیا مصنفہ ولیم ڈگبی کی تمام کتاب کا بھی ترجمہ ہوا ہے یا نہیں، اگر یہ دونوں مترجم ہو کر چھپ چکے ہیں تو کہاں سے ملیں گے، ثانی الذکر کے دو باب کے مترجم چھپے ہوئے اوراق میرے پاس ہیں،

مجھکو نہایت تعجب ہے کہ آپ جیسا تجربہ کار زمانہ کی گرمی اور سردی سے واقف صاحب علم وشعور ایسی صریح غلطی میں پڑے جو کہ الفاظ ذیل سے نمودار ہو رہی ہے،

"عرصہ سے اپنی اصلاح نفس کی غرض سے خدمت والا میں حاضری کا ارادہ کر رہا ہوں الخ"

میرے محترم! اصلاح نفس کے لیے کسی سگ دنیا، نفس پرست، ناکارہ و نالائق کے پاس جانا کیا معنی رکھتا ہے، پیاسا دریا کا قصد بیشک کرتا ہے، مگر آتش کا قصد نہیں کرتا، در و دیوار، سنگ و کہسار کی طرف نظر نہیں اٹھاتا، میں حلفیہ کہتا ہوں اور میں سچا ہوں کہ میں اپنی سیاہ روئی اور سیہ کاری سے خود شرمندہ اور نادم ہوں، اور بسا اوقات دیکھتا ہوں، میری واقعی حالت اشخاص انسانیہ سے بدتر ہونا تو درکنار ارذل حیوانات سے بھی بدتر ہے ؎

لئن الناس لی حبیباً دانی — لشر الناس ان لم یعف عنی

مولانا محترم، اگر اس کمال کے اعلام و اکابر بھی موجود ہیں تب بھی مجھ جیسے

سگ دنیا بدنام کنندۂ نکونامان کی طرف نظر اٹھانا جائز نہ ہوتا،

کس نیاید بزیر سایہ بوم ‌ ‌ ‌ ‌ ورہما از جہان شود معدوم

پھر خیال اصلاح نفس ایک نفس پرور سے یاللعجب اس سے یہ مقصد نہین کہ آنجناب کو تشریف ارزانی فرمانے سے روکنا منظور ہے، حاشا وکلا، جناب کا تشریف لانا سر اور آنکھون پر ہے، مگر اپنی حالت بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے، بعض حضرات کو دھوکا اس امر کا واقع ہو رہا ہے کہ چند مقدس ہستیون کی خدمت مین چونکہ اس کو زمانہ تک باریابی کی نوبت رہی ہے، اس لیے ضرور بالضرور لائق ہو گا۔ مقدمہ اولی بیشک صحیح ہے، مگر مقدمہ ثانیہ غیر لازمی ہے، ولنعم ماقیل ؎

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل ‌ ‌ ‌ ‌ کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر

والسّلام۔ از دیوبند۔ ۷ار رجب سنہ ۱۳۴۶ھ۔ آستانہ حضرت شیخ الہند مرحوم

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۳۴

مولانا عبد الباری صاحب ندوی کا خط ملا تھا، اور حقیقت مین اس نے سخت تشویش پیدا کی، ہم ناکارون اور روسیاہوں سے سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے، کہ بارگاہ الٰہی مین ابتہال اور تضرع کرین، اعلی اللہ عابیعول المسکین۔ دعاگویون کا وظیفہ محض دعاگوئی ہے، جو جناب نے خواب مین ملاحظہ فرمایا، وہ جناب کا اخلاص اور تعلق اس طرح سے ظاہر کیا گیا ہے، جس طرح آئینہ دیکھنے والے کے چہرہ کو ظاہر کرتا ہے۔ بہرحال الطاف ربانیہ آپ کے ممد و معاون ہو سے، اور بارگاہ رب العزت سے

دعا ہے کہ وہی ہمیشہ ناصر و مددگار رہیں۔ آمین

میری سعی ان دنوں منجملہ دیگر امور کے ایک خاص امر کی طرف زیادہ لگی ہوئی ہے، وہ کہ مسلمان شادی اور بیاہ کی خصوصاً اور موت اور ختنہ و عقیقہ وغیرہ کی وہ رسوم[۱] جنکے مصارف نے ان کو برباد کر دیا ہے ان کو عموماً ترک کر دیں، اس کے متعلق میں نے فیض آباد وغیرہ میں بھی کوشش کی، اور خصوصاً ملکی خاندان جو کہ ہمارے عرف میں شرفا سے تعبیر کیے جاتے ہیں

[۱] اسلام کا اصول اصلاح و ارشاد و تبلیغ کا طریقہ اور رسم و رواج کا استیصال ایک خاص معیار کے تحت انجام پاتا ہے۔ جو وقت کی اسپرٹ سے جنگ کرنا نہیں ہے، بلکہ وہ تدریجی اصلاح کا قایل ہے۔ قرآن میں ہے وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ یعنی اوروں سے پہلے اپنے اقارب کو تنبیہ کیجئے کہ خیر خواہی میں ان کا حق مقدم ہے۔ افراد کی ذاتی اصلاح اور گھر لو ہدایت کا دارمدار بہت زیادہ گھر والوں کی اصلاح پر ہے، اور ویسے بھی آدمی کی صداقت و حقانیت اقارب کے معاملہ سے پرکھی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ہر پیغمبر اور ان کے جانشینوں نے اس پر بڑا زور دیا ہے، آدمی کی طبیعت رسم و رواج کے مقابل حق کو یہ کہنے سے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتی کہ یہ حق ہے اور یہ ناحق ہے، بلکہ یہ چیز بچوں میں علمی و عملی تربیت سے اور بڑوں میں ماحول کے نمونہ سے پیدا ہوتی ہے، حکماء امت نے اپنے اپنے وقتوں میں وراثت انبیاء کے فرائض انجام دیے، کسی نے چھوٹی چھوٹی باتوں کی اصلاح فرمائی، اور اسی میں ساری زندگی ختم کر دی، کسی نے امور معاشی اور اصل روگ کو دور کرنے کے لیے جان کی بازی لگا دی، اور خلوت و جلوت، سفر و حضر میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے اصلاح رسم و رواج میں اپنا اہم کارنامہ چھوڑا ہے، جس کو ہم کسی دوسرے موقع پر مفصل لکھیں گے، اللہ والوں کی دعائیں اگر کوئی چیز ہیں تو مولانا دریابادی کو امام العصر کے غیر معمولی دعائیہ کلمات کو کبھی یاد کر لینا چاہیے، اس سے زیادہ کا مشورہ میرا فریضہ نہیں ہے،

اور جن کی حالت روزانہ بد سے بدتر ہو رہی ہے، ان کے رسوم کو مضمحل کرنے کی سعی جاری رکھی،
تا انکہ میں اس کے لیے بار بار کوشش پر قدرے کامیابی ہوئی جس کی بنا پر میرے ایک
رشتہ دار نے مجھ سے پوری عملدرآمد کی تیاری ظاہر کی، مگر شرط یہ کی کہ میں شریک عقد ہوں،
اسی بنا پر میں وہاں گیا اور بفضلہ ایک بڑے درجہ تک کامیاب ہوا، چونکہ مجھکو اتوار کے
دن راولپنڈی پہنچنا تھا کیونکہ وہاں کے جلسہ کی آخری تاریخ میں مجھکو تقریر کرنا تھا اسلیے
میں لکھنؤ سے پنجاب میل میں سوار ہوا، اور سہارنپور کے اسٹیشن پر وحید کی اہلیہ کو اس کے
حوالہ کر کے اسی گاڑی میں راولپنڈی پہنچا، شب بھر قیام کر کے دوشنبہ کو وہاں سے روانہ
ہو کر پنجشنبہ کو دیوبند پہنچا، تو مولانا عبد الباری کا والا نامہ ملا، بہر حال خدا کا ہزار ہزار شکر
ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو شفا بخشی، خداوند کریم آپ کی عمر میں درازی
جسم میں صحت، ارادہ میں قوت، قلب میں اپنی محبت، اعمال و اقوال میں اپنی رضا اور
خوشنودی عطا فرماتا ہوا اسلام اور مسلمانوں کی اصلاح اور خدمت عطا فرمائے، آمین
بہر حال جب بھی جناب قصد فرمائیں انشاء اللہ اس روسیاہ ننگ اکابر کو حاضر پائینگے
اگر ممکن ہو تو چند دن پہلے وقت اور تاریخ سے بھی مطلع فرما دیں، تاکہ مزید احتیاط
بعمل میں لائی جائے، والسّلام - از دیوبند ۵ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ

ننگ اکابر حسین احمد

مکتوب نمبر ۴۴

وسط شعبان میں جبکہ حسب ارشاد مولانا عبد الحلیم صاحب لکھنؤ جانا ہوا تو انھوں نے
ذکر فرمایا کہ آپ حج کے لیے تشریف لے گئے ہیں، اور اسی بنا پر مولانا سلیمان صاحب

آپ کو رخصت کرنے کے لیے اسٹیشن لکھنؤ تک گئے تھے، اس کو سُن کر تعجب ضرور ہوا تھا کہ ایکبارگی کس طرح ارادہ کر لیا گیا، مگر کوئی وجہ نہ تھی کہ مولانا موصوف کے قول پر یقین نہ کیا جاوے، ہاں انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اولاً حیدرآباد تشریف لے جائیں گے، پھر وہاں سے براہ راست حجاز تشریف لیجائیں گے۔ ۲ر فروری کو جبکہ میں ایک ضرورت سے سہارنپور گیا ہوا تھا، بوقت صبح معلوم ہوا کہ حافظ محمد یوسف کو آپکے سہارنپور تشریف لانے کی خبر دی گئی ہے، اس کو سنکر میرے تعجب کی کوئی انتہا باقی نہ رہی، کیونکہ دونوں خبروں میں منافات تھی، تاہم میں نے بمعیت حافظ صاحب موصوف اور ان کے بڑے بھائی حافظ یعقوب صاحب حاضری کا ارادہ کیا تھا، اور اسی بناپر حافظ یوسف صاحب کی دکان پر آیا، موٹر موجود تھا کہ خبر آئی کہ آپ کے بھائی صاحب کو رڑکی چلے گئے، اس لیے ہم سبھوں نے ارادہ فسخ کر دیا، اگر یہ معلوم ہوتا کہ آپ موجود ہیں تو ضرور حاضر ہوتا، اسی روز شام کو جب دیوبند پہنچا تو وحید نے کہا کہ آپ کا خط آیا ہے، کہ آپ ۴ر فروری کو دیوبند آنے والے ہیں، اس لیے میں نے اس دن نقل وحرکت بند کر دی، بعد کو اس نے بتایا کہ وہ ۲ر فروری تھی، اس نے غلطی سے ۴ر فروری پڑھا تھا، اس کے بعد غالباً ۵ر فروری کو سہارنپور گیا اور آپ کے بھائی صاحب کو بھی پر ملاقی ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ دریاباد تشریف لے گئے، میں رمضان شریف سلہٹ کروں گا، یہاں کے لوگوں کا بیحد تقاضا تھا، باوجود ٹلانے کے جب کوئی صورت نہ ہو سکی تو مجبوراً ۲ر شعبان کو وہاں سے روانہ ہو کر یکم رمضان کو یہاں سلہٹ پہنچا، ایک تراویح راستہ میں فوت ہو گئی، یہاں ہی آپ کا والانامہ ملا، اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ نقشہ بھی ملا، اس سے پہلے مولانا عبدالباری صاحب ندوی کا والانامہ حیدرآباد سے آیا تھا، اس سے معلوم ہوا تھا کہ وہ بھی آپ کے ساتھ ارادۂ سفر حج کر رہے ہیں، خداوند کریم ہم سب کے لیے مبارک فرمائے۔

ایسے امور مین اجازت کی کیا ضرورت ہے، اور خصوصاً مجھ جیسے نابکار و نالائق ننگ خاندان سے اس سفر مین آپ کا ہچکچانا موجب تعجب اور صد تعجب ہے، اُن اہل دل بزرگ کا جواب بھی میرے نزدیک نہایت گرا ہوا ہے، مگر جب آپ کو اس سے اطمینان ہوگیا اور طبعی جسارت پیدا ہوگئی تو پھر اس مین کوئی گفتگو ضروری نہین۔ مقصد اصلی ازالہ اضطراب وجبن تھا، سو الحمدللہ حاصل ہوگیا، تاہم مین مختصر طور پر کچھ عرض کرتا ہون، اگر سمجھ مین اس کی مناسبت اور افادیت آئے تو فبہا ورنہ کالائے بد بریش خاوند۔

محترما! جناب باری عز اسمہ کی وہ صفات جو کہ مقتضی معبودیت ہین، ان کا مرجع دو باتون کی طرف ہوتا ہے، اول مالکیت نفع وضرر، دوئم محبوبیت۔ اول کو جلال سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، اور ثانی کو جمال سے، مگر یہ تعبیر ناقص ہے، جلال محض مالکیۃ ضرر پر متفرع ہوتا ہے جس طرح جمال اسباب محبوبیت مین سے ایک سبب ہے۔ وجوہ محبوبیت علاوہ جمال کے کمال قرب احسان بھی ہین، سبب اول یعنی مالکیۃ نفع وضرر کا اقتضا معبودیت حدود عقل مین رہ کر ہونا ضروری ہے، اس معبودیت مین عابد کی ذاتی غرض چونکہ باعث عبادت ہوتی ہے، یعنی طمع یا خوف یا دونون۔ اس لیے یہ عبادت اسقدر کامل نہ ہوگی جسقدر وہ عبادت جس مین محض ارضاء معبودیت مقصود ہو، ظاہر ہے کہ محبوب کی جو کچھ طاعت اور فرمانبرداری کیجاتی ہے اس سے محض اس کی رضا مطلوب ہوتی ہے، لہذا ضروری تھا کہ دونون قسمون کی عبادتین دین کامل مین ملحوظ ہون، قسم اول پر متفرع ہونے والی عبادتون مین اصل الاصول نماز و زکوٰۃ ہین، اور قسم ثانی پر متفرع ہونے والی عبادتون مین اصل الاصول روزہ اور حج ہین، روزہ محبوبیت کی منزل اول اور حج منزل ثانی ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عاشق پر اولین فریضہ یہی ہے کہ اغیار سے قطع تعلق کیا جائے جو کہ روزہ مین ملحوظ رکھا گیا ہے

دن کو اگر صیام کا حکم ہے تو رات کو قیام کا، اور آخرین اعتکاف نے آکر رہے سہے تعلقات کا بھی خاتمہ کر دیا بحکم مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ اور من صام رمضان ایمانا (الحدیث) اگر استیعاب صوم رمضان کا پتہ چلتا ہے تو بحکم احیٰی لیلہ ومن صام رمضان (الحدیث) وغیرہ استیعاب قیام رمضان کا بھی پتہ چلنا ضروری ہے۔ اور چونکہ کمال صومی کے لیے محض مالوفات ثلاثہ کا جو کہ اصل الاصول ہین ترک مطلوب نہین، بلکہ ان کے علاوہ معاصی اور شہیات نفسانیہ کا ترک بھی مقصود ہے۔ من لم یدع قول الزور (الحدیث) اور رب صائم لیس لہ من صومہ الا الجوع (الحدیث) اس کے شاہد عدل ہین جب ترک اغیار کا اثبات (جو کہ منزل عشق کی پہلی گھاٹی ہے) ہو گیا۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ دوسری منزل کی طرف قدم بڑھایا جاوے۔ یعنی کوچۂ محبوب اور اس کے دار و دیار کی جبہ سائی کا فخر حاصل کیا جائے۔ اس لیے ایام صیام کے ختم ہوتے ہی ایام حج کی ابتدا ہوتی ہے، جسکا اختتام ایام نحر (قربانی) پر ہے، کوچۂ محبوب کی طرف اس عاشق کا سفر کرنا جس نے تمام اغیار کو ترک کر دیا ہو اور سچے عشق کا مدعی ہو، معمولی طریقہ پر نہ ہوگا، نہ اس کو سر کی خبر ہو گی نہ پیر کی، نہ بدن کے زیب و زینت کا خیال ہوگا نہ لوگون سے جھگڑا اور لڑنے کا ذکر فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ کہان عشق اور کہان آپس کے جھگڑے اور لڑائیان، کہان قلبی اضطراب اور کہان شہوت پرستی و آرام طلبی، نہ سر کی فکر ہو گی نہ خوشبو اور تیل کا دھیان، اس کو آبادی سے نفرت جنگل اور جنگلی جانورون سے الفت ہونی ضروری ہے۔ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا۔ سیر و شکار جو کہ کاربیکاران ہے ایسے عشاق اور مضطر نفوس کے لیے بعید نفرت کی چیز ہو گی۔ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا اس کی تو دن رات کی سرگرمی معشوق کی یاد، اس کے نام کو جپنا، اپنے تن بدن کو بھلا دینا،

دوست احباب، عزیز و اقارب، راحت و آرام کو ترک کر دیا۔ نہ خواب آنکھوں میں
بھلی معلوم ہوگی نہ لذائذ اطعمہ اور خوشبودار اور خوش ذائقہ اشربہ و البسہ کا شوق ہوگا ؎

بیداری ھواہ ثم یکتم سرّہٗ
ویخشع فی کل الامور ویخضع

وہ اسکی محبت خوش اسلوبی سے نباہتا رہتا ہے، پھر اسکے راز پر پردہ پوشی کرتا رہتا ہے، اور تمام حالات
میں مطیع و فرمانبردار رہتا ہے،

جون جون دیارِ محبوب اور ایام وصال کی قربت ہوتی جائیگی، اسی قدر ولولہ اور فریفتگی
اور جوش جنون میں ترقی ہوتی رہے گی ؎

وعدۂ وصل چون شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد

؎ ان دنوں جوشِ جنوں ہر ترے دیوانے کو
لوگ ہر سو سے چلے آتے ہیں سمجھانے کو

خونِ دل پینے کو اور لختِ جگر کھانے کو
یہ غذا دیتے ہیں جاناں ترے دیوانے کو

؎ نو بہار است جنون چاک گریباں مددے
آتش افتاد بجان جنبش داماں مددے

قریب پہنچتے ہیں (میقات پر) تو اپنے سب سے پہلے کپڑوں کو پھینک دیتے ہیں
اس وادیٔ عشق میں گریبان اور دامن سے کیا کام ؎

ہم نے تو اپنا آپ گریبان کیا ہی چاک
اس کو سیا سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا

دن ورات محبوب کی رٹ پپیہا کی طرح لگی ہوئی ہے (تلبیہ پڑھ رہے ہیں) ؎

رٹت پھرے پیہو پیو کنا رے
ہمرے پیا تو بدیس سدھارے

برہا بروگ سے تلپت جیو
اب جن بول پپیہا پیو

اگر غم ہے تو محبوب کا، اگر ذکر ہے تو معشوق کا، اگر طلب ہے تو پیو کا، اگر
خیال ہے تو دلبر کا ؎

عشق میں تیرے کوہ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

کوچۂ محبوب میں پہنچتے ہیں تو اس کی در و دیوار کے ارد گرد پوری فریفتگی کے ساتھ چکر لگاتے ہیں اور چوکھٹ پر سر ہے تو کہیں دیوارون اور پتھرون پر لب ؎

اُمرّ علی الدیار دیار لیلیٰ اُقبّل ذا الجدار و ذا الجدارا[1]

وما حب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من سکن الدیارا

کسی نے اگر جھوٹی سی خبر دی کہ معشوق کا جلوہ فلان جگہ نمودار ہونے والا ہے تو بے سر و پا ہو کر دوڑتے... وہان پہنچے، نہ کانٹون کا خیال ہے نہ راستے کے پتھرون کی فکر ہے، نہ گڑھون میں گرنے کا سوز ہے، نہ پہاڑون کی سختیون کا ڈر ہے، مجنون بنی عامر کا سمان بندھا ہوا ہے بدن میں اگر جون ڈھیرون پڑی ہیں تو کیا پروا ہے، اہل عقل اور اہل زمانہ اگر پھبتیاں اڑاتے ہیں تو کیا شرم ہے ؎

جب پریت لگی تب لاج کہاں سنسار ہنسے تو کیا ڈر ہے

دکھ درد پڑے تو کیا تلپنا اور سکھ نہ رہے تو کیا ڈر ہے

اگر ناصح نادان معشوق اور عشق سے روکتا ہے تو جس طرح آگ پر پانی کے چھینٹے اسکو اور بھڑکا دیتے ہیں اسی طرح آتش عشق اور بھڑک جاتی ہے، نادان ناصح کو پتھر مارتے ہوئے اپنے آپ کو قربان کر دینے کے لیے بیتاب ہو جاتے ہیں، ع

ناصحا مت کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے ؎

دعیحی یا عاذلی الملامۃ الذی اسخطت کل الناس فی ارضائہ[2]

[2] اے ملامت گر میری جان اس بادشاہ پر قربان ہو کہ جسکے راضی رکھنے کی غرض سے میں نے تمام لوگوں کو ناخوش کر دیا ہے۔

[1] مجنون کہتا ہے کہ میں لیلیٰ کے کوچہ پر گذرتا ہون تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہون اور کبھی اس دیوار کو اور میرے دل میں در حقیقت کوچہ کے در و دیوار کی کوئی جگہ نہیں بنا لی ہو بلکہ اس کوچہ کے رہنے والی نے۔

فو من احب لاعصینک فی الهوی قسما به وبحسنه وبھائه

اے ملامت گر میں محبوب کے حسن و جمال کی قسم کھاتا ہوں کہ محبت کے بارے میں ضرور تیری نافرمانی کرونگا (متنبی)

میرے محترم! یہ تھوڑا سا خاکہ رنج اور غم کا ہے، اگر دل میں تڑپ اور سینہ میں درد نہ ہو تو زندگی ہیچ ہے، وہ انسان بھی انسان نہیں جس کے دل و دماغ، روح، اعضاء رئیسہ محبوب حقیقی کے عشق اور ولولہ سے خالی ہیں۔ یہاں عقل کے ہوش گم ہیں جس قدر بھی بے عقلی اور شورش ہوگی اور جس قدر بھی اضطراب اور بے چینی ہوگی اسی قدر یہاں کمال شمار کیا جائے گا ؎

موسیا آداب دانان دیگر اند سوختہ جان و روانان دیگر اند ؎

کفر کافر را و دین دیندار را ذرۂ دردت دل عطار را

عقل و حیا کے مقید ہونے والے عشاق آرام اور راحت کے طلبگار محبین اپنی سچائی کے اثبات سے عاجز ہیں ؎

عشق چون خام است باشد بستہ ناموس و ننگ پختہ مغزان جنون را کے حیا زنجیر پا است

اس وادی میں قدم رکھنے والے کو سر فروشی اور ہر قسم کی قربانی کے لیے پہلے سے تیار رہنا ضروری ہے۔ آرام اور راحت، عزت اور جاہ کا خیال بھی اس راہ سخت ترین بلکہ بدترین میں بدنام کرنے والا گناہ ہے ؎

نازپروردہ تنعم نبرد راہ بدوست عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

یقین می دان کہ آن شاہ نکونام بدست سر بریدہ می دہد جام

مولانا المحترم! اس وادی پرخار میں قدم رکھتے ہیں اور پھر مثلی کا، سر کے چکر کا، بیماری کا، ضعف کا، تکلیف کا، عزت و جاہ کا فکر ہے، افسوس ہے۔ مردانہ وار قدم بڑھائیے اگر تکلیف سامنے ہو تو خوش قسمتی سمجھیے۔ اگر ستائے جائیں تو محبوب کی عنایت جانیے،

بس پردہ طوطی صفت کون گرا رہا ہے، مجنون کو لیلی کے کاسہ توڑ دینے پر رقص ہوتا ہے جس سے وہ اپنے خاص تعلق کا اثبات کرتا ہے، اور آپ یہاں جھجکتے ہیں۔ کلا واللہ کلا واللہ

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل قول صادق امین ہے قیمۃ المرء ہمتہ،

بقدر الجد تکتسب المعالی ومن رام العلی سہر اللیالی

بانداز محنت بلند درجات حاصل ہو سکتے ہیں۔ جو شخص بلند درجہ کا قصد کرتا ہے وہ برابر راتوں کو جاگتا ہے۔

سوائے رضاء محبوب حقیقی اور کوئی دھن نہ ہونی چاہیئے ؎

دنیا و آخرت را بگذر حق طلب کن کاین ہر دو لولیاں را من خوب می شناسم

بجوش و بخروش و ہیچ مفروش

مجھے افسوس ہے کہ میں نے اپنی دیوانگی کے بڑ میں آپ کا بہت وقت ضائع کیا، مگر کیا کروں کہ اہل جشت کا دریوزہ گر ہوں، ان کی نسبت اپنا کھیل اور رنگ دکھاتی ہے، اگر میری عرض غلط ہو، پھاڑ کر پھینک دیجئے، اور ان ننگ حیدر آبادی کے کلمات کو تعویذ جان بنا لیجئے، اور اگر اس میں کوئی جھلک صداقت اور واقعیت کی معلوم ہو تو مولانا عبدالباری صاحب ندوی اور حکیم عبدالعلی صاحب کو بھی دکھلا دیجئے۔ غالباً مناسب ہوگا کہ مکہ معظمہ میں سید امین عاصم صاحب مرحوم کو آپ اپنا مطوف بنائیں، موصوف حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مطوف تھے، ان کا اگرچہ انتقال ہو گیا ہے مگر ان کی لڑکیاں انکے منصب پر قائم کی گئی ہیں، اور ان کے نواسہ سید عقیل عطاس حجاج کی خدمت انجام دیتے ہیں، حتی الوسع پوری خبرگیری کرتے ہیں، ان کا کارڈ اس میں موجود ہے، اگر نامناسب نہ ہو تو میرا عریضہ بھی دیدیجئے، آپ سے لوگ بمبئی سے یا لکھنؤ سے ... درخواست مطوفی کریں گے، مگر اکثر ان لوگوں سے تلخ تجربے حاصل ہوتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں

میرے دو بھائی بڑے مولوی سید احمد صاحب اور چھوٹے محمود احمد ہیں، اگر نامناسب نہ ہو تو ان سے بھی ملیں، اگر کوئی خدمت درکار ہو تو انشاء اللہ وہ اپنی طاقت کے موافق اس میں پورا حصہ لیں گے، مولانا شفیع الدین صاحب نگینوی مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے خادم اور خلیفہ اور حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے حدیث میں شاگرد نہایت پاکیزہ شخص موجود ہیں، ان سے بھی ملیں، اور میرا سلام عرض کردیں، دعا کی درخواست بھی ظاہر فرمادیں، کوشش ہونی چاہیئے کہ دونوں مقدس مقامات اور راستہ میں غفلت میں وقت نہ گذرے، خصوصاً عرفات کا دن بعد از زوال نہایت ہی غنیمت ہے، اس کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونا چاہیئے، اگر لوگوں کی بالخصوص وہاں کے مکان اور حکام کی فروگذاشتیں نظر پڑے تو اس کی طرف توجہ نہ کیجئے، اپنے کام سے کام رکھیے، اپنے اس نالائق و نابکار سگ دنیا روسیاہ خادم کو بھی دعوات صالحہ میں یاد رکھیے، کیا عجب ہے آپ حضرات کی دعائیں فلاح اور نجات کی اسباب بنجائیں، بہتر تو یہ ہوتا کہ کچھ دنوں پوری ہمت اور محنت کے ساتھ اذکار وغیرہ کرلینے کے بعد حج ہوتا اور زیارت کی مقدس نعمت حاصل کیجاتی تاکہ دونوں کی حقیقت سے اتصال کی نوبت آتی، مگر جب قصد کیا گیا تو پورا کرنا ضروری ہے، جہانتک ہوسکے غفلت کو راہ نہ دیجئے اور ذکر میں مشغول رہیے ؏ من نکردم شما حذر بکنید

میں انشاء اللہ شوال کی پانچ تک یہاں سے روانہ ہوجاؤں گا، اور اگر منظور الٰہی ہے تو وحید بھی حج میں آپ کے ساتھ ہوگا، خداوند کریم سے دعا ہے کہ آپ سبھوں کو حقیقی نعمت حج زیارت سے مالامال کردے، آمین، والد و والدہ اور متعلقین و احباب سے سلام مسنون عرض کردیں۔

۹ رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ از خلافت آفس سلہٹ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۵۴

(۱) سفر حج و زیارت نہایت مبارک سفر ہے، کوئی ضرورت اجازت طلب کرنے کی نہین، اور بالخصوص مجھ جیسے نالایق و ناکارہ سے، امتثالاً للامر ین الفاظ بھی ادا ادا کرتا ہون، تشریف لے جائین، اللہ تعالیٰ قبولیت فرمائے اور باعث قرب و خوشنودی کرے، آمین۔

(۲) مین پہلے عریضہ مین کچھ عرض کر چکا ہون، وہی میرے نزدیک ان دونون عبادتون کے لیے اصل الاصول ہے، اسی کو مطمح نظر بنائین، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا رسالہ فیوض الحرمین بھی راستہ مین مطالعہ کر ڈالیے، سفر حرمین شریفین اور وہان کی اقامت وغیرہ کے متعلق بھی بہت سی معتبر معلومات حاصل ہون گی،

(۳) اونٹون کا سفر کوئی مقصود بالذات نہین، جبکہ موٹر کا سفر بہت سے مصالح کو مشتمل ہے، تو جہاز اور ریل کی طرح اس کو بھی فضیلت ہی ہوگی، اسی کو اختیار فرمایئے،

(۴) حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مسلک[۱] حضوری مدینہ منورہ کے بارہ مین مرجوح بلکہ غلط مسلک ہے، مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرور کائنات علیہ السلام کی زیارت

---

[۱] امام ابن تیمیہ کے تبحر در علم و فضل پر اجماع ہے۔ جواز زیارت قبر نبوی میں اہل علم مختلف ہیں چنانچہ بعض یہ کہکر برأت کرتے ہیں کہ ابن تیمیہ کو نفس زیارت قبر نبوی کے استحباب کا انکار نہین صرف سفر بقصد الزیارت کا انکار ہے لیکن صاحب صارم نے خود ابن تیمیہ کی عبارتین نقل کی ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ نفس زیارت قبر نبوی کو غیر مشروع بلکہ غیر ممکن و غیر مقدور و ممتنع الوجود کہتے ہین، اور عموم زوروا القبور اور لا تعمله الا لزیارتی (الحدیث) سے اسکو خارج سمجھتے ہین، حالانکہ قبر نبوی کی زیارت باجماع علما قربت اور باختلاف مستحب یا واجب، جیسا کہ ابن ہبیرہ نے کتاب اتفاق الائمہ میں تصریح فرمایا ہے، اتفق مالک والشافعی وابوحنیفہ واحمد علی ان زیارۃ النبی من افضل المندوبات یعنی امام مالک شافعی و ابوحنیفہ و احمد حنبل کا اتفاق ہے کہ قبر نبوی کی زیارت سب سے

(باقی ص ۱۳۰ پر)

اور آپ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہیے، آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین و شہداء کو حاصل ہے، بلکہ جسمانی بھی ہے، اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے، آپ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا تھا، بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہیے، محبوب حقیقی تک وصال اور اسکی رضا صرف آپ ہی کے ذریعہ سے اور وسیلہ سے ہو سکتی ہے، اسی وجہ سے میرے نزدیک یہی ہے کہ حج سے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیے، اور آپ کے توسل سے نعمت قبولیت حج و عمرہ کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے، مسجد کی نیت خواہ تبعاً کر لی جائے، مگر اولیٰ یہی ہے کہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت کی جائے تاکہ لا تعملہ الا زیارتی والی روایت پر عمل ہو جائے

(۵) ذکر میں جو طریقہ ابتک کرتے رہے بہتر ہے، ایسے وقت میں یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ اٹھ کر ٹہلنے لگیں تاکہ نیند جاتی رہے، یہ وقت کی تعیین صرف ابتدا میں ہے، اصلی مقصد یہ ہے کہ خلوت اور جلوت، آمد و رفت، نشست و برخاست ہر حالت میں یہ ذکر جاری ہو جائے اور کوئی سانس بلا ذکر نہ نکلے، تنبہ اور عدم تنبہ ہر دو حالت میں ذکر جاری رہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۹) بہتر کاموں میں سے ہے، اور زیارت شرعیہ کو ابن تیمیہؒ جائز فرماتے ہیں یعنی مسجد نبویؐ کی زیارت کرنا، اور اسمیں بوقت دخول صلوٰۃ و سلام جیسا کہ وقت دخول تمام مساجد کے مشروع ہے، مراد لیتے ہیں، حالانکہ اس پر اطلاق زیارت کا نہ لغۃً صحیح ہے اور نہ شرعاً و عرفاً درست ہے، بقول مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ دلا عجب نان کل جواد کبوۃ ولکل عالم زلۃ تفصیل کیلیے ملاحظہ ہو "سعی المشکور" چونکہ حضرت امام العصر دامت برکاتہم پر عشقیہ رنگ غالب ہے اور دیار حبیب صلعم میں مدتوں فیضیاب ہونیکا اثر ہے، اور صاف فیصلہ ہے کہ مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرور کائنات علیہ السلام کی زیارت اور آپکے توسل کی غرض ہونی چاہیے۔ الخ واللہ اعلم، ؎ عقل گوید شش جہت راہ است حارے بیش نیست
عشق گوید ہست راہے بارہا من رفتہ ام

(۶) نماز میں کسی شخص کا تصور نہ فرمایئے، بلکہ ضیاء القلوب میں نماز کے لیے طریقہ ذکر کیا گیا ہے، اس کو عمل میں لایئے۔ انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی ملفوظات (فیہ ما فیہ) پہنچیں، مگر افسوس ہے کہ ان دنوں انسداد عدیم الفرصتی ہے کہ مطالعہ کرنا سخت دشوار ہے۔ ہمارے اسلاف پر نسبت چشتیہ ہی غالب ہے اگرچہ دوسرے طریق میں بھی ان کو اجازت ہے۔ حضرت خواجہ علاء الدین صابر قدس اللہ سرہ (جن کے اصل سلسلہ سے اسلاف کا انتساب اور سلوک ہے اور جس میں بہ نسبت سلسلہ نظامیہ سوز وگداز اور اضطراب و شورش عشق بہت زیادہ ہے) اور حضرت محبوب سبحانی قدس اللہ سرہ العزیز دونوں ایک ہی در کے دریوزہ گر ہیں، اس لیے اور اسلیے کہ سلسلہ نظامیہ میں بھی ہمارے اکابر کا سلوک ہے تعلق اور تناسب ہونا ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے فیوض سے فیضیاب فرمائے۔ بزرگوں کے شئون بھی جدا ہوتی ہیں۔ التفاتات اور توجہ کی حالتیں علیحدہ علیحدہ ہیں، طبعی تناسب کو اس مبارک سفر میں جہانتک ہو سکے دل کو مطمئن رکھتے ہوئے ذکر میں حضور قلب کے ساتھ پوری جدوجہد قائم رکھیں

مدینہ منورہ میں کم از کم آٹھ دن ضرور قیام فرمائیں، بعض روایتوں میں ہے کہ جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھیں کہ کوئی نماز فوت نہ ہوئی ہو تو اس کے لئے نفاق اور نار سے برات لکھی جاتی ہے، لہذا آٹھ دن اس التزام کے ساتھ فرمایئے کہ مستقل طور پر چالیس نمازیں با جماعت اولی مسجد نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں ادا ہو جائیں) اور حتی الوسع کوشش کیجیے کہ اس حصہ میں یہ فرائض ادا ہوں جو کہ زمانہ نبوت میں مسجد تھا، اس کی علامتیں ستونوں پر بنی ہوئی ہیں، ہر ستون پر اس صف ستون کے بالائی حصہ پر لکھا ہوا ہے، بلکہ اگر ہو سکے تو فرائض روضۃ من ریاض الجنۃ کی حد میں ادا کریں۔ ان ستونوں پر

زیرین حصہ میں قدم آدم تک سنگ مرمر لگا ہوا ہے، نماز اور جماعت کی آسانی کے لیے حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے قریب مکانات زیادہ تر ممد و معاون ہوں گے، بھائی صاحب کو میں نے لکھ دیا ہے، اگر آپ جلد ان سے مل لیں گے تو وہ آپ کی مدد میں کوتاہی نہ کریں گے۔ ان کے نام کا یہ لفافہ بھی رکھتا ہوں، وہ حرم محترم کے بہت قریب باب النساء کے اطراف میں رقاق البدور میں رہتے ہیں، ممکن ہے کہ وہاں کوئی مناسب مکان خالی مل جائے، یا وہ اپنے ہی مکان میں کوئی خالی قطعہ دے سکیں، تو زیادہ آسانی ہوگی، آپ جس طرح مجھ سے تکلف برتتے ہیں وہاں نہ برتیں، وہاں آپ نووارد ہوں گے، اور وہ لوگ وہاں کے باشندے ہوگئے ہیں، شہر سے، زبان سے، ضروریات سے واقف ہیں، ان کو آپ کی خدمت کرنی چاہیے، اور آپ کو ان سے خدمت لینی چاہیے، میں ایک دوسرا خط شیخ خلیل آغا خواجہ سرائے حرم نبوی اور خادم حجرہ شریفہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) کو لکھتا ہوں اگر حرم شریف میں رات کو رہنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ آپ حضرات کی مدد دینگے اور سہولتیں پیدا کریں گے۔

(۵) آنجناب کی اہلیہ محترمہ کی عنایات بھی آپ ہی کی عنایتوں کی ظلال ہیں، میری جو حالت ہے وہ تو ظاہر ہے

یظن الناس بی خیرا وانی لشر الناس ان لم یعف عنی

لوگ میرے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں، لیکن اگر وہ درگذر نہ کریں تو میں سب سے بڑا آدمی ہوں۔

کیا عجب ہے احباب اور بزرگوں کے حسن ظن اور عنایات ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نجات کر دے، والسلام

از سلہٹ، خلافت آفس ۱۲ رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۷ھ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۶ ۱۴

مولانا محمد علی صاحبؒ کا شکوہ اور خفگی بیجا تھی مجھکو یہ خبر متعدد طریقوں سے ملی تھی کہ بند ۵ میں دن پہلے سے بڑے زوروں پر تیاریاں ہو رہی تھیں، اگر ایسے رہنما ان اسرافات اور فضول خرچیوں بنود و نمائش کو نہ چھوڑیں گے تو عوام الناس کس طرح اقتصاد اختیار کرینگے، یوں میں ان کی تمام خفگیوں کو سر اور آنکھوں پر رکھتا ہوں، انشاء اللہ تاریخہائے مذکورہ پر میں دیوبند حاضر ہوں گا جس دن مولانا محمد علی صاحبؒ کے یہاں عقد تھا، اسی دن شام کو بعد از عشا مولانا عبد الباری صاحب کا بھی عقد اچھے گانوں علاقہ بارہ بنکی میں ہوا، ماشاء اللہ انتہائی سادگی تھی، باہر کے لوگ فقط ہم چار آدمی تھے، مولانا عبد الحلیم صاحب، ڈاکٹر عبد العلی صاحب، یہ نالائق، خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ اور باقی ڈیڑھ تین ان کے بھائی اور خود اور ان کے والد صاحب، مہر فاطمی ہوا، کوئی تزک و احتشام نہ تھا، فریق ثانی نے بھی اس کا ثبوت دیا، اللہ تعالیٰ طرفین کو مبارک کرے، مولوی حبیب احمد صاحب واقع میں نہایت عجیب و غریب بزرگ ہیں، حضرت مولانا دامت برکاتہم کی خدمت اقدس میں سلام مسنون عرض کر دیں، اور درخواست ادعیہ صالحہ گھر میں بھی سلام مسنون عرض کر دیں، والسلام

از اسٹیشن سہارنپور، ۶ محرم الحرام ۱۳۴۸ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۱۴۷

والانامہ مجررہ ۱۶ اکتوبر باعث سرفرازی ہوا تھا، اب تو جناب خانقاہ میں پہنچ گئے ہونگے اللہ وند کریم وہاں کی حاضری باعث برکات غیر متناہیہ کرے، آمین ۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی بیاد آر حریفان بادہ پیمارا

محبان جادہ مجھکو توی امید ہے کہ جناب وہان پر اپنے اوقات کو مشاغل حقیقہ مین صرف فرمائین گے جس کے متعلق ہدایت کرنے کی ضرورت نہین ہے، البتہ ایک ضروری عرض محض اخلاص کی بنا پر کرتا ہون، اور امیدوار ہون کہ کسی غیر محل پر عمل نہ فرمائین، مین نے حسب ارشاد حضرت مولانا دامت برکاتہم اور آپ حضرات کے ارشاد پر اسوقت بیعت کرلی تھی، مگر حقیقت یہ ہے کہ مین اپنی بداحوالی، روسیاہی، ناکامی پر نہایت زیادہ گریہ کنان ہون اور سخت شرمندہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو مولانا دامت برکاتہم کے دربار مین پہنچا دیا ہے، اور مولانا کو آپ سے اور آپ کو مولانا سے انس اور تعلق پیدا ہوگیا ہے، وللہ الحمد اللھم زد فزد۔ اب مناسب اور ضروری ہے کہ آپ مولانا سے بیعت بھی کرلین، مجھے قوی امید ہے کہ مولانا دامت برکاتہم اب آپ کو نہ ٹالین گے، مین نے خود بھی ان دنون جب حاضر ہوا تھا، یہی عرض کیا تھا کہ آپ جب تشریف لائین اور درخواست کرین تو جناب ان کو ضرور بیعت کرلین، قواعد طریقت کے اصول پر بیعت کرلینا ہی زیادہ مفید اور کارآمد ہے، اور اسی کی بنا پر فیض کی زیادہ تر امید ہے، مجھ روسیاہ کو بھی کبھی کبھی دعوات صالحہ سے یاد فرمالیا کرین، نیز مولانا دامت برکاتہم سے بھی دعا کی التجا کردیا کرین، جزاکم جناب نے مولانا عاشق الٰہی صاحب کی تحریر سے انتزاع کیا ہے، عجب نہین کہ وہ صحیح ہو، مگر معصومیت تو سوائے انبیاء علیہم السلام کسی کے لیے نہین۔ والسلام، از دیوبند، ۲۰ر جمادی الاخری ۱۳۴۶ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴) ہم نے "یادگار سلف" مین بیعت، حکمت بیعت، ثبوت بیعت، اقسام بیعت اور سلسلہ بیعت پر مفصل لکھا ہے، اس کو ملاحظہ کرلیا جائے۔ البتہ تکرار و تجدید بیعت جو علماء و مشائخ مین رائج ہے اس مین

(باقی ص ۳۷ پر)

مکتوب نمبر ۸۴

اس مبارک تبادیہ جس قدر بھی آپ کو مبارکبادی دوں کم ہے۔ اللہ تعالیٰ طرفین بلکہ اطراف ثلاثہ کے لیے دینی اور دنیوی برکت کا ذریعہ فرمائے آمین۔ چونکہ مولوی عبدالرحمن لنگیا مرحوم سے مجھکو بھی ذاتی تعلق ہے، اس لیے اور بھی زیادہ خوشی ہوئی، البتہ آپ کی پہلی اہلیہ محترمہ کے طبعی ملال کا خیال ہے، اگرچہ وہ تعلیم یافتہ، سمجھدار، دیندار، نیک مزاج عورت ہین

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۴) کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے، سو جاننا چاہیے کہ اگر کوئی شخص ایک مدت تک ایک شیخ کی خدمت مین حسن اعتقاد کے ساتھ رہا اور اپنے اندر اس کی صحبت کا کوئی اثر نہین پایا تو اس پر ضروری ہے کہ اس شیخ کو چھوڑ دے لیکن حسن ظن برابر قائم رکھے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ شیخ کامل رہا ہو اور اس کا حصہ اس کے پاس نہ ہو، لہذا دوسرے شیخ کی طرف رجوع کرے، اگر ایسا نہ کریگا تو اس کے معنی یہ ہون گے کہ مقصود خدا رسی نہین بلکہ شیخ پرستی ہے جو جائز نہین، یا اسی طرح شیخ دنیا سے رخصت ہو گیا اور مزید تزکیہ نفس و تطہیر باطن سے محروم رہا تو جائز ہے کہ ایسا شخص دوسرے شیخ کی طرف رجوع کرے، یا شیخ موجود ہے لیکن اب ملاقات کا امکان نہین تو بھی دوسرے شیخ کو اختیار کیا جا سکتا ہے یا شیخ کے خیالات خراب ہو گئے، بدعات وغیرہ کا خوگر ہو گیا تو بھی ایسے شیخ کو ترک کرنا اور دوسرے کو اپنا مرشد و رہنما بنانا لازمی ہے، چنانچہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے فرمایا ہے کہ بیعت مین بھی تجدید آئی ہے (مسالک السالکین) حضرت سید جلال الدین بخاریؒ جو مخدوم جہانیان جہان گشت کے نام سے مشہور ہین، آپ بھی تجدید بیعت کے قائل تھے، حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے اس مسئلہ پر بہت مدلل بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ ہم درج کرتے ہین، فرماتے ہین کہ صحابہ کرام نے آنحضرت صلعم کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ وغیرہم کے ہاتھون پر بیعت کی تھی، مقصود اس بیعت سے محض امور دنیوی ہی نہ تھے بلکہ کمالات باطنی کا حصول بھی تھا، یہ کہنا کسی طرح جائز نہین کہ بعض اولیاء بعد موت بھی باقی ہے، لہذا دوسرے شیخ کی طلب مشغول ہے، حالانکہ اولیاء کا فیض مرنے کے بعد اتنا نہین کہ جو ناقص کو کمال تک پہونچا سکین

(باقی ص ۱۳۶ پر)

اس لیے مجھکو قوی امید ہی کہ وہ نہ صرف خوش وخرم رہین گی، بلکہ وہ آیندہ آپکے اور آپ کی جدید اہلیہ محترمہ
کی خوش وقتی اور طمانیت کی ساعی مین بھی حصہ لین گی، مجھکو یہ بھی قوی امید ہی کہ آپ حتی الوسع دونون
کے حقوق مین انشاء اللہ مساوات اور عدالت کو کام مین لاتے رہین گے، اور اپنی طاقت کے موافق کوئی
ایسا عمل نہ کرین گے جس سے کسی کو رنج وملال کی نوبت پیش آئے، اگرچہ ازواج مطہرات کے واقعات
ہم کو ایسے معاملات مین مشعل ہدایت کا کام دے رہے ہین[5]، ہر چند میرے لیے اس وقت یہان سے
باہر جانا سخت ضرر رسان ہی..... بہتر تو یہی ہی کہ معاف کر دیا جاؤن، والسلام، از دیوبند
۱۲/ جمادی الاولی ۱۳۴۹ھ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ،

[5] حاشیہ ص ۱۳۱ ملاحظہ ہو۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۵) اگر موت کے بعد بھی فیض اسی طرح ہوتا جیسا کہ زندگی مین تھا، تو تمام اہل مدینہ نبوت کے زمانہ سے ابتک کل صحابی ہوتے اور کسی کو اولیاء کی صحبت کی ضرورت نہ باقی رہتی، حالانکہ تجربہ شاہد ہے کہ اہل حرمین شریفین ہمیشہ صحبت وبیعت اولیاء مدینہ منورہ ومکہ معظمہ اور دوسرے شہرون کی اختیار کرتے رہی، اور صرف قبر نبوی صلعم ہی سے استفاضہ پر قانع نہ تھے، اور یہ تو بدیہی بات ہی کہ فیض مردہ مثل زندہ کے نہین ہوسکتا ہی کیونکہ فیض پہنچانے والے اور فیض حاصل کرنے والے مین مناسبت ضروری ہی، اور یہ چیز مرنے کے بعد جاتی رہتی ہی، اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بعد فنا وبقا کے مناسبت باطنی اور ربط معنوی حاصل ہوتا ہی، لہذا اموات سے فیض حاصل کیا جا سکتا ہی تو کہا جائیگا کہ جو زندگی مین حاصل ہوسکتا ہی اتنا مرنے کے بعد کہان حاصل ہوسکتا ہے، ایک ذرہ زندہ پیش عارف :: بہتر ز ہزار شیر مردہ۔

اس مکتوب گرامی سے ایک اور صورت بھی جواز تکرار بیعت کی ثابت ہوتی ہی کہ شیخ اول کی اجازت سے دوسرے شیخ سے بیعت کرنا جائز ہے بشرطیکہ تعلیم وتربیت اور سلسلہ ہر دو شیوخ کا ایک ہی ہو، حضرت مولانا تھانوی اور حضرت امام العصر دامت برکاتہم دونون نے تعلیم وتربیت حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے پائی ہے، میرے نزدیک تو اس کی بھی ضرورت نہ تھی کہ تجدید بیعت کیجائے، محض تعلیم وتربیت کافی تھی، مگر فراست مدنی پر قربان جایئے، اگر شیخ کی تعلیم پر عمل نہ ہوا اور اس کے کہنے پر اطمینان نہ ہوا، ساری عمر مکے پیسے گا ذرہ برابر نفع نہ ہوگا، یہ تعلق بڑا نازک ہی، یہ مکتوبات شاہد ہین

(باقی ص ۱۳۷ پر)

مکتوب نمبر ۴۹

والانامہ صادر ہوا، بخیر و عافیت پہنچنے کی خوشی ہوئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کے بارے مین جو آپ نے فرمایا ہے، یہ واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے، جبکہ نماز کے اندر فعل کثیر ممنوع نہ تھا، اور اسقدر تشدید نہ تھی، جیسا کہ اب بھی ضرورت شدیدہ مثلاً خوف وغیرہ کی حالت مین فعل کثیر اور تحول عن القبلہ کی اجازت ہے، علیٰ ہذا القیاس یہ صورت ہے.....

امر ثانی یہ کہ مجھکو آپ کے تشریف لے جانے کے بعد معلوم ہوا کہ آپکے گھر مین تمام نمازون کو بیٹھکر پڑھتی ہین، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کم از کم فرائض تو ضرور کھڑے ہوکر پڑھنا ہی اولیٰ ہے،

والسّلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۵۰

والا نامہ رجسٹری شدہ باعث سرفرازی ہوا، احوال مندرجہ سے آگاہی ہوئی، بہت زیادہ قلق اور اندوہ کے باعث ہین، پھر نہ معلوم آپ پر ان کا کیا اثر ہوگا۔ ولے افتادہ مشکلہا کا سمان ہے۔ پہلے بھی جلدی کی گئی تھی، مگر نیت بخیر تھی، امید قوی ہے کہ اجر سے خالی نہ ہوگا، ہان نفس کی قدرے اصلاح

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۶) کہ کجا وہ شور اشوری اور کجا یہ بے نمکی کہ رفتہ رفتہ تعلق ہی آنا کمزور اور ضعیف ہوگیا کہ اگر کہا جائے کہ باقی نہیں رہا تو خلاف نہ ہوگا، اسکا اعتراف مولانا دریابادی مدظلہ نے اپنے ۹ جنوری ۴۸ء کے گرامی نامہ مین کیا ہے،

(حاشیہ مکتوب نمبر ۴۸) مولانا عبدالرحمٰن صاحب مرحوم راقم الحروف کے استاد تھے، بڑے ذہین اور فاضل تھے لیکن مشیئت ایزدی کہ عمر نے وفا نہ کیا اور ۳۰۔۳۵ سال کی عمر مین انتقال فرمایا، انا للہ الخ۔ آپ کی اہلیہ محترمہ سے مولانا دریابادی نے غالباً سنت کی پیروی مین عقد ثانی کیا اور پھر چند روز کے بعد طلاق دیدیا، والقصہ بطولہا۔ اس مکتوب گرامی مین اسی جانب اشارہ ہے۔

تو ضرور ہونی چاہیے، اگرچہ بہت باقی ہے، موجودہ صورت میں بظاہر فراق ہی بہتر معلوم ہوتا ہے خصوصاً جبکہ والدہ ماجدہ کا حکم بھی بار بار نافذ ہو چکا ہے، اور تعجیل کا حکم ہے، استخارہ سات مرتبہ کیجئے اور اگر قلب کی حالت فراق ہی کی طرف میلان رکھتی ہے تو اس پر عمل کیجئے، فریق ثانی کے لیے فکر سے غافل نہ رہیں، اور ان کے خاص لوگوں کو جو کہ اس امر میں ساعی یا ممد رہے تھے اپنی معذوری علیحدگی میں مل کر با حسن وجوہ سمجھا دیجئے، اور اہلیہ محترمہ کے ساتھ بعد از فراق بھی کفالت کی اعانت بعد از عدت قائم رکھیے، اگرچہ بمقدار قلیل ہو، طلاق صرف ایک ایام طہر میں دو گواہوں کے سامنے تحریری یا زبانی دیجئے اور اہلیہ قدیمہ کو بھی اس کی اطلاع دیدیجئے، آپ کا لہجہ علی برادر کی اعانت اور الجمعیۃ کی اہانت میں بہت سخت ہو گیا ہے افسوس کہ شوکت صاحب کے معاملات قابل تاویل باقی نہیں رہے مسلمانوں کا مستقبل روز بروز اندیشناک ہوتا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے، ذکر سے تغافل ہرگز نہ کریں، ع

من نہ کردم شما حذر بکنید

اللہ تعالیٰ آپ کی اور ہماری اور مسلمانوں کی مدد فرمائے۔ والسلام

از دیوبند۔ ۲۶ محرم الحرام ۵۰ھ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۵۱

آپ نے بہت اچھا کیا کہ رنگون کے خط کو شائع نہیں کیا، میں بیحد شکر گذار ہوں اور نہایت ادب اور پرزور التجا کے ساتھ عرض رساں ہوں کہ مہربانی فرما کر اس قسم کی تحریر کبھی بھی اوراق میں آنے نہ دیجئے، بلکہ زبانی تذکرہ تک سے بھی قطعی پرہیز فرمائیے، مجھے تو آپ سے یہ بھی شکایت ہے کہ آپ میری تعریف (جو کہ میرے نزدیک بالکل غیر واقعی ہوتی ہے اور انسان کو اپنا علم حضوری

اور صحیح ہوتا ہے) دوسروں کے سامنے کیا کرتے ہیں، میری دلی خواہش ہے جو کہ میں بلا تصنع عرض کرتا ہوں، کہ اس سے آپ کلی پرہیز فرمائیں، اگر آپ میرے واقعی عیوب ظاہر نہیں فرماتے یا خداوند ستر کی وجہ سے واقع میں آپ کو اطلاع نہیں ہے تو ان غیر واقعی مدائح کو تو زبان پر نہ لایا کریں، اگر آپ کسی غلطی میں مبتلا ہو گئے ہیں تو دوسروں کو تو ایسے ناخوش گوار گڑھے میں نہ ڈھکیلیں، واللہ ثم باللہ ثم تاللہ۔ میں اسقدر نالائق، ناہنجار، گنہگار، دنیا پرست، سگ دنیا، اور بدکردار ہوں کہ اگر محض اپنے فضل و کرم سے اس غفار الذنوب، ستار العیوب نے کام نہ لیا تو اشد الناس عذابا اور اخسر الخاسرین میں ہوگا۔ فلہ الحمد علی حلمہ وعلیٰ عفوہ بعد قدرتہ۔ میرا اپنے آپ کو ننگ اسلاف کہنا اور لکھنا واقعیت کی بنا پر ہے، کسر نفسی کی بنا پر نہیں، خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری برائیوں پر پردہ ڈال رکھا ہے، ورنہ لوگ مجھ سے اس سے زیادہ نفرت کرتے جتنی سور اور کتے سے کرتے ہیں ؎

یظن الناس بی خیرا و انی | لشر الخلق ان لم یعف عنی

میں آپ سے پھر خدا اور رسول (علیہ السلام) کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں کہ اس قسم کے خطوط اور تحریروں کو ہرگز اپنے یا کسی اخبار میں جگہ نہ دیں، امارت کے لیے بہت سے اہل اور لائق اشخاص موجود ہیں، مولانا کفایت اللہ صاحب، مولانا انور شاہ صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب وغیرہ۔ میں ان حضرات کے دست مبارک پر بیعت امارت کرنے کے لیے تیار ہوں، اور ان شاء اللہ حتی المقدور اطاعت کروں گا۔ خواب مبارک ہے، اگر خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے مجھ کچھ نوازے تو اس کا کرم ہے۔

والسلام

از دیوبند۔ ۱۹ جمادی الاول ۱۳۴۰ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۵۲

والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا، تھانہ بھون کی تشریف ارزانی کے متعلق مجھ روسیاہ ونالائق سے اجازت چاہنا عجیب بات ہے، مین تو خود ہی ناکارہ ہون، اور اس امر کو ہمیشہ عرض کرتا رہا ہون۔ بناوٹ اور کسرِ نفسی سے نہین، بلکہ حقیقت الامر کی بنا پر، مگر میری عرض پر التفات نہین کیا گیا، اس سے بڑھ کر کیا چیز خوشی کی ہو سکتی ہے کہ مقصد اصلی اور محبوب حقیقی کی بارگاہ اقدس تک رسائی ہو، جو کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کی بارگاہ مین ارجی ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی مرضیات سے نوازے۔ آمین۔ والسلام

از دیوبند ۹ رجمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۵۳

یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہون، اور ساتھ ہی ساتھ اس کی شکایت بھی ضرور کرتا ہون کہ آنجناب غریب خانہ پر مہمانون کی آمد اور ان کی خدمت کو ہوٹل یا سرائے قرار دیتے ہین۔ کیا مہمانون کا آنا خوش نصیبی نہین ہے؟ کیا مہمانون کی خدمت سنن انبیا خصوصًا سنت ابراہیمی نہین ہے کیا مہمان نوازی اعلیٰ درجہ کے مفاخرین سے نہین ہے؟ کیا ارشاد نبوی نہین ہے من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ۔ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احادیث مین مہمان کی خدمت کی تاکید نہین فرمائی ہے؟ فالعجب العجب۔ مین مہمانون کی کبھی بھی انکے مراتب کے موافق خدمت نہین کرسکا جس سے مجھکو خود شرمندگی رہتی ہے، اس پر آپ کے ایسے الفاظ

مین نہین سمجھ سکتا کہ کیا اثر کر رہے ہین۔ کاش آپ میرے بڑون حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت نانوتویؒ کو ملاحظہ فرماتے اور پھر فیصلہ کرتے کہ مین کسقدر قاصر ہون۔ اعزہ و احباب سے سلام مسنون عرض کردین

والسلام - از دیوبند ۱۲ رجب ۱۳۵۸ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۳) کیسی ستم ظریفی ہے کہ جو بات اپنی سمجھ مین نہ آئے جھٹ اسکو غلط کہدینا اور اعتراض کا ایسا انداز اختیار کرنا جو اہل علم کی شان کے منافی اور استادی و شاگردی، پیری و مریدی بالکہ طریق کے اندر سخت معیوب ہے، مولانا دریابادی کا شمار اہل علم میں ہے اور ماشاء اللہ اب تو وہ اچھے خاصے درویش بھی ہین، گستاخی نہ ہو تو یہ دبی زبان سے عرض کرون کہ اہرین طریقت کی اتباع ہی مین سب کچھ ہے، بزرگون کا قول ہے "الاعتقاد خیر من الانتقاد" لہذا ہر چیز کے اندر اسرار و دلائل کا ڈھونڈھنا بہتر نہین ہے، اتباع ہی بہتر ہے، باقی جنھون نے اساتذہ سے احادیث پڑھی ہین وہ جانتے ہین کہ مہمان نوازی کا کیا درجہ ہے، ترمذی کی یہ روایت تو یاد ہوگی کہ ابوالاحوص اپنے باپ سے روایت کرتے ہین کہ مین نے رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا، یا رسول اللہ اگر مین کسی شخص کے پاس مہمان ہو کر گذرون اور وہ مہمانی نہ کرے اور پھر وہ اگر میرے یہان آئے تو مین کیا کرون؟ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تو اس کی مہمان نوازی کر۔" دوسری روایت مین ہے فاطعموا طعامکم الاتقیاء، اپنا کھانا متقیون کو کھلاؤ۔ تیسری روایت مین فاجتمعوا علیٰ طعامکم یعنی اپنے کھانون پر اکٹھا ہو کر کھایا کرو۔ حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے اصولی روایات کا بھی ذکر فرمادیا ہے، اور تمام روایات کو ملانے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف کے یہان جو کچھ ہوتا ہے اتباع نبوی صلعم ہی کے تحت ہوتا ہے، مثلاً ایک ہی پیالے اور سالن مین کئی کئی آدمی شریک ہو جاتے ہین، ممکن ہے عمل کو اسی پر اعتراض کیا جانے لگے، اور زمانہ کے مہذب اسکو بھی برا سمجھین لیکن ایک عارف مدنی کی نگاہ مین ہمہ نفس کی پابند نہین جو چند قدم کے بعد تھک کر رہ جاتی ہے بلکہ وہ برای العین دیکھتا ہے کہ سب کا میاب مطلب دلی نبی ؐ کا ہے اور زمانہ حاضرہ کا سبب مرض مرض ہے، ابنیا کے آزاد ہو جاتا ہے اسلیے ضروری ہے کہ اسوۂ حسنہ کا عاشق اور سنت نبوی کا کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، رہنے سہنے، غرض کہ جینے کے جملہ طرق و آداب نبوی کی تعلیم و تربیت ہی کو اصلاح امت کا واحد علاج تجویز فرمانا نہ کر دیں ۔ ہر کہ کال را قیاس از خود مگیر ۔ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

مکتوب نمبر ۵۴

مجھکو تعلیمی مشاغل سے فرصت نہین، ادھر دہلی جانا بخوف نوٹس غیر مناسب معلوم ہوتا ہے جسب پروگرام وقت پر قانون شکنی کے لیے انشاء اللہ جانا ہو جائیگا، تلامذہ کی تعلیم کے لیے دوسرے اساتذہ موجود ہیں، کسی کے تڑپنے کی انشاء اللہ نوبت نہ آئیگی، مولانا عبدالحلیم صاحب کو دو سال کی مہمانی کا شرف حاصل ہو گیا..... کچھ بعید نہین کہ کارکنان دارالعلوم دیوبند اس مرتبہ کی مہمانی جیل کے بعد میرا تعلق ہی دارالعلوم سے قطع کر دین ...... جہانتک سنا جاتا ہے لوگ اس فکر مین ہین کہ کسی طرح اس کا باب کٹے۔ واللہ اعلم۔ خیر اللہ تعالیٰ جو کچھ بہتر ہو اس کو ظاہر فرمائے۔ آمین۔ والسّلام۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۵۵

والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا۔ لڑکیون کا انعام سنتِ نبوی ہے، مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ صالحہ طویل العمر کرے، آمین۔ یہی نہین کہ فقط سنت ہی، بلکہ والدین کے لیے لڑکیوں کی خوشی اور دلدہی سے پرورش باعثِ نجاتِ اخروی اور رفع درجات بھی ہے، چنانچہ متعدد روایاتِ صحیحہ اس پر تصریح فرما رہی ہین، لہذا مین امید کرتا ہون کہ آپ پر طبعی طور پر دل تنگی نہ ہونی چاہیے، فَاَرَدْنَا اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا کو بھی پیشِ نظر رکھیے۔

کھجورین بھائی صاحب نے رجب میں روانہ فرمائین...... آپ فرماتے ہین کہ انھون نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ کے حصہ کی کھجورین حسین احمد کے پاس بھیجدین۔ کیا یہ احتجاج کے لیے کافی ہے؟ میرے پاس تو نہیں لکھا، لہذا مجھ پر الزام نہین ہو سکتا، اور پھر کوئی مقدار نہین، اس لیے ممکن ہے کہ

ایک ہی دام پیش کر کے سبکدوش ہو سکون۔ کلام مجید کا ترجمہ نعمت عظیمہ ہے، اللہم زد فزد۔
فللہ الحمد والمنہ۔ والسلام۔ ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۵۶

آنجناب کی توجہات کا شکریہ ادا کرتا ہون۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ناکارہ تو حضرت دامت برکاتہم کا نہایت معتقد اور ان کی تعظیم اور احترام کو نہایت ضروری سمجھتا ہے۔ ان کی قابلیت اور کمالات کے سامنے اتنی بھی نسبت نہین رکھتا جو کہ طفل دبستان کو فلاطون سے ہو سکتی ہے۔ البتہ تحریک حاضرہ کے متعلق جو چیزیں وہاں سے شائع کرائی جاتی ہین اور جو کچھ وہاں کے متوسلین گاتے ہین، وہ نہایت دلخراش ہین، مین مولانا کو اپنا معتقد اور اپنے اکابرین مین سمجھتا ہون۔ والسلام

۱۵ شوال ۱۳۵۲ھ۔ از رہڑا، ضلع بلیا۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۵۶) عربی کا مشہور مقولہ ہے "المعاصرۃ سبب المنافرۃ" چنانچہ علامہ سیوطی وسخاوی وغیرہم اکابر کے واقعات جس طرح اس پر گواہ ہین اسی طرح اسلاف کبار کے حالات مین ابن عیینہؒ اور امام مالکؒ کی باہمی ملاقات اور پھر ایک دوسرے کی عظمت کا اعتراف کتب طبقات ورجال مین موجود ہین، حضرت امام العصر دامت برکاتہم پر اسلاف کا گہرا رنگ اس درجہ غالب ہے کہ اسلاف کی بلندی دیکھتے ہوئے اپنے کو ننگ اسلاف لکھنا ذرا بھی عار نہین سمجھتے اور بقول حضرت حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ کہ اتفاق کی جڑ تواضع ہے اگر ہر شخص دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھنے لگے تو پھر نااتفاقی کی نوبت ہی نہ آئے سبحان اللہ کیا حقیقت ظاہر فرمائی۔ حضرت امام العصر دامت برکاتہم پر یہی رنگ غالب اور اپنے اکابر کی نسبت چھائی ہوئی ہے جسکو بادی النظر مین کسر نفسی اور خلق سے بعض سطحی لوگ تعبیر کرتے ہین،

مکتوب نمبر ۵۷

چوں با حبیب نشینی و بادہ پیمائی　　بیاد آر محبان جادہ پیما را

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اپنے مشاغل قلبیہ سے غافل نہ رہیں، ذکر میں کوشاں رہیں، مولانا دامت برکاتہم کی خدمت میں جس قدر بھی بیٹھنا ہو غنیمت جانیں، اس وقت میں جہاں تک ممکن ہو ذکر کا خیال رہے، اور قلب حاضر ہو۔ صحبۃ الشیخ ساعۃ خیر من عبادۃ تسعین سنۃ قول اکابر ہے حضرت مولانا دامت برکاتہم کی خدمت میں سلام مسنون اور استدعاء دعوات صالحہ وصرف ہمت عرض کردیں، میں اس وقت لکھنؤ برائے شرکت عقد مولانا عبدالباری جارہا ہوں، والسلام

از اسٹیشن سہارنپور۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۵۸

محترما! دام فضلکم۔ نہایت افسوس کے ساتھ مطلع کرتا ہوں کہ ۱۸ و ۱۹ شعبان ۱۳۵۵ھ چہارشنبہ پنجشنبہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۱) اور کہنا پڑتا ہے کہ برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اسکے اندر ہوتا ہے اس مکتوب گرامی میں حضرت مولانا تھانوی کے کملات کا اعتراف جس خوصلہ سے فرمایا ہے اسکی نظیر صرف مخصوص اکابرین کے اندر پائی جاتی ہے اور یہ امام العصر کا وہ مقام ہے جہاں تک تو معاصرین پہنچے اور نہ دوسرے اسی کیساتھ سیاسی تحریکات میں تھانہ بھون سے جو کچھ شائع ہوا اور خلافت وغیرہ کے دور میں تحریک جمعیۃ پر اختلاف کیا گیا، اور پھر ۱۹۴۵ء کے الکشن تک قائم رہا جن بھولے بھالے علماء نے حضرت حاجی صاحبؒ کے سیاسی مسلک و طریق کار سے ملتمہ ہو کر فتنہ کھڑا کردیا اس کا ذکر احادیث فتن کے اندر موجود ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی صحیح جانشینی حضرت مولانا نانوتویؒ حضرت قطب گنگوہیؒ شیخ الہندؒ اور حضرت امام العصر دامت برکاتہم وغیرہ نے فرمائی حق اور انصاف یہی ہے گرکون ہے جو اس کا اعتراف کریگا؟ تھانہ بھون سے جو کچھ گایا گیا رسالہ الامداد وغیرہ کی پرانی فائلیں شاہد ہیں جس کو ہم طول کے خیال سے شائع نہیں کررہے ہیں۔

کی درمیانی شب میں والدہ اسعد دہلی میں اس دارفانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئیں۔ اِنّا لِلّٰہ الخ
مجھکو شب ہی میں تار ملا، دہلی پہنچا، جنازہ دیوبند لایا، اور پنجشنبہ کی شام کو مرحومہ کو سپرد خاک کیا گیا،
دعاء مغفرت فرمائیں، دعوات صالحہ و کار لائقہ سے فراموش نہ فرمائیں، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۵۹

میں جناب سے ریل میں جدا ہو کر شب میں ٹانڈہ پہنچا، وہاں میرے تائے زاد بھائی محمد بشیر صاحب مرحوم
کی لڑکی دو سال سے بیوہ تھی، اس کو نکاح کے دو تین سال کے بعد بیوگی کا منہ دیکھنا پڑ گیا تھا،
صرف ایک بچی پیدا ہوئی تھی، جو کہ تھوڑے ہی دنوں زندہ رہ کر راہی ملک بقا ہو گئی تھی، اس بیوہ
کے نکاح کا عرصہ سے جھگڑا چلا آتا تھا، مختلف مقامات پر اس کے نکاح کے لیے گفتگو ہوئی تھی،
مگر کوئی جگہ مناسب ہاتھ نہ آئی تھی، میرے احباب نے بغیر میری منشا اور تحریک کے اس میں تحریک
شروع کر دی تھی، کیونکہ بھائی محمد ظہیر صاحب جو کہ بھائی محمد بشیر صاحب کے بڑے بھائی ہوتے ہیں
بطور تعزیت دیوبند گئے تھے، میں اس جگہ کو غیر مناسب نہیں سمجھتا تھا، بالخصوص اس بنا پر کہ
اپنے گھر ہی کا معاملہ ہے، اگرچہ اس وجہ سے کہ میں اس ساٹھ برس کی عمر کو پہنچ رہا ہوں اور لڑکی
کی عمر تقریباً بائیس سال ہے، عدم تناسب بھی تھا، مگر اتحاد خاندانی اور اس کی بیوگی، اور کسی
موزوں جگہ کا ہاتھ نہ آنا، کیونکہ جن جگہوں سے اس کے رشتے آرہے تھے، ان کی بیویاں موجود
تھیں مگر وہ اپنی بیویوں سے خوش نہ تھے وغیرہ امور اس کے متقاضی ہوئے کہ میں اس کو منظور
کر دوں میں نے استخارہ کیا، اس سے پہلے دیوبند میں اور دوسری جگہوں میں آٹھ نو جگہ سے پیغام
کنواری اور بیوہ لڑکیوں کے لیے آیا تھا، مگر میں نے توقف کیا تھا، بہرحال صبح بروز دوشنبہ

۳۰ شعبان کو میرے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا، لڑکی کے تایا نے ظاہر کیا کہ گھر میں سب لوگ راضی ہیں جب تو سلہٹ سے واپس ہو تو عقد کر کے ساتھ لیتے جانا، مین نے انکو نشیب و فراز پر متنبہ کیا، بالخصوص اپنی عمر کے متعلق، چونکہ وہ ہمارے خاندان مین مردون مین سب سے زیادہ عمر والے ہین، ہم بھائی ان کے سامنے بچے ہین، انھون نے کہا کہ مین بخوبی واقف ہون، اور جملہ امور پر کافی غور کر چکا ہون، اور گھر مین بھی عورتون مردون نے غور کر لیا ہے، تب مین نے کہا کہ اگر لڑکی اور اس کی ماں وغیرہ راضی ہین تو کیون نہ عقد ابھی کر دیا جائے، مین عقد کر دینے کے بعد اس وقت چلا جاؤن گا اور واپسی پر لیتا جاؤن گا، جو لوگ مجھکو اپنی محبت کی وجہ سے مختلف مقامات سے پیغام دیتے اور تحریک کر رہے ہین ان لوگون کو مزید تکلیف کی حاجت نہ رہے گی، بہت سے جھگڑے بند ہو جائین گے، انھون نے کہا کہ اس کا تذکرہ نہین آیا ہے، میں مشورہ کر کے خبر دیتا ہون، الحاصل انھون نے مشورہ لیا اور چھوہارے منگا کر اس مجمع مین جس مین کچھ احباب ملنے کی غرض سے آئے تھے، مہر فاطمی پر عقد کر دیا، اس کے بعد وحید اور اس کے خسر وغیرہ کا اصرار ہوا کہ ایک شب یہاں قیام کر لیا جائے، زیادہ اصرار پر بجز اس کے کوئی چارہ نظر نہ آیا، چنانچہ یکم رمضان سہ شنبہ کو مین ٹانڈہ سے روانہ ہو گیا، جو حالت مشاہدہ ہوئی مجھکو قوی امید ہے کہ یہ عقد باعث طمانیت خاطر ہوگا، آیندہ جو قضائے الٰہی ہو اس مین دم مارنے کی جگہ نہین ہے، اسعد بخیریت ہے، اپنی نئی اماں سے بہت زیادہ مانوس ہو گیا ہے، حتی کہ اس نے یہاں کی عورتون سے کہا کہ مجھکو اپنی نئی اماں سے اس قدر محبت ہو گئی ہے کہ اب مجھکو اپنی پہلی اماں کی یاد نہین ستاتی، اور اس کو بھی اسعد کے ساتھ گرویدگی ایسی معلوم ہوئی جو کہ اپنے بچے سے ہوتی ہے، اللھم زد فزد۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۲ رمضان المبارک ۵۵ھ

مکتوب نمبر ۶۰

مولانا پروفیسر عبدالباری صاحب ندوی بستان قدم رسول ہارڈنگ روڈ لکھنؤ کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے اس فریضہ سے سبکدوشی عطا فرمائی، اس کے کرم سے امید ہے کہ شرف قبولیت بھی عطا کریگا، والدین کی خدمت اور خوشنودی ہر طرح باعث سعادت ہے،

اس میں شک نہیں کہ اصلاحات قلبیہ نہایت ضروری ہیں، مگر افسوس اس کا ہے کہ آپ حضرات نے نہایت ناکارہ اور نالایق کے ساتھ رشتہ عقیدت وابستہ کیا ہے، "لقد استسمنت ذاورمٍ ونفخت فی غیر ضرم"[1] مجھکو خود اپنی حالت پر رونا آتا ہے، اور نہایت زیادہ شرماتا ہوں کاش احباب کی توجہات اور دعاؤں اور ان کے حسن ظن کی بنا پر نجات ہو جاتی۔ بہرحال جب بھی آپ کو اور جس قدر بھی فرصت ہو بلا تکلف اور بلا کسی قسم کے خیال کے تشریف لائیں، اور قیام فرمائیں، میں نے بھی مستقل مکان کا انتظام کر لیا ہے، جس کی طرف دو تین ہفتہ میں انشاء اللہ منتقل ہو جاؤں گا۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۱ محرم الحرام ۱۳۴۸ھ

---

[1] یہ عربی کی ایک مثل ہے جس کے معنی ہیں کہ میں سوجن کو موٹاپا شمار کرتا ہوں (حالانکہ وہ فربہی نہیں ہے) دوسرے فقرہ کے معنی ہیں کہ میں نے بے فائدہ کوشش اور وقت ضائع کیا گویا بغیر چنگاری کے آگ سلگانا چاہا، اللہ اکبر! اس خاکساری کی بھی کوئی انتہا ہے، اور آپ کو اسوجہ سے دنیا کی تصویر میں آسکتا ہے کسی نے سچ کہا ہے،

فنا بغیر بقا کا پتہ نہیں چلتا
خودی مٹائے بغیر خدا نہیں ملتا

مکتوب نمبر ۱۶۱

محترما! حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دل کو حاضر کرکے ذکر نہیں کیا جائے گا تو فائدہ مترتب نہ ہوگا، اگرچہ سالہا سال تک یہ عمل جاری رکھا جائے، میں بھی اس ارشاد کو بڑے درجہ تک تسلیم کرتا ہوں اگرچہ زبان کا ذاکر ہونا بھی ضرور بالضرور فائدہ رکھتا ہے، اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس سے کوئی بھی فائدہ نہیں ہے، ثواب ذکر مترتب ہوتا ہے اور زبان سے تعدی قلب تک ہوتی ہے، جوارح اور روح کو بھی کچھ نہ کچھ انصباغ کی نوبت آتی ہے، مگر واقعیت یہ ہے کہ یہ فائدہ اس فائدہ کے مقابلہ میں جو دل لگنے پر ہوتا ہے، کان لم یکن ہے، نفس طبعی طور پر عالم تجرد سے متنفر ہے، چونکہ خوہ مادی ہے، اسی کی اس کو طبعی رغبت ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ مثل الطفال اس کو بہلا پھسلا کر آہستہ آہستہ راہ پر لگایا جائے ؎

والنفس کالطفل ان تھملہ شب علی حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم[۱]

اگر نفس کو افیون، یا سنکھیا، یا گانجہ، بھنگ وغیرہ غیر لذیذ کا عادی بنایا جا سکتا ہے، اگر اس سے جفاکشی کے وہ کام جن پر غیر متعود ہرگز صبر نہیں کر سکتا، لیے جا سکتے ہیں، ابن آگ، انجنون اور بھٹیوں کے سامنے دن ورات سخت گرمی میں خدمت لیجا سکتی ہے، وہ جنا شک کی ظاہر الاستحالہ باتوں پر قابو پا سکتا ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ تدریجاً عالم قدس کا حاضر باش نہیں کیا جا سکتا، مگر محنت اور استقلال توفیق عزم شرط ہے۔ ؎

یقین میدان کہ آن شاہ نکونام بدست سر بریدہ مید ہد جام

---

[۱] (ترجمہ) اور نفس کی حالت تو اس شیر خوار بچے کی طرح ہے جو دودھ پیتا ہے، اگر اس کے دودھ کو بچپن ہی میں نہ چھڑا دیا گیا تو جوان ہونے پر دشواری ہوگی۔

میرے محترم! جس قدر مطلوب بڑا ہوتا ہے اسی قدر اس کے لیے مشاق کا برداشت کرنا ضروری اور لازم ہوتا ہے، اسی قدر عالی حوصلگی اور عالی ہمتی لازم ہوتی ہے ؎

یغوص البحر من طلب اللآلی ومن رام العلیٰ سہر اللیالی

بیشک نفس بھاگیگا، اس کو ذکر میں بیٹھنا دشوار ہوگا، مگر اس کو متعود کیجیے، انشاء اللہ جلد از جلد رحمت الٰہی شامل حال ہوگی، چھوٹے بچے کو بھی قاعدہ پڑھتے ہوئے دل تنگی پیش آتی ہے، مگر آہستہ آہستہ متعود ہوجاتا ہے، اور طبعی رغبت پیدا ہوجاتی ہے، کوشش فرما کر مداومت کریں اور جتنی الوسع دل لگائیں، عنایت الٰہی شامل حال ہوگی، تدریجاً اطمینان بھی پیدا ہوگا، اور انقلاب صفات ذمیمہ کی نوبت آئے گی ؎

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب لعل گردد در بدخشان یا عقیق اندر یمن

رسالہ امداد السلوک مصنفہ حضرت گنگوہیؒ اور رسالہ صراط مستقیم مصنفہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ زیر مطالعہ رکھیں، قلبی ذکر میں سانس کا ذکر اگرچہ جاری رہے مگر توجہ بالذات قلب کی طرف رہنی چاہیے، سانس سے قطع نظر رکھیں خواہ وہ اس کے ساتھ جاری رہے یا نہیں، یہ کشمکش برائے چندے پھر زائل ہوجائے گی، اور ہر ایک دوسرے سے متمیز ہوجائے گا، تسبیح پاس رہنا مضر نہیں ہے کنز العمال میں ہے "نعم المذکر السبحہ" یاس اور ناامیدی کو کبھی پاس نہ آنے دیں۔ "انا عند ظن عبدی بی" اس نالائق و ناکارہ کو دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، اور جب آسانی ہو تو یہاں چندے قیام فرمائیں۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

دیوبند ۲۲ صفر ۱۳۴۸ھ

مکتوب نمبر ۶۲

(۱) اس کا خیال رکھیں انشاء اللہ العزیز رفتہ رفتہ دوام حاصل ہوگا۔

(۲) بہت مناسب وقت ہے۔

(۳) گریہ اگر خود بخود طاری ہو تو بہتر ہے، کوشش کی زیادہ ضرورت نہیں۔ اگرچہ نفس میں موجود ہے۔ ان لم تبکوا فتباکوا (الحدیث) بعض اسلاف گریہ ہی کو مقصود بالذات فرماتے ہیں، مگر تحقیق یہ ہے کہ گریہ خلوص ذکر کا ذریعہ ہے اس لیے مقصود بالذات ذکر ہی ہے، کام کیجیے، انشاء اللہ حالت پیدا ہوگی

(۴) مجھے اس وقت کوئی تدبیر مخصوص یاد نہیں آئی جس کا میں نے تذکرہ کیا ہو۔ ہاں حقیقی محبوب اور اس کی صفات کمالیہ کا تدبر اور اپنی احتیاج اور مفارقت وتقصیرات عشقیہ کا خیال انشاء اللہ بیچینی اور قلق پیدا کرکے رہے گا۔ لَا تَيْأَسُوْا مِن رَّوْحِ اللّٰهِ الآیۃ۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۶۲) حضرت مرشد محترم ادام اللہ فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ابھی حضرت کی خدمت میں چند دن کی حاضری کی سعادت کے سلسلہ میں حضرت کی مصروفیت کا پورا اندازہ ہوا۔ یہ محض میری ناواقفیت وجہالت کی جرأت تھی کہ حضرت کے اوقات وشاغل کا اندازہ کیے بغیر لمبے چوڑے عریضے لکھتا اور مفصل جواب کی توقع کرتا تھا۔ اب اگر حضرت پسند فرمائیں تو آئندہ سے ہر عریضے میں صرف دو ایک باتیں اپنی نسبت عرض یا دریافت کرلیا کروں، نیز اسی طرح کہ جواب کے لئے عریضہ ہی کے حاشیہ پر کافی جگہ چھوڑ دیا کروں گا، کہ اسی پر تحریر فرما دیا جایا کرے۔
(۱) پاس انفاس کی صبح وشام پابندی کے بجائے اب چلتے پھرتے ہر وقت خیال کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن اکثر بھول جاتا ہوں (۲) ذکر قلب پہلے عشاء کے بعد کرتا تھا اب تہجد یا نماز فجر بعد کرتا ہوں (۳) حضرت نے ابھی فرمایا تھا کہ اس کے ساتھ گریہ کی کوشش کیا کرو (۴) اس کے لیے کوئی تدبیر بھی فرمائی تھی، بدبختی سے خیال سے اتر گئی ملتجی ہوں کہ تحریر فرما دیں۔ والسلام
حضرت کا بدنام کرنے والا نالائق، محتاج دعا، عبدالباری غفرلہ حیدرآباد ۳۰ صفر ۱۳۵۷ھ

مکتوب نمبر ۶۴

..... اللہ حاضری اللہ ناظری الخ میں بھی صرف دھیان یعنی تفکر نہیں مطلوب ہے، بلکہ زبان سے بھی کہنا چاہیے، البتہ معنی کا خیال رکھتے ہوئے اور اسم سے مسمّٰی کی طرف منتقل ہوتے ہوئے ذکر کرتے رہیں، چونکہ صفات حضور و ناظریت و معیت کی ہیں، اسم جلالہ کی نہیں ہیں، لہذا یہ دھیان رہنا چاہیے کہ وہ ذات مقدسہ بلاکم و کیف، بیچون و بیچگون ان معانی کے ساتھ متصف اور مشاہد ہیں، اسی طرح یا حی یا قیوم (الخ) میں الفاظ کے ساتھ اس مسمّٰی اور ذات مقدسہ کا دھیان رکھتے ہوئے مخاطبت کرنی چاہیے اور عدد مذکور کو پورا کرنا چاہیے، انگریز یا دیگر عیسائی یورپین قومیں حربی اور محارب قطعاً و یقیناً ہیں، ان کے خالص بنک بلاشبہہ اس حکم کے تحت ہیں کا فر حربی جبکہ محارب ہے اس کی اعانت بھی دشمن کی اعانت ہے اور اس کی تقویت کا ذریعہ ہے۔ لہذا ممنوع ہوگا۔ بخلاف عاصی کی اعانت کے۔ کیونکہ اس میں دشمن کی تقویت لازم نہیں خصوصاً جبکہ اس کی اعانت امور اضطرایہ وغیرہ میں ہو، لہذا دونوں میں فرق ہوگا۔ . . والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۹ محرم الحرام ۶۳ھ از دیوبند

مکتوب نمبر ۶۵

واقع میں ایک غیرت دار شخص کا یہ خیال بجا ہے، مگر اسی کے ساتھ چند امور قابل ملاحظہ ہیں۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۶۴) حضرت مرشد محترم ادام اللہ فیوضکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ خادم کو وطن سے واپس ہوئے آج پانچواں دن ہے، اسی اثناء سفر میں ایک واقعہ پیش آیا کہ بھوپال اسٹیشن پر کچھ کھانا لینے کے خیال سے ڈبہ سے بھر گیا، سامنے ہی ایک خوانچہ دکھائی پڑا جس میں تین بڑی بڑی المونیم کی پتیلیاں بند رکھی تھیں۔

تاریخ بتلاتی ہے کہ ہند میں ابتداءً جب مسلمان آئے، عام طور سے اہل ہند بودھ مذہب رکھتے تھے، اور ترک چھوت چھات تو در کنار بیاہ شادی تک بجوشی کرتے تھے جس طرح آج برہما، سیام، چین کھاسیا پہاڑوں وغیرہ میں رائج ہے، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اختلاط نے نہایت قوی تاثیر کی۔ خاندان کے خاندان مسلمان ہو گئے۔ مغربی پنجاب خصوصاً سندھ میں مسلمانوں کی زیادتی کا یہ راز یہی ہے، اسکے بعد جبکہ محمود غزنوی مرحوم کا زمانہ آیا ہے تو ہندوؤں میں مختلف احوال کی وجہ سے اشتعال پیدا ہوتا ہے، اور شنکر اچاریہ عام مذہب ہند کو بودھ سے نکال کر برہمنی بناتا ہے، اور حکومت بودھ کی کمزوری کی بنا پر جو کہ افغانستان، بلوچستان، سندھ، لاہور سے فنا کر دی گئی تھی، اور وسط ہند کے بھی بودھ راجہ ارے محمود مرحوم کے پے در پے حملوں سے یکسر کمزور ہو گئے تھے شنکر اچاریہ کو عوام پر بڑی کامیابی حاصل ہو جاتی ہے، چاروں طرف دبے ہوئے برہمن جن کو بودھوں نے تقریباً دفن کر دیا تھا، اٹھ پڑتے ہیں، اور تھوڑی سی مدت میں پھر برہمنی مذہب اقطار ہند میں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۱) بیچنے والا سامنے نہ تھا، قرینہ سے مسلمان سمجھا، اور ایک پتیلی کے صرف ڈھکن کو ہاتھ لگا دیا، اتنے میں وہ آ گیا تو ہندو تھا، کہا کہ اب تو سب خراب ہو گیا اور سب کے دام آپ کو دینا پڑینگے۔ ایسے موقع پر ذرا مشتعل ہو جایا کرتا ہوں لیکن اس وقت کوئی فوری اشتعال نہیں پیدا ہوا بلکہ معاً ذہن میں یہ خیال آیا کہ اسکا نقصان ہو گیا ہے جو مجھکو دا کرنا چاہیئے، اور جو کچھ اس نے مانگا دیدیا، اور پوریاں وغیرہ جو کچھ تھیں وہ اسی جگہ مسلمانوں کو تقسیم کر دیں۔ لیکن بعد کو سب سے پہلا جو خیال آیا وہ یہ تھا کہ آئندہ سے کھانے پینے کی چیزیں تو قطعاً ہندوؤں سے نہ خریدوں اور دوسری چیزیں بھی جہانتک مسلمانوں سے مل سکیں، ہندو دوکانداروں سے پرہیز ہی کروں بلکہ ذہن نے کچھ اس قسم کی تدبیریں بھی سوچنا شروع کیں کہ مسلمانوں کو عام طور سے کیسے بچایا جا سکتا ہے، اور باوجود سراپا بے عمل ہونے کے جی چاہتا ہے کہ اس کیلیے کچھ کروں ان بعد کے خیالات کی نسبت یقین کیساتھ نہیں عرض کر سکتا کہ انتقام کے جذبہ سے پاک ہیں، بلکہ جہانتک اپنی طبیعت کا اندازہ ہے انتقام کا جذبہ غالباً ضرور شریک ہو گیا ہوگا۔ اور للّٰہیت یا تو سرے سے نہ ہوگی یا نہ ہونے کے برابر۔
(باقی ص ۱۵۳ پر)

بخصیل ہوتا ہے، اسی کے دلدادہ ہوجاتے ہیں، برہمن چونکہ دیکھ رہے تھے کہ اسلام کا سیلاب اخلاق کی بنا پر ان کے اقتدار ہی کو نہیں بلکہ مذہب کو بھی مٹا رہا ہے جس کے بنا پر ان کے مذہبی اور دنیاوی سیادت کا خاتمہ ہوجائے گا، اس لیے انھوں نے عوام میں نفرت کا پروپیگنڈا پھیلایا، اور مسلمانوں کو ملیچھ کا خطاب دیا، گاؤکشی اور گوشت خوری کو اس کے لیے ذریعہ بنایا، عوام ہند کی ذہنیت ہمیشہ سے تارکین دنیا کی پرستش کرنے والی واقع ہوئی ہے، خصوصاً ہندو ذہنیت جس قدر سادھو اور فقیر کی پرستش کرتی ہے وہ اظہر من الشمس ہے، یہ ذہنیت بہت جلد شرق سے غرب اور شمال سے جنوب تک پھیل گئی، اور وہ اس میں کامیاب ہوگئے، چونکہ اسلامی قوت کا قوت سے ان کو مقابلہ کرنے میں باوجود مساعی عظیمہ کامیابی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۲) اسی لیے دل میں ساتھ ہی اسی وقت دوسرا خیال یہ آیا تھا کہ ساری صورت حال کو حضرت کی خدمت میں عرض کردوں گا، جیسا ارشاد ہوگا اسی کے مطابق ان شاء اللہ عمل کرونگا۔ لہذا نفس واقعہ اور حال کے عرض کر چکنے کے بعد جو خطرات و سوالات دل میں پیدا ہو رہے ہیں وہ عرض کرتا ہوں: (۱) مشرکین کا نجس ہونا تو منصوص ہے، پھر اس نجاست کو محض معنوی تک کیوں محدود رکھا جائے اور اگر محدود بھی کیا جائے تو کیا کم از کم اولی یا قرین تقوی یہ نہیں ہے کہ ظاہراً بھی احتیاط کیجائے؟ (۲) خصوصاً جب نفس مسلم کی ذلت بھی ہے اور الٹے مشرک مسلم کو نجس سمجھکر اس سے ویسا ہی برتاؤ کرتا ہے جو نجاست ظاہری کی صورت میں کیا جاتا ہے؟ (۳) پھر کافروں سے ترک معاملات میں ان سے اظہار بغض کی بھی ایک صورت ہے اور ان سے قیام معاملات کی صورت اکثر موالات کے حد تک پہنچا دیتی ہے؟ (۴) کیا یہ بہتر نہیں کہ دن رات کے معاملات میں کافر و مسلم کا امتیاز ہمارے اندر زندہ رہے؟ (۵) میرا دل تو انگریز کے ساتھ ترک معاملات کو محض سیاسی اور عارضی سمجھنا نہیں چاہتا؟ اگر وہ اسلامی حکومتوں اور مقامات مقدسہ کیساتھ اپنی معاندانہ و غاصبانہ روش سے دست بردار بھی ہوجائیں تو کیا ان سے معاملات جائز ہوجائیگا؟ (۶) بلکہ کھانے پینے میں تو وہ ایسا پرہیز نہیں کرتے جس سے نفس مسلم کی ذلت ہو۔ اس لیے ان سے کھانے پینے کی چیزیں لے لینا اہون ہوجاتا ہے، خصوصاً اگر ان کے اہل کتاب ہونے کا بھی لحاظ ہو؟ (۷) میں نے اپنے دل میں آیندہ احتیاط و پرہیز کا جو معاہدہ کیا ہے اگر وہ

(باقی ص ۱۵۴ پر)

نہیں ہوئی۔ اس لیے اسی طریقہ پر ان کی جد و جہد محصور ہو گئی، اور اسی کو انھوں نے آلۂ کار مدافعت بالقوۃ کا بھی بنانا چاہا۔ بادشاہان اسلام نے اولاً اس طرف توجہ ہی نہیں کی، بلکہ وہ تمام باتوں کا قوت سے مقابلہ کرتے رہے۔ مگر شاہان مغلیہ کو ضرور اس طرف التفات ہوا خصوصاً اکبر[1] نے اس خیال

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۳) تمام تر انتقام ہی پر مبنی ہو تو بھی کیا ایسا انتقام ایسی صورت میں مستحسن یا کم از کم جائز نہیں ہے؟

(۲) پھر اب اگر انتقام کے خیالات کو اپنے قلم و زبان سے دور کر کے نیت کی تصحیح کر لوں اور دینی و اسلامی مصالح کی بنا پر یہ سوالات تو محض اطمینان قلب حاصل کرنے کے لیے پیش کرنے کی جرأت کی ہے ورنہ حضرت جو کچھ شریعت کے حکم یا خادم کی ذاتی اصلاح کے لحاظ سے فرمائیں گے عمل انشاء اللہ مقدور بھر اسی کے مطابق کروں گا، اس واقعہ کو لکھ کر جی چاہتا ہے کہ اگر حضرت اجازت دیں تو گاندھی جی سے بھی کچھ سوالات کروں، مثلاً یہ کہ ہندوؤں کی اسی چھوت چھات سے جو منافرت پیدا ہوتی ہے کیا مخلوط انتخاب میں اس سے بھی زیادہ پیدا ہوتی ہے اور کیا قومیت کی راہ میں ثانی الذکر اول الذکر سے بھی زیادہ حائل ہے؟ اگر نہیں تو پھر قومیت و اتحاد کے لیے مقدم کن چیزوں کا مٹانا ہے؟ والسلام

عبد الباری غفرلہ

[1] اکبر کے متعلق حضرت امام العصر نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس کا تعلق محض دنیاوی انتظام اور نظام حکومت سے ہے چنانچہ اسی پالیسی کی جانب شہنشاہ ہند بابر مرحوم نے انتقال کے قریب اپنے بیٹے ہمایوں مرحوم کو توجہ دلائی تھی۔ اکبر نے اسی وصیت کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی اور اس سے بہت سے فوائد بھی حاصل ہوئے جنہیں بد ذہن سوء ظن سے جہلوت کام لے کر نہایت قبیح درجہ تک پہنچا دیا، اسی بات کو لارڈ ولیم بینٹک ۱۸۳۲ء میں انگلستان کی ایک کمیٹی کے روبرو بیان میں ظاہر کر رہا ہے، ملاحظہ ہو۔

"بہت سی باتوں میں اسلامی حکومتیں انگریزی راج سے کہیں بہتر ہیں، مسلمان اس ملک میں آباد ہو گئے جسے انھوں نے فتح کیا تھا، وہ ہندوستانی باشندوں کے ساتھ گھل مل گئے، ان میں شادی بیاہ کرنے لگے، مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستانی غیر مسلموں کو ہر قسم کے حقوق دیے، فاتح مفتوح کے مذاق، دلچسپی اور ہمدردی

(باقی ص ۱۵۵ پر)

اور اس عقیدہ کو جڑ سے اکھاڑنا چاہا، اور اگر اس کے جیسے چند بادشاہ اور بھی ہو جاتے یا کم از کم اسکی جاری کردہ پالیسی جاری رہنے پاتی تو ضرور بالضرور برہمنون کی یہ چال مدفون ہو جاتی، اور اسلام کے دلدادہ آج ہندوستان مین اکثریت مین ہوتے، اکبر نے نہ صرف اشخاص پر قبضہ کیا تھا، بلکہ عام ہندو ذہنیت اور منافرت کی جڑون کو کھوکھلا کر دیا تھا، مگر ادھر تو اکبر نے نفس دین اسلام مین بھی کچھ غلطیان کین، جن سے مسلم طبقہ مین اس سے بدظنی ہوئی، اگرچہ بہت سے بدظنی کرنیوالے غافل اور کم سمجھ تھے، ادھر برہمنون کے غیظ و غضب مین اپنی ناکامی دیکھکر اشتعال پیدا ہوا، ادھر یورپین خصوصاً انگلستان کو اپنے مقاصد مین کامیابی کا ذریعہ تلاش کرنا پڑا، اور سب سے بڑا ذریعہ اسکے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۴) میں یکسانیت تھی، کوئی فرق نہ تھا، بخلاف اسکے انگریزی پالیسی اس کے برعکس ہے اب سرد مہری، خودغرضی اور بے پروائی ہے، جس مین ایک طرف حکومت کا آہنی پنجہ حکمران ہے اور دوسری طرف ہر چیز پر اپنا قبضہ ہے، اور ہندوستانیون کو کوئی دخل نہیں" (جدید انصار نمبر ۲۲ جلد ۲ مؤرخہ ۱۷ جون ۱۹۳۵ء از فاروقی کلکتہ)

وصیت نامہ شہنشاہ بابر بنام شہزادہ نصیر الدین ہمایوں۔ درج ذیل ہے

"اے پسر ہندوستان مختلف مذاہب سے پر ہے، الحمد للہ اس نے اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی ہے، تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصبات مذہبی کو لوح دل سے دھو ڈالو اور عدل و انصاف کرنے مین ہر مذہب و ملت کے طریق کا لحاظ رکھو جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگون کے دلون پر قبضہ نہیں کر سکتے، اس ملک کی رعایا کا مراحم خسروانہ اور الطاف شاہانہ ہی سے مرہون ہوتی ہے، جو قوم یا ملت قوانین حکومت کی مطیع اور فرمانبردار ہے اس کے مندر اور مزار برباد نہ کیے جائین، عدل و انصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے، ظلم و ستم کی نسبت احسان اور لطف کی تلوار سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے، شیعہ و سنی کے جھگڑون سے چشم پوشی کرو، ورنہ اسلام کمزور ہو جائیگا، جس طرح انسان کے جسم مین چار عناصر مل جل کر اتفاق و اتحاد سے کام کرتے ہین اسی طرح مختلف مذاہب رعایا کو ملا جلا رکھو ان مین اتحاد عمل پیدا کر دو تاکہ جسم سلطنت مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے۔

منافرت بین الاقوام تھا اور ہے، اب سیواجی کی تاریخ اور سکھوں کی کارروائیوں اور صوبہ جات کے باغیانہ کارناموں، لارڈ کلایو کے بنگال وغیرہ میں بذریعہ ہند و قوم تمندیوں میں اس ہاتھ کو بہت زیادہ کھیلتے ہوئے پائیں گے، آج ہماری مہربان گورنمنٹ اس کے ذریعہ بہت زیادہ کامیاب ہو رہی ہے، اس بنا پر اگرچہ بڑے درجہ تک برہمنوں نے مسلمانوں سے اپنی قوم کو بڑے درجہ تک محفوظ رکھا مگر اس نے انکی متحدہ قومیت کا بھی شیرازہ بکھیر دیا، اور خود ان میں بھی چھوت چھات کا عقیدہ جہلا نے پیدا کر دیا حتی کہ بعض بعض خاندان برہمنوں کے بھی دوسرے برہمن سے چھوت چھات کرنے لگے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۵) سرگذشت تیمور کو جو کہ اتفاق و اتحاد کا مالک تھا ہر وقت اپنی نظر کے سامنے رکھو تاکہ نظم و نسق کے معاملات میں پورا تجربہ حاصل ہو" (ڈاکٹر بال کرشن پرنسپل راجہ رام کالج کولہاپور) از قدیم تحریر بزبان فارسی،

اس وصیت کی ایک نقل اسٹیٹ لائبریری بھوپال میں بھی موجود ہے، ہم دفعہ دار ہے،

ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ اکبر اس پالیسی میں کافی حد تک کامیابی ہوئی، اور مغلیہ سلطنت کی بنیادیں اتنی مضبوط ہو گئیں کہ اکبر کی چوتھی نسل تک اس کی ہیئت حاکمہ میں کوئی تغیر رونما نہ ہو سکا،

غرض اکبر نے کچھ ایسی مذہبی غلطیاں کیں جس سے مسلم طبقہ میں اس سے بدظنی ہو گئی، اور اکبر کی وہ پالیسی کما حقہ کامیاب نہ ہوئی، اور پھر چند دنوں کے بعد ہندوستان میں سر برون کے بعد پہلی دفعہ اسلام کو ایک ہمہ گیر دعوت کی حیثیت سے پیش کرنے کا طغرائے امتیاز حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا۔

حضرت مجدد صاحبؒ کی تعلیمات کی ایک نمایاں خصوصیت غیر مسلموں کے متعلق ایک خاص نقطہ نظر تھا آپ نے وہ زمانہ دیکھا تھا جب مسلمان ایک مسلمان بادشاہ کے زمانہ میں احکام اسلامی پر عمل کرنے سے عاجز تھے آپ کے حساس دل پر ان حالات کا بڑا اثر ہوا جہانگیر اور شاہجہان کے زمانے میں تو حضرت مجددؒ کے خیالات پر پوری طرح عمل نہیں ہوا لیکن اورنگ زیبؒ نے آپ کی تقریباً تمام خواہشیں پوری کیں۔ خلاصہ یہ کہ اگر اکبر اپنی کوششیں فقط عام مذہبی رواداری تک محدود رکھتا اور شعائر اسلامی کے راستے میں رکاوٹیں نہ بنتا تو اس کی کوششوں کے خلاف

آپ کو معلوم ہے کہ صلح حدیبیہ ہی فتح مکہ اور فتح عرب کا پیش خیمہ ہے اور جس روز صلح حدیبیہ تمام و کمال کو پہنچی ہے اسی روز اِنَّا فَتَحْنَا الآیۃ نازل ہوتی ہے جس پر حضرت عمرؓ تعجب کرتے ہوئے استفسار فرماتے ہیں "او فتح هو یا رسول اللہ"۔ آپس میں اختلاط کا ہونا، منافرت میں کمی آنا، مسلمانوں کے اخلاق اور ان کی تعلیمات کا معائنہ کرنا، دلوں سے ہٹ اور ضد کا اٹھ جانا، یہی امور تھے جنھوں نے[1] بلاد عرب و قریش کو کھینچ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان بناتے ہوئے مکہ سے مدینہ کو پہنچا دیا۔ حضرت خالد بن ولید، عمرو ابن العاص وغیرہ رضی اللہ عنہم اس طرح حلقہ بگوش اسلام بن گئے کہ قریش کی ہستی فنا ہو گئی۔

الغرض اختلاط باعثِ عدم تنافر ہے، اور وہ اقوام کو اسلام کی طرف لانے والا اور تنافر باعثِ ضد اور ہٹ اور عدم اطلاع علی المحاسن ہے، اور وہ اسلامی ترقی میں سدِ راہ ہونے والا اور چونکہ اسلام تبلیغی مذہب ہے اس لیے اس کا فریضہ ہے کہ جس قدر ہو سکے غیر کو اپنے میں ہضم کرے نہ یہ کہ ان کو دور کرے۔ اسی لیے اگر ہمسایہ قومیں ہم سے نفرت کریں تو ہم کو ان کے ساتھ نفرت نہ کرنا چاہیے،

[1] لخت جگر

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۶) آثار دشمنی نہ ہوتا، اور نہ مجدد صاحبؒ کے خیالات غیر مسلموں کے متعلق وہ ہوتے جن کا اظہار آپ نے متعدد مکتوبات میں کیا ہے، اور نہ اورنگ زیب بھی وہ پالیسی اختیار کرتا جس پر وہ اپنے عہد حکومت میں کاربند رہا۔

پس جس طرح مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اکبر جب مرنے لگا تو کلمہ شہادت زبان پر جاری تھا، اور اس کی موت ایک راسخ الاعتقاد مسلمان کی تھی، اسی طرح اکبر کے مذہب کے متعلق اس کے زمانہ ہی میں اختلاف تھا، بدایونی اکبر کے اقرار نامہ میں کہ "فلان بن فلان باتم نشاط و رغبت و شوق قلبی از دین اسلام مجازی و تقلیدی کہ از پدران دیدہ و شنیدہ بودم ابراء و تبرا نمودم در دین الٰہی اکبر شاہی در آمدم الخ" کو صریحاً کفر کہتا ہے، ابوالفضل جو اس مسئلہ پر سب سے زیادہ واقفیت رکھتا تھا، کہتا ہے کہ یہ فقط اسلام کی ایک صورت ہے مجازی و تقلیدی اسلام سے دور لیکن حقیقی اسلام سے قریب آج بھی اس مسئلہ پر بحث کی گنجائش ہے

اگر وہ ہم کو نجس اور پلید کہیں تو ہم کو ان کو یہ نہ کہنا چاہیے، اگر وہ ہم سے چھوت چھات کریں، ہم کو ان سے ایسا نہ کرنا چاہیے، وہ ہم سے ظالمانہ برتاؤ کریں، ہم کو ان کے ساتھ ظالمانہ غیر منصفانہ برتاؤ نہ کرنا چاہیے۔ اسلام پدر شفیق ہے، اسلام مادر مہربان ہے، اسلام ناصح خیر خواہ ہے، اسلام جالب اقوام ہے، اسلام ہمدرد بنی نوع انسان ہے۔ اس کو غیروں سے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا پر کاربند ہونا شایان نہیں، بلکہ اس کی غرض کے لیے سد یاجوج ہے، کفر نے کبھی اسلام سے عدل و انصاف نہیں کیا، اِن یظھروا علیکم لا یرقبوا فیکم الا و لا ذمۃ الخ وغیرہ شاہد عدل ہیں، مگر اسلام نے انصاف، عدل و احسان کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور نہ چھوڑنا مناسب تھا اگرچہ انتقامیہ جذبات بہت کچھ چاہتے تھے، اگر بعض دنیا دار بادشاہوں نے کوئی ظلم و ستم کیا ہے تو وہ اس کے ذمہ دار ہیں، اسلام ان کا ذمہ دار نہیں۔ اب تفصیلی باتیں عرض کرتا ہوں۔

(۱) مشرکین بیشک نجس ہیں، مگر علت حکم آیۃ حسب سلیقہ عربیہ کہ مشتق کو محکوم علیہ قرار دینا ماخذ اشتقاق کو علت قرار دینا ہے۔ لہذا علت نجاست شرک ہوگا، جو کہ نجس معنوی ہے۔ اسی بنا پر اگر مشرک کو سات سمندر سے غسل دیا جائے تب بھی بوجہ شرک وہ نجس ہی رہے گا۔ حالانکہ تین مرتبہ غسل سے نجاست ظاہری زائل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور اسلام متفق ہیں کہ مشرک کا سور عرق وغیرہ پاک ہے۔ آیت میں مسجد حرام سے صرف خانہ کعبہ یا مسجد مکہ معظمہ مراد نہیں بلکہ تمام حد حرم مراد ہے اس میں مشرکین داخل ہو کر یا قریب آکر تجارت کر سکتے ہیں، اسواق اربعہ میں سے کوئی بھی مجلس مکہ معظمہ بلکہ نفس مکہ معظمہ میں منعقد نہیں ہوتی تھی، تو پھر وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَۃً سے کیا مناسبت؟ متنبی کہتا ہے

لا تشتر والعبد الا والعصا معہ ان العبید لانجاس مناکید

غلام اگر خریدے تو ساتھ ہی اسکی تادیب و تعلیم کیلئے چھڑی بھی ضروری ہے کیونکہ غلام طبیعت کے ناپاک اور حقیر ہوتے ہیں

ظاہر ہے کہ یہاں بھی مراد وہی نجاست معنوی ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو مسجد میں باندھا، خود مشرکین کو مسجد میں داخل فرمایا وغیرہ

(۲) کفر ہمیشہ سے ایسا ہی کرتا آیا ہے، آنحضرت علیہ السلام اور صحابہ کرام اور اسلاف کے کارنامے یاد کیجئے، انبیاء علیہم السلام کی تذلیل کفار نے اس سے بدر جہا زاید کی ہے کیا وہ ذلیل ہو گئے؟

(۳) احکام سیاسیہ ایک حالت نہیں رکھتے کبھی زہر ہلاہل دینے کا موقعہ ہوگا تو کبھی شکر کا شربت پیش کرنا ہوگا، آپ کو محض انتقام کبھی لینا ہوگا اور کبھی شفقت کے ساتھ درگذر کرتے ہوئے اپنی طرف کھینچنا، آج موقعہ ہے کہ بڑے دشمن سے ترک موالات کیجئے اور اس کو زک دینے کے لیے غیروں کو ساتھ لیجئے، جیسے یہود بنی حارثہ کو خیبر میں، صفوان بن امیہ اور دیگر طلقاء مکہ کو حنین میں، خزاعہ کو حدیبیہ وغیرہ میں ساتھ لیا گیا یہی ان کی تذلیلات نے ہی اسلام کو بڑی ترقی پہنچائی، ادھر مسلمانوں کو ان سے نفرت ہوئی ادھر انکی اقوام کو اسلام کی طرف رغبت ہوئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کروڑوں آدمی تھوڑی سی مدت میں مسلمان ہو گئے ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی مردم شماری موجودہ کی تقریباً نصف ہے۔ اگرچہ مساوات اور عدالت آپکے خیال کی تائید کرتی ہے، مگر جاذبہ اسلامیہ تنگدلی کی اجازت نہیں دیتا، مداراۃ بالاعداء مع البغض الباطنی بالفعل زیادہ ضروری اور مفید ہے، اور حتی الوسع موالاۃ ممنوعہ سے بچتے رہنا چاہیے۔

(۴) ضروریات اسلامیہ اور وقتیہ کا لحاظ رکھتے ہوئے الانفع فالانفع پر عمل پیرا ہونا چاہیے، اور اھون نہما کو اختیار کرنا چاہیے۔

(۵) انگریزوں کے ساتھ معاملہ سیاسی غیر مذہبی نہیں ہے بلکہ مذہبی ہے۔ البتہ وہ اکبر الاعداء اور قوی الاعداء اور اضر الاعداء ہیں اور ان کے اسلامیت سے ناامیدی ہے، ممکن ہے ایسا نہیں، اگر وہ اسلامی دنیا پر مظالم گذشتہ سے تلافی اور آیندہ کے لیے دست بردار ہو جائیں

تو ترک موالاۃ وغیرہ مین تخفیف ضرور ہوگی، البتہ تا بقاء کفر مصالحت کی بنا پر نہ موالات تامہ ہوگی اور نہ معاوات

(۶) اگرچہ انگریز وہ معاملہ چھوت چھات کا نہین کرتے مگر اسلام کے بدترین اور اعلیٰ ترین دشمن ہین بخلاف ہنود۔ یہ ہمارے پڑوسی ہین اور پڑوسی اگرچہ کافر ہو، پڑوسی پر حق رکھتا ہے، کما ورد فی الحدیث۔ ان کے ساتھ ہمارا خون ملا ہوا ہے، رشتہ اور قرابتداری ہے، یا آبا کے ساتھ یا جدات کے ذریعہ سے۔ ان کے ساتھ ہندوستان مین ہم کو مجبوراً رہنا اور درگذر کرنا ہے۔ بغیر میل جول جس قدر بھی ممکن ہو ہندوستان مین گذر کرنا عادت مستحیل ہے، اس لیے ضروریات زندگیہ اس طرف تخفیف ضرور پیدا کرینگی، انگریزون سے ہم کو نہ یہ تعلقات ہین نہ مجبوریت۔

(۷) جائز بلکہ مستحسن ہے۔

(۸) یہ بھی جائز بلکہ باعث ثواب ہے۔

نئے تعلیم یافتہ اس چھوت چھات مین نہ صرف قومیت متفقہ کا ضرر سمجھتے ہین بلکہ اپنی مذہبیت کا بھی شیرازہ بکھرتا ہوا پاتے ہین، اور انسانی اخوت کے خلاف پاتے ہوئے ازالہ کی کوشش کر رہے ہین، اور اپنی سیاسی زندگی کے لیے وبالِ جان جانتے ہین، گاندھی جی خود اس کے ازالہ مین کوشان ہین، مگر جو مرض قرنہا قرن سے آرہا ہے وہ اسقدر جلد کس طرح دور ہو جائے، تجربہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ چھوت چھات ہندو قوم کو روز افزون کمی کی طرف ڈھکیل رہا ہے، اور اسلام باوجود ہر طرح کی کمزوریون کے ترقی پا رہا ہے، پس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے، قلت وقت کی بنا پر چند مرتبہ ریل مین مضمون کو پورا کیا ہے، معاف فرمایئے گا۔ والسلام

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ

۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

مکتوب نمبر ۶۵

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف والا نامہ مشتمل بعض شبہات وارد ہوا تھا جس کے جواب میں ایک مفصل عریضہ ارسال خدمت کیا تھا، نہ معلوم ملاحظہ نظر فیض سے گذرا یا نہیں، اور اس کے بعد رائے عالی میں قابل قبولیت معلوم ہوا یا نہیں، مسائل میں اعتقاد کو جگہ نہ دینی چاہیے، بلکہ حتی الوسع اطمینان حاصل کرنا چاہیے۔ اگرچہ تحریری میدان تنگ ہے اور بالخصوص ہم جیسے قصیر الباع قلیل الفراغ، راحت طلب اشخاص سے ..... والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔ از دیوبند ۲ ربیع الثانی ۵۳ھ

مکتوب نمبر ۶۶

حبس دم[۱] نہایت مفید عمل ہے، ایسے وقت میں جبکہ معدہ بھرا ہوا نہ ہو اور نہ اسقدر گرسنگی ہو

(حاشیہ مکتوب نمبر ۶۵) جامد مقلدین اور تنگ نظر مولویوں نے مسائل دینی اور تصوف اسلام کے بارے میں یہ حکم دے رکھا ہے کہ بس وہی درست اور حق ہے جو اپنے استاد یا شیخ طریقت نے بتا دیا اور لکھ دیا ہے، اس ذرک تمام نے اگر ایک طرف تحقیق و اطمینان سے محروم کر دیا تو دوسری جانب "ارباباً من دون اللہ" کا مصداق ان لوگوں کو قرار دیدیا گیا جو کسی طرح اسکے اہل نہ تھے؛ اس جمود اور تعطل بلکہ شخصیت پرستی نے لوگوں کو بھول بھلیاں میں ڈالدیا اور تحقیق کا میدان تنگ کر دیا۔ صدر اول میں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین باوجود غیر معمولی عقیدت اور دلی محبت کے مسائل میں اختلاف کرتے ہیں اور ہرگز اعتقاد کو دخل نہیں دیتے تھے، حضرت امام العصر دامت برکاتہم فی الحقیقت اسلاف کرام کی جیتی جاگتی تصویر ہیں، غیر ممکن تھا کہ آپ متاخرین کی سطحی رائے سے اتفاق فرماتے بلکہ صاف صاف فرما دیا کہ "مسائل میں اعتقاد کو جگہ نہ دینی چاہیے بلکہ حتی الوسع اطمینان حاصل کرنا چاہیے۔" نشاط

[۱] صوفیہ کرام نے بہت سی چیزیں تدبیر کے طور پر اختیار کر لی ہیں ان میں سے ایک حبس دم بھی ہے جو مقصود نہیں۔
(باقی ص ۱۶۲ پر)

جو کہ سقراد کردے، معتدل جگہ میں جہاں پر نہ زیادہ سردی ہو اور نہ زیادہ گرمی، باوضو چار زانو قبلہ رو بیٹھیں، اور آہستگی سے سانس ناف سے کھینچکر دل پر روک لیں، زبان اس وقت میں تالو سے لگی ہوئی غیر متحرک ہو، اور خیال سے لفظ لا الہ بائیں زانوں سے نکال کر دائیں زانوں پر گذراتے ہوئے داہنے مونڈھے پر ختم کر دیں، اور پھر الا اللہ کی ضرب قلب پر لگائیں۔ اس سب کارروائی میں سر کو حرکت دیتے رہیں یعنی زانوئے چپ سے زانوئے راست پر گذرتا ہوا دائیں مونڈھے تک پہنچے اور پھر قلب پر ضرب الا اللہ کی حرکت ہو۔ ہر ایک سانس میں تین مرتبہ ذکر ہو، اس کے بعد آہستہ سے سانس باہر نکالدیں، پھر دوسرے سانس میں اسی طرح کریں۔ اس طرز پر دس سانس پہلے روز کریں، دوسرے دن دس اور بڑھائیں، یہانتک کہ سو سانس تک نوبت آجائے، اس کے بعد ہر سانس میں ایک ایک عدد روزانہ زیادہ کرتے رہیں۔ یہانتک کہ ہر سانس میں اکیسو اکیس [121] تک ذکر کرنے لگیں، اگر ابتداء میں روزانہ اس دس سانس بڑھانے میں دقت ہو تو ایک ایک سانس بڑھائیں، مگر ہر سانس میں کم از کم تین مرتبہ ذکر سے شروع کریں اور ہر روز ایک ایک ذکر زیادہ کریں، اس میں حرارت زیادہ پیدا ہوگی۔ ذکر کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک سرد پانی یا سرد غذا کو استعمال نہ کریں۔ اس حبس دم سے بہت زیادہ فوائد حاصل ہوں گے، مگر مداومت شرط ہے خطرات فاسدہ اور وساوس کاسدہ کے لیے اکسیر ہے، مگر اہل تصوف اسلام اس کو اکیسو اکیس مرتبہ ذکر کی مقدار سے زاید کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ جوگیوں کے یہاں اسکی اسقدر مشق کیجاتی ہے کہ کئی کئی مہینہ اور کئی کئی دن ایک ایک سانس میں گذارتے ہیں، اللہ کا نام لیکر شروع کیجئے، وہ مدد فرمائے گا۔ اگر اس پر بھی سمجھ میں نہ آوے تو مولانا سراج احمد صاحب گنگوہی، محلہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۱) حضرات نقشبندیہ حبس دم کو مانتے ہیں اور حبس دم سے حبس غیر مفرط مراد لیتے ہیں نہ کہ حصر نفس ایسی صورت میں جوگیوں کے حبس دم اور ان بزرگوں کے حبس دم میں نمایاں فرق ہو جاتا ہے۔ اور اس فرق نہ کرنے کی بنا پر بہت سے شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ بھلا! یہ حضرات اور جوگیوں کے طریقہ کے محتاج! معاذ اللہ

نا پسلی حیدر آباد موجود ہیں، ان سے سمجھ لیجئے۔ وہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے خادم ہیں۔ میں نے اس قدر واضح کر دیا ہے کہ غالباً سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔

ممبروں کی پوری جماعت نہیں آئی تھی مگر آراء آئیں تھیں، حاضرین کی پارٹیاں اگرچہ ایک ہی خیال نہ رکھتی تھیں مگر آخر میں سب اس امر پر متفق ہو گئیں کہ ہم مولانا تھانوی کے ان ہی اختیارات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں جو ۱۳۴۵ھ میں مولانا نے تجویز فرمائے تھے، اور جنھیں محرم ۱۳۴۹ھ میں مولانا نے ترمیم بھی کی تھی۔ الغرض وہ اختیارات مع ترمیم کے تسلیم کرتے ہیں۔ بشرطیکہ مولانا خود جلسہ میں شرکت فرمایا کریں، مگر شرط کے لفظ کو حامیین نے صراحۃً لکھنا پسند نہیں کیا، اس لیے یہ لکھا گیا تھا کہ ہم فلاں فلاں دفعہ کو مع ترمیم قبول کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ مولانا خود شرکت جلسہ فرمایا کریں، مولانا نے خوشی سے اس کو قبول فرما لیا، اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ سرپرست کو متفق علیہ تجویز میں کوئی اختیار مداخلت نہیں، مختلف فیہ میں اختیار مداخلت ہے جس جانب کو چاہیں ترجیح دیدیں، خواہ اکثریت کو یا اقلیت کو بشرطیکہ ان کو کسی جانب میں شرح صدر ہو جائے، ورنہ اکثریت ہی کو ترجیح ہوگی، مولانا مناظر احسن صاحب جبکہ دار العلوم کے ممبروں کی فہرست میں داخل ہونا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں اور اس کے لیے سال میں ایک دفعہ سفر کرنا انقل من الجبال خیال فرماتے ہیں تو پھر کیوں اس مسئلہ کے دریافت فرمانے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں، ان کی خدمت میں میرا مودبانہ سلام عرض کر دیں۔ مولانا عبد الحلیم صاحب ڈکٹیر خامس گرفتار ہو گئے، بعد ازاں قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند۔ وعلی اللہ التکلان۔ والسلام۔ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، از دیوبند۔

مکتوب نمبر ۶۷

آپ کے والا نامہ کے متعلق یہ عرض ہے کہ یقیناً قلبی اور روحی حالت درست ہونی چاہیے،

فلسفہ خواہ یونانی ہو یا یورپی اس حالت میں تنفر پیدا کرتا ہے، جو شرعی اور آسمانی تعلیمات سے ہونی چاہئے

پائے استدلالیان چوبین بود | پائے چوبین سخت بے تمکین بود
گر باستدلال کار دین بودے | فخر رازی راز دار دین بودے
علم منقولات گندہ می کند | علم منقولات بندہ می کند
علم منقولات علم انبیا | علم معقولات علم اشقیا الخ

ان فلاسفہ کے کچرا اور پوچ خیالات وَفَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ کے ماتحت ہیں جو علوم الٰہیہ سے کہیں بھی مناسبت نہ رکھنے کی بنا پر مبغوض ہیں، اس لیے قلب پر ضرور گندگی اور نجاست پیدا کرتے ہیں، اور صفاء روح میں حاجز ہیں، قرن اول اس سے بالکل مطہر نظر آتا ہے، لہٰذا حتی الوسع اس سے اشتغال میں کمی ہونی چاہیے، تاہم اس نجاست کے زائل کرنے کے لئے اگر اس میں اشتغال ہو تو جس طرح کھاد سے گل وریحان پیدا ہو جاتے ہیں، ممکن ہے یہ بھی کسی مفید نتیجہ تک پہنچا دے۔ بہرحال بالفعل اس میں گندگی ضرور ہے۔ دو ضرورتیں اس پر مجبور کر رہی ہیں، نوعمروں اور غیر تجربہ کاروں کی اصلاح، دوسرے ملازمت اور ضرورت معاش اس لیے پوری کوشش ہونی چاہیے کہ اس کے ضرر سے بھی بچیں اور آگے کو صفائی اور تنور میں بھی فرق نہ آئے، بنا بریں جلاء قلب یعنی ذکر کی کثرت اور استغفار کی مداومت بہت زیادہ ضروری ہے، جو خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں بحمد اللہ آپ خود ان کو گندہ سمجھکر دفع کرتے رہتے ہیں اسی قسم کے واقعات کو صحابہ نے عرض کیا تھا، جس کو آنحضرت علیہ السلام نے عین الایمان فرمایا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوجیے اور ذکر و فکر میں لگے رہیے۔ عاقبت دزے بیابی کام را۔ آپ دیوبند کتبخانہ قاسمیہ سے مجموعہ شجرات منگا لیجئے، اور اس میں سے حضرت نانوتوی رح کا شجرہ فارسیہ جس کی ابتدا الٰہی غرق دریائے گناہم سے ہوتی ہے، اس کو کم از کم ایک مرتبہ

دن میں دعائے ضرور پڑھ لیا کیجئے۔

دوسرے امر کی نسبت آپ کو وہ حدیث شریف یاد دلاتا ہوں جس میں فرمایا گیا ہے

ان المرأة خلقت من ضلع	بیشک عورت (آدم کی) بائیں پسلی سے پیدا
الیسر وان اعوج شئ من الضلع	ہوئی ہے، اور بہت ٹیڑھی چیز پسلی میں
اعلاہ (الحدیث)	اوپر کی پسلی ہے،

یہ صنف ہی طبعی طور پر اعوج ہے اور چونکہ اعالی ضلع سے پیدا ہوئی ہے، اس لیے اس میں اعوجاج بھی زیادہ تر ہے، اب دو صورتوں میں سے ایک اختیار کرنی ضروری ہے، یا تو پوری طرح اس کو سیدھا کیا جائے تب تو توڑنا پڑجائیگا، جو کہ بہت سی دینی اور دنیوی مصالح کے خلاف ہے یا اسی اعوجاج کے ساتھ ساتھ منافع دینی اور دنیوی کو حاصل کرلیا جائے، اور اس اعوجاج پر صبر کیا جائے، آنحضرت علیہ السلام دوسری شق کا ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر عورتیں اعوجاج سے پاک ہوتیں تو ازواجِ مطہرات ہوتیں، لہذا استقامتِ کاملہ کو تلاش کرنا اور بالخصوص نوعمر، ناتجربہ کار لڑکی میں، اور وہ بھی دیہات کی رہنے والی میں بہت زیادہ بے موقع بات ہے، شہروں کی لڑکیوں میں بہت سی باتیں حسب طبع پائیں گے، مگر ان میں دوسری خرابیاں اتنی اور ایسی ہیں جن کے سامنے موجودہ خرابی کی کوئی وقعت نہیں، آخر کار کانپور کے متعلق آپ کو کچھ انکشافات ہوئے ہی تھے، اور پھر یہ لڑکی بالکل مستقیم ہوتی تو آپ کے نفس کی اصلاح کس طرح ہوسکتی۔ آپ اپنے نفس کو جنیدؒ و شبلیؒ کا نفس سمجھتے ہوں گے، حالانکہ ان کا نفس بھی نفس ہی تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام تو فرماتے ہیں وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ۔ ایسے ظلوم وجہول کو جب ہر وقت چونکے اور نیز چونکے نہ پڑیں گے، کب درست ہوسکے گا۔

خدا کا شکر کیجئے کہ آپ کی اصلاح کا اللہ تعالیٰ نے سامان کیا ہے۔ جس میں آپ کو ایک گونہ مجبوری ہے، ملازم اگر خلاف طبع کام کرتا، کان پکڑ کر نکالدیا جاتا، مگر یہاں نہ نکال سکتے ہیں اور نہ چونکوں سے محفوظ رہتے ہیں. علیحدہ رکھکر اگرچہ بغیر طلاق ہو زندگی بسر کرنا سخت نامردی اور جبن ہے اور اصلاح نفس سے بہت دور کرنے والا ہے، یہ بہت عمدہ ذریعہ آپ کی درستی کا ہے، تحمل کیجئے، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحمل کو سامنے رکھیے، یہاں تو شرارت کا مادہ نہیں ہے، وہاں فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ہے، وہاں تو عورتیں سوت موجود ہیں، یہاں ایک ہی بیچاری ہے ؎

بھونرا بولے پھول کا کلی کلی رس لے
کانٹا لاگے پریم کا تڑپ تڑپ جیو دے

ساتھ رکھیے اور بوجھ اٹھائیے اور صبر کیجئے اور کڑوے سے کڑوے گھونٹ پیجئے اور اس کو نعمت سمجھیے، یہاں حوروں کے ملنے کا امکان نہیں ہے، ان کے لیے یہ ذریعہ ہے والدہ ماجدہ درست کرتی رہیں گی اور انشاء اللہ آہستہ آہستہ درستی آتی جائے گی، اللہ تعالیٰ سے تنہائی میں اس کی اصلاح کی بھی دعا کیجئے،

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ	اور گذران کرو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح پھر اگر
كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا	وہ تم کو نہ بھاویں تو شاید تم کو پسند نہ آوے ایک چیز
وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا الآية	اور اللہ نے رکھی ہو اس میں بہت خوبی

اس میں انشاء اللہ خیر و برکت ہے۔ ان کے حقوق مضاجعت وغیرہ میں بھی کمی نہ کیجئے۔ اگر غصہ کی وجہ سے ناگوار امور پر جلنا بھننا بھی پڑے تو ازواج مطہرات نے بھی آنحضرت علیہ السلام کو اس قدر ستایا تھا کہ دو دو تین تین دن تک غصہ کی بنا پر بات نہیں کرتے تھے، نہ آپ کا نفس نفوس نبویہ سے پاک تر ہے کہ اس کے اصلاح کی ضرورت نہ ہو، اور نہ آپ کے لیے ازواج نبویہ

سے بالاتر عورت ڈھونڈھی جاسکتی ہے، صبر نہین بلکہ شکر کا موقعہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق ۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۱۱ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ ۔ از نئی سڑک سلہٹ

مکتوب نمبر ۶۷

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، آپکے محبت وعنایت آمیز الفاظ متجاوز ہین، مین ایک نالایق اور عاجز شخص ہون، اپنی حالتون پر نہایت افسوس کنان اور نادم ہون، مگر اپنی محرومی پر افسوس کرنے سے بھی کوئی اثر نہین ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فضل وکرم فرمائے، تو نجات اور کامیابی کی امید ہوسکتی ہے،

الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ [له] ؎

سودہ گشت از سجدۂ راہ بتان پیشانیم   چند بر خود تہمت دین مسلمانی نہم

محترما! ہم ہر چند قصور وار اور کم ہمت ہون، سراپا خطا و تقصیرات ہوں، مگر جس طرح ہم کو غرور اور امن سے

اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ   کیا بے ڈر ہوگئے اللہ کے داؤ سے سو بے ڈر نہین ہوتے

اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ   اللہ کے داؤ سے مگر خرابی مین پڑنے والے۔

یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ   اے آدمی کس چیز سے بہکا تو اپنے رب کریم پر

وغیرہ فرما کر روکا گیا ہے، اسی طرح قنوط اور یاس سے بھی سختی سے روکا گیا ہے، لَا تَیْاَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اور لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ (اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو) ارشاد ہے ؎

این مشو کہ مرکب مردان مرد را   در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند

[له] آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ عمل پر نازان نہ ہونا چاہیے، اگر اسکی رحمت شامل حال نہ ہوئی تو نجات کا معاملہ بڑا اہم ہوجاتا ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں لیلے۔

نومید ہم مباش کہ رندان بادہ خوار ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

جس قدر بھی ممکن ہو ذکر و فکر اور توجہ الی اللہ کو عمل میں لاتے رہیے ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔ من نکردم شما حذر بکنید۔

مہربانی فرما کر بعد ملاحظہ عریضہ ہذا ایک مکمل نسخہ معاشیات ہند کا بذریعہ ڈاک رجسٹری کرکے ارسال فرمادیں سخت ضرورت ہے۔ اگر برنی صاحب نے معاشیات یا سیاسیات کے متعلق علم المعیشت کے علاوہ اور کوئی کتاب لکھی ہو تو اس کو بھی ارسال فرمادیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۳ رجب ۱۳۵۶ھ

مکتوب نمبر ۶۸

جو بنک ریاست اسلامیہ کے ہیں ان سے سود لینا سمجھ میں نہیں آتا، اگر بعض نصوص شامی وغیرہ کے بنا پر ہے ہیں کہ دار الحرب[1] میں رہنے والے مسلمانوں سے بھی دار الاسلام کے مسلمان

---

[1] اس والا نامہ میں ایک فقہی اور اصطلاحی لفظ دار الحرب کا آگیا ہے جس کو کسی قدر ہم واضح کرنا چاہتے ہیں، پوری بحث فقہ کی مبسوط کتابوں میں اختلاف دار وغیرہ کے تحت دیکھنی چاہیے۔

(۱) دار الاسلام وہ ملک ہے جہاں مسلمان بادشاہ کا حکم نافذ ہو اور ملکی انتظام قوانین شرعیہ پر ہونا ضروری ٹھہرایا گیا ہو، باقی یہ شرط نہیں ہے کہ وہ مسلمان بادشاہ کسی غیر مسلم بادشاہ کے ماتحت نہ ہو، بلکہ ایسی صورت میں بھی وہ ملک دار الاسلام ہو سکتا ہے کہ قوانین ملکی تو مسلمان بادشاہ اپنے اختیار و تصرف سے حسب ارشاد شریعت مطہرہ مقرر کرلیں لیکن اس ملک کا مالیہ کسی دوسری غیر مسلم سلطنت کے آگے ادا کرتا ہو جیسے کہ پانچویں صدی ہجری میں معتمد ابن عباد کے عہد میں قرطبہ و اشبیلیہ کا حال تھا کہ معتمد ذونش قرہ کندہ بادشاہ اندلس کے آگے مالیہ دیتا تھا، مگر اس کے شہروں میں اسلامی قوانین نافذ تھے۔ اس کے خلاف جو ملک ہو وہ دار الحرب ہے۔ پس دار حرب

(باقی ص ۱۶۹ پر)

کو سود لینے کی اجازت ہے، جو سیونگ بنک مشترکہ مسلم اور غیر مسلم کے ہیں ان کا حکم حربیوں کے بنک کا نہیں ہو سکتا۔ ان میں یقیناً مسلمانوں سے سود لینا پڑیگا۔ معلوم نہیں آپکے یہاں تعطیل کب ہوگی۔

والسلام۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۸) کی دو قسمیں ہیں۔ دار الامن اور دار القرار۔ دار الامن وہ ہے کہ اسمیں مسلمان بادشاہ اور اسلامی قوانین نہیں ہیں لیکن مسلمان وہاں عبادت میں آزاد ہیں جیسے ہندوستان یا صلح حدیبیہ کے بعد مکہ معظمہ . . . . دار القرار وہ ہے جس جگہ مسلمانوں کو مذہبی آزادی نہ ہو، جیسے سکھوں کے عہد میں پنجاب یا صلح حدیبیہ سے پہلے مکہ مکرمہ۔ خلاصہ یہ کہ دار الحرب کے اقسام میں سے دار الامن ہے جسکو دار السلم بھی کہہ سکتے ہیں، اسکے مسلمان باشندے چونکہ فرائض مذہبی میں آزاد ہیں اسلیے انکو اس ملک میں رہکر اور رعیت کہلاکر حکومت سے خیانت، غدر، فساد کرنا حرام ہے، قرآن کریم اور احادیث و فقہ میں اسکی حرمت صریحاً موجود ہے، اور ان مسلمانوں کو اس ملک سے ہجرت بھی ضروری نہیں ہے شیخ ابن حجر فتح الباری میں لا ہجرۃ بعد الفتح کی شرح میں لکھتے ہیں ثم اعلم ان من یقدر علی الہجرۃ من دار الحرب ولا علیہ اظہار دینہ بہا واداء واجباتہ فالہجرۃ منہا واجبۃ علیہ ومامن ہو قادر ولکنہ یمکنہ اظہار دینہ واداء واجباتہ فمستحبۃ (ترجمہ) جس دار حرب سے ہجرت کرنے پر آدمی قادر ہو اور وہاں فرائض مذہبی آزادی سے ادا نہ کر سکتا ہو تو وہاں سے ہجرت فرض ہے، اور اگر آدمی کو دار الحرب سے ہجرت کرنے پر قدرت تو ہے لیکن وہاں فرائض مذہبی ادا کر سکتا ہے تو ہجرت ضروری نہیں ہے صرف بہتر ہے۔ ارشاد الساری میں تو یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ جس دار الحرب میں اظہار دین ہو سکتا ہے وہاں عالم کا اس لیے رہنا بہتر ہے کہ غیر مسلموں کو بھی ہدایت کر سکے اور اسلام کے برکات کا اظہار کرنے پر قادر ہو۔ باقی رہی سنن نسائی کی حدیث انا بری من مسلم مقیم بین المشرکین (او کما قال صلعم) علامہ ابن حجر فتح الباری میں اس روایت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں وھذا محمول علی من لم یامن علی دینہ۔ یعنی نسائی کی حدیث کہ رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ میں اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں میں مقیم ہو۔ اس کا مدعا یہ ہے کہ یہ اس شخص کے حق میں ہے جو دین میں محفوظ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر مظہری صفحہ ۱۸

(باقی ص ۱۷۰ پر)

مکتوب نمبر ۶۹

پاس انفاس میں تو جہر ہوتا ہی نہیں۔ اس سے دماغ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ البتہ بارہ تسبیح میں جہر ہوتا ہے جس میں پورا کلمہ طیبہ (لا الہ الا اللہ) دو سو مرتبہ (الا اللہ) چار سو مرتبہ (اللہ اللہ) چھ سو مرتبہ اور (اللہ) ایک سو مرتبہ ہے۔ اگرچہ یہ مقدار تیرہ سو ہوتی ہے، مگر آخری تسبیح ضروری نہیں کمل ہے یہ جہر غنیف نہیں ہے بلکہ ادنیٰ جہر (ان یسمع غیرک) کافی ہے۔ اس میں مقدار سے دماغ پر زیادہ اثر نہیں ہوتا اور اعتیاد کے بعد تو بالکل مضمحل ہو جاتا ہے، ہاں اس میں ضرب علی القلب ضروری ہے، جو کہ مقامات علامات (-) پر ہونا چاہیے، سو وہ بھی بہت زور سے ضروری نہیں ہے، مجھکو یاد نہیں پڑتا کہ صرف کلمہ طیبہ کے ذکر کو کہا ہو۔ بہر حال بارہ تسبیح اور پاس انفاس پر اکتفا فرمائیں اور بعد از فجر جو ذکر کلمہ طیبہ کرتے ہیں، اس وقت کو بھی پاس انفاس میں ہی صرف فرمائیں۔ پاس انفاس میں زبان اور ہونٹھ کو حرکت نہ ہونی چاہیے نہ آواز جہر پیدا ہونا چاہیے۔ اندر جانے والے سانس میں لفظ اللہ اور باہر نکلنے والے سانس میں لفظ ھو پیدا ہونا چاہیے۔ اور ھو الظاہر والباطن کا تصور قائم کرنا چاہیے۔ اس کو علاوہ وقت مقررہ کے چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے حتی کہ پائخانہ اور پیشاب کرتے ہوئے بھی جاری کرنا چاہیے۔ تاآنکہ طبیعت ثانیہ بنجائے اور بلا اختیار و بلا ارادہ ہونے لگے۔ الحمد للہ کہ اب آپ کی طبیعت صحت پر آئی ہوئی ہے، اس سے استفادہ کیجئے۔ مشائخ سلسلہ کے لیے ایصال ثواب کرنے کے بعد یہ دعا ہونی چاہیے۔

اللھم بجاھھم طھر قلبی عما سواک ونورہ بانوار معرفتک وعشقک ومحبتک

اگر محبت خداوندی میں آپ کو ہجوم ان خطرات کا ہوتا ہے جن کو آپ ذکر فرما رہے ہیں تو اول تو یہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۹) رہ گئی یہ بات کہ دار الحرب میں رہنے والے مسلمانوں سے دار الاسلام کے مسلمانوں کو سود لینے کی اجازت ہے یا نہیں۔ اسی جلد میں دوسری جگہ حضرت امام العصر کی تحقیق درج ہے۔

خطرہ آیات و نصوص کے مخالف ہے۔ "یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّونَهٗ ۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ"
وغیرہ آیات و نصوص پر غور فرمانے سے اگر اپنی بے مائگی اور درماندگی پیش نظر ہے تو اگرچہ یہ خیال بہت عمدہ
اور اعلیٰ ہے تاہم یہ چیز نوع بنی آدم اور حجابہ افراد مین ہے جس طرح افضال خداوندی نے کروڑون
اور اربون نفوس انسانیہ کو محض اپنے کرم اور جود سے بارگاہ قدس و محبت مین جگہ دی ہے اور دیتا
رہتا ہے باوجودیکہ وہ بھی اپنے والدین کے منی اور حیض ہی سے پیدا ہوئے تھے اور باوجودیکہ وہ بھی
پائخانہ اور پیشاب وغیرہ کی نجاستون سے ملوث تھے۔ اسی طرح وہ کریم کارساز ہم کو بھی ان گندگیون
کے ہوتے ہوئے پاک وصاف فرما کر نعمہائے قرب و معیت سے نوازے۔ آمین

ایسے ہی استبعاد بر آیت "خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ" "زُنِّیْ" دالتی ہے، اسم خداوندی کا ذکر کرنا
ایسی زبان سے جو کہ منی اور حیض کے خون اور علق سے بنی ہے زیادہ تر مستبعد ہے ؎

ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

جس طرح یہ اجازت ذکر عظیم الشان انعام ہے اسی طرح خداوند قدوس کا اپنے کسی بندہ
انسانی سے محبت فرمانا اور اپنے قرب و معیت اور محبت و رافت سے نوازنا انتہائی انعام و کرم
ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۔ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا
بَنِیْۤ اٰدَمَ الآیۃ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۔ بہرحال غور فرمایئے تو بے تعداد
انعامات خداوندی اس خاکی انسان پر فرمائے گئے ہین ؎

نظر کردن بسکینان منافی جلالت نیست سلیمان باچنین حشمت نظر ہا بوئے موران کرد

جد و جہد جس قدر ممکن ہو جاری رکھیے اور مایوس مت ہو جیے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا
لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَلَا تَیْاَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ (الآیۃ) اگر بالفرض یہ وہم غالب ہی آ جانا ہے
تو دعائین صرف دنور ہو بانوں سے معرفت پر اکتفا فرمایئے۔ دعائین ابتہال و تضرع کیساتھ مانگا کیجیے

اور یہ نہ کہیے کہ قبول نہیں ہوئیں۔ اول تو وظیفہ عبودیت ہی کے خلاف ہے، عبد کا کام مانگنا، تضرع وزاری عمل میں لانا، الحاح کرنا ہے ع بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم

دوم یہ کہ ارشاد ہے "یستجاب لاحدکم مالم یقل دعوت لھم یستجب لی" (اوکما قال)[۵۱]

سوم یہ کہ اجابت دعا کا اثر یہ ہی نہیں کہ ہم جو مانگتے ہیں بعینہ وہی چیز حاصل ہو۔ حکیم و رحیم بمقتضائے حکمت و رحمت جو بھی ہمارے بہبودی کی چیز عطا فرمائے، اجابت دعا ہی میں سے ہوگا۔

معاصی میں کمی اور صدور گناہ سے پشر مندگی اور نفس کو ملامت علامات کمال ایمانی میں سے ہے۔ اذا سرتک حسنتک و ساءتک سیئتک فقد استکملت الایمان الحدیث[۵۲] (اوکما قال) بہرحال اس پر اور حصول قوالب اعمال صالحہ پر شکر گذار رہیے۔ لئن شکرتم لازیدنکم

قوالب کے بعد ہی نفخ روح ہوتا ہے، جد و جہد انشاء اللہ وہاں تک بھی پہنچا دیگی۔ دعا کرتا ہوں۔

معاشی جد و جہد میں اقتصاد اور توسط کا لحاظ رکھیے، کیا عجب ہے کہ جو خطرات مستقبل میں آپ کے خیالات میں درپیش ہیں ان کا بہترین حل قدرت ظاہر کر دے۔ والسلام

دعاگوئے ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، از خلوتخانہ

۲ شعبان سنہ ۱۳۶۴ھ

مکتوب نمبر ۷۰

آپ کا ذکر پر مداومت کرنا باعث شکر ہے۔ خواہ جی لگے حضور قلب ہو یا نہ ہو۔ انا مع العبد ما تحرکت بی شفتاہ حدیث قدسی کے الفاظ ہیں، اگر قلب ذاکر نہیں ہے تو جسم اور

---

۵۱ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تمہاری دعائیں قبول کیجاتی ہیں جبتک کہ گناہ کی دعا یا قرابت کے توڑنے کی دعا وغیرہ کرو۔ نہ دعا کی اور قبول نہیں ہوئی

۵۲ آنحضرت صلعم کے ارشاد کا منشا یہ کہ جب تجھکو بھلائی اچھی معلوم ہو اور برائی گناہ نظر آئے تو ایسی صورت میں ایمان پورا ہوگیا۔

زبان تو ذاکر ہے، اگرچہ یہ ذکر لسانی ذکر قلبی کے سامنے نہایت کمزور نسبت رکھتا ہو جیسے کہ ذکر قلبی ذکر روحی[1] کے سامنے نہایت کمزور نسبت رکھتا ہے "ذکر اللسان لقلقة و ذکر القلب وسوسة" قول سلف ہے، مگر تاہم اس ذکر لسانی کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے، بسا غنیمت ہے، اور بہت سے اشخاص اس سے بھی محروم ہیں، ثمرہ سے خالی نہیں، اگرچہ ضروری ہے کہ حتی الوسع کوشش کیجائے کہ حضور قلب ہو، سیلاب میں دریا کا پانی بہتا ہے اور اس پر جھاگ اور کوڑا کرکٹ ہوتا ہے، تاہم پانی اپنے فوائد زمینوں اور کاشت کے رقبوں، حیوانات وغیرہ کو پہنچاتا ہی ہے، خدا کی اس نعمت کا کفران نہ ہونا چاہیے، اور ازدیاد کی فکر کرنی چاہیے، میں بذاتہٖ خود نہایت نالائق ہوں مجھکو خود ان مشائخ کرام اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی طرف اپنے آپ کو نسبت کرنے میں شرم آتی ہے جنکا میں متوسل ہوں، اور یہی واقعی وجہ ہے کہ میں اپنے نام کے ساتھ صحیح طور پر ننگ اسلاف لکھتا ہوں۔ اگر فضل و کرم خداوندی شامل حال نہ ہوا تو مجھکو اپنی خلاصی سے ناامیدی ہے ؎

سودہ گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم   چند بر خود تہمت دین مسلمانی نہم

ما انقطع علائق عن الحق فهو طاغوتك قول حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ہے، ان ہی نالائقیوں میں سے میری انتہائی ضروریتیں ہیں ؎

از نکتۂ مقصود ندارند فہم حدیثے   لا دین ولا دنیا بیکار بماندیم

---

[1] معلوم ہونا چاہیے کہ ذکر کی چند قسمیں ہیں، ذکر ناسوتی لا الہ الا اللہ و ذکر ملکوتی صرف الا اللہ و ذکر جبروتی اسم ذات یعنی اللہ اللہ و ذکر لاہوتی ھُو ھُو۔ نیز زبان سے ذکر کرنیکا نام ناسوتی اور دل کے ذکر کا نام ملکوتی اور روح کے ذکر کا نام جبروتی اور سر کے ذکر کا نام لاہوتی۔ اور بھی دوسرے ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے، مثلاً ذکر زبان کو ذکر حسی اور فکر کو ذکر نفسی مراقبہ کو ذکر قلبی اور مشاہدہ کو ذکر روحی اور اسی طرح ذکر سری کہتے ہیں، ترتیب ذکر کے لحاظ سے مدارج بھی ہیں ... جانب حضرت امام العصر نے ارشاد فرمایا ہے

صاحب تصنیف کذاب قول مشہور ہے۔ یہ بھی بڑی وجہ ان میں سے تھی جن کی بنا پر میں نے بیعت میں پس وپیش کیا تھا۔ میں اب بھی بخوشی عرض کرتا ہوں کہ جس شخص کو آپ قابل پائیں اس کی طرف متوجہ ہو جائیں نہ صرف آپ کو بلکہ اپنے تمام دوستوں کو میرا مشورہ یہی ہے۔ یہ میرا مقولہ کسی خفگی یا طعنہ وغیرہ کی بنا پر نہیں ہے بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ من آنم کہ من دانم۔

آپ کو دیوبند میں یا سلہٹ میں میرے ساتھ رہنے کا اختیار ہے، مگر ہر حالت میں محنت کرنے کی ضرورت ہے اگر فضل الٰہی شامل حال ہے تو ہر جگہ کامیابی ہو سکتی ہے ورنہ ؎

حسن زبصرہ بلال از حبش صہیب از روم ز خاک مکہ ابو جہل این چہ بو العجبی است

بہرحال فضائل رفاقت اور تاثیر صحبت کا عالم اسباب میں انکار نہیں کیا جا سکتا۔ صحبۃ الشیخ ساعۃ خیر من عبادۃ ستین سنۃ اور الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ مشہور مقولہ ہے۔ مگر یہ ان کمل اور افاضل کے متعلق ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات اور مکارم سے مالا مال فرمایا تھا، ہم جیسے مٹی کے ڈھیلے بجز بدنام کنندہ نکو نامے چند کے اور کس قابل ہیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

مکتوب نمبر ۱۷

آپ کا والا نامہ جس کو آپ نے مولانا اعزاز علی صاحب کو لکھا تھا مجھکو کراچی ہی میں ملا تھا، انہوں نے اس کو ملفوف کر کے بعینہٖ بھیجدیا تھا، مگر وہ ایسے وقت میں ملا جبکہ میں جواب نہیں لکھ سکتا تھا، مگر اس سے پہلے میں ایک عریضہ مفصلاً آپ کو لکھ چکا تھا جس پر قدیمی پتہ تو پکے سانچہ کا تحریر تھا۔ آپکے والا نامہ سے

۱؎ صحبت شیخ پر ہم اور جگہ مفصل لکھ آئے ہیں یہاں عربی کے مشہور قول کہ شیخ کی صحبت میں ایک گھنٹہ رہنا ساٹھ سال کی عبادت کے برابر ہے۔ اور شیخ کی مثال اپنی قوم کے اندر ایسی ہے جس طرح نبی اپنی امت میں ہوتا ہے۔ آخری قول کے مصداق گھر کے بڑے لوگ بھی ہیں۔

معلوم ہوا کہ آپ نے وہ جگہ بدل دی ہے، نہ معلوم وہ ملا یا نہیں۔ اس کے بعد مدینہ منورہ پہنچنے پر آپ کا ڈ والا نامہ ملا جس کو آپ نے مستقل طور پر مدینہ منورہ روانہ فرمایا تھا، چونکہ بیرونی ڈاک کا انتظام سنسر کی وجہ سے متغیر ہو گیا ہے اور ہوائی ڈاک بھی بہت دیر میں پہنچنے لگی ہے اس لیے میں نے مدینہ منورہ سے جواب نہیں لکھا، اور یہ ارادہ کیا کہ ہندوستان پہنچکر عرض کروں گا۔ میرے اور آپ کے حسب حال یہ قدیم اشعار ہیں جن کو میں نے اپنے اس عریضہ میں پیشانی پر لکھا تھا جس کو کراچی سے بھیجا تھا ؎

سأشکر عمرا ان تراخت منیتی　　　ایادی لم تمنن وان ھی جلّت[1]

فتی غیر محجوب الغنی عن صدیقه　　　ولا مظھر الشکوی اذا النعل زلت[2]

رای خلّتی من حیث یخفی مکانھا　　　فکانت قذی عینیه حتی تجلّت[3]

میرے محترم! آپ ان نقود کے ارسال پر خفگی کا اظہار فرماتے ہیں اور اس ہدیہ کو اپنی نالائقی کا ہدیہ قرار دیتے ہیں، کیا تعجب کی بات نہیں ہے، کیا آپ نے یہ دستگیری اس وقت نہیں فرمائی تھی جبکہ مجھکو شدید حاجت تھی، دیواریں مکان کی چھت تک بلند ہو گئی تھیں، اور برسات کا زمانہ آگیا تھا، روپیہ ختم ہو چکا تھا خوف تھا کہ اگر چھت نہ ڈالی گئی تو برسات میں دیواریں گر جائیں گی۔ آپ نے ایسی ضرورت کے وقت میں دست اعانت دراز فرمایا فجزاکم اللہ خیر الجزاء۔ پھر جبکہ میں نے کچھ عرصہ کے بعد ادائے قضا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے فرمایا کہ جبتک تم روانہ مکان سے فارغ نہ ہو جائے جبتک اس کی فکر نہ کرنا۔

---

[1] (ترجمہ) اگر میری موت نے مہلت دی تو میں عمرو کے ان احسانات کا شکریہ ادا کروں گا جن پر اس نے احسان نہیں جتایا، اگرچہ وہ کتنے ہی بڑے تھے [2] وہ ایک ایسا نوجوان تھا جو اپنے دوستوں سے اپنا مال روکتا نہ تھا، (بلکہ ان پر اسکا مال نثار تھا) اور فقر و مصیبت کے وقت حرف شکایت زبان پر نہ لاتا (بلکہ صابر رہتا) [3] اس نے میری حاجت مکان کو بھی معلوم کر لی جہاں سے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی تھی، پھر جب تک میری سوء حالی دور نہ ہوئی، اس کی آنکھوں کا تنکا بنی رہی یعنی اسکے دور کرنے کی فکر میں لگا رہا۔

چنانچہ سال گذشتہ میں مرداہ حصول سے بھی فارغ ہو گیا، اس مدت کو کئی سال گذر گئے. آپ نے اس تمام مدت میں کبھی اشارۃً یا کنایۃً بھی تقاضا نہیں فرمایا، کیا یہ دوسرا احسان عظیم الشان احسان نہیں ہے، آپ کے معاملات میں کسی قسم کا ادنیٰ درجہ کا تغیر نہیں پایا گیا، حالانکہ القرض مقراض المحبۃ مشہور مقالہ ہے، کیا مجھکو کسی طرح درست تھا یا ہے کہ ایسے عظیم الشان انعامات کو فراموش کرسکوں، کیا میرے لیے نہایت زیادہ شرمندگی کی بات نہیں ہے، کہ میں نے اس قرض کے ادا کرنے میں سالہا سال کی مدت لگا دی بیشک میں اپنی ناداری اور مصارف تعمیر کی بنا پر عاجز تھا، مگر مجھکو فی النفس مجبوریت ضرور تھی اور ہے، مہینہ دو مہینہ نہیں، سال نہیں سالہا سال یعنی تقریباً دس سال یا زیادہ گذر چکے ہیں، پھر اس پر طرہ یہ ہوا کہ اس وقت جبکہ میں حجاز جا رہا تھا اور جبکہ بتقاضائے وقت وحال لازم تھا کہ میں پوری رقم ادا کرتا، کیونکہ موت وحیات کا معاملہ سوائے اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں جانتا، چاہیے یہ تھا کہ میں بالکل بری الذمہ ہو کر جاتا اور پوری رقم آپ کی خدمت میں بھیجتا، مگر میں نے خواہ بمجبوری یا بغیر مجبوری تین سو کی رقم بھیجی اور باقی کے متعلق توکل الی اللہ کیا، کہ وہ کریم کارساز اس کی کوئی صورت کردیگا، مگر تعجب ہے کہ آپ اس پر بھی ایسے الفاظ تحریر فرماتے ہیں، آپ کو چاہیے تھا کہ مجھکو سرزنش فرماتے کہ ایک تو اتنی مدت کے بعد قرضہ ادا کرتا ہے اور پھر وہ بھی پورا نہیں، تجھکو شرم آنی چاہیے، مگر بجائے میری گوشمالی کے آپ خود اپنے آپ کو ملامت فرماتے ہیں، بہرحال میں آپ کے ان عظیم الشان احسانات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، اور .... مجوب ہوں کہ اس قدر دیر کیوں ہوئی، اور انشاء اللہ باقیماندہ رقم بھی جلد ادا کرنے کی کوشش کروں گا. اور امیدوار ہوں کہ گذشتہ تاخیرات کو بنظر عفو دیکھیں گے، اور اگر آئندہ بھی تاخیر ہو تو اس پر بھی وسعت قلب اور عفو کو کام میں لائیں گے.

حقیقت یہ ہے کہ میرے اور آپ کے علایق محض لوجہ اللہ ہونے چاہئیں، کسی دنیاوی امر کو درمیان میں حائل نہ ہونا چاہیے. علایق اور اغراض مادیہ نہایت ذلیل امور ہیں جن سے ہرگز

سخت احتراز چاہیے، اللہ تعالیٰ مجھکو اور آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ ہمارے جملہ افعال و اعمال، حرکات و سکون محض اس کی رضا جوئی کے لیے ہوں اور بس۔ میں ابتک اپنی ڈائری میں قرضوں کو لکھتا رہا، کیونکہ معلوم نہیں کب داعی اجل کو لبیک کہنا پڑے، آپ کا قرضہ چونکہ سب سے بڑا تھا اس لیے اس کو سب سے پہلے لکھتا رہا، کیونکہ معاملات کی صفائی ازبس ضروری ہے، آپ حضرات کی محبت اور مودت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میرے عیوب سے چشم پوشی کریں بلکہ یہ لازم ہے کہ مجھکو میرے عیوب پر اور میری کمزوریوں پر متنبہ فرماتے رہیں، "المومن مرآۃ المومن"[1] بجز انبیاء علیہم السلام اور کوئی معاصی اور عیوب سے پاک نہیں اور انسان کو اپنے عیوب نظر نہیں آتے۔ ؎

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ ولکن عین السخط تبدی المساویا[2]

حبک الشیٔ یعمی ویصم۔ چونکہ انسان کو اپنے نفس کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے اس لیے اسکے عیوب سے انسان اندھا ہی ہوتا ہے، اور اگر کچھ جانتا بھی ہے تو اس کو تاویلات رکیکہ وغیرہ سے کمال بتلاتا ہے

---

[1] ایک بہت اہم چیز کی جانب حضرت نے تنبیہ فرمائی ہے جو ہمارے علما اور صوفیہ کی وہ کمی ہے جس سے بہت کم لوگ محفوظ ہیں، وہ یہ کہ شیخ طریقت، استاد اور بڑوں کی محبت و مودت بسا اوقات انکے عیوب سے چشم پوشی پر مجبور کرتی ہیں، حدیث کہ مومن مومن کیلیے آئینہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد کہ سب سے بڑا ہدیہ یہ ہے کہ کوئی میرے عیب اور کمزوری سے مجھکو مطلع کرے تو پیر کی جو بات سمجھ میں نہ آئے یا واقعی اسکی کوئی کمزوری معلوم ہو تو تخلیہ میں ادب کے ساتھ اسکو صاف کرے اور ظاہر کر دے، مگر خدا ناس کرے پیر پرستی کا کہ اس نے مسامحت و مداہنت کا دروازہ کھول دیا ہے، حضرت نے اس بدعت پر کاری ضرب لگائی اور اپنے متوسلین کو خصوصی اور دوسروں کو عمومی انتباہ دیا، اور کیوں نہ ایسا تحریر فرمایا جاتا جبکہ آپ کا سلوک و تصوف مجاہدین فی سبیل اللہ کا تصوف تھا، چنانچہ یہ واقعہ موجود ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سید شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی اور کسی وجہ سے دیر میں تشریف لائے تو آپکے مرید اور وزیر حضرت مولانا عبد الحی نے ٹوکا اور سید شہید نے اسکو مستحسن قرار دیا، فاعتبروا یا اولی الابصار (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو سیرت شہیدؒ ص ۲۶۷)۔ [2] شعر کا مفہوم یہ ہے کہ بناؤ اور دوستی میں ہر عیب معمولی نظر آتا ہے لیکن اختلاف و دشمنی کی آنکھوں میں چھپے عیب بھی اجاگر نظر آتے ہیں۔

دو ستون کا ذریعہ ہے کہ اس پر متنبہ کرکے اس کا ازالہ فرمائیں نہ کہ اسکو چھپائیں، اور دوسرے اس پر طعن وتشنیع کریں۔ میں ۳ ذیقعدہ کو جدہ پہنچا، چونکہ کراچی سے عزیزم محمود کو تار دیچکا تھا اس لیے وہ اسی روز اپنی موٹر لاری لیکر جدہ پہنچ گئے اور کوشش کی کہ مجھکو معہ عائلہ کے کوشان سے مستثنیٰ کر دیا جائے، چنانچہ یہ امر اس بنا پر قبولیت کو پہنچ گیا تھا کہ میں عرصہ دراز تک مدینہ منورہ رہ چکا ہوں۔ اگلے روز یعنی ۵ ذیقعدہ کو ہم مدینہ منورہ اسی لاری پر روانہ ہو گئے ۴ ذی الحجہ تک مدینہ منورہ میں قیام رہا .... ۷ ذی الحجہ کی شب میں مکہ معظمہ پہنچنا ہوا ...... ۱۸ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ سے روانہ ہوکر ۲۰ ذی الحجہ کو جدہ سے روانگی ہوئی ...... آج بتاریخ ۲۸ ذی الحجہ بخیر وعافیت سب کراچی پہنچ گئے

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ،

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۷) امام العصر کی ساری زندگی سبق آموزی ہے اور مرید کے تعلقات لین دین میں بظاہر یہ چیز کسی اور عینک سے دیکھی جاتی ہے لیکن احقر کی نظر میں تو یہ چیزیں بھی حضرت کے فضل وکمال کی مستقل کرامت ہے اور افادہ اور سبق آموزی کے نہ جانے کتنے پہلوؤں کو حاوی ہے، آدمی معاملات سے پہچانا جاتا ہے، معاملات کی صفائی اخلاق وتزکیہ نفس کا اہم عنصر ہے۔ اسیلیے شریعت نے اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور صوفیہ نے اسکو بنیادی مسئلہ بنا دیا ہے جو والا نامہ کے ہر ہر فقرہ سے ظاہر ہے جو لوگ قرض کو شیر مادر سمجھکر پیتے اور فراموش کر جاتے ہیں وہ اللہ ورسول کے نزدیک جس طرح مجرم ہیں اللہ کے بندوں کے نزدیک بھی اس سے زیادہ گناہ گار ہیں حقوق العباد معاف نہیں ہوتے جبتک ادا نہ کیے جائیں اور حق والا معاف نہ کرے اس لیے حضرت نے اس پر بہت زور دیا ہے۔

مولانا عبد الباری صاحب ندوی امام العصر حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کے مرید ہیں، اور مراحل سلوک حضرت مولانا مدنی دامت برکاتہم سے طے فرماتے رہے، جیسا کہ مندرجہ والا ناموں سے ظاہر ہے۔ چونکہ حضرت امام العصر کے تدریسی مشاغل اور سیاسی مصروفیتیں ارشاد واصلاح کی راہ میں حائل ہوتی رہتی ہیں اس لیے آپنے مولانا عبد الباری صاحب وغیرہ کو بارہا مشورہ دیا کہ وہ اپنی تعلیم وتربیت کا سلسلہ حضرت مولانا تھانوی سے قائم کرلیں، مولانا ندوی نے اسپر عمل کیا،

(دا ق ص ۹، ہم)

مکتوب نمبر ۲۷

علالت اور رعشہ کی کیفیت پیدا ہونے سے رنج ہوا، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ کریم کارساز اپنے فضل وکرم سے صحت اور عافیت عطا فرمائے۔ آمین۔

بیماری اور صحت میں جسقدر زیادہ سے زیادہ ذکر ہو سکے کرتے رہیں، خواہ زبانی ہو یا پاس انفاس یا ذکر قلبی بہر حال جسطرح بھی ہو ذکر سے غافل نہ رہیں، اور رحمت خداوندی سے کسی وقت بھی مایوس نہ ہوں، وہ کریم کارساز عمیم الاحسان، غفار الذنوب والخطایا ہے، اسکا وعدہ ہے اور نہایت سچا وعدہ ہے کہ آسمان وزمین کے تمام فضا سے بھرے ہوئے گناہوں کو بھی رجوع اور انابت الی اللہ کی بنا پر اپنی مغفرت سے بھر دے گا، اس نے اسرائیلی کو سو اہل ایمان کے قصداً قتل کر دینے پر بھی مغفرت فرمادی اور جبکہ وہ توبہ کرکے ارض مقدسہ کی طرف گھسیٹتے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۸) مولانا مدنی کی یہ کرامت ہے کہ ہر دو شیخ طریقت کا پورا پورا احترام اور حسن ظن قائم رکھا، چنانچہ امام العصر کے اس جوابی والا نامہ سے ظاہر ہے کسی مزید ثبوت اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے، اور طریق میں یہ چیز طے ہو چکی ہے اگر شیخ اپنی مفقود فیت کی وجہ سے بطیب خاطر اپنے مرید کو یہ اجازت دیدے کہ تو بجائے میرے فلاں بزرگ سے سلوک اور تصوف میں رجوع کرلے تو اس شیم طاہر پر رجوع جائز ہوگا کہ شیخ اول کا ادب واحترام اور اس کے ساتھ عقیدت میں فرق نہ آئے جیسا کہ بعضوں نے کیا، مولانا عبدالباری صاحب نے حضرت مولانا تھانوی پر مفصل کتابیں لکھی ہیں، اور ان میں بعض بزرگوں کا تذکرہ بھی کیا ہے مگر عجیب بات ہے کہ امام العصر مولانا مدنی دامت برکاتہم سے زبردست علاقہ رکھنے کے باوجود شاید ایک جگہ بھی بھول کر ذکر نہیں فرمایا گیا حالانکہ نسبت اور محبت کا تقاضا تھا کہ اگر اس کے لیے کوئی عنوان الگ سے اختیار نہ کیا جاتا تو ضمناً ہی سہی، اگر اتنی زبردست ہستی کو فراموش نہ کیا جاتا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی راز ہو۔

لہ حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے جس اسرائیلی کا حوالہ اپنے اس والا نامہ میں دیا ہے اس کو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا ہے کہ ایک شخص بنی اسرائیل میں تھا جس نے ننانوے اشخاص کو قتل کر دیا تھا پھر نکلا اور پوچھتا تھا کہ

ہوئے مرگیا تو اس زمین کو جہان سے ارتکاب کر کے چلا تھا دراز ہونے اور ارض مقدسہ کے حصہ کے قصیر ہونے کا حکم دیکر مغفرت کا سامان پیدا کر دیا۔ پھر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل کے لیے کیونکر یاس ہونا جائز ہوگا، توبہ اور انابت میں مشغول رہیے، اور ذکر سے غافل مت ہوجیے، اللہ تعالیٰ آپ کی اور ہماری اور تمام امت کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

دار العلوم دیوبند، ۲ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۹) میری توبہ ہو سکتی ہے) ایک عابد و زاہد کے پاس پہنچا اور سوال کیا کہ آیا میری توبہ ہو سکتی ہے؟ جواب دیا کہ نہیں، اس نے انکو بھی قتل کر دیا، پھر پوچھنا شروع کیا، ایک شخص نے کہا کہ تو فلاں گاؤں میں جا کر دفعۃً موت آگئی، مرتے وقت اس نے اپنا سینہ بستی کی طرف مائل کر لیا، اسکے بعد ملائکہ رحمت و عذاب روح قبض کرنے میں جھگڑ پڑے (کہ ہم قبض کرینگے دوسرا کہتا ہم) بس اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو حکم دیا کہ تو نزدیک ہو جا اور دوسری کو حکم دیا کہ دور ہو جا، پھر اللہ نے دونوں بستیوں کے پیمائش کا حکم دیا، پس پایا گیا وہ شخص اس بستی کے قریب جسکی طرف چلا تھا ایک بالشت زیادہ اسکے سبب اللہ نے اسکی مغفرت فرمادی (روایت کیا اسکو مسلم اور بخاری نے)

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲) میں نے مولانا ندوی مدظلہ کو ایک عریضہ لکھا تھا جس میں میں نے مولانا تھانویؒ اور حضرت امام العصر کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا اور یہ مصرع لکھ گیا تھا "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" جسکے جواب میں مولانا عبد الباری صاحب نے تحریر فرمایا تھا "یہ آپنے بالکل سچ لکھا کہ "ہر گلے را الخ"۔ ایک صاحب اپنے چھوٹے بھائی کو لائے کہ انکو بڑی عقیدت تو حضرت مولانا مدنی سے ہے لیکن اب حضرت تھانوی سے بھی بہت اعتقاد ہو گیا ہے، دونوں کو کس طرح جمع کریں، میں نے کہا کہ عمر و علی رضی اللہ عنہما کے جمع کرنے میں دشواری تو رافضی یا خارجی کو ہو سکتی ہے، سنی کو کیا دشواری؟" مولانا ندوی کی یہ تشبیہ بہت خوب ہے، اسکے بعد خود ہی فرماتے ہیں" اور الحمد للہ اس جمع اضداد میں یہ سراپا نالائق بھی زیادہ نالائق نہیں رہا" (مکتوب ۵ ذو القعدہ ۱۳۶۶ھ) ع

تو خود حدیث مفصل بخوان ازین مجمل

باسمہ سبحانہ

مکتوب نمبر ۳۷

مولانا ابو الحسن حیدری[۵۱] غازیپوری کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مزاج شریف ۔ امور مستفسرہ کے متعلق مندرجہ ذیل امور معروض ہیں:۔

(۱) حدیث اول اولیائی تحت قبائی[۵۲] لا یعرفھم غیری کے متعلق وجہ اشتباہ درج نہیں کی گئی، بظاہر وجہ اشتباہ یہ ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں جنکو ہم لوگ بھی جانتے ہیں، اسلیئے لا یعرفھم غیری کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اس لیے عرض ہے کہ یہ قضیہ سور کلیہ سے خالی ہے اس لیے مہملہ ہوگا جو کہ قوت جزئیہ میں ہوتا ہے۔ یہ اشکال جب ہوتا کہ کہا جاتا جمیع اولیائی تحت قبائی الخ، اس جزئیہ کے صدق میں کوئی کلام نہیں ہو کیونکہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں جنکو سوائے اللہ تعالیٰ کوئی نہیں جانتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہو کہ مدار ولائت ظاہری اعمال پر نہیں ہے۔ فرمایا جاتا ہے اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ. لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے ان پر اور

---

[۵۱] جناب مولانا ابو الحسن حیدری صاحب مدظلہ نے مکتوبات کا ایک مجموعہ مرتب فرمایا تھا، جو حالات کی ناسازگاری کی بنا پر طبع نہ ہو سکا لیکن جب موصوف کو معلوم ہوا کہ اصلاحی صاحب نے اس کام کو پورا کرنیکا ارادہ کر لیا ہے تو پوری فیاضی سے اپنا مجموعہ کلی اختیار کیساتھ عنایت فرما دیا، ناچیز مولانا کے اس ایثار کا تہ دل سے شکر گزار ہے، جزاہ اللہ خیر الجزا، حیدری صاحب کا یہ مجموعہ اپنی جگہ پر یہ مجموعہ ہے جسکو ہم عربی و فارسی عبارات کے ترجمے، بعض غیر ضروری خطوط کے حذف و ترمیم اور حواشی و فوائد کے اضافہ کیساتھ درج کرتے ہیں، تاخیر طباعت میں اس مجموعہ کو بھی کافی دخل ہے۔ اصلاحی۔

[۵۲] "اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری" کے معنی و مطلب کیا ہیں؟

نہ وہ غمگین ہوں گے، جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے، انکے لیے ہے خوشخبری دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، بدلتی نہیں اللہ کی باتیں، یہی ہے بڑی کامیابی)

تفسیر اولیا میں ایمان اور تقویٰ کو ذکر فرمایا ہے اور دونوں قلبی امور میں سے ہیں، ایمان قلبی ہونا ظاہر ہے، فرماتے ہیں قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ الآیۃ (کہتے ہیں گنوار کہ ہم ایمان لائے تو کہہ تم ایمان نہیں لائے پر تم کہو ہم مسلمان ہوئے اور ابھی گھسا ایمان تمہارے دلوں میں)

اور تقویٰ کے لیے ارشاد ہے: الا ان التقوی ھٰھنا واشار الی قلبہ (او کما قال علیہ السلام) (آنحضرت صلعم نے فرمایا یاد رکھو تقویٰ یہاں ہے، اور آپ نے اپنے سینہ مبارک کی جانب ۳ بار اشارہ فرمایا)

اعمال ثمرات اور نتائج امور قلبیہ اور ان سے صادر ہونے والے ہوتے ہیں جنکی دلالت قطعی نہیں۔ امور قلبیہ کا جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، عام لوگ تو صرف ظاہر کی بنا پر کسی کی ولایت کی شہادت دے سکتے ہیں جو محض ظنی دلیل ہے، بسا اوقات اس میں غلطی اور فاش غلطی ہوتی ہے ؎ اے بسا ابلیس آدم روئے ہست الخ

البتہ اولیاء کاملین کو قلبی امور پر بھی اطلاع ہو جاتی ہے مگر یہ بھی علم یقینی نہیں ہے، عقائد میں تصریح ہے کہ کشف والہام و رؤیا صالحہ غیر انبیاء علیہم السلام میں ظنی اور غیر حجت شرعیہ ہیں، اگرچہ مشہور ہے کہ ولی را ولی می شناسد۔

(۳) مدار ولایت حقیقت میں موجودہ اعمال اور احوال اور صفات ظاہرہ یا باطنہ پر نہیں ہے، بلکہ حسن خاتمہ پر ہے۔ فرمایا جاتا ہے وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ حدیث شریف میں ہے انما الاعمال بالخواتیم (او کما قال علیہ السلام) اور فرمایا جاتا ہے ان الرجل لیعمل بعمل اھل الجنۃ حتی لا یکون بینہ وبین الجنۃ الا ذراع واحد فیسبق علیہ الکتٰب فیعمل بعمل اھل النار، فیکتب من اھل النار، الحدیث (بیشک ایک شخص اہل بہشت کا کام کرتا ہے یہاں تک کہ اسکے اور بہشت کے درمیان میں ایک ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر جو لکھی جا چکی ہے اس پر غلبہ کرتی ہے

پس وہ دوزخیوں کا کام کرتا ہے اور جہنمی لکھ دیا جاتا ہے)۔ بنا بریں خواہ کیسے ہی تقویٰ پر انسان ہو اور کیسے اعمال صالحہ اور کشف و کرامات کا مظہر ہو کسی کے متعلق ولایت حقیقیہ کا فتویٰ نہ عامی دے سکتا ہے نہ کوئی ولی دے سکتا ہے، جب تک کہ خاتمہ کا علم نہ ہو جائے، اور یہ مخصوص بعلم اللہ تعالیٰ ہے یا وحی سے پیغمبر کو علم کرا دیا جاتا ہے، جیسا کہ مبشرین بالجنۃ کے متعلق واقع ہوا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں من کان منکم مستنا فلیستن بمن مات فان الحی لا یومن علیہ الفتنۃ۔ اس لیے کوئی شخص بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کو نہیں پہچان سکتا۔ بلعم باعور اور برصیصا وغیرہ کے احوال معروف و مشہور ہیں، کس قدر کرامات و کشوف اور فیوض کے مالک تھے مگر آخر الامر کیا ہوا۔

(۴) حدیث شریف میں لا یعرفھم غیری فرمایا گیا ہے لا یعلمھم نہیں فرمایا گیا، اور معلوم ہے کہ معرفت ہر علم کو نہیں کہتے بلکہ اس ادراک کو کہتے ہیں جو کہ مسبوق بالعلم ہو اور اسی وجہ سے اس شخص کو کہا کرتے ہیں کہ پہچان لیا جسکو پہلے سے جانتے ہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ ازل سے سب لوگوں کے احوال کو جانتے ہیں اس لیے وہی پہچان سکتے ہیں کہ کون ولی ہوگا، اور کون نہ ہوگا۔ ملائکہ مقربین اور اولیاء اللہ وغیرہ نہیں پہچان سکتے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ الآیۃ (جنکے لیے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اس سے دور رہیں گے)۔ اُولٰٓئِکَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَھُمْ لَھَا سٰبِقُوْنَ الآیۃ

ترسم ز گنہ نیست کہ او غفار است | از سابقۂ روز ازل می ترسم

اگرچہ اطلاق لفظ عارف جناب باری عز اسمہ پر ابہام کی وجہ سے ممنوع قرار دیا گیا ہے کیونکہ اصطلاحات انسانوں میں اس کا اطلاق ادراک بعد الذہول پر بھی ہوتا ہے وھو محال علی اللہ عز وجل۔ اور کبھی ادراک جزئیہ پر ہوتا ہے، جس سے ایہام ہوتا ہے کہ معاذ اللہ کلیات کا علم اس کو نہیں ہے، ورنہ فی ذاتہ یہ اطلاق جناب باری عز اسمہ پر ممنوع نہیں تھا، جیسا کہ روایات میں لفظ مذکور کا بصیغہ فعل ماضی یا فعل مضارع وغیرہ موجود ہے

(۵) حصر اس روایت میں اضافی ہو یعنی استغراقِ حقیقی نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے اولیا کو عام لوگ نہیں پہچان سکتے۔ اگرچہ خاص خاص لوگ بتعلیم اللہ پہچان جاتے ہوں، یا بالذات کوئی نہیں پہچانتا بلکہ بتعلیم اللہ تعالیٰ و بتعریفہ پہچان سکتے ہیں، واللہ اعلم

اگر موجب اشتباہ فی معنی الحدیث اور کوئی امر ہو اور اس کے لیے یہ جواب کافی نہ ہوں تو اس کو تحریر فرمائیں تاکہ اس پر غور کیا جائے۔

(۱) یہ روایت[لہ] نہایت قوی ہے، بخاری شریف کی روایت ہے، مگر معلوم ہے کہ حسب قواعد عربیہ ضمیر کو اقرب مراجع کی طرف لوٹانا چاہیے اور وہ لفظ آدم ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا، ایسا نہیں ہوا جیسا کہ عام آدمیوں میں ہورہا ہے سورہ حج میں یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ الآیۃ (اے لوگو اگر تم کو دھوکا ہے جی اٹھنے میں تو ہم نے تم کو بنایا مٹی سے پھر قطرہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کی بوٹی نقشہ بنی ہوئی الخ) سورہ مومنون میں ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً الآیۃ (اور ہم نے بنایا آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے پھر ہم نے رکھا اسکو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانہ میں پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنائی اس لہو جمے ہوئے سے گوشت کی بوٹی) سورہ مرسلات میں ہے اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ الآیۃ (کیا ہم نے نہیں بنایا تمکو ایک بے قدر پانی سے) الحاصل تمام انسانوں کی خلقت تدریجی ہے، مگر حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت دفعی ہے، اسی بنا پر روایت موجودہ میں بعد کو فرمایا ہے طولہ ستون ذراعاً الحدیث (دیکھو بخاری شریف نصف ثانی) اب اس تقریر پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔

لہ "خلق اللہ آدم علی صورتہ" کے کیا معنی و مفہوم ہے؟

(۲) صورته کی ضمیر حضرت آدم علیہ السّلام ہی کی طرف راجع ہو اور مراد ان کی صورت روحانیہ ہو یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو جسمانی اور مادی حیثیت ایسی ہی دی گئی جیسی ان کو روحانی صورت عطا کی گئی تھی تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسانی ارواح بھی واقع میں مرکب ہیں بسیط وہ نسمہ یعنی روح حیوانی، نفس ناطقہ، روح ملکوتی سے مرکب ہے اور اس میں مادہ شیطانی اور مادہ ملکی وغیرہ بھی رکھا گیا ہے۔ اس میں عالم علوی کی تمام موجودات کا عنصر اسی طرح رکھا ہوا ہے جس طرح اس کے جسم میں عالم سفلی کے تمام مواد خاک، نار، ماء، ہوا، نفس جمادی، نفس نباتی، نفس حیوانی وغیرہ موجود ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں وہ سب چیزیں اور قوتیں پیدا کی گئیں جو کہ اس کی روح میں کامن اور مستتر تھیں، اس کی روح میں قوت باصرہ تھی، اسکو آنکھ دی گئی، اس میں قوت بطش تھی، اسکو ہاتھ دیے گئے وعلیٰ ہذا القیاس۔ اس کی روح میں قوت حاسہ بھی اسلیے اس کے جسم میں قوتِ حاسہ رکھی گئی، اس کی روح قوت واہمہ تھی، اس کے دماغ میں یہ قوت رکھی گئی، اس کی روح میں قوتِ بہیمہ تھی اس کے جگر میں یہ قوت رکھی گئی۔ علیٰ ہذا القیاس، اس کو قلب دیا گیا تاکہ قوتِ بہیمیہ کا مرکز ہو، اس کو دماغ دیا گیا تاکہ قوائے عقلیہ کا تخت سلطنت بنے، وہکذا۔ غرضکہ مبدأ فیاض سے انسان پر فیض کامل کیا گیا اور اس کی باطنی اور ظاہری دونوں طرح تکمیل فرمائی گئی مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (کس چیز نے روک دیا تجکو کہ سجدہ کرے اسکو جسکو میں نے بنایا اپنے ہاتھوں سے) ارشاد فرمایا گیا ہے۔ یہاں مخلوق ہے جس میں باطنی تکمیل ہے مگر ظاہری نہیں، جیسے فرشتے وغیرہ، یا ظاہری تکمیل ہے مگر باطنی نہیں جیسے حیوانات اور پہاڑ، نباتات وغیرہ، بخلاف انسان کے کہ وہ خلاصہ موجودات اور عالم اصغر بنایا گیا ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (ہم نے بنایا آدمی خوب سے خوب اندازے پر) اس لیے اس پر بوجھ شکر سب سے زیادہ رکھا گیا، اور اسی وجہ سے عدم شکر پر عذاب بھی زیادہ اور سب سے زیادہ رکھا گیا، قاعدہ ہے کہ جس پر زیادہ انعام ہوتا ہے اس سے بازپرس بھی زیادہ

ہوتی ہے ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ الآیہ (پھر پھینک دیا اسکو نیچوں سے نیچے)۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہی مستحق خلافت ربانیہ قرار دیا گیا شہنشاہ کی نیابت ہر شخص کو نہیں دیجاتی۔

(۳) حضرت آدم علیہ السلام کی روح ارواح میں سب سے زیادہ جامع اور خوبصورت پیدا کی گئی، جس پر بشارت خلافت اور مجلس ملائکہ میں اس کو پیش کرنا بتلاتا ہے، اسی طرح ان کو جسم بھی تمام اجسام سے خوبصورت اور مکمل دیا گیا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ شاعر کہتا ہے:

مالنت ما دحها یا من یشبهها　　بالشمس والبدر لا بل انت هاجیها

اے مدح تو محبوبہ کی تعریف کرتا اور اسکو سورج اور ماہ کامل سے تشبیہ دیتا ہے تو تعریف نہیں ہوئی بلکہ اسکی ہجو ہے۔

من این للشمس خال فوق وجنتها　　ومضحك من نظام الدر فی فیها

بھلا سورج کے گالوں پر سیاہ تل اور اس کے منہ میں موتیوں کی لڑی کہاں ہے؟

من این للبدر اجفان مکحلة　　بالسحر والنجم یجری فی حواشیها

بھلا بدر کامل میں وہ سرگیں آنکھیں کہاں جو جادو اور ناز کے ساتھ گردش کرتی رہتی ہیں۔

فارسی شاعر کہتا ہے ؎

من ماہ ندیدم کلہ دارد　　من سرو ندیدم قبا پوشد

(۴) اگر ضمیر صورتہ کی لفظ جلالہ کی طرف راجع کی جائے، اگرچہ یہ طریقہ شائعہ عربیہ کے خلاف ہے تاہم کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جیسے اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِیْرٌ الآیۃ (انفال) اور لِتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا (فتح) ضمیر تسبحوہ ابعد مذکور کی طرف راجع ہے، تو البتہ اشکال وارد ہوتا ہے کیونکہ جناب باری عز اسمہ صورت اور شکل سے منزہ ہے، لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ذی صورت کے لیے محاط بحد یا محدود ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ بکل شیء محیط ہے وہ محاط نہیں ہو سکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ صورت اس جگہ بمعنی صفت ہے جیسے مسائل عقلیہ غیر مادیہ کیلیے کہا جاتا ہے دیوہ

المسئلة کذا و کذا ای صفتها کذا و کذا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صفات پر پیدا کیا، اور حضرت آدم کو اپنی تمام صفات کمالیہ میں سے حصہ دیا۔ ان کے ظلال و عکوس تمام اس میں رکھ دیے، اور مخلوقات سب کو جامع نہیں ہیں۔ جس طرح آئینہ مظہر نور شمس ہے اسی طرح آدم علیہ السلام مظہر جملہ صفات کمالیہ جناب باری عز اسمہ بنائے گئے۔ اور اسی لیے اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ ہو سکے، کسی کا نائب وہی شخص ہو سکتا ہے جو کہ منوب کے صفات خاصہ کا کم و بیش حامل ہو، آفتاب کا نائب چاند یا ستارے یا شمع، چراغ ہو سکتے ہیں، شجر حجر نہیں ہو سکتے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۴۷

آپ اسی آیۂ کریمہ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ الآیۃ پر اکتفا فرماتے ہیں، آپ کا استخراج صحیح ہے، مگر اس کے ساتھ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (پھیل پڑی ہے خرابی جنگل میں اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی کمائی سے چکھانا چاہیے انکو کچھ مزہ اس کام کا تاکہ وہ پھر آئیں)۔ اسی طرح آیت يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ .... يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِنْ نَارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ (اے گروہ جنوں کے اور انسانوں کے اگر تم سے ہو سکے کہ نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے تو نکل بھاگو نہیں نکل سکنے کے بدون سند کے .... چھوڑے جائیں تم پر شعلے آگ کے صاف اور دھواں ملے ہوئے پھر تم بدلہ نہیں لے سکتے)۔ اسی طرح وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ (اور وہ جو کہتے ہیں اپنے کو نصاریٰ ان سے بھی لیا تھا ہم نے عہد انکا پھر بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو انکو کی گئی تھی

پھر ہم نے لگا دی آپس میں ان کے دشمنی اور کینہ قیامت کے دن تک اور آخر جتا دیگا اللہ ان کو جو کچھ کرتے تھے)
وغیرہ آیات آج تاویل اور صرف عن الظاہر کی محتاج نہیں رہی ہیں، جملہ فرق یعنی مسلمان، یہود، نصاریٰ
مشرکین، ملاحدہ سب کے قلوب پر غشاوات تو برتو چڑھتے چلے جارہے ہیں، اور ان مواعظ اور آیات
سے تذکر اور توجہ الی اللہ کا نام تک بھی حاصل نہیں کرتے، آج حروب میں دخان سے مختلف طریقوں سے
کام لیا جاتا ہے اور دشمن کو زیر و زبر کیا جارہا ہے، فضامیں دخان سے مختلف طریقوں پر کام لیا جاتا ہے،
اور دشمن کو زیر و زبر کیا جارہا ہے۔ فضا میں بحر میں بر میں دخان کو پھیلا کر دشمن کو برباد کرتے ہیں جس کی
تفصیل اخبار وں میں آچکی ہے کیا يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ
اَلِيْمٌ .... اِنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى الآية (اس دن کر لائے آسمان دھواں صریح جو گھیرے لوگوں
کو یہ ہے عذاب دردناک...... اے رب کھول دے ہم پر سے یہ آفت ہم یقین لاتے ہیں۔ کہاں نصیب ہو انکو
سمجھنا الآیۃ) بغیر تاویل اس پر چسپاں نہیں ہوتی ہے۔ یہ سب قہر الٰہی کے مظاہر ہیں دو مخلوق ما لا تعلمون
کے ماتحت ہورہے ہیں، مگر حضرت انسان حسب آیۃ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ
عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ اَفَاَمِنُوْا اَنْ تَاْتِيَهُمْ
غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ الآية (اور بہتری نشانیاں ہیں آسمان اور زمین میں جن پر گذر ہوتا رہتا ہے انکا
اور وہ ان پر دھیان نہیں لاتے۔ اور نہیں ایمان لاتے............ بہت لوگ اللہ پر مگر ساتھ ہی
شریک بھی کرتے ہیں، کیا نڈر ہو گئے اس سے کر آ ڈھانکے انکو ایک آفت اللہ کے عذاب کی الآیۃ) انتہائی
غفلتوں اور اعراض عن اللہ کرتے ہوئے، فسق و فجور کرتے ہوئے لاھیۃ قلوبھم میں مست
الا وھم یلعبون میں سرشار ہیں۔ اعاذنا اللہ وایاکم من قہرہ وجلالہ۔ آمین۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۶۵

الولایۃ افضل من النبوۃ[1] کسی حدیث کا جملہ نہیں ہے، بعض اکابر طریقت کی طرف نسبت کیا جاتا ہے، کسی قطعی اور منصوص مجمع علیہ امر کے خلاف کسی شخص کا بھی قول معتبر نہیں ہو سکتا۔

(۲) ہم کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس بزرگ نے یہ قول حالت سکر[2] میں فرمایا ہے یا حالتِ صحو میں ظاہر ہے کہ سکر کا قول قابل اعتماد نہیں ہو سکتا،

(۳) اس جملہ میں یہ نہیں کہا گیا کہ الولی افضل من النبی جو کہ مجمع علیہ اور قطعی کے خلاف ہے، بلکہ الولایۃ افضل من النبوۃ کہا گیا ہے۔

(۴) ولایۃ النبی افضل من نبوتہ اس سے مراد لیا جاتا ہے، اور غالباً یہی معنی مراد ہیں کیونکہ ہر نبی کو مراتب ولایت طے کر لینے ضروری ہیں، اگرچہ وہ نہایت قلیل زمانہ بلکہ آن واحد میں ہو جائے فکل نبی ولی ولا عکس چونکہ ولایت سیر الی اللہ فقط یا سیر فی اللہ[3] کے ساتھ یا سیر فی اللہ فقط

---

[1] الولایۃ افضل من النبوۃ کے کیا معنی ہیں، نبوت سے ولایت کیونکر افضل ہو سکتی ہے۔

[2] سکر ایک خاص قسم کی مستی اور غیبت کا نام ہے، اگر سلطان حال کے غلبہ کی وجہ سے سرایت حال کا اثر باقی ہے تو اس پر اثر سکر کا مستور ہوگا، اور اگر حالت اپنی قرارگاہ پر آگئی تو یہ صحو ہوگا۔ پس سکر اہل قلوب کے لیے ہے اور صحو ان کے لیے جن پر غیب کے حقائق ظاہر ہو چکے ہیں، کیونکہ صحو کے معنی مستی سے ہوشیاری میں آنے کے ہیں یا باصطلاح صوفیہ اپنے اوصاف کو گم کر دینا اور عادات بشری کا مٹا دینا صحو ہے۔

[3] اس والا نامہ میں سیر فی اللہ کا لفظ آگیا ہے جس کو ہم واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں، کیونکہ مسائل عقائد و ایمانیات میں سب سے اہم مسئلہ معرفت باری تعالیٰ مانا گیا ہے، جہاں تک اس کے ظاہر کا تعلق ہے کتاب و سنت نے واضح کر دیا ہے، اور جنید جیسے باکمال کو صاف کہہ دینا پڑا کہ میں نے مسئلہ توحید کی بساط کو بیس سال ہوئے لپیٹ دیا ہے، والناس یتکلمون فی حواشیہ۔ اس لیے اگر معرفت باری اور توحید الٰہی پر کچھ گفتگو ہو سکتی ہے تو صرف ارباب معرفت ہی کی زبان سے، چنانچہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ آفاق و انفس میں اللہ تعالیٰ کی حکومت جس طرح قائم ہے اسی طرح اس کے صفات، جلال، آثار بھی پھیلے ہوئے ہیں، یہ صفات اسماء تک پہنچنے کا ذریعہ اور پھر اسماء سے ذات کو جانا جاتا ہے۔ (باقی ص ۱۹۰ پر)

سے عبارت ہے اور نبوت سیر من اللہ الی العباد کا نام ہے۔ اس لیے ذاتی حیثیت کو ولایت اعلی اور اکمل ہوئی کہ اس میں توجہ الی المحبوب الحقیقی اور حضور حاصل ہے۔ بخلاف نبوت کے کہ وہاں پر توجہ الی غیر المحبوب الحقیقی والی العباد کرنی ہوتی ہے اور اس کا انہماک اور اس کے فرائض کا ادا کرنا غفلت یا کم از کم توجہی کا باعث ہوتا ہے، فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ اور وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ اور إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا وغیرہ اس کے شواہد ہیں۔ انہ لیغان علی قلبی الحدیث اس کا مستدل ہے۔ ایک عاشق صادق قوی العشق کے لیے محبوب کی طرف سے منہ پھیرنا اور غیروں میں الجھنا کس قدر شاق ہے۔ اہل عشق سے پوچھیے ؎

بقیہ حاشیہ ص ۱۸۹) باقی غایت ادراک سوائے عجز کے کچھ نہیں ہے۔ البتہ

فلما استبان الصبح ادرج ضوءہ ۔۔۔ باسفارہ اضواء نور الکواکب

پس اپنے اندر ساری موجودات کے صفات کو اللہ تعالی ہی کے صفات کا پرتو سمجھ کر اس کے اندر ڈوب جائے، اور فرش سے عرش تک سارے عالم کو اپنے اندر لیلے تو اس پر ایسی حالت میں کیفیات عالم اس پر منکشف ہوں گی، مگر اس پر توقف نہ کرے اور نہ انوار کو مقصود سمجھے کیونکہ یہ تمام چیزیں حجاب ہیں۔ اگر تائید ایزدی اور جذبۂ غیبی شامل حال ہوا تو انشاء اللہ تمام حجابات طے ہو کر صرف ذات بحت تک رسائی ہوگی اور عجیب وغریب حالات پیش آئیں گے۔ اسی کو سیر فی اللہ سے موسوم کیا جاتا ہے، یہ وہ مقام ہے جس کی انتہا نہیں اور یہیں پر سلوک اگر منتہی ہو جاتا ہے۔ بعض حضرات نے اس مسئلہ کی تقریر اس طرح کی ہے کہ وہ نسبت خدا جس کو ولایت سے تعبیر کیا جاتا ہے کبھی کبھی کشفی نظر میں قرب جسمانی کی صورت میں سامنے آتی ہے اور جس قدر ترقی کے اندر قرب حاصل ہوتا جاتا ہے کشفی طور پر عارف کو نظر آنے لگتا ہے کہ گویا وہ ذات باری تعالی کی طرف یا اس کے صفات میں سے کسی صفت کی طرف سیر کر رہا ہے۔ بنا بریں اسی صورت مثالی کی اس نسبت کو قرب اور اس ترقی کو سیر الی اللہ و سیر فی اللہ و سیر من اللہ و سیر باللہ سے موسوم کرتے ہیں۔ علامہ محقق حضرت امام العصر دامت برکاتہم سے جو چیز سمجھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی ولی سے افضل اور نبوت ولایت سے افضل ہے، کیونکہ ہر نبی ولی ہو سکتا ہے مگر ہر ولی نبی نہیں ہو سکتا۔ یہ مسئلہ اجماعی ہے اور اسی طرح اس پر بھی اتفاق اہل سنت والجماعت بلکہ تمام امت کا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلعم اولیاء امت سے افضل ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ وہ غبار جو کہ امیر معاویہ کے گھوڑوں کی ناک میں داخل ہے وہ اویس قرنی اور عمر مروانی سے زیادہ بہتر ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عارفانہ نکتہ کہ

(باقی ص ۱۹۱ پر)

ہر آنکہ غافل از دے یکزبان است — ہماندم کافر است اما نہان است

مبادا غائبی پیوستہ باشد — درِ اسلام بر دے بستہ باشد

از سر بالین من برخیز اے نادان طبیب — دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست

اہل جنت کو کوئی نعمت روئیت باری عزاسمہ کے برابر نہ معلوم ہو گی، اس لیے ذاتی حیثیت سے فضیلت ولایت ہی میں ہے، مگر چونکہ نبی مامور ہے کہ مخلوق کو کھینچکر بارگاہ محبوب حقیقی تک لائے اور ان کو پروانہ شمع محبوب بنائے اس لیے وہ خلاف جذبِ طبیعت اطاعۃً للحبیب دن ورات جور و جفا و شدائد مکارہ جھیلتا ہے، اور معلوم ہے کہ جس قدر اس کو عشق تام ہو گا اسی قدر توجہ الی الغیر میں تکلیف اور گرانی ہو سے

بھنورا بوے پھول کا کلی کلی رس لے — کانٹا لاگے پریم کا تڑپ تڑپ جی دے

اوذیت فی اللہ ولا یوذی نبی داخفت فی اللہ ولا یخاف نبی مقالہ (جتقدر مجکو اللہ کے راستہ میں تکلیف دی گئی کسی نبی کو نہیں دی گئی اور جتقدر مجکو اللہ کے راستہ میں ڈرایا گیا کسی اور نبی کو نہیں ڈرایا) حضرت سرور کائنات علیہ السلام ہے یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ قول خداوندی ہے۔ اس سے یہ شبہہ بھی زائل ہو جاتا ہے کہ بعض بعض انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بظاہر آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ تر تکلیف پہنچائی گئی۔ حضرت ذکریا اور حضرت نوح علیہما الصلوٰۃ والسلام کے واقعات ظاہر ہیں، بہر حال اگر یہ مراد ہے کہ اس پیغمبر کا مقام ولایت اسکے مقام نبوت سے افضل ہے، اگرچہ بحیثیت امتثال حکم محبوب حقیقی مقام نبوت میں خارجی اور عارضی فضیلت اس قدر آجائے کہ وہ پہلے سے بھی بڑھ جائے۔ تب تو جواب ظاہر ہی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۰) اخر نہایات الصدیقین اول بدایات النبیین اپنی جگہ پر یہ قول فیصل ہے کہ صدیقین کی جہاں انتہا ہوتی ہے وہ حضرات انبیا علیہم السلام کی ابتدائی منزل ہے۔ ریاض المرتاض اصلاحی

(۵) اور ممکن ہے کہ نفس مقام کی فضیلت بتلانی منظور ہو کہ مقام ولایت میں مقام نبوت سے ذاتی طور پر افضلیت ہے، اگرچہ خارجی طور پر مقام نبوت کی فضیلت مقام ولایت کی فضیلت سے بڑھ جائے، قد یوجد فی النہر مالا یوجد فی البحر۔ واللہ اعلم

(۱) انا مدینۃ العلم[1] یا انا دار الحکمۃ و علی بابہا نہ تو صحیحین میں ہے اور نہ روایت ذکر کرنے والے اس کی تصحیح فرماتے ہیں،

(۲) ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے جس میں حسن لغیرہ ہونے کا بھی احتمال ہے، اور ممکن ہے کہ کسی نے اس کی تصحیح بھی کی ہو کتابیں ہمارے پاس موجود نہیں ہیں کہ ان کا انکشاف کیا جاتا۔ تاہم یہ حدیث ان روایات سے مقابل ہونے کی طاقت نہیں رکھتی جو بالاتفاق صحیح ہیں، پس بوقت تعارض ساقط سمجھی جائے گی،

(۳) اگر اس کے مفہوم میں تعارض نہ ہو تو البتہ قابل اعتماد قرار دی جا سکتی ہے۔ مگر جب ہم لفظ مدینۃ اور لفظ باب میں غور کرتے ہیں تو سمجھ میں آتا ہے کہ مدینۃ اس جگہ کو کہتے ہیں، جہاں بہت سے مکانات مجتمع ہوں، ایک مکان بلکہ دس پندرہ مکان والی آبادی کو مدینہ نہیں کہا جاتا،

[1] انا مدینۃ العلم یا انا دار الحکمۃ و علی بابہا سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ خود کو تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے علم و حکمت کا شہر قرار دیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو باب (دروازہ) قرار دیا ہے۔ یعنی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم علم و حکمت کے شہر ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس شہر میں داخل ہونے کے لیے دروازہ ہیں، مختصر یہ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری و باطنی معنی بتوسط جناب علی کرم اللہ وجہہ سے حاصل ہو سکتے ہیں۔
اس حدیث کو عبد السلام بن صلاح ہروی شیعی نے بھی روایت کیا ہے ترمذی نے بھی روایت کرنے کے بعد کلام کیا ہے کہ بعض علماء نے یہ حدیث شریک تابعی سے روایت کیا ہے، مگر علماء حدیث اس حدیث کو ثقات میں سے کسی سے نہیں پہچانتے سوائے شریک کے۔ علامہ ابن جوزی نے موضوعات میں اس کے جملہ طرق پر یقین کیساتھ باطل ہونے کا حکم دیا ہے۔ اور ایک جماعت محدثین کی اس کے موضوع ہونے کی قائل ہے، امام الجرح والتعدیل یحیی بن معین تو صاف فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سرے سے کوئی اصل نہیں ہے، اس لیے . . . . . . فیروزآبادی وغیرہ بھی اس حدیث کی صحت پر مطمئن نہیں تھا۔

خود لفظ مدینہ کا لغوی مفہوم بھی اجتماع پر دلالت کرتا ہے، اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس علمی مدینہ میں بہت سے علمی گھر ہوں گے اور بہت زیادہ آبادی اس کے اندر ہوگی، ادھر دروازہ خواہ مکان کا ہو یا شہر کا، ہمیشہ خارج ہوا کرتا ہے، شہر کا اندرونی حصہ یا مکان کا اندرونی حصہ شمار نہیں کیا جاتا، اور کم از کم اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ من وجہ خارج ہو، اور من وجہ داخل ہو، اس بنا پر اور صحابہ کرام بالخصوص انکے خواص (رضی اللہ عنہم) اس مدینۃ العلم کے اندر والے ہوں گے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بحیثیت باب اندر داخل نہیں ہوں گے، لہذا ان کی فضیلت دیگر صحابہ پر ثابت نہ ہوگی، ہاں باہر سے آنے والوں یعنی غیر صحابہ پر ممکن ہے کہ فضیلت ثابت کی جائے کہ ان کو اس مدینہ میں بغیر توسط حضرت علی کرم اللہ وجہہ داخل ہونا ممکن نہیں، اسلئے اشکال کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

(۴) کیا دنیا میں کوئی مدینہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جس کا ایک ہی دروازہ ہو، آخرت میں جنت اور دوزخ کے لیے بھی متعدد ابواب رکھے گئے ہیں، جہاں کا انتظام انتہائی قوت والا ہے، اور دنیا میں تو حوائج شدیدہ اور کمزوری انتظامات ہمیشہ اسی کے متقاضی ہوتے رہے ہیں کہ ہر سور البلد اور ہر شہر کے ابواب متعدد ہوا کریں ورنہ اہل شہر سخت تنگیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اسی لئے مدینۃ العلم کے لیے بھی متعدد دروازے ہونے چاہئیں، اس روایت میں اس کی نفی کہاں ہے کہ اس کیلیے سوائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوئی دوسرا دروازہ نہیں ہے، لہذا شبہہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

(۵) انا مدینۃ العلم "العلم" اصل الف ولام میں عہد خارجی ہے، جس کے معنی علی طریق الاتم ولین والبیان فرد معین کا ارادہ کرتا ہے، خواہ اس کا تعین عبارۃً ہو یا حضوراً یا عملاً یا حساً لہذا کیوں نہیں ممکن ہے کہ کسی خاص علم کا ارادہ فرمایا گیا ہو، اور اس کے حاصل کرنے کے صرف

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۲) طاہر فتنی نے بھی صحت کا انکار کیا ہے، امام العصر نے روایت انا دار الحکمۃ کی توجیہ فرمائی ہے، وہ بعض محدثین کی تصحیح کی بنا پر ہے ورنہ خود امام العصر بھی روایت کی صحت کو تسلیم نہیں فرماتے۔ اصلاحی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ذریعہ ہوں، جملہ علوم، روحانی یا مادی شرائع سے تعلق رکھتے ہوں یا طریق تصوف سے عبادات کے علوم ہوں یا معاملات وغیرہ وغیرہ سب کا ارادہ کرنا محلّی باللام الخارجی سے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے حالانکہ باتفاق الاصولیین والبیانیین اصل عہد خارجی ہے، استغراق کا ارادہ صرف اس وقت میں کیا جا سکتا ہے کہ عہد خارجی ممتنع ہو جائے اور واقعہ بھی یہی ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم متنوعہ تمام صحابہ کرام سے پھیلے، صرف تصوف کا نشو ونما حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا، دنیا میں جسقدر بھی سلاسل طریقت ہیں سب کا مرجع حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم گرامی ہے، نقشبندیہ کا ایک سلسلہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، مگر اس میں انقطاع بہت زیادہ ہے، اتصال والا طریقہ ان کا بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دریوزہ گر ہے، بنا ٔعلیہ اس حدیث کو اسی پر محمول کرنا لازم ہے کہ علم باطن اور تصوف میں داخل ہونے کے لیے پسماندوں اور بعد میں آنے والوں کے لیے صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ وسیلہ ہیں، صراط مستقیم میں حضرت سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، (ص ۵۸)

"حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ را یک نوع تفضیل بر حضرت شیخین رضی اللہ عنہما ہم ثابت است و آں تفضیل محبت کثرت اتباع ایشان و وساطت مقامات ولایت بل سائر خدمات است مثل قطبیت و غوثیت و ابدالیت وغیرہ ہمہ از عہد کرامت مہد حضرت مرتضیٰ تا انقراض دنیا ہمہ بواسطہ ایشان است و در سلطنت سلاطین را امارت امراء ہم ہمت ایشان را دخلے است کہ بر سیاحان عالم ملکوت مخفی نیست[۱]" الخ

[۱] (ترجمہ) مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ایک خاص قسم کی فضیلت حضرات شیخین پر ثابت ہے، وہ فضیلت بوجہ کثرت تبعین اور مقامات ولایت بلکہ تمام خدمات مثل قطبیت وغوثیت وابدالیت وغیرہ آپ ہی کے واسطے سے ہے اور اختتام دنیا تک باقی رہے گی، اور بادشاہوں کی حکومت اور امراء کی امارت میں بھی آپ کی ہمت کو ایک گونہ دخل ہے جو دنیا کے سیاحوں پر مخفی نہیں ہے،

اسی قسم کی تفصیل حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تصنیفات میں بھی بکثرت موجود ہے، بہرحال مراد اس جگہ پر عموم نہیں ہو سکتا، نہ قواعد اس کے حامی ہیں نہ واقعات واللہ اعلم،

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

مکتوب نمبر ۷۶

والا نامہ معہ مرسلہ اشیاء کے حسب تحریر پہنچا، خواب نہایت مبارک اور بشارات سے پُر ہے، آپ کی اور شیخ ولی محمد صاحب کی مخلصانہ جد و جہد اگرچہ مجھکو رہا نہ کر سکی، مگر آپ حضرات کی بے لوث مساعی عند اللہ مقبول و محمود ہوئی، اللہ تعالیٰ کی قبولیت اور عنایت بصورت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ آپ دونوں حضرات سے ملاقی ہوئی ہے، اور آپ کی مہمان بنتی ہے، اور علاوہ ازیں آپ کو کدورات روحانیہ سے صفائی بصورت غسل حاصل ہوتی ہے، اگرچہ اس میں تھوڑی بشارت میرے لیے بھی ہے کہ میری پرسان حالی کی جاتی ہے، وللہ الحمد۔ بہرحال آپ دونوں صاحبوں کو میں بھی مبارکبادی دیتا ہوں، اب تو آپ دونوں صاحبوں کا غم اور غصہ بالکل جاتا رہنا چاہیے اور خوش ہونا چاہیئے مقصود اعظم جملہ حرکات و سکنات رضا باری عز و جل ہے، وہ راضی ہو تو ساری خدائی پوجنے لگے، اور اگر خدانخواستہ وہ ناراض ہو جائے تو کوئی بھی اپنا نہیں، بالخصوص عالم علوی میں ؎

سیّاں انکھیاں پھیریاں بیری ملک جہان تلک جہانگی اک مہر کی لاکھوں کریں سلام

(حاشیہ مکتوب نمبر ۷۶) سیدنا المحترم ذو المجد والکرم دامت برکاتہم السامیہ۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی۔ آج یوم الخمیس بوقت شب کو تقریباً ۲ بجے یا ۳ بجے میں نے ایک عجیب غریب خواب دیکھا، کیا دیکھتا ہوں کہ میں اپنے مکان پر ہوں، اور دریائے گنگ میں غسل کر رہا ہوں، عصر کا وقت ہے۔ اور لوگ بھی حسب معمول نہا دھو رہے ہیں، دریائے گنگا اصل سطح زمین سے بوجہ گنگ شکست بہت زیریں نیچے میرا اندازہ ہے، عالم رویا میں دیکھ رہا ہوں کہ میں غسل کر رہا ہوں اور چند نوجوان عالم
(بقیہ ص ۱۹۶ پر)

ہماری اس تحریک کے روح رواں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ہیں، باوجود ہر قسم کے کمالات ظاہری اور باطنی کے اور تصوف و معرفت خداوندی کے استغراق و انہماک کے ان کی خصوصی توجہ اس خبیث حکومت کے انقطاع و انہلاک کی طرف ہمیشہ آخر دم تک رہی، ان پر بغض فی اللہ کا اسقدر غلبہ تھا کہ فرماتے تھے کہ "مجھکو اپنے نفس کے ساتھ یہانتک بدگمانی ہے کہ غالباً مجھکو اسلام کی خیرخواہی اور محبت اس قدر نہیں ہے جتنی کہ اس خبیث قوم کی بدخواہی اور عداوت"۔ حالانکہ یہ بغض بھی اسلامی محبت کا ہی لازمہ ہے، بہرحال حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور اکابر دیوبند کا آپکے پاس تشریف لانا اور آپ کے دسترخوان پر سب کا شریک ہو کر کھانا نہایت مبارک امر ہے۔ جس سے ان بزرگوں کی توجہ اور

(بقیہ حاشیہ ۹۵) کچھ ادھیڑ سن عالمانہ لباس میں دریا کی جانب آرہے ہیں، ان میں ایک بزرگ ضعیف العمر بستہ قد عبا پہنے ہوئے ان علما کے آگے آگے ہیں، اور ایک بزرگ ان کے آگے آگے بطور رہنما ہیں، اور سب کے سب ڈھالو زمین سے اترکر ساحل پر چلے آرہے ہیں، ان علماء کے گروہ میں سے ایک صاحب نے جلدی جلدی قدم میری جانب بڑھاکر زور سے آواز دی کہ مولانا حیدری! غسل سے فارغ ہو کر جلد تشریف لایئے، آپ سے حضرت شیخ الہندؒ ملنے آئے ہیں، اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی خیریت مزاج دریافت کرنے کی غرض سے تشریف لائے ہیں، میں نے آواز دینے والے صاحب سے پوچھا کہ یہ اور لوگ ان کے ہمراہ کون ہیں، تو انھوں نے فرمایا کہ یہ دیوبند کے علماء کرام ہیں جو حضرت شیخ کی معیت میں حضرت مولانا مدنی کی خیریت کے طالب ہیں،

حضرت شیخ الہندؒ سطح زمین سے ڈھالو راستہ پر نصف اتر آئے تھے، مگر ان کو اترنے میں اور ساحل تک پہنچنے میں تکلیف محسوس ہو رہی تھی، اس لیے وہ علماء کرام جو معیت میں تھے انھوں نے عرض کیا کہ حضرت! دریا تک پہنچنے میں بہت دشواری ہے، اوپر چل کر اس مسجد میں آپ تشریف لے چلیے اور نماز عصر سے فارغ ہو لیجیے، مولوی حیدری دھیان غسل کر کے ابھی آجاتے ہیں، دریا کے بالائی حصہ پر ایک چھوٹی سی مسجد نظر آئی، وہاں سے مڑکر حضرت شیخ الہندؒ اس مسجد میں مع اپنی جماعت کے تشریف لے گئے، اور میں جلد غسل سے فارغ ہو کر سیدھے گھر آیا اور اپنی نانی صاحبہ اور والدہ صاحبہ سے کہا کہ چند اللہ والے مہمان تشریف لائے ہیں ان کے لیے کھانا تیار کیجئے، اس وقت گوشت تو نہیں ملے گا، جو کچھ ممکن ہو تیار کیا جائے، میری والدہ صاحبہ وغیرہ کھانے کی تیاری میں مصروف ہوئیں اور میں کپڑا پہنکر جلدی جلدی مسجد حضرت موصوف سے ملنے چلا، مجھے پہنچنے میں دیر ہو گئی، اس اثنا میں حضرت شیخ الہند مع اپنی جماعت کے میرے گھر کی جانب روانہ ہو

(باقی ص ۱۹۷ پر)

ربانی الطاف کا پتہ چلتا ہے۔ اللّٰھم زد فزد، اسکی اطلاع شیخ ولی محمد صاحب کو بھی دیدیجئے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۶) راستے میں ملاقات ہوگئی، حضرت موصوف سے مصافحہ کرکے دست بوسی کی، اللہ اکبر، نورانی چہرہ، ریش مبارک سفید نور علی نور، مجھے دیکھتے ہی متبسم ہوئے اور فرمانے لگے کہ اتنی دیر کہاں رہے، میں نے عرض کی کہ حضرت غسل کرکے کپڑا پہننے گھر چلا گیا تھا، معذرت چاہتا ہوں، اور علمائے کرام سے بھی مصافحہ ہوا، اور سب کے سب اس خادم کے گھر گئے، حضرت شیخ الہندؒ باطمینان بیٹھکر خیریت مزاج واستفسار کیفیات وحالات حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی بہت دیر تک پوچھتے رہے، اس کے بعد فرمایا کہ شیخ ولی محمد کہاں ہیں، میں نے کہا کہ حضور وہ جونپور ہیں، ابھی تار دیکر ان کو بلاتا ہوں، فوراً ان کو تار دیکر طلب کیا، پھر حضرت ان سے مخاطب ہوئے، میں اٹھ کر اندر گیا تو دیکھا کہ میری تائی صاحبہ اور والدہ صاحبہ بریانی، قورمہ، زردہ وغیرہ پکارہی ہیں، میں نے تائی صاحبہ سے کہا کہ آپ لوگوں نے گوشت کہاں سے اس وقت حاصل کیا دیہات میں اس وقت کہاں سے گوشت مل گیا، تو میری تائی صاحبہ نے مسکرا کر فرمایا کہ بیٹا جس کے مقدر کی جو چیزیں ہوتی ہیں وہ ضرور مل جاتی ہیں، یہ سب ان ہی بزرگوں کی کرامت ہے جو تشریف لائے ہیں، کھانا تیار ہوا، میں نے باہر نشستگاہ میں دسترخوان لگایا، کھانا سامنے رکھا گیا، سب بزرگوں نے کھانا کھایا، اثنائے تناول طعام میں حضرت شیخ الہندؒ بہت محظوظ رہے، پھر اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی، آج خلاف معمول نماز فجر کے لیے کچھ وقت سے پہلے بیدار ہوگیا، اور اس وقت سے الی الآن اس خواب کی کیفیت اور مسرت کا اثر باقی ہے، ایک کیف وسرور کے عالم میں ہوں، کاش اللہ تعالیٰ اس کیف وسرور کا اثر تازیست باقی رکھتے، حضرت اقدس اس خواب کی تعبیر سے سرفراز فرمائیں۔

خادم ابوالحسن حیدری، ۲۷ر ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ

یہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کون تھے؟ اس کا مفصل جواب مورخین دیں گے، ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ جنگ آزادی ہند کا ہیرو، اسلاف کرام کا حقیقی جانشین، مسلمانانِ ہند کا بے لوث خیرخواہ، مجاہدین فی سبیل اللہ کا مظہر، لانخافونہم وخافون کا واقعی منظر، قطب العالم حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا پیارا لعل، جس کی نسبت ارشاد تھا کہ مولوی محمود الحسن کو کم نہ سمجھو، وہ اپنے زمانہ کا شیخ ہوگا، حضرت نانوتوی وگنگوہی رحمۃ اللہ علیہما کا وہ لاڈلا جس کی منہ بھر تعریف کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ مولوی محمود حسن کا علم کھلا ہے، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا استاد، حضرت امام العصر مولانا مدنی کا استاد ومربی، جامعہ دہلی کا موسس، علی گڈھ اور دیوبند کے بعد کو قرب میں تبدیل کرنے والا حکیم، برطانوی سامراج کا دشمن، اور ایسا دشمن کہ جسکو اپنے نفس کے ساتھ اتنی بدگمانی ہے کہ شاید اسلام کی خیرخواہی ومحبت اس قدر نہیں ہے جتنی کہ خبیث قوم انگریز کی بدخواہی وعداوت، بادی النظر میں یہ دشمنی غلو سے تعبیر کی جاسکتی ہے، لیکن ان سفید بھیڑیوں کی داستان ظلم واستبداد سے نہ صرف ارض ہند بلکہ دنیائے اسلام کا ذرہ ذرہ ماتم کناں اور ارض مقدسہ کے مرغان حرم قیامت تک کے لیے سوگوار ہیں تفصیل تاریخ بتائے گی تاہم کچھ داغہائے سینہ کی تازگی کے لیے اس دفتر پارینہ کو کبھی کبھی دہرالینا عقائد وایمانیات

(باقی ص ۱۹۸ پر)

(۱۱) ہم نے قربانی کی اجازت مانگی تھی، خیال تھا کہ اگر اجازت ہوئی تو ایک بکرا یا بھیڑ منگا لیں گے
مگر ابھی تک اجازت نہیں دی گئی یہ کہا گیا کہ ہم غور کریں گے، اگرچہ میں نے قاری صاحب کو باضابطہ خط
میں لکھ دیا ہے کہ وہ مثل سابق میری طرف سے وہاں قربانی کر دیں، تاہم اگر یہاں بھی اجازت ہو جائے
تو بہتر ہو۔ مالٹا میں ہم کو اجازت دی گئی تھی، اگر مل گئی تو آفس میں جو اکاؤنٹ ہے اس سے قیمت ادا کیجائے گی،
اس کے لیے میں نے قاری صاحب کو لکھا ہے کہ عنک ۲ اور بھیج دیں، کیونکہ باقی ماندہ مقدار اکاؤنٹ میں
اب تھوڑی ہی ہو گی،

(باقی حاشیہ ص، ۱۹۱) کی تجدید کے مرادف ہے۔ اور قرآنی صداقت وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ کا اعتراف۔

مانا کہ عیسائیت اگرچہ ابتدائے اسلام سے ملت اسلامی کی دشمن رہی ہے مگر اس نے قرون وسطی میں جو وحشیانہ مظالم اسلام پر کیے ہیں ان کو دیکھ کر آسمان کانپ اٹھا اور زمین کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، اندلس کے کھنڈر، غرناطہ کی ٹوٹی ہوئی دیواریں، قرطبہ کے اجڑے ہوئے مکانات، اسپین اور سسلی کے مستحکم قلعے، مالٹا کے اسلامی کھوپریوں سے بنے ہوئے قلعے، جدہ پر گولہ باری، بیت المقدس پر قبضہ، نجف اشرف کاظمین کربلا و بغداد پر تسلط، حرمین شریفین کی توہین۔ طائف وجدہ وغیرہ میں کئی سو عورتوں کی گرفتاری، سمرنا، اناطولیہ، استنبول، تراکیہ شرقیہ، تھریس وغیرہ کے مظالم، بحر ابیض کے غیر ترکی جزائر کے رہنے والے اور یونانی، سرویہ، مانٹی نگرو، ہرسک، مجارستان، بلغاریہ، رومانیہ وغیرہ اور بحر اسود کے سکان اہل اسلام سے پوچھیے کہ ان سفید بھیڑیوں نے کیا ظلم ڈھائے، عیسائی حسب شہادت تاریخ خونخوار بھیڑیے ہیں جن کے شدائد سے یروشلم فلسطین، سواحل سوریہ، اناطول میں خون سے بہنے والی گلیاں، اسپین، جبل الطارق، پرتگال، سسلی، مالٹا، کریٹ، مقدونیہ کے کھنڈرات دھاڑیں مار کر اب تک رو رہے ہیں، غرض اسلامی دنیا پر وہ مظالم کیے گئے کہ خود عیسوی دنیا چیخ اٹھی، چنانچہ ۱۸۰۵ء میں گیلی پولی کے بیڑہ کو غرق کیا، ۱۸۲۱ء میں یورپ نے یونان کو ترکوں سے بغاوت پر ابھارا، اسی سنہ میں یونانیوں نے شہر نادرین پر قبضہ کیا، بچوں کو ماؤں کی گودوں سے چھین کر بوٹی بوٹی کر ڈالا، اور قتل عام سے دبا کھیل گئی، ۱۸۲۷ء میں ابراہیم پاشا مصری پر اچانک حملہ کر کے عثمانی و مصری بیڑہ کو غرق کر کے ایک انگریز کے قتل کے انتقام میں سب جائز سمجھا گیا۔ ماسکوں میں ترکی سپاہیوں کی ہڈیاں ڈھیر کی گئیں جن کو بلغاری پتھروں سے کچلتے تھے، جن کے متعلق روس کا سپہ سالار لکھتا ہے کہ ایسے وحشیانہ مظالم کی مثال عالم بہیمیت میں بھی نہیں ملتی، میں بار بار اپنی معلومات کو جھٹلاتا ہوں کہ ہزاروں بے گناہوں کو اتنی بری طرح ذبح کیا گیا ہو گا، ہندوستان کے لاکھوں بچوں کا خون فرانس کے میدانوں، اطالیہ کے پہاڑوں، سالونیکا کے مرغزاروں، درہ دانیال کے چٹانوں صحرائے سینا اور سویز، سوریہ کے ریگستانوں، عدن اور یمن، عراق و ایران کی خندقوں اور سبزہ زاروں، مشرقی و مغربی افریقہ کی جرمنی آبادیوں، ایشیائے کوچک وغیرہ کے برفستانوں، بحر اسود اور ابیض حتی کہ بحر احمر

(باقی ص ۱۹۹ پر)

(۲) اگر آپ یہاں رہے اور قربانی کی تو کیا آپ تن تنہا اس سے مستفید ہوں گے، جیسے کہ خواب میں حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقا کو کھلایا، اور خود بھی کھایا اور ہم کو پوچھا تک بھی نہیں، یا اس میں سے ہم کو بھی اگرچہ ایک ہی تکیہ کباب ہو، حصہ دیجئے گا،

(۳) آپ فصوص الحکم[لہ] کے متعلق استفسار فرماتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ آپ کو بالفعل سلوک طے کرنا چاہیے، اور کتب تصوف کو مطالعہ کرنا نہ چاہیے، جتنا وقت آپ ذکر میں صرف کر سکیں وہ ہی اشد ضروری ہے، کتب تصوف کے مطالعہ کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سالک کے لیے منع فرماتے تھے، مریض ظاہر اگر کتب طب کو مطالعہ کرے تو بجز تشویش کے اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا، اور اگر خود ان ادویہ اور نسخہ جات کو استعمال کرنے لگے تو عموماً بجائے نفع بلنقصان اٹھاتا ہے، مریض ظاہر کو لازم ہے کہ طبیب نے جو دوا تجویز کی ہے اسی کو استعمال کرے، ورنہ نقصان ہی نقصان ہوتا ہے جبکہ مرض ظاہر اور ادویہ ظاہریہ کا یہ حال ہے تو امراض روحانیہ اور ادویہ باطنیہ جو کہ حواس ظاہرہ سے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۸) سواحل وغیرہ مین پانی کی طرح بہایا گیا، اسی طرح رولٹ بل کا پاس ہونا، کورٹ مارشل لا کا جاری ہونا، پنجاب مین رنگین مظالم کا منتشر ہونا، جلیان والا باغ مین مشین گنون کا مینہ برسانا، مساجد کا منہدم کرنا اور نماز سے روک دینا اور گذشتہ ۳۵-۳۶ بیرون ہند جنگون مین کروڑون ہندوستانیون کا برفانی سبزہ زارون میں میٹھی نیند سونا تاریخ کی اہم روداد ہے، غرض ٹرکی اور یورپ کی قدیم وجدید تاریخین ان مظالم پر پوری روشنی ڈالتی ہین، تفصیل کے لیے زید بک کی تاریخ آل عثمان، مصطفےٰ کامل کی مسئلہ شرقیہ عربی، مراد بک اور رشید بک کی تاریخ ترکی زبان میں اور مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی کی ٹرکی اور یورپ وغیرہ، تاریخ اردو اور امام العصر دامت فیوضہم کی تقریر دہلی وسیوہارہ ملاحظہ فرمایا جائے، اسی کے ساتھ رسالہ الامداد تھانہ بھون وغیرہ "کا لتجدن اشد الناس" آیت سورہ مائدہ کو مذہب عیسائی کے مشفقانہ برتاؤ پر بے سرتال الاپنا کیا کھلی ہوئی جہالت اور تحریف دین کے مرادف نہین تھا؟ حضرت شیخ الہندؒ ان تمام مظالم سے نہ صرف واقف تھے بلکہ دیکھ رہے تھے، چنانچہ جنکو کچھ بھی علم واحساس اور ایمان تھا انھون نے سر دھڑ کی بازی لگادی اور جنکے اندر دھن پیدا ہو چکا تھا وہ اسکے ردعمل مین مصروف تھے، غرض شیخ الہند کو ہم نہ جان سکے ہین اور نہ جانچ کر سکے، البتہ حضرت امام العصر کا وجود گرامی مسلمانون کے اندر موجود ہے اور خدا کرے تا دیر موجود رہے، اس حقیقی وسچے جانشین کے قول وعمل ہمت، تدبیر، جہاد دریا وغیرہ میں زمزمِ شیخ الہند بلکہ جملہ مجاہدین ہند کو دیکھا اور پڑھا جا سکتا ہے، فالی تو فکون۔

لہ فصوص الحکم کا مطالعہ مجھے کرنا چاہیے یا نہیں؟

پردہاے خفا مین ہین، کیا حال ہوگا۔ یہ تو ان کتب کا حال ہے جو واردات باطنیہ اور سلوک و ریاضیات سے تعلق رکھتی ہین، اور کتب حکم و حقائق جو کہ تکوینیات اور ثمرات و نتائج سے تعلق رکھتی ہیں، جنمین نصوص الحکم اعلیٰ پیمانہ کی کتب میں سے ہے اور ان کا حقیقی طور پر سمجھنا صرف ان نفوس کے لیے ہو سکتا ہے جو کہ عوالم علویہ کے مشاہدات سے فیضیاب ہو چکے ہین، ہما شما کے لیے کیسے درست ہو سکتا ہے، اس مین غلط فہمی اور غلط کاری کا بہت زیادہ خطرہ ہے، اس لیے خود شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مماثل کا مقالہ مشہور ہے کہ وہ فرماتے ہین یحرم علی من لیس من اھلنا مطالعۃ کتبنا[1] بہت سے شراح فصوص بھی اس کو سمجھے ہیں یا نہین اس مین کلام ہے، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ مقالات شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کو سنکر ارشاد فرماتے ہیں فھو زندیق! اور جب وفات شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ ہوئی تو فرمایا مات قطب الوقت[2] من کان ولی اللہ آپ نے ان کی زندگی مین تو ان کو زندیق فرمایا تھا، ہم لوگون نے ان سے اجتناب کیا اور

---

[1] ان کتابون کا پڑھنا اس شخص کیلیے حرام ہے جس نے ہماری کتابون کو پڑھا نہین ہے،

[2] قطب وقت جو ولیا، اللہ تھا، وہ آج جاتا رہا۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ المتوفی سنہ ۶۳۸ھ کے متعلق بہت غلط فہمیان عوام و خواص تک مین پھیلی ہوئی ہین، چنانچہ بہت سے فقہا اور علماء ظاہر نے مطعون کیا ہے، اسی کیساتھ صوفیہ کی ایک جماعت اور فقہا نے علو مقامات اور ولایت مقیدہ محمدی کا خاتم قرار دیا ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی سے جب پوچھا گیا کہ شیخ اکبر کو آپنے کیسا پایا، فرمایا رجل مملو من فرقہ الی قدمہ من السنۃ۔ یعنی شیخ سر سے پیر تک سنت نبوی صلعم میں ڈوبے ہوئے ہین، سعد الدین حموی جو اصحاب نجم الدین کبریٰؒ میں سے ہین فرماتے ہین کہ ابن عربی، بحر مواج لا نہایۃ لہ۔ یعنی شیخ اکبر ایک بحر ذخار ہین جسکا کنارہ نہین شیخ صدر الدین قونوی، شیخ مؤید الدین جندی، شعرانی، جامی، قاضی شوکانی، اور امام ولی اللہ دہلوی نے شیخ اکبر کے کلام پر گہری بحثین فرمائی ہین، اور صاف صاف فیصلہ کر دیا ہے کہ کلام محتمل تاویل ہین لیکن یہ کام علماء ظاہر کا نہیں ہے، اسلیے ان تمام بزرگون نے بھی فصوص الحکم وغیرہ کے مطالعہ سے علماء رسوم کو سختی سے روکا ہے، چنانچہ یہی فیصلہ امام العصر نے بھی کیا ہے، باقی رہ گئی یہ بات کہ ان حضرات نے جو زبان اختیار فرمائی اور اشارات میں باتین کین اس میں کیا راز ہے، اس کو ہم مقدمہ مین واضح کرینگے، تاہم اتنا تو سمجھ رکھنا چاہیے کہ علوم اسلامیہ میں سے تصوف

(باقی ص ۲۰۱ پر)

اب آپ یہ ارشاد فرماتے ہیں، ہم کو ان کے فیوض سے محروم کر دیا، تو فرمایا، ان کی زبان اسرارِ غیوب کے ساتھ کھل گئی تھی، جن کو تم سمجھ نہیں سکتے تھے، اگر تم ان کی صحبت میں جاتے تو بجز زندقہ تم کو کچھ حاصل نہ ہوتا، اس لیے میں نے تمھاری حفاظت کے لیے وہ کیا تھا۔ بعض اہل اللہ نے شیخ اکبرؒ کو خواب میں دیکھا، ان کے گرد کچھ عیسائی اور کچھ مسلمان، جن کے چہرۂ پُرنور ہے، بیٹھے ہوئے ہیں، اور عیسائیوں پر ظلمتیں برستی ہیں، پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں، فرمایا یہ عیسائی وہ لوگ ہیں جنھوں نے میری تصانیف کو مطالعہ کیا اور سمجھے نہیں اور ظلمات اور عیسائیت میں مبتلا ہو گئے، اور یہ مسلمان وہ لوگ ہیں جو سمجھے اور صحیح عقیدہ پر باقی رہے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اکابر ان کی کتابوں کے مطالعہ سے سختی سے روکتے ہیں، اسرارِ تکوینیہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ کیا کیا پیش نہیں آیا، حالانکہ ان کا تعلق اسی عالمِ شہادت کے ساتھ تھا، تو پھر تکوینیات علویہ اور اسرارِ غیب میں ہم جیسوں کا کیا حال ہوگا، اس لیے اس کو ترک کر دینا ہی ضروری ہے، اگر شوق ہے تو صراطِ مستقیم ملفوظات حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور امداد السلوک اور مکتوبات حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ مطالعہ فرمائیے۔ اربابِ سکر جو کہ مغلوب بالسکر ہیں ان کی تصانیف سے اس وقت تک احتراز ضروری ہے جب تک کہ ہم کو اور آپ کو ان کا مقام نہ حاصل ہو جائے،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۰) بھی ہے، اور اسی طرح اس کے اندر بھی بہت سی اصطلاحات موجود ہیں جس طرح فقہ اور کلام وغیرہ فنون میں پائی جاتی ہیں، اور جب تک کسی فن کے اصول و مبادی اور اصطلاحات پر عبور نہ ہو ہرگز ان بزرگوں کی باتوں کی تہ تک رسائی نہیں ہو سکتی ہے اس علم و فن کے مؤسس و شارح ہیں۔ اس لیے سب نے فرمایا ہے کہ ہم پر تنقید کرنے سے پہلے ہماری کتابوں اور ہمارے اصول کو سمجھ لیا جائے، ہمارے استاد حضرت مولانا ماجد علی شاگرد قطب گنگوہی اثنائے درس ترمذی میں فرمایا کرتے تھے کہ ابو عیسیٰ کی بولی کو سمجھو کیونکہ امام ترمذی جب قال ابو عیسیٰ بولتے ہیں تو اسی میں ان کی ساری فقاہت اور محدثانہ تحقیق مستور ہوتی ہے، اسی پر اور علوم کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ • ۲ صلاحی ،

ہمارے لیے فتوحات مدینہ اور فصوص محمدیہ انفع اور الزم ہیں، ان ہی میں ہمارے لیے شغل اور ہدایات ہیں، ان کو لازم پکڑ لیے اور ذکر پر اس قدر التزام کیجیے کہ قلب اور روح ذکر دائم کے ساتھ منور ہو کر ذکر حقیقی اور مشاہدہ تحقیقی کیلیے ذریعہ اور سُلم بنجائیں ؎

کار کن کار بگذر از گفتار　　کاندریں راہ کار دارد کار

ضرورت علم تصوف کی نہیں ہے، ضرورت حال[1] تصوف کی ہے، اس کے لیے جد و جہد فرمائیے، آمین، والسلام　　ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۷

(۱) صلوٰۃ[2] تہجد کا وقت عشا کی نماز کے بعد سے صبح صادق تک ہے، حضرت عائشہ رضؓ سے صحاح میں روایت موجود ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے شب میں بھی اور وسط شب میں بھی اور آخر شب میں تہجد پڑھی ہے، مگر آخری ایام میں اور زیادہ تر اخیر شب میں پڑھنا ہوا ہے جس قدر بھی رات کا حصہ متاخر ہوتا جاتا ہے برکات اور رحمتیں زیادہ ہوتی جاتی ہیں، اور سدس آخر میں سب حصوں سے زیادہ برکات ہوتی ہیں، تہجد ترک سجود یعنی ترک نوم سے عبارت ہے، اس لیے اوقات نوم بعد از عشا سب کے سب وقت تہجد ہی ہیں۔

---

[1] حال تصوف بدون صحبت شیخ کے ذرا دشوار ہے، مولانا رومیؒ نے صاف بات فرمادی ہے ؎

قال را بگذار مرد حال شو　　پیش مردے کاملے پامال شو

کسی دوسرے عارف نے بھی خوب بات فرمائی ہے ؎

سبحۂ حق دل کن کہ دبا بر از یں نیست　　در یاد خدا باش کہ کارے بہ ازیں نیست

از کنز و بدایہ نتواں یافت خدا را　　در مصحف دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

خلاصہ یہ کہ مسیحائی دل کے لیے اس راہ کے بڑے سیاح کی رہنمائی ضروری ہے۔ اصلاحی۔

[2] (۱) صلوٰۃ تہجد کا صحیح وقت کیا ہے؟

(۲) ؎ منہ میں گلوری رکھ کر اگر اس میں تمباکو نہ ہو ذکر وغیرہ میں کوئی حرج نہیں، ہاں اگر تمباکو ہو تو کلی کرنا اور بدبو کو دور کرلینا چاہیے۔

(۳) ؎۲ الصلوٰۃ معراج المومنین کے متعلق دو توجیہیں اس وقت خیال میں ہیں

(الف) لفظ معراج علی وزن المفتاح صیغہ آلہ ہے، اس تقدیر میں حمل حقیقی ہے یعنی نماز مومنوں کے لیے آلۂ عروج ہے، کیونکہ بہیمیت سے ملکیت کی طرف، مادیت سے تجرد کی طرف، بعد سے قرب خداوندی کی طرف، غیبوبت سے حضور کی طرف عروج اسی نماز کے ذریعہ ہوتا ہے۔ طہارت جسمانی بالوضوء والغسل وغیرہ انسان میں تشبہ بالملائکہ اور ان سے قرب پیدا کرنے والی اور انجاس ظاہری کے ساتھ ساتھ انجاس باطنیہ یعنی ذنوب، اور ان کے ثمرات کو دور کرنے والی ہیں، قطرات وضو اور غسل کے ساتھ ساتھ ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، دماغ وغیرہ کے ذنوب نکل جاتے ہیں، حتی یخرج نقیا من الذنوب الحدیث (یہانتک کہ وہ گناہ سے صاف ہوجاتا ہے) یہی طہارت ظاہری قیامت میں غرہ اور تحجیل کی باعث ہوگی، ملائکہ جنکو بالذات طہارت اور روشنی سے محبت ہے اور نجاست اور ظلمات سے نفرت ہے وہ اس کی وجہ سے نمازی کے ساتھ تعلقات پیدا کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہوتی ہے، فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ (اس میں ایسے لوگ ہیں جو دوست رکھتے ہیں پاک رکھنے کو اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو) اہل قبا کی ظاہری استنجا بالماء بعد الاستنجا بالحجارہ کے متعلق نازل ہوئی۔ الطهور شطر الايمان (پاکی نصف ایمان ہے) ارشاد ہوی ہے، اسباغ الوضوء علی المکارہ اور اس طہارت کی تحصیل میں مالی اور جسمی فدائیت نہ صرف رضا باری عزوجل کی سبب ہے، بلکہ اخلاق خبیثہ رذیلہ البخل رذیلہ الکسل وغیرہ کو زائل کرنے والی

؎ منہ میں گلوری رکھکر ذکر وغیرہ کرنا چاہیے یا نہیں، ؎۲ الصلوٰۃ معراج المومنین کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے؟

اور آئندہ کو قابل ہمنشینی و ہم کلامی بنانے والی بھی ہے، علیٰ ہذا القیاس دیگر شروط صلوٰۃ بالخصوص توجہ الی القبلہ یکے بعد دیگرے غفلت کو دور اور بارگاہ ذی الجلال سے قریب کرنے والی بھی ہے، توجہ باری عزوجل کو کھینچنے میں مقناطیسی اثر رکھتے ہیں، جس کے لیے ارشاد اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ توجہ الی اللہ وارد ہے، پھر نماز کے اثمار زاہیہ میں فرمایا گیا ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بری بات سے)، ترک فحشا اور منکرات کا اثر جس قدر بھی قرب خداوندی اور بعد از رذائل بہیمیت و نفسانیت میں ہوگا اظہر من الشمس ہے: نماز میں جس قدر قرأت اور ادعیہ وغیرہ ہیں ان میں جناب باری عز اسمہ سے ہم کلامی اور تخاطب اور اس کا ذکر موجود ہے، جس سے غفلت کا دور ہونا اور توجہ الی اللہ حاصل ہونا اور ترقی پذیر ہونا معلوم ہوتا ہے، اگر انسان اس تخاطب کو سمجھتا ہوا حضور قلب کے ساتھ خشوع و خضوع کو ملحوظ رکھتا ہے (جو کہ مومنین کی نماز ہے) جب تو اس عروج کا حاصل ہونا ظاہر ہے ہی۔ مگر اس میں کوتاہی کرنے میں بھی نفع موجود ہے۔ الفاظ قرآنیہ اور اسماء باری عزوجل اور ادعیہ ماثورہ اور درود شریف کی تاثیریں سمجھنے پر موقوف نہیں ہیں، گل بنفشہ جان کر کھایئے یا بغیر جانے ہوئے اسہال بلغمی کا حاصل ہونا ضروری ہے، الفاظ قرآنیہ اور اسماء باری عزوجل حامل تاثیرات ہیں جو کہ بے سمجھے ہوئے بھی حاصل ہوتی ہیں، اگرچہ کمزور بہ نسبت سمجھنے کے ہوں۔ من قرأ حرفا من القرآن کانت لہ عشر حسنات لا اقول الم حرف بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف (جس نے قرآن سے ایک حرف پڑھا اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں بڑھ جاتی ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے) ارشاد فرمایا گیا ہے، اذا صلی احدکم فلا یتنخمن قبل وجھہ فان اللہ بینہ وبین القبلۃ وفی روایۃ فان الرحمۃ تواجھہ (اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام)، جب تم میں سے کوئی

نماز پڑھے تو اس کو لازم ہے کہ اپنے سامنے نہ تھوکے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے اور قبلہ کے درمیان حائل ہوتا ہے، یا اس کی رحمت متوجہ ہوتی ہے) اسی طرح التفات کے متعلق ارشاد ہے کہ جب تک بندہ نماز میں التفات نہیں کرتا ہے اس وقت تک بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ متوجہ رہتا ہے، یہ توجہ اور قرب خداوندی نماز کی وجہ سے بندہ کو حاصل ہوتی ہے، ارشاد ہوتا ہے قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین فاذا قال العبد الحمد للہ رب العلمین قال اللہ حمدنی عبدی فاذا قال الرحمٰن الرحیم قال اللہ اثنی علی عبدی فاذا قال العبد مالک یوم الدین قال اللہ مجدنی عبدی فاذا قال العبد ایاک نعبد وایاک نستعین قال اللہ ھذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سئال الحدیث (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کر دیا ہے، پس جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے اپنے بندہ نے میری تعریف کی، اور جب کہتا ہے الرحمٰن الرحیم تو اللہ فرماتا ہے ثنا کی میرے بندہ نے میری، اور جب مالک یوم الدین کہتا ہے تو خدا کہتا ہے کہ میرے بندے نے میری عظمت بیان کی، اور جب ایاک نعبد وایاک نستعین کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے یہ آیت میرے اور میرے بندے کے لیے ہے، اور جو میرا بندہ مانگے وہ اس کے لیے ہے۔ مسلم)۔

یہ نعمت مکالمہ اور مناجات بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں جاری ہونا کس قدر عروج اور ترقی انسانی ہے، اسی مکالمہ میں انسان اپنے لیے نعمت ہدایت جو کہ سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی ضرورت انسانی ہے طلب کرتا ہے، جس کو وہ اپنا نصب العین قرار دیتے ہوئے اس انعام و ہدایت سے خالص کرنا چاہتا ہے جو کہ مغضوب علیہم اور اہل ضلال پر ہوا تھا (موسوین وعیسوئین) اور ایسی کھری اور خالص ہدایت (ایصال الی المطلوب) مانگتا ہے جو کہ اہل اجتبا واصطفا کو عطا کی گئی، حسب ارشاد احادیث صحیحہ اس کو عطا کر دیا جاتا ہے، اور بندے کو کہہ دیا جاتا ہے کہ

تم کو ایسی ہدایت خالصہ عطا کر دی، یہ ہماری کتاب جس کو ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الآیۃ کہا گیا ہے، یہی ایسی ایصال الی المطلوب ہے جس میں الفاظ اور حروف کے لباس اور کسوت میں اپنی صفت ازلیہ کلام نفسی کو ظاہر فرمایا گیا ہے، ظاہر ہے کہ صفت کو موصوف کیساتھ کس قدر قوی اور شدید تعلق ہے، بالخصوص جبکہ وہ واجب الوجود تعالیٰ شانہ کی ہو، اور پھر وہ صفات ذاتیہ میں سے ہو۔ ایسا انعام کسی امت اور کسی پیغمبر پر اس سے پہلے نہیں ہوا، بے شک کتابیں اتاری گئیں، مگر کلام خداوندی قدیم نہیں اتارا گیا۔ یہ نعمت مومن محمدی کو دیجاتی ہے اور بارگاہ ذوالجلال سے قبولیت دعا ہدایت کے بعد قرآن پڑھنے اور اپنے نفس اور حاضرین کو سنانے کا اسی طریقہ پر حکم ہو جاتا ہے، جیسے کہ جج اپنے فیصلہ وغیرہ کو سر رشتہ دار کو دیتا ہے، کہ ہمارے ججمنٹ کو پڑھ کر لوگوں کو سنا دو، اس وقت میں سر رشتہ دار جج کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے، آپ اس سے اندازہ کر سکیں گے کہ محمدی مومن کے لیے کس قدر اعلیٰ اور ارفع عروج ہوا، نیابت خداوندی، صفت قدیمہ بکسوت الفاظ عربیہ ہر دو امر انتہا تقرب کے موجب ہیں، پھر اس انعام کے بعد عظمت و جلال خداوندی کا لحاظ کرنا اور جسم کو جھکا دینا شکریہ عملی اور قولی بجا لانا اور پھر شکریہ کرتے کرتے آقا کے سامنے زمین پر سر کو ٹیک کر پیشانی اور ناک کو رگڑنا اور آقا کی عظمت اور قدوسیت کو سراہنا کس قدر عروج اور تقرب کا باعث ہوگا۔ مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے: ان اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا فیہ من الدعاء (او کما قال علیہ السلام) (آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے، بندہ اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہو جاتا ہے، لہذا اس حالت میں بہت دعا کرتے رہو۔ صحاح)

خلاصہ یہ ہے کہ ارکان صلوٰۃ اور اس کے سنن و آداب کو غور سے دیکھیے تو ضعیف البنیان مخلوق من الماء المھین بشر کے لیے وہ اعلیٰ مکان اور ارفع مرتبہ دکھائی دیتا ہے، کہ جس کو

اگر کروبی بنظر غبطہ دیکھیے یا مولی العالمین محفل ملائکہ میں مباہات فرمائے اور الَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ اس کے لیے دعوات صالحہ سے رطب اللسان ہوں تو کچھ تعجب نہیں ہے۔ افسوس ہے ہم اپنی نمازوں سے سخت غافل ہیں، فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ (پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔) وفقنا اللہ وایاکم للصلوٰۃ الحقیقیۃ۔

(۲) دوسری توجیہ یہ ہے کہ حمل اس جملہ میں حقیقی نہ لیا جائے، بلکہ مثل زید اسد بطور تشبیہ اور نعم مرآ لسحاب بطور تمثیل قرار دیا جائے، یعنی الصلوٰۃ للمومنین کالمعراج للنبی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ معراج سے خصوصی معراج جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی گئی تھی مراد لی جائے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم مادی اور خاکدان سفلی سے عالم تجرد اور عالم علوی کی طرف نقل کیا گیا، آپ کو دنوا ور تدلی اور قرب بمنزلہ قاب قوسین سے نوازا گیا، آپ کو نعمت مکالمہ اور اوحی الی عبدہ ما اوحی سے مشرف کیا گیا، آپ کو نعمت رویت سے مالا مال کیا گیا، لقد رای من آیات ربہ الکبری مَا زَاغَ الْبَصَرُ وغیرہ فرمائے، مومن بھی نماز میں ان ادناس مادیہ سے اٹھایا جاتا ہے، تدلی اور قرب کی نعمت عطا کی جاتی ہے، فان اللہ بینہ وبین القبلۃ اس کا شاہد عدل ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہر نمازی کے سامنے جب کہ وہ نماز کی نیت کرتا ہے تجلی خداوندی اور حقیقت از حقائق الٰہیہ ظہور پذیر ہوتی ہے، خواہ وہ اس کا احساس کرے یا نہیں، اور اسی تجلی کو راز فان اللہ بینہ وبین القبلۃ قرار دیتے ہیں، اور اس تجلی کی نسبت ذات مجمع الکمالات سے نسبت ساق الی الذوات قرار دیتے ہوئے يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ الآیۃ کی توجیہ فرماتے ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب بھی سورہ قیامہ میں اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

نمازوں میں رہنے کی وجہ سے اس تجلی خداوندی سے مومن محمدی کو طبعی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، جو کہ میدانِ قیامت میں ذریعہ معرفت خداوندی ہو جائے گی، اور مومن سجدہ میں گر جائے گا، بہرحال دنو اور تدلی کا حصول اس درجہ ہو جاتا ہے کہ فرمایا گیا انا جلیس من ذکرنی، انا مع العبد ما تحرکت بی شفتاہ وغیرہ روایات، اور فرمایا گیا واسجد واقترب، رویت خداوندی کا حصول احسان والی حدیث سے پوچھیے، ان تعبد ربک کانک تراہ اور جب ظاہرین کو یہ شبہ لاحق ہوتا تھا کہ مجرد محض کا تدرکہ الابصار کی رویت کس طرح ہو سکتی ہے، اس کو محالات میں سے شمار کرنے لگا تو اس کے استبعاد کے لیے ارشاد کر دیا گیا، فانہ یراک۔

اگر ارکان وآداب وسنن صلوٰۃ پر غور کیا جائے تو یقیناً وہ نعمتیں جو کہ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حقیقی طور پر شب معراج میں عطا فرمائی گئیں، آپ کے طفیل میں ان سب کی تمثیلیں مومن کو اسی زمین پر عطا کی جاتی ہیں، وقت کی قلت کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتا، مگر مختصر بھی ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا، ھذا ما لدی واللہ اعلم۔ کتابیں موجود نہیں ہیں، جن سے کچھ نقل اور استدلال کر سکوں۔ والسلام فقط

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔

مکتوب نمبر ۶۸

ختم تراویح[ل] پر کچھ تقسیم کرنا سلف سے منقول نہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف تین راتوں میں پڑھا تھا، اور پھر فرضیت کے خوف سے ترک کر دیا، حضرت عمرؓ نے اس کی جماعت باقاعدہ منظم فرمائی، مگر ختم پر کچھ تقسیم کرنا روایات میں نظر سے نہیں گذرا

ل تراویح ختم ہونے پر شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کہ سورہ بقرہ یاد کر لیا تو خوشی میں احباب کی کھانے کی دعوت کی،
اس روایت اور اسی قسم کی دوسری روایات سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے اگر ختم قرآن جیسی نعمت حاصل ہونے پر احباب وغیرہ کو کچھ پیش کیا جائے تو خلاف شرع نہ ہوگا، اور امید ہے کہ ذریعۂ خوشنودی باری عز اسمہ ہو۔ مگر جو طریقہ آج رائج ہو رہا ہے کہ مساجد میں اہل اور نا اہل سب جمع ہو کر نمازیوں کو مشوش کرتے اور شور و شغب عمل میں لاتے ہیں۔ تقسیم میں نا زیبا گالی گلوچ وغیرہ رونما ہوتی ہیں، بانٹنے کی چیزیں فرش مسجد پر گرتی ہیں اور فرش گندہ ہو کر نمازیوں کو تکلیف دیتا ہے اور اس قسم کی بہت سی خرابیاں رونما ہوتی ہیں، چندہ جبری طریقہ پر کیا جاتا ہے، غیر مستطیع کو طعنے دیے جاتے ہیں، التزام مالا یلزم ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ امور ایسے ہیں جن کی بنا پر یا تو اس کو بالکل بند کر دینا چاہیے یا اس کی اصلاح اس طرح کرنی چاہیے، کہ اصحاب استطاعت حضرات اپنی خوشی سے جو کچھ میسر ہو لائیں اور مسجد سے باہر تقسیم کیا جائے۔ مسجد میں کچھ بھی کسی کو نہ دیا جائے، جو لوگ آئیں ان کو تاکید کی جائے کہ ختم تک بالکل ساکت و صامت رہیں، دعا میں اخلاص کے ساتھ شرکت کریں، بچوں اور شور شغب کرنے والوں کو مسجد سے باہر ہی بیٹھایا جائے۔

کھجوروں یا چھواروں یا مٹھائی پر دم کرنا بالکل غیر متعلق چیز ہے۔ بہر حال ایسی چیز کا تقسیم کرنا جس سے مسجد کے احترام اور فرش وغیرہ کے تلوث کا اندیشہ نہ ہو یقیناً ان چیزوں کے تقسیم سے بہتر ہوگا جن میں تلوث کا اندیشہ ہے۔ ہاں باہر مسجد کے مضائقہ نہیں۔

(۲) سفر حج میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات کی طرف سے گائے ذبح فرمانا اور پھر گوشت کو ان میں تقسیم کرنا صحاح میں موجود ہے، جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا[ا]

[ا] حضرت رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے کا گوشت کھایا ہے یا نہیں؟

ہے کہ آپ نے باری والی زوجہ کے یہاں جب کھانا کھایا ہوگا تو یہ گوشت بھی کھایا ہوگا، اسکی راوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، ان کے یہاں کھانا اور بھی قرین قیاس ہے، اس کے علاوہ اور کوئی روایت جس میں صراحۃً لحم بقر کا تناول فرمانا ذکر کیا گیا ہو یاد نہیں آئی، کتابیں موجود نہیں ہیں کہ زیادہ تتبع کرکے جواب دوں۔

(۳) صحاح میں پائجامہ خریدنا[۱] منقول ہے، نیز محرم کے لباس میں پائجامہ کی ممانعت کا بھی تذکرہ ہے، غیر صحاح میں پائجامہ کی تعریف بھی مذکور ہے اور ترغیب بھی، اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہننا بھی،

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی معجم اوسط اور موصلیؒ کی مسند میں بسند ضعیف (خریدنے کی روایت میں اضافہ کرتے ہوئے) ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

قلت یارسول اللہ وانک لتلبس	میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے
السراویل قال اجل فی السفر والحضر	پائجامہ پہنا ہے، آپ نے فرمایا ہاں سفر حضر اور رات
وباللیل والنہار فانی امرت بالستر	و دن میں پہنا ہے، ستر پوشی کا مجھکو حکم کیا گیا تھا،
فلم اجد شیئاً استر منہ	سو اس سے زیادہ مستر میں نے کسی چیز کو نہیں پایا،

مسند امام احمد اور معجم طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ میں ہے:

عن ابی امامۃ قلنا یارسول اللہ ان	ہم لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ اہل کتاب
اھل الکتاب یتسرولون ولایاتزرون	پائجامہ تو پہنتے ہیں مگر تہمد نہیں پہنتے ہیں، آنحضرت
فقال صلی اللہ علیہ وسلم تسرولوا و	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پائجامہ پہنو اور تہمد بھی باندھو
ائتزروا وخالفوا اھل الکتاب	اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

[۱] حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پائجامہ پہنا ہے یا نہیں، اگر پہنا ہے تو وہ کس وضع کا تھا؟

کنز العمال میں اور بھی روایات موجود ہیں، چونکہ عرب کے اصلی لباس میں ازار ہی تھا اور یہ پائجامہ فارس وغیرہ سے عرب میں داخل ہوا ہے، وہاں کے لوگ اس کو شلوار کہتے تھے اس لیے عرب نے اسی کی تعریب سروال کے لفظ سے کی ہے یہی وجہ ہے کہ اس لفظ کا مفرد نہیں ملتا، اب اس کے بعد اس کی ساخت کیسی تھی، اس کا پتہ چلانا مشکل ہو، بجز اس کے کہ اس میں اسراف اور اسبال یعنی ٹخنے سے نیچا ہونا (لقولہ علیہ السلام ما اسفل من الکعبین فھو فی النار) نہ چاہیے۔ اور علی ہذا القیاس تشبہ باعداء الاسلام نہ ہونا چاہیے۔ ریشم کا نہ ہونا چاہیے، اور کسی قسم کا فیصلہ مشکل ہے۔ کتابیں موجود نہیں ہیں، اور غالباً کوئی خاص تنگی بھی اس میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔[1] والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ،

مکتوب نمبر ۷۹

(۱) قرآن شریف میں ہے مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ الآیۃ اس لیے تعمیر مساجد میں بلاواسطہ ان کا مال نہ خرچ ہونا چاہیے،[2] ہاں اگر وہ ایسا کریں کہ کسی مسلمان کو مال کا مالک کر دیں اور وہ اپنی خوشی سے اس مال کو مسجد میں لگا دے تو مضائقہ نہیں۔

(۲) مدرسہ دینیہ میں غیر مسلم کا چندہ لیا جا سکتا ہے اور طلبا یا دیگر مذہبی یا تعلیمی امور میں صرف کیا جا سکتا ہے۔[3]

---

[1] سیرۃ النبی جلد دوم میں ہے کہ "پائجامہ کبھی استعمال نہیں فرمایا، لیکن امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کی ہے کہ آپ نے منا کے بازار میں پائجامہ خریدا تھا، حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ استعمال بھی فرمایا ہوگا" اصلاحی

[2] غیر مسلم کا پیسہ تعمیر مسجد میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

[3] مدرسہ دینیہ میں غیر مسلم سے چندہ لینا چاہیے یا نہیں؟

محترما! آپ کو معلوم ہے کہ کتب فتاویٰ میرے پاس نہیں ہیں، پھر بھی بار بار آپ والا نامجات میں فتاویٰ لکھتے ہیں، حالانکہ آپ کو خود ہر قسم کی آسانیاں مہیا ہیں، کتب بھی اور اہل کتب بھی، اور مراکز فتاویٰ بھی آپ کے پاس اور زیر نظر ہیں۔ یہ الٹی گنگا کیوں بہتی ہے۔

والسلام، ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۸۰

عشق میں ان کے کوہ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

آپ کا اور شیخ ولی محمد صاحب کا خط پڑھکر بہت رنج ہوا، خصوصاً آپ کی کمزوری پر۔ آپ اس واقعہ کو سنکر روئے اور دونوں صاحبوں کو قلق و اضطراب کی اس قدر نوبت آئی۔ میرے محترم! یہ نانی جی کا گھر نہیں ہے، اور نہ سسرال ہے، جہاں عزت، راحت، آرام، سکون کا خیال کیا جائے۔ یہ جیل ہے اور اہل وطن کا نہیں، سات ہزار میل بسنے والی اس قوم کا ہے جس سے نہ ہم کو مذہبی، نہ زبانی، نہ نسلی، نہ معاشرتی، نہ لونی، نہ وطنی کسی قسم کا اتحاد نہیں اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس قوم کو ہم سے کوئی ہمدردی کہاں ہو سکتی ہے اور وہ کسی ہندوستانی کی عزت یا رفعت کو کب پہچان سکتی ہے۔ صرف اتحاد نوعیت یعنی انسانیت ہے مگر آج یورپین قومیں خود آپس میں کونسی انسانیت عمل میں لا رہی ہیں، جو ایشیائی اور افریقی قوموں کے ساتھ عمل میں لائیں گے۔ جرمن سے روسی کس قسم کے شاکی ہیں، اور روسیوں سے جرمن کیا شکایت کر رہے ہیں، پھر ہم تو ایشیائی اور ہندوستانی نیم وحشی ہیں ہی (ان کی نظروں میں) وہ جو کچھ مراعات کرتے ہیں محض اپنی مصالح کی بنا پر۔ فقط۔ پھر ایسے کافر قوم کے افراد سے کوئی امید ایسی ہی ہے جیسے آگ سے پیاس بجھانے کی اور پانی سے جلا دینے کی۔ بہر حال

ہمارا اس میدان میں اترنا اس نصب العین کی بنا پر ہے جو ہم کو سید المرسل علیہ السلام اور قرآن مجید نے بتایا ہے، اور ہر قسم کی قربانیوں کا مطالبہ کیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ	اللہ نے خریدی مسلمانوں سے ان کی جان اور
وَاَمْوَالَہُمْ الآیۃ	اور ان کا مال الخ
جاھدوا المشرکین باموالکم و	مشرکین سے جہاد کرو اپنے مال اپنی جان اور
وانفسکم والسنتکم[۱] (الحدیث)	اپنی زبان سے (حدیث)
افضل الجہاد کلمۃ حق (الحدیث)	بہتر جہاد حق بات کا ظالم بادشاہ کے سامنے کہنا ہے۔
قَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَافَّۃً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ	اور لڑو سب مشرکوں سے ہر حال میں جیسے وہ لڑتے
کَافَّۃً الآیۃ	ہیں تم سے ہر حال میں۔
قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ	اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو
یُقَاتِلُوْنَکُمْ الآیۃ	لڑتے ہیں تم سے۔

میرے محترم! جبکہ اس دار الحرب کو جو کہ اس سے پہلے دار الاسلام تھا، کفار نے اپنے قبضہ میں لاکر احکام کفریہ اور شعائر لادینیہ کا مرکز بنایا ہے تو ہر اس فرد پر فرض ہے جو کہ خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہے کہ اپنی طاقت کے موافق ایسے ملاحدہ کے تسلط اور غلبہ سے آزاد کرائے اور ان کی قوتوں اور شوکتوں کو مٹادے جبکہ کوئی ایسے عزائم لیکر کھڑا ہوگا تو کیا طاغوتی قوتیں اس کی طاقت، عزت راحت وغیرہ کو صحیح وسالم چھوڑیں گے۔ انبیاء علیہم السلام نہیں چھوٹے، ہم اور ہمارے جیسے لاکھوں کروڑوں عوام الناس تو درکنار۔

جو کچھ آپ تک خبریں پہنچیں یا جو کچھ شاہد صاحب نے بنارس میں بیان کیا اس تمام مجموعہ کو

---

[۱] غالباً یہ ایت بالمعنی ہے، مفہوم صحیح ہے مگر الفاظ نظر سے نہیں گذرے۔ اصلاحی۔

ایک پلڑے میں رکھیے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو انتہائی تکالیف اور مشاق کفار سے اٹھانی پڑی ہیں اوذیت فی اللہ ولا یوذی نبی الحدیث (مجھکو اللہ کی راہ میں جو تکلیف دیگئی وہ کسی اور نبی کو نہیں دیگئی) ان کی معمولی مصیبت اور بے عزتی کو دوسرے پلڑے میں رکھیے، پھر دیکھیے کون پلڑا بھاری رہتا ہے، ہم کو آپ وارث نبوت مانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس وراثت میں سے کچھ نہ ملے۔ ؎ ایں خیال است و محال است و جنوں۔

بہر حال، خود جیل کیا کم بے عزتی اور بے راحتی ہے، پھر اس کے بعد وہاں پر تو انسان بالکل بے دست و پا ہو ہی جاتا ہے، اور حکام جیل ہی کے مراحم پر اس کا بسر اوقات ہوتا ہے، وہ اگر بار بھی ڈالیں تو کس کو خبر ہو سکتی ہے، اور ہاتھ پیر توڑ ڈالنا، مارپیٹ، بے عزتی اور تکالیف تو ادنی چیزیں ہیں، مگر جب اس راستہ میں چلے تو سب چیزوں کو پھول سمجھنا ضروری ہے۔ اوکھل میں سر دیا تو موسلوں سے کیا ڈرنا ؎

کانٹا لاگے پریم کا تڑپ تڑپ جیو دے ۔۔۔ بھنورا بولے پھول کا کلی کلی رس لے

اب تفصیل واقعہ سنیے

(۱) جب سے میں یہاں آیا ہوں اس واقعہ تک نہ میں افسر اعلیٰ اور اس کے نائب سے ملا ہوں اور نہ وہ مجھ سے ملا تھا، اس نے تو مجھ کو کبھی دیکھا ہی نہ تھا، میں نے دور سے دیکھا تھا، مگر صورت شناس نہ تھا (۲) حکام جیل بالخصوص وہ شخص جو کہ سابقہ جیلوں میں چھوٹے عہدوں سے بڑا ہوا، مثل زبانیہ جہنم نہایت سخت اور بدخو، بدزبان، تندخو ہوتے ہیں، بالخصوص اینگلو انڈین۔

(۳) میں عصر کے بعد اوراد و وظائف میں عموماً مشغول رہتا ہوں، اور کمرہ ہی کے اندر رہتا ہوں، مغرب کی نماز کے وقت نکلتا ہوں اور کمرہ کے باہر ہی کمبل وغیرہ بچھا کر ہم چند مسلمان بارک کے اندر ہی پنجوقتہ نماز جماعت پڑھا کرتے ہیں، بعض مسلمان دوسری بارکوں

سے آجاتے ہیں اور جو کہ اسی بارک میں رہتے ہیں جس میں میں ہوں یعنی نمبر ایک وہ عشا اور فجر میں بھی شریک جماعت ہوا کرتے ہیں، مغرب کی فرض ادا کرنے کے بعد میں نوافل میں ڈیڑھ دو پارہ پڑھا کرتا ہوں۔ اس کے بعد بارک کے مسلمان کھانا ساتھ کھاتے ہیں اور پھر عشا کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد اپنے اپنے کمروں میں ہو جاتے ہیں،

(۴) بارکوں کے دروازے گرمیوں میں آٹھ بج جانے کے بعد بند ہوا کرتے تھے، جاڑوں میں ساڑھے سات بجے سے بند ہونے لگتے تھے، شمار اور گنتی ہر بارک کے آدمیوں کی بارک ہی میں ہوا کرتی ہے، پولیٹیکل قیدی اپنی اپنی جگہ پر گنے جاتے ہیں میں نماز میں مشغول ہوتا تھا گننے والے کمرہ ہی میں ہوتے ہوئے گن جاتے تھے اور اب بھی وہی حال ہے۔

(۵) افسر اعلیٰ نے اول سرکل نمبر ہ کے جیلر سے کہا کہ تم اپنے سرکل کی بارکوں کو سات بجے بند کرو، اس نے ذمہ دار بعض اشخاص سے کہا کہ افسر کا حکم سات بجے بند کرنے کا ہے، سرکل نمبر ا والے (جن میں دوسرے پولیٹیکل قیدی ہیں) ساڑھے سات بجے بند ہو جاتے ہیں، تم بھی اسی وقت بند ہو جایا کرو، اس نے جواب دیا کہ ہم نے بعض مطالبات سپرنٹنڈنٹ کو بھیجے ہیں، ان کا جواب اب تک نہیں آیا، جب تک وہ پورے نہ ہو جائیں ہم اس مطالبہ کو پورا نہیں کریں گے مگر اس کی مجھ کو اور میرے رفقا کو کوئی خبر نہ تھی، مجھکو اور میرے رفقا کو اس بند ہونے پر نہ کوئی اعتراض تھا اور نہ ان کے متعلق کوئی سوال پیدا ہوتا تھا، کیونکہ مغرب سے پہلے وہ سب بارک میں آجاتے تھے، اور صبح تک وہاں ہی رہتے تھے، اور بالخصوص میں تو عصر سے تقریباً بند ہی رہتا ہوں، بلکہ دوسرے اوقات میں بھی کمرے سے باہر بلا ضرورت نہیں نکلتا۔

(۶) افسر اعلیٰ کو یہ جواب اس ذمہ دار کا ناگوار گذرا اور اپنی طاقت کے مظاہرہ کرنے کے لیے اپنی فورس لے کر ساڑھے چھ بجے جب کہ عین مغرب کا وقت تھا بلا خبر اور بلا نوٹس

سرکل نمبرہ میں داخل ہوا اور سب سے پہلے ہماری بارک میں داخل ہوا، کیونکہ نمبرا اسی کا ہے، اسی بارک میں جو لوگ موجود تھے حکم دیا کہ بارک سے باہر نکل آؤ اور دھکے دیکر لوگوں کو نکلوایا۔

(۷) میرا کمرہ بارک کے مشرقی کنارہ پر ہے، وہ پہلے مغربی کنارے پر گیا، اور جو لوگ اس طرف کمروں میں یا باہر کمروں کے تھے، دھکے دیکر نکالا، پھر مشرقی کنارہ پر آیا، ہمارے رفقا مغرب کی نماز کی تیاری کر رہے تھے، کمبل اور چادر بچھا رہے تھے، آفتاب غروب ہو چکا تھا، ان سے جب کہا گیا کہ بارک سے باہر نکل جاؤ تو انھوں نے کہا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے، نماز پڑھ لیں جس میں صرف پانچ چھ منٹ لگیں گے، اس کے بعد نکل جائیں گے، چھوٹا افسر جو کہ یورپین ہے، اس کو سنکر ساکت ہو گیا، اتنے میں افسر اعلیٰ (سپرنٹنڈنٹ) انگلو انڈین پہنچا اور اس نے مولانا عبدالباری صاحب گورکھپوری کی بنیائن میں اوپر سے ہاتھ ڈالکر کھینچا اور زور سے کہا کہ نکل جاؤ، دوسروں نے پھر ان کو دھکا دیا، اسی طرح مولانا عبدالسمیع صاحب سلطانپوری کو دھکا دیا گیا۔ اور مولوی احمد صاحب بسنوی کو مارنے کے لیے بھی ہاتھ اٹھایا گیا، یہ سب یکے بعد دیگرے باہر نکل گئے، میں کمرہ میں وظیفہ پڑھ رہا تھا، مجھکو ان تمام معاملات کی کوئی خبر نہ تھی، شور و شغب سنکر میں کھڑا ہوا، دیکھتا ہوں کہ کمرہ کے دروازہ پر سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کھڑے ہیں اور انکے ساتھ وارڈر اور نمبردار وغیرہ ہیں، میں نکلا تو انھوں نے کہا کہ نکل جاؤ، میں نے کہا کہ اچھا جوتا پہن لوں، میں اس وقت چمڑے کا موزہ پہنے ہوئے تھا جو کہ سردیوں میں پہنا کرتا ہوں، میں کھڑاؤں لینے کے لیے بڑھنا چاہتا تھا کہ مجھکو دھکا دیا گیا، میں اس دروازہ کی طرف جو کہ بارک سے نکلنے کا ہے دھکے کی وجہ سے چلا ہی تھا کہ دوسرا دھکا دیا گیا، اس کی وجہ سے عمامہ سر پر سے گرنے لگا، میں اس کو سنبھالنا چاہتا تھا کہ تیسرا دھکا دیا گیا، میں اس کو سنبھال نہ سکا وہ گر گیا، پھر میں ٹوپی سنبھالنے لگا تو چوتھا زور سے دھکا دیا گیا، یہ اس قدر زور سے

دھکا دیا گیا تھا کہ ٹوپی بھی گر پڑی اور اگر میں سنبھل نہ جاتا تو زمین پر گر پڑتا، بہرحال میں ننگے سر اور ننگے پاؤں وہی موزہ پہنے ہوئے باہر نکل گیا، اس کے دو منٹ بعد سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ وغیرہ سب باہر آ گئے، مجھ سے سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ آپ نے تو کمرہ کو ہوٹل بنا رکھا ہے، میں نے کہا کہ کیا بات ہے، اس نے کہا کہ بارک میں چلے جاؤ، ہم لوگ پھر ایک ایک کر کے داخل ہو گئے۔ اور گننے کے بعد بارک بند ہو گئی،

(۸) ہماری بارک والوں کو کوئی نوٹس اس سے پہلے نہیں دیا گیا تھا اور نہ کسی نے باہر نکلنے سے انکار ہی کیا تھا، البتہ ہمارے ساتھی مسلمانوں نے یہ ضرور کہا تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے، ہم نماز پڑھ لیں تو حسب حکم نکل جائیں گے، مگر میں نے یہ بھی نہیں کہا تھا،

(۹) جہاں تک مجھ کو معلوم ہے ہمارے رفقا اور بارک والوں میں کسی کو مارا نہیں گیا، صرف دھکے دیے گئے۔ البتہ نمبر ۷ یا نمبر ۶ میں کچھ لوگ بارک سے باہر کھانا کھا رہے تھے اور یہ ہی ہمیشہ سے ان کی عادت تھی، ان کو کھانے نہیں دیا گیا، اور بعض کو مارا پیٹا بھی گیا، کھانا اور برتن چھوڑ کر وہ بند ہو گئے، ہماری بارک میں بھی بعض وہ لوگ جن کا کھانا دوسری بارکوں میں پکا کرتا تھا اس رات بھوکے رہے،

(۱۰) صبح کو ہم چار آدمیوں نے (حسین احمد، عبدالباری، ماجد حسین، عبدالسمیع) اپنی دستخطوں سے عرضی لکھی کہ چونکہ ہمارے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا گیا ہے اس لیے ہم کو مشیر قانونی لاری صاحب سے ملایا جائے تاکہ ہم قانونی چارہ جوئی کریں، یہ عرضی ہم نے سرکل جیلر کے ہاتھ میں دیدی، یہ عرضی انگریزی میں تھی، اور تقریباً بارہ بجے جیلر صاحب کو دی گئی تھی، جیلر اس ہنگامہ کے وقت یہاں میں موجود نہ تھے۔ واقعہ سنکر ان کو بھی بہت افسوس ہوا۔

(۱۱) تقریباً ۲ بجے سردار جگندر سنگھ (جو کہ ضلع بہرائچ سے پولیٹکل سیکورٹی پرزنر تھے

اور مرکزی اسمبلی کے ممبر ہیں) آئے، (وہ پہلے سے اسپتال میں تھے، ان کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو پہلے صبح کو ۹ یا ۱۰ بجے آئے تھے، اور تمام واقعہ سنکر بہت برہم ہوئے تھے) انھوں نے فرمایا کہ سپرنٹنڈنٹ تین موانی میں (وسط جیل میں ایک چوکی ہے جس میں محافظ جیل وغیرہ بیٹھا کرتے ہیں) آیا ہوا ہے اس نے مجھکو بلایا تھا اور وہ مجھ سے کہتا ہے کہ کل شام کو جو واقعہ ہوا ہے اس کا مجھکو بہت افسوس ہے میں مولانا مدنی کو بھی ستاتا تھا، ان کو بلا دو، میں ان سے معافی مانگونگا، سردار صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں نے اسکو بہت لعنت ملامت کی ہے، اس لیے میری رائے ہے کہ تو میرے ساتھ چل کر اس کو معافی دیدے میں نے کہا کہ یہ سوال اب شخصی نہیں رہا ہے، بلکہ تمام جماعت کا سوال ہے، اس لیے آپ سب صاحبوں سے پوچھ لیجئے، انھوں نے ہر بارک کے چند چیدہ اشخاص بلائے اور مشورہ لیا، سبھوں کی غالب رائے یہ ہوئی کہ جب وہ معافی مانگتا ہے تو معافی دیدینی چاہیے۔

میں نے کہا اچھا آپ جاکر اس سے کہہ دیجئے کہ حسین احمد نے معاف کر دیا، اتنے میں چیف وارڈر آگیا اور اس نے اصرار کیا کہ تجھکو خود وہاں چل کر معافی دیدینی چاہیے، بالآخر سردار صاحب موصوف بھی اسی کے ہم کلام ہوگئے، بعض دوسروں کی بھی اسی قسم کی رائے ہوئی، میں چلا گیا، اس نے اولاً عذر کیا کہ میں تو خیال کرتا تھا کہ تو سفید ریش معمر آدمی ہوگا، میں تجھکو بھی ستاتا تھا، وغیرہ وغیرہ میں اس کو جوابات دیتا رہا، بالآخر اس نے کہا کہ مجھے افسوس ہے اور میں معافی چاہتا ہوں، میں اس کے بعد چلا آیا، اس نے اثنائے گفتگو میں یہ بھی کہا کہ میں نے وارڈروں کو پہلے سے تاکید کر دی تھی کہ ... کو ہاتھ نہ لگانا، میں نے کہا کہ پھر ان کو سزا دینا چاہیے، اس نے چیف وارڈر کو کہا کہ پتہ لگاؤ وہ کون کون تھے، ان کو سزا دیں گے، مگر یہ وقتی مدافعت تھی، ورنہ جو کچھ گذرا تھا، اس کے سامنے ہی گذرا تھا، اس نے کسی کو کچھ بھی نہیں کہا تھا،

میرے آنے کے بعد دوسرے لوگوں اور سردار صاحب موصوف سے اس کی گفتگو میں

ہوئیں اور جو تشدد وہ تمام سرکل والوں پر کرنا چاہتا اس سے باز آگیا، اب کوئی سختی نہیں ہے۔

یہ واقعہ ہے، مجھے معلوم نہیں کہ اب تک کیا کیا باتیں پہنچیں، ہمارے تین سرکار باتین سے نہ معافی طلب کی گئی اور نہ انھوں نے معافی دی، وہ عرضی ہم کو آج تک نہ واپس کی گئی اور نہ ہم نے طلب کی، ایک شریک مولانا عبدالسمیع صاحب سلطانپوری رہا ہو کر چلے گئے، مولانا عبدالباری صاحب اور ماجد صاحب باقی ہیں، آج کل میں ان کی بھی رہائی کی خبریں ہیں، وہ نکلیں گے تو ان سے اور احوال وغیرہ معلوم ہوں گے، پریشان نہ ہونا چاہیے۔ شیخ ولی محمد صاحب کو بھی یہ تفصیل بتا دیجئے اور مولوی فضل الرحمن سلمہ کو بھی، مولوی نور محمد صاحب کی زبانی معلوم کر کے بے چینی ہوئی ہے ان کو بھی مطمئن کر دیجئے۔ اس واقعہ کی بنا پر شیخ ولی محمد صاحب کو طلب کرنا بے موقع تھا، میں نے کوئی ضرورت نہیں سمجھی تھی، اس لئے آپ کو نہیں لکھا تھا،

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

---

۵ ۲۴؍ جنوری ۴۲ء حضرت امام العصر کو نینی جیل الہ آباد میں داخل کیا گیا، مولانا سید محمد شاہد صاحب فاخری خلف جناب مولانا محمد ناصر صاحب الہ آبادی سجادہ نشین دائرہ حضرت شاہ اجمل صاحب قدس سرہ العزیز (الہ آباد) مولانا عبدالحی صاحب، عبدالمجید صاحب مولانا عبدالقیوم صاحب لکھنوی، مولانا عبدالباری صاحب عباسی گورکھپوری جیسے احباب یہاں بھی موجود تھے، یہ حضرات یکے بعد دیگرے رہا ہوتے رہے، مگر حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی تقریباً ۱۹ ماہ نینی جیل میں محبوس رہے، یکم نومبر ۴۳ء کو نماز مغرب کے وقت سپرنٹنڈنٹ جیل نے حضرت کے ساتھ گستاخانہ حرکت کی، صرف اس بنا پر کہ گنتی کے لیے جس قدر عجلت وہ طلب کر رہا تھا اتنی عجلت سے حضرت اس کی تعمیل نہ کر سکے تھے، سپرنٹنڈنٹ کی اس شوخ چشمی سے جیل کے تمام نظربند برافروختہ ہو گئے، اور جب رفتہ رفتہ باہر خبر پہنچی تو ہندوستان کے ایک سرے کو دوسرے سرے تک اضطراب کی لہر دوڑ گئی، اور اگرچہ سپرنٹنڈنٹ جیل کو اگلے دن ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا چنانچہ تیسرے روز حضرت سے معافی مانگ لی تھی، مگر جیل کے باہر تمام ہندوستان میں ایجی ٹیشن بڑھتا رہا، چنانچہ ۲۲ نومبر ۴۳ء کو تمام ہندوستان میں احتجاجی جلسے کئے گئے۔ بالآخر ۱۰ نومبر ۴۳ء کو ہندوستان ٹائمز میں گورنر یوپی کا ایک کمیونک شائع ہوا جس میں واقعہ کی طرف توجہ کرتے ہوئے ذکر کیا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل نے مولانا کے سامنے اظہار افسوس کیا اور اب مولانا اس پر بالکل مطمئن ہیں لیکن حضرت کے متوسلین کیلئے یہ کمیونک بھی اطمینان بخش نہ تھا، ان کا اصرار تھا کہ سپرنٹنڈنٹ کو برطرف کیا جائے، لیکن حضرت کا ایک پیغام پہنچا کہ ہم نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو معاف کر دیا۔

(حیات شیخ الاسلام) اصلاحی۔

مکتوب نمبر ۱۸۱

آپ کے رسالہ جات دیکھے، ماشاء اللہ بڑے پیمانہ اور درجہ کے ہیں، میں شعر و شاعری سے واقف نہیں، اس میں کیا دخل دے سکتا ہوں، چند اشعار برائے اصلاح ارسال کرتا ہوں، آپ کی تقریر دربارہ نور عام فہم نہیں ہے، نیز اس حدیث کی سند میں بھی گفتگو ہے، اگرچہ صوفیہ کرام اور محققین اہل کشف اس کے قائل ہیں، مگر اس کی تحقیق و تفصیل فہم عوام تو درکنار خواص سے بھی بالاتر ہے، اس پر تقریر یا درجث کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ کے خلاف ہے ؎

بجز خدا کے بھلا تجھکو کوئی کیا جانے تو شمس نور ہے بشر نمط اولوالابصار

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ مدحیہ میں ارشاد فرماتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں،

رہا جمال پر تیرے حجاب بشریت نہ جانا تجھکو کسی نے بجز خدا زنہار

مجامع عامہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فضائل اور محاسن اخلاق و اعمال اور تعلیمات بیان ہونی چاہئیں جن کو عوام ادراک کر سکیں اور ان میں جذبہ عمل و اتباع پیدا ہو اور اپنی اصلاح کے درپے ہوں، زبان جہانتک ممکن ہو عام فہم ہو ایسا مضمون عالی، خواص یا اخص الخواص کے مجمع میں ہو تو مضائقہ نہیں، نفس مضمون پر عرض معروض ان مختصر تحریرات میں نہیں ہو سکتا، جوش ولا صفحہ ۲ میں فٹ نوٹ میں یہ عبارت قابل غور ہے، "عرب جاہلیت (قبل زمانہ اسلام) میں جو لڑکیاں پیدا ہوتی تھیں ان کو زندہ در گور کر دیتے تھے" اگر اس کا مفہوم ظاہری لیا جاوے تو سوال وارد ہوگا۔ پھر توالد تناسل کس طرح ہوتا تھا، صنف نساء کا وجود ہی نہ رہنا چاہیے، بہرحال نظم بہت اعلیٰ ہے، صفحہ ۷ میں ع

وہ ماں کو بھی بنا لیتے تھے بی بی یہ جہالت تھی۔

بی بی اور بیوی میں کوئی فرق ہے یا دونوں مرادف ہیں، جہاں تک مجھے معلوم ہے بی بی بمعنی حرہ ضد باندی اور بیوی بمعنی زوجہ مقابل زوج ہے۔ اس لیے اس مصرعہ میں بیوی ہونا چاہیے، اکبر مرحوم کہتے ہیں ؎ کل بے حجاب چند نظر آئیں بیبیاں،

صفحہ ۱۰ میں ہے

گرے اصنام منہ کے بھل الخ

جہانتک میں سمجھتا ہوں بہ لفظ بل بدون الہاء ہے،

مہربانی فرما کر شاندار ماضی چند دنوں کے لیے بھیج دیجئے۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں مولوی محمد[1] صاحب سے سلام مسنون کہدیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۸۲

مولوی احمد حسین صاحب لاہرپوری سے روپیوں کا وصول ہونا معلوم ہوا، ان کو سختی سے لکھ دیجئے کہ آیندہ ہرگز ہرگز روپیوں کے بھیجنے کا ارادہ نہ فرمائیں، وہ خود انتہائی کشمکش میں ہر طرف سے مبتلا ہیں، وہ اپنی ضروریات کو انجام دیں، بحمد اللہ مجھکو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پروردگار جل شانہٗ بہت اچھے طریقہ پر کام چلا رہا ہے، اس مرتبہ تو یہ روپے رکھ لیے گئے، آیندہ اگر بھیجا تو واپس کردیے جائیں گے،

ان روپیوں کو ہمارے پاس نہ بھیجئے، میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مصارف ڈاک وغیرہ کا باقاعدہ حساب منضبط رہنا چاہیے، اور پیسہ پیسہ کا حساب لینا چاہیے، جو مصرف میری

[1] مراد مولانا ابوالحسن حیدری صاحب کے برادر مرحوم۔

وجہ یا میرے کہنے اور میرے لکھنے سے واقع ہو اس کو بتمامہا وصول کرنا چاہیے، اس میں ذرا بھی تامل نہ ہونا چاہیے، ہاں اگر بلا طلب آپ نے کوئی صرف میرے لیے یا میری وجہ سے کیا ہو تو اس میں آپ کو اختیار ہوگا، اگر کوئی دقت نہ ہو تو ایک پارسل ڈیڑھ سیر عمدہ قسم کے پیڑوں یا اور کسی عمدہ ایسی مٹھائی کا جو کہ جلدی خراب نہ ہونے والی ہو ٹین کے ڈبہ میں یا بانس کی پٹاری میں کپڑا مڑھکر بذریعہ ڈاک پارسل ریحانہ سلمہا کے لیے ٹانڈہ میں بھیج دیجئے، پتہ یہ ہو (ریحانہ سلمہا بوسیلہ سید محمد بشیر صاحب محلہ اللہ داد پور، قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد) اس پارسل کے مصارف اسی میں سے انجام دیجئے۔ باقی روپے اپنے پاس رکھیے اور مصارف متعلقہ محسوب کرتے رہیے، میں تو دیوبند سے روپیہ آپ کے پاس منگانے والا تھا۔ ہاں تین چار روپیہ کی دوانیاں، چونیاں، اکنیاں، جمع کرکے رکھئے یہ خردے خواہ چاندی کے ہوں یا نکل کے۔ جب ضرورت ہوگی طلب کروں گا۔ اظہر[1] صاحب کے قاصد کے ذریعہ سے پہنچا دیجئے گا،

مولانا شبیر احمد صاحب اور ان کے ہم خیال مدرسین و ملازمین اب ڈابھیل ضلع سورت کو ۱۶-۱۸ ربیع الاول کو چلے گئے، نواب چھتاری نے ان کو دو سو روپیہ ماہوار نہیں دیا بلکہ کئی سال ہوئے تھے، حیدر آباد سے وہاں کے وزیر اعلیٰ جن کے جانشین چھتاری صاحب ہیں انھوں نے دو سو روپیہ پولیٹیکل دیپارٹمنٹ سے مقرر کرا دیے تھے، وہ ان کو برابر ملتے رہے۔ یہ وزیر اعلیٰ حیدری صاحب مشہور و معروف بزرگ تھے، چودھری[2] صاحب کا روپیہ دار العلوم کے توڑنے کے لیے غلط افواہ معلوم ہوتی ہے، البتہ چودھری صاحب اپنا اقتدار اسی طرح وہاں

---

[1] حاجی شیخ ولی محمد صاحب جونپوری مراد ہیں، شیخ صاحب موصوف کو امام المنصور مدظلہ العالی، اظہر، محمود اور غلام حسین وغیرہم اسما سے اپنے مکتوبات میں یاد فرمایا ہے، جو زیادہ تر نینی جیل الٰہ آباد کو لکھے گئے ہیں، جس طرح امام المنصور کا وجود گرامی رشمی خطوط کی تحریک کی اہم کڑی ہے اسی طرح شیخ صاحب موصوف آپکے مخلص اور جانباز مجاہدین میں سے تھے، دل کے غازی تھے اور وہ وہ کارنمایاں کیا ہے کہ سنکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ان ہی میں ہمارے مولانا ابو الحسن حیدری بھی ہیں جو کبھی غلام حسین، خادم حسین، حامد، مظفر وغیرہ اسماء سے موسوم ہوتے ہیں۔ اصلاحی

بھی جانا ضرور چاہتے ہیں جس طرح علی گڈھ اور لیگ پر ہے۔ اور اسی نہج پر ہر قسم کی کوششیں ہمیشہ جاری رہتی ہیں، میرا بڑا قصور یہی ہے کہ میرے ہوتے ہوئے چودھری صاحب کی دال نہیں گلتی، مجھکو جدا کیا گیا اور یہاں اپنی دال بگھانی چاہی مگر بحمد اللہ کامیابی نہیں ہوئی اور منہ کی کھانی پڑی، غضنفر اللہ صاحب کا واقعہ اگر صحیح ہے تو معلوم کرنا چاہیے کہ وہ آنے والے صاحب کون بزرگ تھے۔

آپ فرماتے ہیں "یہ ہمارے علمائے کرام کا حال ہے تو ہمارا کیا حشر ہوگا۔" آپ کے یہ جملے تعجب خیز ہیں، چودھری صاحب کا ہمیشہ سے یہ اصول ہے کہ اپنے مقاصد کے لیے ارباب اثر و نفوذ علمائے کرام اور صوفیائے عظام اور اسی طرح امرا و دنیا کو ہمیشہ طرح طرح سے لایا کرتے ہیں۔ اور ان کے ذریعہ سے عام مسلمانوں اور عام پبلک پر اثر جمایا کرتے ہیں، فتاوی لکھواتے ہیں، مریدوں کے لیے احکام نشر کراتے ہیں اور اس قسم کی سیکڑوں صورتیں بناتے اور خزانہ کی اچھی مقدار صرف کرتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ہر زمانہ ایسے واقعات سے بھرا ہوا ہے۔

متعلقین اور والدہ ماجدہ وغیرہ کی علالت سے فکر ہوا، دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ تمام آفات سے محفوظ رکھے، آمین۔ صاحبزادہ کے لیے انشاء اللہ تعالیٰ حسب ارشاد تعویذ بھیجوں گا، مجھ ناکارہ و نالائق کے ملفوظات جمع کرنے کا خیال غلط ہے، متقدمین اور اسلاف کرام کے ملفوظات کیا کم ہیں، جو ہمارے جیسے ننگ اسلاف کے ملفوظات جمع کیے جائیں اور مینڈکی کے لیے نعل تیار ہوں، ہم دنیا کے کتوں سے بجز نفس پرستی، راحت طلبی نصوص کو خواہشات کے بوتے میں ڈھالنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، من کان مستناً فلیستن بمن مات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ (تم میں سے جو شخص نمونہ اور اسوہ بنائے وہ گذرے ہوئے (اصحاب رسول اللہ صلعم) کا کیونکہ جو شخص زندہ ہے ابھی وہ فتنہ سے محفوظ نہیں ہے)۔ جبکہ خیر القرون کے لیے یہ فیصلہ ہے تو ہمارے زمانہ کا کیا حال ہوگا، لوگ اسلاف کرام کی کتابوں

سے نفع اٹھاتے ہی نہیں، نہ ان کا مطالعہ کرتے ہیں، ہم جیسے لغو اور بیکار کی کتابوں اور ملفوظات سے نفع اٹھانا سراب سے عطش کے زوال کی امید باندھنا ہے، اسلاف کی تصانیف کو شائع کرنا اور ان کی طرف توجہ دلانا البتہ ضروری ہے، اس لیے میں کسی تصنیف و تالیف کا قصد ہی نہیں کرتا بلکہ اضاعت وقت سمجھتا ہوں۔ پھر اس جگہ حسب ضرورت ذخیرہ کتب بھی نہیں ہے۔ جو کتابیں میرے پاس ہیں وہ ناکافی ہیں، اپنی ناقص یاد اور ناقص سمجھ سے کچھ لکھ دیتا ہوں، انکو درج ملفوظات کرنا کیا غلطی نہیں ہے۔

جواب سوال اول[۱]

(۱) محبت عموماً دو قسم کی ہوتی ہے، محبت اجلال اور محبت شفقت، قسم اول میں والد سب سے بڑھا ہوا ہے اور قسم ثانی میں ولد سب سے بڑھا ہوا ہے، ہر دو محبتوں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور عقلی محبت سب سے بالا ہونی مطلوب ہے۔ یعنی انسان کو اپنی نفسانی خواہشات اور رغبات سے پھیرنے والی یہ محبتیں ہوتی ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور اتباع میں ان دو محبتوں کے پھیرنے سے زیادہ تر پھیرنا از بس ضروری ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جائے کہ محبت طبعی کے لیے بڑے بواعث احسان اور قرابت ہیں۔ در بارہ احسان سب سے بڑا احسان عالم ظاہر میں باپ کا احسان ہے، اور قرابت میں سب سے زیادہ قرابت بیٹے کی قرابت ہے کہ وہ جزء والد ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان والدین کے احسان سے بھی بڑھا ہوا ہے، والدین کے احسانات صرف جسمانی اور مادی ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات روحانی اور مادی دونوں قسم کے تمام امت

---

[۱] لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ والناس اجمعین (الحدیث)
اس حدیث مبارک میں "ولد" اور "والد" کی قید کیوں لگائی ہے؟

پر ہیں، روحانی احسانات سے آخرت کے عذاب سے نجات، روح کی حقیقی پرورش، اس کو غضب خداوندی کے موجبات سے بچانا وغیرہ وغیرہ بے شمار ہیں، اور مادی پرورش بھی ظاہر وباہر ہے، امت کو جب تک وہ تابعدار رہی اقوام عالم پر فوقیت اور حکومت عطا فرمائی گئی،

(الحدیث)
فرماتے ہیں زویت لی مشارق الارض ومغاربھا وان ملک امتی سیبلغ ماذوی لی منہا، (آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ میرے لیے مشرق ومغرب کی زمینیں اکٹھا کردی گئیں، میں نے دیکھا کہ عنقریب میری امت کی حکومت ان تمام حصوں پر ہوگی۔) لتفتحن کنوز کسری والروم۔ الحدیث (یقیناً کسریٰ اور روم کے خزانہ پر قبضہ کیا جائے گا) وغیرہ ہیں،

بیٹے کی قرابت والدین سے صرف مادی اور جسمانی ہے جس پر جملہ النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم (نبی سے زیادہ لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے) دلیل کامل ہے جب کہ آپ ارواح مومنین سے ان کے نفوس سے بھی زیادہ قریب ہوئے جو کہ لفظ اولی کا لفظ مدلول مطابقی ہے تو وہ قرب مفہوم ہوا جو کہ آباء کے قرب سے بھی زیادہ قوی اور کامل ہے کیونکہ جزئیت وکلیت کا قرب نفس شی کے قرب سے کمزور ہوتا ہے، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لفظ اولی اسم تفضیل کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا قرب نفوس مومنین کے اپنے قرب سے بھی زیادہ ہے، تو دو وجہ سے آپ کے قرب کو آباء واُمہات کے قرب سے زیادتی ہوئی، ایک شدت قرب اور دوسرے روحانی قرب جو کہ جسمانیت سے بہت زیادہ بالاتر ہے اور اسی کا نتیجہ ازواج مطہرات کی امومیت ہے وہ بھی روحانی امہات ہیں، نیز بعض قراءت میں وھو ابوھم بھی واقع ہے، خلاصہ یہ کہ شیعی محبت کے اقوی اسباب کا ان دونوں لفظوں والدہ وولدہ میں اظہار فرمایا گیا ہے، واللہ اعلم

جواب ثانی (۱) اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ جو لوگ منکر ہیں اللہ سے

وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ	اور اس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں
اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ	اللہ میں اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں ہم مانتے
وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا	ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا	کہ نکالیں اسکے بیچ میں ایک راہ۔ ایسے لوگ وہی ہیں اصل
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا. وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	کافر اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے ذلت کا
بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ	عذاب۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اسکے رسولوں
مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ	پر اور جدا نہ کیا ان میں سے کسی کو ان کو جلد دیگا ثواب
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (نساء۔ پ۶)	اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان ۔

آیت مذکورہ بالا سے معلوم ہو گیا کہ نہ فقط اللہ تعالیٰ اور اس کی وحدانیت کا ایمان بغیر رسول کے ایمان کے معتبر ہے اور نہ فقط رسول پر ایمان بغیر اللہ کے اور اس کی توحید کے ایمان کے معتبر ہے اور نہ بعض رسولوں پر ایمان اور بعض پر عدم ایمان معتبر ہے، اس لیے یہ قول کہ صرف لا الٰہ الا اللہ کا قائل یا عامل قابل نجات ہے اس کو اقرار بالرسالۃ کی ضرورت نہیں، باطل ہے۔

(۲) ہر نص میں بہت سی قیود بوجہ ظہور ملحوظ ہوتی ہے جن کو بسا اوقات ذکر نہیں کیا جاتا اور وہ بالاتفاق ضروری ہوتی ہیں، مثلاً اسی حدیث میں قلبی یقین اور تصدیق کا تذکرہ نہیں ہے، فقط یہی کہا گیا ہے کہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ تو کیا اگر کسی نے یہ کلمہ استہزا اور مذاق کے طور پر یا کسی کے کلام کے نقل کے طور پر کہا تو وہ بھی اس کا مستحق ہوگا، یا کسی نے مسلم حبش کے سامنے جان بچانے کے لیے یہ کلمہ کہا اور قلب میں تصدیق نہیں ہے تو کیا وہ اس اجر کا مستحق ہوگا یا اس کلمہ کے کہنے کے بعد انکار کر دیا یا کلمہ شرک بول دیا۔ یقیناً معلوم ہے کہ وہ توحید نجات کے لیے کافی نہیں ہے

(۲) جو شخص صرف موحد ہو مقر بالرسالۃ نہ ہو اسکی نجات ہوگی یا نہیں۔ پھر من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کے کیا معنی ہیں؟

اور حسب تصریحات روایات و آیات قید تصدیق قلبی کی ضرور لگانی ہوگی اور عدم انکار کی بھی قید ضروری ہوگی۔ اسی طرح اس روایت میں ایمان بالرسالہ کی بھی قید لگانی ضرور ہوگی جیسا کہ آیت مذکورہ نمبر ۱ سے ظاہر ہے۔

سورہ حجرات میں ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ	ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے
وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ	رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔	اپنی جان کر وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے

لفظ انما جو کہ صیغہ حصر ہے یہاں استعمال کیا گیا ہے، حدیث جبرئیل علیہ السلام میں اور حدیث وفد عبدالقیس میں ایمان کی تفصیل اور تعریف اسی لیے بیان فرماتے ہوئے ایمان بالرسل والملائکہ والکتب والقیمہ والقدر کو ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۳) توحید کا دعویٰ تو یہود، نصاریٰ، مشرکین عرب اور ہنود ہند سب کرتے ہیں، مگر اسی توحید کے ساتھ یہود عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ اور ید اللہ مغلولہ اور ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء اور تجسیم وغیرہ کے قائل ہیں۔ نصاریٰ اسی توحید کے ساتھ تثلیث اور ابن اور روح القدس اور زوجہ وغیرہ کے قائل ہیں، بت پرستان ہند نرا انکار صرف خدا کے قائل ہوتے ہوئے اوتاروں اور عبادت غیر اللہ کے قائل ہیں، تجسیم اور حلول وغیرہ ان کے عقائد ہیں، کیا ایسی توحید قابل اعتبار ہوگی، اس لیے قائل من قال لا الٰہ الا اللہ ہی سے جو تفسیر توحید منقول ہے وہ ہی موجب نجات ہوگی۔ اور جب اسکی تعلیم کا اعتبار کیا گیا تو تصدیق رسالت لازم آگئی، ورنہ وہ توحید حقیقی نہیں لفظی ہے۔ جو کہ قابل اعتبار نہیں واللہ اعلم۔

(۴) اسی روایت من قال لا الٰہ الا اللہ الحدیث کے جملہ طرق اگر جمع کیے جائیں تو معلوم ہوگا روایت مختصر واقع ہوئی ہے، اس میں کچھ اور ہی زیادتی ہے جو کہ راوی نے بوجہ ظہور یا اختصار یا نسیان یا

عدم ضرورت بعض اوقات میں چھوڑ دی ہے اور بعض اوقات میں ذکر کر دیا ہے مثلاً مخلصاً من قلبہ بخاری شریف وغیرہ میں اسی روایت میں موجود ہے، دوسری روایتوں میں وانی رسول اللہ بھی موجود ہے۔ اسی لیے ائمہ فن فرماتے ہیں کہ جب تک کسی روایت کو اس کے تمام طرق سے نہ دیکھا جائے جب تک معنی متعین کرنے میں غلطی ہوتی ہے، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تو ستر اور اسّی تک کی قید لگاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ روایت مذکورہ کے جملہ طرق کو جمع کیے ہوئے بغیر کسی معنی کو متعین کرنا ناواقفی اور بے اصولی ہے، کسی فن میں اس کے اصول اور قوانین کو ترک کر کے داخل ہونا اہل فن کے نزدیک انتہائی غلطی ہوتی ہے جس کو تمام اہل فن ضروری مانتے ہیں، مگر افسوس کہ طبابت، ڈاکٹری، انجینیری، نقشہ نویسی تاریخ، سائنس وغیرہ میں تو یہ قاعدہ ضروری قرار دیا جاتا ہے، مگر فن حدیث و فقہ میں ہر ناواقف بغیر اصول و قوانین رائے زنی کرنا ضروری سمجھتا ہے اور اپنی رائے کے خلاف کی تحمیق کرتا ہے۔

واللہ اعلم۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۸۳

ایمان فرعون[لہ] کے بارے میں جو کچھ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے وہ جمہور کی رائے کے خلاف ہے، استدلال کی سخافت سے شبہہ ہوتا ہے کہ غالباً یہ قول ان کا نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے کہ ملاحدہ نے ان کی کتاب میں اپنی طرف سے زیادہ کر دیا ہے، بہر حال جو کچھ بھی ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقالہ پر رد کے لیے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے

لہ فرعون کے ایمان کے بارہ میں حضرت اقدس کی کیا رائے ہے، صاحب فصوص الحکم کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کا خاتمہ ایمان کیساتھ ہوا ہے، نیز حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی بھی اپنی شرح فصوص الحکم میں اسی کے قائل ہیں۔

جس کو عرصہ ہوتا ہے میں نے مدینہ منورہ زید شرفہا میں دیکھا تھا، یہ نہیں معلوم کہ وہ چھپ گیا ہے یا نہیں۔

(۱) استدلال میں اولاً امراۃ فرعون رضی اللہ عنہا کا قول پیش کیا گیا ہے، مگر یہ استدلال نہایت کمزور ہے، جس وقت یہ قول ان سے صادر ہوا جب تک وہ خود بھی ایمان نہیں لائی تھیں، پھر ان کا عالم الغیب ہونا یا امور مستقبلہ پر مطلع ہونا کسی وقت میں بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کا کشف و الہام کسی زمانہ میں شرعی حجت ہو سکتا ہے، پھر کس طرح یہ قول قابل استدلال ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر محض ان کے قول کو نقل فرمایا ہے، اس کی تصحیح اور تصدیق نہیں فرمائی، یہ عادت خداوندی اقوال صحیحہ اور باطلہ دونوں میں جاری ہے، نیز قرۃ العین ہونا محبوبیت سے کنایہ ہے جو کہ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ (اور ڈالدی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے) کا نتیجہ تھا۔ اس لیے ہر مومن اور غیر مومن کے اس زمانہ طفولیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام محبوب اور قرۃ عین تھے، اس سے ایمان فرعون پر استدلال نہایت ہی کمزور ہے، بالخصوص جبکہ اس کے خلاف قواعد کلیہ اور آیات جزئیہ دونوں کھلے بندوں دلالت کر رہی ہوں۔

علیٰ ہذا القیاس اس کو آیۃ قرار دینا بھی اسلام پر دال نہیں، ہر وہ شئی جس سے جناب باری عزاسمہ کے صفات و افعال و ذات پر کسی وجہ سے استدلال ہو سکتا ہو وہ آیۃ ہو سکتی ہے اس میں ذی روح ہونے کی شرط بھی نہیں ہے، چہ جائے کہ اسلام مشروط ہو۔

(قواعد کلیہ شرعیہ جو کہ قطعی طور پر اس کے بطلان کے شاہد ہیں)

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ	پھر جب انھوں نے دیکھ لیا ہماری آفت کو بولے ہم یقین لائے
وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ	اللہ اکیلے پر اور ہم نے چھوڑ دیں وہ چیزیں جنکو شریک بتلاتے تھے
فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا	پھر نہ ہوا کہ کام آئے ان کو یقین لانا ان کا جس وقت دیکھ چکے
بَأْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ	ہمارا عذاب رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آئی ہے اس کے

وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُوْنَ (پ ۲۴ ع ۱۱) — بندوں میں اور خراب ہوئے اس جگہ منکر۔

اس آیت سے قاعدہ کلیہ اور سنت الٰہی کا پتہ چلتا ہے، کہ عذاب الٰہی کے دیکھنے کے بعد ایمان معتبر نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَمَّا اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ، قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ (انبیاء، پ ۱۷ ع ۲)

پھر جب آہٹ پائی انھوں نے ہماری آفت کی تب لگے وہاں سے بھاگنے۔ مت بھاگو اور لوٹ جاؤ جہاں تم نے عیش کیا تھا، اور اپنے گھروں میں شاید تم کو کوئی پوچھے کہنے لگے ہائے خرابی ہماری ہم تھے گنہگار۔ پھر برابر یہی رہی انکی فریاد یہاں تک کر ڈھیر کر دیے گئے کاٹ کر بجھے پڑے ہوئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (پ ۱۱ ع ۱۰۔ یونس)

سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لاتی پھر کام آتا انکو ایمان اس کا مگر یونس کی قوم جب وہ ایمان لائی اٹھا لیا ہم نے ان پر سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگانی میں اور فائدہ پہنچایا ہم نے ان کو ایک وقت تک۔

الغرض عذاب کے دیکھنے کے بعد ایمان لانا نفع نہیں دیتا، اس قاعدہ کلیہ سے صرف قوم یونس علیہ السلام کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے جس کی وجہ یہ تھی کہ حقیقۃً ان پر عذاب نہیں آیا تھا، بلکہ حضرت یونس علیہ السلام کی جلد بازی کی بنا پر صورت عذاب نمودار کی گئی تھی، اُدھر حضرت یونس علیہ السلام پر اس جلد بازی پر عتابات متعددہ وارد کیے گئے تھے۔ اسی قاعدہ کلیہ کو سورہ نساء میں مندرجہ ذیل کلمات کے ساتھ مشرح فرمایا گیا ہے:۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ	اور ایسوں کی توبہ نہیں جو کیے جاتے ہیں برے کام یہاں تک
السَّيِّاٰتِ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ	جب سامنے آجاوے ان میں سے کسی کے موت تو کہنے لگا
قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ	میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ایسوں کی توبہ جو کہ مرتے ہیں
وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓـئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا	حالت کفر میں، ان کے لیے تو ہم نے تیار کیا ہے
اَلِيْمًا (پ ع ۳٤)	عذاب دردناک

جس نے صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ موت حاضر ہو جانے کے وقت میں (جب کہ علامات موت ظاہر ہو جائیں اور انسان کو عالم غیب کی اشیا دکھائی دینے لگے) توبہ مقبول نہیں ہے، نہ عذاب دنیوی دور ہوتا ہے اور نہ عذاب آخرت سے رستگاری ہوتی ہے، نیز ان آیات نے صاف طور پر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ فرعون جس نے ادراک غرق اور عذاب الٰہی کے مشاہدہ کے بعد ایمان کے کلمات کہے وہ ایمان دار عند اللہ و عند الشرع نہیں ہوا، اور اس کی توبہ مقبول نہیں ہوئی، ادراک غرق کا مرتبہ تو رویت عذاب الٰہی اور رویت یاس خداوندی سے بعد کا ہے جبکہ رویت ہی سے ایمان کا نفع دینا ممنوع ہو جاتا ہے، تو ادراک عذاب سے بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون اور فرعونیوں کے لیے بد دعا میں ارشاد فرمانا فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ خود اس کے لیے شاہد عدل ہے، اگر ایسے وقت میں ایمان نافع ہوتا تو اس بد دعا کے کوئی معنی نہیں تھے، حالانکہ یہ دعا مقبول ہوئی اور فرمایا گیا قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا۔ اور اسی بد دعا کا بھی اثر تھا کہ فرعون نے مرتے وقت تک ایمان قبول نہ کیا۔ بہرحال ان آیات سے جو حکم اور قاعدہ خداوندی مفہوم ہوتا ہے وہ نہایت قوی ہے، اور فصوص الحکم میں جو استدلال ذکر کیا گیا ہے وہ اس کے مقابلہ میں کوئی بھی وقعت اور قوت نہیں رکھتا۔ غور فرمایئے۔

(۲) فرعون کے متعلق آیات خصوصیہ بھی جمہور ہی کی تائید کرتی ہیں)

سورہ ہود (علیہ السلام) رکوع ۹ میں فرمایا جاتا ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا	اور البتہ ہم بھیج چکے ہیں موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور
وَسُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ	واضح سند دیکر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس
فَاتَّبَعُوْا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ	پھر وہ چلے حکم پر فرعون کے اور نہیں بات فرعون کی کچھ
بِرَشِيْدٍ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	کام کی. آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن پھر پہنچائیگا
فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ	ان کو آگ پر اور برا گھاٹ ہے جس پر پہنچے، اور پیچھے
وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ	سے ملتی رہی اس جہان میں لعنت اور دن قیامت کے
بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ	بھی، برا انعام ہے جو ان کو ملا.

آیات مذکورہ بالا میں یَقْدُمُ قَوْمَهٗ الخ کے جملہ پر غور کریں، اگر اس کا ایمان عند اللہ معتبر ہوتا ہے تو دوزخ کے وارد کرنے میں وہ سب آگے آگے کیوں ہوتا اور دنیا و آخرت میں لعنت کیوں اس پر کی جاتی۔ بالخصوص صاحب فصوص رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی بنا پر فقبضہ طاہراً مطہراً لیس فیہ شیٔ من الخبث لانہ قبضہ عند ایمانہ قبل ان یکتسب شیئاً من الآثام والاسلام یجب ما قبلہ (فرعون دنیا سے طاہر اور مطہر اس کے اندر کوئی گناہ نہیں رہا کیونکہ اس کی موت قبل اس کے کہ کچھ گناہ کرے ایمان کے ساتھ ہوگئی اور اسلام ماقبل گناہوں کو محو اور قطع کر دیتا ہے) تو اس آیت کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے اور بالکل ہی مناقضہ لازم آتا ہے۔

(نوٹ) یہ تاویل کرنا کہ ضمیریں صرف ملاء کی طرف راجع ہیں، فرعون اس میں داخل نہیں ہے، خلاف عربیت اور خلاف لسان عربی ہے، بالخصوص جبکہ یقدم اور قومہ کی ضمیر خصوصیت کے ساتھ فرعون ہی کی طرف راجع ہوتی ہے، اس لیے آئندہ کی ضمیریں مجموعہ کی طرف ہی عائد ہوں گی۔

نیز یہ تاویل کہ وہ اپنی قوم کو تو داخل فی النار کرادیگا مگر خود داخل نہیں ہوگا، بالکل غلط ہے،

اگر اس کا امر بالمعصیت معصیت نہیں رہا تھا اور اسلام نے حسب ارشاد یجب ما قبلہ گذشتہ

کو محو کر دیا تھا تو پھر یہ جزا یقدم قومہ الخ کیوں دی گئی، اور وہ اگوا کار کیوں بنایا گیا، اور جب کہ

وہ طاہر اور مطہر لیس فیہ شئی من الحیف ہے تو قیامت میں یہ معاملہ کیوں ہے، ایسے لوگوں کے لیے تو

ارشاد کیا گیا ہے لا یسمعون حسیسھا، نیز دوزخ کی گرمی اور تغیظ زفیر شہیق وغیرہ مسیرۃ

سبعین سنۃ تک پہنچتی ہے، کیا اس ایراد قوم میں وہ خود عذاب میں مبتلا نہیں ہوگا۔

سورہ قصص رکوع ۴ پارہ ۲۰ میں ہے:

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ	اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ	اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف پھر کر نہ آئینگے، پھر پکڑا ہم نے
فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ	اس کو اور اسکے لشکروں کو پھر پھینک دیا ہم نے ان کو
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ. وَجَعَلْنَا	دریا میں سو دیکھ لیا کیسا انجام ہوا گنہگاروں کا اور کیا ہم نے
هُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ	ان کو پیشوا کہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور قیامت
لَا يُنْصَرُونَ وَأَتْبَعْنَاهُمْ فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا	کے دن انکو مدد نہ ملے گی اور پیچھے رکھدی ہم نے ان پر اس
لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ	دنیا میں پھٹکار اور قیامت کے دن ان پر برائی ہے۔

ان آیات میں غور فرمائیے، استکبار کی معصیت میں فرعون کی نسبت خاص طور پر ذکر کی گئی ہے،

اور پھر ما بعد کی ضمیریں مجموعہ کی طرف عاید کی جارہی ہیں، نیز ائمۃ یدعون الی النار کا حقیقی

مصداق خود فرعون ہوتا ہے، اس کے ملا کے لوگ تو ثانیاً و بالعرض ہوں گے، اور ان سب کو

قیامت میں مقبوح فرماتے ہیں، کیا ایمان اور اس کے آثار کے ہوتے ہوئے یہ جزائیں مترتب

ہوسکتی ہیں، آیت

فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَکَرُوْا وَحَاقَ	پھر بچا لیا موسیٰ کو اللہ نے برے داؤں سے جو وہ کرتے
بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ	تھے اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب
عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ	وہ آگ ہے کہ دکھا دیتے ان کو صبح اور شام اور
اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ	جس دن قائم ہوگی قیامت حکم ہوگا داخل کرو فرعون والوں
(مومن ۔ پ۲۴)	کو سخت سے سخت عذاب میں۔

میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تاویل کہ آل فرعون میں خود فرعون داخل نہیں ہے، قرآن کے محاورہ کے خلاف ہے، فرمایا جاتا ہے اعملوا آل داؤد شکرا الآیۃ میں بالاتفاق حضرت داؤد علیہ السلام مخاطب ہیں، اسی طرح آیت وَلَقَدْ اَخَذْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ الآیۃ (سورہ اعراف) میں فرعون بھی بالاتفاق اس مواخذہ میں داخل ہے،

حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے پایہ کے بزرگ ہیں اور بہت بڑے محقق ہیں اسلیے یہ قول یا تو درحقیقت ان کا ہے ہی نہیں، بلکہ ان کی تصانیف میں ملاحدہ نے چھپا کر کے داخل کر دیا ہے جیسا کہ امام العارفین شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے، اور اگر ان کا قول ہی ہو تو یقینا اس میں ان سے خطا ہوئی ہے، وہ بڑے ہیں، مگر معصوم نہیں ہیں، اس لیے جمہور کا قول صحیح ہے۔

حدیث قوی میں وارد ہے کہ اس کے اس قول کے وقت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دریا میں سے گارا نکال کر اس کے منہ میں بھر دیا کہ کہیں رحمت خداوندی اس کی نگرانی کار نہ بنجائے (مخافۃ ان تدرکہ الرحمۃ) یہ فعل ان کا یقیناً بغض فی اللہ ہی کی بنا پر ہو سکتا ہے، جو کہ اعلیٰ درجات ایمان میں سے ہے، اگر چہ ہستی کہ لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون کے مصادیق کی امام اور عند ذی العرش مکین مطاع اور امین ہو۔ بغیر مرضی خداوندی کب ایسا فعل اور عمل کر سکتی ہے

لہذا یہ جملہ تاویلات غیر مرضی اور غیر قابل التفات ہیں، قدرۃ خداوندی میں کلام نہیں، واقعات سے بحث ہے، واللہ اعلم، رحمت الٰہی کی وسعت اور نصوص سے معلوم ہوتی ہے اسی پر منحصر نہیں ہے،

والسلام ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۸۴

جو حالت لرزہ کی بدن میں بعض اوقات نماز وغیرہ میں پیدا ہوتی ہے بہت مبارک اور امید افزا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور ترقی عنایت فرمائے۔ ہمیشہ ذکر کی مداومت کا خیال رکھیے، مندرجہ ذیل امور کی زیادتی کر دیجئے۔

(۱) اثنائے ذکر میں ہر سو مرتبہ کے بعد دل لگا کر مندرجہ ذیل دعا پڑھا کیجئے،

(اللھم انت مقصودی ترکت الدنیا والاخرۃ وما فیھا لاجلک فامنن علی بوصلک التام ورضاک الکامل۔

(۲) دو ہزار مرتبہ روزانہ ذکر قلبی کیا کیجئے، قلب بائیں پستان کے چار انگل نیچے واقع ہے، خیال کیجئے کہ اسم ذات (اللہ) قلب سے نکل رہا ہے، زبان کو حرکت نہ ہو، اور انگلیوں سے تسبیح کے دانوں پر اس ذکر خیالی قلبی کو شمار کرتے جائیں، خواہ ایک مجلس میں یا چند مجلسوں میں، یہ مقدار دو ہزار کی روز و شب میں پوری کر لیا کیجئے، باوضو قبلہ رو ہونا چاہیے، اس مقدار میں کمی نہ ہو، اور یہ بھی دھیان رہے کہ محبوب حقیقی صرف ذات وحدہ لاشریک لہ ہے، حسب قاعدہ من احب شیئا اکثر ذکرہ اس بے تابی کے ساتھ قلب اس کو یاد کر رہا ہے،

(۳) جہانتک ممکن ہو اتباع سنت کا جملہ امور میں خیال رکھیے۔

دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیے۔ والسلام

خواجہ صاحب اور مولوی محمد صاحب اور دیگر واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہدیجئے

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۸۵

والا نامہ شیخ ولی محمد صاحب کے قاصد کے ذریعہ سے پہنچا تھا، اسی روز ننگ کو عریضہ ارسال کرنے کے بعد ہی شیخ صاحب کا مرسلہ پانوں کا پارسل پہنچ گیا تھا، اس میں کیوڑہ کے عرق کی بوتل بھی تھی شیخ صاحب کو رسید مع شکریہ تحریر فرمادیں۔

مرسلہ سوالات کے جوابات مختصر ارسال ہیں، بعد کو میری سمجھ میں آیا کہ احوال قلمبند کر دیئے جائیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر اسلاف نے بھی ایسا کیا ہے اور اہل زمانہ بھی ایسا کر رہے ہیں۔ نیز اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ احباب بہت سے غیر واقعی چیزیں محبت میں لکھدیا کرتے ہیں، اور اعداء بہت سے مثالب عداوت میں غیر واقعی لکھدیتے ہیں، دونوں سے فی الجملہ نجات ہوجائے گی، بنا بریں میں نے تفصیلات کچھ قلمبند کرنا شروع کیا ہے، اگر کسی قابل ہوگیا تو پیش کروں گا۔

تاریخ افکار سیاسیات اسلامیہ[1] دیکھی، اس کو دیکھکر مجھے صدمہ ہوا، لعن آخر ہذہ الامۃ اولہا کی یاد تازہ ہوگئی، مصنف بلسان حال کہہ رہا ہے مسلمانان در دوزخ ومسلمانی درہوا

[1] یہ کتاب جناب عبدالوحید خانصاحب بی اے ایل ایل بی کی تالیف ہے، تقریظ استاذی مولانا عبید اللہ سندھی کی ہے دیباچہ مولانا حافظ اسلم صاحب جیراجپوری اور دوسرا دیباچہ مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کا ہے، تعریب پرویز صاحب خود دریہ مصنف نے لکھی ہے، اول الذکر ہر سہ بزرگوں نے کچھ اشارات فرمائے ہیں جس سے مولف کی غلط روی کا سراغ ملتا ہے، حالانکہ ضرورت تھی کہ اس طرح کی کتابوں کی ستائش کے بجائے اس کی پوری اصلاح کردیجاتی۔ مولف کے گمراہ قلم کی مثالوں سے کتاب بھری ہوئی ہے اور کہنا پڑتا ہے ع "تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم"

پہلوں کے قول مسلمانان درگور و مسلمانی در کتاب کی پوری اصلاح و ترمیم کردی گئی ہے، جو فوٹو اسلام اور حاملین اسلام کا اس کتاب میں کھینچا گیا ہے اس نے ملاحدہ، دہریہ، آریہ، مخالفین اسلام و مذہبیت کے لئے پورا مادہ اور ہتھیار مہیا کردیا ہے، بارہ تیرہ سو برس سے اسلام اس بھیانک صورت پر ہے، پھر کس منہ اور کس زبان سے کسی کو اسلام کی طرف بلایا جاسکتا ہے، ہر طبقہ اور ہر شعبہ حاملین اور حفاظ اسلام کا جاہل، محرف، کذاب، غلط رو ضال و مضل وغیرہ وغیرہ ہے، والعیاذ باللہ۔ راوی اور شہود کی ضلالت اور تحریف سے نفس مروی کا غلط ہونا معلوم ہی ہے، ماشاء اللہ اسلام کی جڑ خوب کھودی اور کاٹی گئی ہے،

یہاں بحمد اللہ خیر و عافیت ہے، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، مولانا محمد صاحب اور دیگر پرسان حال حضرات سے سلام مسنون عرض کردیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ،

مکتوب نمبر ۸۷

امور مسؤلہ عنہا کے جوابات ذیل میں مندرج ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳۶) ہندوستان میں ایک خاص قسم کا گروہ پیدا ہوگیا ہے، جس کا کام یہ ہے کہ تاریخ کو مسخ کرے اور بزرگوں کے دوش بدوش ایسوں کو کھڑا کردے جن کی زندگیاں تاریخ اور قربانیوں سے خالی ہو، اس کتاب کو بھی مثال میں رکھ لیجیے۔ اور اسی طرح جناب اکرام صاحب کی آب کوثر، جس میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ ہم ائمہ دین کے مقابل ڈاکٹر اقبال مرحوم کو کھڑا کردیا گیا ہے۔ مانا کہ اقبال فلسفی سہی مگر یہ کیا ظلم ہے کہ جو اقبال خود سلف کا خوشہ چیں اور حضرت اقدس شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کرنے والا ہو اس کو شاہ عبدالحقؒ، شاہ ولی اللہؒ بناکر پیش کردیا جائے، یہ افراتفری مفید نہیں بلکہ سخت مضر ہے۔ تاریخ افکار سیاست بھی اسی طرح کی ہے، انشاء اللہ کسی فرصت میں اس کی نقاب کشائی کی تقریب منائی جائے گی۔ اصلاحی

(حاشیہ مکتوب نمبر) شب برات کے اعمال کیا ہیں؟

(۱) ونیز باید دانست کہ بعضے از مفسرین
قدر را بمعنی تقدیر گرفتہ اند وگفتہ اند کہ درین شب
ارزاق وآجال ومصائب واعمال ودیگر حوادث
عالم کون وفساد مقدر می شود واز لوح محفوظ
بملائکہ نسخہائے امور متعلقہ بآنہا نقل کردہ حوالہ
می گردد تا برطبق آن در تمام سال عمل نمایند
لیکن اصح آنست کہ ایں تقدیر در نصف شعبان
است کہ آنرا شب برات نامند اگرچہ بعضے ائمہ تابعین چنین
گفتہ اند کہ نقل نسخہا دران شب شروع می شود ودرین شب بصاحبان
تسلیم می نمایند پس ابتدائے تقدیر شب براءت است وانتہائے آں
درین شب است وتحقیق ہماں است کہ
مذکور شد۔ (تفسیر عزیزی سورہ قدر صفحہ ۲۵۵)

(۲) ودر قرآن مجید نزول قرآن را
مورخ فرمودہ اند بسہ وقت شہر رمضان، وشب قدر
وشب مبارک کہ نزد اکثر علما عبارت است از
شب برات کہ پانزدہم شعبان است۔ پس تطبیق
درین امر واقعی وایں تعبیرات متخالفہ چگونہ درست
آید۔ آنچہ بعد از تنقیح معلوم شدہ آں است کہ
نزول قرآن از لوح محفوظ در مقام بیت العزت

اور جاننا چاہیے کہ بعض مفسرین نے قدر کو تقدیر کے
معنی میں لیا ہے اور کہا ہے کہ اس شب کے اندر روزی
موت، مصیبت، اعمال اور دوسرے حوادثات
جو دنیا میں ہونے والے ہیں مقدر ہوتے اور لوح محفوظ
سے ملائکہ کو ان کے کاموں کی نقل کرکے حوالہ کردیے
جاتے ہیں تاکہ اسی کے مطابق تمام سال عمل درآمد کرتے
رہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ تقدیر شعبان کی پندرہویں
میں ہوتی ہے جسکو شب برات کہتے ہیں، اگرچہ بعض
تابعین نے تاویل یہ کی ہے کہ یہ جو کی نقل اس رات کو
شروع ہوتی ہے اور اس شب میں پیشکاروں کو حوالہ
کردیتے ہیں، پس شروع تقدیر شب برات میں ہے اور اس کا
آخر اس رمضان کی رات میں ہے۔ اور تحقیق وہی ہے جو گذری۔

(۲) مورخین نزول قرآن مجید کو تین وقتوں میں مانا ہے
رمضان المبارک، شب قدر اور شب مبارک جو کہ اکثر
علماء کے نزدیک شب برات سے تعبیر کیجاتی ہے، جو پندرہویں
شعبان ہے، پس اس امر واقعی میں توفیق کی کیا صورت ہے
اور توجیہات جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں کیونکر ٹھیک
ہوسکتی ہیں، تتبع اور تنقیح کے بعد جو چیز سامنے آئی ہے
وہ یہ ہے کہ قرآن کا نزول لوح محفوظ سے مقام بیت العزت

گر بقعہ ایست از آسمان دنیا محفوف است،
بملائکہ ذی قدر در شب قدر است کہ در ماہ رمضان
واقع است و تقدیر نزول قرآن حکم فرمودن
حافظان لوح را کہ نسخہ آن را نقل کردہ باسمان
دنیا رسانند در شب برات ہماں سال بود پس
ہر سہ تعبیر درست افتاد و نزول حقیقی در شب قدر
از ماہ رمضان واقع شد و نزول تقدیری پیش
ازاں در شب برات و نزول قرآن بر زبان پیغمبر
صلی اللہ علیہ وسلم در ماہ ربیع الاول سر سال
چہلم ست و اتمام نزول آن در بقیہ عمر
پس تعارضے نماند (تفسیر عزیزی سورہ قدر)

(۳) دریں جا ہم باید شنید کہ اتباع پیغمبر
را صلی اللہ علیہ وسلم مراتب است، و دراں افراط
و تفریط واقع می شود ہر چند دراں افراط
و تفریط قبیح نبود لیکن ہر چہ بر جادہ اعتدال
است لا ریب افضل است از جانبین افراط
و تفریط۔ پس ادعیہ کہ در حق اموات در وقت
حضور قبور یا غیبت آن بوضعی کہ از جناب
رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم مروی و ثابت شدہ۔

میں جو کہ آسمان دنیا میں ایک جگہ ہے بڑے درجہ کے فرشتوں
سے گھری ہوئی شب قدر میں ہوا جو رمضان کے مہینہ میں
واقع ہے اور نزول قرآن کی تقدیر یاد محافظین کو حکم دینا
کہ اس نسخہ کو نقل کرکے آسمان دنیا پر پہنچائیں شب برات
میں ہوئی جو اسی سال تھی پس تینوں تعبیرات صحیح ہو گئیں،
لہذا نزول حقیقی رمضان المبارک کے مہینہ شب قدر
میں ہوا، اور نزول تقدیری اس سے پہلے شب برات
میں اور پیغمبر صلعم کی زبان پر نزول قرآن ربیع الاول
کے مہینہ میں جو شروع نبوت کا چالیسواں سال ہے،
اور پھر پورا پورا نزول قرآن آپ کی باقی ماندہ عمر میں
ہوتا رہا، لہذا کوئی تعارض نہیں رہ گیا،

(۳) غور سے سننا چاہیے کہ آنحضرت صلعم کی پیروی کے
درجے ہیں، جس میں کمی اور زیادتی ہوجاتی ہے، اگرچہ یہ
افراط و تفریط زیادہ بری نہیں تاہم جو چیز اعتدال کیساتھ
ہوگی وہ یقیناً اس افراط و تفریط سے افضل ہوگی، پس وہ
دعائیں جو مردوں کے بارہ میں ہیں قبروں کے سامنے
یا قبروں کی عدم موجودگی میں آنحضرت صلعم سے جس
طرح مروی اور ثابت ہیں اگر اسی طرح اسکو عمل میں
لایا جائے تو یہ طریقہ دوسرے طریقوں سے افضل و

بہماں وضع اگر بوقوع آید افضل است از
اوضاع دیگر۔ مثلاً آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم
در شب برات تنہا بے اطلاع و اعلام احدے
در بقیع تشریف بردند و دعا فرمودند وکسی را
از صحابہ امر نفرمودند کہ دریں شب بر مقام باید
رفت و دعا باید کرد چہ جائے کہ تاکید کردہ باشند
پس الحال اگر کسے اتباع پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
منظور داشتہ در شب برات در مقبرہ مجمع عملی نمودہ
ادعیہ وافرہ کند او را بمخالفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
ملام کردن نمی رسد لیکن ایں قدر باید فہمید کہ ایں
امر شدہ شدہ برسم انجامیدہ حقیقت کار ازان
باقی خواہد ماند۔ و مثال موضح ایں بیان است
مسئلہ فقہیہ کہ جماعت نفل مکروہ نیست اگر
تداعی باشد مکروہ است۔ (صراط مستقیم ص ۵۴ و ۵۵)

بہتر ہوگا، مثال کے طور پر آنحضرت صلعم کا شب برات میں
چپکے سے اٹھکر بغیر اطلاع بقیع میں تشریف لیجانا اور دعا فرمانا
اور پھر صحابہ میں سے کسی کو حکم نہ دینا کہ اس رات کو قبرستان
میں جانا چاہیے اور دعا کرنا چاہیے، لہذا اگر کوئی شخص اتباع
نبوی کو مدنظر رکھکر شب برات میں قبرستان کے اندر صلحا کا
مجمع کرکے زیادہ دعائیں کرے تو ماناکہ اسکو مخالفت آنحضرت صلعم
سے تعبیر کرنا اور ملامت کرنا نہ کہا جائیگا، لیکن اتنا ضرور
سمجھنا چاہیے کہ یہ بات آہستہ آہستہ رسم بنجائے گی،
اور حقیقت اس کے اندر سے جاتی رہے گی،
اس بیان کی تائید اس مسئلہ فقہیہ سے ہوتی ہے
کہ جماعت سے نفل نماز مکروہ نہیں ہے لیکن
اگر التزام کرکے ادا کی جایا کرے تو فقہاء
اس کو مکروہ کہتے ہیں۔ ....

....

مذکورہ بالا نصوص سے معلوم ہوگیا کہ شب برات ایک مبارک رات ہے اور راجح یہی ہے کہ سورہ دخان کی آیت

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا
كُنَّا مُنذِرِينَ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ
أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ رَحْمَةً

ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں ہم ہیں کہ
سنانے والے، اسی میں جدا ہوتا ہے ہر کام جانچا ہوا،
حکم ہوکر ہمارے پاس سے، ہم ہیں بھیجنے والے رحمت

مِنْ رَّبِّكَ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔ سے تیرے رب کی، وہی سننے اور جاننے والا

سے مراد ارجح الاقوال پر یہی شب برات ہے، اس روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بقیع میں تشریف لیجا کر اہل بقیع کے لیے دعا فرمائیں، چنانچہ حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغیر خبر کیے ہوئے دبے پاؤں نکل کر بقیع میں گئے اور اہل بقیع (مقبرہ مدینہ منورہ) کے لیے دعا فرمائی، اس دن کے لیے روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا گیا ہے، اس لیے اگر ہو سکے تو ۱۴ اور ۱۵ کو روزہ رکھیں، اور درمیانی شب میں جس قدر ممکن ہو نوافل اور ذکر و تسبیح سے اس شب کو معمور کریں اور بلا اجتماع مقبرہ میں جا کر اہل قبور کے لیے دعا کریں۔ ان اعمال کے علاوہ بدعات سیئہ[1] اور قبائح ہیں،

[1] امت محمدیہ صلعم کا یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ عقیدہ کی صحت مذہب کی روح ہے، اس میں جہاں رخنہ ہوا مذہب کی بنیادیں ہل جاتی ہیں، شرک و بدعت کی تولید اکثر مذہبی عظمت، تمول و سرمایہ داری سے ہوتی ہے، جس کے مظاہر صحابہ کرام کے زمانہ میں نہایت کثرت سے موجود تھے، لیکن جب کبھی صحابہ کرام کو یہ خطرہ ہوا کہ اس عظمت کا عملی اعتراف شرک و بدعت کی صورت اختیار کرلے گا تو فوراً اس کی مخالفت کی، اس لیے کہ عقائد و اعمال کی تجدید اور مذہب و اخلاق کی اصلاح صحابہ کرام اور آپ کے جانشینوں کا سب سے اہم فریضہ تھا، اس لیے اور بھی کہ بنی آدم کی بھوکی روح کو مضر اور بدترین غذاؤں کی طرف بڑھنے دیا جائے تو کوئی شبہہ نہیں کہ وہ مفید اور پاکیزہ غذاؤں سے محروم ہو جائیں گی، بدعات ایک بدترین غذا ہیں، جو اس کو اختیار کرے گا وہ انبیاء علیہم السلام کی ستھری اور مفید غذاؤں سے نہ صرف محروم بلکہ نفرت کرنے لگے گا اور توبہ سے عجب کیا محروم رہ جائے، کیونکہ صادق مصدق کا ارشاد ہے "کبھی کسی قوم نے بدعت ایجاد نہیں کی کہ خدا نے ایک ویسی ہی سنت سے اسے محروم نہ کر دیا ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس دل میں بدعت کا کوئی رشتہ لگا ہوا ہے، اسلامی عظمت اور اتباع سنت کی برکات کی کمی بھی اس کے اندر لازمی ہے" اس لیے بانی اسلام نے اپنے مذہب کو تحریف سے محفوظ رکھنے کے لیے بدعات پر شدت سے نکیر کی، کتاب و سنت اس پر گواہ ہیں، چنانچہ صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین و محدثین اکابر صوفیہ و جمہور مفسرین اور تمام اہل حق کا اجماعی مسئلہ ہو گیا ہے کہ بدعات و محدثات کا ارتکاب گناہ اور ایجاد کرنا تحریف دین کے مرادف ہے اور ایسے شخص کا ٹھکانا جہنم ہے، نہ اس کے فرائض قبول نہ نوافل، بلکہ اللہ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی اس پر لعنت ہے، خوب سمجھ لیا جائے کہ بدعت ایک شرعی اصطلاح ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ مذہب کے عقائد یا اعمال میں کوئی ایسی بات داخل ہو جائے جس کی تعیین صاحب مذہب نے نہ فرمائی ہو اور نہ ان کے کسی حکم یا فعل سے اس کا منشا ظاہر ہو یا یوں سمجھو کہ دین میں دین کا مقصد جان کر کسی نئی چیز کا اضافہ کرنا بدعت ہے، نہ کہ مقاصد دین

(۲ - الف) ابوداؤد کی روایت میں ردّ اللّٰہ علیَّ روحی فرمایا گیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں مامن مسلم یسلم علیَّ الّا ردّ اللّٰہ علیَّ روحی حتیٰ اسلّم علیہ او کما قال۔ اگر لفظ الیَّ روحی فرمایا گیا ہوتا، تو

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۱) کے لیے تجربہ وغیرہ کی بنا پر کسی چیز کا اختیار کرنا اس تعریف کی رو سے قرآن کا جمع کرنا، سورتوں کی ترتیب، نماز تراویح ہیئت مخصوصہ کے ساتھ، اعراب قرآن مجید، اہل باطل سے مناظرہ دلائل نقلیہ کیساتھ، حدیث وفقہ کی کتابوں کی تصنیف قواعد نحو، رجال اور استنباط احکام فقہی، منارے اور مدارس کا قیام تسبیحوں اور میدے کی روٹی کھانا، شادی میں پلاؤ پکانا وغیرہ۔ ان پر لغوی اعتبار سے بدعت کا اطلاق بادی النظر میں ہوتا ہے لیکن بقول علامہ و قیق العید ان میں سے کوئی چیز بدعت نہیں، بلکہ اکثر ملحق بالسنۃ ہیں، یا تو ایسی ہیں کہ ان کے کرنے کا حکم صاحب شریعت ہی سے سمجھا جاتا ہے، اس لیے حسنہ اور سیئہ کی تقسیم ایک فقہی تقسیم ہے، صاحب شریعت نے تو ہر بدعت کو گمراہی فرمایا ہے، پس جسکو بدعت حسنہ کہا جاتا ہے فی الحقیقت وہ بدعت ہے ہی نہیں کیونکہ بدعت شرعیہ بجمیع افراد مذموم ہے، اس نکتے کو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب سمجھا ہے، آپ کے سارے مکتوبات رد بدعت پر حجۃ بالغہ ہیں۔ فرماتے ہیں "فقیر در ہیچ بدعتے از ین بدعتہا حسن و نورانیت مشاہدہ نمی کند وجز ظلمت و کدورت احساس نمی نماید الخ (فقیر ان بدعتوں میں سے کسی میں خوبی اور روشنی نہیں دیکھتا ہے اور سوائے تاریکی اور تیرگی کے کوئی چیز محسوس نہیں ہوتی الخ) لہذا رسول اللہ صلعم کے ارشاد کل محدث بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ سے تمام بدعات سے بچنا چاہیے اور منطقی طور پر اس حدیث سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ کل محدث ضلالۃ۔ اور یہ بات بدیہی ہے کہ لاشئی من الضلالۃ بھدایۃ فلاشئی من المحدث بھدایۃ۔ اور اس حدیث میں لفظ کل افرادی ہے نہ کہ مجموعی، اس لیے ہر بدعت گمراہی ہو جائے گی، چنانچہ حضرات مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں ان القول لایقبل مالم یعمل بہ وکلاھما یبطلان بدون النیۃ والقول والعمل والنیۃ لایقبل مالم توافق السنۃ۔ (رباعی المرامض) مفہوم یہ ہے کہ قول بلا عمل کے قبول نہ کیا جائیگا اور قول اور عمل بغیر نیت کے غیر مقبول اور اسی طرح قول، عمل اور نیت جبتک سنت نبوی صلعم کے مطابق نہ ہوں مقبول نہ ہوں گی، پس وہ اعمال جو سنت کے مطابق ادا نہ کیے جائیں مقبول نہ ہوں گے تو پھر ثواب کہاں سے ہو سکتا ہے، خوب سمجھ لیا جائے۔ بدعت ایک طاعون ہے اور بدعتی وہ چوہا ہے جو اس وبا کے جراثیم لیے پھرتا ہے، اسلیے بدعت کو پرورش کرنا ساری سوسائٹی کو تباہ کرتا ہے، آنحضرت صلعم تو اپنے حکیمانہ فقرہ میں یہاں تک فیصلہ سنا دیتے ہیں کہ جس شخص نے کسی صاحب بدعت کی تعظیم و توقیر کی وہ دراصل اسلام کی عمارت ڈھانے میں مددگار ہوا۔ (معاذ اللہ) اس نکتہ کو متقدمین صوفیہ نے سمجھا، چنانچہ ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری جو ذوالنون مصری کے خلیفہ ہیں فرماتے ہیں "جس کا ایمان وتوحید خالص ہے وہ کسی مبتدع (بدعتی) سے انس نہیں رکھ سکتا" یہ بھی آپ ہی کا ارشاد ہے "جو بدعتی سے دوستی رکھتا ہے اس سے سنت علیحدہ ہو جاتی ہے..... اور جو بدعتی کیساتھ ہنسے گا اس سے اللہ تعالیٰ ایمان چھین لیگا" خلاصہ یہ ہے کہ محبت اور تعظیم رسول وہی معتبر اور مقبول ہوگی جس طرح اللہ کے رسول نے محبت کرنے کا سلیقہ بتایا اور تعظیم کا حکم دیا ہے، اصحاب رسول صلعم کی زندگیاں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں، ان کے جیسی محبت اور تعظیم نہ کسی نے کی ہے اور نہ کر سکتا ہے صحابہ نے سمجھا تھا کہ آپ کے اندر اتنی محبوبیت ہے کہ جو شخص آپ کی اتباع کرتا ہے وہ بھی محبوب بنتا ہے، مدارج کی ترقی، مراتب کی بلندی اور ولایت کے مقامات تک رسائی بدون پیروی سنت نبوی صلعم غیر ممکن بلکہ محال ہے ؎

محال است سعدی کہ راہ صفا　　　تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

تو آپ کا شبہ وارد ہو سکتا ہے الی اور علی کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا، علی استعلاء کے لیے ہے اور الی نہایت ظرف کے لیے ہے، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ و سلام سے پہلے روح کا استعلاء نہ تھا، نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہو گئی تھی، اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹایا گیا ہے،

چونکہ آنحضرت علیہ السلام مدارج قرب و معرفت میں ہر وقت ترقی پذیر ہیں، اس لیے توجہ الی اللہ کا انہماک اور استغراق دوسری جانب کی توجہ کو کمزور کر دیتا ہے، چنانچہ اہل استغراق کی حالتیں روزانہ مشاہد ہوتی ہیں، مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ اللعالمین بنایا گیا ہے اسلیے بارگاہ الوہیت سے درود بھیجنے والے پر رحمتیں نازل فرمانے کے لیے متعدد مزایا میں ایک مزیت یہ بھی عطا فرمائی گئی کہ خود سرور کائنات علیہ السلام کو اس استغراق سے منقطع کر کے درود والے کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے اور آپ اس کے لیے متوجہ ہو کر دعا فرماتے ہیں،

(ب) اگر بالفرض وہی معنی لیے جائیں جو آپ سمجھے ہیں اور علی اور الی میں کوئی فرق نہ کیا جائے تب بھی یہ روایت دوام حیات پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ پر اندرون نماز اور بیرون نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو،

(حاشیہ ص ۲۴۲) لہ ایک شبہ باقی ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں باحیات ہیں، یہی ہمارا عقیدہ ہے پھر سلام کا جواب دینے کے لیے روح کا واپس آنے کے کیا معنی؟

ابن قدامہ نے احمد سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ما من احد یسلم من عند قبری الحدیث کی بنا پر آنحضرت صلعم کا زائر کے سلام کا جواب دینا یقینی اور متفق علیہ ہے اور غیر زائر کو جواب دینا علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔ مگر بعض روایات کی بنا پر علماء نے جمع کی صورت یہ بیان فرمائی ہے کہ سلام غائب کی صرف بذریعہ ملائکہ تبلیغ ہوتی ہے اور سلام حاضر کی تبلیغ بھی ہوتی ہے اور سماعت بھی ہوتی ہے، لہذا قرب سے صلوٰۃ و سلام کو ترجیح اور فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ زائر کی آواز کا آنحضرت صلعم کے گوش مبارک تک پہنچنا بڑی شرف و مجد کی بات ہے، اس گرامی نامہ میں حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے جو خاص تحقیق فرمائی ہے وہ اپنی جگہ پر ایسی تحقیق ہے جو عرفاء اور کاملین ہی کا حصہ ہے اور اہل نظر کے لیے اس میں وہ کچھ ہے جو اب دوسری جگہ سننے میں نہ آئیگا، بقول خواجہ نظامی

صحبت نیکان ز جہاں دور شد • خانۂ عسل خانۂ زنبور شد

ع

خواجہ صاحب عام حالت کہہ گئے ہیں، مگر خواص بقول شیخ احمد عبدالحق اس میں نہیں ہیں بلکہ انکو آنحضرت صلعم کی صحبت گرما گرم حاصل ہوتی ہے جسطرح صحابہ کو حاصل تھی، ہمارے حضرت بھی تو ارباب حال اور محبان ذوالجلال میں سے ہیں یہ مکتوب سامی گواہ ہے۔

(اصلاحی)

اس لیے دوام حیاۃ لازم آئے گا۔

(ج) سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ (قطب العصر) کے مجموعہ ملفوظات مسمی بہ ابریز میں درج ہے کہ میں نے مشاہدہ کیا کہ سینہ مبارکہ میں سے نہایت باریک دھاگے نورانی بے شمار نکلے ہوئے ہیں، اور ہر مسلمان کے قلب کے ساتھ ایک ایک دھاگے کا تعلق ہے۔ اور اسی تعلق کی بنا پر وہ اسلام اور ایمان پر ثابت ہے اگر وہ منقطع ہو جائے تو ایمان باقی نہیں رہ سکتا، اس کشف پر متعدد اہل عصر نے انکار کیا تو سیدی عبدالعزیز نے کہا کہ اچھا مجھکو اجازت دو کہ میں تم لوگوں کے دھاگے کو توڑ دوں اور تمہارے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان میں حائل ہو جاؤں، انھوں نے کہا کہ آپ ضرور یہ کریں، چنانچہ سیدی عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کیا تو وہ لوگ اسلام پر قائم نہ رہ سکے، کوئی یہودی کوئی نصرانی کوئی دھریہ ہو گیا، معاذ اللہ۔ بناءً علی ذلک حدیث مذکور کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ شعبہ جو کہ اس درود بھیجنے والے سے تعلق رکھتا تھا، اس کی طرف روح پرفتوح کی توجہ شدید ہو جاتی ہے، اور آنجناب علیہ السلام اس کی طرف مزید اور خصوصی توجہ فرما کر دعا فرماتے ہیں،

(د) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ آب حیاۃ صفحہ ۲۲۱ میں اس پر طویل بحث کی ہے جو کہ دقت مضمون اور طول کی وجہ سے اس وقت نقل نہیں کی جا سکتی، البتہ اس کے خلاصہ کو نقل کرتا ہوں۔

اس صورت میں معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پرفتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ و تجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت و محبیت نامہ آپ کو حاصل رہتی ہے، ہوش عطا فرما دیتا ہے، یعنی مبدأ انکشاف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انبساط الی اللہ حاصل تھا،

مبدل بانقباض ہو جاتا ہے، اور اس وجہ سے ارتداد علی النفس حاصل ہوتا ہے، اور اپنی ذات اور صفات اور کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات و صفات سے اطلاع حاصل ہو جاتی ہے، سو چونکہ سلام امتیان بھی منجملہ وقائع متعلقہ ذات خود ہیں اس لیے اس سے مطلع ہو کر بوجہ حسن اخلاق ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں، اس صورت میں اثبات حیات اور دفع مظنہ ممات بمعنی انقطاع تعلق حیات کے لیے جواب میں اور تکلفات کی حاجت نہ رہے گی، قطع نظر تصدیق وجدانی کے جو واقفان حقیقت مبدا انکشاف کو حاصل ہے، لفظ رد جو خود حدیث میں موجود ہے اس پر شاہد ہے، ہاں ایک شبہ باقی ہے وہ یہ کہ ایک جہان آپ کا شیدائی ہے، کوئی دم ایسا نہ گذرتا ہو گا جو کوئی نہ کوئی آپ پر سلام نہ عرض کرتا ہو، اس صورت میں استغراق برائے نام ہی رہا، بلکہ یوں کہو کہ در پردہ اس کا انکار کرنا پڑا، یہ شبہ ایسا ہے کہ اور مجیبوں کے جواب پر تو اس کا زوال مشکل ہے، ہاں بطور احقر البتہ اس کا جواب سہل ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ روح پر فتوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جب منبع اور اصل ارواح باقیہ منتہو ضاو ارواح مومنین امت ٹھہری تو جو نسا امتی آپ پر سلام عرض کرے گا اس کی طرف کا شعبہ لوٹے گا ارتداد جملہ شعب لازم نہیں، اور ظاہر ہے اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام معلوم تو ہو گا پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہو گا، آخر شعب غیر متناہیہ اور ہیں۔" الخ ص ۳۰۳

۳۔ ملائکہ سیاحین کی روایت فقط ابن حبان ہی کی نہیں صحاح میں بھی متعدد طرق سے موجود ہے۔[1] القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع (صلی اللہ علیہ وسلم)

[1]: دوسری حدیث ابن حبان کی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت اسی کام کیلئے مقرر کر رکھی ہے جو سیاحی کرتی رہتی ہے اور میری امت میں سے جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے اس سلام کو یہ فرشتے میرے پاس پہنچا دیتے ہیں،
بہر حال دونوں حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سلام کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مصنفہ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ میں روایت قوی نقل کی گئی ہے،

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں کہ جب میں مواجہہ شریفہ میں مزار اقدس پہ حاضر ہوا روح پر فتوح علیہ السلام کو عظیم الشان تموج میں پایا اور میں نے مشاہدہ کیا کہ زائرین صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کی طرف خصوصی طور پہ توجہ فرماتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں، اور اسی طرح پر ان لوگوں کی طرف خصوصی طور پہ توجہ ہوتی ہے جو کہ آپ کی مدح کرتے ہیں اور ان سے خوش ہوتے ہیں، میں نے دیکھا کہ روح پر فتوح کی موج نے تمام متصل مکان اور فضا کو بھر رکھا ہے۔ (انتہی مختصراً بالمعنی)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مزار مقدس کے پاس صلوٰۃ وسلام عرض کیا جاتا ہے تو روحانی سماع ہوتا ہے اور باعث جواب و دعا بنتا ہے، اور اگر امکنہ بعیدہ سے صلوٰۃ وسلام عرض کیا جاتا ہے تو ملائکہ سیاحین جو کہ اس خدمت کے لیے متعین ہیں پہنچاتے ہیں، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں اور جواب سے درود پڑھنے والے کو شرف حاصل ہوتا ہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۵) خود دیتے ہیں، مستدرک کی حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کی خدمت عالی میں سلام بوساطت ملائکہ پہنچتا ہے،

غرض یہ ہے کہ مواجہ رسول میں سلام پڑھا جائے یا قریب بعید مقام سے سلام پڑھا جائے وہ حضرت تک پہنچتا ہے ان دونوں حدیثوں میں مقام قرب بعد و مواقع سلام کی کوئی تخصیص نہیں ہے یعنی ہر مقام سے سلام پہنچتا ہے اور جب چاہے سلام بھیجنے والا بھیج سکتا ہے قیام وقعود کی بھی کوئی قید نہیں ہے، پھر اگر بوقت تذکرہ یا ذکر ولادت رسول اللہ صلعم قیام کر کے سلام پڑھنے والے سلام پڑھیں تو اس میں کیا نقص ہے؟ (حیدری)

نیز محمد بن عبد الباقی زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں اور سیوطی وجیز میں، امام بیہقی شعب میں، قاضی عیاض شفا میں اور ابن حجر اپنے فتاویٰ میں بھی ملائکہ سیاحین کی روایات کو درج کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے بعض طرق پر جید کا حکم دیا ہے، اور بیہقی نے بھی اس کے اور شواہد کو ظاہر کیا ہے، ہاں ابن عبد الہادی نے جس روایت پر کلام کیا ہے وہ ہے جس میں محمد بن مروان واقع ہے، وہ ضعیف ہے نہ کہ جملہ طرق، خوب سمجھ لیا جائے۔

(اصلاحی)

درود شریف پڑھنے کے لیے قیام وقعود کی کوئی تخصیص نہیں ہے، جیسے کہ اس کے لیے کسی وقت اور مکان کی تخصیص نہیں ہے۔ مگر جس طرح امکنہ نجسہ جو کہ مستوجب قلت مبالاۃ اور قلت ادب ہوں اس سے مستثنیٰ ہوں گے، اسی طرح وہ اوقات جو کہ موجب اسارۃ ادب وقلت مبالات ہوں وہ بھی اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ جیسے کہ فقہانے تصریح فرمایا ہے۔ فتح دکان کے وقت میں یا تاجر کے متاع خریدار پر پیش کرنے کے وقت میں درود شریف پڑھنا یا قعدہ اولیٰ میں بعد التحیات پڑھنا یا خطبہ پڑھتے وقت مقتدی وغیرہ کو ممنوع ہے۔ اسی طرح کوئی ایسی ہیئت جو کہ استخفاف اور قلت مبالاۃ یا کسی دیگر محظور کو مستلزم ہو ممنوع ہوگی، اس کی تفصیل شامی (رد المحتار حاشیہ درمختار لابن عابدین الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ) اور دیگر کتب میں موجود ہے۔

بہرحال مواجہ شریفہ میں درود شریف اور صلوٰۃ وسلام عرض کرنا فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے آداب زیارۃ میں کھڑے ہو کر ہی بتلایا ہے، اور سلف سے بھی یہی منقول ہے، دور سے کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنے میں بشرطیکہ کوئی محظور شرعی نہ ہو کوئی ممانعت نہ ہوگی، ہاں اگر تخصیص مطلق شرعی یا اطلاق مخصوص لازم آئے تو یقیناً اس کی ممانعت ہوگی، مثال ثانی کی درود شریف فی القعدۃ الآخیرۃ ہے اور مثال اول کی قیام فی المولد ہے۔

(الف) مجالس مولد قیام برائے صلوٰۃ وسلام ہونا خلاف واقع ہے، (کما مذکر) مگر اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس وقت یعنی ذکر ولادت شریفہ کی تخصیص کرنی یہ تخصیص مطلق ہوئی جو کہ بالاتفاق فقہاء درست نہیں۔

(ب) واقعہ یہ ہے کہ یہ قیام ذکر ولادت کے لیے کیا جاتا ہے جس میں عموماً پڑھنے والے اور سننے والے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال اور تعظیم بالقیام سمجھتے ہیں، اور اسی بنا پر اس کے مواقع سلام کیا گیا ہیں؟

تارک کو تارک تعظیم جناب سرور کائنات علیہ السلام سمجھتے اور کہتے ہیں، درود شریف کے پڑھنے کے لیے قیام کوئی نہیں سمجھتا۔ مولود برزنجی کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں،

اردو موالد میں پڑھا جاتا ہے ع "اٹھو بہر تعظیم آتے ہیں حضرت" اور بعضوں میں اس کے ہم معنی اشعار اور کلمات ہوتے ہیں، بنا بریں بہت سے عامی تو یہ سمجھتے ہیں کہ جناب سرور کائنات علیہ السلام خود مجلس مولود میں اس وقت تشریف لاتے ہیں اگرچہ ہم نہیں دیکھتے اس لیے تعظیماً کھڑا ہونا چاہیے، اور بہت سے وہ لوگ جو کہ اپنے آپ کو سمجھدار اور واقف سمجھتے ہیں، کہتے ہیں کہ جناب سرور کائنات علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا استحضار بالذکر ہوا ہے تو جبکہ آپ جناب والدہ ماجدہ کے بطن مبارک سے اس دنیا میں تشریف فرما ہوئے ہیں اس کا خیال آنے پر ہم کو آپ کی تعظیم بجا لانی چاہیے، یعنی وہ معاملہ کرنا چاہیے جو کہ آنے والے کے ساتھ کیا جاتا ہے، بہرحال یہ کہنا کہ آپ مجلس مولود میں تشریف لاتے ہیں یا یہ کہنا کہ صورۃ ولادت کا استحضار کرتے ہوئے کھڑے ہونا چاہیے، ہر دو میں تعظیم قادم ان لوگوں کے ذہن میں ہوتی ہے، اور قیام نہ کرنے والے کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہ کرنے کا مرتکب خیال کیا جاتا ہے، یہ کہیں نہیں سمجھا جاتا کہ یہ قیام درود شریف پڑھنے کیلیے ہے، یہ توجیہ القول بما لا یرضی عاملہ ہے، دونوں امور کی سخافت ظاہر ہے، یعنی ہر مجلس میلاد میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف ارزانی فرمانا کسی نص ضعیف یا قوی سے ثابت نہیں جس پر عقیدہ جمایا جائے اور معاملہ مناسبہ عمل میں لایا جائے، یہ امر اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے کہ استحضار صورت ولادت کیا جائے اور مولود کی تعظیم بجا لائی جائے، اس کی کوئی شریعت میں نظیر نہیں۔[1]

---

[1] قیام کے متعلق حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے جو فیصلہ دیا ہے وہی حق اور صحیح ہے، بات صاف ہے کہ ممنوع میں تعظیم و احترام کہاں سے پیدا ہو سکتا ہے، بلکہ ادب و تعظیم وہی افضل اور بہتر ہے جو محبوب کو پسند آئے جب قیام تعظیم یا اکرام کے مباح کی طرف بعض لوگ گئے ہیں اور حدیثوں کے مطلب میں دانستہ یا نادانستہ غلطی کی ہے سو وہ بھی قیام دست بستہ بشکل نماز نہیں ہے، بلکہ وہ قیام اکرام کے قائل ہوئے ہیں، اسلیے دونوں میں بڑا فرق ہے، سمجھ سے کام لینے کی بات ہے کہ ابو داؤد و ترمذی کی صحیح

(ج) یہ اگر جملہ عوارض سے قطع نظر کیجائے تو غایۃ ما فی الباب اباحت یا استحسان کہا جا سکتا ہے مگر ایسے امور پر نفس مداومت ہی شرعاً مکروہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہا تصریح فرما رہے ہیں کہ ان سورتوں پر عملاً مداومت کرنا جن کو کبھی کبھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نماز میں پڑھنا ثابت ہوتا ہے مکروہ ہے، چہ جائیکہ اس پر اس قدر تشدد کیا جائے کہ تارک قیام کی بے عزتی، گالی گلوچ، مارپیٹ وغیرہ کی نوبت آجائے، ان امور کے ہوتے ہوئے تو وہ اباحت و استحسان بھی مبدل بالکراہت بلکہ بالحرمت ہو جائے گا،

(د) ذکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذان میں، اقامت میں، تشہد میں، درود شریف میں مجالس وعظ میں، مجالس قرأۃ قرآن وغیرہ میں بار بار ہوتا رہتا ہے، مگر کہیں قیام نہیں کیا جاتا ہے یہ محض تاویلات رکیکہ ہیں کہ بوقت تذکرہ یا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام کرکے سلام بھیجنے والے سلام بھیجتے ہیں"، اصل بات وہی ہے جو نمبر ب میں ذکر ہوئی،

(ھ) آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام قیام تعظیمی کو اپنی زندگی میں اپنے لیے منع فرماتے ہیں، ترمذی وغیرہ کی روایت ہے عن انس رضی اللہ عنہ انہ قال ما کان احد احب الیھم من رسول

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۸) حدیث میں آچکا ہے کہ جس کو خوش لگے کہ لوگ اس کے واسطے تصویر کی طرح کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ ٹھہرا لیوے، یہی بات تھی کہ ملا علی قاری حنفی مرقاۃ میں رقمطراز ہیں وان اصحابہ ما کانوا یقومون تعظیماً لہ الخ یعنی صحابہ آپ کی تعظیم کو نہیں کھڑے ہوتے تھے، باوجود اس کے کہ آپ سردار خلق ہیں کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ آنحضرت صلعم ایسا کرنا پسند نہیں فرماتے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ ولادت کے وقت ملائکہ کھڑے ہوئے تھے۔ یا اور اسی طرح کی بے سروپا روایات کی نہ تو کوئی سند ہے اور نہ متن ہی محدثین کے اصول پر ثابت ہے اسی طرح کشف و الہام یا شہود یہ بھی محققین صوفیہ کے نزدیک حجت نہیں ہے حضرت سہروردی فرماتے ہیں ولا یتکلم بباطن فی علم ینقضہ علیہ ظاہر الکتاب او السنۃ یعنی اور کوئی پوشیدہ بات کسی علم کی ایسی نہ کہے کہ جس کے خلاف، یہ ظاہر کتاب و سنت کا نہ ہو، یہی قول جنید بغدادی سلیمان دارانی اور شیخ عبد القادر جیلانی رحمہم اللہ کا ہے۔ دوسری اصولی بات یاد رکھنی چاہیے کہ مسائل اعتقادیہ میں حدیث متواتر جو مفید علم یقینی ہوتی ہے پیش کرنا چاہیے، خبر احاد جو صحیح بھی ہو اس میں معتبر نہیں ہے۔ اور اسی طرح اصول میں طے ہو چکا ہے کہ حدیث ضعیف سے کوئی حکم نہیں ثابت ہوتا ہے، چہ جائیکہ اعتقاد۔ خوب سمجھ لیا جائے کیونکہ غلو اور تنقیص دونوں خطرناک ہیں،

(اصلاحی)

صلی اللہ علیہ وما کانوا یقومون لہ لما یعرفون من کراھیتہ لذالک[1] - (اوکما قال)

دوسری روایت میں ہے لا تقوموا لی کما یقوم الاعاجم لبعضہم[2] - ایک اور روایت میں ہے سرہ ان یمثل لہ فلتبوأ مقعدہ من النار[3] - ان روایتوں کی موجودگی میں تو ہم پر یہ بھی لازم ہو جاتا ہے کہ اگر بالفرض جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی تقدم میمنت لزوم کی نوبت آئے جب بھی قیام نہ کیا جائے، امتثال الحکم خیر من سلوک الادب مشہور مقالہ ہے، حضرات صحابہ کرام جو یقیناً افضل الامت ہیں انھوں نے ایسا عمل کیا حالانکہ وہ سچے عاشق تھے پھر اگر ہم اس میں کوتاہی کریں گے تو یقیناً خطا وار ہوں گے،

آپ کے شبہات کا جواب

(۱) صلوٰۃ وسلام علی النبی علیہ السلام تمام عمر میں ایک مرتبہ فرض[1] ہے، حسب ارشاد یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا - جبکہ کسی مجلس میں ذکر[2] جناب سرور کائنات علیہ السلام آئے تو ایک مرتبہ واجب ہے کہ صلوٰۃ وسلام زبان سے ادا کیا جائے، بشرطیکہ نماز یا خطبہ میں نہ ہو حسب ارشاد البخیل من ذکرت عندہ فلم یصل علی ومثلہ من الروایات العدایدۃ[3] - نماز میں بعد التحیات فی القعدۃ الاخیرہ سنت موکدہ ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے۔ دوسرے[4] اوقات میں مستحب ہے بعض اوقات میں مکروہ اور بعض میں حرام ہے تفصیل شامی میں ملاحظہ فرمایئے،

لہ حضرت انس کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم صحابہ کو سب سے زیادہ محبوب تھے باوجود اسکے صحابہ آپ کی تعظیم کیلئے نہیں اٹھتے تھے کہ آپ اسکو ناپسند فرماتے تھے ۲ے آنحضرت صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے لیے کھڑے نہ ہو اکرو جس طرح عجمی لوگ اپنے سرداروں کیلئے کھڑے ہوا کرتے ہیں ۳ے یہ بھی آپ ہی کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنی تعظیم کیلئے دوسروں کا کھڑا ہونا وغیرہ سے خوش ہو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے ۴ے آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ میرا نام جس کے سامنے لیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہیں بھیجا وہ بخیل ہے۔

(استفسارات) رسول اللہ صلعم کے دربار سے دور رہکر کیونکر سلام پڑھنا چاہیے، کھڑے ہو کر یا بیٹھکر؟ کیا سلام کے الفاظ متعین ہیں یا ہم بھی حسب ٹھکانے اپنی تخئیل سے عربی، فارسی اور اردو میں تیار کر کے سلام پڑھ سکتے ہیں؟ صحابہ کرام بھی مدینہ منورہ سے دور رہ کر سلام پڑھتے ہوں گے، حضرات کا کیا طریقہ عمل رہا ہے؟

(۲) ہر طرح جائز ہے بشرطیکہ کوئی محذور لازم نہ آئے۔ کما ذکرناہ سابقاً۔

(۳) متعین نہیں۔ انداز اور طرح جو کہ درجہ عدم جواز کو پہنچ جائے، نہ ہونا چاہیے، لا تطرونی کما اطرت الیہود والنصاری انبیاءھم۔ [له] اردو، فارسی وغیرہ میں ہو سکتا ہے۔

(۴) دوری کی صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالح ادب سے بیٹھا کرتے اور صلوٰۃ و سلام عرض کرتے تھے یا کھڑے ہو کر میری نظر سے اس کے متعلق کوئی خصوصی روایت نہیں گذری، اور نہ اس وقت یاد ہے۔ القول البدیع السخاوی رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ الہ آباد اور شفاء قاضی عیاض شرح شفاء لعلی القاری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

دیگر مسائل کے جوابات

(۱) تبلیغی سلسلہ کے جاری کرنے کا بیان پر ارادہ کرنا نہایت محمود امر ہے، مگر مسائل مختلفہ فیہا کو ابتداء میں لانا، مقصود بالذات قرار دینا حکمت کے خلاف ہے، اس وقت مسلمان عوام پر جہل اس قدر غالب ہو گیا ہے کہ وہ اساس اسلام و ایمان اور اصول دین سے ہی سخت غافل اور نادان ہو گئے ہیں، نماز اور جماعت کی پابندی فیصدی پندرہ یا بیس میں بمشکل پائی جائیگی عام مسلمان نماز پڑھنا ہی نہیں جانتے، بلکہ نیچے طبقہ والے خدا اور رسول کو بھی نہیں جانتے کلمہ طیبہ نہیں جانتے، توحید اور رسالت کیا ہے، اسلام کے اصول اور عقائد و فرائض کیا ہیں، تبلیغ میں الاہم فالاہم پر توجہ ضروری ہے، مسائل اختلافیہ کی بناء پر مخالف پارٹی کے لوگ پروپگنڈہ شروع کر کے عوام کو بدظن بنا دیتے ہیں، پھر امور متفقہ علیہا پر بھی موثر تبلیغ نہیں ہو سکتی، اس لیے نمازی بنانا اور اصول و عقائد اسلام و اہل سنت کو سمجھانا اولاً بالذات ضروری ہے، شرک سے نفرت دلاتے وقت عبادت اصنام و احجار و اشجار و حیوانات وغیرہ

له انحضرت کا ارشاد ہے کہ تم میری تعریف میں حد سے نہ بڑھ جاؤ جیسے یہود اور نصاریٰ انبیاء کی تعریف میں غلو سے کام لیا۔

کو جو کہ ہنود اور دیگر کفار کرتے ہیں اور جن میں ابناء وطن غیر مسلم قومیں مبتلا ہیں، ان کو نہ ذکر کیا جائے۔
اور عوام کو سمجھایا جائے، اس مقام پر قبور، تعزیہ وغیرہ کو صراحۃً نہ ذکر کیا جائے، جب نفرت عبادت غیر اللہ ان کے قلوب میں خوب راسخ ہو جائے، اور وہ مانوس ہو جائیں، اعمال مفروضہ کے عادی ہو جائیں تب ان کو آہستہ آہستہ ان شرور حالیہ سے بھی آگاہ کیا جائے، نماز کی وہ اسکیم جس کو میں نے متعدد خطوط میں ذکر کیا ہے، جاری کرنا ازبس ضروری ہے، ہر ممبر اس کا پابند ہو کہ وہ کم از کم دس آدمیوں کو خواہ مرد ہوں یا عورتیں نماز سکھلائیگا اور اس کا پابند بنائے گا، وعظ و نصائح میں ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جو عام فہم ہوں، لعن طعن تشنیع وغیرہ سے احتراز کیا جائے۔

تعلیم یافتہ طبقہ بالکل دہریت اور الحاد میں مبتلا ہو جاتا ہے، بقول ڈبلو ڈبلو ہنٹر ہماری اسکولوں اور کالجوں سے تعلیم یافتہ کوئی نوجوان خواہ ہندو یا مسلمان ایسا نہیں ہے جس نے اپنے بزرگوں کے عقیدوں کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو، ان کو فرداً فرداً اور جماعۃً جماعۃً سمجھانا اور درست کرنا ضروری ہے، اگرچہ ان میں وہ مادہ قبولیت نہیں ہے، جو عوام میں ہے۔ ان کی تفہیم میں وہ زبان اور وہ طرز مناسب ہوگا جس کے یہ عادی ہیں۔ ان کو اعلیٰ درجہ کی اردو میں خطاب کیا جا سکتا ہے، افسوس یہ ہے کہ علماء نے عوام کے پاس جانا اور ان میں خلط ملط پیدا کر کے ان کی اصلاح کرنا تقریباً بالکل ہی چھوڑ دیا ہے، اور اسی طرح پر تعلیم یافتہ بالخصوص نوجوان طبقہ کو بھی ....
.... بالکل چھوڑ ہی دیا ہے، یہ بالکل غلط ہے، کسی زمانہ میں کفر و نفاق وغیرہ کے الفاظ سے دہشت پیدا کی جاتی تھی، مگر آج وہ موثر نہیں ہے، جدوجہد سمجھ بوجھ کر کرنی چاہیے، ایک مدرس کالج ہونے کی حیثیت سے آپ کا دائرہ وسیع اور سود مند ہے، اس سے نفع اٹھائیے اور ضائع نہ ہونے دیجئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ۲۰ر شعبان ۱۳۶۶ھ سہ شنبہ

مکتوب نمبر ۸۰

آپ نے ۱۷ جنوری والا آرڈی نس نہیں بھیجا، حالانکہ جمعہ کی تحریر میں وعدہ فرمایا تھا کہ اگلی مرتبہ قاصد کے ہاتھ بھیجوں گا۔

حسب ارشاد اخبار مرسل ہیں، مدینہ اخبار تو شاید آپ کے پاس براہ راست آتا ہے۔ اس لیے ارسال نہیں کرتا ہوں، اگر نہ آتا ہو تو اس کے پرچے بھی ارسال کروں۔ لیگی حضرات مساجد کو اپنی جولانگاہ بنانے میں انشاء اللہ کامیاب نہ ہوں گے، کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض ایسا ہوا بھی تو پھر مسلم قوم کی بے راہ روی کا علاج ہی کیا ہے۔ آپ نے مدینہ ۵ صفر کے صفحہ ۲ کے مضمون جس کی سرخی

"مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس۔ ایک عینی گواہ کے قلم سے"

ہے دیکھا ہوگا۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ جس صوبہ میں ۷۵ فیصدی سے زیادہ مسلمان بستے ہوں اور وہ لوگ بہ نسبت دوسرے صوبوں کے بہت زیادہ مذہبی شمار ہوتے ہوں جبکہ وہاں کے مسلمانوں کی یہ انقلابی مذہبی حالت ہو گئی ہے تو کیا امید کیجا سکتی ہے۔ اس الحاد اور بے دینی کی کوئی حد بھی ہے۔ جمعیۃ علماء اس طوفان اور شورش میں کیا کر سکتی ہے، اور خود علماء کس حال میں ہو گئے ہیں۔ کیا آپ کی نظر سے یہ نہیں گذرا کہ اسی پنڈال میں لیگ کے اجلاس کے بعد علماء کا اجلاس ہوا۔ اور برچونڈی شریف کے پیر صاحب نے صدارت فرمائی، مولانا جمال صاحب صاحبزادہ مولانا عبد الباری صاحب مرحوم فرنگی محلی اور مولانا عبد الحامد صاحب بدایونی اور بہت سے حضرات ان دونوں میں ان تمام اجلاسوں میں شریک رہے، جب حالت اس درجہ بدل گئی ہو کہ مسلم عوام، ارباب طریقت، ارباب شریعت سب کے سب اس سیلاب کے شکار ہوتے ہوئے

دین اور احکام دین سے برگشتہ ہوتے جا رہے ہیں، تو جمعیۃ کے مٹھی بھر آدمی اپنی خستہ حالی کے ساتھ کیا کر سکیں گے۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

آپ کو معلوم ہے کہ جمعیۃ کے بھی اکثر سرگرم ارکان جیلوں میں بند ہیں، جو لوگ باہر ہیں وہ ڈیفنس کے آرڈیننسوں سے خائف ہیں، یہ ایسا ہتھیار ہے کہ جس کی نہ داد ہے نہ فریاد جس کو چاہا دھر لیا، اول تو علماء میں عموماً احساس ہی نہیں اور جن کو کچھ ہے بھی وہ اپنی اپنی جگہ پر ہراساں اور مثل بید لرزاں ہیں، پھر کس طرح بنے ؂

بنے کیونکر کہ ہے ہر بات الٹی ہم الٹے یار الٹا بات الٹی

آپ نے خود دیہات کے عوام کی حالت بچشم خود دیکھی کیا اس کی ذمہ داری سے علماء بری ہو سکتے ہیں، روایت میں فرمایا گیا ہے کہ آج فوجاً فوجاً لوگ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، پھر ایک زمانہ آئے گا کہ فوجاً فوجاً لوگ اسلام سے خارج ہوں گے۔ فطوبیٰ للغرباء کیا اس کی شہادت نہیں دیتا ہے، جس طرح ابتداء میں اسلام اپرا اور منکر تھا (بدأ الاسلام غریباً) اسی طرح اس زمانہ میں غریب ہوتا جا رہا ہے (وسیعود غریباً) ان لیگیوں کی اسلامیت کیا مصطفےٰ کمال[1] کی سی صرف نام کی اسلامیت نہیں ہے فالی اللہ المشتکی۔ مولانا ان شکستہ حال اور گرے

[1] ممکن ہے ہم ان نقروں سے یورپ زدہ اشخاص کو اور ان کو تکلیف ہو جو یورپ کے اسباب عروج و اسباب تنزل اور اسلام کے عروج و زوال کی علت میں فرق کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔ اگر اتاترک نے قرآن اور سیرت محمدی کا مطالعہ کیا ہوتا اور ترکی قوم پرستی کے بجائے اسلامی آئیڈیالوجی کی بنیاد پر ترکی جدید کی تعمیر کی ہوتی اور ان کو اگر معلوم ہوتا کہ ایک محدود قومیت کی طاقت اور ایک عالمگیر تبلیغی مسلک کی طاقت میں کتنا عظیم فرق ہے تو وہ اپنی قوم کو پولینڈ، ہالینڈ اور بلجیم کی سی پوزیشن میں چھوڑ کر نہ جاتے۔ بلکہ روسی اشتراکیت سے بیس گنی زیادہ زبردست طاقت

ہوئے مسلمان ادنیٰ طبقہ اور متوسط کو تو سنبھالا جا سکتا ہے۔ مگر تعلیم یافتہ (انگریزی خوان و ارباب دول) مسلمانوں کو تو پہلے بھی مشکل تھا اور اب تو تقریباً محال ہو گیا ہے۔ میں ۵ صفر والے پرچہ کو اس بنا پر کہ شاید آپ نے دیکھا نہ ہو، بھیج رہا ہوں۔ اس کو واپس کر دیجئے تاکہ محفوظ رکھوں۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۴) کے ساتھ چھوڑ کر جاتے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ مصطفےٰ کمال نے اسلامی قانون ترکی قلمرو سے ایک قلم منسوخ کر کے جرمنی کا تجارتی قانون، اٹلی کا فوجداری قانون، اور سوئٹزرلینڈ کا دیوانی قانون جاری کیا، وراثت میں مردوں عورتوں کو مساوی قرار دیا، تعدد ازدواج کو قانوناً ممنوع ٹھہرایا، پردہ کا کلی استیصال کیا، اپنا اور اپنے ساتھیوں کا بت بنوا کر انقرہ، سمرنا اور قسطنطنیہ میں شاہراہوں پر نصب کرائے، وغیرہ کو اگر ان کے مسلمان ہونے کی شہادت میں پیش کیا جائے تو کیا خلاف ہوگا؟ بلاشبہ اتاترک ایک اچھا جنرل تھا، قیادت کی بعض صلاحیتیں بھی اس میں پائی جاتی تھیں، سیاسی تدبر بھی ایک حد تک اس میں موجود تھا، اس کی رہنمائی میں ایک شکست خوردہ قوم تباہی سے بچ گئی اور اس نے اپنے قومی وطن کو پھر سے ایک آزاد سلطنت بنا لیا، مرحوم کمال پاشا کا یہ کمال ہر آئینہ مستحق تبریک و مبارکباد ہے کہ صدیوں سے جو مرعوبیت یورپ والوں کی ترکی کے دلوں میں چھائی ہوئی تھی رخصت ہو گئی، جو اتاترک کا اہم کارنامہ ہے، اسی کے ساتھ بانی پاکستان اور لیگیوں کی اسلامیت، خیالات، اصول، طریقے سب ہی چیزیں یہ غریب یورپ سے مانگ کر لائے ہیں، کیونکہ ان کے مفلس دماغ کا اختراع صرف اسی قدر تھا کہ جو ملکی حقوق اور عہدے ہندوؤں نے حاصل کیے ہیں اس میں اور مسلمانوں کا حصہ معین کر دیا جائے، یہ حقیقی پالٹکس نہ تھی بلکہ حقیقی پالٹکس گورنمنٹ سے رعایا کے مطالبہ کا نام ہے، یعنی پالٹکس گورنمنٹ اور رعایا کے باہمی مطالبہ جات کا نام ہے، نہ یہ کہ رعایا کے باہمی تنازعات اور حقوق طلبی کا اس نازک فرق اور بنیادی چیز کو نظر انداز کرنے کے معنی یہی تھے کہ لیگ کا اولین سنگ بنیاد دشمنہ کا ذریعہ دشمن ہو گیا، سوچنے کی بات تھی کہ اگر ہماری پالٹکس دراصل صحیح پالٹکس ہوتی تو جد وجہد اور ایثار و خود فراموشی کے جذبات خود بخود پیدا ہو جاتے لیکن ہمارے کالجوں سے نکلے ہوئے تمام صاحب بہادروں کا عجیب الخلقت گروہ کے نظام فکر اور اس کے اساسی قانون سے بغاوت ہی ایک دوسرے نظام فکر و قانون حیات کو علانیہ قبول کر لیا۔ انا للہ الخ۔ پاکستان بننے سے پہلے

(الف) حالت جنابت میں استطراق مسجد کے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر ائمہ سب کے لیے[۵۵ج] قائل ہیں ان کا استدلال آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا الآیۃ (اے ایمان والو نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ اس وقت کہ غسل کی حاجت ہو مگر راہ چلتے ہوئے یہاں تک کہ غسل کرلو) سے ہے، یہ حضرات جمع بین الحقیقۃ والمجاز کے قائل ہیں، بطور صنعۃ استخدام صلوٰۃ سے اول میں حقیقۃً نماز اور ثانی میں موضع صلوٰۃ یعنی مسجد مراد لیتے ہیں اور عابری سبیل سے استطراق یعنی حقیقی معنی مراد لیتے ہیں،

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ چونکہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز کے مانع ہیں صلوٰۃ کو ہر دو امور میں حقیقت پر حمل کرتے ہیں اور عبور سبیل کو سفر پر حمل کرتے ہیں اور حالت سفر میں بغیر غسل تیمم سے نماز کی اجازت دیتے ہیں اس لیے کہ عدم وجدان ماء سفر میں عذر ہے حضر میں نہیں ہے، کیونکہ یہ چیز حضر میں عموماً نہیں پائی جاتی،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۵) جو کچھ ہوا اور اب جو پاکستان میں اسلام کے نام پر ہو رہا ہے اور مجھ کو ہاتھی ثابت کیا جا رہا ہے وہ دنیا دیکھ رہی ہے۔ اتاترک مرحوم نے تو ترکی کے دل سے یورپ کے خوف کو دور کر دیا اور ان کا مقابل بنا دیا، مگر قائد اعظم نے ہندی لیگیوں پر ہندوؤں کا بھوت اور ان کا خوف مرتے دم تک کے لیے سر پر سوار کر دیا، اور پاکستان انگریزوں کی خواہش پر بنا کر ان کی سرپرستی قبول و منظور کر لی، اس لیے ترک قوم و ملک میں اور پاکستان میں نمایاں فرق ہے، ہماری دعا ہے کہ اسلام کے نام پر پاکستان بنانے والوں کو توفیق ہو جائے کہ وہ اسلام کے نام کو جو ان کی وجہ سے بدنام ہو رہا ہے اونچا کر دیں۔ (ص) (اصلاحی)

[۵۵] عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی یا علی لا یحل لاحد یجنب فی ھذا المسجد غیری وغیرک قال علی بن المنذر فقلت لضرار بن صرد ما معنی ھذا الحدیث قال لا یحل لاحد یستطرقہ جنبا غیری وغیرک رواہ الترمذی

بحالت جنابت آنحضرت صلعم و حضرت علی کرم اللہ وجہہ دخول مسجد میں کیوں مستثنیٰ ہیں حالانکہ بشریت سے خارج نہیں ہیں؟

دوسری توجیہ حنفیہ کے یہاں عبور سبیل کی مخصوص اُس حالت کے ساتھ ہے کہ کسی کو مسجد ہی میں جنابت بالاحتلام عارض ہو گئی اس کو بالتیمم اور بعض ائمہ (غالباً بخاری بھی ان ہی میں سے ہیں) بغیر تیمم اسی آیت سے عبور سبیل اور خروج عن المسجد کی اجازت دیتے ہیں، بہرحال جنب کے لیے استطراق مسجد مطلقاً ممنوع ہی نہیں تاکہ اشکال کیا جائے، جو احادیث ممانعت پر دال ہیں وہ صراحتہً یا بالبعض مراداً دخول کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں، اور مسئولہ عنہا روایت استطراق پر دلالت کرتی ہے، اس لیے مخالفت اصل مذاہب نہ ہوگی، اس صورت میں اندروں کو منع کرنا حقیقت میں فتح ابواب الی المسجد سے کنایہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ نہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بلکہ جملہ ازواج کے حجرے سب کے دروازے مسجد ہی کی طرف تھے، اور علاوہ نماز کے جملہ امور مسلمین مسجد میں انجام پاتے تھے، مجلس قضا بھی یہیں ہوتی تھی، مجالس تعلیم ومشاورت بھی یہیں منعقد ہوتی تھی، اور دیگر امور متعلقہ بالامت یہاں ہی انجام پاتے تھے، اس لیے ہر وقت مسجد میں آمد ورفت کی ضرورت پڑتی تھی، اس لیے بخاری نے ابواب مسجد میں ان جملہ امور کے لیے ابواب منعقد کیے ہیں، بنا بریں علیہ آپ کے لیے ضروری تھا کہ مسجد ہی کی طرف دروازہ رکھیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بوقت مواخاۃ آپ نے اپنا حلیف اور اخ بنایا اور پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بعد از بدر نکاح کر دیا، اور ان کی آمد ورفت اور دوسری ضروریات متقضی تھیں کہ ان کا دروازہ بھی مسجد کی طرف ہی رکھا جائے، دوسرے لوگوں نے بھی اپنے اپنے دروازے مسجد کی طرف بنائے، اس حدیث میں ان کو ان دروازوں کے بند کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی علت فرمائی گئی ہے کہ دروازوں کا مسجد کی طرف رہنا مرور فی المسجد فی حالۃ الجنابت کو مستلزم ہے، اور یہ درست نہیں ہے، مگر چونکہ حسب قاعدہ الضرورات تبیح المحظورات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کے لیے ایسی ضرورتیں تھیں جن کی بنا پر اس کی اجازت دی جا سکتی ہے، اس لیے اور دوسرے دروازے بند کر دیے جائیں صرف یہ دروازے کھلے رہیں، اس کے بعد سب لوگوں نے اپنے اپنے دروازے دوسری طرف کھول لیے، مگر چونکہ نمازوں میں اور جماعات کے اوقات میں شرکت جماعت میں مشکلات حائل ہوئیں تو کھڑکیوں کی اجازت چاہی، چنانچہ ان کو اس کی اجازت دیدی گئی، کہ اس میں استطراق فی حالۃ الجنابت کی نوبت نہیں ہو سکتی تھی، پھر آخر میں ان خوخات کو بھی بند کروا دیا گیا اور صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خوخے کی اجازت دیگئی، جس سے ائمہ نے خلافت کی طرف اشارۃً استنباط کیا ہے،

مساجد کی تعظیم اور ان کو امتہان سے بچانے کا حکم بھی تدریجاً ہوا ہے، چنانچہ یہ روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے، حالت جنابت میں بالتیمم مرور کی اجازت اور خاص خاص احوال میں اجازت ائمہ نے مجموعہ احادیث سے جو کہ آخری استقرار حکم پر دلالت کرتی ہیں استنباط کیا ہے، واللہ اعلم

مسئلہ خلافت یزید پر آئندہ عرض کروں گا۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۸۸

اپنے سوالات کا جواب بغور پڑھیے۔

(مقدمہ اولیٰ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی

لہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل کیا غیر مستحسن نہیں ہے کہ انھوں نے یزید جیسے فاسق و فاجر کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا۔

روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں، اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تاریخ کو غلط کہنا ضروری ہے،

(مقدمہ ثانیہ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں صحاح میں خصوصی متعدد روایات موجود ہیں، مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا فرمانا اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا (اے اللہ تو معاویہ کو ہدایت یاب اور ہادی بنادے) یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ان کے تفقہ کا اقرار کرنا وغیرہ۔ اس لیے اگر تاریخ کوئی واقعہ ان روایات کے خلاف پیش کرے گی تو تاریخ کی تغلیط ضروری ہوگی،

(مقدمہ ثالثہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ معصوم نہیں ہیں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت سے ان کی روحانی اور قلبی اس قدر اصلاح ہوگئی ہے اور ان کی نسبت باطنیہ اس قدر قوی ہوگئی ہے کہ مابعد کے اولیاء اللہ سالہا سال کی ریاضتوں سے بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اجماع امت ہر ہر صحابی کی افضلیت کا بعد والوں پر ہے، اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں یا معاویہ (رضی اللہ عنہم) تو فرمایا کہ امیر معاویہ کے اس گھوڑے کی نتھنوں کی خاک جس پہ سوار ہوکر انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا ہے، عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے،

(مقدمہ رابعہ) معصوموں سے اگرچہ قصداً گناہ نہیں ہوسکتا، مگر غلط فہمی سے بسا اوقات ان سے بڑے سے بڑا گناہ ہوجاتا ہے، اگرچہ گناہ صورۃً ہی گناہ ہے، حقیقۃً نہیں ہے، حقیقت میں اس کو کوئی گناہ نہ کہا جائے گا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون رضی اللہ عنہ کی داڑھی اور سر پکڑ کر کھینچنا ایک پیغمبر کی اور وہ بھی بڑا بھائی سخت اہانت ہے، جو کہ دوسری جگہ میں کفر بلکہ شدید کفر ہے، مگر یہاں گناہ بھی نہیں شمار کیا گیا، محشر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبطی کے قتل کرنے

کی وجہ سے مقام شفاعت عامہ میں اقدام کرنے کی جھجک ہو گی، اگر یہ امراس وقت باعث خوف نہ ہوگا، حالانکہ وہ کافر تھا، ملک دار الحرب تھا، دشمن خدا و رسول کا ہم قوم اور رشتہ دار تھا، ظالمانہ طریقہ پر اسرائیلی پر غلبہ کرتا ہوا ستا رہا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا ارادہ بھی نہ کیا تھا، اور پھر اس کے بعد معافی مانگ لی اور معافی دیدی گئی۔ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ. قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ[۱] (سورہ قصص) مگر اس ذنب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استغفار بھی منقول نہیں، حضرت موسیٰ ؑ نے الواح کو پٹک دیا وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ (سورہ اعراف) کتاب اللہ کو پھینکنا اور پھر وہ کتاب اللہ جو خود کو دی گئی جس میں کوئی شبہ نہیں کس قدر بڑا گناہ ہے، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوئی مواخذہ نہیں ہوا، یقیناً یہ دونوں امور اس غلط فہمی پر مبنی ہیں جو ان کو حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی تھی، اور اس جوش نے یہ سب کچھ کرایا تھا، جو عشق خداوندی نے شرک کی حالت کے مشاہدہ سے پیدا کیا تھا، یہ جوش اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا جبکہ طور پر خبر دی گئی تھی فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِن بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ[۲] (سورہ طٰہٰ) اور قبطی کا قتل عصبیت نسلی پر مبنی تھا، اس لیے وہ خطرناک ہوا، اگر معصوم غلط فہمی میں مبتلا ہو کر بڑے بڑے امور کا مرتکب ہو سکتا ہے، تو غیر معصوم خواہ وہ کتنا ہی بڑی منقبت والا کیوں نہ ہو کیوں نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس غلط فہمی کی وجہ سے نبی اور کتاب اللہ کی اہانت اور ہتک پر مواخذہ نہیں ہوتا تو پھر حضرت علیؓ اور صاحبزادوںؓ سے جنگ و جدال پر کیا مواخذہ متروک نہیں ہو سکتا۔ اور اگر حضرت موسیٰؑ کا غصہ بھائی پر ان کی رشتہ داری اور قرابت قریبہ کے ہوتے ہوئے تیز ہو سکتا ہے تو بنی ہاشم اور حضرت علیؓ اور صاحبزادوں پر حضرت معاویہؓ کا غصہ کیوں نہیں تیز ہو سکتا

---

[۱] وہ بولا اے میرے رب ہم نے برا کیا اپنی جان کا سو بخش مجھ کو، پھر اس کو بخش دیا بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان
[۲] ہم نے تو بچلا دیا تیری قوم کو تیرے پیچھے اور بہکایا ان کو سامری نے۔

ہردو ابناء عم ہی تو ہیں۔

(مقدمہ خامسہ) ہم فرط عقیدت اہل بیت میں اکثر ہر دو کے مقامات اور اس زمانہ کے احوال سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں، مورخین بھی اس مقام میں اپنے فرائض میں کوتاہی کر بیٹھتے ہیں مندرجہ ذیل احوال پر نظر ڈالیں،

عبدمناف کے ۴ بیٹے ہیں، عبدشمسؓ، نوفلؓ، مطلبؓ، ہاشمؓ۔ عبدشمس نے قریش ہی کی لڑکی سے کثرت اولاد حاصل کی، بنی امیہ پھلے اور پھولے اور خاندان میں کثرت ہوئی۔ ہاشم کے کوئی اولاد کسی مکی عورت سے نہیں ہوئی ایک لڑکا نجاریہ عورت سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوا، اس کی صغرسنی ہی میں ہاشم کا انتقال ہوا، لڑکا ننہال میں پرورش پاتا ہے جب بڑا ہوتا ہے تو چچا یعنی مطلب اس کو مکہ میں لاتا ہے، وہ اونٹنی پر ردیف ہے۔ لوگ اس کو مطلب کا عبد سمجھ کر عبدالمطلب کہہ کر پکارنے لگتے ہیں، اس کا نام شیبۃ الحمد ہے، مگر اس نام کو کوئی نہیں جانتا، اس لڑکے کی پرورش وغیرہ کا تکفل چچا یعنی مطلب ہی کرتا ہے، (یعنی وہ اس زمانہ میں ہر طرح دست نگر چچا ہی کا ہے) لڑکا اگرچہ ہونہار ہے، اور وہ مجد اور شرافت طبعی اور اخلاقی ایسی رکھتا ہے کہ چچا اور اس کی اولاد نہایت محبت اور شفقت کرنے لگتے ہیں اور اس کی اخلاقی عظمت اجنبیوں کو بھی گرویدہ بناتی ہے (اور کیوں نہ ہو نور محمدی علیہ السلام اس کی پشت میں جلوہ ریز ہے) مگر یہ زمانہ فخر بالانساب اور فخر بالاحساب اور فخر بالمال اور فخر بالعز کا ہے، یہ لڑکا ہاشم کی نسل سے ہے، مگر ماں باہر کی، اس کے کوئی بھائی حقیقی جو کہ قوت بازو ہوتا موجود نہیں، مال جس کی وجہ سے عزت اور ناموری پیدا کرتا موجود نہیں، اس لیے اس کے لیے عزت کا سامان نہیں ہے ادھر اس کے اخلاق حمیدہ لوگوں کو کھینچتے ہیں، عوام میں اس کی عزت اور توقیر ہوتی ہے

اس صورت میں ابناءِ عم کو رشک پیدا ہونا طبعی امر ہے۔ اور ان کو یہ حسد لوگوں کے سامنے بھی اور اپنے قلب میں بھی حسب رواج زمانہ و ملک مجبور کرتا ہے کہ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھیں اور نسب کو ظاہر کریں۔

عبد المطلب بڑے ہوتے ہیں، تجارت کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں، خواب میں زمزم کو دیکھتے ہیں جس کو جرہم نے بند کر کے اس طرح معدوم النشان کر دیا تھا کہ پتہ بھی نہیں چلتا تھا حالانکہ یہ کنواں بنی اسماعیل علیہ السلام کا مایۂ فخر تھا، عبد المطلب خواب کے اشارہ کے موافق کنواں کھودنا چاہتے ہیں، ابناءِ عم مانع ہوتے ہیں، جس قدر بھی دلائل عقلیہ پیش کی جاتی ہیں سب اس رشک اور ظاہری قوت کے سامنے بیکار ہو جاتی ہیں، قلت عدد اور ضعف بالرجال آخر کار ناکامی کا منہ دکھاتی ہے۔ (آخر تو اس دنیا میں ہمیشہ قوت ہی سے لوہا منوایا گیا ہے، تہذیب اور تمدن عقل اور انسانیت کا مدعی یورپ آج کیا کر رہا ہے) اس زمانہ میں تو اس قوت کا بت جس قدر بھی رنگ لاتا کوئی تعجب خیز نہیں، عبد المطلب مجبور ہو کر خداوند کریم سے نذر کرتے ہیں کہ اگر میرے اس قدر اولاد ہو جائے جو کہ ان رقبا و حساد کا مقابلہ کرے تو میں ایک بیٹے کو تیرے واسطے ذبح کر دوں گا، اپنی اس قوت کے لیے ہر بڑے خاندان میں متعدد شادیاں کرتے ہیں، خداوند کریم اپنے فضل سے ان متعدد ازواج سے بہت سے اولاد ذکور و اناث دیتا ہے بیٹے جوان ہو جاتے ہیں، متعدد داماد ہو جاتے ہیں، خاندانوں میں مصاہرت کی وجہ سے قوی رشتہ داری قائم ہو جاتی ہے۔ اب بارہ نوجوان قوی ہیکل بیٹوں کو لیکر زمزم کھودنا چاہتے ہیں، پھر وہی ابناءِ عم مانع آتے ہیں، مگر اب عبد المطلب تن تنہا نہیں ہیں، ان کے ساتھ جاں نثار و کہ دیہ قوت قوی ہیکل جوان بیٹے ہیں جو شخص سامنے آئے اس کو موت کا پیالہ پلانے کے لیے

تیار ہیں، ایک ایک نفر سو سو کا مقابلہ کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا، ہمدرد بہت سے پیدا ہو چکے ہیں، عبدالمطلب کی عظمت کا سکہ بیٹھ چکا ہے، بالآخر عبدالمطلب اپنے بیٹوں وغیرہ کی امداد سے کنواں کھود ڈالتے ہیں، اور ابناء عم کو سخت ناکامی اور عاجزی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، کنویں کے ظاہر ہو جانے اور پرانی نشانیاں کے ہویدا ہونے سے عبدالمطلب کی عزت اور ناموری کو چار چاند لگ جاتے ہیں، سقایۃ الحاج ان ہی کا حصہ ہو جاتا ہے جس سے تمام عرب اور حجاج و عمار میں ان کا بے مثل وقار قائم ہو جاتا ہے، مگر یہ وقار اخلاقی ہے دوربین انصاف پسند عقلمند لوگ اس کی ضرور قدر کرتے ہیں، مگر ظاہر بین اشخاص جن کی ہر زمانہ اور بالخصوص اس زمانہ اور اس شہر اور ملک کی اکثریت ہے، وہ مادی ہی زر کے پوجاری ہیں، جو کہ ابناء عم یعنی بنی امیہ میں ہی ہے۔

پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور بنی ہاشم میں ہوتا ہے اور بنی المطلب پر ہوتا ہے، اس کے بیان کی حاجت نہیں، بالآخر خیف بنی کنانہ میں ہر قبیلوں کو تین سال تک قید اور نان کو پریشن کی مصائب جھیلنی پڑتی ہے، ابناء عم کی مادی طاقت میں اس قدر اضافہ ہو گیا ہے کہ قبائل عرب اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتے، مگر آسمانی طاقت بنی ہاشم کے ساتھ ہے بالآخر صلح اور نان کو اپریشن کو فیل کرنے کی نوبت آتی ہے، تاہم نہ اُن کی قلبی آتش رشک میں کمی آتی ہے اور نہ ان کی مادی طاقت میں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن تدبیر عمل میں لاتے ہیں، اُن صاحبزادیوں کو جن کو ابولہب نے اپنے بیٹوں سے طلاق دلوادی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یکے بعد دیگرے اور تیسری کی ابوالعاص بن الربیع رضؓ سے شادی کر دیتے ہیں جس سے بنی امیہ کی طاقت میں نیز ان کی رشک کی آگ میں کمی کی قوی امید ہے، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے

اُن کے بیوہ ہو جانے پر حبشہ میں نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس خط بھیجکر شادی کرتے ہیں، اس شادی کی خبر ابو سفیان کو جب پہنچتی ہے تو ان کی حمیت اور غضب کی آگ ایک درجہ تک ضرور ٹھنڈی پڑتی ہے، اور وہ کہنے لگتے ہیں کہ وہ یعنی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اہل ہیں۔ (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعداد ازواج کا سلسلہ متعدد حکمتیں رکھتا ہے جس میں سے ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے جس کو سیاسی مصلحت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ کی ازواج میں کوئی ہاشمیہ یا مطلبیہ یا انصاریہ عورت نہیں پائی جاتی، کیونکہ یہ قبائل تو آپ کے جاں نثار پہلے ہی سے تھے، ان سے علائق مودت و نصرت قائم کرنے اور ان کی آتش حسد کو بجھانے کی ضرورت ہی نہیں) آسمانی نصرت نے بالآخر تمام بنی اعمام کو آپ کے سامنے سر جھکانے اور بنی ہاشم کا لوہا ماننے پر مجبور کیا، مگر تاہم ان کی مادی طاقت کم نہیں ہوئی، حدیبیہ کے میدان میں صلح کا پیغام دینے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی بنا پر عمل میں لایا گیا جس کی تصریح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور یہی ہوا بھی۔ کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قریش کے مجمع میں پہنچتے ہیں، تو بنی عبد شمس اور بنی امیہ ان کے دائیں اور بائیں آکر ان کو ہاتھوں ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور انتہائی عزت کرتے ہیں، مخالفین اسلام جو مسلمانوں کے قتل اور توہین کے انتہائی پیاسے تھے ان کو گزند نہیں پہنچا سکتے۔ فتح مکہ میں حضرت عباس کی مبارک سعی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن تدبیر رنگ لاتی ہے، اور ابو سفیان مسلمان ہو کر وہ عزت ظاہری بھی حاصل کر لیتے ہیں، جس سے ان کا اور اُن کے خاندان بنی امیہ کا سر تمام قریش میں اونچا ہو جاتا ہے۔ آپ اعلان میں یہ کلمات فرما دیتے ہیں من دخل دار ابی سفیان فھو آمن (جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا امن پا گیا) ابو سفیان کو سفیر

بنا کر بھیجا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ بنی امیہ اگرچہ سر جھکانے پر مجبور ہو گئے ہیں، مگر ان کا وقار برباد نہیں کیا گیا، بلکہ زندہ ہی رکھا گیا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے یہاں حضرت معاویہ اور حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہما کا آنا جانا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے خلفاء کا احترام قائم و دائم ہے۔ اس رشتہ کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماموں اور صاحبزادوں حضرت حسین و حسن رضی اللہ عنہما کے نانا مانے جاتے ہیں، الغرض یہ خاندان نہ تو اسقدر اجنبی ہے جتنا ہم سمجھتے ہیں اور نہ اس قدر گرا ہوا ہے جتنا اہل تاریخ اور ابناء زمان ظاہر کرتے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان کی پالیسی صلہ رحمی کی اس قدر زور پکڑتی ہے کہ بنی امیہ تقریباً کامل عروج مادی حاصل کر لیتے ہیں، اور بنی امیہ کا جذبہ اعتلاء اور قوت اس قدر زور پکڑ لیتا ہے کہ وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ مسلمان کا اقتدار اور تحفظ اب صرف بنی امیہ ہی کر سکتے ہیں، اسی درمیان میں واقعہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پیش آ گیا۔
اہل فتنہ کے سردار حضرت علی کرم اللہ کے ربیب ہیں محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ جن کی وجہ سے یہ فتنہ پیش آیا، ان کی پرورش حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمائی تھی، اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نکاح میں تھیں، باوجودیکہ حضرت علی اور ان کے صاحبزادے اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم اس فتنہ سے بالکل علیحدہ تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سراسر حامی تھے، مگر مصالح وقتیہ وغیرہ کی وجہ سے نہ اہل فتنہ کو دفع کر سکے نہ اس کے بعد اپنے اقتدار اور بیعت کے بعد اہل فتنہ سے قصاص لے سکے، اس پر یہ عقیدہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قوی ہو جانا مستبعد نہیں ہے کہ نظام خلافت جو کہ مادی قوت کا بہت زیادہ محتاج ہے، بنی ہاشم سے نہیں ہو سکتا وہ اگرچہ تقویٰ اور صلاحیت کی حیثیت سے بہت بلند ہیں، مگر مادی اور حسن تدبیری میں اعلیٰ قابلیت

نہیں رکھتے ، اس کے بعد غزوہ جمل اور غزوہ نہروان وغیرہ ان کے نزدیک بہت بڑے شہود عدل ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے ہی لوگوں کو بھی سنبھال نہیں سکتے ، خلاصہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ یہ ہے کہ خلافت اور نظام اسلامی برقرار رکھنے اور ترقی دینے کے لیے مادی طاقت اولین شرط ہے ، اور اس میں آج صرف بنی امیہ تمام قریش میں واحد مرکز ہیں ، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور بنی ہاشم اور دیگر مسلمانوں کا نظریہ یہ ہے کہ اس کے یعنی خلافت اسلامیہ کے لیے اولین شرط تقویٰ اور خدا ترسی ہے ، اور اس کے واحد مرکز بنی ہاشم اور بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں ، یہ دونوں اجتہادی نظریے اپنا پھل پھول لاتے ہیں ، یقیناً ہمارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نظریہ صحیح ہے ، اور جمہور اسلام بھی یہی رائے رکھتے تھے ، مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظریہ کو بالکل غلط بھی نہیں کہا جاسکتا ، بہرحال صفین کا ناگوار واقعہ پیش آیا اور آخر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے صلح اور شرائط کی نوبت آئی جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے ،

اب اس کے بعد بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا جس میں اندرونی سازش حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تھی ، مگر اس کے لیے کوئی مستند ثبوت نہیں ہے ۔ اور نہ یہ امر ان نصوص کے موافق ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق قرآن اور احادیث صحیحہ میں وارد ہیں یا خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق وارد ہیں ، اس لیے اگر زہر کا واقعہ ثابت بھی ہو جائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سازش یقیناً غلط اور بے بنیاد ہے ،

دوسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یزید کی خلافت کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوشش فرمائی ، اور اس کو نامزد کیا اور لوگوں سے بیعت کا سامان کیا اور اسی امر کو آپ پوچھ رہے ہیں ، تو اس میں مندرجہ ذیل امور قابل لحاظ ہیں ،

(الف) اس کے متعلق آیا ایسی مستند تاریخی روایات موجود ہیں جن کو ان روایات صحیحہ اور نصوص قرآنیہ کے مقابل لایا جا سکے جو کہ علو شان صحابہ کرام پر دلالت کرتی ہیں۔ یقیناً ایسی روایات نہیں ہیں، اس لیے کیوں نہ کہا جائے کہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ خود یزید اور اسکے اعوان نے اس کے لیے کوشش کی۔ (یہ لوگ متقی نہ تھے اور ملوکیت پسند تھے) عام مسلمان اور بالخصوص اہل حجاز اس کے خلاف تھے،

(ب) اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہش یا سعی اس کے لیے ہوئی تھی تو جب کہ حسب شروط صلح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ ان کی وفات ہو چکی تھی، تو پھر اب ان عہود و مواثیق کی رعایت باقی ہی نہیں رہی تھی، جو کہ بحیثیت صلح ضروری تھیں۔ اب اپنے اجتہاد اور رائے پر عمل کرنا رہ گیا تھا، ان کی وہ رائے کہ مستحق خلافت وہ شخص قریشی ہو سکتا ہے جس میں مادی قوت اور حسن تدبیر ہو اور یہ امر آج بنی امیہ میں عموماً اور یزید میں خصوصاً موجود ہے، یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجے، اور جزائر بحر ابیض اور بلاد ہائے ایشیائے کوچک کے فتح کرنے حتی کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا، تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے، اس کے فسق و فجور کا علانیہ ظہور ان کے سامنے نہ ہوا تھا، اور خفیہ جو بد اعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی، ایک وہ شخص جو کہ فقیہ فی الاسلام ہے حسب دعوات مستجابہ ہادی اور مہدی ہے۔ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا کا مصداق اور وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ کا مظہر، كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اور اصحابی کالنجوم الحدیث[1] اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوہم من بعدی غرضاً وغیرہ

[1] میرے صحابہ کے متعلق اللہ سے ڈرو اور میرے بعد انکو نشانہ نہ بنانا۔

احادیث وآیات کا مورد ہے، کیا وہ کسی مجاہر بالفسق والعصیان کو عالم اسلامی کی رقاب اور اموا وغیرہ کا ذمہ دار کر سکتا ہے،

بخاری شریف کی بعض روایات سے کچھ اس نامزدگی کے اشارات معلوم ہوتے ہیں، مگر ان میں تصریح نہیں ہے، صرف رغبت اور پروپگنڈا مفہوم ہوتا ہے، پھر یہ بھی تصریح نہیں ہے کہ یہ پروپگنڈا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امر اور اطلاع سے ہو رہا تھا،

(ج) اگر بالفرض یہ امور تسلیم بھی کر لیے جائیں تو غایۃ ما فی الباب ایک خطا کا ارتکاب معلوم ہوتا ہے، جو کہ انسانی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری ہے، جس سے کوئی مقرب یا ولی خالی نہیں ہو سکتا، نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ان سے معصوم ہیں، اس کمزوری کا مرکز نہ صرف محبت اولاد ہے بلکہ یہ تجربہ اور ظن قوی بھی ہے کہ امت مسلمہ کے اس وسیع احاطہ کو بجز ایسی قاہر ہستی اور ایسے منتظم اور مادی قوت والے شخص کے موجودہ قریش میں سے کوئی سنبھال نہیں سکتا تھا، بنی ہاشم اور دیگر اشخاص میں اگرچہ ایسی بے مثال ہستیاں موجود ہیں جو کہ تقویٰ اور خشیۃ الٰہی کے آفتاب ہیں، مگر یہ امر اتنے بڑے مہم امر کے لیے کافی نہیں ہے، ورنہ سفک دما اور اضاعۃ اموال اور فساد فی الارض پیدا ہوگا، اس لیے اہون البلیتین کو اختیار کرنا لازم ہے، ادھر تنافس خانگی بھی رنگ لاتا ہے،

بہر حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق حسن ظن جس کے لیے نصوص متعددہ وارد ہیں کسی حال میں چھوڑا نہیں جا سکتا، خونریزی کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں ہیں، واللہ اعلم بالسرائر۔

قوم طہر اللہ سیوفنا عن دماءھم فلنطہر السنتنا عن اعراضہم۔[1] حضرت علیؓ

---

[1] غالباً یہ مکیمانہ تذکرہ حضرت عمر بن عبد العزیز کا ہے کہ جب قوم کے خون سے ہماری تلواریں پاک ہیں تو ہم اپنی زبانوں کو ان کے بارے میں کیوں آلودہ کریں۔ (اصلاحی)

فرماتے ہیں وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ الآیۃ کے مصداق میں اور معاویہ ہوں۔ غور فرمایئے۔

اس تحریر میں طول زیادہ ہوگیا ہے، مگر انشاء اللہ بہت سے امور میں مفید ہوگی، اس کو بغور ملاحظہ کرنے کے بعد جو جو تنقیدات آپ کے خیال میں آئیں ان سے ضرور مطلع فرمائیں، میرے پاس اس وقت کتابیں نہیں ہیں اپنی ناقص محفوظات اور ناقص علم کی بناپر عرض کر رہا ہوں،

والسلام ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۔ ۲۳ر جنوری سنہ ۴۲ء

مکتوب نمبر ۸۹

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب نے ان امور میں جن کو میں نے دربارہ حضرت امیر معاویہ رضؓ اور یزید کے نامزد کرنے کے کہا تھا، بخوبی غور نہیں فرمایا، جو اشکال آپ نے ظاہر فرمائے ہیں، وہ اسی بناپر ہیں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ قاسم العلوم نمبر ۴ صفحہ ۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں:

"تا وقتیکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پلید را ولیعہد خود کردند فاسق معلن نبود اگر چیزے کردہ باشد در پردہ کردہ باشد کہ حضرت امیر معاویہ رضؓ را ازان خبر نبود۔ علاوہ برین حسن تدبیر در جہاد انچہ کرد ازو مشہور شد مشہور است در بیت ام ملحانؓ رضی اللہ عنہا آنحضرت رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین یکبار دو بار خفتند و بیدار شدند ہر بار خندیدند و در وجہ خندہ فرمودند کہ جماعتے از امتیان خود را دیدہ ام کہ در دریا جہاد

جس وقت حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولیعہد کیا تھا اس کا فسق ظاہر نہ تھا، اگر کچھ کیا ہوگا تو در پردہ جس کی خبر امیر معاویہؓ کو نہ تھی۔ اس کے علاوہ جہاد میں ان سے حسن تدبیر کا مشاہدہ ہونا۔ چنانچہ ام ملحانؓ کے گھر میں آنحضرت صلعم کا دو مرتبہ سونا اور جاگنا اور ہر مرتبہ ہنسنا مشہور بات ہے۔ آپ نے ہنسنے کی وجہ بیان فرمائی کہ میں نے اپنی امت کی ایک جماعت کو دیکھا ہے کہ وہ دریا میں جہاد کر رہی ہے، جن کے متعلق کہا گیا ہے

می کنند و در شان او شان فرموده اند صلوٰۃ علی
الاسرۃ و مثل الملوک علی الاسرۃ. مصداق
خواب ثانی ہمین یزید و ہمراہیانش برآمدند. چنانچہ بر
تاریخ دانان و حدیث خوانان پوشیدہ نیست. غایۃ
مافی الباب بسبب خرابیہاے پنہانی کہ داشتند بچو
منافقان کہ در بیعۃ الرضوان شریک بودند بوجہ
نفاق رضوان اللہ نصیب او شان نشد یزید ہم
از فضائل این بشارت محروم ماند. و آن طرف
مذہب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ در باب خلافت
آن بود کہ ہر کرا سلیقہ انتظام مملکت زاید از دیگران
باشد گو افضل از و باشند افضل است از دیگران.
نظر برین او را افضل از دیگران دانستند و اگر
افضل ندانستند پس بیش ازین نیست کہ ترک
افضل کردند. چنانچہ در مقدمات سابقہ واضح شدہ کہ
استخلاف افضل افضل است نہ واجب لیکن این
قدر گناہ نتوان گفت کہ بسبب شتم امیر معاویہ رض
پیش آئیم. و این طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
ہم از اجلہ صحابہ می شماریم. کہ بنسبت ترک
افضل و اولی ہم درین چنین امور معذور می دانیم.

صلوٰۃ علی الاسرۃ و مثل الملوک علی الاسرۃ
اس دوسرے خواب کا مصداق یزید اور اس کے
ساتھی ہی نکلے۔ جیسا کہ تاریخ جاننے والوں
اور احادیث کے پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔
نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح بیعۃ الرضوان میں منافقین شریک
ہوئے اور نفاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی
سے محروم ہوگئے، یزید بھی اپنی اندرونی خرابیوں
کی وجہ سے اس بشارت کی فضیلت سے محروم ہوگیا
اور ادھر امیر معاویہ رض کا مذہب خلافت کے بارے
میں یہ تھا کہ جو شخص بادشاہت کرنے کا سلیقہ دوسروں
سے زیادہ رکھتا ہو، اگرچہ اس سے بہتر لوگ موجود ہوں
مگر ترجیح اسی کو ہوگی، اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے
یزید کو دوسروں سے بہتر جانا یا اگر بہتر نہیں سمجھا تو
اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ افضل کو ترک کردیا،
جیسا کہ مقدمات سابقہ سے واضح ہوچکا ہے کہ استخلاف
افضل صرف افضل ہے نہ کہ واجب لیکن اتنا بھی نہیں کہہ سکتے
کہ سب و شتم کے ساتھ امیر معاویہ رض سے پیش آیا جائے
ان امیر معاویہ رض کو ہم اجلہ صحابہ میں شمار کریں گے۔
بلکہ اولیٰ اور افضل کو چھوڑ دینے کی وجہ سے اس طرح کے
امور میں ان کو معذور سمجھیں گے۔

ہاں پس از انتقال اوشان یزید پائے خود از شکم
برآورد و دل بکام دوست بجام سپرد اعلان نمود
ترک صلوٰۃ داد بحکم بعض مقدمات سابقہ قابل عزل
گردید و ایں قسم تحول احوال گفتہ آمدہ ام کہ ممکن است
محال نیست مگر دریں وقت رائے اہل الرائے
و تدبیر مختلف افتاد کسے را کہ اندیشہ فتنہ و فساد غالب
افتاد ناچار دست بہ بیعت کشاد و احتراز عن المعصیۃ
شرط اتباع معروف درمیان نہاد۔ و آں را کہ بعون
یک جماعت کثیرہ مثلاً امید غلبہ و رجاء شوکت بنظر
آمد حسبۃً للہ برخاست و تہیہ کارزار ساخت
پس ہرچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ و امثال
اوشان کردند بجا کردند و آنچہ حضرت سید الشہداء ر
نمودند عین حق و صواب نمودند۔ بناء ایں اختلاف
بر اختلاف امید است نہ بر اختلاف در جواز اصل
فعل و عدم جواز آن مگر انجام کار بوجہ نقض عہد
کوفیان تدبیر حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ بر
نشانہ ننشست در روز عاشورا قیامت قبل از
قیامت در میدان کربلا برخاست انا للہ و انا الیہ راجعون
بر ہمیں کارنامہ نقطہ حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ

البتہ امیر معاویہ کے انتقال کے بعد یزید نے ہاتھ پیر پھیلائے
اور دل و جان سے برائی میں لگ گیا، برائی کا اعلان
شروع کر دیا، نماز چھوڑ دی پس بعض مقدمات گزشتہ کی
بنا پر عزل کر دینے کے لائق ہو گیا، حالات میں اس طرح کا
الٹ پھیر جیسا کہ میں نے کہا ہے ممکن ہے محال نہیں ہے، شاید
اس وقت ارباب حل و عقد کی رائیں اور تدبیریں مختلف ہو گئیں،
کسی پر فتنہ و فساد کا غلبہ ہو گیا مجبوراً بیعت قبول کر لی اور
گناہ سے بچنے کے لیے اتباع معروف کو بطور شرط مد نظر رکھا،
اور جس کو ایک جماعت کثیرہ کے وعدوں پر کامیابی اور دبدبہ
کی امید دکھائی دی خدا کے بھروسہ پر تیار ہو گیا اور لڑنے کا
فیصلہ کر لیا، لہٰذا جو کچھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور آپ کی طرح
دوسروں نے کیا ٹھیک کیا، اور اسی طرح سید الشہداء نے
جو کچھ کیا بالکل ٹھیک اور درست کیا۔ اس اختلاف کی بنیاد
امیدوں کے اختلاف پر ہے، نہ کہ اصل فعل کے جائز و ناجائز
کی بنا پر اختلاف ہوا ہے۔ مگر اہل کوفہ کی غداری کی وجہ سے
حضرت امام حسینؓ کی تدبیر کارگر نہ ہوئی، اور عاشورا کے
دن میدان کربلا کے اندر قیامت سے پہلے ایک
قیامت قائم ہو گئی۔ انا للہ الخ
اس طرح کے کاموں میں ایسی باتیں فقط سید الشہداءؓ

یا پیش آمد در جہاد این چنین اکثر پیش می آید واقعہ احد
وحنین شنیدہ باشی پس چناں کہ شہیدان احد وحنین
ہر دو شہادت رسیدہ اند واتیان بر بعی گار خطائے
در فضائل ادشان را نیافت ہمچنین شہیداں کربلا را باید فہمید
و این وقتے ست کہ مجرد استخلاف امیر معاویہؓ
یا بیعت مردم یا تسلط او خلافتش را عام و شامل شمارند
و اگر باین قدر کہ بو قوع آمد فقط بانعقاد مطلق خلافت
او قائل شویم و عموم و شمول خلافتش را تسلیم نکنیم و گوئیم کہ
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ و اتباع اوشان از
ربقۂ اطاعت او ہنوز خارج بودند حالت عزل
ہیچ نیست و اوشان را در خروج بر محذور سے نے
و این فرق انعقاد مطلق عموم انعقاد ہر چند
امروز کم فہمان نفہمند مگر بہ تتبع معاملات سابقین واضح
است کہ بیعت ہر کس را از اہل حل و عقد فقط موجب
اطاعت در حق او در حق خدام اوی شمر دند ورنہ
حاجت بیعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ و اہتمام
بداں بر دست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چہ بود و
ہمچنیں یزید بعد بیعت اہل شام و دیگر اہل حل و عقد
خواست کہ بیعت از حضرت حسین و عبد الرحمن

ہی کہ پیش نہیں آئی ہیں. بلکہ جہادوں میں اکثر آیا کیے ہیں
مثلاً واقعہ احد وحنین کو سنا ہی گیا ہے پس جس طرح شہدائے
احد وحنین شہادت کے مرتبہ پر پہنچے اور ان پر دو واقعات میں کچھ
کمزوری ہوجانے کی وجہ سے انکے فضائل میں خلل نہیں پڑا اسی طرح
اور یہ اس وقت ہے کہ صرف استخلاف امیر معاویہؓ
یا لوگوں کا بیعت کرلینا یا انکا تسلط ہوجانا وغیرہ کو جب
انکی خلافت عام اور سب کو شامل شمار کریں اور اگر اسکے
ایسا ہی کہ جو ہوا تو صرف انکے خلافت کے مطلقاً منعقد ہونے
کے ہم قائل ہونگے اور انکی خلافت کے عموم وشمول کے قائل ہونگے
اور ہم صاف کہدینگے کہ حضرت امام حسینؓ اور انکے اتباع وانصار
امیر معاویہؓ کی اطاعت کی زنجیر سے ہنوز خارج تھے معذولی کی
اگرچہ ناسمجھ لوگ انعقاد مطلق اور عموم انعقاد کے فرق کو
نہیں سمجھتے پس گذشتہ واقعات کے تتبع سے یہ بات واضح ہوجاتی
ہے کہ ارباب حل وعقد میں کہ ہر ایک کا بیعت کرلینا صرف اسکے
حق میں اور اسکے ماتحتوں کے حق میں اطاعت کا سبب شمار
کرتے ہیں ورنہ پھر حضرت ابوبکرؓ کے دست مبارک پر حضرت علیؓ
کے بیعت کرلینے کے اہتمام کی کیا ضرورت تھی. اسی طرح یزید
بھی اہل شام اور ارباب حل وعقد کے بیعت کرلینے کے
بعد حضرت حسینؓ وعبد الرحمنؓ بن ابی بکر اور

شہدائے احد کی طرح شہدائے کربلا کا ...

امیر معاویہؓ کی خلافت ... حضرت حسینؓ ...

بن ابی بکر و دیگر رضوان اللہ علیہم نشدے. چوں این قدر دانستہ شد دیگر معلوم باد کہ مدار کار بر نیت است بشہادت انما الاعمال بالنیات و حسن نیت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ قابل آن نیست کہ در آن تردد کردہ آید۔

اندریں صورت در شہادت حضرت امام ہمام رضی اللہ عنہ چہ تردد نہ یزید در حق اوشان خلیفہ بود نہ خروج برو ممنوع و اگر خلیفہ بود تاہم خروج ممنوع نہ بود و اگر خروج ممنوع بود عزل ممنوع نبود و بالجملہ وجود ممانعت مفقود و موجبات جہاد موجود در حسن نیت کلام نیست باز اگر اوشان شہید نشوند دیگر کدام خواہد بود و ازیں ہم درگذشتیم اگر موجبات جہاد نہ بودند اوشاں نیز از قصد جہاد باز آمدہ می خواستند کہ براہ خود روند لشکریان یزید پلید نگذاشتند و محاصرہ کردہ ظلماً شہید ساختند من قتل دون عرضہ ومالہ فہو شہید

باقی ماند اوشان مخالفت اجماع کردند جوابش اینست کہ اول اجماع مسلم نیست اگر باشد ہم مخالفت

دیگر بزرگوں سے بیعت کا خواستگار نہیں ہوا، جب اتنی بات معلوم ہو چکی تو جاننا چاہیے کہ ہر کام کا دارومدار نیت پر ہے کیونکہ حدیث میں ہے "انما الاعمال بالنیات" اور حضرت امام حسینؓ کے حسن نیت اسکی مقتضی نہیں کہ اس میں تردد و تذبذب کو راہ دیجائے

موجودہ صورت میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت میں کیا شبہ ہے؟ یزید نہ تو آپ کا خلیفہ تھا اور نہ یزید پر خروج کرنا ناجائز تھا، اور اگر خلیفہ تھا بھی تو بھی اس پر خروج ممنوع نہ تھا؛ اور اگر مان ہی لیا جائے کہ خروج کرنا امام رضی اللہ عنہ کا جائز نہ تھا تو عزل ممنوع نہ تھا، خلاصہ یہ کہ ممانعت کے اسباب مفقود اور اسباب جہاد موجود تو پھر حسن نیت میں کیا کلام کیا جا سکتا ہے، پھر اگر یہ حضرات شہید نہ ہونگے تو دوسرا کون شہید ہوگا، اور ہم اسکو بھی چھوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اسباب جہاد نہ بھی تھے تو آپ نے جہاد کے ارادہ سے باز آکر چلے جانیکا راستہ مانگا مگر یزید پلید کے لشکریوں نے جانے نہ دیا اور گھیر کر مظلوم شہید کر دیا، حدیث میں ہے جو شخص اپنی مال اور آبرو کی حفاظت میں قتل کر دیا گیا وہ بھی شہید ہے۔

باقی رہ گئی یہ بات کہ امام حسینؓ نے اجماع کی مخالفت کی سو اسکا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہ اجماع ہی تسلیم نہیں ہے اگر ہوا بھی

باشد باانیہمہ اجماع برعدم جواز خروج بر فساق
است ومعنی آں بر جہہ ہست عرض کردہ شد از
اجماع برعدم جواز خروج بر نفس فسق لازم نمی آید
کہ خصوصیات زائدہ مراتب ایں کلی مشکک نیز
موجب خروج نتواں شد باایں ہمہ اجماع غیر مسلم
دقتیکہ حضرات حسنین رضوان اللہ علیہما وعبداللہ بن الزبیر
واہل مدینہ کارے کردہ باشند مخالف آں رامجمع علیہ
چگونہ تواں گفت واگر بالفرض اجماع را تسلیم
کنیم آں اجماع اگر منعقد گردیدہ بعد حضرت
امام حسین رضی اللہ عنہ منعقد گردید مخالفت این
اجماع حضرت امام رضی اللہ عنہ را چہ مضر۔
غایۃ مافی الباب امام ہمام رضی اللہ عنہ درزمان
خود دریک مسئلہ مختلف فیہ خطا کردند ولامحذور فیہ
چنانچہ عرض کردہ باشد اکنوں وقت آں ست
کہ عبارت نووی رحمۃ اللہ تعالی دریں بارہ نقل کردہ
شود تا تفصیل اجمال وتصدیق ایں مقال بدست آید
"اجمع اہل السنۃ ان لا ینعزل السلطان
بالفسق واما الوجہ المذکور فی کتب الفقہ
لبعض اصحابنا انہ ینعزل وحکی المعتزلۃ ایضا

تو اس بات پر کہ مخالفت نہیں ہوئی باانیہمہ فاسق پر خروج
کرنے کے عدم جواز پر اجماع ہوا اور اسکا مطلب جو کچھ کہ ہم
پہلے عرض کیا گیا، عدم جواز پر اجماع کیوجہ سے نفس فسق
پر خروج کرنا لازم نہیں آتا ہے کیوں کہ اس کلی مشکک کے
مراتب کے خصوصیات زائد بھی موجب خروج نہیں ہوسکتیں پس اجماع
غیر مسلم۔ جس وقت کہ حضرات حسنین وعبداللہ بن زبیر اور
اہل مدینہ نے فیصلہ کرلیا تھا مخالف اسکو متفق علیہ کیونکر
کہہ سکتا ہے اور اگر بالفرض اجماع کو مان بھی لیا جائے
تو وہ اجماع حضرت امام حسین کے بعد منعقد ہوا ہے لہذا
اس اجماع کی مخالفت حضرت امام حسین کو کچھ
مضر نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام
موصوف نے اپنے زمانہ میں ایک اختلافی مسئلہ میں
غلطی کر گئے جس میں کوئی شرعی باز پرس نہیں
جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ اب ہم امام نووی
کی عبارت درج کردینا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اس اجمال
کی تفصیل اور گذشتہ باتوں کی تصدیق ہوجائے۔
اہل سنت کا اجماع ہوچکا ہے کہ بوجہ فسق کے خلیفہ
معزول نہیں ہوگا لیکن ہمارے بعض اصحاب شوافع کی
فقہی کتابوں میں ہے کہ معزول ہوجائیگا اور معتزلہ سے بھی

فغلط من قائله مخالف للاجماع قال العلما وسبب عدم انعزاله وتحريم الخروج عليه ما يترتب على ذلك من الفتن و اراقة الدماء وفساد ذات البين فتكون المفسدة في عزله اكثر منها في بقائه قال القاضي عياض رحمه الله اجمع العلماء على ان الامامة لا تنعقد لكافر وعلى انه لو طرأ عليه الكفر انعزل قال وكذا لو ترك اقامة الصلوة والدعاء اليها قال وكذالك عند جمهورهم البدعة قال بعض البصريين تنعقد له وتستدام له لانه متاول، قال القاضي فلو طرأ عليه كفر وتغيير للشرع او بدعة خرج عن حكم الولاية وسقطت طاعته ووجب على المسلمين القيام عليه و خلعه ونصب امام عادل ان امكنهم ذلك فان لم يقع ذلك الا لطائفة وجبت عليهم القيام بخلع الكافر ولا يجب في المبتدع الا اذا ظنوا القدرة عليه

حکایت کی گئی ہے سو یہ غلط ہے اور مخالف ہے اجماع کے، علمانے فرمایا ہے کہ سلطان کے معزول نہ کرنے اور اس پر خروج نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے سے خونریزی اور فتنہ و فساد باہمی بڑھ جائیگا، اور معزولی کا مفسدہ اس کے باقی رہنے سے زیادہ ہو جائیگا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ علماء کا اجماع اس بات پر ہو چکا ہے کہ کافر کی امامت منعقد نہیں ہوتی ہے، اور اگر امام پر کفر طاری ہو جائے تو معزول کر دیا جائے گا۔ اور کہا ایسا ہی اگر نماز قائم کرنا اور اس کی طرف بلانا چھوڑ دے تو بھی معزول ہوگا۔ فرمایا اسی طرح جمہور کے نزدیک بدعت کا پایا جانا۔ پھر فرماتے ہیں کہ بعض بصریین قائل ہیں کہ بدعتی کی امامت منعقد ہوگی اور باقی رہیگی، کیونکہ وہ تاویل کرتا ہے قاضی صاحب فرماتے ہیں اگر کفر اس پر طاری ہوا اور شریعت کے اندر تغیر یا بدعت شروع کر دیا تو خلافت و ولایت کے حکم سے نکل گیا اور اسکی اطاعت جاتی رہی لہذا مسلمانوں پر اسکے خلاف اٹھنا، اسکو علٰحدہ کرنا، اور دوسرے عادل امام کو مقرر کرنا واجب ہو جاتا ہے بشرطیکہ اسکی قدرت ہو۔ پس اگر ایسا کچھ ہی لوگ کر سکیں تو کافر کو علٰحدہ کرنے کیلئے تو اٹھنا واجب ہوتا ہے اور بدعتی پر واجب نہیں ہوتا ہے مگر اس صورت میں کہ بدعتی

فان تحققوا العجز لم يجب القيام وليهاجر المسلم من ارضه الى غيرها ويفر بدينه۔ قال ولا ينعقد لفاسق ابتداءً فلو طرأ على الخليفة فسق قال بعضهم يجب خلعه الا ان يترتب عليه فتنة وحرب قال جماهير اهل السنة من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين لا ينعزل بالفسق والظلم وتعطيل الحقوق ولا يخلع ولا يجوز الخروج عليه بذلك بل يجب وعظه وتخويفه للاحاديث الواردة في ذلك قال القاضي وقد ادعى ابو بكر بن مجاهد في هذا الاجماع وقد رد عليه بعضهم هذا بقيام الحسين وابن زبير واهل المدينة على بني امية وبقيام جماعة عظيمة من التابعين والصدر الاول على الحجاج مع ابن الاشعث وتاول هذا القائل قوله ان لا ننازع الامر اهله في ائمة العدل وحجة الجمهور ان قيامهم على الحجاج ليس بمجرد

کے علیحدہ کرنے پر لوگوں کو امکانی طاقت ہو اور مجبوری تحقق ہوجائے تو ایسے وقت میں اٹھنا نہیں چاہئے بلکہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے ملک کو چھوڑ کر دوسری جگہ ہجرت کر جائیں اور اپنے دین کی طرف بھاگیں۔ فرمایا اور فاسق کی امامت شروع شروع میں منعقد نہ ہوگی ہاں اگر خلیفہ فاسق ہوگیا تو بعض اس کے عزل کو واجب کہتے ہیں بشرطیکہ فتنہ و فساد اور جنگ و جدل نہ ہو جمہور اہل سنت میں سے فقہا محدثین اور متکلمین نے کہا ہے کہ خلیفہ کی معزولی بوجہ فسق ظلم اور لوگوں کے حقوق کو چھوڑ دینے کی بنا پر نہ ہوگی اور نہ اسکو علیحدہ کیا جائیگا اور نہ اس پر اٹھنا جائز ہوگا بلکہ اسکو سمجھانا اور ڈرانا ضروری ہوگا۔ ان حدیثوں کی بنا پر جو اس بارے میں موجود ہیں۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ابوبکر ابن مجاہد نے اجماع کا دعوی کیا ہے اور لوگوں نے امام حسین و ابن زبیر اور اہل مدینہ کا بنی امیہ پر خروج کرنا اور تابعین کی ایک بڑی جماعت اور صدر اول کا حجاج پر مع ابن الاشعث کے اٹھنے کو پیش کر کے ان کا رد کیا ہے اور تاویلین نے ان کے قول "الا ننازع الامر اہلہ" کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے مراد امام عادل ہے اور حجاج پر خروج کی دلیل جمہور کی یہ ہے کہ محض اس کے

الفسوق بل لا غیر عن الشرع وظاہر من
الکفر قال القاضی وقیل ان ہذا الخلاف
کان اولا ثم حصل الاجماع علی منع
الخروج علیہم واللہ اعلم انتہی بلفظہ۔

پس از مطالعہ این عبارت تصدیق اکثر مقدمات
مذکورہ حاصل می شود یا جملہ بر اصول اہل سنت
حال یزید بہ نسبت سابق متبدل شد نزد بعض
کافر شد و نزد بعض کفر او متحقق نگشت اسلام
سابق مخلوط بفسق لاحق شد اگر حضرت امام
کافرش پنداشتہ در خروج بروے چہ خطا کردند
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ را ہمیں خاطر پسند
خاطر افتادہ مگر چنانکہ ممکن است کہ کفر کسے
نزد یکے متحقق شود و نزد دیگراں نشود
ہمچنیں خروج بروے در حق این و آں مختلف
خواہد بود و اتفاق در تکفیر و تفسیق و تعدیل و
تجریح کسے از ضروریات دینی یا از بدیہیات
عقلی نیست کہ حاجت معذرت افتد۔

و در صورت فسق آنچہ پیش کردہ ام یاد
خواہد بود تاہم ہیچ صعوبتے بر اصول اہل سنت نیست

فاسق ہونے کی بناء پر نہیں ہے بلکہ اس نے شریعت میں تغیر
اور اظہار کفر کیا۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ
یہ اختلاف پہلے تھا بعد کو ایسے لوگوں پر اٹھنا
منع ہوگیا۔ واللہ اعلم۔

علامہ نوویؒ کی اس عبارت کے مطالعہ کے بعد مقدمات
گذشتہ کی تصدیق ہوجاتی ہے۔ پس اہل سنت کے اصول
پر یزید کی سابق حالت بدل گئی بعض کے نزدیک
کافر ہوگیا اور بعض لوگوں کے نزدیک اسکا کفر ثابت نہیں
ہوا بلکہ سابق اسلام فسق کے ساتھ مخلوط ہوگیا۔ اگر امام
موصوف نے یزید کو کافر سمجھا تو اس پر خروج کرنے میں کیا
غلطی فرمائی۔ امام احمدؒ کو یہی بات پسند آئی جیسا کہ
یہ بات ممکن ہے کہ کسی کا کافر ہونا ایک شخص کے نزدیک
ثابت ہوا اور دوسروں کے نزدیک ثابت نہ ہوا ایسا ہی
اس پر خروج کرنے میں اختلاف ہوجائے گا، اور تکفیر
تفسیق، تعدیل اور جرح وغیرہ وغیرہ پر کسی کا اتفاق
کرنا ضروریات دینی یا بدیہیات عقلی میں سے نہیں
ہے کہ عذر و معذرت کی ضرورت پیش آئے۔

اور فسق کی صورت میں جو کچھ کہ میں نے پیش کیا ہے وہ تو
یاد ہی ہوگا، پھر بھی اہل سنت کے اصول پر کوئی دشواری

چہ یزید اندریں صورت یا فاسق معلن بود تارک
صلوٰۃ وغیرہ یا مبتدع بود چہ از روسائے نواصب
است باایں ہمہ عموم خلافتش غیر مسلم. نظر بریں وجوہ
یاد ملفوظات سابقہ در خروج بروے ہیچ قباحتے نے
باایں ہمہ خروج برایں چنیں کساں تا حال نزد ہمہ
جائز یا اگر نزد ہمہ جائز نیست نزد بعض جائز چنانچہ
از مشاہدہ عبارت نووی رحمۃ اللہ علیہ واضح است
و در مسائل مختلفہ خلاف یکے مر دیگراں را موجب
تفسیق او شان آمد و بطلان اعمال او عنداللہ
نمی تواں شد چنانچہ دانستہ شد۔

و اگر فرض کنیم بر عدم جواز خروج بر چنیں
کساں اجماع است اجماع حادث است
اجماع قدیم نیست تا بر اصول اہل سنت در شہادت
امام ہمام رضی اللہ عنہ تردد راہ یابد زیادہ از
زیادہ اگر کسے گوید ایں بگوید کہ حضرت امام رضی اللہ عنہ
خطا کردند لیکن چہ حرج المجتہد یخطی و یصیب
بنای ثواب بر نیست خطاے اجتہادی دریں
بارہ مزاحم منال نمی شود چنانچہ در اصول اہل سنت
مصرح است نیز واضح است چہ اگر بطن

نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں یزید یا تو کھلم کھلا فاسق تھا
یعنی تارک نماز وغیرہ یا پھر بدعتی تھا یعنی رؤسائے نواصب
ان تمام باتوں کے باوجود اسکی خلافت عام طور پر غیر مسلم تھی
ان وجوہ مذکورہ کی بنا پر اس کے خلاف خروج کرنے میں کوئی
قباحت نہیں رہجاتی ہے۔ پس ایسے لوگوں کے خلاف اٹھنا
اسوقت تمام لوگوں کیلیے جائز ہے اور اگر تمام کے نزدیک جائز
نہیں ہے تو بعض کے نزدیک جائز جیسا کہ علامہ نووی کی عبارت
سے سمجھا جاتا ہے اور مسائل مختلف فیہ میں ایک کا خلاف دوسروں
کے حق میں فسق و فجور کا سبب یا انکے اعمال کا خدا کے نزدیک رائگاں
ہوجانا نہیں کہا جاسکتا جیسا کہ سمجھا جاتا ہے۔

اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ایسے لوگوں پر خروج کرنے کے
عدم جواز پر اجماع ہو چکا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ اجماع حادث
ہے قدیم نہیں ہے کہ اہل سنت کے اصول پر حضرت امام حسین رضی کی
شہادت میں شبہہ و تردد کو دخل ہو۔ زیادہ سے زیادہ
اگر کوئی کچھ کہہ سکتا ہے تو یہ کہ امام موصوف نے غلطی کی
لیکن کوئی مضائقہ نہیں جبکہ مشہور ہے کہ مجتہد کبھی چوک جاتا ہے
اور کبھی نہیں لہذا اجتہادی غلطی کی وجہ سے
ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی جیسا کہ اہل سنت کے اصول
میں طے ہوچکا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی آفتاب کے غروب کو سمجھکر

غروب روزہ افطار کرد تا نماز مغرب بخواند
ہنوز آفتاب غروب نشدہ بود این کس را
تا آخر عمر بر خطاے خود اطلاع نشد ہرگز عاقلے
تجویز نمی تواں کرد کہ از ثواب محروم ماند
ورنہ تکلیف مالایطاق لازم خواہد آمد ہو محال
لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا

آرے بر طبق اصول شیعہ شہادت حضرت
امام الشہداء در کنار دین و ایمان شان
ہم از دست می رود نعوذ باللہ منہا۔ اگر باور
نباشند بنگرد کہ در کافی کلینی روایات درین
باب کہ ہر کرا تقیہ نیست دین و ایمان ندارد
وارد شدہ اند مع سند نقل می کنم۔

(۱) عن ابن عمر عن ہشام بن سالم عن ابن
ابی عمر الاعجمی قال قال ابو عبد اللہ
یا اباعمر ان تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ
ولا دین لمن لا تقیۃ لہ والتقیۃ فی کل
شی وفی المسح علی الخفین

(۲) عن محمد بن یحیی عن احمد بن محمد
بن عمر بن خلاد قال سالت ابا الحسن ع

روزہ افطار کر لیا کہ نماز مغرب ادا کرے اور ابھی
آفتاب ڈوبا نہیں تھا اور اس آدمی کو زندگی بھر
اپنی غلطی کا علم نہیں ہوا کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ
غریب ثواب سے محروم ہو گیا ورنہ پھر تکلیف
مالایطاق لازم آئے گی جو محال ہے۔ لَا یُکَلِّفُ
اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔

البتہ امامیہ کے اصول پر حضرت امام حسین رض
کی شہادت دین و ایمان سے بھی خارج ہو جاتی ہے
معاذ اللہ منہا۔ اگر کسی کو یقین نہ ہو تو اسکو
چاہیے کہ کافی کلینی کے اندر اس باب میں جو
روایات ہیں انکو دیکھے لکھا ہے کہ جس نے تقیہ نہیں کیا
اسکا نہ تو دین ہے اور نہ ایمان جسکو مع سند کے ہم نقل کرتے ہیں

(۱) ابن عمر روایت کرتے ہیں ہشام بن سالم سے وہ
روایت کرتے ہیں ابن ابو عمر اعجمی سے کہ کہا فرمایا ابو عبد اللہ
نے اے ابو عمر دین کا دس میں سے نو حصہ تقیہ میں ہے
اس کا دین نہیں جو تقیہ نہیں کرتا۔ اور تقیہ تو ہر چیز میں ہے
اور مسح علی الخفین میں بھی۔

(۲) محمد بن یحیی روایت کرتے ہیں احمد بن محمد بن
عمر بن خلاد سے کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

عن القیام للولاۃ فقال ابو جعفر التقیۃ
دینی ودین آبائی ولا ایمان لمن لا تقیۃ لہ
ازیں دو روایت مثل آفتاب روشن می برآید
کہ ہر کہ تقیہ نکند بے دین وبے ایمان است اکنوں از
حضرات شیعہ التماس است کہ اگر ہمیں تقیہ است
حسن خاتمہ حضرت امام الشہداء معلوم چہ جائیکہ شہادت
وظاہر است کہ دریں روایت ہیچ گونہ گنجائش تاویل
یا تخصیص نیست اگر تاویل فرمائید یا تخصیص بعد ازاں
وشنیدہ نمایند مسموع نخواہد بود اکنوں ازیں چارہ
نیست کہ مذہب اہل سنت اختیار کنند واگر از
اتباع حق عار وانکار است لاجرم از ائمہ دوازدہ گانہ
کل یازدہ باقی خواہند ماند اندریں صورت انکار از
حق واصرار بر مذہب باطل لاجرم خواہد آمد . . .
. . . .
چہ حضرت امام را دریں ضیق وناچاری کہ مقابل سی ہزار
فوج جرار چند معدود بودند وآں ہم یکے بعد
دیگرے شربت شہادت چشیدند تقیہ لازم بود
اگر در اول امید بود در آخر وقت کہ ہیچکس
نماند تقیہ لازم وفرض بود ــــ ۵

بادشاہ وحاکم کے خلاف اٹھنے کے متعلق سوال کیا ابو جعفر نے جواب دیا
کہ تقیہ میرا اور میرے آباؤ اجداد کا دین ہے اسکا ایمان نہیں جو تقیہ نہیں کرتا
ان دونوں روایتوں سے آفتاب کی طرح واضح ہوجاتا
ہے کہ جو شخص تقیہ نہیں کرتا وہ نہ صرف بے دین بلکہ بے ایمان
بھی ہے ایسی صورت میں حضرات شیعہ سے گذارش ہے کہ
اگر یہی تقیہ ہے تو پھر حضرت امام الشہداء کے حسن خاتمہ
ہی یقینی نہیں پھر شہادت تو دوسری بات ہے جبکہ
ظاہر ہے کہ ان روایات میں نہ تو تاویل کی اور نہ تخصیص
کی کوئی گنجائش ہے اگر تاویل وتخصیص کریں بھی تو کون
قبول کریگا؟ سوائے اس کے چارہ کار نہیں کہ اہل سنت
کا مذہب اختیار کریں، اور اگر حق مذہب وطریقہ کے اتباع
میں شرم محسوس ہوتی ہے اور انکار ہی کرتے ہیں تو بارہ میں
دوازدہ امام یازدہ باقی رہجاتے ہیں، اس صورت میں
حق کا انکار اور باطل مذہب پر ضد کرنا لازم آتا ہے۔
کیونکہ حضرت امام اس مجبوری ولاچاری میں کہ تیس ہزار فوج
کے مقابلہ میں صرف چند گنتی کے لوگوں کا ہونا اور پھر یکے بعد
دیگرے شربت شہادت کو نوش فرمانا اس حالت میں تقیہ کرنا
ضروری تھا، مانا کہ ابتدا میں امید تھی لیکن جبکہ آخر میں کوئی
نہیں رہ گیا تھا تقیہ کرنا ضروری ہوگیا تھا۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتو می گویم — تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

وجواب دیگر انشاء اللہ تعالیٰ بشرط فرصت عنقریب بنظر سامی خواہد گذشت لاتقنطوا این دو روایت کہ نقل کردہ شد اگر احتمال دروغ باشد مطابق نمایند اگر نزد شما کافی کلینی موجود نباشد نسخہ مطبوعہ طہران نزد ما موجود است ملاحظہ نمایند اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔" (صفحہ ۱۱، قاسم العلوم ملتان)

میں نے یہ عبارت تمام آپ کے سامنے پیش کر دی ہے، یہ رسالہ اسی شبہہ کے متعلق لکھا گیا ہے جس کو آپ نے پیش فرمایا ہے، صفحہ ۱۳ تک تمہیدات ہیں جن میں بہت سی مفید باتیں آگئی ہیں، مگر تطویل کے خوف سے اصل مقصد عرض کر دیا گیا۔

مورخین کا یہ قول کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کے فسق و فجور کا علم تھا اور وہ معلن بالفسق تھا، اور باوجود اس کے انھوں نے استخلاف کی کوششیں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات سے ہی شروع کر دی تھیں، یقیناً شان صحابیت ہی نہیں بلکہ شان عدالت کے بھی خلاف ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	اور تم ہو بہتر امتوں سے جو بھیجی گئی ہے عالم میں،
تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ	حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے
الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ الآیۃ (عمران)	کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا	اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل
لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ الآیۃ (بقرہ)	تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر۔
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ	محمد رسول اللہ کا اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں
اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ	زور آور ہیں کافروں پر، نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھے

رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ
وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ
اَثَرِ السُّجُوْدِ (فتح)

ان کو رکوع میں اور سجدہ میں، ڈھونڈتے ہیں اللہ
کا فضل اور اس کی خوشی، پہچان ان کی ان کے منہ پر ہے
سجدہ کے اثر سے

وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ
فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ
اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ
اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ
وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (حجرات)

اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا اگر وہ تمہاری
بات مان لیا کرے بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے، پر اللہ
نے محبت ڈال دی تمہارے دلوں میں ایمان کی اور اچھا دکھا دیا
اس کو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں
کفر اور گناہ اور نافرمانی کی، وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر
اللہ کے فضل سے اور احسان سے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ
وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا
وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ
(تحریم)

جس دن کہ اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو اور ان لوگوں
کو جو یقین لاتے ہیں اس کے ساتھ۔ ان کی روشنی دوڑتی
ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے کہتے ہیں کہ اے رب
ہمارے پورا کر دے ہم کو ہماری روشنی اور معاف کر
ہم کو بیشک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

ان آیات کو اور ان کے مثل دیگر آیات کو جو کہ قطعی طور پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اعلیٰ درجہ کی صفات کمالیہ پر شہادت دیتی ہیں، اور جن کے مصداق اول یہی حضرات ہیں، پھر ان ہی کے ساتھ ساتھ ان اخبار احادیث صحیحہ کو بھی لیجئے جو کہ عامہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کی شان میں وارد ہیں مثلاً

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم
اھتدیتم (الحدیث)

میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کی
تم اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

خیر القرون قرنی ثم الذین	سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر جو اس سے متصل
یلونہم الحدیث	پھر جو اس سے متصل ہے،
فلو ان احدکم انفق مثل احد	اگر کوئی تم میں پہاڑ احد کے برابر سونا خرچ کرے
ذہبا ما بلغ مد اصحابی ولا نصیفہ	تو میرے صحابی کے مد کے ثواب اور نہ اسکے
الحدیث (او کما قال)	آدھے ثواب کے برابر پہنچے۔
اللہ اللہ فی اصحابی من احبہم و	ڈرو اللہ سے ڈرو اللہ سے میرے اصحاب کے بارے میں
من احبہم فبحبی احبہم ومن ابغضہم	پس جو دوست رکھتا ہے ان کو میری دوستی کی وجہ سے
فببغضی ابغضہم الحدیث	دوست رکھتا ہے انکو اور جو شخص کہ دشمن رکھتا ہے پس
....	بسبب دشمنی میری کے دشمن رکھتا ہے،

ان روایات کے ہم معنی بہت احادیث صحیحہ ہیں جو کہ عامۃ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اعلیٰ مناقب پر دلالت کرتی ہیں، پھر اس کے ساتھ اجماع امت کو لیجئے جو کہ بتلاتا ہے کہ جس شخص نے ایمان کے ساتھ ایک لحظہ کے لیے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرلی اور ایمان پر اس کی وفات ہوئی وہ بعد کے تمام اولیاء اور اتقیاء اور ائمہ وغیرہ سے افضل ہے، ان امور مذکورۂ بالا کو دیکھتے ہوئے اگر مورخین کی یہ بات کہ فاسق یزید اور معلن بالفسق کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نامزد بالخلافہ کیا مانی جائے گی تو ان تمام نصوص کی تذلیل و توہین ہی نہیں بلکہ انکار لازم ہوگا ایسی صورت میں تو معاذ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انتہائی فسق اور معصیت میں مبتلا ہوئے اور اسی بنا پر ان کی وفات ہوئی بلکہ درجہ کفر تک والعیاذ باللہ نوبت آتی ہے (کیونکہ استحلال بالمعصیۃ سے ان ٹپکتا ہے) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

ما من عبد یسترعیہ اللہ رعیۃ	کوئی بندہ ایسا نہیں ہوگا کہ اگر اس کو اللہ تعالیٰ نے کسی رعیت

فلم يحطها بنصيحة لم يجد رائحة الجنة	کا راعی اور حاکم بنایا اور اس نے انکی نگہبانی اور حفاظت
(بخاری)	انکی خیرخواہی کیساتھ نہ کی تو اسکو جنت کی خوشبو بھی نہ ملے گی
ما من وال يلي رعية المسلمين فيموت	کوئی شخص اگر مسلمان رعایا کا والی اور حاکم بنایا گیا اور
وهو غاش لهم الا حرم الله عليه الجنة	اس حالت میں مرا کہ وہ ان کے حقوق میں خیانت کرنے والا
(بخاری)	ظالم تھا تو جنت اس پر حرام ہوگی (متفق علیہ)
الا كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته	خبردار ہو جاؤ تم سب کے سب راعی اور والی ہو اور تم سب
فالامام راع وهو مسئول عن رعيته الحديث	مسئول ہو اپنی رعیت سے۔ امام جو کہ لوگوں پر مقرر کیا گیا ہے راعی
(بخاری)	ہے اور اپنی رعیت سے مسئول ہے۔
من غشنا فليس منا الحديث (ق)	جس نے ہم کو دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

یہ مورخین کی روایتیں تو عموماً بے سرو پا ہوتی ہیں، نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے نہ ان کی توثیق و تخریج کی خبر ہوتی ہے نہ اتصال و انقطاع سے بحث ہوتی ہے، اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں ہر غث وثمین سے اور ارسال و انقطاع کے ساتھ لیا گیا ہے، خواہ ابن اثیر ہوں یا ابن قتیبہ ابن ابی الحدید ہوں یا ابن سعد۔

ان اخبار کو مستفاض و متواتر قرار دینا بالکل غلط ہے اور بے موقع ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ و نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احاد

لہ اس حدیث میں ہر حاکم کو راعی کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر حاکم پر اپنے محکوم اور رعایا کی خبرگیری اور خیرخواہی اسی طرح لازم کی گئی ہے جس طرح جانور چرانے والوں پر جانوروں کے مالک کی طرف سے لازم کیجاتی ہے، اگر چرواہا جانوروں کی خیرخواہی اور خدمات مفیدہ کے انجام دینے میں کوتاہی کرتا ہے تو مالک کے سامنے جوابدہ قرار دیا جاتا ہے، اس لیے لفظ راعی سے بلیغ کوئی اور لفظ ممکن نہ تھا جس سے تعبیر فرمایا گیا۔ (اصلاحی)

احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود یا مأول قرار دیجاتیں، چہ جائیکہ روایات تاریخ۔ اب آپ اصول تنقید کو پیش نظر رکھکر کوئی رائے قائم کیجئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مورخین میں سے ان لوگوں کا قول کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ حیات میں یزید معلن بالفسق تھا اور ان کو اس کی خبر تھی اور پھر انھوں نے اس کو نامزد کیا بالکل غلط ہے۔ ہاں ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت میں خفیہ طور پر فسق و فجور میں مبتلا ہو مگر ان کو اسکے فسق و فجور کی اطلاع نہ ہو۔ ان کی وفات کے بعد وہ کھیل کھیلا اور جو کچھ نہ ہونا چاہئے تھا کر بیٹھا۔ اب اس کی نامزدگی کی خبر ممکن ہے کہ صحیح ہو، انھوں نے رومیوں اور عیسائی ممالک پر جہاد میں اس کی متعدد دفعہ جد و جہد اور کامیابیاں اور حسن تدبیر و انتظام کو مشاہدہ کرکے اپنی رائے کی بنا پر کہ خلافت کے لیے قریشیت اور حریت عقل و بلوغ کے ساتھ لازم ترین شرط لیاقت انتظام مملکت اور حسن تدبیر ہے اور یہ اس میں پائی جاتی ہے یا بدرجہ کمال موجود ہے، جو کہ اوروں میں نہیں ہے، اور اگر ہے تو اس درجہ پر نہیں ہے اس کی نامزدگی کردی ہو (جیسا کہ بعض مورخین کا قول ہے) یا یہ جد و جہد دوسرے ارکین خاندان بنی امیہ کی طرف سے کی گئی ہو اور یزید بھی اس میں کوشاں رہا ہو، مگر عام لوگوں نے اس کو حضرت معاویہؓ کی طرف نسبت کردیا ہو، کیونکہ انھوں نے روکا نہیں (جیسا کہ بعض مورخین کا خیال ہے) یا یہ کہ نامزدگی ان کی طرف سے حقیقۃً یا حکماً کسی طرح نہیں ہوئی، ان کی وفات کے بعد اہل شام میں سے اہل حل و عقد نے اس کو جانشین اور خلیفہ بنادیا اور بیعت کرلی (جیسا کہ بعض دوسرے مورخوں کا قول ہے) یا یہ کہ وہ خود بالتغلب خلیفہ بن بیٹھا (بعض مورخ اس کے بھی قائل ہیں) بہرحال ان وجوہ کی بنا پر اس کی خلافت منعقد ہوگئی۔ آپ اس کو تسلیم فرماتے ہیں کہ نامزدگی یا اہل حل و عقد کا بیعت کرنا یا تغلب یہ تینوں امور انعقاد خلافت کے طرق میں سے ہیں۔ اگرچہ تیسرا امر بالضرورۃ والمجبوریۃ ہے، آپ کا یہ ارشاد کہ

خلیفہ عادل جس میں کل شروط امامت پائے جائیں کسی دوسرے جامع شروط خلافت کو اپنا جانشین کر جائے اور وصیت کر دے کہ فلاں شخص میرے بعد خلیفہ ہو، اس میں شروط سے اگر شروط صحت خلافت مطلقہ مراد ہیں، جو کہ عقل، بلوغ، اسلام، قرشیۃ سے عبارت ہیں، تو یہ تو موجود ہی ہیں، اور یہی امور کتب کلام و فقہ میں مذکور ہیں، اور اگر شروط سے مراد شروط خلافت کاملہ مراد ہیں، جن میں صلاح تقوی و علم وغیرہ بھی معتبر ہیں تو اس کی سند کیا ہے، کتب مذہب میں اس کو انعقاد خلافت کے لیے ضروری قرار نہیں دیا گیا ہے، اور اگر ایسا ضروری ہوگا تو چاہیے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت بھی صحیح نہ ہو حالانکہ بالاجماع ان کو نہ صرف خلیفہ بلکہ خلیفہ راشد بھی تسلیم کیا گیا ہے، انکو نامزد کرنے والا سلیمان بن عبدالملک کا حال معلوم ہے۔

بہرحال وجوہ مذکورہ بالا سے انعقاد مطلق ہوگیا مگر عموم انعقاد جس سے ہر ایک پر اتباع لازم آجائے اور مخالفت کرنا ممنوع ہوجائے وہ نہیں ہوا تھا انعقاد مطلق اور عموم انعقاد میں فرق ہے، عموم انعقاد جب متحقق ہوگا جبکہ تمام اہل حل وعقد متفق ہوجائیں، بعض کی بیعت کافی نہ ہوگی اور یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت بہت سے حضرات نے اگرچہ کرلی تھی تاہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت کی کوشش کی گئی، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد انھوں نے اس کو انجام دیا اور یہی وجہ تھی کہ یزید کوشاں تھا کہ حضرت امام حسین رضی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی حضرت عبداللہ بن عباس رضی وغیرہ حضرات بیعت کرلیں، حالانکہ یہ حضرات ملتجی بالحرم ہوگئے تھے کسی نے جنگ کا ارادہ نہیں کیا تھا، اور نہ بیعت کی تھی، ان حضرات کا اس زمانہ میں اہل حل وعقد میں سے ہونا بدیہی امر ہے،

اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ وجوہ وجوہ عموم انعقاد ہی ہیں، اور انعقاد مطلق اور عموم انعقاد میں کوئی فرق نہیں ہے، تو پھر یزید کا بعد از ظہور فسق و فجور وہ حال ہی نہیں رہا

جو ابتدا ہی تھا، یعنی اس کے اعمال شنیعہ درجہ کفر کو اگر پہنچ گئے تھے، جیسا کہ امام احمد رح اور ایک جماعت کی رائے ہے تب تو وہ یقیناً معزول عن الخلافت ہو ہی گیا تھا، اب امام حسین رضی اللہ عنہ کا ارادہ جنگ خروج ہی نہیں شمار ہو سکتا، اور اگر اس کی حرکات ناشایستہ درجہ کفر کو پہنچی تھیں (جیسا کہ جمہور کا قول ہے) تو اول تو یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، ممکن ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی رائے یہی ہو جو کہ حضرت امام احمدؒ اور ان کے موافقین کی ہے۔

علاوہ ازیں فاسق ہونے کے بعد خلیفہ معزول ہو جاتا ہے یا نہیں، یہ مسئلہ اس وقت تک مجمع علیہ نہیں ہوا تھا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کی رائے یہ تھی کہ وہ معزول ہو گیا، اور اس بنا پر اصلاح امت کی غرض سے انھوں نے جہاد کا ارادہ فرمایا،

پھر باوجود اس کے خلع کا مسئلہ تو آج بھی متفق علیہ ہے یعنی اگر خلیفہ نے ارتکاب فسق کیا تو اصحاب قدرت پر اس کو عزل کر دینا اور کسی عادل متقی کو خلیفہ کرنا لازم ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس کے عزل اور خلع سے مفاسد مصالح سے زائد نہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے اتباع کی رائے میں مفاسد زیادہ نظر آئے، وہ اپنی بیعت پر قائم رہے، اور اہل مدینہ نے عموماً بعد از بیعت اور واپسی وفد از شام ایسا محسوس نہیں کیا اور سبھوں نے خلع کیا جس کی بنا پر وہ قیامت خیز واقعہ حرہ نمودار ہوا، جس سے مدینہ منورہ اور مسجد نبوی اور حرم محترم کی انتہائی بے حرمتی اور تذلیل ہوئی، کیا مقتولین حرہ کو شہید نہیں کہا جائے گا۔

پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے مواعید پر مطمئن ہوئے، بالخصوص حضرت مسلم بن عقیل رحمۃ اللہ علیہما کے خطوط کے بعد جن میں پورا اطمینان اہل کوفہ کی طرف سے دلایا گیا تھا، اس لیے ان کا ارادۂ جہاد یقیناً صحیح تھا، اور وہ خلع کرنے اور خروج کرنے میں کسی طرح باغی

نہین قرار دیے جا سکتے، ان کو صاف نظر آ رہا تھا کہ اس حالت مین مفاسد کا قلع قمع ہو جائے گا اور خلل بہت کم ہوگا۔ اپنی ظفرمندی کے لیے متیقن تھے۔

پھر آپ اس کو بھی پس انداز نہ فرمائین کہ اہل تاریخ لکھتے ہین کہ میدان کربلا مین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا کہ اہل کوفہ نے غدر کیا ہے اور مسلم و عقیل رحمہما اللہ تعالے شہید کر دیے گئے۔ اور یزید کی فوج یہاں آ پہنچی ہے تو یہ کہلا بھیجا کہ مین کوفہ نہیں جاتا اور نہ تم سے لڑنا چاہتا ہون مجھکو مکہ معظمہ واپس جانے دو، دشمن اس پر راضی نہ ہوا اور اصرار کیا کہ اس کے ہاتھ پر یزید کے لیے بیعت کریں، آپ نے فرمایا کہ اگر مکہ معظمہ واپس نہیں جانے دیتے تو مجھکو چھوڑ دو کہیں دوسری طرف چلا جاؤں گا، وہ اس پر راضی نہ ہوا تو آپنے فرمایا کہ اچھا مجھکو یزید کے پاس لے چلو میں خود اس سے گفتگو کرلوں گا۔ وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا اور جنگ یا بیعت پر مصر رہا۔ یہ تاریخی واقعہ بتلاتا ہے کہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ ہر طرح مجبور و مظلوم قتل کیے گئے ہین، اگر اس کے بعد بھی شہادت میں کلام کیا جائے تو تعجب خیز نہین تو کیا ہے۔ چنانچہ یہ بھی تصریح آپ کتب تاریخ میں پائیں گے کہ یزید کو جبکہ اس کی اطلاع ہوئی کہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ ان تینون امور کو پیش فرما رہے تھے، مگر اس کے عامل نے کسی کو قبول نہیں کیا تو بہت برہم ہوا اور سرزنش کی، واللہ اعلم۔

حاشیہ مکتو نمبر ۸۹) امام العصر کا یہ والانامہ بھی اپنی جگہ پر اہم تحقیق اور ایک زبردست تاریخی انکشاف ہے، اور اتنا صاف اور واضح ہے کہ تلخیص کی چندان ضرورت نہیں ہے، البتہ مذہب امامیہ کے بعض اصولی مسائل کا نام آگیا ہے اس لیے اسکو صاف کرنا ضروری ہے، ان میں سے

(۱) تقیہ ہے جس پر آیت سورہ آل عمران اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً سے استدلال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ بقول صاحب بیان القرآن آیت ہذا مین خوف ضرر کے وقت دوستی کے اظہار اور عداوت کے اخفا کا ذکر ہے، اور تقیہ متعارفہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں غور فرمائیں، مجھکو قوی امید ہے کہ آپ کے جملہ شبہات کا ازالہ ہو جائے گا، اور مزید تفصیل کے لیے اگر خواہش ہو تو قاسم العلوم کا یہ نمبر منگا کر دیکھ لیں۔ والسلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے متعلق بھی جناب نے غور نہیں فرمایا۔ غرض یہ تھی کہ غلط فہمی اور خطا اجتہادی سے انبیاء علیہم السلام بھی باوجود معصومیت از ذنوب معصوم نہیں ہیں اور ان سے بھی اس غلط فہمی سے بڑے سے بڑا امر سرزد ہو سکتا ہے اور اس پر مواخذہ نہیں ہوتا، حالانکہ حسب قاعدہ حسنات الابرار سیئات للمقربین ان سے چھوٹے چھوٹے اعمال پر بھی مواخذہ ہوتا ہے، حضرت نوح علیہ السلام پر مواخذہ بیٹے کے متعلق دعا کرنے پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر خوف ثلثہ کذبات کے متعلق طاری ہونا وغیرہ اسی قسم سے ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۸) میں کفر کا اظہار اور ایمان کا اخفا ہوتا ہے۔

آیت اکراہ پر شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں

اول اکراہ صرف دفع ضرر کے خوف سے ہے اور تقیہ مذکور جلب منفعت کے لیے ہے۔

دوسرے اکراہ میں اس ضرر کا شدید اور خوف کا قوی ہونا ضروری ہے اور تقیہ میں ضرر کا خفیف اور خوف کا وہم میں ہونا کافی ہے۔

علی بن عیسیٰ اردبیلی امامی کشف الغمہ عن معرفۃ الائمہ میں امام رضا سے روایت کرتے ہیں لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ اسی طرح ابوجعفر طوسی جامع الاخبار میں روایت لایا ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تارک التقیۃ کتارک الصلوٰۃ۔ کنز العرفان مقداد اور کلینی میں تو تقیہ کو حرام تک لکھا ہے، بہرکیف کتب امامیہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص میں ایمان نہیں جو تقیہ کرتا ہے بلکہ تقیہ کا چھوڑنے والا نماز کے چھوڑنے والے کی طرح ہے۔ معاذ اللہ

(۲) اصول امامیہ میں ایک چیز بداء ہے۔ تعریف علامہ ابن حزمؒ کے الفاظ میں یہ ہے: (باقی صفحہ ۲۹۰ پر)

حضرت موسیٰ علیہ السلام قتل قبطی پر تو خائف ہیں مگر حضرت ہارون علیہ السلام رمی الواح کے متعلق خوف کا تذکرہ تک بھی نہیں فرماتے۔ جبکہ ان حضرات کی خطا اجتہادی کا یہ حال ہے کہ سرزد بھی ہوتی ہے اور مواخذہ بھی نہیں ہوتا تو غیر معصوم سے سرزد ہونا کیوں ممنوع ہوگا۔ اور اس پر گرفت کیوں ہوگی۔ بلکہ حسب ارشاد المجتہد "اذا اخطأ فلہ اجر واذا اصاب فلہ اجران" ممکن ہے کہ اس کو اجر ملے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ غیر معصوم ہیں اگر ان سے دربارہ استحقاق خلافت اور شروط خلافت غلطی اجتہادی ہو جائے اور وہ یزید کو مستحق خلافت سمجھکر نامزد فرمادیں یا یہ کہ خلافت میں قرشیت، اسلام، حریت، بلوغ اور حسن تدابیر انتظام ہی کو شرط سمجھیں تقویٰ اور دیانت ضروری قرار نہ دیں تو کیا اس پر گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

رہا حسن نیت کا سوال تو جبکہ ہم کو عام مومنین کیساتھ حسن ظن کا حکم ہے تو ایک صحابی جس کے لیے دعوات نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ بھی موجود ہیں، کیوں نہ عمل میں لایا جائے۔ اگر آپ "من لم یرحم صغیرنا" پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں تو دوسرا کہہ سکتا ہے کہ "لم یوقر کبیرنا" کا خطاب بھی تو موجود ہے۔

بہرحال فکر و غور سے امور معروضہ میں کام لیجئے۔ جلدی مت فرمایئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۹) والبداء ھو الانتقال عن المامور بہ بامر حادث لا بعلم سابق الخ یعنی جس چیز کا حکم دیا اس کو کسی حادث کیوجہ سے نہ کہ اپنے علم سابق کی بناء پر پلٹ جانا بداء ہے۔ علامہ ابو جعفر نحاس نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں نسخ اور بداء کے فرق پر بحث فرمائی ہے طول کے خیال سے ہم بداء کی تعریف پر اکتفا کرتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے واما البداء فھو ترک ما عزم علیہ مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کا ارادہ کیا اسکو چھوڑ دینا۔ گویا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ بھی وہم اور غلطی میں پڑ گیا یا پڑ جاتا ہے۔

(۳) امامیہ کا تیسرا بنیادی مسئلہ ایمان بالرجعۃ کا ہے۔ یعنی حضرت علی بادلوں کے پردے میں چھپے ہوئے ہیں چنانچہ جب وہ آسمان سے پکاریں گے تو ہم ان کی اولاد کے ساتھ خروج کریں گے (شرح مسلم) السلاحی

مکتوب نمبر ۹۰

جوابؒ حلف نامہ ارسال ہے، ملاحظہ فرمائیں اور اعتماد اللہ تعالیٰ پر رکھیں۔ بندہ کا فریضہ صرف جد و جہد اور عمل ہے۔ متصرف فی الاکوان جناب باری عز اسمہ ہے۔ قلوب خلائق بین الاصبعین ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ رؤف و رحیم ہے۔ نہ گھبرانا چاہیے نہ مایوس ہونا چاہیے اور نہ مطمئن علی غیر اللہ ہونا چاہیے۔ اور اس کی رضا جوئی ہمیشہ مطمح نظر رہنا چاہیے۔

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ	وہی ہے جو اتارتا ہے مینہ بعد اس کے کہ آس توڑ چکے
مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَہٗ وَھُوَ الْوَلِیُّ	اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت اور وہی ہے کام بنانے والا
الْحَمِیْدُ۔ (الشوریٰ)	سب تعریفوں کے لائق

آپ دونوں کے ساتھ سی آئی ڈی اور سرخ پگڑی کا ہونا پریشانی اور اضطراب کا موجب نہ ہونا چاہیے۔ اور ان آیات میں غور کرنا چاہیے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا	اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچوں
مَعَ الصّٰدِقِیْنَ مَا کَانَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ	کے۔ نہ چاہیے مدینہ والوں کو اور ان کے گرد کے گنواروں
وَمَنْ حَوْلَھُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا	کو کہ پیچھے رہ جائیں، رسول اللہ کیساتھ سے اور نہ یہ کہ اپنی
عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِھِمْ	جان کو چاہیں زیادہ رسول کی جان سے یہ اس واسطے کہ جہاد
عَنْ نَّفْسِہٖ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ لَا یُصِیْبُھُمْ	کرنے والے نہیں پہنچتی ان کو پیاس اور نہ محنت اور نہ
ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ	بھوک اللہ کی راہ میں اور نہیں قدم رکھتے کہیں جس سے
اللّٰہِ وَلَا یَطَئُوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْکُفَّارَ	خفا ہوں کافر اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کوئی چیز

ؒ یہ والا نامہ مولانا حیدری اور شیخ ولی محمد صاحب جونپور کے نام ہے۔

وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ	مگر لکھا جاتا ہے ان کے واسطے اس کے بدلے نیک
لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ	عمل۔ بیشک اللہ نہیں ضائع کرتا حق نیکی کرنیوالوں کا
اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً	اور خرچ کرتے ہیں کوئی خرچ چھوٹا اور نہ بڑا
وَلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ	اور نہ طے کرتے ہیں کوئی میدان۔ مگر لکھا جاتا ہے انکے
لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	واسطے تاکہ بدلہ دے انکو اللہ بہتر اس کام کا جو کرتے تھے۔

آیات مذکورہ بالا میں ظمأ۔ نصب۔ مخمصہ۔ موطئا۔ نیلاً۔ نفقۃً۔ وادیا یہ تمام الفاظ نکرہ فی سیاق النفی ذکر کئے گئے ہیں جن کا مفاد عموم استغراق ہے، ان امور میں سے کوئی بھی درجہ چھوٹے سے چھوٹا، بڑے سے بڑا یا متوسط پایا جائے تو انعامہائے مذکورہ کا استحقاق ہونا یقینی ہے، آپ حضرات کی یہ کوشش اغاظۃ اعداء اللہ معمولی درجہ پر نہیں کررہی ہیں۔ بلکہ انکے دلوں میں گھاؤ اور گہری گھاؤ ڈال رہی ہیں، پھر کیوں پریشانی ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

من اعان غازیا فقد غزی	جس نے مدد دی جہاد کرنے والے کی تو اس نے
من خلف غازیا فی اھلہ بخیر فقد	بھی جہاد فی سبیل اللہ کا ثواب پایا اور جو کوئی غازی
غزا الحدیث	کے اہل کا قائم مقام ہوا گویا اس نے جہاد کیا۔

اس صحیح حدیث کی بموجب آپ حضرات مفت میں غازی فی سبیل اللہ بن رہے ہیں۔

افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جایر الحدیث۔ کیا آپ کے ذہن سے اتر گیا ہے۔

بہرحال خوش رہیئے، شکر کیجئے، اطمینان اور تدبیر سے کام کیجئے۔ دشمن اگر قوی ہست نگہبان قوی تراست۔ ہرگز ہراسان نہ ہوجیے ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ

شیخ سراج الدین صاحب کی تشریف آوری اور صحت سے خوشی ہوئی۔ ان کی خدمت

میں بہت بہت سلام عرض کر دیجئے۔ ہمارے بہت قدیم اور ممتاز محسن ہیں، کراچی میں موصوف نے بہت بڑے بڑے احسانات کیے ہیں۔ وہ کیسی بھی ان ہی کا رہین منت ہے۔ جزاہم اللہ وایاکم احسن الجزاء۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۱۹

(۱) ایصال ثواب[لہ] کا جو طریقہ عوام میں رائج ہے غلط ہے، عوام سمجھتے ہیں کہ یہی طریقہ متعین ہے اور رفتہ رفتہ اس میں بہت سی غیر مفید اور ناجائز باتیں داخل کر لی گئی ہیں جو کہ ایصال ثواب کے لیے ضروری سمجھی جانے لگی ہیں، مثلاً اس کو تبرک سمجھنا اور خود کھانا بچوں کو کھلانا، احباب میں تقسیم کرنا۔ اغنیاء کو کھلانا اور یہ اعتقاد کرنا کہ یہ کھانا اس بزرگ کا پس خوردہ ہے جس کے نام پر ایصال کیا گیا ہے۔ قرأت قرآن اور فاتحہ کو ضروری سمجھنا اور اسی طرح دیگر امور مثلاً جگہ کا لیپنا، خوشبو کا سلگانا، پڑھنے والے امام یا موذن یا مولوی کا حاضر ہونا اور پڑھنا۔ عوام کے اعتقاد میں یہ امور اگر نہ ہوں تو ایصال ثواب ہی نہیں سمجھا جاتا، اور عموماً یہ چیزیں محض نام و نمود اور شہرت کی غرض سے ریاءً و سمعۃً کی جاتی ہیں یا لوگوں کے لعن طعن سے بچنے کی غرض ہوتی ہے، اخلاص ہوتا ہی نہیں، علی ہذا القیاس لباس اوقات

لہ (۱) واح بزرگان کو طریقہ ایصال ثواب کیا ہے کیا کھانا وغیرہ یا شیرینی یا کوئی چیز سامنے رکھکر اور اگر کی بتی جلا کر عود وغیرہ سلگا کر چند سورہ قرآن پڑھنا یہ مسنون طریقہ ہے؟ اور اس کھانے میں سے اور اس شیرینی میں سے خود بطور تبرک استعمال کرنا اور احباب کو کھلانا اور کچھ غرباء و مساکین کو دینا کیا یہ صحیح طریقہ شرعی ہے؟ کیا اس طریقہ کو مولانا شاہ فضل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پسند فرمایا ہے؟

حلال مال ہی نہیں ہوتا، بالخصوص میت کے وصال کے بعد اس کے ترکہ میں سے جو کچھ کیا جاتا ہے عموماً ورثہ سے اجازت نہیں لی جاتی، بالخصوص جبکہ وارث بعض یا کل غائب یا نابالغ ہوں مسکینوں یا فقیروں کو یہ مال دیا ہی نہیں جاتا اور اگر دیا جاتا ہے تو بہت کم اور ادنی قسم کا، عمدہ کھانا اور اکثر حصہ اغنیاء اور اہل خانہ ہی کھاتے ہیں، حالانکہ ان کے کھانے میں کسی ثواب کی امید ہی نہیں ہے۔

حضرت قطب عالم مجدد زماں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ملفوظات میں فرماتے ہیں

و آدابیکہ بحضور طعام فاتحہ در بار بجامی آرند پس ایں ہم اتباع خیالات فاسدہ خود است چہ فاتحہ بسبب آں طعام بجائے صاحب فاتحہ نشدہ، پس چرا آدابیکہ در استحسان آن بنسبت صاحب فاتحہ ہم گفتگو بود بعمل باید آورد۔ و ملک وے نگردیدہ چہ اگر ملک اوست پس چرا فاتحہ کنندگان دخل دراں میکنند بموجب خواہش خود می خورند و می خورانند بلکہ اں را بوارثان صاحب فاتحہ رسانند نیاز حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا را بسادات دہند و نیاز حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ با ولاد امجاد ایشان حوالہ نمایند وعلی ہذا القیاس واگر ایں آداب بگمان حلول روح صاحب فاتحہ

جو طریقہ کہ فاتحہ کے کھانے پر مجلسوں میں برتا جاتا ہے یہ بھی اپنے خیالات فاسدہ کی پیروی ہے، کیونکہ فاتحہ اس کھانے کے سبب سے جس کا فاتحہ کیا جاتا ہے اس کیلئے نہیں ہوتا پس وہ آداب کیوں بجا لائے جاتے ہیں جبکہ فاتحہ کے مستحسن ہونے میں کلام ہے۔ اور وہ کھانا اسکی ملکیت نہیں ہے کیونکہ اگر اسکی ملکیت ہے تو پھر فاتحہ کرنے والے اسکے اندر کیوں دخل دیتے ہیں اور اپنی خواہش کے مطابق خود کھاتے اور کھلاتے ہیں، بلکہ صاحب فاتحہ کے وارثوں کو پہنچاتے ہیں اور حضرت فاطمہؓ کی نیاز کے کھانے کو سادات کو دیتے ہیں اور اسی طرح نیاز شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو انکی اولادوں کے حوالہ کرتے ہیں، اسی پر اور قیاس کرنا چاہیے اور اگر یہ آداب صاحب فاتحہ کی روح کے سرایت کرنے

در آں طعام یا لمس وے است آں طعام را
یا بسبب آنکہ تناول کردہ پس خوردہ اوشد
ایں ظنون فاسدہ ایشاں است کہ ہرگز
معلوم ایشاں نیست و اگر بالفرض والتقدیر
چیزے ازاں معلوم شود پس حدیکہ در آداب
طعام ازاں تجاوز کردہ پس حاصل از آداب
آں طعام نیست مگر حصول مشابہت بکفرۂ
ہنود کہ احیاناً حبوب و غلات و اجناس اطعمہ
را پرستش می کنند الخ (صراط مستقیم ص ۵۶ تا ۵۸)

یا اس کے چھونے کے خیال سے ہوتے ہیں کہ یہ کھانا انکا
کھایا ہوا اور انکا جوٹھا ہے، تو یہ خیالات باطل
اور لغو ہیں جو ان لوگوں کو قطعاً معلوم نہیں ہیں
اگر مان لیا جائے کہ کچھ معلوم ہے۔ پس جو تعریف
کہ آداب طعام کے لیے ضروری ہے وہ کھانا
اس کھانے کے آداب کا حاصل اس کے سوا
کچھ نہیں ہے کہ ہندؤں کے طریقہ کی مشابہت ہوتی
ہے جو کبھی کبھی دانہ اور غلہ اور کھانے کی چیزوں
کو سامنے رکھکر پرستش کرتے ہیں۔

چونکہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کے دادا پیر ہیں، اس لیے ان کی تحریر پیش کر رہا ہوں۔ خود حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ فیصلہ ہفت مسئلہ میں صفحہ ۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"اور مشرب فقیر کا اس مسئلہ میں (فاتحہ) یہ ہے کہ فقیر پابند اس ہیئت کا نہیں ہے، مگر کرنے والوں پر انکار نہیں کرتا۔"

اور صفحہ ۶ میں فرماتے ہیں

"خلاصہ یہ ہے کہ نفس ایصال ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اس میں بھی تخصیص و تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب و فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تعیین ہیئت کذائیہ ہے تو کچھ حرج نہیں ....

سلف میں یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصال ثواب کی

نیت کرلی۔ متاخرین میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے، مگر موافقت قلب ولسان کے لیے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے، اسی طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر ہے الخ خلاصہ یہ کہ جب تک یہ قیود اور تخصیصات لازم نہ تھیں بلکہ کلی تحقق کے تشخصیات تھیں جب تک کسی کو کلام نہ تھا، مگر جبکہ عوام کے اعمال و اقوال سے حکماء امت نے اندازہ کرلیا کہ یہ قیود ضروری سمجھی جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ محظورات کو مشتمل ہو گئی ہیں ان کو منع فرمانے لگے، کیونکہ تخصیص مطلق اور تقلید ناجائز ہو گئی ہے، جس کو حضرت رحمۃ اللہ خود فرما رہے ہیں کہ ناجائز ہے، اسی کو صراط مستقیم میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے،

صفحہ ۵۶ کے آخر میں ہے۔

مصرف طعام ہر گرسنہ و محتاج است اے پرہیز گار بہتر از غیر پرہیز گار است پس صحنک و توشہ کہ ساختہ پرداختہ بسیار است و تبلاحق انکار و یہ حقیقتے نہایت دور از حق پیدا شدہ و اکابر بزرگان حال آنزا در اوقات تربیت و ارشاد در ضمن کلیات بیان فرمایند و تخصیص و مجاہر در عین وقت مقابلہ ایں رسوم غیر مفید الکاشتہ خاموش می شوند از خاموشی آنہا فریب نخوردہ در محو آں سعی باید کرد چہ ایں قیود شدہ شدہ بقبائح انجامیدہ و آں قیود ضرور تر از قیود

کھانے کے مستحق ہر بھوکے اور محتاج ہیں۔ ہاں پرہیز گار آدمی غیر پرہیز گار سے بہتر ہے۔ پس صحنک اور توشے جو بعد کے لوگوں نے ایجاد کر رکھے ہیں وہ خیالات فاسدہ کی آمیزش سے حق بات سے کوسوں دور ایک حقیقت پیدا ہو گئی ہے جس کا حال بڑے لوگ تربیت و ارشاد کے اوقات میں کلیات کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں اور تخصیص اور کھلم کھلا بیان کرنے کو اس رسوم کے مقابلہ کے وقت غیر مفید سمجھ کر خاموش رہ جاتے ہیں ان کی خاموشی کے فریب میں نہیں آنا چاہیے بلکہ ان کے مٹانے کی ہر ممکن سعی کر لی جائے کیونکہ یہ قیود آہستہ آہستہ برائی تک پہنچاتے اور جاہلوں کے نزدیک

شرعیہ در ادیان جہلا قرار یافتہ کہ التزام آنرا جزء اسلام
و ایمان می پندارند و تارک ساعی را در ہدم اساس
آں خارج از ایمان می شمارند۔
چوں التزام رسوم بایں حد رسد بالکل قلب
مطلوب وعکس مقصود گردیدہ، واجب الترک
می گردد، بنابر تمیز سنن از فرائض تاکید یکہ در
حدیث می شود یاد کردہ دریں محل بکار باید برد
در رواج نذر و نیاز بایں حد رسیدہ کہ از نذر طعام
وغیرہ گذشتہ جانہاے جانوراں کہ نیاز می کنند
در ذبح آں خوشنودی غیر خدا جل شانہ قصد کردہ
مطابق حدیث شریف کہ لعن اللہ ذبح لغیر اللہ
ملعون شوند وبقول اکثر علماء ایں لعنت بجہت کفر
است پس امرے کہ کفر شد آں را عبادت پنداشتن
بکدام مرتبہ زشتی و زبونی خواہد بود
درحقیقت آں است کہ کسانیکہ در نذر و نیاز
ارتکاب معاصی و کفر می کنند ایشاں را ایصال ثواب
منظور نیست بلکہ شرک می کنند و می دانند کہ ایں کار
براے بزرگاں می کنیم معنی عبادت خدا ہرگز در ذہن
شاں نمی باشد دلیلش آں کہ ہر کہ در توشہا و نیازہاے

قیود شرعیہ سے زیادہ ضروری ہو جاتے ہیں جسکو بجالانا ایمان
و اسلام کا ایک جزء سمجھتے ہیں اور جو اسکا تدارک کرتا اور مٹاتا ہے
اسکو اسلام کا ڈھا دینے والا اور ایمان سے خارج سمجھتے ہیں۔
جب ان رسومات کا التزام اتنا ضروری ہو گیا تو گویا
مقصد کے برعکس ہوا اور مطلب جاتا رہا اسلیے اسکا چھوڑ دینا
واجب ہو گیا، لہذا احادیث میں سنتوں کو فرائض سے ممتاز
کرنے میں جو تاکید آئی ہے اس جگہ کام میں لانا چاہیے اور جو نذر
و نیاز کی رسمیں اس حد کو پہنچ گئی ہیں کہ کھانے وغیرہ کی نذر
سے گذر کر جانوروں کو نیاز کرتے اور اس کے ذبح کرنے میں
اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے سوا ارادہ کرتے مصداق حدیث
کہ "لعنت ہے اللہ کی اس پر جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے"
ملعون ہو جاتا ہے، چنانچہ اکثر علماء کے نزدیک لعنت
بوجہ کفر کے ہے، پس جو چیز کہ کفر ہو گئی اس کو عبادت
سمجھنا کس درجہ برا اور خراب ہوگا۔
اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ نذر و نیاز میں گناہ اور کفر
کے مرتکب ہوتے ہیں ان لوگوں کو ثواب پہنچانا منظور نہیں ہے
بلکہ یہ حضرات شرک کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ کام
بزرگوں کے واسطے ہم کر رہے ہیں اللہ کی عبادت کے
معنی ہرگز ان کے ذہنوں میں نہیں ہوتا ہے، اس پر دلیل

بزرگاں ملتاں کثیرہ صرف کردہ باشد اگر از وے
پرسند کہ گاہے برائے خدا ہم چیزے دادہ خواہد
گفت کہ بالکلیہ خدا را و آنہا را بعضے در مرتبہ مساوی
تقرب و رضا جوئی می نہند بچنان حال ہمیں بعض
است وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ
أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا
أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ۔

(بقرہ)

و بعضے ترجیح می دہند و بعضے آں بار اکافی
حاجات خود بالاستقلال دانستہ از التجا و دعا
بجناب حضرت حق جل شانہ بے نیاز می شوند
پس چارۂ کار طالب حق و صواب تتبع مرضیات
خدا و رسول درین جز و زبان آن ست کہ
بروح ہر شخصے کہ ایصال ثواب منظور باشد
بلا قید وضع و جنس طعام و تناولاں آں ہر
چیز کیہ انفع و بہتر در حق فقرا و محتاجین آں
وقت باشد و بصفائی نیت دن تربو صرف
نماید و از طرف آن شخص نیت کردہ بعمل آرد و اگر دعا
ہم کنند بہتر است و تمام قیود و رسوم یکقلم دور کند

یہ ہے کہ جو شخص توشوں اور بزرگوں کی نیازوں میں بہت
روپیہ خرچ کرتا اگر اس سے پوچھا جائے کہ کبھی خدا
کیلیے بھی کچھ دیا ہے کہے گا نہیں، اس صورت میں خدا کو
اور ان بزرگوں کو قربت اور رضا جوئی میں برابر مرتبہ
پر رکھتے ہیں جنکے مناسب حال یہ آیت ہے اور بعضے لوگ
وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو۔ انکی محبت
ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی اور ایمان والوں
کو اس سے زیادہ تر ہے محبت اللہ کی۔

اور بعض لوگ تو ان ہی کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض تو اپنی
حاجتوں کا مستقلاً پورا کرنیوالا سمجھکر خدا سے دعا اور التجا
کرنے میں بے نیاز ہو جاتے ہیں لہذا حق اور صواب کے طلبگار
اور خدا اور رسول کی رضا جوئی کے پیرو کیلیے اسکے سوا چارہ کار
نہیں کہ جس شخص کی روح کو ثواب پہنچانا منظور ہو بلا قید
دن اور خاص ہیئت، اقسام کھانا اور کھانے والوں کے
جو چیز فقیر اور محتاجوں کے حق میں بہتر اور زیادہ نفع پہنچانے
والی ہو خلوص نیت سے صرف کرے اور اس شخص
کی طرف سے نیت کرکے کرے اگر دعا بھی کرے بہتر ہے
اور تمام قیود و رسوم کو یک لخت
دور کر دے۔

و نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات
باطعام و فاتحہ خوانی خوب نیست چہ ایں
معنے بہتر و افضل. غرض آں ست کہ مقید
برسم نباید شد بے تعین تاریخ و روز و جنس
و قسم طعام ہر وقت و ہر قدر کہ موجب اجر
جزیل بود عمل آرد و ہرگاہ ایصال نفع
بمیت منظور دارد موقوف بر اطعام
نگذارد. اگر میسر باشد بہتر است والا صرف
ثواب سورہ فاتحہ و اخلاص بہتریں ثوابہاست
در تعین تاریخ و روز و قسم و وضع طعام ضیق
پیش می آید و اعتنا و اہتمام آں موجب
اضاعت اوقات می گردد و دیگر کارہائے
اہم معطل می ماند۔ یگانہ و بیگانہ آشنا و
ناآشنا بروز و تاریخ منتظر و مترقب می ماند
و اقربا فراہم می آیند و انساں را خواہ نخواہ آنچہ
کردن دشوار می بود سرانجام آں ضرور می افتد

اور یہ گمان نہ کرے کہ مردوں کو نفع پہنچانا کھانا اور
فاتحہ خوانی کے ساتھ اچھا نہیں ہے، بلکہ غرض یہ ہو کہ
رسم کا پابند نہ بنے اور بے تعین تاریخ و دن و جنس
و اقسام کھانا ہر وقت اور جس قدر بھی ثواب
کا باعث ہو عمل کرتا رہے، اور جب کسی
مردہ کو نفع رسانی منظور ہو صرف کھانا ہی پر
موقوف نہ رکھے، اگر بآسانی ہو جائے بہتر ہے
نہیں تو سورہ فاتحہ اور قل ہو اللہ احد بہترین
ایصال ثواب ہے، نیز تاریخ اور دن وغیرہ
کے تعین میں دشواری پیش آیا کرتی ہے اور
اس کا اہتمام وغیرہ کرنا تضیع اوقات کا باعث
ہوتا ہے اور بہت سے اہم کام چھوٹ جاتے ہیں۔
اسی طرح اپنے اور بیگانے آشنا اور پرائے تاریخ
وغیرہ پر منتظر رہتے اور اقربا بھی اکٹھا ہو جاتے ہیں
انسان کو خواہ مخواہ جو دشوار ہوتا ہے
پورا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہ العزیز گنج مرادآبادی سے اس طریقہ کی پسندیدگی کو نقل کرنا غلط ہے، والد صاحب مرحوم مدتہائے دراز ان کی خدمت میں رہے تھے، جو کہ تقریباً سات آٹھ برس یا زائد ہوتی ہے۔ ان سے بارہا میں نے سنا ہے کہ وہاں اس طریقہ

سے فاتحہ خوانی ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک مرتبہ کسی نے میرے سامنے حضرت رحمۃ اللہ سے فاتحہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ میاں ہم تو جب کھانا روزانہ ہمارے یہاں تیار ہو جاتا ہے تو اس کو کسی بزرگ کے لیے فاتحہ دے لیتے ہیں (او کما قال) بہرحال کوئی تقیید وہاں نہ تھا اور ہوتا کیوں کر، حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلویؒ کے خاص شاگرد تھے، اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ اربعین میں ان قیود و رسوم پر انکار فرمایا ہے۔ والد صاحب مرحوم ~~سے~~ اپنے پیر و مرشد میں فنا تھے، اگر وہاں کا طریقہ پسندیدہ ہوتا تو ضرور عمل میں لاتے، میں نے مولانا محمد علی صاحب مرحوم ناظم ندوہ سابق اور خلیفہ حضرت گنج مراد آبادی کو دیکھا ہے، مدینہ منورہ میں بھی اور مونگیر میں بھی بہت آمد و رفت ان کی خدمت میں رہی اور بہت زیادہ خلط و ملط کے ساتھ رہا، موصوف بہت عنایت فرماتے تھے، مگر میں نے کبھی ان کے ہاں یہ طریقے فاتحہ وغیرہ کے نہیں دیکھے۔ ہاں ختم خواجگان وغیرہ اعمال تصوف ہوتے ہیں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام ننگ اسلام حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۹۲

(۱) ابابیل کے متعلق بعض کتابوں میں تصریح نکل آئی کہ وہ حلال طیور میں سے ہے اور قاعدہ کلیہ غیر ذی مخلب من الطیور کا بھی اس کا مقتضی ہے، اس لیے اسکی برٹ طاہر ہو گی۔

(۲) جو کتاب اقوال بزرگان کی بھیجی ہے نہایت بہترین کتاب ہے۔ مگر افسوس کہ اسکی تصحیح نہیں کی گئی، کاتب کی غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔ کہیں کہیں تصحیح ہے، مگر شاذ ہے۔ ابھی دیکھ رہا ہوں پھر واپس کر دونگا۔

(۳ ؎) شیعوں کے متعلق پوری معلومات تو مولانا عبدالشکور صاحب کو ہیں، ان سے دریافت کرنا چاہیے، مگر میرے خیال میں ان کے وضو کا بقیہ پانی پاک ہے۔

(۴ ؎) علیٰ ہٰذا القیاس اگر وہ سنی کی جانماز پر نماز پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔

(۵ ؎) نہایت شہرت کو پہنچ چکا ہے کہ شیعہ اگر کسی سنی کو کھانا پانی دیتے ہیں تو اس میں نجاست ضرور ملا دیتے ہیں، اگر کوئی موقعہ نہیں ملتا تو تھوک ضرور دیتے ہیں۔ اس لیے حتی الوسع اس سے احتراز چاہیے۔

(۶) شب برات کے حلوے کے کھانے میں فی نفسہٖ تو کوئی قباحت نہیں ہے، مگر چونکہ جہال اس کو مذہبی جزء شمار کرتے ہیں اور وہ بالکل غلط ہے تو اگر کوئی مقتدیٰ ایسا ہو کہ اس کے رد کرنے سے عوام کی اصلاح ہوگی تو اس کو ردہی کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

(۷ ؎) گیارہویں شریف کے کھانے میں اگر کھانے میں سب میں نیت ایصال ثواب کی کی گئی تو غیر محتاج کو نہ لینا چاہیے، اور اگر یہ نیت ہے کہ اس میں سے ایک حصہ ایصال ثواب کے لیے ہے باقیماندہ اہل خانہ اور احباب کے لیے ہے تو کھانا غیر فقیر کو بھی جائز ہوگا۔ وہ حصہ جو آپ کو دیا گیا ہے وہ ایصال ثواب ہی کا ہے تو آپ کو لینا اور کھانا درست نہیں، اور اگر اہل خانہ و احباب کا ہے تو جائز ہے۔

؎ کسی شیعی مذہب رکھنے والے نے وضو کیا اور لوٹے میں اس کے وضو کرنے کے بعد پانی بچ رہا تو وہ پانی طاہر ہے یا نہیں؟

؎ کسی سنی کی جانماز پر کسی شیعہ نے نماز پڑھی اس سے کوئی حرج تو نہ ہوگا؟

؎ شیعہ کے یہاں کھانا کھانا چاہیے یا نہیں؟

؎ گیارہویں شریف کے نذر و نیاز کا کھانا کھانا چاہیے یا نہیں، میرے یہاں اکثر میرے اسکول کے شاگردوں کے یہاں نذر و نیاز ہوتا ہے اور میرے پاس کھانا وغیرہ بھیجدیتے ہیں، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے۔ (حیدری)

(۹) صاحبزادہ پر عمل نظر کیا گیا یا نہیں، کوئی نتیجہ ظاہر ہوا یا نہیں۔ امید تھی کہ آپ بھی دونوں صاحبوں کے ساتھ ہوں گے تو زیارت ہوجائے گی، مگر محرومی ہی رہی الخیر فیما وقع۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں اور ذکر میں غفلت نہ کیجئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۹۳

الحمد للہ دیہاتی اور عام مسلمانوں کی جہالت اور مذہبی ناواقفیت کا آپ کو علم ہوگیا۔ افسوس ہے کہ مسلمان عموماً اور علماء خصوصاً اس سے بے خبر ہیں اور دشمنانِ اسلام اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور عوام کو گمراہ اور مرتد بنا لیتے ہیں، لیگی صرف سیٹوں اور عہدوں کے لیے طوفان خیز کارروائی عمل میں لاتے ہیں، مگر مسلم عوام کا ذرا بھی خیال نہیں ہے، ان کی دیانت اور اسلام تو کیا دیکھتے ان کی غربت اور افلاس، ان کی جہالت، ان کی بیکاری اور پسماندگی وغیرہ کی طرف بھی بالکل توجہ نہیں کرتے۔

علماءِ دین اول تو نہایت کم ہیں، جو ہیں بھی وہ اپنی بڑی بڑی ملازمتوں اور وجاہت، آمدنی وغیرہ کی فکر میں سرگرداں ہیں، مشائخ و پیرانِ عظام کا کام صرف ٹیکس وصول کر لینا ہے، مرید جنت میں جائے یا دوزخ میں۔ ہم کو اپنے حلوے مانڈے سے غرض ہے، یہ ان کی حسبِ حال ہے، آپ حضرات علمِ دین پڑھ کر ہیڈ مولوی، سکنڈ مولوی وغیرہ کا عہدہ حاصل کرکے پیٹ کے چکر میں ایسے مبتلا ہوئے ہیں کہ ان غرباءِ اسلام کی ادنیٰ درجہ کی بھی اصلاح نہیں کرتے، اگر تعطیلات اور اتوار وغیرہ کو باقاعدہ نظام کے ماتحت دیہات کا دورہ اور غرباءِ اسلام کی خبرگیری کا ذمہ اپنے اوپر لے لیتے تو کیا اس سے عمدہ نتائج نہیں نکل سکتے تھے؟ بہرحال مجھکو بیحد خوشی ہوئی کہ اس مرتبہ آپ کو

اس زبوں حالی کا احساس ہوا، اگر اور بھی آپ کو تجربے ہوئے تو اس سے بھی حالت گری ہوئی معلوم ہوگی، میرے محترم! بہت زیادہ بلند آہنگی اور جد و جہد کی ضرورت ہے، علماء کا فریضہ بہت زیادہ ہے جس سے ہم میں سے اکثر افراد سخت غافل ہیں، اسکیم بنایئے، اس پر غور کروں گا، مگر اس سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ مجنونانہ وار اس وادی میں قدم رکھیے اور جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ خار کے ساتھ گل بھی ہیں، خار ہی خار نہیں ہیں، لوگوں میں تاثر اور استفادہ اور اصلاح بھی ہوتی ہے اور ممبری پر نذرانہ بھی مل جاتا ہے۔ بہر حال مجھکو اس سے بہت خوشی ہوئی، اور مجھے امید ہے کہ آپ اپنے ہم خیال اہل علم کی جماعت بنا کر ان کو بیدار کر کے اس عملی میدان میں کچھ کاروبار انجام دیں گے۔ شیخ ولی محمد صاحب کے آٹھ دوں سے خوشی ہوئی۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۹۴

جوابات مسئلہ شرعیہ

(۱) عقد نکاح کے لیے مذہب حنفی میں گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں البتہ ثبوت عند القاضی کے لیے عدالت شرط ہے، تحقق نکاح فاسق معلن بالفسق گواہ سے بھی ہو جاتا ہے۔

(۲) شیعی مسلمان ہے یا کافر، یہ مسئلہ قابل غور اور مختلف فیہ ہے، خود شیعہ بھی سنیوں کو کافر کہتے ہیں اور مسلمان نہیں ملتے، چنانچہ ان کے مجتہد نے کالکتہ میں محسنیہ فنڈ کے متعلق ہائی کورٹ میں بحث کرتے ہوئے اس کا اعلان کیا تھا۔ جس کی صورت میرے پاس ہے مولانا عبد الشکور صاحب

---

(۱) عقد نکاح کے لیے گواہوں کا عادل ہونا شرط ہے یا نہیں؟

(۲) شیعی مذہب رکھنے والا مسلمان ہے یا کافر؟

اور بہت سے علماء ان کے کافر ہونے کے قائل ہیں، بعض متوقف ہیں، بعضوں کا قول فیصل ہے کہ ان کے علماء کافر ہیں اور جہلا فاسق ہیں، یقیناً قرآن میں تحریف کے ماننے والے، اللہ تعالےٰ کے علم بالجزئیات کا انکار کرنے والے، بدء کے قائل ہونے والے کافر ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت رکھنے والے وغیرہ وغیرہ۔

پھر آپ ہی فرمائیے کہ ایسی صورت میں ان کی شہادت سے نکاح کسی قول پر کیسے منعقد ہو سکتا ہے، ہاں یہ عقائد مکفرہ عوام میں غالباً نہ ہوں مگر ان کے علما میں ضرور پائے جاتے ہیں۔

(۲ له) اگر علاوہ شیعی کے اور دوسرے گواہ سنی موجود ہیں تو ضرور ہو گیا۔ گواہوں کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ کہا جائے کہ تم گواہ رہو۔ مجلس عقد میں حاضری اور الفاظ عقد کا سننا کافی ہے، عورت کے سامنے اجازت لینے کے وقت گواہوں کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ عقد نکاح ہو جائے گا، ایجاب و قبول کے وقت جس میں عورت کا وکیل یا ولی موجود ہے گواہوں کا ہونا ضروری ہے، چنانچہ فضولی کا عقد بھی صحیح ہوتا ہے۔

(۳ له) کابین نامہ میں تفویض طلاق اگر شوہر کی طرف سے کر دی جائے گی تو یقیناً صحیح ہو گی۔ اور عورت کو اختیار ہو گا کہ حسب شرط وہ اپنے اوپر طلاق واقع کر لے۔ البتہ تفویض طلاق کی صورت

له عقد نکاح میں علاوہ سنی گواہوں کے ایک شیعہ بھی گواہ ہو تو ایسی صورت میں عقد نکاح صحیح ہو گا یا نہیں؟

له کابین نامہ میں اگر تفویض طلاق شوہر کی جانب سے ہو تو صحیح ہے یا نہیں؟ (حیدری)

سه تفویض طلاق یعنی عورت کو طلاق سپرد کر دینا، مثلاً کسی شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ اپنے تئیں طلاق دے یا نیت طلاق سے کہا امرک بیدک یا اختاری (اپنے کو اختیار کر لے) زوجہ کو اختیار ہے کہ جس مجلس میں اسکو علم ہوا ہے طلاق دے لیوے۔ اگرچہ مجلس طویل ہوئے اور اگر بعد علم زوجہ اٹھی یا جو کام کر رہی تھی اسکو چھوڑ کے دوسرا کام شروع کیا مجلس مختلف ہو جائیگی اور خیار باطل ہو گا کیونکہ یہ مسئلہ اتفاقی اور اجماعی ہے باقی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ (اصلاحی)

کتب فقہ میں دیکھ لی جائیں۔

(۴[۵۱]) اصل خطبوں میں کھڑے ہو کر ہی پڑھنا ہے، مگر بیٹھ کر بھی جائز ہے۔ ہندوستان میں عام طور پر اب بھی رواج ہے، عرب میں بھی اب یہی رواج ہو گیا ہے۔

امتحان کے اختتام پر اسکول میں تعطیل ہو جائے گی، غالباً آپ وطن مالوف تشریف لیجائینگے۔ اس کے متعلق تفصیلات سے مطلع فرمائیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مضمون پر کیا رائے قائم کی، قائد اعظم کے متعلق کئی پرچوں میں مدینہ کا اڈیٹوریل اور دوسرے اخبار جو کچھ لکھ رہے ہیں اس کا کیا اثر آپ نے اور اہل شہر نے لیا۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۹۵

(۱) گھر کے خط میں لکھا تھا کہ برخوردار ارشد[۵۲] طاعون میں مبتلا ہو گیا ہے، علاج کیا جا رہا ہے، اب معلوم نہیں کہ اس کا کیا حال ہے، اگر کوئی خط گھر کا ہو تو خیر ورنہ آپ ایک جوابی تار بنام محمد بشیر صاحب الہ آباد، ٹانڈہ دیدیں کہ ارشد کی صحت سے مطلع فرمائیں۔ یہ تار بروز شنبہ دیا جائیگا، اور میں انشاء اللہ چہارشنبہ یا پنجشنبہ کو تار بھیجوں گا، یا جب آپ مناسب سمجھیں۔

(۲) خلیل اللہ جنگ[۵۳] کے مقدمہ کے متعلق کیا ہوا۔ کارروائی سے مطلع فرمائیں۔

---

[۵۱] عنہ: مسئلہ جمعہ کے وقت خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا مسنون ہے یا بیٹھ کر؟

[۵۲] حضرت مولانا مدظلہ العالی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔

[۵۳] خلیل اللہ جنگ۔ جناب نواب محمد اسد ایس جنگ سابق ریڈر لا (قانون) الہ آباد یونیورسٹی و سشن جج اورنگ آباد کے بڑے صاحبزادے ہیں اور میرے تلمیذ رشید ہیں۔ یہ برطانوی فوج میں کپتان کے عہدہ پر مامور تھے، کسی لغزش کے

(باقی ص ۳۰۶ پر)

(۳) دیوبند کا خط بند ہی روانہ فرمائیں۔

(۴) مراد آباد کا خط اگرچہ کھلا ہوا ہے، مگر بند کرکے روانہ فرما دیجئے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۵) باعث سخت جرم کے مرتکب ہوگئے۔ اور عزیز موصوف کو کلکتہ میں کورٹ مارشل سپرد کر دیا گیا، استخلاص اور رہائی کی کوئی صورت نہیں تھی، دہلی اور الہ آباد سے بیرسٹروں نے جاکر مقدمہ میں بحث کی اور کافی پیروی کی، کوئی صورت استخلاص کی نظر نہیں آئی، سب ناامید ہوکر واپس آگئے اور سارا خاندان پریشان تھا، حضرت مولانا ظلہ العالی کی خدمت بابرکت میں بہ لجاجت دعا کیلئے درخواست کی گئی، کہ حضرت اقدس استخلاص کے لیے دعا فرمائیں، حضرت اقدس نے خود دعا کی اور مجھے بھی ایک عمل پڑھنے کے لیے لکھا، میں متواتر تا فیصلہ مقدمہ حضرت اقدس کے فرمانے کے مطابق ورد کرتا رہا، فیصلہ سے تین چار روز پیشتر میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا وسیع چٹیل میدان ہے، اس میں میں سویا ہوا ہوں اور بہت سے کثیر تعداد میں بھورے بھورے سرخ رنگ کے کتے مجھ پر حملہ کرنے چاروں طرف سے آرہے ہیں، ان کتوں میں ایک کالے رنگ کا بھی کتا تھا، جو ان سب کتوں کو ہنکا کر لا رہا تھا اور مجھ پر حملہ کروانا چاہتا تھا، میں ان کو دیکھ کر خوف زدہ ہو رہا تھا اور کہیں پناہ لینے کی جگہ نہیں تھی، ان کے حملے سے بچنے کے لیے میرے ذہن میں فوراً یہ بات منجانب اللہ آئی کہ مردہ بن کر سانس روک کر تھوڑی دیر سو رہوں، میں نے یہی تدبیر کی، سب کے سب کتے آئے اور مجھے سونگھ سونگھ کر ادھر ادھر بھاگنے لگے تو وہ کالا کتا پھر ان کتوں کو گھیر گھیر کر حملہ کرنے کیلیے لایا، اور مجھ پر آگے بڑھ کر اس کالے کتے نے پہلے حملہ کیا، میں نے اب دیکھا کہ بچنا مشکل ہے فوراً اٹھ کر ہمت کرکے اس کالے کتے کے جبڑے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر چیرنا شروع کیا، جیسے جیسے اس کے جبڑے کو چیرتا جا رہا ہوں وہ انسانی شکل اور فوجی لباس میں ہوتا جا رہا ہے، اس کی ہیئت و شکل اور صورت انسان کی ہوگئی، اور وہ بجائے کالے کتے کے گورا فوجی لباس میں ہے، میں نے اس کو جان سے مار ڈالا، اب دیکھتا ہوں کہ بجائے میدان کے ایک بلند کھلے چھت پر ہوں، اور میں گھبرا رہا ہوں کہ یا اللہ اس لاش کو کیا کروں، دیکھتا ہوں کہ چھت کے نیچے ایک صاف ستھری چوڑی پختہ سڑک ہے اور اس سڑک پر کچھ لیڈیاں فوجی لباس میں کھڑی ہیں، میں نے اس لاش کو چھت پر سے نیچے سڑک پر پھینک دیا،

(بقیہ ص ۳۰۷ پر)

(۵) آرڈی ننس کی کاپی اب تو شاید آ گئی ہوگی، کاٹجو صاحب اس کی دفعات کو زیر بحث لا رہے ہیں

(۶) خواجہ صاحب اگر موجود ہوں سلام مسنون کہدیجئے، نیز دیگر واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہدیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد

مکتوب نمبر ۹۶

امور مستفسرہ[۵] کا جواب

عید کی نماز کے بعد ملنا اور معانقہ یا مصافحہ کرنا کوئی امر مسنون نہیں ہے، لوگوں کی اختراعات اور بدعات میں سے ہے، احادیث میں جہانتک معلوم ہے اس کا پتہ نہیں چلتا، غیبوبت کے بعد مصافحہ اور طویل غیبوبت پر معانقہ ثابت ہے، مگر عید کی نماز کے بعد ان کا ثبوت نہیں ہے، یہاں

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۶) اور وہ لیڈیاں اس لاش کو اٹھا کر لے گئیں، اسکے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ صبح اٹھ کر میں نے اس خواب کو قلمبند کیا اور حضرت اقدس کی خدمت بابرکت میں بھیجا حضرت اقدس نے ان الفاظ میں جواب مرحمت فرمایا تھا "آپکا خواب مبارک ہے آپ کو اپنے دشمن پر فتحیابی حاصل ہوئی، ممکن ہے کہ اسمیں خلیل اللہ جنگ کی کامیابی اور نجات کی بشارت ہو" الخ اس کے بعد حضرت اقدس کے لکھنے کے مطابق تا فیصلہ وہ عمل جو اس مکتوب میں درج ہے کرتا رہا، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پانچویں روز خواجہ صاحب مدظلہ العالی کے پاس خبر آئی کہ خلیل اللہ جنگ صاف چھوٹ گئے ہیں اسوقت میں اپنے کمرے میں تھا، جو جناب خواجہ صاحب کے کمرے سے ملحق تھا، خواجہ صاحب نے مجھے آواز دیکر بلایا اور یہ بشارت آمیز خوش کن خبر دی کہ خلیل میاں صاف چھوٹ گئے، اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہوا اور دو رکعت نفل پڑھی، اسکے بعد خلیل اللہ سلمہ نے ملازمت سے مستعفی ہوگئے اور دہلی میں آکر اپنے چچا نواب حلیم جنگ کیساتھ دیہی کوٹ رسٹورانٹ میں کام کرنے لگے، دہلی کے عہد حاضر کے ہنگامہ میں لاہور منتقل ہوگئے اور اسوقت وہیں قیام پذیر ہیں۔ (حیدری)

[۵] عید کی نماز کے بعد معانقہ و مصافحہ مسنون اور جائز ہے یا نہیں؟

یہ حالت ہے کہ وہ رفقاء جو نماز میں شریک بلکہ برابر کھڑے تھے، سلام اور خطبہ کے بعد معانقہ کرتے ہیں اور اس کو امر دینی سمجھتے ہیں، اس لیے یہ غلط تر چیز ہے۔

عید کے روز کوشش کرنے پر اجازت دیدی گئی کہ تمام مسلمان قیدی ایک جگہ عید کی نماز ادا کر سکتے ہیں، اگرچہ حسب قواعد شرعیہ جیل میں اجازت نامہ نہ ہونے کی وجہ سے عید کی نماز کا وجوب نہیں ہے، مگر اس لیے کہ اس ذریعہ سے قیدیوں کو ایک دن کی تعطیل اور ملنے کا موقعہ نصیب ہو جاتا ہے، ہم لوگ راضی ہو گئے، اور پڑھ لیتے ہیں، اس میں خطبہ میں کچھ وعظ و نصیحت کا موقعہ بھی مل جاتا ہے، چنانچہ تقریباً ڈھائی سو آدمی نماز کے لیے جمع کر دیے گئے، اگرچہ مسلمان قیدیوں کی تعداد تقریباً چار سو ہے، مگر بے نمازی جاہل لوگ نہیں آئے، سبھوں نے نماز اکٹھا پڑھی اور تقریباً ایک گھنٹہ تک انکو نصیحت کی گئی، اس کے بعد آپ کی فرستادہ سویاں سب کو کھلائی گئیں، آپ کی حسن نیت سے بڑی برکت ہوئی، تقریباً دس بارہ سیر دودھ حاصل ہو گیا، تمام میوہ جات سے شیر اور سویاں دو بڑی بڑی دیگچیوں میں تیار کی گئی اور سب لوگوں کو کھلائی گئی، تقریباً تین سو یا زیادہ آدمیوں نے کھائی، اور بعض بعض نے دو دو اور تین تین دفعہ کھائی، اس لیے کہ ایسی چیزیں شاذ و نادر عام غریبوں کو ملتی ہیں، بہرحال چیزیں گراں آئیں، مگر اس حیثیت سے سوارت ہوئیں اور عمدہ منظر ادر مظہر ہوا جس کی اس جیل میں ابتدا سے کبھی نوبت نہیں آئی تھی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔ آپ کا فرستادہ عطر عید میں کام آیا، جناب شیخ ولی محمد صاحب اس بارہ میں فیل ہو گئے، غرضکہ آپ کی فرستادہ تمام اشیا حسب تحریر پہنچیں اور کام آئیں، اور اچھے کام آئیں۔ وللہ الحمد والمنۃ

(۱) ایصال ثواب کے متعلق نہایت عمدہ اور جامع تحریر حضرت امام دوران سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات (صراط مستقیم) میں صفحہ ۶۳ و ۶۴ میں موجود ہے، اگر فرمائیں اور کتاب مذکور موجود نہ ہو تو میں نقل کر کے بھیجدوں۔ حضرت شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شہید نے

(الحق الصریح فی احکام الموتی والضریح) میں پوری تفصیل فرمائی ہے، اس کو دیکھ لیں۔

(۲) آجکل جو طریقہ جاری ہے وہ غلط ہے بلکہ وہی طریقہ صحیح ہے جو کتاب مذکور میں ذکر کیا گیا ہے، میرے خیال میں کسی مفصل اور مستقل تحریر کی ضرورت نہیں ہے، اگر آپ ضرورت سمجھیں تو مستقل رسالہ لکھا جا سکتا ہے، مگر افسوس کہ کتابیں موجود نہیں ہیں، تاہم اگر آپ اس حالت میں بھی ضروری سمجھیں تو لکھ دیا جائے،

چونکہ موسم بدل رہا ہے، امراض زکام و نزلہ و بخار کا دور دورہ ہے، اس لیے اگر مناسب ہو تو گل بنفشہ کے ساتھ ۲ تولہ گاؤزبان، ۲ تولہ ملہٹھی، ۱ تولہ رب السوس، ۲ تولہ پستان ۲ تولہ لعوق سپستان، ۴ تولہ خمیرہ بنفشہ بھیجدیں، یا ۲۲ تاریخ کا انتظار کریں، اگر رہائی نہ ہوئی تو یہ چیزیں ارسال کریں۔

شیخ ولی محمد صاحب کو سلام مسنون اور عید کی مبارک بادی اُن کو اور ان کے جملہ متعلقین کو میری طرف سے لکھ دیں اور انکی سابقہ امراض سے شفایابی کی کیفیت بھی دریافت فرمائیں۔

مولوی محمد صاحب اور صاحبزادوں اور دیگر واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہہ دیں، لاری صاحب، خواجہ صاحب سے بھی سلام مسنون کہدیں، والسلام

والدہ صاحبہ اور متعلقین کی خیر و عافیت سے بھی مطلع فرمائیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۹ شوال سنہ ۶۳ھ

مکتوب نمبر ۹۷

ضیافتین (ضیافت اللہ اور آپ کی ضیافت) موجب شکر گذاری ہے، آپ نے اس قدر تکلف اور اتنی وسعت کی جس کا بیان اور شکر دونوں قبضہ قدرت مہجوران سے

باہر ہے، اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے۔ اس قدر انواع و اقسام اور اتنی بڑی مقدار ہر گز نہ چاہیے تھی، حالانکہ بہت سے لوگوں میں تقسیم ہوا، پھر بھی کئی روز تک ہم خدام کو اس سے فیضیاب ہونے کی شرافت حاصل ہوتی رہی۔ فجزاکم اللہ خیر الجزاء فی الدارین۔

کل فیصلہ ہائی کورٹ آگیا، مولوی وحید قاسمی کو نقل بھیج رہا ہوں اور حلفنامہ[1] بھیج رہا ہوں جس پتہ پر وہ منگا رہے ہیں ڈ مخدوش نہیں ہے، ملاحظہ فرمالیں۔

حلفنامہ مسٹر محمود افسر انچارج پولیس اسٹیشن رڑکی

سابق افسر انچارج دیوبند

(۱) میں رڑکی پولیس اسٹیشن کا افسر انچارج ہوں، جو واقعات اس حلفنامہ میں درج ہیں ان سے پوری طرح واقف ہوں۔

(۲) یہ کہ مولانا حسین احمد مدنی حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص میں سے ایک ہیں۔ وہ مولانا محمود حسن جو کہ مشہور سازش ریشمی خط کے بانی مبانی تھے۔

(۳) یہ کہ مولانا حسین احمد مدنی سازش مذکور کے سلسلہ میں عرب بھیجدیے گئے تھے، اور وہاں سے ہندوستان لوٹتے ہوئے گرفتار کیے گئے اور مالٹا میں نظر بند کیے گئے تھے۔

(۴) یہ کہ بعد میں مولانا حسین احمد مدنی ۱۹۲۰ء میں ہندوستان واپس آئے اور انھوں نے تحریک خلافت کے چلانے میں بہت خاص حصہ لیا، اور وہ ایک امیدوار تھے، عہدہ امیر الہند کے تاکہ اس کے ذریعے سے جہاد کا فتویٰ دے سکیں، اور ۱۹۲۷ء میں خلافت کمیٹی کی مجلس منتظمہ میں بھی منتخب ہوئے تھے۔

---

[1] حلفنامہ اور فیصلہ فیڈرل کورٹ درج ذیل ہیں جو مولانا وحید الدین صاحب قاسمی نے دہلی سے بھیجکر خاص عنایت فرمائی ہے جسکو پڑھکر بے ساختہ زبان پر یہ شعر آگیا۔ من از بیگانگان ہر گز نہ نالم کہ با من انچہ کرد آن آشنا کرد

(۵) یہ کہ وہ علی برادران کے ساتھ مقدمہ فتویٰ کراچی میں سزایاب بھی ہوئے تھے،

(۶) یہ کہ مولانا مدنی نے ۲۴ - ۲۵ کو سہارنپور میں ایک آگ لگانے والی تقریر کی تھی اور خاص تعلق تھا جمعیۃ علماء ہند سے۔ اس کے ذریعہ تبلیغ کرتے تھے ولایتی مال کے بائیکاٹ کی جس میں انگریزی مال بھی شامل ہے، اور کھدر کے استعمال کی اشاعت کرتے تھے۔

(۷) یہ کہ مولانا مدنی نے مرادآباد میں ۱۹۳۰ء میں صوبہ جمعیۃ علماء کی صدارت کی اور صوبہ خلافت کمیٹی کے بھی صدر منتخب ہوئے۔

(۸) یہ کہ مولانا مدنی نے مئی ۱۹۳۲ء میں نوجوان بھارت سبھا سہارنپور کے جلسہ میں شرکت کی اور گورنمنٹ کے خلاف بہت سخت تقریر کی۔

(۹) یہ کہ مولانا مدنی نے ۱۹۳۲ء میں مجلس احرار کے لیے چندہ جمع کیا، اور وہ جمعیۃ علماء ہند کے ڈکٹیٹر مقرر ہوئے، جو کہ اس وقت دہلی میں غیر قانونی جماعت تھی۔ ان کے اوپر ایک نوٹس اس امر کی تعمیل کی گئی کہ وہ دہلی میں داخل نہ ہوں، لیکن انھوں نے اس کی خلاف ورزی کی جیل بھیجے گئے اور بعد کو اگست ۱۹۳۲ء میں رہا ہوئے۔

(۱۰) یہ کہ مولانا مدنی نے ۳۶-۱۹۳۷ء کے عام انتخابات میں کانگریس کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کی پوری اور انتہائی کوشش کی،

(۱۱) یہ کہ مولانا مدنی نے ۳۷-۱۹۳۸ء میں ولایتی مال کے بائیکاٹ کی کوشش کی اور انھوں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ آنیوالی لڑائی اور بادشاہ کے جشن تاجپوشی میں شریک نہ ہوں۔

(۱۲) یہ کہ ۳۷-۱۹۳۸ء میں مدنی کا داخلہ دہلی بذریعہ تحریری حکم چھ ماہ کیلیے روکدیا گیا۔

(۱۳) مدنی نے ۳۸-۱۹۳۹ء میں ہری پورہ کانگریس کے اجلاس میں شرکت کی اور آل صوبہ کانگریس کمیٹی کے نائب صدر تھے۔

(۱۴) یہ کہ مولانا مدنی نے آزاد مسلم کانفرنس سنہ ۴۰ء جونپور کی صدارت کی اور اس میں انگریزوں کے خلاف بہت زبردست تقریر کی۔

(۱۵) یہ کہ مولانا مدنی نے اگرچہ گاندھی جی کے خاص حکم کے ماتحت سنہ ۴۰-۴۱ء میں انفرادی ستیہ گرہ میں حصہ نہیں لیا لیکن اس سال کانگریس مجلس منتظمہ کے ایک ممبر تھے۔

(۱۶) اپریل سنہ ۴۲ء میں دو تقریریں بجرایوں اور سہارنپور میں بہت سخت کیں اور بجرایوں کی تقریر کے سلسلہ میں ۲۴ ۶/۴۲ کو گرفتار ہوئے اور مقدمہ چلایا گیا اور دفعہ ۳۶ قانون تحفظ ہند کے ماتحت چھ ماہ کی سزا ہوئی۔

(۱۷) مولانا مدنی کا نام سنٹرل گورنمنٹ کی فہرست الف پر اور صوبہ کی گورنمنٹ کی فہرست الف پر درج ہے جو کہ کسی وقت تیار کی گئی تھی۔ اگست سنہ ۴۲ء کی عام گرفتاری کے قبل۔ اس فہرست میں ان ہی لوگوں کا نام تھا جو خاص طور سے خطرناک سمجھے گئے تھے۔ اور بعد میں پوری تحقیقات کے بعد دفعہ نمبر ۲۶ کے ماتحت گرفتاری کا حکم جاری کیا گیا۔

حلفنامہ ہوم سکریٹری

میں ڈی۔ ایس برن سکریٹری صوبہ یوپی ہوم ڈیپارٹمنٹ باحلف بیان کرتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں۔

(۱) یہ کہ میں سکریٹری صوبہ متحدہ گورنمنٹ کے ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ہوں۔ اور حکم مورخہ ۵ر اگست سنہ ۴۲ء نمبر ۶،۵۳ سی۔ این میں نے جاری کیا ہے۔

(۲) یہ کہ اس آرڈر کے جاری ہونے کے قبل مولانا حسین احمد مدنی کا معاملہ اور معاملوں کے ساتھ گورنر کے سامنے رکھا گیا تھا اور ان کی نظربندی کا مذکورہ بالا حکم ہز ایکسیلنسی کے حکم کے مطابق ان کے معاملہ پر غور کرنے کے بعد جاری کیا گیا تھا۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لکھنؤ کے سامنے اس بیان حلفی کی تصدیق ۱۸ اکتوبر ۴۳ء کو ہوئی ہے۔

فیصلہ

ہائی کورٹ الہ آباد۔ محکمہ فوجداری۔ نگرانی الہ آباد ۱۶ نومبر ۴۳ء

باجلاس آنریبل سر اقبال احمد چیف جسٹس اور آنریبل آلسپ صاحب مقدمہ نمبر ۸۵، ۴۳ء

بادشاہ سلامت! بذریعہ سپرنٹنڈنٹ سنٹرل جیل نینی۔

بنام مولانا حسین احمد مدنی کی طرف سے شیخ ولی محمد!

حکم

یہ درخواست ضابطہ فوجداری کی دفعہ نمبر ۴۹۱ کے مطابق دی گئی ہے۔ اس میں یہ استدعا کی گئی ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی جو کہ نینی سنٹرل جیل میں نظر بند ہیں رہا کیے جائیں۔ مولانا مدنی کو ۲۵ جولائی ۴۲ء کو قید کی سزا ہوئی تھی اور اپیل کے فیصلہ کے مطابق جنوری ۴۳ء کے آخر میں ان کی سزا پوری ہو جاتی، اسی درمیان میں ان پر دفعہ نمبر ۲۶ ڈیفنس آف انڈیا رولز کے مطابق یہ حکم جاری کیا گیا کہ یہ نظر بند کیے جائیں۔ یہ حکم ۵ اگست ۴۲ء کو جاری ہوا جنوری ۴۳ء سے مولانا اس حکم کے مطابق نظر بند ہیں۔ دلیل یہ دی گئی ہے کہ حکم ٹھیک طریقہ سے جاری نہیں ہوا اور اس حکم کا کوئی قانونی اثر نہیں ہے، جہاں تک طریقہ کا سوال ہے ہماری سمجھ میں اعتراض یہ ہے کہ حکم صوبہ متحدہ کی گورنمنٹ کی طرف سے جاری کیا گیا ہے جبکہ وہ گورنر کی طرف سے ہونا چاہیے تھا۔ ہماری سمجھ میں یہ اعتراض کوئی مضبوط نہیں ہے، خاص کر اس وقت جبکہ گورنر ہی گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ نمبر ۹۳ کے مطابق گورنمنٹ کے پورے اختیارات خود کام میں لا رہا ہے، دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ مولانا کی نظر بندی کے مسئلہ پر خود گورنر نے غور نہیں کیا۔ سرکار کے ہوم سکریٹری نے ایک بیان حلفی داخل کیا ہے کہ مولانا کی نظر بندی کا حکم خود گورنر کی ہدایت سے جاری کیا گیا۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ معاملہ گورنر کے سامنے رکھا گیا تھا، اور انھوں نے اس پر خود غور کر کے حکم جاری کیا ہے، اس بیان حلفی کے رہتے ہوئے ہمارے لیے یہ کہنا ممکن ہے کہ گورنر نے حکم جاری نہیں کیا، یہ کہا گیا ہے کہ مولانا کی نظر بندی کا حکم گورنر نے جاری کیا ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن جب بیان حلفی میں یہ کہا گیا ہے کہ گورنر کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا اور ان ہی نے حکم جاری کیا ہے تو ہمیں یہ ان لینا چاہیے کہ گورنر نے ہی حکم جاری کیا ہے۔ ہمارے خیال میں اس درخواست میں کوئی زور نہیں ہے اور ہم اس کو خارج کرتے ہیں۔

درخواست دہندہ کے وکیل نے فیڈرل کورٹ میں اپیل کرنے کی اجازت طلب کی ہے لیکن چونکہ اس میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی تشریح کا کوئی معاملہ نہیں ہے، اس لیے ہم ایسی اجازت دینے سے انکار کرتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۹۸

عید مبارک ہو۔ اعادکم اللہ وایانا لامثالہ وامثال امثالہ دائما وابدا مقترنا برضوانہ تعالیٰ ونعمہ الظاہرۃ والباطنۃ۔ آمین

بمبئی میں بھی رویت ۲۹ ذیقعدہ ہوئی ہے۔ وہاں بھی عید الہ آباد کی طرح بدھ کو ہوئی ہوگی، مرسلہ سبز چاء بہت کام آئی اور خواہش بھی تھی، اس لیے باضابطہ خط میں میں نے جلد بھیجنے کو لکھا تھا، تقریباً دو سو سے زائد آدمیوں کو پلائی گئی، جو کہ نماز عید میں شریک تھے۔ یہ آپ کی برکت تھی، اگر چاء اور شکر نہ ہوتی تو کس طرح یہ کام ہو سکتا۔ فللہ المنۃ ثم لکم۔

آپ نے سبز چاء رکھ لی بہت بڑا احسان کیا، لکھنے کی ضرورت نہ تھی، میں خوش ہوں، مگر یہ تو فرمایئے کہ اس کا بنانا بھی آپ کے خادموں میں سے کسی کو آتا ہے۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ مجھ کو آپ

بلا لینے میں بنا لیتا، اگر پسند خاطر ہوتی تو ملازمین والا کو سکھلا دیتا، یا ملازم بنجاتا۔ یہ چاء چین یا جاپان سے آتی ہے۔ ہندوستان میں کالکا دیرہ دون وغیرہ میں اس کے باغات ہیں، مگر وہ اس قدر لطیف اور عمدہ نہیں ہوتی، دودھ کی چاء میں تو وہ کام آجاتی ہے، مگر سادہ کے لیے وہ مناسب نہیں ہے، اس کی سادہ چائے فرنٹیر اور افغانستان میں اور حجاز اور نارتھ افریقہ الجیریا، ٹونیشیا، مراکش فاس وغیرہ میں بکثرت استعمال کی جاتی ہے۔ عمدہ سبز چاء کی قیمت گراں زیادہ ہے، چین کے صندوق بمبئی میں بھی نہیں کھلتے۔ پشاور چلے آتے ہیں، یہاں کھلتے ہیں، جنگ سے پہلے پشاور میں یہ چاء چھ یا سات روپیہ سیر بکتی تھی، اب قیمت معلوم نہیں۔ پشاور کے ہی عنایت فرمانے پہلے ہی بھیجی تھی اور یہ بھی بھیجی ہے۔

میں دیوبند میں ظہر کے بعد اسی کو سادہ پیا کرتا تھا، اور احباب موجودہ بھی اس کو نوش فرماتے تھے۔ پانی کھولنے کے بعد براد (چاء دانی) میں اس کے پتے ڈالدیے جائیں اور اوپر سے کھولا ہوا پانی ڈال کر بند کر کے کپڑے سے براد کو ڈھک دیا جائے تاکہ دم آجائے۔ اہل تکلف نے اس میں عنبر کی خوشبو دیتے ہیں، اس طرح کہ چمچی میں سوراخ کرا کے اس میں عنبر بھر دیا جاتا ہے یعنی ان سوراخوں میں۔ پھر چمچی کو چاء دانی میں ڈال کر حرکت دیدی جاتی ہے، اور متوسط الحال طبقہ اس میں سپید الائچی کوٹ کر تاکہ دانے ٹوٹ جائیں دو تین دانہ ڈال دیتے ہیں، اور بعض اہل تکلف سبز پودینہ ڈالتے ہیں۔

دودھ کی چاء بنانے کے لیے اس کو خوب اوٹانا چاہیے، اس کے بعد اس کو ٹھنڈا کر لینا چاہیے ٹھنڈا پانی ملا کر یا رکھ کر۔ پھر اس کو اچھالنا چاہیے، اس کا رنگ سرخ مثل کتھ کے پانی کے ہو جائے گا۔ پھر اس میں دودھ زیادہ مقدار میں ڈالکر اور شکر حسب ضرورت ڈالکر آگ پر رکھنا چاہیے اور پکانا چاہیے، اور چند دانہ الائچی ڈالدینا چاہیے۔ جوش آنے کے بعد استعمال فرمائیے۔

صراطِ مستقیم ہی ملفوظاتِ حضرت سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ ہے، ان ہی ملفوظات کو ترتیب دیکر حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تالیف کر کے پھر حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا ہے، بعد میں شائع کیا ہے، ممکن ہے کہ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند میں موجود ہو، ورنہ دہلی کے مشہور کتب خانوں مثل مطبع مجتبائی وغیرہ میں ملے گی۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب جو امرتسر میں مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ کی تقطیع اور طرز پر چھپے ہیں، وہ نہایت صحیح اور مکمل ہیں، اس کی تصحیح اور کتابت میں پوری جد و جہد کی گئی ہے۔ امداد السلوک اگرچہ رسالہ مکیہ کا ترجمہ ہے، مگر یہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کا کیا ہوا ہے، جس پر ان کو ایک مقبول دعا کی بشارت ان کے مرشد مرحوم کے پیر بھائی اور مربی حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ نے دی تھی۔ اور اس ترجمہ کو بہت پسند فرمایا تھا۔ مولانا شیخ احمد تھانوی رحمۃ اللہ کا ترجمہ پسند نہیں کیا تھا، اس میں کہیں کہیں کچھ زیادتی بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ یہ رسالہ کتب خانہ یحیویہ مظاہر العلوم سہارنپور سے مع حضرت رحمۃ اللہ کی دیگر کتابوں کے مل سکتا ہے۔ ممکن ہے صراطِ مستقیم بھی وہاں ہی مل جائے۔

والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۱۱ ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ

مولانا ابوالحسن حیدری کے مجموعہ کا تقاضہ تھا کہ ہم شروع انہیں مکتوبات سے کرتے۔ لیکن خود مکتوب کے اندر کلام تھے کہ مجبوراً ان کو وسط میں جگہ دینی پڑی جس سے انکی افادیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس مجموعہ کو ہر اعتبار سے امتیازی جگہ دینا ہمارا فرض تھا، سو بحمد اللہ ہم اس میں کامیاب رہے۔ اصلاحی

مکتوب نمبر ۹۹

مولانا محمد ادریس صاحب ندوی نگرام ضلع لکھنو کے نام

امور مسئولہ عنہا کا جواب حسب ذیل ہے۔

(۱) قضا صرف فرائض اور وتر کی ہوگی۔ سنن موکدہ بعد از خروج وقت نوافل ہو جاتی ہیں جن کی قضا نہیں، الا ان یشاء الانسان بنفسہ

(۲) یہ حالت کہ زلزلہ زمین میں بوقت ذکر معلوم ہوتا ہے کچھ تعجب خیز نہیں ہے۔ ذکر کے آثار محمودہ میں سے ہے، اس سے نہ گھبرایئے اور نہ اس سے دل لگایئے، صرف محبوب حقیقی سے دل لگایئے اور اسی کی طرف دھیان رکھیے، اس میں شیطانی مداخلت نہیں اللھم زد فزد۔

(۳) اللہ اللہ میں لفظ جلالہ اول میں ضرب ہوگی اور ثانی میں ضرب نہ ہوگی، تصور یہ ہوگا کہ میرے قلب میں صرف اللہ ہی اللہ ہے۔ کوئی دوسرا محبوب اس گھر میں جلوہ افروز نہیں۔

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۶۵ھ

مکتوب نمبر ۱۰۰

پہلی حالت پر خوشی اور دوسری پر صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ اصلاح فرمائے، آمین۔ میرے محترم! قلب کے متعلق ذکر کا احساس نعمت عظمیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو روز افزوں ترقی فرمائے، انشاء اللہ تھوڑی سی محنت سے یہ جاری اور دائمی ہو جائے گا۔ یہ حالت خواہ بیداری میں ہوئی یا سونے میں بہرحال غنیمت ہے، طبیعت کا بدل جانا یا تو کسی گناہ کی شومی سے یا کسی حالت کے اظہار سے یا طبعی قبض سے جو کچھ بھی ہوا ہے، استغفار کی کثرت لازم ہے۔ افسوس تو اس امر کا ہے کہ چار وقت کی نماز

کیوں چھوٹی، ہمیشہ خیال رکھیے کبھی ایسے وقت میں فرائض ترک نہ ہوں، دل لگے یا نہ لگے کتنا ہی انقباض ہو، مگر نماز ہرگز ہرگز ترک نہ ہونی چاہیے، توبہ نصوح کیجئے اور کثرت استغفار عمل میں لائیے، انشاء اللہ حالت خوب ہو جائے گی، بارگاہ الٰہی میں جس قدر بھی رونا اور سوز وگداز ہو بہتر ہے، مایوسی نہ ہونا چاہیے تضرع وزاری مطلوب ہے" اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے) نسبت چشتیہ کا ابتدائی ظہور ہے، اللہ تعالیٰ مبارک کرے...... اس کا خیال رکھیے کہ بجز محبوب حقیقی کے کسی چیز کو مقصود نہ سمجھنا چاہیے۔ احوال وکیفیات ذرائع ہیں، مقاصد نہیں......

والسلام، ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ

مکتوب نمبر ۱۰۱

یہ واقعہ ہے کہ سالک کے لیے بالخصوص ابتدائی ایام میں تنہائی بہت زیادہ ضروری ہے صحبت شیخ تو بیشک مفید ہے، مگر بقول شاعر

از خلائق دور ہمچوں غول باش

دور ہی رہنا تمام لوگوں سے مفید تر بلکہ ضروری ہے کسی کمرہ کا قرب وجوار میں انتظام کیجئے، حالت بحمد اللہ امید افزا ہے، مگر ذکر کی مداومت شرط ہے، آپ پاس انفاس پر عامل رہیں، انشاء اللہ خود بخود جاری ہوگا، سینہ کا ثقل انشاء اللہ جلد زائل ہو جائے گا۔ نعماء الٰہیہ ہیں مزید شکر کیجئے، سوائے محبوب حقیقی کسی کی طلب نہ ہونی چاہیے۔

کعبہ چہ میروی چہ کشی رنج بادیہ — کعبہ است کوے دلبر قبلہ است روے دوست
دنیا وآخرت را بگذار حق طلب کن — کایں ہر دو لولیان را من خوب می شناسم

محبوب حقیقی کی یاد جس قدر بھی ہو، مفید اور ضروری ہے۔ مَا اشْتَغَلَكَ عَنِ الْحَقِّ

نعوذ طاغوت[1] اسی طرف اپنی توجہ رکھیے، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمایئے۔ والسلام
ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۲۷ جمادی الاول ۵۲ھ

مکتوب نمبر ۱۰۲

جو جسمانی یا قلبی کیفیات آپ نے لکھی ہیں مبارک ہیں، ذکر کی کیفیات جب جسم میں سرایت کرتی ہیں تو یہ حالتیں پیدا ہوتی ہیں، یہ بعینہ وہی مثال ہے کہ فلاسفہ لکھتے ہیں کہ اجزاء ناریہ و دخان میں اجزاء ارضیہ کو اڑا لیجانا چاہتے ہیں، راستہ میں سحاب سے اصطکاک ہوتا ہے تو گرج برق، صاعقہ رعد، شہاب وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، ان سے گھبرانا نہ چاہیے، اور استقلال کے ساتھ کاربند ہونا چاہیے۔ یہ کیفیات قلب سے تجاوز کرکے تمام جسم میں ساری ہوں گی، اور سلطان الاذکار کا غلبہ ہوگا، جو کہ نفوس میں علی اختلاف الاستعداد مختلف اطوار پر ظاہر ہوتا ہے، بعض اشخاص کو محسوس ہوتا ہے کہ جسم کا ہر حصہ اور ہر ہر بال و ذرہ ذرہ ذکر کر رہا ہے، بعض کو دوسری کیفیات پیش آتی ہیں، جو کیفیت تازہ کی طرح معلوم ہوئی وہ بھی بہتر ہے، مگر کسی سے تلذذ نہ کیجئے، صرف اللہ تعالیٰ اور اس کی رضا میں سرگرداں ہو جیے، اسی سے لو لگایئے اور غیر اللہ کو تحت لا لایئے اور استقلال اور عالی ہمتی کے ساتھ محبوب حقیقی کی طلب قلب اور روح میں قائم کیجئے، اس کے سوا جو کچھ ہے غیر مقصود اور غیر محبوب ہے، اوقات فارغہ کو اسی کے ذکر و فکر میں صرف کیجئے۔ دوہرہ بابا رب سے رشتہ توڑ :: بابا رب سے رشتہ جوڑ احوال کو کسی سے بیان نہ کیجئے۔ والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۵ رجب ۵۵ھ

---

[1] جو چیز خدا سے غافل کرے وہی طاغوت ہے۔ غفلت سم قاتل اور یاد تریاق ہے۔ طاغوت کا لفظ ایسا جامع ہے کہ اس میں نفس، سوسائٹی خاندان، شیطان اور حکومت سب آجاتے ہیں۔ اور یہ تمام چیزیں خدا کی یاد سے مانع ہوتی ہیں، اس لیے طاغوت کو ختم کیے بغیر آدمی اسلام کے حقیقی دائرہ میں نہیں آتا ہے۔ قرآن میں ہے فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (بقرہ) اب جو کوئی نہ مانے گمراہ کرنے والوں کو اور یقین لاوے اللہ پر تو اس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط۔ (اصلاحی)

مکتوب نمبر ۱۰۳

والانامہ در بارۂ آیات منسوخ الحکم و منسوخ التلاوت آیا تھا۔ بہت مرتبہ ارادہ کیا کہ کچھ عرض کروں، مگر اس قدر عدیم الفرصت ہوں کہ اب تک موقع نہ مل سکا۔ اس وقت سفر میں وارد ڈھاکہ ہوا ہوں تھوڑی سی فرصت پا کر کچھ عرض کرتا ہوں، مگر تمہیداً چند باتیں پہلے ذہن نشین فرما لیجئے۔

(۱) ہمیشہ کلام کی نسبت تالیف کرنے والے کی طرف ہوتی ہے، اس نسبت کے لیے تکلم کا ہونا ضروری نہیں، البتہ کبھی مؤلف متکلم بھی ہوتا ہے، تو کلام بھی اسی کا کہلاتا ہے، اور ملفوظ بھی، اور کبھی مؤلف دوسرا ہوتا ہے اور متکلم دوسرا اس وقت میں کہا جاتا ہے کہ یہ دوسرے شخص کے کلام کو بول یا پڑھ رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ سعدی کی گلستان اور خواجہ حافظ شیرازی کا دیوان کہا جاتا ہے، حالانکہ تکلم اور ملفوظ ہمارا ہے، حروف ہجائیہ ہمارے ہی اصوات سے پیدا ہوتے ہیں، ہم ملفوظ آج ۱۳۵۵ھ میں کر رہے ہیں اور گلستان ۶۵۶ھ میں معرض وجود میں آئی تھی۔ اسی طرح کبھی اپنے کلمات مؤلفہ کو اپنی زبان پر اور اپنی طرف سے تالیف کرتا ہے اور کبھی دوسرے کی زبان پر اور دوسرے کی طرف سے تالیف کرتا ہے، معانی اور مقاصد دوسرے کے ہوتے ہیں، نیز اسلوب خطابات وغیرہ بھی اسی دوسرے کے ہوتے ہیں، مگر تالیف کلمات کسی دوسرے کے ہوتے ہیں، ایسی صورت میں کہا جاتا ہے کہ فلاں منشی اور محرر نے یہ کلام تصنیف کیا ہے، اور فلاں شخص کی زبان پر تحریر کیا ہے، آپ کے پاس ایک بڑھیا آتی ہے اور کہتی ہے کہ میرے بیٹے کے پاس خط لکھ دو اور فلاں فلاں مضمون اس میں لکھ دو، وہ بیچاری جاہل اور گنوار ہے، اپنی زبان میں مطلب بیان کر دیتی ہے، آپ اپنی انشا پردازی سے نہایت فصیح و بلیغ الفاظ اور عمدہ اسلوب میں اس کی طرف سے لکھے ہوئے مکتوب الیہ کو برخوردار نور چشم، قرۃ العین وغیرہ الفاظ تحریر کرتے ہوئے منشیانہ انداز میں مضمون ادا کرتے ہیں، اگر بڑھیا پر یہ عبارت پڑھی جائے تو غالباً سمجھنے سے بھی نا بلد ہوگی، مگر یہ تمام خط

بڑھیا ہی کا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی زبان پر لکھا گیا ہے، اس کی طرف سے مخاطب کیا گیا ہے، اس کے مضمون کو درج کیا گیا ہے۔ ہاں کلام آپ کا شمار کیا جائے گا، اسی وجہ سے اس میں جو کچھ بھی فصاحت اور بلاغت آئے گی وہ آپ کی مہارت کا ثمرہ ہوگی، تو یہ کہا جائے گا کہ یہ کلام تو فلاں منشی صاحب کا ہے، مگر زبان پر فلاں بڑھیا کے لکھا گیا ہے، (یہاں پر اس کی زبان پر کہنا بطور مجاز ہوگا) ہاں کبھی حقیقتاً بھی دوسری زبان پر کسی شخص کا تالیف کردہ کلام جاری ہوجاتا ہے، اگر کسی پر جن یا بھوت چڑھ جاتا ہے تو وہ اپنا کلام اس شخص کے زبان سے بولنے لگتا ہے، اور ایسی ایسی باتیں کرتا ہے جس کی اس صاحب زبان کو اطلاع تو درکنار لیاقت بھی نہیں ہوتی، صاحب زبان بے ہوش ہوتا ہے، اور وہ جنی اس کی حقیقی زبان سے اپنے تالیف کردہ کلام کو ادا کرتا ہے، خلاصہ یہ کہ کلام ہمیشہ تالیف کرنے والے کا ہی ہوتا ہے، تلفظ کسی کا ہو، منجانب کسی کے ہو، زبان پر کسی کے ہو۔

(۲) کلام کا تالیف کرنا حقیقۃً قلب کا کام ہے، زبان تو صرف اس کی ترجمانی کرنے والی ہے، یہی وجہ ہے کہ شاعر کہتا ہے

ان الکلام لفی الفؤاد وانما جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا[۱]

اس لیے اصل کلام کلام نفسی ہوا جو کہ قلب اور فؤاد کا کلام ہے، زبانی الفاظ اور کاغذی نقوش اور تخیلی کلمات جو کہ خزانۂ حافظہ میں محفوظ ہوگئے ہیں، سب کے سب اسی کلام نفسی کے دوال اور ظلال اور آثار ہیں، ان پر اطلاق کلام ثانیاً و بالعرض اور مجازاً ہے، یہ کلام مؤلف فی القلب کلام نفسی کو صرف معنی کی صورت میں حاوی ہوتا ہے، بلکہ کلام لفظی (جو کہ مرکب از الفاظ و حروف ہجا ہے) کی کسوت میں بھی ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے، اگر تلفظ نہ پایا جائے یا عرصہ کے بعد پایا جائے، ہاں وجود کلام لفظی مختلف درجات رکھتا ہے، پس اگر مؤلف اعلیٰ درجہ کا حکیم اور اعلیٰ درجہ کا فصیح ہے تو معانی بھی اعلیٰ پیمانہ پر ہوں گے، اور الفاظ بھی اور اگر معاملہ برعکس ہے تو سب کے سب گرے ہوئے ہوں گے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم اور صفت کلام سے جو کہ مثل دیگر صفات حقیقیہ ازلی ہیں،
قرآن شریف کو تالیف فرمایا، اس لیے معانی اور الفاظ قدیم ہوں گے، اور تلفظ مثل تحریر و نزول وغیرہ
حادث ہوگا، ان الفاظ میں ازل میں تقدم اور تاخر صرف ذاتی ہوگا، اور زمانی نہ ہوگا، اور ہمارے
تلفظ میں قصور آلہ کی وجہ سے زمانی بھی ہو جائے گا، اس لیے کلام لفظی کو حادث کہنا خلاف تحقیق ہوگا
صرف تلفظ حادث ہے، کلام نفسی حادث نہیں ہے اور کلام لفظی بھی حادث نہیں ہے، کما فصلہ بحر
العلوم فی فواتح الرحموت۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس کو قدیم کہنا اسی بنا پر ہے، مگر حنابلہ نہ سمجھ سکے،
اور بالآخر غلاف اور کاغذ وغیرہ کو بھی قدیم کہنے لگے، اور یہی معنی قول امام ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے
ہیں کہ "ناظرت اباحنیفۃ ستۃ اشہر ماجتمع رائی ورایہ علی ان من قال بخلق القرآن فھو کافر"
اور یہی وجہ ہے کہ قرآن اعلیٰ درجہ کا فصیح و بلیغ بھی ہوا جس طرح وہ اعلیٰ درجہ کی حکمتوں اور حقائق کا
جامع بھی ہے، کلام الملوک ملوک الکلام۔ اس کا شاہد عدل ہے، اور اسی بنا پر تحدی اور اعجاز
بھی اس میں پایا گیا،

(۴) قرآن شریف میں صرف احکام کا ہی بیان نہیں ہے، اس میں تحدی اور اعجاز بھی ہے۔
اس میں قوت تاثیر بھی اعلیٰ پیمانہ کی ہے، لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ[1] الآیۃ اور
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت نزول پسینہ پسینہ ہو جانا، جسم کو قابو میں نہ رکھ سکنا، متغیر
اللون والکیف ہو جانا، شدت اور برحا میں مبتلا ہو جانا، آپ کے جسم مبارک میں ایسے ثقل کا ہو جانا
کہ دوسروں کو خفت ان ترض فخذی[2] کی کیفیت عارض ہو جائے، وغیرہ اس کے شاہد عدل ہیں،
اور یہی وجہ ہے کہ جنات اور آسیب وغیرہ اس سے سخت پریشان ہو جاتے ہیں، تو دیگر نیند ان قوم کہ قرآن خواندند

---

[1] اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر تو تو دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا اور پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے (حشر)

[2] میں ڈری کہ میری ران ٹوٹ نہ جائے۔

اس کے ہر ہر جملہ اور ہر ہر لفظ میں نورانیت بہت بڑے پیمانہ پر ہے، جس کو اہل اللہ مشاہدہ کرتے ہیں، دیکھو ابریز وغیرہ،

(۵) اس میں شفاء امراض ظاہرہ وباطنہ بھی ہے، اسی لیے فرمایا گیا وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ[۱]۔ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاءٌ[۲]۔

(۶) اس میں ازالہ ذنوب وآثام بھی ہے۔ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ[۳] نص قرآنی ہے، جلاء للقلوب نص نبوی ہے۔

(۷) اس میں ہر ہر حرف پر اجر وثواب بھی ہے جس پر فرمایا گیا کہ۔۔۔۔۔۔۔ جس نے ایک حرف بھی پڑھا اس کو دس نیکیاں ملیں گی لا اقول الم حرف بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف او کما قال علیہ السلام[۴]۔ اس کے احکام ہی سے تعبد نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس کی تلاوت سے بھی تعبد مقصود ہے، خواہ معنی جانے جائیں یا نہ۔ يَتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ اٰنَاءَ اللَّيْلِ[۵] الآیۃ۔ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ[۶] الآیۃ۔ الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة[۷] (الحدیث) وغیرہ اس کے شاہد عدل ہیں،

اس کی ہر ہر آیت میں ذکر خداوندی بھی ہے، تقریباً کوئی آیت اسماء الٰہی یا صفات وافعال خداوندی

---

[۱] اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ دفع ہوں اور رحمت ایمان والوں کے واسطے،

[۲] کہہ دیجئے کہ وہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے،

[۳] اور شفا دلوں کے روگ کی،

[۴] میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے الف ایک حرف اور لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے (الحدیث)

[۵] وہ راتوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں،

[۶] وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے اس کے پڑھنے کا،

[۷] آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ماہر قرآن بزرگ اور نیکوکار لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ (الحدیث)

سے خالی نہیں ہے، اسی وجہ سے اس کا نام بھی ذکر رکھا گیا، غفلتوں کو دور کرنے والا قلوب اور ارواح کو مانجنے والا، ان کو رنگ دینے والا، اس میں رقت اور خشیت پیدا کر دینے والا، ان کی قساوت اور تاریکی اور سیاہی کا نام و نشان دور کرنے والا، ملائکۃ اللہ اور سکینت کو کھینچ لانیوالا رضاء باری سبحانہ وتعالیٰ کا موجب یہ قرآن ہے۔ ماعبد اللہ بشئ مما عبد بما خرج منه الحدیث (اوکما قال) وغیرہ چونکہ یہ تالیف از جناب باری عز اسمہ تھی اور اس کا ہی کلام ہے، اس لیے ان امور مذکورہ کا ہونا اس میں ضروری ہے۔ انکے علاوہ خدا جانے کتنے کتنے فوائد اس میں رکھے ہوئے ہیں ہم نے اختصاراً کچھ عرض کیے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نظم قرآنی میں بہت زیادہ فوائد اور مقاصد رکھے گئے ہیں بنابریں اگر کسی آیت کا حکم منسوخ ہوگیا تو اس کے الفاظ میں دیگر مقاصد عظیمہ باقی ہیں، اس لیے منسوخ حکم کو بابت تلاوت باقی رکھا جانا قرین قیاس تھا اور ہے، آیات احکام چونکہ اصلاح عباد بالخصوص اہل عرب کے لیے جنکو استاذ عالم بنانا ہے، اتاری گئی ہیں، اور چونکہ اصلاح تدریجی ہی مفید ہوتی ہے، بالخصوص ان اقوام کے لیے جو کہ بالکل ہی نابلد ہوں، اس لیے ان کو شیئاً فشیئاً مودب کیا گیا، کبھی نرمی سے سختی کی طرف کبھی سختی سے نرمی کی طرف جب وہ کسی حکم کے عادی بن گئے، ان کو آگے بڑھایا گیا اور پہلا حکم اٹھا لیا گیا، تا آنکہ حد کمال تربیت پر پہنچ گئے تو اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الآیۃ مطمئن کر دیا گیا، جس لڑکے کو لکھنا سکھایا جاتا ہے تو ایک زمانہ تک موٹے قلم سے تختی پر لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، جب وہ اس میں ماہر ہوگیا تو تختی لے لیجاتی ہے اور کاغذ دیدیا جاتا ہے، جب اس کا ماہر ہو جاتا ہے تو موٹا قلم لے لیا جاتا ہے، اور باریک دیدیا جاتا ہے، وعلیٰ ہذا القیاس اور یہ سب مدارج تعلیم پہلے ہی سے متعین ہوتے ہیں، اسی بنا پر فرمایا جاتا ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا

پس بہت سی آیتیں منسوخ الحکم والتلاوۃ کر دی گئیں، اور اس سے بہتر یا ان کی مثل آیات اتاری گئیں جن میں ہر قسم کے فوائد اور مقاصد تھے، لہٰذا آیات منسوخہ کی حاجت باقی نہیں رہی، اسی طرح جو آیات فوائد اخروی کی مماثل فوائد یا بہتر کو جامع تھیں انھوں نے بعض ایسی آیات سے مستغنی کر دیا، جن کا حکم تو باقی رہا مگر تلاوت کی حیثیت سے وہ منسوخ کر دی گئیں کہ اعلیٰ کے یا مماثل کے موجود ہونے میں ان کی ضرورت نہیں، اگر اس کے بعد بھی ان سب کو باقی رکھا جاتا تو لوگوں کو قرآن کا حفظ کرنا بھی مشکل ہو جاتا اور تلاوت سے بھی گھبرا اٹھتے، یہ موجودہ قرآن بھی جس طرح یاد کیا جاتا ہے اور جس طرح اس کی تلاوت کی جا رہی ہے وہ سب کو معلوم ہے، بعض بعض سورتیں حسب تصریحات صحابہ کرام رضی سورہ البقرہ کے برابر یا زیادہ تھیں، مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر بالقرآن آسان کر دیا گیا وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ[1] الآیۃ اس کا شاہد عدل ہے۔

محترما! اول تو آیات منسوخۃ الحکم کتنی ہیں، اس میں بحث ہے، عام طور سے صحابہ رضوان اللہ علیہم کا نسخ کو بیان مغیر اور تخصیص کے معنی میں ہوتا تھا، نسخ اصطلاحی یعنی رفع حکم شرع بآخر مثلہ کے معنی میں بہت کم ہے۔ چنانچہ اتقان، اور اس کے بعد فوز الکبیر میں مقدار بہت ہی گھٹا دی گئی ہے حسب آیات کے معنی اس طرز پر بیان کیے گئے کہ ان کو منسوخ الحکم کہا ہی نہیں جا سکتا۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے کتاب النسخ میں ان باقیماندہ کو بھی اڑا دیا ہے، مگر علی تقدیر التسلیم (جیسا کہ عام مفسرین کی رائے ہے اور مفہوم ظاہری آیت مَا نَنْسَخْ الآیۃ کا بھی ہے) ہمارے معروضات سابقہ پر غور سے نظر فرمائیے۔ ان شاء اللہ مشکلات حل ہو جائیں گے قلت فرصت میں یہ تحریر لکھی گئی ہے، اس لیے ممکن ہے کہ عبارت میں ایجاز ہو یا اختصار مخل فہم ہو، مگر غور کرنے پر ان شاء اللہ مطالب حل ہو جائے گا۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۱۵ رجب ۱۳۵۹ھ (از دارد ھا)

---

[1] ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو۔

مکتوب نمبر ۱۰۴

ابھی آپ کو بہت محنت کرنی ہے، استقامت اور مداومت ذکر کی ضرورت ہے، والدعا۔ جب
کا آپ کو حکم کرنا بے محل تھا، انھوں نے خود کیوں نہ ان لوگوں کو بیعت کرلیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا
کہ جبکہ وہ موجود تھے تو آپ کو مجبوری کیوں لاحق ہوئی، آپ نے لوگوں کو انھیں کی طرف کیوں
نہ مائل کیا اور اگر وہ موجود نہ تھے تو آپ مجبور کس طرح اور کیونکر ہوئے، میرے عزیز! یہ راہ
دشوار گذار ہے، انانیت، جاہ پرستی، نفس پرستی، خود غرضی کو راہ دینا بہت بڑی غلطی اور اس راہ
میں سد عظیم ہے، قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَہٗ
اخلاص اور للہیت ہر قول و فعل اور ہر حرکت اور سکون میں اشد ضروری ہے، اور یہی امر سخت مشکل
ہے، اعانت خداوندی اور سالہا سال کی ریاضت کے بغیر اس کا حصول نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ
اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے بعد لفظ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ لایا گیا ہے، اعنی لا نقدر علی اخلاص عبادتک الا باعانتک

محترم عزیز! نفس اور شیطان کے مکر ہزارہا ہزار ہیں، دونوں انسان کو اگر وہ کھلی ہوئی انانیت
اور جاہ پرستی اور خود غرضی سے بچتا بھی ہے، تو ایسی ایسی خفیہ تدبیروں میں مبتلا کرتے ہیں کہ ان سے
بچنا سخت مشکل ہوتا ہے، عموماً لوگوں میں پیری مریدی، حب جاہ و مال اور خواہشات نفسانی کی
بنا پر جاری ہو رہی ہے، بہرحال ان دونوں کے مکر سے بچئے، ممکن ہے کہ نسبت[1] طریقت سے نالاں ہو جائیں۔

[1] حضرات صوفیاء کرام کی ایک اصطلاح نسبت ہے، جس پر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ اور
القول الجمیل میں مفصل کلام فرمایا ہے، امام العصر نے اپنے اس والا نامہ میں "نسبت طریقت" کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔
مناسب معلوم ہوا کہ اس کی کچھ تشریح کر دی جائے۔ صوفی ہیئت نفسانی کی تحصیل کا نام نسبت رکھتا ہے، کیونکہ نسبت
نام ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق اور ربط رکھنے کا، جس کا دوسرا نام سکینت ہے اور نور بھی ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ
(باقی ص ۳۲۷ پر)

اور آپ کو باقاعدہ بیعت ارشاد و سلوک کی اجازت دی جائے، مگر ابھی بہت سی خامیاں ہیں، البتہ میں آپ کو بیعت توبہ کی اجازت دیتا ہوں، لوگوں کو کلمات ایمانیہ تلقین فرما کر گناہوں سے توبہ کرادیا کریں اور آئندہ کے لیے عہد کرائیں کہ وہ گناہوں اور شرک و کفر وغیرہ سے بچتے رہیں گے، مگر اس کو خود غرضی اور جاہ پرستی، حصول حطام دنیا کے لیے عمل میں نہ لائیں، اور نہ ابھی عام کریں، اتباع شریعت اور احیاء سنت میں نہ صرف قولاً بلکہ عملاً نمونہ سلف صالحین بنیں، ذکر کی مداومت میں کوتاہی کو روا نہ رکھیں، دعوات صالحہ سے اس نابکار کو فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۹ ذی قعدہ ۵۹ھ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۶) بندہ جب اذکار، عبادات اور طہارت پر مداومت کرتا ہے، تو اس کے اندر ایک خاص صفت پیدا ہوجاتی اور ملکہ راسخہ حاصل ہوجاتا ہے، پس ان دونوں جنسوں کے تحت میں بہت سی انواع داخل ہوجاتی ہیں مثلاً نفس کشی اور بیزاری، لذات مشاہدہ یعنی ملکہ توجہ وغیرہ، لہذا یہ گمان نہ کیا جائے کہ نسبت مذکورہ بدون اشغال صوفیہ کے حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ حق یہ ہے کہ یہ اشغال بھی اس کی تحصیل کا ایک طریقہ اور ذریعہ ہے، چنانچہ صحابہ اور تابعین سکینہ یعنی نسبت کو اور ہی طریقہ سے حاصل کرتے تھے، مثلاً مواظبت صلوٰۃ اور خشوع اور حضور قلب کے ساتھ خلوت میں تسبیحات کی محافظت، موت کی یاد، تدبر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت .... اور خیر خواہی کی باتوں پر دھیان وغیرہ سے تقرب الی اللہ کا ملکہ راسخہ پیدا ہوجاتا تھا، اور یہ طریقہ آنحضرت صلعم سے متوارث ہے، باقی مرشدوں کے طریق الوان مختلف اور تحصیل نسبت کے طریقے جداگانہ ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کے سوال پر فرمایا تھا قال هي هي بلا فرق یعنی یہ وہی نسبت ہے جو ہم کو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں بلا اختلاف حاصل تھی، جب تک یہ نسبت حاصل نہیں ہوتی، شیخ اپنے مرید کو بیعت ارشاد و سلوک کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ۔ البتہ بیعت توبہ اس سے مستثنیٰ ہے، جیسا کہ عام طور پر لوگ پائے جاتے ہیں، ایک غلطی کا صاف کردینا ضروری ہے وہ یہ کہ جو مشہور ہے کہ فلاں بزرگ نے فلاں کی نسبت سلب کرلی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے

(باقی ص ۲۸)

مکتوب نمبر ۱۰۵

والانامہ پر از معذرت باعث سرفرازی ہوا، واقعی بات ہے کہ انسان کو اولوالعزم مستقل مزاج حطام دنیا سے معرض، نعماء آخرت پر مقبل ہونا چاہیے، حُبِّ جاہ نہایت برباد کرنے والی چیز ہے۔ ما ذئبان ضاریان جائعان ارسلا فی زریبۃ غنم بافسد لہا من حب الجاہ لدین المرء (او کما قال علیہ السلام) حدیث صحیح ہے، اور یہ حب جاہ اس قدر پیچیدہ مرض ہے کہ صوفیہ فرماتے ہیں کہ اٰخر داء یذھب من قلوب الصدیقین۔ میرے بھائی نفس اعدی عدو انسانی ہے۔ (اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک ۲؎) اس کے مکر و فریب سے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ والسلام

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۷) فرمایا کہ نسبت قرب الٰہی کا نام ہے، اس کو کوئی سلب نہیں کرسکتا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو چیز حق تعالیٰ بندہ کو عطا فرمائیں دوسرا کون ہے جو اسکو سلب کرے۔ ملاحظہ ہو الافاضات ۲۹ شعبان ۱۳۵۰ھ۔ آجکل کے نام نہاد خلفاء و مجازین کو اپنی جہالت پر ماتم کرنا چاہیے کہ وہ بلا سوچے سمجھے جو زبان بک جایا کرتے ہیں کہ فلاں کی نسبت سلب کرلیگی۔ تو ایسا ہرگز نہیں ہے اور نہ ایسے لوگ مواخذہ عنداللہ سے چھوٹ جائیں گے۔ دوسری بات جو اس مکتوب میں صاف کرنی ہے وہ بیعت ارشاد ہے راقم الحروف کے نام حضرت امام العصر دامت برکاتہم کا والانامہ اسی جلد میں درج ہے ملاحظہ فرما لیا جائے، البتہ نیابت و جانشینی، مجاز اور خلیفہ ہونا یہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے، کیونکہ حُبِّ جاہ ایسی خبیث بیماری ہے کہ صدیقین کے قلوب سے آخر میں نکلا کرتی ہے، اس لیے بسا اوقات مشائخ اجازت خود مجاز کی اصلاح کی مصلحت وغیرہ کی بنا پر دیا کرتے ہیں، باقی اہلیت و صلاحیت کیساتھ جسکو اجازت ملتی ہے وہی معتبر ہے، بقول میر سید اشرف سمنانیؒ کہ جبتک پیر مسند ارشاد پر اپنی خوشی سے نہ بٹھلائے، بغیر اجازت کے اس منصب کی ہرگز ہمت نہ کرے۔ خوب غور کرلیا جائے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱؎ یہ حدیث تھوڑے تغیر کیساتھ جامع صغیر سیوطی میں بحوالہ احمد و ترمذی موجود ہے، مفہوم یہ ہے کہ آدمی کے دین کو حب جاہ جتنا تباہ کرتا ہے اتنا وہ بھیڑیا نہیں کرتا جسکو شکار کی چاٹ پڑ گئی ہے اور وہ بکری کے بچوں میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ۲؎ فتوحات مکیہ وغیرہ کتب تصوف

(باقی ص ۳۲۹ پر)

والحفایا مطلع علی القلوب ہے ہم لوگوں سے اپنی قلبی اور نفسانی شرارتوں کو چھپا سکتے ہیں اگرچہ سب سے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۸) میں ہم نے (اعدا عدوک نفسک الخ) کو دیکھا ہے، صوفیہ اس کو لفظ حدیث سے تعبیر فرماتے ہیں لیکن جہاں تک اپنی نظر صحاح ستہ پر ہے یہ غالباً ان میں موجود نہیں ہے، البتہ اس قول کی صداقت میں کلام نہیں، کتاب اور سنت میں نفس کا ذکر اور اسکے اقسام کا پتہ چلتا ہے، محققین نے لکھا ہے کہ آدمی کا نفس ایک ایسی چیز ہے جو محل نطق و الہام بھی بن گیا اور روح انسانی علوی نے روح حیوانی سے سکون حاصل کیا تو اسکو نفس بنا دیا، جب روح نے نفس کیساتھ دلبستگی پیدا کی تو قلب پیدا ہو گیا اور اس قلب سے مراد وہ لطیفہ ہے جس کا محل پارہ گوشت ہے، اور یہ پارہ گوشت عالم خلق سے ہے اور لطیفہ عالم امر سے ہے اور قلب کا روح اور نفس کے عالم امر میں پیدا ہونا ایسا ہے جیسے اولاد کا آدم اور حوا سے عالم خلق میں جلوہ افروز ہونا، عوارف میں بعض صوفیہ کا یہ قول بھی موجود ہے کہ نفس لطیفہ ہے جو قالب میں رکھا گیا ہے، اسی سے اخلاق رذیلہ وصفات مذمومہ ہیں اور روح بھی ایک لطیفہ ہے جو قلب میں رکھا گیا ہے اسی سے اخلاق حمیدہ وصفات محمودہ کا ظہور ہوتا ہے بہرکیف نفس کی تین حالتوں کے لحاظ سے نام بھی تین ہو گئے ہیں، پس اگر نفس عالم علوی کی طرف مائل ہوا اور اللہ کی عبادت و فرمانبرداری میں اس کو خوشی حاصل ہوئی اور شریعت کی پیروی میں سکون اور چین محسوس کیا، اس نفس کو مطمئنہ کہتے ہیں (سورۃ الفجر) اور اگر عالم سفلی کی طرف جھک پڑا اور دنیا کی لذات و خواہشات میں جسکر بدی کی طرف رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگا اس کو نفس امارہ کہتے ہیں کیونکہ وہ آدمی کو برائی کا حکم کرتا ہے (سورہ یوسف) اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکتا اور شہوت و غضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف مائل ہو کر ان چیزوں کو برا جانتا اور ان سے دور بھاگتا ہے اور کوئی برائی یا گناہ بھی ہو جائے شرمندہ ہو کر اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے اسکو نفس لوامہ کہتے ہیں (سورہ قیامہ) شیخ محی الدین ابن عربی اور دیگر صوفیہ جہاد نفس کو جہاد اکبر فرماتے ہیں یعنی جب نفس کیساتھ لڑائی میں کامیابی ہو گئی تو سارے جہاد حتی کہ راہ خدا میں جان کا دیدینا معمولی چیز ہو جاتی ہے، باقی قرآنی آیت قاتلوا الذین یلونکم من الکفار (الخ) کا اسی معنی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ شیخ اکبرؒ کی بہت سی قرآنی آیت کی غلط تاویل کا نتیجہ ہے، یہاں پر ایک اور بات کا صاف کر دینا ہے وہ یہ کہ صوفیہ کی کتابوں میں "رجعنا من الجهاد الاصغر الی جهاد الاکبر" کو صحیح حدیث کہا گیا ہے، عسقلانی نے تسدید القوس میں فرمایا ہے کہ امام نسائی نے اس کو ابراہیم بن عبلہ کا کلام بتایا ہے، اسی طرح عراقی نے بروایت جابر بیہقی سے منسوب کیا ہے، سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ خطیب

(باقی حاشیہ ص ۳۳۰ پر)

سابقہ پڑتا ہے اس سے نہیں چھپا سکتے۔ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ (الآیۃ)[۵۱]

نجات صرف صاحب قلب سلیم کو ہے۔ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (الآیۃ)[۵۲]

یہ رازہائے سربستہ اس دن ظاہر ہو کر رہیں گے۔ یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ فَمَا لَہٗ مِنْ قُوَّۃٍ وَّلَا نَاصِرٍ[۵۳]۔ اگر واسطہ

دنیاوی اشخاص سے ہوتا تو ہم بہت کچھ کامیابیاں حاصل کر لیتے۔

ما برون را ننگریم و قال را ما درون را بنگریم حال را

اس علام الغیوب کو راضی کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ دنیا میں ہم کتنی ہی کامیابی، شہرت و شوکت

حاصل کر لیں، صرف چند روزہ ہے، اس مقدس ذات کا قرب اور رضا نامہ حاصل کرنا چاہیے جس کے یہاں

دوام و ابدیت اور ہر حالت کی معلومیت ہے۔ فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا[۵۴]۔

میرے محترم! اخلاص کے ساتھ مردانہ وار اس میدان میں قدم رکھیے، اور ہر غیر اللہ سے دل کو پاک

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۹) نے اپنی تاریخ میں جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی صلعم کسی غزوہ سے واپس آئے تو فرمایا رجعنا من الجہاد الاصغر

الفاظ کی رکاکت زبردست قرینہ ہے کہ یہ آنحضرت صلعم کا قول نہیں ہو سکتا، اور نہ حدیث کی مشہور و متداول کتابوں میں حضرت شاہ

عبد العزیز صاحب جیسے متبحر محدث نے دیکھا ہے پس محدثین کے قواعد کی رو سے احادیث و غیر احادیث کا فیصلہ کیا جائیگا کیونکہ ہر فن میں

فن والے کی رائے اگر نہ تسلیم کی جائے تو پھر امان اٹھ جائیگا اور شریعت کا بھرم جاتا رہیگا، بیچارے صوفیہ جن پر حسن ظن کا غلبہ ہوتا ہے

بھلا ان حضرات کو تنقید و تفتیش کی کہاں فرصت اور نہ اس کی عادت، جو سن لیا یا دیکھ لیا باور کر لیا، یا کشف و الہام سے ان کو

کچھ پتہ چل گیا۔ محدثین کی احادیث منامیہ کی طرح اس پر بھی حدیث کا اطلاق کر دیا مگر اس حسن ظن سے حدیث رسول اللہ صلعم

ہونا ثابت نہیں ہو جائیگا۔ خوب غور کر لیا جائے۔ مطلب اس فقرے کا یہ ہے تمہارا سب سے بڑا دشمن نفس ہے جو تمہارے اندر ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۵۱] اگر ظاہر کرو گے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے اس کو حساب لے گا اس کا تم سے اللہ (بقرہ)

[۵۲] جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لیکر دل بے روگ (الشعراء) [۵۳] جس دن جانچے جائیں بھید تو کچھ نہ

ہوگا زور اور نہ کوئی مددگار ہوگا [۵۴] اور تو ٹھہرا رہ منتظر اپنے رب کے حکم کا تو تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے (الطور)

معاف کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کی اور میری دستگیری فرمائے اور نفس وشیطان کے مکر وفریب سے مجھکو اور آپ کو اور سب دوستوں کو بچائے۔ آمین۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ۱۱ ذی الحجہ ۵۹ھ

مکتوب نمبر ۱۰۷

جو کیفیات حاصل ہو رہی ہیں موجب شکر ہیں، اللہ تعالیٰ زیادہ فرمائے آمین۔ قلب کے متعلق آپ کا خیال واقعیت سے دور ہے، حدیث میں ہے لا یسعنی ارضی ولا سمائی انما یسعنی قلب عبدی المومن[1] (او کما قال) یسعی کے معنی یہاں احاطہ کے نہیں ہیں، بلکہ تحمل کے ہیں، اہل تحقیق کہتے ہیں کہ قلب عالم امر ہے یعنی قلب حقیقی جسم انسانی میں روح جس کا مرکز قلب ہے یہی عالم امر کی چیز ہے، باقی جملہ اشیاء عالم خلق کی ہیں، عالم خلق تجلیات ذاتیہ کا متحمل نہیں اس لیے فرمایا گیا وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ[2] (الآیۃ) قلب حقیقی میں تجلیات ذاتیہ متحمل نہیں ہے، باقی جسم میں تجلیات ظلیہ ہی کا مظاہرہ ہوگا، ہم کو مراقبہ میں تجلیات ذاتیہ کو اپنی طرف متوجہ کرنا اور جذب کرنا ہے

ع دل گذرگاہ جلیل اکبر است

تو اگرچہ قلب کے مراقبہ میں دقت یا استبعاد واقع ہو، مگر اس پر مداومت کرنا چاہیے، تمرین مشکلات کے ازالہ کا ذریعہ ہے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۲۷ رمضان المبارک ۷۱ھ

---

[1] زمین اور آسمان میرا تحمل نہیں کر سکتے بلکہ میرا تحمل مومن کا دل کر سکتا ہے۔ بقول جامیؒ ؎

بہ نو حشمت نگنجد در زمین و آسمان   در حریم سینہ حیرانم کہ چون جا کردۂ

[2] لیکن تو دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو تو مجھکو دیکھ لے گا۔

مکتوب نمبر ۱۰۷

مراقبہ کی یہ حالت امید افزا ہے، اس پر پوری توجہ چاہیے۔ تا آنکہ خود بخود دوام حضور حاصل ہو جائے اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ کا سماں ہو جائے ...... میں آپ کو اجازت بیعت و ارشاد دیتا ہوں۔ اگر کوئی آپ سے بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کرے، تو آپ اس کو بیعت کرلیا کریں۔ چاروں خاندانوں چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ، اور سہروردیہ میں اجتماعاً و انفراداً اجازت ہے جو نصائح سلاسل طیبہ کے آخر میں درج ہیں ان کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں، اور مراقبہ مسمی میں جس قدر ممکن ہو کوشش جاری رکھیں ..... ضیاء القلوب۔ القول الجمیل، صراط مستقیم۔ امداد السلوک سے استفادہ فرماتے رہیں، ہر قول و عمل میں اخلاص اور للہیت منظور نظر ہونی چاہیے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، یکم جمادی الاول ۱۳۶۲ھ

مکتوب نمبر ۱۰۸

توجہ الی الذات المتصفہ بجمیع صفات الکمال المنزہۃ من جمیع سمات النقص والزوال یہی امید افزا اور ضروری الدوام ہے، جس قدر ممکن ہو اس میں انہماک کیجئے۔ قلب الثانی اس کا محل تجلی اور مرکز ہے "لا یسعنی ارضی ولا سمائی الا قلب عبدی المومن ای لا یتحملنی فان اللہ سبحانہ اذا تجلی بالتجلی الذاتی فلا یتحملہ عوالم الظلال الا قلب العبد المومن فانہ من عالم الامر کیف لا ولما تجلی الرب سبحانہ للجبل الطور حین سوال موسی علیہ السلام یتحملہ فقد قال اللہ سبحانہ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ؕ

ہست رب الناس را با جان ناس
اتصالے بے تکیف بے قیاس

اللہم زد فزد

هذیا لارباب النعیم نعیمہم وللعاجز المسکین ما یتجرع[1]

اخلاص[2] اور تواضع و فروتنی کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں اور اتباع سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں ادنیٰ کوتاہی کو بھی روا نہ رکھیں۔ رزقنا اللہ وایاکم رضاہ فی الدنیا والآخرۃ ووفقنا وایاکم لما یحبہ ویرضاہ۔ آمین۔ لوگوں کی اصلاح و تربیت میں کوشاں رہیں۔ خواب بھی امید افزا ہیں۔ اس روسیاہ ننگ اسلاف کو دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ کتاب صراط مستقیم اور امداد السلوک کو زیر مطالعہ رکھیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

---

[1] (ترجمہ) ارباب نعیم کے لیے ان کی نعمتیں مبارک ہوں، عاجز مسکین کے لیے تو وہ چیز ہے جسے گھونٹ گھونٹ پی رہا ہے۔

[2] اخلاص پر قرآن حکیم اور احادیث نبی کریم کافی سے زیادہ موجود ہیں اور اسکی اہمیت پر خصوصی طور پر زور دیا ہے۔ اخلاص نام ہے تمام دل اور عقل اور روح کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں نذر کر دینے اور اس کی عبادت میں تقرب و رضا کے سوا کسی اور چیز کے مد نظر نہ رکھنے کے۔ غرض طاعت و عبادت میں ریا کا کلیۃً ترک کر دینا اخلاص ہے۔ اور خلوص لبن اس وقت بولتے ہیں جس میں ذرا بھی خون اور گندگی کی آمیزش نہ ہو۔ قرآن میں ہے من بین فرث ودم لبناً خالصاً۔ لیکن اصطلاح تصوف میں اخلاص یہ ہے کہ اپنے عمل پر سوائے خدا کے کسی کو شاہد نہ بنایا جائے۔ فضیل عیاضؒ کا ارشاد ہے کہ لوگوں کے لیے عمل کا ترک کر دینا ریا ہے، اور لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کرنا شرک، اور اخلاص یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں سے اپنے کو دور رکھے۔ یوسف بن حسین فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے اعلیٰ اور اشرف چیز اخلاص ہے میں نے بارہا کوشش کی کہ میرے قلب سے ریا نکل جائے۔ مگر دوسری شکل و صورت اور رنگ و بو اختیار کر کے آیا کرتا ہے۔ اخلاص اور صدق میں فرق یہ ہے کہ صدق اصل ہے، اس لیے پہلا قدم ہی رکھتا ہے، اور اخلاص فرع ہے اور یہ تابع ہوتا ہے۔ یا یوں تعبیر کیجائے کہ عمل میں داخل ہو جانے کے بعد اخلاص کا سوال پیدا ہوتا ہے ذکر لیلے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ مخلص کے اندر ریا نہیں ہوتا اور نہ صدق کے اندر عجب و تکبر۔ پس اخلاص کی خاصیت یہ ہے کہ

مکتوب نمبر ۱۰۹

زیارت حرمین شریفین کی صورت پیدا ہوئی مبارک امر ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اور برکات معنویہ سے مالا مال کرے، آمین۔

(۱) بارگاہ نبوت سے استفادہ کرنا سوء ادب کیوں ہوگا، بارگاہ میں حاضر ہو کر بعد اداء صیغ صلوٰۃ وسلام مذکورہ .... درود شریف کی کثرت بصیغہ خطاب زیادہ مفید ہے۔ اس کے علاوہ استفادہ کی عمدہ صورت یہ ہے کہ مراقبہ ذات الٰہیہ میں مشغول رہیں، جو کچھ فیوض پہونچنے والے ہیں وہ پہونچیں گے، اس کے قصد یا سوال کی ضرورت نہیں ہے، حاضری روضہ مبارک کے وقت میں آنحضرت علیہ السلام کی روح پرفتوح کو وہاں جلوہ افروز سننے والی، جاننے والی، غایت جمال وجلال کے ساتھ تصور کرتے ہوئے شہنشاہ عالم کے دربار کی حاضری خیال کیجاوے اور جملہ طرق ادب کا لحاظ رکھا جائے، جو لوگ مقصر آداب وسنن ہوں ان کی تحقیر وتوہین کی طرف خیال نہ کیا جائے اور نہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف بلا ضرورت شدیدہ توجہ کیجائے، فضول باتوں اور لوگوں کی مجالس میں بلا ضرورت حاضری سے گریز کیا جائے۔ اوقات کو درود شریف، ذکر، مراقبہ، قراۃ قرآن، نوافل سے معمور رکھا جائے۔

(۲) مکہ معظمہ میں بھی توجہ الی الذات بلا کیف وبلا کم ہر حال میں خواہ طواف یا سعی وغیرہ وغیرہ رکھی جائے، ادعیہ مسنونہ اگر پڑھی جائیں جیسا کہ افضل قرار دیا گیا ہے تو وہ بھی مخاطب بالذات الموجودہ فی الروح والقلب المنزہۃ من سائر الصفات النقص والزوال کے ساتھ جاری رکھا جائے۔

والسّلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ۲۰ رمضان ۶۷ھ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۳) جہاں یہ کیا ریا، وساوس سب ختم ہو کر حکمت ربانی کے چشمے دل سے زبان پر جاری ہو جاتے ہیں، خلاصہ یہ کہ ساری طاعت وعبادت اور دین ومذہب کے سارے اعمال میں خلوص وللہیت کے سوا ذرہ برابر کسی اور کی ملاوٹ نہ ہو یہی وہ چیز ہے جس کو قرآن اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ سے موسوم کرتا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۱۰

اذکار سریہ یا جہریہ اولاً بالذات اسماء سے متعلق ہیں اور مراقبہ مسمیٰ سے تعلق رکھتا ہے ظاہر ہے کہ مسمیٰ متبوع اور مقصود ہے اور اسماء توابع ہیں اس لیے اگر ذکر اسماء مؤید توجہ الی الذات ہوں فبہا ونعمت عمل میں لائے والا مراقبہ ہی مقدم ہے، توجہ الی الذات مع الصفات کا خیال اجمالی لیا جائے گا، ہاں سیر تفصیلی میں خاص خاص صفات قصد کی جاتی ہیں، ہم کو بالفعل سیر اجمالی ضروری ہے، اس لیے ذات مقدسہ مقصود بالذات ہونی چاہیے، صراط مستقیم کا باب ثانی جو کہ صفحہ ۱۳۲ سے بعنوان تکملہ در بیان سلوک ثانی راہ ولایت شروع ہوتا ہے، اس کو مطالعہ فرمائیں، اور اخیر تک یعنی سلوک ثانی راہ نبوت کا بھی مطالعہ کریں۔ بہر حال توجہ الی الذات میں جس قدر بھی کامیابی حاصل کریں وہی کامیابی کی چوٹی ہے۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ

مکتوب نمبر ۱۱۱

حاجی محمد اسمٰعیل صاحب جیون بخش حویلی حسام الدین حیدر بلیماران دہلی کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ مزمل کی تفسیر میں روایت نقل فرمائی ہے کہ صدقہ کا ثواب ایک کا دس اور قرض حسنہ کا ایک کا اٹھارہ ہے اور پھر اس کی وجہ ذکر فرمائی ہے، ملاحظہ فرمالیں۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدارین۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱۱) حضرت شاہ عبد العزیزؒ تحریر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ میں نے شب معراج میں بہشت کے دروازہ پر لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص ایک درہم اللہ کی راہ میں خیرات کرتا ہے دس درہم کا ثواب لکھا جاتا ہے، اور جو شخص خدا کیلئے کسی کو قرض دیتا ہے اسکا

مکتوب نمبر ۱۱۲

کوئی عمل تسخیر کا ایسا ہوتا تو میں یہاں جیل ہی میں کیوں پڑا ہوتا، سب سے بڑا عمل تسخیر کا تقوی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کیجئے، اخلاص اور للہیت وتقویٰ ہر چیز میں نصب العین قرار دیجئے۔ ؎

سیاں انکھیا پھیریاں بیری ملک جہان ٭ ٹک جھانکی اک مہر لاکھوں کریں سلام

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۱۱۳

مولانا سعید علی صاحب امام مسجد درگاہ سلہٹ (مشرقی پاکستان) کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج شریف۔ اسماء الہیہ کو ذات مقدسہ سے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۵) ثواب اٹھارہ لکھتے ہیں۔ پس آنحضرت نے جبرئیلؑ سے قرض کی زیادتی فضیلت ثواب کو دریافت کیا، فرمایا جو شخص خدا کی راہ میں دیتا ہے تو وہ کبھی محتاج کو پہنچتا ہے اور کبھی غیر محتاج کو۔ اور انسان اسی وقت قرض لیتا ہے جبکہ ضرورت ہو۔ اس وجہ سے قرض دینے کا ثواب صدقہ دینے کے ثواب سے زیادہ ہوتا ہے، جاننا چاہیے کہ اس قسم کے قرض دینے میں طبیعت پر بہت شاق گذرتا ہے اور سخت قسم کے مجاہدہ کی ضرورت ہے، کیونکہ آدمی کی فطرت یہ ہے کہ بغیر امید نفع خرچ نہیں کرتا چاہے وہ نفع دینی ہو یا دنیوی، لہذا اس طرح کے قرض حسنہ دینے میں کسی فائدہ کا وہم بھی اس شخص کو نہیں گذرتا اور صدقہ بھی نہیں ہے کہ ثواب پائے۔ معاوضہ بھی نہیں ہے کہ اس کے عوض میں کوئی چیز اسکے مثل یا زائد ہاتھ آئے۔ بلکہ اپنے مال کو بلا وجہ قید میں ڈالدینا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرض حسنہ کا ثواب صدقہ سے زیادہ رکھا گیا ہے، اور کئی گنا ثواب کی توجیہ یہ ہے کہ جب ایک درہم صدقہ دس درہم کے برابر ہو جاتا ہے اور اس جگہ ایک درہم بوجہ اسکے کہ قرض ہے اس شخص کو دینا ہوگا کہ اسکا مطالبہ باقی ہے پس گویا کہ ایک درہم قرض میں دینا نو درہم صدقہ دینے کے برابر ہے اور نو کو جب دونا کرتے ہیں اٹھارہ ہو جاتے ہیں (ص ۲۰۵) واللہ اعلم۔ یہی توجیہ قریب قریب ابن ہبیرہ نے الافصاح فی معانی الصحاح میں کی ہے۔

حسب قول معتمد علیہ الاعین ولا غیر کی نسبت ہے اور یہی اسماء عالم میں متصرف ہیں، اشخاص کی تربیت ان کے ذریعہ سے ہوتی ہے، ہر شخص کا عروج اس اسم تک ہوتا ہے، جو کہ اس کا مربی ہے، اس سے زیادہ تفصیل اس عریضہ مختصرہ میں نہیں ہوسکتی۔ زندگی ہے تو بوقت ملاقات کچھ عرض کروں گا۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۴ ذی الحجہ سنہ ۷۱ھ

مکتوب نمبر ۱۱۴

مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور کے نام

سیدنا المحترم، زادت معالیکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس عنایت اور مہربانی کا شکریہ کس دل اور کس زبان سے ادا کروں کہ ایام واوقات اجابت میں اس دور افتادہ نالائق کو دعوات صالحہ سے یاد فرماتے رہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر عطا فرمائے اور مقاصد دارین میں کامیاب فرمائے۔ ان دعوات سے بڑھکر اسلامی نقطہ نظر سے بھی اور واقعیت کے لحاظ سے بھی اور کوئی احسان کیا ہوسکتا ہے، فللہ الحمد والمنۃ فضل خداوندی سے امید ہے کہ یہ دعوات صالحہ رائگان نہ جائیں گی ہیں بفضلہ تعالیٰ نہایت صحت اور عافیت سے ہوں، بہت زیادہ مطمئن الخاطر ہوں، رمضان شریف بھی نہایت اچھی حالت اور اطمینان سے گذرا۔ کاش اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازے، حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز کو خواب میں دو مرتبہ خلاف معمول نہایت شفقت اور محبت سے دیکھ چکا ہوں، میری نالائقی ہرگز ایسی عنایت کو مقتضی نہ تھی، حضرت شیخ الہندؒ کو بھی کئی مرتبہ دیکھا، کیا عجب کہ ان اکابر کی توجہ روحانی سے میری کچھ اصلاح ہوجائے۔ دارالعلوم کے واقعات یقیناً بہت زیادہ دلخراش ہیں، اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۷ ذیقعدہ سنہ ۷۱ھ

مکتوب نمبر ۱۱۵

مولانا فخر الحسن صاحب مدرس مدرسہ فتح پوری، دہلی کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ آپ کے لیے یہ اسباق مبارک ہیں، ہمت بمت ہارئیے، خواب اچھے ہیں، اتباعِ سنت کا خیال رکھیے، موجودہ مسموم فضا میں (الحاد و زندقہ اور نصرانیت کی) آپ کے قدم کو اتباعِ نبوی سے ڈگمگا نہ سکیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کے تراجم الابواب اور سندھی کا حاشیہ علی البخاری اور فتح الباری مشعلِ راہ بنائیے، میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے، خود بخاری پر حواشی بہت کارآمد ہیں۔

روزانہ تو میں پوری سند نہیں پڑھتا تھا۔ روزانہ کے الفاظ تو حسبِ ذیل ہیں:۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و اٰلہ و اصحابہ اجمعین۔ اما بعد فان اصدق الحدیث کتاب اللہ و خیر الھدی ھدی سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم و شر الامور محدثاتھا و کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار۔ و بالسند المتصل الی الامام الحافظ الحجۃ امیر المومنین فی الحدیث ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن مغیرۃ بن بردزبۃ الجعفی البخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ و نفعنا بعلومہ امین قال

مجھکو اجازت و قرأت و سماعت حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب عثمانیؒ سے ہے اور ان کو قرأت، و سماعت و اجازت حضرت شاہ عبد الغنی صاحب مجددی دہلوی ثم المدنی قدس اللہ سرہ العزیز سے ہے، اور ان کو قرأت و سماعت و اجازت حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی ثم المکی قدس اللہ سرہ العزیز سے ہے۔

ان سے اوپر کی سند بخاری شریف کے ابتدا میں تمام لکھی ہوئی ہے، نیز اور دوسرے طرق میں میری خصوصی سندیں چھپی ہوئی ہیں، میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ اس مقدس کتاب کی نیز دوسری کتب حدیث اور دیگر فنون کی کتابوں کو پڑھائیں جیسے کہ مجھکو اسلاف کرام مشائخ اہل ہند اور اہل حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً نے اجازتیں عطا فرمائی ہیں، اتباع سنت اور اسلاف کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے طریقوں کو مضبوطی سے معمول بہ رکھیں اور تعلیمی اور علمی جد و جہد میں حتی الوسع کسل کو پاس نہ آنے دیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۱ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۲ھ

مکتوب نمبر ۱۱۶

مولانا احمد علی صاحب مفسر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور کے نام

سیدنا المحترم زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، مندرجہ مضامین سے سخت متاثر ہوا، محترما! کیا آپ کے علائق کسی انجمن کے وجود و عدم اور اس کی ممبری پر موقوف ہیں جس پر آپ متاثر ہوتے ہیں، کلا واللہ۔ ہم اور آپ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کے دربار کے دریوزہ گر اور اس بنا پر خواجہ تاش ہیں۔ یہ روحانی تعلق کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا، اگر مادی اسباب حائل بھی ہو جائیں تو کیا ہے، ہماری ارواح ایک ہی دربار گہربار کی حاضر باش ہیں، حفظنا اللہ وایاکم من کل سوء ورزقنا بجمیع آرضاہ فی الدنیا والآخرۃ۔ آمین۔ گھر کے لوگوں اور صاحبزادوں اور دیگر احباب پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیں، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، دیوبند ۳ ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۲ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱۶) مولانا احمد علی صاحب مفسر مدظلہ کے فرستادہ دو والے بنام مولانا احمد حسین صاحب لاہر پوری راقم الحروف کو ملے جنہیں سے سنہ ۱۳۶۲ھ دیکھی تو مولانا موصوف مولانا احمد علی صاحب کو جمعیۃ کا صدر، مولانا داؤد صاحب غزنوی کو جنرل سکریٹری اور مولانا محمد نعیم صاحب

(باقی ص ۳۴۰ پر)

مکتوب نمبر ۱۱۷

مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب و الفقہ دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ذکر کا یہ اثر نہایت امید افزا ہے کہ بے اختیار جاری ہونے لگا۔ غیر مناسب مواقع پر خود بخود جاری ہونا اطمینان بخش ہے، امام مالک کے نزدیک تو ذکر پاخانہ اور پیشاب وغیرہ کرتے ہوئے بھی جائز اور مستحسن ہے، ائمہ ثلاثہ اس کو مکروہ فرماتے ہیں، مگر ذکر غیر لسانی خواہ سانس سے ہو یا قلب سے، روح سے ہو یا سر سے یا خفی و اخفی سے، اس میں کسی کے نزدیک کوئی کراہت نہیں نماز میں خود بخود ہونے لگے تو مت روکیے، بہر حال اس کو جاری ہونا چاہیے، یہاں تک کہ سوتے وقت بھی جاری ہو جائے اگرچہ سونے والے کو اس کا علم نہ ہو، مگر پاس کے جاگنے والے کو سانس کی کیفیت سے ذکر محسوس ہونے لگے، گریہ کا غلبہ ہونا نسبت چشتیہ کا ظہور ہے، اللہ تعالیٰ روز افزوں ترقی فرمائے۔ آمین

جو لمحہ اور سانس ذکر کے ساتھ گذرتا ہے، وہی حقیقت میں زندگی کا لمحہ ہے۔ باقی تو محل گفتگو ہے۔ الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیہا الا ذکر اللہ وما والاہ (اوکما قال) اگر اسباق اور مجالس میں ہو تو اس سے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۹) لدھیانوی کو نائب صدر تجویز فرمایا گیا تھا، اور ان دونوں والا ناموں کی عکسی نقل نہایت اہتمام و احترام سے ہم تک پہنچی ہے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء، جس والا نامہ کو ہم نے یہاں درج کیا ہے، اس کے متعلق مولانا احمد علی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ حسب الحکم اعلیٰ حضرت مدنی دامت برکاتہم کے دو والا نامے ارسال خدمت ہیں، ایک وہ ہے جو صوبہ پنجاب کی جمعیۃ علماء کے متعلق ہے، اور دوسرا وہ ہے جبکہ تقسیم ملک کے بعد جمعیۃ علماء ہند نے اپنے ان مرکزی اراکین کو علیحدہ کر دیا تھا جو منتقل ہو کر پاکستان میں آگئے تھے اور ہماری مرکزی جمعیۃ علماء ہند نے اپنی صوابدید کے مطابق ہمیں پاکستان میں کام کرنے کیلئے آزاد کر دیا تھا، اس فیصلہ کی اطلاع کے بعد میری طبیعت بہت ہی پریشان ہوئی، میں نے اعلیٰ حضرت مدنی دامت برکاتہم کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا، میں عرض کی گئی کہ جن بزرگوں کی دستگیری سے مجھے قیامت کے دن نجات کا بھروسہ تھا آپ حضرات نے ہمیں الگ کر دیا، اس عرضداشت پر اعلیٰ حضرت مدظلہم نے یہ فرمان ارسال فرمایا تھا جو ارسال خدمت ہے۔ فقط

احمد علی ۹ رشعبان ۱۳۶۹ء، ۲۰ جون ۱۹۵۰ء

بڑھ کر کیا بات ہوگی۔ دوہرہ

جب پیت بھی تب لاج کہاں سنسار ہنسے تو کیا ڈر ہے
دکھ درد پڑے تو کیا چنتا اور سکھ نہ رہے تو کیا ڈر ہے

عشق چوں خام است باشد بستہ ناموس و ننگ
پختہ مغزان جنوں را کے حیاز نجیر پاست

اگر لوگ رنگ آمیزی کریں اور مذاق اڑائیں تو کیا پرواہ ہے۔ اس کا خیال بھی نہ ہونا چاہیے، اللہ مبارک کرے جو واقعات خلاف طبع پیش آرہے ہیں ان کی پرواہ بھی نہ کیجیے، اپنے کام سے کام رکھیے، میں نے سنا ہے کہ دورے میں دو سو پچاس سے زاید طلبا ہیں، پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سو یا ڈیڑھ سو سے زیادہ طلبہ نہیں آئے اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۴ر ذیقعدہ ۶۱ھ

مکتوب نمبر ۱۱۸

کل میں نے سرسری طور پر کہہ دیا تھا کہ بہار جانے میں کیا حرج ہے، بعد میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد یاد آیا کہ رمضان شریف کی خاطر جمعی اور توجہ الی اللہ کو تمام سال کی خاطر جمعی میں بہت بڑا دخل ہے ادھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخیر عشرہ کے متعلق شدت اہتمام بہ نسبت عبادات خود فرما اور ترغیب شدید دینا اور فقہا و صوفیہ کرام کا عشرہ اخیرہ کی راتوں کو تمام سال کی راتوں سے افضل تر قرار دینا وغیرہ کا تقاضہ ہرگز نہیں ہے کہ ان دنوں اور راتوں کو ضائع کیا جائے، جس قدر بھی ان میں قراۃ قرآن ذکر وغیرہ ہو سکیں بہتر از بہتر ہوگا، ادھر یہ کہ آپ کا ان ایام میں اپنے بچوں میں رہنا ان کے لیے موجب طمانیت ہے، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ عید سے پہلے سفر نہ فرمائیں، رمضان میں ریلوں کی کھچا کھچ میں سفر کرنا اور اس کی وجہ سے تمام معمولات حتیٰ کہ فرائض تک میں خلل پڑنا تشویش خاطر وغیرہ کا ظاہر ہونا کچھ بہتر نہیں معلوم ہوتا، ہاں عید کے دن یا اس کے اگلے دن اگر آپ سفر کریں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

ممکن ہے اکبرپور تک میں بھی آپ کی اردلی میں حاضر باشی کا شرف حاصل کر سکوں، آیندہ جناب کو اختیار ہے۔ میرے عید کرنے کے بارہ میں کچھ ترددات پیش آرہے ہیں، یہاں کے حضرات سخت متقاضی ہیں کہ منصور پور میں عید کیجائے اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ دیوبند۔ بہرحال رسہ کشی ہورہی ہے، دیکھیے کون غالب آتا ہے، جو مقصد یہاں کے رہنے کا قرار دیا گیا تھا اس کو بالکل انجام نہیں دے سکا افسوس دعاؤں کا سخت محتاج ہوں۔ آپ کے تیسرے قرآن کی خبر سے خوشی ہوئی، ھنیئاً لارباب النعیم نعیمھم ہم تو ابھی تک ایک قرآن بھی ختم نہ کر سکے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۳ رمضان المبارک ۶۲ھ از حسین آباد۔

مکتوب نمبر ۱۱۹

سبحان من اقام العباد فیما اراد

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ　　اگر تیرا رب چاہتا تو وہ لوگ یہ کام نہ کرتے سو تو چھوڑ دے وہ جانیں اور ان کا جھوٹ۔

۱۱ رمضان کا والانامہ ملا۔ مجھے سخت تعجب ہے، آپ کے اوہام اور لایعنی خیالات و افکار دور نہیں ہوئے، اسی پیچ و تاب میں آپ پڑے رہتے ہیں، اگر ایسا ہی ہے تو خدا سے لڑائی کیجیے، اور اس کیلیے کمر باندھیے تکوینیات اسی کے ارادہ اور قدرت کے کرشمے ہیں، اس میں سرگرانی اور بے پیش بہا اطمینانی حالت کو ضائع کرنا قلب اور اس کے سکون کو ان لایعنی باتوں میں کافور کر دینا کس قدر کھلی فاش غلطی ہے تکوینیات صرف اسی کے قبضہ میں ہیں،

مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن　　کوئی آفت نہیں پڑتی ملک میں اور نہ تمہاری جانوں میں جو لکھی نہ ہو ایک کتاب میں پہلے اس سے کہ پیدا کریں

نَبْرَأَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۔ ہم اس کو دنیا میں بیشک یہ اللہ پر آسان ہے تاکہ
لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا تم غم نہ کھایا کرو، اس پر جو ہاتھ نہ آیا اور نہ شیخی کیا کرو
بِمَا اٰتٰىكُمْ الآیۃ اس پر جو تم کو اس نے دیا (سورہ حدید)

ما اصابك لم يكن ليخطئك وما اخطاك لم يكن ليصيبك[1] الحدیث کو کس روز کیلئے پڑھا تھا۔ العجب ثم العجب۔ میں کہہ چکا ہوں کہ ذکر کی کثرت کیجئے اور صرف اللہ تعالیٰ سے لو لگا ئیے، مخلوق کو خالق کے لیے چھوڑ دیجئے، اگر کوئی مصیبت آپ پر آئے کشادہ پیشانی سے برداشت کیجئے۔ "ضرب الحبیب زبیب" سمجھیے اور قلب کو ان تمام دنیاوی اور تکوینی کدورتوں سے پاک اور صاف کیجئے۔ حضرت لقمان علیہ السلام کی وصیت وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ۔ ہی نہیں بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی کو دیکھئے کہ کن شدائد میں گذری اور پھر ان کو اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا فرمایا جاتا ہے، آپ اپنا جائزہ لیجئے، ۲۴ گھنٹہ میں کس قدر شکر کرتے ہیں، اور کسقدر نعماء الٰہیہ کا استعمال کرتے ہیں، اس کے آپ مسئول ہیں، اپنے فرائض کو انجام دیجئے۔ ان دنیاوی پریشانیوں پر لات مارئیے "من حفر بئرا لاخیہ وقع فیہ" کے کرشمے دیکھئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۱۲۰

مولانا قاری سید اصغر علی صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند سہارنپور کے نام

محترم المقام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گورنمنٹ کا ہمیشہ سے اور کارکنان مدرسہ کا عرصہ سے

[1] آیت مذکورہ کی تفسیر میں جس حدیث کو حضرت امام العصر نے نقل فرمایا ہے اسکا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ تم کو پہنچا اور پہنچ رہا ہے غیر ممکن تھا کہ اس میں چوک ہوجاتی اور جو تیر چوک گیا ممکن نہ تھا کہ اسکی زد پڑتی، یہ قضاء مبرم ہے جسمیں تخلف کی گنجائش نہیں ہے، تقدیر پر ایمان لانا ہے نہ کہ اسکی کھود کرید کرنا بلکہ اس سے اجتناب سلف کا مسلک رہا ہے ع "کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را"۔

اور جو لوگ ناحول اہتمام وصدارت میں کام کر رہے ہیں ان کا بھی ہمیشہ سے یہی ارادہ اور جد وجہد رہی کہ حسین احمد کو یہاں سے نکلوایا جائے اور اب ان کو موقع ہاتھ آرہا ہے اس میں انتقامی جذبات کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے نیاز ہے، حضرت زکریا علیہ السلام کو آرا سے چروا دیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کرا دیا، سیکڑوں نہیں ہزاروں انبیاء موت کے گھاٹ اتروائے گئے قرآن کی نص یَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِیَاءَ بِغَیْرِ الْحَقِّ اس پر دلالت کرتی ہے، حسین احمد کتنا ہی مخلص اور بے قصور ہو مگر ان انبیاء کے سامنے وہ مقدار بھی نہیں رکھتا جو ذرہ کو پہاڑ کے سامنے ہے۔

ادارۂ اہتمام و مدرسین کی یہ کشمکش اور خود غرضیاں اور لایعنی باتیں مجکو مجبور کرتی ہیں کہ اپنے دوسرے اصلی فریضہ کی طرف متوجہ ہوں۔ اور اب آخری حصہ کے فریضہ کو اللہ تعالےٰ کی یاد اور عبادت میں خرچ کرنے کا قصد کروں۔ میرے آقا حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کی یہی سنت ہے، اور اسی پر حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری مرحوم مغفور اور حضرت نانوتوی مرحوم مغفور آخری ایام میں گذران کرتے تھے، اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ آخری ایام میں اسی کے عامل رہے۔

حقیقت میں ان حضرات کو آپ سے یا منشی شفیع صاحب یا مولانا جلیل صاحب، مولانا نافع گل صاحب وغیرہ حضرات سے کاوش نہیں ہے، سب کی آنکھوں میں کانٹا حسین احمد ہے اور اسی سے سب کے جذبات منتقمانہ ہیں، کیوں نہ وہ اپنے لیے صورتیں سوچے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید قوی ہے کہ قریبی ایام میں انقلاب حکومت کی بھی ضرورت میں آئے گی۔ اس صورت میں ہماری سیاسیات کا شغلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اب اللہ تعالےٰ کی یاد میں بقیہ عمر گذارنا ضروری معلوم ہوتا ہے، بے شک ملازمت کے ترک میں آمدنی کی طرف سے خطرات پیش ہوتے ہیں، مگر اس راستہ میں سلف صالحین کا طرزِ عمل اور روکھی سوکھی روٹی

فاقہ اور نیم گرسنگی کو اختیار کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ وہ اپنی رحمت و امداد سے اعانت فرمائے گا،

ہمارا خاندان امراء اور نوابوں کا خاندان نہیں ہے، فقراء کا خاندان ہے، اگرچہ زمینداری بڑے پیمانہ پر تھی، مگر صرف آخر کی دو پشتیں دنیادار گذری ہیں، ورنہ باوجود زمینداری کے فقیرانہ طرز رہتا تھا، اور ذکر و فکر مراقبہ وغیرہ میں مشغول رہتے تھے، یہی بات میں نے والد صاحب مرحوم سے بارہا سنی ہے، خلاصہ یہ کہ مجھکو ہر وقت اس کے لیے تیار رہنا ضروری ہے، اور اب طبیعت اس ملازمت سے متنفر ہوتی چلی جاتی ہے، خصوصاً ایسے ایسے مقدسین کے یہ احوال دیکھکر۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۱۲۱

مولانا ابو جعفر صاحب مراد آبادی کے نام

محترم المقام زید مجدکم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - مزاج شریف - ذکر کی طرف اس قدر توجہ اور اس سے بشاشت اور ناغہ ہو جانے سے طبیعت کا تاثر "ایں ہم غنیمت است" مگر میرے محترم! آپکو اس راہ میں بڑھنا چاہیے، اور بہادرانہ تگ و دو کرنی چاہیے، کسی شب میں قضا کیوں ہو؟ اور مقدار ذکر میں وہی تعداد کیوں باقی رہے، جو دو تین ماہ پہلے تھی۔ "اذکروا اللہ حتی یقولوا انہ لمجنون"۔

جہاں اے برادر نماند بکس ‏ ‏ ‏ ‏ دل اندر جہان آفریں بند و بس

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۰/ ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ

مکتوب نمبر ۱۲۱

والا نامہ مع والا نامہ صوبیدار صاحب پہنچا۔ یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں، ان کے والدین ماجدین کے تفکرات سے صدمہ ہوا، ان کی خدمات عالیہ میں سلام مسنون عرض کر دیں اور توجہ دلائیں کہ جو وقت بھی اس اسارت اعداء اللہ میں گذرتا ہے اجر و ثواب سے خالی نہیں ہے، نیز صوبیدار صاحب اس فرصت میں جبکہ اپنی جد و جہد سے غافل نہیں ہیں تو خوش ہونے کا مقام ہے، ضرورت شدید ہے کہ صوبیدار صاحب اپنے اسلاف کرام کے مقامات روحانیہ کو حاصل کریں جس کے لیے بجز فراغ کوئی صورت نہیں، یہ فراغ ان کو باہر نہیں مل سکتا، ماشاء اللہ اپنی روحانی جد و جہد سے غافل نہیں ہیں، ان کو والدین ماجدین اور اعزہ کی طرف سے تاکید ہونی چاہیے۔ کہ وہ مطمئن الخاطر ہو کر اپنی روحانی اور قلبی اصلاحات میں بیش از بیش منہمک رہیں، اور اعزہ و اولاد کی فکر نہ کریں، اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ - يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ الآیۃ ان کو مشوش نہ کیا جائے، بلکہ تنبیہ کیجائے کہ وہ اس فرصت کو غنیمت سمجھکر اپنی زندگی کے ضروری فرائض کو انجام دینے میں مصروف رہیں یہ ان کی خدمت نہ صرف اپنی ہوگی بلکہ والدین ماجدین اور اعزہ کی نہایت بیش قیمت خدمت ہوگی۔

یوسف گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور ۔۔۔ کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ کریم کارساز اپنے فضل و کرم سے مصائب کے بادلوں کو چھانٹ دے اور ہمارے ساتھ ایسے معاملات نہ فرمائے جس کے ہم مستحق ہیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۹ ربیع الاول ۶۳ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۱) یہ حقیقت ہے کہ مقامات تصوف و سلوک کے حصول میں فراغ خاطر اور خلوت و عزلت کو
(باقی ص ۳۴۷)

مکتوب نمبر ۱۲۲

مولانا غلام پیر صاحب قصبہ یوسف پور محمد آباد ضلع غازیپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ غلام ربانی صاحب عباسی کی گرفتاری اگرچہ بظاہر باعث تکلیف ہے، مگر ان کے متعلقین اور احباب کو مبارکباد دیجئے، اور ان کو بھی مبارکباد پہنچا دیجئے۔ زمرۂ مجاہدین میں داخل ہوا اور اللہ کے راستہ میں تکالیف جھیلنا عظیم الشان عبادت ہے، قرآن مجید میں سورہ توبہ کے آخر میں ہے ذَالِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَاءٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ الآیۃ (یعنی مسلمانوں کو اللہ کے راستہ میں اگر تھوڑی بھی پیاس یا بھوک یا تھکن لگ جائے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۶) بہت بڑا دخل ہے، خلافت راشدہ کے بعد جب نظام اسلامی میں بہت کچھ برہمی پیدا ہو گئی تو صوفیاء کرام نے جگہ جگہ خانقاہیں قائم کیں جس کا ماخذ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کو قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ پہلی خانقاہ رملہ شام میں سلجوقیوں کے دور میں تعمیر ہوئی، صوفیاء کرام جن لوگوں میں استعداد و مناسبت پاتے تھے، ان کو بیرونی دنیا کے گندے ماحول سے نکالکر اور اعلیٰ درجہ کی تربیت دیکر اسی کام کے لیے تیار کرتے تھے جس کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو تیار کیا تھا لیکن آج خانقاہوں کا مفہوم اس درجہ گر گیا ہے کہ یہ لفظ سنتے ہی انسان کے ذہن میں ایک ایسی جگہ کا تصور آجاتا ہے، جہاں ہوا اور روشنی کا گذر نہ ہوا اور جہاں صدیوں تک جبر کی کا ورق نہ پلٹے، حضرت امام العصر سلف کی جیتی جاگتی تصویر اور کلمۂ حق عند سلطان جائر کے پیکر ہیں جیل خانہ آپ کی خانقاہ اور اس کی تنگ و تاریک کوٹھریاں ارشاد و اصلاح کی تربیت گاہیں، چلہ کشی کا صحیح حقیقی مفہوم آپ جیسے زندانیان یوسف نے سمجھا، چنانچہ قید خانہ عبادت کا گہوارہ، معرفت و بصیرت اور وعظ و حکم کا مرکز بن گیا۔ ریاضت و مجاہدہ اور قید و محن تزکیہ و تطہیر کا نشیمن ہو گیا جن کو کل تک جیل کے نام سے لرزہ آتا تھا، ان کے اندر سے جبن و بزدلی دور کر کے لَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ کے اسرار سے آگاہ کر دیا اور اسلاف کرام کی صحیح جانشینی کا حق ادا کر کے نہ جانے کتنے متوسلین کو دار و رسن کا مانوس بنا دیا، آپ کے ریاضت و مجاہدہ کی شاہد حرمین کے ارض مقدسہ اور مدینۃ الرسول کے محراب و منبر،

یا کوئی ادنی درجہ کی بھی ایسی چال چلے جس سے کافرون کو غصہ آئے یا کوئی نقصان پہنچائے ان کو تو نیک عمل لکھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنیوالون کے کام کو ضائع نہیں کرتا، اور اگر کچھ خرچ کرے اللہ کے راستہ میں خواہ تھوڑا ہی ہو یا کچھ راستہ چلے تو وہ بھی لکھا جاتا ہے) میرے بھائی یہ بہت بڑی بشارت قرآنی ہے، جو کچھ تحریک ہے اس حکومت کی شوکت اور قوت کو مٹانے کے لیے ہے جس نے اسلام کی دشمنی مین کوئی فروگذاشت کبھی نہیں کی ہے، یہ توفیق خداوندی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ لوگون کو اس کی توفیق عطا فرمائی پہلوں نے اپنی جانیں، مال، اولاد کیا کیا نہیں خرچ کیا، ہرگز مت گھبرائیے اور نہ کمزور ہوجئے، قرآن اور حدیث بشارتون سے بھرے ہوئے ہیں، ان کو اور ان کے گھر والون کو اطمینان دلائیے اور مستقل ارادہ پر قائم کیجئے، اور ان کے گھر والوں کی خبرگیری کیجئے اور کرائیے، حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۷) اسکی جھاڑیاں اور وادیاں، برطانیہ کے قصر استبداد کی کوٹھریاں اور مالٹا کی سرزمین ہیں جنکے ذرہ ذرہ کو قیامت کے دن بارگاہ رب العزت مین سفارشی بنکر آنا ہوگا کہ "یہ بندہ دو عالم سے خفا تیرے لیے ہے"۔ یہ ہے وراثت انبیاء کا حقیقی مقام اور یہ ہے خانقاہ کا صحیح بنیادی مفہوم اور یہ ہے سلوک و تصوف نبوت اور یہ ہے "و فی سبیل اللہ بالقیت" کا عملی مظہر اور یہ

لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ کی بھی اور عملی تفسیر ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا — ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

آج تن آسانی اور عیش پسندی کا نام تصوف اور ختموں ہی پر عمل کا نام سلوک رکھا گیا ہے کیا یہ رہبانیت کے قبیل سے نہیں ہے، حالانکہ جو وقت اسارت اعداء اللہ میں گذرتا ہے اسکا ایک گھنٹہ موجودہ خانقاہی عبادتوں سے بہتر اور اجر و ثواب میں افضل تھا اور ہے۔ اخی فی اللہ مولوی محمد یحییٰ صاحب اعظمی نے "نوائے حیات" میں "ایک عالم ربانی کی اسارت" کے عنوان سے امام العصر کی جو صحیح تصویر کھینچی ہے اسکے چند شعر یہ ہیں:

وہ جس کی زندگانی کا شرف ہو اسوۂ یوسف — اسے ہوگی بھلا کیا سجن و زندان سے پریشانی
پرستاران حق گھبرائیں کیوں اس بوستان سے — یہ زندان تو رہا ہے جلوہ گاہ پاکدامانی
مبارک مرفوشان عیش کو کاشانۂ راحت — مجاہد کے لیے زیبا نہیں ذوق تن آسانی
صحابہ کی حیات پاک کو اس نے نہیں جانا — حقیقت میں یہ شان زندگی جس نے نہ پہچانی
شعار اس کا بزرگان سلف کا زہد و تقویٰ ہے — جہاد اس کا نہیں پابند قید بے گردانی
جدا ہے رسم و راہ خانقاہی سے طریق اس کا — زمانے سے الگ ہے اس کا آئین خدا دانی

کسی غازی کے گھر والوں اور بال بچوں کی خبر گیری اور خدمت کرتا ہے تو اس کو بھی غزوہ اور جہاد کا ثواب ملتا ہے، اگر لیگی دشمنی کرتے ہیں تو پرواہ مت کیجئے، وہ اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں، اور آپ کے درجے بلند اور گناہ معاف ہوتے ہیں، یہ تو پیغمبروں کی سنت ہے کہ شیاطین اور جن ان کے دشمن ہوتے تھے، خوشی کا مقام ہے، شریعت پر مضبوطی سے قائم رہیے، پنجگانہ نماز با جماعت پڑھیے اور لوگوں کو اس کا پابند بنائیے، مجھکو بھی کبھی کبھی دعا سے یاد کر لیا کیجئے، آپ سب بھائیوں کے لیے دعا کرتا ہوں، والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۲) یہ ایک علمی مسئلہ ہے کہ فریضۂ جہاد قیامت تک کیلیے بشرائط جاری و باقی ہے، جہاد فرض کفایہ ہے، البتہ اگر کسی وقت امام کی طرف سے نفیر عام یعنی جنگی خدمت کے لیے عام بلاوا ہو جائے تو فرض عین ہو جاتا ہے، اور کسی حقیقی معذوری کے بغیر نہ نکلنے والوں کا ایمان تک معتبر نہیں ہے، حضرت امام العصر نے ۴۳ء کے مجاہدین کی فضیلت کے سلسلہ میں سورہ توبہ کی جس آیۂ کریمہ کا مفہوم تحریر فرمایا ہے وہ پوری آیت اپنے مدعا پر نص قطعی ہے، اور برطانیہ کے خلاف جنگ آزادی میں جن حضرات نے حصہ لیا ہے وہ یقینی طور پر ان آیات اور احادیث کے مصداق ہیں جو اس راہ میں وارد ہیں، سورہ توبہ کی ابتدائی آیات اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کو مدنظر رکھیے تو صاف مفہوم متعین ہو جاتا ہے کہ کسی زیارت گاہ کی سجادہ نشینی و مجاوری اور چند نمائشی مذہبی اعمال کی بجا آوری جس پر دنیا کے سطحی بین لوگ بالعموم شرف و مجد اور تقدس کا، اور رکھتے ہیں، خدا کے نزدیک کوئی قدر و منزلت نہیں رکھتی۔ اصلی قدر و قیمت ایمان اور راہ خدا میں قربانی کی ہے۔ ان صفات کا جو شخص بھی حامل ہو وہ بڑا قیمتی آدمی ہے اور جو ایسا نہ ہو تو ہرگز ہرگز دینی معابد ان لوگوں کے ہاتھوں میں رہنے نہ دیا جائے اور نہ ایسے لوگوں کو خلیفہ و مجازان کا سمجھنا چاہیے جنکا طریق زندگی اپنے پیر سے جدا رہا ہو۔ جانشینی و خلافت بغیر پیروی شیخ کہیں بھی قابل اعتبار نہیں، بار بار غور کرنیکی جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ بھوک پیاس لگنا یا تکالیف کا پہنچنا اختیاری کام نہیں ہیں تاہم نیت جہاد اور اعلاء کلمۃ الحق کی برکت سے ان غیر اختیاری چیزوں کے مقابلہ میں اعمال صالحہ اسارت اعداء اللہ مجاہدین فی سبیل اللہ کے فرد حساب میں کر دیے جاتے ہیں سبحان اللہ وبحمدہٖ

مکتوب نمبر ۱۲۳

حافظ محمد یعقوب صاحب، محلہ قاضیان قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ بخار جاڑے کی شکایت کرتے ہیں! حکیم تو ایسے دن نہایت مبارک خیال کرتے ہیں، مدتوں کی تمناؤں کے بعد اطباء اور دوا فروشوں کو کہیں ایسا موسم نصیب ہوتا ہے۔ آمدنی ہوتی ہے، ادھر بھی اس کی شکایت ہے، بحمد اللہ ہم اور رفقاء سب کے سب بخیر و عافیت ہیں، علاوہ حافظ صاحب نگینوی اور مولانا حفظ الرحمن صاحب، قاری عبداللہ صاحب مدرس شاہی مسجد وصدر کانگرس کمیٹی مرادآباد، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ایم، ایل، اے مدرس شاہی مسجد، منشی معین الدین صاحب خلف منشی حمید الدین صاحب مرحوم سنبھلی، مولوی مہدی حسن آف سلیم پور، اور مولوی عبدالقیوم صاحب اور برخورد مولانا محمد اسمٰعیل صاحب موصوف حضرات ہیں، رات کو ہم ایک بارگ میں کیے جاتے ہیں، جس میں ہم اور تین خادم گیارہ بارہ آدمی ہوتے ہیں، اور کوئی دوسرا نہیں ہوتا، سوا دس بجے (جدید ٹائم) پر تراویح کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، دو پارے میں سناتا ہوں، اب دوسرا قرآن ہو رہا ہے، ساڑھے بارہ بجے فارغ ہو جاتے ہیں، پھر سو جاتے ہیں ڈیڑھ اور کبھی دو بجے اٹھتے ہیں، نوافل میں قاری صاحب موصوف دو پارے اور مولوی مہدی حسن صاحب دو پارے سناتے ہیں، ان صاحبوں کا بھی دوسرا قرآن ہو رہا ہے، اگر وقت کچھ باقی ہوتا ہے تو میں بھی حسب وقت ایک یا دو پارہ پڑھ لیتا ہوں، ورنہ سحری کھانے بیٹھ جاتے ہیں، پھر نماز صبح پڑھکر اس بارک سے نکل کر قیام گاہ کے حجروں پر آجاتے ہیں، اور کھلے کمروں میں سو جاتے ہیں، دس گیارہ بجے

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۳) کرپس مشن کی ناکامی کے بعد حکومت برافروختہ تھی کہ کانگرس نے اس کے کورے چک کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، چرچل وغیرہ نے فیصلہ کر لیا کہ ہندوستان کے جذبات کو قوت سے دبایا جائے۔ چنانچہ

(باقی حاشیہ ص ۳۵۱ پر)

تک سوتے رہتے ہیں، اس کے بعد کتابوں کا مطالعہ، سیاسی مذاکرہ تصنیف، کھانے پکانے، اشیاء کے منگانے وغیرہ کا مشغلہ، نماز دن اور دور قرآن کا سلسلہ، روزانہ غسل کرنا، وغیرہ جاری رہتا ہے، ۹ بجے شام بارک مذکور میں چلے جاتے ہیں، یہ ہے معمول روزانہ۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۰) ۴ر جنوری ۱۹۳۲ء کی شب میں حضرت اقدس مدظلہ کو وارنٹ گرفتاری پیش کر دیا گیا، اب ۵ر جنوری ۱۹۳۲ء سے ۸ر اگست ۱۹۳۲ء تک مرادآباد جیل میں تنہا رہے، ایک احاطہ میں چار کوٹھریاں ہیں، انکے سامنے برآمدہ ہے، پہلے پھانسی کے ملزمین کو ان کوٹھریوں میں رکھا جاتا تھا، حضرت کو اسی احاطہ کی کوٹھری میں رکھا گیا، مشہور یہ تھا کہ اس احاطہ میں بھوت رہتے ہیں اس لیے وارڈر بھی آنے میں ڈرتے تھے، مگر جنکا طغرائے امتیاز فلا تخافوھم وخافون ہو انکا عالم ہی اور ہوتا ہے ۹ر اگست ۱۹۳۲ء کی صبح کو سب سے پہلے حافظ محمد ابراہیم صاحب وزیر صوبہ یوپی خدمت میں باریاب ہوئے، پھر دیگر رفقا جیل میں داخل ہو گئے اور حضرت کی مربیانہ شفقت میں اہل وعیال کو بھلا دیا، ہندو مسلمانوں کے علاوہ جیل کے ملازم اور افسران احترام سے پیش آتے تھے، حتیٰ کہ دعائیں تک کے طالب تھے، حضرت مدظلہ کی چھ ماہ کی سزا ۸ر جنوری ۱۹۴۳ء کو ختم ہونے والی تھی، کہ آپ پر دفعہ ۲۶ ڈیفنس آف انڈیا رولس کا نوٹس تعمیل کرا کر غیر محدود مدت تک کیلئے نظر بند کر دیا گیا، اسکے بعد جنوری ۱۹۴۳ء میں تحریک اپنی عمر طبعی ختم کر رہی تھی، لہذا سیاسی قیدیوں کو منتقل کرنا شروع کر دیا گیا، حضرت امام العصر دامت برکاتہم ۱۴ر جنوری ۱۹۴۳ء کو نینی جیل الہ آباد میں داخل کیا گیا، اب رفقاء اور خدام کو معلوم ہوا کہ وہ جیل میں ہیں اور غالباً یہی احساس پیدا کرنا تھا، مگر صیاد ستمگر کی اس سے زیادہ ناکامی کیا ہو سکتی ہے کہ یہاں یہ کوہ استقامت گرفتاری میں آزادی کو برای العین مشاہدہ فرمارہا ہے اور زبان حال سے زمزمہ سنج ہے: نالہ از بہر رہائی نکند مرغ اسیر :: خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود۔

مکتوب نمبر ۱۲۴

مولانا حکیم انظار احمد صاحب انصاری دواخانہ متصل فیصل خانہ مراد آباد کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک بکرا عنقا تک میں خرید لیا جائے، میرے حساب میں، اور اس کو حضرت حاجی صاحبؒ کے لیے قربانی کر دیا جائے، اور اس میں سے ایک تہائی یا آدھا آپ حضرات رکھ لیں اور باقی ماندہ ہمارے پاس بھیج دیں۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۱۲۵

ذکر پر ہمیشہ مداومت رکھو، اثناء ذکر میں تھوڑی دیر کے بعد (خواہ ایک تسبیح کے بعد یا کم وبیش کے بعد) یہ دعا دل لگا کر مانگا کرو یارب انت مقصودی ترکت الدنیا والاخرۃ لک اتمم علی نعمتک وارزقنی وصولک التام ورضاک تخط بعد ۱۲ ابدا۔ اس کا التزام کرو، فرصت کو غنیمت سمجھو، اور عمر عزیز کو ضائع ہونے سے بچاؤ، اور یہ لکھو کہ کیا اور کتنا ذکر کرتے ہو اور حالت کیا ہے، مخلوق کو خالق کے لیے چھوڑ دو اور اپنی لو صرف خالق سے لگاؤ، سرکا چکر رفو چکر ہوگا۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۱۲۶

مجھکو یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض ممبران شوریٰ کو ان مدرسین کی تنخواہوں کے جاری رکھنے کے متعلق اعتراضات اور شبہات ہیں جو کہ ان دنوں قید وبند کے مصائب میں مبتلا ہیں، اس لیے

مین مندرجہ ذیل امور کو پیش کرنا چاہتا ہون، آپ ممبران کے سامنے میرے خیالات کو پیش کرین، ممکن ہے اس سے کوئی روشنی حاصل ہو سکے،

(۱) اس وقت جو حضرات گرفتار کیے گئے ہین، کسی اختیاری فعل قانون شکنی وغیرہ کی وجہ سے نہیں پکڑے گئے ہین، بلکہ حکومت نے محض اپنے خطرات کی بنا پر فقط مستقبل کی وجہ سے دفعہ ۱۲۹ اور دفعہ ۲۶ کے ماتحت نظر بند کر دیا ہے، کسی جرم کو ان کے ذمہ نہین لگایا گیا، اور نہ باقاعدہ مقدمہ چلایا، نہ کوئی مدت نظر بندی کی مقرر کی گئی، اگرچہ یہ حضرات جمعیتہ یا کانگرس کے باقاعدہ ممبر تھے، مگر فقط یہ چیز سبب نہیں ہوئی، مولانا فخرالدین صاحب نہ صرف جمعیتہ کے عام ممبر ہین بلکہ وہ ورکنگ کمیٹی کے بھی ممبر ہین، اور ورکنگ کمیٹی کے اس اجلاس مین بھی شریک ہوئے ہین جس مین سول نافرمانی پاس ہوئی تھی اور مولانا موصوف پاس کرنے والے بھی تھے، مگر نہ فقط گرفتار ہوئے اور نہ وہ ممبران جمعیتہ گرفتار کیے گئے، جو کہ اس اجلاس کی صدارت یا نظامت یا رکنیت کر رہے تھے، مولانا عبدالحق صاحب جمعیتہ کے اجلاس کی صدارت کر چکے ہیں، مگر وہ بھی نہین گرفتار کیے گئے، خلاصہ یہ کہ یہ گرفتاری ایک آسمانی اور ناگہانی مصیبت ہی جو ان اصحاب ثلاثہ پر نازل ہوئی ہے، کانگرس کی ممبری اس کی علت تامہ نہیں ہے، بہت سے ممبران کانگرس آج بھی آزاد ہین، اسی طرح بہت آزاد خیال اشخاص موجود ہیں جو کہ آزادی کے ساتھ پھر رہے ہین، حکومت کو کیون ان کی نسبت یہ خیال پیدا ہوا، اس کی ذمہ داری حکومت اور اس کے کارکنون پر ہے، ان کے کسی فعل جدید پر نہین ہے۔ یہ حضرات اپنے خیالات اور ارادات کے آج بھی ویسے ہی مالک ہیں جیسے کہ اس سے پہلے سالہا سال سے تھے،

(۲) مصائب سماویہ اور اتفاقیہ مین مثل امراض وغیرہ در دسر اور اسباق وغیرہ کا تعطل ہونا بدیہی امر ہے، ذمہ داران ادارت تعلیمیہ حسب قانون اور حسب صوابدید ایسے اوقات مین

مجاز ہی نہیں ہوتے کہ اپنے مدرسین اور کارکنوں کو ہمت افزائی کریں اور ان کے اہل وعیال کی خبر گیری کریں، بلکہ عملی حیثیت اختیار کرنا بھی روایات ادارات میں چلا آتا ہے، ایام حج میں اداءِ فریضۂ حج کے ایام تعطل کی تنخواہ کا دینا، ایام امراض میں تنخواہ کا جاری رہنا، تعطیلات عادیہ میں تنخواہوں کا دینا، بڑھاپے اور ضعف کے ایام میں پنشن کا جاری ہونا وغیرہ مشہور و معروف امر ہے (۳) ان حضرات کی گرفتاری کی مدت اور وقت کے ساتھ محدود نہیں ہے آج اگر حکومت کی پالیسی بدل جائے تو ممکن ہے کہ فوراً یہ حضرات رہا ہو جائیں اور اسباق کو انجام دینے کے لیے نہ صرف مستعد نظر آئیں بلکہ عملی طور پر جد و جہد کرتے ہوئے بھی پائے جائیں گے، یا اگر حکومت کو یہ اطمینان ہو جائے کہ مستقبل میں ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے تو آج وہ ان کی قید و بند سے کنارہ کش نظر آئے گی،

(۴) ارباب ادارت تعلیمیہ کا جس طرح فریضہ ہے کہ وہ تعلیمات کو جاری کریں اسی طرح ان کا فریضہ ہے کہ وہ قابل ترین مدرسین و ملازمین کو مہیا بھی کریں، اور ان کو علیحدہ نہ ہونے دیں، خصوصاً جن سے کسی ادارہ کو سالہا سال سے تجربہ ہوا ہے، اور جنھوں نے سالہا سال خدمات انجام دی ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے مخلص ماہر اور قابل اہل تدریس ہر وقت اور ہر جگہ میں دستیاب نہیں ہو سکتے، اور نہ ہر عالم اور ہر مدرس ادارہ کی قابل قدر خدمات انجام دے سکتا ہے، اور جب تک ایسے مدرسین کی ہمت افزائی اور ان کے ایام مصائب میں اہل و عیال کی خبر گیری نہ کی جائے گی، یہ متاع ہاتھ نہیں آسکتی۔

(۵) مسلمانوں کے ادارات تعلیمیہ صرف تعلیمی خدمات انجام دینے کے لیے نہیں بنائے گئے ہیں، بلکہ مسلمانوں کی مذہبی اور دینی اور دوسری ضروری خدمات بھی ان کے فرائض میں سے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جنگ روم و روس کے زمانہ میں حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز اور

مدرسین نے دورے کیے اور ایک عظیم الشان مقدار چندہ کی جمع کرکے ترکی کو بھیجی۔ اس زمانہ مین دار العلوم دیوبند مین تعطل رہا اور تنخواہیں دی گئین، جنگ بلقان مین حضرت شیخ الہندؒ اور دیگر ارکین دار العلوم سے تقریباً ایک ماہ یا زاید درسی خدمات بند کین اور دورے کرائے، اور چندہ جمع کرکے ہلال احمر کی شاندار اعانت کی۔ ایام تحریک خلافت مین حضرت مولانا حافظ احمد صاحب اور مولانا حبیب الرحمن صاحب نے نمایان حصہ لیا۔ اجلاس گیا، اجلاس لاہور، اجلاس سیوہارہ اجلاس جمعیت، اجلاس خلافت میں خود اور مدرسین اور ملازمین شریک ہوئے اور کیے گئے، اور تنخواہین وغیرہ جاری رکھی گئین، مانٹ گو کی آمد پر جبکہ مسئلہ قفقاز وغیرہ کے لیے جد وجہد ضروری سمجھی گئی، یا شاردا ایکٹ کے پاس کرنے، رج بل، وقف بل وغیرہ کے لیے اسی قسم کی مدد وجہد کی گئی، مدرسین وغیرہ کی شرکت اور اسباق کے تعطل کی نوبتین آئین، شدھی اور سنگھٹن وغیرہ کی نحوستون کے زمانہ مین ملکانہ راجپوتون وغیرہ کے علاقون میں مدرسین اور علماء کے وفود بھیجے گئے اور ان کی تنخواہین جاری رکھی گئین۔ ایسے اوقات میں کام کرنے والے حصہ لینے والے یہی مدرسین اور علماء ہوئے اور ہو سکتے ہین۔ اگر ان کے اہل وعیال کی خبرگیری بند ہوجائے تو یقیناً اسلام اور مسلمانون کے لیے بہت نقصان اور مصائب کا سامنا ہوجائے گا۔ مذہبی جلسون اور مناظرات مذہبیہ کے اجلاسون وغیرہ مین علماء اور مدرسین کا شریک ہونا اور تدریسی خدمات کو معطل کرنا نہ صرف آج بلکہ اسلاف کرام کے عہود ماضیہ سے چلا آتا ہے، پادری فنڈر کے مناظرہ اکبرآباد یا مناظرہ شاہ جہان پور (میلا خدا شناسی) مناظرہ رڑکی وغیرہ کے احوال کو ملاحظہ کیجئے۔ جمعیۃ علماء کا قائم کرنا اور آزادی ہند کی جد وجہد کرنا انھین دینی اور مذہبی خدمات کی وجہ سے اشد ضروری سمجھا گیا ہے اختلاف آراء دوسری چیز ہے، پس جو لوگ بھی اس میں حصہ لے رہے ہیں وہ کسی ادارہ علمیہ کے مقاصد کے علاوہ کسی دوسرے مقصد میں حصہ نہیں لے رہے ہین۔ سیاسیات

خواہ قدیمہ ہوں یا حاضرہ مذہب اسلام سے خارج نہیں۔ بالخصوص آج جبکہ موجودہ سیاسی مصائب ہر قسم کے مذہبی مصائب کے سرچشمہ بنے ہوئے ہیں اور مسلمانان ہند پر ہر چہار طرف سے مذہبی بربادیوں میں مبتلا ہیں، نیز بیرون ہند کے مسلمانوں کی مصائب یکسر ہندوستان کی غلامی کے مرہون ہیں، بنائً علیہ یہ بھی جدوجہد اور اس کی ذمہ داری سے ادارات علمیہ کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

(۶) مدرسہ شاہی مسجد بالخصوص ابتداء سے مسلمانان مرادآباد کی مختلف ضروریات کا متحمل رہا ہے، اس کے مدرسین کے فرائض صرف تعلیمی نہیں رہے ہیں، بلکہ جب بھی مسلمانوں کے لیے کوئی مذہبی ضرورت پیش آئی ہے، یہاں کے مدرسین اور علماء نے انجام دی ہیں اور نہ صرف مرادآباد شہر میں انجام دی ہیں بلکہ اطراف و جوانب اور بیرون ضلع میں بھی انجام دی ہیں اور نہ صرف اپنی خواہش سے انجام دی ہیں بلکہ مسلمانوں نے ان کو مجبور بھی کیا ہے جس سے آپ لوگ بخوبی واقف ہیں،

(۷) سنہ ۳۰ء اور سنہ ۳۲ء وغیرہ میں بھی مدرسین کو ایسے واقعات، قید و بند وغیرہ سے دوچار ہونا پڑا ہے، اور مدرسین کو مدرسہ سے تنخواہیں دی گئی ہیں، ہاں اس زمانہ میں جبکہ حسب ہدایت جمعیۃ بعض مدرسین نے جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے سول نافرمانی کی، جمعیۃ نے مدرسین کے اہل و عیال کا تکفل کیا ہے،

(۸) ان گرفتار مدرسوں کے اسباق کا تکفل جبکہ مہتمم صاحب اور دوسرے مدرسین اس بناء پر کر رہے ہیں کہ تعلیمات کا حرج نہ ہو اور گرفتار ہونے والوں کے اہل و عیال کی خبرگیری کی جائے تو بظاہر کوئی وجہ پس و پیش کی اجراء تنخواہوں میں معلوم نہیں ہوئی، مندرجہ بالا وجوہ کی بناء پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تنخواہیں آپ حضرات جاری رکھیں اور اس کا اختیار

نیز ی مہتمم صاحب کے سپرد کر دین والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۱۲۷

مولانا عزیز گل صاحب و مولانا محمد مبین صاحب کے نام

مخدومی و محترمی جناب فیض مآب مولانا عزیز گل و مولانا محمد مبین صاحبان۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

الحمد للہ والمنہ کہ یہ دعا گو تادم تحریر عافیۃ مع الخیر والصحۃ اور صحت روی آپ حضرات اور دیگر اکابر کی مطلوب ہے، آپ حضرات آئے اور تشریف لے گئے۔ دوسری ملاقات کے شوق مین اپنی پہلی ملاقات کو ناقص چھوڑا، میں پہلے ہی بوجہ خلاف قانون دوسری ملاقات سے مایوس تھا، مگر آپنے اعتبار نہ کیا، خیر کوئی ضرورت بھی ایسی نہ تھی، محترم حضرات! مین نے آکر اردو شدہ رسالون کو دیکھا اور بہت زیادہ متاثر و محزون ہوا، حالانکہ مجھکو خوش ہونا چاہیے تھا، ان رسالون کے ٹائٹیل پر لفظ خلیفہ، جانشین خاص کا میرے نام کے ساتھ لکھا گیا ہے، یہ کس قدر ظلم اور کذب و افترا ہے جس کو آپ حضرات خود ہی سمجھ سکتے ہین، آپ کو معلوم ہے کہ خلیفہ ہونا بغیر تخلیف ممکن نہیں پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کب اور کس وقت مجھکو خلیفہ بنایا، مین حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت بھی نہین، اس کو میں انکار نہیں کر سکتا کہ انھون نے اپنے کرم و عنایت سے میری ظاہری و باطنی تربیت فرمائی، ان کی صحبت سے مجھکو ظاہری ہی فوائد حاصل نہیں ہوئے بلکہ میری باطنی حالت پر اس سے بہت بڑا اثر پڑا، بلکہ انھون نے ایام مالٹا میں میری باطنی اصلاح پر مخفی طریقہ پر توجہ مبذول رکھی، اور کیون نہ رکھتے مین ان کا ہی تھا اور ہون۔ اگر میری قابلیت فاسد اور استعداد کاسد نہ ہوتی تو مین آج بیشک آدمی ہوتا، اور روحانی کمالات کا ایک گلدستہ

نظر آتا، مگر بدقسمتی کا کیا علاج ہے

نہ شگوفہ نہ برگے نہ ثمر نہ سایہ دارم — در حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت مارا

جیسے...... کالے توے پر کتنی ہی روشنی ڈالی جاوے اس کا روشن ہونا اور روشن کرنا

ممتنع، اسی طرح مجھ جیسے نالائق و ناکارے کی حالت واقع ہوئی ہے

کعبہ بھی گئے پر نہ چھٹا عشق بتوں کا — زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

بقول شاعر ہے خر عیسیٰ اگر بمکہ رود الخ...... نہ علم نصیب ہوا نہ عمل، نہ فہم نہ فراست ہاتھ آئی، نہ حفظ و ذکاوت، نہ تحریر آئی نہ تقریر، نہ معرفت ہاتھ لگی نہ طریقت، غرضکہ ہر طرح ہاتھ خالی ہے

هنيئا لأرباب النعيم نعيمهم — وللعاجز المسكين ما يتجرع

یہ افترا اور جھوٹ مجھ پر نہیں بلکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر ہے، پھر آپ لوگوں نے کیوں اسکو جائز رکھا.... ذرا خدا سے ڈریے دہان پر جاتا ہے، وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا۔ اگر خلافت یا جانشینی اور خصوصیت ایسے مقامات مین بغیر اعطائے شیخ ملتی ہوتی تو کسی شخص کو محل گفتگو ہو بھی سکتی تھی، ہاں اگر کوئی جاہل کہے کہ یہ امور بوجہ استحقاق حاصل ہوئے ہین، تو اول فقط استحقاق بغیر عمل شیخ کہیں قابل اعتبار نہیں ہوا، اگر بالفرض ہو بھی تو آپ خود انصاف کرکے کہدیں کہ وہ وجوہ استحقاق مجھ میں کہاں ہین.... میں قسمیہ کہتا ہوں کہ وجوہ خلافت اور جانشینی کسی طرح مجھ مین متحقق نہیں، یہ میرے لیے بس ہے کہ میرا حشر زمرۂ خدام مین ہو۔ کاش وہ بھی بالاخلاص ہو، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ اور مریدین ایک سے ایک اعلیٰ موجود ہین، دنیا کو ان کی ذات سے فیض پہنچ رہا ہے، ان میں سے اصحاب قرابت حضرت بھی ہین، اگر بوجہ استحقاق

کسی کو جانشینی اور خلافت ملتی تو ان کو ملنی چاہیے، افسوس صد افسوس حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے لیے لفظ خلیفہ خاص و جانشین خاص نہ لکھا گیا حضرت رائے پوری اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہما کے لیے نہ لکھا گیا مولانا اشرف علی صاحب، مولانا خلیل احمد صاحب زید مجدہما کے لیے استعمال نہ کیا گیا، تمام عمر یہ اسلاف کرام ایسے عمل سے بھی پرہیز کرتے رہے جو کہ مبہم اس کا ہوتا، مگر یہ بخت و بدنصیب حسین احمد ایسا نکلا کہ اس نے ہر طرح اپنے لیے ایسے الفاظ استعمال کرائے اور استعمال کرنے والے بھی وہ حضرات جن سے اس کو خاص تعلق ہے، تو اسفاہ..... مہربانی فرماکر اس کے انسداد کی فکر کیجیے جتنے اشتہار ہیں ان کو جلوا دیجیے، اور دوسرا اشتہار چھپوا کر جس میں فقط خادم کا لفظ ہو لکھوا دیجیے، میں نے جو کچھ تحریک میں حصہ لیا تھا ضرورت زمانہ و اسلام کی بنا پر اگرچہ ممکن ہے، اور میری بد اعمالیاں اسی کی متقاضی ہیں کہ میری تمام کاوشیں بھی شہرت وجاہ طلبی وغیرہ کے لیے ہوں، وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ مگر حقیقت میں کسی طرح ان امور کو بوجہ اختلاف دنیا بت نہیں کرتا تھا، اعاذنا اللہ من اعمال تکون لغیر وجھہ

اے میرے مقدس بزرگو! کیا آپ کو ان ہی الفاظ سے جو کہ واقع میں غلط اور کذب ہیں مقاصد میں کامیابی ہو سکتی ہے، کیا اگر آپ الفاظ مثل خادم حضرت شیخ الہند یا شاگرد حضرت شیخ الہند تحریر فرمائیں تو وہ مقصد حاصل نہ ہوگا..... میں عند اللہ اپنی برأت کر چکا آئندہ آپ جانیں، اگر یہی عملدرآمد آپ حضرات کا رہا تو میں جانتا ہوں کہ بہت جلد مجھکو ہندوستان چھوڑنا پڑیگا، اگر آپ حضرات مجھکو اپنے میں سے ایک شمار کرتے ہیں اور ایسا ہی ظاہری معاملہ .... رکھتے ہیں تو خیر ورنہ یہیں یہاں سے نکلتے ہی حجاز کی فکر کروں گا، میں خود اپنے نفسی افکار میں سخت مبتلا ہوں، مجھکو اپنی ہی

خلاصی کی عنداللہ کوئی صورت نظر نہیں آتی، میں خود سخت حیرت میں ہوں کہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے کس بنا پر یہ معاملہ فرمایا، اور مجھکو افسوس ہے کہ لوگوں میں یہ امر کیوں ظاہر ہوا، کاش مولوی عاشق علی صاحب وغیرہ اس کا تذکرہ نہ فرماتے، ایسی باتوں کی وجہ سے بڑوں پر سخت دھبہ ہوتا ہے، ان کی وقعت نظروں سے گر جاتی ہے، ؎

سودہ گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم — چند بر خود تہمت دین مسلمانی نہم

خدا نے تین ایسے برگزیدہ بندے جو کہ حقیقی نائب ختم الرسل علیہ السلام تھے، مجھکو دکھلائے۔ اور کم و بیش ان کی صحبت عطا ہوئی، مگر محرومی کے سوا کوئی چیز ہاتھ نہ لگی، خدا کے لیے مجھ پر رحم کیجئے اور اس قسم کی تشہیروں سے مجھکو اور عالم کو گمراہ نہ کیجئے، قرآن کے ترجمہ کے طبع کی صورت کیجئے، مولوی احمد صاحب رامپوری کو دیجئے یا جس طرح مناسب ہو عمل میں لایئے، مگر جلد فکر ہونی چاہیے، میرے چھوٹنے کا خیال اور اس پر توقف نہ ہونا چاہیے، نہ معلوم میں کب چھوٹوں اور پھر کتنے دنوں آزاد رہ سکوں، ہندوستان کا معاملہ نازک تر ہوتا جا رہا ہے، اگرچہ آپ کو کہنا حکمت بلقمان آموختن ہے، مگر پھر بھی اتنا ضرور عرض کرتا ہوں کہ مولوی شبیر احمد صاحب اور مولوی مرتضی حسن صاحب کو اپنے سے جدا نہ ہونے دیجئے، اسلام کی خیر اسی میں ہے، میں نے ہر چند استخارہ حسب ارشاد کیا مگر مجھکو کچھ نہ معلوم ہوا، اور نہ کسی طرف میری رائے کا رجحان ہوا، آپ خود بھی عمل کریں اور اسباب و ذرائع کی طرف توجہ کریں، جو خیر ہوگا واقع ہوگا، اس امر میں مولوی محسن صاحب، حکیم منشی منظر حسن صاحب، مفتی صاحب، مولوی حنیف صاحب مولوی یحیی صاحب سب کا اتفاق اور مشورہ ہونا ضروری ہے، ورنہ آئندہ تکالیف اور مشقتوں کا سامنا ہوگا، ہم لوگ پردیسی ہیں، سوچ لیجئے، قدم الخروج قبل الولوج قول بزرگان ہے ہمارے نازبردار، ہماری قدر کرنے والے، ہمارا سرتاج ہمارے سروں سے اٹھ گیا ہے، ہم

بے باپ یتیم رہ گئے ہیں، یتیم کی قوت اس کی ہمت اس کی پشت پناہی کی حالت، آپ کو معلوم ہے دیوبند میں خصوصاً شیخ زادہ حضرات الا ماشاء اللہ پردیسیوں کو اہمیت کی نظر سے نہیں دیکھتے اور ان کو یہ نعمت نہ ہیں اس لیے ذرا سوچ سمجھکر قدم رکھنا چاہیے، پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہم لوگوں سے ایک جماعت جیسے خوش اور بہی خواہ ہے تو دوسری اس کے خلاف بھی ہے، اس لیے جلدی کرنے سے پہلے متعدد دفعہ استخارہ مسنونہ کیجئے، اور پھر ان حضرات مذکورین کو متفق الرائے بناکر کام کیجئے، واللہ یتولی الاعانتہ ویقدر ما فیہ الخیر۔ مجھکو وحید کی نسبت کی فکر ابتداء سے ہے، میں نے مالٹا سے واپسی کے بعد چاہا تھا کہ اول اس کے عقد کی فکر کروں، اس کے بعد اپنا سامان کروں گا، مدینہ منورہ کے خطوط مشعر ہوکر جب آجاوینگے تو شاید ان میں کوئی اور بات معلوم ہوجاوے، یہ خط میں خفیہ روانہ کر رہا ہوں، آپ اگر جواب روانہ کریں تو اردو کا پتہ جیل ہی کا لکھیں، غالب یہی کہ مجھکو مل جاوے زیادہ بجز سلام مسنون اور کیا عرض کروں۔ والسلام ختام

حسین احمد غفرلہ از صابرمتی جیل احمد آباد گجرات

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲) جس کتاب یا رسالہ پر خلیفہ خاص وغیرہ لکھا گیا تھا. غالباً وہ رسالہ اسیر مالٹا کا پیغام کے نام سے حضرت امام العصر کی وہ دو معرکۃ الآرا تقریریں ہیں جو دہلی اور سیوہارہ میں فرمائی تھیں، انصاف کا تقاضا یہی تھا اور ہے کہ حضرت امام العصر کو جانشین شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نہ لکھنا اور نہ سمجھنا کفران نعمت ہے، اور دوسرے امید واروں کو جانشین کہنا اور لکھنا جانشین کے صحیح استعمال سے ناواقفیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہ، اصلاح باطنی صحبت و تربیت وغیرہ کا بین ثبوت خود یہ والا نامہ ہے، یہ فقرے تو خاص طور پر خلافت و جانشینی کی غمازی کر رہے ہیں، "انکی صحبت سے مجھکو ظاہری ہی فوائد حاصل نہیں ہوئے بلکہ ایام مالٹا میں میری باطنی اصلاح پر خفی طور پر توجہ مبذول رکھی گئی اور کیوں نہ رکھتے میں ان کا ہی تھا اور ہوں۔" امام العصر کو بجا طور پر فخر ہے کہ ان ایسے بزرگوں کی کم و بیش صحبت حاصل ہوئی جو اپنے وقت کے شبلی و جنید اور امام ابوحنیفہ تھے، جس کو نیا حضرت شیخ العرب والعجم

(باقی ص ۳۶۲ پر)

مکتوب نمبر ۱۲۸

آپ کا یہ فرمانا بالکل بجا اور صحیح ہے کہ اس قسم کی فراغت کہاں نصیب ہو سکتی تھی، واقع میں بہت اچھا موقع ترقی اور کام کا ہے۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ طبعی تکاسل و ذاتی ناقابلیت قسمت کی کوتاہی نفس کی شرارتیں مالٹا اور کراچی میں جس طرح سد راہ تھیں یہاں بھی ہمراہ ہیں ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

؎ سودہ گشت از سجدۂ راہِ بتاں پیشانیم
چند بر خود تہمت دینِ مسلمانی نہم

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۱) حاجی امداد اللہ مہاجر مکہؒ، حضرت قطب گنگوہیؒ، حضرت قاسم نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے ناموں اور دینی کارناموں سے قیامت تک یاد کرتی رہے گی، حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے"۔ اگر اس شجر طوبیٰ کے پھل کو دیکھنا ہے تو حضرت امام العصر کو دیکھیے اور پھران سہ بزرگوں کی زندگی کو سامنے رکھیے تو صاف نظر آئے گا کہ اس آسمان دنیا کے نیچے تینوں بزرگوں کی جیتی جاگتی تصویر آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔ جن بزرگوں نے جانشین و خلیفہ لکھا صحیح لکھا، اس لیے کہ حضرت امام العصر اس منصب کے اہل نہیں تھے تو اور کون تھا؟ ان ہی بزرگوں کی نظر فیض اثر اور مخصوص تربیت ہی کا پورا پورا پرتو حضرت امام العصر پر پڑا ہے، کہ تواضع و خاکساری، فروتنی و عاجزی، خلوص و للہیت کا جو بلند سے بلند مقام ہو سکتا ہے قدرت نے مخصوص طور پر ارزانی فرمایا ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

باقی حضرت امام العصر کے مقام کو تو وہی جان سکتا ہے جو خود کچھ ہو، اگر اسلاف کرام میں سید جمال الدین افغانی حضرت مولانا اسمٰعیل شہید، حضرت مولانا فضل حق وغیرہم زندہ ہوتے تو آپ ہی کے حق میں فیصلہ دیتے۔ خلافت و جانشینی بدون قربانی و جہاد کے گویا غیر شیر کو شیر کی کھال پہنا دینی ہے، کیونکہ کسی کا خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جس کو ظاہراً و باطناً مستخلف سے زیادہ مناسبت و مشابہت ہو۔ ترجمہ قرآن سے مراد حضرت شیخ الہندؒ کا وہ ترجمہ ہے جو اسارت مالٹا
(باقی ص ۳۶۳ پر)

مع ذلک اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جو کچھ ٹوٹا پھوٹا ہو سکتا ہے، کر رہا ہوں، الطاف ربانیہ کا شکر کرتا ہوں ؎

من آں خاکم کہ ابر نوبہاری کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بر روید از ہر مو زبانم ادائے شکر لطفش کے توانم

حسب ارشاد دعا کرتا ہوں، آپ بھی دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۱۲۹

مولانا محمد عثمان صاحب برآستانہ حضرت شیخ الہند محلہ ابوالمعالی دیوبند سہارنپور کے نام

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ امور غیر متوقع نہیں ہیں اور نہ تھے، آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے کہ میں ایک پردیسی ہوں، میری ذاتی کوئی طاقت نہیں ہے، شاہ صاحب والی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۲) میں جیل کے اندر حضرت امام العصر وغیرہم کی رفاقت میں مکمل ہوا ہے، اگر حضرت جیل کے اندر نہ ہوتے تو فوائد اور حواشی کا کام آپ ہی سے لیا جاتا، آپ کے بعد اگر کوئی اس کام کو باحسن وجوہ کر سکتا تھا تو وہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کی ذات گرامی تھی، چنانچہ مولانا عثمانی نے حواشی تحریر فرما کر دنیا پر بڑا احسان فرمایا، جزاہ اللہ خیر الجزا وجعل الجنۃ مثواہ۔ باقی اس والانامہ میں یہ فقرہ کہ "مولوی شبیر احمد صاحب و مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کو اپنے سے جدا نہ ہونے دیجئے"۔ "اسلام کی خیر اسی میں ہے"۔ اسی کے ساتھ حضرت شیخ الہند جب مالٹا سے رہا ہو کر ساحل بمبئی پر اترے تو آپ کا مولوی مرتضیٰ حسن صاحب مرحوم کو یہ کہکر مخاطب فرمانا کہ "کہیے اب کہاں بھیجنے کا ارادہ ہے" اس معمہ کی خود سب سے بڑی اور تفہ شرح ہے، کیا عرض کروں بڑی دردناک داستان ہے۔ اللہم لوگوں پر اپنا رحم فرمائے۔ آمین۔

تحریک کے خلاف مجھکو لایا گیا۔ مدرسہ کو اللہ تعالیٰ نے دن دونی رات چوگنی ترقی دی، لوگوں کی امیدوں پر بار بار خاک پڑی، لوگوں نے اپنی اغراض بڑی طاقت سے پوری کرنی چاہیں، مگر ناکام رہے، مدرسہ کی ہر قسم کی ترقی اس قدر ہوئی کہ زمانہ سابق میں اس کی نظیر نہیں ملتی، پیر پرستی کے جھگڑوں میں ناکامیاں ہوئیں، حکومت کی چالیں بے اثر رہیں، یہ سب امور ایسے ہیں کہ جو کچھ ہوا وہ بہت کم ہے، میں دوستوں سے بارہا کہتا رہا کہ مجھ سے تعلقات بہت کم رکھیں، جناب صدر صاحب اور جناب مہتمم صاحب سے بھی تعلقات نہ رکھیں، میں سب کا مخلص ہوں، میرا تعلق ہر حال میں قائم ہے، اور رہے گا، مگر دوستوں نے نہ مانا، واقعہ یہ ہے کہ میں کچھ نہیں ہوں، جو کچھ فوائد ہوئے وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیاں کی برکت ہیں، اسلاف کرام رحمۃ اللہ علیہم کی توجہات میں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، جو کہ قلوب اور نیات سے واقف ہے، یقیناً سمجھ کی بات وہی ہے جو آپ نے استاذ ظہیر کی لکھی ہے آپ سب حضرات کو وہی اختیار کرنی چاہیے، میرے ساتھ تو منتقمانہ جذبات چاروں طرف سے کھیلیں گے اور کھیل رہے ہیں، مگر آپ حضرات کیوں گھن کے ساتھ پسیں، مجھ پردیسی، کمزور اور نالائق کو تو نہایت آسانی سے دودھ کی مکھی کی طرح نکالا اور ناک کی مکھی کی طرح اڑایا جا سکتا ہے، خصوصاً جبکہ بہت سے قلوب میں زخم اور آنکھوں میں میرا وجود خار ہو اور زہریلا خار ہو اس لیے اب بھی دوستوں کو سمجھنا چاہیے، اور "کن فی حزب من علیا" پر عمل کرنا چاہیے۔

ہر دو مرکز اہتمام کی اس طرح مخلصانہ تابعداری کرنی چاہیے کہ "ایک ماہ پردیں" کا سماں ہو، ہماری فکر نہ کیجئے، ہم تو ساون کی چڑیاں ہیں، ہم کو اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیاں سیدھی کرنے کی نعمت سالہا سال تک نصیب فرمائی ہے، ہم اس طریقہ کو نہ چھوڑیں گے۔ (انشاء اللہ) ہم کو اللہ تعالیٰ نے دربار رشیدی اور امدادی قدس اللہ اسرارہما تک پہنچایا ہم انکے طریقہ پر انشاء اللہ مرمٹیں گے، خواہ ذلت ہو یا عزت اور تکلیف ہو یا راحت، کوئی دوست بے

یا دشمن بنے، ہماری یہی دعا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے جن بزرگوں کی جوتیاں عطا فرمائی ہیں، ان ہی کے نقش قدم پر چلائے اور مارے۔ آمین۔ ہم کو دارالعلوم سے نکالا جائے ہم خوش ہیں، رکھا جائے ہم خوش ہیں، رزق کا کفیل دارالعلوم نہیں اللہ تعالیٰ ہے، سوکھی روٹی کہیں نہ کہیں سے دیگا، گورنمنٹ مجھکو مسلمانان ہند میں اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتی ہے، میں اس کو اپنے لیے فخر سمجھتا ہوں، میں ہر مصیبت جھیلنے کے لیے رضاء باری تعالیٰ کی وجہ سے تیار ہونا چاہتا ہوں، عزیزم! ان احوال کی وجہ سے پریشان نہ ہو۔ واقعات حقیقہ کو تاریخ وار قلم بند رکھو اور صبر جمیل اختیار کرو، زبان کو بند رکھو اور آنکھوں سے دیکھو کچھ نہ بولو، قدرت کو دیکھو کیا کرتی ہے۔ وہ بے نیاز اور بے پروا بھی ہے، اور سب سے زیادہ رافت اور رحمت والا بھی، اس کا ظاہری ہاتھ بھی ہے اور خفیہ ہاتھ بھی، کچھ فکر مت کرو، کسی کو مت ستاؤ، وَاللّٰہُ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ۔ اگر واقعات اور افواہات ستایا کریں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی یاد کرو[1]، اور اگر اس پر بھی قلبی سکون نہ حاصل ہو تو مزار پر جا کر تھوڑی دیر بیٹھکر ایک دو پارے پڑھ کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگوں کو بخش دیا کرو، یہی بات مولانا محمد جلیل اور مولانا اعزاز علی صاحب سے کہدو، اور اگر مولانا نافع گل صاحب آجائیں تو ان سے بھی یہی کہدو، یہی میری استدعا مولانا سلطان الحق صاحب اور منشی محمد شفیع صاحب سے ہے، سب کو زبان تھامنی، صبر جمیل کرنا، ادب کا لحاظ رکھنا اپنے فرائض میں مشغول رہنا، اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنا، اپنے اسلاف کرام کے طریقہ پر چلنا، اور ان سے توسل رکھنا چاہیے۔ انشاء اللہ خیبت اور خسران پاس نہ آئے گا، چند روزہ دنیا کے لیے

[1] یہ عبارت کہ "اگر واقعات اور افواہات ستایا کریں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ (مراد حضرت شیخ الہند) کی زندگی یاد کرو" الخ سے ممکن ہے کہ کسی کو شبہات لاحق ہوں، اس لیے ہم اس پر گفتگو کرنا اور غلط فہمی کا سدباب کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔
یہ بات اجماعی طور پر طے ہے کہ عبادت سوائے خدا کے کسی کی جائز نہیں، ایاک نعبد وایاک نستعین (نص قطعی) ہے

زیادہ فکرمند نہ ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ آپ لوگون کی اور ہماری امداد فرمائے۔ اور اپنی رحمت خاص سے نوازے۔ آمین۔ اس کی آنکھین بند نہیں ہیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ

مکتوب نمبر ۱۳۰

جو کچھ احوال ان مبارک مہینوں مین وہاں پیش آ رہے ہین ان کے متعلق اطلاعات ہوئیں۔ آپ حضرات اپنے فرائض پر مستقل رہیں۔ افواہون سے متاثر نہ ہون، بڑوں کے ادب واحترام

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۵) حدیث میں ہے الدعاء هو العبادة۔ لہذا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للّٰہ یا خواجہ شمس الدین ترکی پانی پتی چیزے از برائے خدا بدہید کہنا اور مانگنا ہرگز جائز نہیں ہے، البتہ بزرگون کے مزار پر حاضری کے وقت اگر یہ کہا جائے اور وسیلہ قرار دیا جائے کہ اے خدا بحرمت فلان بزرگ یا بوسیلہ فلان بزرگ میری فلاں حاجت کو پوری فرما تو یہ جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انا نتوسل الیک بعم نبینا کے ساتھ پانی طلب فرمایا تھا، چنانچہ ادعیہ ماثورہ مین بھی اسکی تصریح موجود ہے یعنی بحق السائلین علیک۔ ہمارے محاورہ مین طفیل بھی حرمت کے ہم معنی ہے، اسی طرح نماز، روزہ اور صدقہ وغیرہ کا ثواب خلوص کیساتھ ارواح کو بخشنا اور اللہ تعالیٰ سے انکی محبت اور اتباع سنت طلب کرنا جائز ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر بن خطیب علی بن میمون سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں ابوحنیفہؒ کے وسیلہ سے برکت حاصل کرتا ہوں، اور ہر روز ان کی قبر پر زیارت کے لیے حاضر ہوتا ہوں، اور اس کے قریب اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کی دعا کرتا ہوں، اس دعا کے بعد جلد میری مراد پوری ہو جاتی ہے۔ تاریخ الخطیب (ج ۱ ص ۱۲۳)۔ سلف کی اس زبردست شہادت کے بعد مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے، البتہ قبر کے پاس بیٹھکر قرآن پڑھنا اسمیں اختلاف ہے۔ قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے، ہاں اگر کوئی شبہ کیوجہ سے پرہیز کرے اور سنت کی پیروی میں اتنے ہی کہنے پر بس کرے السلام علیکم اهل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ تو سب بہتر

کو بجا لائیں، تقادیر کی نیرنگیاں اگر خلاف طبع ظاہر ہوں تو صبر و شکر کریں، رزاق صرف اللہ ہے، وہ کہیں نہ کہیں سے سامان پیدا کر دیگا، "دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است" اخلاص و للہیت کو ہر معاملہ میں ملحوظ رکھیے، اور جہاں تک ممکن ہو علوم دینیہ اور دارالعلوم کی بہتری کی کوشش کیجئے، مظلوم ہونا ظالم ہونے سے بہتر ہے۔

جو حضرات کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ حضرت مولانا اپنی قید کی مدت پوری کر کے بھی آزاد نہیں ہوں گے، تو آپ حضرات کو اس پر خوش ہونا چاہیے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایسا ہوا تھا، میں تو ان ہی کا ناکارہ و نالائق غلام ہوں، اگر ایسے معاملات رونما ہو رہے ہیں تو شکر کی بات ہے، کیا تعجب ہے کہ کہیں وہی انقلاب پیش آئے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت اور ایذا رسانی کرنے والوں پر آیا تھا، بہر حال آج تو تمام ہندوستان میں قید و بند کی آندھی چل رہی ہے، اگر میں آزاد بھی ہوتا تو آزاد نہیں رہ سکتا تھا، کانگریس غیر قانونی جماعت ہے میں اس کا ممبر ہی نہیں بلکہ یو پی کا نائب صدر بھی ہوں۔ میرے خیالات اور کلمات شارع عام پر ظاہر ہیں، جب تک گورنمنٹ برطانیہ یہاں موجود ہے اور اس کی پالیسی موجودہ پالیسی ہے اس وقت تک ہی کیا سارے قومی اور سرگرم کارکنوں کے لیے آزادی تقریباً مستحیل ہے، اس پر جس کا جی چاہے خوش ہو لے، اور جس کا جی چاہے کبیدہ خاطر ہو، الحب فی اللہ والبغض فی اللہ ہمارا فریضہ ہے، ہماری عین تمنا اور خواہش ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سچا تابعدار بنائے اور اسلاف کرام اور انبیاء علیہم السلام اور حق تعالیٰ کی رضا نصیب ہو۔ برطانیہ اور اس کے ہاتھ خواہ ناراض ہوں، ان سے تکالیف پہنچیں، وہ ہم کو برباد کریں کسی کی پروا نہیں ہے، بحمد اللہ بعافیت مطمئن الخاطر ہوں، خوش و خرم ہوں، دنیاوی مستقبل کی طرف سے مجھے پورا اطمینان ہے، آخرت کے مستقبل کی طرف سے امیدیں بہت قوی ہیں کہ اپنے اسلاف کرام کی

برکات سے محروم نہ ہوں گا، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارتیں خواب میں خلاف توقع بار بار ہو چکی ہیں، جو کہ نہایت امید افزا ہیں، جو لوگ میری گرفتاری اور مزید گرفتاری کی کوشش کرتے ہیں، اس پر خوش ہوتے ہیں۔ ان کو اپنی عاقبت کی طرف توجہ کرانی چاہیے۔ اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۔[۱]

ہم کو کسی سے بھی دشمنی نہیں ہے، صرف برطانیہ، اس کے اعوان دشمنان اسلام سے دشمنی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جلد سے جلد برباد کردے، اور مثل عاد و ثمود ان کا نام صفحہ ہستی سے مٹادے۔ آمین۔ والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۷ رمضان المبارک سنہ ۶۱ھ

مکتوب نمبر ۱۳۱

حافظ محمد یوسف صاحب انصاری بدیم گنگوہی بازار شہید گنج ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، مزاج شریف۔ والا نامہ مفصل باعث سرفرازی ہوا، جو کچھ کارروائی ظہور پذیر ہوئی بساغنیمت ہے۔ بلکہ کامیابی ہی کامیابی ہے، جو کہ آپ کی اور مفتی صاحب اور دوسرے اصحاب کی معاملہ فہمی اور جد و جہد کا نتیجہ ہے، فجزاکم اللہ احسن الجزاء یقیناً اس معاملہ میں آپ کو بلا دنہ جد و جہد کے اپنے نفس امارہ کی بھی بہت سزا دینی پڑی ہے کیونکہ وہ تو حرکت اخلاص کے لیے راضی نہیں ہوتا تھا، خدا کرے یہ امارہ لوامہ ہی نہیں بلکہ مطمئنہ بھی ہوجائے۔ آمین۔

جو کچھ آپ نے پہلے بھی اور اب بھی طلبہ کے لیے سعی بلیغ فرمائی ہے اجر جزیل سے خالی نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ بڑا معاملہ پریشانی کا ہے، اگر آپ نے معاملہ ادھورا چھوڑا دہ تیسرا شخص

---

[۱] کیا بے ڈر ہوگئے اللہ کے داؤں سے، سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے۔

معین نہیں فرمایا، جبکہ مولانا ابراہیم صاحب پر آپ کی رائے نہ تھی، اور مولانا اعزاز علی صاحب، صدر صاحب کی رائے نہ تھی، تو کوئی شخص تو مقرر ہونا چاہیے تھا، مولانا عبد السمیع صاحب ہوتے یا خان بہادر ہوتے یا مولانا نافع گل صاحب ہوتے، کس قدر غضب کی بات ہے کہ ساٹھ طالب علموں کو اس طرح خارج کر دیا گیا، بہر حال اب مہربانی فرما کر ذرا مولوی طیب صاحب کو بلا کر دو باتوں کے متعلق سمجھائیے۔

اول یہ کہ اس زمانہ میں جبکہ الحاد اور بیدینی کا اس قدر زور و شور ہے، دین اور اہل دین سے لوگوں کو جس قدر دوری اور تنفر پیش آرہا ہے، نہ صرف اغیار کو بلکہ اپنوں کو بھی، لیگ ایک طرف زور و شور سے علماء کے اقتدار کو مٹانے کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہے، علی الاعلان مجامع میں آوازے کس رہی ہے، مشرقی اور اس کی جماعت مولوی کے ایمان کے نام سے اہل دین سے انتہائی نفرت پھیلا رہی ہے، مودودی صاحب اور ان کے ہمنوا کس زور سے حملے کر رہے ہیں، قادیانی ایک طرف زہریلی گیس پھیلا رہے ہیں، شیعوں کا مدرسۃ الواعظین اور اس کے متعلقین پنجاب کے اضلاع کو گمراہ کرتے جا رہے ہیں، نئی نئی چالیں شیعیت کے پھیلانے کی چلی جا رہی ہیں، کہیں مجلس حسینی کا جال پھیلایا جا رہا ہے، کہیں تبرائی میٹنگ علانیہ کیا جا رہا ہے، کہیں اہل بیت کے جلوس نکلوائے جا رہے ہیں، اہل بدعت کے دجل و فریب کا جال پہلے ہی اطراف ہند میں پھیلا ہوا ہے، انگریزی یورپین تعلیم نونہالان اسلام کو برابر اسلام سے نکال رہی ہے۔ بقول ڈبلو ڈبلو ہنٹر "ہمارے کالجوں اور اسکولوں سے پڑھا ہوا کوئی نوجوان ہندو یا مسلمان ایسا نہیں ہے جس نے اپنے بزرگوں کے مذہبی عقائد کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو" فوج در فوج لوگ اسلام سے برگشتہ کیے جا رہے ہیں۔ آریہ علیحدہ کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو مرتد کریں۔ ایک کروڑ کا چندہ کیا جا رہا ہے، دس لاکھ دہلی میں جمع ہو گئے۔

عیسائی مشنریاں اپنی چالوں سے گذشتہ سال تقریباً ایک لاکھ یا اس سے زیادہ ہندوستانیوں

کو عیسائی بنارہی ہیں، سکھ اپنی جد وجہد سے اپنا حلقہ وسیع کرتے جا رہے ہیں، مسلمانوں اور ہندو
کو سکھ بنانے اور اپنے اپنے دیہاتوں وغیرہ میں مسلمانوں کے آثار کو مٹاتے جاتے ہیں، کیا
ان حالات کے ہوتے ہوئے یہ چاہیے تھا کہ آپ کے حلقۂ اثر میں آئے ہوئے لوگ خارج
کیے جائیں، یا یہ چاہیے تھا کہ آپ کھینچ کھینچ کر لائیں، اور ان کو صحیح العقیدہ مسلمان بنائیں؟ جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ تمھارے پاس لوگ مشارق ارض اور مغارب ارض سے
علم سیکھنے کے لیے آئیں گے ان کے متعلق میری وصیت ہے کہ ان کے ساتھ خیر اور بھلائی عمل
میں لاؤ۔" اور صحابہ کرام جب کسی طالب علم دین کو دیکھتے تھے تو فرماتے تھے کہ مرحبا بوصیۃ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم. کیا اس پر یہی عمل ہو رہا ہے کہ آپ معمولی سی بات پر کہ انھوں نے با امن
رہ کر مظاہرات کیے اور وہ بھی آپ کے حکم کے مطابق، آپ کا مقرر کردہ شخص ان کے ساتھ
رہتا تھا، کوئی بدامنی انھوں نے نہیں کی، آپ نے بالکل مظاہرہ سے ان کو منع نہیں کیا تھا
انھوں نے کافر، ایک دشمن اسلام گورنمنٹ کے خلاف نعرے لگائے، اس پر انتہائی سزا
دیدی، اگر سزا دینا ہی تھا تو بہت سے بہت یہ سزا دیتے کہ ایک مہینہ یا دو مہینہ کا کھانا بند
کر دیتے، یا اس قسم کی کوئی اور تہدید کرتے، حالانکہ یہ کرنا ان کا نہ اہتمام کی دشمنی میں تھا
اور نہ مدرسہ کی قانون شکنی میں، اگر تھانہ دار کا خوف تھا تو اس کی دوسری صورتیں تھیں۔
خلاصہ یہ کہ طلبہ کے داخل کرنے میں وسعت حوصلہ اور وسعت قلب سے کام لیں،

دوم یہ کہ جن پانچ اشخاص سے منشی محمد شفیع صاحب، مولوی عبدالوحید صاحب
مولوی محمود گل صاحب، مولوی سلطان الحق صاحب، مولوی محمد عثمان صاحب کی برطرفی کا
فیصلہ کرنا چاہیے تھا، (حالانکہ یہ پہلی نسط تھی، مشہور تو یہ ہے کہ ۲۲ آدمیوں کو برطرف کرنا چاہیے تھا
اور ڈابھیل کے مدرسین بلائے گئے تھے، اور دوسرے ملازمین کو بھی روکا گیا تھا کہ مجلس شوریٰ

کے بعد تمھارا بیان تقرر کیا جائے گا) واللہ اعلم۔ ان سے مولانا طیب صاحب کی صفائی کرا دیجئے
انھوں نے صدر صاحب سے طلبہ کے اخراج کے وقت فرمایا تھا کہ جو لوگ اصل اصول فساد میں
ان کو نکالیے صدر صاحب نے فرمایا کہ ان کی رپورٹ اور اسامیں پیش کرو میں ابھی نکالوں گا....
بہرحال ان لوگوں کی صفائی مولانا طیب صاحب سے کرا دیجئے، تعجب ہے کہ آج منشی شفیع صاحب
کے لیے یہ کیا جا رہا ہے، حالانکہ اس سے پہلے بارہا انھوں نے فرمایا کہ جدید ملازمین میں دو شخص نہایت
اچھے اور کام کرنے والے ملے ہیں، ایک منشی محمد سعید صاحب اور دوسرے منشی محمد شفیع صاحب،
منشی محمد شفیع صاحب جہاں تک مجھے علم ہے کبھی بھی کوئی خلاف ورزی یا ایذا رسانی نہیں کی، بجز
اس کے کہ ترک موالات میں ان کا عقیدہ سخت ہے، مگر بیچارے ہمیشہ عمل میں دوسروں کی طرح
دبے رہے، اور علی ہذا القیاس باقی ماندہ حضرات بھی عقیدہ ترک موالات میں متفق ہیں، اس کے
علاوہ جو قصور بھی بتائیں اس کو ثابت کریں، اور نہ کر سکیں گے، اور ان حضرات سے اس کی
پرسش کرا دیجئے۔

عقیدہ ترک موالات میں اور شرکت تحریک میں خود مولانا طیب صاحب غور کریں
کہ اگر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ زندہ ہوتے تو کیا کرتے، اور ان کا عمل کیا ہوتا، علی ہذا القیاس
اگر حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز زندہ ہوتے تو کیا کرتے جن کی نسبت حضرت گنگوہی قدس اللہ
سرہ العزیز کے الفاظ کہ "جبتک مولوی قاسم صاحب موجود تھے مجھکو یقین تھا کہ پہلے ہمارا سر کٹوائینگے پھر انکا
اب تو جہاد کی امید بھی جاتی رہی (او ما فی معناہ)

۱۸۵۷ء کے مجاہدین کی اسپرٹ کیا وہ تھی جو آج دائرہ اہتمام دکھلا رہا ہے، یا حلقہ
گنگوہی خانقاہ نشینانہ مھون عمل میں لا رہے ہیں، میں متقدمین اسلام اور قرون اولیٰ کی اسپرٹ
کی طرف توجہ نہیں دلاتا، نہ نصوص قرآنیہ اور آیات متعلقہ بالجہاد کو پیش نہیں کرتا، میں حضرت

سید احمد شہید اور مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہما کے واقعات کو نہیں دہراتا ہوں ابھی قریبی زمانہ اور اپنے مخصوص بزرگوں کی جذبات اور اعمال کو پیش کرتا ہوں۔ کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ گورنمنٹی کالجوں اور اسکولوں کے طلبہ ہندو یونیورسیٹی بنارس اور گرو کل کانگڑی کے طلبہ تو یہ جذبات رکھیں اور وہ کھلی کھلی تشدد آمیز خلاف قانون کارروائیاں کریں اور مسلمان طلبہ نوجوان اگر غیر تشدد آمیز کاروائیاں اور احاطہ قانون میں پابند رہکر گزوجودہ حکومت متسلطہ کے متعلق جذبات رکھیں تو اس پر طرح طرح کے تشددات اہل حل وعقد کے کئے جائیں اور کہا جائے کہ اور مدارس کے طلبہ اس قسم کے جذبات نہیں رکھتے ہیں۔ کیا یہ انقلاب حقائق اور تعلیمات نبویہ کی صریح خلاف ورزی نہیں ہے ع "پری نہفتہ رخ ودیو در کرشمہ وناز"، اسی طرح کے یہ ملازمین و مدرسین فقط جذبات ہی تو رکھتے ہیں۔ اہل حل وعقد کی تشدد آمیز کارروائیوں سے ڈر کر علانیہ حصہ تحریکات میں نہیں لیتے تاہم ان کو اصل اصول فساد کہتے ہیں، اصل اصول فساد حسین احمد ہے جو کہ علانیہ تحریکات میں حصہ لیتا ہے اسکو نکالنا چاہئے۔ اصل اصول فساد حضرت شیخ الہند تھے جنھوں نے وہ کر دکھایا جسکو دیکھکر بڑے بڑے قومی لوگ دنگ رہ گئے۔ اصل اصول فساد حضرت نانوتوی اور ان کے رفقاء تھے جنھوں نے حقیقی تابعداری آیات جہاد کی کی اور اسی جذبہ پر وفات پائی۔ حضرت شیخ الہند کے قلب میں چنگاری پیدا کر دی۔.....

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۸ شوال ۶۱ھ

مکتوب نمبر ۱۳۲

یکے از ممبران مجلس شوریٰ، دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف، قوی امید ہے کہ

اب آپ بھی مع متعلقین منصوری سے واپس تشریف لے آئے ہوں گے، اور صوفی جی بھی آ گئے ہوں گے، اور یہ بھی قوی امید ہے کہ سب حضرات بخیر و عافیت ہوں گے، صوفی جی کی بیماری بھی جاتی رہی ہوگی، قاری اصغر علی صاحب مجھ سے جب ملنے آئے تھے تو انھوں نے جناب کی ہمدردی بھرے ہوئے الفاظ اور عنایات بے غایات کا تذکرہ کیا تھا، میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا، اگر ضرورت پیش آئی تو آپ جیسے مربیوں کا دروازہ کھٹکھٹانا ہم ناکاروں کے لیے باعث شرف ہی ہوگا، پروردگار کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے خزانہ غیب سے بلا وہم و گمان تمام مصارف کا انتظام کر دیا ہے، جو نظام میں نے قرض کا بنایا تھا، اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی، اور بغیر استدعا کے تمام ضرورتیں پوری ہو گئیں، اور ہوتی جا رہی ہیں، فللہ الحمد والمنۃ۔

یہ خبر تو جناب کو پہنچ بھی گئی ہوگی کہ اپیل میں صرف چھ ماہ کی قید محض باقی رہ گئی تھی، جرمانہ اور ایک سال کی قید جاتی رہی تھی، پھر ہم نے جلد آپ کی خدمت میں حاضری کی غرض سے اختیاری طور پر مشقت لے لی، کیونکہ اس کی وجہ سے نیک چلنی کے رمیشن کے ساتھ ڈیڑھ مہینہ کیلیے چھوٹنے کی امید ہوتی ہے، بعض حضرات کا اس کے بعد ہی ارادہ تھا کہ ہائی کورٹ میں نگرانی کر دیجائے، مگر اہل الرائے اور حافظ ابراہیم صاحب کی رائے ہوئی کہ اگرچہ فیصلہ میں جان نہیں ہے اور ہائی کورٹ کی نظیروں کا تقاضا ہے کہ بالکل برأت ہو جائے، مگر اس وقت کی فضا گورنمنٹ کی پالیسی کا تقاضا یہ ہے کہ اگر برأت بھی ہو گئی تب بھی نہ رکھا جائیگا اور دفعہ ۱۲۹ کے ماتحت گرفتار کر لیا جائے گا، نیز اس کے دوران بحث میں ورکنگ کمیٹی جمعیۃ کا فیصلہ بھی یہی ہوا ہے کہ نگرانی نہ کی جائے، فضا مناسب نہیں ہے۔ اور حسب تجویز ورکنگ کمیٹی رہائی کے بعد سول ڈس اوبی ڈینس کرنا ہوگا، پھر گرفتاری ہوگی، اس لیے ہائی کورٹ کی نگرانی کے لیے مصارف اور جد و جہد بیکار ہو جائے گی بمنت میں زیر باری ہوگی، چنانچہ معلوم ہوا

یہ کہ اپیل کے فیصلہ سے پہلے ہی دفتر جیل مین دفعہ ۱۲۹ اور دفعہ ۲۶ کے ماتحت وارنٹ بھی آگئے تھے، اس لیے نگرانی چھوڑ دی گئی، اب اگر عارض پیش نہ آئے تو ممکن ہے کہ بقرعید کی نماز مین آپ کے سایہ میں ادا کروں، والعلم عند اللہ۔ خدا کے فضل وکرم سے نہایت آرام سے ہوں، ۹ راگست کو حافظ محمد ابراہیم صاحب زیر دفعہ ۲۶ آگئے ہین اور اسی طرح مولانا حفظ الرحمن صاحب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی ایم۔ ایل۔ اے اور دوسرے اشخاص نے آکر جیل مین جشن کی صورت پیدا کر دی ہے، دفعہ ۱۲۹ والے تو عنقریب چلے جائیں گے متعلقین سب بعافیت مین ہین، اور دہین رہنا ان کا مناسب معلوم ہوتا ہے، البتہ اسعد اور فرید انشاء اللہ تعالیٰ دس بارہ شوال تک دیوبند پہنچ جائیں گے، تاکہ تعلیمی مشاغل انجام دے سکین۔

جو فیصلہ جناب نے ابتدائی شعبان مین امتحان کے بند کرنے اور مطبخ کو یکبارگی معطل وموقوف کرنے اور تقریباً چالیس طلبہ کو بالکل نکال دینے اور اکثر کو بالکل سند سے محروم کر دینے وغیرہ کا کیا ہے نہایت ہی تعجب خیز ہے، اور سب سے زیادہ تعجب مجھکو آنجناب پر ہے، آپ تجربہ کار، سرد وگرم کو دیکھے ہوئے، زمانہ اور اس کی رفتار سے واقف مستقل مزاج، قوی القلب، بھاری بھرکم، معاملات کو بخوبی سمجھنے اور جانچنے والے تھے، مگر آپ نے ایسا فیصلہ کیسے کر دیا، اور اس رو میں کس طرح بہہ گئے، نہ نتائج وعواقب پر غور فرمایا نہ زمانہ کی روش اور ماحول پر توجہ فرمائی نہ اسلاف کے طرز عمل اور دارالعلوم کی سابقہ تاریخ کو دیکھا مہتمم صاحب کا بیان اخبارون میں شائع ہوا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ نہایت سکون کے ساتھ عملی مشاغل مین منہمک تھے، پھر ایسا فیصلہ کیون کیا گیا، اور اگر بالفرض کوئی شورش بھی ہوتی تب بھی ایسا نہ کرنا تھا، اسٹرائک کے زمانہ مین تو شورش نہیں ہوئی آج کیون ہوئی ہے۔ جن طلبہ نے خواہ وہ سب کے سب ہی ہوں تے [illegible] ترک دستاران کی تھی، ان کو سخت جواب دینا چاہیے تھا کہ ہم [illegible]

نظام کو نہیں بدل سکتے، ہم امتحان ضرور لیں گے، جو شریک امتحان نہیں ہوگا وہ حسب قواعد دار العلوم اس سزا کا مستحق ہوگا، جو پہلے سے مقرر چلی آتی ہے۔ مطبخ کی بندش کا یکبارگی اعلان اس سے جو سراسیمگی پھیل گئی، اگر یہ معاملہ انتقاماً تھا اور ظاہر یہی ہے تو جبکہ طلبہ نے تشدد آمیز کارروائی نہیں کی تھی، جو بھی ان سے اعمال ظہور پذیر ہوئے تھے، وہ امن و امان کے حدود میں رہ کر ہوئے تھے اور جبکہ وہ ان جلسوں اور جلوسوں کی بھی بندش چھوڑ کر بالکل سکون کی حالت میں آچکے تھے، تو پھر کیوں یہ انتقام لیا گیا۔ اور کیوں ایسی بھیانک صورت اختیار کی گئی۔ اور اگر بالفرض ان سے کوئی صورت تشدد اور خلاف قانون کارروائی ہوتی بھی تو دار العلوم کو اس سے کیا واسطہ گورنمنٹ کی پاور کام کرتی۔

اور اگر بالفرض انتقاماً نہ تھی، تو معاملہ نہایت عجیب و غریب ہے، تمام ہندوستان کی یونیورسٹیوں اور کالجوں، اسکولوں، اور مدرسوں میں باوجود انتہائی شورشوں اور سخت سے سخت تشددات کے نہ ان کے کارکنوں نے ایسی کارروائی کی اور نہ گورنمنٹ نے وہاں اتنی مداخلت کی جتنی کہ آپ نے کی، حالانکہ دار العلوم آزاد تھا، گورنمنٹ کا دست نگر نہ تھا، اور نہ ہے، پھر اس قدر ٹوڈیت اور اظہار وفاداری کے کیا معنی جو کہ حدود عقل سے بھی تجاوز کر گئی، کیوں اس قدر گھبراہٹ آپ کو پیدا ہو گئی، کیا یہ طلبہ اس سے زیادہ کر سکتے تھے، جو بمبئی، پونہ، مدراس ناگپور وغیرہ کے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ نے کیا، اور کیا یہ ویسا ہی کرنے پا کر سکتے ہرگز نہیں، مہتمم صاحب خود فرماتے ہیں کہ نہایت امن و سکون تھا۔ اور اگر بالفرض احتمال ہی کی بنا پر یہ سب ہوا تو پھر ایسا احتمال ہمیشہ ہے، مدرسہ کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیجئے، آج اور کل کا کتنا اطمینان ہے۔ منتظمین مدرسہ کا فریضہ تھا کہ اگر ایسے واقعات پیش آتے تو روک ٹوک کرتے اور اپنی قوت سے نہ پاتے تو دوسری قوت متسلطہ سے مدد لیتے، نہ یہ کہ محض احتمال یا ظن پر

تمام ادارہ بند کر دیا جائے، اور کارکنوں کو مفت کی تنخواہ شعبان و رمضان کی بانٹی جائے طلبہ تو بھوکے مانگتے پھریں اور ملازمین عزاتے پھریں، طلبہ نے جلسے اور جلوس بے شک کیے، ادارہ اہتمام نے روکا تو نہیں رکے، اس سے زیادہ اور کیا جرم ان کا تھا، یا یہ کہ اس کی وجہ سے یہ دور دراز کے طلبہ دینی تعلیم سے ہمیشہ کے لیے محروم کیے جا رہے ہیں، پھر جبکہ ملک کی عام فضا اس قدر مسموم ہو رہی ہے، کہ وہ ملک کے نوجوان طلبہ جنکی تمام امیدیں گورنمنٹ کی غلامی پر بندھی ہوئی ہے، وہ ملک کے لیڈران کی گرفتاری پر اپنے آپے سے باہر ہو گئے، (حالانکہ ان لیڈروں سے ان کو کوئی خصوصی تعلق نہ تھا اور اگر تھا تو بہت دور کا تھا) اور انھوں نے جان اور دھن کی بازی لگا دی، اور تقریباً ایک ہزار بار اس سے زیادہ پروانہ وار جان بحق ہو گئے اور کئی ہزار زخمی ہوئے، اور اب بھی ہو رہے ہیں، اگر ایسی صورت میں گورنمنٹ کے اس شرمناک معاملہ پر جو کہ اس نے ابتدائی طریقہ پر ان کے ایک نالائق خادم پر جاری کیے تھے، اگر کچھ مظاہرہ کر بیٹھیں (جو کہ ہر کالج اور یونیورسٹی میں آئے دن پیش آتا رہتا ہے، جب بھی وہاں کے اساتذہ، مدرسین، پرنسپل کے ساتھ کوئی ایسا سلوک پیش آتا ہے) تو وہ اسقدر موجب غیظ و غضب اور سزا اور انتقام کیوں قرار دیا جاتا ہے، بیشک حکم ادارہ اہتمام نہ ماننا جرم ہے اور غلطی ہے، مگر وہ بھی مجبور ہیں، طبعی جذبات ہیں، ان پر حسن تدبیر سے قابو کیجئے، اور پھر جب کہ وہ حضرت مفتی صاحب، مولانا حفظ الرحمن صاحب اور دوسرے حضرات کے سمجھانے کی وجہ سے پر امن، مطیع و فرمانبردار ہو چکے ہیں اور با این ہمہ جد و جہد کو بھی چھوڑ چکے ہیں، پھر آپ کو یہ منتقمانہ کارروائی اور اس قدر تشدد کہاں روا تھا، یا ہے۔ اور اگر بالفرض آپ کا انصاف اسی کو مقتضی ہے تو آپ میں سے مرحمت اور غربا پروری علوم نبویہ کے حاصل کرنے والوں کی خصوصی مراعات جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

استوصوا بهم خیراً فرما کر مہر لگا رہے ہین، کہان چلی گئی. آپ اس کو کیون بالکل بالائے طاق رکھ رہے ہین، یہ مسلمانون کے نوجوان بچے ہین، ناتجربہ کار ہین، کم عقل ہین، کیا ان کی مذہبی پرورش (جو کہ اس دور الحاد و زندقہ مین ازبس ضروری اور قابل توجہ ہے) کا یہی طریقہ رہ گیا تھا، اپنے گھرانون اور خاندانون کے نوجوان بچون کو دیکھئے. ان سے کس قدر نافرمانیان، نالائقیان آئے دن صادر ہوتی رہتی ہین، اور آپ طرح پر طرح دیتے رہتے ہین، یہ بھی تو آپ ہی کے بچے ہین. ان پر ایسا نادرشاہی حکم کیون صادر فرماتے ہیں، اور ہمیشہ کے لیے علوم دینیہ اور معارف الہیہ سے محروم کر رہے ہین. بیشک ان کی تربیت کیجئے، سرد اور گرم معاملہ برتیے مگر نہ اس طرح جیسا کہ کر چکے ہین، اور غالباً آگے بھی کرنے کا ارادہ رکھتے ہین، کیا وہ طلبہ جنکو ہمیشہ مہمانان رسول علیہ السلام کہا جاتا تھا، اور لوگون کو چندہ اور کھانے کی ترغیب ایسے ایسے الفاظ سے دی جاتی تھی. ان کی یہی گت ہونی چاہیے. جو آپ نے مطبخ بند کر کے دس دن کی مہلت سے جرنیلی حکم دیکر ان کی تمام اشیا نیلام کرا کے ظاہر فرمائی ہے. ایسا انوکھا حکم نہ ہم نے کسی عربی مدرسہ مین دیکھا اور نہ سنا، نہ انگریزی مدارس مین نہ مسلمانون کی درسگاہون مین، نہ ہندؤن کی درس گاہون مین، آج ذرا آنکھیں اٹھا کر اہل بنارس کی ہندو یونیورسٹی کو دیکھ لیجئے، انھون نے کیا کیا، طلبہ نے کیا کیا، گورنمنٹ نے کیا کیا. پھر مین نہین سمجھ سکتا کہ وہ درسگاہ جو کہ تین لاکھ روپیہ سالانہ گورنمنٹ سے لیتی ہے وہ تو اسقدر بے حواس نہ ہو اور آپ اس قدر مضطرب فاقد الحواس ہو جائین، یہ کیا معاملہ ہے۔

کیا یہی طریقہ حضرت شیخ الہند کا تھا. کیا یہی طریقہ حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہم اللہ تعالی کا تھا، کیا یہی طریقہ عام مسلم سیاسی اور آپ حضرات اپنی اولادون اور چھوٹون سے برت رہے ہین، اور اگر ایسا نہین ہے تو دار العلوم کے نادار غریب الوطن نوجوان طلبہ

کے ساتھ یہ سلوک کیوں روا رکھ رہے ہیں، معاف فرمائیں یہ کلمات مخلصانہ شکایات ہیں، معاذ اللہ آپ کے وقار اور پوزیشن پر حملہ نہیں ہے۔ اگر میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں تو آئندہ کے لیے جلد سے جلد اصلاح فرمائیے۔ اور اگر آپ کے نزدیک میری عرائض گوز خر ہونے کے لائق ہیں تو کالائے بدبریش خاوند۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی ذمہ داری ہے، آپ بھی عند اللہ وعند الرسول جواب دہ ہوں گے۔ خلقت بھی آپ سے سوال کرے گی، اب آپ کا سالانہ اجلاس ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳ اکتوبر کو ہو رہا ہے، سوچ سمجھ کر، گرد و پیش کو دیکھ کر فرائض انتظامیہ کو غور کر کے علوم دینیہ اور ان کی اہمیت اور ضرورت پر نظر ڈال کر عمل درآمد کیجئے۔ اغراض اور اپنی پچ کو چھوڑیے، محض افواہوں، اور بے تحقیق باتوں پر خاک ڈالیے، نہ صرف عدل و انصاف کو بلکہ شفقت اور رحم کو بھی ہاتھوں میں مضبوط پکڑیے۔ کسی شخص کی ذاتی رعایت کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو قومی اور مذہبی، علمی اور دینی ضرورت اور مفاد پر مقدم نہ کیجئے، اور وہ کام کیجئے جو کہ آپ کو کل یوم قیامت میں کام آسکے، حکومت کا خطرہ، لوگوں کی بدگوئی کا خیال، آپ کو حق و انصاف، رحمت اور الطاف سے مانع نہ آئے۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۶ تا ۱۳۲) یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کفر نے کبھی اسلام کیساتھ رواداری نہیں برتی، بلکہ اسلام نے ہمیشہ اپنی ہمہ گیر وسعت سے کام لینا اپنا فریضہ سمجھا، اگرچہ ہر زمانہ میں طاغوتی قوتیں اور شیطانی فوجیں اہل حق کی راہ میں آڑے آئیں، مگر ان نفوس قدسیہ نے اپنی ہمتیں بلند رکھیں۔ اس آخر زمانہ میں جبکہ حسب ہدایت کلید سقوط اسلامی اقتدار، تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کو دنیا سے مٹا دینے کی بڑی حد تک جد وجہد کی گئی تو علماء حق اور مسلمانان ہند نے اجتماعی ادارے ۱۸۵۷ء کے جان گداز واقعات کے بعد قائم کیے۔ یہ ان علماء کی خداداد فراست ہی تھی کہ جس نے سارے کام چھوڑ کر علم دین کو قائم رکھنا، وقت کا اہم ترین مقصد سمجھا، چنانچہ مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد، مدرسہ دار العلوم دیوبند

(باقی حاشیہ ص ۳۸۰ پر)

مکتوب نمبر ۱۳۳

جناب بابو فضل الرحمن خان صاحب سیدھاری اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف والا نامہ مورخہ ۲۰ ذیقعدہ باعثِ سرفرازی ہوا تھا، مگر اس مدت مین اسقدر مصروفیت تھی کہ جواب نہ لکھ سکا۔ خیال تھا کہ کسی فرصت کے وقت مین لکھونگا۔ ۲۰ نومبر کی شام کو بعد از مغرب جب مین اعظم گڈھ پہنچا، تو اس ارشاد کی بنا پر جو کہ پہلے آپ نے فرمایا تھا کہ ان اطراف میں جب بھی آنا ہو تو سدھاری ضرور آنا چاہیے تھوڑی مدت کے لیے ہو، اور میں نے قبول کر لیا تھا، ارادہ تھا کہ اگر ممکن ہو تو رات کو آپ کے یہان قیام کرون، اور اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو چند منٹ کے لیے حاضر ہی ہو جاؤن مگر افسوس کہ ایسے واقعات پیش آئے کہ ہر دو مین کامیابی نہ ہو سکی۔ آپ نے جن امور کو دریافت فرمایا ہے ان کے متعلق تفصیل تو زبانی ہی ہو سکتی ہے، مگر اس وقت اجمالی طور پر اتنا عرض کرتا ہون کہ تحریکات آزادی ہند مین ۱۹۱۴ء سے شریک ہون اور اس کو مسلمانون کا مذہبی اور انسانی فریضہ سمجھتا ہون۔ پہلے مین تشددانہ والی انقلاب پارٹی میں شریک تھا، اور حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز ہمارے امام تھے اور اسی سلسلہ میں ہمارا مالٹا کی اسیری کا واقعہ پیش آیا، وہان سے واپسی پر خلافت کمیٹی، جمعیۃ، کانگریس مین شرکت اور عدم تشدد کی پالیسی میں دخول ہوا۔ اسی زمانہ مین آزاد خیال ترقی پسند مسلمان لیگ سے علیحدہ ہو کر خلافت مین شریک ہوئے، اور کانگریس مین بھی رہے، کیونکہ ۱۶ء سے لیگ اور کانگرس متحد ہو چکے تھے۔ لیگ مین ان کے نکل جانے کی وجہ سے جان باقی نہیں رہی تھی۔ موجودہ عناصر کا بڑا حصہ تقریباً امن سبھا کا ممبر اور گورنمنٹ کا کلمہ پڑھنے والا تھا، ہم نے اسی بنا پر کبھی لیگ کی طرف رخ

نہیں کیا، انقلاب پیش آئے، خلافت کمزور پڑ گئی، بہت سے سرگرم اور آزاد خیال ترقی پسند مسلمان رفتہ رفتہ وفات پا گئے، ۱۹۳۶ء کے قریبی زمانہ میں مسٹر جناح نے لیگ کو زندہ کرنے کی کوشش کی، رجعت پسند عناصر سے تنگ آ گئے تھے اور انھوں نے جمعیۃ اور احرار اور دوسری ترقی پسند جماعتوں سے اتحاد و اشتراک کیا، خود مسٹر جناح نے بمبئی کرانیکل میں جون ۱۹۳۶ء میں ایک مضمون شائع کیا تھا، اور اس کا خلاصہ مدینہ بجنور میں ۵ فروری ۱۹۳۷ء میں حسب ذیل شائع ہوا تھا

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۸) آزادی ہند کی چھاؤنی بن گئے۔ اور دار العلوم کا یہ مقصد قرار پایا کہ یہاں سے مسلمانان ہند کے نونہال روح اسلام سے سرشار ہو کر نمونۂ اسلام بنکر نکلیں، اور مردانہ وار اعداء اللہ کا مقابلہ کریں۔ یہی مقصد بانیان دار العلوم کا ہمیشہ رہا اور اسی وجہ سے گورنمنٹ کی استعماری نگاہیں برابر اسکی طرف رہیں، تاکہ دار العلوم کے اندرونی و بیرونی نظام میں اپنا ہر گورنمنٹ کو دخل نہ تھا، مگر اسی کے ساتھ اس چیز سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ برطانوی ذہنیت اپنا کام کر رہی تھی، اور ان علماء حق کے ردعمل میں موقع کی متلاشی تھی، چنانچہ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ ادھر مالٹا ہی کے اندر تھے کہ ادھر برطانیہ نے میدان خالی پا کر مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم مہتمم دار العلوم دیوبند کو شمس العلماء کے خطاب بلکہ خلعت فاخرہ سے سرفراز کر کے دار العلوم کی ساٹھ سالہ روایات پر تیشہ چلا دیا۔ راقم الحروف کو یہ روایت بطریق ثقات پہنچی ہے کہ جب شیخ الہندؒ مالٹا سے رہا ہو کر دیوبند تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھکو دار العلوم میں برطانوی سازش کی بدبو محسوس ہو رہی ہے یعنی شمس العلمائی خطاب جسکو واپس کرنا پڑا۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم کے آخری دور تہ پر تقریباً ۱۳۲۵ھ میں فتنۂ تحزبی پیدا ہو گیا۔ اہتمام کی بحث نے طول کھینچا، پارٹیاں قائم ہو گئیں، حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ وغیرہم نے دار العلوم کو خیر باد کہا، شعبۂ صدارت جو دار العلوم کا آفتاب رہا ہے خیریت ہوئی اس کو حضرت امام العصر دامت برکاتہم کی غیر معمولی شخصیت نے آکر سنبھال لیا اور اپنے زمانہ تک کیلئے محفوظ کر دیا، گر سرپرستی وغیرہ کے جھگڑوں نے جماعت میں تفریق اور بدمزگی پیدا کر دی، پہلے سے دار العلوم دیوبند کی موافق و مخالف دو جماعتیں باوجود اتحاد عقائد قصبہ کے اندر تھیں ہی، نتیجہ یہ نکلتا رہا کہ ان تمام باتوں کا اثر دار العلوم پر مختلف شکلوں میں پڑتا رہا، پھر حضرت امام العصر کا وجود گورنمنٹ کی نظروں میں سب سے بڑا روگ تھا، اور اسی کے ساتھ کتنے معتقدین کی نگاہوں میں ۔۔۔۔ امام الاشتر

(باقی ص ۳۸۱ پر)

(۱) مسلم لیگ کی پالیسی کا مقصد ایسے نظام کا بروئے کار لانا ہے، جس کے ماتحت ترقی پسند اور آزاد خیال مسلمانوں کے ادارے متحد ہو جائیں۔

(۲) مسلم لیگ موجودہ دستور سے بہتر ایسا دستور حاصل کرنے کے لیے جو سب کو پسند ہوگا کانگرس کا ساتھ دیگی اور حکومت پر دباؤ ڈالے گی۔

(۳) مسلم لیگ اس اصول کو برقرار رکھتی ہے کہ بطور اقلیت مسلمانوں کو کافی تحفظ حاصل ہو۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸۰) کانٹوں کی طرح کھٹکتا رہا، حتیٰ کہ دیوبند کے بعض نادان دوستوں نے اس کانٹا کو نکالنا چاہا اور گورنمنٹ کی پشت پناہی بھی ساتھ تھی۔ مگر جو وجود گرامی انقلاب سلطنت کرنے اور برطانیہ کے ڈیڑھ سو سالہ قصر استبداد کو ڈھانے کا بیڑا اٹھا چکا تھا بھلا آزادی ہند کا خاتم، دلی الّلہی پرچم کو سرنگوں ہونے دیتا؟ اور کس ماں کے لال کی ہمت تھی کہ اس شیر بیشۂ استقامت کو برطانیہ کے نکلنے سے پہلے دارالعلوم سے نکال سکتا تھا، زمانہ شاہد ہے کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مشن کامیاب رہا، ساتھ ہی تاریخ اس کو بھی فراموش نہیں کر سکتی کہ جو پارٹ آخری دور غالباً ۱۹۴۶ء میں دارالعلوم کے اندر ادا کیا گیا کہ چالیس سے زائد مہمانان رسول کو خارج کیا گیا، کھانے بند ہوئے، گھر سے خرچ منگانے کی مہلت نہیں دی گئی، سند دینے سے محرومی کی دھمکی، خالدمیاں کی گورنمنٹ میں شکایت کر کے دفعہ ۱۰۵ کے تحت گرفتاری، طلبہ کو صفائی کا موقع نہ دینا، مطبخ کی بندش کا اعلان، امتحانات کے داخلہ میں پابندی اور حسب بیان اخبارات منجانب اہتمام کہ "طلبہ نہایت سکون کے ساتھ علمی مشاغل میں منہمک ہیں"۔ پھر نادر شاہی حکم تو در پردہ کسی اور چیز کی غمازی کر رہا تھا "کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں"۔ مکتوبات مذکورہ کو بغور پڑھنے پر حضرت امام العصر کی یہ عبارت بھی واقعہ بنکر سامنے آجاتی ہے کہ "جو حضرات کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ حضرت مولانا اپنی قید کی مدت پوری کر کے بھی آزاد نہیں ہوں گے" سب سے بڑا ثبوت ہے۔ دارالعلوم کے اندر دباہر کیا کھیل کھیلا جا رہا تھا اور ہمدردان دارالعلوم خود امام العصر کے مقام سے کس درجہ نابلد تھے۔ حالانکہ حافظؒ بہت پہلے ان ہی بزرگوں کے بارے میں فرما گئے تھے

مبین حقیر گدایان عشق را کین قوم شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند

(۴) اسمبلی میں لیگ تمام قومی معاملات میں کانگرس سے تعاون کریگی اور اس کے ساتھ رہیگی۔

(۵) لیگ کے صدر کی حیثیت سے میرا خیال ہے کہ ایسے چالاک لوگوں کو جن کا مقصد حکومت کے ماتحت عہدے حاصل کرنا ہے، اور جنھیں عوام کے حقوق، ضروریات اور مفاد کی مطلق پرواہ نہیں، سیاسی میدان سے نکالدیا جائے۔

مندرجہ بالا مضمون کی لیگ کے مینوفسٹو کی عبارت ذیل مندرجہ صفحہ ۸ پوری تائید کرتی ہے۔

مانٹیگو چیمسفورڈ اسکیم کے قیام اور عملدرآمد سے کچھ ایسی مختلف قومیں پیدا ہوگئی ہیں، جنھوں نے اپنا اثر صوبوں میں قائم کرلیا ہے، اور ان ہی جماعتوں کے ساتھ ایسے اشخاص و افراد کی ٹولیاں بھی بن گئی ہیں جن کا مقصد و غرض سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ صوبوں میں جہاں کہیں اور جب کبھی ممکن ہو بڑی بڑی سرکاری ملازمتوں اور جگہوں پر دست درازی کریں، اور ان پر اپنا قبضہ جمائیں، یہ تجویز چونکہ گورنمنٹ کے مقاصد کے معین ہے لہذا ایسی جماعتوں کو ہر طرح کی مدد حمایت گورنمنٹ سے ملی جس سے یہ لوگ نہ صرف ملک کی اصلی ترقی وبہبود کے مزاحم ثابت ہورہے ہیں، بلکہ سمجھدار اہل ملک کو ان کی خودغرضانہ حرکتوں سے نقصان پہنچ رہا ہے، مختصر یہ کہ یہ جماعتیں اور یہ اشخاص گویا ملک میں اپنی ایک شخصی جابرانہ حکومت قائم کیے ہوئے ہیں، اور لیگ کا اصلی مقصد یہ ہے کہ اس جبرو استبداد کا پوری طرح انسداد بلکہ قلع قمع کیا جائے۔"

عبارتہائے مذکورہ سے آپ اندازہ کرسکیں گے کہ مسٹر جناح اور لیگ کی پالیسی اسوقت کیا تھی، اور وہ کس قدر آزادی خواہ اور ترقی پسند مسلمانوں کے قریب تر تھی، اس وقت اگرچہ وہ مکمل آزادی اور وطن کے لیے ڈائرکٹ ایکشن کے مدعی نہ تھی، مگر رجعت پسندوں اور خوشامدی لوگوں سے بالاتر تھی، مسٹر جناح نے ۱۹۳۶ء کے الیکشن کے لیے جمعیۃ علماء ہند سے اتحاد و تعاون چاہا، وہ زمانہ ولنگٹن کی حکومت کا تھا، اور آزادی خواہ جماعتوں کی ہر قسم کی غیر قانونی

جدو جہد پر تحت قانونی پابندیاں عاید تھیں، مسٹر جناح نے چند گھنٹہ تک ہم سے گفتگو کی اور درخواست پر زور دیا اور کہا کہ میں ان رجعت پسندوں سے عاجز آگیا ہوں، اور ان کو رفتہ رفتہ لیگ سے خارج کرکے صرف آزاد خیال ترقی پسند لوگوں کی جماعت بنانا چاہتا ہوں، تم لوگ اس میں داخل ہو جاؤ. ہم نے عرض کیا کہ اگر آپ ان لوگوں کو خارج نہ کرسکے تو کیا ہوگا تو فرمایا کہ اگر میں ایسا نہ کرسکا تو میں تم لوگوں میں آجاؤں گا. اور لیگ کو چھوڑ دوں گا. اس پر مولانا شوکت علی مرحوم اور دیگر حضرات نے اطمینان کیا اور تعاون کرنے پر تیار ہو گئے. چنانچہ ہم نے پورا تعاون کیا اور تقریباً پونے دو مہینہ کی رخصت بوضع تنخواہ دار العلوم سے لی اور انتہائی جد وجہد کی کہ انگریز یونینسٹ پارٹی اور دوسرے رجعت پسند امیدواروں کو شکست ہوئی اور تقریباً تیس یا اس سے زاید ممبر لیگ کامیاب ہو گئے. جس پر چودھری خلیق الزمان نے مجھکو خط میں لکھا کہ تیس برس کی مردہ لیگ کو تو نے زندہ کیا. ہم نے لیگ کا تعارف عام مسلمانوں سے کرایا. اور لیگ کی آواز ہر جگہ پہنچا دیا. اس وقت مسٹر جناح نے جمعیۃ کا تیار کیا ہوا مینو فسٹو قبول کیا. اور اسی کو تیج میں شائع کیا. جس کی پہلی دفعہ یہ تھی کہ اسمبلیوں اور کونسلوں میں اگر کوئی خالص مذہبی مسئلہ پیش ہوگا تو جمعیۃ علماء ہند کی رائے کو خاص وقعت اور اہمیت دیجائے گی۔

مگر افسوس ہے کہ لیگ نے کامیاب ہونے کے بعد پہلے ہی اجلاس لکھنؤ میں اپنے عہود اور اعلانات کو توڑ دیا، اور ان رجعت پسند خوشامدی، انگریز پرست لوگوں کو لیگ پارٹی میں داخل کرنے کے خواستگار پر زور طریقہ پر ہوئے، جن کو خارج کرنیکا اعلان کیا تھا. اور ان کی پر زور مذمت کر رہے تھے، اور جن کے متعلق ہر شخص کو معلوم تھا کہ ہمیشہ ان کی زندگی قومی تحریکات کی مخالفت اور انگریز پرستی میں گذری ہے، ان سے وہیں. کہا گیا کہ آپنے تو وعدہ کیا تھا کہ ان لوگوں کو نکال دیا جائے گا، آج ان کو لیگ میں لانے

اور پارٹی میں جگہ دینے کی آپ کوشش کر رہے ہیں، تو کیگر کر کہا کہ "وہ پولٹیکل وعدے تھے" علاوہ اس کے اور متعدد اعمال خلاف اعلان وعہود کیے۔ جس کی بنا پر سخت مایوسی ہوئی اور بجز علیحدگی اور کوئی صورت سمجھ میں نہ آسکی، انھون نے مرکزی اسمبلی میں شریعت بل پاس نہ ہونے دیا۔ قاضی بل کی سخت مخالفت کی، انفساخ نکاح کے متعلق غیر مسلم حاکم کی شرط قبول کرلیا، آرمی بل پاس کیا، وغیرہ وغیرہ

الحاصل ایسے معاملات اس دس سالہ مدت مین کیے جن سے ہمین یقین ہوگیا کہ یہ حضرات مسلمان اور ملک کی مصالح کے لیے نہین، بلکہ سرمایہ دارون، رجعت پسندون، جاہ پرستون کے ساتھ ہمدردی اور تعاون کرنے والے ہین، اور اسی کے ساتھ ساتھ برطانیہ کے بھی حامی اور مددگار ہین، اور حسب تصریحات بیوفٹ گورنمنٹ بھی ان کی حامی ہے اب آپ ہی غور فرمائین کہ ان کے ساتھ رہنا اور ان کی مدد کرنا کس طرح پر جائز ہے؟

ہندوؤن کے ساتھ اتحاد اور دوستی بڑھانا خود ان کے دستور اساسی کا مستقل دستور رہے، چنانچہ آل انڈیا مسلم لیگ کے دستور اساسی کے صفحہ ۲ مین دفعہ ۲ ضمن ۲ مین حسب ذیل الفاظ ہین: "دیگر اقوام ہند کے ساتھ مسلمانون کے دوستانہ تعلقات اور اتحاد کو بڑھانا۔"

مذکورہ بالا احوال پر غور فرمائیے، پھر دیکھیے کہ آپ حضرات کا لیگ اور اس کے امیدوارون کی امداد اور جمعیتہ اور مسلم پارلیمنٹری بورڈ کو ناکامیاب بنانا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے، نیز آپ کا کانگرس سے تنفر جیسا آپ تحریر فرما رہے ہین کہانتک صحیح ہے، اگر یہ تنفر کسی خاص شخص سے اس کی غلط کاریون کی بنا پر ہے تو وہ دوسری چیز ہے، اور اگر نفس کانگرس اور اس کے اصولون سے ہے تو میرے سمجھ مین نہین آیا۔ مین امیدوار ہون کہ جب کبھی ملاقات کی نوبت آئے تو آپ مجھکو واضح طور پر سمجھا دین تاکہ مین اپنے خیالات اور

اعمال کی اصلاح کر لون ،

صاحبزادہ کے متعلق جو کچھ آپنے ارشاد فرمایا ہے، اس میں بھی میری ہمیشہ سے رائے یہی رہی ہے اور اس پر عامل ہون کہ نوجوان طلبہ کو اپنی تعلیمات کو پورا کرنا چاہیے، ایام طالبعلمی مین کسی عملی سیاست مین حصہ نہ لینا چاہیے، ہان اوقات فارغہ میں علمی سیاست مین حصہ لینا صحیح اور درست ہے، صاحبزادہ صاحب نے جو وتیرہ اختیار فرمایا ہے بالکل غلط ہے، ان کو اپنی استعداد علمی کی بالفعل جد وجہد کرنی چاہیے۔ تعلیمی پروگرام پورا ہو جانے کے بعد جو چاہیں کریں ان کو اختیار ہے، علیٰ ہذا القیاس یہ بھی آپ کا خیال بالکل صحیح ہے کہ اس مین ان نا عاقبت اندیش مصاحبون کی وجہ سے زبان درازی کی عادت ہوتی جاتی ہے جس سے آیندہ اخلاق اور اعمال سخت خطرے مین ہین ،

محترما! اس کو جہانتک ممکن ہو "باللتی ہی احسن" ایسی صحبتون سے بچایئے اور صرف تعلیم اور اعمال صالحہ ضروریہ کا متعود بنایئے، یہی زمانہ اس کے سنبھالنے کا ہے، اگر اس وقت میں سنبھل گیا اقوال و اعمال، اخلاق درست ہوئے اور رہے تو مستقبل درخشان ہو گا، مولانا اصلاحی صاحب واقع مین اصلاحی، نہایت نیک طینت اور مخلص شخص ہین، جہانتک مین نے ان کا تجربہ کیا ایسی طبیعت والے مخلص، سچے، دیندار، ذی علم و عمل اس زمانہ مین کم ملتے ہین، اور ان کو آپ کے ساتھ اور آپ کے تمام خاندان کے ساتھ جو تعلق ہے، مخلصانہ ہے، وہ تو اپنے خاص اعزہ اور خاندانون کے مربیون مین بھی فی زمانا بہت کم پایا جاتا ہے، میں تو ان کی آپکے یہان موجودگی آپ کے اور آپ کے خاندان کے لیے نعمت عظیمہ اور قابل رشک خوش قسمتی سمجھتا ہون، ناسمجھ اور ناتجربہ کار بچون کا مولانا موصوف کے منہ آنا اور گستاخی کرنا انتہائی ذلیل حرکت ہے، ایسی حرکات سے روکنا اشد ضروری ہے مبادا کہیں مولانا بر داشتہ خاطر ہو کر علیحدہ ہو جائیں گے تو نہ صرف ان بچون کا بلکہ آپ کے تمام خاندان اور تمام گاؤن کا نقصان عظیم ہو گا، ایسے ماحول میں بچون کو سرزنش کیجئے اور اس قسم کی

نازیبا حرکات سے سختی سے روکیے، اور مولانا پر زور ڈالیے کہ وہ متاثر نہ ہوں، مولانا کا ادب و احترام ہر چھوٹے بڑے کو ملحوظ رکھنا چاہیے، اور ان کے دل و دماغ پر ذرہ برابر کدورت نہ آنے دیجئے، نیز اپنے ملازمین وغیرہ پر بھی تاکید کر دیجئے کہ مولانا کی پاسداری اور خدمتگذاری میں کسی کوتاہی کو روا نہ رکھیں، گھر میں بھی اس کی تاکید کر دیجئے،

آپ نے سید پور، کٹیہار، بھاگلپور کے واقعات کے متعلق دریافت فرمایا ہے، تو میں اڈیٹر زمزم کی پرسش پر لکھ چکا ہوں کہ وہ واقعات صحیح ہیں، مولانا ریاض الدین صاحب جنھوں نے اخبار میں اس کو شائع کیا تھا، وہ خود سید پور کے باشندہ ہیں، وہ اور ان کا لڑکا مولوی محمد صالح ان سفر میں ساتھ تھے، سونا رائی سے ساتھ واپس ہوئے تھے، ان سے تعارف مجھکو تقریباً پندرہ بیس برس سے حاصل ہے، میں سونا رائی اپنے ایک مخلص دوست آفندی، احسان الحق مرحوم کی تعزیت کے لیے گیا تھا جن کا ۱۰ شعبان میں اسی سال انتقال ہو گیا تھا، وہاں سے واپس ہوتا ہوا چند گھنٹوں کے لیے سید پور میں بعض احباب کے اصرار پر اترا تھا، وہ سفر میرا کسی سیاسی غرض یا پروپیگنڈہ کی بنا پر نہ تھا، بغیر میری اطلاع کے احباب نے جلسہ اور تقریر کا اعلان کر دیا تھا، ایسا پہلے کئی مرتبہ سید پور میں ہو چکا تھا، وہ تقریریں میری عموماً وعظ و نصیحت ہی ہوتی تھیں، مگر لیگیوں کو یہ خیال ہوا کہ اس کا یہ دورہ سیاسی پروپیگنڈہ کی بنا پر ہے، انھوں نے جو معاملہ کیا وہ نہ صرف خلاف اسلامیت تھا بلکہ خلاف انسانیت بھی تھا، مجھے افسوس ہے کہ قدرت نے اس کی پاداش سختی سے کی، میں نے کوئی بد دعا نہیں کی تھی، بلکہ اس کا خیال بھی نہیں آیا تھا، ہاں ان کی ناشایستہ اور خلاف انسانیت حرکات پر طبعی طور پر صدمہ ضرور ہوا تھا، اللہ تعالیٰ ان کو اور ہمکو ہدایت عطا فرمائے، آمین

آپ اس کا خیال نہ فرمائیں اور نہ کبیدہ خاطر ہوں، انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص ہمارے آقا حضرت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ان کی قوم نے کیا کیا نہیں کیا، ہم کیا چیز ہیں، ہم کو بھی صبر

استقلال اور دعا ان ہی کی طرح میں لانا چاہیے،

مجھکو عدیم الفرصتی اور پے در پے اسفار کی وجہ سے جواب میں تاخیر کثیر کی نوبت آئی، کئی مرتبہ سفر ہی میں جواب لکھنا شروع کیا، مگر پورا نہ کر سکا، آج بھی سفر ہی میں ذرا فرصت پا لینے پر ضلع گوالپاڑہ آسام سے یہ عریضہ پورا کر رہا ہوں جس کی ابتدا تقریباً بیس روز ہوئی تھی، اہلیہ محترمہ اور صاحبزادہ صاحب اور دیگر متعلقین و احباب بالخصوص مولانا اصلاحی صاحب سے سلام مسنون عرض کر دیجئے، دعوات صالحہ اور اتباع شریعت پر مداومت رکھیے، ذکر اور تسبیحات میں غفلت نہ کیجئے۔ والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ۱۱ر جنوری ۱۹۴۶ء

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۳) مولانا محترم۔ السلام علیکم۔ قبل اس کے کہ حضرت کی مزاج پرسی کردں یا اپنی کرمفرما مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی پیر بھائی کے حالات تحریر کروں، یہ عرض کرتا ہوں کہ خصوصاً سید پور بنگال اور بھاگلپور کے جھگڑے چلانے کا کیا واقعہ ہے، تاکہ ہم لوگوں کو حضرت سے معلوم کر کے یکسوئی اور تشفی ہو، دوسری گذارش یہ ہے کہ آجکل الیکشن کا ہمہ وقت ہر جگہ چرچا ہے، اور تقریباً ہر جگہ کم و بیش دو پارٹیاں ہیں، بحث مباحثہ اکثر اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ دوسرے پارٹی کے لیڈر و پیشوا کی شان میں چند لوگ برا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں، اکثر ناقابل برداشت ہوتا ہے، باوجودیکہ مجھے خود کانگریس سے سخت نفرت اور اس کا سخت مخالف ہوں مگر جہاں تک تعلق حضرت کا ہے اس سے ایک انچ بھی الگ نہ ہوں اور نہ انشاء اللہ تاحشر ہو سکتا، حالانکہ میرے بڑے لڑکے کو بھی اس کے چند اسکول کے ساتھی و دوست دیگر و خاندان کے لوگوں نے باوجودیکہ اس کے سالانہ امتحان کا وقت سر پر ہے، جو بورڈ سے تعلق رکھتا ہے، گر اوٹر وغیرہ بنانے کے کاموں میں لگا دیا گیا ہے جس سے علاوہ اسکول کے وقت کے بقیہ سارا وقت اس میں جا رہا ہے جس سے میرے دیکھنے میں فی الحال نقصان تو بظاہر ایک تو تعلیم کا جو کہ مقدم، دوسرا یہ کہ لوگوں کے ساتھ میں پڑ کر بڑوں کے منہ آکر بے حیا و بے شرم ہو جانا جس سے کہ والدین تک ہم اولاد سے بیزار ہو جانا ہو جاتا ہے، باوجودیکہ وہ ایسے ماحول میں پڑ گیا ہے، اور بہت آزاد

(باقی ص ۳۸۸ پر)

مکتوب نمبر ۱۴۴

بابو سراج الحق خانصاحب سیدھاری، ضلع اعظم گڑھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف، والا نامہ ۲۹ رمضان

۲ شوال کو موصول ہوا، یاد آوری کا شکر گذار ہوں، مولانا وجیہ الدین صاحب مرحوم سے بخوبی

واقف ہوں، بارہا ان کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا، اس نالائق پر بہت کرم فرماتے،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸۷) طبیعت پیدائشی ہے یعنی جو اسکی سمجھ میں آگیا، پھر اس سے جلدی ہٹتا نہیں، مگر پھر بھی میں کسی طرح پر اس جماعت میں اسکا پڑنا ہر اعتبار سے خلاف سمجھتا ہوں، اور اس سے الگ رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں، کیونکہ اسکے وجہ سے اور بہت سے قوم طبع لوگ اکٹھا ہو جاتے ہیں اور اکثر ایسے وقت پر میرے بڑے بھائی اور محسن مولانا اصلاحی صاحب بھی ہوتے ہیں، تو ان سے باتیں بڑھ جایا کرتی ہیں، اسمیں وہ لوگ نہایت گستاخانہ الفاظ استعمال کرنا شروع کرا دیتے ہیں، اور اس سلسلہ میں اصلاحی صاحب کے درپئے آزار ہو رہے ہیں، لہٰذا ایسی شکل میں جناب والا سے درخواست ہے کہ ہم خادمان کو کیا حکم ہوتا ہے، تاکہ اس کے لفظ بلفظ تعمیل کی کوشش کیجاوے۔ والسلام خادم فضل الرحمن خان سیدھاری۔ ۲۰ ذیقعدہ ۶۴ھ

قارئین بابو فضل الرحمن صاحب کے سوال اور حضرت امام العصر دامت برکاتہم کے مفصل اور صحیح جواب کو ملاحظہ فرمائیں جاہیے تو یہ تھا کہ بابو صاحب موصوف اپنی زبان کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند کے امیدوار کی حمایت کرتے یا خاموش بیٹھ جاتے، کیونکہ بھلے کا سر جلا جائے گر زبان کیسے جائے، مگر بڑی دردناک داستان ہے۔

فارغ ہوکر بابو فضل الرحمن صاحب کے خط مورخہ ۲۰ ذیقعدہ ۶۴ھ کے روانہ کرنے کے وقت میرا قیام بابو صاحب موصوف کے یہاں تھا، بابو صاحب کے خط کی نقل میں نے لے لی تھی، حضرت کا جواب بھی نہ آیا تھا کہ ان کے بڑے صاحبزادے محسن اور ان کے غلط کار دوستوں کی شرارت سے تنگ آکر کچھ سامان ساتھ لیا اور کچھ بابو سراج الحق صاحب کے یہاں رکھکر مکان چلا گیا کہ تیر اٹھا لیجاؤ لگا ۱۲ یوم ہوئے تھے کہ بابو سراج الحق صاحب کا محبت نامہ بجناب بابو حاجی نور الہدیٰ و بابو نور الحسن خانصاحبان پہونچا کہ

(باقی ص ۳۸۹ پر)

دربارہ سلوک آپ کو اولاً استخارۂ[۵] مسنونہ سات مرتبہ کرنا چاہیے، اور اگر اس کے بعد خواب میں کوئی اشارہ میری طرف معلوم ہو تو فبہا ورنہ اپنے رجحان قلبی کو دیکھنا چاہیے، اس کے بعد اطلاع دیں، میں ایک نالائق شخص ہوں، بجز حسن ظن احباب کوئی ذخیرہ نہیں ہے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸۸) مجھ کو سدھاری آنا اور رہنا ہوگا ہم سب جمعیۃ کے ممبر اور علم دین کے قدر دان ہیں، اگر تو نہیں آیا تو حاضر ہو کر سید۔ رہنا اور رہے گے۔ اور خدمت کو سعادت سمجھیں گے۔ وغیرہ۔ مجبوراً چلا آیا اور جب تک سدھاری آپ وداں سے رہنے ہیں گے۔ حضرت امام العصر کا جوابی والا نامہ میرے ہی نام آیا تھا جس کی نقل رکھکر میں نے بابو صاحب کو بھیج دیا تھا۔ اس موقع پر ہم ایک مسئلہ صاف کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جس کی تشریح حضرات صوفیہ نے فرمائی ہے کہ ارادت فعلی مریدکا ہے نہ کہ پیر کا۔ اس لیے اگر پیر ناخوش ہو کر فرما دے کہ تو میرا مرید نہیں یا اور کسی بات سے ناخوش ہو جائے تو اس سے بیعت شکست نہیں ہوتی، ہاں اگر مرید انکار کر دے اور ارادت قائم نہ رکھے تو بیعت فسخ ہو جاتی ہے، خوشی کی بات ہے کہ بابو فضل الرحمن صاحب نے ۱۳۵۰ھ میں روانگی حج کے سلسلہ میں اپنی گذشتہ زندگی پر نادم ہو کر حضرت مولانا مدنی دامت برکاتہم سے اپنے تعلقات قائم کر لیے۔ مگر بعد حج بھی مذہبی حالت جیسی کی تیسی رہی، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۵] استخارہ کے معنی خدا سے بھلائی مانگنا اور ان امور کے متعلق آگاہی چاہنا جو پردۂ غیب میں ہیں، اور انسان شرعاً و عقلاً کسی فیصلہ کن نتیجہ پر پہنچ نہیں سکتا ہے۔ ایسے امور میں بلاشبہ اپنے تذبذب اور تردد کے ازالہ کیلیے اللہ تعالیٰ سے مسنون طریقہ پر استخارہ کرنے کا عمل آنحضرت صلعم نے بتا دیا ہے، وہ طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز بہ نیت استخارہ الگ سے پڑھے، مگر اوقات مکروہہ میں نہیں، اور کسی خاص سورت کی تعیین بھی نہیں ہے، البتہ بعض روایتوں میں قل یا ایہا اور قل ہو اللہ آیا ہے۔ نماز پڑھکر ذیل کی عبارت پڑھی جائے اور چپکے داہنی کروٹ پر سو جائے دعا میں جہاں پر ھذا الامر آیا ہے اپنی حاجت کا نام لے یا دل میں تصور کرے، انشاء اللہ سات مرتبہ تک ضرور، دل میں خدا کی طرف سے القا ہو جائے گا، یا خواب ہی میں اشارہ ہو جائے گا۔ استخارہ مباح اور خیر محض میں ہوگا، نہ کسی

(باقی ص ۳۹۰ پر)

مکتوب نمبر ۱۳۵

حضرت مولانا نجم الدین صاحب تشریف لائے۔ آپ کا والانامہ بھی ملا۔ بابو وہاج الحق صاحب کی اہلیہ مرحومہ کی وفات حسرت آیات پر صدمہ تمام نیازمندوں اور متعلقین کو ہونا طبعی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اور پسماندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ مولانا کے بھتیجے صاحب کے حافظ ہونے اور تراویح میں قرآن شریف سنانے کا حال معلوم ہوا، اس سے بہت خوشی ہوئی، میں نہ صرف انکے والدین اور آنجناب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں، بلکہ خاندان کو مبارکباد دیتا ہوں، احادیث صحیحہ دیکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ یہ ایک عظیم الشان نعمت ہے کہ جس پر جسقدر بھی اظہار مسرت اور شکرگذاری ہو وہ کم ہے۔ سیدہ صاری کے احوال کچھ تو والانامہ سے اور زیادہ تر مولانا کی زبانی معلوم ہوئے۔ دوسرے لوگوں کی غلط کاری سے صدمہ ہوا اور آپ کی استقامت اور خوش اسلوبی سے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸۹) واجب کرنے کے لیے۔ اور اسی طرح کسی حرام اور مکروہ کے ترک کرنے کے لیے استخارہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مشہور بات ہے "در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست"۔ سفر، تجارت اور نکاح وغیرہ کے متعلق استخارہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت امام العصر استخارہ کرنے کا حکم اپنے معتقدین کو اکثر فرمایا کرتے ہیں، تاکہ حکم نبوی کی تعمیل بھی ہو اور برکت در وشنی آدمی کے اندر پیدا ہو۔ اور یہی طریقہ سلف کا بھی رہا ہے۔ (دعا استخارہ) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ ۔ استخارہ کی اور ترکیبیں قول الجمیل اور ضیاء القلوب میں موجود ہیں۔

بہت زیادہ خوشی ہوئی، میں اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ وہ کریم کارساز آپ چاروں بھائیوں اور ان کے جملہ متعلقین کو تمام آفات دنیاویہ اور اخرویہ سے محفوظ رکھتا ہوا کامیاب و بامراد بنا دے اور ہمیشہ اپنی مرضیات پر چلائے، آمین۔ مولانا موصوف کا وہاں رہنا بہت ہی غنیمت ہے، انکے اخلاص وللہیت، اعلیٰ اخلاق وسچائی کو غنیمت کبری سمجھنا چاہیے، اور اس کی قدردانی سے استفادہ حاصل کرنا چاہیے جو کہ محض فضل خداوندی سے آپ کو حاصل ہوئی ہے۔ میں اور دوسرے بھائی ہمہ اہل سیدھاری کے لیے بھی دعا کرتا ہوں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۱۳۶

مولانا عبدالباری صاحب قاسمی، مبارکپور اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مجھکو یہ معلوم کرکے صدمہ ہوا کہ دارالعلوم کی موجودہ گڑبڑ کی وجہ سے آپ وہاں کے چندہ بند کرا رہے ہیں، اور تمام اطراف وجوانب میں اس امر کے لیے دورہ کر رہے ہیں، میں خیال کرتا ہوں کہ یا تو آپ کو خبریں غلط پہنچائی گئی ہیں یا کچھ غلط فہمی ہوئی ہے، یا یہ خبر ہی غلط ہے، بہرحال انتظامی معاملات میں کوئی فریق غلطی پر ہو یا دونوں غلطی پر ہوں، چندہ تو تعلیم علوم دینیہ کی بنا پر ہے، وہ بحمد اللہ علی اکمل الوجوہ جاری ہے، زید پڑھائے یا عمرو۔ اس لیے چندہ جاری رہنا ضروری ہے، اور اس کی ساکھ میں فرق نہ آنا چاہیے، اس لیے میں امیدوار ہوں کہ اگر آپ نے اس قسم کا کوئی اقدام کیا بھی ہے تو اس سے رک جایئے، اور خود جاکر وہاں بے طرف ہوکر تحقیقات کیجئے، یا میری آزادی پر موقوف رکھیے، واقعہ یہ ضرور ہے کہ اگر میں آزاد ہوتا تو غالباً یہ دلخراش واقعات نہ پیش آتے، یہ یقینی بات ہے کہ اس میں

حکومت کا ہاتھ ہے، اور خود غرض اور غلط کار لوگ اس کے اغراض پورا کرنے کے آلات بنے ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۱۴۷

مولانا شمس الدین صاحب مبارک پور اعظم گڈھ کے نام۔

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج مبارک۔ مولوی صاحب جونپور جبکہ میں ایک جلسہ کے سلسلہ میں تقریر کرنے جا رہا تھا، تو سڑک پر ملے، میں نے ان کو کہا کہ مکان پر چلیے میں ایک گھنٹہ کے بعد آؤں گا، مگر وہ وہاں نہیں گئے، اور جا کر کسی مسجد میں بھوکے سو گئے، صبح مجھکو سفر کرنا تھا، جب یہ حال معلوم ہوا، میں نے گھر پہنچ کر دریافت کیا تھا، اور کھانے کے وقت تلاش کیا تھا، مگر پتہ نہ چلا، مجھے اس کا افسوس ہے، ان سے معافی طلب کرتا ہوں[۵]،

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۱۴۸

میاں جی محمد یوسف صاحب مبارک پور ضلع اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف، آپ ذکر پر مداومت فرمائیں، اور جہاں تک ممکن ہو اپنے نفس اور قلب پر قابو رکھیں اور اگر بے قابو ہونے لگیں، تو درود شریف پڑھتے ہوئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور کریں، کاروبار معیشت کا

[۵] حضرت امام العصر کے اخلاق کا یہ ادنیٰ پرتو ہے کہ مہمان خود غلطی کر کے تکلیف کا مورد ہے اور الٹے حضرت ہی اس سے معافی چاہیں۔ اللہ اکبر یہ ہے خلق ابراہیمی اور یہ ہیں اللہ والوں کی شفقت کہ جس کو سمجھنا اور سمجھانا دشوار ہے۔

چھیڑنا بالخصوص جبکہ والدین ماجدین بیرانہ سالی میں ہیں اور ان کو ضروریات زندگی در پیش ہیں کسی طرح قرین عقل و مروت نہیں ہے۔ ان کی تابعداری اور خدمت گذاری نہ صرف فریضہ انسانی ہے بلکہ عبادت بھی ہے۔ نماز تہجد اگر ہو سکے فبہا ورنہ فرض نہیں ہے، سونے سے پہلے چار رکعت پڑھ لینا اسی نیت سے مبارک امر ہے۔ سوتے وقت اواخر سورہ کہف ۵ پڑھ لینا آنکھوں کے کھل جانیکا ذریعہ ہے

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۱۳۹

سید اسلم حسین صاحب رئیس نگرام۔ ضلع لکھنؤ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ اس وقت میرے سامنے آپکا والانامہ محررہ ۲۹ صفر ہے

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۸) درود شریف کے برکات پر مستقل کتابیں موجود ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا یہ فقرہ کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ وَجَدْنَا مَا وَجَدْنَا فرماتے ہیں ہم کو جو کچھ بھی ملا اسی درود شریف کی برکت سے حاصل ہوا، چنانچہ مشہور ہے، ہر مرض کی دوا، درود شریف" ہاں یہ واضح رہے کہ درود شریف کے اثرات اسی وقت ہوتے ہیں جب پڑھنے والا پابند شریعت اور بدعت سے دور ہو ورنہ بجائے خوشنودی کے الٹے آنحضرت صلعم کی خفگی اور ناراضی کا باعث ہوگا۔ پھر کہاں ٹھکانا ہوگا۔ ۵ سورہ کہف کی آخری آیات یہ ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۔ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ۔ ان کو پڑھکر کے دعا کیجئے کہ خدایا مجکو فلاں وقت جگا دیجئے۔ مجرب ہے۔

امور مسئولہ عنہا کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ فتوی اور تقوی مین فرق ہے. بحیثیت فتوی جو زمین مورث سے حاصل ہوئی ورثا کو آپس مین تقسیم کرنا حسب شرع ضروری ہوگا، اس کی تفتیش کہ مورث نے کل جائداد یا بعض جائداد جائز طریق پر حاصل کی ہے یا ناجائز طور پر ضروری نہیں ہے، اور اس کو حلال ہوگا کہ جو کچھ اس کا حق حصہ رسد پہنچا ہے اس میں مالکانہ تصرف کرے، اگر اس کے کسی حصہ میں یا سب میں مورث ناجائز طور پر مالک ہوا تھا وہ اس کا ذمہ دار ہے، ہاں اگر کسی مخصوص جائداد پر قطعی طریقہ پر علم ہو جائے کہ یہ جائداد حرمت صریحہ رکھنے والی ہے، کوئی صورت جواز کی نہین ہے تو البتہ وارث پر واجب ہوگا کہ مالک پر رد کر دے، ہمارے دیار کی مورثہ زمینوں مین بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ بہنون اور بیٹیون نے اپنے حصص کو بخوشی یا بخوف بدنامی معاف کر دیا ہے، اور ایسا بھی ہوا ہے کہ ان کے باپون اور بھائیون نے اپنے اوپر لڑکیون کے اس قدر مالی حقوق لازم کر لیے تھے جو کہ بہت مرتبہ ان کے حصص سے بھی مجموعی طور پر زیادہ ہو جاتے ہیں ظاہر ہے کہ شرعی طور پر بیٹی کو زیور، جوڑے، جہیز وغیرہ دینا اور ہر تیوہار اور ہر تقریب ولادت ختنہ خطبہ (منگنی) نکاح وغیرہ پر لڑکیون اور ان کی اولاد پر اخراجات عمل مین لانا شرعی حیثیت سے لازم نہیں ہے، اور دیار عربیہ میں اس پر عملدرآمد بھی نہیں ہے، بلکہ تقریباً تمام ممالک اسلامیہ مین اس کا وجود نہیں ہے، اگر کہیں پایا بھی جاتا ہے تو بہت کم. تو متقدمین بطور حساب دوستان در دل اس کو عمل میں لاتے ہین، لڑکیاں بھی اس کا احساس کرتی تھین، اور بھائیوں پر اپنے اس قسم کے حقوق لازم جان کر برابر مطالبہ کرتی تھین، اس قسم کے اور بھی بہت سے احتمالات ہین ان کے موجود ہوتے ہوئے مفتی قطعی طور پر فتوی نہیں دے سکتا کہ ہمارے اسلاف کی جائدادین حرام محض ہیں، ہاں البتہ بحیثیت تقوی جس مین دع ما یریبک الی ما لا یریبک کا ارشاد ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ممکن درجہ تک احتیاط برتی جائے اور دختری رشتہ دارون

میں سے جو موجود ہوں یا تو ان کا حصہ حسب فرائض دیا جائے یا ان سے معافی طلب کیجائے اور اسلاف کے لیے حسن ظن اور استغفار دونوں کو عمل میں لایا جائے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۱۴۰

مولانا محمد فہیم صاحب. نگرام، ضلع لکھنؤ کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خواب دونوں اچھے ہیں، انشاء اللہ فائدہ پہنچے گا، دلائل الخیرات، حزب البحر اور مناجات مقبول سب کی اجازت ہے جسمیں سہولت سمجھیں پڑھیں، تمام ادعیہ مطلوبہ کی اجابت کی دعا کرتا ہوں،

مزار پر جاکر جو ذکر ہمیشہ کرتے ہیں اس کو کرنا چاہیے، ان کی برکت سے اسمیں ترقی ہوگی،

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد۔ از دیوبند

مکتوب نمبر ۱۴۱

نواسہ ساجد حسین صاحب۔ محلہ میاں سرائے قصبہ سنبھل مرادآباد کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مبلغ ۱۲ کا منی آرڈر بھی موصول ہوا جو کہ حسب الحکم جہاں جہاں مناسب سمجھا گیا بطور صدقہ نافلہ دیدیا گیا، میں امیدوار ہوں کہ آئندہ اس کے تقسیم کا ثقل مجھ پر نہ رکھیں گے، بلکہ اپنی صوابدید سے سنبھل وغیرہ میں تقسیم کر دیا کرینگے، جو زمین لگان سے خریدی گئی ہے، اس میں عشر نہیں ہے، اگر بطور استحباب دیدیا جائے بہتر ہے جو لگان گورنمنٹ وصول کرتی ہے وہ حربی زمین میں کافی ہے، البتہ اگر اس کی آمدنی خواہ

غلہ ہو نقد بطور تجارت کام مین لائی جائے، اور اس پر سال گذر جائے تو اموال تجارتیہ کی زکوٰۃ کے طریقے پر زکوۃ واجب ہوگی۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۱۱ رمضان المبارک ۶۹ ھ

مکتوب نمبر ۱۴۲

محمد منشی صاحب، شو رُوکوٹھی، سرائے دانشمند خان، سبزی منڈی، دہلی کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آنجناب کسی غلطی مین نہ رہین، مین حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی اولاد مین سے نہیں ہون، حضرت کی اولاد کے لوگ رامپور مین اور خود دہلی مین خانقاہ مجددیہ مین موجود ہین، نیز میرے مرشد وآقا حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز ہین، انھون نے اگرچہ مجھکو چارون طریقون مین بیعت فرمایا تھا جن مین سے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ بھی ہے، مگر اصلی طریقہ اور عام تعلیم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی چشتیہ صابریہ کی تھی، بنا برین مین مناسب سمجھتا ہون کہ آنجناب حسب مرام کسی اور بزرگ کا قصد فرمائین، جو کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ العزیز سے روحانی اور جسمانی دونون نسبتین رکھتا ہو۔ یا صرف روحانی اور متبع شریعت اور ماہر طریقت ہو، میری ظاہری معذوری تو ظاہر ہے، باطنی حیثیت بھی نہایت گندی ہے، اور پھر اصلی مقصد جس کو آپ تلاش فرما رہے ہین وہ مفقود ہے، خان محمد صاحب کی خدمت اقدس مین بھی بعد از سلام مسنون یہی عرض پہنچا دیجئے، یہان اگر کوئی صاحب تشریف لائین بھی تو ملاقات نہیں ہو سکتی، معذوری ظاہر ہے۔ والسلام

دعاگو قدیم چراغ محمد غفرلہ

۱۲ جمادی الثانی ۶۳ ھ

مکتوب نمبر ۱۴۳

مولانا محمد طیب صاحب ساکن جلمل ڈاکخانہ بارہاٹ ضلع بھاگلپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مزاج شریف ۔ ڈاکٹری علاج میں کوئی حرج نہیں ہے ، ہاں اگر کسی دوا کے متعلق بالیقین یا بغلبۂ ظن یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ناپاک اور ناجائز ہے تو اس دوا کو استعمال نہ فرمایئے ، مطلق ڈاکٹری علاج میں کوئی مضائقہ نہیں حضرت شیخ الہند ڈاکٹر عبد الرحمٰن صاحب مرحوم وغیرہ کا علاج کرتے رہے ہیں ۔ والسلام ۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۱۴۴

مولوی عبد الحکیم صاحب مرحوم ، بھاگل پور (بہار) کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ آپ کی پہلی حالت کا تغیر غالباً کسی گناہ کا نتیجہ ہے ۔ جس سے استغفار کی ضرورت شدید ہے ۔ اس استغفار میں اس قسم کے الفاظ ہونے چاہیے ۔ اَللّٰھُمَّ اغفر ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما انت اعلم بہ منی یا کریم ۔ ان الفاظ کے معانی کا خیال کرتے ہوئے ، علاوہ ان الفاظ استغفار کے جو آپ کے لیے بتائے گئے تھے جس قدر ممکن ہو روزانہ کر لیا کریں ۔ علی الاقل سو مرتبہ تو ضرور ہو جایا کرے ۔ جبکہ آپ کو ضعف دماغ تھا ، اور ذکر بالجہر پر آپ قادر نہ تھے ، تو اس وقت کیوں نہ فرمایا کہ میں کوئی دوسرا ذکر بتاتا ، غالباً میں نے آپ کو پاس انفاس بتایا تھا آپ اس پر عمل کریں ۔

والسلام ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۱ ر ذیحجہ ۵۲ھ

مکتوب نمبر ۱۴۵

میرے محترم! اس ذلیل و خوار عالم دنیا مین اگر مستحق لذت و راحت ارباب خیر و تقویٰ ہوتے تو سب سے زیادہ منعم اور غنی اور راحت مین بسر کرنے والے انبیاء علیہم الصلوٰۃ ہوا کرتے، مگر ان ہی کی پاک زندگی کو دیکھئے، وہ سب سے زیادہ تکالیف شاقہ مین نظر آتے ہین، پس ان تکالیف سے گھبرانا نہ چاہیے اور نہ حرف شکایت زبان پر لانا چاہیے بلکہ شکر کرنا چاہیے، کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو وہ چیز عطا فرمائی ہے جو اپنے انبیاء اور خاص خاص اولیا کو عطا فرمائی ہے، اور باوجودیکہ اس کی قدرت مین اس مصیبت سے بڑھکر عظیم الشان مصائب تھین مگر ان سے محفوظ رکھا، اور ایک چھوٹی مصیبت مین مبتلا کیا اور بالفرض شکر نہ کریں تو کم از کم صبر تو ضرور ہی کریں، جزع فزع شکایت شکوہ سے بچین، دل اور زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر مین ہر وقت مشغول رکھیں، اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ گناہوں کی خواستگاری ملحوظ نظر رکھیں، غیر اللہ خواہ وہ زن فرزند ہی کیوں نہ ہوں، ان کو دل مین جگہ نہ دین، دل مین جگہ اللہ تعالیٰ اور صرف اللہ تعالیٰ کو دینی چاہیے، اس کے سوا کوئی بھی دل لگانے کے قابل نہیں ہے، ہاں حقوق سب کے ادا کرتے رہیں، اور سب کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں، سب کا متکفل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ،

(حاشیہ مکتوب نمبر   ) حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے عجیب عارفانہ وحکیمانہ نکتہ ارشاد فرمایا ہے، کہ "باوجودیکہ اس کی قدرت مین اس مصیبت سے بڑھکر عظیم الشان مصائب تھین، مگر ان سے محفوظ رکھا اور چھوٹی مصیبت مین مبتلا کیا" اگر آدمی کی نظر اسی بات پر مستحکم ہو جائے تو مصیبت مین بھی معرفت خداوندی کے ساتھ خدا سے لگاؤ مین لطف آنے لگے اور مقام وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ مین پھر کوئی گنجلک نہ رہجائے اور ساری محبتین عارضی ہوکر رہ جائین۔ دوسری

مکتوب نمبر ۱۴۵

مولانا عبدالرؤف صاحب پشاوری امام جامع مسجد منصور پور ضلع مظفر نگر کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ مراقبہ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ یعنی مسمی ذات مقدسہ بلاکیف وکم کما یلیق بشانہ مع غایۃ التعظیم والجلال قلب میں موجود ہے۔ اس میں جس درجہ ممکن ہو جاری جدجاری رکھیے۔ ذکر اسم کو بھی اسی کا وسیلہ کیجئے۔ ؎

ہر آں کو غافل از وے یک زمان است ہماں دم کافرست اما نہاں است

مبادا غافی پیوستہ باشد در اسلام بروے بستہ باشد

مراقبہ میں لذت کا محسوس ہونا بہت امید افزا ہے۔ اللہم زد فزد۔ مگر مقصد اصلی وہی ذات

(بقیہ حاشیہ ص ۳۹۸) جو چیز اس امام شریعت وطریقت نے حل فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ قرب خداوندی اور خوشنودی باری کی دلیل مصائب وتکالیف کا بنصب پڑتا ہے۔ چنانچہ رنج وغم، تکلیف ومصیبت، بیماری اور فقرو فاقہ حتی کہ اللہ کی راہ میں معمولی سا کانٹا بھی چبھتا ہے، وہ بندے کے گناہوں کا کفارہ اور قرب خداوندی کا سبب ہوتا ہے۔ بقول حضرت ابراہیم خواصؒ مصائب پر صبر کرنا نام ہے کتاب وسنت پر ثابت قدمی کا اور جب یہ چیز حاصل ہو گئی تو مصیبت خود ایک بڑی نعمت بن جاتی ہے جو نادانی سے کچھ اور سمجھ لی گئی ہے۔ اسی عام غلط فہمی کو حضرت امام العصر نے دور فرما کر ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا ہے۔ اور خدا سے اتنا قریب کر دیا ہے کہ جس طرح ذکر اور کثرت نوافل سے بندہ زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کر لیتا ہے، مصائب وآلام کے وقت ملحد اور بے دین تک کو دیکھا گیا ہے کہ آخر میں خدا ہی کو یاد کرتا ہے۔ دریاؤں میں جب گھر جاتا ہے اور خشکی میں جب بگڑ جاتا ہے تو سوائے خدا کوئی اور یاد نہیں آتا۔ آخر یہ یاد کیا چیز ہے، وہی نا کہ خدا، اللہ، رحمن، رحیم کی ذات یاد ہو کچھ۔ جو ٹوٹا ہوا تھا آخر کر جڑا تو اسی سے جس سے جڑنا چاہئے تھا، اور جس کو دنیا کی کوئی طاقت اور وعظ قریب نہ کر سکا۔ اس کو مصیبت نے بالکل قریب کر دیا۔ تل کے اوٹ میں پہاڑ، اور مصیبت کے پردہ میں قرب۔ عجیب فلسفہ ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔

فاطر السمٰوٰت والارض اور اس کی رضا ہونی چاہیے اور بس نہ لذت اور نہ کوئی مرتبہ ولایت قطبیت وغوثیت وغیرہ

دنیا و آخرت را بگذار حق طلب کن کاین ہر دو لولیاں را من خوب می شناسم

والدہ صاحبہ کو صبح وشام تسبیحات ستہ بتلا دیجئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۱۴۶

مولانا سید انظار احمد صاحب قاسمی دہلوی کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ احوال معلوم ہوئے پاس انفاس کا جاری ہونا مبارک ہو۔ اس کا خیال رکھیے چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، کھڑے غرضکہ ہر وقت میں خیال رہے، آپ جس وقتِ خصوصی میں اس کی مشق کرتے تھے، اس میں ذکر قلبی شروع کر دیجئے۔ اس میں زبان کو حرکت نہیں دیجائیگی، نہ سانس کی طرف توجہ کیجائے گی، بلکہ قلب سے تلفظ اللہ نکالا جائے گا، یعنی یہ خیال باندھا جائے گا کہ قلب جو کہ بائیں پستان سے چار انگل نیچے واقع ہے اور جہاں ہر وقت دھڑکن محسوس ہوتی ہے، یہاں سے یہ اسم مقدس نکل رہا ہے، اور اسی کو شمار کرتے جائیے، ایک مجلس میں یا چند میں، اولاً دن رات میں دو ہزار بار کیجئے، اور پھر آہستہ آہستہ بڑھا کر پانچ ہزار تک کر لیجئے، سانس کا ذکر جاری ہو تو اس کو بند نہ کیجئے، اس کو جاری ہونے دیجئے، مگر قلب کا ذکر بالخیال جاری کیجئے، اور یہ تصور سامنے رہے کہ قلب کا مقصود اور محبوب حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ بے چینیا ہو کر اس کو یاد کر رہا ہے، "من احب شیئاً اکثر ذکرہ" باقی اعمال حسب دستور جاری رہیں۔ اگر

صبح سے پہلے آنکھ نہیں کھلتی ہے تو سونے سے پہلے بہ نیت تہجد جس قدر نوافل ہو سکیں پڑھ لیا کریں، وقت غنیمت سمجھیں اور ذکر میں تکاسل نہ کریں ۔ ع من نہ کردم شما حذر بکنید۔

والسلام ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ،

مکتوب نمبر ۱۴۷

مولانا حمید الدین صاحب سابق شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نام

"چنانکہ سلاطین ذوی الاقتدار ساحت شعار اموال نذر و نیاز را در مخارج خاصہ خود صرف نمی نمایند بلکہ در مخارج سایر اہل عزت و افتخار مثل شاہزادہ ہائے عالی مقدار و امرائے کبار تجویز بدل نمی فرمایند۔ بلکہ مصارف این اموال نزد ایشان ذوی الحاجات و انعامات اند وبس ہمچنین حضرت ملک الاملاک اموال زکوٰۃ را بر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کہ مخارج آنجناب فی الحقیقت از مخارج خاصہ حضرت رب الارباب است و بر سائر بنی ہاشم کہ علاقہ اخوت و بنوت بآن جناب می داشتند تحریم فرمودہ مصارف آن اموال از ذوی الحاجات معین نمودہ پس کسانیرا کہ برایشان صدقات تحریم فرمودہ اند عزت و افتخارے حاصل شدہ کہ شکران ہیچ زبان ادا نمی توانند کرد اگر فقط در مقابلہ ہمین نعمت صدہا انواع عبادات و ہزارہا اقسام طاعت بجا آرند ایشان را می سزد و نسبت مقابلہ مثل این نعمت عظمیٰ بکفران وارتکاب عصیان بکدام پایہ می رسند"[1] (صفحہ ۹۳ صراط مستقیم، ملفوظات حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ)

---

[1] عبارت صراط مستقیم کا مفہوم درج ذیل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح بڑے بڑے سخاوت پیشہ بادشاہ نذر و نیاز کے مالوں کو نہ اپنے ذاتی خرچ میں لاتے اور نہ دوسرے معزز لوگوں جیسے شہزادگان اور امرا کرام پر صرف فرماتے ہیں۔ بلکہ ان مالوں کا مصرف ضرورت مند ہی اور انعام و اکرام ہی تک محدود رہتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مال زکوٰۃ کو اپنے پیغمبر اور

باقی ص ۴۰۲ پر)

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، ابوعصمہ کی روایت کو تم اس زمانہ میں ترجیح دینا مناسب سمجھتے ہو ، اسماء رجال میں ابوعصمہ کو غیر معتبر شمار کیا گیا ہے، فقہا اس روایت[1] کو خود شاذ لکھتے ہیں ، جو علت اس روایت کی ذکر کی گئی ہے وہ خمس سے بنی ہاشم کا محروم ہو جانا ہے جس کا سبب بیت المال کا فساد ہے، مگر یہ تعلیل نص کے معارض ہے، نص میں اسکو اوساخ ناس کہا گیا ہے، روایات صحیحہ دیکھو ، کیا محتاج سے محتاج کے لیے اوساخ کھانا کوئی صاحب عزت و مروت جائز کریگا ؟ مضطر کے لیے تو میتہ بھی حلال ہے ، مگر بحث غیر مضطر میں ہے ، پس یہ تعلیل جو اس فتوی کی بعض متاخرین ذکر کرتے ہیں اور خود اس روایت کی وجہ امام سے کتب میں دکھائی گئی ہے ، قابل اعتماد نہیں ، ہم اگر اس سے قطع نظر کریں تو بھی بنی ہاشم اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت فقر و فاقہ آج کل کے فقراء بنی ہاشم سے دنیاوی معیشت کی حیثیت سے بہت زیادہ گری ہوئی تھی ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا چکی پیسنا جس سے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۱) تمام بنی ہاشم پر صرف کرنا بسبب رشتہ آنحضرت صلعم حرام قرار دیدیا ہے ، کیونکہ آنحضرت صلعم کے مصارف حقیقتاً مصرف خاص اللہ تعالیٰ کے مانند ہیں ، لہذا ان امور کا صحیح مصرف حاجتمندوں کو قرار دیدیا ہے ، پس جن لوگوں پر صدقات ناجائز قرار دیدیا ہے یہ عین انکی عزت افزائی کا باعث ہے جس کا شکریہ کسی زبان سے ادا نہیں ہو سکتا ، اگر اسی ایک نعمت کے عوض سیکڑوں عبادتیں اور طرح طرح کی نیکیاں بجا لائی جائیں تو سزاوار ہے اور اس نعمت غیر مترقبہ کے مقابلہ میں کفران نعمت اور گناہوں کے ارتکاب کا انجام بھی سوچ لیا جائے۔

[1] ابوعصمہ کی اس روایت کے متعلق علامہ بحر العلوم ارکان میں فرماتے ہیں" وقد افتی بعض المتاخرین بہذا الرأی وہذا اکبر خطاء وغلط لانہ مخالف للنصوص القاطعۃ" ۔ کیونکہ ابوعصمہ کے متعلق اسماء رجال میں بھی جرح موجود ہے ، چنانچہ ، امام بخاری ، ابن معین ، دارقطنی ، ابوحاتم ، مسلم ، دولابی ، ابوعلی وغیرہم ذاہب الحدیث ، منکر الحدیث کذاب اور یضع وغیرہ کے الفاظ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں ،

ہاتھون میں گھٹے پڑ جاتے، پانی بھرنا جس سے کندھون پر گھٹے پڑ جاتے اور اس وجہ سے خادم طلب کرنا اور پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو خادم نہ دینا احادیث مین مذکور ہے. کتاب اللقطہ مین فاقون پر گذران کرنا اور دینار لقطہ پانا وغیرہ مذکور ہے جس سے انکی تنگی معیشت کی انتہائی حالت معلوم ہوتی ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا پوستین پہنکر فاقہ سے تنگ ہوکر نکلنا اور یہودی کے باغ مین ایک ایک کھجور پر ڈول بھرنا وغیرہ اسقدر واقعات ہین کہ جن کو اگر دیکھا جائے کہ خود زمانہ سعادت مین آجکل کے فقر و فاقہ سے نہایت زیادہ سخت حالت بنی ہاشم کی معلوم ہوتی ہے، مگر اس وقت مین اجازت نہین دی گئی. اس لیے سمجھ میں نہیں آتا کہ آج اس پر فتوی دیکر مقابلہ نصوص کیونکر کیا جائے اور ظاہر الروایات اور احادیث صحیحہ کو ترک کیا جائے اور اگر بالفرض ایسا کرنا ہی ہے تو صدقات نافلہ کی اجازت دیجانی چاہیے، اور اگر ضرورت ہی ہو تو تملیک کا طریقہ کیون نہ اختیار کیا جائے، صراط مستقیم کی عبارت کو مین اسی واسطے پیش کر رہا ہون تاکہ سمجھ مین آئے کہ کتنی عظیم الشان نعمت بارگاہ الٰہی سے بنی ہاشم کو عطا کی گئی ہے، اس کے ہوتے ہوئے ہزار فاقہ بھی تحمل کیے جا سکتے ہین، ہان اگر حالت شرعی اضطرار کو پہنچی ہو تو البتہ بمقدار اضطرار مثل میتہ اجازت ہوگی۔

ہماری مدت اسارت قاعدہ سے ۲۶ جنوری کو ختم ہونی چاہیے، مگر مین نے مشقت لے لی تھی، اس بنا پر حسب قاعدہ تقریباً ایک ماہ کی تخفیف ہو سکتی ہے یعنی ۲۶ دسمبر تک چھوٹ سکتا ہوں، مگر دوران اپیل مین پہلے دفعہ ۱۲۹ لگی تھی اور پھر دفعہ ۲۶ سے بدلی گئی یہ دونون نظربندی کی ہین، پہلی فقط مقامی حکومت کے زیر حکم ہوتی ہے جس میں دو مہینہ تک نظر بند کیا جا سکتا ہے، اور دفعہ ۲۶ گورنمنٹ آف انڈیا کے زیر حکم ہوتی ہے جسمیں جنگ کے

اختتام تک نظر بند رکھا جا سکتا ہے، عموماً کانگریسیوں کی دفعہ یہی ہے، اس بناء پر نہیں کہا سکتا کہ کب رہائی ہو گی۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ

مکتوب نمبر ۱۴۸

مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب صدر القراء دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کے مندرجہ ذیل کلمات صدمہ کے باعث ہوئے۔

"یہ غلام ناکارہ جو کہ حضرت کی خدمت سے باوجود اس علم کے کہ حضرت والا کی خدمت اس نالائق پر فرض وباعث فلاح دارین ہے، یکسر عاری ہے، بمد خداوندی دس روپے کی تہا حقیر رقم حضرت والا کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ اور نادم ہے کہ خدمت پیرا دربایں رقم حقیر اور اپنے حال پر افسوس کرتا ہے"۔ الخ

اس سے معلوم ہوا کہ تعلقات بین المرید والمرشد خدمات مالیہ کے لیے ہیں، جن میں زیادہ سے زیادہ قربانی کی ضرورت ہے، حالانکہ یہ بالکل خلاف ہے، اگر آپ کا یہی خیال ہو تو نہایت افسوس کی بات ہے، اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو ان مشائخ کے لیے ہو سکتا ہے جو کہ محض توکل کی زندگی بسر کرتے ہیں، اور ذرائع معاش سے خالی ہوں، نہ کہ اس شخص کے لیے جو کہ سگ دنیا ہو، علوم دینیہ پر اجرت لیتا ہو، اور اجرت بھی اتنی بڑی جو کہ تقریباً پانچ سو روپیہ ماہوار ہوتی ہے، ایسے شخص کو مرشد بنانا ہی غلط ہے، کاش آپ بجائے اس کے اپنے ذکر وشغل کی بلند حالتیں ذکر فرماتے تو بہت خوشی کی بات

ہوں، دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں ۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد ۲۹ رمضان ۱۳۶۹ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۸) امام العصر دامت فیوضہم کا یہ والانامہ بھی اپنے اندر غیر معمولی معنویت رکھتا ہے، اور عہد حاضر کے دکاندار اور پیری مریدی کا ڈھونگ رچانے والے دلالوں اور مکاروں پر ایک شدید تازیانہ ہے، جو نہ علم دین اتنا جانتے کہ مدارس دینیہ میں اس کی خدمت کر سکیں اور نہ علم دنیا کہ اسکولوں اور کالجوں میں پیٹ پالیں، ان کی مثال دھوبی کے اس کتا کی ہے جو نہ گھر کا اور نہ گھاٹ کا۔ باقی صحیح توکل، قناعت اور ایثار کی زندگی، سادگی اور بے نفسی، علم وعمل میں جامعیت اور کمال حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کا پیکر، خُلق نبوی کی جیتی جاگتی تصویر، اعلاء کلمۃ الحق اور حریت جہاد میں سلف کا کامل ترین نمونہ، جو سچے مشائخ اور شیخ کامل کی علامت وپہچان ہے، حضرت امام العصر کے سوا ان کے معاصرین میں من کل الوجوہ کس پر یہ تعریف صادق آتی رہی ہے؟

مگر زمانہ کی ستم ظریفی کہ دنیاوی کاموں اور جسمانی امراض کے لیے اپنے مقدور بھر اچھے وکیل ومختار اور تجربہ کار طبیب و ڈاکٹر کی تلاش ہوتی ہے اور اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور پھر آنکھ بند کرکے اس کو آمنا وصدقنا کہا جاتا ہے لیکن طبیب روحانی کے لیے اچھے مشائخ اور کامل مرد کے ہوتے ہوئے تھرڈ کلاس کے نام نہاد جن کا مبلغ علم اردو کی کتابوں ہی تک محدود ہے اور عربی کی اتنی استعداد نہیں کہ متقدمین صوفیہ کی کتابوں کو سمجھ سکیں، عربی بولنا اور لکھنا تو ان کی اس زندگی میں ممکن ہی نہیں، سو اگر ایسوں کو پیر بنایا گیا تو یقیناً وہی حشر ہوگا جو مشہور ہے "نیم حکیم خطرہ جان اور نیم ملا خطرہ ایمان"۔ پیر کی تلاش کے واقعات فارسی تذکروں وغیرہ میں بہت سے موجود ہیں، ممکن ہے لوگوں کو فرصت نہ ملے اس لیے ہم ایک زبردست اور ثقہ شہادت جو الحمد للہ پیر اور مرید دونوں بقید حیات ہیں اور خدا کرے تا دیر باقی وقائم رہیں اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں تاکہ عبرت کیساتھ بصیرت بھی ہو، وہو ہذا:

عمدۃ القراء مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مدرس دار العلوم دیوبند کے والد بزرگوار سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی دامت برکاتہم کو خاص تعلق تھا، اس لیے حضرت مدنی کا آنا جانا بھی ہوا کرتا تھا، قاری حفظ الرحمٰن صاحب کو بھی اس تقریب سے تعلق تھا، گو وہ عقیدت کے درجہ تک نہ تھا۔ اور حضرت کے علم واخلاق کے اعتراف کے باوجود سیاسی

(باقی ص ۴۰۶ پر)

مکتوب نمبر ۴۹

مولانا عزیز الرحمن صاحب علیم آباد نمرولی ضلع دربھنگہ ڈاکخانہ مکتول کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ باعثِ سرفرازی ہوا، اور جماعت پنجگانہ کی پابندی اور اس میں چستی باعثِ فرحت و سرور ہوئی۔ اللّٰھم زد فزد۔ خطرات اور وساوس قلبیہ اور احادیث نفس طبعی امور ہیں۔ شیطان اس میں بہت غلو رکھتا ہے، کثرتِ ذکر اور قلبی توجہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۵) مشاغل زیادہ تر دینی حدود کے اندر رہا کرتی تھی، چونکہ مزاج میں آزادی تھی، اس لیے دار العلوم میں رہتے ہوئے بھی اکابر کی خدمت میں حاضری کا بہت کم اتفاق ہوتا تھا، اور اصلاح نفس کا خیال تو آتا ہی نہ تھا، چند سال بعد پیر کی تلاش کا جذبہ دل میں پیدا ہوا، مگر کسی بزرگ کی جانب طبیعت کا میلان نہیں ہوا، اہل بادی خدا کو یقین کر کے اپنے طیر پرواز کا رشروع کر دیے اور راتوں کو نفلوں میں یہ دعا کرنے لگے۔ کہ اے اللہ! اگر بلا مرشد کے میرے حال کی اصلاح ہوجائے تو مرشد کی ضرورت نہیں اور اگر مرشد کی ضرورت تو میرے لیے سمجھتا ہے تو پھر میرے لیے ایسے مرشد کا انتظام فرما جو کہ رشد و ہدایت اور علو مرتبت میں تمام عالم کے اندر فائق ہو۔ یہ دعا تقریباً آٹھ سال جاری رہی جس وقت حضرت مولانا مدنی جیل میں تھے، ایک رات خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگ کر قاری صاحب سو گئے۔ خواب میں کیا دیکھا کہ موصوف مع اپنی اہلیہ کے کسی غیر معلوم جگہ سفر فرما رہے ہیں، اتفاقاً وہ جگہ مدینہ منورہ تھی، موصوف نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنا ضروری ہے، پھر بلند آواز سے کسی اور کے درود شریف پڑھنے کی آواز سنائی دی، چنانچہ جوں ہی بردروازہ کے قریب پہنچے آنحضرت صلعم بلا اطلاع تشریف لائے اور اپنے سینۂ مبارک سے چمٹا لیا۔ قاری صاحب پر گریہ طاری تھا، اور یہ درود اللّٰھم صل وسلم وبارک علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد کما تحب او ترضی دس مرتبہ کے بعد نماز کے بعد وہ بھی ایک مرتبہ جاری تھا، خواب کا یہ سلسلہ ایک گھنٹہ سے زائد تھا، موذن نے فجر کی اذان دی اور آنکھ کھل گئی، دل نے دعا کی قبولیت پر گواہی ثبت کی کہ انشاء اللہ رہبر کامل عنایت کیا جائے گا۔

(باقی ص ۴۰۷ پر)

دل معانی الذکر اس کے دفعیہ کے لیے تریاق ہیں، ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض له شیطاناً فهو له قرین ۔ بہرحال ذکر پر مداومت کیجئے ۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۶) دوسرا خواب یہ دیکھنے میں آیا کہ اس پہلے خواب کے دو تین دن بعد جمعہ کا دن ہے سب سے پہلے جامع مسجد میں قاری صاحب موصوف داخل ہوئے، کیا دیکھا کہ وسط صحن میں ایک بڑا تخت ہے اور اس پر مولانا مدنی کلام مجید تلاوت فرما رہے ہیں، دیکھتے ہی حضرت مولانا مدظلہ کھڑے ہو گئے، قاری صاحب بھی جلدی سے آگے بڑھے، حضرت مولانا مدنی نے اپنے سے چمٹا لیا اور وہی کیفیت پیدا ہو گئی جو کہ پہلے خواب میں مذکور ہوئی، پھر آنکھ کھل گئی اور دل نے حقیقی طور پر محسوس کیا کہ تمام شرائط کے مطابق بیعت فرما لیا گیا اور یہ سلسلہ رویا صالحہ ایک دو روز کے وقفہ کیساتھ جاری رہا، آنکھیں کھل گئیں اور اب جذبۂ شوق کی بے پایانی حیطۂ تقریر و تحریر کی باہر ہے اسوقت مولانا مدنی اسلام پر مستکے لیے نینی جیل میں تھے، اس لیے حضرت کے خادم خاص کو اپنے حصول بیعت کیلیے قاری صاحب نے وسیلہ بنایا جنھوں نے خط لکھا اور شدید انتظار کے بعد جو جواب حضرت امام العصر سے شرف صدور ہوا یہ تھا کہ اس سے کہدو کہ کوئی کامل پیر تلاش کرلے میرے پاس کیا رکھا ہے، اس جواب سے خرمن امید پر بجلی گر گئی، پھر درخواست دی کہ معافی کا خواستگار ہوں بیعت فرمائی جائے، جواب آیا جیل سے بیعت نہیں ہوسکتی"۔

پھر تیسرا خواب قاری صاحب نے یہ دیکھا کہ ایک کمرے میں سوئے ہوئے ہیں جسمیں قدآدم تختے جڑے ہوئے ہیں، ایک رکعت نماز ادا کر کے دوسری رکعت کیلیے اٹھے کہ پاؤں کے نیچے کا ایک تختہ ٹوٹ گیا، اس میں گر کر گردن ایسی پھنسی کہ نکلنا دشوار تھا، دفعتاً ایک بزرگ نے آکر سنبھال دیا، نماز پوری کرلی تو دیکھا کہ وہ حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی تھے، نظر پڑتے ہی حضرت نے تیز لہجہ میں فرمایا چلو بیعت ہو، چنانچہ حضرت نے قاری صاحب کے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان لیکر بیعت فرمایا، پھر ارشاد ہوا کہ کچھ بیان کرو، ایک بڑے مجمع کے سامنے قاری صاحب نے زبردست تقریر شروع کردی، اور ان تمام باتوں کی تردید بھی کرتے جاتے تھے جو بعض ناعاقبت اندیش برنائے تعصب و جہالت کیا کرتے ہیں، تقریر کا یہ سلسلہ تقریباً دو گھنٹہ رہا، اور پھر آنکھ کھل گئی، تمام حجابات اٹھ گئے چنانچہ سب سے اشرف و ارفع پیر کی تصدیق خانۂ دل میں جاگزیں ہو گئی، فللہ الحمد والمنۃ ۔ اس باطنی بیعت کے بعد ظاہری بیعت بھی ۱۹ رمضان المبارک ۶۲ھ یوم پنجشنبہ ۹ بجے دن دیوبند آستانۂ مدنی پر حاصل ہوئی جبکہ حضرت والا جیل سے تشریف لائے تھے۔ (باقی ص ۴۰۸ پر)

علاوہ ان تسبیحات ستہ[۵] کے پاس انفاس کیجئے، یعنی محض سانس کے ساتھ بغیر حرکت زبان و حرکت ہونٹھ بلا آواز یہ ذکر آیندہ ہوا کرے، یعنی جو سانس اندر داخل ہو اس کو اس طرح کھینچئے کہ لفظ اللہ پیدا ہو، اور جو سانس باہر نکلتا ہے اس طرح نکالیے کہ لفظ ھُو پیدا ہو، زبان کو اس وقت میں تالوسے لگالیا کیجئے تاکہ اس میں حرکت نہ ہو، سانس حسب عادت نہ تو زور زور ہو کہ کوئی سن لے اور نہ جلدی جلدی ہو، روزانہ باوضو قبلہ رو مسجد میں یا مکان میں علاحدہ بیٹھکر تقریباً ایک گھنٹہ اس ذکر کو کیا کیجئے، جو وقت مناسب اور فرصت کا ہو اس کو معین کر لیجئے، اور برابر اس پر مداومت رکھیے، اگر اس وقت پر کسی روز مجبوراً نہ کر سکیں تو اس روز کسی دوسرے وقت میں حتی کہ پاخانہ پیشاب کرتے ہوئے بھی سانس کو اسی طرح جاری رکھیے تاآنکہ عادت ہو جائے اور بغیر قصد ہونے لگے، کثرت اوراد مبتدی کیلیے مفید نہیں، اس کو تو ذکر کی کثرت کرنی ازبس ضروری ہے۔ والامر الیکم

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۷) قاری حفظ الرحمن صاحب محترم کا خواب میں آنحضرت صلعم کی زیارت سے اس طرح مشرف ہونا بڑی قسمت ہے، یہ خواب حق ہے، صحاح میں یہ روایت موجود ہے "من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل بی" (او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام) یعنی آنحضرت صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس شخص نے مجھکو خواب میں دیکھا گویا اس نے مجھی کو دیکھا، اس لیے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا، قاری صاحب موصوف کی طلب صادق قدم صدق کا پیش خیمہ ہوئی، اور آنٹھ سالہ پیر کی تلاش ٹھکانے لگی، اور واقعی ایسا پیر عنایت کیا گیا کہ جو خانہ ساز سکہ نہیں کہ خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہو، بلکہ ایسا سکہ جس پر شاہی مہر ثبت ہو چکی ہو ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا | ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

[۵] تسبیحات ستہ یہ ہیں جو بعد نماز فجر و بعد نماز مغرب پڑھی جاتی ہیں، سبحان اللہ سو بار، الحمد للہ سو بار، لا الٰہ الا اللہ سو بار، اللہ اکبر سو بار، استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ سو بار، اللھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ و بارک و سلم کما تحب و ترضیٰ و عدد ما تحب و ترضیٰ سو بار

میں ہر منزل کے ساتھ اسماء حسنہ اور اسماء جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں ہیں بلکہ صرف دوشنبہ کی منزل میں ہیں ،

ترمذی شریف جلد ثانی کتاب الدعوات میں قرآن شریف کے حفظ ہونے کی ایک نماز اور دعا ذکر کی گئی ہے [۱] حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی شکایت کی تھی اس پر آپ نے یہ طریقہ بتلایا تھا اس سے ان کو بہت فائدہ ہوا، شراح حدیث اس پر اپنا تجربہ ذکر فرماتے ہیں اس پر آپ بھی عمل کریں ۔ والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۴ رجب ۵۹ھ

[۱] حفظ قرآن مجید کی نماز اور دعا یہ ہے کہ جمعرات کی آخر رات کی تہائی یا وسط یا اس رات کے اول میں چار رکعت نماز اس طرح پر ادا کیجائے کہ پہلی رکعت میں بعد سورہ فاتحہ سورہ یٰسین اور دوسری میں بعد فاتحہ سورہ حٰم الدخان اور تیسری میں بعد فاتحہ سورۂ الم تنزیل السجدہ اور چوتھی میں بعد فاتحہ سورہ تبارک المفصل پڑھی جائیں ۔ پھر تشہد پڑھکر خدا کی ثناء وصفت اور درود شریف پھر تمام انبیاء مومن اور مومنہ اور ان بھائیوں کیلئے جو گذر گئے ہیں بخشش طلب کیجائے ۔ بعد سلام یا نماز ہی کے اندر یہ دعا پورے اطمینان وسکون کے ساتھ پڑھی جاوے ۔ اللھم ارحمنی بترک المعاصی ابدا ما ابقیتنی وارحمنی ان اتکلف ما لا یعنینی وارزقنی حسن النظر فیما یرضیک عنی اللھم بدیع السموٰت والارض ذالجلال والاکرام والعزۃ التی لا ترام اسئلک یا اللہ یا رحمٰن بجلالک ونور وجھک ان تلزم قلبی حفظ کتابک کما علمتنی وارزقنی ان اقرأہ علی النحو الذی یرضیک عنی اللھم بدیع السموٰت والارض ذالجلال والاکرام والعزۃ التی لا ترام اسئلک یا اللہ یا رحمٰن بجلالک ونور وجھک ان تنور بکتابک بصری وان تطلق بہ لسانی وان تفرج بہ عن قلبی وان تشرح بہ صدری وان تغسل بہ بدنی لا یعینی علی الحق غیرک ولا یؤتیہ الا انت ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ حضرت ابن عباسؓ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پانچ یا سات جمعرات کے بعد آنحضرت صلعم کی خدمت میں تشریف لاکر بیان کیا کہ اس نماز اور دعا کے پہلے میں ۴ آیات بھی محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا ، اور دل سے جاتی رہتی تھیں اور اب تجھ اللہ چالیس کے قریب سیکھتا ہوں اور وہ اس طرح دل میں محفوظ ہو جاتی ہیں گویا قرآن میرے سامنے کھلا رکھا ہے اور یہی حال احادیث کا بھی تھا اور ہے آنحضرت صلعم نے سنکر فرمایا اے ابو الحسن تو مومن ہے رب کعبہ کی قسم ۔

مکتوب نمبر ۱۵۰

بیں میں جواب لکھ رہا ہوں، پاس انفاس پر مداومت کیجئے تاآنکہ طبیعت ثانیہ ہو جائے، چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے، لیٹے اُٹھے غرضکہ ہر حال میں خواہ وضو ہو یا نہ ہو۔ بدن میں لرزہ پیدا ہونا بہترین علامت ہے نیز دنیا اور اہل دنیا سے بے رغبتی اور نفرت بھی عمدہ بات ہے، اللھم زد فزد۔ اپنے آپ کو ریل یا کسی دوسری تیز سواری پر دیکھنا بھی عمدہ بات ہے، ہرگز ہرگز ذکر میں کمی نہ کیجئے اور جس قدر بھی زیادتی اور مداومت ہو سکے غنیمت سمجھیے ؎

ہر نفس بہرت مسیحا ئیست چست	گر نداری پاس او را از جہل تست
این چنین انفاس خود ضایع مکن	غفلت اندر شہر جان شایع مکن
دیگرے جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضایع است	جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق	علمیکہ راہ حق نہ نماید جہالت است

اے عزیز! عمر عزیز کا لمحہ لمحہ غنیمت ہے، اور جواہرات بے بہا سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی میں خرچ کیجئے، الا انبئکم بخیر اعمالکم وازکاھا عند ملیککم وارفعھا فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذھب والفضۃ وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتقتلوھم ویقتلونکم قالوا بلیٰ یا رسول اللہ قال ذکر اللہ۔ (الحدیث) اس سے غافل ہرگز مت ہوجئے ع من نکردم شما حذر بکنید۔

جنہیا قرآن شریف پر جو آفت آئی اس سے صدمہ ہوا، مگر مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں، مقویات استعمال کیجئے۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا، میں دعا کرتا ہوں، مدرسہ کے لیے دعا کیجئے، اگر ہو سکے تو یا بدیع العجائب بالخیر یا بدیع روزانہ بعد عشاء بارہ سو بار مرتبہ اول و آخر درود شریف ۱۱ مرتبہ پڑھ کر دعا کیجئے، اگر گھر جانا اور کاشتکاری کرنا بعد از استخارہ سات مرتبہ مرغوب طبع ہو تو اسی کو

اختیار کیجئے۔ دیہات میں جمعہ نہیں ہوتا۔ اگر اختلاف اور فسادات رونما ہوں تو پڑھ لیا کیجئے، مگر پڑھائیے ہرگز نہیں اور ان کو کہہ دیجئے کہ حضرت ابو حنیفہؒ کے یہاں جمعہ دیہات میں نہیں ہوتا اس لیے میں نہیں پڑھاؤں گا، اختلافات اور فسادات کی بنا پر میں تمہارے ساتھ پڑھ لیتا ہوں اوراد و وظائف دوسرے درکار نہیں ہیں، ذکر پاس انفاس جب جاری ہو جائے گا تو آگے بڑھائے جائیں گے، والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

لہ جمعہ فی القریٰ کے بارے میں حنفیہ کے تین گروہ ہیں، ایک مطلقاً دیہات میں جمعہ پڑھنے کو ناجائز بتاتا ہے، دوسرا گروہ مصر اور قریہ کی تفریق کرتا ہے، تیسرا گروہ مطلقاً جواز کا قائل ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ ص ۳ ۵۰ میں فرماتے ہیں: فی مجمع الانہر انہ جائز مطلقا فی زماننا لانہ وقع فی تاریخ خمس واربعین وتسعمأۃ اذن عام وعلیہ الفتوی۔ ترجمہ: ہمارے زمانہ میں جمعہ (گاؤں کے اندر پڑھنا) مطلقاً جائز ہے، کیونکہ ۹۴۵ھ ہجری میں اذن عام ہوگیا ہے۔ اور اسی پر فتوی ہے۔ امام تاج الشریعۃ فیصلہ کرتے ہیں مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ مصر (شرح وقایہ) مفہوم یہ ہے کہ جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں اگر وہاں کے تمام لوگ، داخل ہو جائیں تو گنجائش نہ رہے، وہ بھی مصر کے حکم میں ہے، یہی تعریف حنفیہ کے نزدیک مختار تعریف ہے، کیونکہ مصر اور سلطان کی قید احتیاطی ہے نہ کہ شرعی۔ حضرت شاہ ولی اللہ مصفی میں تحریر فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ دو رکعت است در وقت ظہر با جماعت عظیمہ از مسلمین در قریہ یا در شہر، دوسری جگہ لکھتے ہیں "ظاہر آنست کہ در دیہے اگر دون اربعین جمعہ خوانند نماز ایشان صحیح باشد و متخلفان آثم شوند ..... (مصفی) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی فیوض قاسمیہ میں فرماتے ہیں کہ "اگر کسے در دیہے جمعہ قائم کند دست گیریبانش نہ زنند" حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی مجموعہ مکتوب قلمی نمبر ۴۲ میں فرماتے ہیں "جمعہ فرض ہونا قطعی اور شروط اختلافی ہیں، ایسی جائے احتیاط شرط ہے، علماء حنفیہ نے اس مسئلہ میں تقلید ائمہ باقی کی ہے، البتہ علماء دیوبند دیہاتوں میں جمعہ نہیں پڑھتے ہیں جیسا کہ حضرت امام العصر نے فتوی دیا ہے۔ دلائل دونوں جانب ہیں اور سب حق پر ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۵۱

مولانا فخر الدین صاحب ضلع گیا کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بہت قریب سے رہنے والے ناکام رہتے ہیں۔ اور دور کے بسنے والے مثل اویس قرنی رضی اللہ عنہ کامیاب ہو جاتے ہیں، اپنی تعلیمی اور تبلیغی سرگرمیاں جو کچھ آپ نے ذکر فرمائی ہیں، بہت زیادہ امید افزا ہیں، اوقات ذکر کے علاوہ جس قدر بھی آپ اس میں سرگرمی رکھیں، بہتر اور مفید ہے۔ یقیناً فتنہ خاکساری بہت بڑا فتنہ ہے، جو کہ عسکریت کے روپ کی بنا پر قلوب کو جذب کرتا ہے، اور ان میں انگریزی غلامی کا زہر حلول کرتا ہے، اس کے سامنے کوئی صحیح نصب العین موجود نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جائے، اس کے مٹانے میں جس قدر بھی حصہ لیا جائے ازبس ضروری ہے، اور چونکہ وہ عسکریت قوت و نظام بھی کم و بیش پیدا کر رہا ہے اسلیے آئندہ چلکر شریعت کیلیے اس سے زیادہ نقصان رساں ثابت ہوگا، جتنا کہ انگریزی اسکول، کالج، یونیورسٹی کلچر وغیرہ ثابت ہوا، اسکو ابھرنے دینا سخت غلطی ہے، والسلام

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است ۔۔۔ جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق ۔۔۔ علمیکہ راہ حق ننماید جہالت است

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

لہ اللہ والوں کی صحبت پر کتاب و سنت و آثار است کافی سے زیادہ موجود ہیں کہ مؤثر ہوتی ہیں، ہم الجلساء ولا یشقی جلیسہم یعنی اللہ والے ایسے لوگ ہیں جنکا ہم صحبت بدبخت نہیں ہوتا۔ محض بیعت بھی کوئی چیز نہیں، جبتک کہ افادہ و استفادہ طرفین سے نہ ہو اور یہ اعتقاد رکھے کہ مجھکو جو کچھ دینی فائدہ ہوگا اسی شیخ سے ہوگا۔ اعتراض و نکتہ چینی اس راہ میں سم قاتل ہیں، خدمت مدنظر ہو نہ کہ حاشیہ نشینی۔ حضرت منصور مغربی سے لوگوں نے سوال کیا کہ حضرت ابو عثمان مغربی کی صحبت میں کتنے زمانہ تک رہے

مکتوب نمبر ۱۵۲

جناب مجتبیٰ حسین صاحب جہان آباد برائے بریلی (اوده) کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف۔ والانامہ ریل کی روانگی کے بعد میں نے دیکھا، افسوس کہ وہاں اتنی فرصت نہ مل سکی کہ آپ سے باتیں کرتا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر شے کے لیے دو چیزیں ہیں ایک اسم دوسرا مسمیٰ، حقیقی کمالات مسمیٰ یعنی ذات اور شخص میں ہیں جن کا نام مثلاً عبداللہ ہے، اس کو مسمیٰ کہا جاتا ہے، وہی قوت رکھنے والا اور وہی سننے والا ہے، اسم یعنی نام میں دراصل کوئی کمال اور قوت نہیں ہے، مگر مسمیٰ کی طاقت کا اثر اسم میں کم و بیش آتا ہے، شہنشاہ کا نام بھی اگر لے لیا جاتا ہے تو لوگ کانپ اٹھتے ہیں، اگر مجمع میں کہدیا جاتا ہے کہ فلاں صاحب نواب صاحب کے ندیم یا غلام یا بیٹے ہیں، تو لوگ مرعوب ہوجاتے ہیں اور اس نام کی وجہ سے تعظیم و تکریم کرنے لگتے ہیں، مگر حقیقت میں یہ بھی اثر مسمیٰ ہی کا ہوتا ہے، مثل مشہور ہے کہ فلاں بادشاہ یا فلاں حاکم کا نام حکومت کرتا ہے، الغرض نام اور اسم میں بھی تاثیر اور قوت ہوتی ہے، مگر بہ نسبت مسمیٰ کے بہت کم ہوتی ہے اور مسمیٰ ہی سے آتی ہے، لفظ اللہ یا رحمٰن یا رحیم وغیرہ جناب باری تعالیٰ کے نام ہیں، ان ناموں میں بھی قوت اور تاثیر ہے۔ ان ناموں کی بھی تقدیس اور تنزیہہ اور ذکر کا حکم کیا گیا ہے، ان ناموں کو زبان سے یا دل سے یا سانس سے یاد کرنا، بار بار لینا اثر پیدا کرتا ہے، اور مسمیٰ کی طرف کھینچتا بھی ہے، مگر

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۲) تیز نظر کیساتھ فرمایا کہ میں صحبت میں نہیں تھا بلکہ خدمت میں تھا۔ بسا اوقات صحبت بھی غیر موثر ہوتی ہے، اور دوری و بعد قربت کا سبب بنتا ہے جیسا کہ حضرت امام العصر کی تحقیق ہے۔ قرب رکھ کر اگر دل مخلوق کیساتھ ہے تو یہ قرب، اس بعد سے بدتر ہے جو دور رہکر محبوب حقیقی سے ملکتا رہے اور یہی وہ چیز ہے جسکو حکیم سنائی نے فرمایا ہے ع گر نفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا۔

حقیقی کمالات لفظ اللہ اور رحمان وغیرہ کے مسمیٰ میں ہیں جو کہ بیچون وبیچگون ہے، اس کے مثل کوئی چیز نہیں لیس کمثلہ شیئ وہ نور ہے، نار سے پاک ہے، نور ونار اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں وہ جسم اور مادہ صورت اور شکل، رنگت اور روپ سب سے منزہ ہے، یہ سب چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں، وہ مکان اور زمان، جہت اور جانب، دائیں بائیں، آگے پیچھے، آسمان وزمین سب سے منزہ اور بلند ہے، یہ سب چیزیں محدودات کے لیے ہیں، اجسام کے لیے ہیں، وہ لامحدود اور غیر مجسم ہے، یہ چیزیں کمزوری کی وجہ سے ہیں، وہ ہر قسم کی کمزوریوں سے پاک اور اعلیٰ ہے وہ سب جگہ ہے، اور کسی جگہ مقید نہیں ہے، وہ سب کو دیکھتا ہے اور سنتا ہے، اور کوئی اسکا احاطہ نہیں کر سکتا۔ وہ سب سے قوی تر اور بلند ہے، کوئی اس جیسی قدرت اور بلندی نہیں رکھتا، ہر قسم کی شوکت اور عظمت رکھتا ہے، کوئی اس کے سامنے شوکت اور دبدبہ نہیں رکھتا ہے، وہ سب کے قریب ہے، مگر ہر مکان سے منزہ ہے، اس کے سوا جو کچھ ہے مخلوق اور اس کا محتاج حادث اور فانی ہے، وہ سب کا پیدا کرنے والا، سب سے مستغنی ابدی اور ازلی ہے، اب تک جو کچھ آپ ذکر کرتے رہے اور جس قدر بھی آپ نے یاد کی ہے اس ذات مقدسہ کے نام اور اسم کی کی ہے، اور چونکہ اس کے نام میں بھی بہت زیادہ کمالات اور قوتیں ہیں اس لیے اسکے آثار بحمد اللہ ظاہر ہورہے ہیں، شکر کیجئے، مگر میرے محترم اب آپ کو اصل اصول اور حقیقت الحقائق[1] کی طرف توجہ کرنا چاہیے، اگرچہ اس کے نام کی طرف توجہ کرنا بھی اسی کی طرف توجہ جیسے کہ بادشاہ کے غلام یا بیٹے کی تعظیم وتکریم ہے، مگر بواسطہ اور بلا واسطہ میں زمین اور آسمان کا فرق ہے، اب

[1] اس مکتوب گرامی میں حضرت امام العصر نے ایک اصطلاحی لفظ حقیقۃ الحقائق استعمال فرمایا ہے جس کو صوفیہ حضرت الجمع اور حضرت الوجود سے تعبیر فرماتے ہیں، مراد مسمیٰ اور ذات مقدسہ کی طرف کلیۃً متوجہ ہونا ہے، جو کہ مرتبۂ احدیت جامع جمیع حقائق ومعارف ہے، جس کو حضرت امام العصر نے اس مکتوب گرامی میں اچھی طرح واضح فرما دیا ہے۔

آپ مسمیٰ اور ذات مقدسہ کی طرف توجہ کریں، قرآن شریف میں فرمایا جاتا ہے وھو معکم اینما کنتم (وہ ذات مقدسہ اپنی حشمت اور جلال اور اپنے تمام حقیقی کمالات کے ساتھ یا جہاں بھی تم ہو تمہارے ساتھ ہے) روزانہ ایک گھنٹہ کسی معین وقت میں اس دھیان کو باندھئے اور اس تصور و خیال کو پیدا کرکے اس قدر بڑھائیے کہ دائمی ہو جائے، اسی کو مراقبہ کہتے ہیں، وہ اذکار جو کہ اسمار کے ہیں، خواہ قلبی ہوں یا نفسی یا لسانی ان کو اس مراقبہ کے لیے مؤید بنایئے، اگر تسبیحات اور وہ اذکار پورے ہو سکیں، تو بہتر ہے، اور اگر اس کے کرنے کی وجہ سے ان میں کوئی کمی وقت کی وجہ سے ہو تو حرج نہیں ہے، نہ مقصود اصلی ہے۔ ان میں تسبیحات ستہ یا اور کسی ذکر کو کم کر دیں، مگر اس مراقبہ میں کوتاہی نہ کریں، دعوات صالحہ سے اس روسیاہ کو بھی یاد کر لیا کریں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۱۵۲

مراقبہ[1] کی یہ کیفیت امید افزا ہے، اللہ تعالیٰ اور ترقی عطا فرما دیں، ذات باری عز و جل

---

[1] مراقبہ کے معنی امید رکھنا، نگاہ رکھنا، حفاظت کرنا، گردن نیچے ڈالنا اور اصطلاح تصوف میں مراقبہ نام ہے دل کا پوری طرح خدائے تعالیٰ کی حضوری میں ہو جانا، مگر خود اس کا قرآن کریم کی آیات اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْباً۔ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْباً۔ اور حدیث جریر بن عبداللہ بجلی جو متفق علیہ ہے اور حدیث عمر بن الخطاب وفیہ قال فاخبرنی عن الاحسان قال تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک" سے۔ جس سے مراقبہ کی حالت کی جانب اشارہ نکلتا ہے، یہی چیز تمام خیر کی اصل ہے جو محاسبہ یعنی اپنے نفس کا حساب کرنا اور گذشتہ اعمال کو پیش نظر رکھتے ہوئے اصلاح حال کی طرف لگ جانا اور طریق حق کو لازم کر لینا وغیرہ کے بعد حاصل ہوتا ہے، گویا بندہ نے بنیادی تعلق خدا سے مضبوط کر لیا، اور بنیادی سانس خدا کی نگہبانی میں دے دیا اور مطمئن ہو گیا کہ

(باقی ص ۱۶ا۴ پر)

تمام زنگ ورُوپ، جسمانیت اور مادیت سے منزہ اور پاک ہے، اور تمام کمالات اور بڑائیوں کے ساتھ موصوف ہے، اب آپ یہ دھیان باندھیں کہ یہ ذاتِ مقدسہ اپنی عظمت اور جلال اور تمام پاکیزیوں کے ساتھ میرے قلب میں جلوہ افروز ہے، جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (اور تمھاری جانوں میں ہے کیا تم نہیں دیکھتے) دوسری جگہ ارشاد ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ (ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسے اس کا نفس کرتا ہے، اور ہم اس سے اس کی رگ زندگی (حبل الورید) سے بھی زیادہ قریب ہیں، غرضکہ اس ذات مقدسہ کو بلا کیف و بلاکم بمقدار اس کی شان وعظمت کے مطابق قلب میں تصور کیجئے ؎

اتصالِ بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جانِ ناس

اس تصور اور دھیان میں پوری طرح جد وجہد کیجئے، معیت کا مراقبہ اس کے مخالف نہیں ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۵) وہ ذات اقدس اس کے قلب سے قریب ہے، لہٰذا حال وقال اور افعال سب کو دیکھتا اور سنتا رہتا ہے۔ پس جو شخص اس حالت وکیفیت سے غافل ہوگا یا غفلت کریگا، وہ عمل کی ابتدائی مراتب سے دور ہوگا۔ حقایق تک پہنچنا بڑی ٹیڑھی کھیر ہے، اسی لیے ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ سب سے افضل عبادت تمام وقت دل کا خدا کی حضوری میں لگا رہنا۔ جریری تو یہاں تک فرما گئے ہیں کہ مراقبہ کے بغیر کشف اور مشاہدہ تک آدمی پہنچ ہی نہیں سکتا، ابوعثمان مغربی بھی ان ہی بزرگوں کے ساتھ ہیں تفصیل ریاض المرتاض وغیرہ میں موجود ہے ؎

حضوری گر ہمی خواہی ازو غائب مشو حافظ متیٰ ما تلق من تہوی دع الدنیا واہملہا

غرض لفظ کے مفہوم میں اس طرح ڈوب جانا کہ سوائے اس کے کوئی چیز خیال و دھیان میں نہ رہے جس کی بہت سی صورتیں ہیں، جیسے مراقبہ معیت کہ بغیر تلفظ کے اللہ تعالیٰ کی حضوری، نظر اور اس کے ساتھ ہونے کو خوب مضبوطی سے تصور کرے اور وجود ذات باری کو جہت اور مکان سے پاک تعین کرے، آیت وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ

(باقی ص ۱۱۷ پر)

قلب میں دھیان اس تصور کا پوری طرح کیجیے ...... معیت کا مراقبہ اس کے مخالف نہیں ہے، قلب میں دھیان اور وجود کے ساتھ معیت لازمی چیز ہے، پاس انفاس جاری رہے، کوئی حرج نہیں ہے، اس کو مست روکئے، اب آپ کی توجہ اصلی اس دھیان کی طرف پوری طرح رہنی چاہیے، پاس انفاس اور دوسرے اذکار ممد و معاون ہوں گے، مگر اصلی مقصود یہ مراقبہ اور اس کا دوام ہے، لذت حاصل ہو یا نہ ہو، حرکت جسم میں پیدا ہو یا نہ ہو، ان چیزوں کو مقصود نہ سمجھنا چاہیے، ذات مقدسہ جل و علی شانہ کی حضوری اور اس کی رضا و خوشنودی غرض اصلی ہے، اسی کے لیے تمام سعی اور کوشش جاری رہنی چاہیے، اصلی ذکر یہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم کو یہ نعمت مکمل طور پر عطا فرماویں، حسب ارشاد سرور حسین صاحب کے لیے دعا کرتا ہوں جو لذتیں یا حرکتیں وغیرہ معلوم ہوتی ہیں بہتر ہیں، اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔ مقصود کے لیے وسائل ہیں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۱۷ صفر ۶۳ھ (از جیل)

مکتوب نمبر ۱۵۴

سانس کو حسب دستور اور عادت آنا چاہیے، آواز پیدا نہ ہونی چاہیے، اگر غلبہ حال کی بنا پر کبھی خود بخود ہو جاوے، حرج نہیں ہے، یہ فرمائیے اب بغیر قصد اور عدم توجہی کے وقت بھی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶ا۴) گویا تو دیکھ رہا ہے یا آیت اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ یا آیت اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی یا آیت نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ یا آیت وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ یا آیت اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ یا آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ یہ مراقبات اللہ تعالیٰ کے ساتھ دلی تعلق کیلیے مفید اور مجرب ہیں، اسی طرح مراقبہ فنا آیت کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ، اللہ کو باقی اور سب کے فنا کا خیال کرے اور اس تصور پر دیر تک قائم رہے انشاء اللہ تعالیٰ یہ مراقبہ محو اور نیستی کے لیے مفید ہوگا۔

ذکر جاری رہتا ہے یا نہین، محبت خداوندی یا خوف خداوندی کے غلبہ کی وجہ سے غلبہ گریہ کا ہوتا ہے یا نہین بدن مین غیر اختیاری حرکت کبھی معلوم ہوتی ہے یا نہین، قلب مین ذکر یا اس کی حرکت محسوس ہوتی ہے یا نہین۔

مسلمانون کی عبادت خالصہ مثل جماعات خمسہ ظہر و عصر وغیرہ مین غیر مسلم قائد نہین ہو سکتا، مگر جس طرح جسمانی معالجات، بناء عمارات دینیہ، مثل مساجد و مدارس وغیرہ و عمارات دنیویہ مثل مکانات وجاہہا وغیرہ و زراعات و اسفار دینیہ و دنیویہ، و حروب سیاسیہ و غیر سیاسیہ و ایجاد و اصطباغ آلات حروب وجہاد وغیرہ مین غیر مسلم کی رہنمائی بالاتفاق جاری و جائز ہے، اسی طرح آزادی وطن کی جنگ مین بھی جائز ہونی چاہیے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اریقط دیلی جو کہ مشرک تھا ہجرت مدینہ کے وقت اسی کو اپنا قائد اور رہنما بنایا تھا، وہ تمام راستون سے واقف تھا، اور وعدہ کا سچا اور پکا تھا، اسی کے ساتھ آپ (علیہ السلام) ابوبکر رضی اللہ عنہ غار ثور ثور سے مدینہ منورہ پہنچے ہین، لَا یَتَّخِذُ وَا الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَا کا ترجمہ قرآن مین دیکھ لیجئے، آیا یہان وہ تضاد آتا ہے یا نہین، علاوہ ازین موجودہ تحریک مین غیر مسلم کو طریق جنگ مین قائد بنایا گیا ہے نفس جنگ مین نہین، جنگ تو حسب نصوص شرعیہ واجب و فرض تھی ہی، جیسے مسجد بنانے مین، بیماری دور کرنے مین غیر مسلم کو قائد بنایا جاتا ہے، آیت مین دلی دوست بنانے کی ممانعت ہے، یہ لفظ بمعنی محبوب یا ناصر ہے، ان سے دلی دوستی کو آیت مین منع کیا گیا ہے، یا ان سے مناصرت طلب کرنا منع کیا گیا، وہ اور چیز ہے اور اشتراک عمل اور چیز ہے، سوچ لیجئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۱۹ ذی الحجہ

مکتوب نمبر ۱۵۵

مولوی عبدالوہاب خان گمتھلوی بلڈنگ ریلوے روڈ لاہور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ باعث سرفرازی ہوا میں نہایت عدیم الفرصت ہوں، آپ کا مضمون تفصیل طلب ہے، کاش اگر کوئی ملاقات کا موقع ہوتا تو تبادلہ خیالات کی پوری صورت ہوسکتی، تحریر بہت زیادہ طول چاہتی ہے جس کی فرصت نہیں مودودی صاحب کا مضمون احوال حاضرہ کے ہوتے ہوئے سمجھ میں نہیں آتا۔

میرے محترم! کوئی ایسا مسلمان نہ ہوگا جو کہ مسلم راج کا طالب اور خواہشمند نہ ہو۔ جیسے کہ کوئی ہندو اور سکھ اور کوئی پارسی اور عیسائی ایسا نہ پایا جائے گا جو اپنے مذہب اور قوم کی حکومت کا خواہشمند نہ ہو۔ مگر اس کے نصب العین اور قلبی خواہش سے روکنے والے گردوپیش کے احوال ہوا کرتے ہیں، اگر احوال مساعد ہوتے تو یہ ہندوستان کی چھ سو برس کی مسلم حکومت ہی کیوں فنا ہوتی، اور کیوں مسلمانوں کی عام پبلک غیروں کی غلام ہوتی، آج روئے زمین پر بقول نیویارک ٹائمز مسلمانوں کی مردم شماری ستر کروڑ ہے مگر آزاد مسلمان بمشکل چار پانچ کروڑ نکل سکیں گے، صرف ہندوستان ہی کے مسلمان غلام نہیں ہیں، بلکہ تمام براعظم افریقہ اور یورپ اور اکثر حصہ ایشیا کے مسلمان مجبور مقہور اور غلام اغیار و اعدا ہیں، اور جہاں یہ آزاد بھی ہیں وہاں بھی حکومت الہیہ مودودی صاحب کی تقریباً معدوم ہی ہے، ہندوستانی مسلمان تو سب سے زیادہ مجبور و مقہور ہیں، ادھر تو حکومت اعداء اللہ کی ہے ہی، اُدھر غیر مسلم اکثریت جس نے ہر طرف سے اس کو گھیر رکھا ہے، اس کے علاوہ اکثریت غیر مسلم بھی معمولی نہیں ہے، (فیصدی ۷۵) تمام ہندوستان میں غیر مسلم ہیں، اور فیصدی ۲۵ مسلمان ہیں، علاوہ تفرق ظاہری و باطنی کے ان کی خواہشات اور ڈیوائڈ اینڈ رول نے وہ تشتت پیدا

کیا ہوا ہے الامان اور الحفیظ، پھر اس پر ان کا فقر و فاقہ، افلاس و انعدام اسلحہ وغیرہ اور بھی ان کو بے بس کیے ہوئے ہے، مگر اس پر بھی علماء کی جماعت نے بار بار ازمنہ سابقہ میں کامیابی کی انتہائی کوشش کی، مگر سوائے ناکامی کچھ ہاتھ نہ آیا۔ حضرت سید احمد صاحب شہید اور مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہما نے کیا کچھ نہین کیا، مگر کیا ہوا، ۱۸۵۷ء مین حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم نے کیا کیا نہین کیا مگر کیا ہاتھ آیا ۱۹۱۴ء مین حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے کیا کیا نہیں کیا مگر کیا پیش آیا۔

محترما! سیاسیات صرف فلسفیات سے انجام نہیں پاتین بلکہ تاریخ بھی ان کے ساتھ ضروری ہے۔ مجبوریتیں اسی اہون البلیتین کی طرف کھینچ کر لاتی ہین اور لائی ہین، مذہب اسلام بھی احوال کی بنا پر احکام کو بدلواتا ہے، احوال گردوپیش سے چشم پوشی ہلاکت اور خودکشی ہے۔ آج ہم اگر تشدد پر قادر ہوتے تو کہا جا سکتا کہ مسلم اقلیت اپنے مقاصد پر کامیاب ہو جائے گی، مگر یہ چیز ناممکن ہو گئی، آئین تحریک مین اگر کامیابی طلب کیجائے گی تو بجز اشتراک عام آبادی اور صورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ آج ہر ہر قدم پر انگلستان سے یہی راگ الاپا جا رہا ہے، کہ ہندستانیوں کو آزادی صرف اس وجہ سے نہیں دیجا سکتی کہ وہ آپس مین متحد نہین ہین، نہ مذہبیات میں نہ سیاسیات مین، ایک جماعت اگر مکمل آزادی کی خواہشمند ہے تو دوسری ڈومینین اسٹیس کی تیسری برطانوی راج کی، چوتھی رام راج کی، پانچوین ڈیموکریسی کی، چھٹی بالشویزم کی، وغیرہ وغیرہ۔ ان مین آپس مین فرقہ وارانہ جذبات کے شعلے بھڑک رہے ہین، ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہے۔ گائے اور باجا پر روزانہ خون کی ندیاں بہا کرتی ہیں ـــــ اگر ہمارا ظل عاطفت ان سے اٹھ جائے گا تو ہندوستان جہنم نشان بنجائے گا۔ آئے دن کے واقعات استدلال مین پیش کیے جاتے ہین، اور پھر اپنی مقصد براری کے لیے تمام ہندوستانیون کو خواہ مسلم ہون یا غیر مسلم

اس طرح پھیلا جاتا ہے کہ تمام ہندوستان قالب بے جان ہو کر رہ گیا، فقر و فاقہ کا چاروں طرف طوفان بپا ہے، بے کاری اور بے روزگاری کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں، اور اپنے سخت اندھیروں سے سب کو برباد کر رہی ہے،

تجارت، زراعت، حکومت، ملازمت، دین و دولت سب کو ہی برباد کیا گیا ہے، اور کیا جا رہا ہے، ہندوستان کے چشمہ ہائے زندگی و سرمایہ داری اپنے قبضہ میں کر کے ہندوستانیوں کو مفلوج بنا دیا گیا ہے، نہ مفاد عامہ ان کے ہاتھ میں ہیں، نہ مفاد خاصہ۔ پس اگر بالفرض آٹھ کروڑ مسلمان سب کے سب یک جان اور متحد قالب بھی ہو جائیں تو کیا وہ اپنی متفقہ آواز سے بھی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور جس چیز کو مودودی صاحب پیش فرما رہے ہیں اس کے ذریعہ سے اس غلامی کی لعنت سے گلوخلاصی ہو سکتی ہے، اور کیا پردیسی آہنی پنجہ کو یہ اتفاق اور اتحاد (اگر پیدا بھی ہو گیا) توڑ سکتا ہے، اور کیا اس کے ذریعہ سے ملک کی اندرونی فتنے صرف اس کی وجہ سے مندفع ہو سکتے ہیں، عالم اسباب میں اسباب و ذرائع لغو نہیں کیے جا سکتے، نہ شریعت نے اس اعتراض کرنے کو روا رکھا ہے، اور نہ عقل اور تاریخ اس کی اجازت دیتی ہے۔

اگر امامت کے یہی معنی ہیں اور غیر مسلم کی امامت مسلمانوں کے لیے ناجائز اور حرام ہے تو میونسپل بورڈوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، اسمبلیوں، کونسلوں، تجارتی، صنعتی، انتظامی بورڈوں وغیرہ میں مسلمانوں کی شرکت ہندوستان میں بالکل حرام ہونی چاہیے۔ کیونکہ اکثر ان سب کا پریسیڈنٹ اور سکریٹری غیر مسلم ہوتا ہے۔ علی ہذا القیاس جملہ شعبہائے حکومت کو خواہ فوجی ہوں یا انتظامی، علمی ہوں یا صنعتی، مالی ہوں یا تجارتی وغیرہ وغیرہ۔

سب کی ملازمت بہر نوع ممنوع اور حرام ہوگی۔ کیونکہ ان سب کا امام غیر مسلم ہے، وہ جو قانون چاہتا ہے بناتا ہے۔ اور جس طرف چاہتا ہے چلاتا ہے، تمام ملازموں کو اسی کے حکم پر

چلنا پڑتا ہے، ورنہ ملازمت سے ہاتھ دھونا اور نقر و فاقہ کے گھاٹ گڑھوں میں تمام خاندان اور بچوں کو فنا کے گھاٹ اتارنا ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ اشخاص فنا کے گھاٹ اترتے ہیں۔ بلکہ قوم مسلم کو ہر قسم کی بربادی گھیرتی ہے۔ ذرا غور فرمائیے اور تفصیلی نظر ڈالیے، نیز اگر غیر مسلم کی امامت تحریم کے یہی معنی ہیں جو کہ مودودی صاحب بتلا رہے ہیں تو آپ ہی بتلائیے کہ غیر مسلم ڈاکٹر کا معالجہ غیر مسلم انجینیر اور معمار کی تعمیر، غیر مسلم منتظم کی انتظامی کارروائیاں، اس کی قیادت کے ماتحت سب کی سب ناجائز ہوتی ہیں، کیا ان سب کو قلم تحریم سے لکھکر ممانعت کے حکم سے فنا کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر ایسا ہے تو اس ملک میں فلاح اور بہبودی کی کیا صورت ہوگی۔

محترما! کیا اس وقت تک کہ آپ اپنی اتحادی قوت پیدا کریں۔ آپ اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو ان تمام درطات سے محفوظ رکھ سکیں گے۔ اور تمام اتحادی قوت پیدا ہو جانے کے بعد بھی آپ قوم اور اشخاص کو اس ملک میں نجات کے رستہ میں گامزن کر سکیں گے ذرا سوچئے؟

اس کے بعد دوسرا سوال یہ پیش آتا ہے کہ آیا آپ کی مسلم قوم کو صرف ایک راستہ ہی پر لایا بھی جاسکتا ہے، جبکہ آپ کے پاس مجبور کرنے والی کوئی قوت نہیں ہے، جبکہ ہر ایک آزاد ہے اور ہر ایک عقل اور ہمت، قوت ارادہ دوسرے کے تابع ہونے کو قبول کرنا نہیں چاہتا ہمارے پاس بجز وعظ و نصیحت و ارادۂ تراقی و رہنمائی کوئی چیز ہے، جس سے سب کو راہ پر لاسکیں اگر ایک طرف مغربیت نے اپنا فریفتہ بنایا ہے تو دوسری طرف مشرقیت اپنا ڈیرا ڈالے ہوئے ہے ایک طرف شیعیت کا دور دورہ ہے تو دوسری طرف قادیانیت کا۔ تیسری طرف خاکساریت کا چوتھی طرف عدم تقلید کا، وغیرہ وغیرہ۔ ہر ایک اپنی عقل کو افلاطون اور ارسطو سے بالا سمجھ رہا ہے، پھر اس کی سبیل کیا ہے۔ سیاسی افکار ایک نہیں ہیں، انتظامی خواہشات جدا جدا ہیں۔ اغراض اور خود ستائی کا وہ غلبہ ہے کہ الامان والحفیظ۔ باایںہمہ جمعیت نے جو نصب العین اور دستور

اساس پیش کیا ہے اور جس کی طرف وہ مسلم قوم کو بلا رہی ہے کیا وہ یہی نہیں ہے، پھر بتلائیے کہ کیوں وہ ناکام ہے، اور کیوں آپ کا طوفان ملامت اس کی طرف امنڈ رہا ہے، آپ اسکے دستور اساسی کو ملاحظہ فرمائیے۔

یہ بالکل غلط ہے کہ جمعیۃ نے غیر مسلم کو قائد اور امام بنایا ہے۔ وہ مستقل ادارہ ہے، جو بات بھی کانگریس یا دیگر سیاسی جماعتیں اختیار کرتی ہیں اس کو جمعیۃ کے ارباب حل و عقد اپنی مشعل ہدایت کے سامنے لاکر جو کہ قرآن و حدیث و فقہ ہی سے بنی ہوئی ہے غور و فکر کرتے ہیں اور صحیح چیز کو اختیار کرتے ہیں، غیر صحیح کو رد کر دیتے ہیں۔ جمعیۃ مسلمانوں کے سامنے اس کو نہ پیش کرتی ہے نہ خود عمل کرتی، اس کے ریکارڈ کو جانچئے، ایسے متعدد واقعات اور پروگرام آپ پائیں گے جن کی نہ صرف عدم موافقت جمعیۃ کی طرف سے ہوئی ہے، بلکہ مخالفت اور سرگرمی بھی عمل میں آتی رہی ہے، جمعیۃ ان امور سیاسیہ اور آزادی کی جد و جہد میں صرف اشتراک عمل کر رہی ہے، کسی غیر مسلم جماعت یا غیر مسلم قائد کی آنکھ بند کر کے تابعداری نہیں کر رہی ہے، اشتراک عمل اور چیز ہے اور اقتدار و تابعیت اور چیز ہے، یہاں نہ تو غیر مسلم کا اقتدار پایا جاتا ہے نہ اس کی امداد و اعانت پائی جاتی ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے لاہور جانے والی سڑک پر دو شخص مسلم اور غیر مسلم ایک گاڑی میں چل رہے ہیں، اور قزاقوں اور چوروں اور راہ کے گم کرنے سے ہر ایک دوسرے کا تحفظ کر رہا ہے اور بس ایسی صورت میں امامت مفروضہ کہاں پائی جاتی ہے، اور اس کا الزام کہاں تک صحیح ہے، احوال حاضرہ کو جانچ کر کوئی حکم دیجئے؟

میرے محترم! نماز جیسی قطعی اور لازمی چیز ہے۔ احوال سے متبدل ہوتی رہتی ہے، حالت اقامت اور حالت سفر کی نمازوں میں کس قدر تفاوت ہے، حالت صحت اور حالت مرض کی نمازوں میں کتنا بون بعید ہے، معذور اور غیر معذور کی نمازوں میں کس قدر فرق ہے؟

احوال کے تبدل سے روزہ، زکوٰۃ، حج، وضو وغیرہ سب ہی متبدل ہوتے رہتے ہین، کیا آپ آج ہندوستان مین حکومت الٰہیہ کا حکم رجم زانی کے لیے قطع ید سارق کے لیے، اسی کوڑون کا حکم شرابخور اور قاذف کیلئے قصاص اور دیت کا حکم قاتل کیلئے قطع ایدی وارجل کا حکم قزاقوں اور باغیوں کے لیے جو کہ قرآن مین منصوص مین جاری کرینگے، اور کیا اس دارالحرب مین اور موجودہ احوال میں یہ جاری ہوسکتے ہین، اور کیا ہم پر ان کا اجرا ان احوال مین فرض ہے یا نہین، کیا میتہ کے کھانے اور شراب کے پینے خنزیر کے گوشت کے احکام اکراہ اور اضطرار کی حالت میں ویسے ہی رہتے ہین، جیسے کہ طوع اختیار یا غیر اضطرار مین تھے، کہ اگر کوئی اضطرار یا اکراہ ملجی کی حالت مین ان چیزون کو اختیار نہ کرے اور قتل ہوئے تو گنہگار نہ ہوگا، اس قسم کی سیکڑون نہین ہزارون نظیرین شریعت مین پائی جاتی ہین، سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا نہیں جاسکتا، کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عبداللہ بن اریقط دیلی کو بوقت ہجرت اپنا رہبر بنانا جبکہ کفار جان کے درپے تھے، اس پر روشنی نہیں ڈالتا، وہ جس راستہ پر سب کی نجات سمجھتا تھا لیجاتا تھا، آپ اس کے ساتھ تھے، اور اتباع کرتے تھے، اس پر اعتماد کیے ہوئے تھے، وہ رہنما تھا، اور راہوں سے واقف تھا، ہجرت فرض تھی، پھر اس رہنمائی اور اتباع اور اس رہنمائی اور اتباع مین کیا فرق ہے، بدرتہ کہکر اس کو ٹالدینا کون عقل وانصاف کیونکر ہوسکتا ہے، مدینہ منورہ مین پہنچکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ سے حلف کیا اور مشرکین سے جنگ جاری رکھی، حدیبیہ مین مشرکین سے صلح کیا اور یہود سے جنگ کی کیا ان مین ہمارے لیے روشنی نہیں ہے، ہم ہرگز اس کو روا نہیں رکھتے کہ احکام شرعیہ میں ادنیٰ سا بھی تغیر کیا جائے اور کسی غیر مسلم یا مسلم کی قیادت کے ماتحت کوئی بھی شرعی حکم چھوڑا یا بدلا جائے، اور اسی وجہ سے جمعیتہ العلماء کا قیام ہر زمانہ مین ضروری اور لازم سمجھتے ہین، اور مسلمانون کے لیے واجب جانتے ہین، کہ اس کی ہدایت پر عمل کریں، ہاں یہ بھی ہم ضروری سمجھتے ہین کہ احکام شرعیہ میں ملکے

ماہرین کا غور و خوض ہو اور اپنی پوری قوت دائی اور عملی سے کام لے کر مسلمانوں کی رہنمائی کیجاوے جہاں تک ہم سمجھ سکتے ہیں جمعیۃ نے آج تک یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ وہ نہ قوت باطل سے دب کر کوئی تغیر احکام میں کرتی ہے، نہ آج تک اس نے کی ہے، اور نہ وہ کسی طمع اور لالچ میں آکر کسی کی مداہنت کرتی ہے، نہ اس نے آج تک کی ہے، ناواقفین شریعت اپنے اپنے خیال کے مطابق تنقیدات اور اعتراضات کی بوچھار کرتے رہے ہیں، مگر انھوں نے مراکز رسالات علیہم الصلاۃ والسلام کو کب معاف کیا تھا، جو آج ان سے کوئی امید کی جائے۔ والسلام

میری معروضات سابقہ سے آپ خود سمجھ جائیں گے کہ مسلم جماعتوں کا آپس کا اختلاف خود رائی، خود غرضی نفس پروری، خود بینی اور عدم اتباع شریعت اور حکومت وقت کی تفرقہ اندازی، لیڈروں کے ہوس اقتدار وغیرہ کی وجہ سے ہے جس کو تجربہ ہی سے بھانپا جا سکتا ہے، افسوس ہے کہ اخلاص و للہیت بہت ہی کم یا عنقا ہے، دعوے بہت ہیں، الفاظ بہت زیادہ ہیں حقیقت اور معنی تقریباً مفقود ہیں۔ بھولے بھالے لوگ دھوکھوں میں آئے ہوئے ہیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ یکم محرم ۱۳۶۱ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۵۵) مکرمی معظمی جناب مولانا صاحب زاد عنایتکم۔ السلام علیکم۔ بعد آداب مسنون کے عرض ہے کہ مجھے یہ خیال بہت دنوں سے گھیرے ہوئے تھا کہ کیا ہم کانگریس میں شامل ہو کر ہی آزادی حاصل کر سکتے ہیں، علیحدہ ہو کر اس عظیم کام کو سرانجام نہیں دے سکتے، اور کیا مسلمان ہندوؤں کی قیادت میں ہی حصول آزادی کیلئے کوشش کر سکتے ہیں۔ جب آج میں نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا مضمون پڑھا تو مجھ پر کلی طور پر یہ یقین طاری ہو گیا کہ مسلمان اگر غیر مسلم کی قیادت میں کوئی کوشش کرینگے تو وہ بے سود ثابت ہوگی اور اگر کچھ کامیابی بھی ہوئی تو وہ صرف سطحی ہوگی، اور اسلام کے اصولوں کے خلاف ہوگی۔ لیکن میرے دماغ میں اسی وقت یہ خیال آیا کہ جب ہمارے سب علماء کانگریس میں شامل ہو گئے ہیں تو ہم کو نکر پیچھے رہ سکتے ہیں، لیکن شامل ہونے سے پہلے میں نے یہ سوچا کہ پہلے اہل مجھکو وجہ تو معلوم ہونی چاہیے جس کی وجہ سے

(باقی ص ۴۲۶ پر)

مکتوب نمبر ۱۵۶

مولانا ابو سعید خدا بخش صاحب ملتانی کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مزاج شریف ۔ ابو الاعلیٰ صاحب ایک اخبار نویس ہیں

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۵) ہمارے معتقد علما کانگریس میں شامل ہوتے ہیں، ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ آپ ازراہ نوازش یہ بتائیں کہ آپ سب حضرات کانگریس میں کیوں شامل ہوئے اور کیوں علیحدہ مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے ہندؤں سے آگے بڑھ کر حصول آزادی کے لیے کوشش کو پس پشت ڈال دیا ہے، ہنر در ممنون و شکر گذار ہونے کا موقعہ عنایت فرمائیں گے، عین نوازش ہوگی، میری اپنی حقیر رائے یہ ہے کہ مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جس شکل سے بھی جمع ہو سکیں جمع کر کے جنگ آزادی لڑیں اور پھر دوسری اقوام ہمارے پیچھے چلیں اور ہر کام میں ہم ہی پیش پیش ہوں۔ مجلس احرار مسلم لیگ، جمیعۃ العلماء ہند کا ایک ہی مقصد اور وہ ہے مسلمانان ہند کو بحیثیت مجموعی ہندوستان میں آبرومندانہ اور خود مختارانہ زندگی بسر کرنے کے قابل بنایا جائے اور انکے جائز حقوق اور مفاد کی حفاظت کیساتھ سیاسی ترقی کے لیے میدان وسیع کیا جائے۔

جب ایک ہی مقصد ہے تو یہ نفاق و اختلاف کی خلیج اتنی وسیع کیوں ہے، یہ جو خلیج اتنی وسیع تر ہوتی جا رہی ہے اسکو روکنے کی تدبیر کو کیوں معرض وجود میں لایا نہیں جاتا۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا مضمون ساتھ ہی بھیج رہا ہوں، مہربانی فرماکر جواب دیکر ضرور ممنون و مشکور فرمائیں گے۔

احقر عبدالوہاب خان گنگلوی

حضرت امام اسعد بواسطہ برکاتہم کا یہ ولا نامہ بڑی شرح کا محتاج ہے، یہود مدینہ سے حلف کا واقعہ سیر کی کتابوں میں موجود ہے جس پر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے مفصل بحث فرمائی ہے، ان میں سے چند دفعات کو ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں

(۱) یہ تمام معاہد جماعتیں (قریش، مہاجرین۔ انصار، یہود مدینہ) دوسری غیر مسلم غیر معاہد جماعتوں کے مقابلہ میں ایک ایک قوم شمار ہوں گی۔ (۲) مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ ہر ایسے شخص کی علی الاعلان مخالفت کریں جو کہ فتنہ و فساد برپا کرتا ہے

(باقی ص ۴۲۸ پر)

تحریر، مضامین اور تراجم وغیرہ سے کوئی شخص صاحب فتویٰ نہیں ہو سکتا۔ نہ صرف واقفیت زبان اس کے لیے کافی اور نہ کسی کو اپنی زبان زوری سے لوگوں کو لبھا لینا قابل اعتماد قرار دیا جا سکتا ہے۔ آپ روزانہ دنیا دی

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۶) اور خلق خدا کو ستا تا ہو تمام مسلمانوں کو متفق ہو کر اس کے خلاف کام کرنا لازم ہے اگرچہ وہ ان میں سے کسی کا فرزند ہی کیوں نہ ہو۔ (۳) کسی مسلمان کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ مسلمان کے خلاف غیر مسلم محارب کو مدد دے اور اسکی اعانت کرے۔

کہا گیا ہے کہ اس معاہدہ میں باہمی تنازعات کے متعلق رسول اللہ صلعم کے فیصلہ کو آخری تسلیم کیا گیا ہے، مگر ظاہر ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کے اشتراک عمل کے لیے اس کو شرط کی حیثیت نہیں دی جا سکتی، کیونکہ اگر کسی موقع پر مسلمانوں کی یہ حیثیت نہ ہو اور غیر مسلم قوم سے اشتراک عمل کے بغیر خود مسلم مفاد تباہ و برباد ہو رہا ہو اور ایک تیسری قوم کو تقویت پہنچتی ہو جو مسلم اور غیر مسلم دونوں کو کچل رہی ہے تو کیا مذہب اسلام کے لیے جائز ہوگا کہ وہ خاموشی کے ساتھ مسلمانوں کے ملی اور اجتماعی مفاد کی بربادی کا تماشہ دیکھتے رہیں۔ اور کیا الحرب خدعة وغیرہ نصوص کا تقاضا نہ ہوگا کہ وہ غیر مسلم سے اشتراک کر کے اس غیر جماعت کو ختم کر دیں!

اسی کے ساتھ ہندو اور انگریز دونوں کی مثال سامنے رکھنی چاہیے اور پھر غور کرنا چاہیے کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت کس نے ختم کی؟ کس کے قوانین نے مسلمانوں کو مفلس اور قلاش بنایا، اور کس کے کورس و نصاب تعلیم نے مسلمان نوجوانوں کو زندقہ اور الحاد کے طوفان کی نذر کر دیا۔ حجاز مقدس، شام، عراق، ایران، فلسطین وغیرہ ممالک اسلامیہ کی تباہی اور قحط بنگال جیسے جگر شگاف حوادث و سانحات کے شرمناک دھبے کس کے دامن پر ہیں وغیرہ؟ اور غیر مسلم محارب کون تھا؟ کیا مشرک اور کافر غیر محارب اگر کوئی مشورہ یا خیر خواہی کی بات کرے تو اسکو اسلام نے قبول نہیں کیا ہے؟ کیا صلح حدیبیہ میں بدیل ابن ورقا جو بنی خزاعہ کے سردار تھے اور مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کے مشورہ کو نہیں قبول کیا گیا؟ امام زرقانی رحمہ اللہ نے اسی واقعہ کے تحت تحریر فرمایا ہے:

ویستفاد جواز استنصاح ملوک العدو استظہارا علی غیرھم ولا یعد ذلک من الموالاۃ الکفار ولا من موادۃ اعداء اللہ	اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کافر بادشاہوں سے دوسرے محارب کے مقابلہ میں خیر خواہی کی باتیں قبول کرنا جائز ہے، اور یہ امر کسی طرح موالات کفار اور خدا دشمنوں سے محبت نہیں مانا جا سکتا

(باقی ص ۴۲۸ پر)

معاملات میں ججوں اور ہائیکورٹوں میں وکلاء اور بیرسٹروں کے اقوال کو جو کہ لا کی تعلیم حاصل کر کے سرٹیفیکیٹ حاصل کر چکے ہیں قابل اعتبار قرار دیتے ہیں، غیر سند یافتہ وکیل یا بیرسٹر کو خواہ وہ کتنا ہی فیلسوف اور لا کے علاوہ دوسرے فنون میں کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو کورٹ میں کسی لا اور قانون اور فیصلہ کے متعلق بحث کرنے کی

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۷) مذکورہ بالا ثبوت کے مد نظر حضرت امام العصر نے ۱۹۳۷ء میں دہلی کے اندر متحدہ قومیت پر زور دیا کہ ہندوستان کے باشندے خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں بحیثیت ہندوستانی اور بحیثیت متحد الوطن ہونے کے ایک قوم ہو جائیں اور اس پردیسی قوم سے جو کہ وطنی اور مشترک مفاد سے محروم کرتی ہوئی سب کو فنا کر رہی ہے جنگ کر کے اپنے حقوق حاصل کریں الخ

اس تقریر کا پس منظر یہ تھا کہ جب انگریزوں نے عربوں کو ترکوں سے باغی بنایا تو یہ زہر پلا کر آج قومیں مذہب سے نہیں بنتی بلکہ آج قومیں سیاسی اور اقتصادی مصالح کے پیش نظر بنتی ہیں، لہذا ترک جدا قوم ہے اور عرب جدا قوم ہے، عربوں کیلیے ترکوں کی غلامی عار ہے، وغیرہ۔ یہ اسلامی ممالک کی بربادی کا ایسا حربہ تھا کہ اگر اس کے خلاف کچھ نہ کیا جاتا اور خاموشی برتی جاتی تو اس گناہ عظیم کی پاداش ناممکن ہوتی، امام العصر کی فراست نے انگریزوں کی اس خطرناک چال کو تاڑ لیا اور جزاء سیئة سیئة مثلہا۔ واعدوالہم ما استطعتم کے پیش نظر ایسا توڑ کیا کہ سفید فاموں کے چھکے چھوٹ گئے، اختلاج شروع ہو گیا اور سیاہ فام انگریز پرستوں کی زبانیں دراز ہو گئیں مستقل ادارے تردید کے لیے قائم ہو گئے جس کے لیے بڑے بڑے دست غیب لوگوں کو نصیب ہوئے کہ ہندوستان کے اندر سے متحدہ قومیت کے تخیل کو دور کریں۔ مولانا ابو الاعلیٰ صاحب نے مسئلہ قومیت پر جو کچھ لکھا وہ اسی سلسلہ کی اہم کڑی ہے۔ اگر مولانا کا غیر محتاط قلم گردش میں نہ آتا تو طلوع اسلام وغیرہ رسالوں اور انکے اڈیٹروں میں اتنی صلاحیت نہ تھی کہ وہ کچھ بھی لکھ سکتے، اور نہ مسلم لیگ کو الیکشن ۱۹۴۵ء میں سارا ہاتھ آتا کہ وہ دل کھول کر جمعیة علماء کے خلاف انگریز کی دلی آرزو پوری کرتی، خلاصہ یہ کہ امام العصر کی تقریر کی گہرائیوں کو دانستہ نظر انداز کیا گیا۔ بجائے داد دینے کے اسلام کو بیچ میں ڈال کر فساد شروع ہو گئی، افسوس ؎

تحسین بھی نہ کی شیریں نے اس تیشہ زنی پر — پتھر پڑے فرہاد تری کوہ کنی پر

حضرت امام العصر کے اس والا نامہ میں ایک اصولی بات یہ آگئی ہے کہ نماز جیسی قطعی چیز بھی احوال سے متبدل ہوتی

اجازت ہی نہیں دیتے بلکہ اگر غیر سند یافتہ کچھ کہنا چاہے تو کورٹ کے کٹگھرے سے نکلوا دیتے ہیں، وہ جس نے لا کالج میں تعلیم حاصل کی ہو، مگر فیل ہو گیا ہو اس کو بولنے کی اجازت نہیں دیجاتی، ایسے لوگوں کو جج کے فیصلہ میں گفتگو کرنا قانونی جرم قرار دیا جاتا ہے۔ ان کی بات کو ماننا تو در کنار۔ مگر کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ انسانی لاکی اور دنیاوی قوانین کی تو اتنی پابندی ہو اور خداوندی لا اور اسلامی قوانین میں ہر شخص رائے دینے اور اور بڑے بڑے ان حاملین قوانین شرعیہ کے فیصلہ کو جنہوں نے دس دس بیس بیس تیس تیس سال تک اس لا کی خدمت اور اس عرق ریزی کی ہو اسے ٹھکرا دیتے ہیں، مودودی صاحب نے کس عربی مدرسہ میں تکمیل کی؟

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۸) رہتی ہے جس کے چند نظائر خود مکتوب میں موجود ہیں، باقی چند کا اور اضافہ کیا جاتا ہے، تاکہ غلط فہمی نہ پیدا ہو۔ حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں بتایا ہے کہ زمان و مکان اور حالات و نیات اور عوائد کے بدل جانے سے احکام شرعیہ میں کس طرح اور کن اصول پر تغیر ہوتا ہے، اس بحث کو کتاب مذکور میں ملاحظہ کیا جائے۔ مثالاً ذیل کے واقعات و نظائر کو مدنظر رکھا جائے۔

(۱) نبی صلعم نے جنگ کے موقع پر چور کا ہاتھ کاٹنے سے منع فرمایا ہے (رواہ ابوداؤد) (۲) علماء اسلام نے فتویٰ دیا ہے کہ دشمن کی سرزمین پر حدود جاری نہ کیے جائیں۔ (۳) ابو محجن ثقفی پر اقامت حد میں تاخیر کی گئی۔ (۴) حاملہ عورت پر حد کی اقامت ملتوی کر دیجاتی ہے جبکہ بچہ دودھ پیتا ہو (۵) مرض کی حالت میں بھی اقامت حد ممنوع ہے، (۶) اسی طرح اقراری جرم سے بھی حد کا اسقاط بعض صورتوں میں موجود ہے۔

خلاصہ مکتوب یہ ہے کہ جمعیۃ علماء ہی مسلمانوں کی دینی و دنیاوی ضرورتوں کی سب سے بڑی ضامن رہی ہے اور کبھی بھی اس نے احکام شرعیہ میں اصول شرعیہ کے خلاف نہ کیا ہے، اور نہ باطل قوت سے دب کر شریعت کے احکام میں کوئی تغیر کیا ہے، اور اگر احیاناً کبھی ایسا کیا ہے تو تغیر احکام بلحاظ ازمنہ و احوال کے نظائر کے تحت، کیونکہ جمعیۃ علماء ماہرین شریعت کے غور و خوض سے مرکب اور عبارت ہے، نہ کہ ابوالاعلیٰ صاحب کی سیاسیات جو کہ نری تلبیسات پر مبنی ہے اور تاریخ کا کہیں پتہ نہیں۔ جماعت اسلامی پاکستان و ہند کے بارے میں علماء حق نے جو فتویٰ دیا ہے کہ

(باقی ص ۴۳۰ پر)

کون سرٹیفکٹ ان کے پاس ہے؟، علوم عربیہ اور فقہ اسلامی (اسلامک لا) میں ان کا کیا پایہ ہے؟ کتنے دنوں انھوں نے عربی علوم و فنون اور فقہ اسلامی کے اصول و فروع کی خدمت کی؟ ہم تک اس کی کوئی تفصیل نہیں پہنچی ہے۔ بیشک ان کے سینہ اور دل میں اسلامی ہمدردی اور مذہبی جوش بہت کچھ بھرا ہوا ہے، تحریرات زوردار کرتے ہیں، مگر فتویٰ کے لیے یہ مقدار کافی نہیں،

حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم سے ہمارا سیاسی اختلاف ہے، اور بہت زیادہ اختلاف۔ مگر وہ جزئیات اور فروع، اسلامک لا جن کو سیاسیات سے تعلق نہیں ہے، ان میں ان کا قول قابل اعتماد ہوگا، مولانا موصوف کا اسلامی تفقہ اور علوم و فنون میں تمام عمر مصروف رہنا ان کی تعلیم دینا، ان میں اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگری حاصل کرنا، ان میں بے شمار مفید اور کارآمد تصانیف و تالیف کرکے عالم اسلامی اور خلائق کو فیضیاب بنانا آفتاب کی طرح دنیا میں روشن ہے اور ہو چکا ہے، اس بارہ میں مودودی صاحب کا قول ان کے سامنے ایسا ہی شمار کیا جائے گا جیسے کہ ایک کامیاب بیرسٹر کے سامنے چوتھی پانچویں کلاس کے طالب علم کا قول ہوگا۔ آپ نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ "مودودی صاحب زمانہ کی سائنٹفک ایجادات اور تیز رفتار تمدنی انقلابات کے ہوتے ہوئے ہدایہ اور بدائع کی روشنی میں مسائل کو حل کرنا نوجوان طبقہ کو اسلام سے بدظن کر دینا اور الحاد کے شکار کر دینے کے مرادف ہوگا" الخ نہایت تعجب خیز مقالہ ہے، پھر تو آپ بجائے ہدایہ اور بدائع کے قرآن و حدیث کو بھی لائیں گے۔ اگر ان چیزوں کی موجودگی میں ہدایہ اور بدائع کی روشنی میں حل نہیں کیا جا سکتا تو یہ بھی کہنا کیوں نہیں درست ہے کہ پھر آج قرآن و حدیث کو اسی وجہ سے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۹) یہ جماعت اسلامی مسلمانوں کے لیے مفید نہیں ہے، وہ اپنی جگہ پہ صحیح ہے۔ کیونکہ علوم دینیہ میں ان کی معلومات ناقص اور عقل اس سے بھی کم ہے، نتیجہ ظاہر ہے، دوسری جلد میں اور بہت سارے مکتوبات دربارۂ جماعت اسلامی درج کرکے فیصلہ اہل دیانت پہ چھوڑیں گے۔ (اصلاحی)

بالائے طاق رکھ دینا چاہیے، ورنہ نوجوان طبقہ اسلام سے بدظن ہو جائے گا۔ الخ

میرے محترم! آپکے ارشادات اور حضرت تھانوی کے فتوی مین منافات نہین معلوم ہوتی، مولانا صرف نماز کے متعلق منع فرماتے ہیں خطبہ، وعظ لکچر وغیرہ مین منع نہیں فرماتے، نماز مین کوئی تبلیغ نہیں ہوتی، عبادت الٰہی ادا کی جاتی ہے۔ وہ آلہ کبر الصوت کی محتاج نہیں ہے۔ وہ اور رکوع اور قعود کے انتقالات اس سے معلوم نہیں ہوتے، قرأۃ عربی زبان مین ہوتی ہے، نماز کی صحت کے لیے قرأۃ کا سننا ضروری نہیں، ظہر اور عصر مین تو کوئی نہیں سنتا، جہری نمازون مین دور کے لوگ نہیں سنتے، اور اگر سنائی بھی دے تو اس کا سمجھنا جبکہ عربی میں ہوتی ہے بجز عربی دان کے کسی کو نہیں ہو سکتا خواہ لاؤڈ اسپیکر ہی ہی کیون نہ ہو، اس لیے یہ تحریر اور فلسفہ بے موقع ہے اور غلط ہے، نماز کو لاؤڈ اسپیکر سے پاک کیجئے اس مین خارج نماز آواز وغیرہ امور خارج ہین، نماز کی ضروریات تکبیرات انتقال کی ترتیب سے باحسن وجوہ پوری ہوتی اور ہو سکتی ہے، بے ترتیبی سے تو لاؤڈ اسپیکر بھی کچھ نہیں کر سکتا، خطبہ مین آپ اسکو خوشی سے استعمال کر سکتے ہین، بنا برین امور مسئولہ کے جوابات تفصیل سے حسب ذیل ہین

(۱) اس آلہ سے تبلیغ اور وعظ و نصیحت کرنے مین کوئی مضائقہ نہین اور نہ کوئی اسکو حرام کہتا ہے۔

(۲) اس کا جواب کلام سابق سے معلوم ہوگیا یعنی تہذیب باطل پر تہذیب حق کو کیسے کامیاب بنایا جائے

(۳) یقیناً وہ آواز جو امام کے منہ سے نکلی تھی نہین ہے۔ بلکہ اس میں دوسری چیز کا اشتراک ہوا ہے جس کا آپ کو بھی اقرار ہے۔ کہ بجلی کی طاقت نے بہت بلند کر دیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ امام کی آواز کی وہ کیفیت من کل الوجوہ باقی نہیں رہتی جو کہ اس کے منہ سے نکلنے پر ہوئی تھی، احکام شرعیہ میں اتنا اشتراک بھی تغیر پیدا کر دیتا ہے، جس کی نظیرین کتب فقہ میں موجود ہین۔

(۴) نماز کے لیے بحیثیت عبادت مقصود حضور قلب اور توجہ الی اللہ مطلوب ہے، نہ سماع صوت قابل تعلیم اور صحیح ہے، میری سمجھ میں خطبہ میں لاؤڈ اسپیکر کی ممانعت نہیں آئی ہے، اسکو میں جائز

سمجھتا ہوں، مولانا تھانوی صاحب کا خطبہ کو منع کرنا میں نے نہیں سنا ہے، اسکی ممانعت آپ کے یہاں کے علماء نے فرمائی ہوگی۔ میں اس کے سمجھنے سے بالفعل اپنے آپ کو قاصر پاتا ہوں، والسلام حسین احمد غفرلہ۔ ۲۹ رمضان ۶۵ھ

مکتوب نمبر ۱۵۷

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب مدظلہ کی ذہانت اور علوم عربیہ کی واقفیت میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔ انکی تصانیف اور مضامین اسکے گواہ ہیں۔ میں نے بارہا انکے ساتھ نماز بھی پڑھی ہے اور جماعت میں شریک ہوا ہوں، میں نے کبھی انکو شراب پیتے ہوئے دیکھا نہیں اور نہ شراب کے نشہ میں پایا، جو لوگ ان پر اس قسم کے الزام رکھتے ہیں کوئی چشم دید واقعہ ذکر نہیں کرتے، ایسے اعتراضات اپنے مخالف پر کرنے مسلمانوں میں ہمیشہ سے ہر زمانہ تحریک میں مشاہدہ ہوتے رہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ مولانا آزاد صاحب مدظلہ میں بعض کمزوریاں بھی ہیں کہ وہ پنجگانہ جماعت کے مساجد میں پابند نہیں ہیں، داڑھی بھی ایک قبضہ کے مقدار میں نہیں رکھتے، فوٹو کھچواتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مگر وہ مقصد اہم جو کہ فریضۂ اسلامی ہے اسمیں یقیناً وہ نہایت استقلال اور عالی ہمتی سے جفاکش اور جانباز ہیں، انکو دینی ہمدردی بھی بڑے پیمانہ پر حاصل ہے، اللہ تعالیٰ انکی امداد فرمائے اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق دے، آمین۔ والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۳ شعبان ۶۵ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۵۶) نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے بارے میں حضرت مولانا تھانویؒ سے جو استفتا کیا گیا تھا وہ سوال اور جواب ذیل میں ہم افادہ کی غرض سے درج کر دیتے ہیں جس پر مولانا ابوالاعلیٰ صاحب نے رسالہ ترجمان القرآن جلد ۱۳ عدد ۱ ستمبر ۳۸ء میں بحث کی ہے، حضرت امام العصر نے جو تبصرہ فرمایا ہے وہ صحیح اور حق ہے۔ سوال۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مشین ایسی ایجاد ہوئی ہے کہ مقرر کی آواز کو بہت فاصلہ تک اسی طرح پہنچا دیتی ہے جس طرح پاس کے اشخاص کو پہنچتی ہے، پس کیا جائز ہے کہ ان مشینوں کے ذریعہ خطیب کی آواز کو تمام سامعین تک پہنچا دیا جائے۔ الجواب۔ اول ایک قاعدہ سمجھ لیا جائے جو عقلی بھی ہے اور نقلی بھی اور فقہاء حنفیہ نے اس قاعدہ پر بہت احکام کو متفرع کیا ہے، وہ یہ کہ جو مباح یا مندوب درجہ ضرورت و مقصودیت فی الشرع تک نہ پہنچا ہو اور اس میں کوئی مفسدہ یا احتمال قریب محتمل ہو تو اس مباح یا مندوب کا ترک اور اس سے منع کرنا لازم ہے، عقلی ہونا تو اس طرح ظاہر ہے اور قبول فقہاء کے بعد اسکے ماخذ نقلی کے نقل ضروری نہ تھی، مگر تبرعاً اسکو بھی آتی کرتا ہوں سو اسکے نقل کرنے کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم سب آلہہ مشرکین گو مقصود بالذات نہیں مگر مندوب بھی ہے اور بعض حالات میں مندوب بھی ہے مگر مقصود مستقل نہیں، کیونکہ اسکی غایت دوسرے طریق سے بھی حاصل ہو سکتی ہے یعنی تحقیر و مغلظت و مجادلہ حسنہ اور اس میں مفسدہ سبّ مشرکین للہ ذوالحق کا ہے اس لیے اس سے نہی فرمادی گئی اور اس قاعدہ کی تمہید کے بعد جواب ظاہر ہے کہ تبلیغ سامعین بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے کیونکہ بعیدین کو دوسرے غیر مجہد وسائل کے ذریعہ سے تبلیغ ضروری ہے۔ اور اس میں یہ مفسدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جائیں گے اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی یا دوسرے آلات لہو کے استعمال کرنے کی۔ لہٰذا ترک اور منع لازم ہوگا، یہ تو اس وقت ہے جب خطبہ سے مراد مطلق واعظ اور [illegible]

مکتوب نمبر ۱۵۸

بنام زاہد حسین صاحب عفا فر لوکو تیید، پاتھر ڈیہہ ڈاکخانہ پاتھر ڈیہہ ضلع مانبھوم (مشرقی پاکستان)

میرے بھائی دنیا میں جو وقت بھی مل جائے وہ نہایت غنیمت ہے، اس کی قدر کرنی چاہیے، اور اسکو ضائع نہ ہونے دینا چاہیے۔ یہ زمانہ کھیتی کا ہے، اس کا ہر ہر سکنڈ ہیرے اور زمرد سے زیادہ قیمتی ہے، جس قدر بھی ہو اس کو ذکر الٰہی میں صرف کیجئے ؎

ہر نفس بہر مسیحا ئیست چست　　　گر نداری پاس او از جہل تست

این چنین انفاس خوش ضائع مکن　　　غفلت اندر شہر جان شائع مکن

اتباع سنت کا ہمیشہ خیال رکھیے، یہی کمال ہے، یہی مطلوب ہے، یہی رضاء خداوندی کا موجب ہے ؎

ع　من نہ کردم شما حذر بکنید

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۲) لگے ہوا ہو، اور اگر اس سے مراد خطیب جمعہ و عیدین کا ہے تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا اظہر ہے، اس لیے کہ خطبہ میں حضور متعضو ہے نہ کہ سماع صوت اور مفسدہ قوی ہے، کیونکہ اس آلہ کو مسجد میں داخل کرنا موگھ ہو کر اس کے احترام کے خلاف ہی نیز تشبہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ۔ اسی تشبہ کی بنا پر فقہا نے عرس اتجاد فی المسجد کو منع فرمایا ہے، اور تشبہ بالبیعہ والکلیسہ سے معلل کیا ہے۔ واللہ اعلم

(مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ)

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۵۷) بعض لوگوں نے حضرت امام العصر سے استفسار فرمایا تھا جس پر یہ منثور گرامی سب سے بڑی سند شرف و مجد ہے: مولانا آزاد مسلمانوں کے ایک ایسے رہنما ہیں جنکی نظیر تمام دنیا میں موجود نہیں، علمی اور ادبی حلقوں میں مولانا کی جو عزت ہے وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوئی۔

مسلمان قوم کی منتشلیٹی ہے کہ وہ مردہ کو تو پوجتی ہے اور کھو جانے کے بعد ہائے ہائے کرتی ہے لیکن زندہ کو نفعا اس کے معنوی دھرم میں گناہ ہے، چنانچہ اس کا یہی رویہ مسلم رہنماؤں کے ساتھ رہا اور ہے، باقی آزاد کو سمجھنا خود بہت دشوار ہے اور کہنا پڑتا ہے "آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں"۔

حضرت مولانا تھانوی کے مواعظ خرید لیجیے، اور ان کو بھی دیکھا کیجیے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۵۸) صحابہ کرام اور جملہ بزرگان دین کا محور عمل صرف رسول اللہ صلعم کی ذات تھی، اس لیے وہ تمام اعمال میں آپ کی سنت کا اتباع کرتے تھے، کیونکہ صفائی قلب اور تزکیۂ نفس براہ راست تعلیمات مصطفوی کا ثمرہ ہے، جب ہر شے میں اتباع نبوی ہونے لگتا ہے تو حجابات خود بخود اٹھتے جاتے ہیں، اسی لیے متابعت رسول فرض اور عین محبت الٰہی کی علامت ہے، اور اتباع رسول کا صلہ ہی محبت الٰہی قرار دیا گیا ہے، پس جو شخص جتنا زاید تبع رسول ہے اسی قدر زاید محبت الٰہی کا بھی حصہ دار ہے، حضرات صوفیہ صافیہ نے اتباع کا حق ادا کیا ہے اور اسی کی تائید فرمائی ہے، شیخ عبد القادر جیلانی کا ارشاد ہے "اتبعوا ولا تبتدعوا" سنت کی پیروی کرو اور بدعت نہ نکالو۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں "اجعل الکتاب والسنۃ امامك واعمل بھما ولا تغتر بالقال والقیل" (فتوح الغیب) قرآن اور سنت کو اپنا پیشوا بنالو اور ان پر عمل کیا کرو، اور لوگوں کی کہی سنی باتوں پر دھوکا نہ کھایا کرو۔ شیخ احمد عبد الحق ردولویؒ باوجودیکہ مجذوب تھے، لیکن اتباع سنت نبوی کا یہ عالم تھا کہ جامع مسجد میں سب سے پہلے جاکر اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے تھے اور چالیس سال تک جماعت سے نماز پڑھی مگر یہ نہ جانا کہ جامع مسجد کونسی ہے اور کدھر ہے (مسالک السالکین) ابو سعید بن ابی الخیر جو جمال اہل طریقت تھے، آپ ہی کا واقعہ ہے کہ ایک شخص آیا اور مسجد میں سب سے پہلے (خلاف سنت) بایاں پیر رکھا، آپ نے فرمایا کہ میں اس سے ملنا نہیں چاہتا جو دوست کے گھر میں جانے کا طریقہ نہیں جانتا (الدر المنظم) سید الطائفہ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں "ہمارا سارا علم کتاب و سنت کا پابند ہے، دوسری جگہ فرماتے ہیں خلق پر تمام راستے بند کردیے گئے ہیں بجز اس کے کہ سنت نبوی کے نقش پر چلا جائے (رسالہ قشیری) خواجہ اجمیری کا ارشاد ہے کوئی شخص کسی عبادت سے قرب الٰہی حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ نماز بطریق سنت نہ پڑھے، کیونکہ نماز ہی معراج المومنین ہے۔ (تاریخ اجمیر) ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تمام بھلائیوں کا سرچشمہ اور خیر کا دروازہ محمد رسول اللہ صلعم کی اطاعت اور اتباع سنت میں ہے، اس سے باہر نہ تو کوئی راستہ ہے اور نہ کتاب و سنت سے بہتر کوئی نسخۂ شفا اور روحانی علاج دریافت ہوسکتا ہے، کیونکہ صاف اور پاکیزہ پانی وہیں ملتا ہے جہاں سے چشمہ پھوٹتا ہے

(باقی ص ۴۲۵ پر)

مکتوب نمبر ۱۵۹

بنام مولانا عزیز الرحمٰن صاحب تکیہ کلاں رائے بریلی (ادد)

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امراضِ قلبیہ کے متعلق جد وجہد ہمیشہ جاری رکھیے مگر سب سے زیادہ مقدم ذکر اور مراقبہ ہے، اس میں انتہائی محنت اور توجہ ہونی چاہیے، اگر اس میں کامیابی ہو گئی تو آہستہ آہستہ اخلاق بھی درست ہو جائیں گے، ورنہ ضرر کم ہوگا۔ متفقاً میں تہذیب اخلاق کی جد وجہد اولاً

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۴) اور قاعدہ ہے کہ پانی سرچشمہ سے دور جا کر گدلا ہو جاتا ہے۔ اور اس کا اصلی رنگ قائم نہیں رہتا ہے، جہاں حضرات صوفیائے کرام نے حق کی متابعت کا لحاظ کیا ہے، وہیں ان کے کاموں پر صدہا بدعات متوسلین نے ایجاد کر دیں جو ان کے مقدس ناموں کی آڑ میں پھل پھول رہی ہیں اور گویا سانپ اور چھچھوندر کا سا معاملہ ہے کہ نہ اگلتے بنتا نہ نگلتے بنتا۔ امام العصر نے اپنے اس والا نامہ میں اتباع سنت پر بڑا زور دیا ہے کیونکہ آپ کی زندگی کا طغرائے امتیاز اتباع سنت ہی ہے، چونکہ آپ سلسلۂ صابریہ امدادیہ کے خاتم ہیں اس لیے اور بھی اپنے متوسلین میں اتباع نبوی کا جذبہ اور شوق مختلف صورتوں سے پیدا فرما رہے ہیں، آپ کے ان الفاظ کو ہرگز فراموش نہ کرنا چاہیے، ارشاد ہوتا ہے "یہی کمال ہے، یہی مطلوب ہے، یہی رضاء خداوندی کا موجب ہے"۔ جس طرح ان صوفیائے کرام نے اتباع پر زور دیا اور عملی نمونہ پیش فرمایا ہے اسی طرح ان ہی کا متفقہ ارشاد ہے کہ تصوف وسلوک دوسرا نام ہے اتباع سنت کا۔ جس کو راقم الحروف نے کتابی صورت میں مرتب کر رکھا ہے،

نوٹ: حضرت مولانا تھانوی کا مطالعہ مفید ہے کیونکہ اس میں تصوف اسلام وسلوک پر جگہ جگہ نکات موجود ہیں، حضرت امام العصر اور حضرت مولانا تھانوی دونوں ایک ہی خمستان معرفت کے جرعہ نوش ہیں اسلیے جہاں تک تعلیم وتربیت سلوک کا تعلق ہے دونوں مشترک ہیں اس اعتبار سے ایک کو دوسرے پر کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے، باقی حضرت امام العصر کی مجاہدانہ زندگی تو یہ ہمارے حضرت کا وہ مقام ہے جہاں آپ کے ہمعصر نصف قبل شاید ہی کوئی ہستی موجود رہی ہو بہرکیف اس والا نامہ سے دوسرے شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں بزرگ بیک وقت سلوک و تصوف کے امام اور تعلیم و تربیت سلوک پر متحد الخیال تھے۔

کراتے تھے، پھر سلوک بالذکر والمراقبہ کراتے تھے، مگر بسا اوقات ایسا ہوا کہ سالک کی عمر تہذیب اخلاق ہی میں ختم ہوگئی اور وصول الی اللہ کے بعد اخلاق رذیلہ کا ازالہ کرتے ہیں، اسمیں اگر سالک کی عمر درمیان میں ختم ہوگئی تو محروم نہیں جاتا، نیز وصول الی اللہ کے بعد اخلاق رذیلہ کا ازالہ نہایت آسان ہوجاتا ہے، اسی طریقہ کو ہمارے اکابر پسند فرماتے ہیں، بنابریں آپ کو پوری جد وجہد ذکر میں جاری رکھنی چاہیے، معانی کا لحاظ رکھتے ہوئے دل لگاکر ذکر میں کوشش فرمائیے، اسکے بعد انشاء اللہ اصلاح اخلاق رذیلہ ہوجائیگی، اسکے یہ معنی نہیں کہ ان کے اصلاح سے منہ پھیر لیا جائے بلکہ اسکی طرف کو مقصد اصلی نہ سمجھا جائے، اور وصول الی اللہ ہی کو مقصود اصلی قرار دیکر شدید جد وجہد جاری رکھی جائے، بنابریں عرض ہے کہ ذکر کی کیفیت باعتبار نتائج تحریر فرمایئے اور اس کی مداومت واستحضار قلب میں پوری کوشش جاری رکھیئے۔ والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۵۹) تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قرب خداوندی کے اسباب میں سب سے زبردست سبب خدا کا اپنے بندوں کو اپنی جانب کھینچنا ہے، یہ جذب کبھی بلاواسطہ ہوتا ہے اسکو اجتباء سے موسوم کرتے ہیں، اور کبھی متوسط ہوتا ہے مثلاً عبادت وصحبت انسان کامل ایک کو برکات عبادت اور دوسرے کو تاثیر شیخ کہا جاتا ہے، یہ گفتگو علت فاعلی کی بنا پر ہے، علت قابلی استعداد کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ودیعت فرمائی ہے اور کتاب وسنت اس پر گواہ ہے، البتہ یہ استعداد انسانوں کے اندر فرق مراتب رکھتی ہے پس معلوم ہوا کہ نقصان کی تکمیل بدون کسب وصحبت شیخ کامل کوئی اور چارۂ کار نہیں ہے، اس لیے حضرات صوفیہ نے رفع موانع کو تحصیل مقاصد پر مقدم کہا ہے اور مرید کو اذکار وریاضات اور مجاہدات کی اولاً تلقین فرمائی ہے، اب اگر مرید درمیان ہی سے رخصت ہوجاتا ہے تو مطلقاً وصول الی اللہ سے محروم نہیں رہتا، کیونکہ ذکر قلب پہلی ہی صحبت میں اسکو حاصل ہوچکا ہے، خلاصہ یہ کہ حضرات شیخ (منبع الکلم مرشدی وسیدی دامت فیوضہم) اپنے مریدوں کو جو پہلے پہل ریاضت ومجاہدہ اور ذکر کا امر فرماتے ہیں۔ اس کا منشاء تزکیہ نفس وحصول قرب ہوتا ہے، اگرچہ جب تک صحبت شیخ اس کا پشت پناہ ہو یہ تصفیہ وتزکیہ محض عبادت سے کما حقہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے سلوک بالذکر والمراقبہ کو مقدم رکھا جاتا ہے، اور یہی فیصلہ حضرت امام العصر کا بھی ہے۔ واللہ اعلم

مکتوب نمبر ۱۶۰

خاکسار مرتب کے نام

سیدنا المحترم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) سراج الحق صاحب کی اصلاح و ہدایت کے لیے نیز دیگر حضرات کے لیے جو کچھ مساعی آپ عمل میں لارہے ہیں ہر طرح مشکور ہے۔ (لان یھدی اللہ بک رجلا خیر لک من حمر النعم (او کما قال علیہ السلام) کچھوچھہ میں ان کا تشریف لیجانا اگر غیر عرس کے موقع پر ہو تو اطمینان سے ایصال ثواب اور حصول برکات موقع ہوگا۔ اور عرس کے موقع پر تو سوائے تشویش اور سیر تماشہ کوئی چیز نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ ایسے عقلمند اور تجربہ کار ہو کر کیسے اس کو پسند کرتے ہیں۔ اس موقع پر تو اجتماع فواحش اور سیئات کا ہوتا ہے اور اگر ان کو اس پر اصرار ہی ہے تو تحریری تصریح ہی کیوں چاہتے ہیں۔ بغیر پوچھے اور کہے سے بیسیوں چیزیں انسان عمل میں لاتا رہتا ہے، ہم کو کیوں شریک معصیت کرنا چاہتے ہیں۔ بہر حال اگر اللہ تعالیٰ نے کسی قریب زمانہ میں حاضری کا موقع دیا تو عرض معروض کی مزید نوبت آئے گی۔

ع۔ امام العصر دامت برکاتہم نے چھوٹوں کو بڑا بنا کر جھوٹے نے بڑے اخلاق عالیہ کا ثبوت دیا ہے جیسا کہ آنحضرت صلعم نے زید بن حارثہ کو اخوانا و مولانا اور حضرت عمرؓ نے بلال حبشی کو سیدنا کے لقب سے یاد فرمایا تھا۔

لہ اللہ تعالیٰ بدعات و محدثات کا ناس کرے۔ اس چھوت چھات کی بیماری نے جسکو چھو لیا پھر اسکو توبہ نصیب ہونا دشوار ہو جاتا ہے۔ بدعتی نادانوں کا علماء حق پر بھی اعتراض ہوتا رہتا ہے۔ تاکہ اسکی آڑ میں اپنی بد دینی کو چھپائیں۔ چنانچہ ان کا تمام پروپگنڈہ ہے کہ یہ حضرات نہ پیر کے قایل نہ اولیا کی بزرگی کے معترف نہ زیارت قبور ان کا مذہب وغیرہ، حالانکہ حضرت امام العصر نے سلاسل طیبہ میں صاف صاف لکھدیا ہے "نیز اولیاء اللہ اور مشائخ کے مزاروں کی زیارت سے مشرف ہوا کرے اور فراغت دلی کے اوقات میں ان کے مزاروں پر بیٹھکر ان کی روحانیت کی طرف توجہ کرے اور اس کی حقیقت اپنے مرشد کی صورت میں تصور کرے اور فیضیاب ہوا کرے اور برکت حاصل کرے اور کبھی کبھی عام اہل اسلام کے مزاروں پر جاکر موت کو یاد کرے، اور فاتحہ پڑھکر ان کو ثواب پہنچائے۔" رہ گیا عرس میں جانا تو یہ صریح بدعت ہے اور

(باقی ص ۴۳۸ پر)

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر ہم جیسے بدنام کنندہ نکونا ان کو خیال فرمانا ع ۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک ۔

کا مصداق ہے ، ہمارا حال تو حسب قول شاعر ہے ؎

یظن الناس بی خیرا و انی لشر الناس ان لم یعف عنی

(۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق مشکل کشا کا لفظ نہ معلوم کس وجہ سے طبیعت کو گراں ہوتا ہے ، زمانہ سابق مین یہ لفظ بمنزلہ لقب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے مستعمل ہوتا تھا ، اسی زمانہ مین شجرہ تصنیف کیا گیا ہے ، ہم نے زمانہ طفولیت مین سن رسیدہ لوگون کی زبان پر اس کو بہت زیادہ جاری پایا ، گو یہ لفظ عربی کے ' حلال المعاقد ' کا ترجمہ ہے ، حسب معنی لغوی خصوصیت ذات خداوندی کے ساتھ نہین رکھتا ، معانی شرعیہ کے اعتبار سے مشکل قسیم مجمل و متشابہ ہوتا ہے ، جس کا مصداق ہر فقیہ صاحب الرائے ہوسکتا ہے ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بوقت ارسال یمن جبکہ انھون نے شکایت فرمائی کہ مین حدیث السن ہون اور آپ مجھکو قاضی اور حاکم بناکر بھیجتے ہین تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینۂ مرتضویہ پر دست مبارک مارا جس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہین فما شککت فی قضیۃ بعد ۔ پھر ان کے وہان کے مشکل سے مشکل فیصلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے

(باقی حاشیہ ص ، ۴۳۷) راقم الحروف کو عرسوں میں قبرون پر سجدہ کرنا تک مشاہدہ ہے ، حالانکہ ان بزرگوں کی ارواح اس سے بیزار ہوتی ہے نہ کہ خوش ، چنانچہ ان عرسوں کو ہماری زبان مین میلا جانا کہا جاتا ہے ، اور وہ تمام حکایتین وہاں ہوتی ہین جو میلہ ٹھیلہ میں ہوا کرتی ہین ، کہین کم کہین زیادہ جس سے شریعت نالان اور ناطقہ سر بگریبان ، اگر مقصد زیارت سے حصول برکت و استفادہ فیوض ہے تو یہ چیز غیر عرس میں حاصل ہونا اور دلجمعی پیدا ہونا کھلے طور پر ثابت ہے ۔ پھر کیوں نہ کیا جائے ۔ اگر کسی کو بڑا اصرار ہو تو پھر فتوی لینے کے کیا معنی ، فتوی کے بعد اگر خلاف کیا تو دوہرا گناہ ہوگا ، اور مفتی بھی لپیٹ میں آسکتا ہے جبکہ اس نے مستفتی کی رعایت فرمائی ۔ اس والا نامہ میں حضرت امام العصر نے اپنی طرف اشارہ فرمایا ہے ، خوب سمجھ لیا جائے

ذکر کیے گئے ہیں جن پر آپ نے اظہار خوشنودی فرمایا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ولولا علی لھلک عمر" ، ایسے مشکل مقام میں تھا جو کہ مشہور ہے۔ مشکلات کے حل کرنے میں زمانۂ صحابہؓ میں حضرت علی مشہور ہوگئے تھے، تا آنکہ بحث فیصلہ میں یہ مثل صحابہ کرام کی مشہور ہے۔ قضیۃ ولا ابا حسن لھا۔ بہر حال سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا وجہ اس لفظ کے اباکی ہے۔ اگر کوئی خصوصی الوہیۃ یا نبوۃ ہوتی تو محل کلام تھا۔[1]

(۴) علماء و صلحا کو خواب میں دیکھنا رویاء صالحہ میں ہے اور مبارک امر ہے۔

(۵) آپ فرماتے ہیں بسا اوقات بہت سے شغل اور اذکار ی صوفیہ پر بدعت کا گمان ہونے لگتا ہے، کیونکہ صاحب شریعت تزکیہ و اصلاح نفوس کے لیے جو معتد نسخہ تجویز کیا تھا اسکے اجزاء کے تناسب میں رد و بدل کرنا اور بعض چیزوں کی مقادیر کو صاحب شریعت کی تجویز کردہ مقدار سے بڑھا کر بعض دوسرے اجزا کی مقداروں کو اسی نسبت سے گھٹا دینا من احدث فی امرنا ھذا

---

[1] خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مشکل کشا محض اسلیے کہا جاتا ہے کہ آپ آنحضرت صلعم کی توجہ اور دعا سے بڑے بڑے امور کو صحیح طور پر طے فرما دیتے تھے، اور صحابہ کی جماعت میں آپ کا لقب "حلال المعاقد" یعنی گرہوں کے کھولنے والے ہو گیا تھا، ایسے معنی لغوی کے اعتبار سے کوئی خصوصیت ذات الٰہی کی نہیں ہوتی اور یہ چیز تو ضرب المثل کے طور پر ہوگئی تھی کہ کوئی ایسا معقد اور قضیہ نہیں کہ جس کو حضرت علیؓ نے صاف نہ کردیا ہو، چونکہ بدعتی اور روافض حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا اس خصوصیت کے ساتھ مانتے ہیں جو ذات بحت کا خاصہ ہے اسلئے ان ہی نے اس لفظ کی ترکیب فارسی قرار دیکر اہل سنت والجماعت میں اس فقرہ کو پہنچایا جس میں قطعی طور پر رفض کی بو آتی ہے۔ راقم الحروف نے حضرت امام العصر سے اسی خیال خام کی تشفی چاہی جو بحمد اللہ اچھی طرح ہوگئی اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ حضرت علیؓ کو مشکل کشا کہنا اور اس سے مراد مشکل مسائل کا حل کرنا ہو تو اسکے بولنے میں کوئی حرج نہیں ہے، باقی اچھا یہ ہے کہ لفظ مشکل کشا کا استعمال حضرت علیؓ کے لیے اگر ترک کردیا جائے تو اور زیادہ بہتر ہوگا کیونکہ عوام اس فرق کو کیا جانیں۔

منہ فھو رد کے تحت نہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں" محترما! اگر کوئی چیز کسی نے ایسی کی ہے یا کی ہے جو صراحتاً خلاف شریعت ہے، وہ تو یقیناً مردود ہے ہی، مگر جو چیز اباحت و استحباب کے ماتحت داخل ہو اسکا اس کا فرمانا مقادیر کی یا اغراض وغیرہ کی کمی بیشی ایسی ہی ہے جیسے قرآن میں اعراب لگانا، اس کو طبع کرنا، اس کی جلد باندھنا، اس کی تدریس و تعلیم اور مکاتیب اور ان کے لوازم کو عمل میں لانا جس کو حکماء امت نے ضروریات زمانہ اور مقتضیات و استعدادات اقوام کے مطابق فرائض یا واجبات کے عمل کرنے کے لیے موقوف علیہ یا ضروری سمجھکر وضع فرمایا ہے۔ قاعدہ مایتوقف علیہ المامور بہ فھو مامور کا قاعدہ سب کو ماننا ضروری ہے، کیا اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد کے لیے آپ توپ، مشین گن اور اسلحہ جدیدہ کو بدعت فرمائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ نفوس زمانۂ سعادت میں جس قدر استعداد رکھتے تھے اس کے مطابق اور ماحول کے اثرات کے ماتحت خیر القرون میں عدد و قیود اور کیفیات درکار تھیں، مگر ان میں واجاب ذکر اور تقرب الی اللہ کے لیے حکماء ارواح کو ازمنہ متاخرین اعداد و قیود ضروری معلوم ہوئیں انکو بدعت فرمانا اور علم ظاہر و جہاد کے اسلحہ کے لیے مشروع و مسنون ہونے کا حکم دینا کیا ظلم نہیں قرار دیا جائے گا، پہلے والا نامہ کا جواب کسی سفر میں یہاں تک لکھ چکا تھا کہ کوئی مانع پیش آیا اور جواب پورا نہ ہو سکا، پھر اس امید میں کہ کوئی فرصت ہو، یہ وقت آگیا، معاف فرمائیں۔

ہاں اگر کسی مامور بہ میں اعداد اور اوضاع اگر مقصود بالذات ہوں جیسے اعداد رکعت صلوٰۃ مفروضہ اور اوضاع وہیئات قیام وقعود و رکوع وغیرہ تو ان میں کمی زیادتی تغیر و تبدل یقیناً ناجائز اور حرام ہوں گے۔ ظہر کو پانچ رکعت یا زیادہ اسی طرح ممنوع ہوگا جس طرح تین رکعت یا اس سے کم، مگر اشتغال و اذکار میں اس کا وجود نہیں بلکہ اگر تتبع فرمائیں گے تو ان میں کماً و کیفاً اطلاق اور ازدیاد ہی کا پتہ چلتا ہے۔ یا ایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً الآیۃ اگر

کمیت کے اطلاق پر دلالت کرتا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ الآیۃ۔ یہ کیفیت کے اطلاق کو بتاتی ہے، وعلیٰ ہذا القیاس۔ آیات واحادیث اس بارہ میں اگر تلاش کیجائیں تو مندرجہ بالا مضمون کا عظیم الشان ذخیرہ ہاتھ آئے گا۔ بہرحال یہ اشکال بالکل بے موقعہ ہے، امراض باطنیہ کے تفاوت کی بنا پر علاج اور ادویہ میں تفاوت کا ہونا ضروری ہے۔ زمانہائے مشہود لہا بالخیر پر اس زمانہ کو جو کہ مشہود لہا بالشر ہے، مساوی قیاس کرنا غلطی ہوگی۔[1]

[1] راقم الحروف نے اپنے عریضہ میں جو شکوک ظاہر کیے تھے، وہ مکتوب ہذا میں حضرت امام العصر نے اصل فقرے نقل فرمائے ہیں اور پھر جو تحقیق فرمائی ہے وہ بھی موجود ہے، الحمد للہ کہ مجھکو اس سے پورا اطمینان ہوگیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی خوبی کا اندازہ حضرت امام العصر کے ارشادات اور حضرت مولانا تھانوی کے مواعظ سے کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ہر دو بزرگوں اور روحانی طبیبوں کا ایک ہی نقطۂ نظر ہے، الفاظ میں فرق ہوا کرتا ہے۔ دوسری بات جو حضرت امام العصر کے والانامہ سے معلوم ہوئی وہ آیت سورہ آل عمران و آیت سورہ نساء میں بصراحت موجود ہے، یعنی کثرت ذکر اور دوام ذکر۔ ظاہر ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلان کی یاد اٹھتے بیٹھتے، جاگتے سوتے قائم رہتی ہے تو اس سے مراد کثرت اور دوام ہی ہوتا ہے۔ قرآن مجید واحادیث میں ذکر کی فضیلت واہمیت پر اتنی آیات واحادیث صحیحہ موجود ہیں کہ کہنا پڑتا ہے کہ ذکر خدائے تعالیٰ ایک بلند اور قوی ترین رکن ہے۔ سلوک اور معرفت الٰہی کا ادراک کوئی ہرگز ہرگز بغیر دوام ذکر کے نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت دقاقؒ فرماتے ہیں "ذکر منشور ولایت است"۔ نماز بہترین عبادت اور بلند ترین ذکر ہے، مگر بعض اوقات ایسے ہیں کہ اس وقت اس کو نہیں ادا کیا جاسکتا۔ بخلاف اس کے ذکر یعنی یاد یا یاد داشت یہ ہر وقت رکھی جاسکتی ہے۔ حضرت امام مالکؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ ایسے مواقع جہاں ذکر زبان سے نہیں کرسکتے وہاں دل سے ذکر ناموقوف نہیں۔ بعض لوگوں کو خبط ہے کہ ذکر بلا فکر صحیح نہیں، ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ذکر فکر سے کامل چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ذکر سے موصوف ہے، فکر اسکی شان کے منافی ہے۔ یہ ذکر ہی کے خصائص میں سے ہے فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ یہاں ذکر کا تبادل ذکر ہی سے فرمایا گیا ہے کفیٰ باللّٰہ شہیداً یعنی تم مجھکو یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حواس اور حالات

اب میں آپ کے اس والا نامہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جو کہ آپ نے ۱۹ رجب کو ارسال فرمایا ہے۔ بابو معین الحق صاحب کے متعلق غالباً اسی وقت عرض کر دیا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔ بہرحال میں نے اس وقت بھی دعا کی تھی اور اب بھی دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے آمین۔ مبارکپور میں اس زمانہ میں بابو فضل الرحمن صاحب کی اہلیہ محترمہ کا والا نامہ ایک صاحب لیکر آئے تھے جس میں مندرج تھا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ تو ہم لوگوں سے بہت کشیدہ خاطر ہے، اس کا ہم کو بہت افسوس ہے۔ ہماری بڑی خواہش ہے کہ تو واپسی پر ہمارے یہاں چند گھنٹہ قیام کرتا ہوا واپس ہو (یہ روایت بالمعنی ہے) میں نے جواب میں لکھا کہ آپ سے خفگی کی کوئی وجہ نہیں، ہاں بابو صاحب کے متعلق کچھ باتیں معلوم ہوئی تھیں۔ سو ان سے کشیدہ خاطر ہو کر میں کیا کر سکتا ہوں۔ اور چونکہ واپسی پر مجھکو مہلت نہیں ہے، اس لیے حاضری سے معذور ہوں (غالباً یہی مضمون تھا) بہرحال بابو صاحب کی اہلیہ محترمہ سے تو رنجش کی وجہ کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی، البتہ اگر بابو صاحب سے مجھکو رنجش نہ ہوتی تو مانع کیا تھا، جبکہ واپسی پر موٹر ان کے گھر کے سامنے سے گذرتا ہوا اسٹیشن پر گیا تھا کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۱) ایمان تین چیزوں میں تلاش کیا کر: نماز، ذکر اور تلاوت، پس اگر حلاوت محسوس ہو تو سمجھ لو کہ بہتر ہے ورنہ یقین رکھو کہ دروازہ بند ہو چکا ہے۔ حضرت استاذ امام مولانا فرنگی محلی مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کے سوال کے جواب میں عجیب حکمت قرآنی بیان فرمائی ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ "عبادات کے دو اصل الاصول ہیں ایک ذکر اللہ دوسرے مواسات خلق خوب بات ہے کہ ساری شریعت و طریقت کا حاصل اسی قدر ہے، تیسری بات جو راقم الحروف کو ہدایت فرمائی گئی ہے وہ ۲۰۔۲۵ سال ارباب ثروت میں قیام کرنے سے حرف بحرف حقیقت بنکر سامنے آئی کہ اصحاب مال اور رؤسا سے اتصال پیدا کرنے میں یہ خطرہ پیش آتا ہے کہ یہ لوگ بہت جلد مجازی رازق بنکر بندگی کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں، اس کے سدباب کرنے کے لیے خودداری، تعفف اور بے لاگ راست روی سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے، اور اگر ذرا بھی خامی برتی جائے گی، تو نہ صرف یہ کہ ان کی خداوندی مسلط ہو جائے گی بلکہ دین بھی ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جاتا ہے، الحمد للہ کہ بزرگوں کی توجہ اپنے شریک حال ہوئی اور بتدریج اصول دین اور فروع اسلام کی دعوت دی گئی اور غلط رسم و رواج اور

(باقی ص ۴۴۳ پر)

مین آدھ گھنٹہ یا اس سے کم و بیش کے لیے وہاں نہ ٹھہرتا، بہرحال ان کے غلط اعمال پر مجھکو یقیناً صدمہ ہے مگر واقعہ یہی ہے کہ مین کر ہی کیا سکتا ہون، مین ایک معمولی غریب آدمی ہوں، اور وہ ایک رئیس زمیندار ہین، مین ان سے رنجیدہ ہوکر ان کا کیا بگاڑ سکتا ہون، اور ان کی طبیعت پر میرے کبیدہ خاطر ہونے کا کیا اثر ہوسکتا ہے، ان کی اہلیہ محترمہ بیچاری عورت ہین، عورتون کو ضعف قلب کی وجہ سے کچھ اثر ہو جاتا ہے، بہرحال بابو صاحب ایک امیر آدمی ہین اور وہ اپنے گھر خوش رہین، مین ایک غریب آدمی ہون اپنی غربت مین خوش ہوں۔ میرا فریضہ ہے کہ ان کے لیے، ان کے کنبہ کے لیے اور تمام امت محمدیہ کے لیے دست بدعا ہون، اللہ تعالیٰ سب پر رحم فرمائے، اور سبھون کو مقاصد دارین مین کامیاب فرمائے۔

حضرت مولانا! معلوم ہونا چاہیے اہل دنیا روساء سرمایہ دار صرف مادیت اور اس کی قوت کے معترف اور دلدادہ اور پرستار ہوتے ہین، ہم جیسون کو تو وہ اپنے جوتہ کی خاک کے برابر بھی نہین سمجھتے، میرے تعلقات اہل ثروت سے نہایت ہی کم بلکہ تقریباً معدوم ہین، یہ لوگ نہ پیر کے ہوتے ہین نہ فقیر کے ...... بہرحال جو کچھ پیش آنا تھا وہ آچکا ہے آپ کو بھی کبیدہ خاطر نہ رہنا چاہیے۔

(۷) اول وقت پر نماز بیشک بہتر ہے، مگر جن روایات مین اول وقت کا ارشاد ہے ان مین اول وقت جواز مراد ہے یا اولی وقت استحباب۔ بر تقدیر شق اول بہت سی روایات صحیحہ کا ترک لازم آتا ہے، اور بر تقدیر شق ثانی پر جمع بین الروات ہو جاتا ہے، وھو الاوفق لظاہر الروایۃ عن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۳) غلط رسم و رواج اور بدعات جن نے مذہب کی صورت اختیار کر لی ہے، اس سے آگاہ کیا گیا، اور آپ حلوے اور مانڈے کی فکر مین اسلام کو بدنام نہیں کیا گیا اور صاف کہدیا گیا ؂

برو این دام بر مرغ دگر نہ کہ عنقا را بلند است آشیانہ

(۷) آدمی کتنا ہی بزرگ ہوجائے مگر پھر بھی انسان ہے۔ انسانی کمزوریاں علم یا سلوک سے فنا نہیں ہوتیں، البتہ نفسانی خباثات میں کمی آجاتی ہے، انقلاب ماہیت ہوجائے تو پھر مضاعفت اجر و ثواب کیونکر ہو۔ مَلَک جو کہ ان کمزوریوں سے طبعًا خالی ہے مستحق اجر و ثواب نہیں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تو بات ہی نرالی ہے، مگر ہمہ شما میں یہ کمزوریاں ضروری ہیں، مشاجرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کی شاہد عدل ہیں، بہرحال ایسی کمزوریاں اپنے سے حتی الوسع دفع کرنا چاہیے، اور دوسروں میں ان پر نظر نہ ڈالنی چاہیے، بلکہ اس کے وصف کمال کو تلاش کرنا چاہیے، اگر مل جائے تو اس کی قدر کرنی چاہیے؛ انسان ممکن بالامکان الخاص ہے، اور اصل ممکنات کی عدم ہے، اور عدم ہی تمام شرور و نقائص کا مبدء اور منشاء ہے، بنا بریں ممکنات کا نقص طبعی اور اصلی ہے البتہ کمال موہبی ہے، وہی قابل توجہ ہے، اس لیے کبھی نقایص سے دلگیر اور متاثر نہ ہوں، ہدانا اللہ وایاکم کما یحبہ و یرضاہ۔ آمین

ﮯ۱ احادیث و آثار کے تعارض کی صورت میں جمع و توفیق کی راہ مجتہدانہ راہ ہے اور یہ بہت مشکل چیز ہے جس کو وہی نباہ سکتا ہے جس کی نظر اسفار حدیث پر گہری ہو، یہی تفقہ فی الدین ہے۔ باقی بخاری و مسلم سے چند احادیث نکال کر عمل در آمد کرنا یہ وہی کر سکتا ہے جس کا مبلغ علم، فہم و فراست سے خالی ہے، اس مکتوب میں حضرت امام العصر نے جمع و تطبیق کی صورت اختیار فرمائی ہے، جو ہمارے لیے بہترین اسوہ ہے، جہاں تک ہماری نظر ہے نہیں۔

دوسری چیز کہ انسانی کمزوریاں علم یا سلوک سے فنا نہیں ہوتیں البتہ نفسانی خباثات میں کمی آجاتی ہے اس عارفانہ تحقیق نے مدعیان سلوک اور تصوف کی بہت غلط فہمیوں کو دور کر دیا ہے یعنی یہ کہ ریاضت و مجاہدہ سے استیصال رذائل نہیں ہوتا بلکہ رخ بدل جاتا ہے، اور ہماری یہ کمزوریاں ہی اجر و ثواب کا سبب بنجاتی ہیں، اور پھر توبہ، ریاضت اور انابت سے اخلاق ذمیمہ میں کمی آجاتی ہے لیکن انقلاب ماہیت اور متبدل سویہ نہیں ہوتا ہے، اسی لیے حکم ہے کہ لوگوں کی خوبیوں پر نظر ہونی چاہیے نہ کہ برائیوں پر، کیونکہ غلطی کا کرنا

(باقی ص ۴۴۸ پر)

(۸) صلوٰۃ الاوابین کے متعلق اختلاف مسمّٰی میں نہیں ہے، تسمیہ میں ہے، مشہور یہی ہے کہ نوافل بعد المغرب کو صلوٰۃ الاوابین کہا جاتا ہے، اور ضحوہ کبریٰ کی نوافل کو صلوٰۃ الضحیٰ اور چاشت کہا جاتا ہے مگر صحاح میں ہے صلوٰۃ الاوابین حین ترمض الفصال[1]۔ اس لیے اقرار کرنا پڑے گا کہ نوافل بعد المغرب کا تسمیہ غلط العوام میں سے ہے[1]۔

(۹) قنوت نازلہ کے لیے الفاظ مخصوص نہیں ہیں، حسب نازلہ او حسب حضور قلب الفاظ استعمال کیے جائیں[2]۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۸۴) یہ انسان کا طبعی اور اصلی نقص ہے، اور یہ خوبیاں عطیۂ خداوندی ہیں جو لائق توجہ ہیں، مگر ہو رہا ہے یہ کہ برائیوں کی تلاش کیجا رہی ہے، خوبیوں کو بھی برائیوں میں تبدیل کرنا سب سے بڑی دینی خدمت قرار دیا جا رہا ہے اور یہ وہی زیادہ کر رہے ہیں جنکو تصوف و سلوک کا ہیضہ ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمکو اور انکو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین

[1] صلوٰۃ الاوابین اس وقت ہے کہ اونٹوں کے بچے گرم ہوں یعنی ان کے قدم شدت آفتاب سے قریب دوپہر جلنے لگیں۔ مسلم شریف کی اس روایت نے فیصلہ کر دیا کہ صلوٰۃ الاوابین کا وقت بعد مغرب یا رات کے کسی حصہ میں نہیں ہے بلکہ وہ دن میں دوپہر کے قریب ہے۔ چنانچہ شارحین حین ترمض الفصال کے تحت لکھتے ہیں حین تحترق اخفافہا من شدۃ حر الرمضاء وھی عند مضی ربع النہار، فتدبر۔

[2] قنوت نازلہ آنحضرت صلعم نے بیر معونہ کے واقعہ کے بعد قراء صحابہ کے قاتلین پر ایک مہینہ تک نماز فجر میں رکوع کے بعد بد دعا اور لعنت کی، چنانچہ تمام روایات اور صحابہ کرام کا تعامل اس پر دلیل ہے کہ نازلہ کے وقت قنوت پڑھنا مشروع ہے، حتیٰ کہ جمہور اہل حدیث کے نزدیک نوازل کے وقت ہر نماز میں قنوت جائز ہے، خلاصہ یہ کہ جب کوئی مصیبت مسلمانوں پر آجائے تو بحر الرائق، بنایہ، اشباہ وغیرہ میں صلوٰۃ جہریہ کے اندر بھی قنوت پڑھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے، البتہ امام طحاوی رحمہ اللہ اور دوسرے فقہاء سے روایت ہے کہ صرف صلوٰۃ فجر میں قنوت پڑھی جائے۔ قال الامام محمد اخبرنا ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یر قانتاً فی الفجر حتی

(باقی ص ۴۸۶ پر)

(۱۰) نمازوں کے قضا ہونے کی وجہ سے دو باتیں پیدا ہوتی ہیں، ایک وہ گناہ جو عدول حکمی کی بنا پر ہوتا ہے، دوسری چیز اشتغال ذمہ جوکہ وجوب نماز اور وقت کی بنا پر ہوا تھا، توبہ اور اس کی قبولیت کی بنا پر وہ گناہ جو عدول حکمی اور احترام وقت کے ٹھکرانے سے ہوا ہے، زائل ہو جائے گا۔ مگر امر ثانی یعنی فراغت ذمہ تو جب ہی ہوگا جبکہ واجب کو ادا کر دیا جائے گا۔ اس لیے قضا ضروری ہے۔ دنیا دی دیون نا س پر خیال فرمائیے۔[ل۵]

(۱۱) جملہ امور میں نیت کو دخل ہے جوکہ اعمال کے لیے بمنزلہ روح ہے۔ اور عمل ظاہری شبح ہے، اگر شبح مقصد سے مناسبت رکھتا ہے اور نیت ابتدائی لوجہ اللہ بالخلوص ہے تو وہ عمل صحیح ہے۔ اگرچہ بعد میں کوئی شائبہ ریا یا سمعہ کا پیش آگیا ہو اور اگر نیت ابتدائی لوجہ الغیر ہے تو اس عمل کے شیطانی ہونے میں شک نہیں، خواہ کتنا ہی اس عمل کو سنوارا جائے۔[۵۲] واللہ اعلم

(بقیہ حاشیہ ص ۶۴۵) فارق الدنیا الا شهرا واحدا قنت یدعوا علی حی من المشرکین لم یر قانتا قبلہ ولا بعدہ (کتاب لا ثار) اس سند کے متعلق ابن امیر الحاج فرماتے ہیں لا غبار علیہ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے فجر میں کبھی قنوت نہیں کیا، سوائے ایک مہینہ کے، غالباً اسی روایت کی بنا پر امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں صلوٰۃ فجر میں قنوت نہیں چاہیے لیکن اگر کوئی فتنہ ہو جائے یا مسلمانوں پر کوئی بلا نازل ہو جائے، تو کوئی مضائقہ نہیں حضرت امام العصر کی تحقیق بھی یہی ہے کہ حسب نازلہ اور حسب حضور قلب الفاظ استعمال کیے جائیں جیسا کہ حضرت مدظلہ کا عمل پایا گیا ہے۔

ل۵ و ۵۲ راقم الحروف نے حضرت امام العصر ہی قضا عمری کے متعلق یہ شبہہ پیش کیا تھا کہ جب توبہ کر کے کوئی نماز کا پابند ہو گیا اور اب قضا نہیں ہوتی تو پھر توبہ نے ماقبل کو بھی ذمہ سے ساقط کر دیا، اب پھر قضاء عمری کی کیا ضرورت ہے؟ اس پر حضرت امام العصر نے یہ والا نامہ ارسال فرمایا اور ناچیز کو تشفی ہو گئی۔

دوسرا شبہہ یہ پیش کیا تھا کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں عمل شیطانی ہے اور فلاں غیر شیطانی؟ اس پر بھی حضرت نے ایک اصولی تحقیق فرمائی جو نہ صرف اسی مسئلہ کے بارے میں ہو سکتی ہے بلکہ صدہا مسائل دینی کو حاوی ہے، فتامل۔

(۱۲) روایات کے وضع اور سقم وصحت کا مدار سند اور رواۃ کے احوال اور صفات پر ہے۔ امام بخاری اور دیگر محدثین اس کو معیار قرار دیتے ہیں، متن کی معقولیت اور غیر معقولیت ان کا نصب العین نہیں ہے۔ بخلاف ائمہ کلام واصول ان کا نصب العین متن ہے، جو روایت ان ائمہ کی نظر میں قطعیات اور اصول دین اور مجمع علیہ کے خلاف ہوگی اس کو موضوع قرار دیں گے۔ خواہ رواۃ کیسے ہی بلند پایہ کیوں نہ ہوں، اور محدثین اگر سند کو معیار ثقاہت وحفظ وغیرہ پر کامل پائیں گے تو صحت کے مقرر ہو جائیں گے خواہ متن کا کچھ حال ہو۔ ائمہ کلام جن متون کو قطعیات کے خلاف سمجھکر ان کے منکر ہو جاتے ہیں ان میں بسا اوقات غور وفکر کی کوتاہی یا صاحب نظر کا ضعف فکر بھی باعث بنجاتا ہے، اور یہی امر باعث تفاوت مراتب ہے، رب مبلغ اوعی من سامع[۱] اور من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین[۲] اور فقیہ واحد اشد علی الشیطن من الف عابد[۳] اس کے شواہد ہیں۔ بنا بریں تحقیق اور مکمل توجہ اور تفتیش کی ضرورت ہے، اس بارہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قدر ومنزلت معلوم ہوتی ہے، چونکہ میں سفر ریل میں الہ آباد اور کانپور کے درمیان یہ جواب لکھ رہا ہوں کتابیں پاس نہیں ہیں اس لیے اجمال پر اکتفا کرتا ہوں، الغرض روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ دربارہ عبداللہ بن اُبی اور روایت لا یبقی علی ظہر الارض میں گفتگو محض ظاہری فہم اور قلت تدبر کی وجہ سے منکر ہے، ورنہ ہر دو میں کوئی مخالف قطعیات کا موجود نہیں ہے۔

(۱۳) تصور ذات پر اور ا سے کے مراقبہ پر جناب کا اشکال میری سمجھ میں نہیں آیا، اگر تصور ذات بحث ایسا غیر ممکن ہے تو پھر صفات کا اثبات اور توحید کا اعتقاد اور تصدیق سب باطل ہو جائینگے کیونکہ حکم بغیر تصور محکوم علیہ اور محکوم بہ ناممکن ہے، اور جب حکم بالصفات کے لیے تصور محکوم بہ فی الجملہ

---

[۱] بہت سے پہنچائے گئے سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں [۲] اللہ جس کے ساتھ بھلائی مد نظر ہوتی ہے اسی کو دین میں سمجھ عنایت فرماتے ہیں۔ [۳] ایک فقیہ سخت تر ہے شیطان پر ہزار عبادت گذار سے

سوا، کان تا لکنہ اور کہنہ با توجہ کافی سمجھا جاتا ہے تو یہی تصور ذات بحت، میں کیون نہ کافی ہوگا۔ اس کو یہ فرمانا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ یا بعض متاخرین کا استخراج ہے، اس سے مجھکو اتفاق نہیں ہے۔ لفظ (اللہ) جبکہ اسم ذات ہے اور اس کے ذکر کا حکم آیات واحادیث مین موجود ہے، اور جبکہ ذکر حقیقۃً قلبی اور روحانی امر ہے جس کو ہم اپنی زبان مین یاد کرنے سے تعبیر کرتے ہین تو ان احکام کا مقتضی اعلیٰ تو تصور ذات ہی ہوگا، اسم کا زبان سے کہنا نہ تو یاد اور ذکر حقیقتاً ہے اور نہ مدلول، لفظ اللہ یعنی مسمیٰ کا ذکر ہے، ذرا غور فرمایئے۔ اسم کو زبان سے یا قلب اور سر، خفی وغیرہ سے کہنا یہ تو مجازاً ہے، مسمیٰ اور اسم مین تفاوت عظیم ہے، اگرچہ لا عین ولا غیر[1] کا مسلک قوی ہے۔

(۱۴) حبس دم کی نسبت یہ ارشاد کہ جوگیوں سے لیا گیا ہے، یہ بھی محل غور و فکر ہے، اس کا ثبوت کیا ہے، کیون نہیں کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح ریاضات اور طرق ذکر و سلوک اور انکی قیود وغیرہ اہل تصوف نے اپنے زمانہ مین اپنے اجتہاد اور تجربہ سے استخراج کی ہین ان ہی میں سے یہ بھی ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی اور ان کے ہمعصر اس فن کے مجتہد اعظم ہین، انھون نے یا ان کے شاگردون اور احباب نے مثل دیگر اشیاء اس کا بھی استخراج کیا ہو، اور جس طرح ایک شاعر کا قول دوسرے کے قول کے مطابق پڑجاتا ہے، اسی طرح یہ بھی ہوا ہو، علاوہ ازین جبکہ نفوس انسانیہ ایک ہی ہین، ایک ہی ماں باپ آدم کی اولاد ہین تو ان نفوس کی اصلاح کا طریقہ اگر متحد ہو جائے، بالخصوص جب کہ فرمایا گیا ہے کہ

[1] عینیت کے معنے ہین دو چیزون کا ہر طرح سے ایک ہونا کہ اس مین کسی قسم کا فرق نہ ہو، اور غیریت یہ کہ دونون مین کسی قسم کا تغایر و امتیاز یا فرق ہو۔ دونون میں تناقض ہے، اور یہی معنی لغوی بھی ہین، لہذا یہ بات مدنظر رہنی چاہیے کہ کوئی شے باری تعالیٰ کی ذات نہیں ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً[۵] تو یہ امر بھی شرعی طور سے متحد ہوگیا ہو، بالاخص اس تقریر پر جو کہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں قدس سرہ العزیز ہندوؤں کے دین و ملت کے متعلق اپنے مکتوبات میں فرمائے ہیں تو اس میں مضائقہ ہی کیا ہے، مگر آپ غور فرمائیں گے تو صوفیہ کے حبس دم اور جوگیوں کے حبس دم میں بہت فرق ہے، اور صوفیہ نے دفع وساوس و خطرات کے لیے ان میں تھوڑا تھوڑا حسب تجربہ مقرر کرکے ذریعہ توجہ الی الذات اور انہماک فی المراقبہ قرار دیا ہے۔ جوگی اس میں بہت زیادہ غلو کرتے ہوئے مقصود بالذات قرار دیتے ہیں۔

محترم المقام: اوامر شرعیہ کے اقسام متعدد ہیں، بعضے تو ایسے ہیں جن میں قیود اور خصوصی احوال مقصودات اصلیہ میں سے ہیں۔ ان میں اطلاق اور تغیر درست نہیں، جس طرح نماز ہے اور بعض ایسے ہیں جن میں قیود اور کیفیات ملحوظ ہی نہیں ہیں جیسے جہاد ہے، انہیں اعلاء کلمۃ اللہ مقصود ہے۔ خواہ بالسیف ہو یا بالسنان والرماح، خواہ ہوائی جہازوں اور توپ اور بندوق سے ہو، آج اگر جہاد کے لیے حسب ضرورت وقت آلات جدیدہ مہیا کیے جائیں ان کو بدعت اور منہی عنہ قرار دینا سخت غلطی ہوگی۔ جیسے کہ نماز کو بلا رکوع و بلا سجدہ یا کیفیات غیر منقولہ قرار دینا غلطی ہوگی۔ ذکر اور سلوک از قسم ثانی، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کسی قید اور خصوصیت کے اس میں طالب نہیں ہیں، اس لیے مشائخ سلوک نے جو اقسام ذکر و فکر کتب سلوک میں ذکر فرمائے ہیں، ان میں سے کسی کو ناجائز یا بدعت قرار دینا اسی طرح غلط ہوگا، جس طرح جہاد بالآلات الجدیدہ کو ناجائز قرار دینا غلطی ہے۔

محترما! آپ کا یہ ارشاد کہ میں تو اس کو صریح غلط سمجھتا ہوں اور پورا یقین ہے کہ جو تصوف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، وہ مکمل اور کسی کا محتاج نہیں ہے الخ۔ یہ بھی قابل غور ہے قراءۃ قرآن

---

[۵] تھے سب لوگ ایک دین پر۔

زمانہ نبوت میں نحو و صرف معانی و بیان تجوید وفن قرات کی محتاج نہیں تھی، مگر کیا آج ہم یا اہل عرب وا مصر اس سے مستغنی ہو سکتے ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ وہ اہل زبان تھے ان کے لیے اس کی ضرورت نہ تھی، مگر آج ہم عجمی ہوئے یا اہل حجاز و عرب اختلاط باعجم کی وجہ سے اس کے محتاج ہو گئے اور اس کی ضرورت قرن ثانی ہی میں محسوس ہو گئی تو یہی حال طبائع بشریہ کا بھی ہے، "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم"[۱] اس کا شاہد عدل ہے، زمانہ سعادت میں وہ قوت امانت نازلہ کی تھی جو کہ اس کی تدریجی کمی اور ارتفاع کی وجہ سے بعد کے زمانوں میں نہیں رہی "ان الامانۃ نزلت من السماء فی جذر قلوب الرجال"[۲] (الحدیث) نیز ظہور شمس نبوت کی وجہ سے جو ظلمتیں طبائع بشریہ سے اس زمانہ میں زائل ہوئیں مابعد کے زمانہ میں ان کا زوال ویسا نہیں ہے، صحابہ کا مجالس نبویہ میں احوال مشاہدہ کے ساتھ موصوف ہو جانا اور اپنے اہل و عیال کے اختلاط میں اس کا زوال اس کی گواہی دیتا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو ہر چیز روشن ہو گئی تھی مگر در و دیوار "وما نفضنا ایدینا عن التراب الا وقد انکرنا قلوبنا."[۳]

---

[۱] سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد کے بعد دیگرے۔ [۲] حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ امانت الٰہیہ کا نزول آسمان سے قلوب رجال میں ہوا یعنی تہ نشین کیا گیا [۳] حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ترمذی شریف جلد دوم صفحہ ۲۰۲ کتاب المناقب میں مفصل موجود ہے یعنی حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ جس دن رسول اللہ صلعم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو وہاں کی تمام چیزیں روشن ہو گئیں اور جس دن آنحضرت صلعم نے وصال فرمایا تمام چیزیں تاریک ہو گئیں اور ہم نے اپنے ہاتھوں کو گرد و غبار سے پاک بھی نہیں کیا تھا یعنی دفن میں تھے کہ ہمارے دل بدل گئے اور وہ بات باقی نہیں رہی، روایت ہذا سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ قرب جسمانی اور وجود ظاہری برکات قلبیہ و نورانیت ظاہرہ اور روحانیہ کا موجب ہے اور بعد اس کے برعکس ہے، پھر جس قدر بھی بعد زمانی اور حسی ہوتا جائیگا اسی قدر ظلمات بڑھتی جائیں گی۔ خوب سمجھ لیا جائے۔

یس کار روشن شعل ہے. بہرحال جس قدر بھی زمانہ دور ہوتا جاتا ہے، اوساخ اور ادناس طبائع بشریہ پر مسلط ہوتے چلے جاتے ہین، ظلمتین اور کدورتین بڑھتی جاتی ہین. اس لیے ان کے دور کرنے کے لیے وہ اعمال ہرگز کافی نہ ہون گے جو کہ اس زمانہ مین کافی تھے، اس لیے آپ کا یہ ارشاد صحیح نہیں ہے.

حضرت شیخ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بجا اور صحیح ہے، وہ حقائق اور مکشوفات وغیرہ کے لیے ہے. ان مین اگر کسی صاحب کشف والہام کو کوئی چیز خلاف اخبار نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہو تو مردود ہے. اور یہ حبس دم وغیرہ طرق معالجہ امراض روحانیہ کی بات ہے، یہ وسائل وذرائع ہین حقائق نہیں ہین، دونوں میں بون بعید ہے. مین نے ریل مین مختصر طور سے یہ لکھا ہے اگر شکوک کا ازالہ ہو جائے، فبہا، ورنہ اطلاع دیجئے، جو کچھ سمجھ مین آئے گا پھر عرض کرون گا۔[1]

(۱۵) تصور شیخ اگر عبارت مین موجود ہے تو مراد وہ تصور ہے جس کو شیخ نے تعلیم دیا ہے، یعنی تصور لفظ اللہ کا جو کہ زریں" اور قلب مین لکھا گیا ہے، وہ تصور مراد نہیں ہے جسکو شغل برزخ کہتے ہین۔

شغل برزخ کو اگرچہ حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب قدس سرہ العزیز نے سداً للذریعہ منع فرمایا ہے

[1] (۱۲ تا ۱۴) راقم الحروف نے روایت صحیحین جو عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن سلول منافق کے جنازہ کی بابت روکا تھا، اور آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا "سازید علی السبعین". اس روایت کو قاضی ابوبکر باقلانی وغیرہ ائمہ نے موضوع قرار دیا ہے. اور اسی طرح حدیث صحیحین کا "یبقی علی ظہر الارض بعد مائۃ سنۃ نفس منفوسۃ" کو بھی بعض ائمہ حدیث نے اس لیے موضوع قرار دیا ہے کہ یہ واقعہ کے خلاف ہے، اور بھی بعض مسائل سلوک وغیرہ تھے جو جواب مین موجود ہین. اسی پر حضرت امام العصر نے اصولی گفتگو فرمائی جس سے شکوک اور شبہات زائل ہو گئے. حضرت کی اس تحقیق کو بار بار بغور ملاحظہ کرنا چاہیے، عجیب مکتوب ہے ع

اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

اگر حضرت شاہ عبد الغنی صاحب مجد دی رحمۃ اللہ علیہ سے مجھکو یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ اسکو منع نہیں فرماتے تھے، ان سے بعض حضرات نے اسکے جواز کے متعلق پوچھا تو انھون نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے الفاظ کو استدلال مین پیش فرمایا جس میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں ہند بن ہالہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا سے پوچھنے کے متعلق ذکر فرمایا ہے کہ ان سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا (جسمانی اعضا اور رنگ وغیرہ) کے بابت دریافت کرتا رہتا تھا کہ تعلق بہ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برزخ اور مثال کو اپنے ذہن مین محفوظ رکھنا مقصود ہے اور یہی شغل برزخ ہے، نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم (علیہم وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام) کے برزخ اور تمثال کو ذکر فرمانا متعدد احادیث صحیحہ مین موجود ہے، اس سے متعدد مقاصد ہو سکتے ہین، مگر سب کے اندر ان کے برزخ کو ذہن مین لانا اور اس کو محفوظ رکھنا ضرور پایا جاتا ہے، بہرحال اس کا جواز پایا جاتا ہے، اور استدلال حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مَا ھٰذِہِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَھَا عٰکِفُوْنَ سے تکلف سے اس پر استدلال لایا جاتا ہے، برزخ شیخ دفع خطرات اور احادیث نفس کے منع کرنے میں بہت تاثیر رکھتا ہے، مگر چونکہ غلط کاری کا اندیشہ اس میں بہت ہے اسلیے احتیاط کیجاتی ہے جو کہ ضروری ہے۔[1]

والسلام ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۳ جمادی الاول ۶۹ھ۔

جلد اول تمام شد

[1] تصور شیخ پر قطب العصر حضرت مولانا مدنی عمت فیوضہم کا یہ والانامہ اور مکتوب نمبر ۱۱۶ بجائے اپنی جگہ پر قول فیصل ہے، البتہ بعض اکابر کی توجیہات مین اختلاف پایا جاتا ہے جو نسبت باطنی کے پرورش مین اختلاف مشائخ کے قبیل سے ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ارشاد رحیمیہ در طریق حضرات نقشبندیہ۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

ننگ جماعت نجم الدین اصلاحی ۔ یکم جمادی الثانی ۱۳۷۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الذی لا نبی بعدہ

مکتوب نمبر (۱)[۱]

خاکسار مرتب کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اذا خر اپریل میں دہلی کی گرفتاری سے واپسی کے بعد والا نامہ باعث سرفرازی ہوا تھا، مگر امروز فردا ہیں یہ وقت آگیا، واقعہ یہ ہے کہ ہجوم اشغال، توالی اسفار، توجہات احباب، طبعی راحت طلبی، یہ امور عموماً مجکو کرم فرماؤں کی خدمت میں تحریری حاضری سے سد راہ ہوتے رہتے ہیں"

[۱] حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی ۱۹۳۲ء میں مبارکپور تشریف لائے تھے، مدرسۃ الاصلاح سرائمیر کے اساتذہ اور ناظم صاحب کی درخواست پر ایک دعوتی خط راقم الحروف کو دیکر بھیجا گیا، حضرت شیخ مدظلہ العالی نے دعوت منظور فرمائی اور شام کو مدرسۃ الاصلاح تشریف لائے بعد نماز عشا ر مدرسہ کے بورڈنگ میں حدیث بدء الاسلام غریباً الخ پر محققانہ سیر حاصل تقریر فرمائی جس سے اہل علم بہت محظوظ ہوئے، چونکہ یہ پہلا موقع تھا علامہ اقبال احمد خان صاحب سہیل مدظلہ نے خوش آمدید میں اپنے ہی دل کی نہیں بلکہ عالم اسلام کے جذبات کی ترجمانی بہترین عنوان سے فرمائی اور مقطع میں نام اس طالب علم کا ڈالدیا جس نے خوش لحانی سے نظم ذیل پڑھ کر سنائی تھی بقول مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی صحیح زبان میں اتنی صحیح مدح صحیح موقع پر صحیح

اہل سرائمبر نے مجھ نالائق کی بوقت حاضری جو کچھ عزت افزائی فرمائی ہے اس کا میں دل سے شکر گذار ہوں، میں ہرگز اس سے عشر عشیر کا مستحق نہ تھا اور نہ ہوں، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اطراء مادح سے بچائے۔

۲۱ر اگست مقدمہ کی تاریخ ہے، واللہ یختار ما فیہ الخیر جملہ اساتذہ کرام حضرت ناظم صاحب اور طلبار کی خدمات عالیہ میں سلام مسنون عرض کر دیں، والسلام، ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ از سہارنپور جیل،

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر (۱) شخص کے لئے شاعری کے عالم میں بہت کم دیکھنے میں آئی ہے، اللہ مادح کو جزائے خیر دے اور ممدوح کی عمر میں برکت نصیب فرمائے" (دیج) ۲۰ رمئی ۱۹۳۲ء نظم یہ ہے۔

اے سایۂ بال ہما خوش آمدی خوش آمدی
اہلاً وسہلاً مرحبا، خوش آمدی خوش آمدی

اے شمع ایوانِ حرم، اے سربستانِ حکم
اے خضرِ ارباب ہدیٰ خوش آمدی خوش آمدی

اے خازنِ اربابِ حق، اے مہبطِ انوارِ حق
اے حق پسند و حق نما، خوش آمدی خوش آمدی

سرکردۂ اربابِ دیں، سردفترِ اہلِ یقیں
سرچشمۂ صدق و صفا، خوش آمدی، خوش آمدی

اے منتشارِ مؤمن اے مقتدائے ممتحن!
اے بادلِ درد آشنا، خوش آمدی خوش آمدی

اے قائم فیضِ کہن اے ظلِ محمود الحسن
اے یادگارِ اتقیا، خوش آمدی خوش آمدی

اے یوسفِ کنعانِ ما بادا فدایت جانِ ما
ہاں اے اسیرِ مالٹا، خوش آمدی، خوش آمدی

اے رایتِ فتح مبین، اے آیتِ علم و یقین،
اے شمع جمع اصفیا، خوش آمدی، خوش آمدی

اے کنز اخبارِ نبی مقبول سرکارِ نبی
اے پرتو شمع حرا، خوش آمدی، خوش آمدی

اے نازشِ خاکِ وطن اے مرجع اربابِ فن
اے درد واہا را دوا، خوش آمدی خوش آمدی

آئینۂ فیض ازل گنجینۂ علم و عمل
تصویرِ تسلیم و رضا، خوش آمدی، خوش آمدی

از مقدمت دل شاد شد، ویرانہ ام آباد شد
اے پرتو چو من صد فدا، خوش آمدی، خوش آمدی

مکتوب نمبر ۲

حدیث شریف کا مذکورہ مشغلہ نہایت غنیمت ہے، قوتِ استقلال کے ساتھ اس کو انجام پر پہنچایئے، حضرت گنگوہی قدس سرہٗ العزیز کی تقریر الکوکب الدری علی جامع الترمذی جلد اول چھپ گئی ہے، اور ثانی زیر طبع ہے، مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور سے منگا لیجئے، اثناء مطالعہ میں بہت کام آوے گی، حضرت مولانا دامت برکاتہم کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دیجئے اور دعوات صالحہ کی استدعا۔

مجھکو اپنے لکھے ہونے پر بار بار افسوس ہوتا ہے۔

نہ شگوفہ نہ برگے نہ ثمر نہ سایہ دارم　　　در حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت مارا

آنجناب کی تصنیف عالی کے متعلق خیال تھا کہ پوری دیکھوں کئی مرتبہ لیکر بیٹھا مگر چند ہی صفحات

بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر (۱)

دلہا تہ اقدام تو در روز با نہا نام تو　　　آید زہر سو ایں صدا، خوش آمدی خوش آمدی

ایں گلشن علم و ہنر شد از قدومت مفتخر　　　گوید ہمیں نور الہدیٰ خوش آمدی خوش آمدی

اس نظم کے بارے میں حضرت مولانا تھانویؒ نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں ظاہر فرمایا تھا" واقعی نفیس ہے اور لطف یہ کہ سلیس ہے گویا سہل ممتنع ہے، میں نے نقل کر لی،" (حکیم الامت ص ۲۳۲)

حاشیہ مکتوب نمبر (۲) سنہ ۱۹۳۲ء میں حضرت مولانا ماجد علی مانی رحمۃ اللہ علیہ شاگرد رشید حضرت قطب گنگوہیؒ بیت العلوم میں بعد نماز ظہر درس بخاری و ترمذی شریف دیا کرتے تھے، راقم الحروف کو بخاری شریف دس پارے قرآۃ علیہ پڑھنے کی حرف بحرف سعادت نصیب ہوئی اور ترمذی میں کبھی قرأت اور کبھی سماعت کا موقع ہاتھ آیا، باوجودیکہ بخاری پڑھی تھی اور ترمذی پہلی جلد پڑھائی بھی تھی لیکن انصاف یہ ہے کہ ان کتابوں کا درس ان ہی بزرگوں کا حصہ رہا ہے، مجکو خوب یاد ہے کہ حضرت استاد امام مولانا حمید الدین فراہیؒ مفسر قرآن نے بارہا فرمایا کہ، حدیث پڑھانے کے لئے مولانا ...... عبید اللہ سندھیؒ یا مولانا

دیکھنے پایا تھا کہ کوئی نہ کوئی عارض پیش آگیا، حضرت مولانا سید محمد امین صاحب، مرحوم ومغفور کی ذاتِ گرامی کا تعلق چونکہ ہمارے روحانی پیشواؤں اور نہ صرف ہندوستان کی مایۂ ناز ہستیوں سے تھا، بلکہ، عالم اسلام اور امت محمدیہ کی مخصوص اور قابلِ فخر ذوات حضرت سید احمد صاحب شہید اور ان کی خاص جماعت قدس اللہ اسرارہم سے بھی وابستہ تھا، اس لئے ان کے احوال پر مطلع ہونا میرے لئے ضروری تھا، امتثالاً للامر اجمالی طور پر کچھ لکھتا ہوں۔

میں نے حضرت مولانا نجم الدین صاحب کی تازہ تصنیف یادگار سلف جس میں حضرت مولانا السید محمد امین صاحب نصیر آبادی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے احوال اور مناقب ذکر کئے گئے ہیں دیکھی، مولانا نجم الدین صاحب کی یہ مساعی عالیہ ہر طرح مستوجب تشکرات ہیں جنہوں نے سلف صالح کی یادگار کے سلسلہ میں ایک بیش بہا ذخیرہ کا اضافہ فرمادیا۔ اور خلف کے لئے اسوۂ حسنہ کا عظیم الشان سرمایہ مہیا کر دیا، میں بارگاہ عالی میں دست بدعا ہوں کہ وہ کریم کارساز موصوف کو اس کے صلہ میں اجر جزیل اور ثواب جمیل سے نوازے اور اس تصنیف جلیل سے امتِ محمدیہ کو صراط مستقیم اور مسلک صحیح کے معین اور حاصل کرنے کا موقع اور نیض پہنچائے، آمین والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ سلہٹ ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۲) حسین احمد صاحب، .بنی مل جائیں تو البتہ حدیث کی مشکلات صاف ہوں ورنہ ـ ورق گردانی کہاں نہیں ہوتی۔ بہرکیف ناچیز کا یہ سلسلہ بہت جلد ختم ہوگیا، مولانا ماجد علی رحمۃ اللہ علیہ مکان تشریف لے گئے، اور معمولی علالت نے ہمیشہ کے لئے ہم سے چھین لیا، وفات سے چند ہفتہ پہلے ناچیز کو جو والا نامہ تحریر فرمایا تھا وہ یہ ہے،

مجبی مولوی نجم الدین صاحب، سلام مسنون، ارادہ یہی تھا کہ بقیہ عمر اس علم شریف کی تدریس و تعلیم میں صرف کروں، مگر مشیت الٰہی۔ ایسا بیمار ہوا کہ قابل اس کے نہ رہا، مشیتِ باری مقدم ہے والسلام (ماجد علی از مانی کلاں) .... (باقی بر صفحہ آئندہ)

مکتوب نمبر ۳

(۱) گھٹنوں کی تکلیف میں افاقہ ضرور ہے، مگر ابھی تک ازالہ نہیں ہوا بجلی کا علاج جاری ہے اب ہفتہ میں دو مرتبہ مظفر نگر جانا اور بجلی لگوانا پڑتا ہے، سول سرجن کی رائے ہے کہ ابھی تک مادہ باقی ہے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر۲) ناچیز کی جس تالیف کے متعلق حضرت شیخ مدظلہ العالی نے تقریظ تحریر فرمائی ہے، وہ حضرت مرشدنا و مولانا سید محمد امین نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مختصر لیکن مفید تذکرہ ہے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب مدظلہ سیرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۶۴ میں رقمطراز ہیں،

"اس گروہ میں حضرت امام ربانی سید خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت سید ضیاء الدین رائے بریلوی رح حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی رح خاص طور پر قابل ذکر ہیں"

مرشدی حضرت مولانا سید محمد امین رحمۃ اللہ علیہ اتباع سنت اور امحاء بدعت میں آپ اپنی نظیر تھے بزرگوں کے کچھ شیون اور حالات مخصوص ہوتے ہیں، حضرت سید صاحبؒ کی زندگی میں نماز پنجگانہ اول وقت ادا کرنا ان کا مخصوص وصف تھا، انہیں کی توجہ سے یہ چیز بہت ہلکے طریقہ پر اپنے اندر بھی آئی۔ آپکی وفات کے بعد حضرت مولانا تھانویؒ رحمۃ اللہ علیہ سے ذریعہ خط بیعت کی درخواست ۱۰ صفر ۱۳۶۱ھ میں پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، بارے الحمدللہ مولانا مرحوم و مغفور نے منظور و قبول فرما کر داخل سلسلہ کر لیا چنانچہ جواباً ارشاد ہوا۔

"مولانا السلام علیکم۔ گو میں اس کا اہل نہیں لیکن آپ کی دلجوئی کی بناء پر بیعت اور تعلق قبول کرتا ہوں والسلام، اشرف از تھانہ بھون۔

ابھی اسم ذات کے ذکر سے آگے نہیں بڑھا تھا کہ یہ شمع بھی بجھ گئی، لیکن تصوف و سلوک سے دلچسپی از خود اب پیدا ہونا شروع ہو گئی تھی اور اس سلسلہ کی کم و بیش بیسیوں کتابیں چھوٹی بڑی پڑھ ڈالی

(۲) بابو سراج الحق کی بھتیجی کے انتقال سے صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسکی مغفرت فرمائے المدفوق شہید۔ بعض روایات میں موجود ہے۔

(۳) ذکر بالجہر اور اس سے تاثر بہت مفید ہے، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، خوش آوازی کا اثر بھی عشق اور جذب کا ذریعہ ہے، مگر خلاف شریعت سے بھی احتراز ضروری ہے، خوبصورتی کے متعلق اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ خوبصورت چہرہ اور انسان کے متعلق مبدا اور منتہا کا خیال کر لیا کریں کہ مبدا ماء مہین ہے، اور منتہیٰ موت اور پیپ و خون ہے اور اگر اس پر بھی رفع نہ ہو تو لا الٰہ کہتے ہوئے نفی میں اس کو بھی تحت نفی داخل کر لیا کیجئے انشاء اللہ رفع ہو جایا کریگا۔ غیر اللہ کو کوئی بھی ہو تحت نفی لایا کریں انشاء اللہ وہ بھی دفع ہو جائے گا، عرفت اللہ۔ ڈر اور طمع کا مرکز ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ کا ورد فرمائیں کم سے کم روزانہ صبح شام ایک ایک تسبیح،

قاری صاحب اور دیگر احباب و متعلقین سلام مسنون عرض کرتے ہیں، والسلام،

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ، رجمادی الثانی ۱۳۷۰ھ

مکتوب نمبر ۴

(۱) مہربانانِ سکردر کا منشا اور حکم میرے زیر نظر ہے، اس طرف جب بھی پہنچنا ہوا ضرور ایک شب کے لئے انشاء اللہ حاضر ہوں گا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) گئیں، بہت سے شکوک و شبہات صاف بھی ہوئے اور بہت سے نئے پیدا ہوتے گئے حسن اتفاق یہ کہ ۱۹۴۳ء میں سیدھاری اعظم گڑھ کے آب و دانہ کی کشش نے یہاں بلا کسی مادی سہارے کے کھینچ بلایا۔ قیام ۴۶ء کے دوران میں بسلسلۂ جلسۂ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم امام شریعت و طریقت شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی متع اللہ المسلمین بطول بقائہ و نفعنا بعلومہ و فیوضہ کی تائید غیبی کے طور پر... تشریف آوری ہوئی، اس پیکر عزیمت اور مجاہد جلیل کی ایمان افروز پیشانی نے آستانہ مدنی پر بے اختیار مائل کر دیا اور بیعت کی سعادت نصیب ہوئی للہ الحمد و المنۃ۔ ۵۴ ناچیز نے عرض کیا تھا کہ صبر مقدم ہے یا شکر، اس کے

(۲) صبر مقدمہ شکر ہے، اس لئے اس کو مقدم کیا جانا ضروری ہے، صبر میں نفس کے خلاف کوشش ہوتی ہے اس لئے اس کو بہت زیادہ مشکل سے مقابلہ ہوتا ہے، بدیں وجہ تاکید زیادہ ہونی لازم ہے، بخلاف شکر کے کہ اس میں اسقدر نفس پر مشقت نہیں ہے اور تمام عملی عبادات شکر ہے۔

(۳) جب ارشاد ہیں ان دنوں اسی تاریخی کام میں دیوبند کے پاس میل پر ہوں امید ہے کہ عنقریب انجام دیدوں گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

(۴) اگر ہمارے ذنوب میں دنیا ہی میں خفت پیدا ہو جائے اور آخرت میں کسی قسم کے شدائد کی ضرورت نہ رہے یا کمی ہو جائے تو زہے نصیب "من یرد اللہ بہ خیرا یصیب منہ" والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴) جواب میں یہ والا نامہ شرف صدور ہوا، اور اسی عریضہ میں یہ بھی لکھکر دریافت کیا گیا تھا کہ جو خود نوشت حالات حضرت والا قلمبند فرما رہے ہیں وہ کب تک پریس سے باہر آجائیں گے اس لئے اس کو جلد مکمل ہو جانا چاہیئے، خوشی کی بات ہے کہ یہ تاریخی دستاویز "نقش حیات" کے نام سے شائع ہوگئی، مگر اس کے ساتھ یہ معلوم کرکے افسوس ہے کہ حضرت اقدس مدظلہٗ نے اپنے حالات کو نظرانداز کرکے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر تفصیلی بحث فرمائی ہو کاش حضرت مولانا مدظلہٗ العالی اپنے حالات کو مفصل تحریر فرما دیتے تو بہت سے جھگڑے ختم ہو جاتے؛ اور تاریخ نگار کو سب سے اہم سند ہاتھ آجاتی اور یہ اسرار نہفتہ سینہ سے سفینہ میں منتقل ہو کر زندۂ جاوید بن جاتے اور اس وجہ سے اور بھی کہ حضرت والا کی زندگی کے بہت سے گوشے ایسے ہیں جو تاریکی میں ہیں مدینہ کی ۱۰ سالہ زندگی اور وہ بھی علمی زندگی، تلامذہ و مشائخ کی فہرست، مشائخ حرمین سے مذاکرہ گنبد خضرا کے انوار و برکات کا استفادہ اور عرفان محمدی کی بلاواسطہ تلقی وغیرہ ایسے مسائل و فضائل ہیں جو بعدہٗ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے آپ کے اور صرف آپ کے حصہ میں آئے ہیں اسی کیساتھ ملکہ تامہ یعنی رسوخ فی العلم کی جو دولت آپکو ملی، وہ آپکے معاصرین کے پاس کہاں ملی ہے؛ بہت سی رطب یابس کتابوں کا لکھدینا کوئی بڑا کمال نہیں۔

مکتوب نمبر ۵

(۱) مہر فاطمی کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سمجھنے سے قاصر ہوں (اولاً) حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرارہم نے اپنے اپنے متعلقین کا نکاح مہر فاطمی پر کیا ہے جو یقیناً حضرت تھانوی سے اعلیٰ و ارفع تھے اور ان کے اساتذہ تھے (ثانیاً) ہندوستان کے رواج عامہ میں مہر وصول نہیں کیا جاتا ہے، اگر کبھی ضرورت ہوتی ہے تو طلاق یا موت تک کے بعد صاحب جائداد کے یہاں ہوتی ہے ورنہ عموماً مہر کا مانگنا، وصول کرنا قبل العقد نہ بعد العقد (جیسا کہ عرب کا دستور ہے) کبھی نہیں ہوتا بلکہ عادتاً نہایت معیوب شمار ہوتا ہے، کیا یہ حق تلفی نسواں نہیں ہے، اگر اس عادت کو چھوڑ دیا جائے اور مہر کے ادا کرنے کی رسم جیسی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ وغیرہ میں ہے، جاری کر دی جائے تو یقیناً عورتوں کو بہت سی آسانیاں اور کشائش ہو جائے گی، یہ حق تلفی کیوں کی جا رہی ہے، (ثالثاً) مہر مثل بہت سی خاندانوں کے اتنے ہیں کہ موجودہ زمانہ کا مسلمان ہندوستانی اس کے ادا کرنے کا خیال

(حاشیہ مکتوب نمبر ۵) عرصہ ہوا جب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح مہر فاطمی پر خود پڑھا دیا تھا، اور حضرت مولانا تھانوی مرحوم کو اطلاع دی تھی کہ شکر ہے کہ باپ نے بیٹی کا عقد نکاح مہر فاطمی پر باندھ دیا اور بہ یک کرشمہ دو دو سنتوں پر عمل ہو گیا۔ حضرت تھانوی نے جواباً ... بایا کہ سلیمان کی حکومت میں رعایہ کی حق تلفی کیوں کی گئی اور مہر مثل جو عروسہ کا شرعی حق تھا محروم رکھا گیا۔

یہ روایت راقم الحروف کو اعظم گڑھ ہی میں پہونچی تھی، حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کا مہر فاطمی پر اصرار دیکھ کر خلجان ہوا۔ کہ یہ دونوں بزرگ مشائخ اور ائمہ وقت ہیں اس طرح کا اختلاف مسائل فقہ میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا تاہم رفع خلجان کے لئے بارگاہ مدنی میں رجوع کرنا پڑا اور یہ والا نامہ حاصل ہوا۔

بھی نہیں کر سکتا۔ واقعیت تو درکنار، کتب فقہ میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ اگر نکاح میں زوج کا ارادہ مہر ادا کر دینے کا نہ ہو تو زوجین کا اجتماع سفاح ہوگا۔ بتلائیے کہ وہ خاندان جو کہ زمانہ حکومت اسلامیہ میں لاکھوں بلکہ کروڑوں کے مالک تھے، آج بھی ان کے یہاں لاکھوں کی مقدار یا ہزاروں کی مقدار پر مہر چلے آتے ہیں اور بہت سے خاندان والے زیادہ سے زیادہ مہر کی عادت کئے ہوئے ہیں محض تفاخر اور نام آوری کے لئے اور اس پر بھی باراتوں میں رد و قدح اس قدر ہوتی ہے کہ جس کی حد نہیں، شرافت اور عالی خاندانی کا معیار ہی ان بیوقوفوں کے یہاں مہر کا غالی تر ہونا ہو گیا ہے، ان صورتوں میں زوج کیسے ارادہ ادائے مہر کر سکتا ہے اس کے گھر میں اتنے کھڑے نرئیے بھی نہیں جتنا مہر باندھا جاتا ہے، زبان زد یہ ہو گیا ہے کہ بیوی سے معاف کرالیں گے، بلکہ بعض بیوقوف تو یہ کرتے ہیں کہ بیوی کو پہلی ہی شب مجبور کر کے معاف کراتے ہیں، ایسی صورتوں میں ارادہ ادائے مہر کہاں پایا جاتا ہے، (رابعاً) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیوں نہ اس حق تلفی کا احساس کیا، اور مغالاۃ فی الصداق سے کیوں منع کیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور بنات کو نظیر میں پیش کیا، (خامساً) جس طرح غلط رسوم کی اصلاح کی کوشش کی گئی ہے، اس کی بھی ہونی چاہئے، ایک سو بتیس تولہ چاندی (۵۰۰ درہم) ایسی مقدار ہے کہ عام طور پر مسلمان ادا کر سکتا ہے اور اس کا ارادہ بھی رکھ سکتا ہے، علاوہ ازیں یہ ایک متبرک طریقہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کا ہے، جس سے فال حسن اور برکات عظیمہ کا موقع حاصل ہوتا ہے ظاہر ہے کہ جب ہندوستانی ازہان میں مہر کا عدول کرنا موجود ہی نہیں ہے اور نہ اس کو معاوضہ تمتع شمار کیا جاتا ہے، بلکہ شرعی رسم خیال کر کے اس کو ذکر کر دینا ضروری سمجھا جاتا ہے تو کیوں نہ وہ عدد لیا جائے جو سب میں برکت والا ہو، نہ ادنیٰ ترین مقدار مہر (۱۰ درہم) ہو اور نہ اعلیٰ ترین (قناطیر مقنطرہ ہو) شرافت اور عزت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ سیدۃ نساء اہل الجنۃ رضی اللہ عنہا اور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم مبارک کے ٹکڑے کا یہ مہر ہے، "فاطمہ بضعۃ منی"

حدیث پر غور فرمائیے۔

باوجود ان امور کے میں خود اگر کوئی نکاح پڑھتا ہوں تب تو یہ شرط ہوتی ہے اور اگر پڑھنے والا کوئی دوسرا ہوتا ہے تو شرط نہیں ہوتی شریک ہو جاتا ہوں۔

(۲) جن صاحب کے مرض دق میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دعا کا حکم ہے، انشاء اللہ عمل کروں گا، مگر دعا تیر قضا کیونکر روک سکتی ہے کہ نبی یا ولی کی ہوا، ایک سگِ دنیا اخس الناس اجہل الناس، بندۂ شکم کا یہ حال کیونکر ہو سکتا ہے ؎

درویش نیست آنکہ بخسپد خورد چو خر درویش بستر حق بود از روح پاک تر

یہاں دن رات یہی نفس پروری اور شکم پروری کا مشغلہ ہے۔

یظن الناس بی خیرا و انی لشر الناس ان لم یعف عنی

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ

مکتوب نمبر ۶

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

میں خیال کرتا تھا کہ مبارکپور اور سکرور کے آنے میں موٹر کار کا بارعظیم دونوں جگہ میں صرف میری وجہ سے آپ حضرات کو اٹھانا پڑا ورنہ ریل اور چھکڑے یا پیدل میں اسکا آدھا تہائی بھی خرچ نہ ہوتا میں اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا، آپ کو اور مولانا عبدالباری صاحب مبارکپوری کو بھی اس قدر زیر باری وغیرہ پر دل میں افسوس اور صدمہ ضرور ہوگا، اگرچہ زبان سے شرم کی وجہ سے کچھ نہ کہیں۔ میں نے بے حد ظلم کیا ہے اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کیلئے اب یہ حضرات کبھی اس کا نام بھی نہ لیں گے۔ مگر آپ کا والانامہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا جب کہ آئندہ کیلئے آپ حضرات ایسا پروگرام تجویز فرما رہے ہیں، اگر یہ میری طفل تسلی کیلئے ہے تو میں شکر گزار ہوں اور اگر واقعی ہے تو آپ کو مزید غور کرنا چاہیئے، مجھ جیسے ناکارہ کی وجہ سے

اس قدر زیر باری اور تکلیف برداشت کرنا بالکل غلط اور غیر صحیح ہے۔

خدا کرے کہ بابا فضل الرحمن صاحب اور ان کے متعلقین بخیر دعافیت حج و زیارت سے واپس آئیں اور ان کے اعمال و اخلاق ستودہ اور موجب رضائے باری عزوجل ہوں، مگر آپ کو ہمیشہ اصلاح و تبلیغ میں خطاب باری عزوجل کا ارشاد (فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا (الآیۃ)[۵۱] اور اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ (الآیۃ) کا خیال رکھنا چاہیئے، اول الذکر حکم اس فرعون کے متعلق ہے جو کہ انا ربکم الاعلیٰ کا مدعی تھا اور ثانی الذکر فراعنہ عرب کے متعلق ہے۔

عن[۵۳] ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ ملائکۃ یطوفون فی الطریق یلتمسون اھل الذکر فاذا وجدوا قوما یذکرون اللہ تنادوا ھلموا الی حاجتکم فیحفونھم باجنحتھم الی السماء الدنیا الی ان قال فیقول انی اشھدکم انی قد غفرت لھم قال فیقول ملک من الملائکۃ فیھم فلان لیس منھم انما جاء لحاجۃ قال ھم الجلساء لا یشقی جلیسھم

(حدیث بخاری جلد ثانی ص ۹۴۸)

(حاشیہ مکتوب نمبر ۶) آیات و روایات کا ترجمہ یہ ہے۔

[۵۱] حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فقولا لہ الخ یعنی فرعون سے نرم بات کہنا ممکن ہے کچھ سمجھے غور کرے اور خدا کا خوف اسکے دل میں پیدا ہو۔

[۵۲] اپنے رب کے راستہ کی طرف بلا دانش مندی اور اچھی نصیحت کے ذریعہ (۵۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کتنے ہی فرشتے ہیں، جو اہل ذکر کی تلاش میں راستہ میں چکر لگاتے رہتے ہیں پس جب کچھ لوگوں کو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ آؤ جلدی اپنے مطلب کی طرف۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے ان کو اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں آسمان دنیا تک اس طویل حدیث کے آخر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے فرشتوں سے گواہ رہو میں نے ان کو بخشا۔ فرمایا حضرت نے کہ ایک فرشتہ ان میں سے کہتا ہے خداوندا فلاں شخص اس جماعت کا رکن نہیں ہے، وہ تو اپنی کسی

(۴) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ (تعالیٰ) انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منھم وان تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا..... الحدیث (خ، م، ت، س، ماجہ)

(بقیہ حاشیہ مکتوب ۶) ضرورت سے آیا تھا، اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ وہ ایسے بیٹھنے والے ہیں کہ ان کا ہمنشین بدبخت اور محروم نہیں رہتا ہے۔ (بخاری)

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں، جو میرے متعلق رکھتا ہے۔ اور میں اس کے ساتھ ہوں جب مجھکو یاد کرتا ہے، پس اگر وہ تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی تنہا یاد کرتا ہوں اور اگر وہ جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو ایسی جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے اور جو میری طرف ایک بالشت آتا ہے تو میں اسکی طرف ایک گز قریب ہو جاتا ہوں۔

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو ایسی مجلسوں پر ہوا جو مسجد نبوی میں تھیں آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں بہتر ہیں، لیکن ایک ان میں سے دوسری سے افضل ہے، یہ لوگ اللہ سے دعا کر رہے ہیں اسکی طرف راغب و مائل ہیں پس اللہ تعالیٰ اگر چاہے ان کی مراد پوری کرے چاہے تو ان کو محروم کردے۔ لیکن یہ دوسری فقہ سیکھ رہے ہیں (یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فقہ کے بجائے علم کا لفظ فرمایا۔ کہ علم سیکھ رہے ہیں) اور جاہل کو عالم بنا رہے ہیں، بہرحال افضل ہیں اور میں تو معلم بنا کر ہی بھیجا گیا ہوں۔ اس کے بعد آپ انہیں میں رونق افروز ہو گئے۔ (دارمی)

آیت سورۂ آل عمران اور آیت سورہ احزاب کا ترجمہ کئی جگہ گزر چکا ہے ناچیز نے یہ سوال کیا تھا کہ مسند دارمی شریف میں ایک روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ ہم لوگ قبل نماز فجر عبداللہ ابن مسعودؓ کے دروازہ پر ان کے انتظار میں بیٹھتے، اور ساتھ ہو کر مسجد آتے، ایک روز ابو موسیٰ اشعریؓ گھبرائے ہوئے آئے اور ہم سے پوچھا کہ عبداللہ بن مسعود نکلے یا نہیں۔ ہم نے کہا نہیں

(۵) عن عبداللہ بن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بمجلسین فی مسجدہ فقال کلاھما علی خیر واحدھما افضل من صاحبہ اما ھؤلاء فیدعون اللہ ویرغبون الیہ فان شاء اعطاھم وان شاء منعھم واما ھؤلاء فیتعلمون الفقہ او العلم ویعلمون الجاھل فھم افضل وانما بعثت معلما ثم جلس فیھم ..... (دارمی)

(بقیہ حاشیہ مکتوب ۵۱) وہ بھی انتظار میں بیٹھ گئے۔ جب ابن مسعودؓ نکلے تو ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ ابھی ابھی میں نے مسجد نبوی میں ایک امر منکر دیکھا ہے، لیکن دیکھنے میں بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ابن مسعود! کیا دیکھا ہے؟ ابو موسیٰ میں نے ایک جماعت کو دیکھا کہ ہمارے انتظار میں مسجد نبوی میں حلقے باندھ کر بیٹھی ہے، اور ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں، ہر حلقے میں ایک شخص ہے جو کہتا ہے کبروا مأۃ تکبیرۃ فیکبرون مائۃ یعنی سو بار تکبیر کہو، وہ سو بار تکبیر کہتے ہیں، پھر کہتا ہے سو بار لا الٰہ الا اللہ کہو، وہ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں، پھر اسی طرح سو بار سبحان اللہ کہنے کی ہدایت کرتا ہے، وہ سبحان اللہ کہتے ہیں، ابن مسعود! تم نے کیا کہا؟ ابو موسیٰ آپ کے انتظار میں میں نے کچھ نہیں کہا، بات کرتے کرتے دونوں صاحب مسجد میں پہنچ گئے، تو دیکھا کہ ابو موسیٰ کے بیان کے مطابق مسجد نبوی میں ذکر جاری ہے، ابن مسعودؓ نے ایک حلقہ والوں سے مخاطب ہو کر پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ کنکریاں ہیں ان پر اللہ کی تکبیر و تہلیل و تسبیح پکارتے ہیں۔ ابن مسعود نے فرمایا تم بجائے تکبیر تہلیل و تسبیح کے اپنے گناہوں کو شمار کرو میں ضمانت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حسنات کو ضائع نہیں کرے گا۔ افسوس ہے تم پر اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر جلدی تمہاری خرابی پہنچ گئی۔ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تم میں کثرت سے موجود ہیں۔ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال کے برتن بھی نہیں ٹوٹے تو شاید تم ایسے طریقہ پر ہو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے عمدہ اور زیادہ ہدایت والا ہے۔ لوگوں نے معذرۃً کہا، واللہ یا ابا عبد الرحمٰن ما اردنا الا الخیر خدا کی قسم اس سے ہم نے خیر ہی کا ارادہ کیا ہے، ابن مسعودؓ نے فرمایا، کم من مرید للخیر" کتنے خیر کے ارادہ کرنے والے ہیں جو ہرگز خیر کو نہیں پہنچے۔ (دارمی ص ۳۸)

یہ روایات اور ان کے ہم معنی شیخین وغیرہما کی مرفوعات صحیحہ ہیں ان کے مقابلہ میں دارمی کی وہ روایات جو آپ نے ذکر فرمائی ہے، کیا حیثیت رکھتی ہے جب کہ وہ موقوف ہے اور اس کے رواۃ متفق علیہ نہیں ہیں، اگرچہ ثقاۃ ہیں اس لئے اگر معارضہ کیا جائے گا تو احادیث مذکورہ بالا ہی کو ترجیح ہوگی، خصوصاً جب کہ اطلاق آیات ذکر ان کے مؤید ہے فاذکروا اللہ قیاما و قعودا و علیٰ جنوبکم (الآیۃ) آل عمران) یاایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا و سبحوہ بکرۃ واصیلا۔ (احزاب) وغیرہ جن سے اجتماع اور انفراد سب کا ثبوت ہوتا ہے، اور اگر کوئی صورت جمع کی نکالی جائے تو یہ کہنا ممکن ہے کہ کوئی چیز ہردو صاحبوں نے اس جماعت میں ایسی مشاہدہ کی جو کہ زمانہ سعادت میں نہیں پائی گئی اور جس میں افراط تفریط کا شائبہ تھا، اس بناپر اس کو منع کیا نہ کہ نفس اجتماع بالذکر اور اس کی مباح کیفیات کو۔ خط کشیدہ عبارات پر تینوں روایتوں میں غور فرمایئے، اس روایت میں قرات قرآن پر بھی تو نکیر ہے، پھر کیا اس میں مطلقاً ممانعت جاری ہو سکتی ہے اور اگر ایسا کیا جائے تو کیا آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ کا خلاف لازم نہیں آئے گا۔ اور اگر اس میں کوئی تخصیص ایسی کیجائے جو کہ محط[1] انکار ہو سکتی تو حلق[2] ذکر میں کسی خاص کیفیت منکرہ پر یہ ممانعت محمول ہوگی واللہ اعلم۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ

(بقیہ حاشیہ مکتوب ۶۱) اس روایت کو خدمت اقدس میں پیش کرکے یہ شبہ ظاہر کیا گیا تھا کہ صوفیاء کا موجودہ سلسلہ ایسا ہے جس میں اس طرح کے اشغال، وظائف اور ذکر کے حلقے پائے جاتے ہیں جو اس روایت کی روشنی میں محدث کہے جا سکتے ہیں اور ان پر نکیر کرنا جائز ہو جاتا ہے، امام العصر حضرت مولانا مدنی متع اللہ المسلمین بطول بقاءہٗ نے اصولی بحث فرماکر جو توجیہ فرمائی ہے، اس سے اپنے شبہات بحمد اللہ صاف ہوگئے)۔

[1] محط انکار یعنی محل انکار یعنی جس میں انکار کی گنجائش نکل سکے۔ [2] حلق ذکر۔ یعنی ذکر کے حلقے۔

مکتوب نمبر ۷ (۵)

امور مسئول عنہا کے متعلق حسب ذیل عرض ہے۔

(۱) ذکر کی مداومت سے خوشی ہوئی، خواہ تھوڑی مقدار ہو، مگر مداومت رہنی چاہیئے رزقنا اللہ ایاکم آمین۔

(۲) مکاتیب کے متعلق میں نے جو کچھ کہا ہے وہ اپنی بے بضاعتی اور جہالت کی بنا پر ہے، اس پر طرہ یہ کہ عملی حیثیت سے میں کورا ہی نہیں بلکہ بداعمالیوں کا مرکز بھی ہوں، نفس اور شیطان کا اڈا ہوں، احباب اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی کی بنا پر میرے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں اور معاذ اللہ ایسے ایسے القاب اور خطابات کے ساتھ یاد فرماتے ہیں، کہ بڑے بڑے اولیاء اللہ اور علمائے امت کے لئے سزاوار ہوں نہ کہ مجھ جیسے ناکارہ، جاہل، متبع ہوا و ہوس کندۂ ناتراش کے لئے میں تو واقع میں اسلاف کرام کا بدنام کرنے والا اور ننگ عار ہوں یہ تو یقیناً میری خوش نصیبی ہے کہ ایسے ایسے اہل اللہ اور اکابر عظام کے در تک پہنچایا کہ وہ نہ صرف نمونۂ سلف تھے بلکہ فخر اسلاف کرام تھے مگر میں اپنی بداعمالیوں اور کسلمندیوں کی بنا پر خالی ہی ہاتھ

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل　　کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اللہ تعالیٰ اگر اپنا فضل فرمائے تو نجات کی امید ہے، ورنہ انتہائی ہلاکت کا استحقاق ہے، ؎

از نکتۂ مقصود نہ شد فہم حدیثے　　لا دین ولا دنیا بیکار بماندیم

(الف) میرا علم نہایت محدود اور بہت کم ہے اگرچہ حسن ظن اکابر کی بنا پر مجھکو صدارت دارالعلوم

حاشیہ مکتوب نمبر ۵) مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول کی جمع و ترتیب کے سلسلہ میں راقم الحروف نے ٹانڈہ حاضر ہو کر اشاعت کی اجازت چاہی اور تحریری طور پر بھی درخواست پیش کی، فرمایا کہ تو اگر مفید سمجھتا ہے تو میں منع نہیں کرتا اور تحریری اجازت بھی اس نالانامہ کے اس جملہ سے نکل آتی ہے، ”پھر اگر ان کو آپ مفید سمجھتے ہیں کیجئے“ وکفی بذالک لی فخرا و ثناء

کی جگہ دیدی گئی ہے گو واقعہ یہی ہے کہ مجھ میں اس کی قابلیت نہیں ہے، حافظہ نہایت کمزور، اور سمجھ بہت ہی گری ہوئی اور ناقص ہے، اخلاق اور اعمال بہت گندے جنکا خیال کرتے ہوئے شرم آتی ہے،

(ج) خطوط کے لئے چونکہ فرصت بہت کم ہوتی ہے اور کثرت ڈاک کی بہت زیادہ ہے، اسلئے خالی وقت کافی مقدار میں مکان پر نہیں ملتا اسلئے سفروں میں چلتی ہوئی ٹرین میں اکثر لکھنا پڑتا ہے۔ اس لئے مضامین میں غلطی کا احتمال بہت زیادہ ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر میں نے کہا تھا کہ کوئی فائدہ سمجھ میں نہیں آتا، ان کا شائع ہونا اس دعوے کے مرادف ہے کہ ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں، مکاتیب حضرت مجدد قدس سرہ العزیز اور اس پایہ کے بزرگوں کے اس قابل ہیں، ہم جیسے ٹٹپونجیے تو اسی قابل ہیں کہ ہم کو گوشۂ گمنامی میں اس دار فانی میں رکھا جائے اور اسی میں انتقال ہو جائے یہ تو آپ احباب اور بزرگوں کا حسن ظن ہے کہ ایک بہروپئے کو آپ حقیقت کا درجہ دیتے ہیں اور اس کو اس درجہ بڑھا رہے ہیں، پھر اگر ان کو آپ مفید سمجھتے ہیں کیجئے۔

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۷۰ھ

مکتوب نمبر ۵۰

محترم المقام زید مجدکم .... بابو سراج الحق صاحب کی کرم فرمائی سے بہت خوشی ہوئی اور عزت افزائی حاصل ہوئی، اللہ تعالیٰ موصوف کو دارین میں سرخرو اور فائز المرام فرمائے، آمین۔

محترما! آپ جانتے ہیں کہ اس دار دنیا میں محن اور مصائب کے وہ لوگ زیادہ نشانے بنائے گئے ہیں جن کو تقویٰ اور دیانت داری میں یدطولیٰ حاصل ہوتا ہے اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل۔ من یرد اللہ بہ خیرا یصب منہ لمن لا یعیشا۔ اس لئے بابو صاحب کو اور آپ کو نہ صرف یہ بلکہ شکر پر بھی قدم راسخ رکھنا چاہیئے اور کسی وقت میں بھی قلب میں قلق و اضطراب آنے

نہ دینا چاہیئے۔ اور نہ مایوس ہونا چاہیئے۔ ؎

الا لا ییأسن اخو البلیہ فللرحمٰن الطاف خفیہ

اذا اشتدت بک البلوی ففکر فی الم نشرح

فعسر بین یسرین اذا فکرتہ فافرح

آپ نے حسن ظن سے جو اظہار مادح اختیار فرمایا ہے وہ بالکل خلاف واقع ہے الا ان یتفضل

اللہ تعالیٰ علی ویجعل لی ظنون الاحباب واقعۃ فی نفس الامر ؎

یظن الناس بی خیرا وانی لشر الناس ان لم یعف عنی

اللہ تعالیٰ نے اپنی ستاریت کاملہ سے میری رذالتوں اور معائب و معاصی پر پردہ

ڈال رکھا ہے، ورنہ احباب و اغیار اس سے بھی زیادہ نفرت کرتے جتنی کرتے ہیں،

ولنعم ما قیل۔

واسود مشفرہ نصفہ یقال لہ انت بدر الدجی

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱ ؎ پہلے شعر کا مفہوم یہ ہے کہ مصیبت کے وقت کبھی مایوس نہ ہونا چاہیئے کیونکہ مصیبت میں اللہ تعالیٰ

رحمٰن و رحیم کی مہربانیاں پوشیدہ ہوتی ہیں لیکن سب اس وقت ان کا احساس نہ ہو لیکن بعد میں ان کا احساس ہوتا ہے۔

دوسرے اور تیسرے شعر کا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی شدید مصیبت پیش آئے تو سورہ الم نشرح کی آیات میں غور کرنا

چاہیئے۔ اس میں عسر (تنگی) اور یسر (فراخی) کے الفاظ آرہے ہیں، ایسے انداز اور ایسی ترتیب سے لائے گئے

ہیں کہ عربی زبان کے قواعد کے لحاظ سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک تنگی اور مصیبت پر دو فراخیاں اور راحتیں

میسر آتی ہیں، کیونکہ العسر الف لام کے ساتھ لایا گیا ہے تو دوسرے عسر سے بھی پہلا والا عسر ہی مراد ہوگا۔ اور یسر

بغیر الف لام کے لایا گیا ہے۔ قاعدہ نحو کے لحاظ سے دوسرے یسر سے مراد پہلے والا یسر نہیں بلکہ دوسرا اور نیا یسر

مراد ہوگا یعنی بس عسر تو ایک رہا اور یسر دو ہو گئے۔ اسی لئے مصیبت مسرت میں تبدیل ہو جائیگی

۲ یہ متنبی کا شعر ہے جو کافور کی ہجو میں کہا گیا ہے، مفہوم یہ ہے کہ جس حبشی کے موٹے ہونٹ اس کے تمام

جسم کے آدھے کے برابر ہیں، خوشامد سے کہا جائے تو تاریکیوں کے سے چودہویں کا چاند ہے ؟

وفقنا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ ۔

والسلام ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ٹانڈہ ۵ شوال ۱۳۷۱ھ

مکتوب نمبر ۹

آپ نہیں تشریف لائے تو لیجئے خدام ہی حاضر ہوتے ہیں، ۴ اکتوبر کو دون ایکسپریس سے انشاء اللہ ٹانڈہ پہونچونگا اور وہاں ایک روز ٹھیر کر سکرور کا قصد کرونگا۔ اطلاعاً عرض ہے۔ اگر ممکن ہو تو آپ ۴ یا ۵ اکتوبر کو ٹانڈہ میں آجائیں تاکہ آپ ہی کے زیر سایہ سفر سکرور وہاں سے کیا جائے۔

والسلام ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۵ محرم ۱۳۷۲ھ

حاشیہ مکتوب نمبر ۹) ہندوستان میں جس طرح یوپی کو خاص اہمیت حاصل ہے اسی طرح یوپی میں ضلع اعظم گڈھ کا بھی ملی دینی وسیاسی اعتبار سے ایک مقام ہے راجہ پور سکرور ضلع اعظم گڈھ کا مشہور مردم خیز گاؤں اور راقم الحروف کا وطن ہے۔ صدیوں سے بزرگان دین اور اکابرامت کی خصوصی توجہ کا مرکز رہا ہے، چنانچہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ جب حضرت مولانا سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بالاکوٹ میں جہاد کیا تھا تو راجہ پور سکرور سے بھی چار بزرگوں نے شرکت جہاد فرمائی تھی، دو تو شہید ہوئے اور دو غازی واپس آئے جن کے اسماء یادگار سلف میں درج ہیں، اسی وقت سے اس سلسلہ کی محترم ہستیاں برابر اس موضع کو اپنے شرف قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا کرتی رہیں۔ حضرت سید شہیدؒ کے جہادی سلسلہ کی اہم کڑی اور علمائے دیوبند کے کمالات کا عطر اور سلوک امدادی کے خاتم، امام العصر حضرت امامنا ومرشدنا سید حسین احمد مدنی شیخ العرب والعجم متع اللہ المسلمین بطول بقاءہ نے ۱۹۵۲ء میں دوسری بار اس موضع کو اپنے فیوض وبرکات سے مالامال فرمایا۔ ناچیز نے غلطی سے بجائے صبح ۴ بجے کے ۱۰ بجے دن کو ٹانڈہ کا قصد کیا۔ ادھر حضرت مولانا مدظلہٗ صبح انتظار فرماکر سکرور کے لئے روانہ ہوگئے، راقم الحروف اکبرپور اترا اور حضرت مدظلہٗ سرائمیر پہنچ گئے اور اسٹیشن پر ٹھہر گئے، کوئی موجود نہ تھا، کیونکہ میں کہہ گیا تھا کہ کل فلاں وقت سواری موجود رہے۔ بارے کچھ دیر کے بعد سکرور کے لوگوں کو خبر ملی، لوگ آئے اور ندامت کے ساتھ حضرت کو سکرور لے گئے۔ اکبرپور میں معلوم ہوا کہ

مکتوب نمبر ۱۰

جناب باری عز اسمہ ہماری عقل و ادراک سے نہایت ہی زیادہ بلند اور بالا ہے۔ لیس کمثلہ شئی،

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہرچہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم

مگر تقریب و تفہیم کے لئے مندرجہ ذیل مثال پیش کرتا ہوں۔

بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر۹) حضرت شاہ گنج کی طرف تشریف لے گئے ہیں، سنتے ہی زمین پیروں سے نکل گئی، اور ہوش جاتا رہا، قصہ مختصر ۱۲ بجے رات کو سکرور پہونچ گیا، جب کہ حضرت مدظلہ آرام فرما رہے تھے، ادھر اپنے اندر بار بار خیال آتا رہا کہ حضرت کو تکلیف ہوگی آخر کس منہ سے سامنے جاؤں صبح ہوئی ندامت اور شرمندگی سے بھرپور ڈرتے ڈرتے خدمت میں حاضر ہوا، مسکراتے ہوئے فرمایا کہ تم کو بڑی تکلیف اٹھانی پڑی، کیسے اور کب آئے، جواب میں اشک ندامت نے غمازی کی، واہ رے خلق حسینی کہ ساری کلفت راحت بنا دی اور بجائے ایک دن قیام فرمانے کے دو دن قیام فرمایا، اور اپنے ارشادات سے اطراف و دیار کے مسلمانوں کو اپنی کمزوریوں کی اصلاح کا موقع بخشا، اللہ تعالے اس سایہ کو تا دیر قایم و باقی رکھے آمین ؎

اے بیش از آنکہ در قلم آید ثنائے تو
واجب بر اہل مشرق و مغرب دعائے تو

اے در بقائے عمر تو نفع جہانیاں
باقی مباد آنکہ نخواہد بقائے تو (سعدیؒ)

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰) مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول ص ۲۰۳ میں مکتوب نمبر ۱۱۴ چونکہ بہت مختصر اور محتاج تفصیل تھا، راقم الحروف نے اس کی وضاحت حضرت اقدس مدظلہ العالی سے چاہی بارے صد شکر کہ یہ گنج گرانمایہ عرصہ کے بعد خمستان معرفت کے جرعہ نوشوں کے لئے شرف صدور ہوا، جو خود ہی متن اور خود ہی شرح ہے، یعنی حضرت اقدس مدظلہ العالی خود ہی ماتن ہیں اور خود ہی شارح ہیں۔ پھر کیا کہنا؟ تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں، کی سچی نظیر ہے، مکتوب عالی میں اہل اللہ کا یہ ارشاد کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی راہیں انفاس خلائق کے برابر ہیں، یعنی بے شمار ہیں، اس کی تشریح مزید یہ ہے کہ

ہر انسان میں ایک مرتبہ ذات کا ہے، اس درجہ میں وہ سب سے بے پرواہ غیر متعلق ہے دوسرا درجہ صفات کا ہے جو کہ تمام تعلقات خارجہ کا سبب ہے، اس کا وصف کرم اس کو داد و دہش پر آمادہ کرتا ہے۔ اسی پر وہ غریبوں اور فقراء ارباب حاجات کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ وصف اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ان کی حاجت مندیوں پر بے چین ہو جائے اور اپنے مال و زر کو ان تک پہونچانے میں دریغ نہ کرے، وصف شجاعت قتل و قتال قہر و غلبہ پر مجبور کرتا ہے و علیٰ ہذا القیاس تمام اوصاف یہی معاملہ رکھتے ہیں، تیسرا مرتبہ جوارح کا ہے جن کے وسیلہ سے وہ مقتضیات صفات کو خارج میں انجام دیتا ہے، کریم شخص میں داد و دہش کی نوبت آتی اور ظہور پذیر ہوتی ہے، شجاع میں قتل و قتال قہر و غلبہ کی عالم خارج میں صورت بنتی ہے، اگر یہ جوارح نہ ہوتے تو مقتضیات صفات کے ظہور کی صورت نہ بنتی، اسی طرح بلا تشبیہ تمام ذات باری عز اسمہٗ تمام خلائق سے مستغنی اور غیر متعلق ہے اس کی صفات کا ملہ جو کہ لاغیر اور لاعین ہیں، واسطہ بین القدیم والحادث ہیں وہی تعلقات پیدا کرنے والی ہیں، اس کے بعد مرتبہ اسماء کا ہے یہ اسماء عالیہ اپنے اپنے اقتضاءات کے موافق تمام عالم میں تصرف کرتے ہیں، جیسے کہ انسان کے جوارح اپنی اپنی قابلیت کے موافق تصرف کرتے ہیں، اسم رزاق مخلوقات کو رزق پہنچاتا ہے جیسے کہ انسان کا

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱) تمام عالم میں اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات کا پھیلاؤ ہے، ہر فعل کو صفات کے ساتھ اور ہر صفت کو اسماء کے ساتھ لگاؤ ہے، اور اسماء سب ذات کے ساتھ وابستہ ہیں، اسلئے ہر ایک صفت ذات تک رسائی کا راستہ ہے، یا یہ مطلب ہے کہ طرق کی کثرت باعتبار کثرت مراتب کے ہے پس جس طرح ذات غیر محدود ہے اسی طرح اس کے مراتب وصول بھی غیر محدود ہیں، چنانچہ اس راستہ کی بھی انتہا نہیں اور اس راہ میں کوئی ایسی منزل نہیں جہاں راستہ ختم ہو جائے۔ یہی وہ بات ہے جو [illegible] نے اپنے اس شعر میں واضح کیا ہے۔

اے برادر بے نہایت در گہے است ہر چہ بروے می رسی بروے مایست

لاعین ۔ لاغیر کی توجیہ ہم پہلے ذیل میں کر چکے ہیں۔

اتمہ داد و دہش کا کام انجام دیتا ہے، اسم خلاق ماہیات معلومہ بالعلم الازلی کو نعمت وجود بخشتا ہے اور اسی طرح تمام اسماء مقدسہ کے تصرفات ہیں، اسماء باری عزاسمہ ہمارے اسماء کی طرح تاثیر و قوت سے خالی نہیں ہیں، لا عین ولا غیر از ذات مقدسہ ہیں ان میں وہ قدرت جو کہ صفات ذاتیہ میں سے ہے ظہور پذیر ہے، جس سے ان کے تصرفات عالم میں جاری ہیں جیسے کہ ہمارے جوارح ہماری صفات کے مظاہر ہیں، اسماء باری تعالیٰ کا تعلق ہر انسان کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ہے، کسی شخص کا مربی اسم علیم ہے کسی کا مربی اسم قدیر ہے، کسی کا دوسرا اسم ہے اہل اللہ کا ارشاد ہے "طرق الوصول الی اللہ بعدد انفس الخلائق" اس کا راز بھی یہی ہے، جو اسم کسی کا .... مربی ہے اس اسم کے ذکر اور تصور دائم سے اس کو جلد ترقی ہو سکتی ہے مگر اس کا تمیز کرنا ماہرین کو بھی مشکل ہے؛ اس لئے اسم جامع لفظ اللہ سالک کو تعلیم دیا جاتا ہے، سالک کی ترقی اس کے مربی اسم تک ہو سکتی ہے، واللہ اعلم۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند

مکتوب نمبر ۱۱

جناب مولانا حافظ زاہد حسن صاحب مدظلہٗ امروہہ کے نام

مخدوم و مطاع بندہ عالی جناب فیض مآب زید مجدکم السلام علیکم و علی من لدیکم۔ مزاج اقدس۔

والا نامہ مرسلہ از دہلی بہ ماہ اگست ان دنوں باعث سرفرازی خدام ہوا، قبل ازیں کوئی

حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱ "مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول میں راقم الحروف، کے نام کے خطوط سب کے آخر میں کیجا درج کر دیئے گئے تھے، اس لئے اس جلد دوم میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ناچیز نے سب سے پہلے اپنے خطوط کو رکھا ہے ورنہ مجھ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی زاد شرفہ کے بھیجے ہوئے مجموعہ کی اہمیت اور افادیت کا تقاضا تھا کہ اسی کو درج کیا جاتا۔ میں مولانا فریدی کا اپنی اس خود غرضی کی معافی کا خواستگار ہوں۔ (اصلاحی)۔

شرف نامہ باعث افتخار خدام نہیں ہوا تھا، دعاگو نے اب تک عریضہ خدمت اقدس میں فقط اس وجہ سے ارسال نہیں کیا تھا کہ ہم سب تو بلا جرم و بے خطا گرداب بلا میں پھنس گئے ہیں، مبادا کہ ہماری خط و کتابت کی وجہ سے کوئی دوسرا بے جرم مصائب میں گرفتار ہو جائے، اسی وجہ سے ہم نے خط و کتابت جملہ احباب سے قطع کر دی فقط اقارب کے پاس البتہ خط و کتابت کرتے رہے، کہ ان سے خط و کتابت میں عذر معقول موجود ہے، اور خود حکومت کو ان میں جائے شبہہ نہیں ہو سکتی، میں نے ہندوستان میں سوائے حکیم صاحب قبلہ کے ایک مدت دراز تک خط و کتابت نہیں کی، مگر بعض احباب کے خطوط آئے تو معلوم ہوا کہ کوئی حرج نہیں، اس لئے ان کا جواب دیدیا، مگر وہ بھی نہایت کم حکیم صاحب قبلہ نے اس مدت دو سال میں احقر کے نام کوئی بھی والا نامہ نہیں بھیجا، فقط سال گذشتہ میں ایک خط وحید کے نام بھیجا تھا، نہ معلوم کیا سبب ہے، احقر نے تقریباً بیس پچیس یا اس سے زیادہ خطوط ان کی خدمت میں بھیجے غالباً پہنچے ہوں گے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۷) حضرت مولانا مہر حسن صاحب مدظلہ العالی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز ہیں تقریباً ۹۵ سال کی عمر ہوگی، حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مکہ مکرمہ میں مثنوی مولانا روم کے درس میں شریک رہے ہیں حضرت قطب گنگوہی حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی و حضرت شیخ الہند کے نیاز مندوں کے خاص باش اور صحبت یافتہ بزرگ ہیں دینی اداروں کو چلانے اور ان کو ترقی دینے کا بڑا سلیقہ ہے، اکابر ملت کے متوسلین اور متعلقین سے حافظ صاحب موصوف کا ربط ہمیشہ قائم رہا، حضرت شیخ الاسلام، مولانا مدنی دامت فیوضہم سے اور آپ کے بھائیوں سے اس وقت سے دید شنید تھی جب کہ یہ حضرات آستانۂ شیخ الہند پر تازہ وارد تھے، اور دارالعلوم میں ابتدائی تعلیم پاتے تھے، اسی تعلق قدیم اور ربط کی بناء پر حضرت شیخ الاسلام مدظلہٗ جب بھی امروہہ کی سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے عزت بخشتے ہیں تو وضعداری کا یہ عالم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب موصوف ہی کے یہاں قیام ہوتا ہے، دوسری جگہ قیام و طعام حافظ صاحب کے ایماء سے ہوتا ہے حافظ صاحب تقریباً ڈیڑھ سال سے فالج میں مبتلا صاحب فراش ہیں لیٹے لیٹے نماز ادا فرماتے اور رمضان کے روزے رکھتے ہیں، حضرت شیخ الاسلام مدظلہٗ کو خصوصی تعلق حافظ صاحب سے ہے، چنانچہ بیماری میں دو بار تشریف

آنجناب کے کپڑوں وغیرہ کے ارسال کرنے کی ضرورت نہیں، ہم لوگوں کے پاس کپڑے کافی مقدار میں پہلے سے موجود تھے، اور یہاں بھی برابر بناتے اور خریدتے رہے (حسب ضرورت) اور اب تو قوی امید ہوتی ہے کہ انشاء اللہ جلد قدمبوسی کی عزت حاصل ہوگی، کیونکہ صلح شروع ہوگئی ہے جس کے اختتام کی امید نہایت جلد ہے، غالباً آپ کو تفصیلی کیفیت ہمارے اعزہ و اقارب کی معلوم ہوئی ہوگی احقر کے جدا ہونے کے بعد تقدیر الٰہیہ نے وہ افتادیں ڈالیں کہ جن کا بیان مشکل ہے، اس میں چھ آدمی ہمارے خاندان کے راہی ملک عدم ہوئے، والد صاحب اور والدہ صاحبہ، والدۂ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱) لاچکے ہیں، نیز اپنے والا ناموں میں کبھی

تم ہمیں بھول گئے ہو شاید ہم تمہیں یاد کیا کرتے ہیں

کبھی لکھا جاتا ہے یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے" یا میرے مخدوم و مکرم عاقل حافظ صاحب،، غرض حافظ صاحب موصوف کے نام کے تمام خطوط بہت ہی پر لطف اور کیفیات میں ڈوبے ہوئے ہیں جس سے شیخ الاسلام مدظلہٗ کی زندگی اور جیل کے واقعات کے چند گوشے اچھی طرح اجاگر ہو جاتے ہیں۔

سابرمتی جیل سے جو خط صادر ہوا ہے، اس کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب عرف کو کیسی صاف صاف سنائی گئی ہے، ایک طرف تو موصوف کا غیر معمولی اعزاز و اکرام پیش نظر ہے اور دوسری جانب الدین النصیحۃ کو مدنظر رکھتے ہوئے ازراہ خلوص و محبت حافظ صاحب مدظلہٗ کو ان کے اصل مقام کی یاد دہانی کرائی جارہی ہے۔

راقم الحروف کو یہ تمام خطوط مولانا نسیم احمد صاحب فریدی سے پہنچے اور ان کو حضرت صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا حامد حسن صاحب اور چھوٹے صاحبزادے مولانا حافظ محمد طاہر صاحب سے ملے یہ دونوں صاحبزادگان ماشاء اللہ عالم باعمل اور اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر ہیں، (اصلاحی)

لہ حکیم قاری غلام احمد صاحب بچھرایونی مرحوم، حضرت مولانا مدنی مدظلہٗ کے خسر تھے (مولانا اسعد میاں سلمہ کے نانا تھے) بڑے باکمال قاری و مجود تھے، ان کی کمال دینداری، انتہائی بصیرت اور اعلیٰ درجہ کی سیادت کا نتیجہ ہے کہ سرزمین بچھرایوں ضلع مرادآباد کو عالم اسلامی کی عظیم الشان شخصیت کے دوہرے

اخلاقی، اخلاق احمد، زوجہ بھائی سید احمد صاحب، دختر بھائی صاحب موصوف رحمہم اللہ تعالیٰ ہر بھائی صاحبان مع والد مرحوم اڈریا نوپل میں نظر بند تھے، فقط تمام خاندان میں محمود احمد کی اہلیہ اور دامزادی مدینہ منورہ میں زندہ بچکر بہزار مصیبت گذشتہ او اخر ماہ جمادی الثانی میں اڈریانوپل پہنچ گئے، فانا للہ وانا الیہ راجعون، جملہ رفقاء بخیریت ہیں، حضرت مولانا دام مجدہم خارق العادت استقامت کے ساتھ نہایت صابر و شاکر ہیں اشغال و اوراد میں مشغول رہتے ہیں، ایسی تنہائی کہاں ملی تھی، امیدوار ہوں کہ ہم سب کا سلام و نیاز جملہ اکابر کو پہنچا دیں، حکیم صاحب قبلہ اور ان کے جملہ متعلقین سے بھی شکایت و سلام عرض کر دیں، اگر قسمت میں ہے تو قدمبوسی جلد نصیب ہوگی، حضرت مولانا دام مجدہم اور جملہ رفقاء سلام کہتے ہیں، فقط والسلام

مالٹا سینٹ کلیمنٹ براکس　　اسیر الحرب حسین احمد ۲۲۱۷　　ارصفر ۳۲ھ

مکتوب نمبر ۱۲

یادآوری والانامہ اور خیر و عافیت عالی جناب و وابستگان والا کا بارگاہ جل و علا میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ حسب تحریر والا آپ کے والا نامجات یہاں پر نہایت ہی کم موصول ہوئے جو کہ تین یا چار سے متجاوز نہیں ہیں اور وہ بھی بہت ہی مدت کے بعد ملے، ان سبھوں کے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱) رشتے کا فخر حاصل ہوا۔ ۵۲ حضرت مولانا کے بھتیجے مولانا وحید احمد مدنی مرحوم ۵۳ حضرت مولانا کی زوجہ دختر حکیم قاری غلام احمد صاحب بچھرایونی مرحوم جن کے انتقال کے بعد قاری صاحب کی دوسری دختر حضرت والا کو منسوب ہوئیں۔ ۵۴ حضرت مولانا کے صاحبزادہ کا نام۔ ۵۵ حضرت مولانا کے چھوٹے بھائی جو مدینہ منورہ میں مقیم ہیں اور صاحب نعمت و تربیت ہیں رنزیدی۔

۵۶: اسی پر یہ بھی رحلت فرما چکی ہیں۔

۵۷ خوب بات ہے سچ فرمایا مولانا محمد علی مرحوم نے۔ ؎

تنہائی کے سب دن تھے تنہائی کی سب راتیں　　اب ہونے لگیں ان سے خلوت میں ملاقاتیں

(داصوحی)

جواب خدمت اقدس میں روانہ ہوتے رہے ہیں، مرسلہ پارسل جملہ موصول ہوئے جن کا شکریہ اور رسید متعدد خطوط میں عرض کر چکا ہوں، چونکہ متارکہ ہونے پر یقین قوی تھا اور اخبار ول وغیرہ سے بھی یہی معلوم ہوتا تھا کہ ملکی اسراء[1] نہایت جلد اپنے اپنے اوطان کو واپس کر دیئے جائیں گے، اور یہاں کے حکام سے بھی ایسا ہی معلوم ہوا تھا، لہذا ہم یقین کر رہے تھے کہ نہایت جلد ہندوستان پہونچکر بزرگوں کی قدمبوسی سے مشرف ہوں گے مگر خوش قسمتی سے آٹھ نو مہینے گذر گئے اور کوئی خبر نہیں فقط ڈیڑھ سو کے قریب مقدونیہ اور دیگر مقامات کے ملکی اسراء چھوڑے گئے ہیں، اور وہ بھی بدفعات متعددہ باقی ماندہ ملکی اور حربی اسراء کی کوئی خبر نہیں، جناب حکیم غلام احمد صاحب کے مرسلہ والانامجات میں سے فقط ایک یا دو والانامے آئے ہیں، اس سے زیادہ بالکل نہیں، احقر برابر ارسال کرتا رہا لیکن چونکہ ہفتہ میں دو خط سے زیادہ کی اجازت نہیں، ادھر بھائی سید احمد[2] صاحب کو دمشق میں اور محمد احمد کو اطینہ میں اور منشی محمد حسین صاحب کو مکہ معظمہ میں اور بعض احباب کو مدینہ منورہ میں لکھنا ضروری ہوتا ہے، لہذا ہندوستان خطوط ارسال کرنے کا موقع نہایت کم ملتا ہے، حکیم صغیر احمد[3] صاحب مرحوم کا جانکاہ واقعہ مولوی محمد حنیف کے والانامہ سے معلوم ہوا، نیز مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کا والانامہ بھی ان کے انتقال اور برادرم محمد احمد کے نکاح کا مظہر ہوا، تقدیر الٰہی میں جو کچھ ہے ناچار ظہور میں آ رہا ہے، اللہ تعالیٰ عاقبت بخیر کرے، بھائی سید احمد صاحب ابھی تک غالباً دمشق میں ہیں، کیونکہ ۱۹ شعبان کا خط والا آیا ہے، محمد احمد ابھی تک ان کے پاس نہیں پہونچا تھا، ہم سب یہاں نہایت خیر و عافیت اور آرام سے ہیں، مولانا دام مجدہم بھی مرضی مولیٰ میں خوش و خرم و شاکر و صابر ہیں، باطنی مشغولی

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲) [1] قیدی [2] حضرت والا کے بڑے بھائی حضرت مولانا سید احمد صاحب فیض آبادی ثم مدنی رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسۃ العلوم الشرعیہ مدینہ منورہ [3] حکیم نانی غلام احمد صاحب کنجپورا ایونی کے چھوٹے بھائی۔

نہایت بڑھ گئی ہے، ترجمہ ختم ہوگیا ہے نظرثانی فرما رہے ہیں، حاشیہ یعنی فوائد کو بوجہ نہ ہونے کتب تفسیر کے موخر فرمایا ہے۔

اس وقت ماہ رمضان میں احقر روزانہ ڈھائی پارہ نوافل میں سناتا ہے اور ایک شخص مصری حافظ ڈیڑھ پارہ پڑھتے ہیں، تراویح بدجا اور لوگوں کے سورۃ کے ساتھ ہوتی ہے، ہم سب بہرحال صابر و شاکر ہیں، خوش ہیں، مرضئ مولیٰ از ہمہ اولیٰ، دنیا میں اگرچہ بعد ہے لیکن فضل الٰہی سے قوی امید ہے کہ اپنے بزرگان کے جملہ وابستگان کو آخرت میں ایک ہی سایہ میں جمع ہونا ہوگا جسمانی بعد بعد نہیں، کبابی صاحب اور جملہ واقفین بزرگان پرسان حال سے سلام کہدیں۔

مولانا دام مجدہم اور رفقاء سلام فرماتے ہیں، والسلام ۳ رمضان ۱۳۳۶ھ

جزیرہ مالٹا سینٹ کلیمنٹ براکس اسیر الحرب حسین احمد ۲۲۱۷

مکتوب نمبر ۱۳

والانامہ وارد ہوکر باعث سرافرازی ہوا، ابھی تک آپ کا مرسلہ پارسل وال گوشت نہیں پہونچے، جب پہونچیں گے اطلاع دیجائے گی، آپ نے احقر کے عرائض کا نہ تو جواب ہی بھیجا اور نہ والانامہ میں لکھا کہ وہ پہونچے کہ نہیں، ابن شیر خدا[۵] ایک سال سے پوچھ رہے ہیں کہ وہاں کن چیزوں کی ضرورت ہے اور بھائی کیا ہے اور دعویٰ مع وعدہ کر رہے ہیں کہ ہم ایسے ایسے

---

[۵] حافظ زاہد حسن صاحب کی زوجہ محترمہ (والدہ مولانا حامد حسن امروہی) عرصہ ہوا کہ یہ حضرت والا سے بیعت ہوگئی ہیں۔ [۵] حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ (فریدی)

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳) حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری مرحوم، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے، مشہور مناظر اور کئی کتابوں کے مصنف تھے، تمام عمر اہل بدعت سے تحریری و تقریری مناظرہ کرتے رہے، مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں مدرس رہے، دارالعلوم دیوبند میں بھی

اور اتنے اتنے پارسل بھیجیں گے مگر نہ معلوم کہ یہ کافور ملک مصر کی سخاوت حسب قول متنبی کیا انہیں کی روح میں حلول کر گئی ہے تاہم ہم شکر گذار ہیں ہم کو اپنی آزادی کی ابھی تک کوئی خبر معلوم نہیں، عموماً ایسا اگر سرکاری طور پر آزادی کی خبر دیجا چکی ہے۔ فقط آگبوٹ کا انتظار ہے، مولانا دامت برکاتہم بخیر و عافیت ہیں، وہ اور مولوی عزیر گل و وحید سلام کہتے ہیں، بھائی سید احمد بخیریت مدینہ منورہ پہونچ گئے، محمود احمد مع متعلقین خود شام میں بوجہ بعض اعذار رہ گئے، بہت سے اہل مدینہ ابھی تک شام ہی میں ہیں، حکیم صاحب کے خطوط آتے رہتے ہیں۔ نہ معلوم آپکا قیام مرادآباد میں کیوں ہے، مولوی قدرت اللہ صاحب مدرسہ شاہی سے علیحدہ ہو کر رنگون کیوں چلے گئے؟ ابن شیر خدا صاحب کو ہم سبھوں کا سلام اور نہ آنے والے موعودہ پارسلوں کا شکریہ پہنچا دیں، مولوی فخر الدین صاحب کی خدمت میں سلام عرض کر دیں، گھر میں سلام عرض کر دیجئے، فقط والسلام۔ ۲۰ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

مالٹا سینٹ کلیمنٹ براکس اسیر الحرب حسین احمد غفرلہ نمبر ۲۲۱۷

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۳) ناظم تعلیمات کے عہدہ پر فائز ہو گئے تھے۔ چاندپور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے ایک اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ جمع کیا تھا، جو ان کے وطن میں ہے، کثیر التعداد کتابیں ہر علم و فن کی اس میں موجود ہیں پرائیویٹ کتب خانوں میں اتنا عظیم الشان کتبخانہ علاوہ نواب شروانی مرحوم کے کتبخانے کے احقر کے علم میں نہیں چند سال ہوئے مولانا چاندپوری رحلت فرما گئے، چونکہ سادات سے تھے اور شیر خدا حضرت علیؓ سے نسبی تعلق تھا، اس لئے ابن شیر خدا لکھے اور بولے جاتے تھے، میدان مناظرہ میں یہ لقب بہت کام آتا تھا، اس لقب سے باطل کو لرزانا اور ڈرانا بھی مقصود تھا۔ (فریدی)

۵۲ مولانا حبیب احمد صاحب مدنی مہتمم مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ کی ولادت شام ہی میں ہوئی تھی اسی جانب اشارہ ہے۔ (اصلاحی)

۵۳ مولانا سید فخر الدین صاحب شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد۔

(فریدی)

مکتوب نمبر ۱۱۸

مزاج مبارک. آپ نے ایک مدت دراز سے سونٹھ کی ناس لے لی ہے کبھی ایک کارڈ تک لکھنے کی توفیق تک نہیں ہوتی، خدا جانے کس نیت سے پارسل گوشت دال کے روانہ کئے تھے کہ وہ بھی دریا برد ہو گئے، ہاں گذشتہ ہفتہ میں مولانا دامت برکاتہم کی خدمت میں ایک والا نامہ پرانا پہونچا، شکریہ ادا کرتا ہوں، صبح کا بھولا ہوا الخ معاف فرمائیے مخدوم بندہ عموماً وہ اسراء جو قبل اختتام حرب پکڑے گئے تھے، یہاں سے روانہ ہو گئے، فقط بیس بائیس آدمی باقی رہ گئے ہیں جن میں ما بدولت بھی ہیں، دیکھیں ہماری باری کب آتی ہے ہم کو اپنی نسبت متضاد خبریں معلوم ہوئیں، چند آفیسروں کی زبانی تو یہ معلوم ہوا کہ ہماری نسبت چھوڑ دینے اور ہندوستان روانہ کر دینے کا حکم آچکا ہے، فقط آگبوٹ کا انتظار ہے، اور بعض آفیسروں سے معلوم ہوا کہ ابھی تک کوئی حکم نہیں آیا، واللہ اعلم کیا واقعیت ہے، لوگوں کی کمی کی وجہ سے ہم اپنے قدیم کیمپ سے دراولہ براکس کو منتقل کر دیئے گئے، پھر اور بھی کمی ہو جانے پر اب ڈل فرشتہ میں مقیم ہیں، یہاں بہ نسبت دیگر مقامات کے اسائش کے سامان زیادہ ہیں، لوگوں کے بہت سے مرسلہ پارسل یہاں نہیں پہنچے، حافظ یعقوب صاحب مدتوں سے دو تین پارسل بھیج رہے ہیں مگر کوئی خبر نہیں بھائی سید احمد صاحب و محمود احمد مع اپنے متعلقین کے بخیر و عافیت مدینہ منورہ میں ہیں، اخیر ربیع الاول تک کے خطوط آچکے ہیں، ہم تو اب سردی سے بھی زیادہ آزاد ہیں، نے غم دزد نے غم کالا مولانا دامت برکاتہم بہ عافیت ہیں زیادہ بجز سلام مسنون کے اور کیا عرض کروں، مولوی عزیز گل صاحب د وحید بخیریت ہیں سلام مسنون عرض کرتے ہیں۔

بخدمت فیضدرجت جناب مولانا مولوی عبد الرحمٰن صاحب[۱]: دیگر مدرسین مدہ امر بہ مراد آباد

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱۸) [۱] مفسر جلیل حضرت مولانا حافظ عبد الرحمٰن صاحب صدیقی امروہی رحمۃ اللہ علیہ جن کا مختصر تذکرہ آگے آرہا ہے۔ (فریدی)

سلام مسنون عرض کر دیں، گھر میں سلام مسنون عرض کر دیجئے، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیے، خدا عاقبت بخیر فرمائے، دنیا تو خوب دیکھ لی فقط والسلام۔

۱۰ رجمادی الاولیٰ ۳۸ھ۔ مالٹا، دال فرشتہ۔ اسیر الحرب حسین احمد غفرلہ ۲۲۱

مکتوب نمبر ۱۵

تم ہمیں بھول گئے ہو شاید ہم تمہیں یاد کیا کرتے ہیں

میرے مخدوم و مکرم غافل حافظ صاحب زید عنایتکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف، بہت دراز زمانہ گذر گیا ہے کہ آپ نے اپنی صحت وری سے بالکل خبر نہیں دی، خیر اب تو ہم بر آت عاشقان بر شاخ آہو ہو رہے ہیں، مگر جب ہم مالٹا میں تھے وہاں بھی مدت دراز سے کوئی والا نامہ ہم کو باعث سرفرازی نہ ہوا تھا، آیا آپ سنگدل ہو گئے ہیں، یا پہلے ہی سے ایسے تھے، نہیں نہیں پہلے تو ایسے نہیں تھے، غالباً سیاسی مصلحتیں اس کی مقتضی ہوں گی، خیر صاحب ہرچہ باد اباد، ہم تو ہمیشہ آپ کے احسان مند و شکرگذار رہیں گے۔

مولانا! ہم تو دو ماہ سے آسیائے باد کی طرح چرخ کھا رہے ہیں مگر ابھی تک آپ کے دراقدس تک نہ پہونچ سکے، فلک بے رحم کوزہ پشت کو کہاں ایسی شفقت کہ بچھڑے ہوؤں کو ملنے دے، اور خلقت کی خوشی وخرمی پر خوشی منائے۔

ہم سویس میں بھی تقریباً ڈیڑھ ماہ سے بیابانی ہوا کھا رہے ہیں، مگر حضرت آنبوٹ تشریف نہیں لاتے، دیکھا ہماری خوش قسمتی، مگر حقیقت میں واللہ ہم خوش وخرم ہی ہیں (انشاء اللہ العزیز) کیا دجال کی جہنم آپ کو یاد نہیں، ہم اس حال میں بھی خوش و خرم ہیں۔ اور ہر طرح کی راحت سے مستفید ہیں، خدا عاقبت بخیر کرے۔ ضرب الحبیب زبیبٌ" باطنہ فیہ الرحمۃ وظاہرہ من قبلہ العذاب" مولانا دامت برکاتہم بخیر و عافیت ہیں۔

سلام مسنون فرماتے ہیں، تراجم ابواب بخاری شریف کے متعلق مختصراً یادداشت خود ہی تحریر فرمایا کرتے ہیں، مابدولت کو تو آرامِ تن سے ہی فرصت نہیں ہوتی کسبِ کمال کی رغبت کہاں ہوتی۔

"جیسے کنہیا گھر رہے ویسے رہے بدیش"

مولوی عزیز گل اور وحید بخیر و عافیت ہیں۔ سلام مسنون عرض کرتے ہیں۔ فقط۔ والسلام۔ ۱۲؍شعبان ۱۳۳۶ھ

داعیکم: حسین احمد غفرلہٗ من سویس برنجی کیمپ الاسراء،

مکتوب نمبر ۱۶

عنایت نامہ بے محل باعث سرفرازی خدام ہوا، عنایت کا تہ دل سے شکرگزار ہوں، جناب کے تعلق اہتمام سے خوشی ہوئی، خصوصاً اس وجہ سے اور بھی کہ وہاں "طرق معاش" اچھی طرح اور بڑی مقدار پر ہو سکتی ہے، میں آپ کی سابقہ اور لاحقہ عنایات کا کب منکر ہوں جو آپ اس کو مراد رہے ہیں، میرے عریضہ ارسال نہ کرنے کا شکوہ اگر مقصود ہے تو وہ بے موقع ہے، کیونکہ ہم کو پہلے تو فقط چار ماہ میں ایک خط کی اجازت تھی، اب تقریباً دو ماہ ہوئے ہیں کہ کراچی کے قیدیوں کے لئے بالخصوص پبلک کے بار بار تقاضوں پر گورنمنٹ بمبئی نے ماہوار ایک خط کے

حاشیہ مکتوب نمبر (۱) حافظ ابن قیمؒ شاگرد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ناقل ہیں کہ جب ابن تیمیہ قید خانہ کے اندر داخل ہوئے تو فرمایا باطنہ فیہ الرحمۃ وظاہرہ من قبلہ العذاب۔ اسی آیت کریمہ کو مالٹا کے قید خانہ میں شیخ الاسلام مولانا مدنی دامت برکاتہم نے بھی اپنے اس والا نامہ میں تحریر فرمایا ہے، یعنی بظاہر تو اس قید و بند کو عذاب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، لیکن اللہ والوں کے لئے اس کے اندر رحمت اور معرفت الٰہی کی بارش ہوتی ہے اور وہ مدارج طے ہوتے ہیں جن کے واسطے صدیاں ناکافی ہوتی ہیں۔

اے گدائے خانقہ باز آکہ در دیر مغاں — میدہند آبے و دلہا را توانگر می کنند

(اصلاحی)

لکھنے اور جواب حاصل کرنے کی اجازت دی ہے، مارچ کے خط میں میں نے حکیم صاحب کو لکھا تھا کہ حافظ صاحب کی خدمت میں میرا سلام و نیاز لکھیں اور احوال سے اطلاع دیں چونکہ جو خط بذریعہ آفس بھیجا جاتا ہے وہ آفس میں پڑھا جاتا ہے، اس لئے بہت سے خطوط ایک خط میں رکھنا غیر مناسب ہوتا ہے، اس میں یہ ممنوع ہے کہ کوئی پولیٹیکل بات یا جیل کی حالت لکھی جائے، میں نے اپریل کے خط میں بھی جناب کو لکھنے کے لئے اور امور معلومہ استفسار کرنے کے لئے لکھا تھا، جس کی بنا پر محمد احمد نے آپ کو دریافت کیا اب آپ کو یہ خوف ہوا کہ حسین احمد الزام کے پہاڑ مجھ پر نہ ڈھادے، اس لئے حسب مثل مشہور نا کو آئے ناکو آئے مجھ پر ہی الزام کی دھواں دھار بارش شروع کر دی، مگر مجھ کو کوئی شکایت نہیں۔

مخدوما! خدا کے فضل سے مجھ کو نہ یہاں اور نہ کراچی میں کوئی خاص تکلیف ہوئی اور نہ ہے، بعض اوقات اگر کوئی سختی ایک مدت تک پیش آئی تو وہ اختیاری تھی، اگرچہ حکام بالا کی ماتحت حکام کو سخت تاکید ہے اور ہوتی رہتی ہے کہ ان پولیٹیکل قیدیوں کے ساتھ معمولی قیدیوں کا معاملہ کیا جائے، کسی قسم کا کوئی امتیاز نہ ہو اور مع ہذا یہ لوگ معمولی قیدیوں سے بالکل علیحدہ رکھے جائیں، ان سے میل جول گفت و شنید کی نوبت نہ آنے پادے، یہ لوگ آپس میں بھی نہ ملیں، خوراک پوشاک وغیرہ وہی ہوں، مگر تاہم حسب گنجائش قانون ہمارے ساتھ بعض بعض مراعات برتی جاتی ہیں، سپرنٹنڈنٹ ان دنوں اگرچہ یوروپین ہے، مگر بہ نسبت سابق سپرنٹنڈنٹ اور دیگر حکام کے اس میں آدمیت اور معقولیت زیادہ ہے، اس کو فی نفسہ قیدیوں کے ساتھ عموماً ہمدردی ہے انکے خورونوش پوشاک وغیرہ کا بہت لحاظ رکھتا ہے، اگرچہ یہاں عام قیدیوں کو گیہوں کی روٹی بلا عذر نہیں دی جاتی، مگر پولیٹیکل قیدیوں کو دونوں وقت گیہوں کی روٹی ملتی ہے ان روٹیوں میں ریت یا کنکریاں وغیرہ نہیں ہوتیں دال (جو کہ روزانہ ایک وقت) اور

ترکاری (جو کہ دوسرے وقت ملتی ہے، ایک درجہ تک اچھی ہوتی ہے) دال ہر روز بدلی جاتی ہے ہفتہ میں ایک قسم کی دال ایک روز ملتی ہے، بعض بعض قیدیوں کو دودھ بھی ملتا ہے چنانچہ مجھ کو روزانہ ایک پونڈ دودھ ملتا ہے، مشقت ہم لوگوں کی بہت سہل کام کی ابتدا سے ہے، پہلے تو پانچ چھ گھنٹہ کام کرنا ہوتا تھا۔ مگر اب تو دو ڈھائی گھنٹہ کرنا ہوتا ہے، اُون کے تاروں کا گولہ بنانا ہوتا ہے، اور پہلے سوت کے تاروں کو چرخ پر دوہرا کرنا ہوتا تھا، ہم کو عموماً مذہبی کتابوں کے استعمال کی اجازت ہے، پرائیوٹ مذہبی کتابیں منگا سکتے ہیں، جیل کے کتب خانہ کی کتابیں بھی استعمال کر سکتے ہیں، ہم یہاں پر ان دنوں اٹھارہ پولٹیکل قیدی ہیں، ہر ایک علیحدہ علیحدہ کمرہ میں رہتا ہے، میں بلا تکلف واقعی طور پر عرض کرتا ہوں کہ مجھ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی، سوائے اپنے اکابر واحباب کی دوری کے سو وہ بھی عارضی ہے، جس کو الکتابۃ نصف الملاقاۃ دور کر دیتی ہے، مجھ کو بفضلہ تعالےٰ جو اطمینان وسکون یہاں حاصل ہے وہ عقلی مرتبہ میں مجھ کو مجبور کرتا ہے کہ یہاں سے نکلنے کی دعا تک بھی نہ کروں اور خواہش یا کوشش تو دوسری بات ہے، ہاں رضا بالقضا ضروری امر ہے، میں خدا کا ہزار ہزار شکر کرتا ہوں کہ اس قید میں مجھ کو ظاہری اور باطنی بہت سے انعامات سے نوازا، اور اگر میں بدنصیب نالائق وکاہل نہ ہوتا تو اب تک بہت کچھ الطافات الٰہیہ سے فیضیاب ہو چکا ہوتا، مگر اپنی بدقسمتی قسمت کا گلہ کس سے اور کیا کروں، میں قسمیہ کہتا ہوں کہ میرے لئے یہ قید رحمت ہی رحمت ہے اور پھر اگر خداوند کریم قبول فرمائے اور اخلاص ہو تو ہر ہر لمحہ آخرت کے لئے توشہ ہے۔ ۵

خاکیاں بے بہرہ اند از جرعۂ کاس الکرام این تطاول بیں کہ با عشاق مسکین کردہ اند

فللّٰہ الحمد والمنۃ۔ الحاصل ہر طرح افضال الٰہی شامل ہے اپنے ہر دو بزرگوں مرشدنا ومولانا حضرت گنگوہیؒ اور مولانا دیوبندی قدس اللہ اسرارہما کے الطاف بے غایات کو خاص

---

۵ سچ ہے۔ نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود (اصلاحی)

طور سے مبذول پاتا ہوں، پھر کیا غم ہے، اگرچہ ایسی قیدیں سالہا سال کے لئے ہوں خداوند کریم اپنی رضا اور اپنے پیاروں کی رضا عطا فرمائے۔

اذا صح منہ الود فالکل ھینٌ وکل الذی فوق التراب ترابُ[1]

میرے مخدوم و محترم! آپ اور...... دوسرے اکابر اپنے نالائق و ناکارہ و گستاخ خادم کی طرف سے ادنیٰ درجہ بھی غمگین و متکدر نہ ہوں اور اگر بمقتضائے بشریت کوئی تذکرہ آجائے تو حسب قول اکابر بمصیبتے گرفتاریم نہ بمعصیتے، شکر و ثنا سے رطب اللسان ہوں، غالباً آپ عید کرنے امروہہ جائیں گے۔ حامد کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں میرا خاص طور سے سلام عرض کر دیجئے، علیٰ ہذا القیاس میاں اختر اور ان کے والدین ماجدین، مولوی معظم حسین ان کے والد ماجد صاحب مولوی یعقوب صاحب، مولوی احمد حسن صاحب مولانا عبد[2] الرحمٰن صاحب........

---

[1] عربی شعر کا ترجمہ یہ ہے:۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ انہیں محبت ہے تو پھر سب کچھ آسان، مٹی رزمین کے اوپر کچھ ہے وہ مٹی ہی ہے۔ (اصلاحی)

[2] مولانا حافظ عبد الرحمٰن صاحب صدیقی مفسر امروہی قدس سرہٗ، حضرت مولانا نانوتوی، حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا امروہی رحمہم اللہ کے فیض یافتہ بزرگ تھے، مدرسہ شاہی مرادآباد میں صدر مدرس رہے پھر ۱۳۲۳ھ میں بعد وفات حضرت محدث امروہیؒ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں اپنے استاذ معظم کی جانشینی کے فرائض انجام دیئے، اور تا وفات (۱۳۶۷ھ) باستثنائے چند سال (کہ مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل سے تعلق ہو گیا تھا) اسی مدرسہ میں شیخ الحدیث رہے۔ البتہ ۱۳۳۹ھ میں چند ماہ کے لئے ریاست مینڈھو کے مدرسہ میں بھی رہے، اس مدرسہ میں حضرت شیخ الاسلام مدظلہ بایمائے حضرت شیخ الہندؒ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے شیخ الحدیث رہے ہیں، حضرت حافظ صاحبؒ اسلاف کرام کی یادگار تھے تقریباً ستر سال تدریسی فرائض انجام دیئے، ترانوے سال کی عمر پائی، جامع مسجد امروہہ کے احاطہ میں اپنے استاذ حضرت محدث امروہی کے پہلو میں دفن ہوئے، رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً، تفسیر بیضاوی، اکمال معول، مختصر المعانی پر آپ کے حواشی ہیں، علم تفسیر میں خصوصیت کے ساتھ ید طولیٰ حاصل تھا، حضرت ...

مولوی عبد القیوم[۵۱] صاحب اور جو حضرات پرسان حال ہوں، یا آپ مناسب سمجھیں خصوصاً شیخ جی صاحب سب سے سلام عرض کر دیجئے، کلکتہ کے لئے اگرچہ خط کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی خصوصاً اس وجہ سے کہ اکثر زمانہ رمضان کا خط پہنچنے تک گذر جائے گا۔ مگر انشاء اللہ لامرکچھ لکھتا ہوں۔ بنے میاں[۵۲] صاحب کے توجہ فرمانے پر کوئی ضرورت نہ تھی، مگر آپ کے جیسی سمجھیں ہونے کا خوف مجبور کرتا ہے الحاصل آپ نے ڈیڑھ[۵۳] اینٹ کی مسجد بنا ہی لی اور دوسرے مدرسہ کو بالکل ہی کمزور بنا دیا، مگر یہ نہ لکھا کہ آخر کار مولانا دام مجدہم کی گذر کس طرح ہوتی ہے، دوسرے مدرسوں کی آمدنی کہاں سے ہے۔ والسلام

۱۴ر رمضان المبارک بروز جمعہ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۲۶) امداد اللہ مہاجر کی برد اللہ مضجعہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت و اجازت کا شرف حاصل تھا، آپ کے مزید حالات احقر کے مقالے میں ملیں گے، جو ماہنامہ دارالعلوم دیوبند بابتہ رمضان و شوال ۱۳۸۱ھ میں شائع ہوا ہے، حضرت شیخ الاسلام مدظلہٗ اکابر کی نسبت اور ذاتی کمالات کے پیش نظر ان کا بہت اعزاز و اکرام فرماتے تھے۔ (فریدی)

۵۱ مولانا عبد القیوم ابن مولانا حافظ عبد الرحمٰن صاحب صدیقی بڑے ذہین اور ذکی تھے، اعلیٰ درجہ کے مناظر اور مشہور شاعر تھے، نوجوانی میں ان کا انتقال ہوا۔

۵۲ مولانا قاری سید محمد صاحب رضوی عرف بنے میاں مدظلہٗ، حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب محدث امروہیؒ کے اکلوتے صاحبزادے ہیں، انہوں نے تکمیل حضرت مولانا حافظ عبد الرحمٰن صاحب صدیقی امروہیؒ سے کی، استاذ القرا حضرت مولانا قاری ضیاء الدین الہ آبادیؒ جنہوں نے تعلیم حدیث و تفسیر مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں حاصل کی، ان صاحبزادے کی تعلیم کے سلسلہ میں مدتوں امروہہ میں رہے، اور علم تجوید کا فیض جاری کیا، یہ صاحبزادے حیدرآباد دکن میں بسلسلہ ملازمت مقیم ہیں۔

۵۳ ۱۳۲۹ھ میں امروہہ کے قدیم مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد جو قاسم العلوم والمعارف حضرت نانوتویؒ کے ایماء سے قایم ہوا، اور حضرت محدث امروہیؒ نے جس کو پروان چڑھایا) سے علیحدہ ہو کر کچھ

مکتوب نمبر ۱۷

جز یادِ دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است
جز سرِ عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوے لوحِ دل از نقش غیر حق
علمے کہ راہِ حق نہ نماید جہالت است

مخدومی و محترمی زید مجدکم. آمین۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، مزاج شریف والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا، آپ نے اپنے وجوہ تشویش میں فقط دو ایک ہی باتیں ذکر فرمائی ہیں، جن سے مترشح ہوتا ہے کہ خدا جانے اس قسم کے امور وہاں کتنے ہوں گے۔

مخدوما! اگرچہ میں ہر طرح چھوٹا ہوں اور پھر نالائق و ناکارہ مگر آپ کے مکارم اخلاق نے مجھ کو گستاخ بنا دیا ہے، اسی بنا پر میں ہمیشہ آپ کے ساتھ لڑتا جھگڑتا رہا، آپ کی عمر عزیز اور جوہر دار اوقات اکثر ایسے امور میں صرف ہوا کئے، اور ہو رہے ہیں آپ ہوا کے ساتھ لڑتے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر جھگڑے مول لیتے اور اپنی جسمی طاقت اور قلبی جمعیت کو اس میں برباد کرتے رہیں

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۶) حضرات نے ایک چھوٹا سا مدرسہ قایم کر لیا تھا، اور حافظ زاہد حسن صاحب مدظلہٗ کو اسکا مہتمم بنایا۔ جب اختلافات زیادہ بڑھ گئے اور قدیم مدرسہ کے نقصان کا اندیشہ ہوا تو حضرت شیخ الاسلام مدظلہٗ نے دونوں مدرسوں کو ایک کر دیا، حافظ صاحب موصوف مدرسہ قدیم میں نائب مہتمم ہو گئے اور اب تک اسی قدیم مدرسہ سے وابستہ ہیں، چند سال ہوئے کہ اس جدید مدرسہ کے ارباب حل وعقد نے پھر اپنے مدرسہ کو جدا کر لیا۔ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ جدید مدرسہ کے مدرسین و مہتمم باوجودیکہ اسی قدیم مدرسہ کے فیضیافتہ ہیں، لیکن مادر تعلیم کے حق کو فراموش کرتے ہوئے برابر قدیم مدرسہ کی بیخ کنی پر آمادہ رہتے ہیں، شیخ الاسلام نے "ڈیڑھ اینٹ کی مسجد" اسی دوسرے مدرسہ کو تحریر فرمایا ہے، اللہ تعالےٰ اس دور پرفتن میں تمام اہلِ علم حضرات کو اتفاق واتحاد سے رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین،

(فریدی)

اور اب بھی وہی حال ہے، پھر اس پر نقصان مایہ اور شماتت ہمسایہ دوسرا بوجھ ہے نہ معلوم آپ کب ان فضولیات سے احتراز کریں گے اور اپنے مستقبل کی فکر میں مشغول ہو کر عاقبت کی سلامتی کی فکر کریں گے، مجھ کو ہرگز زیبا نہیں کہ اس قسم کی بات زبان سے نکالوں، مگر آپ کے گوناگوں جنجالوں کو دیکھ کر دل کو بیتابی عارض ہو جاتی ہے الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیہا الا ذکر اللہ وما والاہ۔ افسوس ہے آپ نہ اپنے اہل وعیال اور جسم و دماغ ہی کی خدمت بجالاتے ہیں اور نہ روحانی و قلبی ترقیات کی طرف متوجہ ہو کر رضاء ذوالجلال کے لئے سعی فرماتے ہیں، انگریزی عدالتوں میں فساق و کفار کے پاس جوتیاں چٹخاتے ہوئے ہر طرح کے نقصانات سر دھرتے ہیں، ان لوگوں کے بوجھ اور اثقال کو اپنے ذمہ رکھ لیتے ہیں، جن کی خدمت نہ عند اللہ اور نہ عند الناس ضروری ہو سکی ہے اور نہ نافع، پھر طرح طرح کی کوفتیں اٹھاتے ہیں۔ پھر صاحبزادہ[۱] صاحب یعنی حکیم صاحب کا یہ مبلغ کچھ کم نہیں، آخر اس کا کیا نتیجہ ہوگا، اگر کہیں سے آپ نے انتظام بھی کر دیا تو اس کی ادائیگی میں آپ کو کس قدر شقتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ خیر خداوند کریم آپ کی اعانت فرمائے، اور مقاصد میں کامیاب فرمائے۔

آپ اگر تغافل نہ فرماتے تو ایک طرف ہو کر تجارت[۲] خود ہی کرتے تو آج یہ دن کیوں دیکھنا پڑتا اختر کے والدین اور دوسروں سے کیوں آپ کی یہ گت بنتی، نہ تو آپ تجارت ہی یکسو ہو کر کرتے

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱) [۱] حضرت مولانا حکیم مسعود حسن صاحب گنگوہیؒ صاحبزادہ حضرت مولانا گنگوہی رح

[۲] احقر نے حافظ زاہد حسن صاحب مدظلہٗ سے براہ راست اس کی تفصیل معلوم کرنی چاہی، لیکن بوجہ اپنی معذوری و علالت کے اور فالج کی وجہ سے قدرے زبان پر بھی اثر ہو جانے کے باعث وہ مفصل نہ بتا سکے مختصر طور پر اتنا معلوم ہوا کہ حافظ صاحب موصوف نے صاحبزادہ حضرت گنگوہیؒ اور اپنے مشترکہ سرمایہ سے تجارت شروع کی تھی، اور اس میں ایک اور شخص کو بھی شریک کر لیا تھا، جس نے راس المال کو خرد برد کر دیا۔ نوبت مقدمہ تک پہونچی۔ حضرت شیخ الاسلام مدظلہٗ کو جب معلوم ہوا تو سابرمتی جیل ہی میں بیٹھے بیٹھے ایک دلسوز ہمدرد کی حیثیت سے یہ الفاظ تحریر فرمائے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

ہیں اور نہ دوسرے کام استقلال سے کرتے ہیں، لاکھوں قسم کے جھگڑے سر باندھ رکھے ہیں جس کا نتیجہ طلب الکل فوت الکل ہوتا ہے، اور پھر مخلوق کی زبانیں دراز ہوتی ہیں، خسر الدنیا والآخرۃ کا سماں بندھتا ہے، اپنے اور پرائے سب طعن و تشنیع کرتے ہیں رفتہ رفتہ بڑوں کے دلوں پر بھی تکدر کا نقشہ ظہور کرتا ہے، مجھ کو تو خوف ہے کہ حکیم صاحب[۱] کے دل پر بھی کہیں ایسے اثرات اثر نہ ڈالیں۔

میں خدا کے فضل و کرم سے نہایت آرام اور دلجمعی سے ہوں، احباب و اکابر پر کسی قسم کا کوئی اثر نہ ہونا چاہیئے، ہاں یہ فرمائیے کہ مولوی عبدالواحد[۲] خاں صاحب جے پوری کون بزرگ ہیں اور کیوں اور کس کی تقریب کی بنا پر انہوں نے غیر معمولی بوجھ میرے متعلقین کے مصارف کا تحمل کیا ہے، ان کو مجھ سے کوئی سابق تعارف نہیں اور نہ کوئی تعلق۔

مولوی قدرت اللہ[۳] کی اس عنایت کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، اس کی وجہ سے جو بیرنگ خطوط جاتے تھے وہ بند ہو جائیں گے کیونکہ یہ غیر قانونی طریقہ کے خطوط خفیۃ آتے اور جاتے ہیں، ہمارے روپے جو کہ آفس میں جمع ہیں ان سے کوئی مدد اس میں نہیں مل سکتی۔

حضرت مولانا[۴] قدس سرہٗ العزیز کی سوانح عمری لکھنے کا خیال مجھ کو ان کے وصال کے وقت سے تھا، جب مولوی عاشق الٰہی[۵] صاحب نے اشتہار دیا تو طبیعت خوش ہوئی کہ یہ بوجھ بوجہ اتم وہ اٹھا سکتے ہیں، ان کی تحریری قابلیت اور سامان طبع وغیرہ اس کے لئے پورے کافی ہیں، مگر ان دنوں دیوبند کے ان معزز حضرات نے جن کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے احوال سے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۲) [۱] صاحبزادۂ حضرت گنگوہی رح۔ [۲] جے پور کے ایک مخلص رئیس جنہوں نے حافظ زاہد حسن صاحب کی تحریک پر خلافت کے زمانہ میں حضرت والا کے اسیر ہو جانے کے بعد گھر پر بوساطت حافظ صاحب موصوف امداد روانہ کی۔ [۳] مدرسہ شاہی مرادآباد کے مدرس تھے، انتقال فرما گئے۔

[۴] حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ۔

[۵] مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی جن کو بزرگوں کے حالات جمع کرنے اور سوانح عمری مرتب کرنے کا خاص ملکہ تھا۔ تذکرۃ الرشید تذکرۃ الخلیل ان کی فن سوانح نگاری کے گواہ ہیں۔

بہت اچھی واقفیت تھی، تمام عمران ہی کی صحبت تھی، فرمایا کہ ہم لکھیں گے۔ باہر کے لوگوں کو کیا اطلاع ہوسکتی ہے، تجھ کو لازم ہے کہ ایک اشتہار اس مضمون کا لکھدے اور مالٹا کا احوال کو قلمبند کرے، ہم نہایت مکمل سوانح عمری[۵۸] تیار کریں گے، میں نے اپنی ناتجربہ کاری سے اشتہار دیدیا اس پر مولوی عاشق الٰہی صاحب علیحدہ کشیدہ خاطر ہوگئے، مجکو کلکتہ کا سفر درپیش تھا ہی میں وہاں چلا گیا، اور وہاں سے تقاضے پر تقاضہ کرتا رہا، مگر وہاں امروز فردا ہوتا رہا، اور... کثرتِ اشغال اور قلتِ فراغ کی غیر متناہی طاقتوں نے آج کا دن دکھایا جب میں تقاضے کرتے کرتے تھک گیا اور مایوس ہوگیا، تو پھر مولوی عاشق الٰہی صاحب سے کہا، انہوں نے انکار کردیا، میں نے سفر مالٹا کے اس قدر حالات کو جن کو ظاہر کر سکتا تھا، اور جن پیرایوں میں ظاہر کرا سکتا تھا، کراچی سے لکھکر مولوی مرتضیٰ حسن صاحب[۵۹] کے ساتھ مولوی عزیر گل[۶۰] کو بھیجا تھا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شائع کرنا مناسب نہیں جانا گیا، غیر مفید خیال کیا گیا۔

اب اگر میں یہاں کچھ لکھوں تو میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پورے احوال سے جو کہ اوائل عمر کے ہیں بخوبی واقف نہیں، یہاں وہ اسباب اور سامان بھی فراہم نہیں جن سے مدد ملے اگر دیوبند میں ہوتا تو پوچھ پوچھ کر لکھ سکتا تھا، کیونکہ وہاں حکیم صاحب[۶۱]، مفتی صاحب[۶۲] مولوی حبیب الرحمن صاحب[۶۳] موجود ہیں، وہاں پر مجھ کو کبھی بھی فرصت نہ ہوئی، کہ اس طرف توجہ کروں، اس پر بھی قدر معلوم کی طرف توجہ کروں تو عبارت آرائی اور طریق تحریر سے میں سخت عاجز ہوں، یہ واقعی کیفیت ہے آیندہ اگر کوئی بات سمجھ میں آگئی تو حسب اطلاع باتیں قلمبند کرلوں گا، جس کی تکمیل دیوبند میں ہو جائیگی مگر افسوس تو یہ ہے کہ اب وقت ہاتھ سے جاتا رہا، مولانا کی وفات کے قریب زمانے میں اگر یہ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱) [۵۸] حضرت میاں اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ نے اس کے بعد حیات شیخ الہندؒ کے نام سے سوانح عمری لکھی۔ [۵۹] مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری مرحوم۔ [۶۰] حضرت شیخ الہندؒ کے رفیق مالٹا۔ [۶۱] حکیم محمد حسن صاحب دیوبندی برادر حضرت شیخ الہندؒ۔ [۶۲] حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی نقشبندی مجددی مرحوم۔ [۶۳] سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

سوانح مکمل ہوجاتی تو مناسب ہوتا۔ اب لوگوں کو دلچسپی کم ہوگی، اس سے زیادہ افسوس کے قابل امر ترجمہ کا واقعہ ہوا ہے، جو یاروں کی عنایتوں کی بنا پر گال کھاتہ میں پڑ گیا، مولانا مرحوم نے اپنے نہایت قیمتی وقت کو اس پر صرف کیا تھا۔ مگر کوئی مفید صورت[الله] اب تک ظہور میں نہ آئی، انا ارید وانت ترید واللہ یفعل ما یرید۔

مولوی احمد حسن صاحب سنبھلی کا صدر مدرسی کے کام کا بخوبی انجام نہ دے سکنا، قابل تعجب امر ہے جس کا تسلیم کرنا بھی بہ مشکل ہو سکتا ہے، مولوی شبلی[۱۵] صاحب کا پتہ مجھ کو معلوم نہیں انہوں نے جدا ہونے کے بعد مجھ کو اپنی کوئی اطلاع نہ دی، البتہ ان کے مکان کا پتہ حسب ذیل ہے، آپ ان سے دریافت کر سکتے ہیں موضع نندادن ڈاکخانہ گھیر یوپی اعظم گڈھ اگر مولوی صاحب موصوف مل جاویں تو فبہا ورنہ آپ مولوی صاحب یعنی مولوی احمد حسن صاحب کو اپنے مشاہرہ پر بحال رکھ کر مولوی ابراہیم صاحب شیرکوٹی کو جو کہ اعظم گڈھ کے مشن ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی ہیں اور مسجد تین کونی شہر اعظم گڈھ میں ان کا قیام ہے ان سے خط وکتابت کیجئے۔ مولوی صاحب موصوف نے کتابیں شوق اور کوشش سے پڑھی تھیں، طبیعت، قابل اور تیز پائی ہے، مگر عرصہ سے بوجہ عدم موجودگی روزگار کالج کی ... نوکری میں اپنے وقت کو ضائع کیا ہے، ان سے خط وکتابت کیجئے، دیوبند میں موصوف عرصہ تک رہے ہیں، اگر یہ آجائیں تو ان کو ان کے حسب طلب تنخواہ دے کر رکھیئے .... تھوڑے دنوں میں یہ بخوبی صدر مدرسی کا کام انجام دے سکیں گے، بالفعل نام اپنی

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۷) [الله] بعد کو مدینہ بجنور نے اس ترجمہ قرآن کو بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا، (فریدی)

[۱۵] یہ مولانا شبلی حضرت شیخ الہند کے شاگرد دیوبند کے فاضل اور مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کے زین صدتا مولانا عثمانی مرحوم سے اشبہ تھے دونوں میں بڑے مولانا شبلی اور چھوٹے مولانا عثمانی تھے علم اور تقریر میں بھی مولانا شبلی مرحوم امتیاز نمایاں تھے۔ مگر پھر بعد کو ایسا گمنام ہوئے کہ کہا نہیں جا سکتا، مدرسہ آنکی سرگرمیر کے قیام کے زمانہ میں ناچیز نے مرحوم سے شرح معانی الآثار جلد اول پڑھی تھی اور شرح رسالہ بھی تشریحات تک، (ابو الحیات تحمیدی)

صدر مدرسی کا نہ آنے دیجئے، مولوی احمد حسن[۱] کے ساتھ ایسا معاملہ جس سے ان کی دل شکنی ہو غیر مناسب معلوم ہوتا ہے، میرے نزدیک مولوی صاحب موصوف نے اپنے پیر و مرشد کے متعلق جو اعلانات شائع کئے ہیں اس میں نہایت فاش غلطی کھائی ہے، اور اس کے برے نتائج کا خوف ہی، مگر اس کو ان سے ذکر کرنے کا موقع مجھ کو ہاتھ نہ لگا۔ کہ میں پکڑا گیا، اگرچہ اس میں ان کی نیت بخیر ہوگی، مگر میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ غیر مناسب ہوا اور وہ مولوی صاحب کے لئے شاید بہت مضر ہو، واللہ یحمینا وایاہ وسائر المسلمین من حوادث الدھر وسوء العواقب، آمین جن کتابوں ۔۔۔۔ کے متعلق آپ کا خیال ہے کہ وہ ان کا تحمل نہ کرسکیں گے، مجھکو امید ہے کہ مولوی ابراہیم صاحب یا مولوی شبلی صاحب تحمل کریں گے، ہاں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ مولوی احمد حسن صاحب کا طرز علم و تعلیم کتب حدیث وغیرہ اپنے ہر دو بزرگوں مولانا دیوبندی اور مولانا امروہی رحمہما اللہ تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱) [۱] مولوی احمد حسن صاحب سنبھلی، ان کے تفصیلی حالات معلوم نہیں، اجمالی طور پر اتنا معلوم ہے کہ یہ ذی استعداد عالم تھے اور تحقیق و تنقید میں مہارت تامہ رکھتے تھے، حضرت تھانوی کے مرید اور غالباً خلیفہ تھے اور امروہہ کے دوسرے مدرسہ نے ان کو اپنے یہاں صدر مدرس کر دیا تھا، دور خلافت میں سیاسی اختلاف رائے کی بنا پر اپنے شیخ و مرشد سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، لیکن اتنا ہی نہیں کیا بلکہ تحریر کے ذریعہ اپنے پیر کی تغلیط سخت الفاظ میں کی اور براہ راست حضرت مولانا تھانوی کو بھی نامناسب الفاظ لکھ کر بھیجے، اختلاف رائے تک کوئی بات نہ تھی، لیکن اختلاف کے دائرہ کو اتنا وسیع کرنا کہ کسی کی عظمت اور بزرگی کا بھی خیال نہ رہے یقیناً وہ محمود اختلاف نہیں جبکو اختلاف امتی رحمۃ فرمایا گیا تھا، اس مکتوب کے اس حصے کو ذرا غور سے وہ بھی پڑھیں جو حضرت شیخ الاسلام کے دامن سے وابستہ ہیں اور وہ بھی جو حضرت مولانا تھانوی سے تعلق رکھتے ہیں، خلافت کا زمانہ ہے خانقاہ تھانہ بھون اس تحریک سے اپنی بے تعلقی کا اظہار و اعلان کر چکی ہے، حکومت اور حکومت کے حامی اس بے تعلقی سے فائدہ اٹھا کر تحریک کو نقصان پہونچا رہے ہیں طالبان تحریک کا ناطقہ بند کر رہے ہیں، حضرت شیخ الہند رح اور ان کے رفقاء تحریک میں سر تن کی بازی لگا رہے ہیں، ایسے موقع پر کوئی مرید مرشد کے تھانہ بھون سے بیزار ہو گیا تھا، تو اچھا تھا، اس کو ادرشہ دی جاتی، لیکن نہیں ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ اپنے پرائیویٹ مکتوب

کے خلاف ہے، اور اتباع مذہب حنفی میں بھی وہ ایسے مستقیم الرائے نہیں ہیں جیسے اپنے اکابر تھے، مجکو چونکہ کوئی طویل موقع ان کی صحبت میں رہنے کا نہیں ملا جس کی بنا پر میں کچھہ ان سی تفصیلات معلوم کرتا اور تنقیدی انظار کی نوبت آسکتی۔

مولوی اصغر حسین صاحب نے جو کچھہ تحریر کیا ہے اس کی بھی مجکو اطلاع نہیں، آپ اسکو میرے پاس بشمول کتب دیگر جن کو مولوی عزیز گل صاحب ہفتہ عشرہ میں لادیں گے، اور بوقت ملاقات جو کہ ۱۰ شوال کے بعد ہوگی دیں گے بھجوا دیجئے،

مولوی قدرت اللہ دوسرے کے کندھے پر بندوق چلانا چاہتے ہیں خود کیوں کام نہیں کرتے، عالم کو فیض پہنچانے سے ان کو کیوں انکار ہے، اچھا مجہہ کو اس لائق بنوا دیں پھر اسی وقت ایسے احکام جاری کریں، قبل از وقت ایک نالائق ونا کارہ کو ایسے احکام سی مکلف کرنا کیسی بے انصافی ہے، میرا خیال ہے کہ اہل امروہہ کو خط لکھوں کہ اس حالت پر بھی وہ متنبہ ہوں اور آپس میں اتفاق کرکے دونوں مدرسوں کو ایک کرلیں، اور قدیمی مدرسہ کی زندگی میں ایک آواز ہوکر کوشش کریں، سابقہ خیالات اور احوال سے گریز کریں، نہ معلوم آپکی

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰) میں جس کے شائع ہونے کا تصور بھی نہیں تھا، شیخ الاسلام مدظلہ یہ فرما رہے ہیں کہ مولوی احمد حسن سنبھلی کے کار تدریس میں کمزور ہوجانیکا سبب انکا اپنے پیر و مرشد کے خلاف اعلان شایع کرنا ہے اور اس میں انہوں نے سخت غلطی کی ہے، حضرت مولانا تھانوی کو بھی حضرت والا سے جو قلبی تعلق تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بجہرایوں کی تقریر کے بعد انگریزی حکومت کے ختم ہوجانے کے چند سال پہلے جب حضرت والا گرفتار ہوئے، تو حضرت مولانا تھانوی نے گرفتاری کی خبر سنکر اپنے اس دن کے خانقاہ کے معمولات کو ترک فرما دیا، اور فرمایا کہ مجھے اب محسوس ہوا ہے کہ مولانا حسین احمد کی میرے دل میں اتنی محبت ہے، اسی قسم کے الفاظ تھے، اس بات کو احقر نے حضرت مولانا تھانوی کے بعض خلفا کی زبانی سنا ہے، اس گرفتاری کے بعد حضرت والا مراد آباد جیل اور نینی جیل میں رہے اور اسی زمانے میں حضرت مولانا تھانوی کا وصال ہوا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے اس گرفتاری پر زیادہ تاثر حضرت مولانا تھانوی کو ہوا۔

اس میں کیا رائے ہے، ہمارا خیال تو یہ ہے کہ الصلح خیر وَاِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا

آپ اپنی بڑائی ثابت کرنے کے لئے بہت سی باتیں تکلفات کی لکھ رہے ہیں مگر میں ان سے دھوکے میں نہیں آسکتا، مجھ میں کوئی قابلیت کسی بزرگ کی جانشینی کی نہیں ہے، بلکہ بخلاف اس کے اپنے بزرگوں سے انتساب میں بھی مجھ کو سخت ندامت کا سامنا ہوتا ہے، میں بجائے اسکے کہ ان کے آثار قدم کا متبع ہوتا، بلکہ ان کے خلاف عملی حالت دکھلا رہا ہوں، اس لئے بجز اس کے کہ ننگ اکابر کہوں اور کیا ہو سکتا ہے، مجھ کو نہ اپنے کو محمودی لقب رکھنا بھاتا ہے اور نہ رشیدی نہ قاسمی نہ امدادی اور نہ کبھی اس پر جرأت ہوتی ہے، ہاں خداوند کریم اگر اپنے فضل وکرم سے کوئی جرعہ ان کرام کے کاس معرفت واخلاص اور عمل وتقویٰ میں سے نصیب فرمادے تو اس وقت کوئی مضائقہ نہیں، میں ان بزرگوں کا بدنام کرنے والا ہوں، نیک نام کرنے والا نہیں تکلیف دینے والا ہوں، راحت پہونچانے والا نہیں، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، آمین۔

ہاں ایک ضروری بات یہ ہے کہ مولوی مشتاق احمد تاجر کتب قومی محلہ کوٹلہ میرٹھ کو لکھ دیجئے کہ اگر کراچی کے مقدمے کی کارروائی سشن عدالت کی (اردو) ان کے پاس ہو تو وہ مع پیام اسیر مالٹا جلدی وی پی کرکے یہاں بھیجدیں، اور اسی طرح لاہور میں سوانح عمری انور بیگ اور مصطفےٰ کمال یہ دونوں نسخے چھپے ہوئے ہیں، وہاں پر ابھی لکھدیجئے، ان دونوں کو، اور اگر اردو میں کوئی تاریخ آل عثمان کی ہو تو وہ بھی وی پی میرے نام بھجوادیں، یہاں پر بعض احباب کو ان کتابوں کی سخت ضرورت ہے۔ عید بروز دوشنبہ ہوئی،

والسلام ۲۰ر شوال، روز سہ شنبہ، از سابرمتی جیل احمد آباد گجرات۔ (حسین احمد غفرلہٗ)

مکتوب نمبر ۵۸

والانامہ باعث سرفرازی ہوا، پہلے معزز نامہ کا جواب میں نے ۲۵ر ذیقعدہ کو لکھا تھا۔ مگر پونا سنٹر ہونے کے لئے کلکٹر کے آفس میں گیا ہوا تھا۔ اس میں بہت تاخیر ہو گئی۔ ماہ حال کی

۱ار تاریخ کو یہاں سے ؛ وعر لیفہ روانہ ہوا ہے، غالباً ملاحظۂ نظر فیض اثر سے گذرا ہوگا۔ اور حافظ فضل الرحمٰن کا خط مولوی عزیر گل صاحب کو غالباً آپ نے پہونچا دیا ہوگا، انتظار ہے، کتابیں اب ہرگز نہ بھیجیں سب مع شی زائد آگئیں، آپ کا لغویات سے توبہ کر لینا اور لوگوں کے روکنے کا عصم ارادہ کرنا مجھ کو نہایت ہی باعث فرحت و سرور ہوا، خداوندکریم آپ کو اسی طرح ہمیشہ امور خیر کی طرف متوجہ کرے، آمین، جن لوگوں نے ٹائٹل پر الفاظ ناشائستہ چھپوائے ہیں میں نے ان سے بھی اس پر پوری طرح سعی کی ہے، مجھے امید ہے کہ وہ درستی ہو جائے گی۔

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ العزیز کا واقعہ جن صاحب نے بیان کیا وہ اپنا نام کیوں نہیں ظاہر فرماتے، ٹٹی کی آڑ میں کیوں شکار کرتے ہیں۔

گھر کے خطوط سے معلوم ہوتا رہا ہے کہ ان کو مصارف کی ابھی ضرورت نہیں ہے آپ کو غلط خبر پہونچی ہے، علاوہ اس کے مولوی عزیر گل کے پاس میرے روپے جمع ہیں وہاں سے آجائیں گے، مدرسہ جدیدہ امروہہ ابھی اس قدر مشہور نہیں ہوا ہے کہ اس کی آواز پر مرکزی اراکین کان دھریں، اور نہ اس کے کارنامے ان کے کانوں تک پہونچے ہیں، مگر مع ہذا آپ اراکین مدرسہ کو فرمایئے کہ وہ خود لکھیں۔ مجھ کو اگر موقع ملا تو میں بھی دریغ نہ کروں گا، ممکن ہے کہ ماہ ستمبر کی ۱۹ر یا ۲۰ر کو مسٹر معظم علی صاحب ملنے کو آئیں گے یاد رہا اور وہ آئے تو میں ان کو توجہ دلاؤں گا (انشاء اللہ) جناب مولانا قدرت اللہ صاحب کا والانامہ باعث سرافرازی ہوا ان کی خدمت اقدس میں با ادب سلام مسنون عرض کرنے کے بعد اتنی بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس مہتم بالشان امر کو آیا اس حالت میں انجام دے سکتا ہوں، کیونکہ بہت سی باتیں واقفین سے پوچھنے اور تفتیش کرنے پر موقوف ہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی زندگانی سے مجھ کو نہایت ہی کم واقفیت ہے، پھر فرصت بھی کم ہے، مگر تاہم میں امتثال امر کے لئے تیاری کروں گا۔ السعی منی والاتمام من اللہ مولانا محمد صدیق[۲] صاحب اور دیگر حضرات واقفین پرسان حال

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰) [۱] حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ۔ [۲] مولانا محمد صدیق مرحوم حضرت مولانا محمد قاسم

کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دیں، والسلام

۲۶ راگست ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ از سابرمتی جیل ۔

مکتوب نمبر ۱۹

جناب مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حسن پور ضلع مراد آباد کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

والانامہ فیض شمامہ باعثِ سرفرازی ہوا، یاد آوری کا شکریہ پیش کرتا ہوں، جو کلمات مدح و ثنا اس روسیاہ ننگ خاندان کے لئے تحریر فرمائے ہیں بجز اس کے کہ ان کو حسن ظن پر حمل کروں اور کیا کہہ سکتا ہوں، ہاں بارگاہِ جل وعلیٰ سے امیدوار ہوں کہ وہ کریم محض اپنے فضل و کرم سے بزرگوں اور احباب اور کرم فرماؤں کے ظنون جمیلہ کو واقعیت کا جامہ پہنا دے وما ذالك على الله بعزيز ۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۸) صاحب نانوتویؒ کے مرید شاگرد تھے حضرت والا مراد آباد میں انہی کے مکان پر قیام فرماتے ہیں، وقت کم ہونے پر کبھی اسٹیشن ہی پر خدام و متوسلین کو طلب فرمالیں تو دوسری بات ہے لیکن مراد آباد میں داخل ہونے پر محلہ بنجبیں مولانا محمد صدیق صاحب مرحوم کے مکان ...... پر پہنچنا ضروری ہے، شاید چند گھنٹے قیام کی حالت میں بھی بستر انکے مکان پر بھجوا دیا جاتا ہے، حضرت والا کے مراد آباد تشریف لانے پر مولانا محمد صدیق صاحب کا مکان مرجع خاص وعام بنجاتا ہے، مکان قدرے پرانا اور شکستہ ہے ایک موقع پر مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی نے ملاقات کے لئے جوق در جوق آنے والے حضرات سے فرمایا تھا کہ بھائیو مکان پرانا اور بوسیدہ ہے، بیک وقت اتنے ..... آدمی چھت پر نہ رہیں شاید چھت اتنا بوجھ نہ برداشت کر سکے، حضرت والا کے قدم رنجہ فرمانے پر اس مکان پر عجیب رونقیں چھا جاتی ہیں کہ انسان اسکے در و دیوار کو محو حیرت بنکر دیکھتا رہے صبح کے وقت اس محلہ کی مسجد میں کس قدر ہجوم ہوتا ہے، بیان نہیں کیا جا سکتا، (فریدی)

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۹) حضرت مولانا احمد شاہ صاحب حسن پوری قطب عالم حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد و خلیفہ

میرے بزرگ بیشک اللہ تعالیٰ نے یہ انعام کیا اور جلیل القدر انعام کیا کہ بارگاہ امدادی، اور بارگاہ رشیدی اور بارگاہ محمودی اور بارگاہ رحیمی قدس اللہ اسرارہم کی حاضری نصیب ہوئی نیز بارگاہ خلیلی کی بھی خاکروبی حاصل ہوئی مگر کیا اپنی سیاہ کاری اور نامرادی کھلے لفظوں منادی نہیں کر رہی ہے کہ اے روسیاہ تو ان سب بزرگوں کے لئے عار اور نہایت ناپاک عار ہے۔

کیا ہمارے لئے ایسے بہت سے واقعات عبرت انگیز نہیں ہیں کہ مثل قاضی ..... بہت سے بدقسمت بڑوں بڑوں کے در تک پہنچ جاتے ہیں، اور سوء بختی وہاں پر اپنا گل کھلانا اور محروم خالص کر دینا کام میں لاتی رہتی ہے ؎

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۹) ہیں ان کے اجمالی حالات پیش کرنے کے لئے بھی کئی ورق درکار ہیں، یہاں بہت ہی مختصر حالات وخصوصیات پیش کرتا ہوں، شاہ صاحب مرحوم پر اتباع سنت کا رنگ غالب تھا، وعظ میں بھی اکثر وبیشتر اتباع سنت کا بیان ہوتا تھا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ان کی عادت میں داخل ہوگیا تھا، سڑک پر جا رہے ہیں وہاں پلیٹ فارم پر یا ریل میں بیٹھے ہوئے سفر میں حضر میں ہر موقع پر دین کی بات نہایت خوش اسلوبی اور خوش اخلاقی کے ساتھ پیش کرتے رہتے تھے، آپ کے صاحبزادہ مولانا محمود احمد صاحب فرماتے تھے کہ حضرت حسن پوری کے پاس بعض ایسے خطوط آئے جن میں لکھا تھا کہ آپ نے ریل میں نماز کی اور دین کی پابندی کی تاکید فرمائی تھی، اس کا یہ اثر ہوا ہے کہ علاوہ پنجوقتہ نماز کے تہجد کے پابند ہوگئے ہیں، ایک مرتبہ امروہہ تشریف لائے اور حافظ زاہد حسن صاحب ؒ کی مسجد میں ان سے ملنے کے لئے پہنچے، حافظ صاحب نماز پڑھا رہے تھے، اتفاق سے کوئی کنوئیں پر بہشتی پانی بھر رہا تھا اور نماز ہو رہی تھی، حضرت حسن پوریؒ نے بہشتی سے نماز کی تاکید کرنی شروع کر دی۔ احقر کو بھی زمانۂ طالب علمی میں ایک نصیحت فرمائی تھی، اور اس انداز میں فرمائی تھی کہ آج تک فراموش نہیں ہوئی اور اس کو گرہ میں باندھ لیا ہے، قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد میں مدرسہ امدادیہ قائم کرکے حدیث وتفسیر کا درس شروع دیا اور تمام عمر پابندیٔ شریعت اور اتباع سنت سنیہ میں گذار دی، الا بر سلسلہ

تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را

الحاصل مولانا آپ بارگاہ رشیدیہ کے اولین خوشہ چینوں میں سے ہیں، اللہ تعالےٰ نے اس بارگاہ کے باقی ماندہ خوشہ چینوں میں جناب کو تقویٰ اور طہارت، اخلاص، عمل اور عبادات وغیرہ میں امتیازی حیثیت عطا فرمائی ہے، جس کی بنا پر یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ موجودہ غلامان بارگاہ رشیدی میں آنجناب بے نظیر ہیں، اور یہ ننگ خاندان تو اس بارگاہ کا سب سے آخری اور سب سے چھوٹا غلام ہے۔ اس بارگاہ کے متقدمین پر اپنے چھوٹوں اور متاخرین کی دستگیری ضروری اور از بس ضروری ہوگی کاش وہ اپنے اس فرض کو پہچانیں اور کام میں لائیں۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر۱۹) کے تبرکات جمع کئے تھے اور ایک صندوق میں معطر کر کے رکھا تھا، جن کی زیارت احقر نے بھی کی ہے، وہ تکیہ احقر نے حسن پور میں دیکھا تھا، جس پر آخری وقت میں حضرت قطب عالم مولانا گنگوہیؒ کا سر مبارک رکھا ہوا تھا، اور اسی تکیہ پر سر رکھ کر خود بھی عالم آخرت کی طرف راہی ہوئے،

حضرت والا سے مولانا حسن پوری کو ایک خاص ربط روحانی تھا، حضرت والا کا بڑا اعزاز و اکرام فرماتے تھے، ان کو دیکھ کر باغ باغ ہوجاتے تھے، حسن پور تشریف لیجاتے تو ان کے لئے عید ہوجاتی۔ مجھے یہ مکتوبات مولانا کے صاحبزادے مولانا محمد احمد صاحب مدظلہٗ سے حاصل ہوئے ان مکتوبات میں بے تکلفی کا وہ رنگ تو نمایاں نہیں ہے، جو حافظ زاہد حسن صاحب مدظلہٗ کے نام والے مکتوبات میں ہے۔ لیکن راز و نیاز اور خلوص و محبت کی شانیں یہاں بھی آشکارا ہیں، دربار گنگوہی کے ایک قدیم فیضیافتہ سے کس قدر انکساری اور تواضع کے ساتھ گفتگو فرمائی جارہی ہے، ان کے نام کے دوسرے مکتوب کو ملاحظہ فرمایئے، کس خاص انداز سے مخاطب فرمایا جارہا ہے کہ ہر ہر سطر سے بوئے اخلاص آرہی ہے "کیا باتیں کیں آپ نے تو .. نہیں کر دیا" کتنا دعا آفریں اور جامع جملہ ہے، کہ مولانا حسن پوریؒ کی پوری زندگی کا عکس اس میں جھلک رہا ہے، مولانا حسن پوری صحیح فرشتہ صورت اور فرشتہ سیرت آج ہمارے درمیان نہیں ہے، ان کی نورانی شکل

محترما! دعا کا سخت محتاج ہوں ؎

احب الصالحین ولست منہم لعل اللہ یرزقنی صلاحاً

میں بجز دعوات اور کس خدمت کے لائق ہوں، خداوند کریم سے ملتجی ہوں کہ وہ منعم حقیقی جناب کے مقاصد دارین مکمل فرمائے اور چھلکتے ہوئے کنوئیں میں سے کچھ قطرات ہم زمینوں کو بھی عطا فرمائے ؎

وللارض من کاس الکرام نصیب

اگر منظور الٰہی ہے تو ۲۰ شوال تک دیوبند پہنچ جاؤں گا، خیال یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آسانی فرمادے تو امسال حرمین شریفین کی زیارت سے استفادہ کروں، صاحبزادوں کے لئے دعا کرتا ہوں، جملہ متعلقین واحباب سے سلام مسنون عرض کردیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ سلہٹ۔

مکتوب نمبر ۲۰

سیدنا المحترم زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، والانامہ باعث سرافرازی ہوا محترما! یہ طعنے دینے آپ کو مناسب نہیں، ایک روسیاہ خلائق ننگ خاندان بدنام کنندہ نکونامان کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرنا کیا برعکس نہند الخ کا مصداق اور پشہ کو ہاتھی کہہ کر استہزاء اور انتہائی استہزاء نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۹) کے دیدار کے لئے آنکھیں ترستی ہیں ؎

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

لیکن حضرت والا کے یہ کلمات طیبات جو ان کی شخصیت وعظمت کے آئینہ دار ہیں ہمیشہ ان لوگوں کے لئے جن کو مولانا حسن پوری سے تعلق ہے ایک زندہ پائندہ یادگار رہیں گے۔ (فریدی)

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۰) حضرت مولانا حسن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا محمود احمد صاحب کی تحریر

کیا حضور (یا ارشیدی و محمودی و رحیمی) و امدادی وغیرہ کے عملی و قلبی و روحی ہر طرح سے حامل نہیں ہیں، کیا راتوں کو آپ نے تنگ نہیں کر دیا، کیا مسجدوں کو آپ نے آباد نہیں کر دیا کیا اعتکاف رمضان اور انکار و اوراد کے مشاغل عالیہ آپ کے لوازمات ذاتیہ نہیں ہیں، کیا اسلاف اور بزرگوں کی نظریں آپ پر پڑی ہوئی نہیں ہیں، کیا انکی صحبتیں اور دائمی مجلسیں آپکے حصہ میں عرصہائے دراز تک نہیں آئیں، علیٰ ہذالقیاس اس قسم کی عمدہ نعمتوں سے آپ مالامال نہیں ہوتے رہے ہیں، پھر آپ ایک اس طفل مکتب کو (جسکی طفلی کی حالت باوجود پنجاہ سالہ ہو جانیکے مفارقت گزیں نہیں ہوئی ہے، بات بات اور قدم قدم پر چھچھورا پن اور لایعنی اور فضول عمل دن رات اسکا شیوہ ہے، غفلت اور معاصی اس کا عرض لازم ہے، بے حیائی اور بے شرمی از رب العزۃ اسکا خاصہ غیر مفارقہ ہے جس نے اپنی گندگیوں سے خدا کی زمین اور تمام مخلوقات کو طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا کر رکھا ہے) ایسے الفاظ لکھتے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۲) سے راقم الحروف کو یہ روایت پہنچی ہے، کہ کلکتہ میں حاجی محمد احمد صاحب کو لوٹولہ نے اپنی کوٹھی کی بنیاد رکھنے کی درخواست مولانا حسن پوری مرحوم سے کی، تشریف لے گئے، واپسی پر حاجی صاحب موصوف نے لفافہ میں کئی سو کے نوٹ رکھ کر پیش کئے، جس کو واپس فرما دیا، عجیب اتفاق کہ شہر میں چلے جا رہے تھے کہ کسی صاحب نے دس روپئے عنایت فرمائے، اس کو مولانا حسن پوریؒ نے لے لیا، اس پر مولانا احتشام الحسن صاحب نے فرمایا کہ حضرت ایک بڑی رقم حاجی صاحب نے پیش کی اور قبول نہیں ہوئی اور یہ رقم حقیر رقم بطیب خاطر قبول فرمالی گئی، اس میں کیا راز ہے، ارشاد ہوا کہ ہمیں یہ خیال آیا تھا کہ کلکتہ میں حاجی صاحب کمپنی والے سے بہت کچھ روپیہ ملیگا، تو جس ہدیہ میں انتظار ہو کہ کوئی دے گا، اس کا لینا سنت کے خلاف ہے، اس وجہ سے کمپنی والوں کا روپیہ نہیں لیا۔

مولانا حسن پوریؒ راوی ہیں کہ حضرت گنگوہیؒ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ تیس برس کے تصوف و سلوک کی حقیقت اب جاکر ہم پر منکشف ہوئی، خدام نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے؟ فرمایا تم تو بڑی جلدی

ہیں، کیا انصاف اسی کو کہتے ہیں، کیا آپ کی ذرہ نوازی اور رحمت علی الصغار یہی ہے۔
بہرحال آپ کا فریضہ ہے کہ ایک آپ کا نیاز مند آپ کے بزرگوں کا نام لیوا تیہ ضلالت و
غفلت میں سرگرداں اور پریشان ہے، اس کی ہمت عالیہ اور دعوات صالحہ سے خبرگیری
کریں، باقی وہ تو گستاخ نیاز مند ہے ہی، اس کا تو فریضہ دعاگوئی ہے ہی، مولانا محمد خلیل
صاحب میرے ساتھ مشاغلِ قرآنیہ میں معین ہیں، سلام مسنون عرض کرتے ہیں، میں
اس وقت دیوبند میں نہیں ہوں، اہلِ سلہٹ کے سخت اور پے در پے تقاضوں پر ایام
تعطیل میں یہاں چلا آیا ہوں، امیدوار ہوں کہ الطافہائے مربیانہ کو اس نالائق پر منعطف
رکھیں گے اور گستاخیوں کو معاف کرتے رہیں گے ؎

کرمہائے تو مارا کرد گستاخ

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد، سلہٹ ۲۳ رمضان ۱۳۴۷ھ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۲) کرتے ہو" وہ اتباع سنت ہے"
مولانا حسن پوریؒ ایک دوسری مجلس کی گفتگو کے ناقل ہیں کہ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا، اگر آدمی
کے قلب سے انانیت (یعنی خود بینی) نکل گئی تو نہ قطب بننے کی ضرورت نہ ابدال ہونے کی
حاجت اور اگر انانیت و تکبر قلب سے نہیں نکلا تو قطب، ابدال ہونے سے کوئی فائدہ نہیں"
ہم نے مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول میں اتباع سنت پر مفصل لکھا ہے، اسکو ملاحظہ فرمالیا
جائے تصوف و سلوک اور ولایت کا منتہا اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا عادت ثانیہ بن جانا ہے
کیا ہی عجیب نکتہ ارشاد فرمایا حضرت گنگوہیؒ نے کہ تصوف نام ہے اتباع نبی کریم کا، یہ سلوک و
احسان کا اثباتی پہلو ہے اور سلبی پہلو انانیت، خود بینی اور کبر ہے، سب کچھ سر مارنے کے بعد
اگر کبر باقی رہ گیا تو پھر کہاں ٹھکانا ہے، یہی بات حضرت ابو ہاشم کوفی قدس سرہ فرماتے ہیں
لقلع الجبال بالابرة ایسر من اخراج الکبر من القلوب" یہی ارشاد حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ
علیہ کا ہے: "معصیتے کہ از شہوت خیزد امید آمرزش تواں داشت وانچہ از کبر خیزد امید مغفرت نیست:

مکتوب نمبر (۲۱)

جناب مولانا محمود احمد صاحب مدظلہ حسن پور ضلع مرادآباد کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مورخہ ذیقعدہ کا والا نامہ باعث سرفرازی ہوا ۔ میرے محترم اصلی مقصود حضوری مسمّٰی ہے ، ذکر اسم لسانی ہو یا قلباً ذریعہ اور آلہ ہے ، مقصود کے حاصل ہونے کے بعد آلات کی ضرورت نہیں رہتی ہے ، اس لئے اصلی اشغال تو مراقبہ(۲) کے ساتھ رہنا چاہیئے ، اور اس ذات مقدسہ بے چون و بے چگون منزہ عن سمات النقص والزوال متصف بغایۃ الجاہ والجلال کو اس کی عظمت اور جلال کے ساتھ ہمیشہ نصب العین بنانا چاہیئے اور دوام حضور حاصل کرنا چاہیئے ۔ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلٰوتِہِمْ دَائِمُوْنَ کا منظر قایم ہو سہ

یک چشم زدن غافل ازاں ماہ نہ باشی ۔۔۔ شاید کہ نگاہے کند آگاہ نہ باشی

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۲) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک لکھ گئے ہیں : "معرفت خدائے تعالیٰ براں کس حرام است کہ خود را از کافر فرنگ بہتر داند" قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے بھی انانیت اور کبر کی شناعت اور اس کے انجام پر پوری پوری روشنی پڑتی ہے وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُہٗ جَہَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِہَادُ " (ترجمہ) اور جب اس سے کہا جاوے کہ اللہ سے ڈر تو آمادہ کرے اس کو غرور گناہ پر سو کافی ہے ان کو دوزخ اور بیشک وہ برا ٹھکانا ہے " کیا ان باتوں میں آج کل کے دوکاندار مجازین اور خلفاء کے لئے اس میں کوئی عبرت و نصیحت نہیں ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے اور ہمارے اندر سے کبر و غرور کو دور کردے آمین ۔ (اصلاحی)

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۱) مراقبہ پر مفصل بحث مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول ص ۲۱۵ میں موجود ہے وہاں ملاحظہ کرلیا جائے ۔ (اصلاحی)

ذکر لسانی یا قلبی اگر اس کی اعانت کے لئے کیا جائے فبہا معین ہونے کی صورت میں کرتے رہیئے، ورنہ فقط مراقبہ اور توجہ الی الذات ہی میں جس قدر وقت صرف کریں کیجئے چلتے پھرنے اٹھتے بیٹھتے جتنا بھی آپ دوام توجہ الی الذات اور حضور حاصل کر سکیں نعمت عظمیٰ جانئے اور اس کے لئے کوشش کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے آمین، والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ مینی جیل ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ

مکتوب نمبر ۲۲

اشتغال مراقبہ و ذکر و اداء صلوٰۃ الضحیٰ و تلاوت قرآن سے بہت خوشی ہوئی، اللہ تعالےٰ روزافزوں ترقی عطا فرمائے، دلائل الخیرات بھی مجموعہ صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اگر اسکا ورد ہو تو بہتر ہے، مگر سب سے بہتر یہ ہے کہ مندرجہ ذیل درود شریف کا بمقدار معین ایک سو بار یا اس سے زائد ورد رکھیں، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی، حضرت قطب عالم گنگوہیؒ قدس اللہ سرہٗ العزیز اسکو جملہ صیغے درود شریف پر ترجیح دیتے تھے، سلسلہ تبلیغ میں جس قدر جد و جہد ہو مستحسن ہے، مناسب ہے کہ یہ اسکیم جاری کی جائے کہ ہر ممبر اسکیم تبلیغی کا ذمہ دار ہو کہ کم از کم دس بے نمازیوں کو نماز سکھلائے گا اور ان کو پورا نمازی پابند نماز و جماعت کر دے گا۔ دیہات میں ابتدائی مکاتب جاری کر دینا جسقدر ممکن ہو اشد ضروری ہے جن میں قرآن و دینیات اور لکھنے پڑھنے اور حساب کی ابتدائی تعلیم جاری کی جائے، تعلیم الاسلام مفتی کفایت اللہ صاحب چاروں حصے بچوں کو پڑھائے جائیں جو بچے زراعت یا مویشی وغیرہ کی ضرورتوں کی بنا پر دن میں نہ پڑھ سکیں، انکو شب میں مغرب سے عشا تک تعلیم دی جائے مسلمان غربا کی تعلیم از بس ضروری ہے، یہ اسکیم اطراف و جوانب میں پھیلایئے۔

جو حالت گریہ وغیرہ کی نماز میں طاری ہوتی ہے نہایت مبارک ہے، اللہ تعالےٰ انہیں

برکت اور زیادتی عطا فرمائے، آمین، سمیع اللہ خان صاحب کی وفات سے صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے آمین، مرحوم کے متعلقین اور صاحبزادہ اور صاحبزادی سے سلام مسنون عرض کر دیں، اور اتباع شریعت کی تاکید فرما دیں، والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۳ محرم الحرام ۱۳۶۳ھ

مکتوب نمبر ۲۳

مرض کا حال معلوم ہو کر ملال ہے، مجھے کوئی خاص دعا معلوم نہیں جس کو دروازہ پر لگایا جاوے، البتہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اس وبا سے آپ حضرات کو نجات دے، آپ حضرات بھی دعا کریں اور جہاں تک ہو سکے ایسی حالت میں صدقات اور خیرات زیادہ کرنا چاہیئے، اس لئے کہ صدقہ دافع بلا اور دبا ہے، اور توبہ و استغفار کی کثرت ..... والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

مکتوب نمبر ۲۴

محترم المقام ..... آپ کا شکوہ بالکل بجا ہے، اولاً جب کوئی شخص کسی کام پر مقرر کر دیا جاتا ہے، تو اسکی مصروفیتیں اور اونچ نیچ کا وہی اندازہ کر سکتا ہے، بالخصوص جب کہ مخالف جماعتیں قدم قدم پر جائز اور ناجائز تنقیدیں کرتی رہتی ہیں تو پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوتا ہے، دوسرے حضرات نزاکتِ احوال کا اندازہ نہیں کر سکتے، ثانیاً سفارشیں اگر ایک دو ہوں تو ان کا خیال کیا جائے، یہاں یہ حال ہے کہ جب سے یہ قومی حکومت قایم ہوئی... لوگوں کا بے شمار ہجوم ہو رہا ہے، روزانہ کئی کئی سفارشیں لکھنی پڑتی ہیں، وہ مخالف پارٹی کے لوگ جو گالیاں دیتے آسمان اٹھائے ہوئے تھے، ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر سائل لاتے اور سفارشیں لکھواتے ہیں، میں مجبور ہو کر ناواقف حضرات کے لئے سفارشیں شرما کر لکھ دیتا ہوں

ثالثاً تجربہ ہوا کہ غلط بیانی کر کے سفارش لکھواتے ہیں؛ اور ان کی مسلیں نجاستوں سے بھری ہوئی ملتی ہیں، ایسے متعدد واقعات پیش آچکے ہیں۔ مجکو خود متعدد اشخاص کی وجہ سے سخت شرمندگی پیش آچکی ہے۔

دیوبند تشریف لانے کے بجائے مولانا عبدالقادر رائے پوری، یا مولانا شیخ الحدیث سہارنپوری کی خدمت میں حاضر ہونا بہت زیادہ کارآمد اور مفید ہوگا۔ علاوہ جمعہ، جمعرات کے غالباً ۸ راپریل کے بعد میں بھی رہوں گا۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۹ مارچ ۴۷ء

مکتوب نمبر ۲۵

واقع میں جناب حکیم صاحب مرحوم کا واقعہ فاجعہ اہلِ اسلام کیلئے ہندوستان میں سخت اندوہناک واقع ہوا ہے۔ مرحوم کے لئے دعائیں مانگی گئیں، جامع مسجد میں جلسہ کیا گیا اور اظہار اسف وحزن کا رزولیشن پاس کرتے ہوئے ایصال ثواب اور دعا کی گئی، تار آنے پر مدرسہ میں بھی دعا مانگی گئی، خداوندکریم مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں خاص منزل عطا فرمائے، یہ دوسرا عریضہ جناب حکیم محمد جمیل صاحب کی خدمت میں پیش کر کے الفاظ تعزیت اور اظہار ہمدردی کر دیجئے، مجکو حکیم صاحب موصوف سے شرف نیازمندی نہیں، اس لئے غالباً وہ مجکو نہ پہچانیں گے، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند ۹ رجب ۴۶ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۵) تاریخی واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حکیم اجمل خانصاحب کے مورث اعلیٰ بابر کے ساتھ ۱۵۵۶ء کے لگ بھگ ہندوستان آئے، اس خاندان کے پہلے طبیب حکیم واصل خاں ہوئے حکیم اجمل خان صاحب کے والد حکیم محمود خان ۷۲ برس زندہ رہے، خدمت خلق اور اپنے فن کی محبت یہی دو چیزیں اپنی اولاد کے لئے چھوڑی۔ اجمل خاں مرحوم ۱۷ر شوال ۱۲۶۳ھ کو پیدا ہوئے حفظ

مکتوب نمبر ۲۶

حسب الحکم حکیم سید طفیل احمد صاحب کے نام عریضہ ارسالِ خدمت ہے فی الحال جو صورت ہوگئی ہے، بیکاری سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے، اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے تفسیر کے اندر جہاں تک ہو سکے احتیاط سے کام کرنا چاہیئے ایسا ہو کہ کچھ لغزش ہو جاوے احادیث نبویہ کے مطابق تفسیر اور ترجمہ ہونا ضروری ہے، اپنی رائے کو کوئی دخل نہ ہو متقدمین مفسرین کے اقوال سے باہر قدم نہ رکھنا کتب تفاسیر مطالعہ میں رکھیے گا۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۷ ربیع الاول ۴۹ھ دیوبند

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۲۵) قرآن کے بعد دوسرے علوم و فنون کی تکمیل فرمائی، عربی ادب سے خاص دلچسپی تھی، ۱۸۹۶ء سے قومی و ملی کاموں میں آپ برابر حصہ لیتے رہے، اور سچ یہ ہے کہ مسلمانوں میں حکیم صاحب، مولانا آزاد، مفتی کفایت اللہ مولانا سجاد، مولانا مدنی، مولانا حفظ الرحمن کا ایک مفکر اور مدبر کی حیثیت سے بلند مقام ہے، حکیم صاحب مرحوم نے ۱۹۰۳ء میں رامپور کا سلسلہ ملازمت ختم کر دیا۔ مگر تعلق باقی رکھا۔ ۲۶ دسمبر ۲۷ء کو بمبئی اور دہلی سے واپسی کے بعد رامپور روانہ ہو گئے، وہاں آنتوں کی وہ پرانی تکلیف عود کر آئی اسی کے ساتھ قلب پر بھی دورہ پڑا۔ ۶۴ برس کی عمر میں یہ بلند اقبال مسافر اپنی حقیقی منزل پر پہونچ گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون اس والانامہ میں حکیم صاحب سے مراد حکیم اجمل خاں دہلی ہیں جن کے صاحبزادے حکیم جمیل الدین صاحب ہیں۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۶) اس والانامہ میں امام العصر دامت برکاتہم نے دربارۂ تفسیر جو مختصر اشارات فرمائے ہیں وہ تفسیر و ترجمہ کلام الٰہی کے لئے بنیادی اصول ہیں، ظاہر ہے کہ علوم آلیہ جو نحو، صرف معانی و بلاغت، اور کلام عرب سے تعبیر ہے جب تک ان علوم و فنون میں پوری بصیرت اور واقفیت نہ ہوگی، اس وقت تک کتاب و سنت کے افہام و تفہیم کا نہ تو حق ادا ہوگا، اور نہ صحابہ و تابعین کی قرآن فہمی کی گہرائی کا سراغ مل سکتا ہے، اور نہ پھر مفسرین کے کلام میں حق اور راجح کا فیصلہ

مکتوب نمبر ۲۷

مقاصد انجمن پر میں نے...... کچھ باتیں زائد کر دی ہیں، اراکین پر پیش کریں اگر پسند خاطر ہوں تو ان کو بھی درج کر دیں، میرے تجربہ اور خیال میں یہ امور ضروری ہیں اور آپ لوگوں کو ان جملہ امور میں حصہ لینا ہی نہیں بلکہ پوری کوشش کرنا ضروری ہے اگر آپ کا ارادہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام باقی رہے اور آپ کی آیندہ نسلیں یہاں زندہ رہ سکیں تو بہت جلد بیدار ہو جایئے اور جو حالت ہمارے جمود اختلاف

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۲۶) کرنا ممکن ہوگا، کلام اللہ کی تفسیر کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جو نکتہ ارشاد فرمایا ہے ہم اس موقع پر افادہ ناظرین کے لئے اس کا درج کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جو نہ صرف مبتدی کیلئے بلکہ منتہی کے لئے شمع راہ ہے جس کو نہ جاننے اور نہ سمجھنے کی بنا پر اچھے اچھوں کو تفسیر بالرای میں تمیز کرنا دشوار ہو گیا اور علاج نہ شد بلا شد کی مثل صادق آئی حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

تفسیر کلام اللہ عبارت ازان است کہ سہ (ترجمہ) کلام اللہ کی تفسیر اس کو کہتے ہیں کہ تین

چیز دراں مرعی باشد اول حمل ہر کلمہ از کلمات	چیزوں کی رعایت ان میں پائی جائے، اول یہ کہ
آن بر معنی حقیقی خود باید یا بر مجاز متعارف	ہر کلمہ کو قرآن مجید کے اسکے حقیقی معنوں پر
خود دوم ملاحظہ سیاق وسباق آن کلمہ و نظم	حمل کرنا چاہیئے یا مجاز متعارف در مشہور پر دوسرے
کلام از اول تا آخر تا بی نسق و مختل نہ شود	یہ کہ اس کلمہ کے سیاق اور سباق کو اور کلام
سوم آن کہ فہم شاہدان نزول وحی	کے نظم کو اول سے آخر تک ملاحظہ کرنا اور
کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام	نگاہ رکھنا چاہیئے، تاکہ کلام بے نسق اور بے
رضی اللہ عنہم اند مخالف آن واقع نہ شدہ	ربط نہ ہو جائے، تیسرے یہ کہ نزول وحی کی
باشد و ہرگاہ یکے ازیں امور سہ گانہ فوت	گواہوں (یعنی جو حضرات نزول وحی کے وقت
شود دو دیگر باقی ماند آنرا تاویل نامند	موجود تھے) کا فہم اس تفسیر کے مخالف واقع

اور تغافل کی وجہ سے مسلمانوں کی ہوگئی ہے وہ نہایت مایوس کن ہے اور شہروں کا پھرنے والا، واقعات کا دیکھنے والا پورا یقین کرتا ہے کہ غیر مسلم قومیں ہر طرح تلی ہوئی ہیں کہ.... مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجادیں، سنبھلئے اور جاگئے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۲۶) پس اگر اول فوت شود دوم وسوم برقرار ماند تاویل قریب است واگر دوم فوت شود اول وسوم برقرار ماند یا سوم فوت شود اول ودوم برقرار ماند تاویل بعید گویند و ہرگاہ مجموع امور سہ گانہ فوت شوند آنرا تحریف ومسخ گویند۔ معاذ اللہ،

نہ ہو اور وہ گواہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں، پھر اگر ان تینوں چیزوں سے ایک فوت ہو جاوے اور دوسری باقی رہیں تو اسکو تاویل قریب کہتے ہیں، سو اگر پہلی فوت ہو جائے لیکن دوسری اور تیسری باقی رہیں تو اسکو تاویل قریب کہتے ہیں اور اگر دوسری فوت ہو جائے لیکن پہلی اور تیسری باقی رہیں یا تیسری فوت ہو جائے لیکن پہلی اور دوسری باقی رہیں تو ان دونوں صورتوں کو تاویل بعید کہتے ہیں، اور اگر یہ تینوں فوت ہو جاویں تو اس کا نام تحریف اور مسخ ہے، معاذ اللہ من ذلک، (تفسیر عزیزی ص ۲۹۶)

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحقیق کو درج کرنا چنداں ضروری نہ تھا، لیکن رسالہ دارالعلوم دیوبند ستمبر ۱۹۵۲ء جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۶ پر مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی یہ تحریر پڑھ کر کہ "قرآنی نصوص کے مطالب کو بجائے روایات کے صرف قرآنی الفاظ ہی سے سمجھنے کی جو کوشش کرے گا یا دوسرے کو سمجھائے گا وہ تفسیر بالرائے کے جرم کا مجرم دوزخی ہے، خدا جزائے خیر دے حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کہ تفسیر بالرائے کے اس غلط مطلب کا اپنے درس میں ازالہ فرماتے رہتے تھے" حضرت علامہ انور شاہ صاحب کی بعض تقریر کے اقتباسات کو دیکھ کر حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سے اطمینان ہوتا ہے، فیصلہ اہل علم کریں گے۔

بہر حال تفسیر اور ترجمہ کلام الٰہی مواہب وعطیات ایزدی سے ہے، اس کا نشیمن اللہ والوں کے وہ قلوب ہیں جو عقائد فاسدہ سے پاک اخلاص اور احسان کی روح سے سرشار تزکیہ وتطہیر کے انوار سے

مہربانی فرما کر بڑے میاں کو اس بڑھاپے میں ذلیل نہ کراؤ، ابنا دنیا کے دروازوں پر جھکنے نہ دلاؤ، ان کو ایک جگہ یاد خدا میں پڑے رہنے دو، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ یہ دکانیں آپ کے لئے باعثِ راحت ہوں گی یا باعثِ تکلیف۔

والسلام۔ سلہٹ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۹ محرم ۴۵ھ

مکتوب نمبر ۲۸

استقامت اور اتباع سنت نہایت عظیم الشان نعمت ہے، قرآن مجید وہ انتہائی نعمت ہے جس کو امت خیر الامم ہی کے لئے پروردگار عالم نے محفوظ اور بقرار ازل میں فرمایا تھا اللہ کی صفتِ قدیمہ آپ کے سینے اور زبان میں رکھی گئی ہے، اس پر جسقدر بھی شکر کیا جائے

(بقیہ مکتوب نمبر ۲۶) جگہ جگہ لکھے ہیں، انہیں کشاف اور جلالین کی کیا حاجت ہے۔ سچ فرمایا کسی دوراندیش نے ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب　　گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

واللہ اعلم

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۷) حسن پور میں ایک انجمن معین الاسلام کے نام سے قایم ہوئی تھی جس کے صدر مولانا محمود احمد صاحب تھے، انجمن کے اغراض و مقاصد لکھ کر حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا، حضرت نے کچھ تجویزیں تحریر فرمائی تھیں، جس کا اشارہ اس والانامہ میں ہے بڑے میاں سے مراد مولانا محمود احمد صاحب کے والد بزرگوار ہیں جو متولی مسجد تھے اور اسکی آمدنی کے سلسلہ میں دوکانات تعمیر کرائی تھی، اور سعی و کوشش میں مصروف تھے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق کی بنا پر حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کو گوارا نہیں تھا کہ مرحوم در بدر مارے مارے پھریں اور یہ کام بھی ایسے بزرگوں کا نہیں ہے۔ (اصلاحی)

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۸) اتباع سنت یادداشت وغیرہ پر تحقیقی بحث مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول میں موجود ہے ضرور ملاحظہ فرمائی جائے۔ (اصلاحی)

کم ہے، مراقبہ (فی انفسکم الآیہ) بھی عظیم الشان نعمت ہے، جس قدر بھی ممکن ہو اسپر بھی مداومت فرمایئے، تاآنکہ نعمت وَهُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ دَائِمُوْنَ حاصل ہوکر دوام یادداشت حاصل ہو جائے رَزَقَنَا اللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ، رمضان المبارک اور اعتکاف کے احوال مبارکہ موجب صد شکر ہیں، ہم مدبروں اور ناکاروں کو بھی ادعیہ مبارکہ میں یاد فرماتے رہیں ؎

سودہ گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم　　چند برخود تہمتِ دین مسلمانی نہم

آپ بھائیوں کی دعاؤں سے بہت بڑی امیدیں ہوسکتی ہیں، ورنہ ہمارے اعمال اور احوال کسی طرح قابلِ اطمینان نہیں ہیں، ہم تو حقیقی معنوں میں اسلاف کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے بدنام کرنے والے آرام طلب نفس کے بندے دنیا کے کتّے واقع ہوئے ہیں۔ ع

کذلک فی الدنیا تعیش البھائم

ہمارے حسب حال ہے ؎

از نکتۂ مقصود نہ شد فہم حدیثے　　لادین ولادنیا بے کار بماندیم

والسلام۔ ۲۴ر شوال ۶۳ھ۔　　ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

مکتوب نمبر ۲۹

جناب پروفیسر سید احمد شاہ صاحب مرادآباد کے نام

محترم المقام زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تبلیغی خدمات کے انجام دینے اور اس کے لئے مولانا محمد الیاس صاحب کی خدمت میں

(حاشیہ مکتوب نمبر۲۹) پروفیسر سید احمد شاہ صاحب بی۔ اے مرادآبادی بجنور مسلم انٹر کالج میں پروفیسر ہیں نیز جہاں سیاح ہیں، حضرت شیخ الاسلام سے بیعت ہیں، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی حیات ہی میں تبلیغی جماعت کی طرف رغبت تھی، ایک چلہ کام کرنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن عملی طور پر کام کرنے میں تامل یہ تھا کہ اپنے پیرومرشد سے ابھی استصواب رائے نہیں کیا، جب تک حضرت والا کی رائے اس جماعت

حاضر ہوکر ہدایات حاصل کرنے کا قصد مبارک قصد ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور پھر توفیق عطا فرمائے کہ آپ اس عظیم الشان خدمت کو بلکہ اپنی خاندانی وراثت کو بخیر و خوبی انجام دیں، مولانا محمد الیاس صاحب کو علیحدہ خط لکھنے کی ضرورت نہیں ہے وہ بلا... سفارش اس کام کو مکمل طریقہ پر انجام دیں گے، اور بالفرض اگر آپ ضرورت ہی سمجھیں تو اس عریضہ کو ان کی خدمت میں پیش کر دیں اور میرا سلام اور استدعا دعواتِ صالحہ انجام دیں۔

بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۲۹) کی شرکت کے متعلق نہ متعلم کی جائے تدبیر یہ سوچی کہ حضرت والا کو اس عنوان سے لکھوں کہ میں نے ایک چلہ جماعت میں دیا ہے، مولانا محمد الیاس صاحب کو میرے متعلق تحریر فرما دیں، بالفاظ دیگر سفارش فرما دیں کہ وہ اس راہ میں کام کرنے اور تجربہ حاصل کرنے کے لئے مجھے موقع دیں اور اس راستہ میں میری رہنمائی فرمائیں کہ وہ اس راہ میں راہ سلوک کے مسافر کے لئے اس کام کو مضر تصور فرمائیں گے تو اپنے مرید با اخلاص کو صاف منع فرما دیں گے، اور اگر مکتوب گرامی میں اس راہ کی تحسین فرمائیں گے اور سفارش تحریر فرما دیں گے، تو رائے عالی سے آگاہی ہو جائے گی۔ جواب میں یہ مکتوب گرامی آیا، سید احمد شاہ صاحب اس تحریر عالی کو اپنے ہمراہ دہلی لے گئے، اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو یہ مکتوب اقدس دکھایا، مولانا موصوف اس کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئے، اور حاضرین سے فرمایا کہ حضرت کی توجہ کا ہونا قبولیت کی دلیل ہے اسی مفہوم کے الفاظ مولانا مرحوم نے ارشاد فرمائے، حاجی افتخار صاحب فریدی مراد آبادی مدظلہ نے یہ مکتوب مجھے دیا اور ساتھ ہی یہ واقعہ نقل فرمایا۔ (فریدی)

حزب البحر کی زکوٰۃ کا طریقہ اسی جلد میں مولانا ابوالحسن صاحب حیدری کے والا نامہ کے جواب میں درج ہے، وہاں ملاحظہ فرما لیا جائے، صاحب حزب البحر حضرت سیدنا و مولانا شاہ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۵۶ھ جو مقام قیصر بر ساحل احمر مدفون ہیں، بڑے اونچے درجہ کے بزرگ تھے، سلسلہ شاذلیہ کا قیام ۶۵۶ھ میں ہوا، اہلِ مغرب، مصر، سوڈان وغیرہ میں یہ طریقہ زیادہ پھیلا، دعائے حزب البحر کے شانِ نزول کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ

حزب البحر کی زکوٰۃ کا ارادہ بھی مبارک ارادہ ہے، آپ کو اجازت ہے اللہ تعالیٰ مبارک کرے، صاحبزادہ کی سلامتی کی خبر سے خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ بلند اقبال اطویل العمر مرضی السیرۃ والسریرہ کرے، اور تمام آفات ارضی و سماوی سے ہمیشہ محفوظ رکھے، آمین،

اہلیہ محترمہ کا پابند بنانا آپ کا اولین اور سب سے اہم فریضہ ہے احسن تدبیر کیساتھ پوری جدوجہد اس میں صرف کیجئے، میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو مقاصد دارین میں کامیاب فرمائے اور اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ اینی جیل ، ۱۷ صفر ۶۳ھ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۲۹) محدث دہلوی نے اپنی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ شہر قاہرہ میں تھے کہ حج کے دن قریب آگئے، شیخؒ نے ان ایام میں اپنے دوستوں سے فرمایا کہ ہم کو اس سال غیب سے حج کرنے کا حکم ہوا ہے، جہاز تلاش کرو، دوستوں کو بہت تلاش کے بعد ایک بوڑھے عیسائی کے جہاز کے سوا اور کوئی جہاز نہ ملا سب اسی جہاز میں سوار ہو گئے، جب بادبان اٹھا تو قاہرہ کی آبادی سے نکلتے ہی مخالف ہوا چلنے لگی، اور ایک ہفتہ تک قاہرہ کے قریب اس طرح ٹھہرے رہے کہ قاہرہ کے پہاڑ دکھائی دیتے تھے۔ مخالف لوگ طعنے دینے لگے کہ شیخؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو غیب سے حج کا حکم کیا گیا ہے اور حالت یہ ہے کہ حج کا وقت قریب آگیا ہے ادھر مخالف ہوائیں پھنسے ہوئے ہیں، یہ بات شیخؒ کے لئے دلی بے چینی کا باعث ہوئی مگر وہ ضبط کی قوت سے پی جاتے تھے، اتفاقاً شیخؒ دوپہر کو سو رہے تھے، کہ خدا نے ان کو اس دعا کا الہام کیا شیخ نے نیند سے اٹھ کر یہ دعا پڑھنی شروع کی۔ اور جہاز کے افسر کو بلا کر فرمایا خدا کے بھروسہ پر بادبان اٹھا دے۔ اس نے جواب دیا کہ اگر ہم بادبان اٹھا دیں گے تو ہوا اسی وقت ہمارا منہ پھیر دے گی اور ہم کو قاہرہ میں پہنچا دے گی، شیخ نے فرمایا کہ تو دل میں اطمینان رکھ ہم جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل کرو، خدا کی عجیب مہربانی دیکھو، جوں ہی بادبان اٹھایا، وہیں موافق ہوا چلنے لگی، یہاں تک کہ رسی کو جس کے ساتھ جہاز کو میخ سے باندھ رکھا تھا کھول نہ سکے، ناچار اس کو کاٹ دیا اور بڑی جلدی امن امان

مکتوب نمبر ۳۰

جناب قاری جرار احمد صاحب صدیقی امروہی کے نام

محترم المقام زید مجدکم ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مزاج شریف ، بحمد اللہ میں ہر طرح خیر و عافیت اور آرام سے ہوں ، آپ کی خیر و عافیت اور دہلی کی تبدیلی معلوم کر کے اطمینان ہوا ۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ آپ کو مقاصد دارین میں ... کامیاب فرمائے ، اتباع سنت سنیہ میں ہمیشہ کوشاں رہیں ۔ اور جہاں تک ممکن ہو ذکر میں کوتاہی نہ کریں ، جو وقت بھی ذکر خدا میں گزرے وہی زندگی ہے ، الدنیا ملعونۃ وملعون

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۲۹) سلامتی کے ساتھ مبارک مقصد پر پہنچ گئے ، بوڑھے عیسائی کے بیٹے مسلمان ہو گئے اور وہ دل میں بہت غمگین ہوا ، رات کو اس نے خواب میں دیکھا کہ شیخؒ ایک بڑی جماعت کے ساتھ بہشت میں تشریف لیجا رہے ہیں اور اس کے لڑکے بھی شیخؒ کے ساتھ جا رہے ہیں ، اس نے اپنے بیٹوں کے پیچھے جانا چاہا ، مگر فرشتوں نے جھڑکا کہ تو ان لوگوں کے دین والوں میں نہیں ہے ان سے تیرا کیا مطلب ، صبح کے وقت خدا کی ھدایت اسکی مددگار ہوئی اور اس نے بھی کلمۂ توحید پڑھ لیا ، اور چھپن عمر میں اس کا مرتبہ یہاں تک پہونچ گیا کہ وہ بڑے کمالات والا ہوگیا ، اور اس طرف کے لوگ اس کی نزدیکی اور صحبت کے طالب ہونے لگے ، بدین وجہ مشائخ کبار نے برائے تحصین ﷺ پڑھا اور خود اس کے پڑھنے کی اجازت دینے کا مشغلہ رکھا ، لیکن یہ دعا ہر خاندان میں مختلف طریقوں سے پڑھی جاتی ہے ، اور سب مشائخ کے یہاں معمول بہ ہیں ، یہ دعا متبرک ضرور ہے ، مگر قرآن اور حدیث میں جو دعائیں منقول ہیں ، وہ سب سے بہتر ہیں ۔ راقم الحروف بھی اس دعا کو پڑھتا رہتا ہے ۔ (اصلاحی)

حاشیہ مکتوب نمبر ۳۰) قاری جرار احمد صاحب صدیقی امروہی ، حضرت شیخ الاسلام کے خادم اور ذاکر و شاغل انسان ہیں ، پہلے آپ بریلی کے ایک مدرسہ میں خدمتِ قرآن پر متعین تھے ، بعدہٗ مدرسہ شاہی مراد آباد اور دہلی میں اس خدمت پر رہے ، اب دہلی میں ایک مسجد میں امام ہیں ۔ (فریدی)

ما فیہا الا ذکر اللہ وما والاہ (او کما قال علیہ السلام) ؎

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است　　جز ستر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوئے لوح دل از نقش غیر حق　　علمیکہ راہ حق نہ نماید جہالت است

عزیزم جہاں تک ممکن ہو عقلمندی سے کام لیں اور اس دنیا مزرعۃ الآخرۃ کو مزرعہ ہی بنائیں، وقت ضائع نہ کریں؛

ع من نہ کردم شما حذر بکنید

والسلام۔　　ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔ نینی جیل، ۷ رجب ۶۲ھ

مکتوب نمبر ۱۳۱

جناب سید علی آفندی خانصاحب کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میرے محترم آپ اس امر کا اندازہ نہیں کرسکتے کہ میں کس قدر عدیم الفرصت ہوں اور

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۱) سید علی آفندی صاحب حضرت شاہ ولایت امروہہؒ کی اولاد ہیں، خاندان سادات گھڑیال سے تعلق رکھتے ہیں، حضرت شیخ الاسلام مدظلہٗ سے بیعت ہیں، اور اس قدر قلبی تعلق رکھتے ہیں کہ ہم جیسے نام دنہاد خادموں کو رشک ہوتا ہے۔ ان کے خاندان میں تقریباً سو سال سے بہت سے افراد کو رفض نے متاثر کر دیا ہے، چنانچہ ان کی بیوی شیعہ تھیں، اللہ کے فضل وکرم اور بزرگوں کی دعاؤں سے ان کی بیوی شیعت سے تائب ہوئیں اور بعد کو حضرت والا سے بیعت ہو گئیں، اس والا نامہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت مولانا تھانویؒ کے مواعظ پڑھنے پر زور دینا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ہر دو بزرگوں میں سیاسی اختلاف کے علاوہ کوئی اور قسم کا قطعاً اختلاف نہ تھا اور یہ اختلاف باہمی ربط میں مخل نہ تھا:

(فریدی)

ڈاک کی آمد کس قدر زیادہ ہے، میں سخت متحیر ہوں کہ کس طریقے سے احباب کے خطوط کا جواب دوں، خواب میں دیکھنا آپ کی عنایات اور توجہات کا نتیجہ ہے، مولانا تھانوی کے مواعظ بہت مفید ہیں، ضرور ان کا مطالعہ رکھیں، علی ہذا القیاس تربیت السالک بھی مفید ہے پریشانیوں کے ازالہ کے لئے روزانہ تین سو مرتبہ بعد از عشاء لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین پڑھ لیا کریں، اور سوتے وقت سترہ مرتبہ سورۃ الم نشرح لک پڑھ کر سینہ پر دم کر لیا کریں۔

اہلیہ محترمہ کے پابند وظائف اور صلوٰۃ ہونے سے بہت خوشی ہوئی، ان سے اور تمام بہنوں سے بہت بہت سلام عرض کر دیں، میں دعا کرتا ہوں، پاس انفاس اگر نماز میں خود بخود جاری ہو تو نہ روکیں اور اپنے طور پر جاری کرنے کی کوشش نہ کریں، نماز کی طرف دھیان رکھیں، میں سب کے لئے دعا گو ہوں، اللہ تعالے سب کو مقاصدِ دارین میں کامیاب فرمائے آمین، والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۸ جمادی الثانیہ ۵۶ھ

مکتوب نمبر ۳۲

جناب مولانا اعجاز حسین صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ امروہہ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، مزاج مبارک

امروہہ سے واپسی کے بعد جناب کی خیر و عافیت معلوم نہیں ہوئی بفضل کرم خداوندی سے

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۲) حافظ زاہد حسن صاحب کے صاحبزادے مولانا حافظ قاری طاہر حسن صاحب کی نسبت ان کی خالہ کی لڑکی سے طے ہو گئی تھی، لیکن نکاح نہیں ہوا تھا، حضرت شیخ الاسلام ایک مرتبہ تشریف فرما ہوئے تو باصرار تمام جلد نکاح کر دینے کو فرمایا، اس وقت لڑکی والوں نے اور بعض وجوہ سے لڑکے والوں نے بھی جلد نکاح کر دینے میں تامل کیا، دوبارہ جب حضرت الا

امید واثق ہے کہ اب جملہ شکایات دور ہوگئی ہوں گی، میں نہایت شکرگزار ہوں کہ باوجود تکالیف جسمانیہ آپ کی عنایات سے حافظ زاہد حسن صاحب کے صاحبزادے کی مہم کو باحسن وجوہ انجام دیدیا، اللہ تعالیٰ آپ کو اور قاری صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے حافظ صاحب کے سمدھی کا مزاج اب کیسا ہے، ان سے میرا سلام کہدینا، امیدوار ہوں کہ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں گے۔ حافظ صاحب اور ان کے متعلقین اور قاری صاحب اور جملہ واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہدیں۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند ۱۶ ذی الحجہ ۶۵ھ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۳۲) تشریف لائے تو اس مرتبہ شدید تقاضا فرمایا، چونکہ حافظ صاحب موصوف کے سمدھی حافظ مظاہر حسن صاحب مرحوم سخت علیل تھے، اس لئے اس مرتبہ بھی لیت و لعل کیا گیا حضرت والا نے ادھر حافظ زاہد حسن صاحب سے فرمایا آج ہی میری موجودگی میں نکاح ہوجانا چاہئے میں آج اس کام کے لئے رُک جاؤنگا، دوسری جانب مولانا اعجاز حسین صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ جامع مسجد امروہہ اور قاری عزیز الحق صاحب عباسی کو حافظ صاحب کے سمدھی کے پاس بھیجا ادھر سے شدید علالت کا عذر تھا، حضرت والا نے اس عذر کو قبول نہیں فرمایا، اور یہ کہلوایا کہ اس صورت میں اور اچھی بات ہے، لڑکی کے نکاح اور رخصتی سے سبکدوش ہو جائیں، موت کا کوئی اعتبار نہیں اپنے سامنے ہی سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ نکاح کر دیا جائے، مولانا اعجاز حسین صاحب باوجودیکہ خود علیل تھے، اور پیر کے زخم کی وجہ سے چلنے سے معذور تھے لیکن انہوں نے حضرت والا کے پیغام کو کسی نہ کسی طرح جاکر حافظ صاحب کے سمدھی کو پہنچایا قاری صاحب موصوف نے بھی کوشش کی، آخرکار نکاح اسی دن ہونا طے پا گیا، حضرت والا نے خود نکاح پڑھایا، انوار و برکات کی بارشیں تھیں، جو اس محفل پر ہو رہی تھیں، حضرت والا اپنی کامیابی پر خوش تھے، حاضرین نے حیرت کی نگاہ سے دیکھا کہ اتنی سادگی پر اتنی رونقیں کہاں سے آگئیں، سچ یہ ہے کہ حضرت والا کی برکات کسی نہ کسی درجہ میں ہر ایک متوسل کے

مکتوب نمبر ۳۳

بنام حافظ محمد صدیق صاحب چاہ میران ڈاکخانہ گورمانی ضلع مظفر گڈھ (پنجاب)

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف

والا نامہ باعثِ عزت افزائی ہوا مجکو گوناگون مصروفیتوں کی وجہ سے اس قدر فرصت نہیں ہے کہ آپ کے سوالات کا تفصیلی جواب عرض کرسکوں، اگرچہ آپکے سوالات تفصیل طلب ہیں لیکن تنگیٔ وقت کی بنا پر مختصراً جوابات پر اکتفا کرتا ہوں۔

اسلام نے کسی صورت میں بھی غلامی پر قناعت نہیں کی، بہت سی نصوص سے دلالۃً اور صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا تقاضا حکومت اور سربلندی ہے، قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۳۲) اوپر سایہ فگن ہیں، یہ نکاح بڑے اچھے موقع پر ہوگیا، اس لئے کہ چند روز بعد حافظ صاحب کے سمدھی دنیا سے رخصت ہوگئے، ان کو سلام جو اس مکتوب میں لکھا ہے، غالباً نہ پہنچ سکا تھا، حضرت والا اس مکتوب گرامی میں مولانا اعجاز حسین صاحب اور قاری عزیز الحق صاحب کو اس مہم کے سر ہونے پر دعائے خیر فرما رہے ہیں، اپنے متوسلین کا کس قدر خیال فرماتے ہیں، اور ان کے واقعات باوجود کثرتِ اشغال کتنا یاد رکھتے ہیں، اس کا اندازہ حضرت والا کے ہر مکتوب سے لگایا جاسکتا ہے۔ (فریدی)

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۳) یہ مکتوب سیاسی تاریخ کے لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ حضرات علماء نے جدوجہد آزادی میں جو حصہ لیا وہ ایک سوچے سمجھے نصب العین کے مطابق تھا تقسیم ہند اور دو قومی نظریے کے جو جھگڑے پیدا کئے گئے، اگر مسلمان ان کا شکار نہ ہوتے اور علمائے کرام کی دانشمندانہ سیاست کو تسلیم کرلیتے تو ہندوستان کے صرف ایک ٹکڑے میں نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں ان کی حیثیت اتنی بلند ہوتی کہ زمام اقتدار انہیں کے زیر تصرف ہوتی، حضرت مدظلہ العالی نے جو کچھ اس مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا ہے وہ جمعیۃ علماء ہند کے فارمولے کا مفہوم ہے جسکی تقریباً تمام دفعات کانگریس تسلیم کرچکی تھی

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا[1] جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، الاسلام یعلو ولا یعلیٰ[2] شامی میں ہے، والملوک الذین یطیعونھم عن ضرورۃ مسلمون ولو کانت الطاعۃ عن غیر ضرورۃ منھم فساق واما طاعۃ الکفرۃ فذالک مخادعۃ[3] (شامی جلد نمبر ۳ ص ۳۶۶)

اگر کسی اسلامی ملک پر کفار کا ہجوم ہو تو مسلمان پر ان کا دفع کرنا اور ان سے جہاد کرنا فرض عین ہو جاتا ہے، اگر اس ملک کے مسلمان تساہل سے کام لیں تو بتدریج تمام مسلمانانِ عالم پر یہی فرض عاید ہو جاتا ہے (درمختار وحاشیہ ردالمختار جلد ۳ ص ۳۰۶ عالمگیری جلد ۲)

اس لئے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس ملک کو کفار کے تسلط سے نجات دلانے کے لئے احکام کفار کی نافرمانی سے لے کر جہاد بالسلاح تک جو ذریعہ مقاومت بھی ان کے امکان میں ہو اس کو کام میں لائیں، مسلمانانِ ہند کی اجتماعی قوت اور ان کے موجودہ سیاسی احوال کے پیشِ نظر، چونکہ ہندوستان کے علماء اور تمام اہل الرائے حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ حکومت مسلطہ کے خلاف متشددانہ ذرائع سے جنگ کرنا مسلمانوں کی وسعت اور طاقت سے باہر ہے۔ اس لئے پرامن ذرائع ہی اختیار کرنا مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے، لیکن اگر تنہا مسلمان اس قسم کی جدوجہد کریں تو ناکامی بدیہی ہے، اور مسلمانوں کے لئے اس کے سیاسی واقتصادی نقصانات بدیہی ہیں، اس لئے حکومت کے خلاف پرامن جدوجہد کی کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہندوستان کی دوسری قومیں بھی اس میں شریک ہوں، مختلف قوموں کے اس اشتراک کی وجہ سے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۳۲) [1] وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول سیدھی راہ پر اور سچے دین پر تاکہ اوپر رکھے اسکو ہر دین سے اور کافی ہے اللہ حق ثابت کرنے والا۔ [2] سربلندی تو اسلام ہی کو ہے، کوئی اسپر حاکم نہیں۔ [3] اور وہ بادشاہ جنھوں نے غیر مسلم حکومت کی ضرورۃً اطاعت کرلی تب مسلمان ہیں اور اگر انکی اطاعت بلا ضرورت کے ہو تو فاسق ہیں، لیکن کفار کی اطاعت سو یہ وقتی تدبیر ہے۔

آزادی کے بعد ملک میں جو نیا نظام قائم ہوگا، اس کی تعمیر میں مسلم وغیر مسلم دونوں شریک ہوں گے، یہ مشترکہ نظام اگرچہ مکمل طور پر اسلامی معیار کے مطابق نہ ہوگا، تاہم اس میں مسلمانوں کا ایک اہم اور موثر عنصر ہوگا، اب یہ خود مسلمانوں کی حکمتِ تبلیغ پر منحصر ہے کہ وہ آنے والے نظام کو کس حد تک اسلامی معیار پر ڈھال سکتے ہیں، ان ہی وجوہ سے آزادی کے بعد قایم ہونے والے مشترکہ نظام کو موجودہ نظام کے مقابلہ میں ... اہون البلیتین قرار دیا جاتا ہے، اس پر بحث کرتے ہوئے، بطور اصول اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اس ضروری تمہید کے بعد ہندوستان کے آیندہ نظام حکومت سے متعلق سوالات کا جواب بہ ترتیب حسب ذیل ہے۔

(۱) ہندوستان کا آیندہ نظام جمہوری ہوگا، جس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ انتخاب کے ذریعہ معینہ عرصہ کے لئے ایک صدر جمہوریہ کا انتخاب ہوتا رہے گا، صدر جمہوریہ کبھی مسلمان ہوگا کبھی غیر مسلم ہوگا لیکن اس کو شاہانہ اختیارات حاصل ہونگے۔

(۲) مرکزی حکومت میں غیر مسلموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا تناسب گرچہ کم ہوگا لیکن بنیادی آئین میں مسلمانوں کے لئے ایسے تحفظات رکھے جائیں گے کہ مسلمانوں کے مذہبی و سیاسی و اقتصادی حقوق پوری طرح محفوظ رہیں گے اور مضامین جو مرکزی حکومت کے ماتحت ہوں گے، بہت ہی محدود ہوں گے، مثلاً دفاع، معاملات خارجہ، رسل ورسائل، اور بعض محدود مالی اختیارات اس کے علاوہ تمام معاشرتی اور تمدنی مسائل، صوبوں کے تحت اختیارات ہوں گے، اس لئے اس سلسلہ میں قوانین شرعی کے اجراء کے نفاذ کا مسئلہ صوبائی حکومتوں سے متعلق ہے مسلم اقلیت کے صوبوں میں بھی ایسے تحفظات دیئے جائیں گے کہ مسلمانوں کے اپنے قوانین اور اپنے قانون شخصی (پرسنل لا) پر عمل کرنے کی آسانیاں حاصل ہوں۔

(۳) نظام تعلیم صوبوں کے . . . . . تحت اختیار ہوگا اسلئے

مسلم اکثریت[لہ] کے صوبوں پر تو آپ کا سوال عائد ہی نہیں ہوتا، اقلیت کے صوبوں میں بھی ....، چونکہ مسلمان صوبوں کے نظام حکومت میں مختلف تناسب کے ساتھ شریک ہوں گے، اس لئے ان کو حق ہوگا کہ حکومت سے اپنی مذہبی تعلیم کے تحفظ کا مطالبہ کریں، خواہ اس کے لئے مزید ٹیکس عائد کرنا پڑے، یا بطور خود اپنی تعلیم کا انتظام کریں، جس کی آزادی ان کو حاصل ہوگی، اگر نظام تعلیم اور تعلیمی نصاب مسلمانوں کے قومی وملی مزاج کے مخالف نہ ہو محض اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے کلاسوں میں مسلم اور غیر مسلم طلبہ کے ایک ساتھ تعلیم حاصل کرنے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا جب کہ تعلیمی اداروں کے باہر مختلف ادارہ ہائے حکومت وتجارت وصنعت میں مسلم وغیر مسلم کی شرکت موجود ہے اور شہری ودیہاتی زندگی میں انکے اشتراک سے گریز ناممکن ہے، مسلمانوں میں خالص اسلامی تہذیب کی اشاعت اور غیر اسلامی اثرات کی مدافعت، نجی اصلاحی اداروں کے ذریعہ عمل میں لائی جاسکتی ہے

(۴) ہندوستان کی آزادی کا سوال ایک ملکی اور قومی سوال نہیں ہے، بلکہ

لہ جتنا حصہ اس وقت پاکستان کہلاتا ہے وہ تب بھی قدرتی طور پر مسلم اقتدار کے ماتحت ہوتا، مزید برآں مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال بھی اسی اقتدار کے ماتحت ہوتا کیونکہ یہ تمام علاقہ جو مشرقی پنجاب، ہماچل پردیس اور پٹیالہ یونین پر مشتمل ہے، صوبہ پنجاب کا حصہ تھا جہاں اکثریت مسلمانوں کی تھی اور اس بنا پر پشاور اور کراچی سے سہارنپور تک مسلم اقتدار کے ماتحت آتا، کشمیر کا سوال بھی خود بخود حل تھا اسی طرح بنگال کا صوبہ آسنسول تک جس میں کلکتہ اور مغربی بنگال کے تمام اضلاع شامل تھے، آسام میں مسلمانوں کی اکثریت نہیں تھی لیکن مسلمان وہاں چونتیس فیصدی تھے، باقی میں ہندو اور پہاڑی علاقے کی اقوام شامل تھیں، ہندو بھی چونتیس فیصدی تھے، بالکلیہ اور توازن مسلمانوں کے ہاتھ میں رہتا تھا، اسی بنا پر ۱۹۳۶ء میں سر سعد اللہ وہاں کے وزیر اعظم بنائے گئے تھے یہی حال یوپی کا تھا، اس طرح نصف ہندوستان مسلمانوں کے زیر اقتدار آتا اور اس صوبہ میں مسلم اقلیت کے صوبوں میں بھی مسلمانوں کی نسبت بہت مضبوط ہوتی

مسلمانوں کی ملی آزادی کا سوال ہے۔ انگریزی تسلط سے آزاد ہونے کے بعد اعلاء کلمۃ الحق کے وسائل اختیار کرنے کے لئے نہ صرف ہندوستان کے مسلمان موجودہ حالت سے بہتر حالت میں ہوں گے بلکہ اسلامی ممالک کی غلامی کی زنجیریں بھی کٹ جائیں گی۔ اسلام کے اجتماعی فرائض ادا کرنے کے لئے وہ ہندوستان کے مسلمانوں سے زیادہ آزاد ہوں گے، اور ہندوستان کے مسلمان رضاکارانہ حیثیت سے مؤثر امداد کریں گے ہندوستان کے مرکزی حکومت میں مسلمانوں کی مؤثر نمایندگی پورے ملک میں انکی کثیر تعداد مختلف صوبوں میں ان کی خود مختار حکومتیں اور ان صوبوں کی جغرافیائی حیثیت مسلمانوں کی قومی و ملی خصوصیات اور ہمسایہ اسلامی ممالک سے انکا مذہبی و سیاسی اتحاد و تعلقات اس بات کی ضمانت ہیں کہ ہندوستان کی خارجہ پالیسی اسلامی مصالح سے متصادم نہ ہوگی۔

(۵) بلاشبہ اسلامی قوانین ہی دنیا کے لئے حقیقی امن و سلامتی کے ضامن ہیں ہندوستان کی مشترکہ حکومت میں ان قوانین کی حاکمیت مطلقہ قایم نہ ہوگی اور نہ حدود شرعیہ جاری ہوں گی، لیکن یہ خود مسلمانوں کا علمی و عملی فریضہ ہے کہ وہ دوسری قوموں سے اسلامی قوانین کی یہ حیثیت تسلیم کرالیں، اھون البلیتین آخری منزل مقصود نہیں ہو سکتی، مسلمانوں کے لئے سعی و عمل کی راہیں کھلی ہوئی ہیں ہندوستان کی آزادی سے یہ راہیں بند نہیں ہو جائیں گی۔

لہ ہندوستان کی تقسیم سے اس مقصد کو بہت دھکا لگا یہ مقصد قریب فوت ہو گیا کیونکہ اول تو ہندوستان کی طاقت گھٹ کر نصف رہ گئی پھر وہ بھی رات دن خود اپنے مسائل میں الجھی ہوئی، چنانچہ کشمیر یا نہروں کے پانی جیسے مسائل نے ہند و پاکستان دونوں کو ایک دوسرے کے برخلاف ایسی پیچیدگی میں مبتلا کر دیا ہے کہ کسی دوسرے بین الاقوامی مسئلہ پر اثر انداز ہونے کے بجائے یہ دونوں ملک دنیا کی بڑی طاقتوں کے رحم و کرم کے محتاج بن گئے ہیں۔

(۶) آپ کا یہ سوال تمام مغالطوں اور غلط فہمیوں کا سرچشمہ ہے، ہندوستان کا نظام حکومت خواہ ایک ہی یونین مرکزی کی بنیاد پر قائم کیا جائے، یا دو جداگانہ ریاستوں کے اصول پر بہرصورت مشترکہ نظام ہوگا، جس میں مسلم و غیر مسلم مختلف تناسب مگر یکساں حقوق و اختیارات کے ساتھ یکساں شریک ہوں گے، محض عددی نسبت کے اختلاف سے اس کی مشترکہ حیثیت میں کوئی فرق پیدا نہ ہوگا، اس لئے مشترکہ نظام کو اسلامی نظام حکومت یا حکومت الٰہیہ نہیں کہا جا سکتا، جہاں تک صوبوں کے داخلی مسائل کا تعلق ہے، مرکز کی وحدت اور تعدد سے اس میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا، ایک مرکز کے ماتحت بھی صوبے اسی طرح خود مختار ہوں گے جس طرح دو مرکزوں کے ماتحت ان کو آزادی حاصل ہوگی، اس لئے اگر مسلمان ... چاہیں تو ایک یونین میں شریک رہتے ہوئے اس معاشرتی، تمدنی اور اقتصادی مسائل میں اس حد تک اسلامی فکر کو بروئے کار لا سکتے ہیں، جس حد تک غیر قوموں کا اشتراک اس کو برداشت کر سکتا ہے، پاکستان کے مشرقی و مغربی منطقوں میں

؎ علاوہ ازیں پاکستان ایسی نگیں ہے کہ دنیا کی کوئی بھی بڑی طاقت اگر اس کو تھامے رہے تو ہندوستان کا اونٹ بدک کر کبھی بھی کسی دوسری طرف نہیں جا سکتا۔

یہ تقریباً پچیس ۲۵ سال پہلے کی بات ہے، جب پاکستان کا تصور جنم لے رہا تھا اور تبادلہ آبادی کی بھیانک تصویر کسی کے خواب میں بھی نہیں آئی تھی، اب جب کہ پاکستان بن چکا اور غیر مسلموں کا تناسب بھی وہاں قایم نہیں رہا، تو کیا کوئی اس خالص مسلم اسٹیٹ کے متعلق دعوے کر سکتا ہے کہ وہاں اسلامی نظام حکومت یا حکومت الٰہیہ ہے۔

آج اس کے پرانے عقیدت مند بھی اس اعتراف پر مجبور ہیں کہ پاکستان کا موجودہ نظام حکومت نہ صرف اسلام کے دامن پُر تقدس پر بدنما داغ ہے، بلکہ موجودہ ملت اسلامیہ کے لئے بھی ننگ و عار ہے۔

بہ ترتیب ۳۹ اور ۴۰ کی نسبت سے ایک منظم غیر مسلم اقلیت موجودہ کی وجہ سے خالص اسلامیت کو بروئے کار لانے میں جو مشکلات سدِ راہ ہوں گی وہ باخبر لوگوں سے مخفی نہیں ہیں البتہ دفاع، امور خارجہ، مواصلات، کرنسی اور بعض محاصل مالیہ کے بارے میں مرکز کی وحدت اور تعدد سے ایک فرق ضرور نمایاں ہوتا ہے، وحدت مرکز کی صورت میں یہ مضامین ایک ایسی یونین کے ماتحت ہوں گے جس میں مسلمانوں کا تناسب زیادہ سے زیادہ ۴۵ فیصدی[1] ہوگا، جو بجائے خود ایک اہم اور مؤثر تناسب ہے لیکن اس صورت میں ملک کی طاقت منقسم ہوکر کمزور نہ ہوگی اور خارجی دراندازی کا امکان کم سے کم ہوگا، ہندوستان کی اس مرکزی قوت سے غیر مسلم اقوام کی طرح ہندوستانی مسلمان اور ایشیا کے دوسرے اسلامی ممالک بھی مستفید ہوں گے، اس کے برعکس اگر یہ موضوعات دو مرکز کے ماتحت تقسیم کردیئے جائیں، اور مسلم اکثریت کے صوبوں کا دفاع خارجہ پالیسی، رسل و رسائل وغیرہ ایک علیحدہ مرکز کے ماتحت دیدیئے جائیں تو بحیثیت مجموعی ملکی و قومی نقصانات کے علاوہ اس کا سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں ہی کو.... پہونچے گا، ان کی وحدت فنا ہوجائے گی۔ اقلیت کے صوبوں میں ان کی سیاسی و اقتصادی حیثیت فنا ہوجائے گی، اور اکثریت کے صوبوں کی مرکزی حکومت ناقابل حل داخلی و خارجی مصائب میں مبتلا ہوجائے گی، بحیثیت مجموعی مسلم اکثریت کے صوبوں کی ہمہ گیر اقتصادی پسماندگی، پانچ میں سے تین صوبوں[2] کا خودمکتفی نہ ہونا ۳۹-۴۰ فیصدی

---

[1] ۵ جمعیۃ علماء ہند اور قوم پرور مسلمانوں نے جو فارمولا کانگریس کے سامنے پیش کیا تھا اور اگست ۴۲ء کے اجلاس میں کانگریس نے اس کو تقریباً منظور بھی کرلیا تھا، اس کی اہم دفعات یہی تھیں (۱) صوبے آزاد ہوں گے، (۲) چند موضوعات کے علاوہ باقی جملہ مصرحہ اور غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کے ہوں گے (۳) مرکز میں نمائندگی اس طرح ہوگی ہندو ۴۵ فیصدی مسلمان ۴۵ فیصدی دیگر اقلیتیں ۱۰ فیصدی۔

[2] ۵ صوبہ سرحد۔ صوبہ سندھ۔ اور صوبہ بلوچستان۔

غیر مسلموں کی منظم اور مؤثر اقلیت کی مقاومت وغیرہ پاکستان مرکز کے وہ داخلی مسائل ہوں گے جن سے حکومت عہدہ برآنہ ہو سکے گی، اور اپنی حالت کو سنبھالنے کے لئے کسی دوسری طاقت کا سہارا لینے پر مجبور ہوگی، جس کی وجہ سے اقتصادی زندگی کا توازن بیرونی حکومتوں اور غیر ملکی سرمایہ داروں کے ہاتھ میں پہنچ جائے گا، مزید بر اں یہ حکومت اپنے وسائل کی قلت اور مصارف کی زیادتی کی وجہ سے ملک کی دفاعی ذمہ داریوں کو بھی صحیح طور پر پورا نہ کر سکے گی،[اه] اس لئے اس ملک کے دفاع کو دولتِ مشترکہ برطانیہ کے دفاع سے وابستہ کرنا ہوگا۔ یا اپنے سیاسی مستقبل کی باگ اسکے ہاتھوں میں دینی پڑے گی، اور اس طرح یہ نام نہاد سیاسی استقلال روس یا برطانیہ[۵۲] کی سیاسی واقتصادی غلامی میں تبدیل ہو جائے گا، اپنی کمزوری اور تباہ حالی کی وجہ سے نہ اس کو بین الاقوامی سیاست میں کوئی اہمیت حاصل ہو سکے گی اور نہ یہ حکومت اسلامی ممالک کی کوئی مؤثر امداد کر سکے گی، بلکہ روس اور برطانیہ کی سیاسی ریشہ دوانیوں کی آماجگاہ بن کر رہ جائے گی، ہندوستان اور پاکستان کے باہمی تعصبات سے برطانیہ کو پورا پورا فائدہ اٹھانے کا موقع میسر آئے گا، اور اس طرح ہندوستان سے برطانیہ کے تسلط کے خاتمہ کے باوجود از سرِ نو پاکستان و ہندوستان میں اسکا اقتدار قائم ہو جائیگا پاکستان کے ان یقینی نقصانات کے مقابلہ میں وہ متوقع خطرات بالکل بے حقیقت ہیں جو ہندوستان کی ایک یونین کی صورت میں غیر مسلم اقلیت کی وجہ سے پیش

[اه] جب کہ پاکستان بنے ہوئے دس سال ہو چکے ہیں، اس پیشین گوئی کی صداقت کا مشاہدہ فرمائیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی اتقوا فراسۃ المومن فانہ یری بنور اللہ اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کیجئے۔ ترجمہ مومن کی فراست اور دور اندیشی سے پرہیز کرو، وہ اللہ کے نور سے مستقبل کو دیکھتا ہے۔

[۵۲] ۱۹۴۰ء کی جنگ عظیم نے برطانیہ کی جگہ امریکہ کو سیاست کا امام بنا دیا۔

آسکتے ہیں اس لئے پاکستان مسلمانوں کے لئے اہون البلیتین نہیں ہے، بلکہ ہندوستان کی ایک مرکزی حکومت اہون البلیتین ہے۔[1]

(۷) ہندوستان دارالحرب ہے، وہ اس وقت تک دارالحرب باقی رہے گا جب تک اس میں کفر کو غلبہ حاصل رہے گا، دارالحرب کی جس قدر تعریفات کی گئی ہیں اور جو شروط بیان کی گئی ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں، اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی، حضرت مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی، اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ اسرارہم نے اپنے فتاوی میں اس موضوع پر بحثیں فرمائی ہیں، ان پر کوئی اضافہ نہیں کیا جا سکتا، مزید تفصیلات کے لئے جامع الرموز جلد ۳ کتاب الجہاد، شامی جلد ۳ ص ۳۳۶ - ۳۲۵ اور فتاوی عالمگیریہ جلد ۲ باب استیلاء الکفار وغیرہ ملاحظہ فرمائے۔

(۸)۔ دارالحرب میں غدر اور خیانت کے سوا ہر طریقہ سے اہل حرب کے اموال حاصل کرنا مسلمانوں کے لئے مباح ہے اس لئے مسلمانوں اور حربی کے درمیان معاملہ سود پر سود کا اطلاق ہی نہیں ہوتا۔ طرفین کا اصول ہے، لان الربا لا یجری بین المسلم و الحربی فی دار الحرب، امام ابو یوسف کے نزدیک حربی کے ساتھ بھی سودی معاملات جائز نہیں ہیں، جو لوگ از راہ تقوی دارالحرب میں سود لینے سے اجتناب کرتے ہیں وہ امام ابو یوسفؒ کے اسی مسلک پر عمل پیرا ہیں، لیکن یہ تمام تفصیلات اسی صورت میں ہیں جب کہ سود لینے والا مسلمان ہو اور سود دینے والا حربی ہو، مسلمان کا مسلمان سے سود لینا، یا غیر مسلم کو سود دینا متفقہ طور پر ناجائز ہے۔[2]

---

[1] دنیا میں شاید ہی کوئی پیشگوئی اس سے زیادہ سچی ثابت ہوئی ہو، کیا اسی پر کہا جاتا ہے کہ علماء سیاست نہیں جانتے۔

[2] کیونکہ دارالحرب میں مسلم اور کافر کے درمیان سود کا حکم نہیں جاری ہوتا ہے۔

(ب) سرکاری بنکوں میں اور ان بنکوں میں، جن کے مالک غیر مسلم ہوں، روپیہ جمع کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس روپیہ سے وہ کاروبار کر کے مالی استفادہ حاصل کرتے ہیں، اور اسی کے منافع سے اسلام اور مسلمانوں کی تخریب پر صرف کیا جاتا ہے لیکن جمع کرنے کے بعد اس کا سود نہ لینا اور اس کو بنکوں میں چھوڑ دینا بھی جائز نہیں ہے، اس روپیہ کو جو بنکوں کے سود کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے مسلمانوں کے اجتماعی مقاصد میں صرف کر دینا چاہیئے۔ عالمگیری میں ہے "وما اوجف المسلمون علیہ من اموال اھل الحرب بغیر قتال یصرف فی مصالح المسلمین الخ" جلد ۲ کتاب السیر ص ۲۱۸۔ تفصیلات کیلئے رد المختار جلد ۳ ص ۳۴۵ اور شرح السیر الکبیر جلد ۳ ص ۱۴، ۱۰۸، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹، عالمگیری جلد ۲ ص ۲۱۰ وغیرہ ملاحظہ فرمایئے۔

(ج) ہندوستان کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی۔[۲]

(۹) استعانت بالمشرکین اور ان کے ساتھ اشتراک عمل کے بارے میں مولانا محمد شفیع صاحب

[۱] کفار کے جن املاک پر مسلمان بغیر جنگ کے قابض ہو جائیں ان کی آمدنی مسلمانوں کے مفاد عامہ پر صرف کی جائے گی۔

[۲] عشری زمین ہونے کی ابتداً پانچ صورتیں ہیں۔ (۱) اول یہ کہ کسی شہر اور گاؤں کے حربی کفار مسلمان ہوگئے تو وہ شہر اور گاؤں عشری ہوگا، یعنی ان کی اپنی تمام زمینوں کی پیداوار میں عشر (جو زکوٰۃ ہے) ادا کرنا ہوگا۔ (۲) دوم یہ کہ ملک عجم کے بلاد کو مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کر لیا اور وہاں کی زمین مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دی گئی تو وہ بھی عشری ہوگی۔ (۳) سوم یہ کہ عرب کے بت پرستوں پر مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح پائی تو وہاں کی سب زمین عشری ہوگی، اگرچہ وہ زمین مسلمانوں کے درمیان تقسیم نہ کی جائے، کیونکہ جزیرۂ عرب میں کفار کے قیام کی کوئی صورت نہیں ہے جو ان پر خراج لگایا جائے۔ (۴) اسلامی مقبوضہ کی پرانی زمین جس پر کسی کا قبضہ نہ ہو اس کو کسی مسلمان کا آباد کرنا اور عشری زمین سے قریب ہونا یا عشری پانی یا خراجی اور عشری دونوں پانی سے سیراب ہوتی ہیں

ومولانا ظفر احمد صاحب تھانوی وغیرہا کی جانب سے جو فتاوی دیئے گئے ہیں انکے جوابات بھی اخبارات اور مستقل رسائل کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں جمعیۃ علماء ہند کے دفتر سے یہ جوابی فتاوی حاصل کئے جا سکتے ہیں، مجملاً یہ ہے کہ جن لوگوں نے عدم جواز کا فتوی دیا ہے، انہوں نے حالات کا صرف ایک رخ نمایاں کیا ہے، بلا شبہ اگر مسلمانوں میں بذات خود قوت مقاومت موجود ہو اور استعانت بالکفار میں فتنہ کا خوف نہ ہو تو استعانت صرف اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اسلام کا حکم ظاہر اور غالب رہے، جیسا کہ قائلین عدم جواز نے تصریحات پیش کی ہیں، لیکن اگر مسلمانوں میں بذاتِ خود مقاومت موجود نہ ہو، اور ان کے لئے کوئی دوسری جائے پناہ بھی نہیں ہے، تو اختیار اہون البلیتین کے اصول کے ماتحت بعض کفار کا مقابلہ بعض کفار کی استعانت سے جائز ہے، جیسا کہ حضرت ام سلمہؓ کی حدیث سے واضح ہوتا ہے، شرح السیر الکبیر جلد ۳ ص ۱۸۷ خصوصاً جب کہ مسلمانوں کے مفاد اور مصالح بھی پیش نظر ہوں تو ایسی

بقیہ صفحہ گزشتہ) عشری ہو (۵) کسی مسلمان نے اپنے گھر کی زمین کو باغ یا کھیت بنالیا تو اسپر بہر حال عشر واجب ہے بشرطیکہ سیرابی صرف خراجی پانی سے نہ ہوتی ہو۔

زمین کے خراجی ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) جب کفار کے ملک و بلاد کو مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کرلیا، لیکن زمین مسلمانوں میں تقسیم نہیں ہوئی، بلکہ زمین ان ہی کافروں کی ملک میں چھوڑ دی گئی تو اس زمین پر مسلمان حاکم خراج مقرر کرے گا۔ (۲) کسی شہر، گاؤں یا ملک کے کافروں نے بغیر لڑائی وجہاد مسلمانوں کی اطاعت کرلی ہو، اور صلح کرلی ہو تو اس صورت میں بھی ان مقامات کی زمین کافروں ہی کی ملک ہوگی اور اسپر خراج لگایا جائیگا، کتاب العشر والزکوٰۃ۔ ۵ مولانا عبدالحق نافع مدظلہ نے نافع المہتدی نامی رسالہ میں فاضلانہ جوابات دیتے ہوئے، تدلیس سے کام لینے والے مولویوں کا بھانڈہ پھوڑا ہے، اور حضرت امام العصر نے تو مجتہدانہ انداز اپنے اس ذالامام میں اختیار فرماکر اصولی نکتوں پر اکتفا فرمایا ہے جو اپنی جگہ سب سے بڑی حجت سا اور ہے، سچ ہے بکل فن رجال۔

استعانت بالکفار کے جواز میں شبہ نہیں ہے، چنانچہ شرح سیر الکبیر میں اس قسم کی جزئیات بکثرت بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ ولو قال اھل الحرب للاسراء فیھم قاتلوا معنا عدونا من المشرکین الخ کے ماتحت شارح سرخسی نے فرمایا فلا رخصۃ فی ذالک الا علی اعزاز الدین و دفع الذلّ عن نفسہ۔ جلد۳ صفحہ ۲۴۱-۲۴۲

۲۔ ولو قال[۱] لاسراء قاتلوا معنا عدونا من اھل الحرب اٰخرین علی ان نخلی سبیلکم اذا انقضت حربنا الخ فلا باس بان یقاتلوا معھم شارح نے اس صورت مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے، اس اعتراض کو بھی دفع کیا ہے، جو عام طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

قال[۵۳] قیل کیف یسعھم ھذا وفیہ قوۃ علی المسلمین لانھم اذا ظفروا بالعدو ھم فامنوا جانبھم اقبلوا علی قتال المسلمین وربما یاخذون منھم الکراع والسلاح فیقوون بھا علی المسلمین، قلنا ذالک موھوم وما یحصل لھم من النجاۃ عن اسر المشرکین بھذا القتال معلوم فیترجح ھذا الجانب صفحہ ۲۴۲، ۲۴۳۔

---

[۱] اگر کفار اپنے مسلمان قیدیوں سے کہیں کہ ہمارے ساتھ ہمارے مشرک دشمنوں سے جنگ کرو۔ تو بقول شارح سرخسی اجازت نہ ہوگی، البتہ دین اسلام کی ترقی اور اپنے اوپر سے مصیبت دور کرنے اور جان بچانے کے لئے جنگ کرنا جائز ہوگا۔ [۵۲] اگر کفار مسلمان قیدیوں سے کہیں کہ ہمارے دشمنوں سے ہمارے ساتھ جنگ کرو اور ہم اختتام جنگ پر تم کو رہا کر دیں گے، تو اس شرط پر ان کی امداد میں مسلمان جنگ کر سکتے ہیں۔ [۵۳] اگر اس پر یہ اعتراض ہو کہ مذکورہ بالا شکل میں بھی مسلمانوں کی قوت کمزور ہو جائے گی، کیونکہ کفار اپنے حریف پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد اپنے دشمنوں سے اطمینان حاصل کر کے مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہونگے اور مسلمانوں کا ساز و سامان اسلحہ چھین لینگے، اور اسطرح مسلمانوں کے مقابلہ میں انکی طاقت مضبوط ہو جائیگی، تو ہم اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ اندیشہ وہمی ہے اور مسلمانوں کا کفار کی قید سے نجات پانا قطعی ہے، لہذا جنگ کرنے کی تجویز کو ترجیح حاصل ہے۔

وان کانوا فی حزوبلد یخافون علی انفسهم الهلاك فلاباس بان یقاتلوا معهم المشرکین اذا قالوا نخرجکم من ذالك لان فی هذا القتال غرضا صحیحا وهو دفع البلاء والضرر الذی نزل بهم، ص ۲۴۳

۴۔ ولو ان اهل الحرب ارسلوا الاسراء خاصة ان یقاتلوا اهل الحرب اخرین وجعلوا الامیر من الاسراء وجعلوا الیه ان یحکم بحکام اهل الاسلام وسلموا الیهم الغنائم یخرجونها الی دار الاسلام فلاباس بالقتال علی هذا اذا خافوهم اولم یخافوا لانهم یقاتلون وحکم الاسلام هو الظاهر علیهم ویکون الجهاد ذالك جهادا منهم، ص ۲۴۷۔

جوازِ استعانت کی ان صورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندوستان کی مشرکین کے ساتھ ان شرائط پر اشتراکِ عمل کرنا کہ اس مشترکہ جد وجہد میں فتح حاصل کرنیکے بعد (۱) ملک کے نظام حکومت میں ان کا ایک مؤثر حصہ ہوگا۔

ا؎ اگر مسلمان ایسے ملک میں ہوں جہاں ان کو اپنی ہلاکت کا خطرہ ہے تو اس صورت میں یہ مسلمان ان کافروں کے ساتھ مل کر ان کے مشترک دشمنوں سے جنگ کر سکتے ہیں بشرطیکہ کفار ان کے اس خطرہ کو دور کرنے کا وعدہ کریں، کیونکہ اس جنگ کا جائز مقصد ہے، یعنی اپنے اوپر سے خطرہ اور ہلاکت کا دور کرنا۔

۵۲ اگر کفار مسلمان قیدیوں کو کافروں سے جنگ کرنے کے لئے بھیجیں اور مسلمان ہی کو مسلم فوج کا سردار بنائیں، اور اس مسلمان افسر کو یہ اختیار ہو کہ وہ احکام اسلامی کے مطابق فیصلہ کرے اور جو مال غنیمت حاصل کریں وہ ان مسلمانوں کے ہی حوالہ ہو کہ وہ دارالاسلام میں لے جا سکیں تو اس صورت میں جنگ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے خواہ مسلمانوں کو ان سے خطرہ ہو، یا نہ ہو، کیونکہ موجودہ صورت میں ان کی جنگ اسلامی قانون کے ماتحت ہوگی اور یہ جہاد خود ان کی طرف سے ہوگا، غلبۂ اسلام کے لئے ہوگی اور انکا جہاد شرعی جہاد ہوگا۔

۲ ۔ مسلمانوں کا قانون شخصی (پرسنل لا) محفوظ ہوگا اور ان کو اس پر عمل کرنے کی آزادی ہوگی۔

۳ ۔ مسلمانوں کے مذہبی ادارے : اوقاف ، مساجد ، مقابر وغیرہ محفوظ رہیں گے ان کا کلچر اور تہذیب و تمدن محفوظ رہے گا۔

۴ ۔ گیارہ میں سے پانچ صوبوں میں مسلم اکثریت کی حکومتیں قائم ہونگی جو تمام داخلی معاملات قانون سازی نظام تعلیم اقتصادی نظام کے قیام معاشرتی اور تمدنی مسائل میں پوری طرح بااختیار ہوں گی ، کیا مسلمانوں کے مفاد اور مصالح کے لحاظ سے مفید نہیں ہے یہ مصلحتیں و مفادات ان اغراض سے بہت زیادہ اہم ہیں جن کی بناپر استعانت بالمشرکین کی اجازت دی گئی ہے ۔ اس لئے ہندوستان کی آزادی غیر مسلم جماعتوں اور قوموں سے اشتراک عمل کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے ، واللہ اعلم والیہ یقول الحق وہو یہدی السبیل

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۔

مکتوب نمبر ۳۴

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

مزاج شریف ، والانامہ باعث سرافرازی ہوا ، احوال مندرجہ کو پڑھ کر سخت تعجب ہوا ، آپ جیسا سمجھدار ، تجربہ کار بھی غلط جذبات میں پھنس رہا ہے ، میرے محترم زید آپ کو معلوم ہے کہ اگرچہ تمام غیر اسلامی مذاہب اور ان کے ماننے والے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں مگر سب دشمن ایک طرح کے نہیں ہوتے کوئی بڑا ہے کوئی چھوٹا ہے ہر دشمن سے اس کے درجہ کے موافق مقابلہ کرنا لازم ہوگا ، جب سے اسلام نے ظہور کیا ہے انگریز نے برابر اسلام اور مسلمانوں کو اسقدر نقصان پہنچایا کہ کسی دوسری قوم نے نقصان نہیں پہنچایا ، انگریز دو سو برس سے زیادہ عرصے

ان دلخراش اور ہوش وحواس کو مٹا دینے والے واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں، جو کہ عموماً ان تین سو سال کے اندر یعنی تقریباً ۱۶۴۰ء سے ۱۹۴۰ء تک میں واقع ہوئے ہیں، اور جن میں انگریز ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں، پھر بتلایئے کہ انگریز کے برابر دنیا میں کس قوم نے آج تک اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی کا ثبوت دیا ہے۔

ہندو تو آپ کا ایک ہزار برس یا زائد سے رعیت چلا آتا ہے، اور اس کو بھی اسی انگریز نے آپ کے مقابل کھڑا کیا اور بڑھایا ہے، اس لئے آپ کو غور کرنا چاہیئے کہ آپ کا فریضہ کیا ہے، انگریز کو مٹانا اور انتقام لینا اور اس کے اقتدار کو گھٹانا یا ہندو کو، انگریز کو اپنے اقتدار کو باقی رکھنے اور اپنی تجارت وغیرہ کے لئے ضرورت ہے کہ آبنائے دور سے بمبئی تک کا سمندر اور ان کے سواحل اپنے قبضہ واقتدار میں رکھے، اپنے لئے امن وامان اور تجارت اس راستہ میں قائم کرے، جس کی بنا پر اس کو بحر اٹلانٹک، بحرہ روم، بحرۂ قلزم، بحرۂ ہند، بحرۂ فارس پر قبضہ کرنا اور اطمینان حاصل کرنا ضروری ہے، ہوائی جہازوں کے لئے، سمندری جہازوں کیلئے لندن سے ہندوستان تک اگر مراکز اور مخازن نہ ہوں گے تو وہ ہندوستان میں اپنے مقاصد حاصل نہیں کرسکتا ہے، اس لئے ان تمام ممالک کو جو کہ راستہ میں ہیں ہمیشہ زیر و زبر کرتا رہا، اور ہندوستان ہی کی فوجوں سے کرتا رہا، ہندو کو ان ممالک کے غلام بنانے اور ان پر اقتدار قایم رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، ہندو میں بالفعل اتنی طاقت نہیں ہے، جتنی انگریز میں ہے، اس لئے ماضی حال مستقبل میں سب سے بڑا دشمن انگریز ہی ہے، ہندو کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ مستقبل میں ایسا ہی یا اس سے زیادہ ہوجائے، مگر یہ امر مظنون یا موہوم ہے، اسی بنا پر ہمیشہ اکابر اسلام نے ہندوستان میں انگریز سے آزادی حاصل کرنا اور اس کے اقتدار کو مٹانا ضروری سمجھا، اور اسی بنا پر کانگریس بنائی گئی، اور اس لئے مسلمانوں نے اس میں شرکت کی اور

اسی لئے جمعیۃ علماء اس کے ساتھ اشتراک عمل کئے ہوئے ہے، جب تک ہندوستان مکمل آزاد نہ ہو جائے، یعنی کم از کم تمام انگریزی فوجیں اور وائسرائے اور گورنر انگریز یہاں سے چلے نہ جائیں، اور مکمل اختیارات ہندوستانیوں کے قبضہ میں نہ آجائیں، یہ فریضہ باقی ہے، ہاں اگر کانگریس یہ اعلان کر دے کہ اب ہم انگریز کو یہاں سے نکالنا نہیں چاہتے تو بیشک ہم کو اس سے اشتراکِ عمل سے رکنا پڑے گا، باقی رہا ان مفادات کا حاصل کرنا جن کو آپ یا کوئی دوسری جماعت مسلمانوں کے لئے مستقبل میں مفید یا ضروری سمجھتے ہیں، یہ بعد کا مسئلہ ہے، دفع عذر منفعت سے مقدم ہے اگر گاؤں میں آگ لگی ہے، تو پہلے آگ بجھائیے، پھر اپنی زمینوں کی تقسیم کا فیصلہ کیجئے اگر آپ مریض ہیں تو پہلے مرض کو دفع کیجئے، پھر تقویت کی فکر کیجئے گا۔

میرے محترم آپ خود جانتے ہیں کہ انگریز کا ہمیشہ سے اصول رہا ہے "لڑاؤ اور حکومت کرو" اسی اصول اور عملدر آمد کے ذریعہ سے اسنے ہندوستان پر قبضہ کیا اور آج تک قبضہ کئے ہوئے ہے، اسی اصول کی بناء پر اس نے کانگریس کے مقابل ۱۹۰۶ء میں لیگ اور مہاسبھا کی بنیاد ڈالی اور آج تک دونوں کو پالتا رہا اور بڑھاتا رہا، اور اسی اصول کے مطابق جب بھی زمانہ سابقہ میں آزادی کے لئے جدوجہد ابھری تو اس نے لڑائی مختلف مقامات میں فرقہ وار کرائی، اور جب قوت تحریک آزادی، فرقہ وارانہ فسادات بھی زور پکڑتے رہے، اس جنگ عمومی کے بعد چونکہ تحریک آزادی بہت قوت پذیر ہوئی ہے، اس لئے یہ فرقہ وارانہ فسادات بھی اسی پیمانہ پر ہیں لیگ اور مہاسبھا اس کے آلہ ہائے کار ہیں، اس لئے دونوں خوب ادھم مچاتے رہے تاکہ یہ عذر ہاتھ لگے کہ بغیر ہمارے (انگریزوں کے) ہندوستان میں امن وامان نہیں رہ سکتا، اور تاکہ ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے، پنجاب، سرحد، سندھ اور بنگال

اسلام کو فنا کر رہا ہے، اس نے ہندوستان کی اسلامی طاقت کو فنا کیا، بادشاہوں نوابوں اور امراء کو قتل کیا، ان کی فوجوں کو برباد کیا، حکومتہائے اسلامیہ کو تہ و بالا کیا، خزانوں کو لوٹا، اپنے اقتدار کا خزانہ قایم کیا، اپنے قوانین کو جاری کیا، ہندوستان کی تجارت صنعت و حرفت، علم، تہذیب وغیرہ کو برباد کیا، ٹیکسوں اور لگانوں وغیرہ کے ذریعہ سے ہر قسم کی مالی لوٹ جاری کر کے اپنے ملک کو غنی اور ہندوستان کو کنگال بنایا، ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کو انتہائی ذلیل، نادار، بیکار، بیروزگار بنایا، مسلمانوں سے ہندوستان کے دوسرے مذہبوں والوں کو متنفر کر کے دشمنی کی آگ بھڑکائی، اور ہر جگہ بے ہتھیار اور کمزور کیا، ہندوستان میں اسلامی قوانین کے خلاف شراب اور منشیات کی آزادی، زنا اور بدکاری کی آزادی، الحاد و زندقہ وارتداد کی آزادی، عدالتوں میں خلاف اسلام قانون کا اجراء اور وہاں کے موافق فیصلہ جات جاری کئے محکمۂ قضاء کے خلاف معاہدہ مٹا کر مسلمانوں کے اسپیشل قوانین کو ملیامیٹ کیا، وغیرہ وغیرہ، ہندوؤں کو نصد آبڑھا کر ہر محکمہ اور ہر شعبۂ زندگی میں قوی تر کیا، اور سود در سود کو جاری کیا، غرضیکہ ہر طرح سے اسلام اور مسلمانوں کو ہندوستان میں برباد کیا، اور جب کہ مسلمانوں نے اپنے فطری اور شرعی حق آزادی کے لئے جدو جہد کی تو ان پر اس قدر مظالم کئے کہ ان کی یاد سے بھی دل تھراتا ہے، ۱۸۵۷ء کی تاریخ اور اس سے پہلے کے واقعات دیکھیئے، معاہدات، اور وعدے جو کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے کئے تھے، اور جو ۵۷ء میں ہوئے ان کو بار بار توڑتے رہے، غرضیکہ ہندوستانی مسلمانوں کے خصوصاً اور تمام ہندوستان کے باشندوں کے ساتھ عموماً وہ شرمناک معاملے کئے کہ وہ ہندوستان جو کبھی جنت نشان تھا، جہنم نشان بن گیا۔ وہ ہندوستان جو کہ دولت اور ثروت کا مرکز تھا وہ فقر و فاقہ، افلاس و تنگدستی کا اڈہ ہو گیا، وہ ہندوستان جو کہ علم و حکمت کا سمندر تھا وہ جہالت اور بددینی کا طویل میدان ہو گیا، وہ ہندوستان جو کہ تمام دنیا کا محتاج الیہ تھا، وہ

سب سے زیادہ مفلس قلاش، مسکین، فاقہ مست، بے کمال بے روزگار، گرانی اور پسماندگی کا شکار ہوگیا۔ یہ مظالم تو تھے ہی جن میں مسلمان سب سے زیادہ تباہ ہوئے۔

وکٹوریہ کے اعلان ۱۸۵۸ء میں پُر زور وعدہ کیا گیا تھا کہ اپنی قلمرو کو نہ بڑھائیں گے اور دوسرے علاقوں پر اب کے بعد قبضہ نہ کریں گے، مگر تھوڑے ہی عرصہ تقریباً ۲۰ برس کے اندر افغانستان پر یکے بعد دیگرے چڑھائی کی، اور ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا، چار مرتبہ حملے کئے، آزاد مسلم علاقوں پر قبضہ کرتے رہے، صوات، بنیر، چترال، کوہاٹ، آفریدی علاقے مسعودی علاقے، وزیری علاقے، وغیرہ اور اسی طرح بلوچستانی علاقوں پر کیا کیا مظالم نہیں ڈھائے، اور یکے بعد دیگرے خلاف عہد ان علاقوں کو اپنی قلمرو میں ملاتے رہے، وہاں کے باشندوں کو غلام بنایا، آزادی خواہوں کو قتل و غارت کیا۔

آپ اپنے ہی علاقہ کی تاریخ دیکھئے، یہ سب کچھ تو ہندوستان اور اس کے اطراف کے ملکوں پر ہوا ہی تھا، جو کہ ہمیشہ ہندوستان ہی کی غلام فوجوں، وہاں کی رسدوں ہتھیاروں وہاں کی نقدی طاقتوں کے ذریعہ سے ہوتا رہا۔

مگر اسی کے ساتھ، عراق، شام، مصر، فلسطین، عرب، شمالی لینڈ، مشرقی افریقہ سوڈان، برما وغیرہ کے اسلامی عروج کو پامال کیا، خلافت عظمیٰ کو زیر و زبر کیا، حجاز، جدہ، مکہ اور مدینہ پر چڑھائی کی، چناق قلعہ سمرنا، استنبول وغیرہ میں کیا کیا نہیں کیا، اور ان مقامات میں خون کی ندیاں کیا نہیں بہائیں، پھر اس پر طرہ یہ کہ یورپین طاقتوں میں اسلامی ممالک کو تقسیم کیا، طرابلس، صحرائے لیبیا، ادرنہ، سورکن وغیرہ اٹلی کو، ریف اسپین کو الجیریا، تیونس فاس، مراکش وغیرہ فرانس کو، وسط ایشیا اور شمالی ایشیا کے ممالک بخارا، سمرقند، گرجستان ازبکستان، داغستان، ترکستان وغیرہ روس کو برابر معاہدوں وغیرہ کے ذریعہ سے تقسیم کرتے رہے، ٹرکی سے بلگیریا، یونان، مقدونیہ، رومانیہ، ہرسکٹ، البانیہ، سریہ مانٹینگرو کریٹ، بلقان وغیرہ کو مجبور کرکے آزاد کراتے، اور اسلامی طاقت کو فنا کراتے رہے،

(۱۳) کیا اس تاریخ ۱۶ اگست سے پہلے کہیں بھی ہندوستانی باشندوں میں عام فرقہ دارانہ فسادات ہوئے تھے، یہی ہندو اور یہی سکھ وغیرہ یہاں بستے تھے، یہ فسادات اس وقت تک نہ ہوتے تھے۔

(۱۴) کیا ان فسادات عامہ کی ابتدا اسی صوبہ اور شہر سے ۱۶ اگست کو نہیں ہوئی جس میں تمام حکومت اور اقتدار لیگ کے قبضہ میں تھا

(۱۵) کیا نواکھالی اور ٹپرہ میں جو مظالم خلاف انسانیت اور خلاف شریعت واقع ہوئے، وہ لیگ ہی کے کئے ہوئے نہ تھے۔

(۱۶) کیا ان مظالم کی داستانیں خود لیگ کے زیر حکم صوبہ اور وہاں کے اخبارون تاروں، ٹیلیفونوں، ریڈیو سے مبالغہ آمیز شائع نہیں ہوئے، کیا لیگ کی حکومت نے ان پر کوئی سنسر کیا تھا۔

(۱۷) کیا لیگ کی حکومت نے کوئی اطمینان بخش کارروائی ان فسادات کو روکنے کی وہاں کی۔

(۱۸) کیا بہار اور گڈھ مکتیشر میں جو واقعات ہوئے ان میں یہی اعلان اور جذبہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ یہ نواکھالی اور مشرقی بنگال کے مظالم کا بدلہ ہے۔

(۱۹) کیا لیگ اور اس کے زعماء ہمیشہ یہی فلسفہ نہیں پیش کرتے رہے کہ مسلم اقلیت کے صوبوں میں جو معاملہ ہندو اکثریت مسلمانوں کے ساتھ کرے گی، ہم اس کا بدلہ پاکستان میں ہندو اقلیت کے ساتھ عمل میں لائیں گے۔

(۲۰) کیا یہ فلسفہ صحیح تھا۔ اور جب کہ ابتدا مسلم لیگ نے مشرقی بنگال میں کر دی اور لیگیوں کی طرف سے اس پر کوئی ایکشن نہیں لیا گیا، اور بہار اور گڈھ میں اسی فلسفہ کا اعلان کرتے ہوئے ہندوستان نے مسلمانوں پر مظالم کی بوچھار کر دی تو کیا ہم کو الزام دینے کی گنجائش باقی رہتی ہے؟۔

(۲۱) کیا ہر قسم کی اشتعال انگیزی، بھڑکانا، الٹی میٹم دینا، اعلانِ جنگ کرنا مسلمان کی واحد نمائندگی کی دعویدار جماعت سے نہیں ہوا۔ غور فرمایئے، قائد اعظم ایک کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کی مخالفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

(۱) "ہلاکو اور چنگیز خان کے خونی باب کی پھر سے تقلید کریں گے، ہم بہترین حالات کی امید کرتے ہیں، لیکن بدترین کے لئے تیار رہیں ہمیں پاکستان سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ (ڈان ۸ راپریل ۱۹۴۶ء)

(۲) ڈائرکٹ ایکشن کا فیصلہ ہماری تاریخ اور ہماری پالیسی میں ایک انقلابی قدم ہے، اور پاکستان کی جنگ کے لئے تیار رہنا ہے۔ ڈان ۱۵ اگست ۴۶ء

(۳) ہندوستان میں زبردستی خانہ جنگی ہونے والی ہے نئے سرے سے گفت و شنید شروع کی جائے، ملک کے سامنے دو راستے ہیں، ایک خانہ جنگی دوم گفت و شنید کے ذریعہ باہمی سمجھوتہ۔ ڈان ۱۲ ر دسمبر ۴۶ء

(۴) ڈائرکٹ ایکشن سے پاکستان حاصل کریں گے۔ یکم اگست ڈان ۴۶ء

(۵) مسلمانوں کو ایک زبردست جنگ کرنی ہے، خطرناک اور سنگین صورت پیدا ہوگئی ہے، ہم جد وجہد کی آگ سے کامیاب نکلیں گے۔ (۲۸ ر اگست ۴۶ء

(۶) نواب محمد وٹ ۲ راپریل ۴۶ء "پاکستان حاصل کریں گے یا تباہ ہو جائیں گے"

(۷) نواب لیاقت علیخان ۳ راپریل ۴۶ء، پاکستان کی جنگ کے لئے خون کا ہر قطرہ محفوظ رکھو، سب سے پہلے میں اس جنگ میں اپنا خون بہاؤں گا مسلمان ایک منظم فوج ہیں"

(۸) مسٹر سہروردی وزیر بنگال (دہلی کنونشن میں) پاکستان دس کروڑ مسلمانوں کی آواز ہے، پاکستان کو نہ ماننے والے کیلئے ہندوستان میں کوئی جگہ نہیں ہے بنگال کے مسلمان سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہیں۔

کی سمت سے کہ سرکار (انگریز) آپ ہی کا راج ہمارے لئے بہتر ہے، آپ نہ جائیے، یوپی بہار، مدراس، بمبئی سے مسلمانوں کی آواز اُٹھے، کہ سرکار آپ کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے، آپ یہاں سے نہ جائیے! تو آقا صاحب (انگریز) دنیا میں یہ مشہور کریں کہ ہم کیا کریں، ہم تو ہندوستان کو چھوڑنے کے لئے تیار تھے، ہم نے تو انتقال اختیارات کی تاریخ ایک معین کردی تھی، اور ہم نے تو انتقال اختیارات کے لئے وائسرائے بھی بھیجدیا تھا، مگر ہندوستان کے عوام ہندو اور مسلمان ہمارا جانا نہیں پسند کرتے اور ہمارے ہی سایہ کو رحمانی سمجھتے ہیں، ہم مجبور ہیں۔

محترما! آپ غور سے واقعات کو دیکھیں اور تفتیش کریں، ان سب واقعات میں جیل اور کنزرویٹیو اور ٹوڈی پارٹی کا کھلا ہوا ہاتھ ہے، اور ممکن ہے کہ دوسری پارٹیوں کا خفیہ ہاتھ بھی ہو، اگر آپ میرے پاس ہوتے تو میں انگریزوں کی شہادتیں بھی دکھلاتا۔

میرے محترم، تحریر میں سب باتوں کا لانا بہت مشکل ہے اتنی فرصت کہاں سے لاؤں ان حقائق پر غور کرنے کے بعد آپ اب ان تفصیلات پر نظر ڈالئے جو موجودہ فتنوں کا باعث ہورہی ہیں۔

(۱) لیگ کا نظام ترکیبی کیا ہے، بالخصوص ورکنگ کمیٹی اور کونسل کا، کیا اس میں نواب، مہاراجہ، سرکاری خطاب یافتہ، بڑے بڑے زمیندار، علاقہ دار، پنشنر وغیرہ سرکار پرستوں کا غلبہ اور اکثریت نہیں ہے۔

(۲) کیا یہ لوگ ہمیشہ سے انگریز پرست نہیں رہے ہیں۔

(۳) کیا لیگ نے انگریزوں ہی کی عنایتوں کے پیٹ سے جنم نہیں لیا، شملہ کے ڈیپوٹیشن ۱۹۰۶ء کو بعہد لارڈ منٹو اور اس کی تمام تفصیلوں پر نظر ڈالئے، اور اگر پتہ نہ ہو تو کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" مطبع نظامی شہر بدایوں سے منگا کر دیکھئے۔

(۴) کیا لیگ نے کبھی اپنی تمام عمر میں بجز ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۹ء کبھی ہندوستان کی آزادی

کے لئے کوئی جد وجہد اور قربانی کی ہے۔
(۵) کیا لیگ کے ہائی کمان اور اعلیٰ عہدہ داروں کو اسلام اور مذہب سے قریب کا تو درکنار، دور کا بھی واسطہ رہا ہے، یا اب موجود ہے۔
(۶) کیا لیگ کے زعماء میں کلیت یا اکثریت مخلص غیور لوگوں کی ہے، یا خودغرضوں جاہ پرستوں کی وزارت اور عہدوں کے بھوکوں کی۔
(۷) کیا لیگ اور اس کے زعماء ہی نے اکثریت کے صوبوں کو ۱۹۱۶ء سے لیکر ۱۹۳۰ء تک نقصان نہیں پہونچایا، اور اپنی اغراض کے لئے اقلیت کے صوبوں میں دیتج ے کر اکثریت کے صوبوں کو اقلیت میں نہیں لائے۔
(۸) کیا لیگ اور اس کے زعماء ہی نے ۱۹۳۱ء میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں اقلیتوں کا معاہدہ وغیرہ کرکے مسلمانانِ ہند کو برباد نہیں کیا، کیا اس معاہدہ میں انگریزوں اور اینگلو انڈین اور ہندوستانی عیسائیوں کے لئے بنگال میں ام نشستیں تسلیم کی گئیں۔
(۹) کیا لیگ اور اس کے زعماء بلکہ عملہ کارکنوں نے ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۵ء تک انتہائی تنفر اور عداوت کی فرقہ وارانہ آگ ہر پلیٹ فارم اور ہر پریس و آرٹیکل، اور ہر لیکچر وغیرہ میں نہیں لگائی؟۔
(۱۰) کیا لیگ اور اس کے زعماء نے اپنے اعلانات اور اشتعال آمیز بیانات کے بعد دہلی میں کونسل بلاکر اکثریتِ عظیمہ سے ایک مرکز (خلافتِ پاکستان) قبول نہیں کیا، اور ڈیلی گیشن کی تجویز کیا منظور نہیں کی۔
(۱۱) کیا پھر لیگ نے ۲۹ر جولائی ۴۶ء کو بمبئی میں اس تجویز اور منظوری کو رد کرکے... ۱۶ر اگست ۴۶ء کو ڈائرکٹ ایکشن کو پاس نہیں کیا۔
(۱۲) کیا ڈائرکٹ ایکشن پاس کرنے کے بعد لیگ کی طرف سے ہر جگہ کے لئے اعلان جہاد اور اشتعال انگیز تقریریں، تحریریں، پوسٹر، وغیرہ شائع نہیں کئے گئے۔

(۹) خان بہادر اسمٰعیل ۶؍اپریل ۱۹۴۶ء "پاکستان کے لئے کوئی قربانی زیادہ نہیں ہے۔

(۱۰) خان بہادر اسمٰعیل ۱۱؍اپریل ۱۹۴۶ء "ہم بہار کے مسلمان پاکستان کے لئے خون کا آخری قطرہ بہادیں گے"۔

(۱۱) نواب سر محمدوم ۱۲؍اپریل ۱۹۴۶ء "پاکستان کو منظور کرنے سے ہندوستان کا امن اور سلامتی خطرہ میں پڑجائیں گے"۔

(۱۲) مسٹر عبدالقیوم ۲۶؍اپریل ۱۹۴۶ء ہم لڑیں گے اور دنیا کیلئے مرینگے"۔

(۱۳) بہار مسلم اسٹوڈینس کے سکریٹری ۲۷؍اپریل ۱۹۴۶ء بہار کے مسلمان طلبا پاکستان کے لئے خون کا آخری قطرہ بہادیں گے"۔

(۱۴) اورنگ زیب خاں ۲۹؍اپریل ۱۹۴۶ء "ہم پاکستان کی بھیک نہیں مانگتے، بلکہ اسے بزور شمشیر حاصل کریں گے"۔

(۱۵) مسلم نیشنل گارڈ جمشید پور، ۸؍مئی ۱۹۴۶ء اگر پاکستان نہ دیا گیا تو ہم وہ تباہی مچائیں گے جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہ ملے گی۔

(۱۶) خان بہادر اسمٰعیل کا مسٹر جینا کو تار ۶؍جون ۱۹۴۶ء "ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں، پاکستان کے لئے خون بہادیں گے"۔

(۱۷) نواب ممدوٹ ۵؍ستمبر ۱۹۴۶ء جہاد شروع ہونیوالا ہے تیار ہو جاؤ۔

لیگ کے اخباروں کو ملاحظہ فرمایئے، ہم نے تو بہت تھوڑے نوٹ ڈان سے نقل کئے ہیں، کیا یہ ہندوؤں اور نیشلسٹوں وغیرہ کو الٹی میٹم نہیں ہے، کیا یہ ڈرانا، دھمکانا اشتعال دینا نہیں ہے۔

اب آپ ہی انصاف فرمایئے، کہ الزام کس پر عائد ہوتا ہے، آپ (مسلمان لیگ) ہی اشتعال انگیز تقریریں کریں، چیلنج دیں، الٹی میٹم دیں، اعلان جنگ کریں

ابتدائی عمل کریں تمام انتقامی کارروائیوں کی ابتدا عمل میں لائیں اور پھر مورد الزام دوسروں کو قرار دیں میرٹھ میں جو کچھ کہا گیا تھا وہ تو یہی تھا کہ ”تلوار کا جواب ہم تلوار سے دیں گے اس پر لیگ برافروختہ ہوئے اس نے کیا غلط کہا ہے، وہ تو جواب کا لفظ کہتا ہے جس کے معنی ظاہر ہیں کہ اگر ہم پر کوئی تلوار سے حملہ آور ہوگا تو ہم بھی جواب میں تلوار استعمال کریں گے، جب کہ لیگ تلوار اور خون بہانے وغیرہ سے دھمکاتی ہے اور پھر اس کے بعد عملی میدان میں نکل بھی آتی ہے تو جواب دینے والا مجبور ہے“۔ وہ مورد الزام کیونکر ہو سکتا ہے، ابتدائی ظلم جس نے کیا وہ مورد الزام ہوگا، یا جس نے جواب دیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ گالی گلوچ کرنے والے دو شخصوں نے جو کچھ المستبان ما قالا فعلی البادی منهما . بکا ان سب کا گناہ ابتدا کرنے والے پر ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

لا یسب احدکم والدیه الخ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی اپنے والدین کو گالی نہ دے لوگوں نے کہا یا رسول اللہ دنیا میں کوئی بھی اپنے والدین کو گالی دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں، دوسرے کے والدین کو گالی دیتا ہے، تو وہ دوسرا اس کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے (لہذا اس نے اپنے والدین کو گالی دی)، قرآن شریف میں ہے،

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ الخ تم کافروں کے معبودوں کو گالی مت دو، ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کو نادانی سے گالی دیں گے۔

خلاصہ یہ کہ شرعی، عقلی، عادی ہر حیثیت سے چھیڑنے اور ابتدا کرنے والا ہی مورد الزام اور گنہگار قرار دیا جاتا ہے، اگر کسی نے گدھے کو چونکا لگایا اور گدھے نے لات مار کر نقصان پہونچایا تو یہ نقصان، چونکا لگانے والے ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے گدھا مورد الزام نہیں قرار دیا جا سکتا۔

پنجاب اور سرحد کے مظالم پر بھی غور فرمایئے، کہ ابتدا کہاں سے اور کس سے ہوئی،

اور ان سب کے ساتھ ساتھ یہ بھی غور کیجئے کہ انسانی اور اسلامی شرافت ان تمام اعمال میں کہاں تک کام میں لائی گئی ہے، وہ قوم جو کہ قرآن اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تبع ہونے کی دعویدار ہے، وہ کس طرح اپنے دائرہ سے خارج ہو رہی ہے، پھر کفار اگر کچھ جواباً یا بغیر جواب ناشائستہ اور جاہلانہ اعمال کریں تو ان پر کس طرح گرفت کیجا سکتی ہے۔

ہم نہیں یا دوسرے متعصب اشخاص کے حامی نہیں ہیں، مگر انصاف اور معقولیت کو نظر انداز کیونکر کر سکتے ہیں، ہم کو کہا گیا ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُم وَلَا تَعْتَدُوا۔ — تم خدا کے راستہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی مت کرو۔

ہم کو کہا جاتا ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا۔ — تم کو کسی قوم کی عداوت اس جرم میں مبتلا نہ کرے کہ بے انصافی کرنے لگو۔

یہاں مسلمان خود ہی ابتدا کرتے ہیں اور خود ہی تعدی کرتے ہیں اور آپ جذبات میں آکر جامہ سے باہر ہو رہے ہیں۔

میرے محترم بھائی اگر آپ حقیقت بین آنکھ سے دیکھیں گے، تو آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، انگریز کی پرانی اسکیم کے مطابق ہو رہا ہے، جو کہ ۱۹۳۱ء میں ظاہر ہوگئی تھی، مسٹر پلوڈن جج صوبہ یوپی کے ایک خط کا پریس کے ہاتھ لگ جانے پر اس کا اعلان ہو گیا تھا، (دیکھئے پاکستان کیا ہے حصہ اول مرتبہ حسین احمد دفتر مرکزی جمعیۃ علماء ہند دہلی) انگریز ان اسلامی اکثریت کے صوبوں کو اپنی تجارتی منڈی اور ان کے بندر کراچی کلکتہ چاٹگام کو اپنا تجارتی ساحل اور وہاں کے باشندوں کو اپنا غلام رکھنا چاہتا ہے، ہندو اکثریت کے صوبوں سے مایوس ہو چکا ہے، ان کو اور ان کے سواحل وغیرہ کو چھوڑ کر مسلمانوں سے کام چاہتا ہے، اور اسی کے کھیل کھیل رہا ہے، بہر حال

اسی کا فتنہ ہے، اور ہندوستانی مسلمان، ہندو سکھ وغیرہ اس میں پھنس رہے ہیں ذرا سوچ سمجھ کر ٹھنڈے دل سے رائے قایم کیجئے، انگریزا اور خود غرضوں کے آلۂ کار نہ بنئے، اگر احرار نے کوئی فیصلہ کیا ہے تو وہ خود اس کے ذمہ دار ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ خان برادرز نے صوبہ سرحد کو آزادی کے قریب کیا ہے، ورنہ انگریزا اور ہندو ریفارم اسکیم کے بھی روادار نہ تھے، وٹھل بھائی پٹیل اور مفتی کفایت اللہ صاحب کی رپورٹ اور بادشاہ خان صاحب اور سرخپوشوں کی جد وجہد اور قربانیوں نے اثر ڈالا یہ لیگی خواتین اور امراء جو کہ آج پیش پیش ہیں، ہر زمانہ میں انگریز کے ساتھ دیتے رہے، اور قومی کارکن کو برباد کرتے رہے ہیں، یہ تو نہ دین کے ہیں اور نہ دنیا کے کانگریس کا نواکھالی کے مظلومین کے لئے کچھ دینا اور بہار کے مظلومین کے لئے کچھ نہ دینا اگر ثابت ہو جائے تو آپ کی ناواقفیت ہوگی کہ اس کو موردِ الزام قرار دیں بہار کی کانگریسی حکومت اس وقت سے مسلمان پناہ گزینوں پر غذاء اور کپڑوں اور دوسرے مصاریف جو کچھ خرچ کر چکی ہے اور آج ان کے بسانے میں جو کچھ خرچ کر رہی ہے وہ اس مقدار سے کئی گنا زیادہ ہے، جو کہ کانگریس نے نواکھالی وغیرہ کے مظلومین کو دیا ہے، بنگال کی حکومت نے مظلومین کو کیا دیا ہے، اس کی تحقیق فرمایئے پھر ان سب سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی اگر آپ کے ذکر کئے ہوئے الزامات صحیح اور واقعی بھی ہوں تو عرض یہ ہے کہ آیا ان کے ہوتے ہوئے وہ فریضہ جو کہ انگریز کے متعلق آپ پر عائد ہوتا ہے، ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں، اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ساقط ہو گیا فبہا ونعمت جو کچھ چاہیں فیصلہ کریں اور اگر ساقط نہیں ہوتا تو اپنی پوری جد وجہد انگریزی اقتدار کو مٹانے میں خرچ کیجئے، اس کے بعد پھر انصاف سے اپنے حقوق برادرانِ وطن سے منوایئے اور اس راستہ میں قربانیوں سے دریغ نہ کیجئے، ہم سب آپ کے ہم نوا اور ہمراہ ہیں اور ہوں گے، میں سمجھتا ہوں کہ میری اس پریشان تقریر سے آپ کو

ہیں نے انتہائی عدیم الفرصتی کی بنا پر کئی دن میں لکھا ہے، آپکے تمام شبہات کا جواب آگیا ہے، ایک بات اور عرض کرتا ہوں کہ کسی نظام کے افراد کی غلط کاریوں سے اس نظام کو باطل نہیں کہا جا سکتا، جب تک کہ نظام بدل نہ جائے، کانگریس آزادی حاصل کرنے اور غلامی ختم کرنے کے لئے ایک نظام ہے، اس کے افراد میں بعض گمراہ بھی ہیں، جب تک ایسے گمراہ لوگ اس نظام کو حسب النصاب رہنے سے بدل نہیں دیتے اس سے روگردانی صحیح نہ ہوگی، البتہ ان گمراہ افراد کے اعمال پر نکتہ چینی کرنی صحیح اور لازم ہوگی، جیسا کہ جمعیۃ کر رہی ہے' والسلام۔

آخیر میں آپ کو اس پر بھی متنبہ کر دینا چاہتا ہوں، کہ اخباروں میں جو چیزیں چھپ رہی ہیں وہ سب صحیح نہیں ہوتیں، بالخصوص لیگی اخباروں میں، لہٰذا ان پر اعتماد غلط ہے، بلغیر تنقید، اعتبار نہ کیا کیجئے۔

حسین احمد غفرلہٗ۔ ۲۳ر جمادی الاول ۶۶ھ

مکتوب نمبر ۳۵

مکتوب الیہ کا نام معلوم نہ ہوسکا

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا، میں نہایت عدیم الفرصت ہوں پھر اس پر طرہ یہ کہ بعض بیماریوں میں مبتلا ہوگیا ہوں، آج طبیعت کچھ سنبھلی ہوئی ہے، تو مختصراً کچھ عرض کرتا ہوں، مقصد پیش کرنے سے پہلے ایک ضروری تمہید پر آنجناب غور فرمالیں۔

۱- ہر نظامِ سلطنت وسیاست میں مختلف شعبوں کے لئے کوئی نہ کوئی یونیفارم مقرر ہے، پولیس کا یونیفارم اور ہے، فوج کا اور ہے، سوار کا اور ہے، پیادے کا اور ہے، بری فوج کا اور ہے، بحری فوج کا اور، ڈاکخانہ کا اور ہے، ریلوے کا اور، بھم

افسروں کا اور ہے ماتحتوں کا اور، اور پھر اس پر مزید سختی اور تاکید یہاں تک ہے کہ ڈیوٹی ادا کرتے وقت اگر یونیفارم میں کوئی ملازم نہیں پایا جاتا تو مستوجب سزا شمار کیا جاتا ہے خاص بادشاہی فوجیوں کا اور ہی یونیفارم ہے، ندما اور وزرا ر مقربین کا اور، یہ حال تو صرف ایک ہی سلطنت کا ہے کہ اس کے مختلف شعبوں میں علیحدہ علیحدہ یونیفارم رکھا جاتا ہے، جس طرح ڈیوٹی دینے والا بغیر یونیفارم مجرم قرار دیا جاتا ہے، اسی طرح اگر کسی دوسرے شعبہ کا یونیفارم پہنکر آجائے، اور افسروں کو اطلاع ہو جائے تو بھی اسیطرح یا اس سے زائد مجرم قرار دیا جاتا ہے، جس طرح بغیر یونیفارم آنے والا ملازم مجرم قرار دیا جاتا ہے، اور جس طرح یہ امر ایک نظامِ سلطنت وحکومت میں ضروری خیال کیا جاتا ہے اسی طرح اقوام وملل میں بھی ہمیشہ اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے، اگر آپ تفحص کریں گے تو انگلینڈ، فرانس، جرمنی، اٹلی، اسٹریا، امریکہ وغیرہ وغیرہ کو پائیں گے، وہ اپنے اپنے نشانات، جھنڈے، یونیفارم علیحدہ علیحدہ رکھتے ہیں، واقف کار شخص ہر ایک کو سپاہی کو دوسرے سے تمیز کر سکے گا، اور ایسے سے میدان جنگ اور ملکی وسیاسی مقامات میں امتیاز کیا جاتا ہے، ہر قوم اور ہر ملت اپنے اپنے یونیفارم اور نشان کو محفوظ رکھنا از حد ضروری سمجھتی ہے، بلکہ بسا اوقات اس میں خلل پڑنے سے سخت سے سخت وقائع پیش آجاتے ہیں کسی حکومت کے جھنڈے کو گرا دیجئے، کوئی توہین کر دیجئے، کہیں سے اکھاڑ دیجئے، دیکھئے کس طرح جنگ کی تیاری ہو جاتی ہے یہ یونیفارم اور نشان صرف لباس ہی میں نہیں ہوتا، بلکہ کبھی کبھی جسم میں بھی بعض بعض علامتیں رکھی جاتی ہیں، بعض تو بیں میں ہاتھ یا جسم میں کوئی گودنا گودا جاتا ہے، بعض میں کان یا ناک چھید کر حلقہ ڈالا جاتا ہے، بعض میں بال باقی رکھے جاتے ہیں، بعض میں سر پر چوٹی رکھی جاتی ہیں الغرض یہ طریقۂ امتیاز شعبہائے مختلفہ اور اقوامِ حکومت وملل کا ہمیشہ سے ہے، اور تمام اقوام میں اطرافِ عالم میں چلا آتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو کوئی محکمہ کوئی حکومت اور کوئی قوم دوسرے سے

ممیز نہ ہو سکے، ہم کو کس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوجی ہے یا ملکی ہے، پولیس ہے یا ڈاکیہ ریلوے کا ملازم ہے یا بحری جہازوں کا افسر یا ماتحت جرنیل ہے یا میجر اسیطرح ہم کس طرح جان سکتے ہیں کہ یہ شخص روسی ہے یا فرانسیسی، امریکن ہے یا اسٹرین وغیرہ وغیرہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں اس کا لحاظ ضروری سمجھا گیا ہے اور سمجھا جاتا ہے۔

ب۔ جو قوم اور جو ملک اپنے یونیفارم کی محافظ نہیں رہی وہ بہت جلد دوسری قوموں میں منجذب ہو گئی، حتی کہ اس کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔ اسی ہندوستان میں یونانی آئے، افغان آئے، آریہ آئے، تاتار آئے، ترک، مصری، اور سوڈانی آئے مگر مسلمانوں سے پہلے جو قومیں بھی آئیں، آج ان میں سے کوئی ملت اور قوم متمیز ہے؟ کیا کسی کی بھی ہستی علیحدہ بتائی جا سکتی ہے، سب کے سب ہندو قوم میں منجذب ہو گئے، وجہ صرف یہی تھی کہ انہوں نے اکثریت کے یونیفارم کو اختیار کرلیا تھا، دھوتی چوٹی، ساڑی رسم ورواج وغیرہ میں ان ہی کے تابع ہو گئے اس لئے ان کی ہستی مٹ گئی، باوجود اختلافِ عقائد سب کو ہندو قوم کہا جاتا ہے، اور کسی کی قومی ہستی جس سے اس کی امتیازی شان ہو نہیں باقی رہی، ہاں جن قوموں نے امتیازی یونیفارم رکھا وہ آج اپنی قومیت اور ملیت کا تحفظ اور امتیاز رکھتے ہیں، پرشین قوم ہندوستان میں آئی، ہندو قوم اور راجاؤں نے ان کو ہضم کرنا چاہا، عورتوں کا یونیفارم بدلوا دیا معیشت اور زبان بدلوا دی، مگر مردوں کی ٹوپی نہ بدلی گئی، بالآخر آج وہ زندہ قوم اور موجودہ ممتاز ملت ہے سکھوں نے اپنی امتیازی وردی قایم کی، سر اور ڈاڑھی کے بال کو محفوظ رکھا، آج ان کی قوم امتیازی حیثیت رکھتی ہے، اور زندہ قوم شمار کی جاتی ہے، انگریز سولھویں صدی کے آخر میں آیا، تقریباً ڈھائی سو برس گذر گئے ہیں، نہایت سرد ملک کا رہنے والا ہے مگر اس نے اپنا یونیفارم کوٹ پتلون، ہیٹ بوٹ نکٹائی اس گرم ملک میں بھی نہ چھوڑا، یہی وجہ ہے کہ اس کو پینتیس کروڑ قوم والا

اپنے میں ہضم نہ کرسکا۔ اس کی قوم و ملت علیحدہ ملت ہے، اس کی ہستی دنیا میں قابلِ تسلیم ہے۔ مسلمان اس ملک میں آئے اور تقریباً ایک ہزار برس سے زائد ہوتا ہے جب سے آئے ہیں اگر وہ اپنی خصوصی یونیفارم کو محفوظ نہ رکھتے تو آج اسی طرح ہندو قوم میں نظر آتے، جیسے کہ مسلمانوں سے پہلی قومیں ہضم ہوکر اپنا نام و نشان مٹا گئیں، آج تاریخی صفحات کے سوا ان کا نشان کرۂ زمین پر نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اپنا یونیفارم محفوظ رکھا ہو بلکہ یہ بھی کیا کہ اکثریت کے یونیفارم کو مٹا کر اپنا یونیفارم پہنانا چاہا، چند ہزار تھے اور چند کروڑ بن گئے، صرف یہی نہیں کیا کہ پاجامہ، کرتا، عبا، قبا، عمامہ، دستار محفوظ رکھا، بلکہ مذہب، اسماء الرجال، تہذیب و کلچر رسم و رواج، زبان و عمارت وغیرہ جملہ اشیاء کو محفوظ رکھا، اس لئے انکی مستقل ہستی ہندوستان میں قائم رہی، اور جب تک اسکی مراعات ہوتی رہیگی رہیں گے۔

ج۔ ہر قوم نے جب بھی ترقی کی ہے تو اسکی کوشش کی ہے کہ اس کا یونیفارم اس کا کلچر، اس کا مذہب اس کی زبان دوسروں پر غالب اور دوسرے ممالک و اقوام میں پھیل جائے، آریہ قوم کی تاریخ پڑھو، فارسیوں کے کارنامے دیکھو... کلدانیوں اور عبرانیوں کی تاریخ کا مطالعہ کرو، یہودیوں اور عیسائیوں کے انقلابات کو غور سے دیکھو، دور کیوں جاتے ہو، عربوں اور مسلمانوں کے اولوالعزم اعمال آپ کے سامنے موجود ہیں، زبان عربی صرف ملک عرب کی زبان تھی، عراق، سیریہ فلسطین، مصر، سوڈان، الجیریا، ٹیونس، مراکش، فاس صحرائے لیبیا وغیرہ میں... کوئی شخص نہ عربی زبان سے آشنا تھا، نہ مذہب اسلام سے نہ اسلامی رسم و رواج سے، مگر عربوں نے ان ملکوں میں اس طرح اپنی زبان، اپنا کلچر، اپنی تہذیب جاری کردی، کہ وہاں کے غیر مسلم اقوام آج بھی اسلامی یونیفارم اسی کلچر، اسی تہذیب اور اسی زبان کو اپنی چیزیں سمجھتے ہیں، اسرائیلی قومیں، کلدانی نسلیں، عبرانی خاندان۔

ترکی برادریاں، بربری ذاتیں وغیرہ وغیرہ ان دیار میں سب کے سب عربوں منہضم ہو گئی ہیں، اگر کسی کو اپنی ذات اور خاندان کا علم بھی ہے تو وہ بھی مثل خواب وخیال ہے سب کے سب اپنے کو عرب ہی سمجھتے ہیں، اور عربیت ہی کے دعویدار ہیں۔ انگلستان کو دیکھئے، یہ اپنے جزیرہ سے نکلتا ہے، کنیڈا، آسٹریلیا، امریکہ، نیوزی لینڈ، ... کیپ کالونی، ساؤتھ افریقہ وغیرہ وغیرہ میں پوری جدوجہد کر کے اپنی زبان، اپنا کلچر، اپنی تہذیب، اپنا مذہب، اپنا لباس وغیرہ پھیلا دیتا ہے، جو لوگ اسکے مذہب میں داخل بھی نہیں ہوتے، وہ بھی اس کی تہذیب اور فیشن وغیرہ میں منجذب ہو جاتے ہیں، اور یہی حال ہندوستان میں روزافزوں ترقی پذیر ہے، ہندو قوم اسی سیلاب کو دیکھ کر اپنی زندہ مردہ زبان، سنسکرت جس کو تاریخ کبھی کسی طرح عام زبان ہندوستان، یا کم از کم آریہ نسل کی نہیں بتا سکتی، آج اس کی اشاعت کی پر زور کوشش کر رہی ہے، اس کا لکچرار کھڑا ہوتا ہے، اور فیصدی پچاس یا اس سے زائد الفاظ سنسکرت کے ٹھونس کر اپنی تقریر کو غیر قابلِ فہم بنا دیتا ہے، خود اس کی قوم ان الفاظ کو نہیں سمجھ سکتی اور بالخصوص اس کا مذہبی واعظ تو بالکل اسی یا نوے فی فیصدی الفاظ سنسکرت یا بھاشا کے بولتا ہے، مگر یہ چیز اس کی قوم اس کو بنظر استحسان ہی دیکھتی ہے، بڑے بڑے گروکل اور ودیا پیٹھ اس زبان مردہ کو زندہ کرنے کے لئے جاری کئے جا رہے ہیں، حالانکہ روئے زمین پر کوئی قوم یا ملک اس زبان کا بولنے والا موجود نہیں ہے، اور غالباً پہلے کسی زمانہ میں بھی یہ زبان عام پبلک کی زبان نہ تھی، وہ انتہائی کوشش کر رہا ہے کہ دھوتی باندھنا چھوڑے، اس کا ایم ایل سی، ایم ایل اے اسمبلی کے پریسیڈنٹ، کونسل کا پریسیڈنٹ، اس کی قوم کا جج، ڈپٹی کلکٹر وغیرہ وغیرہ دھوتی باندھکر سر کھول کر قمیص پہنکر برسراجلاس آتا ہے، حالانکہ دھوتی میں پائجامہ سے بدرجہا زائد کپڑا خرچ ہوتا ہے، پردہ بھی پورا نہیں ہوتا، سردی اور گرمی سے بھی پوری حفاظت نہیں

ہوتی، باوجود ان سب امور کے پائجامہ پہننا اختیار نہیں کرتا، چوٹی سر پر رکھنا، جنیو کا ضروری سمجھتا ہے، یہ کیا چیزیں ہیں؟ کیا یہ قومی شعار قومی یونیفارم نہیں ہے، تو کیا ہے، کیا اسی وجہ سے وہ اپنی ہستی کی حفاظت کی صورت نہیں نکال رہا ہے، گرونانک اور اس کے اتباع کرنے والوں نے چاہا کہ اپنے تابعداروں کی مستقل ہستی قائم کریں تو بال اور سر کا نہ منڈانا، ڈاڑھی کا نہ کترانا یا نہ منڈانا، لوہے کے کڑے کا پہننا، کرپان کا رکھنا قومی یونیفارم بنا دیا، آج اس اشعار پر سکھ قوم مری جاتی ہے، اس گرم ملک میں طرح طرح کی تکلیف سہتی ہے۔ مگر بالوں کا منڈوانا یا کتروانا قبول نہیں کرتی، اگر وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے، دنیا سے اس کی امتیازی ہستی اور قومی موجودیت فنا کے گھاٹ اتر جاوے گی، مذکورہ بالا معروضات سے بخوبی واضح ہے کہ کسی قوم اور مذہب کا دنیا میں مستقل وجود جب ہی قائم ہو سکتا ہے اور باقی بھی جب ہی رہ سکتا ہے جب کہ وہ اپنے لئے خصوصیات وضع قطع میں تہذیب کلچر میں، بود و باش میں، زبان اور عمل میں قائم کرے اس لئے ضروری تھا کہ مذہب اسلام جو کہ اپنے عقائد، اخلاق۔ اعمال وغیرہ کی حیثیت سے تمام مذاہب دنیا و یہ اور تمام اقوام عالم سے بالاتر تھا اور ہے، خصوصیات اور یونیفارم قائم کرے اور ان کے تحفظ کو قومی اور مذہبی تحفظ سمجھتا ہوا ان کے لئے جان اڑا دے اس کی وہ خصوصیات اور یونیفارم خدا وندی تابعداروں اور الٰہی بندوں کی یونیفارم ہوں، جن سے وہ اللہ کے سرکشوں اور دشمنوں سے متمیز ہوں اور علیحدہ ہو جائے، ان کی بنا پر باغیان اور بندگان بارگاہ الوہیت میں تمیز ہوا کرے، چنانچہ یہی راز "من تشبہ بقوم فھو منھم" کا ہے، جس پر بسا اوقات نوجوانوں کو بہت غصہ آتا ہے، اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تابعداروں کے لئے خاص خاص یونیفارم تجویز فرمایا ہے، کہیں فرمایا جاتا ہے" ہم میں اور مشرکین میں فرق ٹوپیوں پر عمامہ باندھنے سے ہوتا ہے" فرق مابیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس[1]

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳) [1] ہمارے اور مشرکین کے درمیان عمامے کے ساتھ ٹوپی استعمال کرکے فرق کر دیا گیا۔

اوکما قال ۔ اسی بنا پر مخالفت اہل کتاب سے مانگ نکالنے میں اختیار کی گئی، اسی بنا پر ازار اور پائجامہ میں ٹخنے کھولنے کا حکم کیا گیا تاکہ اہل تکبر سے تمیز ہو جائے ۔

اسی طرح بہت سے احکام اسلام میں پائے جاتے ہیں، جن کے بیان میں بہت طول ہے، اور جن میں یہودیوں سے نصاریٰ سے، مجوسیوں سے، مشرکوں سے امتیاز علیحدگی کا حکم کیا گیا ہے، اور ان کو ذریعہ امتیاز بنایا گیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مردوں کو عورتوں سے بھی علیحدہ علیحدہ یونیفارم میں دیکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے، عورتوں کے یونیفارم میں رہنے والے مرد، اور مردوں کے یونیفارم میں رہنے والی عورت کو لعنت کی گئی ہے، انہی امور میں عربی میں خطبہ رائج کرنا بھی ہے، انہی امور میں سے مونچھ کا منڈوانا اور کتروانا اور ڈاڑھی کو بڑھانا بھی ہے، خالفوا[۵۱] المشرکین وفروا اللحی احفوا الشوارب (مسلم ۔ بخاری) جزوا[۵۲] الشوارب ارخوا اللحی وخالفوا المجوس (مسلم جلد ا ص ۱۲۷) من لم[۵۳] یاخذ من شاربہ فلیس منا (احمد ۔ ترمذی ۔ نسائی)۔ ان روایات کے مثل اور بہت سی روایتیں کتب حدیث کے اندر موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مشرکین اور مجوسی ڈاڑھی منڈاتے تھے، اور مونچھیں بڑھاتے تھے، جیسا کہ آج عیسائی اور ہندو قوم کر رہی ہے اور یہ امران کے مخصوص یونیفارم میں سے تھا، بنا بریں ضروری تھا کہ مسلمانوں کو دوسرے یونیفارم کے خلاف حکم کیا جاوے، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لوگوں کا ڈاڑھی منڈانے کے متعلق یہ کہنا کہ یہ عمل اس زمانہ میں عرب کے رواج کی وجہ سے ہے، چونکہ ان میں جاری تھا کہ ڈاڑھیاں بڑھاتے تھے اور مونچھیں کتاتے تھے، غلط ہے، بلکہ اس زمانہ میں بھی...

(بقیہ مکتوب نمبر ۳۵) [۵۱] مشرکین کے خلاف کرو، یعنی ڈاڑھی کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو باریک کترواؤ۔ [۵۲] مونچھوں کو کترواؤ اور ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ، اور مجوس کے خلاف کرو۔ [۵۳] جو شخص لبوں کے بال نہ کٹائے وہ ہم میں سے نہیں ہے ۔

مخالفین اسلام کا یہ شعار تھا، جس طرح اس قسم کی روایات مذکورہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ یہ یونیفارم مشرکین اور مجوس کا تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ مسلمانوں کو انکے خلاف یونیفارم دیا جائے، تاکہ تمیز کامل ہو، اسی طرح حدیث عشرۃ[1] من الفطرۃ قص الشارب واعفا اللحیۃ والاستیاک الخ ابوداؤد وغیرہ بتلا رہی ہے کہ بارگاہِ خداوندی کے خاص خاص مقربین اور ندیموں وانبیاء اور مرسلین علیہم السلام کے یونیفارم میں سے مونچھوں کا کتروانا داڑھی کا نہ منڈانا ہے، کیونکہ فطرت انہیں امور کو اس جگہ میں کہا گیا ہے، جو کہ انبیاء علیہم السلام کے شعار میں سے تھے، جیسا کہ بعض روایتوں میں لفظ فطرۃ کے "من سنن المرسلین" یا اس کے ہم معنی موجود ہے، خلاصہ یہ نکلا کہ یہ ایک خاص یونیفارم اور شعار ہے، جو کہ مقربان بارگاہ الوہیت کا ہمیشہ سے یونیفارم رہا ہے، اور پھر دوسری قومیں اس کے خلاف کو اپنا یونیفارم بنائے ہوئے بھی ہیں جو کہ اللہ کے قانون کو توڑنے والی اور اس سے بغاوت کرنے والی ہیں، اس لئے دو وجہ سے اس یونیفارم کو اختیار کرنا ضروری ہوا۔

علاوہ ازیں ایک محمدی کو حسبِ اقتضائے فطرت اور عقل لازم ہونا چاہیئے، کہ وہ اپنے آقا کا سارنگ ڈھنگ، چال چلن، صورت، سیرت، فیشن، کلچر وغیرہ بنائے اور اپنے محبوب آقا کے دشمنوں کے فیشن اور کلچر سے پرہیز کرے، ہمیشہ عقل اور فطرت کا تقاضہ یہی رہا ہے، اور یہی ہر قوم اور ملک میں پایا جاتا ہے، آج یورپ سے بڑھ کر روئے زمین پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا دشمن کون ہے واقعات کو دیکھیئے، اس بنا پر بھی جو ان کے خصوصی شعار اور فیشن ہیں، ہم کو اس سے انتہائی

---

[1] دس چیزیں فطرت کی ہیں، ان میں سے لبوں کا کتروانا اور داڑھی کا چھوڑ دینا اور مسواک کرنا۔

امام العصر کے ہر مکاتیب کی شان جداگانہ ہے، یہ مکتوب گرامی جو امتیاز مسلم پر آپ اپنی نظیر ہے

متنفر ہونا چاہیئے، خواہ وہ کرزن فیشن ہو یا گلیڈ سٹون فیشن خواہ وہ فرنچ فیشن ہو یا امریکن، خواہ ڈیل سے تعلق رکھتا ہو یا بدن سے خواہ وہ زبان سے یا تہذیب و عادات سے، ہر جگہ اور ہر ملک میں یہی امر طبعی اور فطری شمار کیا گیا ہے، کہ دوست کی سب چیزیں پیاری معلوم ہوتی ہیں، اور دشمن کی سب چیزیں مبغوض اور اوپری، بالخصوص جو چیزیں دشمن کی خصوصی شعار ہو جائیں اس لئے ہماری جدوجہد اس میں ہونی چاہیئے کہ ہم غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے فدائی بنیں نہ کہ غلامانِ کرزن و ہارڈنگ و فرانس و امریکہ وغیرہ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سعادات کا ایک بے پایاں سمندر ہے، اس آئینۂ محمدی میں اپنی تصویر کو اچھی طرح دیکھا جا سکتا ہے، جس دقت نظری کے ساتھ تمدن و ملت کی مصوری کی گئی ہے، وہ محتاج بیان نہیں ہندوستان کی تاریخ پر نظر کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں یونانی آئے، پارتھین آئے، ہن آئے اور متعدد قومیں آئیں لیکن آج ذرا چراغ لے کر ڈھونڈا جائے تو ان کا کہیں سراغ نہیں ملے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ باہر تو واپس نہیں گئیں، بلکہ تاریخ یہ جواب دیتی ہے کہ انہوں نے خود فراموشی کا جرم کیا تھا، اس لئے فنا ہو گئیں، اور ہندوستان میں جذب ہو گئیں، آج اگر مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن انگریزوں کا سایہ ہندوستان سے اٹھ کر پاکستان میں پہنچ چکا ہے، تو اسی کے ساتھ انڈین یونین میں اس کے انڈے بچے اسکی تہذیب، اس کا تمدن اور اس کی پیدا کردہ فضا اور فرقہ واریت موجود ہے اور اسی کے ساتھ اور کچھ ایسے اسباب حائل ہیں کہ مسلمانوں کی نہ صرف تہذیب و تمدن خطرے میں ہے بلکہ ان کا وجود اپنے ہاتھوں موت سے قریب ہوتا جا رہا ہے، اس کے حل کی جانب امام العصر کے اس مکتوب سامی نے آج سے بہت پہلے جو مجرب نسخہ تجویز فرمائی تھی وہی نسخہ آج بھی اگر اختیار کیا گیا تو ساری بگڑی بن سکتی ہے۔ یعنی آقائے نامدار احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سا رنگ ڈھنگ، چال چلن، سیرت، فیشن، کلچر وغیرہ بنائے" اور اپنے آقا کے دشمنوں کے فیشن

باقی رہا امتحان مقابلہ یا ملازمتیں یا آفس کے ملازمین کے طعنے وغیرہ تو یہ نہایت کمزور امر ہے، سکھ امتحان مقابلہ بھی دیتے ہیں، چھوٹے بڑے عہدوں پر بھی مقرر ہیں، اپنی وردی پر مضبوطی سے قایم ہیں، کوئی ان کو ٹیڑھی اور بینگی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا باوجود اپنے قلیل التعداد ہونے کے سب سے زیادہ ملازمتیں اور عہدے لئے ہوئے غرّار ہے ہیں، اسی طرح ہندوؤں میں بھی بکثرت ایسے افراد اور خاندان پائے جاتے ہیں، پٹیں کی ڈاڑھی کو دیکھئے برہمو سماج وغیرہ کے بہت سے بنگالیوں اور گجراتیوں کا معائنہ کیجئے، یہ سب باتیں ہماری کمزوری کی ہیں۔

(مکاتیب شیخ الاسلام) والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

مکتوب نمبر ۳۶

بنام مولانا عبدالکریم صاحب مدرسہ اسلامیہ راجہ گنج پورانا فینگ ضلع سلہٹ (مشرقی پاکستان)

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کلچر سے کلیتہً پرہیز کریں، ہو سکتا ہو کہ ہم اس آنے والے سیلاب کا مقابلہ پوری طرح نہ کر سکیں لیکن جب اسکا مقابلہ کرتے کرتے ہمارے ہاتھ شل ہو جائیں گے، ہمارے بازوؤں میں قوت نہ رہیگی، جب ہمیں موجوں کے تھپیڑے بالکل نیم مردہ کر کے ساحل کی ریت پر پھینک دینگے تو اس آخری وقت میں کم از کم اتنا اطمینان تو ضرور ہوگا کہ بزدلی کی زندگی جینے سے یہ مردانگی کی موت ہزار درجہ بہتر ہے، خوف اور بزدلی کی زندگی کفر اور نفاق کے مرادف ہے، اور احساس کمتری اسکا زبردست ثبوت ہے، ہماری پرزور اپیل ہے کہ اس مکتوب عالی کو بار بار ملاحظہ فرمایا جائے۔ (اصلاحی)

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۶) فی زمانہ خلق خدا میں ایک شور و غوغا بپا ہو گیا ہے، کہ حضرت والا معاذ اللہ اہل بدعت سے مل گئے ہیں۔ نقل کفر کفر نہ باشد۔

والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا، مضامین مندرجہ سے تعجب نہیں ہوا، کیونکہ آج عام مسلمان غلط پروپیگنڈے کے یا تو خود شکار ہیں یا دوسروں کو شکار کرنے کے لئے دام تزویر پھیلانے میں دن رات لگے ہوئے ہیں۔

محترما! اس شور و غوغا سے آپ اس قدر متاثر کیوں ہوتے ہیں، مسلمان تو ہندوؤں سے اس وقت سے ملے ہوئے ہیں جب کہ ہندوستان میں آکر آباد ہوئے اور میں تو اس وقت سے ملا ہوا ہوں، جب سے کہ پیدا ہوا ہوں، کیونکہ میری ولادت ہندوستان ہی میں ہوئی، اور یہاں ہی پرورش پائی، جب ایک ملک یا ایک شہر اور ایک آبادی میں رہیں گے، تو ضرور ایک دوسرے کو دیکھے گا، ساتھ رہیگا، ساتھ چلے گا معاملات لین دین اور ہر قسم کے خرید و فروخت اجارہ وکالت، عاریت، تعلیم تعلم وغیرہ وغیرہ میں ایک دوسرے سے باتیں کرے گا، ہاتھ ملائے گا، لہٰذا میں اور تمام مسلمان جبتک ہندوستان میں ہیں ہندوؤں سے ملے ہوئے ہیں، بازاروں میں ملے ہوئے ہیں، مکان میں ملے ہوئے ہیں، ریلوں میں، ٹراموں میں، لاریوں میں، اسٹیمروں میں، اسٹیشنوں میں، کالجوں میں ڈاک خانوں میں، تھانوں میں اور پولیس کے اداروں میں، کچہریوں میں، کونسلوں میں، اسمبلیوں میں ہوٹلوں میں، وغیرہ وغیرہ یہی تبلائیے ملنا کہاں اور کب نہیں ہے، آپ زمیندار ہیں آپ کے کاشتکار کیا ہندو نہیں ہیں آپ تاجر ہیں، کیا آپ کے خریدار اور معاملہ والے جن سے آپ کو خریدنا ہوتا ہے ہندو نہیں ہوتے، آپ وکیل ہیں، کیا آپ کے موکل یا آپ کے وہ حکام جن سے مقدمہ کے معاملات میں تعلق ہے، ہندو نہیں ہوتے، کیا ان سے ملنا نہیں پڑتا، آپ میونسپل بورڈ ڈسٹرکٹ بورڈ۔ لوکل بورڈ، کونسل اسمبلی وغیرہ کے ممبر ہیں، کیا ہندو ممبران اور سکریٹری اور پریسیڈنٹ سے ملنا، بحث کرنا، انسانی تہذیب اور آداب کو بجالانا نہیں پڑتا ہے پھر تبلائیے اور غور کیجئے کہ کون اس سے بچا ہے، ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کو

گردن زدنی قرار دیدیجئے، میں ابتدائی عمر میں ڈل اسکول میں پڑھتا تھا، تو ہندو طلباً بھی ساتھ تھے، چنانچہ کئی سال تک متعدد کلاسوں میں ساتھ رہا، اور بعض بعض کلاسوں کے مدرس بھی ہندو تھے، ان سے پڑھنا ہوا، اور اگر آپ یہ کہیں کہ ملنے سے مراد تابعداری ہے تو حضور جب تک آپ کسی محکمہ میں ہوں اور آپ کا افسر ہندو ہو تو اس کی تابعداری روزانہ بلکہ ہر گھنٹہ میں کیا آپ کو کرنی نہیں پڑتی ہے، جس صیغہ میں بھی غیر مسلم کی گنجائش ہوگی اوس میں بسا اوقات ہندو افسر ہوگا اور اس کے ماتحت مسلمان ہونگے، اس سے نجات کب ہوسکتی ہے اور اگر آپ فرمائیں کہ اس سے یہ مراد ہے کہ ہندو مسلمانوں کی جنگ ہورہی تھی، تو اس زمانہ جنگ میں مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے ہندوؤں سے مل گیا ہے، کیونکہ یہ لفظ عرف میں ایسے مقام پر بولا جاتا ہے تو حضور یہاں کیسے اور کون سی جنگ ہورہی تھی اور میں کب مسلمانوں کو شکست دینے اور دشمنوں سے ان کو پامال کرانے کے لئے میدان میں اتر گیا ہوں یہ محض خیالی اور وہمی امور ہیں، العیاذ باللہ ایسے جھوٹ اور افترا کو آپ بلا سوچے سمجھے کس طرح قبول فرمارہے ہیں، اور اگر یہ مراد ہے کہ میں کانگریس کا ممبر ہوگیا ہوں تو میں کانگریس کا اس وقت سے ممبر ہوں، جب سے کہ مالٹا سے ہندوستان آیا اس سے پہلے میں انقلابی تشدد آمیز خیالات کے ساتھ انگریزی موجودہ اقتدار کا مخالف تھا اور اسی بنا پر مالٹا کی چار برس کی قید ہوئی تھی اور واپسی مالٹا کے بعد عدم تشدد کے ساتھ انگریزی اقتدار کا مخالف اور ہندوستان کی آزادی کا حامی ہوگیا ہوں ۱۹۲۰ء عیسوی سے برابر سالانہ فیس ممبری اس میں اور جمعیۃ علماء میں ادا کرتا ہوں، خلافت کا بھی اسی وقت سے ممبر ہوں، مگر خلافت فنا ہوگئی، اس لئے اب اس میں کوئی حصہ نہیں رکھتا، اور میں ہر اس انقلابی جماعت میں شریک ہونے کو تیار ہوں، جو انگریزی اقتدار کو ہندوستان سے ختم کرنے یا کم کرنے کی سچائی سے کوشاں ہو، اور اپنی

پالیسی عدم تشدد کی رکھتی ہو غرضکہ میں ۲۵ برس سے کانگریس کا ممبر ہوں جلسوں میں شریک ہوتا ہوں، تقریریں کرتا ہوں، فیس ممبری ادا کرتا ہوں، عہدوں کو قبول کرتا ہوں جیل میں جاتا ہوں، اور اسی طرح سے اس وقت سے جمعیۃ العلماء کا بھی ممبر ہوں، ہاں کسی مذہبی فرقہ داری غیر مسلم (ہندو سکھ، پارسی، عیسائی، پہلوی) جماعت کا نہ ممبر ہوں نہ انکے جلسہ وغیرہ میں شریک ہوتا ہوں، یہ واقعی حیثیت ہے۔ وَاللّٰہُ عَلیٰ مَا نَقُولُ وَکِیل۔

الجوابؔ :- اس مقام پر اس شخص کا مقابلہ مختصراً پیش کر دینا کافی سمجھتا ہوں جو کہ نہ صرف لیگ میں شریک تھا، بلکہ بمنزلہ روحِ رواں لیڈری کرتا تھا اور آج کل کی کشمکش سے وہ بالکل علیحدہ ہے، یعنی مولانا شبلی مرحوم، جن کی زمانۂ جنگ عظیم اول ہی میں وفات ہو گئی ہے، وہ لکھتے ہیں۔

"ہم کو خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیئے، ہم کو اپنا راستہ آپ متعین کرنا چاہیئے ہماری ضروریات ہندوؤں کے ساتھ مشترک بھی ہیں اور جداگانہ بھی، اسلئے ہم کو ایک جدا پولیٹیکل اسٹیج کی ضرورت ہے، اس موقع پر پہونچکر ہمارے سامنے ایک چیز نمودار ہوتی ہے، وہ مسلم لیگ ہے، یہ عجیب الخلقت کیا چیز ہے! کیا یہ پالٹیکس ہے؟ خدانخواستہ نہیں، انٹی کانگریس ہے؟ نہیں کیا ہاؤس آف لارڈ ہے؟ ہاں سوانگ تو اسی قسم کا ہے، (حیات شبلی ص ۶۱۷)

دوسری جگہ مولانا مرحوم فرماتے ہیں،

"لیگ کا سنگ اولین شملہ کا ڈیپوٹیشن ہے، مقصد سراپا یہ تھا اور یہ ظاہر بھی کیا گیا تھا کہ ملکی حقوق ہندوؤں نے اپنی اسی سالہ جدوجہد سے حاصل کئے ہیں، اس میں مسلمانوں کا حصہ متعین کر دیا جائے۔ (حیات شبلی ص ۶۱۸)

ایک جگہ مولانا مرحوم فرماتے ہیں،

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۶) سوالؔ: مسلم لیگ کی تعریف حضور سمجھائیں،

"سب سے اخیر بحث یہ ہے، کہ مسلم لیگ کا نظام ترکیبی کیا ہے، اور کیا وہ قیامت تک درست ہو سکتا ہے، پہلا سوال یہ ہے کہ کیا مسلم لیگ اس خصوصیت کو چھوڑ دے گی کہ اسکو سب سے پہلے دولت وجاہ کی تلاش ہے، اور اس کو اپنے صدر انجمن کے لئے نیابت صدر کے لئے، سکریٹری شپ کے لئے، ارکان کے لئے، اضلاع کے عہدداروں کے لئے، وہ چہرے مطلوب ہیں جن پر طلائی رنگ ہو، لیکن پولیٹیکل بساط میں ان چہروں کی کیا قدر ہے، کیا ایک معزز رئیس ایک بڑا زمیندار، ایک حاکم ایک زر دولت مند اپنی فرضی آبرو کو نقصان پہونچانا گوارا کر سکتا ہے، ہندوؤں کے پاس زمینداری، دولت، خطاب کی کمی نہیں، لیکن کیا انہوں نے تیس برس کی وسیع مدت میں کسی بڑے زمیندار یا تعلقہ دار کو پریسڈنٹی کا صدر نشین کیا؟ کیا ان کے پریسڈنٹوں میں کسی کا سر خطاب کے تاج سے آراستہ ہے۔ (حیات شبلی ص ۶۱۹)

ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"اس بنا پر پالٹیکس کی بحث میں سب سے بڑا اور مقدم کام یہ ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ مسلم لیگ نہ آج بلکہ ہزاروں برس کے بعد بھی پالٹیکس نہیں بن سکتی، مسلم لیگ کیونکر قائم ہوئی؟ کب قائم ہوئی، اور کس نے قائم کیا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ وحی (بقول سرسید مرحوم) خود دل سے اٹھی تھی یا کوئی فرشتہ اوپر سے لایا تھا،

(حیات شبلی ص ۶۱۸)

ان مختلف اقتباسات سے جو کہ مولانا شبلی مرحوم کے ان مضامین سے جن کو انہوں نے اخبار مسلم گزٹ ۱۹۱۲ء میں شایع فرمائے تھے، اور ان مضامین کے چیدہ چیدہ کلمات (حیات شبلی) میں مندرج ہیں، پوری حقیقت اجمالی طور پر سمجھ میں آگئی ہوگی، اور اگر آپ کو اس کی زیادہ واضح تفصیل کی ضرورت ہے تو روشن مستقبل ص ۲۱۳ سے سلسلہ مضامین کا مطالعہ فرمالیں، نیز نواب وقار الملک مرحوم اولین سکریٹری مسلم لیگ کے خطبہ مارچ ۱۹۰۷ء سے

معلوم کیجئے، نواب وقار الملک صاحب فرماتے ہیں۔

" ہماری تعداد بہ مقابلہ دوسری قوموں کے ہندوستان میں ایک خمس ہے، اب اگر کسی وقت ہندوستان میں خدانخواستہ انگریزی حکومت نہ رہے تو ہمیں ہنود کا محکوم ہوکر رہنا پڑے گا، اور ہماری جان، ہمارا مال، ہماری آبرو، ہمارا مذہب سب خطرہ میں ہوگا، اور اگر کوئی تدبیر ان خطروں سے محفوظ رہنے کی ہندوستان کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، تو وہ یہی ہے کہ انگریزی حکومت ہندوستان میں قائم رہے ہمارے حقوق کی حفاظت تب ہی ہوسکتی ہے، جبکہ ہم گورنمنٹ کی حفاظت پر کمربستہ رہیں، ہمارا وجود اور گورنمنٹ کا وجود لازم و ملزوم ہیں، انگریزوں کے بغیر ہم اس آسودگی کے ساتھ نہیں رہ سکتے، اگر مسلمان دل سے انگریزوں کیساتھ ہیں تو انھیں ہندوستان سے کوئی نہیں نکال سکتا، ان کو اس عمدہ خیال کی تلقین کیجائیگی کہ وہ اپنے تئیں مثل ایک فوج کے تصور کریں، اور تاج برطانیہ کی حمایت میں اپنی جانیں قربان کریں اور اپنا خون بہانے کے لئے تیار رہیں، اور گورنمنٹ سے اپنے حقوق نہایت ادب اور متانت سے طلب کریں، نہ کہ اس طریقہ سے جس پر ہمارے ابنائے وطن کا عمل ہے، اور اس سے میری مراد ایجی ٹیشن کا طریقہ ہے پس ہمارے دل میں ہر وقت یہی ایک خیال موجزن رہتا ہے کہ اس سلطنت کی حمایت کرنا تمہارا قومی فرض ہے، تم اپنے تئیں انگریزی فوج کے سولجر خیال کرو، تم تصور کرو کہ انگریزی پرچم تمہارے سر پر لہرا رہا ہے، تم یقین کرو کہ تمہاری یہ دوڑ دھوپ کہ تم ایک دن فوج برطانیہ پر (اگر اس کی ضرورت ہو) اپنی جانیں نثار کرو، اور انگریزی سپاہیوں کے ساتھ ملکر اس سلطنت کے مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ کاندھا لڑو، اگر یہ خیال تم نے ذہن نشین رکھا تو مجھ کو امید ہے کہ تم اپنی قوم کے لئے باعثِ فخر ہو گے، اور آیندہ نسلیں تمہاری شکرگذار ہوں گی، اور تمہارا نام

ہندوستان کی انگریزی حکومت کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔

(روشن مستقبل ص ۳۳۰ ماخوذ از وقار الملک کی اسپیچ مسلمانان ہند کے پالٹیکس پر ۲۳ مارچ ۱۹۰۷ء کو مدرسۃ العلوم علی گڈھ میں طالب علم کے روبرو کیگئی۔

محترم المقام! مذکورہ بالا اقتباسات صحیحہ سے لیگ کے اصلی معنی آپ کی سمجھ میں آگئے ہوں گے، بقول مولانا شبلی مرحوم وہی روح لیگ میں آج بھی کام کر رہی ہے جو ابتدا میں تھی، یعنی برطانیہ کی امداد کرنا ان کو اپنے لئے مدار زندگی سمجھنا اور اپنے جان، مال عزت کی انگریزی راج کی ہندوستان میں بقا کے لئے قربانی کرتا اور اسی کی تلقین مسلمانوں میں کرنا اور ہندوؤں کو عظیم الشان دشمن اور ان کی حکومت کو انتہائی مضر و مہلک سمجھنا اور ان سے ہر وقت ڈرانا، اور کانگریس سے جو کہ ملکی اور سیاسی جماعت ہو ہر طرح باز رکھنا وغیرہ، آپ آج بھی "قائد اعظم" کے خطبات اور لیگ کے کارکنوں کے خطبات لیگی پریس کے مضامین "ڈان" اور "منشور" کے روزانہ آرٹیکلوں کو ملاحظہ کریں اوراسی روح اور حقیقت کا مشاہدہ کریں، زمیندار ۲۵ رمارچ ۱۹۴۱ء ص ۸ کالم ۱ کو دیکھئے فرماتے ہیں۔

"ہم اعلان کرتے ہیں کہ مسلمانان ہند اسلامی قومیت کا ہی حصہ نہیں ہم بانگ دہل کہتے ہیں کہ ہم اسی ملت عظیم کا ایک جز ہیں، جو بحر اوقیانوس سے بحرالکاہل تک پھیلی ہوئی ہے، ترکی بھی اسی ملت کا ایک حصہ ہے، افغانستان اور عراق بھی، مجھے خوشی ہے کہ اس جنگ میں یہ طاقتیں برطانیہ کے ساتھ ہیں اور ہم ہند کی مسلمان بھی (خواہ ماضی میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ رہا ہو) انگریزوں کے ساتھ اور اس وقت بھی ہم تمھاری امداد کرنا چاہتے ہیں۔

اس سے پہلے ص ۷، کالم ۸ میں فرما چکے ہیں،

"مسلم لیگ ایسے وقت میں برطانیہ کو پریشان کرنا نہیں چاہتی، جب کہ وہ زندگی

اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہو، اور نہ فوجی بھرتی میں رکاوٹ بننا چاہتی ہے،
اور نہ اس نے سول نافرمانی کا حربہ استعمال کیا، بلکہ وہ غیر جانبدار ہے اگرچہ
اس کی جانبداری بھی جارحانہ رنگ کی نہیں ہے، اس نے اپنے کچھ ارکان
کو اجازت دیدی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو برطانیہ کی مصیبت کے وقت میں
کام کر سکتے ہیں، سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب نے جو مسلم لیگ کے
ایک سربرآوردہ رکن ہیں، اتنی زبردست فوجی امداد کی ہے، کہ جس کی توقع
کسی اور شخص کو نہیں ہو سکتی ہے۔

اس سے پہلے ص ۲ کالم ۵ میں فرما چکے ہیں کہ۔

"ہم مسلم لیگی بھی اوس ملک کی دوسری جماعتوں کی طرح برطانیہ ہی کی
فتح چاہتے ہیں، ہم انگلستان کو مظفر و منصور دیکھنا چاہتے ہیں۔

نیز ۳ مارچ ۱۹۴۱ء میں مندرجہ ذیل فقرہ دیکھئے۔

یہی انداز نواب زادہ لیاقت علی خان نے اسمبلی میں فائننس بل پر تقریر کرتے
ہوئے اختیار کیا، انہوں نے کہا کہ

حکومت انکی بات پوچھتی ہے جو اس کی پیٹھ پر چھرا مارتے ہیں اور جو اسکی
طرف تعاون کا ہاتھ بڑھاتے ہوں، ان کی جانب بے رخی سے پیش آتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ لیگ کا اولین سنگ بنیاد آج تک محفوظ ہے، لیگ برطانیہ کی مدد و معین
ہے، اس کو ہی اپنا مدار زندگی سمجھتی ہے، اور جان و مال، عزت و آبرو، مذہب سب کو
برطانیہ پر نثار کرنا ضروری جانتی ہے، اور اس کی تلقین مسلمانوں کو مختلف پیرایوں میں پروپیگنڈے
سے کرتی رہتی ہے، اور ہندوؤں سے نفرت پھیلانا، مسلمانوں کو ان سے ہر وقت
ڈرانا، اور ان کو ان کی جماعتوں کو نہایت خطرناک دشمن دکھلانا اور کانگریس سے متنفر
کرنا اس کا آج بھی نہایت اہم مشغلہ ہے۔

۱۔ نیز دیکھئے آرمی بل پاس ہو گیا (جس کے خلاف میں کراچی کے کیس اور سزائیں اور پانچسو سے زائد علماء کا فتویٰ جگہ جگہ شائع کیا گیا تھا) اور فوجی بھرتی میں رکاوٹ ڈالنے والے کو مجرم اور ایک سال کی سزا کا مستحق بنایا گیا، کیا یہ محض برطانیہ کی امداد نہ تھی؛ حالانکہ تمام کانگریسی اور غیر کانگریسی ہندوؤں نے اسمبلی میں اسکی مخالفت کی تھی۔

۲۔ قائد اعظم اور دوسرے مسلم ممبروں نے اس وقت تقریر زوردار الفاظ میں کی کہ یہ فوجیں ممالک اسلامیہ نہ بھائیں گی، وائسرائے کے وعدہ کا یقین دلایا اور کہا کہ اس کے خلاف ہو تو ہم یہ کر ڈالیں گے ہم وہ کر ڈالیں گے، مگر یہی فوجیں، ایران، عراق، شام، مصر کو گئیں، پھر لیگ نے کیا کیا؟

۳۔ لیگ اگرچہ بظاہر جنگ سے غیر جانبدار رہی، مگر انفرادی اعانت کی اجازت دی جس کی بنا پر چھوٹے بڑے مسلم لیگیوں نے برطانیہ کی امداد اعانت، جنگ میں بیش از بیش، کی، یہانتک حصہ لیا کہ کسی سے اس کی مثال نہیں ہو سکتی، دیکھئے مینار ۲۵ مارچ ۱۹۴۱ء

(۴) لیگ پاکستان انگریزوں سے مانگتی ہے، اور کہتی ہے کہ ڈیفنس اور خارجہ پالیسی بعد آزادی بھی پاکستان میں انگریزوں کے ہاتھ میں رہے گی، جب تک پاکستان کی حکومت امن و امان پوری طرح قائم رکھنے کے قابل نہ ہو جائے؛ (برخلاف کانگریس آزادی کامل کا مطالبہ کر رہی ہے) ظاہر ہے ڈیفنس برطانیہ کے قبضہ میں ہونے پر پوری امداد و استمداد مسلمانوں سے اس کی ہوتی رہے گی۔

(۵) لیگ نے شریعت بل فیل کیا۔

(۶) لیگ نے خلع بل کو بالکل خلاف شریعت اور ناکارہ کر دیا۔

(۷) لیگ نے قاضی بل کی مخالفت کی اور اس کو فیل کر دیا، حالانکہ اسلامی فرقتیں اور اسلامی تاریخ اس کی متقاضی تھیں۔

(۸) نکاح بل وغیرہ میں اس کی مذہبی دشمنی ظاہر ہے۔

۹ - لیگ کی موجودہ حکومتوں نے برطانیہ کی پوری امداد کرتے ہوئے ہندوستانی عوام اور بالخصوص مسلمانوں کو برباد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، صوبہ بنگال میں مسلم لیگی حکومت ہی نے لاکھوں[۱] انسانوں کو موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ مسٹر امیری انیس[۱۹] لاکھ تک کا اقرار کرتے ہیں، اخباروں سے نوے لاکھ یا اس سے زائد کا پتہ چلتا ہے، وہ صوبہ ہے جس میں مسلم آبادی تمام صوبوں سے عدد میں زائد اور سب سے زیادہ غریب ہے اور وہی عموماً مرے ہیں۔

۱۰ - مسلم لیگ کی وزارتوں نے لیگیوں اور وزراء کو ٹھیکے دیکر ان کو مالا مال کر دیا عوام کو کنٹرول وغیرہ سے تنگ اور مفلس کر دیا، وہ کام کیا جس کی نظیر نہ کانگریسی حکومت کے زمانہ میں ملتی ہے اور نہ ان صوبوں میں جہاں براہ راست گورنروں کی حکومت رہی ہے۔

روزنامہ اجمل مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۴۵ء نمبر ۱۳ جلد ۸، زیر عنوان: مسلم لیگ کے مجلس عاملہ کے ایک رکن کا سنسنی پھیلانے والا بیان:۔

بعض لیگی وزارتوں نے غلہ کی خریداری کے سنڈیکیٹ جیسے اجارہ داری کے ادارے قائم کر دیئے ہیں، جن سے خود وزارتوں کا تعلق ہے اور ان لیگی وزارتوں کے عہد میں نظام حکومت کی اندرونی خرابیاں اور رشوت کی گرم بازاری کا یہ حال ہو گیا کہ اس کی کوئی مثال اس سے پہلے کی تاریخ میں نہیں ملتی، ان تباہ کن اثرات نے عام لیگیوں کو پریشان اور متنفر کر دیا ہے، اور وہ خطرہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر اس چیز کی بہت جلد روک تھام نہ ہوئی تو آیندہ عام انتخابات میں مسلم لیگ کو بڑی سخت دشواریوں کا سامنا ہوگا، اور مسلمانوں کے اتحاد کا نعرہ بھی اپنے اندر کوئی اثر باقی نہ رکھ سکیگا، مگر کوئی روک تھام آج تک نہیں ہوئی اور معاملات بدستور رہیں۔

---

[۱] اس قحط کے زمانہ میں جو زمانہ جنگ میں ۱۹۴۳ء و ۱۹۴۲ء میں ہوا تھا۔ کیونکہ غلہ اور خصوصاً چاول فوجیوں کے لئے خرید لیا گیا تھا۔

(۱۱) خود قائد اعظم اور لیگ ہائی کمانڈ نے ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ پیکٹ کر کے مسلم اکثریت کے صوبوں کا گلا گھونٹ دیا۔ یہ معاہدہ کیا کہ پنجاب میں مسلم سیٹیں ۵۵ فی صدی سے گھٹا کر پچاس فیصدی کر دی جائیں، اور صوبہ بنگال میں ۵۳ فیصدی سے گھٹا کر ۴۰ فیصدی کر دی جائے، اگرچہ اس کے بدلہ میں مسلم اقلیت والے صوبوں میں مسلمانوں کی نشستیں زیادہ کی گئیں، مگر اس زیادتی کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کا کوئی فائدہ نہ ہو سکا کیونکہ ان میں مسلم میناریٹی اتنی زیادہ تھی کہ اس ویٹیج کے ہوتے ہوئے بھی بڑے درجہ کی اقلیت باقی رہ گئی۔ اگرچہ صوبہ بمبئی میں ۱۳ کی زیادتی ہو گئی اور جملہ تینتیس ۳۳ فیصدی ہو گئی اسی طرح یوپی میں ۱۶ فیصدی زیادتی کر کے تیس فیصدی اور بہار میں ۱۹ فیصدی... زیادتی کر کے ۳۹ فیصدی، مدراس میں ۸ فیصدی زیادتی کر کے ۱۵ فیصدی اور متوسط و برار میں گیارہ فیصدی زیادہ کر کے پندرہ فیصدی بنا دی گئی، مگر کیا فائدہ ہوا، دوسری طرف مسلم اکثریت والے صوبے ایسے نقصان میں مبتلا ہو گئے کہ آج تک ان کو خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے، مانٹیگو چیمسفورڈ اسکیم میں اسی میثاق پر عمل درعمل ہوا اور مسلمان ہر جگہ بے دست و پا ہو کر رہ گئے۔

۱۲۔ ۱۹۲۱ء میں کلکتہ کے اجلاس کنونشن میں صاف اور واضح الفاظ میں مسٹر جناح نے فرمایا تھا کہ اکثریت کے صوبوں میں مسلمان ممبر کی تعداد بڑھانے کے یہ معنی ہونگے کہ امیر لوگوں کو زیادہ امیر بنایا جائے، بہتر یہ ہوگا کہ مسلمان اقلیت والے صوبوں میں مسلمان ممبروں کی تعداد اور زیادہ بڑھا دی جائے۔ (روشن مستقبل ص ۴۴۳)

۱۳۔ ۲۳ء میں قائد اعظم اور دیگر لیگیوں نے لندن میں یوروپین ایسوسی ایشن سے (جو کہ ہندوستان میں ملکی آزادی کی سب سے بڑی دشمن ہے) عہد و پیمان کر لیا اور اسکو اس قدر سیٹیں ان کو انکے حق سے زیادہ دیدیں کہ جب پارٹیوں کے سمجھوتہ کیوقت میں مسلمانوں کے لئے اکیاون فیصدی بنگال میں پورا کرنے کا ارادہ کیا گیا تو بجز اسکے

کوئی چارہ نہ ہو سکا کہ یوروپین ایسوسی ایشن سے ۳/۱ سیٹیں لے لی جائیں، مگر وہ کیوں راضی ہوتے بالآخران کی ۳۱ سیٹیں وزیر اعظم نے رکھدیں اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں اور ہندؤں کے لئے اقلیت کی مہر بنگال میں لگ گئی۔

ذرا غور فرمائیے کہ آیا یہ لوگ مسلمانوں کے ہمدرد اور وفادار ہیں یا غدار اور ناقابل اعتماد اور جو نعرے لگائے جاتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے۔

مسلم لیگ برطانیہ کی منظورِ نظر ہے

الف۔ نیو اسٹیمین اینڈ نیشن لندن مورخہ ۱۴ر دسمبر ۱۹۴۰ء ایک طویل آرٹیکل لکھتا ہے جس کے مندرجہ ذیل اقتباسات قابل غور ہیں۔

لارڈ لنلتھگو نے مسلم لیگ کو ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا واحد نمائندہ جماعت تسلیم کرلیا۔ اس کا دعوٰے ہے کہ اب چند مہینوں سے اس کے ممبروں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، یہ بالکل صحیح ہو سکتا ہے کہ وائسرائے کی سرپرستی کی وجہ سے کانگریس کے بعد یہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت بن گئی، اگر ہماری یہ پیشکش مخلصانہ ہے کہ صلح کے بعد ہندوستان کو درجہ نو آبادیات عطا کردیا جائے گا تو ہمیں اس قسم کا کوئی قدم اٹھانا پڑے گا، لیکن اگر ہم مسٹر جناح کو اپنا آلہ کار بنا رہے ہیں جو ہر وقت کھونڈے اور ناکارہ عہد نامہ کو بھر کر ہمیں اخلاقی ذمہ داریوں سے سبکدوش کرنے کے لئے تیار ہیں تو ہم ایسا نہیں کریں گے، اگر ہمارے متعلق یہ شبہات بڑھتے رہے اور ہم نے ان کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی کہ ہم تقسیم کرو اور حکومت کرو" کا پرانا کھیل کھیل رہے ہیں، تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم مستقبل قریب میں ہندوستان کو کھو دینے کا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ (مدینہ بجنور نمبر ۱۸ جلد ۳۰ - ۱۳ر مارچ ۱۹۴۱ء)

ب:۔ مسٹر موہن لال مشہور ہندوستانی جرنلسٹ امریکہ سے ہندوستان واپس

ہوتے ہوئے سندھ سکریٹریٹ کے ریسٹورنٹ کراچی میں تقریر کرتے ہوئے ایک طویل بیان دیتے ہیں، جس کے مندرجہ ذیل اقتباسات قابلِ غور ہیں۔

علاوہ ازیں امریکہ کا برطانوی سفارت خانہ پاکستان کے حق میں انگلینڈ میں پمفلٹ وغیرہ لٹریچر چھپواتا ہے، اور اسے ہوائی جہاز کے ذریعہ امریکہ مفت تقسیم کرنے کی خاطر بھیجا جاتا ہے، اس کے علاوہ امریکہ میں ایک مسلم لیگ بھی کھل گئی ہے، مسٹر احمد اس کے انچارج ہیں برطانوی سفارت کی طرف سے انہیں تنخواہ دیجاتی ہے۔ (رپورٹ) ملاپ روزانہ ص ۲۲ ص ۲۲۴، ۶ر جنوری ۴۵ء

ج۔ قائدِ اعظم کی وہ خط وکتابت جو وائسرائے سے شملہ کانفرنس کے سلسلہ میں ہوئی تھی اس کے مندرجہ ذیل اقتباسات قابلِ غور ہیں۔

(۱۷) جولائی، ڈیر لارڈ ویول، میں نے کانفرنس کے آخری روز آپ کی طرف سے پیش کردہ تجویز ورکنگ کمیٹی کے سامنے رکھی، بعد از غور فیصلہ کیا گیا کہ کمیٹی کا نظریہ آپ کے روبرو رکھا جائے جو حسب ذیل ہے، ار اگست ۱۹۴۰ء

میں نے جب آپ کے پیشرو لارڈ لنلتھگو سے ایک ایسی ہی پیشکش کی تھی، اور ورکنگ کمیٹی سے اسے نامنظور کرکے اس کے خلاف اعتراضات روانہ کئے تھے تو لارڈ لنلتھگو نے ان اعتراضات کو درست تسلیم کرتے ہوئے اپنی پیشکش کو واپس لے لیا اور اس کے بجائے نئی تجویز پیش کرتے ہوئے ایک مراسلہ لکھا جس کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

میں آپ کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات، اور آپ کی بیان کردہ مشکلات کا احساس کرتا ہوا اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے، اس ایگزیکیٹو کونسل کے ممبران کی فہرست پیش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی فہرست کا معاملہ اسکے صدر اور ریذیڈنٹ کے درمیان خفیہ بات چیت میں طے ہونا چاہیے، مسلم لیگ نے یہ نعم البدل

منظور کرلیا۔ اب بھی کمیٹی کی رائے ہے کہ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے اس کے ساتھ فہرست کے متعلق اسی قاعدہ سے عمل کیا جانا چاہیئے جو آپ کے پیشرو بنا گئے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سابق وائسرائے اور مسٹر جناح میں خفیہ ساز باز ہوتا رہتا تھا۔ (مدینہ بجنور ص ۴ ؍ جلد ۳۴ ۲۱ ؍ جولائی ۱۹۴۵ء)

محترما! اب آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ مسلم لیگ ایک ایسی جماعت ہے جو برطانیہ کی محبوب ہے اور برطانیہ اسکی محبوب ہے، دوسرے الفاظ یہ کہ وہ برطانیہ کی ہے اور برطانیہ اس کی ہے۔ اس کے مؤثر کارکن عافیت پسند، اقتدار طلب آزادی ہند کے دشمن، برطانوی اقتدار کے مضبوط کرنے والے، مذہب اسلام سے بیگانہ یا مخالف، ذاتی اغراض کے متوالے، عام مسلمانوں کو دھوکہ دینے والے حضرات ہیں۔

جواب ۲۔ جب کہ ہائی کمانڈ دھوکہ دیتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کو خطرہ میں، تقریر میں، تحریریں، عوام کو ہندوؤں اور کانگریس سے دکھاتا ہے، برطانیہ کی برباد کر دینے کی پالیسی کا ذکر تک نہیں کرتا، اور برطانیہ کی خفیہ اور ایک درجہ تک ظاہری امداد اس میں شامل ہے تو طبعی تقاضہ ہے کہ عوام الناس جن کو حقائق پر غور کرنے کی عادت نہیں اور جذبات میں جلد بہ جانے کے عادی ہیں۔ لڑائی ان کے خمیر میں ہے، ہندو سے لڑنے میں وہ خطرہ بھی نہیں ہے، جو انگریز سے لڑنے میں ہے، اسی کو اچھا سمجھیں گے اور اس دعوت ہی میں شامل ہوں گے، یہی عوام خلافت کی تحریک میں دوسری حالت میں تھے۔

جواب ۳۔ مندرجہ بالا مضامین مختصرہ سے ہر باخبر حقیقت شناس واقف احکام شرعیہ قطعی نتیجہ نکال لے گا کہ مسلم لیگ کی شرکت نہ صرف غیر مستحسن ہے بلکہ معصیت ہے

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۶) سوال ۲: مسلم لیگ کا کیا فائدہ ہے کہ عوام الناس دھڑا دھڑ اسکو اچھا سمجھتے ہیں۔

سوال ۳: مسلم لیگ میں کیا نقصان ہے کہ حضور والا کی متقدرستی اسکو اچھا نہیں سمجھتی اور سوء ظن عند المخلوق ہو رہی ہے۔

قومی خودداری کے بھی منافی ہے، مصالح سیاسیہ اور دینیہ و دنیویہ کے سراسر خلاف ہو احکام شرعیہ اس سے یقیناً اجتناب ہی کے فیصلے کریں گے۔

جوابٌ۔ کانگریس ہندوستان کے تمام بسنے والوں کی بلاتفریق مذہب ونسل ورنگ وزبان و وطن ایک جماعت ہے۔ جو کہ اہل ہند کے فطری اور ملکی حقوق سلب شدہ کو واپس لانا اپنا فرض سمجھتی ہے، ہندوستان کو انگریزی اقتدار سے آزاد کرانا اسکا نصب العین ہے؛ ہر ہندوستانی اس کا ممبر ہو سکتا ہے، اب تک اس کے نو صدر مسلمان ہو چکے ہیں، چھ عیسائی چار پارسی اور باقی ہندو، ۱۸۸۵ء میں قائم ہوئی، اسکو ساٹھ برس گذر چکے ہیں، مسلمان اس میں ابتدا سے شریک رہے، مولانا عبدالقادر صاحب مرحوم لدھیانوی نے رسالہ نصرۃ الابرار میں اس میں شرکت کے جواز و استحسان کے متعلق تمام ہندوستان کے اس زمانہ کے علماء کے فتاوے شائع کردیئے ہیں، مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی سے یہ رسالہ مل سکیگا۔

جوابٌ۔ محترما! آپ کو معلوم ہے کہ ہم ہندوستان کے باشندے ہیں اس ملک میں تمام شہری وطنی حقوق ہمارے بھی ایسے ہی ہیں، جو کہ انگریزوں کے لندن میں فرانسیسیوں کو فرانس میں، اور امریکنوں کو امریکہ میں، جاپانیوں اور چینیوں کو جاپان اور چین میں اور ہر قوم کو اپنے وطن میں ہے، خواہ وہ تجارت سے تعلق رکھتے ہوں، یا زراعت کے حکومت سے تعلق رکھتے ہوں یا مالیات سے، تعلیم سے تعلق رکھتے ہوں یا فوجی طاقت

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۶) سوالٌ کانگریس کا کیا مطلب ہے یعنی کانگریس کسے کہتے ہیں؟ سوالٌ کانگریس میں کیا فائدہ ہے کہ حضور والا اس کو اچھا سمجھ رہے ہیں، ہم کو جناب کا مافی الضمیر نہیں پہنچا، اگر پہنچا تو یہ کہ معاذ اللہ کہ حضور اہل ہنود سے مل گئے، حق بات یہ ہے کہ یہ بات لکھتے وقت قلب شرما رہا ہے کہ کیا آپ کو بکواس لکھ رہا ہوں، فقط سمجھنا مطلوب ہے، جناب کی مقتدر ہستی سے امیدوار ہوں کہ حضور بچوں کے سر پر دست شفقت رکھ کر پیار سے سمجھا دیں گے، ہم بہت حیران ہیں کہ یہ کیا اندھیر ہو گیا۔ (عبدالکریم)

ہے، خواہ داخلی حقوق ہوں یا خارجی اور بیرونی، خواہ وہ کانوں سے تعلق رکھتے ہوں یا کاشت سے، مگر انگریزنے ہم پر تسلط کر کے ہم کو غلامی کی زنجیر میں اس طرح جکڑ دیا کہ ہم بالکل مجبور ونزار، فاقہ کش اور بھوک سے نیم مردہ بلکہ مردہ ہو گئے، ان کی پالیسی یہ ہے کہ ہندوستان آغاز سے لے کر انجام تک اور سر سے لے کر پیر تک برطانیہ کے لئے ہے، ہر چیز ہندوستان کی برٹش ایمپائر پر قربان ہو گی اگر کچھ بچ رہے تو برٹش قوم پر قربان ہو گی، اور اس سے کچھ باقی بچا تو یورپین قوم پر قربان ہو گی، اور پھر بھی اگر کچھ بچے تو انگلو انڈین پر قربان کی جائے گی، اور اگر اس سے بھی کچھ بچ جائے تو .... ہندوستانیوں کو دیجائے گی، اس پالیسی اور استبداد پر آج سے نہیں بلکہ انگریز ابتدا سے عمل کرتے ہوئے تمام ہندوستانیوں کو بد سے بدتر حالت کو پہنچا دیا ہے۔ سر ولیم ڈگبی اپنی کتاب پراسپرس انڈیا میں لکھتا ہے:۔

جبکہ ۱۹۰۰ء میں ہمارے طریقۂ حکومت ہند میں دکھائی دے رہی ہے جہانتک کہ ہندوستانیوں کا تعلق ہے اور جو کچھ غیر معمولی غریب ہندوستانی براعظم پر پھیل رہی ہیں وہ ہمارے اس طرز حکومت کا نتیجہ ہے جو نیک نیتی سے مگر غلطی سے پہلے سے شروع کی گئی، اور اب تک بحال رکھی گئی وہ اصول حکومت تین قسم کے ہیں،

۱ تسلط بذریعہ تجارت۔ ہندوستان کی دولت علانیہ طور سے سترہ سوے ستاون تک لوٹنا۔

نوٹ:۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کی ایک یادداشت کے الفاظ سے مندرجہ نمبر کی تشریح ہوتی ہے۔

ہمارے خیال میں یہ بڑی دولت جو ہم نے ہندوستان سے حاصل کی ہے ظالمانہ اور جابرانہ دستور العمل سے مہیا ہوئی ہے جس کی نظیر نہ کسی ملک میں ملتی ہو نہ کسی زمانہ میں ملے گی۔

۲ - تسلط بذریعہ اطاعت بالجبر، ہندوستان انگلینڈ کے لئے ہے، آغاز سے انجام تک ۔ ۱۷۵۷ء سے ۱۸۳۲ء تک ۔

۳ خوش معاملگی کے دکھاوے اور زور کے ساتھ ہندوستانی قوم کو ادنیٰ حالت میں لازمی طور پر قائم رکھنا ۔ ۱۸۳۳ء سے ۱۹۰۱ء تک مگر اس میں شک نہیں کہ آج ہندوستان اس سے زیادہ شرمناک طور پر لوٹا جا رہا ہے جتنا اس سے پہلے کبھی لوٹا گیا تھا، ہماری ابتدائی حکومت کی باریک جالیں اب آہنی زنجیر بن گئی ہیں ۔ کلائیو اور ہیسٹنگس کی لوٹ اس زکاسی کے مقابل ہیچ ہے، جو روز افزوں ترقی کے ساتھ ایک ملک کو دوسرے ملک کا خون بہا کر مالا مال کر رکھا ہے ۔ (خوشحال برطانوی ہند ترجمہ از پراسپرس برٹش انڈیا ص۴۲)

الغرض برطانیہ نے وہ زہریلی پالیسی ہندوستان میں ابتدا سے قائم کی اور آج تک اسی کو چلا رہا ہے، جس سے جنت نشان ہندوستان جہنم نشان بن گیا، قحط اور افلاس کا مرکز، بھوکوں اور ننگوں کا گھر، کروڑوں بھوک سے مرنے والوں کا مقبرہ، جہالت اور نادانی کا اڈہ، پستی اور ذلت کا گڑھا ۔ بے ہنری اور بے کاری کا میدان ہو گیا ہے ۔ فطری حقوق چھین لئے گئے ہیں اور اس کو جانوروں سے بھی زیادہ بے بس، مجبور و معذور کر دیا گیا، یہ تو عام ہندوستانیوں کے لئے ہیں، مسلمانوں کی ایک ہزار برس سے زیادہ کی یہاں حکومت تھی، یہ ملک دارالاسلام تھا، اسلام کا پرچم بلند تھا، کفر و شرک کا جھنڈا سرنگوں تھا، انگریز نے دھوکہ دیکر، تفرقہ ڈال کر آہستہ آہستہ مسلمان بادشاہوں اور نوابوں کو قتل و غارت کیا، دارالکفر بنایا، اسلام کے پرچم کو سرنگوں اور کفر و الحاد کے پرچم کو سربلند کیا، یہی نہیں بلکہ ہندوستان کی غلامی کے لئے ہندوستان کی ہی طاقتوں سے اسلامی ممالک کو یکے بعد دیگرے برباد کیا، اور وہاں کی مسلم فوجوں کو قتل اور مسلم اقتدار کو زائل اور مسلم اموال و ذخائر پر قبضہ کیا، اب غور کی بات یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں اور

پھر ہندوستانیوں کا روئے زمین پر دشمن سب سے زیادہ کون ہے، اس کو سمجھئے اور کیا ہر مسلمان اور ہر ہندوستانی پر عقلاً، نقلاً، سیاسۃً، دیانۃً فرض اور لازم نہیں ہے کہ ایسی غلامی اور بےبسی اور ہلاکت سے جلد از جلد نجات حاصل کرے اور جس قدر بھی آگے بڑھ سکے اس میں کوتاہی نہ کرے، یہی چیز کانگریس کا نصب العین ہے اور اسی کے لئے دن و رات اس کی جدوجہد جاری ہے، اگر آپ تھوڑا سا غور کریں گے تو پتہ چلے گا کہ یہ فریضہ مسلمانوں کا ہندوستان میں بہ نسبت ہندو اور دیگر اقوام کے بدرجہا زیادہ ہے، جس کے وجوہ مخفی نہیں، مگر کانگریس کی جدوجہد خواہ کتنی ہی دھیمی کیوں نہ ہو برطانوی اقتدار کے لئے زہر ہلاہل سے زیادہ عام انگریزوں اور بالخصوص استبداد اور قدامت پسندوں کی نظروں میں ہے، اس لئے وہ ہر طرح کانگریس کے خلاف ہیں، ابتدا سے کوشش کرتے رہے، پہلے پہل مسٹر بیک انگریز پرنسپل علیگڈھ کالج نے انفرادی کوششیں کیں اور علیحدہ علیحدہ لوگوں کو مخالف بنایا بالخصوص سرسید مرحوم کو سخت متنفر کیا، پھر سر آکلینڈ کالون گورنر یوپی کو کانگریس کے بالمقابل لاکھڑا کیا، مگر جب اس سے کام چلتا نہ دیکھا گیا تو اجتماعی کوشش عمل میں لائی جانے لگی، چنانچہ اگست ۱۸۸۸ء میں علیگڈھ میں یونائیٹڈ انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن قایم کی گئی، اور اس کے مندرجہ ذیل مقاصد کرائے گئے۔

ا۔ ممبرانِ پارلیمنٹ اور انگلستان کے لوگوں کو بذریعہ اخبارات و رسائل کے مطلع کرنا کہ ہندوستان کی کل قومیں اور رؤسا اور والیانِ ملک کانگریس میں شریک نہیں ہیں، اور کانگریس کی غلط بیانیوں کی تردید کرنا۔

ب۔ مسلمان اور ہندوؤں کے انجمنوں کے خیالات سے جو کانگریس کے خلاف ہیں، ممبران پارلیمنٹ اور انگلستان کو اطلاع دینا۔

ج۔ ہندوستان میں امن و امان اور برٹش گورنمنٹ کے استحکام کی کوشش کرنا۔

د۔ کانگریس کے خیالات کو لوگوں کے دلوں سے دور کرنا۔

ایک ریزولیوشن پاس کیا گیا جس کے الفاظ حسب ذیل تھے۔

دیسی زبان میں فساد انگیز اور بغاوت تیز تقریر اور تحریر کا انسداد کرنے کے لئے گورنمنٹ سے درخواست کی جائے، ۱۸۹۰ء میں ایک عرضداشت بیس ہزار سات سو پینتیس دستخطوں سے مسٹر بیک نے انگلستان میں پارلیمنٹ میں بھجوائی جس کا مضمون تھا، اس ملک میں انتخاب یا طریق جمہوریت کا جاری ہونا اس وجہ سے خلاف مصلحت ہے کہ یہاں مختلف اقوام کے لوگ بستے ہیں، یہ اس وجہ سے تھا کہ کانگریس نے ہندستان میں جمہوری طریقہ حکومت کا مطالبہ کیا تھا، اس پر دستخط کرنے کے لئے خود مسٹر بیک دہلی گئے اور جامع مسجد کے دروازے پر خود بیٹھے اور آنے جانے والے نمازیوں سے بذریعہ طلبہ یہ کہہ کر دستخط کروائے گئے کہ ہندو گاؤکشی بند کرانا چاہتے ہیں، ۱۸۹۳ء میں محمڈن اینگلو اورنٹیل ڈیفنس ایسوسی ایشن آف انڈیا قایم کی گئی، کیونکہ ہندوؤں نے پیٹریاٹک ایسوسی ایشن سے آہستہ آہستہ علیحدگی اختیار کر لی تھی، اور وہ مقاصد کو بھانپ گئے تھے، اس لئے اب خصوصی طور پر مسلمانوں کو آلۂ کار بنانا ضروری سمجھا گیا، ایسوسی ایشن کے مقاصد حسب ذیل ہیں۔

الف۔ مسلمانوں کی رائیں انگریزوں اور گورنمنٹ ہند کے سامنے پیش کر کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کرنا۔

ب۔ عام سیاسی سورش کو مسلمانوں میں پھیلنے سے روکنا۔

ج۔ ان تدابیر میں امداد دینا، جو سلطنت برطانیہ کے استحکام اور سلطنت کی حفاظت میں ممد ہوں، ہندوستان میں امن قایم رکھنے کی کوشش کرنا، اور لوگوں میں وفاداری کے جذبات پیدا کرنا، مسٹر بیک اس ایسوسی ایشن کے قایم کرنے کے بعد انگلستان گئے اور وہاں انجمن اسلامیہ لندن میں ایک لکچر یا جینٹس ریویو میں شائع ہوا، اور علی گڈھ کالج میگزین نے اس کا ترجمہ مارچ، اپریل ۱۸۹۵ء کے پرچوں میں شایع کیا

جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ اینگلو مسلم اتحاد ممکن، مگر ہندو مسلم اتحاد غیر ممکن۔ آپ نے فرمایا کہ ہندوستان کے لوگ مذہب کی بنا پر آپس میں لڑتے ہیں، یہاں ہندو مسلم مذہبی انہماک میں کوئی علامت زوال پائی نہیں جاتی، بلکہ جو لوگ ان مذہبوں کے ماننے والے ہیں، انکی عداوتیں روز افزوں ہیں، مسلمان اورنگزیب پر ناز کرتے ہیں، لیکن گرو گوبند سنگھ اور شیواجی کے ماننے والے کو اس کے نام تک سے نفرت ہے، دونوں قوموں میں ازدواج باہمی ناممکن ہے، اور اس وقت ہندوؤں کی ہزار ذاتیں ہیں جو اس بات کو گناہ جانتی ہیں، ہندوستان کے لوگوں کے لئے یہ امر ناممکن ہے کہ وہ اتفاق کر کے جمہوری طرز سلطنت سے اپنے پر خود حکمراں بنیں، مسٹر بیک نے جو ہندو مسلمان نفاق کا گیت گایا ہے، وہ بالکل غلط ہے، وہ انگریزوں کا پیدا کیا ہوا پھل ہے جو کہ اپنی مستبدانہ حکومت کی بقا کے لئے ہندوستانیوں کو کھلایا گیا ہے، انکے اقتدار حکومت سے پہلے یہ نفاق نہ تھا، چنانچہ ڈبلیو ایم ٹاؤنس اپنی کتاب (ایشیا میں شہنشاہیت) میں لکھتا ہے۔

شیواجی کو متعصب اور سلطان ٹیپو کو کٹر مذہبی کہا جاتا ہے، لیکن جس وقت ہم نے جنوبی ہند کی ریاستوں میں داخل ہونا شروع کیا، اس وقت انکے یہاں اس قسم کے مذہبی تنفر کا نام تک نہ تھا، ٹھیک اس وقت ہندوستان کے اندر ہر شہر اور شاہی دربار میں ہندو مسلمان عزت اور سرمایہ میں ایک دوسرے سے بازی لیجانے میں آزاد تھے۔ (روشن مستقبل صفحہ ۲۵)

اسی طرح سر جان ملیارٹ اور دوسرے مورخین بتلاتے ہیں۔

مسٹر بیک نے اس ایسوسی ایشن کے افتتاح کے وقت جو تقریر کی تھی اس کا اقتباس بھی قابل غور ہے:-

ہندوستان سے : دو قسم کے ایجی ٹیشن شورشیں ملک میں زور شور پر ہیں ایک نیشنل کانگریس دوسرے گاؤکشی کے انسداد کی تحریک ان میں سے تحریک اول انگریزوں کے خلاف ہے اور تحریک ثانی مسلمانوں کے خلاف ہے۔ نیشنل کانگریس کے مقاصد یہ ہیں، کہ پولیٹکل حکومت گورنمنٹ انگریزی سے ہندو رعایا کے محض فرقوں کی طرف منتقل کر دیا جائے حکمران جماعت کو کمزور کر دیا جائے، لوگوں کو ہتھیار دیدیا جائے، اور فوج اور سرحد کو کمزور کر کے فوج کا خرچہ گھٹایا جائے

ان دونوں شورشوں کی وجہ سے مسلمان اور انگریز دونوں نشانہ بنے ہوئے ہیں، اس لئے مسلمانوں اور انگریزوں کو اتحاد کر کے ان تحریکوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے اور جمہوری طریق سلطنت کے اجراء کو اس ملک میں روکنا چاہیئے، جو اس ملک کے حسب حال نہیں ہے۔ اس کے لئے ہمیں حقیقی وفاداری اور اتحاد عمل کی تبلیغ کرنی چاہیئے۔　　(روشن مستقبل ص۲۵۳)

مسٹر بیک نے مسلمانوں کو کانگریس کے خلاف کرنے میں ہمیشہ اپنی سرگرم اور انتہائی جدوجہد جاری رکھی جس کا عظیم الشان اثر خود سرسید اور تمام کارکنان علی گڈھ کالج اور عام تعلیم یافتہ مسلمانوں پر ہوا، اور وہ بڑے درجہ تک کانگریس اور ہندو قوم سے متنفر ہو گئے، اسی بناء پر مسٹر آرتھر اسٹریچی چیف جسٹس ہائی کورٹ (جو کہ کنزرویٹو انگلونڈین جماعت کے ممبر تھے) مسٹر بیک کی وفات پر ایک مضمون شائع کرتے ہیں جس کے فقرات ذیل قابلِ غور ہیں۔

"ایک ایسے انگریز کا انتقال ہوا، جو دور دراز ملک سے سلطنت کی تعمیر میں مصروف تھا، اس نے مثل ایک سپاہی کے اپنا فرض انجام دیا، اور

اپنی جان زیدی ،مسلمان ایک شکی قوم ہے۔اس لئے جب مسٹر بیک اول آئے ،تو ان کا طریقہ مخالفانہ تھا۔ان کا پہلا خیال یہ تھا کہ مسٹر بیک گورنمنٹ کی طرف سے جاسوس مقرر ہیں، مگران کی سادہ دلی اور بےنفسی کا یہ اثر ہوا کہ رفتہ رفتہ ان پر اعتماد کرنے لگے۔ (علی گڈھ منتھلی ۱۸۹۹ء۔ روشن مستقبل ص ۲۹۹)... والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۳۵

جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب جامعہ حسینیہ راندیر سورت کے نام

عجبت لمسراها وانی تخلصت الیّ وباب السجن دونی مغلق

جامعہ کی روزافزوں ترقی سے بہت خوشی ہوئی، فهنیالکم ثم هنیالکم .... غالباً جناب کو ذہول ہوگیا، سورت کے میرے مرید حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ العزیز

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳) یہ مکتوب گرامی حضرت تھانویؒ اور حضرت شیخ الاسلام مدظلہٗ العالی کی باہمی فرق، وسعت اخلاق اور ہردو شیخ طریقت کے مقام کی تعین کرتا ہے۔

مولانا مدنی پر خلق نبوی ،صحابہ کی مقدس زندگی اور صوفیائے قدیم کی سیرت اور کردار کا ایسا ابھرا ہوا رنگ جلوہ افروز اور ضو فشان ہے کہ جس کی روشنی کے سامنے آنکھیں چکا چوندھ اور خیرہ ہوکر رہ گئی ہیں، اور اچھے اچھوں کو غلط راستہ ہی صراطِ مستقیم دکھائی دے رہا ہے، حالانکہ تصوف و سلوک کے اندر مجاہدہ و ریاضت کے ذریعہ اتباع سنت، اخلاص اور وسعت قلب کو جو حیثیت دی گئی ہے، وہ ارباب فن سے مخفی نہیں۔ تزکیہ نفس اور تطہیر اخلاق کا ثمرہ یہ ہے کہ آدمی میں آدمیت اور ملکیت پیدا ہو اور بہیمیت دفع ہو۔

سیاسیات میں ان دو بزرگوں کا اختلاف لوگوں کے نزدیک اجتہادی اختلاف کہا جاتا ہے، ہوگا مگر مجکو اس سے اتفاق نہیں ہے، اور نہ میں چاہتا ہوں کہ اس کو کھول کر بتاؤں، اسیطرح یہ معمہ

کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، اور تحریکات کی بنا پر بیعت سابقہ کا توڑنا، نادم ہونا، اور توبہ کرنا ظاہر فرمایا، اور حضرت مرحوم و مغفور سے بیعت کے خواستگار ہوکر شرف بالبیعۃ ہوئے کذا فی النور۔ اب آپ ہی فیصلہ فرمائیں کہ جب کہ اہل سورت در اندیر کی یہ رائے ہے، اور واقعہ بھی ہے کہ میں ہر طرح نالائق و ناقابل ہی ہوں تو جناب محمد اکوجی صاحب کٹھوری کو مجھ سے بیعت کی درخواست کرنا اور آپ کا تقاضا کرنا اور وہ بھی غائبانہ بیعت کا، یہ امور کہاں تک نشترین قیاس ہیں، آپ ان کی خیر خواہی فرمائیں اور صراط مستقیم انکو

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۳۰) کہ طریقہ، عقیدہ، شیوخ، اور اساتذہ سب ایک ہیں اور تجدید بیعت! بھر طرفہ یہ کہ مولانا خیر محمد صاحب جالندھری، جو مولانا تھانوی کے مخصوص خلفاء میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مدنی کے متعلق میرے سامنے فرمایا کہ "ہمارے اکابر دیو بند کے بفضلہ تعالیٰ کچھ کچھ خصوصیات ہوتے ہیں، چنانچہ شیخ مدنی کے دو خداداد خصوصی کمال ہیں جو ان میں بدرجہ اتم ہیں، ایک تو مجاہدہ جو کسی دوسرے میں اتنا نہیں ہے، دوسرے تواضع جنابِ سب کچھ ہونے کے باوجود آپ کو کچھ نہیں سمجھتے"

مولانا عبد الجبار صاحب خلیفہ حضرت تھانوی کے ہیں، موصوف نے مولانا عبد المجید صاحب بچھرایوں سے جو خلیفہ تھانوی تھے، اور اختلاف میں بہت تیز تھے، کہا کہ شیخ الاسلام سے اسدرجہ اختلاف نہ رکھیں، کیونکہ میں نے مفتی محمد حسن صاحب امرتسری جو سب سے بڑے خلیفہ ہیں۔ حضرت تھانوی کے، وہ فرماتے ہیں کہ حال میں میں نے حضرت مدنی کے ایک دو جواب مسائل سلوک میں پڑھے ہیں جن کی وجہ سے سابقہ اختلاف سے رجوع کر چکا ہوں، کیونکہ باطنی دنیا میں حضرت شیخ مدنی کا مرتبہ اور مقام شہنشاہیت کا ہے، یہ سنکر مولانا عبد المجید صاحب نے فرمایا کہ بھائی یہ تو میں نے کئی بار حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ مجکو اپنی موت پر بھی فکر تھا کہ بعد میں باطنی دنیا کی خدمت کرنے والا کون ہے، مگر حضرت مدنی کو دیکھ کر تسلی ہوئی کہ یہ دنیا ان سے زندہ رہے گی۔

دکھلائیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ وصال فرما گئے، مگر ماشاء اللہ بہت سے خلفاء چھوڑ گئے ہیں، گجرات، سورت، راندیر وغیرہ میں بھی ضرور بہت سے حضرات ہونگے ان سے بیعت ہو جائیں، ورنہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم موجود ہیں وہ بھی بیعت فرماتے ہیں، نیز حضرت میاں صاحب زید مجدہم وہاں تشریف فرما ہیں،

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۳) غرض یہ کہ حضرت مولانا تھانویؒ حضرت شیخ الاسلام کو اکابر دیوبند شریعت اور طریقت کا ماہر اور سیاسیات میں مخلص اور متدین سمجھتے تھے، باوجود اس کے توبہ کرانا اور برأت کا اعلان شائع کرانا اور پھر بیعت یہ کیا بات تھی اور اس میں کیا راز ہے، کیونکہ مکتوب حضرت شیخ الاسلام کو ہم بالکل صحیح اور حق سمجھتے ہیں، ٹھیک اسی طرح مولانا تھانویؒ کے خلفاء میں سے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ اور دیگر خلفاء کے بیانات کو بھی اس وجہ سے صحیح سمجھتے ہیں کہ سب ثقہ ہیں اسلئے دبی زبان سے ہم کو یہ کہنے میں ذرا بھی جھجک نہیں ہے کہ تصوف و سلوک میں حضرت شیخ الاسلام کا مقام اور مرتبہ بہت آگے ہے اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ بوعلی سینائی موشگافی آپکے سلوک کا جز نہیں بلکہ اتباع سنت صحابہ کی عملیت، ابوحنیفہ اور شیخ عبد القادر جیلانی کی مجاہدانہ سرگزشت اور چشتی بزرگوں کی اعلاء کلمۃ الحق میں بلاتفریق ملت و قومیت بے لوث خدمت اور الناس کلہم عیال اللہ کی وسعت آپ کے تصوف و سلوک کے لاینفک جز ہیں جنکا ورثہ کے طور پر حضرت امداد اللہ حضرت قاسمؒ و رشیدؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے دربار گہربار سے حضرت شیخ الاسلامؒ کو کافی حصہ پہنچا ہے گویا کہ اس سلسلہ کا خاتم ہونا قدرت نے آپ ہی کیلئے مخصوص کر رکھا تھا، مبارک ہیں وہ لوگ جو اس دامن سے وابستہ ہیں اور خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو مدنی دربار کی دریوزہ گری پر فخر کرتے ہیں، اور سخت نادان ہیں وہ لوگ جو اس دربار کو چھوڑ کر دوسری طرف رخ کرتے ہیں، اور اب تک ان کو یہ پتہ نہیں کہ آج اگر حق شناس اور حق پرست لوگ ہوتے تو اپنی جمی جمائی دکانداری کو چھوڑ کر کسب فیض کرتے اور اپنے کھوٹ کو ظاہر کر کے مس خام کو کندن بنانا جان لیتے، اور تعصب کو دور کر کے اقرار کرتے کہ "دست و قت تست دامن برکے کہ زیر لوائے تو نہ باشد" باقی اس والا نامہ کی صحیح شرح مخدوم دریابادی ہی فرمائیں گے۔

ان حضرات سے بیعت کرا دیجئے، غائبانہ کا جھگڑا تحریکات حاضرہ کا نجس جھگڑا ان جملہ امور سے بھی تحفظ ہوگا اور ایک ایسی لائق اور مکمل ہستی سے رہنمائی حاصل ہوگی جو ان آلودگیوں سے پاک وصاف ہے ؎

درمجلس خود راہ مدہ ہمچو منے را افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۲ رشوال ۱۳۶۲ھ

مکتوب نمبر ۳۸

جناب مولانا حکیم احمد اللہ صاحب فیض آباد کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج مبارک

والانامہ مورخہ ۱۱ اکتوبر اور اس کے بعد جناب صدر صاحب جمعیۃ علماء ضلع فیض آباد کا بیان پہونچا، ان دونوں تحریروں سے کافی کیفیت واقعات کی معلوم ہوئی، اس سے پہلے اخباروں سے مجمل بیانات معلوم ہوئے اور بعض وارد و صادر احباب سے کچھ کچھ علم ناکافی درجہ میں ہو چکا تھا، بہت زیادہ تشویش تھی، ان واقعات پر جس قدر بھی رنج اور صدمہ پیش آیا ہو

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۳۰) حضرت شیخ الاسلامؒ نے عنوان خط میں جو حماسی شعر تحریر فرمایا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ محبوبہ رات کو ایسے وقت میں آئی جب کہ جیلخانہ کا دروازہ بھی بند رہے، تو پھر تعجب کی بات ہے کہ مجھ تک رسائی کیونکر ممکن ہوگی ؟

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۸) مولانا حکیم احمد اللہ صاحب فیض آبادی کو نہایت بے رحمی سے لوٹا گیا اور تمام گھر والوں کو زخمی کیا گیا، حتیٰ کہ مکانات کو آگ لگا دی گئی، جو پنت حکومت کی پیشانی پر بدنما داغ ہے اور فرقہ وارانہ جراثیم کی بیخ کنی نہ ہونے کی وجہ سے ہندوستان کا وہ روگ ہے جس کا اگر تدارک نہ کیا گیا تو یقیناً پیام موت ہے، اس والا نامہ میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی جو نصیحتیں ہیں وہ تعلق مع اللہ کی اعلیٰ ترین مثالیں ہیں، پوری تحریر کو بار بار پڑھئے، کہیں بھی سرمو ذات باری سے غفلت اور اسباب

اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کو جزائے خیر کفارۂ سیئات اور رفع درجات اور نعمائے اخروی دے گا، وہ بشارتیں موجب طمانیت ہونی چاہئیں جو روایات صحیحہ میں ہیں، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایصیب المسلم شوکۃ فما فوقہا الا رفع اللہ بہا درجۃ وحط عنہ بہا خطیئۃ۔ دوسری روایت میں ہے، ما من شئی یصیب المومن من نصب ولا حزن ولا وصب حتی الہم یہمہ الا یکفر اللہ بہ عنہ سیئاتہ، ان روایات صحیحہ اور حسنہ اور اس کے ہم معنی روایتوں پر جو کہ بکثرت کتب حدیث میں ہیں، غور فرمائیے اور اپنے دل و دماغ سے رنج اور غم کو نکال لیجئے یہ دنیا دار امتحان ہے، صبر اور استقلال ہی سے اس میں کامیابی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ لتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذالک من عزم الامور، دوسری آیت میں ہے، ولنبلونکم بشئی من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون، اولئک علیہم صلوات من ربہم ورحمۃ واولئک ہم المہتدون۔

ان خداوندی امتحانات میں پاس ہونے کی ہی فکر کرنی چاہئیے، وہ کریم کارساز دیکھتا سنتا ہے، اسی سے شکوہ اور اسی سے دادرسی کی خواہش رکھنی چاہئیے، وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون، گھبرائیے نہیں استقلال اور توکل علی اللہ کو ہاتھ سے نہ دیجئے دنیا دار فانی ہے، اور چند روزہ ہے، یہاں کی تکلیف بھی اور راحتیں بھی سب ناپائیدار ہیں، دو روزہ ہیں، دائمی راحت اور دائمی تکلیف آخرت کی ہیں، آخرت کی دائمی تکالیف سے بچئے اور

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۳۰) دنیوی پر اعتماد کا سراغ نہیں مل رہا ہے، یہ ہر مجاز اور خلفائے مشائخ کے بس کی بات نہیں، اللہ اکبر کیا ہے مقام مدنی کی رفعت اور اس سلوک تصوف کی عظمت کا کہ ہر حالت میں راضی برضا، مولیٰ ہی کو تمام کامیابی کا پیش خیمہ گردانا جا رہا ہے، اور گویا آنکھوں کا دیکھا بھالا اور آزمودہ نسخہ تجویز کیا جا رہا ہے تو پھر اسکے زود اثر ہونے میں کیا شبہ ہے، کیا یہ نسخہ ضائع جائے گا۔ معاذ اللہ۔

اس کی دائمی راحتوں کے حاصل کرنے کی فکر اور جد و جہد کرنی ازبس ضروری ہے اس لئے غم و غصہ تو چھوڑیئے اور مالک الملک ذوالجلال والاکرام کی رضاجوئی اور اس کی خوشنودی کے حاصل کرنے میں دن رات کوشاں رہیئے۔ ؎

یوسف گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور | کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

ہاں مشو نومید چوں واقف نۂ از سرِ غیب | باشد اندر پردہ بازیہائے پنہاں غم مخور

دورِ گردوں گر دو روزے بر مراد ما نگشت | دائماً یکساں نماند کارِ دوراں غم مخور

گر بہارِ عمر باشد باز بر طرفِ چمن | چتر گل بر سر کشی اے مرغ خوشخواں غم مخور

ہر کہ سرگرداں بعالم گشت و غم خوارے نیافت | آخر الامر او بغم خوارے رسد ہاں غم مخور

• صبرِ جمیل کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام کو کیا گیا ہے، اسی کا اقتدا ہم کو اور آپ کو کرنا چاہیئے، فرمایا جاتا ہے۔ فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل الآیۃ اس کو یاد کیجئے اور انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ پر عمل کیجئے، جناب والد صاحب اور بھائیوں اور بہنوں کو میرا سابق مضمون سنا دیجئے اور سب کو رضوان خداوندی کی طلب میں تیز گام بنائے، اللہ آپ کو اور ہم کو اور مسلمانوں کو اپنی مرضیات کی توفیق عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۴ ر ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ

مکتوب نمبر ۳۹

جناب حکیم اعظمی صاحب بمبئی کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف

مولانا محمد جلیل صاحب مع رفقاء حاضر خدمت ہو رہے ہیں، چاہیئے تو یہ تھا کہ میں انکے

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۹) مولانا حکیم اعظمی صاحب بمبئی جمعیۃ علماء کے صدر اور مشہور قومی کارکن ہیں، اخلاص کے ساتھ خدمت خلق ان کی زندگی کا وہ کارنامہ ہے جس نے موصوف کو مخالفین کی نظروں میں بھی

ساتھ آکر خود جہاز پر سوار کراتا، مگر اس لئے کہ آنجناب اور مولانا سیف اللہ صاحب اور مولانا عبدالعزیز صاحب اور دیگر احباب کرام کی موجودگی میں میرے حاضر ہونے کی ضرورت نہیں ہے، جملہ ضروریات اور ذرائع راحات علی الکمل الوجوہ مہیا فرمادیں گے، نیز فارغ البالی بھی نہیں ہے، حاضری سے مجبور رہا اور ضروری نہ سمجھا، جہاز میں ان حضرات کے لئے بہترین جگہ کا انتظام کرادیں، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ

مکتوب نمبر ۴۰

جناب حاجی شیخ ولی محمد صاحب جونپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

والانامہ باعث سرفرازی ہوا، آپ نے والانامہ کے سرے پر سیدالمرسلین لکھا ہے،

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۳۹) محبوب بنادیا ہے، ہندوستانی مدارس کے سفراء اور مذہبی اداروں کے رہنماؤں کے ساتھ انکا تعاون اگر نہ ہو تو بمبئی کے اندر شاید ہی کسی کو کامیابی ہو، عظمی صاحب پر خدمت خلق کا جذبہ اپنے شیخ حضرت مولانا مدنیؒ کی خصوصی توجہ کا مرہون منت ہے، جو بقول سعدیؒ ؎

طریقت بجز خدمت خلق نیست   بہ تسبیح وسجادہ ودلق نیست

اس والانامہ میں حضرت شیخؒ کا یہ فقرہ "نیز فارغ البالی بھی نہیں ہے" اس مکتوب کی جان ہے اتنا بڑا شیخ الکل جس کے متوسلین اور مریدین کی تعداد لاکھوں سے کم نہیں ہے مگر وہ فارغ البال نہیں ہے معلوم ہوا کہ اس شیخ کامل کا رشتہ اپنے مریدوں سے وہ رشتہ زراندوزی نہیں ہے جو عام طور پر اسی لئے قائم ہی کیا جاتا ہے۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۴۰) حاجی شیخ ولی محمد صاحب حسینیہ ٹمبر شاپ سبزی بازار جونپور، حضرت امام العصرؒ کے مخصوص خادموں میں ہیں، آپ کے نام جملہ خط وکتابت جیل ہی سے ہوتی رہی ہے، یہ خط بھی جیل

یہ کس قدر غلط ہے، یہ لفظ بجز جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی پیغمبر پر بھی نہیں بولا جا سکتا، اگرچہ حروف آپ کے لکھے ہوئے نہیں معلوم ہوتے، مگر والانامہ تو آپ ہی کا ہے، اس کو سخت تنبیہ ہونی چاہیئے کہ ہرگز ایسا لقب کسی شخص کے لئے آئندہ نہ لکھے اور توبہ کرلے۔

کھنڈہ ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے مولوی عبدالغفار مرحوم فاضل دیوبند، برہما میں تجارت کرتے تھے، ان کے ایک ہزار روپئے میرے پاس امانت ہیں، جو کہ محفوظ رکھے ہوئے ہیں، قاری صاحب کو اس کی خبر ہے، معلوم ہوا کہ مولوی عبدالغفار صاحب برہما سے آکر ایک ماہ اپنے مکان پر رہے، اور پھر بیمار ہو کر وفات پا گئے، ہم کو ان کے ورثاء کی تفصیل معلوم نہیں، انتقال کی خبر ابھی ملی تھی، جب کہ میں نے قاری صاحب سے تقاضا کیا کہ ان کے وطن میں خط بھیجکر دریافت کریں، چنانچہ انھوں نے دریافت کیا، اور جواب ملا، اس پر میں نے قاری اصغر علی صاحب کو لکھا ہے کہ یا تو خود یا منشی محمد شفیع صاحب ان روپیوں کو لیکر آپکے پاس جونپور جائیں، اور آپ کے ہمراہ کھنڈا مولوی عبدالغفار صاحب کے مکان پر پہونچکر ان کے شرعی ورثہ کو دریافت کریں، اور ملکر پوچھیں کہ آیا کوئی وصیت مرحوم کی ان روپیوں وغیرہ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر۴) سے ہی تحریر فرمایا ہے اسی وجہ سے مشہور اسم گرامی کے بجائے تاریخی نام استعمال فرمایا ہے۔ حاجی ولی محمد صاحب کے بڑے کارنامے ہیں، جس کو ہم نے پہلی جلد کے حواشی میں لکھدیا ہے، اس والانامہ میں چند باتیں قابلِ غور اور لائق احتیاط ہیں، پہلی بات یہ کہ بزرگوں کو القاب و آداب وہی لکھے جائیں جو ان کی حالت کے مطابق اور حدود شریعت کے اندر ہوں، نہ یہ کہ ایسے الفاظ لکھے جائیں جو بجائے ان کے حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے لکھے جا سکتے ہیں، حضرت شیخ الاسلام کا تصوف انبیاء علیہم السلام کے احوال کی پیروی ہے، اولیائے کرام کے مقام کی جہاں انتہا ہوتی ہے، انبیاء علیہم السلام کا ابتدائی قدم اس سے بھی کچھ آگے ہی ہوتا ہے، اس لئے ان حضرات کے کسی اوصاف میں اولیائے کرام کو برابری حاصل نہیں، پس مرید کو زیبا نہیں کہ ایسے الفاظ لکھے یا زبان سے نکالے جو پیغمبروں

کے متعلق ہے یا نہیں اگر ہو تو اس پر عملدرآمد ہوا اور اگر نہ ہو تو ورثہ کو دو گواہوں کے سامنے یہ روپیئے دیئے جائیں اور رسید لے لی جائے، وہ دونوں آپ کی اعانت کے بغیر بہبات میں جاکر انجام دینے سے تقریباً عاجز ہوں گے۔

یہ معلوم کرکے افسوس ہوا کہ آپ کو بنارس کے سفر میں کچھ ایسی بدعنوانیاں پیش آئیں جن کی وجہ سے تکلیف زیادہ ہوگئی۔

محترما! بڑوں کا مقولہ ہے "تعاشروا کالاخوان وتعاملوا کالاجانب" یعنی میل جول اور اٹھنا بیٹھنا بھائیوں کی طرح سے کرو، اور معاملہ اجنبیوں کی طرح کرو۔ آپ کا ان تمام چیزوں میں شرمانا، اور مصارف کا خبر نہ کرنا، اصول معاملہ اور اصول تجارت دونوں کے خلاف ہے میں بادشاہ سلامت مرحوم کو بھی روپیئے بھیجتا رہتا ہوں

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۴) کیلئے مخصوص ہیں شیخ الاسلامؒ ان بزرگوں میں نہیں ہیں کہ مرید کی ہربات کی توجیہ کرکے اور اس کو محبت کے دائرہ کے اندر لاکر گستاخ بنائیں، بلکہ سخت نکیر فرماتے ہیں، یہ والانامہ سب سے بڑا ثبوت ہے، دوسری بات اس والانامہ میں امانت کی ہے، خیر یہ تو ہزار روپے کا معاملہ تھا اگر لاکھوں اور کروڑوں کا قصہ ہوتا تو بھی ہمارے حضرت اسکو آنکھ اٹھاکر نہ دیکھتے، کیونکہ ان حضرت کا مقام یہ ہے جس کی استاذ مرحوم مولانا فراہی نے نہ صرف اپنی بلکہ جملہ اکابر ملت کی ترجمانی اسطرح فرمائی ہے

چشم بر شوکتِ شاہی نہ کشایم ہرگز — کہ نگاہم بہ سوے شوکتِ وشانِ دگر است

تیسری بات یہ ہے کہ سفر میں اکثر مسافر کو خسارہ اور نقصان اسوجہ سے اٹھانا پڑتا ہے کہ جلد اس کا تعلق ایسے لوگوں سے ہوجاتا ہے جن سے نہ کبھی کی دید و شنید اور نہ دور و قریب کا کوئی تعلق۔ بالخصوص آج کل تو روزانہ اخباروں میں ٹرینوں کے اندر لوگوں کے لٹ جانے کے واقعات آئے دن سننے میں آتے رہتے ہیں، اس لئے کمال احتیاط یہ ہے کہ ان کو اجنبی سمجھا جائے نہ ان کی کوئی چیز کھائے نہ پیئے، نہ سونگھے، بالکل الگ تھلگ رہے، انشاء اللہ محفوظ رہیگا اس والانامہ میں انہیں امور کی جانب اشارہ ہے۔

اور بھائی محمد بشیر صاحب کو بھی بھیجتا رہتا ہوں مگر افسوس کہ ان لوگوں نے نہ مجھ کو کوئی خبر کی، اور نہ آپ کو قیمت دی، اب آپ مہربانی فرماکر اس لکڑی کی قیمت جو کہ بھائی محمد بشیر صاحب نے لئے ہیں اور اس پر جو مصارف ہوئے ہوں ان کو بتلائیے، ایسے امور میں پہلو تہی کرنا نہایت قبیح ہے۔ والسلام۔

دعاگو چراغ محمد ۱۳ ارشعبان ۱۳۶۳ھ

مکتوب نمبر ۱۴۱

جناب بابو سراج الحق خانصاحب سیدھاری اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

حضرت مولانا نجم الدین صاحب کی زبانی آپ کی پریشانیاں معلوم ہوئیں سخت صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مکروہات سے محفوظ رکھے آمین۔

یہ سن کر بہت ہی زیادہ صدمہ ہوا کہ مولانا موصوف نے سلسلۂ ترجمۂ قرآن بند کر دیا ہے، میں نے اس پر مولانا سے پُر زور طریقہ پر اپیل کیا ہے، کہ وہ ہرگز ہرگز اس خیر کو منقطع

حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۱) اس والانامہ اور حکم کی بنا پر درس قرآن کریم پابندی کے ساتھ ہو رہا ہے اور یہ سلسلہ شہر اعظم گڈھ میں بھی صرف ہفتہ میں ایک روز کے لئے قائم کر دیا گیا ہے، جس کے محرک شیخ عبدالرؤف صاحب ہیں، اور بحمداللہ لوگوں کی دلچسپی ترقی پذیر ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہیئے کہ یہ سلسلہ تادیر قائم رہے، آمین۔

سیدھاری میں صرف بابو سراج الحق صاحب واقعی ایک صالح اور دیندار بزرگ ہیں جو دین کی خاطر اپنے خاندانی لوگوں کے نت نئے فسادات کو برداشت کرتے رہتے ہیں، اور باوجود قدرت کے ان کا جواب دینا پسند نہیں کرتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کا قیام آپ ہی کے دولت کدہ پر ہوا کرتا تھا۔

نہ فرمائیں، اور آپ سے بھی پُر زور اپیل کرتا ہوں، کہ آپ ایسے سلسلۂ خیر کو منقطع نہ ہونے دیں ایک شخص کو بھی کچھ ہدایت ہو جائے، آپ کیلئے اور آپ کے مسکن اور شہر کے لئے خیر عظیم ہے اور اس کو جاری ہی رہنا چاہیئے، وفقنا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ (آمین)

پھر عرض ہے کہ آپ گھبرائیں نہیں، صبر و استقلال کے ساتھ مشکلات کا سامنا کریں اور ہمیشہ اپنی توجہ جناب باری عز اسمہٗ کی عنایت اور مشکل کشائی کی طرف رکھیں، ع

دشمن اگر قوی است مہرباں قوی تراست

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ از ٹانڈہ ۶۲ھ

مکتوب نمبر (۴۲)

جناب اقبال احمد صاحب تاج مالکی نقشبندی نیندرو ضلع بجنور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں، مولانا عبد القدیر صاحب انبھٹوی، خلیفہ حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب مرحوم رائپوری کے عقد نکاح پر سنا جاتا ہے کہ لوگوں میں خلجانات اور اعتراضات واختلافات ہیں اور بعض احباب اس امر کو مولانا کے تقدس اور ارشاد وطریقت کے منافی سمجھتے ہیں، اس لئے میں احباب کو متنبہ کرنا چاہتا

(حاشیہ مکتوب نمبر ۴۲) اسلامی تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے عمر کے آخری حصہ میں شادی کی، اور چار چار بیویاں آپکے حبالۂ عقد میں تھیں، جن سے بیس لڑکے اور انیس ۱۹ لڑکیاں پیدا ہوئیں، حضرت خواجہ اجمیری چشتیؒ، حضرت بابا صاحبؒ اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے شادیاں کیں اور آخری عمر میں کیں، چنانچہ موخر الذکر بزرگ کے بارے میں یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت رفیع الشان اور نورانی عمارت ہے اور اولیاء اللہ اس میں آتے جاتے ہیں، مگر یہ جب اندر جانے کا ارادہ کرتے ہیں تو دروازے بند پاتے ہیں معلوم

ہوں کہ عقد نکاح حسب تصریحات فقہاء ضروریات بشریہ سے ہے، جس سے انسان کسی عمر میں نہ مستغنی ہو سکتا ہے اور نہ اس سے کوئی مرتبہ باطنی یا ظاہری مانع ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایام خلافت میں جب کہ وہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور انکی متعدد اولاد بڑی بڑی عمر والی موجود تھیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بہت بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جو کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بھی چھوٹی تھیں ان سے نکاح کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بخوشی اس کو منظور فرمایا، کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہوا ام کلثوم رضی اللہ عنہا دوشیزہ اور بہت چھوٹی عمر والی تھیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس صورت سے سلسلہ قرابت حاصل کیا، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نکاح میں آخری ایام تک رہیں، اسیطرح حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے صوبہ سرحد میں باوجود ضعیف العمری اور اعلیٰ درجہ کے عارف باللہ شیخ مشائخ طریقت اور قطب وقت ہونے کے ایک دوشیزہ لڑکی سے شادی کی جس سے ایک بچی پیدا ہوئی تھی اور وہ بچی اور اس کی ماں بعد شہادت حضرت سید احمد شہید مرحوم باقی رہے، اس قسم کی مثالیں اسلاف کرام میں بکثرت موجود ہیں، یہ اعتراضات بیوقوفی کے ہیں، لوگوں کو ایسی فضولیات

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۴۲) ہوا کہ یہ بارگاہ نبوی صلعم ہے، خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ انعامات بخشے، نوازا، مگر آج مجھے اس دربار میں جانے کی اجازت نہیں ملتی، اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارت کے ایک حصہ سے سر نکال کر فرمایا کہ یہاں اسی کو باریابی حاصل ہو سکتی ہے جو میری سنت ادا کرے، آنکھ جو کھلی تو حضرت بایزید آبدیدہ تھے فرمایا حکم نبوی سے چارہ نہیں اور ضعیف العمری میں شادی کرلی، شادی از روئے مذہب کتنی ضروری اور اساسی چیز ہے اور اولیاء اللہ بھی اس وقت تک مراتب جلیلہ پر نہ پہونچے جب تک کہ وہ شادی نہ کر سکے۔

اس والا نامہ میں بے علم اور نادان لوگوں کے لئے بڑی تنبیہ ہے۔

سے بچنا چاہیئے، اور اپنی عاقبت خراب نہ کرنی چاہیئے، مجھے اس سے سخت صدمہ ہوا کہ بیوتوفوں نے اس کو بحث کا اکھاڑہ بنا رکھا ہے، امیدوار ہوں کہ احباب اس سے پرہیز فرمائیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ٹانڈہ ۶۲ھ

مکتوب نمبر ۴۲

جناب مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الفقہ والادب دیوبند کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا، بخاری شریف کے ختم کرا دینے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میں حیران ہوں کہ آپ کو مبارکباد دوں یا اپنے آپ کو بہرحال آپ کی گوناگون عنایات نے اس قدر مجھکو گرانبار کر دیا ہے کہ سر اٹھا نہیں سکتا ے

سا شکر عمرو ان تراخت منیتی ایادی لم تمنن وان ھی جلت

رأی خلتی من حیث یخفی مکانھا فکانت قذی عینیہ حتی تجلت

جب سے نئی گرفتاریاں شروع ہوئی ہیں تقریباً ڈیڑھ سو آدمی گرفتار ہوکر آگئے ہیں جب سے میری ملاقات اور اخبار سب بند کر دیئے گئے ہیں، دارالعلوم کا مفاد اور اسلامی خدمات سب پر مقدم ہیں، اخلاص و للہیت کے ساتھ اس کا خیال رکھیں اغوا ہوں اور خود غرضوں کا کبھی اعتبار نہ کریں، "با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا" کا خیال رکھتے ہوئے۔ فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم[1] پر عمل پیرا رہیئے، اور جس قدر ممکن ہو ذکر اور فکر میں وقت صرف کیجئے۔ ع وخیر جلیس[2] فی الوجود الہ۔ انا جلیس[3] من ذکرنی، ارشاد نبوی علیہ السلام

(حاشیہ مکتوب نمبر ۴۲) عربی کے ان دونوں شعروں کا ترجمہ پہلی جلد میں ہو چکا ہے،

[1] سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل بن گیا ہے۔

[2] جو چیزیں ہیں ان میں سب سے بہتر ساتھی وہمنشین اللہ ہے۔

[3] خدا کا ارشاد ہے جو مجھکو یاد کرتا ہے میں اس کا ہمنشین ہوتا ہوں۔

روایۃ عن اللہ ہے اس کو غنیمت سمجھئے، اللہ تعالیٰ کی مجالست کے برابر کسی مجالست ہو سکتی ہے، پھر کیوں ہم عمر ضائع کریں، من نہ کردم شما حذر بکنید ؎

دوستان تضییع عمرت میکنند   نخل عمرت را بافسوں میکنند

ہر نفس بہ سیمائیست چست   گر نداری پاس اواز جہل تست

این چنیں انفاس خوش ضائع مکن   غفلت اندر شہر جاں شائع مکن

پھرنے والی الماری پر بڑا قرآن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا چار ترجمہ والا بوسیدہ جلد کا ہے، اس کی مضبوط اور عمدہ جلد بنانے کی ضرورت ہے، اور اگر وہ مجھ تک پہونچا دیا جائے تو بعض ضروری فوائد سے استفادہ کرسکوں گا، اور اگر یہ نہ ہو سکے جب بھی اس کی مضبوط جلد بندھ جانی چاہیئے۔   والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۳ر شعبان ۱۳۶۱ھ

مکتوب نمبر ۱۴۴

آپ کو افواہوں پر کان نہ دھرنا چاہیئے، ذکر پر مداومت کیجئے۔ اس دنیا میں کون ہے جو لسان ناس سے محفوظ رہا ہو۔ ؎

قیل ان الالہ ذو ولد   قیل ان الرسول قد کھنا

اپنے کام سے کام رکھیئے، علیک بخاصۃ نفسک ودع عنک امر العامۃ، اور اگر طبیعت پریشان ہوا کرے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جاکر ایصالِ ثواب کے بعد

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۴) عربی شعر کا ترجمہ یہ ہے، کہ کہنے والوں نے تو خدا کو صاحب اولاد کہدیا، اور رسول کو کہا کہ کاہن ہو گیا ہے، سبحان من اقام العباد فیما اراد، کا ترجمہ یہ ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے بندوں کو جس کام میں اپنے چاہا لگا دیا، آخر کے شعر کا ترجمہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہی طلب کرو، جو اس کے خزانہ میں ہے کیونکہ تمام کاموں کا انحصار کاف اور نون پر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم "کُنْ" پر ہے۔

ذکر میں مشغول رہتے ہوئے تھوڑی دیر جب تک جی لگے بیٹھا کریں، انشاء اللہ سکون ہوگا، اور فائدہ بھی، اگر اجتماع کیا جائے، اور اس میں شرکت ضروری ہو تو جا کر بلا حیا و حجاب صاف طور سے اپنی رائے پیش کر دیجئے، خواہ مانی جائے یا نہ، سوائے اللہ تعالیٰ کسی سے توقع نہ رکھیئے، اسی سے لو لگائیے۔ ؎

بابا رشتہ سب سے توڑ بابا رشتہ حق سے جوڑ

افکار کو دل میں جگہ نہ دیجئے۔ فکر ہو تو اللہ تعالیٰ کی، خیال ہو تو اللہ تعالیٰ کا دھیان ہو تو اللہ تعالیٰ کا۔ ؎

از دل بروں کنم غم دنیا و آخرت در باغ دل رہا نہ کنم جز نہال تو

از دل بروں کنم غم دنیا و آخرت یا خانہ جائے ذکر بود یا خیال تو

آخر کب تک ان اصطلاحی اور رسمی علوم میں دل و دماغ اور اعضائے رئیسہ کو کھپایئے گا، کیا قرآن حکیم اسی واسطے اتارا گیا ہے؟ کیا پیغمبر اس کے لئے بھیجے گئے ہیں، روح اور قلب کو محبوب حقیقی کی محبت اور تعظیم سے رنگیئے، اور اس کی یاد میں رنگین کیجئے، عمر کا بہت بڑا حصہ ان رسمیات میں گذر چکا ہے، یہ وسائل ہیں مقاصد نہیں ہیں، کب تک ان رسوم میں جو کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہیں تھیں، عمر کو ضائع کیجئے گا۔

تجوینات کو مکرین کے حوالہ کیجئے۔ سبحان من اقام العباد فیما اراد، طلبہ پر جس قدر شفقت ہو سکے عمل میں لایئے، ان کو اپنی اولاد سمجھئے، اور مثل ابوین ان سے معاملہ کیجئے۔

والسلام۔

داستر زق اللہ عمانی خزائنہ

فانما الامر بین الکاف والنون

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

مکتوب نمبر ۴۵

جناب حافظ سادات حسینؒ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مولانا محمد میاں صاحب کے والد ماجد کی بیماری کی وجہ سے فکر ہے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ شفائے کلی عطا فرمائے آمین، ان تکالیف کی وجہ سے کبیدہ خاطر نہ ہوں احادیث صحیحہ بتلاتی ہیں کہ مسلمان کے لئے دنیا کی یہ تمام تکالیف اس کی گناہوں کے لئے کفارہ اور باعث معافی ہوتی ہیں، بیماریوں کی وجہ سے مسلمان سے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح پت جھڑ کے زمانہ میں درختوں سے پتے جھڑتے ہیں، ارشاد نبوی علیہ السلام ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے اسکو مصائب میں مبتلا کرتا ہے اور جس قدر مسلمان کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے یہاں زیادہ ہوتا ہے اسی قدر وہ مصائب میں مبتلا کئے جاتے ہیں، پس آپ اپنی ان شدید تکالیف پر نہ صرف صبر جمیل (جس میں شکوہ شکایت نہ ہو) پر اکتفا کریں، بلکہ شکر گذار رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل رہیں اور اس سے عفو اور عافیت کے ہمیشہ طالب رہیں، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو اگر کسی دن کوئی مصیبت نہیں آتی تھی تو روتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج میرا رب مجھ سے کچھ خفا ہے، بہرحال خوش رہیئے اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر و استغفار میں کمی نہ کیجئے۔

والسلام

۱۲ رجب سنہ ۶۳ھ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۴۶

جناب محمد یونس صاحب دہلوی شو فیکٹری نظیر آباد لکھنؤ کے نام

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، مزاج شریف

میں بحمد اللہ خیر و عافیت سے ہوں۔ کوئی تکلیف سوائے احباب و اکابر کی دوری کے نہیں ہے۔ اتباع شریعت اور ذکر میں سعی بلیغ کا ہمیشہ خیال رکھیں، نماز پنجگانہ با جماعت ادا کریں، کبھی جماعت چھوٹنے نہ پائے۔ والسلام

۲۴ر صفر ۶۳ھ، الاسیر

مکتوب نمبر ۴۷

جناب محترم بدر الدین صاحب قصبہ پچولی ضلع میرٹھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ مزاج شریف

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، اگرچہ ۵ از تاریخ دسمبر یعنی ۵ ر ربیع الاول پہلے سے رامپور ضلع سہارنپور کے لئے مقرر تھی، مگر آپ کے جذبات قویہ نے کام کیا، اور انکو بعض اعذار کی بنا پر ملتوی کرنا پڑا، لہذا حسب ارشاد حاضری کی کوشش کروں گا، خدا کرے کہ کوئی عارض پیش نہ آئے، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۵ر صفر ۶۷ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۴۷) حضرت اقدس مدظلہ العالی کا یہ والا نامہ تقریب شادی دختر سلمہا کے سلسلہ میں ہے چونکہ جو تاریخ حضرت نے مقرر فرمائی تھی، اس پر تشریف لانے کی معذوری ظاہر فرمائی تھی، اس لئے میں نے عرض کیا کہ جب تک حضور کی شرکت نہ ہوگی میں عقد نہ کروں گا۔ اس پر یہ والا نامہ شرف صدور

مکتوب نمبر ۴۵

جناب مولانا قاری محمد میاں صاحب مدرس فتحپوری دہلی کے نام

محترما! یہ عمر عزیز اور اس کے لمحات نہایت بیش قیمت جواہر ہیں ہم اپنی غفلتوں میں ان کو ضائع کر رہے ہیں، جن کا خمیازہ بجز کف افسوس ملنے کے اور کیا ہو سکتا ہے، اور کیا ہوگا جب کہ ہم کو کہا جائے گا اولم نعمرکم ما یتذکر فیہ من تذکر وجاء کم النذیر الآیۃ

میرے محترم! دوستوں اور احباب کی وجہ سے ان لمحات عزیزہ کو ضائع کرنا کس قدر بیوقوفی ہے، سوچ کر اور غور کر کے اس کو سمجھیئے ۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۴۴) ہوا، جو بجنسہٖ ارسال خدمت ہے ۔ (بدرالدین)

بظاہر اس والانامہ میں کوئی خاص بات افادہ کی نہیں ہے اور نہ میں اسکو درج کرتا لیکن مارچ ۱۹۵۳ء میں خاکسار نے جب دیوبند آستانۂ مدنی پر حاضری دی تو منجملہ اور بہت سی باتوں کے بھائی بدرالدین صاحب کی ملاقات کا شرف پہلی بار حاصل ہوا، انکو دیکھکر حضرت شیخ سے اپنی محبت اور عقیدت کلی کوئی وزن ہی نہیں رہ گیا، کیسے بتاؤں کہ بدرالدین صاحب کیا ہیں اور ان کا تعلق اپنے شیخ سے کسطرح کا ہے، البتہ خدا سے یہ عاضر ور ہے کہ وہ جملہ مدنی برادری کو وہی عشق و محبت دیدے، جو بدرالدین صاحب جیسے لوگوں کو ہے "فدت نفسی ما ملکت یمینی" کی سچی تصویر وہیں دیکھنے میں آئی، تصوف وسلوک کی راہ بہت دشوار راہ ہے لیکن اس ہفتخوان رستم کو عشق و محبت سے طے کیا جا سکتا ہے، جو حضرات چشتیہ کا اساسی مسلک ہے، اور یہی وہ راز ہے جسکو پاکر انکی حریم ناز میں باریابی کا شرف حاصل ہو گیا اور کہنا پڑا ۔

طے شود منزل صد سالہ بآہے گاہے

حضرت شیخ مدظلہ العالی کے اس جملہ کے اندر "مگر آپ کے جذبات قویہ نے کام کیا" سے اسی جانب اشارہ ہے جو ناچیز نے ظاہر کر دیا ہے ۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۴۵) مولانا قاری محمد میاں صاحب، جوان صالح اور صاحب استعداد عالم ہیں

دوستان تضییع عمرت می کنند نخل عمرت رانسوں می کنند

یہ جلسہ بازیاں اور اٹکھیلیاں آج اچھی معلوم ہورہی ہیں، مگر موت کے قریب اور بعد ان پر لعنت اور ہزار لعنت بھیجنی ہوگی، ان میں جہاں تک ممکن ہو کمی کیجئے۔ لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ پر غور کیجئے المال والبنون زینة الحیوٰة الدنیا والباقیات الصالحات کو پس پشت نہ ڈالئے، یہ جوانی کی عمر اور صحتِ حاضرہ نہایت عظیم الشان نعمت ہے، اس کو ضائع نہ ہونے دیجئے۔ ؎

ہر نفس بہر مسیحا ئیست چست گر نداری پاس او از جہل تست

ایں چنیں انفاس خوش ضائع مکن غفلت اندر شہر جان شائع مکن

نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس الصحة والفراغ، اس کی قدر کیجئے، اور پاس انفاس کو اس درجہ بڑھائیے کہ بلا قصد و بلا اختیار ہر وقت ہونے لگے، اور اس کے بعد ذکر قلبی کے جریان کی نوبت پہنچ جائے، اور ترقی سلوک کا راستہ کھل جائے تاخیر نہ کریں اتباع سنت کا ہر حرکت و سکون میں لحاظ رکھیئے، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۴۸) موصوف کو قریب سے دیکھنے کا موقع اور زیارت کا شرف ۱۱ر مارچ ۱۹۵۳ء دہلی میں نصیب ہوا مدنی تربیت کا خاصہ ہی یہ ہے کہ آدمی میں اخلاص اور تواضع پیدا ہو اور خدمت خلق اس کا مطمح نظر ہو جو بحمد اللہ موصوف میں موجود ہے، اس مکتوب گرامی کی آیات و حدیث کا ترجمہ یہ ہے، ۱؎ کیا ہم نے عمر نہ دی تھی تم کو اتنی کہ جس میں سوچ لے جس کو سوچنا ہو، اور پہنچا تمہارے پاس ڈرانے والا ۲؎ اے ایمان والو غافل نہ کریں تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے ۳؎ مال اور بیٹے رونق ہیں دنیا کی زندگی میں اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے یہاں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے، کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جو اکثر لوگوں کو میسر نہیں ہوتیں اُن کو ان نعمتوں میں گھاٹا رہتا ہے ایک تندرستی دوسرے فارغ البالی پس جسکو یہ چیزیں میسر ہوں اسپر لازم ہے کہ انکو اللہ کی نعمت سمجھے اور ہمیشہ شکر ادا کرتا رہے

مکتوب نمبر ۴۹

جناب مولانا سید محمد قاسم صاحب محلہ کٹرہ پورنجات مراد آباد کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج مبارک

مندرجہ ذیل جوابات آپ کے سوالات کے ہیں۔

(۱) آپ فرماتے ہیں وہ کیا خاص عمل ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے

جواب:۔ ذکر خداوندی، حدیث قدسی میں آیا ہے انا[۱] مع العبد ما تحرکت بی شفتاہ، دوسری حدیث میں ہے، انا[۲] جلیس من ذکرنی، اس بارہ میں اس جیسی کی بہت سی حدیثیں وارد ہیں،

(۲) آپ فرماتے ہیں کہ کسطرح دعا کرنے سے قبول ہوتی ہے، دعا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:۔ تضرع اور زاری اور دل لگا کر مانگنے سے اور حلال مال اپنے اوپر صرف کرنے سے اور جلد بازی نہ کرنے سے، اللہ تعالیٰ سے مایوس نہ ہونے سے۔

(۳) وہ کیا عمل ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رزق میں کمی کر دیتا ہے؟

جواب:۔ کفران نعمت۔

(۴) آپ فرماتے ہیں وہ کیا عمل ہیں جن سے مال و دولت زیادہ کردیجاتی ہے؟

جواب:۔ شکر گذاری اور تقویٰ۔

(۵) آپ فرماتے ہیں کہ کس عمل سے اللہ تعالیٰ بندہ کو دنیا میں بے عزت، ذلیل و خوار، کنگال بنا دیتا ہے؟۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۴۹) اس والا نامہ میں کوئی بات مبہم نہیں ہے، بلکہ سوال اور جواب ساتھ ساتھ درج ہیں، ہاں حدیث نمبر۱ کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جبتک اسکے ہونٹ میری یاد میں ہلتے رہیں، [۲] جو مجکو یاد کرتا ہے میں اس کا ہمنشین ہوں۔

جواب :۔ تکبر وانانیت اور کمزوروں کو ستانا،

(۶) آپ فرماتے ہیں کہ کس عمل سے عزت و فار بخش دیتا ہے؟

جواب :۔ حقیقی تواضع و انکسار اور کمزوروں کی خبرگیری و ہمدردی جو اللہ ہی کے لئے ہو، واللہ اعلم

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲؍محرم ۷۰ھ

مکتوب نمبر ۵

جناب مولوی عبدالہادی صاحب محلہ کٹرہ پورنجاٹ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

(۱) سوال، کیا ازل سے ابتک اللہ جو کرتا آیا ہے، وہ اللہ اب جانتا ہے؟

جواب :۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے، جن کو وہ کرتا آیا ہے ازل سے ابد تک کی تمام چیزیں اس کے علم میں ہیں۔

(۲) سوال۔ اب سے کل ابد میں اللہ خود جو کرے گا وہ اللہ اب جانتا ہے؟

جواب :۔ بیشک اللہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اور جو کچھ وہ ابد تک کرے گا اس سب کو اب بھی جانتا ہے، اور پہلے بھی جانتا تھا اور آئندہ بھی جانتا رہے گا۔

(۳) سوال۔ کیا اللہ ازل سے ابد تک کا سب کچھ جانتا ہے؟

جواب :۔ ہاں ازل سے ابد تک کا سب کچھ جانتا ہے۔

حاشیہ مکتوب نمبر ۵) اس مکتوب گرامی میں ازل اور ابد کی دو اصطلاحات آگئی ہیں پس ازل کے معنی جس چیز کی ابتداء نہ ہو یعنی ہمیشہ سے ہو اور جس چیز کی انتہا نہ ہو، یعنی ہمیشہ رہے، اس کو ابد سے تعبیر کیا جاتا ہے، لہذا خداوند تعالیٰ ازلی بھی ہے اور ابدی بھی جس کو دوسرے لفظوں میں قدیم کہا جاتا ہے۔

(۴) سوال. کیا اب کے کل ابد میں جو کچھ ہوگا، وہ اللہ اب جانتا ہے۔

جواب:۔ بیشک اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اور ہمیشہ کا سب کچھ جانتا ہے۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند ۴ محرم ۱۳۷۰ھ

مکتوب نمبر (۱۵)

جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب آبہ ڈاک خانہ نانوتہ ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

والانامہ پہونچا، صاجزادی سلمہا کے نکاح کے قابل ہو جانے سے خوشی ہوئی ضروری ہے کہ جلد از جلد اس کا عقد شرعی کر دیا جائے، ہرگز ہرگز دیر نہ کیجئے، شریعت نے کوئی قید زیور اور جوڑا اور بارات اور ولیمہ وغیرہ کی نہیں لگائی ہے، خصوصاً غریبوں کے لئے، تو اس قسم کی فضول خرچیوں کو عمل میں لانا درست ہی نہیں ہے، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بڑی صاجزادی کا عقد جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد کر دیا تھا نہ لڑکی کی ماں کو خبر کیا نہ کسی خاندان والے کو اطلاع دی، فقط لڑکی کو جمعہ کے لئے جاتے وقت اجازت کے طور پر کہہ گئے تھے، اس نے شرم کی وجہ سے ماں سے بھی ذکر نہیں کیا

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۵) مسلمانوں میں متمدن طبقہ، دولت مندوں اور زمینداروں کا یہ دستور تھا کہ شادی اور غمی وغیرہ میں اللہ کی نعمت اور دولت کی بے قدری، اسراف اور فضول خرچی جو گروہ کر رہا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ یہ دولت اور ثروت ان سے چھین لی جائے، چنانچہ چھین لی گئی، اب جاکر دولت کی قدر، اور حقوق اللہ وحقوق العباد کے ادا نہ کرنیکا مزہ دنیا ہی میں مل گیا، ظاہر ہے کہ سلف صالحین کی روش اور اپنے اکابر او مشائخ کی پیروی ہی اصل اور اساس دین ہے، جنکو اچھے اچھوں نے ترک کرکے بجائے فائدہ نقصان پہنچانے کے مرتکب ہو گئے، حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی پر اتباع سلف صالحین اور اپنے اساتذہ و مشائخ سلوک کا گہرا رنگ ہے جس کا ثبوت محتاج دلیل نہیں، ابھی

نماز میں زامار کو کہلوا دیا تھا کہ نماز کے بعد مسجد میں ٹھہر جانا مجکو کچھ کہنا ہے، اور اسی طرح مسجد میں چار یا پنج بزرگوں کو جو ان کے واقف کار اور ہم مشرب تھے ان کو ٹھہرالیا تھا یہ سب لوگ جمعہ پڑھ کر مسجد سے چلے گئے، تو ان آٹھ دس حضرات کے سامنے نکاح کر دیا اور بیٹی کو ان ہی کپڑوں میں جو کہ وہ پہنے ہوئے تھی رخصت کر دیا تھا، اسی کے قریب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا، آپ اس کے لئے دوسروں سے مدد لینے اور مانگنے کو کہتے ہیں، یہ غلط امر ہے، نکاح میں ہرگز ہرگز دیر نہ کیجئے، اور کنبہ و برادری اور بارات وغیرہ کا خیال رکھئے، اور جو کچھ دو چار پیسہ آپ کے پاس ہوں بغیر قرض اور بغیر کسی سے مدد لینے کے جلد از جلد یہ کام انجام دیدیجئے، میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالےٰ آپ کی مدد فرمائے، آمین والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ مظفر نگر ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ

مکتوب نمبر ۵۲

جناب مولانا الحاج احمد بزرگ رحمۃ اللہ علیہ سملک ڈابھیل کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج مبارک

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۵۱) شوال ۱۳۷۱ھ کا تازہ واقعہ ہے کہ بعد نماز عصر مصلی ہی پر بیٹھے ہوئے شیخ الاسلام مدظلہٗ العالی نے اپنے صاحبزادہ مولانا محمد اسعد صاحب زاد شرفہٗ کا عقد ثانی اور اپنی لخت جگر سلمہا کا عقد نکاح مہر فاطمی پر پڑھ دیا، سنت کے مطابق خرمے تقسیم کر دئے گئے، اور پھر صبح کو دعوت ولیمہ ہوگئی، نہ بینڈوں سے نوید بازی تھی اور نہ ہفتوں سے آرائش وتزئین مکان کی گرما گرمی، نہ بارات تھی اور نہ امیر وغریب کی تفریق بلکہ ہر چیز میں دین اور اسلام مدنظر تھا، تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں نے ہر کام میں دین کو مقدم رکھا، اکثر دنیاوی فوائد سے محروم نہیں رہے اور اخروی خسارہ کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔

والانامہ رجسٹری بمعہ مبلغ للعمامۃ ۸؎ موصول ہوا، رقوم حسب تحریر اپنے اپنے موقع پر پہنچا دی گئیں، غالباً رسیدیں ان اصحاب نے لکھی ہوں گی۔

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اہلِ افریقہ جو کہ سفرِ حج میں آپ کے ساتھ تھے، وہ بیعت کے خواستگار تھے، آپ نے ان کو بیعت نہیں کیا، ان کو یہاں لانے والے تھے مگر بیماری کی وجہ سے نہ لا سکے اور ان کے پرمٹ کا وقت ختم ہوگیا، اس لئے وہ حضرات واپس چلے گئے، آپ نے اپنی نالائقی اور نااہلیت کیوجہ سے انکو محروم کر دیا۔

محترما! میں کب اس لائق ہوں، میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ نالائق اور ناکارہ پاتا ہوں، یہ کلام تکلفاً اور تصنعاً نہیں ہے، واقعی ہے، پھر کیا کیا جائے، اور قواز حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز باوجود ہر قسم کے انتہائی کمالات کے اپنے آپ کو نالائق سمجھتے تھے اور ایسے ہی اعذار درخواست کنندگان بیعت کے سامنے کرتے تھے، جس پر حاجی امداد اللہ قدس اللہ سرہ العزیز کو مندرجہ ذیل مکتوب لکھنے کی نوبت آئی جب کہ انہوں نے اپنی نسبت ایسے ہی کلمات لکھے تھے۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۵۲) مولانا احمد بزرگ صاحب مرحوم سملک کے باشندے تھے، شوال ۱۳۱۸ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، چار سال دارالعلوم میں رہ کر سندِ فراغت حاصل کی اور دورۂ حدیث حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھ کر ۱۳۲۲ھ کے آخر میں حضرت قطب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور تقریباً ۸-۹ مہینے شیخ طریقت کی خدمت میں بسر کرنے کا موقع ملا، ۱۳۲۸ھ میں دستار بندی ہوئی، چند سال افریقہ میں بھی قیام رہا، ۱۳۳۵ھ میں سورتی جامع مسجد رنگون کے مفتی ہوئے، بہت ہی سادہ زندگی تھی، تین حج نصیب ہوئے، حضرت پیر و مرشد کے وصال کے بعد حضرت مولانا تھانوی کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے، آخیر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی نے ۶۹ھ میں مولانا احمد بزرگ کو مجازِ طریقت بنا کر ڈابھیل سملک کے ایک مجمع عام میں اعلان فرما کر خلافت سے سرفراز فرمایا تھا، رحمۃ اللہ علیہ۔

بندۂ عاجز را نسبت خود ہمیں فہمیدن
باید کہ آن مقبول الٰہی بقلم آوردہ اند
دنی ایں تبع دین و ایمان اعتقاد و اعمال
ما بندگان اگرچہ باعتقاد فہم خود خوب
میدانیم و شائستہ می انگاریم لیکن ہرگز
نعوذ باللہ منہا لائق و سزاوار دربار
عالی وقار حضرت کردگار نیست مگرچہ
کردہ آید کہ بندہ گندہ و شرمندہ را بجز
بندگی شائستہ ناشائستہ چارہ نیست
بہر صورت بحال خستہ و شکستہ و بقصور خود
معترف گشتہ بر در کریم کارساز پیوستہ
افتادہ ماند و نہ فہمد کہ لائق دربار حضرت
سبحانہٗ تعالیٰ نیستم۔ ؎

تو مگو[1] ما را بداں شہ بار نیست
با کریماں کارہا دشوار نیست

بلکہ بدست ہمت دامن رحمت گرفتہ
نگذارد و امیدوار ماند اگر ایں چنیں کند
امید قوی است کہ ارحم الراحمین بندہ
شکستہ خود را نخواہد گذاشت زیرا کہ
او تعالیٰ از عبد خود بجز شکستگی و خستگی نمی
خواہد چنانچہ قولہ ؎

ایک بندۂ عاجز کو اپنی نسبت ایسا ہی گمان کرنا
چاہئے جیسا کہ ان مقبول بارگاہ خداوندی نے
یعنی آپ نے تحریر کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ اپنی نسبت
اعتقاد میں ہم اپنے دین ایمان اعتقاد و اعمال کو
بہتر اور لائق خیال کرتے ہیں لیکن نعوذ باللہ منہا
حضرت کردگار کے دربار عالی وقار کے ہرگز
لائق و شایاں نہیں ہے، لیکن کیا کیا جائے بندہ
گندہ، نادم و شرمندہ کو بھلی بری بندگی کے بغیر چارہ
بھی نہیں ہے، بہر صورت اسی شکستہ و خستہ حالت
میں اپنی کوتاہی کا اقرار کرتے ہوئے کریم کارساز
کے آستانہ پر ہمیشہ پڑا رہنا چاہئے اور یہ خیال
نہ کرنا چاہئے کہ میں سبحانہٗ تعالیٰ کے دربار کے
لائق نہیں ہوں۔ بیت

بلکہ ہمت کے ہاتھ سے رحمت کے دامن کو
نہ چھوڑے اور امیدوار رہے، اگر اسی طرح کرتا
ہے، تو امید قوی ہے کہ ارحم الراحمین
اپنے بندۂ شکستہ کو نہ چھوڑے گا۔ کیونکہ
خداوند تعالیٰ اپنے بندے سے بجز شکستگی
خستگی کے کچھ نہیں چاہتے۔ ؎

متعلقہ مکتوب نمبر ۲۰۰: [1] ترجمہ اشعار تم یہ کہو اس شہنشاہ تک رسائی نہیں ہوگی بڑے کریموں کا کام دشوار نہیں ہے بس اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی نواز سکتا ہے۔

من نگردم پاک از تسبیح شان	پاک هم ایشان شوند و درفشان
چند ازیں الفاظ و اضمار و مجاز	سوز خواہم سوز باں سوز ساز
غرضکہ در درگاہ بے نیاز جز نیاز و تضرع	غرض ان کی بارگاہ بے نیاز میں عجز تضرع
راہ نیست زیادہ ازیں تکلف نمودہ	وزاری کے کوئی کامیابی کا طریقہ نہیں
است کہ بفضلہ آن عزیز عالم عاقل	اس سے زیادہ عرض کرنا تکلف ہے کیونکہ
اند۔ الغرض نظر بفضل کریم کارساز	العزیز بفضلہ عالم و عاقل ہیں الغرض
نمودہ سنت پیران و پیشوایان خود	کریم کارساز پر نظر کرکے اور اپنے
دانستہ ہر کدام کہ طالب صادق آید	پیروں اور پیشواؤں کا طریقہ سمجھ کر
ہرچہ از بزرگان رسیدہ است و نیز	جو کچھ آپ کو بزرگوں سے پہنچا ہے اور
از کتاب ارشاد الطالبین و جواہر خمسہ	نیز کتاب ارشاد الطالبین جواہر خمسہ
در سالہ مکیہ کہ دران اشغال خاندان ما بیان	در سالہ مکیہ کو کہ ان میں ہمارے خاندان
است گرفتہ مناسب حال و استعداد	کے اشغال ہیں، لے کر جو طالب صادق
او تعلیم نمایند و دریغ ندارند آیندہ ہدایت	آئے اس کے مناسب حال واستعداد
کنندہ و فائدہ بخشندہ کہ طالب را رسانندہ	تعلیم سے مضائقہ نہ کریں آیندہ جس
است خود فائدہ و ہدایت و توفیق بخشید	ہادی اور نافع رساں ذات نے طالب کو بھیجا ہے خود
اھ مختصر۔	ہی فائدہ و ہدایت و توفیق بخشیں گے۔

مرقومات امدادیہ از کتاب امداد المشتاق ص ۲۰۸ و ۲۰۹ اور ص ۲۱۷ پر مکتوب پنجم میں فرماتے ہیں۔

(متعلقہ مکتوب نمبر ۲۵) لے ترجمہ اشعار فارسی۔ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) میں ان کی (بندوں کی) تسبیح سے پاک نہیں ہوتا، وہ خود ہی پاک اور گوہر افشان ہو جاتے ہیں۔

اس طرح کے الفاظ. ضمیر اور مجاز سے صرف سوز چاہتا ہوں. صرف سوز۔ اس سوز سے ساز کرلو۔

عزیزم دریں راہ جز درد نایافت و حسرت
و حرمان ہیچ نمی سزد چہ نایافت صورت
نیستی دارد و آنچہ یافت دارد و ہستی
بلائے سالک ہست و نیستی موجب
ثمرات بے غایات پس در نایافت
ماند تا زیست بکار خود باید بود کار خلق
حسب اجازت مشائخ باید کشود
ما و شما وسیلہ بیش نیستیم، مالک
تعالیٰ خود کار ممالیک خود می کند
وسائط را بہانہ نہادہ در روپوش
فیضان خود کردہ: واللہ تعالیٰ
معنا و معکم"
اھ مختصراً

عزیز من اس راہ میں سوائے درد ناکامیابی و
حسرت حرمان کے کچھ لائق نہیں ہے کیونکہ نایافت
صورت نیستی ہے اور یافت کامیابی کا ادعا ہستی
کی صورت ہے اور ہستی سالک کیلئے بلا ہے، اور نیستی
بے انتہا ثمرات کا باعث ہے پس جبتک زندگی
ہے آدمی دید نایافت میں بسر کرے اور کام میں مشغول
رہے اور حسب اجازت مشائخ مخلوق کی خدمت
کرے اور ہم اور تم وسیلہ سے زیادہ نہیں ہیں
اللہ تعالیٰ انھیں وسائط کے بہانے سے
اپنے فیضان کو چھپا کر اپنے بندوں
کا خود انتظام کرتے ہیں اور اللہ
تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

....

میرے محترم ان دونوں مکتوبوں سے صاف ظاہر ہے کہ ہم نالائقوں کو صرف کھینچنے والے پر نظر کرنی چاہیئے وہی ان بندوں کا کفیل اور ہدایت کرنے والا ہے، انکو وہ مشاغل اور اذکار تعلیم کر دیجئے، جو مشائخ کرام اور انکی کتابوں سے پہنچے ہیں: اللہ تعالیٰ کا فضل اور مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی برکتیں اور ان کی روحانیت کام کرے گی، ہیں اور آپ فقط وسائط ہیں اور بس جو بھی طالب صادق آئے اس کو رد مت کیجئے۔

آپ نے حالت بیماری میں جو بھی نمازیں ادا کی ہیں وہ انشاء اللہ مقبول ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، میں دعوات صالحہ کا بہت محتاج ہوں، فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام

حسین احمد غفرلہ ۱۲ رجب سنہ

مکتوب نمبر ۵۳

جناب مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور کے نام

مرقومات امدادیہ ص ۲۱۳ میں حاجی صاحب فرماتے ہیں۔ مکتوب سوم بنام

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔

مناسب کہ ہر کدام کس طالب کہ	مناسب ہے کہ جو طالب رجوع کرے
رجوع نماید اخذ بیعت نمودہ تعلیم نام	بیعت لے کر خدا کے نام کی تعلیم کریں
خدا نمایند ہرگز انکار نہ کنند ہدایت	اور ہرگز انکار نہ کریں، ہدایت کرنے
کنندہ ہادی مطلق است آں اکہ	والا ہادی مطلق ہے، جو بھیجے گا وہی
خواہد فرستادہ ہدایت ہم خواہد داد	ہدایت کرے گا۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۵۳) بخدمت اقدس سیدی وسندی ادام اللہ ظلال برکاتہ، ومتعنا والمسلمین بفیوضہ وطول بقائہ۔ بعد سلام مسنون واستدعاء دعوات صالحہ کئی سال سے ایک اشکال درپیش ہے، اور یوماً فیوماً اس میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے، کئی مرتبہ حضرت اقدس کی تشریف آوری پر زبانی عرض کرنے کا بھی خیال ہوا، مگر اول تو اس شمع ہدایت پر پروانوں کا اس قدر ہجوم رہتا ہے کہ یکسوئی کا وقت نہیں ملتا، دوسرے یہ بھی خیال ہوتا ہے، کہ اشکال کی جمیع انواع کو علیحدہ علیحدہ واضح اور جملہ اشکال کی اہمیت کو ذہن نشین نہ کر سکوں۔ اشکال کی انواع یہ ہیں

(۱) ملکی تقسیم کے بعد ہر دو پاکستانوں سے بالخصوص مغربی پاکستان سے بہت سے لوگوں کے خطوط میں یہ اصرار ہوتا ہے کہ تو خط سے بیعت کرلے، ہر چند ان کو بار بار لکھا جاتا ہے کہ قطع نظر اپنی نااہلیت کے اس خالی ضابطہ پری سے کیا فائدہ، وہاں بہت سے اہل حضرات موجود ہیں، جن کے پاس جانے آنے میں بھی سہولت ہے، مگر ان سے جتنا ہی عذر کیا جائے یا مصالح سمجھائی جائیں ان کی طرف سے اصرار میں اضافہ ہوتا ہے، ایسی حالت میں کیا خط سے

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

والانامہ باعث سرفرازی ہوا، یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، قطب عالم حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے اقتباسات مذکورہ بالامسئول عنہا امور کے لئے نہ صرف کافی ہیں بلکہ اطمینان بخش بھی ہیں اگرچہ اس کے بعد تفصیلی جواب کی ضرورت نہیں تھی مگر امتثال حکم کی بنا پر عرض کرتا ہوں

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۵۳) بیعت کرلی جائے، یا پھران کی نہ ماننے کی صورت میں ان خطوط کا جواب بھی نہ دیا جائے چاک کرکے پھینکدیا جائے، ؟

(۲) مشرقی پاکستان کے بعض طلبہ دورہ سے فراغت پر بھی اصرار کرتے ہیں اور مکان جانے سے پہلے بیعت کا قصہ بھی نمٹانا چاہتے ہیں، اور جب ان کو یہ سمجھایا جاتا ہے کہ نہ جلدی تمہاری واپسی کی بظاہر کوئی صورت ہے نہ ناپاک کے وہاں جانے کا کوئی امکان تو پھر وہ اس پر بھی آمادہ ہوجاتے ہیں کہ دو چار ماہ محض ذکر وشغل کے لئے یہاں قیام کریں، یہ مدت اگر حضرت والا یا حضرت رائے پوری دام مجدہما کی خدمت میں گذر جائے تب بھی کچھ بلکہ بہت کچھ کار آمد ہو سکتی ہے لیکن" اوکہ خود گم است" کے پاس یہ قلیل مدت بالکل ہی بے کار جاتی ہے، اس لئے ان لوگوں کے متعلق بھی ہمیشہ یہ اشکال روز افزوں رہتا ہے کہ ان کو بیعت کیا جائے یا نہیں، بعض مرتبہ تو مجھے ان کے فضول اصرار پر حماقت سوار ہوکر غصہ آجاتا ہے، کہ بے کار بات پر اصرار ہوتا ہے اس لئے ان کو ڈانٹ کر چلتا کرتا ہوں، لیکن بعض ایسے ہوتے ہیں کہ نہ غصہ ہی نہیں آنے دیتے لیکن یہ اشکال ہر وقت رہتا ہے، کہ یہ محض ضابطہ پری کی بیعت ہے، لیکن اس کے متعلق یہ فکر بھی رہتا ہے کہ وہاں بدعات کا زور ہے ایسا نہ ہو کہ کسی بدعتی کیساتھ لگ کر گمراہی میں پھنس جائیں بعض لوگ ہر دو سابقہ نوع کے لوگوں میں سے کچھ دن کے بعد اس قسم کے خطوط لکھتے ہیں، کہ اگر اجازت دے تو فلاں بزرگ کی خدمت میں جو ہمارے سے قریب ہے حاضر ہوجایا کریں، میرا دل چاہتا ہے کہ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ان کو یہ مشورہ دوں کہ انہیں بزرگ سے رجوع کرلیں کیا ایسا لکھنا موزوں ہے؟ بقیہ

۱۔ ایسے لوگوں کی ضرور خط سے بیعت کر لینا چاہیئے، حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز نے بکثرت اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بہ قلت اس طرح بیعت کیا ہے، حالانکہ اس وقت میں اس قسم کی رکاوٹیں مسترشدین کے لئے نہ تھیں جیسی کہ اب حائل ہیں۔

۲۔ ان کو ضرور بیعت کر لینا چاہیئے، اور ان کو چند ماہ ٹھہر اکر تلقین کر کے ذکر کا عادی بنانا چاہیئے، آپ تو بطور واسطہ بہانہ ہوں گے، مبداء فیاض فیض رساں ہے اسی کی ذمہ داری ہے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۵۳) (الف) کیا یہ لکھا جائے کہ سابقہ بیعت فسخ کرتا ہوں، تم ان ہی سے تجدید بیعت کرو تو یہ صورت تو مجھے بہت پسند ہے، مگر اس میں یہ اندیشہ ہے کہ سائل کو بھی اور اگر خبر ہو گئی تو ان بزرگ کو بھی یہ خیال ہو گا کہ اس کے پاس حاضری بہت ناگوار گذری جس پر یہ ثمرہ مرتب ہوا حالانکہ مجھے طبعاً اس سے مسرت ہے کہ وہ غریب ایک نااہل سے کسی اہل کی طرف منتقل ہو جائے،

(ب) یا پھر یہ صورت مناسب ہے کہ سابقہ تعلق بیعت کو باقی رکھتے ہوئے لکھ دیا جائے کہ ذکر شغل ان بزرگ سے پوچھ کر کریں، اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ دوعملی کہ بیعت کا تعلق دوسرے سے ہو اور تعلیم دوسرے سے مفید ہو گی یا مضر، جیسا کہ قریب میں بعض اکابرین سے تعلق رکھنے والوں کو ہوا، غرض ان پاکستانیوں کے بیعت کے سلسلہ میں خلجانات بڑھتے ہی جاتے ہیں اور ان کا یہ اصرار اس کا موجب ہے، اگر وہ بات شروع ہی سے مان لیں، کہ وہیں کسی سے بیعت ہو جایا کریں، تو پھر کوئی اشکال نہیں، حضرت والا اور حضرت رائے پوری دام مجدہما کے خلفاء نیز حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے خلفاء بھی دونوں جگہ موجود ہیں، مگر پھر بھی یہ حمقاء بہت دق کرتے ہیں، میں تو یہاں بھی اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو ہمیشہ اس کی ترغیب دیتا رہتا ہوں کہ قاعدہ میں نے شروع کرا دیا، اب اونچی تعلیم کے لئے وہ حضرت والا یا حضرت رائے پوری دام مجدہا کی خدمت میں حاضر ہو جائیں امید کہ حضرت والا تفصیلی ارشادات سے ان سب امور میں رہنمائی فرمائیں گے۔ والسلام۔ محمد زکریا مظاہر العلوم

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور وقت کی اہم شخصیتوں میں مستند عالم اور صاحب تصنیف بزرگ ہیں، آپ کو بیعت حضرت مولانا محمد خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

۳ - ان کو بیعت کرلیا جائے چونکہ توحید مطلب شرط راہ ہے، اس لئے انکو تذبذب اور محرومیت سے بچانے کے لئے لکھ دیا کریں کہ وہ ان ہی بزرگ سے بیعت کرلیں اگرچہ دوسری صورت بھی اسلاف سے منقول ہے، بہرحال آپ تلقین اور بیعت میں کوتاہی نہ کریں اور امورِ مستقبلہ اللہ تعالے کے حوالہ کریں، انہ بعبادہ لرؤف رحیم

مشکل یہ ہے کہ ایسی صورتیں مجھ کو بھی درپیش ہیں، بارہا دعائیں اور رو رو کر دعا کی کہ ان لوگوں کو مجھ سے پھیر دیا جائے، میں بالکل تہی دست ہوں اور نالائق اور ناکارہ حقیقی... بالخصوص ننگ اسلاف ہوں، مگر قبول نہیں ہوتی کیا کروں، ؎

یظن الناس بی خیرا وانی لشر الناس ان لم یعف عنی

خدا جانے مستقبل میں کیا حشر ہو، ہر طرف سے اعمال ناقص ہیں، بہت چاہتا ہوں کہ کچھ کروں اور ان اسلاف کرام قدس اللہ اسرارہم کی کچھ نہ کچھ ہی صورت بناؤں جنکا انتساب محض بفضل اللہ تعالے وکرمہ حاصل ہوا ہے، مگر نفس امارہ اور شیطان اس دشوار گزار وادی میں آنے نہیں دیتے، محرومیت ہی محرومیت چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے: ۷۰ برس عمر کے گزر گئے، مگر آج تک کوئی بھی ایسا کام نہیں ہوسکا جو کہ بارگاہِ رب العالمین میں قبولیت کے لائق ہوتا۔ انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۵۳) سے حاصل تھی، بعض لوگوں کو دھوکا ہوا، جو لکھ گئے ہیں کہ مولانا مدظلہ العالی کو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھی، البتہ حضرت تھانوی کی خدمت میں آنے جانے کا اتفاق ہوتا رہتا تھا حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی سے خصوصی تعلق اور غیر معمولی عقیدت تو اس والا نامہ سے خود ظاہر ہے کہ وہی القاب اور آداب استعمال فرمائے گئے ہیں جو استاذ اور شیخ طریقت ہی کو لکھے جایا کرتے ہیں شیخ الاسلام کے والا نامہ سے میں نے وہ بہت ساری عبارتیں حذف کردی ہیں جو اوپر مولانا احمد بزرگ مرحوم کے خط میں درج ہوگئی ہیں، تکرار سے کوئی فائدہ خاص نہ تھا کیونکہ ہر دو بزرگوں کے نام کے خطوط ایک ہی تھے۔

جس سے اپنی شکایت اور حقیقت کہتا ہوں وہ الٹے ہی کرنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے فالی اللہ المشتکیٰ، خدا ہی جانتا ہے کہ یوم تبلی السرائر میں کیا پیش آئے ؎

واسود مشفرہ منصفہ — یقال لہ انت بدر الدجی

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ از دار العلوم دیو بند

مکتوب نمبر ۵۴

جناب شیدا اسرائیلی صاحب سنبھلی کے نام

محترم المقام زید مجدکم — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ — مزاج شریف

عرصہ دراز کے بعد والا نامہ باعثِ سرفرازی ویاد آوری ہوا۔ تبشیر کاتہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، جزاکم اللہ احسن الجزاء،

(حاشیہ مکتوب نمبر ۵۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم مخزنِ فیض سخا زاد اللہ برکاتکم، سلام مسنون کے بعد عرض یہ ہے کہ بحمد اللہ تعالیٰ میں اچھا ہوں، ضعیفی کی وجہ سے نقاہت بڑھتی جاتی ہے، جو قابل اعتبار نہیں ہیں بسلسلہ تقریر بیر موضع ہزاری باغ گیا تھا خواب میں حضور سرور کائنات مفخر موجودات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور یہ ناچیز بھی حاضر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ ابھی تک مولانا حسین احمد صاحب تشریف نہیں لائے جواباً میں نے بے ساختہ عرض کیا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بلانے کے لئے گئے ہیں ابھی آتے ہی ہونگے، پھر میں نے بارگاہِ عالی میں عرض کیا کہ مولانا مدنی کو بلانے کی کیا وجہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں مجھے ان سے اپنی امت کا حال دریافت کرنا ہے، اللہ اللہ کس قدر ذمہ دارانہ منصب عالی ہے۔ اتنے میں جنابِ والا تشریف لے آئے السلام علیکم فرما کر بالکل حضور کے سامنے بیٹھ گئے اور عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو ایک صاحب نے یا ابن عمر فرما کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

میری آنکھ کھل گئی اٹھ کر گھڑی دیکھی ساڑھے تین بجنے میں دو منٹ باقی تھے وضو کیا دو رکعت نفل

ذہبت النبوۃ وبقیت المبشرات قالوا وما المبشرات یا رسول اللہ قال الرؤیا الصالحہ یراھا المومن او تری لہ او کما قال علیہ السلام اگر اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم سے اس رویا صالحہ کو خارج میں واقعیت کا جامہ پہنا دے تو زہے خوش نصیبی۔

محترما! اس میں خود آپ کے لئے بھی بشارت اور خوشی کی بات ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی زیارت اور ہمکلامی عظیم الشان نعمت ہے۔ دام اللہ تعالیٰ قلل المرادات فی الدارین ووفقنا وایاکم لما یحبہ ویرضاہ آمین۔

دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، اتباع سنت اور ذکر میں کوتاہی روا نہ رکھیں

والسلام .... ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند ۲۴ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ

مکتوب نمبر ۵۵

جناب حافظ معین الدین صاحب صدیقی سندیلہ ضلع ہردوئی کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

والانامہ باعث سرفرازی ہوا، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۵۴) شکرانہ کے پڑھے اور بہت فرحت افزا حالت میں مصلی پر ہی فجر کا انتظار کرتا رہا۔ میں نے خواب میں حضرت عبداللہ بن عمر کے ساتھ رضی اللہ عنہ نہیں کہا تھا، اور نہ یقیناً حضرت عبداللہ بن عمر تھے، چونکہ جناب والا کے ساتھ تشریف لائے تو ایک صاحب نے یا ابن عمر فرما کر بلا لیا، جہاں حضور تشریف فرما ہیں میں پہچان نہیں سکا کہ کون سا مقام ہے، جناب والا کا ایک قدیم عقیدت مند منتظر جواب اور دعائے خیر کا طالب ہے۔

لہ ترجمہ حدیث نبویہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نبوت ختم ہوگئی، مبشرات باقی رہ گئی ہیں صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ مبشرات کیا؟ (صلی اللہ علیہ وسلم) ارشاد ہوا، مبشرات سے مطلب ہے اچھی خواب جو بندہ مومن دیکھے۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۵۵) بخدمت [illegible] حسین احمد صاحب مدنی

کے متعلق جو باتیں آپ کے شہر اور محلہ والے کہتے ہیں، بالکل غلط اور اتہامات ہیں جو کہ غلط کار اور خود غرض دشمنوں نے اپنی اغراض خبیثہ کی بنا پر گھڑی ہیں۔

حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز پکے حنفی سنی اور طریقت میں چشتی، صابری، قدوسی نظامی، نقشبندی، قادری، سہروردی تھے، قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز مہاجر مکی کے نہایت محبوب خلیفہ راشد تھے، حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی نے اپنی کتاب تصوف "ضیاء القلوب" کے آخر میں نہایت زوردار الفاظ میں ان کے مقامات تصوف اور علم کی بہت تعریف لکھی ہے، حضرت مولانا رشید احمد صاحب موصوف اپنی کتاب زبدۃ المناسک میں (جو کہ حج اور زیارت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ)

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۵۵) ... مدظلہ العالی عرض ضروری ہے کہ ہمارے پیچھے نماز پڑھنے کو لوگ تیار نہیں ہیں، اور اذان دینا بھی ناقص سمجھی جاتی ہے اور یہ شرائط مقرر کیجاتی ہیں کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے حضور کی شان میں گستاخیاں کی ہیں اور تقویۃ الایمان کتاب جو ہے اس میں حضور کی جملہ برائیاں درج ہیں، کتاب ہمارے سامنے پیش کیجاتی ہے، ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہم رشید احمد صاحب کو نہیں مانتے اور نہ تقویۃ الایمان کو اور نہ ان کی لکھی ہوئی کسی کتاب کو، نہیں مانتے، جب تک معقول جواب نہیں دوگے، کس طرح کیا جاوے کہ میرے مکان کے قریب کی مسجد میں جو حقوق مجھ پر عائد ہوتے ہیں ادا ہو جائیں اور خدا کے یہاں کا کوئی مواخذہ کا ذمہ دار نہ ہوں، فقط معین الدین سندیلہ۔

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ: علی اتباعہ الی یوم الدین کی زندگی میں تو خیر جو سلوک ان کی قوم نے کیا تھا، اس کا ذکر کیا شہادت کے بعد نام نہاد قوم نے اپنے تبرا سے فرقۂ سبائیہ تبرائیہ کو مات کر دیا تھا، اور یہ نہ سوچا کہ ہم کیا کر رہے ہیں، افسوس جس قوم کے لئے اپنا سر کٹوایا اور جس کے زندہ رہنے کے لئے وہ مر گئے، اس کا یہ شیوہ کہ کفر سے کمتر درجہ اس کے لئے استعمال نہیں کیا گیا، ان نادانوں نے حضرت شہیدؒ کی جن کتابوں اور تحریرات پر کفر و ارتداد کے

کے بارہ میں لکھی ہے، اور مشہور و معروف ہے، مدینہ منورہ کی حاضری اور زیارت روضۂ اقدس کے متعلق نہایت زور دار الفاظ میں ترغیب دی ہے اور آداب زیارت قبر شریف نہایت تعظیمی الفاظ میں مثل فقہاء احناف تحریر فرمائے ہیں، اسی طرح رسالۃ لطائف رشیدیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین موجب کفر ہے، صریح توہین تو درکنار اگر کوئی شخص ایسے کلمات بھی کہے گا جو کہ موہم توہین ہوں گے وہ بھی کفر کا سبب

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۵) فتوی صادر کئے اور کرتے رہتے ہیں، مصنف "التحقیق الجدید علی تصنیف الشہیدؒ" نے ناقابل انکار دلائل علمی سے ثابت کر دیا کہ جن عبارتوں پر تکفیر کی بنیاد قائم کی گئی ہے، وہ سرے سے حضرت شہیدؒ کی ہیں ہی نہیں، ان میں تقویۃ الایمان نامی کتاب کو جو شہرت ہے وہ محتاج بیان نہیں، مگر اسی کے ساتھ اپنوں نے حسن ظن سے کام لیا اور دوسروں نے رائی کو پہاڑ بنا کر ایسی ناپاک اور گھناؤنی فضا قائم کر دی کہ اللہ ہی ان سے سمجھے رسالۂ تقویۃ الایمان کے دو حصے ہیں حصہ اول عربی جس کا اصلی نام "ردالاشراک" ہے، حصہ دوم اردو ہے، اور حقیقت میں اسی کا نام تقویۃ الایمان ہے۔ ردالاشراک شروع یوں ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم. باب الاجتناب عن الاشراک قال اللہ تعالیٰ تبارک اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ. الخ اور یوں ختم ہے: "والابواب اخر منہ ترکناھا مخافۃ التطویل" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا شہیدؒ نے بیشک رد شرک میں رسالہ لکھا تھا، مگر اس میں نہ تمہید تھی نہ ترجمہ تھا، نہ فوائد تھے اور نہ وہ اردو میں تھا، نہ اس کا نام.... "تقویۃ الایمان" تھا بلکہ وہ عربی میں تھا اور اس کا نام ردالاشراک تھا جس کی زبان عبقات اصول فقہ اور خطبات اور منصب امامت کی زبان تھی، جو اہل ذوق ہیں اور زبان عربی کے اسلوب سے واقف ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ کون تحریر مولانا شہیدؒ کی ہے، اور کون جعلی اور من گھڑت ہے، رسالہ تقویۃ الایمان حصہ دوم اردو، یہ مولانا شہیدؒ کا قطعاً نہیں ہے۔ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ مولانا بغدادی کے نام عربی میں وہ مترجم خط ہے جس میں مولانا شہیدؒ نے خود لکھا ہے۔

الف رسالۃ فی رد الاشراک باللہ واستدللت فیھا بستۃ وعشرین آیۃ.

ہوگا، تقویۃ الایمان حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب نہیں ہے، یہ کتاب حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت کی جاتی ہے (جس کی نسبت میں بھی لوگوں کو کلام ہے) حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ مولانا رشید احمد صاحبؒ کے پیدا ہونے سے بہت پہلے وفات پا چکے تھے، ان کی طرف کتاب کو منسوب کرنا

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۵۵) من کلام اللہ و ترجمتها بالهندای" الخ

یہ خط جعلی ہے نہ تو مولانا شہیدؒ کا نام اس کے اول میں ہے نہ آخر میں نہ اس مکتوب کا کسی سوانح نگار ہی نے ذکر کیا ہے، نہ اس خط کے اندر کوئی اشارہ پایا جاتا ہے، کہ یہ خط کسی کے جواب میں ہے نہ زبانِ خط میں مولانا شہیدؒ کی ادبیت کی شان نمایاں ہے، نہ کاتب نے اقرار کیا ہے کہ رد شرک والے رسالہ کا نام تقویۃ الایمان ہے، اسیطرح یہ بھی کہنا صحیح نہیں کہ تقویۃ الایمان مولانا شہیدؒ کی ہے مگر مولانا نے فرصت نہیں پائی کہ اس پر نظر ثانی فرماتے اور راہِ خدا میں جان دیدی"۔ ظاہر ہے کہ تقویۃ الایمان (ملا بغدادی کے نام مولانا شہیدؒ کے منقول عربی خط کے لحاظ سے نہ) ۱۲۴۰ھ سے پہلے تالیف ہوکر شائع ہو چکی تھی، اور مولانا شہیدؒ کی شہادت ۱۲۴۶ھ میں ہوئی تو اس حساب سے مولانا شہیدؒ چھ برس سے زیادہ زندہ رہے اور پھر فرصت نہیں پائی، تعجب خیز ہے، نیز اس خط میں اس کا بھی ذکر نہیں ہے کہ میں نے دو باب کی کتاب لکھی ہے اور صرف ایک باب کا اردو میں ترجمہ کیا، دوسرے باب کا نہ کرسکا، یا آئندہ کرونگا رسالہ میں تو ۲۶ آیتوں کے استدلال کا ذکر ہے، مگر موجودہ تقویۃ الایمان کے نسخوں میں عموماً بجائے ۲۶ کے ۳۳ آیتیں ملتی ہیں، خط میں صرف استدلال بالآیات کا ذکر ہے مگر تقویۃ الایمان کے مطبوعہ پانچ فصل والے نسخوں میں ۴۳ اور ۴۴ حدیثوں سے استدلال موجود ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ تقویۃ الایمان مولانا شہیدؒ کی کتاب ہے تو وہ قطعی طور پر محرف ہے، جیسا کہ ابن عربی وغیرہم اکابر کی کتابوں میں ملاحدہ نے کمی بیشی کردی ہے۔ اسی طرح مولانا شہیدؒ کے ساتھ کیا گیا ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ شاہ عبدالعزیزؒ کے مخالف بکثرت لوگ موجود تھے، مخالفت

بالکل غلط اور بہتان ہے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی نقشبندی مہاجر مدینہ اور شاہ احمد سعید صاحب مجددی نقشبندی اور مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی صدر مدرس عربک کالج دہلی رحمہم اللہ تعالیٰ کے شاگرد اور شیر کار تھے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۵) کے اسباب اور طریق عداوت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کو بدنام کرنے میں دہلی وغیرہ مراکزِ ہند کے اندر کتنی بڑی تعداد موجود تھی اور کیا کچھ مصیبتیں شاہ صاحبان کو پیش نہیں آچکی تھیں اور اس کے دفع پر کلی قابو نہ تھا، لیکن مولانا شہید نے جس قوت سے بدعات کا رد اور مبتدعین کا مقابلہ کیا اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ آپ کے خلاف وہ سب کیا جائے جو ایسے وقتوں میں اکابر سلف کے ساتھ کیا گیا ہے، ہاں یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ مسئلہ "امکان کذب" "امکان نظیر" وغیرہ پر درمیان مولانا فضل حق و مولانا شہیدؒ جو ایک استاد کے شاگرد، عقائد، خیالات اور حنفی مذہب کی اتباع میں متحد تھے، مذکورہ مسائل میں محض علمی نقطۂ نظر سے گفتگو ہوئی، گویا میدان مناظرہ میں ہر دو شاگردان شاہ صاحبؒ نے مخالف و موافق موضوع اختیار کرکے ایک دوسرے کے خلاف دلائل قائم کئے، مقصد محض علمی تفریح تھی، مگر پھر یہ چیزیں کفر و ایمان کا معیار قرار پاگئیں ایک گروہ نے مولانا فضل حق کے نظریات و خیالات کو اپنایا اور دوسری جماعت نے مولانا شہیدؒ کے نام پر غلط چیزوں کے انتساب کی حمایت کرنی شروع کر دی، بات اگر یہیں تک رہتی تو چنداں مضائقہ نہ تھا، لیکن آہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ سے لے کر آج کے دن تک جس کو سو برس سے زائد ہوئے شاید کوئی دن طلوع ہوا ہو جس کی صبح کو اس شہید اسلام کی جس کی اور فضیلتیں برطرف اس کی شہادت مسلم، تکفیر و تضلیل میں کوئی فتویٰ نہ نکلا ہو، اور یہ ان لوگوں نے کیا اور کہا جن کے جسم نازک پر آج تک اللہ کے لئے ایک پھانس بھی نہیں چبھی، جن کے پیروں میں اللہ کے راستہ میں کبھی کوئی کانٹا نہیں گڑا، جن کو خون چھوڑ کر اس کا ان کے یہاں ذکر ہی کیا اسلام کی صحیح خدمت میں پسینہ کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوئی اور یہ ان لوگوں نے مولانا شہیدؒ کو کفر و ضلالت کا

اگر تفصیل کی ضرورت ہو تو کتاب الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب کتب خانہ اعزازیہ دیوبند سے طلب فرماکر ملاحظہ فرمایئے، علاوہ اس کے اور بھی متعدد رسائل ہیں، اگر ضرورت ہوگی تو ان کے پتے اور نام لکھے جائیں گے۔

اگر محلے والے باوجود اظہار حقیقت ہٹ دھرمی کریں اور آپ کو امامت اور اذان سے روکیں تو آپ پر کوئی ذمہ داری عند اللہ نہیں ہے، واللہ اعلم۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۶ شوال ۱۳۷۲ھ ٹانڈہ۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۵) بانی، بے ادبوں و گستاخوں کا پیشوا کہا، جن کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی عزت و عصمت بچانے کے لئے اپنا سر کٹایا، تو کیا اس کا یہی گناہ تھا اور کیا دنیا میں احسان فراموشی کی اس سے بڑھ کر نظیر مل سکتی ہے؟! جس وقت پنجاب میں مسلمانوں کا دین وایمان، جان ومال، عزت وآبرو محفوظ نہ تھی، سکھوں کے گھروں میں مسلمانوں کی عورتیں تھیں، مساجد کی بیعزتی ہورہی تھی، اور ان میں گھوڑے باندھے جارہے تھے، اس وقت یہ غیرت ایمانی، حمیت اسلامی والے جو ایک "کلمۂ کفر" برداشت نہیں کرسکتے، کہاں تھے، اور کیا آج بھی شاہ ولی اللہؒ کے پوتے کے علاوہ کوئی کافر نہیں۔ ؎

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

خلاصہ یہ کہ تقویۃ الایمان مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہے اور صراط مستقیم بھی، حضرت امام العصر مولانا مدنی مدظلہ العالی کا رجحان بھی اسی جانب ہے، اور دوسرے اکابر بھی یہی رائے رکھتے ہیں مگر افسوس پورا زور اس پر صرف نہیں ہوا، اور ہوا بھی تو کس چیز پر جواب الجواب فتویٰ نویسی اور بال کی کھال نکالنے پر فانی المشتکی۔ باقی رہا زیارت قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ

تو اس کے لئے

مکتوبات شیخ الاسلام

جلد اول

دیکھی جائے

مکتوب نمبر ۵۶

جناب مولانا صفات اللہ صاحب بلاقی پورہ مئو ناتھ بھجن ضلع اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم ..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ...... واقعات ذیل دفعات ملاحظہ فرمائیں،

(۱) میں ابتدا سے نہایت نفس پرست ہوں اعمال میں کاہل واقع ہوا ہوں تمام عمر گناہوں اور دنیا پرستی اور نفسانیت میں گذری ہے، اب عمر ۷۰ برس سے تجاوز کر گئی ہے مگر توشۂ آخرت کچھ نہیں ہے، ذخیرہ ذنوب نہایت عظیم الشان ہے ظاہری اسباب پر نظر کرتے ہوئے کوئی امید مغفرت نہیں ہے الا ان یتغمدنی اللہ بکرمہ وفضلہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ میں کچھ ہوں۔ کلا واللہ اہل اللہ کے اوصاف جمیلہ اور احوال جلیلہ سے بالکل عاری اور خالی ہوں ؎

(حاشیہ مکتوب نمبر ۵۶) اس مکتوب گرامی کا شان نزول یہ ہے کہ مولوی صفات اللہ صاحب جناب میں اپنے کو کبھی شیخ الاسلام کی بارگاہ میں حاضر پاتے اور کبھی مولانا وصی اللہ صاحب کی مجلس میں ہوتے، مگر ان دونوں صحبتوں کا اثر یہ ہوتا تھا کہ شیخ الاسلام کی بارگاہ میں قرب اور مولانا وصی اللہ صاحب سے بعد کی کیفیت محسوس ہوتی تھی، مولوی صفات اللہ صاحب نے پوری حالت مولانا وصی اللہ صاحب کو لکھ کر بھیج دی، موصوف سے جو جواب موصول ہوا وہ درج ذیل ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ؎

دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا | سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

مختصر یہ کہ جناب خود کو ایک بزرگ کے حوالہ کر چکے ہیں، آپ کو استفادہ کا حق ان سے ہی ہے اب آپ کو یہاں نہ تشریف لانے کی اجازت ہے اور نہ خط وکتابت کی ضرورت، فقط

حسب الحکم حضرت دام ظلہ العالی، کتبہ محمد شبیر الدین عفی عنہ۔

سودہ گشت از سجدۂ راہِ بتاں پیشانیم چند برخود تہمتِ دینِ مسلمانی نہم

یہ واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز اور حضرت قطب عالم حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت شیخ الہند قدس سرہما العزیز کے دروں تک پہنچایا اور ان مقدسین کے جوتے سیدھے کرنے کی نعمت نصیب ہوئی، مگر اپنی نفس پرستی اور کج ادائی اور بدنصیبی اور کسلمندی کی بنا پر کورا ہی رہا۔ ؎

تہید ستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اسی بنا پر اپنے آپ کو ننگ اسلاف لکھتا ہوں، یہ لکھنا تکلفاً نہیں، بلکہ حقیقت میں اپنے اسلاف کرام قدس اللہ اسرارہم کے لئے ننگ و عار ہی ہوں اپنی جگہ پر سخت شرمسار ہوں، اپنی حالت پر نفرین بھیجتا ہوں۔

لوگوں کا میری نسبت حسن ظن بالکل غیر واقعی ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور احباب کے حسن ظن سے مجھکو بخشدے تو یہ اس کا جود و فضل ہے، ورنہ میں کسی کام کا نہیں ہوں ؎۔

بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۵۶) بارگاہ شیخ الاسلام مدظلہ العالی سے جو جواب شرف صدور ہوا، وہ بھی ناظرین کے سامنے ہے، مجھ کو تعجب ہے کہ مولوی صفات اللہ صاحب شیخ الاسلام مدظلہٗ سے شرف تلمذ بھی رکھتے ہیں اور ارادت و عقیدت بھی باوجود اس کے پھر یہ حال لوگوں کی دیکھا دیکھی ہو جائے بقول غالب ؎

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

ہر دو بزرگوں کے جواب میں بڑا اہم فرق ہے فہیم اور ذی علم کے لئے تو یہ جوابات خود مشعل راہ ہیں، مولانا وصی اللہ صاحب کے جواب میں جو تلخی ہے، وہ فی الحقیقت ممدوح کی طبیعت کا اقتضا ہے، اور شیخ الاسلام کے منشور گرامی میں جو بلندی، وسعتِ اخلاق اور بے نفسی پائی جاتی ہے وہ ارباب اصلاح و ارشاد کے لئے تازیانۂ عبرت ہے، اور یہی وہ بنیادی بات ہے جو شیخ الاسلام

یظن الناس بی خیرا وانی لشر الناس ان لم یعف عنی

آپ کا مجھ سے بیعت کرنا سخت غلطی تھا اور ہے، جب کہ مرشد کامل اور رہنما واصل مل رہا ہے۔ ضرور ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر اس سے بیعت ہوں اور اسی سے استفادہ فرمائیں۔

(۲) میں مختلف امور میں مبتلا ہوں، سیاسیات میں میرا انہماک ظاہر و باہر رہا ہے اور آج تک اس میں دامن ملوث ہے، علوم ظاہرہ کا اشتغال اس قدر ہے اور ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ کوئی وقت اصلاح نفس اور بزرگوں کی تعلیمات پر عمل اور اشغال باطنیہ کا ملتا ہی نہیں، اسفار اور لوگوں سے مخالطت اور خط و کتابت وغیرہ کی اس قدر کثرت ہے جس کی وجہ سے توجہ الی اللہ اور اصلاح نفس کی فرصت ہی نہیں ملتی، اہل و عیال کے مشاغل اور زمین فروشی اور دنیا طلبی کا اس قدر انہماک ہے کہ بڑے بڑے .... دنیاداروں کو اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملتا، تقریباً پانچ سو روپیہ ماہوار تنخواہ لے کر احادیث نبویہ کی تعلیم دیتا ہوں اور پھر اس میں بھی کس قدر کوتاہیاں ہوتی ہیں اگر حرمت

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۵۶) کے سوا کسی اور شیخ طریقت میں شاید ہی ہو ورنہ اکثر اس صفت سے خالی ہیں اور اسی نقص اور کمی کے رہ جانے کی وجہ سے موجودہ صوفیوں میں وہ بلند نظری نہ پیدا ہو سکی جو اس مبارک طریقہ کا خاصہ رہا ہے۔

پس جب طریقہ ایک مسلک ایک تو پھر یہ کون سا تصوف و سلوک ہے اور کتاب و سنت صحابہؓ کی زندگی سے اس پر کیا ثبوت ہے "کہ آپ کو اب یہاں نہ تشریف لانے کی اجازت ہے اور نہ خط و کتابت کی ضرورت" حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "تمہارے پاس لوگ مشارق ارض اور مغارب ارض سے علم سیکھنے کے لئے آئیں گے، ان کے متعلق میری وصیت ہے کہ ان کے ساتھ خیر اور بھلائی عمل میں لاؤ" اسی وصیت پر صحابہ کرام اور متقدمین و علمائے عظام کا برابر عملدرآمد رہا ہے، نہ یہ کہ ذرا سی بات پر نادر شاہی حکم نافذ فرما دیا گیا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور شیخیت کی گدی پر بیٹھنے سے پہلے حضرت مدنی جیسے بزرگ کی بارگاہ میں حاضری اور

خداوند یہ نے دستگیری نہ فرمائی تو چھٹکارا ممکن نہیں، ع

دو دل بودن بجز بے حاصلی نیست

ہوتے ہوئے کیا کوئی کمال حاصل ہو سکتا ہے، عربی کا مقولہ ہے صاحب الضفتین کذاب ۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں — ایں خیال است و محال است و جنوں

ایسے نفس پرور سگِ دنیا کو کب بیعت وارشاد مناسب ہے، ایسی نالائقی کے ہوتے ہوئے، مجھ کو کب جائز ہے کہ میں بیعت کروں، صرف حضرات اکابر کے حکم پر بیعت کرتا ہوں، ہرگز ہرگز اس کے لائق نہیں ہوں، بیعت ہونے والے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، ظاہر کو دیکھ کر فریب میں آجاتے ہیں، اگر ان کو میری اصلیت اور حقیقت ظاہر ہو جائے تو یقیناً اس سے زیادہ مجھ سے نفرت کریں جتنی کہ وہ کتے اور سور سے کرتے ہیں، خداوند کریم نے پردہ ڈال رکھا ہے، جس کی وجہ سے میری گندگیوں کی لوگوں کو اطلاع نہیں خداوند کریم نے یوم تبلی السرائر میں پردہ پوشی نہ فرمائے تو میرے برابر کوئی فضیحت ہونے والا نہ ہو۔

(۳) مولانا وصی اللہ صاحب منقطع الی اللہ ہیں، سب جھنجھٹوں کو چھوڑ کر صرف باطنی اشغال اور توجہ الی اللہ میں منہمک ہیں، حسب قاعدہ ایک کام کی مداومت اسمیں کمال پیدا کر دیتی ہے، پھر ماشاء اللہ ان کو پیر و مرشد کے دربار میں ملتہائے دراز تک حاضر باشی اور ذکر و شغل کی نوبت نصیب ہوئی ہے ذاتی حیثیت سے بھی کامل ہیں، ہم تو ایسے بدنصیب ہیں کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے تو تقریباً

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۰) تحصیل کمال کو سرمایۂ نجات بنادے۔ آمین

یہ والا نامہ ۱۳۵۷ھ کا ہے اور اب ۱۳۷۲ ہجری ہے، خوشی کی بات ہے کہ مولانا صفات اللہ صاحب موصوف کو اسی ماہ شوال میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی مدظلہ العالی نے مجاز بیعت بنادیا فللہ الحمد والمنۃ۔

ایک ماہ سے کچھ زائد مکہ معظمہ میں رہنا نصیب ہوا، مگر شعائر حج کی مشغولی کی بنا پر اس مدت قلیلہ میں بھی روزانہ حاضری نہ ہو سکی، حضرت پیر و مرشد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ڈھائی مہینہ سے زیادہ رہنا نصیب نہ ہوا، حضرت استاذ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں البتہ کچھ رہنا نصیب ہوا تو محرومیت نے دامن نہ چھوڑا، کذالک تی الدنیا تعیش البھائم، حضرت تھانوی قدس سرہٗ العزیز نے مولانا وصی اللہ صاحب کو اپنا خلیفہ اور مجاز بنایا ہے، ان کی بارگاہ میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں کو فیض حاصل ہو رہا ہے، اس لئے موقع مت گنوایئے اور ان سے استفادہ کیجیے، خصوصاً جب کہ وہ آپ کے قریب ہیں، ہر بات ان سے دریافت کر سکتے ہیں، روزانہ ان کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں، میں اتنی دور ہوں کہ نہ پہونچنا آسان ہے، نہ مجھ سے جواب حاصل کرنا آسان ہے، اس لئے ضروری ہے کہ آپ ان ہی کی طرف رجوع فرمائیں، طریقہ بھی ایک ہی ہے، مسلک بھی ایک ہی ہے، وہ بھی حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے خلیفۂ برحق کے خلیفہ اور مجاز ہیں، میں بھی حضرت حاجی صاحب کے خلیفۂ برحق کا خاکروب ہوں، پھر غصہ یا خفگی کیسے ہو سکتی ہے، الحکمۃ ضالۃ المومن اینما وجدھا فھو احق بھا بہر حال میرا یہ لکھنا واقعی تھا، خاک ہم از تودۂ بزرگ باید گرفت، آپ میری اس تحریر کو مولانا حبیب الرحمن صاحب دامت برکاتہم کو بعد از سلام مسنون دکھلا دیجئے۔ کثرت کار کی وجہ سے دوسرا عریضہ انکی خدمت میں بھیجنا مشکل ہے، بیعت ہونے کو میں نے اس وجہ سے بھی لکھا تھا کہ وہ آپ کو اپنا سمجھیں اور آپکی طرف خصوصی توجہ فرمائیں، کیونکہ انسان کی طبعی بات ہے کہ اپنے کیطرف خصوصی توجہ کرتا ہے، اور غیر کیطرف منسوب ہونے والے سے کچھ نہ کچھ غیریت ہی برتتا ہے مثل مشہور ہے "پرائے پوت کس نے پالے" والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۷ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ

مکتوب نمبر ۵۷

جناب مولوی عبد المجید صاحب اکبرپور ضلع سیتاپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم .... السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ....

محترما! سنی سنائی باتوں پر اعتماد نہ کیجئے، میں ایک معمولی طالب علم ہوں، میں ولی بزرگ، قابلِ ارشاد صاحبِ کشف و کرامت نہیں ہوں، تمام عمر لہو و لعب، کھانے پینے سونے نفس پرستی، دنیا طلبی میں مثل حیوانات و بہائم گذری ہے اور گذر رہی ہے۔ اس سے بڑھ کر دنیا طلبی کیا ہوگی، کہ کتب دینیہ حدیث شریف وغیرہ تنخواہ لے کر پڑھاتا ہوں اور تنخواہ بھی معمولی نہیں، تین سو روپیہ ماہوار، بیشک فضل و کرم خداوندی سے .. باکمال اہل اللہ کے جوتوں کے سیدھے کرنے کا شرف حاصل ہوا، مگر حسبِ ارشاد، ؎

تہیدستانِ قسمت راچہ سُود از رہبرِ کامل　　خضر از آبِ حیوان تشنہ می آرد سکندر را

خالی ہی رہا، لوگ حسن ظن عمل میں لا رہے ہیں، اور انہوں نے آپ کو بھی گمراہ کیا ہے۔ آپ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۵۷) محترم المقام حضرت والا زید معالیکم، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

احقر بحمد اللہ بخیریت ہے، احقر بہت دنوں سے تمنا کرتا تھا، کہ کسی بزرگ اللہ والے شخص سے اپنا رشتۂ بیعت جوڑدوں، میری جانب بہت پیر آتے ہیں، دین کو خراب کرنے والے، اپنا مقصد انہوں نے دنیا طلبی بنا رکھا ہے، جس میں دین کی کوئی بھلائی نہیں پائی جاتی۔ بہت پریشان تھا کہ ایسے وقت میں کس کے سامنے جاؤں اور بیعت ہو جاؤں۔ ان گمراہ کن پیروں سے طبیعت مکدر ہو چکی ہے، ان سے کبھی بھی بیعت کا ارادہ نہیں ہے اور نہ کرسکتا ہوں کہ مجھے راہ راست پہ لانے کے بجائے برباد کردیں گے، اور اگر کبھی نذرانہ نہ پیش کر دنگا تو اپنی بیعت کے

کامل تارک الدنیا اللہ ولی کو تلاش کریں اور اگر بالفرض آپ کو کوئی ایسا نہ ملتا ہوتو ایسے ..... کے پھندے میں تو نہ پھنسئے ؎

کس نیاید بزیر سایۂ بوم   در ہما از جہاں شود معدوم

میرے بال سفید ہوگئے، اعضاء میں کمزوری بیحد آگئی، پچھتر سال سے زائد عمر ہوگئی، مگر ہنوز روز اول ہے۔ ؎

قوت تمام گشت و بپایاں رسید عمر   ما ہمچناں در اولِ راہش فتادہ ایم

میں مخلصانہ اور ہمدردانہ آپ کو لکھتا ہوں، آپ کو ہر مقصود تلاش کیجئے، اور اس تگ و دو میں لگے رہیے، اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے گا، ورنہ آپ معذور ہوں گے آپ کو بوقت پیشی یہ عذر معقول ہوگا۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۳ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ

(بقیہ حاشیہ مکتوب ۵) کے توڑنے کی دھمکی دیویں گے، اس کشمکش کی حالت میں چند احباب کے اشارے کے بموجب آپ کی طرف رجوع کیا اور آپ کو صحیح پاتا ہوں کہ آپ سے بیعت ہوکر دین اور دنیا کی سعادت حاصل کروں، اسی غرض کے لئے یہ عریضہ ارسال خدمت ہے، امید کہ حضور والا اپنے فرصت کے اوقات کو تحریر فرماکر مطلع فرمائیں گے، تاکہ حاضر ہوکر بیعت سے مشرف ہوں، فقط والسلام

احقر عبد المجید موضع اکبر پور ڈاکخانہ تمبور ضلع سیتاپور۔ یوپی)

مکتوب نمبر ۵۸

جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب سابق شیخ الحدیث مفتاح العلوم مئو اعظم گڈھ

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، رسالہ بحمد اللہ نہایت عمدہ ہے، اس کی قیمت سے مطلع فرمایئے تاکہ لوگوں کو اس سے استفادہ کا موقع ملے، اگرچہ ابھی تک تمام رسالہ نہیں دیکھ سکا ہوں، مگر جتنا بھی دیکھا ہے، مفید پاتا ہوں اور توی اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ممکن ہے کہ اس مہینے کی آخری تاریخوں میں بہار کا سفر واقع ہو۔ بوقت واپسی انشاء اللہ مئو حاضر ہونیکا ارادہ کروں گا۔

ترمیم وقف بل جمعیۃ العلماء کے متعلق جلسہ کرنا اور یوپی گورنمنٹ کو صرف اس کی منظوری کی اطلاع دینا ضروری ہے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۵۸) اس بحث میں کہ کسی نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدیں، تو تینوں واقع ہوجاتی ہیں، احقر نے ایک رسالہ لکھا تھا، اور اس کی ایک مطبوعہ کاپی حضرت کی خدمت میں ملاحظہ کیلئے بھیجی تھی رسالہ کا نام "الاعلام المرفوعہ فی حکم الطلقات المجموعہ" ہے (حبیب الرحمن)

مولانا حبیب الرحمن صاحب سابق شیخ الحدیث مفتاح العلوم مئو ہمارے ضلع کے مشہور صاحب استعداد عالم ہیں جو متانت اور سنجیدگی میں آپ اپنی نظیر ہیں فقہ حنفی میں کافی درک اور مسائل دینیہ میں تحقیق کا شاہکار آپکا وہ رسالہ ہے جسکا ذکر اوپر ہوچکا ہے، بعض رسائل اور علمی مضامین بھی شائع ہیں، راقم الحروف پر خاص نظر اور مکتوبات شیخ الاسلام کی نشر و اشاعت پر آپ کی بڑی گہری توجہ ہے۔ جزاء اللہ خیرا۔

مکتوب نمبر ۵۹

جناب مولانا محمد ضیاء الحق صاحب دہلوی کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف

آپ کا علمی مشاغل چھوڑ کر میری ملاقات کو آنا سخت غلطی ہے، بہت جلد آپ کو واپس جانا چاہیئے۔ اور پوری جدوجہد سے علمی مشاغل میں مصروف رہنا چاہیئے میں بحمداللہ خیر و عافیت سے ہوں۔ ..... زندگی ہے تو بہت جلد آپ حضرات کی خدمت میں پہونچوں گا۔ وہاں ہی ملاقات ہوگی، یہاں ملاقات نہیں ہوسکتی کوئی فکر نہ کیجئے، طالب علم کے لئے علم میں مصروفیت بہت زیادہ ضروری ہے، وقت ضائع مت کیجئے۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۵۹) یہ مکتوب گرامی اس وقت کا ہے، جب حضرت شیخ الاسلام مدظلہ مرادآباد جیل میں تھے۔ اور معترضین اپنی کوتاہ بینی کی وجہ سے کہا کرتے تھے کہ حضرت نے دارالعلوم کو سیاسی اکھاڑہ بنا رکھا ہے اور طالب علموں کو علمی مشاغل سے ہٹا کر سیاسیات میں داخل کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس مکتوب سامی میں بالکل اس کے برعکس حضرت شیخ مدظلہ تعلیمی مشغولیت پر شدت سے زور دے رہے ہیں، اور اسی کو مقدم رکھنا طلبہ کا فرض منصبی قرار دیتے ہیں۔ ع

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

※ ※ ※ ※ ※ ※

مکتوب نمبر ۶۰

جناب مولوی محمد یونس صاحب بریلی کے نام

دورِ گردوں گر دو روزے بر مرادِ ما نگشت — دائما یکساں نماند کار دوراں غم مخور
ہاں مشو نومید گر واقف نۂ از سرِ غیب — باشد اندر پردہ بازیہائے پنہاں غم مخور
گر بہارِ عمر باشد باز بر طرفِ چمن — چترِ گل بر سر کشی اے مرغِ خوشخواں غم مخور

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

والانامہ مورخہ ۱۲ راگست باعثِ سرفرازی ہوا، مجھ جیسے ناکارہ سے جناب کا تعلق قدیم اور وہ بھی ہمدردانہ موجب ہزار شکر ہے، جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ آمین۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۶۰) معظم و مکرم دام ظلکم العالی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج مبارک۔

انتہائی جرأت کر کے آج حضور کی خدمت میں لکھ رہا ہوں، اب تک حتی الامکان آپ بزرگوں کی بتائی ہوئی راہ پر عمل پیرا ہوں اور اس نازک دور میں بھی کہ بادل امنڈے ہوئے ہیں، اور اندھیرا ہی نظر آتا ہے، مناسب معلوم ہوا ..... کہ آپ کی ہدایت حاصل کی جائے، قبلہ سے انتہائی عقیدت کے باوجود بدقسمتی سے میرا یہ پہلا عریضہ ہے، مدعا یہ ہے کہ موجودہ دور سے قبل ہندوستان کی آزادی کے بعد میں اپنی ہی قوم کے بھائیوں کے ہاتھوں جو تکلیفیں اٹھائیں، ان کا تو اب ذکر ہی کیا، اس وقت مسلمان بھائیوں کے ہاتھوں موت کی دھمکیاں سنیں، سر پھڑوائے، اور آج ان کے ہاتھوں جس کا ساتھ دیا تھا وہی بلکہ اس سے زیادہ وجوہ دیں آ رہی ہیں، صورت حال یہ نظر آتی ہے کہ شاید بریلی بھی نواکھالی اور بہار جیسے واقعات سے جلد دوچار ہوگا۔ ان حالات کے پیش نظر قبلہ سے صرف یہی مشورہ طلب ہے کہ ہم گنہگاروں کو کیا کرنا چاہیئے، میں ڈاک خانہ میں ملازم ہوں ۲۲ سال سے زیادہ ملازمت ہو چکی ہے: میرے دو بڑے بھائی صاحبان بریلی میں دری اور ٹوپی کی تجارت کرتے ہیں، اس کی تصدیق حضور میرے ہم نام حاجی سید محمد یونس صاحب گھر دی یا مولوی عبدالحفیظ صاحب

آزادی ہند کے متعلق جن لوگوں کا ساتھ دیا تھا اور طرح طرح کی اذیتیں جھیلیں تھیں
آج ان لوگوں کے اس دلخراش رویہ کی جو کہ انتہائی درجہ وحشیانہ ہے، جناب کو شکایت ہے
محترما! یہ شکوہ جب ہو سکتا تھا، جب کہ آپ نے ان لوگوں پر احسان کیا ہوتا، حالانکہ
واقعہ برعکس ہے، چونکہ انگریز اسلام اور مسلمانوں کا اتنا بڑا دشمن تھا اور ہے، جتنا کہ ابتداء سے
آج تک کوئی نہیں ہوا، اور چونکہ اس لئے ہندوستان کی حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی
اور وہ مسلمان بادشاہ کا ملازم تھا، اس نے غداری اور مکر کرکے آہستہ آہستہ شاہان اسلام
کے نظام کو عہد نامہ کے خلاف توڑا، اور کمزور کر دینے کے بعد خود قبضہ کر بیٹھا تھا اس نے
ہندوستان کے اقتدار سے فائدہ اٹھا کر ایشیا۔ افریقہ اور یورپ کی مسلم حکومتوں کو تہ و بالا

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۰) سے فرما سکتے ہیں، زمانہ کی نزاکت کے پیش نظر لکھ دیا گیا ہے۔
ادھر کسٹوڈین افسر کے حکم کے ماتحت جو کچھ حکومت کی طرف سے مسلمانوں پر مظالم ہو رہے ہیں ان سے
ہر طبقہ کے مسلمانوں میں انتہائی گھبراہٹ ہے اور سونے پر سہاگہ یہ ہے کہ غیر مسلموں کے متواتر
جلسوں میں کھلے الفاظ میں اسلام کی توہین کی جا رہی ہے۔ لیکن حکومت کی طرف سے
کسی قسم کی رکاوٹ نہیں، کل جمعیۃ کے وفد کی ملاقات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حکام ضلع نے
اس سے بالکل جان کر لاعلمی ظاہر کی، جلسوں ہی میں نہیں بلکہ گلی کوچوں میں مسلمانوں پر
آوازے کسے جاتے ہیں کہ اب مسلمان یہ کہنا بھول جائیں "میرے مولا بلا لو مدینہ مجھے" بلکہ یہ
کہیں "میرے جینا بلا لو کراچی مجھے"، اب تک حکام ہر اس مسلمان کی جائداد، مکان وغیرہ ضبط
کر رہے ہیں جس کا کوئی عزیز پاکستان گیا ہے، گو اس کا مالک یہاں موجود ہے، اور نیز اس جانے
والے کے نام کوئی جائداد نہیں ہے، میری اس وقت یہ استدعا ہے کہ ان نازک حالات
میں ہم گنہگاروں کی رہنمائی فرمائیں گے اور اپنے مفید مشورہ سے مستفید فرمائیں گے

والسلام
خادم محمد یونس بریلی

اس والا نامہ میں نہ جانے کتنے علمی تاریخی اور سیاسی حقائق اور نئے انکشافات

کیا تھا، اور مقاماتِ مقدسہ اور خلافتِ اسلامیہ کو برباد کیا تھا وغیرہ مسلمانوں کا ہندوستان میں فرض تھا کہ بلا شرکت غیرے وہ انگریزی اقتدار کو مٹائیں، چنانچہ ۱۸۵۷ء تک تنہا مسلمان اس سے برسرِ پیکار رہے، ۱۸۵۷ء کے قریب میں ہندوؤں کو بھی محسوس ہوا کہ اس بدیسی قوم سے ہماری بھی بربادی ہے اس لئے وہ بھی میدان میں آگئے اور مشترکہ جدوجہد غیر آئینی ۱۸۵۷ء میں ہوئی، مگر غدارانِ وطن کی وجہ سے ناکامی ہوئی پھر ۱۸۸۵ء سے مشترکہ جدوجہد آئینی بذریعہ کانگریس شروع ہوئی، اس کے بعد جو حالات اور واقعات پیش آتے رہے محتاج بیان و تفصیل نہیں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ آزادیٔ ہند اور انگریزی اقتدار کا مٹانا مسلمانوں کا اولین فریضہ تھا ہندوؤں کا ثانوی تھا مسلمانوں کی تحریک آزادی میں شرکت کسی دوسرے پر احسان نہ تھی، اگرچہ اس حیثیت کے پیش نظر کہ اگر مسلمان شریک نہ ہوتے تو ہندو کامیاب نہ ہوتا، اس کو احسان کہا جا سکتا ہے مگر حقیقت اور ہے۔

بہر حال جو کچھ مصائب مسلمانوں نے جھیلی تھیں، اس میں اس کو کامیابی حاصل ہوئی اور اس کے اصل دشمن انگریز کا اقتدار ہندوستان سے ختم ہو گیا، اور اس کی .... شہنشاہیت اور اس قوت میں جس کے نشہ میں وہ تمام دنیا کو دھمکاتا تھا؛ برباد کرتا تھا اس قدر نقصان پہونچا کہ آج وہ نمبر اول سے تیسرے نمبر یا اس سے کم پر آگیا ہے اور

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۰) حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی نے فرماتے ہیں اور ایک ایسا جامع تبصرہ ہے جو آپ اپنی نظیر ہے ساتھ ہی سلف صالحین کا آزمودہ نسخہ پیش فرما کر اللہ سے بندے کے تعلقات کو زیادہ مضبوط بنانے کی ہدایت فرمائی ہے اور ساری مشکلات کا حل اسی کے پاس بتا کر اس کی طرف رجوع اور انابت کو مسلمان کی اصلی زندگی قرار دیا ہے، مکتوب گرامی کے شروع میں حافظ علیہ الرحمہ کے اشعار سے زمانہ کی نیرنگی پردۂ غیب میں ہونے والے امور سے بے خبری، دنیا کی بے ثباتی وغیرہ کو یاد دلا کر عالم کون و فساد میں جو کچھ ہوتا ہے اسے یاد سر نہ ہونے

مستقبل اس کا دھندلا اور تاریک ہوتا چلا جاتا ہے، دنیاوی حیثیت سے مسلمان کی یہ کامیابی کم کامیابی نہیں ہے اور دینی حیثیت سے جن لوگوں کی جدوجہد محض لوجہ اللہ تھی ان کی ہر کوشش اور ہر تکلیف ان عظیم الشان اجر اور ثواب کی باعث ہیں جن کی تحدید نہیں ہے۔

ہاں ہندوستان میں انگریز کے بعد کی حیثیت بھی مسلمان کو دیکھنی تھی، اور اسمیں برادران وطن کو منصفانہ حصہ دینا انسانیت اور شرافت کا مقتضیٰ تھا، یہ مسئلہ تحریک آزادی کے پیش نظر ثانوی تھا، اسکے لئے بھی مسلم نیشنل گروپ نے جدوجہد کی اور قریب تھا کہ بڑے درجہ پر کامیاب ہو جاتا، جمعیۃ علماء ہند کا فارمولا ملاحظہ فرمائیے اگر اس پر مصالحت اور معاہدہ ہو جاتا جو کہ قریب تر ہو چکا تھا، تو موجودہ مشکلات یقیناً بلکہ ان کا دسواں حصہ بھی پیش نہ آتا، مگر انگریز نے ایسا کھیل کھیلا کہ دونوں (مسلمان اور ہندو) کو چت کر دیا، دو قومی نظریہ، تنفر اور عداوت کی زوردار آندھی ملک کی تقسیم، تبادلہ فوج، تبادلہ پولیس، تبادلہ ملازمین وغیرہ نے اس قدر نقصان پہنچایا کہ دونوں برباد ہو گئے، اور بالخصوص انڈین یونین میں مسلم پوزیشن انتہائی درجہ پر کمزور ہو گئی، اور ہندو ازم انتہائی درجہ میں عداوت پر اتر آیا، انگریز نے مذکورہ بالا امور ہمارے بھائیوں سے کرائے ہیں اور آج بھی کرا رہا ہے، تاکہ ہندوستان کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ یورپ کا مقابلہ کر سکے اور تاکہ اس کا مفاد تجارت، سیاست، سرمایہ فوج وغیرہ یہاں سے کم و بیش حاصل ہوتا رہے، اور تاکہ وہ اپنے مقالہ ہائے سابقہ میں کہ ہمارا یہاں رہنا امن و امان کا باعث ہے" صحیح ثابت ہو جائے۔

آج آپ مجھ سے رہنمائی دریافت فرما رہے ہیں، "خود کردہ را علاجے نیست" اگر

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶) پر زور دیتے ہوئے ایک حکیمانہ منصرع "خود کردہ را علاجے نیست" فرما کر تنبیہ کر دی ہے جس میں بڑی بصیرت اور عبرت پنہاں ہے، باقی حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی

میں کہوں تو کیوں غلط ہوگا، ہمارے بھائیوں نے کیا کیا نہیں کیا، اور کیا کیا نہیں کر رہے ہیں ؎

چو از قومے یکے بیدانشی کرد نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

اگر ایک کی بے عقلی کا یہ حال ہو تو قوم کی اکثریت کی بیدانشی کا کیا نتیجہ ہوگا، بہر حال جو حالت آپ نے موجبات اضطراب کے ذکر فرمائی ہیں، وہ موجودہ کرتوتوں ہی کے نتائج ہیں فالی اللہ المشتکی۔

دوسرے امر کے متعلق یہ عرض ہے کہ قرآن حکیم کی روشنی آج بھی صراحۃً مشعلِ ہدایت ہے جیسی کہ نزول کے وقت میں تھی، سورۂ آل عمران کے آخر میں ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِیٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ	ضرور بالضرور تمہاری جانوں اور مالوں
وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا	میں تمہارا امتحان لیا جائے گا اور تم ضرور
الْکِتٰبَ الخ	بالضرور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور

م مشرکوں (بت پرستوں) سے بہت سی تکلیف دینے والی باتیں (بدگوئیاں) سنتے رہو گے، اور اگر صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے،

محترما! آیت مذکورہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمالیجئے، کیا جن امور کو آپ پیش فرما رہے ہیں ان ہی کو ذکر فرما کر اس آیت میں رہنمائی نہیں فرمائی گئی، سورہ بقرہ سیقول کی آیت یاایھا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین" سے مُّهْتَدُوْنَ تک کا ترجمہ دیکھ جائیے اور غور فرمائیے کہ ہمارے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے کیا اسی ارشاد کے مطابق نہیں ہے، اور ہم کو جو اس میں راہ دکھلائی گئی ہے، اس پر

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۶۰ کے پاس پہلے بھی اور اب بھی یہی ایک نسخہ ہے کہ عزیز دیرے پاس مصائب اور غم کی آندھیاں ہیں، طوفان اور بگولے ہیں، کڑک اور بجلیاں ہیں، جن کو میرے ساتھ آنا ہے وہ ان بجلیوں پر سوار ہو جائے، سفر لمبا ہے اور بیابانی کی منزل دور، اگر منزل مقصود تک پہنچنا یقینی ہے۔

ہم کو عمل پیرا ہونا پہلے سے نہیں بتایا گیا، اس قسم کے متعدد ارشادات قرآن شریف میں ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہیں، مسلمانوں کو موجودہ احوال میں ان پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونا چاہیئے اور بالیقین جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اِنَّ اللّٰہَ مع الصابرین صحیح اور واقعی ہے اور یقیناً ہمارے ساتھ ہے، ہر ساتھی اپنے ساتھی کا خیال رکھتا ہے اور اس کے دکھ درد کا معالجہ کرتا ہے، دیر میں ہو یا سویر میں، ہاں یہ ضروری ہے کہ اپنے ساتھی کو آزردہ خاطر کر کے اور تکلیف دے کر اپنے سے علیحدہ اور متنفر نہ کیجئے! مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ احکام خداوندی پر مضبوطی سے گامزن رہیں اور اپنی مصائب اور تکلیف کے متعلق استقلال سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھیں، "ومن یتوکل علی اللہ فہو حسبہ" اور صبر جمیل پر مضبوط رہیں اور جزع فزع نہ کریں، جو مصائب پیش آئیں ان کو صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کریں اور "انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ" پر عمل کریں امن وامان میں کوئی خلل پیدا نہ کریں۔ وفقنا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ آمین۔ والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ دیوبند۔

مکتوب نمبر ۱۶۵

جناب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج مبارک

مفصل والانامہ باعث سرفرازی ہوا، یادآوری کا شکر گذار ہوں، آپ نے میری عرائض کی طرف توجہ فرمائی، اس کا شکریہ پیش کرتا ہوں، جناب کے والانامہ سے بہت سی

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۶۱) حضرت سیدی وسندی مخدومی ومطاعی دامت برکاتہم، سلام مسنون و شوق زیارت عرض آنکہ بحمد اللہ مع الخیر رہ کر متمنی مزاج اقدس ہوں، حضرت اقدس کا پیغام بتوسط بھائی حافظ محمد یوسف صاحب دام مجدہم، شرف صدور ہوا، جس کو بہت شوق سے سہارنپور جاکر پڑھا اس سے

غیر معلوم باتیں معلوم ہوئیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کی مدد فرمائے اور اپنی خاص نعمتوں سے نوازے آمین، آپ نے طلبہ کے داخلہ میں جس عالی حوصلگی اور وسعت قلبی کا ثبوت دیا ہے، بلاشک موجب اجر جزیل اور شکر جمیل ہے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶) پہلے ایک گرامی نامہ موعولہ مولوی طاہر سلمہ میں بھی احقر کی نسبت کچھ ارشاد تھا اسے بھی پڑھ چکا ہوں عرصہ سے قصد تھا کہ اس سلسلہ میں کچھ تضییع اوقات سامی کروں، مگر ۲۷ر رمضان المبارک سے جو تپ ولرزہ کا سلسلہ شروع ہوا تو ابھی پچھلے ہفتہ میں پورے پونے دو ماہ بعد پیچھا چھوٹا ہے، اس دوران میں تقریباً اکثر کاروبار معطل رہے، بمشکل دفتر کا کام نمٹا سکا ہوں اور بھی زیادہ تنگ حال پائی پرہ کر اس لئے اس سلسلہ میں کوئی عریضہ بھی ارسال نہ کر سکا، مجھے ان ہر دو مکرمت ناموں کے پیغامات سے اپنے فہم کے قدر چند وجوہ مسرت بے اندازہ حاصل ہوئی، اول اس شکایت سے کہ شکایت دلیل تعلق ہے، الحمد للہ کہ آنمخدوم کو اس ناکارہ سے تعلق ہے، جو میرے لئے باعث سعادت اور فلاح دارین ہے، دوسرے یہ کہ حضرت کو میری اصلاح حال کی طرف بھی توجہ ہے، اس لئے والا ناموں میں ہدایت و نصیحت کا پہلو بھی اختیار فرمایا گیا ہے مجھے اس سے اپنے حسن احوال پیدا ہو جانے کی توقع ہوتی ہے، و ما ذالک علی اللہ بعزیز۔۔۔ تیسرے اس وجہ سے کہ حضرت نے مجھ میں سمع قبول اور طاعۃ کی گنجائش متصور فرمائی اور نصیحت کا محل تصور فرمایا جس نے ناصحانہ خطاب فرمایا، اس سے اس نالائق کو حسن انجام کی توقع بندھتی ہے اور چوتھے اس وجہ سے کہ حضرت نے اپنے وابستوں سے میری صفائی کرا دینے کی سعی فرمائی جس سے اندازہ ہوا کہ مجھے بھی اپنے وابستوں میں شمار فرمایا گیا ہے، اور یہ میرے لئے ان شاء اللہ باعث نجات اور ترقی درجات ہے، بہر حال ان وجوہ سے یہ ہر دو پیغامات میرے لئے باعث انبساط و شرح خاطر ہوئے اور حضرت کے لئے بے ساختہ دعا زبان سے نکلی حق تعالیٰ احسن احوال میں جلد زیارت نصیب فرما کر ہمیں بلا واسطہ استفادہ برکات کا موقع نصیب فرمائے۔ آمین سہارنپور کے پیغام میں شکوہ کا حاصل یہ ہے کہ حسب مکالمہ حضرت مدرسہ صاحب مولانا عزیز گل صاحب

میرے محترم! قومی اور اجتماعی کاموں میں ایلوے کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں، بلکہ جس قدر زیادہ خدمات انجام دینی ہوتی ہیں، اسی قدر زیادہ صبر اور تحمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بہت ہی زیادہ مصائب کا سامنا ہوتا ہے اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل شاہد عدل ہے، قرآن میں جس قدر صبر کے لئے آیات ہیں، کسی اور خلق اور عمل کے لئے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو بہت بڑا

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴) حسب بیان مولوی ابوالوفا صاحب جو بطور استراق سمع چوری سے میرا کلام سنا، مرتب کیا گیا، میں نے مولوی عثمان صاحب سلطان صاحب وغیرہ کو رؤس فساد کرا کر انکے استیصال کی سعی کی، اور باوجود حضرت صدر صاحب کے اس معاملہ سے گریز کرنے کے میں ہی ان ہی لوگوں کے اخراج یا استیصال پر مجبور کرتا رہا، میں اس سلسلہ میں نہایت صبر سکون کے ساتھ صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ۱۳۵۷ھ میں جب کہ انہیں رؤس فساد کے بارہ میں مجلس شوریٰ ۱۳۵۷ھ ہجری کو اپنی اور ان رؤس کے درمیان مراسلت سنا کر انکے مفاسد پر دھواں دھار تقریر فرمائی جس سے متاثر ہو کر شوریٰ نے تجویز کیا کہ یہ سب قابل علیحدگی تھے، صدر صاحب نے ان کے ساتھ نرمی برتی، لیکن پھر صدر صاحب انہیں اگر پھر بھی مدرسہ کے خلاف سمجھیں تو وہ انہیں علیحدہ کر سکتے ہیں، کیا یہ مراسلہ اور تقریر اور شوریٰ کا یہ تاثر اور تجویز بھی میرے ہی دباؤ سے ہو رہا تھا؟ نیز اس جلسہ شوریٰ ۱۳۶۱ھ میں صدر صاحب کا بھری مجلس میں مولوی عبدالوحید صاحب کے نسبت یہ کہنا کہ یہ نوٹس بنام صدر مہتمم جو بریلی سے آیا ہے عبدالوحید کی سازش و فتنہ انگیزی کا نتیجہ ہے، کیا میں نے جبر و اکراہ کر کے ان سے کہلوا دیا تھا، اسی مجلس میں صدر صاحب کا ان رؤس فساد کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمانا کہ میں مفسد جماعت اور اس کے فساد کو اپنے دلی یقین کے ساتھ جانتا ہوں، لیکن یہ چالاک اور شاطر جماعت سب کچھ کر کے کوئی حجت اپنے اوپر نہیں آنے دیتی، اس لئے میں نام نہیں لینا چاہتا کیا یہ اقرار اعلان بھی ان رؤس فساد کی نسبت میں نے ہی اپنے جبر و اکراہ سے کروا دیا تھا؟ کیا حضرت کی اس اشارت سے قبل مولوی نافع گل صاحب اور مولوی جلیل صاحب کے بارہ میں جو جواب طلبیاں ہوئیں جس پر

منصب دیا ہے، اس میں آپ کو بہت زیادہ تحمل اور صبر کی ضرورت اور بہت زیادہ خدمت خلق کا موقع ہے، جس طرح آپ کے لئے خدمات مفوضہ کو باحسن الوجوہ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۲:) حضرت نے ان مصاحبوں سے فرمایا کہ یہ آفتیں تم پر میری وجہ سے آرہی ہیں، تم میرے پاس آنا جانا چھوڑ دو، تو کیا یہ آفتیں اور حضرت کے بیچ میں آنے سے یہ مصیبتیں بھی میرے ہی کسی جبر و اکراہ کا نتیجہ تھیں؟ کیا شعبان ۶۱ھ میں حضرت صدر صاحب کا مجھ سے یہ فرمانا کہ تم ان حالات کی مفصل رپورٹ اور ان رؤس فساد کے متعلق مستحکم مواد فراہم کرو، جو شوریٰ میں پیش کیا جائے، اس ضمن میں ہم بہت کچھ کر سکیں گے، کیا یہ بھی انہوں نے مجھ سے میرے ہی دباؤ سے ارشاد فرمایا تھا؟ اور کیا اس جلسہ شوریٰ ۶۱ھ سے دو تین دن قبل جب کہ میں نے رپورٹ مرتب نہ کی تو حضرت صدر صاحب کا یہ فرمانا کہ رپورٹ مرتب نہیں ہوئی جو ہونی چاہئے تھی، نیز ان رؤس فساد کے نسبت کوئی ایسا عدالتی بیان بھی فراہم نہیں جس کو حجت میں پیش کیا جا سکے لیکن اگر شوریٰ میں کسی کی نسبت کچھ بھی کارروائی نہ کی گئی تو یہ لوگ اور دلیر ہو جائیں گے، کیا یہ بھی میں نے ہی ان سے زبردستی کہلوا دیا تھا؟ اور کیا اسی جلسہ شوریٰ کے اختتام پر صلح و مصالحت کی ہنگامہ خیز تقریروں کے بعد جب کہ صدر صاحب اپنی تقریر میں پارٹی بندی عذاب الٰہی بتا چکے تھے، دو ہی دن بعد مولوی عبدالعزیز صاحب کی دہرہ دون کی کسی تحریر کو حاصل کر کے انکے خلاف مواد فراہم کرنے کا جو حکم ممدوح نے مجھے دیا تھا، کیا وہ بھی میرے ہی کسی دباؤ کا نتیجہ تھا، اور کیا جب کہ اسی مجلس شوریٰ میں حضرت صدر صاحب نے مولوی عثمان صاحب کی یہ شکایت فرمائی کہ انہوں نے حضرت مولانا مدنی کی مجلس میں بمواجہہ مولانا کفایت اللہ صاحب، مولانا احمد سعید صاحب نے، میرے متعلق بعض نا ملائم کلمات کہے جس کی خبر مجھے مولوی عبدالوحید سے ہوئی، اور اس طرز عجیب سے صدر صاحب نے ان لوگوں کے مفاسد پر استدلال فرمایا، تو کیا یہ استدلال بھی میں نے ہی انہیں سمجھایا تھا؟ اور میں نے ہی کہا تھا کہ ان افراد کو رؤس فساد کہا جائے؟ اور کیا حضرت صدر صاحب نے بذریعہ مراسلت حضرت کو جو اپنا رویہ تبدیل کرنے کی طرف توجہ دلائی جس ذریعہ سے گویا یہ رؤس فساد

انجام دینے پر بہت زیادہ اجر و ثواب بھی ہے۔
میرے محترم ان کاموں کو انجام دینے میں اجتماعی فلسفہ ہی کو کام میں لانا پڑے گا، انفرادی

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۶۲ (۲۶۱) تیار ہوئے، کیا اس پر بھی میں نے ہی انہیں مجبور کیا تھا؟ اور کیا صدر صاحب
جب حیدر آباد کا نمائندہ بن کر آئے اور اپنی مجلسی تقریروں میں علانیہ انہوں نے اپنے کو وہاں کی
مقصد کا تکمیل کنندہ ظاہر کیا کہ بہرحال وہ مقاصد پورے ہی کرنے ہیں۔ کیا مجلس شوریٰ ۵۵ء
سے سیاسی مساعی کی روک تھام کے سلسلہ میں یہ منظور کرانا کہ اس میں بخ اور ضابطہ کا فرق بھی معتبر
ہوگا، اور علی الاطلاق ان امور میں حصہ لینے والا ملازم مجرم سمجھا جائے گا کیا یہ بھی میرے ہی
کسی دباؤ کا نتیجہ تھا؟۔
بہرحال ۵۰ء سے لے کر آج تک اسی استراق سمع کے معاملہ سے قبل و بعد پالیسی کے
کے نام پر جو جو عملی کارروائیاں ہوئیں، کیا وہ سب میرے ہی جبر و اکراہ کا نتیجہ تھیں اور کیا
پالیسی مدرسہ کے تحفظ کا میں ہی ذمہ دار تھا، کہ جس سے جو چاہا کرا دیا۔ اور سب بڑے چھوٹے نے بلا
چون و چرا اس کی تعمیل پر میرے سامنے دم بخود رہتے تھے؟ اگر میں ایسا ہی قوی اور جابر تھا تو
میں نے عہدۂ اہتمام جیسے روایتی عہدہ کو مفلوج ہونے سے کیوں نہ بچالیا؟ اور اپنی آئینی
بے اختیاری کو انہیں حضرات پر جبر کر کے کیوں نہ زائل کیا؟ ۵۶ء میں جب میں مجلس شوریٰ میں
اپنی بے بسی بیان کر کے عہدۂ اہتمام کو مجبوریت سے نکالنے کے لئے اپیل کرتا ہوں تو حضرت صدر
صاحب صفائی سے فرما دیتے ہیں کہ میں اپنے اختیارات کے مسئلہ کو فٹ بال نہیں بنانا چاہتا
میں جب اسی مجلس میں ماسٹر طفیل احمد صاحب کی نااہلیت کا مسئلہ چھیڑ کر انہیں محاسبی سے علیحدہ
کئے جانے کا منشاء ظاہر کرتا ہوں تو صدر صاحب پورے عنف سے فرما دیتے ہیں، کہ جب تم لوگ
تھانگی کو یہ سر پہ لے آتے ہو، اب گرہ کٹوں سے کیوں ڈرتے ہو، پھر ۵۶ء کی مجلس شوریٰ
میں آئین دارالعلوم پر بحث کے سلسلہ میں جب کہ مہتمم اور صدر مہتمم کے اختیارات کا مسئلہ چھیڑتا ہے
تو مہتمم کو کچھ مستقل اختیارات دیئے جانے کا پہلو سامنے آتا ہے، تو حضرت صدر صاحب سخت عنف کے

اشتغال میں آپ مخلی بالطبع ہو سکتے ہیں، اور استبداد کو کام میں لا سکتے ہیں، کوئی آپ کا معارضہ نہیں کر سکتا، راحت اور آرام کی زندگی بسر کر سکتے ہیں، مگر اجتماعی زندگی کا فلسفہ ہی اور ہے، یہاں قدم قدم پر کانٹے ہیں، دلآزاری ہے ؎

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۱ و ۶۲) ہو کر مجھ سے ہی نہیں پوری مجلس سے ناراض ہو جاتے ہیں اور اس درجہ مجلس مجبور ہو جاتی ہے کہ دستور اساسی کی تکمیل اسی مسئلہ پر آکر رک جاتی ہے، تو میں یا تو ان کے سامنے اس درجہ کمزور اور بے بس ہوتا ہوں کہ مدرسے کے ایک روایتی عہدہ کو بھی اس کی اصلی حالت پر قائم نہیں کر سکتا، ایک ملازم محاسبی کے بارہ میں مجھے دلشکن جواب دیکر خاموش محض کر دیا جاتا ہے، دو عہدوں کے صحیح توازن کے بارہ میں میری بات غصہ سے ٹھکرا دی جاتی ہے، اور یا ان رؤس فساد کے بارہ میں اتنا قوی اور جابر بن جاتا ہوں کہ مجھ سے صدر صاحب اس درجہ مجبور ہو کر گویا مولانا عزیر گل صاحب سے فرماتے ہیں کہ میں کیا کروں، ان رؤس فساد کے بارہ میں مہتمم متشدد ہے اور مجھے مجبور کر رہا ہے، کیا یہ عجیب بات نہیں، کہ ماسٹر طفیل احمد کے بارہ میں تو انہیں مجبور کر سکوں اور ان رؤس فساد کے بارہ میں ان کی مجبوری اس انتہا کو پہنچا دوں، اس کو چھوڑ کر پارٹی فلنگ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو پارٹی بنے انکی، محاذ وہ قائم کرے جس کا ابتدائی علم بھی مہتمم کو نہ ہو، طلباء میں جتھا ان کا قائم ہو، کھلی جنگ منظر عام پر وہ لے آئیں، اور مدرسین نے طلباء میں تنافس باہمی، مجالس درس تک میں آشکارا ہونے لگے، اعلان اہتمام دربارہ سقوط امتحان وہ لکھائیں اور لکھیں، اس اعلان کے خلاف مولوی محمد میاں صاحب کے مضمون کا جواب خود لکھ کر دوسروں کے نام سے وہ چھپوائیں، بریلی کے نوٹس کے جواب میں باہر سے نوٹس منگوانے کے لئے مضمون وہ قلم بند کریں جو بہ تغییر الفاظ کئی جگہوں سے مدرسہ میں پہنچے اور شامل شدہ طلباء سے محرجین کے دوبارہ داخلہ کے بارہ میں، ممبران شوری کی انفرادی رایوں کو وہ نہ مانیں، پھر عین اجلاس شوریٰ میں انہیں طلبہ کے داخلہ و عدم داخلہ کے بارے میں ممبران شوری سے جھڑپ انکی ہو، بھری مجلس میں اپنی رواداری اور حضرت کی تنگی یا پارٹی بندی کی حمایت کی مثالیں وہ ذکر

بھنورا او بھی پھول کا کلی کلی رس لے کانٹا لاگے پریم کا تڑپ تڑپ جیوٹے

مت گھبرائیے اور صبر و استقلال اور عالی ہمتی اور خوشدلی کے ساتھ اس باغ محمدی (علیہ السلام) کو سرسبز و شاداب کیجئے فیوض قاسمیہ کو چار دانگ عالم میں منتشر کیجئے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۱ و ۶۲) وہ بیان کریں، حضرت کی شرائط پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے انہیں شرائط کو موجب فساد نظم وہ تبلائیں، جس سے مجلس اس یقین پر پہونچکر کہ مدرسہ کے اندر فساد شدید موجود ہے ان سے یہ اپیل کرے کہ پھر صفائی سے مفسدین کے نام بتائیے، تو اس پر جواب میں وہ فرمائیں کہ مجھے مفسدین کے فساد پر روز روشن کی طرح یقین ہے، مگر جماعت مفسدین کی چالاکیوں کے سبب عدالتی ثبوت ہاتھ میں نہیں، اس لئے نام لینا نہیں چاہتا، غرض رؤس فساد اور ان کا فساد تقریری و تحریری کارروائیوں کے ذریعہ ظہور تو ان کی طرف سے ہو، ان کے فساد کا یقین انہیں ہو، اور مجرم بنے مہتمم اور وہ بھی اجبار و اکراہ کا جس کی نہ کوئی پارٹی ہے اور نہ جس میں پارٹی سازی کی صلاحیت ہی ہے اور نہ خبروں کے تلاش و تجسس کا جذبہ ہی اس میں ہے، مجھے اس سلسلہ میں اشتراک عمل سے کوئی انکار نہیں جسمیں اگر میں اپنے کو مجبور کہوں تو بجا ہے، کیونکہ اول تو مہتمم کو قوت نافذہ اور صدر کو قوت آمرہ قرار دیا گیا ہے، اس لئے ہر چیز سامنے مہتمم ہی کی قلم سے آسکتی ہے اور اسے کوئی حق نہیں کہ وہ اشتراک عمل سے گریز کرے، یا اپنے قلم کو بچانے کی فکر میں رہے، دوسرے میں خصوصیت سے پالیسی کے سلسلہ میں مہتمم اصل نہیں بلکہ صدر کے ماتحت اور اس کے تابع ہے، اس لئے اشتراک عمل سے بچنے کی اس کے لئے کوئی صورت بھی نہ تھی، تیسرے یہ کہ حضرتؒ نے اپنے بعض مکاتب میں تحریر فرمایا ہے کہ بظاہر اسباب مدرسہ کی بقاء و ترقی ہم تینوں کے سرپرا در ہمارے اشتراک عمل پر آپڑی ہے اس لئے اس اشتراک کو توڑ دینے والا مدرسہ کا دشمن ہوگا۔ (او بمامعناہ) جو کہے یہ کہ طلبہ کے اس سورش کے زمانہ میں بھائی یوسف صاحب نے باہتمام تمام صدر صاحب کے مکان پر میاں اجہہ خاں بہادر شیخ ضیاء الحق صاحب اسکی تائید فرمائی کہ مہتمم اور صدر مہتمم اتفاق و اتحاد اور دلی یکجہتی سے

ٹھوکریں لگیں تو آہ مت کیجئے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ۵

صبر کن حافظ بسختی روز و شب عاقبت روزے بیابی کام را

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۱ و ۶۲) کام کریں تو اس اشتراک عمل ہی سے تمام سورشیں ختم ہو جائیں گی، اور فتن کا استیصال ہو جائے گا، ان امور کی بنا پر میں نے اور زیادہ خلوص کے ساتھ اشتراک عمل شروع کیا اندریں حالات ان ہنگامی امور میں اگر میں اپنے کو مجبور کہتا تو بجا تھا مگر اللہ اور عجیب ماجرا ہے کہ مجھے اس میں اصل یا مدعی یا جابر کہہ کر ارباب اختیار اپنے کی مجبوری کا عذر رکھ کر بچانے کی فکر فرمائیں۔

اس سلسلہ میں حیرت ناک یہ ہزار داستاں ہے کہ مولانا عزیز گل صاحب سے تو یہ کہا گیا کر رؤس فساد کے بارہ میں مہتمم آگے آگے جبر کنندہ ہے اور حاجی رشید احمد صاحب سے بعد علیہ شوری یہ کہا جائے کہ جو انہوں نے مجھ سے خود نقل فرمایا کہ ان مسائل میں میں تو بہت کچھ کر گذرتا مگر مشکل یہ کہ مہتمم تعاون نہیں کرتا، ایسا ہی ہے، جیسا کہ حضرت تھانوی مدظلہ سے میرے مواجہ میں یہ کہا جائے کہ مولانا حسین احمد صاحب اور ان کے ہم خیال مدرس جو نجی مجلسوں اور درسوں میں کانگریست یا سیاسی تحریکات کا پرچار کرتے ہیں، اس کا سدباب کرنا بہت مشکل ہو رہا ہے، اور شاید حضرت سے میری غیبت میں یہ کہا جاتا ہے، کہ میں تو آپ کا ہوں بلکہ آپکی کشیدگی یا کبیدگی کی صورت میں میں یہاں رہنے ہی پر تیار نہیں، میں نے تو حیدرآباد میں آپ کی روک تھام اور حفاظت کی فکریں اس وقت کی ہیں جب کہ مخالفین آپ کو مدرسہ سے اکھاڑنے کی فکریں کر رہے تھے، ہاں مگر مہتمم حضرت تھانوی سے تعلق رکھتا ہے، اسے سوچ لینے کی ضرورت ہے۔ اسلئے میرے لئے سخت اشکال ہے کہ میں ان کے کون سے کلام کا یقین کروں، یا ہر کلام کو ناقابل اعتبار سمجھ کر رد کر دوں اگر فی الواقع مہتمم کی عادت اسی طرح محاذ بنا کر جنگ کرنے کی ہوتی تو، اس سورش کے زمانہ میں مولوی سلطان، عثمان وغیرہ کے مقابل آئی ہوئی پارٹی کی قیادت مہتمم ہی کے ہاتھ میں ہوتی بلکہ اسی کے اقدامات سے یہ پارٹی معرض وجود میں آئی ہوتی۔

اخلاص وللہیت تقویٰ اور خشیت کو حافظہٗ دل اللہ زبان میں محفوظ رکھئے، یہی قاسمیت ہے یہی رشیدیت ہے، یہی امدادیت ہے، کان اللہ فی عونکم، زمانہ کی تیز و تند ہوائیں چلیں گی، سمندروں کی موجیں تھپیڑے ماریں گی، خواہشات کے زلزلے آئیں گے، اعجاب

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۱ و ۶۲) اب میں رؤس فساد کے استیصال کی اصل حقیقت عرض کرتا ہوں، جس کو بطور استراقِ سمع کوٹھریوں میں چوروں کی طرح چھپکر سنا گیا اور باہر نکل کر اپنے معتقدین میں اضافوں کے ساتھ اسے نقل کیا گیا، بلکہ اس کا پروپگنڈہ کیا گیا یہاں تک کہ یہ مخبوط روایت حضرت تک پہونچ گئی، واقعہ صرف اتنا ہے کہ میرے مکان پر خلیفہ عاقل آئے، اور طلبہ کی ہڑبونگ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس بارہ میں آپ صدر صاحب سے مل لیں، وہ بھی آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں اور اسی وقت مل لیں، اپنے مکان پر اس وقت وہ تنہا ملیں گے، میں اسی وقت ان کے مکان پر پہونچا، معاملات حاضرہ کا ذکر چھیڑا صدر صاحب نے طلبہ کی سورش اور بدلگامی کا بلیغ اندازہ میں ذکر فرمایا اور اس صورت کو نہ صرف مدرسہ بلکہ شہر کے لئے بھی خطرناک ظاہر فرمایا، اس سلسلہ میں میری زبان سے نکلا کہ اندریں حالات اس کے سوا چارۂ کار نہیں ہے کہ رؤس فساد کا استیصال کیا جائے، طلبہ، مدرسین، ملازمین میں سے کسی کی تشخیص اس مجلس میں نہیں ہوئی، یہ نام بنام فہرست ان مسترقین نے تراش کر اور مولوی سلطان وعثمان وغیرہ کے اسمار جمع کرکے لوگوں کے سامنے خود کی ہے، جس کے ذمہ دار بھی بہرحال وہی ہیں نہ کہ میں، اس سے ان حضرات کی دیانت اور امانت کا اندازہ ہوتا ہے، ایک سرقۂ سمع پر آمادہ کرتے ہیں، اور وہ بھی دوسرے کو بلازم ومطعون بنانے کے لئے، اور ایک استراقِ سمع کرتے ہیں تاکہ ایک اصل چیز میں افواہیں شامل کرکے اپنی مجلس کو خوش کرسکیں، مگر ولایحیق المکر السیئ الا باہلہ۔

رہے میرے خیالات اور کابل سے آنے کے بعد جذبات سو اس میں بحمد اللہ کوئی ادنیٰ تغیر نہیں یہ جذبات کابلی نہیں ہیں، بحمد اللہ قدیم ہیں مگر جس طرح آج ان جذبات پر پردہ ڈالنے کی کوشش استراقِ سمع جیسی حرکات سے کی جارہی ہے، تاآنکہ حضرت کے قلب تک یہ شک پیدا

اغراض جھڑ جھڑا ئیں گے، مگر آپ کو ہمالیہ بننا چاہیئے، پردامت کیجئے اور سعی پیہم میں مردانہ وار گام زنی کرتے رہیئے، حضرت قاسم قدس سرہٗ العزیز نے اگر لیگیوں کی چلمیں بھر بھر کر اور پاؤں دبا دبا کر ان کو راہ پر لانے کا شیوہ اختیار کیا تھا، تو ان کے اخلاف صدق

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۱ و ۶۲) کر دیا گیا کہ وہ جذبات اب ہیں بھی یا نہیں: ایسے ہی سفر کابل سے پہلے بھی بحمداللہ اصل جذبات یہی تھے، مگر اس قسم کے نغو مساعی اور ساتھ ہی مسئلہ سرپرستی وغیرہ کے اختلاف رائے کو ان جذبات کا پردہ بنایا گیا، اور وہ کبھی بھی حضرت کے سامنے نہ آئے، مجھے خود اس میں غیرت بھی کہ میں از خود اپنے جذبات کو خواہ مخواہ باور کرانے کی کوشش کرتا پھروں، مگر بہر حال جذبات آج بھی جوں کے توں ہیں، طلبہ کے بارے میں نہ حضرت یہ چاہتے ہیں کہ وہ احاطۂ دارالعلوم میں انارکسٹ بن جائیں، نہ میں چاہتا ہوں، دوسری جانب نہ حضرت یہ چاہتے ہیں کہ وہ سیاسی شعور سے کورے اور بے بہرہ رہیں نہ میں چاہتا ہوں آگے ان کی سیاسی بصیرت اور ان میں سیاسی شعور پیدا کرنے کی تدبیر کا مسئلہ ہے، کہ وہ ایک صحیح سیاسی جذبۂ شعور و بصیرت کے ساتھ لیکر نکلیں، ان میں محض جذبات ہی نہ ہوں بلکہ ادراک و شعور بھی ہو اور وہ اپنے دینی.. مسلک کے ساتھ سیاسی مسلک بھی لیکر دارالعلوم سے نکلیں، جسمیں وہ مبصر اور محقق ہوں سو یہ مسئلہ نہ آپ کے سامنے ہے نہ میں تنہا اس میں کچھ کر سکتا ہوں، میں نے جو تدبیر سمجھ میں آئی تھی، اسے بذیل تحریر حضرت کو دکھلایا تھا اور باضابطہ تعلیمات میں بھی اسے بھیجدیا تھا، مگر وہ ابتداہی سے نذر بے التفاتی رہی، اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے، حضرت کی اس اسارت کے بعد طلبہ کا جو عظیم الشان جلسہ جامع مسجد میں زیر صدارت احقر منعقد ہوا جسمیں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے تقریر فرمائی اور بیچ تقریر درمیان ہی میں چلے گئے، اسمیں حسن اتفاق سے طلبہ کے سامنے احقر نے کابل ہی کے معاملات و خیالات اور وزیر خارجہ سے اپنے مکالمہ کا حوالہ دیکر تقریر کی۔ اسلئے کوئی چیز الحمدللہ فراموش شدہ نہیں ہے، طلبہ کے سلسلہ میں نیز ملازمین معلومہ کے بارے میں میں نے بحمداللہ کوئی کارروائی کسی جذبۂ انتقام کے ماتحت نہیں کی اول تو ہر کارروائی میں میں منفرد تھا آمر نہ تھا لیکن جس حد تک بھی

کو اس میں عار نہ آنا چاہیئے، اور نہ گھبرانا چاہیئے اور ہمت بلند ہی رہنی چاہیئے حسن تدبیر اور حکمتِ صدق کو اختیار کر کے سلف صالح اور ان کے فیض کو زندہ کرنا چاہیئے ہم ناکارے بدنام کنندہ نکو نامان آپ کے ساتھ ہیں، حسب طاقت خدمات انجام

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۱ و ۶۲) میری ادا، شامل تھیں وہ الحمد اللہ انتقامی نہیں تھیں، مجھے اپنی خود دارانہ حیثیت کے پیش نظر حضرت کے اس جملہ سے رنج ہوا۔ جو مولوی طاہر سلمہٗ کے موسومہ والا نامہ میں مرقوم تھا کہ "مہتمم صاحب انتقامی جذبات سے کام لے رہے ہیں" اگر میں انتقامی جذبات سے کام لیتا تو اس وقت لیتا جب کہ سنین گذشتہ میں مجھے ہر معاملہ میں زبانے اور پست کرنے کی مساعی جاری تھیں، جو بھی میری طرف منسوب تھا اسے مدرسہ سے کاٹ پھینکنے کی صورتیں پیدا کی جارہی تھیں اور یہ کاٹ و تراش عملاً بہت سوں پر واقع ہوئی، متعدد ملازمین بلا رپوٹ اہتمام بالا بالا نکال پھینکے گئے، حالانکہ جو جرائم ان کی طرف منسوب کئے گئے ان سے بہت زیادہ دوسروں پر بھی عائد ہوئے اور کاغذات میں بھی آئے لیکن چشم پوشی کی گئی یہ سب کچھ مہتمم کی قوت توڑنے کے لئے عمل میں لایا گیا، ۱۳۵۳ھ میں طلبہ کا ہڑبونگ بھی ہوا جس کی زد مہتمم ہی پر تھی، مہتمم کو سب تنہا چھوڑ کر بھی چلے گئے یہ سب کچھ ہوا، مگر میں نے کبھی اُف تک نہیں کی، صبر کیا اور اپنے بڑوں کی تکریم و تحریم و تعظیم میں کبھی فرق نہ آنے دیا، اگر انتقامی جذبات سے کام لینا طلبہ کے مظاہرات کے سلسلہ میں جب سورش اور نظم کا مقابلہ کھلم کھلا شروع کر دیا تو بقائے نظم کے سلسلہ میں میری رائے بھی شریک تھی کہ جو حقیقتاً اس تخریب نظم کے مرتکب ہیں ان کے ساتھ ضابطہ کی کارروائی کی جائے مگر جب کہ حضرات شوریٰ نے طلبہ کے عدد کثیر کے اخراج پر توجہ دلائی اور اس پر نظر ثانی کرنے کے لئے دائرہ اہتمام کو ہدایت دی تو سب سے پہلے میں نے ہی اپنی رائے ظاہر کی کہ سوائے پانچ طلبہ کے سب کا داخلہ کیا جائے، اگر وہ معذرت کریں۔

حضرت مہتمم صاحب کی رائے میں پانچ سے زیادہ کا عدد ناقابلِ داخلہ تھا، مگر اس رائے

دیتے رہے، اور انشاء اللہ دیں گے۔ واللہ یھدینا ء ایاکم لما یحبہ ویرضاہ، آمین، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۶ و ۲۲) کے بعد انہوں نے اپنی رائے بدلدی کہ سوائے محمد یٰسٓ فیض آبادی کے سب کا داخلہ ہو سکتا ہے، البتہ چودہ پندرہ طلبہ جن سے جواب طلب کیا گیا ہے، ان کے جواب آنے پر ان کے داخلہ کے بارہ میں غور و فکر کیا جائے گا، اس کے بعد احقر نے آخری رائے یہ ظاہر کی کہ میرے خیال میں اب کل مخرجین قابلِ داخلہ قرار دیدیئے گئے ہیں تاکہ اعلان اخراج کے مضر اثرات ملک کی فضا میں زایل ہو جائیں، بہرحال اگر طلبہ کے علاوہ کثیر کے اخراج میں اپنی رائے کو شامل کر کے میں نے ایک غلطی کی تھی تو از خود ہی میں نے اس کا تدارک بھی کر لیا اور حضرت کے ارشاد سے قبل ہی میں نے منشاء گرامی کی تعمیل کر دی، اخراج طلبہ کے سلسلہ میں میری اولین رائے یہ تھی کہ اس مسئلہ کو مجلسِ انتظامیہ یا مجلس کے مخصوص ممبران حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے مشورہ سے طے کیا جائے بلکہ اس میں دوسرے اہل الرائے کو بھی شامل کر لیا جائے اگرچہ وہ ممبر نہ ہوں، کیونکہ مسئلہ اہم ہے، نیز اس سلسلہ کے دوسرے مسائل مثل التواء امتحان اور بندش مطبخ وغیرہ بھی مجلس انتظامیہ ہی کے مشورہ سے عمل میں لائی جائے لیکن اس میں حضرت صدر صاحب کی رائے یہ ہوئی کہ وہ مسائل ہمارے حدود و اختیار سے خارج تھے، اس لئے مجلس سے رائے لینی ضروری تھی، لیکن اخراج طلبہ کا مسئلہ خالص اہتمام کے حدود و اختیار کا ہے، اس کی اپیل بھی نہیں ہے، اس لئے خواہ مخواہ مجلس کو اپنی حدود میں دخیل کرنا کیا ضروری ہے، اس پر احقر نے بھی سکوت کیا، اور اسی کے مطابق پھر عمل درآمد ہوتا رہا بہرحال اپنی غلطی اگر ہے تو خود اپنی رائے کی نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ دوسرے حضرات کی رائے مان لینے کی ہے، سو یہ بھی غلط ہے یہ دی میری پرانی ہے، خود میرے خلاف بھی جو بلائیں ہوئیں ان پر بھی اظہار خیال بالآخر دوسروں ہی کی

مکتوب نمبر ۶۲

محترما! میں نے جو کچھ لکھا تھا کہ ہم تینوں کا اشتراکِ عمل مدرسہ کی بہبود اور ترقی کیلئے ضروری ہے، اس کا مطلب یہی تھا کہ اپنی انفرادی زندگی کے لئے تو ہر ایک ایسے سامان رکھتا ہے، کہ جن کی بنا پر کسی کو کسی کی حاجت نہیں، مستقل طور پر گذر بسر کرتا اور کر سکتا ہے، مگر دارالعلوم کی بہبود اور ترقی کے لئے ہم تینوں میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کی حاجت ہے،

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۱ و ۶۲) رائیں مان لیں اور جو کچھ ہوا وہ ہوا۔

حضرت نے بہ کمال شفقت تحریر فرمایا ہے کہ "شفیع صاحب اور دوسرے ان کے رفقاء سے مہتمم صاحب کی صفائی کرادی جائے"۔ مجھے بحمد اللہ ان حضرات سے کوئی کدورت اور گرانی نہیں ہے، مگر اس پر بھی یہ حضرات بکمال محبت خود میرے پاس آئے اور جب یہ مجلسِ شوریٰ ختم ہوئی۔ اور صفائی چاہی ان سے بھی میں نے یہی کہا کہ الحمد اللہ کوئی ذاتی عداوت نہیں، معاملات مدرسہ کے سلسلہ میں بحیثیت فرضِ منصبی تنقید اور نکتہ چینی اس سے مستثنیٰ ہے، اس تقریر سے وہ بھی مطمئن ہو گئے اور میں بھی مطمئن اٹھا۔ لہٰذا حضرت کے ارشاد سے قبل ہی منشاء گرامی کی تعمیل ہو چکی ہے آخر میں ایک خوردانہ شکایت پر جو میری پرانی شکایت ہے اس دفترِ بے معنی کو ختم کرتا ہوں اور وہ یہ کہ اکابر نے مجھ پر الزام قایم کرنے کی تو ہمیشہ سعی فرمائی ہے، لیکن بزرگانہ طریق پر اپنے منشاء کو سمجھانے اور تعمیل منشاء کا ارشاد کرنے کی صورت کبھی پیدا نہیں ہو پائی، تحریکات کے سلسلہ میں اور معاملات دارالعلوم کے سلسلہ میں بھی خود حضرت نے بھی یہ رویہ اختیار نہیں فرمایا کہ فلاں معاملہ کی صورت حال یہ ہے اور تجھے اس معاملہ میں اتنا کام کرنا ہوگا، اگر اس کے بعد بھی میں چون وچرا کرتا تو قابلِ الزام اور قابلِ شکایت تھا، لیکن جب کہ یہ صورت ہی نہیں ہوئی بلکہ از خود کچھ کر لینے پر الزام ضرور قایم کیا گیا تو اس بارہ میں میری ذمہ داری بہت ہلکی ہو جاتی ہے: بہر حال مجھے منشاء گرامی کی تعمیل سے کبھی انحراف نہیں ہے، اور نہ پہلے کبھی ہوا، بعض مسائل میں رائیں میری مختلف

آپس میں سر جوڑ کر ہم اپنی جد و جہد جاری رکھیں، تمام امور مہمہ میں مشورہ کریں اور یکجہتی سے کام کریں، صاف دلی کے ساتھ دوسرے کے مشورہ کو قبول کریں، کبھی اپنی رائے پر ہٹ نہ کریں، جو مفید اور حق بات ہو قبول کریں خواہ اپنی رائے اس کے خلاف ہی ہو، اپنی بات کی ترجیح نہیں چاہیے:

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۲۶) ہوئیں مجلس شوریٰ میں بھی اختلاف رائے نمایاں ہوا تعلیمات کے سلسلہ میں بھی ہوا، لیکن الحمد اللہ میں نے اپنی رائے کو منوالنے یا قوی بنانے کے لئے کوئی محاذ نہیں بنایا، مسئلہ سرپرستی میں چھ برس تک میری ایک رائے رہی، لیکن میں نے خود ممبران یا اندرونی جماعت کی کوئی پارٹی اس سلسلہ میں الحمد اللہ کبھی نہیں بنائی، بحث اتفاق بہت سے ممبر اس رائے میں شریک ہو گئے تو وہ ایک جماعت نظر آنے لگی، ورنہ میری کسی سعی سے ایسا نہیں ہوا، بہر حال اختلافی مسائل میں اظہار رائے کی حد تک توسعی کی لیکن تحزب یا گروہ بندی کے چکر میں کبھی نہیں پھنسا اور اس کے باوجود بھی نہیں پھنسا کہ اندرونی اور بیرونی جماعت کے بہت سے افراد نے مجھ سے اسکی خواہش بھی کی ان حالات میں میرے بزرگوں کا مجھے اپنا نہ سمجھنا یا ضابطہ کی باتوں پر قناعت کرتے رہنا میرے لئے ہمیشہ دلشکنی کا باعث رہا ہے اور اگر اب بھی یہ طرز رہا تو رہے گا، یوں چھوٹا اپنے بڑوں کے سامنے ہر وقت قصور وار ہے، اور اسے اعتراف تقصیر میں کسی وقت بھی تقاعد سے کام نہ لینا چاہیے.

آخر میں توجہ گرامی پر شکر گزار ہوں اور اس تضیع اوقات سامی کی معافی چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آئندہ بھی اسی طرح اپنی ہدایات سے سرفراز فرمایا جاتا رہے گا. والسلام

احقر محمد طیب از دیوبند - ۶ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ

راقم الحروف نے مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول اخبارات و رسائل کو برائے تبصرہ بھیجی احباب اور بزرگوں نے تقریظ اور تنقید کے ذریعہ میری حوصلہ افزائی فرمائی، اور دوسری جلد کے لئے کچھ ہدایتیں دیں، میں ان تمام حضرات کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، جبکہ اس سلسلہ میں جناب مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی اڈیٹر برہان کے مشورہ اور تنقیدات پر خصوصیت کے غور کرنا پڑا، جناب موصوف کو مجھ سے یہ شکایت ہے۔

جیساکہ حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کی ہدایت ہے، منفرد ہوکر یا آمر و ڈکٹیٹر بن کر کام نہ چلائیں میں نے اپنے کو آجتک امور مدرسہ بالخصوص انتظامات میں اسی درجہ کا سمجھا ہے اور جہانتک مجھے یاد پڑتا ہے ممبروں نے بھی ہم تینوں کو یہی درجہ دیا ہے، بحیثیت اہتمام اگرچہ قوت

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۱ و ۶۲) .. خطوط کا وہ حصہ جن میں مولانا مدنی مدظلہٗ نے ملکی سیاسیات یا معاملات دارالعلوم دیوبند کے سلسلہ میں اپنے بعض معاصرین کی نسبت رنج وملال اور کبیدگیٔ خاطر کا اظہار کیا ہے، ہماری رائے میں ان کی اشاعت میں جلد بازی اور بے احتیاطی سے کام لیا گیا ہے ''

اس تنقید میں راقم الحروف پر دو فرد جرم لگائی گئی ہے ایک یہ کہ جلد بازی کی، سو اس کا جواب یہ ہے کہ آخر اس کے اشاعت کی وہ کون سی تاریخ ہوتی؟ صاف بات ہے کہ اس سلسلہ کی ... سب سے بڑی اور معتبر شہادت حضرت مولانا مدنی دامت فیوضہم کا وجود گرامی ہے اور خدا کرے تا دیر قائم رہے. ضرورت ہے کہ اس طرح کے جملہ امور جو سیاسیات ملکی اور معاملات دیوبند سے متعلق ہیں اور جو آگے چل کر اہم تاریخ بننے والے ہیں، وہ ایک ایک کر کے ظاہر کر دیئے جائیں، تاکہ بعد کو قیل وقال کا موقع نہ رہے، اگر کہیں کچھ گنجلک ہو تو اس کی تصحیح و توثیق حضرت مولانا مدنی مدظلہٗ العالی سے کرلی جائے سب کو معلوم ہے کہ مکتوبات کے جمع و ترتیب کا کام تاخیر سے ہو رہا ہے، حالانکہ آج سے بہت پہلے یہ کام ہو جانا ضروری تھا، یہ جلد بازی نہیں ہے، بلکہ دوسروں کی فرض ناشناسی و ناحق سپاسی ہے :

دوسرا جرم بے احتیاطی کا ہے، جواباً عرض ہے کہ مکتوبات جلد اول ص ۱۲۶ تا ۱۲۲ پر جو ایک نوٹ لکھدیا گیا ہے اس کو اب جلد دوم کے مکتوب نمبر ۶۱ و ۶۲ اور مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ایک مفصل خط کے ساتھ پڑھ لیا جائے تو کہنا پڑ جائے گا کہ جلد اول کا مختصر نوٹ بہت ہی کم ہے. مگر ہے بات وہی حق، اگر مہتمم صاحب مدظلہٗ کا والا نامہ جلد اول کی اشاعت سے قبل مل گیا ہوتا تو شاید اڈیٹر برہان مجکو بخشدیتے، اور بات گھر کی گھر ہی میں رہتی موصوف اور

عاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے اور تھی، مگر یہ قید کہ تینوں کی رائے کا اعتبار ہو، اور اختلاف کی صورت میں کثرتِ رائے کا اعتبار ہو۔ اسی لئے تھی، ممکن ہو کبھی آپ نے میرے اکھڑپنے کی وجہ سے یہ خیال فرمایا ہو کہ یہ اپنی بات منوانا چاہتا ہے، اور آمریت کو عمل میں لانا ہو، مگر میرے دل میں

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۱ و ۶۲) مہتمم صاحب ممنٹ نیتے، مہتمم صاحب نے حضرت شیخ مدنی مدظلہ العالی کو جو والا نامے عنایت فرمائے ہیں ان میں ایک تو وہ ہے جو حضرت شیخ مدظلہ العالی نے جیل سے حافظ محمد یوسف صاحب کو لکھا ہے اور انہوں نے مہتمم صاحب کو سہارنپور بلا کر دیا تھا۔

دوسرا مہتمم صاحب کا وہ والا نامہ ہے جو بجواب والا نامہ مولانا مدنی مدظلہ العالی جیل بھیجا گیا ہے، اور تیسرا حضرت مولانا مدنی کا وہ والا نامہ ہے جو مہتمم صاحب کے خط کے جواب میں جیل ہی سے آیا ہے، ان تمام خطوط کو اور مہتمم صاحب کے مفصل والا نامہ کو اور اس کے خط کشیدہ فقروں اور عبارتوں کو جب کوئی دیانت داری سے پڑھے گا تو انشاء اللہ وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم اگرچہ بہت بڑے علامہ اور فہامہ تھے مگر تھے انتہائی بھولے بھالے آدمی جو بقول اکبر آبادی

"مولانا مرحوم عملاً سیاسی آدمی کبھی بھی نہیں رہے۔"

تو پھر جب وہ اس میدان کے مرد نہ تھے، تو پھر چاہے وہ سیاست دار العلوم کی ہو یا ملکی سیاست اس میں مولانا مرحوم کو آنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟۔

ناقل اکبر آبادی نے راقم الحروف کو طعنہ دیا ہے بے احتیاطی کا۔ اور یہ خیال نہیں رہا کہ مولانا عثمانی کے بارے میں کیوں بے احتیاطی کے مرتکب ہو کر مرحوم کی تشہیر ان فقروں کے ذریعہ فرما رہے ہیں

"لوگوں نے توہین و تذلیل کا کوئی طریقہ ایسا نہیں تھا جو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں اختیار کیا ہو چنانچہ مولانا مرحوم نے خود ہم سے کئی مرتبہ انتہائی غمگین اور آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ ان لوگوں نے دیوبند میں میرا رہنا تو کجا گھر سے نکل کر مسجد تک آنا اجیرن کر دیا ہے الخ۔"

کبھی مشورے سے زیادہ کا خیال نہیں رہا ہے، اور بسا اوقات میں نے اپنی رائے کیخلاف آپ حضرات کی رائے کے سامنے سر جھکایا ہے، ہاں بعض طلبہ کے داخلہ یا امداد کے مسئلہ میں البتہ زور دیتا رہا ہوں اور اس مرتبہ بھی جب یہ معلوم ہوا کہ آپ دونوں حضرات نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تقریباً اسی طالب علم مدرسہ سے بالکل خارج کر دیئے جائیں، اسکا مجھ کو سخت صدمہ ہوا، اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ موجودہ زمانہ میں جس قدر بھی ہم سی

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۱ و ۶۲) آخر مولانا اکبرآبادی کی جلد بازی اور بے احتیاطی سے لوگ کس نتیجہ پر پہنچیں گے؟ صاف بات ہے کہ دارالعلوم کی فضا صد درجہ خراب ہو کر اہتمام اور سر پرستی کے جھگڑوں سے مسموم ہو چکی تھی، کیا حضرت مولانا طیب صاحب کے والا نامہ سے بھی بڑھ کر کوئی سند ہو سکتی ہے؟ کیا اکبرآبادی صاحب نے مہتمم صاحب پر برہان نومبر ۵۲ء کے ص ۳۰۹ سطر ۱۱ و ۱۳ میں بے احتیاطی سے کام نہیں لیا ہے؟ اور کیا آپ نے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر برہان کے صفحات میں چند نمبروں کے اندر صد درجہ بے احتیاطی نہیں برتی ہے؟ حالانکہ

"چہ نسبت خاک را با عالم پاک"

مولانا اکبرآبادی نے ایک الزام حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی پر رکھا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ

"چند غیر ذمہ دار لوگوں کی تحریروں پر اپنے عمر بھر کے رفیق اور حضرت شیخ الہندؒ کے معتمد علیہ سے بدگمان ہو جانا ان کی حوصلہ مندی اور علو ظرف کی شان کے شایاں نہیں ہے۔"

راقم الحروف کو اکبرآبادی سے یہ دوستانہ شکوہ ہے کہ آپ نے اب تک حضرت امام العصر مدظلہ العالی کو سمجھا ہی نہیں ہے، ورنہ مولانا عثمانی مرحوم کی بلا ضرورت حمایت پر اس درجہ نیچے نہ اتر آتے، کیا اس کے صاف معنی یہ نہیں ہیں کہ مولانا مدنی مدظلہ کی ساری سیاست محض چند حاشیہ نشینوں کی رطب و یابس تحریروں اور اطلاعات پر مبنی تھی! معاذ اللہ معاف فرمائیں۔

"تو حق شناس نہ دلبر خطا اینجاست"

میرے محترم! دبی زبان سے گذارش ہے کہ مولانا حسین احمد کو اگر سمجھنا ہے تو تاریخ آزادی ہند

ممکن ہے لوگوں کو مسلمان اور صحیح العقیدہ مسلمان بنائیں، اور حسب فرمان نبوی (علیہ السلام) فاستوصوا بھم خیرا، ممکن سے ممکن درجہ تک طلبہ کو راہ راست تک کھینچیں تاکہ یہ نوجوان پڑھ لکھکر اپنی حالت بھی درست کریں اور مسلمانوں کی بھی حالت درست کریں اور اسلام کے سچے مبلغ بنیں اخراج کرنا اس نعمت عظمی سے محروم کردینا ہے، اور ہمارے یہاں کی انتہائی سزا ہے جس سے بہت سے خطرات

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۶ و ۲۲) کے اس دور کی طرف پلٹ کر جائزہ لینا ہوگا، جب کہ برطانوی دارالعوام سے ڈنکے کی چوٹ یہ آواز سنائی گئی تھی۔

"یہ ترک اور انگریزوں کی جنگ نہیں ہے، یہ اسلام اور عیسائیت کی جنگ ہے خلافت اور اس کے نام پر چلنے والی کسی بھی تحریک کو شمشیر کی نوک سے دھکیل دیا جائیگا"

یہ آواز ساری دنیا کے مسلمان سن رہے تھے، ساری دنیا کے مسلمانوں کے کروڑوں دل اس مغرور آواز کو سن کر دھڑک اٹھے، لیکن سنگینوں کی تیز نوکیں، گلے میں قریب لہراتے ہوئے پھانسیوں کے پھندے، بارود کی بدبو اور تاریک قید خانوں کا تصور اتنا دہشت انگیز اور خوفناک تھا کہ زبان ہلانے کی سکت کسی کے اندر نہ تھی، اس سراسیمگی اور دہشت کی فضا کو طاقت اور جبر کے طلسم کو توڑ دینے کے لئے کراچی کی عدالت میں طاقت در اور ہیبت حق میں ڈوبی ہوئی ایک آواز اٹھی۔

"اسلام کے خلاف بنائے جانے والے یہ شیطانی منصوبے خاک میں ملا دیئے جائیں گے، اگر مذہبی فرائض اور پابندیوں کا احترام اور لحاظ نہ رکھا گیا تو کروڑوں مسلمانوں کو اس کا تصفیہ کرنا پڑے گا۔ کہ وہ مسلمانوں کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتے ہیں، یا مفلوج رعایا کی حیثیت سے، اگر گورنمنٹ اسلام کے مقابلہ پر کمر بستہ اور مذہبی آزادی چھیننے پر تیار ہے، تو پہلا شخص میں ہوں گا جو اپنی جان قربان کردوں گا"

یہ حسین احمد مدنی کا نعرہ تھا، جس نے ہندوستان کی ٹھٹھری ہوئی سیاست میں گرم اور

ہیں، شدید ضرورت اور انتہائی معصیت کے وقت ہی اس کو استعمال کرنا چاہیئے اس لئے بطور مشورہ ہر دو عریضوں میں لکھا تھا مجبور کرنا ہرگز ہرگز مقصود نہ تھا، میں ہمیشہ کا خادم ہوں مگر نالائق، آپ حضرات بالخصوص حضرت نانوتوی قدس سرہٗ العزیز کے خاندان کا خیر خواہ ہوں، گرا کھڑ دریوزہ گر ہوں، مگر ناکارہ غلام ہوں، مگر بیوقوف۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۶،۲۲۶) پر جوش دلوں کی روح پھونکدی، مضمحل اعصاب میں بجلی، اور طوفان کی قوت دوڑادی، ساری دنیا کے آزاد مسلمان اس آواز کو سن کر غیرت سے پسینے میں نہاگئے۔ جو محکوم اور غلام ہندوستان کی کڑی سے کڑی بندشوں کو توڑ کر بالکل آئی تھی، یہ شیخ الاسلام کا اسلامی کردار تھا، اسوۂ حسنہ پر عمل تھا، اس ہدایت کی تعبیر تھی جس میں کہا گیا ہے "اعلاء کلمۃ الحق" جہاد سے بہتر ہے۔

مولانا اکبرآبادی شوق سے مولانا مدنی کی ذات کو ایک شخصیت سمجھ لیں اور اس کا نام حسین احمد رکھ دیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک مرکز ہے، جس پر شریعت طریقت مذہب وسیاست خوشگوار سنگم بناتا ہے، کیا آج ہند و پاکستان علما سے خالی ہو گیا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں، مولانا عثمانی مرحوم جیسے خطیب انشا پرداز اور مصنف موجود ہیں۔ مگر ان ہر دو ممالک میں کوئی اور دوسرا حسین احمد قطعاً نہیں ہے، یہ صرف میرا فیصلہ نہیں ہے خود اکبرآبادی وغیرہم، اہل قلم کا اعتراف ہے، اسلامی تاریخ بھی اس طرح کے نظائر سے خالی نہیں ہے، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ دہلی کے اندر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی علمی جلالت کا سکہ ہمالہ سے راس کماری تک ہند سے بخارا تک جاری تھا، سیکڑوں ہزاروں شاگردوں اور مریدوں کے علوم معارف کا ایک سمندر لہرا رہا تھا، مگر ان میں سے مولانا فضل حق، مولانا اسمٰعیل شہید، مولانا عبدالحئی، شاہ اسحٰق، سید احمد شہید، امداد اللہ مہاجر مکی، قاسم نانوتوی، قطب گنگوہی، شیخ الہند، عبیداللہ سندھی، انور شاہ، کفایت اللہ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی دامت برکاتہم وہ ہوئے جو سب نہیں ہوا کرتے، مولانا مدنی مدظلہ العالی

میری عین خواہش ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاف اس طریقہ پر مضبوطی سے قائم رہیں جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ چلتے رہے، اور جس پر ہم دور افتادوں کو چلایا، میں جب کہ ان اخلافِ صدق میں سے کسی کو اس طریقہ سے دور اور خلاف پاتا ہوں تو بہت زیادہ متاثر ہوتا ہوں، چونکہ زور کچھ نہیں، اس لئے گھٹ کر رہ جاتا ہوں، اور کنارہ کش ہو جاتا

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۱ و ۶۲) کا فرق وہ ظرف نہیں ہے کہ چند حاشیہ نشینوں کی اطلاع پر بدگمان ہو جائیں، بلکہ اس کا ماخذ آپ کی خداداد فراست، برطانوی نشیب و فراز سیاست پر گہری بصیرت ہے، اس محمودی و مدنی سیاست کا کورس مالٹا کی پنج سالہ زندگی میں ختم ہوا ہے اور بیسویں صدی میں انگریزی سامراج کا سب سے بڑا دشمن شیخ الہندؒ کا یہ سعادت شاگرد قرار پایا جس نے اپنوں اور بیگانوں کی گالیاں سنیں مگر سب کو اس نے بخش دیا اور معاف کر دیا کہ قصور ان کا نہیں جرم سفید فام کا اور اس کے کارندوں کا ہے، کیونکہ اس کا مذہب تھا اور ہے "کہ کفرست در شریعت ما کینہ داشتن" البتہ افسوس کے ساتھ اس کو یہ کہنا پڑتا تھا کہ ع

کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد

دماغی کام کرنے کی وجہ سے مولانا اکبر آبادی کا حافظہ کچھ کمزور سا ہو گیا ہے اور یاد نہیں رہا کہ کبھی موصوف کے قلم سے "جمعیۃ العلما کا سیاسی مسلک" ایسا اہم اور بصیرت افروز مقالہ سپرد قلم ہو چکا ہے، اور مولانا موصوف کا لیگی سیاست کے متعلق یہ جملہ کہ

"مسلمانوں کی پوری تاریخ میں ایسی کوئی غلطی نہیں ہوئی"

پھر جب مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول پر تبصرہ کرنے بیٹھ گئے تو شاید نادانستہ طور پر قلم فیض رقم سے عبارت ذیل ٹپک پڑی........

....

.....اور آج مسلمان جس دور ابتلاء و آزمائش سے گذر رہے ہیں اس کے پیش نظر تو اب یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل ہے کہ کون حق پر تھا اور کون حق پر نہیں تھا نہ وہاں قرآنی اور اسلامی

ہوں، نیز چونکہ گوناگوں افکار میں مبتلا رہتا ہوں مشغولیتیں بہت زیادہ رکھتا ہوں، اس لئے یہی اختراع کیا جاتا ہے، کہ یہ ہم سے کنارہ کش ہے، ورنہ حقیقت یہ نہیں ہے میرا کبھی بھی یہ خیال نہیں ہے کہ معاذ اللہ خاندان قاسمی کو کوئی گزند پہنچے ارادہ و عمل تو درکنار، اگر کسی بات سے یہ انتزاع کیا جاتے تو غیر صحیح ہوگا، بہرحال اس اجتماع میں بھی اور آئندہ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۲ : ۶۲) حکومت ہے اور نہ یہاں مسلمانوں کو سکھ اور چین نصیب ہے"

مولانا اکبرآبادی سا اہل قلم آخر یہ کیسے لکھ گیا؟ ؏

ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہئے"

اور یا پھر مولانا نورالدین صاحب راجی کی زبان سے اقبال مرحوم کا یہ شعر کیوں نہ پیش کر دیا جائے ؎

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری

ہماری حیرت و استعجاب کے کئی سبب ہیں، ہم اس کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے، البتہ جناب موصوف کی مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں قدرتاً یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں، جو مولانا اکبرآبادی کی توجہ کے محتاج ہیں،

(۱) اگر وہاں اسلامی اور قرآنی حکومت نہیں ہے تو وہاں والوں کا حق پر نہ ہونا کیا ظاہر بات نہیں (۱) وہاں والوں کے حق پر نہ ہونے کے ثبوت کے لئے قرآن کے علاوہ اور دلیل کی ضرورت ہے؟-

(۲) اور اگر ہم بھارت کے مسلمانوں کو سکھ اور چین نصیب نہیں تو کیا ہمارے حق پر نہ ہونے کے لئے ہماری پریشانی اور بے چینی ہی دلیل ہے؟

(۳) ہم بھارت کے ساڑھے چار کروڑ سے اوپر کی تعداد والے مسلمانوں کی ماضی کی تاریخ کیا شہادت دے رہی ہے، آیا ہماری اکثریت بلکہ قریب قریب کل تعداد جمعیۃ کی اطاعت گذار تھی؟ یا کہ خود جمعیۃ کو اپنی اطاعت کے لئے جائز و ناجائز ہر طریقے سے مجبور کر رہی تھی؛ جب یہ حقیقت ہے کہ یہاں کے بقیہ مسلمانوں کا رویہ بھی جمعیۃ کے ساتھ معاندانہ تھا تو پھر ہماری پریشانی کو جمعیۃ کے حق پر ہونے نہ ہونے سے کیا تعلق؟

مولانا اکبرآبادی مجھ سے کہیں زیادہ دارالعلوم دیوبند کی کشمکش کو جانتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ

ہیں بھی جو صورت حقیقی مفاد دارالعلوم اور ملت اسلامیہ کی ہو اسے اختیار فرمائیں ہرگز ہرگز شخصی اور بالخصوص حسین احمد کے مفاد کو ترجیح نہ دیں، نہ دارالعلوم حسین احمد پر موقوف ہے، اس کے جیسے نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہزاروں درجہ بڑھ کر آپ کی جماعت میں، جو کہ اسلاف کرام کے دریوزہ گروں کی جماعت ہے، علمائے کرام اور صلحائے عظام موجود

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۱ و ۶۲) مولانا عثمانی مرحوم کی حمایت میں: "غیر محتاط ہیں جو ان کے لئے زیبا نہیں اور نہ تنقید و تبصرہ کے یہ معنی ہیں کہ"

بیک گردشیں چرخ نیلوفری نہ نادر بجا ماند نے نادری

ناچیز مولانا مدنی دامت برکاتہم کو معصوم نہیں سمجھتا، البتہ محفوظ کا اعتقاد رکھتا ہے اور حتی الوسع ہر ایک بزرگ کے امتیازی اوصاف اور ان کی دینی اور علمی خدمات کا پوری فیاضی سے قائل ہے اور علی وجہ البصیرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کو حق پر سمجھتا ہے اور دوسروں کو ناحق پر یقین کرتا ہے اور پاکستانی تحریک کے مؤیدین کے سامنے جن میں مولانا عثمانی مرحوم پیش پیش تھے مولانا اکبرآبادی کے اسی جملے کو دہرادینا کافی سمجھتا ہے "مسلمانوں کی پوری تاریخ میں ایسی سیاسی غلطی نہیں ہوئی" الخ

اگر قارئین مکتوبات مولانا مدنی مدظلہ العالی کے ہر دو خطوط کے خط کشیدہ فقروں کو بار بار پڑھیں گے تو خود اندازہ کرلیں گے کہ دارالعلوم دیوبند کی کشمکش میں حضرت مولانا مدظلہ العالی کس قدر محتاط، نظام دارالعلوم کے بقاء و استحکام میں کس درجہ ساعی اور اپنے اکابر کے کتنے سچے جانشین اور سچے خادم اور جانباز سپاہی ہیں دارالعلوم اس کے طلبہ، اساتذہ اور ارباب حل و عقد سے ان کو کتنا گہرا رابطہ محبت اور خلوص ہے، ساتھ ہی اپنے اکابر کے طریق کار اور اس کی صحت پر کتنا زبردست عقیدہ ہے، اسی کے ساتھ تواضع و للہیت کا یہ عالم ہے کہ ساری دنیا بہتر، خود کچھ نہیں، سب لائق احمد خود سب سے ہیچ، اسی کا اثر ہے اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے "من تواضع للہ رفعہ اللہ" اگر ولی اللہی فیض حضرت شاہ اسحاق صاحب سے جاری ہوا، یا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف حکم و اسرار کا سرچشمہ میزاب محمودی سے پھوٹ نکلا تو کیا آئیں

ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو تنکے سے کام لینا ہے، اور پہاڑ رہ جاتا ہے،
حضرت مولانا فخر الحسن صاحب اور مولانا عبد العدل صاحب حضرت نانوتوی قدس سرہٗ
العزیز کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ذکی حفظ اور ذہن وغیرہ میں اعلیٰ درجہ رکھنے
والے تھے، مولانا احمد حسن صاحب امروہوی دوسرے درجہ میں تھے۔ اور حضرت

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۲ و ۶۳) کسی کو کلام ہو سکتا ہے کہ اس وقت حضرت امام العصر دامت فیوضہم
کے اقوال، احوال، افعال، مواعظ و حکم، معارف و حقائق، علوم و فنون کا سمندر عجم سے لیکر
عرب تک اور ایشیا سے یورپ تک تشنگان علوم نبوی کے لئے پوری فیاضی سے جاری
ہے جس نے حرم نبوی میں بیٹھ کر دنیا کی سب سے بڑی زبان دان قوم سے اپنی علمیت اور ادبیت
کا لوہا منوایا اور جس نے قاسم و رشید و محمود اور امداد اللہ کی جانشینی کا حق ادا کرکے
یہ ثابت کر دیا کہ قرن اول کی روح کو بیسویں صدی میں یوں سمویا جاتا ہے۔ ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے استعفے کے بعد ۱۳۴۶ھ میں امام العصر مدظلہ العالی کا
دار العلوم کی صدارت کو قبول فرمانا دار العلوم کے حق میں خدا کی رحمت ثابت ہوا، چنانچہ
اس وقت سے لے کر آج تک کی مالی اور علمی ترقی سے کس مائی کے لال کو انکار ہو سکتا ہے
.. دار العلوم دیوبند کی دوازدہ سالہ (۱۳۴۶ تا ۱۳۵۸ھ) زندگی پر اجمالی نظر سے غلط پروپیگنڈا کرنے
والوں کا پول کھل جاتا ہے اور یہ بھی روز روشن سے واضح ہو جاتا ہے کہ دار العلوم کی بساط
پر کتنے اور کس قسم کے مہرے بچھے ہوئے تھے اور کیا کیا کھیل کھیلا جا رہا تھا، با وجودیکہ امام العصر
مدظلہ العالی نے پردے پردے میں ظاہر کر دیا تھا کہ اگر علوم قاسمی نے میزابِ محمودی سے نکل کر بہت سوں کو
سیراب فرمایا ہے تو علوم و حکم نبوی میزابِ مدنی سے اہل کر حجاز و افغانستان، ہند و پاکستان بخارا
و ترکستان اور افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں کو چودھویں صدی تک آب حیات کا کام دیں گے اور آنے
والی نسلوں کے لئے اس کے زرین کارنامے نقش حیات ثابت ہوں گے۔

رحمۃ اللہ علیہ کی عنایت بھی ان پر سب سے زیادہ تھی، ہمارے آقا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں گرے ہوئے شمار کیے جاتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ سے جو کام لیا وہ ان میں سے کسی سے نہیں ہوا اور نہ ہو سکا، آج فیض قاسمی عالم میں میزاب محمودی سے جاری ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ غبی مشہور تھے، مگر خاندان ولی اللہی کا فیض انہی سے جاری ہوا، بڑے بڑے مشاہیر علماء اور اذکیا دھرے رہ گئے، بہرحال اللہ تعالیٰ دارالعلوم کا فیض چلانا چاہے گا تو ایک تنکے سے وہ کام لے گا جن کا وہم و گمان بھی کسی کو نہیں ہو سکتا، حسین احمد کی زندگی او رمعیشت بھی دارالعلوم پر موقوف نہیں، و ما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا کی بنا پر اس کا خالق کہیں نہ کہیں سے رزق پہنچائے گا۔ (انشاء اللہ) اس لئے میری مشروط ملازمت میں اگر کلام ہے، یا میرے عقیدے یا دستور العمل میں کلام ہے تو مفاد دارالعلوم اور ملت کو سامنے رکھ کر آپ اور ممبران تجویز فرمائیں، مجھ کو جو کچھ اپنے اکابر سے پہنچا ہے اس کو چھوڑ نہیں سکتا اور نہ چھوڑوں گا۔ الا ان یشاء اللہ باقی جو کچھ میری سمجھ میں بہتری کا ذریعہ آئے گا

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۱ و ۶۲) ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مولانا اکبرآبادی کی یہ تنقید حق بجانب ہے کہ شمس العلماء کا خطاب حضرت مولانا حافظ احمد صاحب مرحوم کو ملا تھا نہ کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم کو، قارئین جلد اول میں اس کی تصحیح فرمالیں حالانکہ اس خطاب میں مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم جو اپنے وقت کے حضرت عمرو بن العاص تھے، انہیں کی سعی کو بڑا دخل تھا، استاذی حضرت مولانا عبیداللہ سندھی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے قیام کے زمانہ میں دارالعلوم کی ساری داستان مختلف اوقات میں بیان فرماتے رہتے تھے انہیں میں سے علامہ کاشمیری کا حضرت سندھی کی تاغیر کردینے کا بھی ذکر آگیا تھا یہ کوئی معمولی حادثہ ہے؟ ؎

دیکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

عرض کرتا رہوں گا، اپنے منشاء پر مجبور کرنا نہ میرا منصب ہے، اور نہ کبھی ہوا، تقدیر الٰہی یہی تھا کہ میں شریک اجلاس شوال ہوتا، اور بظاہر اس اجلاس میں بھی شرکت کی کوئی امید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی اعانت فرمائے اور اپنی مرضیات کی توفیق عطا کرے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۶۳

جناب مولانا ابوالحسن حیدری صاحب ایڈمنسٹن روڈ الہ آباد کے نام

ترجمہ ابوالطیب المتنبی عن احوالنا بادنی تغیر

(۱) عید بایۃ حال عدت یا عید — بما مضی ام بامر فیک تجدید

یہ عید ہے، اے عید تو اب کیا لے کر آئی ہے — کیا پہلے ہی جیسے یا کوئی نئی چیز

(۲) اما الاحبۃ فالبیداء دونھم — فلیت دونک بیدا دونھا بید

میرے اور احباب کے درمیان لمبے میدان حائل ہیں (وہ مجھ سے بہت دور ہیں) اے عید کاش تیرے درمیان بھی بہت سے میدان حائل ہوتے کہ تو میرے پاس نہ آسکتی۔

حاشیہ مکتوب نمبر ۶۳) یہ مکتوب نینی جیل الہ آباد سے اس وقت آیا جب کہ حضرت شیخ الاسلام قید و بند کی زندگی گذار رہے تھے، حضرت شیخ الاسلام مدظلہٗ العالی کا ادبی ذوق اور بے تکلف عربیت آپ اپنی مثال ہے، خالص عربی لب لہجہ میں بولنا یہ آپ کا وہ امتیازی وصف ہے جس نے حجازی علماء کو خاص طور پر متاثر کیا، عربی میں لکھنا اور بولنا تو ہمارے ہندی علماء کے اندر سے گویا مفقود ہے، اور خانقاہوں میں تو شاید کاروبار ہی دوسرا ہے وہاں عربیت اور ادبیت کا کیا سوال، اور اب تو خانقاہ اور مدارس دونوں کا حشر ایک ہی ہے غرض ہماری یہ بہت بڑی بدبختی ہے کہ ہم زبان عربی پر توجہ کریں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جبتک کوئی عربی زبان میں اتنی مہارت نہ پیدا کرلے کہ چند سطریں لکھ سکے اور چند منٹ باتیں کرے ہرگز سندیں نہ دی جائیں اس طرح عربی کا معیار بلند ہوجاتا، اس مکتوب گرامی میں حضرت شیخ مدظلہ العالی

(۳) لولا العلی لم یخطبی ما احاط بھا　　　سجن ولا اسر بابه السود

اگر میرے سامنے بلند مقصد نہ ہوتا تو میں ان ارباب جیل و زنیدخانے کے حصار میں ہوتا

(۴) انی نزلت بکذابین ضیفهم　　　عن القری وعن الترحال محدود

میں ایسے جھوٹوں کے یہاں اترا ہوں جن کے مہمان کی نہ تو ضیافت ہوتی ہے اور نہ انہیں جانے دیا جاتا ہے،

(۵) جود الرجال من الایدی وجودهم　　　من اللسان فلا کانوا ولا الجود

لوگوں کی فیاضی ہاتھوں سے ہوتی ہے لیکن انکی فیاضی محض زبان سے ہے خدا کرے کہ نہ ان کا اور نہ انکی سخاوت کا وجود رہے۔

(۶) نامت نواظیر هندٍ عن ثعالبها　　　فقد بشمن وما تفنی العناقید

ہندوستان کے باغبان لومڑیوں سے غافل ہو کر سو گئے، تو وہ انگوروں سے خوب سیر بھی ہوگئے لیکن انگور ختم نہ ہوئے

(۷) امسیت اروح مثیر خازنا ویدا　　　انا الغنی واموالی المواعید

میں ایسا مالدار ہوگیا ہوں کہ خازن اور ہاتھ دونوں کو کچھ کرنا نہیں پڑتا ہے، یعنی میں غنی ہوں اور میرے مال لوگوں کے وعدے ہیں

(۸) من علم الانگلو الغربی مکرمة　　　اقومه الجلف ام آباؤه السود

انگریز صاحب کو کس نے شرف سکھایا کیا اسکی اناڑی قوم نے یا اس کے بدبخت آبا نے

مولائی المحترم رفاکم اللہ تعالیٰ اسنی المراتب آمین۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اولاً نبارک لکم فی هذا العید السعید جعلکم اللہ من العائدین لامثاله وامثال امثاله الی مالا یعد ولا یحصی ومن الفائزین بالمقاصد فی الدارین آمین، وان تفضلتم علینا بالسوال عنا فاعلموا انا ورفقاء نا کلهم بخیر وعافیة وقد تشرفوا بالعید وما فیه فی الحالة

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۳) نے متنبی کے ایک قصیدہ میں خفیف تغیر کے ساتھ بسلسلۂ عید فطر اپنے جذبات کی ترجمانی فرمائی ہے جو بہت خوب ہے۔ اشعار کا ترجمہ راقم الحروف کا ہے۔

۱۸۰۳ء میں دار الحرب ہونے کا فتویٰ دیتے رہے ہے، فتاوی عزیزیہ دیکھیے، اور ہمارے اکابر اسی وقت سے دار الحرب ہونے کا فتویٰ دیتے رہے ہے، اور آج بھی وہی حال ہے جمعہ دار الحرب میں یقیناً ہوتا ہے اور فرض ہے، جیساکہ آپ انگریزی زمانہ میں پڑھتے رہے ہے اور شامی شرح درمختار میں خلیفۂ وقت سلطان عبد الحمید مرحوم آف ٹرکی کا حکم ان اہالیانِ بلاد کے متعلق ذکر کیا گیا ہے، جو کہ پہلے دیارِ اسلام تھے اور پھر ان پر کفار نے غلبہ کرلیا ہے، کہ ان بلاد کے مسلمان جمع ہوکر جمعہ پڑھا کریں، دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، واقفین دیر سان حال سے سلام مسنون عرض کردیں، والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔ ۶ر صفر ۱۳۷۰ھ از دار العلوم دیوبند۔

مکتوب نمبر ۶۵

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف

تعجب ہے کہ آپ اپنی مساعی معاشیہ کو جو کہ اہل وعیال اور یتیم وبیوگان کے لئے بھی ہے شکم پروری قرار دیتے ہیں، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز کے قول "جب انسان بیل اور گدھے کی طرح روٹی کے پیچھے پڑجاتا ہے تو اسوقت اس کی روحانیت سلب ہوجاتی ہے" کو اپنی حالت کا مصداق بناتے ہیں، حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(حاشیہ مکتوب نمبر ۶۵) اس مکتوب گرامی میں عبادت کے مفہوم کو نہایت اور واضح دلیل سے ظاہر فرمایا گیا ہے کہ آدمی کا محنت اور مزدوری کرکے اپنے اہل وعیال کی پرورش کرنا حتی کہ جو لقمہ بیوی بچوں کے منہ تک جاتا ہے وہ سب عبادت کے مفہوم میں ہے کیونکہ جس طرح ہمارے نفس کا حق ہے اسی طرح اہل عیال کا بھی حق ہم پر لازم ہے، اور سارے اعمال کا دار ومدار نیت پر ہے، تو پس جس طرح ہر حکم خداوندی کو ماننا عبادت ہے، اسی طرح ہر ممانعت سے باز آجانا عبادت ہوگا، اس لئے ہمارا فریضہ یہ ہوجانا چاہئے کہ ہم اپنی پوری زندگی کو عبادت بنالیں، جو بدون رضائے باری کے معتبر نہیں ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں "نفقۃ الرجل[۵۱] علی اہلہ صدقۃ حتی اللقمۃ ترفعہا الی فم امرأتک الحدیث متفق علیہ،

مولانا روم فرماتے ہیں ؎

چیست دنیا از خدا غافل بُدن — نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

کھانا پینا، سونا جاگنا وغیرہ نیت سے عبادت ہو جاتا ہے اور بلا نیت یا بہ نیتِ ریا و سمعہ نماز بھی عبادت نہیں رہتی، پھر آپ اسقدر غلط فہمی میں کیوں مبتلا ہیں انما الاعمال[۵۲] بالنیات و انما لکل امرء مانوی، الحدیث کو کیوں بھول گئے، نیت کیجئے اور اس کی تصحیح کیجئے، لنفسک[۵۳] علیک حق ولاہلک علیک حق الحدیث کو پیش نظر رکھکر ہر صاحب کیلئے حسب ارشاد خداوندی، حقوق پہنچانے کی نیت کیجئے، اور اپنے چلنے بیٹھنے، سونے جاگنے، کو عبادت بنایئے۔ انسان اسی نیت سے اپنے تمام اوقات کو عبادت کرلے گا، نعمائے خداوندیہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے لوٹیئے اور خوب لوٹیئے، ہر کام میں رضائے باری سبحانہ تعالیٰ ملحوظ نظر رکھیئے واللہ الموفق،

آپ کا تفرقہ در بارۂ کفر و ایمان خاتمہ.... سمجھ میں نہیں آیا، محترما! جب تک انسان کے ہوش و حواس ہیں اور ملائکہ اور روحانیین کا مشاہدہ نہیں ہوتا ایمان بھی معتبر ہے اور کفر بھی اور جب عالم غیب مبدل بالشہادت ہو گیا، جس کو غرغرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی "حضر احدہم الموت" اور کبھی "بلغت القلوب الحناجر" سے تعبیر کیا گیا ہے، تو اس وقت کا نہ ایمان مفید ہے، اور نہ کلمات کفریہ مضر ہیں نہیں سمجھتا کہ آپنے تفرقہ کہاں سے کیا، یہ مسئلہ عند اللہ کے متعلق ہے، البتہ عند الناس اسوجہ سے تفرقہ ہوگا کہ وہ حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر غیب و مشاہد میں فرق نہیں کرتے اور خاتمہ کو محض ظاہر پر معلق رکھتے ہیں۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ

---

۵۱ انسان جو کچھ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے وہ صدقہ ہے یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ اٹھا کر دیتا ہے تو وہ بھی صدقہ ہے۔ الخ۔ ۵۲ عمل کا مدار نیت پر ہے۔ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرے۔

۵۳ تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے۔ تیرے گھر والوں کا بھی تجھ پر حق ہے۔

الراهنة واشکروا الله علی ما انعم۔ یرجون رحمتہ ویخافون عقابہ ہ
عسی الکرب الذی امسیت فیہ یکون وراءہ فرج قریب
ھذا وسلموا منا علی من لدیکم سیما الوالدة الماجدة واھلکم البررة
واشبالکم الکرام ومن یسئل ودمتم علی قلل المرادات والسلام ختام فی
۳ من شوال۔ خویدکم۔ چراغ محمد غفرلہ من الہ اباد۔

مکتوب نمبر ۶۴

حزب البحر کے متعلق جناب سوال فرماتے ہیں، اس کا طریق زکوۃ حسب ذیل ہے
اس کے تین طریقے ہیں۔

۱۔ پہلا طریق:۔ (۳۶۰) دفعہ پڑھنا، تین دن میں یا بارہ دن میں، اسمیں اعتکاف اور احتیاط کھانے پینے کی اور پہننے کی شرط ہے، جسے ترک جلالی وجمالی کہتے ہیں، ایک جنس غلہ کی بے نمک، بے دودھ مٹھائی وغیرہ کھانا ہے، اور کپڑا ایک مثل احرام کے اور ہر روز غسل مگر سردی میں سکنا یا آگ پاس رکھنا مضائقہ نہیں، ایسا ہی کمبل رضائی وغیرہ اوڑھنے میں بھی حرج نہیں مگر اس کے لئے کوئی وقت معین نہیں، گرمی کے موسم میں کرلے کہ یہ تکلیف کرنا نہ پڑے، اعتکاف کے لئے سامان بعد العصر کرلیں، اور قبل غروب آفتاب اعتکاف میں بیٹھ جائے، اور آخر اس کا غروب تیسرے دن یا گیارہویں دن ہوگا، تعداد معین تمام شب وروز میں پوری کرلے، مگر ایک سو بیس بار روز پڑھنے میں فرصت نہیں ملتی کہ کچھ کرسکے، بعد سونے اور حاجت ضروری اور وظیفہ معمولی بہت قلیل وقت اسے پڑھ کر بچتا ہے، ترک جلالی وجمالی میں احتیاط ہونی چاہیئے، کھڑاؤں کھونٹی دار پہنیں، تہبند اور چادر خواہ سلی ہوں یا جدا برابر پہنیں، مقصد یہ ہے کہ چادریں بشکل کفن ہوں سلی ہوئی ہوں یا نہ ہوں، جا نماز کا دوختہ ہونا حرج نہیں ایسے ہی بچھونا وغیرہ

اعتکاف میں بیٹھنا، لیٹنا، سونا، جاگنا اعتکاف میں ہونا چاہیے، کیونکہ خلوت مقصود ہے، بے ضرورت باہر نہ نکلے ؛

۲ - دوسرا طریق :- خاص عشرہ کے مہینے میں تین دن کا اعتکاف اور تین بار ہر روز پڑھنا، اس میں کچھ شرط نہیں، البتہ کھانے میں اگر ترک لذات یعنی نمک مٹھائی وغیرہ کرے بہتر ہے، ضروری نہیں، البتہ سبحان اللہ سوالاکھ مرتبہ پڑھنا، ان دنوں میں بہتر ہے تاکہ وقت بے کار نہ جائے اور اثر ہو، رات کو کچھ جاگنا اور سونا معین نہیں، اپنے معمول کے مطابق سوتا جاگتا رہے۔

۳ - تیسرا طریق، مدام پڑھتے رہنا، اس طرح برس دن میں زکوٰۃ ہو جاتی ہے۔ حاجت اعتکاف وغیرہ کی نہیں ہے، اور یہ قاعدہ عام ہے کہ جب حزب البحر کو چند بار پڑھنا ہوتا ہے، خواہ زکوٰۃ میں یا عمل میں تو ایک بار اشارات اور مکرر پڑھنا سب معمولی امور ادا کرتے ہیں باقی میں صاف بدون تکرار واشارہ وغیرہ کے پڑھ لیتے ہیں چراغ جلانے اور خوشبو لگانے میں کچھ مضائقہ نہیں، ان ترکیبوں میں نہ حصار کی حاجت ہے نہ خوف رجعت کا ہے نہ کسی قسم کی دہشت اور خوف ہے، درود شریف ہر وظیفہ کے اول آخر میں تین بار یا سات بار یا گیارہ بار پڑھ لینا بہتر اور افضل ہے۔

حزب البحر کے روزانہ پڑھنے کے منافع | منافع اس کے بےحد ہیں، حفاظت بلا سے، نجات دشمنوں سے، خاص کر غلبۂ نفس اور شیطان پر، تسخیر عام کشایش رزق، دفع کید اعدا، پناہ امراض ناکارہ، غرض کہ بہت کچھ منافع ہیں، اور اس صورت پر برس دن میں زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

آپ دریافت فرماتے ہیں کہ اس وقت ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ اور دارالحرب میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؛ تو حضور ہندوستان میں جب سے اقتدار اسلام ختم ہوا، جب ہی سے دارالحرب ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ..... اپنے زمانہ

خواب سب اچھے ہیں اور امید افزا، تعویذوں کی بھی اجازت دیتا ہوں، القول الجمیل میں سے لکھدیا کریں، یا مقصود کے مطابق کوئی آیت لکھدیا کریں، قرآن شریف کا ترجمہ پڑہانا بھی تبلیغ ہے، بہرحال جسقدر ممکن ہو انسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کی اصلاح اور ہدایت میں بلاطمع کوشاں رہیں، دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، واقفین پرسان حال سے سلام مسنون عرض کردیں، آپ کا لفافہ کارآمد نہ ہونیکی وجہ سے واپس ہے۔

والسلام۔ حسین احمد غفرلہٗ۔ ۷ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ

مکتوب نمبر ۶۷

ایک طالب علم مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے نام

محترم المقام زید عنایتکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف

آپ کا والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا، میں سفر میں تھا اور مصروفیتیں بہت زیادہ رہیں اس لئے جواب میں تاخیر ہوئی، معاف فرمائیں، آپکے اور آپکے دوست کے سوالات کے متعلق جوابات عرض کرنے کے پہلے دو تین باتیں بطور تمہید پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۶۷) وجود باری تعالیٰ اور انسان کے مجبور ہونے سے متعلق سوالات پر مشتمل ایک خط مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے کسی صاحب نے حضرت امام العصر دامت برکاتہم کی خدمت میں بھیجا تھا، جو بجنسہ الاصغر اکتوبر ۱۹۵۰ء سے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں، وہو ہذا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا صاحب السلام علیکم۔ آپ مجھے تو نہ جانتے ہوں گے، لیکن آپ کو تقریباً ہندوستان کا بچہ بچہ جانتا ہوگا۔ دراصل مجھے آپ سے کچھ سوالات کرنے ہیں، خدا تعالیٰ کے وجود کے اوپر، یہ نہ سمجھئے گا کہ اس وجہ سے پوچھ رہا ہوں کہ میں خدا کو نہیں مانتا، بلکہ یہ حقیقت ہے کہ میرا دل ہمیشہ سے اسلام کے اصولوں اور خدائے تعالیٰ کے حضور میں جھکا رہا، دراصل میری گفتگو ایک کمیونسٹ لڑکے سے ہوئی، اس نے مجھ سے مندرجہ ذیل سوالات پوچھے۔ (۱) خدا تعالیٰ ہے کیا چیز؟ جواب،

(۱) سلسلۂ اوصاف میں دو قسم کے اوصاف پائے جاتے ہیں بعض وہ ہیں جو کہ اپنے موصوف میں عارضی ہیں اور بعض وہ ہیں جو کہ ذاتی اور اصلی ہیں، عارضی وہ ہیں کہ جو کبھی موصوف میں پائے جاتے ہیں اور کبھی جدا ہو جاتے ہیں، عالم میں روشنی کبھی پائی جاتی ہے جیسے دن میں اور کبھی جدا ہو جاتی ہے جیسے رات میں یہی حال چیزوں کی گرمی سردی وغیرہ کا ہے، کبھی کوئی لوہا، پتھر، برتن وغیرہ سرد ہوتا ہے کبھی گرم ہو جاتا ہے، ذاتی وہ اوصاف ہیں جو کہ کبھی اپنے موصوف سے جدا نہیں ہوتے۔ جیسے آفتاب کی روشنی، اور آگ کی گرمی۔

فلسفہ کا مشہور و مسلم مسئلہ ہے کہ عرضی اوصاف ہمیشہ ذاتی اوصاف والے سے آتے ہیں، عالم میں روشنی آفتاب سے آتی ہے، لوہے پتھر، برتن وغیرہ میں گرمی آگ سے آتی ہے، ذاتی اوصاف کسی دوسرے سے حاصل نہیں ہوتے، بلکہ وہ اپنے موصوف کے خانہ زاد اور اصلی ہوتے ہیں، ان کے حاصل ہونے میں کسی دوسرے موصوف کا محتاج نہیں ہوتا، یہ سلسلہ اوصاف کا موصوف ذاتی پر ختم ہوتا ہے، اس بنا پر جیسے روشنی کا سوال آفتاب پر اور گرمی کا سوال آگ پر ختم ہو جاتا ہے، تمام اوصاف کا سوال ابالذات پر ختم ہو جاتا ہے، ہر چیز مکانی ہے مکان کی محتاج ہے مگر مکان کیلئے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۷) میں نے اس سے کہا کہ خدا تعالیٰ نے تمام کائنات کو بنایا ہے، جیسے کہ بڑھئی میز کرسی کو بناتا ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ کسی کے ہاتھ ہی سے بنائی جاتی ہے نہ کہ خود بن جاتی ہے یہی سوال خدا اور دنیا کے درمیان ہے۔

(۲) ان صاحب نے کہا کہ میں مانتا ہوں جیسے کہ ایک میز کرسی بنانے والا بڑھئی ہو سکتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ بڑھئی کو بھی تو کوئی پیدا کرنے والا ہے، لیکن آپ لوگ کہتے ہیں کہ خدا کو بنانے والا کوئی نہیں تو اس کا بنانے والا بھی تو کوئی ہو سکتا ہے، جواب، میں نے کہا کہ حضرت جو اتنی بڑی کائنات کو بنا سکتا ہے تو اس کے لئے ممکن ہی نہیں بلکہ ظاہر ہے کہ اس کو بنانے والا کوئی غیر

مکتوب نمبر ۶۶

جناب مولانا مظہر حسین صاحب بھین تحصیل چکوال ضلع جہلم کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا تھا، مگر عدیم الفرصتی کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی معاف فرمائیں آپ کی خیر و عافیت معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی۔ تلاشی کا واقعہ صرف ایک اشتہار قربانی کے متعلق ہوا تھا، جس میں کوئی چھپانا مقصود نہیں تھا، اسکو حکام نے قابلِ اعتراض سمجھا اور اہل دارالعلوم اس کو قابلِ اعتراض نہیں سمجھتے تھے بہرحال تقدیرات الٰہیہ میں جو کچھ تھا وہ پیش آیا۔ فالی اللہ المشتکٰی،

میرے محترم! مقصود اصلی سلوک سے احسان ہے (ان تعبد اللہ کانک تراہ الحدیث) یعنی سالک میں ملکۂ راسخہ پیدا ہو جائے، یہ مبدا ہے اور باعتبار نہایت کے رضاء باری عزاسمہ کا حصول ہے ؎

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر ازیں تمنائے

یہ کوشش کرنا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت صادقہ پیدا ہو جائے، اور وہ بڑھتے بڑھتے اتنی ہو جائے کہ ماسوا کا تعلق قلبی منقطع ہو جائے، یہ اور اس کے مؤیدات ذرائع سب کے سب وسائل ہیں ریاضات اور اصلاح اخلاق بھی اسی قسم سے ہیں، متقدمین صوفیہ اصلاح

(حاشیہ مکتوب نمبر ۶۶) خوف اور رجا کے مفہوم میں مفسرین اور علماء سلوک کی تحقیقات کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ خوف و رجا یہ ہے کہ کوتاہی کی وجہ سے عمل کے قبول نہ ہونے کا ڈر اور محض رحمت کے بھروسہ پر اس کے قبول ہونے کی امید کا نام الایمان بین الخوف والرجاء ہے، چنانچہ اہل علم اس طرف بھی گئے ہیں کہ بندے کو سزاوار ہے، کہ زندگی میں خوف کو غالب رکھے اور جب موت آجائے تو امید کا غلبہ ہو جائے کیونکہ مسلم میں روایت ہے۔ کہ تم میں سے کوئی نہ مرے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہترین حسن ظن کیساتھ مرے،،

اخلاق کو مقدم سمجھتے ہیں اور بسا اوقات اس میں لمبا سال خرچ کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں بسا اوقات وصول الی اللہ سے پہلے موت آجاتی ہے، اور انسان کو محرومی کی حالت میں دنیا سے سفر کرنا پڑتا ہے، متاخرین نے اس میں تدبر سے کام کیا، وہ وصول الی اللہ اور توجہ الی الذات المقدسہ کو مقدم فرماتے ہیں، اور اس رابطہ میں انہماک کرا کر حضور دائم کو پیدا کرتے ہیں اور اس ہی ملکہ کو رسوخ و قوت دیتے ہیں، اور جس کی وجہ سے اخلاقِ ذمیمہ اور رذائل ایک ایک کرکے زائل ہو جاتے ہیں بہرحال آپ توجہ الی الذات المقدسہ میں ہمیشہ کوشاں ہیں خواہ الی الذات المحضہ کی طرف یا باعتبار صفۃ من صفاتہ الکاملۃ اور الَّذِينَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ کا حال قائم رکھیں۔

انسان کے اعمال میں نقائص کا ہونا فطری امر ہے، مگر انسان کا فریضہ ہے کہ نقائص کے ازالہ میں کوشاں رہے اور ایاک نستعین ہر نماز میں اخلاص سے کہتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں (دعا میں) ما عرفناك حق معرفتك ولا عبدناك حق عبادتك[1] (او کما قال) غرضکہ اپنی طرف سے جدوجہد اعمال کی تتمیم اخلاص کی تکمیل ہمیشہ جاری رہنی چاہیئے اور بارگاہ خداوندی میں اقرار بالتقصیر کے ساتھ جو کہ واقعی امر ہے، معافی کی درخواست ہمیشہ جاری رہنی چاہیئے اور قبولیت کی امید رکھتے ہوئے ہر وقت خائف عن غضبہ تعالیٰ بھی رہنا ضروری ہے، الایمان بین الخوف والرجاء۔

میں پہلے بھی غالباً آپ کو لکھ چکا ہوں کہ آپ کو اجازت ہے، جو بھی آپ سے بیعت ہونے کی درخواست کرے اس کو بیعت کر لیا کریں اور اشغال سلوک تلقین فرما دیا کریں اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا، اتباع سنت کا ہمیشہ اور ہر امر میں خیال رکھیں، علاوہ مراقبہ معیت کے زود سے اذکار کی ضرورت اگرچہ اب نہیں ہے، مگر تائید اور تقویت کے لئے جو مناسب سمجھیں کرتے رہا کریں، صراط مستقیم اور امداد السلوک کو زیر مطالعہ رکھیں۔

---

[1] نہ ہم تجھ کو پوری طرح پہچان سکے۔ اور نہ جس طرح تیری عبادت کرنی چاہیئے اسکا حق ادا کر سکے۔

مکان کی ضرورت نہیں، وہ مکانیت کے ساتھ موصوف بالذات ہے، اسی طرح ہر چیز زمانی اور زمانہ کی محتاج ہے، مگر زمانہ کسی دوسرے زمانہ کا محتاج نہیں ہے، زمانیت اسکی اصلی اور ذاتی ہے، خلاصہ یہ کہ جتنے اوصاف عارضہ ہیں وہ اس موصوف سے حاصل ہوتے ہیں، جس کا یہ وصف اصلی اور ذاتی ہوتا ہے، اسی قاعدہ کلیہ اور عقلیہ پر وصف وجود بھی ہے، دنیا کی ہر چیز کو ہم دیکھتے بھی ہیں کہ وصف وجود اس میں عارضی ہے، کبھی پایا جاتا ہے، کبھی جدا ہو جاتا ہے، عالم کی عام چیزوں میں وصف وجود کا آنا جانا تو ہم ہمیشہ خود مشاہدہ کرتے ہیں، ہاں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کے وجود کے جانے کا ہم نے اپنی کم عمری کی وجہ سے مشاہدہ نہیں کیا، جیسے زمین، سورج، ستارے وغیرہ مگر عقل اور فلسفہ گواہی دیتے ہیں کہ ان چیزوں میں بھی وجود عارضی ہے، ذاتی نہیں کیونکہ یہ چیزیں عارضی اوصاف سے خالی نہیں رہتیں، اور فلسفہ میں یہ بات دلائل سے تسلیم کر لی گئی ہے کہ جو چیز اوصاف حادثہ اور پیش آنے والے اوصاف سے خالی نہ ہو وہ خود بھی حادث نہ ہوگی، وجود ان کا عارضی ہوگا، بہرحال وجود جو کہ تمام چیزوں کا اور تمام عالم کا عارضی ہے، حسب قاعدہ سابقہ کسی ایسے موصوف سے آیا ہوگا، اور یقیناً آیا ہوگا جس کا وجود ذاتی اصلی ہو، خواہ بلاواسطہ آیا ہو یا بالواسطہ، میز اور کرسی کا وجود بڑھئی سے آیا ہو اور بڑھئی کا وجود اسی ذاتی وجود والے سے ممکن ہے اس سلسلہ میں عارضی موصوفوں کے بہت سے افراد ہوں یعنی بڑھئی کا وجود اس کے باپ سے اور اس کے باپ کا وجود اس کے دادا سے آیا ہو، مگر تمام موصوفین بالعرض

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶) ہو سکتا۔ خیر صاحب پھر میں نے ان سے پوچھا کہ جب آپ خدا کو نہیں مانتے تو دنیا کہاں سے آئی، یہ تو ناممکن ہے کہ ہمیشہ سے ہو تو ان صاحب نے جواب دیا کہ دنیا سورج سے گری ہے، اور سوال کہ سورج کہاں سے آیا تو انہوں نے کہا کہ اسکے لئے معلومات ہی نہیں ہیں۔

(۳) انہوں نے اس کے بعد کہا یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ خدا ہر آدمی کی بات کو جانتا ہے کہ فلانے

کا وجود ضرور ہے کہ کہیں نہ کہیں ختم ہو کر موصوف ذاتی پر پہنچ جائے، ہم اس موصوف ذاتی کو جس کا وجود اصلی اور ذاتی ہے کسی دوسرے سے حاصل کیا ہوا نہیں خدا کہتے ہیں اس کا وجود ذاتی اور اصلی ہے تمام کائنات کو وہ موجود کرنے والا اور وجود عطا کرنے والا ہے اور جب وجود اس کا اصلی ہے، تو اوصاف کمال یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ سننا (سمع) دیکھنا (بصر) کلام وغیرہ جو کہ وجود ہی کے مختلف شعبے اور شاخیں ہیں اصلی اور ذاتی ہوں گے وہ تمام کمالات کا مالک ہوگا، ایسی مقدس ذات تمام عالموں کی پیدا کرنے والی اور پالنے والی اور مارنے والی اور جلانے والی ہوگی اس کے احاطۂ قدرت اور علم سے کوئی چیز نہیں نکل سکتی، کیونکہ بنانے والا اور پالنے والا اپنی بنائی اور پالی ہوئی چیز کا یقیناً جاننے والا ہوگا، کوئی ذرہ اس کے علم سے باہر نہیں ہو سکتا، جب کہ اس کا وجود اسی کا عطا کیا ہوا ہے۔

(۲) دوسری تمہید۔ مجبور اس کو کہتے ہیں جس کو بالا قدرت اور بے اختیار دوسرے نے کیا ہو اور اگر کوئی شخص کسی کام کو اپنے اختیار و ارادہ سے کرتا ہے اس کے کرنے کے وقت میں اس کا ارادہ اور اختیار موجود ہے، اور وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ میں چاہوں تو اس کو کروں اور چاہوں تو چھوڑ دوں، وہ مجبور نہیں ہے، رعشہ والا شخص اپنے ہاتھ کے ہلانے میں مجبور ہوتا ہے ہم جب کہ صحیح اور تندرست ہیں اپنے ہاتھ کے ہلانے میں مجبور نہیں ہیں ہم اپنے اندر کرنے اور چھوڑنے دونوں کی طاقت پاتے ہیں، ہم کو اگر کوئی ادھر دھکیلدے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶) وقت کیا کرے گا، اور فلانے وقت کیا کر چکا ہے، فرض کیجئے کہ خدا کو معلوم ہے کہ میں رات کے دس بجے چوری کروں گا، تو یقینی مجھ پر فرض ہو گیا کہ میں چوری کروں، اگر نہیں کرتا تو خدا کی بات جھوٹی ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے چوری کرنی پڑے گی، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی دباؤ سے کام کرایا جا رہا ہے تو اس میں میرا کیا گناہ ہوا، انہوں نے ایک مثال دیتے ہوئے کہا کہ اگر میں تم کو زبردستی یہ کہوں کہ شراب پیو تو تم کو مجبوراً پینی پڑے گی، تو اس میں آپ خطاوار نہ ہوئے

یا چھت پر سے گرا دے تو نیچے آنے میں مجبور ہیں، ہم اپنے اندر رکنے کی طاقت نہیں پاتے ہیں، ہمارا نیچے آنا بغیر ہمارے اختیار کے ہوگا، اس میں ہم مجبور شمار کئے جائیں گے، مگر اوپر چڑھنا اور سیڑھیوں پر قدم رکھنا یقیناً بلا مجبوری ہوگا، اپنے ارادہ اور اختیار سے ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ جو کام فاعل کے ارادہ و اختیار سے ہو وہ مجبوریت کا نہیں ہے، خواہ چوری ہو یا ڈاکہ یا کوئی اور دوسرا کام اور جس کام میں ہمارا اختیار و ارادہ موجود نہ ہو وہ مجبوریت ہے، اس پر گرفت اور ملامت نہیں ہو سکتی، اب غور فرمایئے کہ آیا علم خداوندی کی وجہ سے انسان کا ارادہ اور اختیار چھن جاتا ہے، اور وہ اپنے کاروبار میں رعشہ والے اور اوپر سے نیچے گرنے والے کی طرح بے اختیار اور بے قدرت ہو جاتا ہے یا نہیں، بلکہ وہ اپنے اندر پورا اختیار رکھتا ہے، اور دیکھتا ہے کہ مجھکو قدرت ہے خواہ چراؤں یا نہ چراؤں تو پھر اس کو مجبور و معذور کس طرح کہا جا سکتا ہے، یہ بات صحیح ہے کہ خداوند کریم کا علم صحیح ہے اور تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے، کوئی چیز اس کے علم سے نکل نہیں سکتی اور نہ خلاف ہو سکتی ہے، مگر یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے ایک اعلیٰ درجہ کا ماہر نجومی، جوتشی، کاہن، رمال، یا اعلیٰ کشف و الہام والا دلی آنے والی باتوں کو جانتا ہے، اور جیسی پیشین گوئی وہ کرتا ہے، ویسا ہی دنیا میں ہوتا ہے، تو کیا اس کی پیشین گوئی کی وجہ سے اس کے علم کی وجہ سے جو کسی چوری یا ڈاکہ یا ظلم وغیرہ کی متعلق ہوئی ہے، چور یا ڈاکو یا ظالم مجبور ہو جائے گا، اور اسکے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶) تو ایسے ہی خدا کا یہ سوال اس کا جواب مجھ سے نہ دیا گیا، کیونکہ مجھے اب بھی خدا کی طرف سے بہت بڑا اعتقاد ہے، اور مجھے یہ سوال نہ پوچھنا چاہیئے تھا، لیکن سوال ایسا ہی آن پڑا کہ جواب دینا لازمی ہو گیا، ورنہ وہ شعر آپ نے سنا ہوگا۔ ع

طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے آپ جلد از جلد ایسے جواب بھیج دیجئے، جس سے کہیں اپنے ایمان و اعتقاد کو سنبھال سکوں۔

قدرت اور ارادہ میں ذرہ بھر کمی ہوگی، ٹائم ٹیبل میں گاڑیوں کے وقت مقرر ہیں، ہم اسکو دیکھ کر کہتے ہیں، کہ فلاں گاڑی فلاں وقت اتنے منٹ پر علی گڈھ پہنچ جائے گی، تو کیا اس کی وجہ سے انجن ڈرائیور مجبور ہو جائے گا، اور اس کی قدرت مسلوب ہو جائے گی " نہیں نہیں، اگرچہ اس مثال میں کمی ہے، مگر علم کی حقیقت سمجھنے میں مؤید ہے، بہرحال اللہ تعالیٰ کے علم کی وجہ سے لوگ مجبور نہیں ہوتے ہیں ان کا اختیار اور ان کی قدرت پوری طرح باقی رہتی ہے اسی کی بناء پر لوگوں سے مواخذہ ہوتا ہے، کہ تم کو ہم نے حکم کیا تھا چوری مت کرو تم نے اپنے ارادہ اور اختیار سے چوری کیوں کی، نیز خدا کے علم کا نہ تو چور کو چوری سے پہلے علم تھا اور نہ کسی نافرمان کو بلکہ اس کو چوری اور نافرمانی کے بعد یہ علم ہوگا، تو جب کہ اس نے چوری اور گناہ کا ارادہ اور عمل اپنے ارادہ اور قدرت سے کیا ہے، اس پر مواخذہ کرنا بالکل صحیح ہوگا؛

میرے محترم! علم کی حقیقت ذہنی اور قلبی روشنی سے کسی چیز کو جان لینا ہے، جیسے کہ ابصار کی حقیقت ان آنکھوں کی روشنی سے کسی چیز کو دیکھ لینا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم نہایت قوی ہے اسلئے وہ تمام اشیاء کو حقیقی طور پر جانتا ہے، اور اسمیں غلطی نہیں ہو سکتی جیسے قوی ابصارت والا چیزوں کو کما حقہ دیکھ لیتا ہے، اس میں غلطی نہیں ہوتی، علم کی حقیقت یہ نہیں ہے کہ کرنے والوں کے ارادہ اور اختیار کو چھین لے، تو چور نے جس طرح چوری کی، اس طرح سے خدا نے اپنے قوی علم سے اسکو جان لیا کہ چور نے اپنے ارادہ اور اختیار و قدرت سے چوری کی اسلئے اسپر گرفت کرنا صحیح اور ضروری ہے، ہاں اگر علم کی حقیقت یہ ہوتی کہ شخص معلوم کو بالکل بے جان اور بے اختیار اور بے قدرت کر دے، تب آپ کے دوست کا شبہہ وارد ہو سکتا ہے، میں امید کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا امور کو غور سے ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کے شبہات کا ازالہ ہو جائے گا۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۶۸

جناب تصدق حسین عارفی بہلول پور مراد آباد کے نام

محترم المقام زید مجدکم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، آپ کی غیرتِ دینی باعثِ مبارک باد ہے جزاکم اللہ خیر الجزاء و وفقنا و ایاکم لما یحب و یرضیٰ۔ آمین،

میرے محترم! آپ جذبات دینیہ مبارکہ رکھتے ہوئے اس وقت اس کو کیوں فراموش کئے ہوئے ہیں کہ آپ کہاں اور کس ماحول میں ہیں، اگر آج ملک تقسیم نہ ہوا ہوتا تو کیا آج وہ مشکلات پیش آتیں جو آج درپیش ہیں، اس وقت مسلمان جمہوری ہند میں ۳۷ فیصدی ہوتے، جو کہ مؤثر اقلیت ہے، دس کروڑ ہوتے، مگر آج چار کروڑ ہیں، ۹ یا ۱۰ فیصدی پڑتے ہیں، ایسے ہی امور کے ماتحت جمعیۃ تقسیم کے مخالف رائے رکھتی تھی

(حاشیہ مکتوب نمبر ۶۸) ملجائی وماوائی، مخدومی و مطاعی حضرت قبلہ زید لطفکم۔

بعد سلام مسنون کے عرض ہے کہ بندہ ناچیز ایک موضع بہلول پور ضلع بجنور کا رہنے والا ہے جو کہ اسٹیشن کانٹھ ضلع مراد آباد سے چار کوس کے فاصلہ پر ہے، میری تعلیم نہیں ہوئی، اس لئے اگر کوئی لفظ غلط ہو تو جناب معاف فرما دیں اپنے بزرگوں کی صحبت سے قدرے خدا کا خوف دل میں ہو گیا ہے، حضرت والا سے نہایت ادب سے گذارش ہے کہ یہ زمانہ اہل اسلام کے لئے حد درجہ تاریک اور بھیانک گذر رہا ہے، میں اپنے وطن ہندوستان کو چھوڑ کر پاکستان منتقل ہونے کو اب تک بری نظر سے دیکھتا رہا ہوں، لیکن اب جب کہ پانی سر سے اونچا ہو رہا ہے اور یہاں کی اکثریت ہم غریب مسلمانوں کو انتہائی ذلت سے دیکھ رہی ہے اور قدم قدم پر مسلمانوں کی عزت اور ناموس کو پامال کرنے کے منصوبے بنائے ہوئے ہے اور طرح طرح کی ذلت برداشت کرنے کے باوجود بھی چین کی زندگی نہیں پا رہے ہیں، یہاں تک بھی کوئی بات نہ تھی، لیکن جب ہمارے آقائے نامدار اور ہمارے پیغمبر جنکو

مگر ہماری نہیں سنی گئی، فرقہ پرست ہندو تو دل سے چاہتا ہے کہ ہندوستان میں ایک بھی مسلمان باقی نہ رہے، وہ اپنی من مانی کارروائی عمل میں لائیں جیسا کہ لیگ پہلے کہتے تھے۔ نواب زادہ لیاقت علی خان صاحب نے لیگ کے جلسہ شاہجہانپور میں کہا تھا، کہ ہم چاہتے ہیں کہ جہاں ہماری اکثریت ہے وہاں ہم حکومت کریں اور من مانی کارروائی عمل میں لائیں، اور جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہو وہاں ان کی حکومت ہو، اور وہ اپنی من مانی کارروائی عمل میں لائیں تو جب آپ نے ملک کو تقسیم کرالیا تو پھر آپ کو کیوں طیش آتا ہے، یہ ان کا کرم ہے کہ وہ اس کو سیکولرزم قرار دیتا ہے، ورنہ آپ کے اور لیگ کے قراردادوں اور اعمال کا مقتضیٰ تو یہی ہے کہ وہ اپنی اکثریت کے حصہ میں جو چاہیں کریں اور آپ دم نہ ماریں، جیسے کہ آپ پاکستان میں جو چاہتے ہیں کر رہے ہیں، اور کوئی دم نہیں مار سکتا، اگر آپ یہ تجویز کرتے ہیں کہ جلسہ کرکے اگر وہ آپ کی نہ مانیں تو ہندوستان سے مسلمان نکل جائیں، تو یہ تو ان کی عین منشا ہے، پھر آپ ہی فرمائیں کہ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶) اللہ تعالیٰ نے ہمارا رسول بنا کر بھیجا تھا، جن کا کلمہ ہم ہر روز پڑھتے تھے، یعنی یہ ہی رسول کہ جن پر قرآن شریف نازل ہوا تھا، جب اس رسول کی توہین ہمارے سامنے کیجاتی ہے تو ہمارا کلیجہ پاش پاش ہو جاتا ہے اور شاٹ تک بدم دم نہ کشیم کے مصداق بنکر دیکھتے اور سنتے ہیں اور ہمارے اندر کوئی طاقت نہیں کہ جو اس گستاخی کا بدلہ ان کافروں کو دے سکیں، میں غور کرتا ہوں کہ ہم اسلام اور اسکی شریعت سے بہت دور جا پڑے ہیں، حشر کے میدان میں ہم اللہ اور اس کے رسول کو کیا جواب دیں گے، اور کس منہ سے ان کے سامنے پیش ہوں گے، اور کس دل سے امید رکھیں کہ ہمارے پیغمبر ہماری شفاعت فرمائیں گے، ہم نے تو خیر اپنے بزرگوں کو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ دیتے اور کرتے سنا ہے اور دیکھا ہے، تو اس لئے ہم سے جیسا بھی ہو سکتا ہے اللہ کی رسی کو مضبوط نہیں تو کمزور ہی ہاتھوں سے پکڑے ہوئے ہیں، لیکن وہ آنے والی نسل جنھوں نے آنکھیں ہی اس ماحول میں کھولی ہیں اور اللہ اور اسکے رسول کی تعریف کے بجائے پرائمری اسکولوں میں گاندھی اور نہرو کی تعریفیں پڑھتے اور مناجات کے بجائے وہ ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا اور...

یہ چار کروڑ مسلمان یہاں سے نکل جائیں گے ؟ آپ اور میں یا ہمارے جیسے دس بیس ہزار نکل گئے بھی تو کیا سب نکل پڑیں گے، اور اگر نکل بھی پڑے تو کون سی زمین انکو ٹھکانا دیگی۔ ہجرت کی تحریک جو کہ تحریکِ خلافت میں کی گئی تھی کیا ہوا، اسی تقسیمِ ملک کے بعد جو مسلمان یوپی، بہار، مشرقی پنجاب وغیرہ سے نکل کر گئے، ان کا کیا حشر ہوا، اور آج کیا ہو رہا ہے۔ سیکڑوں نہیں، ہزار دو ہزار نہیں، آج لاکھوں کی مقدار میں مسلمانوں کو سر چھپانے کی جگہ نہیں مل سکی، ہندوستان نے ہندو شرنارتھیوں کے لئے کچھ کیا بھی، اور بہت کچھ کیا، مگر ابھی تک ہزاروں یا لاکھوں شرنارتھی کیمپوں میں پڑے ہوئے ہیں، باوجود کروڑوں روپئے خرچ کر دینے کے سب کا انتظام نہیں ہو سکا، مگر پاکستان تو اتنا تو درکنار آدھا، تہائی، بلکہ دسواں حصہ بھی نہیں کر سکا، اور افغانستان یا عرب تو کیا کر سکتے ہیں، اور ان کو آپ کے ساتھ یا ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ کیا ہمدردی ہے، ذرا حوال کو غور سے دیکھئے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶) گاندھی جی کا نہ بخصوص بھجن گاتے ہیں، ان کا دو چار سال ہی میں کیا حشر ہوگا، اور کیا اسکا جواب بھی ہم کچھ اللہ تعالیٰ کو دے سکیں گے، اور ہر گورنمنٹ بھارت جمہوری حکومت ہوتے ہوئے اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی کوئی ایکشن نہیں لیتی، دوسرے تھوڑی سی تڑپ ہمارے اندر آج موجود بھی ہے، کہ جب توہین رسول اللہ کی سنتے ہیں تو تڑپ جاتے ہیں، اگر اسی طریقہ سے دس بیس مرتبہ یونہی سنتے رہے تو ممکن ہے کہ ہمارے کان ان الفاظ سے آشنا ہو جائیں، اور ہماری یہ تھوڑی سی تڑپ بھی جاتی رہے اور ہمارے کان سننے کے لئے عادی ہو جائیں تو ایسی صورت میں مجھ جیسے نالائق اور جاہل کے دل میں یہ آتا ہے، اگر حضور والا بھی اس پر توجہ فرمائیں کہ ہندوستان میں کوئی جگہ مناسب خیال فرما کر ایک آل انڈیا جلسہ بڑے پیمانہ پر منظور فرما کر اور ہر صوبہ کے علمائے کرام اور رؤسا اور ذمہ داشخاص کو طلب فرما دیں اور اس میں ان تمام باتوں کو پرزور طریقہ سے دہرایا جائے اور گورنمنٹ سے اس کے متعلق پرزور مطالبہ کیا جائے کہ ہماری مسجدیں، ہماری اذان، ہماری قربانی ہمارے جملہ اسلامی ارکان ہماری زبان، ہماری جان و مال، ہماری دل آزادی کا تحفظ کیا جائے اور تین ماہ یا چھ ماہ کا نوٹس دیدیا جائے

صوبجاتی تعصب سندھ میں، پنجاب میں، بنگال میں، یوپی بہار وغیرہ کے مسلمانوں سے نہایت بدترین صورت میں عمل میں لایا جارہا ہے، یہاں کے مسلمان وہاں انتہائی مشکلات میں مبتلا ہیں، اپنے اوطان کو واپس آنے کے لئے سو دوسو نہیں ہزار دو ہزار نہیں لاکھوں کی تعداد میں بیقرار ہیں، پرمٹ اور پاسپورٹ اور حدود پر حکومتوں کے سپاہی مانع ہیں، ورنہ اب تک مہاجرین کا دو تہائی یا تین چوتھائی حصہ واپس آچکا ہوتا، اور بالفرض آپ اور ہم یا دس بارہ ہزار نکل بھی گئے اور وہاں آرام کی جگہیں بھی مل گئیں تو جو مسلمان یہاں باقی رہیں گے ان کے دین و ایمان کا کیا حشر ہوگا اور کون ان کی حفاظت کرے گا، اور کیا وہ مرتد اور شدھ نہ ہوجائیں گے۔

میرے محترم! مکہ معظمہ کی زندگی قبل الہجرۃ پر غور کیجئے، وہاں سے ان عشاق رسول علیہ السلام نے جن کو سچا اور مکمل مسلمان مانتے ہیں، حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس وقت تک ہجرت نہیں کی، اور اسکے بعد بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کی اولاد اور ان کا گھرانہ وغیرہ باقی رہے، کفار سب کچھ کرتے اور سب کچھ کہتے تھے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو خصوصی دشمنی تھی، پھر کیا انہوں نے صبر و تحمل کو ہاتھ سے دیا یا جھیلتے ہی رہے، اور استقامت کے ساتھ گذر کرتے اور اسلام کو تھامتے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۲) کہ اس میعاد مقررہ کے اندر ہمارے مطالبات منظور کرے، ورنہ پھر ہمارے لئے اسپیشلوں کا انتظام کرے ہم کو انڈیا کی سرحد سے پار چھوڑے اور ساتھ ہی ان مسلم نمایندوں اور لیڈروں کو شرم لائی جائے کہ وہ گاندھی ٹوپی لگائے گورنمنٹ کی کرسیوں پر اکڑے بیٹھے ہیں اور ان کو پرواہ نہیں کہ اس بنگلہ سے باہر ہم مسلمانوں پر کیا بیت رہی ہے، ان کو عیش کی نیند سے بیدار کیا جائے، کہ تم کس منہ سے یہاں بیٹھے ہو، اور رسول اللہ کی امت پر کیا گذر رہی ہے، اگر تم لوگ مسلمان ہو اور تم کو ذرا سی بھی غیرت ہے تو استعفا دے کر ان کرسیوں سے اتر آؤ، اور ہمارے ساتھ مل کر کام کرو، اگر ہمارے ان جائز مطالبات کو گورنمنٹ منظور کرتی ہے تو نہا ہمارا وطن زندہ باد، ورنہ میرے بزرگ محترم پاکستان بچارے پر کیا منحصر

رہے، اور اسلام کی مضبوطی اور اشاعت کو عمل میں لاتے رہے، شرک اور بت پرستی اسلام میں سب سے بڑا گناہ ہے، آپ اس کو دیکھتے ہیں، بتخانے اور مندر آپ کے سامنے ہیں، مشرکانہ جلوس اور بت نکلتے ہیں، مشرکانہ نعرے لگائے جاتے ہیں، آپ ان کو دیکھتے ہیں سنتے ہیں مگر صبر و تحمل کرتے ہیں، اف نہیں کرتے، اور یہ کہتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔ لکم دینکم ولی دین آج اس سے بڑھ کر کون سی بات ہے، جس پر آپ کو طیش آتا ہے۔ سوچئے اور عواقب پر نظر ڈالئے، یہ دار الاسلام نہیں ہے اپنے ہی ہاتھوں سے تقسیم کرایا ہوا ہے، آپ نے اور ہم نے کیا ہے، آپ کے اور ہمارے بزرگوں نے محمود غزنوی اور محمد بن قاسم سے پہلے یہاں کے شہروں اور قصبوں اور دیہاتوں میں سکونت اختیار کی اس وقت کی حالت اور آج کی حالت میں کس قدر فرق ہے، مگر انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم ہزار دو ہزار ہیں ہم لاکھ دو لاکھ ہیں اور ملک کفار سے بھرا ہوا ہے، یہ انتہائی دشمنی رکھتے ہیں، خدا جانے کس وقت کیا ہوگا، مگر آج آپ کو اس قدر عاقبت بینی بے چین کر رہی ہے۔

جب آپ کے پاس قوت آئی اور آپ کی فوجیں یہاں داخل ہوئیں اس وقت بھی آپ انتہائی اقلیت میں تھے، آج تو آپ چار کروڑ ہیں، اس وقت آپ کے زیر نظر انقلاباتِ زمانہ نہیں رہے، جو کہ تاریخ میں ہمیشہ سے ظہور پذیر رہے ہیں، مگر آج انقلابات سے خائف ہیں، اس وقت کیا مشرکین آپ کے دوست تھے، ان میں مشرکانہ جذبات نہ تھے، زمانہ کے انقلابات اس وقت معدوم ہو گئے تھے، ما نا

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶) اللہ کی زمین وسیع ہے ہمارے لئے بہت پاکستان ہیں جہاں جس کے سینگ سمادیں وہاں زندگی گذاریں، محنت مشقت کریں، اور اپنے بچوں کی پرورش کریں، ممکن ہے کہ اس صورت سے اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کا باعث بن سکیں، اور یہ قربانی ہمارے حشر کے میدان میں ہمارے پیغمبر رسول اللہ کو ہماری شفاعت کیلئے مجبور بنادیں، ورنہ کیا ہمارا منہ اور کیا ہماری بخششیں۔

کہ آپ کے ہاتھ میں قوت آگئی تھی، مگر اس کے دوام کا کون متکفل تھا، آپ یہاں ہی رہے اسلام کی تبلیغ کی اور کروڑوں کو مسلمان بنالیا، آج آپ ہمت ہار کر یہاں سے نکلنے پر آمادہ ہیں،

میرے محترم! اس زمانہ میں جب کہ مدینہ منورہ دارالاسلام ہوگیا تھا اور جہاد کی آیتیں نازل ہو چکی تھیں، غزوہ بدر و احد ہو چکا تھا، سورۂ آل عمران نازل ہوتی ہے اور اس میں اخیر میں یہ آیت ہے، لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَالِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔

(تم ضرور بالضرور اپنی جانوں اور مالوں کے متعلق آزمائش کئے جاتے رہو گے اور تم ضرور بالضرور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور مشرکین سے بہت زیادہ اذیت کی باتیں سنتے رہو گے اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو یہ اعلیٰ ترین امور میں سے ہے۔)

اگر یہ حکم اس وقت صبر و تحمل کا تھا تو آج کیا معنی ہے، صبر و تحمل استقلال اور عالی ہمتی سے کام لینا اور اسلام کے مضبوط کرنے میں لگے رہنا ہمارا اور آپ کا فریضہ ہے۔

میرے محترم! سب سے پہلے جمعیۃ علماء نے پترکا کے خلاف آواز اٹھائی، احتجاج کیلئے مسلمانوں کو آمادہ کیا، اس پر عمل درآمد ہوا، چنانچہ اڈیٹر نے معافی مانگی، چیف اڈیٹر نے بہت زیادہ زور دار الفاظ میں تمام مسلمانوں سے معافی مانگنے کا اور اپنے کلکتہ کے ہسپتال میں بیمار ہونے کا

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۲) ہمارا اس وقت یہ حال ہے بقول شاعر ؎

کس کس طرح نہ ہم کو ستایا ہمیں نظام
ہم ایسے ہیں کہ جیسے کسی کا خدا نہ ہو

میں ایک غریب کسان ہوں، جاہل ہوں، اگر کوئی لفظ غلط ہو، عنداللہ معاف فرمادیں اور میری تسلی فرمادیں۔ فقط امید ہے کہ حضرت کا مزاج بعافیت ہوگا۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد تصدق حسین عارفی موضع بہلول پور ڈاکخانہ ادمری ضلع مرادآباد

عذر کیا، پھر گورنمنٹ نے اڈیٹر کے خلاف دعویٰ دائر کیا، ضمانت لی گئی، ادھر چیف اڈیٹر نے اعلان کیا کہ لکھنے والے کو برخاست کر دیا گیا۔ دو پیشیاں ہو چکی ہیں، معلوم نہیں کورٹ سے کیا فیصلہ ہوتا ہے، اگر خدانخواستہ اس کو کوئی سزا نہ دی گئی تو جمعیۃ ورکنگ کمیٹی کو بلا کر مشورہ کرنے والی ہے، کہ ہم کو حالتِ موجودہ میں کیا کارروائی کرنی چاہیئے، ان امور کو آپ کیوں پس پشت ڈالتے ہیں، آپ اس سے زیادہ اس ملک میں کیا کر سکتے ہیں، اور اس سے پہلے انگریزی راج میں کیا کر سکے، کیا ایسے واقعات پہلے نہیں ہوئے ہیں۔

تعلیمات کے متعلق آپ جو کچھ لکھ رہے ہیں جمعیۃ اس کے مقابلہ کے لئے تجویز اور اپنی جد و جہد جاری کر چکی ہے، نصاب بن چکا ہے، کتابیں شائع ہو چکی ہیں طرز عمل بتلایا جا چکا ہے، آئے دن اس کے لئے کوشش عمل میں لائی جا رہی ہے، اگر مسلم پبلک نہ جاگتی ہے نہ کوئی تعمیری پروگرام عمل میں لاتی ہے، تو بتلائیے کامیابی کیسے ہو اور الزام دینا کس طرح صحیح ہے۔

غرض کہ جوش کو عمل میں نہ لائیے، بلکہ ہوش کو بھی ساتھ رکھیئے، آگا پیچھا بھی دیکھیئے، ماحول سے نظر نہ ہٹائیے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۲۱ ر ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ

مکتوب نمبر ۶۹

جناب مولانا محمد عبدالرحیم صاحب حوالدار گھوڑ ضلع سورت کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۶۹) اس والا نامہ میں جو آیات ہیں اور قول حضرت جعفر صادق ان سب کا ترجمہ جلد اول میں گذر چکا ہے، حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کے اس والا نامہ کی جان حافظ شیرازیؒ کا

آپ کے والانامجات باعثِ سرفرازی ہوتے رہے، مگر آپ کو میری عدم الفرصتی معلوم نہیں ہے اور یہی وجہ عدم ترسیل جوابات کی ہے، آپ فارغ ہیں، جوش ہیں آکر دفتر کے دفتر لکھ سکتے ہیں، اور لکھتے رہتے ہیں، مگر مجھکو تو اتنی بھی فرصت نہیں ملتی کہ روزانہ کی ڈاک کو روز دیکھ سکوں جواب لکھوانا یا لکھنا تو درکنار ؎

شبِ تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل   کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

بہرحال یہ خیال کہ جوابات کی تاخیر خفگی کی وجہ سے ہے بالکل غلط ہے جو غلطیاں آپ کرتے ہیں وہ بے شک قابلِ گرفت ہیں ان کو نہ کرنا چاہیئے، مگر اس کی موجب نہیں ہیں کہ سلسلہ خط وکتابت بند کیا جائے۔

مولانا شمس الدین صاحب بیشک میرے عنایت فرما ہیں ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ سالک کو جو واقعات پیش آئیں ان کو نامحرموں سے ہرگز ظاہر کرنا چاہیئے اپنے شیخ سے ظاہر کرے، یا ایسے شخص سے جو طریقت کا ہمراز اور سالک کی ہمدرد ہو اور بس یہ چیز سالک کے لئے مضرت رساں ہوتی ہے اور بسا اوقات فیض ربانی کے انقطاع بلکہ کبھی کبھی سلب کا باعث بنجاتی ہے، جو راز و نیاز عاشق و معشوق کے درمیان ہو، اگر عاشق ان کو ظاہر کر دیتا ہے تو معشوق کی عتاب کا اس قدر ظہور ہوتا ہے کہ بعض اوقات انقطاع کامل کا باعث بن جاتا ہے جب کہ یہ حال مجازی معشوق کا ہے تو محبوب حقیقی کا کیا حال ہوگا، اس لئے ایسے امور سے بچنا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ سے صدق دل سے توبہ کرنا چاہیئے، اصمعی ایک عاشق کے مندرجہ سوال کے جواب میں کیا کہتا ہے ؎

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۹) فارسی شعر ہے، جن لوگوں کو نہ تو اسلام کی تباہی کا غم اور نہ مسلمانوں کی بربادی کا رنج ہے، وہ حضرت مولانا کے جذبات اور احساسات کا بھلا کیا اندازہ کر سکتے ہیں، جو اپنی متاعِ ایمان کی پونجی کو محفوظ رکھتے ہوئے چپکی جنگ لڑ رہا ہو، اس مجاہد کا ان دینداروں سے

سوال . یامعشر العشاق باللہ خبروا   اذا حل عشق بالفتی کیف یصنع

اے جماعت عشاق خدا را بتاؤ کہ جب عشق آدمی کے اندر سرایت کر جاے تو وہ کیا کرے

جواب یداری ھواہ ثم یکتم سرہ   ویخشع فی کل الامور و یخضع

وہ اسکی محبت خوش سلوبی سے نباہتا ہے پھر اسکے راز پر پردہ پوشی کرتا اور تمام حالات میں مطیع و فرماں بردار ہے،

محبوب حقیقی ہر چیز کو جانتا ہے، ہر چیز کو دیکھتا ہے، ہر چیز کو سنتا ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں، وہ شدید الغیرۃ ہے، اسکے سامنے بجز خشوع و خضوع اور رازہائے سربستہ کے اخفاء اور اظہار عبودیت کاملہ اور اتباع سید العشاق (علیہ السلام) کوئی چیز کارآمد نہیں ہے۔

(فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا)

جاہ طلبی، مال طلبی اس کی سخت غضبناکی کا باعث ہے، حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں. ما اشغلک عن الحق فھو طاغوتک . قرآن فرماتا ہے . فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ الآیۃ.

بہرحال نصب العین فقط اس کی رضا جوئی چاہیئے، ؎.

دنیا و آخرت بگذار و حق طلب کن   کاین ہر دو لوبیاں را من خوب می شناسم

اثنائے تلاوت وغیرہ میں جہاں تک ممکن ہو ناجائز اور غیر صحیح الفاظ کو زبان سے نہ نکلنے دیجئے، اور شان الوہیت کے ساتھ ہمیشہ ادب اور عظمت کا لحاظ رکھئے: بارگاہ شہنشاہی

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۶۹) کیا مقابلہ جو نماز تو پانچ وقت کی پڑھیں اور کھانا چھ وقت تناول کریں یا وہ مرد حق انتہائی خوف و ہراس اور فسادات کی گرم بازاری اور غم والم کے سمندر میں موجوں کے تلاطم سے کھیل رہا ہو، اسکے تاثرات کو وہ کیا جان سکتا ہے، جو کنارے پر بڑے سکھ چین اور آرام کی زندگی بسر کر رہا ہے، آج بھی جو لوگ حضرت مولانا کی زندگی سے کچھ واقف ہو چکے ہیں، پاس بیٹھنے پر مولانا کے قلبی تاثرات و احساسات کی آنچ اچھی طرح محسوس کرتے ہیں، مولانا کی خاموشی اور اخفاء کا راز کبھی کبھی اشعار کے اشعار اور جملوں سے فاش ہو جایا کرتا ہے، ورنہ اس پر سکون مگر متلاطم سمندر کی گہرائیوں کی کوئی تھاہ نہیں۔

میں گستاخی کے الفاظ اگرچہ قصداً نہ ہوں موجب تکدر شاہانہ ہو جاتے ہیں، وہ سمیع، بصیر، حلیم و بردبار ہے، مگر بے نیاز اور مستغنی بھی ہے، اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ، توبہ اور استغفار، اپنی فروگذاشتوں اور خطایا پر جاری رکھیئے۔

جہاں تک ممکن ہو اتباع شریعت اور سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری ہمیشہ ملحوظ قالب بصر رکھیئے، ذکر میں غفلت مت کیجئے اپنی غفلات اور معاصی پر ہمیشہ نادم مستغفر رہیئے، عمر گرانمایہ کو ضائع مت کیجئے ؎

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است — جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوئے لوح دل از نقش غیر حق — علمیکہ راہ حق نہ نماید جہالت است

والسلام۔ زائد ٹکٹ اور لفافہ واپس ہے۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۹ رصفر ۱۳۶۱ھ

مکتوب نمبر ۸۰

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آپ بتلائے ہوئے اذکار کو چھوڑ بیٹھے ہیں کبھی جوش میں آیا مہینہ دو مہینہ کیا، پھر چھوڑ بیٹھے، کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آپ پنجگانہ نماز جماعت کی پابندی نہیں کرتے، کیا یہ واقعہ نہیں کہ نماز فرض کو آپ قضا کر دیتے ہیں، صبح کو اس قدر سوئے کہ آفتاب نکل آیا، کیا اس قسم کے واقعات سے آپ کے ہمدردوں اور خیرخواہوں کے دل پر صدمہ نہ ہوگا۔

بہرحال آپ کو لازم ہے کہ اپنی اصلاح کریں، اتباع شریعت اور احیائے سنت میں کوشاں ہوں جب آپ پر مصائب کی بوچھار ہوتی ہے تب تنبہ ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ فارغ البالی عطا فرماتا ہے تو بالکل بے فکر بن جاتے ہیں، جس قدر بھی ممکن ہو اپنے کو ذکر کا عادی بنایئے، روزانہ مغرب یا عشاء کے بعد سورہ مزمل گیارہ مرتبہ اول آخر درود شریف

گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھا کریں اور جب فاتخذہ وکیلا پر پہونچا کریں تو ۲۵ مرتبہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھا کریں انشاء اللہ تنگدستی دفع ہوجائے گی یہ عمل دائمی ہونا چاہیے۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۲ صفر ۱۳۶۲ھ

مکتوب نمبر ۱۷۵

(۱) زنا بالقلب اور اس قسم کے تفکرات کا علاج سوائے استغفار اور الحاح زاری بارگاہ رب العالمین کیا ہو سکتا ہے، اس قسم کے گناہوں کے لئے ارشاد ہے، اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ اور یہ ذنوب جماعات خمسہ اور جمعہ اور صلوٰت سے معاف ہوجاتے ہیں اور جب کہ آپ کو تجربہ ہے کہ جس قدر ازالہ کی فکر کرتا ہوں اسی قدر زیادہ تفکرات پیدا ہوتے ہیں تو پھر تو علاج معلوم ہوگیا، آپ کوئی اہمیت اس قسم کے خیالات کو نہ دیا کیجئے، انشاء اللہ طاعت اور نمازوں سے ان کا کفارہ ہو ہی جائے گا، جہانتک ممکن ہو حقیقی اور جسمانی زنا سے احتراز رکھئے وہی کبیرہ ہے۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۷۱) اس مکتوب گرامی میں ایک اصطلاح سلوک حضرت شیخ الاسلام مدظلہ نے ارشاد فرمائی ہے یعنی لفظ "قبض" بسط اور قبض پر صاحب عوارف وغیرہ نے مفصل کلام فرمایا ہے، جسکا خلاصہ یہ ہے کہ قبض اور بسط کی دو حالتیں ہیں، ایک جو موسم خاص اور وقت کیساتھ پیدا ہوتی ہیں، یعنی جب بندہ محبت کے ابتدائی حالات میں ہوتا ہے، تو خوف اور رجا کی حالت پیش آتی ہے، لہذا عارف کیلئے قبض ایسا ہی سمجھنا چاہیے جیسے ایک مستامن کیلئے خوف ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ خوف ورجا کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور قبض وبسط حاضر کیساتھ متعلق ہے، پس آدمی سے جب کوئی معصیت ہوجاتی ہے تو اس کے قلب میں ایمان ہونے کیوجہ سے ایک بوجھ اور انقباض پیدا ہوتا ہے، اگر فوراً توبہ کرلیا اور رجوع وانابت شروع کردی تو طبیعت ہلکی ہوجاتی ہے اور ایک طرح کا سرور محسوس ہونے لگتا ہے، انہیں چیزوں کو قبض وبسط سے تعبیر کردیا جایا کرتا ہے، شیخ الاسلام کے اس جملہ میں کہ معاصی کی بنا پر بھی قبض ہوتا ہے غالباً اسی جملہ کی طرف اشارہ ہے مفصل بحث جلد اول میں گذر چکی ہے۔

(۲) گناہ اور طاعت کا محاسبہ کے متعلق جو حال پیدا ہوا ہے، نہایت امید افزا ہے اللہ تعالے مبارک کرے۔ آمین۔

(۳) ذکر و اذکار اور معمولات میں فرق نہ آنے دیجئے خواہ دل لگے یا نہیں، دل کا لگنا مطلوب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا راضی کرنا مقصود ہے اسکی کوشش جاری رہنی چاہئے۔ ؎

من نہ کردم شما حذر بکنید

(۴) جہاں تک ممکن ہو دعا گڑگڑا کر کیجئے۔ ورنہ دعا کرنا نہ چھوڑیئے ؎

یابم اورا یا نہ یابم جستجوئے میکنم بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم

معاصی کی بنا پر بھی قبض ہوتا ہے، اور کبھی طبعی طور پر بھی ہوتا ہے، بہرحال بندہ کا کام عبدیت کا اظہار اور تضرع و زاری ہے،

(۵) استغفار اور دیگر اذکار نیت خالص ہی سے پڑھنا چاہیئے بار بار کو ادا کرنا کوئی مستقل چیز نہیں ہے، استغفار میں تو نیت استغفار و انابت ہی ہونی چاہیئے۔

(۶) الدعاء مخ العبادۃ صاف طور سے بتا رہا ہے کہ دل لگا کر تضرع و زاری کرنا عبادت ہی ہے، بلکہ افضل تر ہے اسی کو عمل میں لایئے۔

میں باوجود اپنی نالائقی دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مقاصد دارین میں کامیاب فرمائے۔ آمین، آپ بھی اس خستہ حال کو دعاؤں میں یاد رکھیں، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۰ رجادی الثانی ۱۳۶۲ھ۔

مکتوب نمبر ۷۲

ذکر کرتے وقت طبیعت پر زور ڈال کر ذکر کے معنی اور مذکور کی عظمت اور محبوبیت کا

(حاشیہ مکتوب نمبر ۷۲) یہ والانامہ بہت صاف اور مدنی مطب کی خصوصیات سے بھرپور ہے، اس والانامہ میں نہ تو کہیں منطقی جواب ہے، اور نہ کہیں بو علی سینائی موشگافی اور اشراقیت کا

دھیان رکھا کریں احباب وانکار دنیا زیادہ میں حتی الوسع حصہ اور دلچسپی نہ لیا کریں ان امور کا خیال رکھیں، اس کا بھی التزام کریں کہ جب کوئی خطرہ آئے، اس کو دل میں ٹھہرنے نہ دیں، اور دلچسپی پیدا نہ ہونے دیں۔ فوراً دفع کریں۔ آپ کو اپنی دعاؤں اور اذکار میں نقصانات نظر آرہے ہیں، ان کو مکمل کرنے کی جد وجہد کرنی ہی چاہیئے مگر واقعہ یہی ہے کہ ہم کتنی بھی کامل عبادت کریں، شان الٰہی کے سامنے وہ نہایت حقیر اور ناقص ہے، جب کہ سرور کائنات سید الرسل علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"ماعبدناک حق عبادتک وماعرفناک حق معرفتک" تو ہم اور آپ کس شمار قطار میں ہیں ۔۔۔۔۔۔ آپ کو ہمیشہ ذلیل وخوار سمجھنا اور اپنے اعمال واخلاق کو ناقص سمجھنا واقعیت اور ضروری ہے، اور اس پر ناز کرنا اور کامل سمجھنا خوفناک ہے۔ لن ینجو احدکم بعملہ الا ان یتغمدہ اللہ برحمتہ (او کما قال علیہ السلام) تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل کی بنا پر نجات نہیں پا سکتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں چھپالے اس کی رحمت اور کرم کا ہمیشہ سہارا چاہنا چاہیئے اور صرف آپکی رضا کی طلب ہونی چاہیئے۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب   کہ حیف باشد از و غیر ازیں تمنائے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۲۷) گذر ہے، بلکہ کتاب اور سنت کے ظاہری نصوص کو اصل قرار دیکر وہی نسخہ تجویز فرمایا گیا ہے، جو سلف کا آزمودہ اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کا جانا بوجھا مجرب نسخہ ہے، یعنی مذکور کی عظمت کا تصور، دنیا سے بے رغبتی، اپنے اعمال کو ہیچ سمجھنا، رحمت پر بھروسہ، اس کی رضا کی طلب، نفس کو سمجھا کر ادام کرتے رہنا وغیرہ اس مکتوب سامی کے بنیادی نکتے اور موٹے سلوک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اساسی خط وخال ہیں، اس مکتوب گرامی کے اندر "ضمیت" کا لفظ آگیا ہے جسکی تشریح ہم اپنے استاد حضرت مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ جو علوم قرآن کے امام، تقوی اور طہارت، وفور عقل اور درستی عمل کے لحاظ سے آیۃ من آیات اللہ تھے، ان کی زبان سے کرنا ضروری سمجھتے ہیں فرماتے ہیں کہ "صم" اصل وضع میں بڑی چٹان کو کہتے ہیں، اور چونکہ دشمنوں

تہجد کے واسطے کوشش جاری رکھیں، اور ابتدائی شب میں جلدی سو جایا کریں، ممکن ہے کہ ان دنوں میں اٹھنے میں کوتاہی، رات کے چھوٹے ہونے اور گرمی کی زیادتی کیوجہ سے ہوئی ہو، بہرحال اس پر رنج وغم کا ہونا بھی امید افزا ہے ۔

گر نداری شادئے از وصل یار　　　خیز بر خوز ماتم ہجران بدار

عبادات و ذکر وغیرہ کا نفس کو گراں معلوم ہونا طبعی امر ہے، ان اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) (تیرا سب سے بڑا دشمن وہ نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے بیچ میں ہے) مگر اس کی اصلاح کرنا چاہیئے، اور نفس کو سمجھانا چاہیئے کہ ان عبادات میں محبوب حقیقی کے ساتھ مکالمہ اور شہنشاہ حقیقی کے دربار میں حضوری اور غیر متناہی نعمتوں کے ساتھ انعام اور احسان کرنے والے کا شکریہ ہے ان باتوں کو تفصیلی طور پر نفس کے سامنے ہمیشہ غور اور فکر کرتے ہوئے پیش کیا کریں، ان میں ہر ایک چیز دنیا میں مستقل طور پر مکمل حضوری اور بار بار اخلاص اور نیازمندی کی باعث قوی ہوتی ہیں، ایک چیز باری تعالےٰ کی صمدیت ہے، کہ وہ تمام حاجتوں کا ماویٰ اور ملجا ہے، اسی کے ہاتھ میں ہیں اور وہی سب کو پورا کرنے والا ہے، اور ہم ہر وقت اور ہر لمحہ میں اس کے محتاج ہیں، ایسے دربار میں با اخلاص حاضر رہنا بالخصوص

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۷) کے حملہ کیوقت اسکی پناہ پکڑتے ہیں اس لئے سردار کو جو قوم کی پشت پناہ ہو، اور سب لوگ اسی کیطرف متوجہ ہوں صمد کہنے لگے بس صمد کا شرعی مفہوم یہ ہوا کہ سب کا مقصود اور سب کا ملجا ہو، خود بیشک بے نیاز ہو، مگر سب کی دستگیری اور خبرگیری کرتا ہو، تمام قوت اور تمام احسان کا سرچشمہ ہونے کے ساتھ جب مانگو عطا کرتا ہو، مانگنے کی خواہش بھی وہی بخشتا ہو، بلکہ بن مانگے دیتا ہو، لیکن اگر کوئی قبول نہ کرے تو یہ عمل اس کے دائرۂ عمل سے باہر ہے کیونکہ بندگی تو ہمیں کریں گے، ہماری طرف سے وہ بندگی نہیں کرے گا، پس صمدیت کے معنی ہوئے ایسی ذات جو بزرگی اور بے نیازی کے ساتھ انسانی عادتوں سے پاک اور منزہ ہو، اس والانامہ میں جو آیات قرآنی اور احادیث آئی ہیں ان سب کا ترجمہ ہم نے جلد اول میں کر دیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے

جب کہ وہ ہمارے حرکات وسکنات، اقوال واعمال، نیات وخطرات سب کا جاننے والا ہے، تمام دنیا و مافیہا سے اہم اور ضروری ہے، متیٰ ماتلق من تقوی ورع الدنیا واہلہا ..... اس کو ہمیشہ سمجھانے اور فکر کرنے سے انشاء اللہ حالت پلٹ جائے گی۔

کچھ حرج نہیں، لیس علی المریض حرج ارشاد قرآنی ہے، طبیعت پر زور ڈالئے اور جس وقت غصہ آئے تو اللہ تعالےٰ کے قہر وغضب اور اس کی قدرت کو یاد کیجئے۔ من لایرحم لایرحم، الراحمون یرحمہم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء (اقوال نبویہ علیہا الصلوٰۃ والسلام) جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا، رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔ لوگوں پر رحم کرنے کی اور احسان کرنے کی عادت ڈالئے، ذکر میں کوشش زیادہ سے زیادہ ہونیکی اس کی مداومت کی، معنی اور مضمون کے خیال رکھنے کی جاری رکھیئے، اللہ تعالیٰ مدد فرمانے کا قوی وعدہ فرماتا ہے، وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ قول قرآنی ہے۔ من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا الحدیث (جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اس سے ایک گز قریب ہوتا ہوں) کا خیال رکھئے۔ مگر جو کچھ ہو اس میں ریار سمعہ اغراض دنیویہ نہ ہوں، پردہ ہونے کی صورت میں اولاً غض بصر کیجئے ثانیاً استغفار کی کثرت رکھیئے، یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور کا دھیان رکھیئے اور ان الحسنات یذھبن السیئات سے امید باندھئے، اللہ آپ کی اور میری اور تمام مسلمانوں کی دستگیری فرمائے۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۲۷؍ شعبان ۱۳۶۲ھ

مکتوب نمبر ۴۳

(۱) آپ کا ذکر میں کوتاہی کرنا اور پاس انفاس کو دن رات میں صرف دس پندرہ منٹ انجام دینا انتہائی کسالت اور بے توجہی ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ[۱] کا سامان کس طرح پیدا کریں گے، کیا یَآ اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا[۲] پر اسی طرح عمل ہو سکتا ہے، وَاذْکُرْ[۳] رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَۃً وَّدُوْنَ الْجَہْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ، فَاِذَا[۴] قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ پر کس طرح عمل کریں گے، افسوس آپ بہت زیادہ غفلت اور کوتاہی میں مبتلا ہیں، آپ مجھ سے وقت پوچھتے ہیں میں کیا بتا سکتا ہوں، آپ خود سوچئے، اور انتظام کیجئے۔

(۲) رمضان شریف کے روزوں کے لئے اکثر متیقن یا کم از کم اغلب ظن پر جتنے دن ہوں ان کی قضا رفتہ رفتہ کیجئے یہ سردی کے ایام غنیمت باردہ ہیں۔

(۳) نظر کی حفاظت کیجئے، استغفار اور ذکر کی کثرت کیجئے، نظر شہوت کو روکئے مشتبہات سے اجتناب کیجئے، بالخصوص خلوت ہرگز نہ ہونی چاہئے۔

(۴) کرکٹ وغیرہ لہو ولعب میں جانا بالکل چھوڑ دیجئے، آخرت اور خداوندی

(حاشیہ مکتوب نمبر ۴۳) [۱] وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے۔ [۲] اے ایمان والو یاد کرو اللہ کی بہت سی یاد اور پاکی بولتے رہو اس کی صبح و شام۔

[۳] اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا، اور ایسی آواز سے جو کہ پکار کر بولنے سے کم ہو، صبح کے وقت اور شام کے وقت اور مت رہ بے خبر [۴] پھر جب تم نماز پڑھ چکو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے۔

حقوق کا مسئلہ نہایت اہم ہے، موت ہر وقت سر پر کھڑی ہے، عالم السر والخفایا کی خفیہ پولیس ہر وقت اعمال و اقوال کو نوٹ کر رہے ہیں، کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون، مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید، ایحسبون انا لا نسمع سرھم ونجواھم بلیٰ ورسلنا لدیھم یکتبون انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون۔ ان آیات پر غور کیجئے اور جہاں تک ممکن ہو عمر عزیز کے لمحات کو ضائع نہ ہونے دیجئے۔

والسلام ...... ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۶ محرم ۱۳۶۲ھ

مکتوب نمبر ۵۷

میرے خیال میں عام دعاؤں کے لئے مندرجہ ذیل دعا زیادہ مناسب ہوگی،

اَللّٰھُمَّ بَلِّغْنِیْ وَبَلِّغْ جَمِیْعَ مَنْ اَوْصَانِیْ بِالدُّعَاءِ وَجَمِیْعَ مَنْ لَہٗ حَقٌّ عَلَیَّ عَلٰی الْمَقَاصِدِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاکْشِفْ عَنِّیْ وَعَنْھُمْ سَائِرَ الْکُرُبَاتِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَنْتَ اَعْلَمُ بِھِمْ وَبِمَقَاصِدِھِمْ کُلِّھَا بِاَنَّھُمْ اَنْتَ اَکْرَمُ الْاَکْرَمِیْنَ وَاَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ حَیِیٌّ کَرِیْمٌ تَسْتَحْیِیْ اَنْ تَرُدَّ یَدَیِ الْعَبْدِ صِفْرًا اِذَا رَفَعَ الْکَفَّ اِلَیْکَ وَصَلِّ عَلٰی اَحَبِّ خَلْقِکَ اِلَیْکَ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

نیز اسلاف اور مسلمانوں کے لئے دعائیں مختصر اور مناسب حسب ذیل ہوگی۔

اَللّٰھُمَّ تَغَمَّدْ بِرَحْمَتِکَ وَرِضْوَانِکَ وَغُفْرَانِکَ جَمِیْعَ مَشَائِخِیْ وَجَمِیْعَ اَسَاتِذَتِیْ فِیْ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۳۷) ۵۵ عزت والے عمل لکھنے والے جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ ۵۶ نہیں بولتا کچھ بات جو نہیں ہوتا اس کے پاس ایک راہ دیکھنے والا تیار۔ یعنی جب کوئی بات زبان سے نکالتا ہے تو اس کے پاس ایک نگراں جو چست دستعدہے موجود رہتا ہے۔ ۵۷ کیا خیال رکھتے ہو کہ ہم نہیں جانتے ان کا بھید اور ان کا مشورہ کیوں نہیں، اور ہمارے بھیجے ہوئے انکے پاس لکھتے رہتے ہیں، ۵۸ ہم لکھتے رہتے ہیں جو کچھ تم عمل کرتے ہو۔

وَجَمِيعِ اَسْلَافِي وَجَمِيعِ اَخْوَانِي وَجَمِيعِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ
اِنَّكَ يَا مَوْلَانَا سَمِيعٌ قَرِيبٌ كَرِيمٌ مُجِيبُ الدَّعَوَاتِ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ وَصَلَّى
اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

ان مختصر اور جامع دعاؤں میں جس قدر تکرار اور خشوع وغیرہ عمل میں لایا جاوے وہ کارآمد ہوگا:

تمام مسلمان خواجہ تاش اور آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم ہیں سب سے محبت رکھنی اور خیر خواہی چاہنی اور ان کے لئے دعا کرنا ہمارا فریضہ ہے، ان کی دعاؤں حاجتوں میں خبر گیری حتی الوسع اور خدمات بجالانا ضروری ہے، جس قدر ہو سکے اس میں کوشش کیجئے، اور اگر کسی پر غصہ آجائے تو اسی خواجہ تاشی کو اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور انتقام کو یاد رکھ کر جہاں تک ممکن ہو غصہ کو فرو کیا کیجئے۔

والسلام ..... ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ

مکتوب نمبر ۷۵

(۱) دعا میں دل لگنا ضروری ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، ان اللہ لا یقبل الدعاء بقلب لاہ[1] لہٰذا دعا میں دل لگنا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ مظلوم کی دعا

(حاشیہ مکتوب نمبر ۷۴) خواجہ تاش کے معنی ہیں ایک مالک کے کئی غلام یا ایک آقا کے بہت سے نوکر یہ ہر ایک آپس میں اہل فارس کے نزدیک خواجہ تاش ہوئے، مقصد شیخ الاسلام کا واضح ہو کہ ہم کو خصوصاً تمام مسلمانوں کے ساتھ محبت و ہمدردی ہونی چاہیئے یعنی دوستی اور دشمنی کا معیار اللہ کی اطاعت اور رسول کی محبت ہو نہ کہ جذبات۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۷۵) [1] حدیث کا مفہوم یہ ہے اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول نہیں فرماتے جو دل لگا کر نہ کیجائے یعنی دل غافل ہو۔

بہت جلد قبول ہوتی ہے، کیونکہ وہ خلوص دل سے نکلتی ہے تاہم اگر دل نہ لگے تب بھی فائدہ سے خالی نہیں لیکن کوشش کرنا ضروری ہے۔

(۲) دعا اور تلاوتِ کلام پاک میں فرق ہے، قرآن مجید کے الفاظ اور حروف چونکہ اللہ تعالیٰ سے سرزد ہوئے ہیں، اس وجہ سے قرآن مجید بالفاظہ ما مور بالتلاوت ہے، اگر اس میں بھی دل نہ لگے تب بھی ثواب آخرت اور اثر سے خالی نہیں ہے۔ اور دعا میں یہ بات کہاں؟

(۳) رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ہر نماز کے بعد اور اوقاتِ دعا کے علاوہ درود شریف کے بعد نماز میں پڑھنے سے حسنِ خاتمہ کے لئے نہایت مؤثر ہے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ

مکتوب نمبر ۵۷۶

پاکستان سے آکر ہنود کی آبادی پر پریشانی کی کیفیت معلوم ہوئی، میں دعا کرتا ہوں، مگر گجرات کے لوگوں نے جیسا کیا ہے، اس کو بھگتنا پڑے گا۔ آپ روزانہ پانچ سو مرتبہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھتے رہیں۔ والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۳ جمادی الاول ۱۳۶۳ھ

مکتوب نمبر ۵۷۷

آپ کو معلوم ہے کہ اسباب کی تعاطی مع الاعتماد الکامل علی اللہ عین توکل ہے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۵۷۵) ؎۵۲ آیت کا ترجمہ یہ ہے، اے رب نہ پھیر ہمارے دلوں کو جب تو ہم کو ہدایت کر چکا اور عنایت کر ہم کو اپنے پاس سے رحمت، تو ہی ہے سب کچھ دینے والا۔

اس لئے احباب یا غیر احباب سے ذکر کرنا یہ اسباب ہی کی تعاطی ہوگی یہاں اعتماد ان پر نہ ہونا چاہیئے، اللہ تعالیٰ کو اگر منظور ہے ان کو مسخر کر دے گا، ورنہ وہ کچھ نہ کر سکیں گے، وہ مجبور محض ہیں۔

ان الذی انت ترجوہ وتاملہ   من البریۃ مسکین ابن مسکین

فاسترزق اللہ مما فی خزائنہ   فانما الامر بین الکاف والنون

اس لئے مخلوقات پر اعتماد کو چھوڑ یئے، اور مالک خزائن السموٰت والارض پر اعتماد کیجئے، عالم اسباب پر متوسط طریقہ سے عملدر آمد رکھیئے۔ ع

بر توکل زانوے اشتر بہ بند

والسلام ..... ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۷ جمادی الثانی ۱۳۶۳ھ

مکتوب نمبر ۷۸

(۱) نصوص شرعیہ سے آپ واقف ہیں، بوقت ضرورت سوال کی اجازت دی گئی ہے۔ ضرورت کی تحدید حقیقی نہیں کی گئی ہے، یہ کلی مشکک ہے اور مختلف درجات رکھتی ہے، اضطرار کے وقت میں سوال واجب اور فرض ہو جاتا ہے،

(حاشیہ مکتوب نمبر ۷۷) اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ تم جن سے امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہو وہ تو خود مسکین در مسکین ہیں البتہ اللہ تعالیٰ سے رزق مانگنا اور امیدیں وابستہ رکھنا چاہیئے، جو ایک لفظ کن سے فیکون کرتا رہتا ہے۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۷۸) اس مکتوب گرامی میں بعض اصطلاحات منطقی فقہی آگئی ہیں انکو صاف کر دیا جاتا ہے باقی مکتوب صاف صحیح ہے، کلی مشکک وہ کلی ہے جو اپنے افراد پر برابر برابر صادق نہ آئے، مثلاً موجود، یا مثلاً نور وغیرہ تشکیک کی چار قسمیں ہیں، جو کتب منطق میں موجود ہیں، حوائج اصلیہ کی تعریف یہ ہے وہ مال جو اپنی اصلی اصلی ضرورتوں سے زیادہ نہ ہو، اور اصلی ضرورتوں کی مثال جیسے رہنے کے مکان، بدن کے کپڑے گھر کے اسباب، سواری کے جانور، خدمت کے غلام، استعمال میں ہوں اسے ہتھیار ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ (ہدایہ)

سرمایہ دار کو سرمایہ بڑھانے کے لئے حرام ہو جاتا ہے (یعنی وہ سرمایہ دار جو کہ حوائجِ اصلیہ سے زائد اتنے مال کا مالک ہے، جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور حولان حول بھی ہو گیا ہے) درمیانی درجات، احکام بھی درمیانی رکھتے ہیں، آپ کی وہ ضرورتیں جن کو تحریر فرما رہے ہیں، اگر نفس پرستی اور خوش خوراکی اور تلذذ و تنعم کے لئے نہیں ہیں تو اباحت اور تجویز کا موقع ضرور دیں گی، بالخصوص وہ طریقہ سوال جسکو آپ ذکر فرما رہے ہیں جو کہ الحاج اور تفرع سے خالی بھی ہے۔

والسلام:۔ .... ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ، ۱۷ رجب ۱۳۶۳ھ

مکتوب نمبر ۷۹

وہ مصائب جن کا ذکر جناب فرما رہے ہیں، بے شک باعثِ اضطراب ہیں مگر اس کا یہ اثر غلط ہے جو کہ آپ لکھ رہے ہیں، اس کا اثر ابتہال الی اللہ اور تضرع وزاری ہونا چاہیئے تھا، معاصی اور غفلات سے تنفر ضروری تھا، آپ کو اس روایت کا خیال رکھنا چاہیئے، ان[1] الناس اذا راوا الظالم فلم یاخذوا علیٰ یدیہ یوشک اللہ ان یعمہم بعقاب فیدعونہ فلا یستجیب لہم اوکما قال علیہ السلام) بہرحال عقل اور دانائی سے کام لیجئے، اور مالک قضا و قدر کی رضا جوئی کی زیادہ سے زیادہ فکر ہونی چاہیئے۔ والسلام .... ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ، ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ

مکتوب نمبر ۸۰

آپ کی بیماریوں اور تکلیف کی کیفیات معلوم کر کے صدمہ ہوا، جو طبعی امر ہے

(حاشیہ مکتوب نمبر ۷۹) [1] روایت کا مفہوم یہ ہے کہ جب لوگ ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں اور نہ روکیں اور نہ اسکے ہاتھ پکڑیں تو قریب ہے کہ عام طور پر لوگ عذاب میں آ جائیں پھر اگر دعا بھی کریں گے تو قبول نہ ہو گی۔

ورنہ عقلی طور پر چونکہ مسلمان کے لئے یہ جملہ تکالیف موجب کفارہ سیئات اور مضاعفت حسنات ہیں، اس لئے یہ سب ایسی ہی شان رکھتی ہیں، جیسے شاہانہ لباس کی... دھوبی کے یہاں ہوتی ہے، وہ کپڑوں کو خم میں ڈالتا ہے، پانی گرم کرتا ہے۔ ریہہ اور صابون لگاتا ہے، پٹروں اور پتھروں پر پٹکتا ہے، اور بار بار نچوڑتا ہے، گرم دھوپ میں ڈالتا ہے، مار مار کر استری پھیرتا ہے، شکنوں کو صاف کرتا ہے، ان تمام مراحل کو ایک ظاہر بین کپڑوں کے لئے آزار شدید اور سخت مصیبت سمجھے گا، مگر حقیقت شناس یہ ہی کہے گا کہ ان کپڑوں کا اعزاز و اکرام ہے، اور یہی ان کے لئے رحمت کاملہ ہے، انکو شہنشاہ کے جسم کی زینت بنانے کے لئے یہ اعمال کئے جاتے ہیں، اس لئے یہ سب اعمال ان کے لئے رحمت ہی رحمت اور ترقی ہی ترقی ہیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۹ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ

مکتوب نمبر ۱۸

(۱) اگر میں حق پر ہوں اور مخلصانہ مذہبی اور اسلامی خدمات کر رہا ہوں تو... غیروں اور اپنوں سے جو کچھ بھی اذیتیں پیش آئیں یا آرہی ہیں ان کے لئے اسلاف کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے احوال اور اعمال مشعل راہ ہیں، جو جو مصائب انبیاء کرام اور اولیائے عظام اور مقدس علماء کو پیش آئی ہیں ان کے سامنے ہمارے مصائب تو ذرہ بھی نسبت نہیں رکھتے، جو ذرہ کو پہاڑ سے ہے، پھر اس پر کبیدگی اور قلق کیوں ہے، اشد الناس[1] بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل سے تو بشارت حاصل ہوتی ہے جس سے تبدیلیت

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۸) [1] امتحان و آزمائش میں سب سے زیادہ سخت انبیاء علیہم السلام ہیں، پھر درجہ بدرجہ جو زیادہ افضل ہیں ان کے امتحانات بھی زیادہ سخت ہیں،

عنداللہ کا پتہ چلتا ہے اور اگر خدانخواستہ میں غلط راستہ پر ہوں، اور معاذ اللہ ضلال اور گمراہی میں پھنسا ہوا ہوں تو اس کا مستحق ہی ہوں۔ اللھم انی اعوذ بک من ان اضل او اضل او ازل او ازل او اجھل او یجھل علی۔ امین [۵]

(۲) معمولات کے بدستور جاری رکھنے میں حتی الوسع کوشش فرماتے رہیں الاستقامۃ فوق الکرامۃ۔ [۶]

(۳) خواب میں سورۂ فتح کی آیات اور آیت یریدون ان یبدلوا الآیۃ پڑھنا بہت بڑی بشارت ہے، شکر کرنا چاہیئے۔

دوسرا خواب جس میں پیشاب سے پانی خالص سمجھ کر وضو کرنا اور اس کے بعد حقیقت پر مطلع ہو کر پاک پانی سے غسل کرنا دیکھا گیا ہے یہ بھی فی الجملہ مبارک ہے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۶۵ھ

مکتوب نمبر ۸۲

احوال مندرجہ سے سخت کوفت ہوئی یہ دار، دار ابتلاء و امتحان ہے، انہیں مشکلات کی وجہ سے انسان کی فرشتوں پر فوقیت ہے، ان عوائق اور تعلقات کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر میں مشغولیت امتحان میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔ ولقد ارسلنا رسلا من قبلک وجعلنا لھم ازواجا و ذریۃ [۱] یہ امتحان کے ایام استقلال سے پورے کیجئے، نفس خبیث کو اس کی

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۸۱)
[۵] اے اللہ میں اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ خود گمراہ ہوں یا کسی کو گمراہ کروں یا خود لغزش کروں یا کسی دوسرے کو لغزش میں مبتلا کروں۔ استقامت اور کرامت پر جلد اول میں بحث گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمالیا جائے [۶] ترجمہ یہ ہے۔ استقامت اور مضبوطی سے قائم رہنا کرامت سے بڑھا ہوا ہے۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۸۲) [۱] اور بھیج چکے ہیں ہم کتنے رسول تجھ سے پہلے اور ہم نے دی تھیں ان کو جوروئیں اور اولاد۔

خواہشات سے روکئے انبیاء علیہم السلام کی زندگی کو یاد کیجئے اور اس پر قدم بقدم چلنے کی کوشش کیجئے، وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى تصریح قرآنی ہے، اس پر عمل کیجئے، مثنوی میں ہے کہ حضرت سری سقطی یا خواجہ شبلی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرف سے نفس کو اپنے میں سے نکال لیا، جو کہ بصورت کبوتر نکلا، تو دیکھا کہ جو الطاف و انوار خداوندی تھے بند ہو گئے، بہت تعجب کیا، اور عرض کیا کہ پروردگار یہ تو تیرا اور میرا دشمن ہے، جب کہ یہ مجھ میں سے نکل گیا، تو اور زیادہ الطاف مجھ پر نزول ہونے چاہئیں تھے، فرمایا گیا کہ اے شبلی تجھ پر میرے انعامات اسی بنا پر تھے کہ میرے دشمن کی موجودگی اور اس کی ہر وقت کی مخالفت کے ہوتے ہوئے تو میری اطاعت اور محبت و یاد میں مشغول تھا، اور اگر وہ نہ رہے تو پھر تیری کیا منزلت ہے، جب تو تو میری عبادت اور یاد پر مجبور ہو گا۔

بہرحال نہ گھبرانا چاہیئے، نہ ترک تعلقات کرنا چاہیئے نہ مایوس ہونا چاہیئے نہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر سے غافل ہونا چاہیئے، ان تمام تعلقات اور عوائق کے باوجود ذکر و فکر اطاعت اور اخلاص میں قدم آگے ہی بڑھنا چاہیئے، خبردار خبردار ذکر میں کوتاہی نہ کیجئے اور نفس پر زور ڈال کر حضور قلب اور تصور معنی کے ساتھ ذکر میں مشغول ہونا چاہیئے، آپ نے ان دنوں زیادہ دنیا داری شروع کر دی ہے، دنیا کی محبت اور غیر اللہ سے تعلق بہت بڑھا دیا ہے، جاگئے اور اپنی حالت سدھارئیے نفس خبیث پر سرزنش کیجئے اور طمع دنیوی سے روکئے، دنیاوی مطاعم اور ملابس وغیرہ میں تلذذ سے بچئے، ہمیشہ سادہ اور موٹا جھوٹا کھانا کپڑا فرش وغیرہ اختیار کیجئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۰ شوال ۱۳۶۵ھ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۸۲) ۵۲ اور جو کوئی ڈرا ہو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور روکا ہو اس نے جی کو خواہش سے ۱۲۔ خوف و رجاء پر ہم نے اسی جلد میں کہیں کچھ تفصیلی باتیں لکھدی ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

مکتوب نمبر ۸۳

مسئلہ مذکورہ میں کچھ غلطی ہے، خواہ آپ کی یادداشت یا استاذ کے بیان میں متحقق ہوئی ہو، ایمان کو ہمیشہ بین الخوف والرجار ہونا چاہیئے وادعوہ خوفاً وطمعاً۔ نص قرانی ہے اور اس معنی پر مختلف آیت صریح موجود ہیں، مگر حالت زندگی میں غلبہ خوف کا ہونا چاہیئے، اور قرب موت میں غلبہ رجار کا ہونا چاہیئے، لقولہ علیہ السلام فی الحدیث القدسی انا عند ظن عبدی بی وقال سبحانہ تعالیٰ، اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ، اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ، اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ وَقال وَلَا تَيْاَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ الخ.

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۸۴

جو مظالم بہار اور گڈھ مکتیشر وغیرہ میں دلگداز واقع ہوئے ہیں یقیناً نہایت

(حاشیہ مکتوب نمبر ۸۲) حضرت امام العصر مدظلہ العالی نے قرآن اور حدیث سے اس مسئلہ پر جو روشنی ڈالی ہے اگر اسکے ترجمہ اور مفہوم کو سامنے رکھا جائے تو بڑی آسانی سے ایمان بین الخوف والرجار کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اسلئے ہم آیات اور حدیث کا ترجمہ نمبر وار کر دیتے ہیں،

لہ پکارو اپنے پروردگار کو خوف سے اور لالچ سے یعنی رحمت اور بخشش کی طمع سے،

لہ بندہ کا میرے بارے میں جو گمان ہو جاتا ہے میں وہی ہو جاتا ہوں، میرا معاملہ اپنے بندے سے وہی ہوتا ہے جسکی وہ مجھ سے توقع رکھتا ہے۔ لہ اب کیا نڈر ہیں بستیوں والے اس بات سے کہ آپہونچے ہمارا عذاب راتوں رات اور وہ پڑے سوتے ہوں، یا نڈر ہیں بستیوں والے اس سے کہ آپہونچے ہمارا عذاب دن چڑھے اور وہ کھیل کود میں مصروف ہوں۔ کیا نڈر ہو گئے

رنجیدہ اور سنگین ہیں، مگر میرے محترم تصویر کے دوسرے رخ سے غافل رہنا بھی تو درست نہیں، ابتدا کس نے کی کبھی اس پر بھی غور فرمایا کہ نہیں؟ نوا کھالی، پترہ میں ایسے ہی مظالم پہلے کس نے کئے تھے؟ ڈائرکٹ ایکشن ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو کس نے کیا، جس سے کلکتہ کے فسادات کی ابتدا ہوئی؟ کیا اس تاریخ سے پہلے بھی یہ ہنگامی فرقہ وارانہ فسادات تھے؟ ۱۹۳۷ء سے اشتعال انگیز تقریریں اور تحریریں کس نے پھیلائیں؟ کبھی ان امور پر آپ نے غور کیا؟ ڈائرکٹ ایکشن کے پہلے ڈیلی گیشن کے آنے کے بعد سے ہلاکو اور چنگیز خاں کی تقلید اور خون بہانے، امن و اماں غارت کرنے اور تشدد کے اعلانات لگاتار کون کرتا رہا؟

کیا ان امور کی ابتدا لیگی لیڈروں اور اخباروں، لیگی تقریروں اور لیڈروں سے لگاتار جاری نہیں رہی؟

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: المستبان ما قالا فعلی البادی منہما[۵۱] کیا بتلاتا ہے، قرآن مجید کا ارشاد ہے وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ کیا سکھلاتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح لا یسب[۵۳] احدکم والدیہ قالوا یا رسول اللہ وہل یسب احد والدیہ قال نعم یسب والد الرجل فیسب والدہ (او کما قال) کیا کہتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۸۳) اللہ کے داؤ سے، سو نہیں نڈر ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر وہی لوگ جو خراب ہوں گے۔ ۵۰ اور نا امید نہ ہو اللہ کی رحمت سے۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۸۴) ۵۱ سب وشتم کرنے والے جو کچھ ایک دوسرے کو کہتے ہیں، تو بار گناہ اس پر ہوگا جس نے یہ سلسلہ شروع کیا، کیونکہ اس کے بعد جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ ایک دوسرے کا جواب اور جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا ہو رہا ہے۔ (واللہ اعلم) ۵۲ اور تم لوگ برا نہ کہو انکو جنکی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا پس وہ برا کہنے لگیں گے اللہ کو بے ادبی سے بدوں سمجھے۔ ۵۳ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ الفتنۃ نائمۃ لعن اللہ من ایقظہا (او کما قال) کا کیا مفاد ہے، جب کہ ان خیانتوں کی ابتدا مسلمانوں ہی سے ہو رہی ہے تو کس پر قصور رکھا جا سکتا ہے، آج لیگی ان تمام نقصانات کے بعد خوش وخرم ہیں کہ یہی قربانیاں ہم کو پاکستان کے لئے ذریعہ ہیں، حالانکہ پاکستان ہی بجائے خود مسلمانوں کے لئے خودکشی کے مرادف ہے، اور وہ سب کیا دھرا انگریزوں کا ہے، آج تمام فرقہ وارانہ فسادات میں انگریزی ہاتھ کام کر رہا ہے، پاکستان بھی انگریزی ہاتھوں نے اپنے مفاد کے لئے بنوایا ہے اور ہر قسم کی تائید اس کے لئے کر رہے ہیں، غور کیجئے اور حقائق پر نظر ڈالئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۰ رجب ۱۳۶۶ھ

مکتوب نمبر ۸۵

مجکو آپ کے سوالات پر تعجب ہوتا ہے۔

(۱) مسلمانان پاکستان جو کہ اہل سنت والجماعت ہیں وہ سب ہمارے بھائی ہیں، ان سے ہمارے تعلقات وہی ہونے چاہئیں جو کہ ساری دنیا کے سنی مسلمانوں کے ساتھ ہیں، اور جن کی تاکید ہم کو کتب مذہب میں کی گئی ہے، وہاں کی حکومت ایک یوربین طرز کی جمہوری حکومت ہے، جس میں حسب آبادی مسلم اور غیر مسلم سب حصہ دار ہیں اس کو اسلامی حکومت کہنا غلطی ہے، جیسا کہ خود مسٹر جناح نے بار بار تصریح کی ہے اور

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۸۴) کوئی اپنے والدین کو گالی نہ دے، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا کوئی اپنے باپ اور اپنی ماں کو گالی دے گا، آپ نے فرمایا ہاں، دوسرے کے ماں باپ کو گالی دیگا وہ اسکے ماں باپ کو گالی دے گا (تو اس طرح گویا خود اس نے اپنے والدین کو گالی دی)۔

سے۵ فتنہ سویا ہوا ہے، اللہ کی لعنت جو اس کو جگائے۔

اب بھی اسمبلی کے افتتاح میں انہوں نے یہی تقریر کی ہے، اس کو بیرونی حکومتیں بھی اسلامی حکومت نہیں تسلیم کرتی ہیں۔

ہمیشہ سنی مسلمانوں کے لئے دعا کرنا ضروری ہے، مگر ایک ایسی جمہوری حکومت جب کہ اسلامی حکومت ہی نہیں ہے، کس طرح ان ادعیہ کی مستحق ہو سکتی ہے جنکے مستحق سنی مسلمان ہیں، ہاں اس لحاظ سے کہ اہون البلیتین ہے (مگر اس کا ثبوت ہوجائے) تو البتہ مستحق ہمدردی ہو سکتی ہے، مگر کانگریسی صوبوں میں کفار اصلی برسر اقتدار ہیں پاکستان میں ملاحدہ اور مرتدین کا اقتدار ہے، دینی حیثیت سے دونوں کا فرق ظاہر ہے، کانگریسی صوبوں میں انگریزی اقتدار برائے نام ہے اور اس کو رفتہ رفتہ مٹایا جارہا ہے، اور پاکستان میں اس کو ترقی دی جارہی ہے اور اس کی فراوانی ہے، ہاں وہاں کے سنی مسلمانوں کے ساتھ یقیناً ہماری پوری ہمدردی ازبس ضروری ہے۔

(۲) جینا خود اپنے کو رافضی کہتا ہے، اس کے عمائد اس کے مُقِر ہیں ۲۵ نومبر ۱۹۴۵ء بروز اتوار امام باڑہ روڈ مسجد بمبئی میں راجہ محمود آباد شیعوں کے جلسہ میں قائد اعظم کے الیکشن کے لئے تقریر فرماتے ہیں۔

"ہمارے قائد اعظم خوش قسمتی سے سچے شیعہ ہیں، تاریخ اسلام بدل رہی ہے اور آج ہندوستان کے تمام سنی ایک جانشین امام علیہ السلام کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہیں، اور اس کے حکم پر سر کٹانے کو تیار ہیں، اگر سابق کے مسلمانوں میں سمجھ ہوتی تو نہ تو اختلاف کا دروازہ کھلتا اور نہ اعلاء کلمۃ الحق کے لئے شیعہ وجود میں آتے، قائد اعظم کی مخالفت کرنا اپنی تاریخ کو جھٹلانا ہے"

مدینہ بجنور یکم دسمبر ۱۹۴۵ء نمبر ۸۷ جلد ۳۴،

اگر ایسے شخص کے لئے مولوی ابراہیم صاحب دعا کرنا چاہتے ہیں تو وہ اسکے ذمہ دار ہیں، وہ خود جانتے ہیں کہ آیا شیعہ مسلمان ہیں یا نہیں؟ آپ کا فرمانا کہ حکومت

توبہر حال اسلامی ہے تعجب خیز ہے۔ حالانکہ خود قائد اعظم اور ان کا ترجمان ڈان اس کا منکر ہے۔

اخبار ایمان نے مسلم لیگ کے ترجمان ڈان کے ایک مراسلہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "پاکستان میں مذہبی حکومت یا مسلم راج نہ ہوں گے کیونکہ مذہبی حکومت صرف وہاں قائم ہو سکتی ہے جہاں ایک ہی مذہب کے سو فی صدی لوگ ہوں یا اتنی فوجی طاقت ہو کہ وہ غیر مذہب والوں کو مجبور کر کے مطیع کر لے۔"

پھر یہی بزرگ مذہبی حکومت کے مفاسد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔
"اگر پاکستان میں مذہبی حکومت بنا دی گئی تو اس سے عوام کی ترقی رک جائیگی طبقات کی تفریق کا سلسلہ جاری رہے گا، انسان کی اجتماعی اور اقتصادی نجات کی راہ بند ہو جائے گی، مذہبی حکومت کے پیش رو مسلمان ہوں گے اور وہ قابل نہیں ہیں ہندو صدیوں مسلمانوں پر ظلم و ستم ہونے لگیں گے، اس سے ہندوستان میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک جائے گی۔

مدینہ بجنور جلد ۳۳ نمبر ۸۴ مورخہ ۱۲ نومبر سنہ ۱۹۴۴ء

نواب زادہ لیاقت علی خان صاحب علی گڑھ یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ہم سے سوال کیا جاتا ہے کہ پاکستان کا دستور اساسی کیا ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ پاکستان ایک جمہوری اسٹیٹ ہوگا اور اس کے دستور اساسی کی تشکیل ان علاقوں کے باشندگان بتوسط ایک منتخب کردہ مجلس دستور اساسی خود ہی کریں گے؛ ہر چیز اظہر من الشمس ہے۔

ڈان ۵ ستمبر سنہ ۴۵ء ص ۶ کالم اول

خود قائد اعظم فرماتے ہیں احمد آباد میں تقریر فرماتے ہوئے "پاکستان کی حکومت

جمہوری، سارا نظم ونسق عوام کے نمائندوں کے ہاتھوں میں ہوگا (انجام مورخہ ۲۰ اگست ۴۵ء)

مسٹر جناح نے ہمیشہ پاکستان کو ایک دنیاوی اسٹیٹ قرار دیا ہے اور اس خیال کی ہمیشہ سختی سے مخالفت کی ہے کہ اس میں مسلمانوں کی حکومت الہیہ قائم ہوگی جو لوگ پاکستان کو پان اسلام ازم (اتحاد اسلامی) کے مرادف قرار دیتے ہیں وہ اتحاد کے دشمن ہیں۔" (ڈان ۹ ستمبر ۱۹۴۵ء۔)

اس قسم کی مختلف تصریحات موجود ہیں، آج بھی دستور ساز اسمبلی میں پاکستان کے مسلمان، سکھ، ہندو، قادیانی، کمیونسٹ، شیعہ، اچھوت، سب ممبر ہیں، اور دستور اساسی بنا رہے ہیں اور حکومت کی عملی تشکیل یہ لوگ دے رہے ہیں، اگر آپ کی مراد اسلامی حکومت سے یہی ہے تو آپ جانیں، الفاظ دعائیہ میں مسلمانوں اور ان کے حکام کے لئے بلا تعیین دعا کر دینا اور ان کی ہدایت اور تقویت کی خواہش کافی ہے۔ .... والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۲۲ شوال ۱۳۶۶ھ

مکتوب نمبر ۸۶

جناب مولانا فضل الحق صاحب سیوہارہ ضلع بجنور کے نام

محترم المقام زید مجدکم .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا جس طرح تمام اعضاء وجوارح عطاء خداوندی ہیں۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۸۶) حضور والا، خادم کئی روز سے ان مسائل کے حل میں الجھا ہوا ہے، اشفار المعی السوال

(۱) حق جل شانہ نے بندہ کو اپنے اختیار کے مشابہ ایک گونہ اختیار عطا فرمایا ہے اور حسب زعم فرقہ جبریہ مجبور محض نہیں پیدا کیا جس کی بنا پر وہ مستحق ثواب و مستوجب عتاب قرار پایا، اور فاعل مختار کی حیثیت میں ظہور ہوا لیکن بندہ کے افعال اور مشیت عبد تابع مشیت رب ہے؛ جیسا کہ ...

اسیطرح ارادہ و مشیت ہی ہے۔ جس بنا پر اس کو صاحب الاعضاء والجوارح کہا جاتا ہے اس کو بے زبان، بے عقل، بے ہاتھ پیر وغیرہ نہیں کہا جاتا، اسی طرح اس کو بے ارادہ اور بلا مشیت کہنا غلط ہوگا۔ مجبور وہ شخص ہوگا، جو کہ بلا ارادہ ہے، اور وہی افعال جبری افعال کہے جا سکتے ہیں جن میں تداخل ارادہ کا نہیں ہوتا، جیسے مرتعش کی حرکت، اور اس پتھر کی حرکت جس کو پھینکنے والے نے پھینکا ہے اور جس طرح جسم انسانی جب کہ بلا ارادہ فوق سے اسفل کو آتا ہے، یہ حرکت البتہ جبری اور بلا اختیار ہے، خود انسان اپنی حرکت رعشہ اور حرکت جسمانی میں (فوق سے تحت کو) کسی قسم کا ارادہ نہیں محسوس کرتا، بلکہ خود کو مجبور محض پاتا ہے، بخلاف افعال اختیاریہ کے کہ وہ ان میں اپنے ارادہ اور اختیار کو صدور افعال تک محسوس کرتا رہتا ہے، اور یقین کرتا ہے کہ اگر میں چاہوں اس حرکت کو روک دوں، اس لئے ان افعال اختیاریہ میں مجبوریت کا ادعا خلاف ہے، محسوس و مشاہدہ کے خلاف ہے، ثواب و عتاب انہی افعال اختیاریہ میں ہے،

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۸۶) نص صریح سے واضح ہے۔ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ، اس سے مسئلہ جبر کا ثبوت اور بندہ کے افعال پر ترتب ثواب وعقاب عدل کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

(۲) سورہ واقعہ میں تصریح ہے کہ میدان قیامت میں انسان کے تین فرقے ہوں گے اصحاب میمنہ، اصحاب مشئمہ، سابقون، سابقون کو اگر فرقہ ثالث قرار دیا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ انکے مدارج اعلیٰ اور ممتاز حیثیت کے اظہار کے لئے جداگانہ فرقہ قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ ان کے انعامات اکرام کے بارے میں آیات مابعد میں تصریح فرمائی ہے، تو پھر اصحاب میمنہ میں کون لوگ داخل ہونگے؟

(ب) سابقون کو دو فرقے پر منقسم فرمایا، ثلۃ من الاولین وقلیل من الآخرین۔ جز اول سے مراد اگر امم سابقہ اور جز ثانی سے مقصود اگر امت محمدی ہے تو تنقیص و تفضیل امت محمدیہ لازم آتی ہے، رکوع دوم ثلۃ من الاولین وثلۃ من الآخرین سے کیا مراد ہے۔ بظاہر یہ جملہ جملہ اولیٰ کے خلاف و معارض معلوم ہوتا ہے، وجہ تطبیق کیا ہے؟

جن میں انسان کا یہی احساس ہے کہ میرے اختیار و ارادہ سے پائے جا رہے ہیں، افعال کو تحقیق سے پہلے جب چاہوں روک دوں، یہ اختیار جبری جس کو ہر فعل اختیاری جبری کا منشا اور مصدر محسوس کیا جاتا ہے، کسب کہا جاتا ہے، جس کو ماتریدیہ اور دیگر متکلمین اثر قدرت حادثہ کہتے ہیں ؛ بہر حال تخلل ارادہ و اختیار ہوتے ہوئے، جبر کہنا خلاف مشاہدہ ہے، جناب کا ارشاد کہ بندہ کی مشیت تابع مشیتِ رب ہے، خود اس کا اقرار ہے کہ مشیت عبد موجود ہے، پھر اس کو منعدم قرار دینا اور جبر سے تعبیر کرنا کیونکر نہ غلط ہوگا ۴۴

اہلِ محشر کی تین جماعتیں، سابقین اصحاب یمین اصحاب شمال قرار دی گئی، سابقین سب سے اعلیٰ اور اصحاب یمین متوسط اور اصحاب شمال سب سے ادنی، اول و دوم ناجی ہیں اور سوم غیر ناجی پھر اولین و آخرین میں سے فریق اعلیٰ و اوسط کی تعداد بتلائی گئی ہے کہ سابقین میں اولین اور آخرین کی تعداد بہت زیادہ بلکہ تقریباً برابر ہوگی بخلاف اصحاب یمین کے کہ ان میں اولین کی بہت زیادہ اور آخرینؓ کی کم ہوگی، ظاہر اور اقرب یہی ہے کہ یہ تفصیل امت محمدیہ کی ہے، اگرچہ مفسرین کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ یہ تفصیل تمام عالم انسانی کی ہے، بصورت ارادہ امتِ محمدیہ تنقیص امتِ محمدیہ کا خیال یا تو اس طرح دفع ہوسکتا ہے کہ متاخرین کو شرف فرما کر سابقین کا درجہ زیادہ عطا کر دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد کیا گیا ہے، کہ متاخرین اگر "عشر ما امر دا بہ" (یعنی کل احکام خداوندی کے دسویں حصے کی تعمیل بھی کرتے رہیں گے تو ناجی ہو جائیں گے، اور

۴۴ اور جب اختیار جبری موجود ہے تو ثواب و عقاب یقیناً عدل ہوگا۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۸۶) راقم الحروف کا علم ہی کیا، البتہ قرآن کے سیاق و سباق سے ایک طالب علم قرآن کا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ رکوع اول ثلۃ من الاولین وقلیل من الاخرین، السابقون السابقون میں سے ہوں گے اور رکوع دوم ثلۃ من الاولین وثلۃ من الآخرین ۔ یہ اصحاب الیمین سے ہوں گے، واللہ اعلم ۔ باقی امام العصر حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی نے جو توجیہیں فرمائی ہیں وہ عطر ہیں تمام محققین قرآن کا ۔

متقدمین کو یہ شرف نہ حاصل ہوگا، کیونکہ ان کو ماحول کی سعادت سے نوازا گیا تھا، اور اسی وجہ سے ان کو عشر ما امرتم کے ترک پر مواخذہ ہونا پڑا اور یا یہ کہا جائے کہ زمانہ ہائے آخرہ میں غلبۂ شر کی وجہ سے اصحاب یمین کم پیدا ہوئے، واللہ اعلم۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۵۸۷

جناب مولانا مشہود حسن صاحب امروہی کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جواب، چونکہ انسان قوت علمیہ اور کمالات عملیہ کا حاصل ضرب ہے اور زوجیت مساوات کی مقتضی ہے (عقلا وعرفا) اس لئے عورت کی مساوات بالرجل چار سے ہی ہو سکتی ہے، کیونکہ احادیث بتلاتی ہے کہ عورت کی قوت علمیہ نصف رجل ہے جس پر نصاب شہادت دلالت کرتا ہے، قولہ تعالیٰ فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان۔ یہ نص ہے اور قوت عملیہ بھی نصف ہے، جس پر لفظ "شطر دینہا" الحدیث دلالت کرتا ہے، دین عمل ہی سے ہوتا ہے، لہٰذا عورت نصف قوتِ عملیہ اور نصف قوت علمیہ کی حاصل ضرب ہوئی اگر $\frac{1}{2} \times \frac{1}{2}$ ضرب دیں تو حاصل ضرب $\frac{1}{4}$ نکلتا ہے، اس لئے چار عورتیں ایک مرد کے مساوی اپنی نظری قوت سے ہو سکیں گی۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۹ ربیع الاول ۱۳۷۱ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۸۷) ایک حاجت کاتب الحروف کی ہے، وہ یہ ہے کہ ۶۹ھ میں احقر نے جناب والا سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی جناب والا کی تقریر کو بھی قلمبند کیا تھا، لیکن ایک بات لکھنے سے رہ گئی، اور ذہن سے بھی نکل گئی، جناب والا نے ایک مرد کے لئے چار بیویوں کی حکمتوں میں سے ایک حکمت باعتبار حساب کے فرمائی تھی، یعنی اس کو ٹوں کے حساب سے سمجھایا تھا، اگر جناب والا

مکتوب نمبر ۸۸

جناب مولانا محمد منظور حسین صاحب قاسمی قصبہ سہسپور ضلع بجنور کے نام

محترم المقام زید عنایتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا...... قاری اصغر علی صاحب ۵ رمضان کو بہت نخروں سے تشریف لائے، بخیر و عافیت ہیں، ایک قرآن تراویح میں اور ایک تہجد میں پڑھ رہے ہیں، آپ کی مستقل ملازمت کا مجھ کو بہت خیال ہے، مگر سال گذشتہ کتب درسیہ ختم ہونے کی وجہ سے کہیں تجویز نہ کر سکا، کتابوں کا ختم ہونا بہت ضروری ہے، میرے پاس رہنا نہ ضروری ہے، نہ بظاہر کوئی ایسی صورت ہے جس میں آپ کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ رمضان شریف میں پڑھنے کے لئے مشاغل قرآنیہ سے بڑھکر اور کیا چیز ہو سکتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وحید ابھی تک ہاں نہیں پہنچا۔ والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ از سلہٹ نئی سڑک ۸ رمضان المبارک ۶۹ھ

مکتوب نمبر ۸۹

آپ کے دو والا نامے آئے، مگر مشاغل قرآنیہ کی وجہ سے بالکل فرصت نہ تھی اب چونکہ ختم ہو چکا ہے، اور دوسرا ختم چل رہا ہے، اس لئے لکھنا ممکن ہوا، آپ کے بھتیجی کے واقعہ سے صدمہ ہوا تھا، ہم سب دعا کرتے ہیں، غالباً اب تک صحت تامہ کے قریب پہنچ گئے ہوں گے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۸۰) اشارہ بھی فرمائیں گے، تو انشاء اللہ تعالیٰ میں سمجھ جاؤں گا امید ہے کہ حضور والا اس سوال کے جواب سے محروم نہ فرمائیں گے۔

(مشہود حسن جامعہ حسینیہ راندیر سورت)

قاری رضوان علی صاحب روزانہ ایک پارہ تراویح میں اور تین پارہ نوافل میں پڑھتے ہیں اور ایک پارہ تراویح میں، اور چھ پارے نوافل میں سنتے ہیں، الحمد للہ بخیر و عافیت ہیں بعد از عید انشاء اللہ ۵ر شوال کو ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ سلہٹ ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ

مکتوب نمبر ۹۰

آپ کا ارادہ حجاز مبارک ارادہ ہے مگر نہایت بے وقت جب کہ آپ پر حج فرض نہیں تو سفر طویل کا بلا ضرورت خیال کیسا؟ کیا اس میں نفسانی ہوا و ہوس خیال نہیں کی جا سکتی۔ اولاً تو میرے پاس اتنی مقدار نقود نہیں کہ آپ کے سفر کے اس عظیم الشان بار کا متحمل ہو سکوں ثانیاً آپ سے پہلے مختلف اشخاص یعنی اسحاق مولانا ظہور محمد وغیرہ درخواست کر چکے ہیں ثالثاً آپ کے لئے جب کہ آپ نے فریضہ حج ادا نہیں کیا، نیابۃً حج کرنا مکروہ ہے، اور بعض کے نزدیک ادا ہی نہیں ہوتا، اور اگر یہ موانع نہ بھی ہوتے تو میں آپ کے لئے بالفعل اس کے علاوہ دوسری صورت کو از بس ضروری سمجھتا ہوں کہ کہیں مناسب ملازمت ہاتھ آجائے اور آپ کو وہاں مقرر کر دیا جائے، میں اس فکر میں ہوں اور جلد از جلد انشاء اللہ کوئی موقع ہاتھ آجائے گا، جب کہ آپ کی استطاعت پھل اور پھول لے آئے گی، دیکھا جائے گا، آپ اس وقت سفر حجاز کے لئے بے چین نہ ہوں، اگر خدا کو منظور ہے تو میں ۸ر شوال تک دیوبند پہنچوں گا۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۹۱

حج بدل میں اس شخص کے لئے جو کہ اپنا فریضہ ادا نہیں کرچکا ہے، خلاف ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین ناجائز بتلاتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ مکروہ فرماتے ہیں، تحریماً اس کے لئے جو کہ پہلے سے مالک زاد وراحلہ تھا اور تنزیہاً اس کیلئے

(حاشیہ مکتوب نمبر ۹۱) حج کے متعلق دو اہم فتووں کے عنوان سے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی دارالعلوم کے فیصلے الجمعیۃ ۳ جولائی ۵۲ء میں شائع ہوچکے ہیں جو قارئین مکتوبات کے افادہ کے لئے درج کردیئے جاتے ہیں۔

(۱) اگر ایسا شخص حج بدل کے لئے بھیجا جائے جس نے اپنا حج فرض ہونے کیوجہ سے ادا نہیں کیا تو جائز ہے اور کراہت تنزیہی کیساتھ حج بدل ادا ہوجائیگا، شامی نے حج بدل کی بحث میں اسکو مفصل بیان کیا ہے، اور اس پر بھی بحث کی ہے کہ خانہ کعبہ دیکھنے سے حج اس پر فرض ہوتا ہے یا نہیں؟ اختلاف نقل کرکے ترجیح اسی کو دی ہے کہ حج بدل ادا ہوگا، اور ایک سال اسکو ٹھہرنیکی ضرورت نہیں ہے، حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص کو حج بدل کے لئے بھیجنا جائز ہے، جس نے اپنا حج نہ کیا ہو، مالدار ہو تو کراہت تحریمی ہے، اور فقیر ہو تو کراہت تنزیہی ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ السید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۸ ۹/۷۱ھ

(۲) جس شخص کے پاس اپنی رقم اتنی ہے کہ خود حج کرسکے اسکو حج بدل کیلئے بھیجنا جائز ہے مگر جب کہ اس نے پہلے حج نہیں کیا ہے اسکو مکروہ بتایا ہے، کیونکہ رؤیت بیت اللہ سے خود اس پر حج فرض ہوجاتا ہے، اور پھر وہ بغیر ادائے فریضہ واپس آجاتا ہے، اسلئے مکروہ بتایا ہے، لیکن یہ مسئلہ ہے کہ اگر وہ بعد ادائے حج بدل وہاں آسانی سے قیام کرسکے تو سال بھر ٹھہرے اور یہ ممکن نہ ہو کہ وہاں قیام کرسکے تو چلا آئے، اسپر ترک حج کا گناہ نہ ہوگا کیونکہ اس کا وقت اور اسکے لئے صرفہ نہیں پایا، بہتر تو یہی ہے کہ ایسے شخص کو حج بدل کیلئے بھیجا جائے جو اپنے حج سے فارغ ہوچکا ہو۔ (محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی)

جوکہ پہلے سے غیر مستطیع تھا، مگر ہر دو حالت میں فریضہ آمر ادا ہو جائے گا، البتہ مامور فقیر جب میقات پر حدود حرم میں پہنچ گیا تو اس پر حج بھی فرض ہو جائے گا۔ اب یا تو وہیں ایک سال رہ کر اگلے سال کا حج کر کے لوٹے ورنہ وطن واپس آکر حج اسلام ادا کرے ورنہ گنہگار ہوگا۔ .... والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند ۳ر صفر ۱۳۵۱ھ

مکتوب نمبر ۹۲

امیدوار ہوں کہ محنت اور شوق کے ساتھ کتب درسیہ میں مشغول رہنگے، کتابوں میں خوب مہارت پیدا کر لیجئے، علیٰ ہٰذا القیاس تقریر و تحریر میں ملکۂ تامہ حاصل ہونا چاہیئے اتباع سنت کا پورا خیال رہے، حسن خلق مع الناس نہایت ضروری چیز ہے،

والسلام .... ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔ ۱۲ر جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

مکتوب نمبر ۹۳

امور مسئولہ کا جواب حسب ذیل ہے۔

(۱) الٰہ آباد کانفرنس اول کی واپسی پر بحمد اللہ پیر بالکل اچھا ہو گیا تھا، ڈاکٹر عبد العلی صاحب نے دیکھ کر فرمایا تھا کہ اب ضرورت نہیں رہی کہ دوا استعمال کیجائے۔

(۲) اب کی مرتبہ ساتھ میں مولوی جلیل صاحب اور مولوی عبد الکریم صاحب ساتھی ہیں، قاری اصغر علی صاحب کی طبیعت بھی صاف نہیں ہے اور میں نے خود ان کو باوجود ان کی خواہش و اصرار کے ساتھ لانا بہتر نہیں سمجھا، آخر ان پر والدہ ماجدہ اور اہلیہ محترمہ اور اعزہ و اقارب اور نفس کے حقوق ہیں انکو پامال کرانا مناسب نہیں۔

(۳) تو تن حافظہ اور فہم کی بیماری میں تو میں خود مبتلا ہوں، نہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

کی ذکاوت ہے، نہ مولانا انور شاہ صاحب کا حافظہ ہے۔ پھر خفتہ را خفتہ کے کند بیدار
کا سماں ہے، میں اسمیں آپکا سہارا کس طرح بن سکتا ہوں، کوشش بلیغ جاری رکھیئے۔

"عاقبت روزے بیابی کام را"

معاصی سے بچیئے اور ہر نماز کے بعد رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي۔ سات مرتبہ پڑھ کر سینہ پر دم کرلیا کیجئے انشاء اللہ کامیابی ہوگی عمل اور بالخصوص اتباع سنت میں جان توڑ کوشش کیجئے اور جس طرح بھی ممکن ہو، اخلاص اور للہیت کا ہر کام میں پورا خیال کیجئے۔

والسلام ...... ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ سلہٹ ۲ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ

مکتوب نمبر ۹۴

میرے محترم میں آپ سے خفا اسی صورت میں ہو سکتا ہوں جب کہ آپ حقوق ذوی الحقوق میں کوتاہی اور تعدی کریں، والدہ ماجدہ دام ظلہا کو انتہا سے زیادہ آپکو خوش رکھنا چاہیئے، حد سے زیادہ ان کی خدمت کرنی چاہیئے، اب آپ بچہ نہیں ہیں، وہ ناز و انداز کا زمانہ گیا، اب آپ کا یہ مرتبہ ہرگز نہیں ہے کہ والدہ ماجدہ کو بات بات پر ڈانٹیں ڈپٹیں، ان کی دلخراشی کریں، اور زعم یہ ہو کہ میں ان کا بچہ ہوں جھک ماریں گی، میری دلجوئی کریں گی، بجز لاطاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق اور کوئی صورت ان کی حکم عدولی کی نہ ہونی چاہیئے، اور وہ بھی نہایت نرم الفاظ میں نرم طریقہ پر وان جاھداک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم۔ فلا تطعہما وصاحبہما فی الدنیا معروفا۔ وہ آپ کی جنت اور نار ہیں، خبردار، خبردار ذرا بھی ان کے دل کو نہ دکھایئے۔ آپ کا نکاح ابھی تک نہیں ہوا، اس کے لئے خرچ کی شدید ضرورت ہے، کتنا ہی کم صرف کیا جائے، مگر کم از کم زیور اور جوڑے وغیرہ کے لئے دو تین روپیہ

ازبس ضروری ہے، آپ کو جلد از جلد شادی کرنا چاہیئے۔ جاہ اور عزت کی خواستگاری میں مشغول نہ ہونا چاہیئے، غریب گھرانہ کی لڑکی خواہ ناخواندہ ہو، زیادہ مطیع اور فرمانبردار خاوند و خوش دامن کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے، امیر گھرانہ اپنے سے زیادہ مالدار اپنے سے زیادہ شریف گھرانہ کی لڑکی سب کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے اور خاوند کے لئے بات بات پر عذاب الیم اور دوزخ ثابت ہوتی ہے، آپ غریبوں میں اپنے کنبہ والوں میں نکاح کیجئے، مجھ کو قوی امید ہے کہ وہ آپ کے لئے مفید ہوگی، جاہ و عزت نام و نمود پہ خاک ڈالئے، نکاح سادہ ہو فضول خرچیاں نہ ہوں۔ اسرافات غیر صحیحہ سے بہت زیادہ گریز کرنا چاہیئے، عمل صالح اور اتباع سنت کو نہایت مضبوطی اور شدت سے پکڑنا چاہیئے۔ ذکر سے غافل نہ ہونا چاہیئے، دو دن ذکر کرنا اور چار دن چھوڑنا، غفلتوں میں عمر ضائع کرنا انتہائی خسران ہے۔ والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند ۲۲ صفر ۱۳۵۲ھ

مکتوب نمبر ۹۵

ملاقات کا اشتیاق غلطی ہے اپنے کام میں لگے رہیئے، ہمارے جیسے لاکھوں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ ؎

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است — جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق — علمیکہ راہ حق نہ نماید جہالت است

عمر عزیز کا جو حصہ ملے اس کو غنیمت سمجھئے اور ضائع نہ ہونے دیجئے، محبوب حقیقی کی یاد میں صرف کیجئے۔ ؎

ہر نفس بہرت نسیم ایست چست — گر نداری پاس او از جہل تست

من نہ کردم شما حذر بکنید؁

والسلام...... ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۰ رجمادی الاول ۱۳۵۲؁ھ

مکتوب نمبر ۹۶

اوقات کو ذکر و شغل میں معمور رکھئے، ذکر کا جو کچھ اثر ہے وہ نہایت امید افزا ہے دل لگا کر استقلال سے محنت کیجئے، تاکہ بفضل اللہ و رحمتہٖ ملکۂ راسخہ (نسبت) پیدا ہو جائے وہ کریم کارساز روزانہ ہزاروں کو نواز تا ہے، اس کے لطف و کرم سے مایوسی جائز نہیں، وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا. بشارت تو یہ ہے... والدہ ماجدہ کی تعظیم و تکریم ان کی اطاعت اور فرمانبرداری میں ذرہ برابر بھی کوتاہی روا نہ رکھئے رغم انف الذی وجد والدیہ او احدھما ثم لم یدخلاہ الجنۃ (او کما قال)..... والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۹۷

جناب مولانا ابو سعید خدا بخش صاحب ملتان کے نام

طال شوقی الی لقاءکم ایھا الغائبون عن نظری

محترم المقام زید مجدکم..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف۔

ایام عید الاضحیٰ میں دار العلوم دیوبند ہی میں رہا، کیونکہ گھٹنوں کے ثقل و کمزوری جو کہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۹۶) آخری عربی عبارت کا ترجمہ اللہ اس شخص کی ناک مٹی میں رگڑے جس نے اپنے والدین کو پایا، ان کی خدمت کا موقع ملا، مگر وہ اسکو جنت میں نہ داخل کر سکے۔

یعنی ماں باپ کی خدمت کر کے اس کو جنت میں داخل ہو جانا چاہیے تھا۔ اس نے خدمت کر کے یہ سعادت نہیں حاصل کی۔ اس سے بڑھکر بدبختی کیا ہو سکتی ہے۔

عرصہ سے ترقی پذیر اور قائم ہے، علاج کر رہا تھا منضج اواخر ذیقعدہ سے شروع ہوئے پندرہ بیس روز کے بعد چار مسہل اور تبرید ہوئی، اب دواؤں کا استعمال کر رہا ہوں اولاد کی نالائقی سے صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے، آمین، بدعا کبھی نہ کریں ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا الخ ہمیشہ ورد زبان رکھیں نیز آیت رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی الخ کا بھی ورد رکھئے۔

دریاؤں کا سیلاب ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے، ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر (الایہ) مدرسہ قاسم العلوم ملتان اور خیر المدارس کی ترقیوں سے بہت خوشی ہوئی، اللّٰھم زد فزد۔ طوبیٰ لمن جعلہ اللہ تعالیٰ مفتاحاً للخیر ومغلاقاً للشر الحدیث۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲ محرم الحرام ۱۳۷۰ھ

مکتوب نمبر ۹۸

محترم المقام زید مجدکم .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مبلغ ۵۰ روپیہ مرسلہ آنجناب پہنچے، میرے محترم یہ تکلف بالکل بے موقع ہے، میں بحمد اللہ ایک ایسی بڑی تنخواہ پاتا ہوں جو کہ ہمعصر معلمین کو عموماً نہیں ملتی، آپ حضرات کو خود ہی بال بچوں کی پرورش کی ضروریات مجبور کرتی رہتی ہیں، اس پر ایسے ناکارہ ننگ دنیا کی خبرگیری اور اتنی بڑی مقدار سے امداد واعانت کرنی اسراف کے درجہ تک ہوگی، میں امیدوار ہوں کہ کبھی ایسا نہ کیا جائے گا،

بحمد اللہ تمام ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں، آپ کو اپنے ذکر اور توجہ الی اللہ میں پورا انہماک چاہیئے، اسعد سلمہٗ مدینہ منورہ بخیریت پہونچ گئے، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں،

والسلام .... ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۹ ذیقعدہ ۶۵ھ دیوبند

مکتوب نمبر ۹۹

وقد یجمع اللہ الشتیتین بعد ما یظنان کل الظن ان لا تلاقیا

محترم المقام زید مجدکم۔

والانامہ مورخہ ۱۰ ر رمضان المبارک باعث سرفرازی ہوا، چونکہ اس مرتبہ موسم انتہائی گرم رہا، اس لئے روزے سخت واقع ہوئے، قرآن مجید کا روزانہ دور کرنا اور اس کو تراویح میں سنانے کے قابل بنانا بھی اس سخت گرمی میں انتہائی مشکل سے انجام پاتا تھا اب ۲۰ ر رمضان شریف سے موسم میں تغیر ہوا ہے، اور تھوڑی تھوڑی بارش ہونے لگی ہے، تب ذرا سہولت پیدا ہو گئی ہے، بہرحال توفیق و امداد خداوندی شامل حال رہی کہ ماہ مبارک بخیر و خوبی انجام کو پہنچ گیا، آج ۳۰ ر رمضان المبارک یوم سہ شنبہ ۲۴ ر جون ہے، کثرت ابر کی وجہ سے ۲۹ ر رمضان کو چاند نمودار نہیں ہوا اور کہیں سے قابل اعتماد خبر ہلال کی اب تک آئی۔

محترما! بفضلہ تعالیٰ میں بالکل صحیح و سالم ہوں، داہنا ہاتھ جس میں فالج کا اثر

(حاشیہ مکتوب نمبر ۹۹) سوال نمبر ۱۔ اصطلاح سلوک میں رجعت کیا ہے اور اسکے اسباب انجام کیا ہیں؟۔

سوال نمبر ۲۔ نسبت با الشیخ کے حصول کے طریق اور علامات کیا ہیں؟۔

سوال نمبر ۳۔ شرک فی الشیخ کیا ہے، اور طریق اجتناب کیا ہے؟۔

سوال نمبر ۴۔ ملکی قومی اور ملی، مفاد کے پیش نظر جماعت مودودی کے کسی جائز مطالبہ میں تائید۔ یا اشتراک ہونا چاہیئے، یا کلی اجتناب؟۔

یہ مکتوب گرامی بھی اپنے اندر بہت سے مسائل اور نکات تصوف کو سمیٹے ہوئے ہے اور ساتھ ہی شرک فی الشیخ کو جس تہ نظر اور گہرائی سے سمجھایا گیا ہے، وہ عرفاء اور کاملین ہی کا حصہ ہے، شعر کا مفہوم یہ ہے کہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اکٹھا کر دیا کرتا ہے جن کے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ کبھی جمع نہ ہوں گے۔

ہوا تھا بحمد اللہ پوری صحت پر ہے، اسی سے میں یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔ مجکو بھی احباب و اکابر کی ملاقات کا انتہائی شوق ہے مگر تقدیرات خداوندیہ کی نیرنگیوں کے سامنے سر جھکانا ہی پڑتا ہے، تاہم رحمتہائے خداوندیہ کے مظاہر عالیہ سے مایوس ہونا کسی طرح جائز نہیں ہے

الا لا یجارن اخو البلیہ فللرحمٰن الطاف خفیہ

بہرحال ہر انسان کو اللہ تعالیٰ اور صرف اللہ تعالیٰ سے دل لگانا چاہیئے، اور اسی کی محبت میں دل اور دماغ ظاہر و باطن کو منہمک اور مصروف رکھنا چاہیئے مخلوق خواہ کوئی بھی ہو، استاذ ہو یا مرشد، باپ ہو یا ماں، بیٹا ہو یا بیٹی وغیرہ سب فانی ہیں، کوئی بھی دل لگانے اور محبوب ہونے کے قابل نہیں محبوب حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بس ہے

جہاں اے برادر نہ ماند بکس دل اندر جہاں آفریں بند و بس

بابا سب سے رشتہ توڑ بابا حق سے رشتہ جوڑ

ممکن درحقیقت فنا ہی ہے، عدم اس کی حقیقت میں داخل ہے، موجود صرف واجب الوجود ہے، اس کی فریفتگی ضروری اور واجب ہے، کسی ممکن کے فراق سے مضطرب ہونا غلطی ہے، متنبہ ہوجیئے اور غیر اللہ کی محبت اور یاد میں ہرگز ہرگز عمر عزیز ضائع نہ کیجئے، امور مسئولہ عنہا کا جواب مختصر لکھتا ہوں اور صرف یاد سے لکھتا ہوں کیونکہ یہاں وطن میں کتابوں کا ذخیرہ موجود نہیں ہے، ۱۰-۱۲ دن کے بعد دیوبند واپس ہونا ہے۔

الجواب نمبر (۱) رجعت لغۃً لوٹنے کا نام ہے، اصطلاح میں ان کیفیات اور احوال کے زائل ہوجانے کو کہا جاتا ہے، جو کہ سلوک اور ذکر و ریاضت وغیرہ کی وجہ سے انسان میں اثر پذیر ہوئے تھے، اس کے اسباب معاصی اور بے ادبی

اور جناب باری عز اسمہٗ کا غضب اہل اللہ کو ستانا وغیرہ ہے، انجام اس کا محرومیت از تقرب خداوندی ہے جو کہ مراتب مختلفہ رکھتا ہے، اور کبھی کبھی سوء خاتمہ کا مقتضی ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

الجواب نمبر ۲۔ شیخ محض واسطہ فیض ربانی مثل نالیاں کشت زار ہے، اس سے تعلق ہونا ضروری ہے، ورنہ فیض کے اندر نقص یا معدومیت پیدا ہوگی، اگر کھیت کی نالی کھیت سے علیحدہ ہوگی، اس کا رخ دوسری طرف رہے گا تو ظاہر ہے کہ... پانی کھیت میں نہ پہونچے گا اسلئے بطور توحید مطلب مسترشد کو ضروری ہے مرشد سے اتنا تعلق رکھے کہ اس کو اذعان قلبی حاصل ہو جائے کہ میرا مطلب صرف اسی شیخ کے ذریعہ حاصل ہوگا اس لئے اپنی توجہ کا مرکز اسی کو بنائے اور مشائخ اگرچہ اس سے اعلیٰ اور افضل ہوں مگر حصول فیض کے اندر ان کی طرف توجہ نہ کرے، وہ مثل اس شیر خوار بچہ کے بنجائے کہ جو صرف ماں کی طرف دوڑتا ہے، اور مجمع میں ہزاروں دودھ پلانے والیاں موجود ہوتی ہیں، مگر ان کی طرف توجہ نہیں کرتا، بہرحال تعلق بالشیخ صرف توحید مطلب کا نام ہے۔ شیخ کو تمام مشائخ سے افضل و اعلیٰ اعتقاد کرنے کا نام نہیں اور یہ سلوک میں ضروری ہے، یک درگیر و محکم گیر اسی کا نام ہے اس کی علامات ظاہر ہیں کہ وہ تعظیم و تکریم تمام اہل اللہ اور اہل کمال کی کرے گا، مگر اپنی کامیابی کا سوائے مرشد کے کسی کا طالب ہوگا، اور نہ اس میں کسی غیر کی طرف توجہ کرے گا، اور نہ غیروں سے واسطہ رکھے گا اپنے آپ کو مرشد کے سامنے کالمیت فی ید الغسال بنالے گا، اور اس کی ہی ہدایت پر عمل پیرا ہوگا۔

الجواب نمبر ۳ اپنی مقصد براری (وصول الی اللہ) میں سوائے مرشد کے کسی دوسرے کو شریک کرنا اور فیما بینہ و بین اللہ واسطہ بنانا توحید مطلب کے خلاف کرنا اس کی وجہ سے شیطان کو سالک میں خلل کا راستہ ملتا ہے، شیخ کے التفات میں

میں نقص ہوتا ہے، اور بسا اوقات شیخ کا مورد غضب مطرود بن جاتا ہے۔ ؎
دو دل بودن بجز بے حاصلی نیست
کتاب امداد السلوک مصنفہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ العزیز مطالعہ فرمایئے۔
الجواب نمبر ۴۔ میں نے اس جماعت کے اصول و فروع کو بہت دیکھا یہ ایک گمراہ اور گمراہ کنندہ جماعت ہے، اگر اس کا تعلق محض سیاسیات سے ہوتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا، مگر اسنے تو نفس مذہب اور طریق اہل سنت والجماعت میں نقص و ابرام اور قطع و برید کر ڈالی اور بہت کر ڈالی، وہ ایک نیا فرقہ خلاف اہل سنت والجماعت بنا رہی ہے، اس لئے اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے، اگر وہ حکومت سے کسی ایسے مطالبہ کو لے کر کھڑی ہوتی ہے جو کہ صحیح اور شرعی ہے اور اس میں کوئی شائبہ باطل کا نہیں ہے تو اس کی تائید اور تقویت بقدر مطالبہ ہونی چاہیئے، کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن اینما وجدہا فہو احق بہا الحدیث، مگر اس طرح تائید نہ ہوگی، چاہیئے کہ اس جماعت کی شرکت معلوم ہو، اور اس کی تقویت ہو جائے، صرف اس جائز اور مشروع مقصد کی تائید ہونی چاہیئے، واللہ اعلم،

والسلام ...... ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ٹانڈہ، ۳؍ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ

مکتوب نمبر ۱۰۱

جناب سید احمد شاہ صاحب مراد آباد کے نام

محترم المقام زید مجدکم .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ف۱ دانشمندی کی بات مومن کی گمشدہ (دولت) ہے، جہاں وہ اس کو پالے تو اس کا سب سے زیادہ حقدار وہی ہے۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۰) حضرت مسیح علیہ السلام کا قول ہے کہ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" ایکی

مولانا محمد الیاس صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر تبلیغی خدمات انجام دینے کا قصد مبارک قصد ہے، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، میں دعا کرتا ہوں کہ تم اس فرض کو بلکہ اپنی خاندانی وراثت کو انجام دے سکو۔ اس مقصد کے لئے علیحدہ خط لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ خود اس کام کو کامل طریقہ پر انجام دیں گے اور اگر بالفرض ضرورت ہی سمجھو تو یہی عریضہ پیش کر دیا جائے۔ اور میری جانب سے استدعاءِ دعواتِ صالحہ پیش کر دی جائے۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ نینی جیل ۱۹۴۳ء۔

مکتوب نمبر ۱۰۱

جناب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج مبارک

والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا، حسب ارشاد تاریخ معینہ یعنی ۲۸-۲۹ کو جناب مفتی کفایت اللہ صاحب اور دوسرے حضرات کو لکھوں گا کہ وہ دیوبند ہی تشریف لے آئیں،

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۰) مثال حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ جماعت ہے جو تبلیغی جماعت کے نام سے موسوم ہے یہ جماعت بڑی مخلص اور جفاکش خاموش کام کرنے والی جماعت ہے جس کا طریقہ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کار سے بہت اشبہ ہے۔ اس جماعت کے عمائدین کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اپنے کام سے کام نہ یہ کہ اپنا دین ہی میٹھا اور دنیا کا کھٹا کہنا ان کا شیوہ ہو۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ناجائز تنقیدات سے بچائے اور بزرگوں کے احترام اور ان کی خدمات کے اعتراف کی توفیق بخشے کیونکہ ع "ہر کرا نیست ادب لائق خدمت نبود"

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۱) میرے حضرت جی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ گرامی نامہ بجواب عریضہ صدر مجلس احرار اسلام کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ الحمدللہ صدر صاحب نے اس وقت

امید قوی ہے کہ وہ حضرات میری استدعا کو شرف قبولیت بخشیں گے، اور آپ حضرات سے بھی یہی التجا ہے کہ یہاں ہی تشریف ارزانی فرماکر معزز فرمائیں۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۳ر جمادی الثانی ۶۲ھ

مکتوب نمبر ۱۰۲

جناب حافظ محمد ابراہیم صاحب مالکی دیوبند سہارنپور کے نام

محترم المقام زید عنایتکم .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کے جمادی الثانی کے خط سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید بھی ختم ہو چکا، اور نوافل میں آپ ختم بھی کر چکے، اس کو معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی: خداوند کریم آپ کو اپنے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۱) کلکتے پہنچے ہوئے ہیں، ان چند سطروں کے پیش کرنے کا فخر مجھے حاصل ہو رہا ہے، حضرت کی خدمت اقدس میں جو عریضہ ارسال کیا گیا ہے وہ محض اظہار مقصد کیلئے ہے، اب حضرت والا اپنی مرضی کے مطابق جہاں مناسب خیال فرمائیں اور جس مقام کو موزوں سمجھیں اور جن حضرات کو دعوت دینا حضرت کی نظر برکت اثر میں عزیز ہو ارشاد فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ ارشاد عالی کی تعمیل کی جائے گی، حضرت کی دعاؤں کا محتاج ہوں۔

محمد سید عطاء اللہ شاہ بخاری امرتسر۔

شیخ الاسلام مدظلہٗ العالی اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے یہ دو والانامے ہیں جب تقسیم سے قبل مجلس احرار اور جمعیۃ العلماء آپس کے مسائل میں گفتگو کر نا طے کر رہی تھی اور احرار کے ذمہ دار حضرات کے خطوط شیخ الاسلام کے پاس آئے تھے

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۲) جناب حافظ محمد ابراہیم صاحب سے ٹانڈہ میں کئی بار ملاقات ہوئی بڑے جفاکش اور جان باز مجاہد ہیں سن زیادہ ہو چکا ہے، مگر اچھے اچھے نوجوانوں کی تاب نہیں کہ کسی محنت کے کام کو ان سے بہتر اور جلد کر سکیں، ایک خدائی مشین ہے جو برابر چالو رہتی ہے۔

تفضل وکرم سے توفیق دے، کہ ہمیشہ اس کی خوشنودی طلب کرتے ہوئے نیک عمل کی کوشش کرتے رہیں، آمین۔

آپ کو خیال ہے کہ خدانخواستہ میں آپ سے خفا ہوں، بھائی صاحب خفگی کا کیا سبب ہو سکتا ہے، مگر جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں، سخت عدیم الفرصتی ہے اگر نوکری نہ کروں تو بھی نہیں گذر سکتی اور اگر نوکری کرتا ہوں تو باقیماندہ وقت خطوط کے جوابات اور کرمفرماؤں کی ملاقات اور ضروریات کو کافی نہیں ہوتا، اسوقت میرے پاس تقریباً سوا سو خطوط کا گڈھ ہے، پھر کس کس کا جواب لکھوں، آپ کیطرح سے اور بھی بہت سے حضرات جلدی جواب کے طالب ہیں، پھر سفروں کے لئے علیحدہ تقاضے رہتے ہیں۔

والدہ صاحبہ دام مجدہا کو آپ نے خوش کر لیا، یہ بہت بڑی نعمت حاصل ہوگئی اب والد صاحب کو خوش کرنے کا مرحلہ باقی ہے، ان کے حکم سے کسی معصیت میں پڑنا ہرگز جائز نہیں، ان کا مقابلہ ہرگز مت کیجئے، جہانتک ممکن ہو ان کی خدمت گذاری کرتے رہیئے، وہ برا بھلا کہیں اس کو سن لیجئے، پولیس اور فوج کی نوکری سے اگر ممکن ہو تو ضرور بچئے، ہاں کاشتکاری کرنا اچھی بات ہے، اور خصوصاً جب کہ والد صاحب اس پر اصرار فرمارہے ہیں، تو بنام خدا اس میں پورا حصہ لیجئے، اور خیال رکھئے کہ جس طرح

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۲) ماشاء اللہ قرآن مجید خوب یاد ہے بیک وقت تمام مہمانوں کی خدمت ان ہی کی کرامت ہے، سادگی کا یہ عالم ہے کہ اسٹیشن سے سامان سر پر رکھے ہوئے کوسوں کا سفر اس طرح کرتے ہیں گویا خالی ہاتھ ہیں، زیارت کے لائق بزرگ ہیں شیخ الاسلام مدظلہ کے خدام میں خصوصیت کا خاص مقام ہے کھیتی کے کام کو عموماً حقیر کہا جاتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جو مسلمان کھیتی کرے یا کوئی درخت لگائے، پھر کوئی انسان یا پرندہ، یا کوئی مویشی اس سے کچھ کھالے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہے شیخ الاسلام نے اسی جانب اپنے مکتوب میں اشارہ فرمایا ہے۔

بھی ممکن ہو قرضہ ادا کیا جائے، میں دعا کرتا ہوں اور آپ بھی اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ روزانہ کسی وقت سو مرتبہ پڑھ لیا کریں جو کچھ جائداد یا مکان ہے وہ والد صاحب ہی کا ہے، اگر انہوں نے یہ قرضہ کر لیا ہے تو آپ لوگوں کو مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے، صبر کیجئے، اور دعا کرتے رہیئے، کہ خداوند کریم ان سے وہ کام لے جس میں خوشنود ہو، اور کوشش کر کے جس طرح بھی ممکن ہو قرضہ کو ادا کرائیے، کاشتکاری کرنے میں اگرچہ محنت ہے، مگر انشاء اللہ حلال روزی ہے اس سے نہ گھبرائیے، اور نکاح کے لئے بھی رغبت ہونا اور سعی کرنا مبارک ہے۔
خداوند کریم سے دعا کرتا ہوں کہ جلد از جلد آپ کے مقاصد کو پورا کر دے۔

قوم میں جو کچھ جہالت ہے، وہ تعلیم سے انشاء اللہ آہستہ آہستہ رفع ہو گی برسوں بلکہ صدیوں کی بیماری یکبارگی نہیں جایا کرتی اسی طرح بے پردگی بھی انشاء اللہ آہستہ آہستہ رفع ہو جائے گی۔

آپ نے دوسرے خط میں جس کو رجب کو بھیجا ہے کہ غذا مطلق حلال نہیں میرے محترم آج اس حال کو ڈھونڈھنا اور حاصل کرنا جس کو اہل تقویٰ امام غزالیؒ اور دوسرے اکابر فرماتے ہیں محال ہو گیا ہے، اگرچہ صریح حرام سے بچنا ہو جائے تو یہی بسا غنیمت ہے، میرا خیال ہے کہ آپ حرام صریح سے ضرور بچتے رہیں، بیشک نفس نہایت شریر اور خبیث ہے اس کی اصلاح حتی الوسع کرنی چاہیئے، اور ذکر کی کثرت سے اس میں بہت کچھ مدد ملتی ہے، میں دعا کرتا ہوں، کاش خداوند کریم قبول فرمائے۔

جب وسواس کا غلبہ ہوا کرے تو لاحول ولا اور استغفار کی کثرت کیا کیجیے، اور خواب جب خبیث آوے تو تین دفعہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور لاحول پڑھ کر بائیں طرف تھوک دیا کیجئے اور جس کروٹ پر سوئے ہوں دوسری کروٹ بدل کر سو جائیے جس پہلے خط سے سمجھا تھا کہ پورا قرآن ختم ہو چکا ہے، مگر اس سے معلوم ہوا کہ فقط پونے

چھبیس ۲۶ ہی ہوئے ہیں، خیر اب باقی تھوڑا ہے جلد ختم کر لیجئے، نیک کام دیکھ کر خوش ہونا اور بد پر غصہ ہونا عمدہ بات ہے، مگر اپنے عیوب کو زیر نظر رکھنا ہمیشہ ضروری ہے، جس قدر جلد ممکن ہو، نکاح کر لیں، یہ دنیا اور آخرت کے لئے مفید ہے، فقط والسلام

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ از اسٹیشن لکشام ضلع کمرلا۔

مکتوب نمبر ۱۰۳

جناب چودھری حافظ محمد مختار احمد صاحب مرحوم سیوہارہ ضلع بجنور کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، میرے محترم آپ کو معلوم ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مجکو اور نہ کسی دوسرے کو اپنا جانشین بنایا ہے، بلکہ میں تو اتنا بدقسمت ہوں کہ وصال کے وقت خدمت میں موجود بھی نہ تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دو ڈھائی ہزار اپنے شاگرد اور خدام چھوڑے ہیں، ان میں سے ایک میں بھی ہوں، مجکو حضرت کے خدام نے بھی نہیں منتخب کیا، اس لئے جانشین کہنا اور سمجھنا ایک غیر واقعی اور غلط امر ہے اور پھر ہر طرح ناقابل و ناکارہ ہوں، شاہ صاحب مرحوم، مفتی کفایت اللہ صاحب مولانا

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۳) جناب چودھری صاحب مرحوم (والد ماجد مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی) حضرت قاضی محمد اسمٰعیل صاحب منگلوری قدس سرہٗ سے بیعت تھے، پھر حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھا، آخر میں حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ العزیز سے مالٹا کی واپسی پر بیعت ہو گئے تھے، وفات کے چند سال قبل حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کی طرف رجوع فرمایا تو یہ والا نامہ شرف صدور ہوا، چودھری صاحب مرحوم نے حضرت مدنی کی مستعمل لاٹھی کی فرمائش کی تھی، لاٹھی سے اسی طرف اشارہ ہے، بزرگوں کے تبرکات پر سلف صالحین کا عملدرآمد رہا ہے، پہلی جلد میں ہم نے اس پر روشنی ڈالی ہے، پاس انفاس کے طریقہ پر پہلی جلد میں کئی جگہ ذکر آگیا ہے، اس لئے اس والا نامہ سے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔

شبیر احمد صاحب، مولانا سہول صاحب، مولانا فخرالدین صاحب وغیرہ حضرات اس کے احق تر ہیں۔

میں واقعی طور پر عرض کرتا ہوں کہ میرا اپنے کو ننگ اسلاف لکھنا صرف واقعیت پر مبنی ہے، بہرحال میں ایک نالائق خادم ہوں، جناب کا ذکر کی طرف توجہ فرمانا بہت عمدہ ہے، میرے خیال میں آنجناب پاس انفاس میں مشق کریں اور پوری توجہ سے کام لیں، گھر کے انتظامات تک میں بھی حصہ بقدر ضرورت لیں۔

لاٹھی ابھی تک حکیم غلام احمد صاحب کے قبضہ میں ہے۔ وہ بیمار ہو کر دیوبند آئے ہوئے ہیں، انشاء اللہ اس کا خیال رکھوں گا، والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ۔

مکتوب نمبر ۱۰۴

جناب مولانا حاجی حبیب الرحمٰن صاحب محلہ چودھریان سیوہارہ ضلع بجنور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج مبارک

عزیزم مرغوب الرحمٰن مرحوم کے انتقال سے صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ اسکو والدین کے لئے فرط اور ذخیرہ عظیمہ فرمائے، آمین۔ یقیناً ثمرات قلوب الوالدین کا انتقال موجب حزن وملال ہے، مگر اگر غور و تدبر سے دیکھا جائے تو موجب شکر و سرور ہی کیونکہ حسب بشارات نبویہ (علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ) وہ والدین کے لئے حجاب

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۴) یہ تعزیت نامہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے صاحبزادے میاں مرغوب الرحمٰن کے انتقال پر حضرت شیخ الاسلام مدظلہٗ نے مراد آباد جیل سے تحریر فرمایا تھا، اس عبرت نامہ میں سورۃ فاطر کی آیت اور آیت سورۃ تغابن نیز لبید رضی اللہ عنہ کا عربی شعر کا مفہوم یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد سے تم کو جانچتا ہی، کہ کون ان فانی و زائل چیزوں میں پھنسکر آخرت کی باقی و دائم نعمتوں کو فراموش کرتا ہے اور

عن النار ہوتے ہوئے خود کو بھی دخول نار سے بچاتے ہیں اور والدین کو بھی، جو اولاد زندہ رہتی ہے، اور سن بلوغ کو پہنچتی ہے، اس سے والدین کا انتفاع فی الآخرہ او فی الدنیا قلیل الوجود ہے، خصوصاً ہمارے زمانہ شر و فساد میں بخلاف ان ثمراتِ فواد کے اللہ تعالیٰ خلف صالح عطا فرمائے اور پسماندگان کی عمر اور ان کے اعمال میں برکت عطا فرماکر اپنی رضا اور خوشنودی سے مالا مال کرے، آمین، بہرحال تقادیر الہیہ ہیں جو کہ ازل میں مقرر ہو چکی ہیں ان پر اضطرار اور بے چینی ہماری کمزوری ہے، رضاء برضاء الباری (عز وجل وتدبیرہ وارادتہ) فریضہ عبودیت ہے صاحب امانت کے امانت لے لینے پر حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا کا سا شکر اور استقلال عمل میں لانا ضروری ہے، دنیاوی مصائب اور تفکرات مومن کے لئے باعث صفائی عن الذنوب ہیں، من یرد اللہ بہ خیرا یصب منہ الحدیث، اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل الحدیث بشارت عظیمہ ہے خود بھی خوش ہو جیئے اور بچہ کی والدہ کو بھی مطمئن کیجئے ؎

جہاں اے برادر نہ ماند بکس ، دل اندر جہاں آفرین بند و بس

یہ قلق اضطراب غیر اللہ سے دل لگانے کا نتیجہ ہے إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ، صرف محبوب حقیقی سے دل لگنا چاہیئے ؎

الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل ، وکل نعیم لا محالۃ زائل

باقی زوائم سے دل لگایئے، اور اسی کی یاد میں محو ہو جیئے، حقوق شرعیہ سب کے سب ادا کیجئے مگر محبت صرف اللہ تعالیٰ سے رکھئے ؎

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۴) کس نے ان سامانوں کو اپنی آخرت کا ذخیرہ بنایا ہے اور وہاں کے اجر عظیم کو یہاں کے خطوط و مالوفات پر ترجیح دی ہے، کیونکہ عقل اور سمجھنے کا مقصد یہی یہ تھا کہ یہ جو کافی عمر ملی ہے آخر کس کام کیلئے ملی ہے، سیدھا راستہ اختیار کرنے کو یا غفلت میں عمر عزیز ضائع کرنیکو اسلئے تو ایسے اشخاص اور حالات بھیجے کہ ان سے سبق حاصل کیا جائے، اور تعلق مع اللہ ہی کو مقصود سمجھا جائے، باقی سب ہیچ۔

یا بار رشتہ سب سے توڑ یا بار رشتہ حق سے جوڑ

ذکر اور توجہ الی اللہ میں کمی نہ کیجئے، یہ واقعات آپ کیلئے عبرت آموز اور توجہ الی اللہ کے لئے سیڑھی ہیں، کاش ہم اور آپ ان سے سمجھیں۔ اولم نعمرکم ما یتذکر فیہ من تذکر وجاءکم النذیر الآیۃ ......

ازدیاد نعم الٰہیہ اور حفاظت نعم کے لئے سب سے عمدہ اور کارآمد طریق اشتغال بالشکر ہے فرماتے ہیں لئن شکرتم لازیدنکم زیادتی نعم کا شکر یہ کس قدر قوی اور موکد وعدہ ہے، اس لئے جس قدر ممکن ہو بالقلب واللسان شکر خداوندی میں انہماک رکھئے ......

یرزقنا اللہ وایاکم۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ

مکتوب نمبر ۱۰۵

احوال مندرجہ پر واقفیت سے بہت صدمہ ہوا، میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ شفائے کلی عطا فرمائے، اور مقاصد دارین میں کامیاب کرے آمین گھبرانا نہ چاہیئے صلوٰۃ الحاجۃ کے ہر دو طریقے صحیح ہیں، وہ اور جو دوسرا اعمال آپ کر رہے ہیں، کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازے آمین، والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۷ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۵) سیدی و مولائی و مرشدی زبدۃ الکاملین حضرت مولانا صاحب مدفیوضہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ....

آج مریضوں کی طرف سے قلب بے چین ہو رہا ہے، حضور والا کو اپنا روحانی اور شفیق باپ سمجھتا ہوں، اس وجہ سے بار بار عرض کرنے کی جرات کر جاتا ہوں، دونوں مریضوں کا دہلی علاج ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ شفا بخشے، بھائی مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب نے میرے دونوں مریضوں کو

رحاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۵) دہلی بلا لیا ہے اور مثل اولاد کے علاج کرا رہے ہیں، صبح تک کی اطلاع یہ ہے کہ ابھی تک حالات بدستور ہیں، بڑی لڑکی کو دست اور بخار کی شکایت ہے، آنتوں کی دق کا خطرہ ہے، اور مرض پرانا ہوگیا ہے۔ اس مرتبہ بہت سخت حملہ ہوا، دوسری لڑکی کی آنکھوں پر فالج تشخیص کیا گیا ہے، پلک بالکل بند ہے، پلکوں کی جان بالکل ختم ہوگئی ہے، اندر روشنی موجود ہے، علاج دہلی کے مشہور ڈاکٹر کا ہو رہا ہے بیس روز سے زاید ہو گئے ہیں مگر ابھی تک کوئی فائدہ نہیں ہے۔ حضور والا سے خصوصی دعاؤں کا بھکاری ہوں، مجھکو خیال پیدا ہوا کہ ان پریشانیوں میں نماز سے مدد لی جائے، خدا کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہیگا بدیں وجہ نماز حاجت جسکو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے قول جمیل میں نقل فرمایا ہے اور حضرت نے مجکو ایک بار اس کے پڑھنے کیلئے حکم بھی فرمایا تھا میں نے اسکو پھر شروع کر دیا ہے استقامت اور مقبولیت کی دعا فرمادیں، اس نماز کے علاوہ نماز حاجت جس کو ترمذی اور حاکم نے نقل کیا ہے وہ بھی پڑھ رہا ہوں، اول نماز دو رکعت نفل پڑھ کر خدا کی حمد الحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ مبارکا علیہ کما یحب ویرضی، تین بار نماز کا درود شریف پڑھ کر بسم اللہ الرحمن الرحیم لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ، سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَسْئَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالْغَنِیْمَۃَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَۃَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَہٗ وَلَا ھَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَہٗ وَلَا حَاجَۃً ھِیَ لَکَ رِضًا اِلَّا قَضَیْتَھَا یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔ تین بار آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم والحمد للہ رب العالمین دوسری نماز چار رکعت قول الجمیل میں ہے۔

مجیب الرحمن ۴ ۹/۶۹ ھ چہارشنبہ سیوہارہ

حضرت شیخ مدظلہ العالی کے مکتوب گرامی میں انہیں دونوں نمازوں کے بارے میں ارشاد ہے اور یہ طریقے مجرب ہیں، راقم الحروف نے بھی عمل کیا ہے، دوسرا طریقہ قول الجمیل میں ہے، وہاں سے دیکھ لیا جائے، نقل کرنا کتاب کے حجم کو بڑھانا ہے

٭ ٭ ٭

مکتوب نمبر ۱۰۶

شعر ذیل روزانہ سات مرتبہ باوضو پڑھ کر مریضہ کی آنکھوں پر دم کر دیا کریں، دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ صحتِ کلی عطا فرمائے آمین، وہ شعر یہ ہے ؎

کَمْ اَبْرَأَتْ وَصِباً بِاللَّمْسِ رَاحَتُہٗ ۔۔۔ وَاَطْلَقَتْ اَرِباً مِّنْ رِبْقَۃِ اللَّمَمِ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ از دیوبند۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۶) مولانا حاجی حبیب الرحمٰن صاحب کی نواسی کی آنکھیں جاتی رہیں اس پر موصوف نے حضرت شیخ کو لکھا تو یہ عمل تحریر فرمایا، لڑکی نے اس کو پابندی سے پڑھا، خدا نے رحم فرمایا اور بالکل اچھی ہوگئی اور آنکھیں کھل گئیں، سبحان اللہ۔

شعر کا ترجمہ یہ ہے، آپ کے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے) کفِ مبارک نے بہت سے مریضوں کو اچھا کر دیا، اور بہت سے محتاجوں کو قید جنوں سے چھڑا دیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سانپ کا کاٹنا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کے مس سے شفا پانا اور ایک عورت کے بچے کو جنون سے نجات ملنا، اسی طرح کے صدہا معجزات آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ظاہر ہونا کتب حدیث وسیر کے اندر موجود ہے، اسی کی جانب صاحب قصیدہ بردہ نے تلمیح فرمائی ہے۔ قصیدہ بردہ حضرت شیخ ابوعبداللہ شرف الدین بُصیری رضی اللہ عنہ کا وہ مشہور فصیح و بلیغ قصیدہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں آپ اپنی نظیر ہے اس قصیدہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت بُصیری قدس سرہ العزیز کو فالج پڑ گیا، اور نصف حصہ جسم کا بیکار ہوگیا، بہت تدبیریں کی گئیں، مگر شفا نصیب نہیں ہوئی آخر میں شیخ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ قصیدہ تصنیف فرمایا، جو کم و بیش ۱۶۲ اشعار پر مشتمل ہے جس کے اندر شاعر نے پوری سیرتِ نبوی کو کمال صحت اور اختصار کے ساتھ بیان کر کے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شفا کی درخواست کی اور سو رہے، خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۶) کہ دیکھا کہ مفلوج حصہ پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک کو پھیر رہے ہیں۔ شیخ جب بیدار ہوئے تو اپنے کو صحیح وسالم پایا۔ بعض عرفا وکاملین نے اس قصیدہ کو شیخ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ سے صبح ہی کو سننا چاہا، اجب کہ اور کوئی اس سے مطلع نہ ہو سکا تھا، اور پھر اس کی شہرت اس درجہ بڑھی کہ جب کسی کو کوئی معیت اور پریشانی لاحق ہوئی اس کا ورد شروع کر دیا، اور خدا نے اس قصیدہ کی برکت سے نجات بخشی چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ ملک ظاہر کے وزیر بہار الدین ننگے سر اور پا برہنہ اس قصیدہ کی سماعت فرماتے تھے، جس کی بدولت دینی اور دنیوی برکت سے مالامال ہوئے اسعد الدین فارقی جو بڑے مرتبہ کے لوگوں میں تھے، ان کی آنکھیں قریب ضائع ہونے کے ہوگئیں، خواب میں ان کو کسی کہنے والے نے مشورہ دیا کہ بہار الدین کے پاس جاکر اس قصیدہ کو اپنی آنکھوں پر رکھو، چنانچہ گئے اور آنکھوں سے لگایا، معاً خدا نے شفا بخشی، اس وقت سے یہ قصیدہ برابر علمائے سلف میں روایتاً جاری ہے اور برکت میں مشہور ہے، راقم الحروف نے اس قصیدہ کو استاذی مولانا عبدالصمد صاحب ندوی مرحوم ادیب مدرسۃ الاصلاح سرائمیر سے سبقاً سبقاً پڑھا تھا، اس قصیدہ کو بردہ کیوں کہا جاتا ہے، اہل ادب کے نزدیک اس کی متعدد توجیہات ہیں کیونکہ بردہ عربی میں اس چادر کو کہتے ہیں جسمیں متعدد رنگ اور دھاریاں ہوں اس بنا پر چونکہ قصیدہ کے اندر مضامین گوناگون ہیں، بردہ سے موسوم کیا گیا، یا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصیدہ کو خواب میں سننے اور پسند خاطر ہونے پر اپنی چادر مبارک کو شیخ ابوعبداللہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر ڈال دیا تھا، اور اسی کی بنا پر شفا ہو گئی، یہ وجہ قصیدہ بردہ کہنے کی ہو، واللہ اعلم۔ اس والا نامہ سے اس قصیدہ کی جہاں اور بہت سی برکتیں منقول ہیں مولانا حبیب الرحمن کی نواسی کا شفایاب ہونا بھی کم برکت نہیں ہے، رہ گئی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات روحانی برابر جاری ہیں، اور انشاء اللہ قیامت تک جاری رہیں گے، مرشدی حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی جو اس وقت مسلمانان عالم کے لئے مرکزی نقطۂ ہدایت ہیں ۱۲ مارچ ۱۹۵۳ء کو

مکتوب نمبر ۱۰۷

جناب مولانا محمد احمد صاحب نگینہ ضلع بجنور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کا جو یہ جی چاہتا ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت کے وقت بھی یہی مراقبہ جاری رکھوں، ثواب اور قرب میں تو کمی نہ آوے گی، ثواب اور قرب میں ان شاء اللہ تعالیٰ زیادتی ہوگی، یہ مراقبہ وفی انفسکم افلا تبصرون سے جو اعلیٰ درجہ کا ہے۔

قرآن کی تلاوت کرتے وقت تصور فرمایئے کہ ذات حق جل مجدہٗ میری زبان سے قرآن جاری فرما رہا ہے، جو کہ بلاکیف بلاکم بے چون بے چگون میرے قلب میں موجود ہے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۶) آپ کے جسم مبارک کا داہنا حصہ سن ہوگیا، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب وغیرہم اکابر، دہلی سے ڈاکٹر لے کر دیوبند تشریف لائے، ڈاکٹر نے کہا فالج کا اثر ہے علاج ہوا، خدا نے شفا بخشی، اڈیٹر رسالہ دارالعلوم دیوبند نے مدیر الصدق ملتان کو لکھا کہ حضرت مدنی مدظلہ العالی نے اس تکلیف اور عدمہ کے بعد دوسرے دن بیان فرمایا کہ آج رات خواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، داہنے ہاتھ پر دعا پڑھی اور دم کیا، فرمایا حسین احمد تشویش کی کوئی بات نہیں ہم صرف تمہاری عیادت کیلئے آئے ہیں، اللہ اللہ قبولیت کا یہ مقام اور ایک ہم ہیں کہ ؎

خواب ہستی میں کسی دن تو نظر آجایئے مدتیں گذریں کہ آنکھیں بند کر لیتا ہوں میں

تفصیل کے لئے الصدق ملتان

شعبان ۱۳۷۰ھ ملاحظہ ہو

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۷) مراقبہ پر مفصل بحث جلد اول میں گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرما لیا جائے، بس اتنا سمجھ لیا جائے کہ لفظ کے مفہوم میں اس طرح ڈوب جانا کہ سوائے اسکے کوئی چیز دھیان میں نہ رہے اسی کو مراقبہ کہتے ہیں۔

میں آپ کو اجازت[۱] دیتا ہوں کہ طالب ہدایت کو کلمۂ الخیر اور تعلیم طریقت کرتے رہیں، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد ۷ رجب ۷۲ھ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۷) [۱] شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کے خلفاء اور مجازین کی ایک لمبی فہرست ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس اجازت کے ضمن میں انکے اسمائے گرامی بھی درج کر دیئے جائیں۔

فہرست حضرات خلفاء شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ

(۱) مولوی تخلیص حسین صاحب مرحوم	سید پور	ڈاکخانہ سید پور	ضلع سلہٹ	
(۲) حاجی عبدالباری صاحب	جھنگا باڑی	″ جوڑ کھائی	″	″
۳۔ حاجی ابرو میاں صاحب	تال باڑی	ڈاکخانہ جوڑ کھائی	″	″
۴۔ مولانا بشیر احمد صاحب	باگا	ڈاکخانہ باگا	″	″
۵۔ مولوی مقتبس علی صاحب	محلہ شیخ	ڈاکخانہ بنیاچنگ	″	″
۶۔ مولوی سید عبدالخالق صاحب مرحوم	سید پور	ڈاکخانہ سید پور	″	″
۷۔ ڈاکٹر علی اصغر نوری صاحب	غفر گاؤں	ڈاکخانہ کمار گاؤں	″	″
۸۔ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب	موضع رائے پور	ڈاکخانہ دُرلب پور	″	″
۹۔ سلیمان خان صاحب مولوی بازاری			″	″
۱۰۔ مولوی عبدالرحیم صاحب	تری پاڑہ	ڈاکخانہ کنائی گھاٹ	″	″
۱۱۔ مولوی مجاہد علی صاحب	گنگا جل	ڈاکخانہ گنگا جل	″	″
۱۲۔ مولوی عبدالمتین صاحب چودھری	پھول باڑی مقیم حال ڈھاکہ لکھن		″	″
۱۳۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب	موضع دھولیا	ڈاکخانہ کاگادُرا	″	″
۱۴۔ مولوی تجمل علی صاحب	انگورا محمد پور	ڈاکخانہ کوڑا بازار	″	″
۱۵۔ مولوی علاؤالدین صاحب	بنیاچنگ	ڈاکخانہ بنیاچنگ	″	″
۱۶۔ مولوی عبدالمنان صاحب	موضع اٹھالیا	ڈاکخانہ شیتا جوڑی	″	″

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۷)

۱۷	مولوی عبد اللطیف صاحب، مولوی بازاری	موضع نالی پوی	ڈاکخانہ الکھاٹل کوڑا	ضلع سلہٹ
۱۸	مولوی سراج الحق صاحب	موضع پران گاؤں	ڈاکخانہ کایر بھنگا	// //
۱۹	مولوی عبد الحق صاحب	" غازی نگر	ڈاکخانہ پتھاریا	// //
۲۰	مولوی عبد المومن صاحب	" پران گاؤں	ڈاکخانہ کایر بھنگا	// //
۲۱	مولوی یونس علی صاحب	" رائے گڑھ	ڈاکخانہ ڈھاکہ دکھن	// //
۲۲	مولوی عبد المنان صاحب	" گنونی	ڈاکخانہ بنیاچنگ	// //
۲۳	مولوی عبد الغفار صاحب	" ممرز خانی	ڈاکخانہ منشی پاڑہ	// //
۲۴	مولوی محمد علی صاحب	" بارام پور	ڈاکخانہ منشی بازار	// //
۲۵	مولوی ریاض الرب صاحب	دھاکہ دکھن	ڈاکخانہ ڈھاکہ دکھن	// //
۲۶	مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم	ساکن چٹکھائی		// //
۲۷	مولانا حسن علی صاحب مرحوم	گورٹن گھاٹ		// //
۲۸	مولانا لطف الرحمن صاحب	حامد نگر	ڈاکخانہ بردنہ	// //
۲۹	مولانا حافظ عبد الکریم صاحب	موضع اسلام آباد	ڈاکخانہ لکھی پاشا	// //
۳۰	مولانا بدر عالم صاحب	مغل بازار مدرسہ	ڈاکخانہ مغل بازار	// //
۳۱	مولانا مسعود الحق صاحب۔ حال شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم۔ پوسٹ بکس چاٹگام ٹاؤن	پٹیا	ڈاکخانہ پٹیا	ضلع چاٹگام
۳۲	مولانا مفتی احمد الحق صاحب، مدرسہ معین الاسلام		ڈاکخانہ ہاٹ ہزاری	// //
۳۳	مولوی عبد الستار صاحب	فتح پور	ڈاکخانہ مدن ہاٹ	// //
۳۴	مولوی احمد شفیع صاحب	مدرسہ معین الاسلام	ڈاکخانہ ہاٹ ہزاری	// //
۳۵	مولوی عبید الرحمن صاحب	موضع امام نگر	ڈاکخانہ نظیر ہاٹ	// //

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۷)

۳۶	مولوی عبدالرحمن صاحب	موضع گمی	ڈاکخانہ مہامنی	ضلع چاٹگام
۳۷	مولوی محمد نعمان صاحب	ر اندھرپاڑہ	ڈاکخانہ بھائی کھن	ر ر
۳۸	مولوی محمد ادریس صاحب معرفت ایمان علی صاحب	ر سازنگ سنتوش پور	ڈاکخانہ امان اللہ	ر ر
۳۹	مولوی عبدالحلیم صاحب	پیر کھن		ر ر
۴۰	مولوی شمس الدین صاحب معرفت کیل باڑی	کنچن نگر	ڈاکخانہ کنچن پور	ر ر
۴۱	مولوی عبدالغنی صاحب	ہال سینئر مدرسہ	ڈاکخانہ شورڈانگا	ضلع پابنہ
۴۲	مولوی ریحان الدین صاحب	موضع مزید پور	ڈاکخانہ لکھی پور	ضلع نوکھالی
۴۳	مولانا دلاور حسین صاحب چاندپوری	نینی	ڈاکخانہ نینی	ر ر
۴۴	مولوی عزیز الحق صاحب	عادل پور	ڈاکخانہ چینگا تلی	ر ر
۴۵	مولوی کلیم اللہ صاحب	(مدرسہ انوار العلوم ننگل کوٹ)		ضلع ٹپرہ
۴۶	مولوی مجیب الرحمن صاحب	نینوا	ڈاکخانہ نینوا	ر ر
۴۷	مولوی علی اشرف صاحب	سیرام پور	ڈاکخانہ بنتل بازار	ر ر
۴۸	مولانا ابن الحق صاحب میمن سنگھی	جامعہ قرآنیہ	محلہ لال باغ	ڈھاکہ
۴۹	مولوی محمد یونس صاحب باقر گنجی	موضع چرخلیفہ	ڈاکخانہ ادھابلب	ضلع باقر گنج
۵۰	حافظ طیب علی صاحب مرحوم			
۵۱	مولوی عبدالواحد صاحب	موضع ماگرام	ڈاکخانہ موہنیا	ضلع کچھاڑ
۵۲	مولوی سعید علی صاحب امام مسجد درگاہ	بٹرشی	ڈاکخانہ کریم گنج	ر ر
۵۳	مولانا مقدس علی صاحب	موضع بڑی بائل	ڈاکخانہ غتیرگرام	ر ر
۵۴	مولانا عبدالجلیل صاحب شیخ الحدیث۔ دارالحدیث۔		بدرپور	ر ر
۵۵	مولانا مقصد علی صاحب	دارالعلوم	بانسکنڈی	ر ر

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۷)

۵۶ - مولوی بشارت علی صاحب	دارالعلوم بانسکنڈی		ضلع کچھار
۵۷ - مولانا احمد علی صاحب بدرپوری	شیخ الحدیث دارالعلوم بانسکنڈی		" "
۵۸ مقبول علی صاحب	بانسکنڈی		" "
۵۹ ماسٹر غلام احمد صاحب	بانسکنڈی		" "
۶۰ مولوی معین الدین صاحب مدرس دارالعلوم	بانسکنڈی		" "
۶۱ مولوی جواد علی صاحب "	بانسکنڈی		" "
۶۲ ہرمز علی صاحب	موضع نارائن پور	ڈاکخانہ ڈیبی سلچر	" "
۶۳ حافظ محمد مستقیم صاحب	محلہ بیرنگا - سلچر		" "
۶۴ حافظ مکرم علی صاحب مرحوم	بانسکنڈی		" "
۶۵ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب	موضع جالالپور	ڈاکخانہ سری گوری	" "
۶۶ حافظ شفیق الرحمٰن صاحب	بانسکنڈی		"
۶۷ مولوی قاری عبدالمطہر صاحب	ساکن بھنگا بازار	ڈاکخانہ بیرنگا سلچر	" "
۶۸ مولوی قاری عبدالصمد صاحب	موضع ٹوپی بال	ڈاکخانہ غیر گرام	" "
۶۹ مولوی عبدالمعبود صاحب ساکن مباقل مقیم حال دارالحدیث بدرپور		ڈاکخانہ بھنگا بازار	" "
۷۰ مولوی معتصم علی صاحب	موضع محمد پور	ڈاکخانہ لکھن ٹنگ پور ساوتھ لالہ	" "
۷۱ مولوی مظفر علی صاحب مدرسہ اسلامیہ الگاپور		ڈاکخانہ الگاپور بازار	" "
۷۲ مولوی عبدالحق صاحب	موضع محمد پور - ڈاکخانہ لکھن ٹنگ پور، ساوتھ لالہ		" "
۷۳ مولوی عبدالغنی صاحب عاصم گنجی	موضع ستالھری	ڈاکخانہ موہنیا	" "
۷۴ حافظ عبدالنور صاحب کریم گنجی	موضع گندنجانی	ڈاکخانہ بادڑی گرام	" "
۷۵ مولوی جلال الدین صاحب ساتولی - ساکن کھوڑا کنڈی مقیم حال گورنمنٹ ہائی اسکول - شیلانگ ۔		ڈاکخانہ کالی گنج بازار	" "

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۷)

۷۶ - حافظ عبدالرحیم صاحب ساکن ماآگرام ڈاکخانہ موہنیا ضلع کچھاڑ
۷۷ محمد نجابت علی صاحب ساکن کھدّاکنڈی ڈاکخانہ گنج بازار " "
۷۸ حاجی عبدالمالک صاحب ساکن بٹرشی ڈاکخانہ گنج " "
۷۹ - حاجی شمس الحق صاحب ساکن بٹرشی ڈاکخانہ کریم گنج " "
۸۰ - حاجی محبت علی صاحب ساکن سوناباری گھاٹ " "
۸۱ - مولوی رحیم الدین صاحب۔ امام مسجد جامع - بانسکنڈی " "
۸۲ - مولوی محسن علی صاحب، مدرس دارالعلوم، بانسکنڈی " "
۸۳ - نرمان علی صاحب بانسکنڈی " "
۸۴ - مولوی اصدر علی صاحب ساکن رویائی بالی " "
۸۵ - مولوی عبدالرزاق صاحب. انگاپور " "
۸۶ - مولوی منور علی صاحب تاراپور " "
۸۷ - مولوی امان اللہ صاحب مرحوم کریم گنجی ساکن سومرٹی کنڈی، ڈاکخانہ اشربازار " "
۸۸ - مولوی کریم الدین صاحب، ساکن بانسکنڈی " "
۸۹ - مولوی سعید احمد صاحب موضع رنگ پور ڈاکخانہ دکھن نگیر ساونھ لالہ " "
۹۰ - مولوی عبدالباری صاحب ساکن نیتائی نگر ڈاکخانہ نیتائی نگر بازار " "
۹۱ - مولوی محمد اسحاق صاحب مدرسہ عربیہ اسلامیہ مسجد ڈھاکا پٹی ساکن گڈی باڑی ڈاکخانہ دگاؤں ضلع نوگانؤں
۹۲ مولوی ضمیرالدین صاحب۔ گورنمنٹ ہائی اسکول دھوبری ضلع گوالپاڑہ
۹۳ - مولانا حافظ عبدالرحمن صاحب مرحوم - مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ
۹۴ - اظہر حسین صاحب موضع پورائن ڈاکخانہ پونسی ضلع بھاگلپور
۹۵ - حاجی محمد ایوب صاحب " چلمل ڈاکخانہ بارہ ہاٹ " "

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۷)

۹۶ - خلیل الرحمٰن صاحب موضع چلمل ڈاکخانہ بارہ ہاٹ ضلع بھاگلپور

۹۷ - مولوی محمد یعقوب صاحب " ہبورہ ڈاکخانہ سنہولا ٹ " "

۹۸ - اشرف علی صاحب " عظمت پور ڈاکخانہ نرائن پور " "

۹۹ - عبدالرحمٰن صاحب " " ڈاکخانہ نرائن پور " "

۱۰۰ - حاجی مظہر الحق صاحب سمریا " "

۱۰۱ - مولوی محمد انیر صاحب ساکن گنیتھا ٹیکر ڈاکخانہ کوبلاپرسا " "

۱۰۲ - حکیم ندا حسین صاحب موضع سمریا " "

۱۰۳ - مولانا عبدالسلام صاحب کوند ڈیہہ ڈاکخانہ پوریني " "

۱۰۴ - حاجی احمد حسن صاحب موضع سنہولی ڈاکخانہ پوریني " "

۱۰۵ - مولانا قاری فخرالدین صاحب جامعہ قاسمیہ شہر گیا۔

۱۰۶ - مولانا نبیہہ حسن صاحب موضع کرمری ڈاکخانہ پنجرانواں ضلع گیا

۱۰۷ - حاجی منہاج الدین صاحب۔ تمباکو مرچنٹ دھامی ٹولہ شہر گیا۔

۱۰۸ - مولوی عبداللہ صاحب چھپرہ ی موضع و ڈاکخانہ مانجھا اسٹیٹ ضلع سارن

۱۰۹ - حاجی محمد عاقل صاحب۔ حیا گھاٹ - بالاسپور ضلع دربھنگہ

۱۱۰ - مولوی محمد ازہر صاحب موضع و ڈاکخانہ رکتوس، براہ کمتول " "

۱۱۱ - مولوی عبدالرشید صاحب موضع مبارک پور ڈاکخانہ سلکھوا بازار ضلع مونگیر

۱۱۲ - قاری مہدی بخاری صاحب، مدرسہ تجوید القرآن جامع مسجد شہر مونگیر

۱۱۳ - مولوی ادریس صاحب موضع ذوکٹہ ڈاکخانہ اسلام پور ضلع پورنیہ

۱۱۴ - مولوی اظہر صاحب - موضع اورنگ آباد۔ ضلع گیا مقیم حال بردا ڈیہہ گرنڈیہہ ضلع ہزاری باغ

۱۱۵ - مولانا نعیم اللہ صاحب موضع کھوجے پور ڈاکخانہ ہنسور۔ ضلع فیض آباد

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۷)

۱۱۶ - مولوی عبدالجبار صاحب ہنسور ضلع فیض آباد
۱۱۷ - مولوی حافظ محمد طیب صاحب (نابینا) قصبہ کبدرسہ محلہ آمنہ بی بی کا احاطہ " "
۱۱۸ - مولوی فیض اللہ صاحب گونڈوی مدرسہ احمدیہ - مغلپورہ شہر "
۱۱۹ - مولانا ادریس صاحب استاذ ندوۃ العلماء - قصبہ نگرام ضلع لکھنؤ
۱۲۰ - مولانا محمد یونس صاحب مرحوم قصبہ بگھرہ ضلع مظفرنگر
۱۲۱ - حافظ عبداللطیف صاحب مرحوم۔ امام جامع مسجد گڑھی پختہ " "
۱۲۲ - حکیم محمد سلیمان صاحب مرحوم و مغفور موضع و ڈاکخانہ نونی غازی پور
۱۲۳ - مولانا قاری اصغر علی صاحب سہنس پوری۔ مدنی منزل دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور
۱۲۴ - مولانا سید محمود حسن صاحب موضع پیٹھر بتھا کاستھہ عرف پیٹھر کلاں " "
۱۲۵ - مولوی ہدایت علی صاحب مدرسہ ہدایت المسلمین کرہی۔ ڈاکخانہ دودھارا ضلع بستی
۱۲۶ - مولوی قطب اللہ صاحب موضع جھکیا - ڈاکخانہ کوٹ مری " "
۱۲۷ - مولوی سید محمد احمد صاحب مرحوم نگینہ " بجنور
۱۲۸ - مولوی عزیز الرحمن صاحب مہتمم یتیم خانہ شہر "
۱۲۹ - مولوی سید احمد شاہ صاحب، مرادآبادی، انٹر کالج " "
۱۳۰ - مولوی عبدالحی صاحب موضع انجان شہید ضلع اعظم گڈھ
۱۳۱ - مولوی عنایت اللہ صاحب محلہ بلاقی پورہ - مئوناتھ بھجن " "
۱۳۲ - مولوی مشتاق احمد صاحب مدرسہ دارالعلوم ناعنی دامیں پورہ " " " "
۱۳۳ - حاجی محمد احمد صاحب۔ قصبہ مہگاؤں ضلع الہ آباد
۱۳۴ - کریم بخش صاحب آزاد، دوکان جناب اکبر حسین صاحب چھپائی والی گلی کرنیل گنج شہر کانپور -
۱۳۵ - مولانا محمد اسمعیل صاحب سنبھلی مدرس مدرسہ چلّہ - امروہہ ضلع مرادآباد

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۷)

۱۳۶ - مولوی محمود احمد صاحب جامع مسجد حسن پور ضلع مرادآباد

۱۳۷ - مولانا احمد اللہ صاحب - برن پور مسلم ہائی اسکول ڈاکخانہ برن پور ضلع بردوان

۱۳۸ - مولوی عبدالخالق صاحب شانتی باغ ڈاکخانہ شیر دبائے " "

۱۳۹ - غلام محی الدین صاحب رحمت نگر ڈاکخانہ برن پور " "

۱۴۰ - مولوی عبداللہ صاحب کوارٹر ۳ لائن ۵ ڈاکخانہ برن پور " "

۱۴۱ - مولانا محمد طاہر صاحب - کریم گنجی مدرس مدرسہ عالیہ شہر کلکتہ -

۱۴۲ - حافظ عبداللطیف صاحب (نابینا) مدرسہ عربیہ اسلامیہ بیجناتھ پارا ضلع رامپور

۱۴۳ - جناب سی بشیر احمد صاحب - ۲ محمد رضا اسٹریٹ برنام بٹ ضلع شمالی ارکاٹ

۱۴۴ - " مولانا شیخ حسن صاحب مالاباری - شیخ الحدیث مدرسہ باقیات الصالحات ویلور " "

۱۴۵ - مولانا نیاز محمد صاحب مدرسہ عربیہ اسلامیہ - قصبہ نوح ضلع گوڑگاں

۱۴۶ - مولوی جمیل احمد صاحب - معرفت مولانا نیاز محمد صاحب " " "

۱۴۷ - میاں جی محمد رمضان صاحب - موضع مالب " "

۱۴۸ - جناب منشی اللہ دتہ صاحب - تبلیغی مرکز - نظام الدین نئی دہلی

۱۴۹ - قاری عبدالشکور صاحب کھنس پوری امام حوض والی مسجد نئی سڑک دہلی

۱۵۰ - مولوی خورشید احمد صاحب - قصبہ عبدالحکیم ضلع ملتان

۱۵۱ - مولوی حامد میاں صاحب دیوبندی - مسلم مسجد چوک انار کلی - لاہور

۱۵۲ - مولانا حکیم عبدالحکیم صاحب سلیمانی دواخانہ فیض باغ "

۱۵۳ - مولوی منظور حسین صاحب - بمقام بھین - تحصیل چکوال ضلع جہلم

۱۵۴ - مولوی رحمت اللہ صاحب مدرسہ عربیہ موڈ ب چک ۵ D.N.B ڈاکخانہ ہیڈ راز خان ریاست بہاولپور

۱۵۵ - مولوی عبدالحق صاحب دامانی - موضع شیر و کہنہ - ڈاکخانہ کولاچی - ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

مکتوب نمبر ۱۰۸

جناب مولانا عبدالحمید صاحب اعظمی نظام آباد ضلع اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف،

میرے محترم میں آپ سے ہرگز خفا نہیں ہوں، مگر آپ حضرات انصاف نہیں فرماتے ہیں، جلکوڑہ میں بار بار جلسے ہوئے، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب تشریف لے گئے ہیں،

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۷)

۱۵۶۔ حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب مرحوم سملک		ڈاکخانہ ڈابھیل	ضلع سورت
۱۵۷۔ مولانا عبدالصمد صاحب کاچھوی، مرحوم		"	"
۱۵۸۔ مولانا عبدالصمد صاحب	موضع وانکانیر	ڈاکخانہ باردولی	" "
۱۵۹۔ مولانا عبدالغفور صاحب قریشی، مدرسہ فوقانیہ			شہر عثمان آباد
۱۶۰۔ سید سلیمان شاہ صاحب قادری		"	"
۱۶۱۔ سید بدیع الدین صاحب		ضلع	"
۱۶۲۔ مولانا عبدالحکیم		"	"
۱۶۳۔ سید طالب علی صاحب مہتمم مدرسہ مصباح العلوم شاستور: تعلقہ لاتیر		"	"
۱۶۴۔ مولوی عبدالصمد صاحب	شاستور۔	تعلقہ عمرگہ "	"
۱۶۵۔ مولوی مظفر احمد صاحب	موضع مینگزی	ڈاکخانہ بوسیڈانگ	ضلع اکیاب
۱۶۶۔ مولانا بایزید صاحب شہید۔	رسٹن برگ	ٹرانسوال	(جنوبی افریقہ)
۱۶۷۔ صاحبزادہ محترم مولانا اسعد صاحب زید مجدکم			(باجازت خلفاء)

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۸) مولانا عبدالحمید اعظمی فاضل دیوبند ہمارے ضلع کے مشہور مقررا ور جمعیۃ علماء کے مخصوص کارکنوں میں ہیں جن سے ملک کا گوشہ گوشہ اچھی طرح واقف اور آپ کی قومی و ملکی

مولانا عبدالحلیم صاحب وغیرہ گئے، تقریریں ہوئیں، آپ خود مقرر ہیں، سنو لگھاٹ میں مجکو بار بار انتہائی مصروفیتوں کے باوجود کھینچا گیا، اتنا بڑا ملک ہے، ہر طرف سے مجھ پر حاضری کا تقاضہ ہے، دارالعلوم کی تدریس بخاری و ترمذی میرے ذمہ ہے جس کا تقاضہ یہ ہی ایک دن بھی دیوبند سے باہر نہ جاؤں، تمام دورہ کا مدار صرف ان دو کتابوں پر ہے دورہ میں ڈیڑھ سو سے زاید طلبہ ہیں، ان تمام حالات کو جانتے ہوئے آپ مجھ پر ہر خطہ میں تقاضہ کرتے ہیں، آخر میں کیا کروں، کس طرح پڑھاؤں اور کس طرح تمام اسفار کو انجام دوں اور احباب کے تقاضوں کو پورا کروں، اگر احباب سے یہ کہتا ہوں کہ دارالعلوم سے استعفا دے کر علیحدہ ہو جاؤں، تو بھی کوئی اجازت نہیں دیتا، اور اگر اپنی معذوری ظاہر کر دوں تو نہ معاف کیا جاتا ہے اور نہ گوارا کیا جاتا ہے، اور آپ لکھتے ہیں کہ تو خفا ہو گیا۔ ؎

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما

میں نے بہت کوشش کی کہ جمعیۃ کی صدارت میرے متعلق نہ کی جائے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۸) اور مذہبی خدمات کا معترف ہے آپ نے عرصہ تک صوبۂ بہار میں قیام فرما کر جو کارِ نمایاں کیا ہے، تاریخ اسکو فراموش نہیں کر سکتی ہے ۱۹۴۷ء ملک کی تقسیم کے بعد سے آج تک ملک کے ہر ہر محاذ پر آپ کا ڈٹ جانا اور قوم و ملت کی اخلاص سے خدمت کرنا رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ آپ حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے مخصوص خدام میں سے ہیں: چنانچہ آپ نے شیخ الاسلام کے قیام سلہٹ پر جو بصیرت افروز رسالہ تحریر فرمایا ہے وہ مدنی برادری کے لئے ایک دستوری حیثیت رکھتا ہے اور جس میں معمولات مدنی کے کچھ حالات کا سراغ ملتا ہی، اس الانامہ میں شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے جس صفائی سے اپنی مجبوریوں کو ظاہر فرمایا ہے اس سے پوری بے بسی حضرت شیخ مدظلہ کی ظاہر ہوتی ہے، اور ساری ذمہ داری معتقدین پر عاید ہوتی ہی، یہ تو حضرت شیخ الاسلام ہی کی کرامت تھی کہ سب کام ہوتا رہتا تھا۔

مگر کچھ شنوائی نہیں ہوئی۔ ؎

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

پاس انفاس کے لئے کوئی وقت شب کا یا دن کا مقرر نہیں ہے، روزانہ وقت معین پر کیا کریں، اور اگر کسی عارض سے اس وقت نہ ہو سکے تو دوسرے وقت میں کر لیں، مگر علاوہ وقت معین کے بھی چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، کھڑے اور لیٹے اجرا کرتے رہیں تا آنکہ بے اختیار ہر وقت ہونے لگے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ سلہٹ ۲۴؁ھ

مکتوب نمبر ۱۰۹

جناب مولانا محمد قاسم مسلم بنا صاحب سامرودی ثم الافریقی کے نام

محترم المقام زید مجدکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ برادرانِ وطن کے ان امور میں شاکی ہیں، میں ان کی برات نہیں کرتا، مگر بندہ پرور تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی، برادرانِ ملتِ اسلامیہ نے کیا کیا، کیا اور کر رہے ہیں، اس سے کیوں چشم پوشی کر رہے ہیں، کما تدین تدان، اور اس سب سے زیادہ خطرناک امر یہ ہے کہ برادرانِ ملت خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور شریعت حقہ سے

بحاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۹) راقم الحروف کو اپنی معلومات یا سیاسی واقفیت کے بارے میں کوئی غلط فہمی یا حسن ظن نہیں ہے، بلکہ اپنی بے میرزی کا اعتراف ہے اور دبی زبان سے اس بات کے کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ پاکستان کا قیام ہندوستانی مسلمانوں کے لئے وطن یا اسلامی حکومت کے قیام یا اسلامی تہذیب تمدن کے بقا کے لئے نہیں ہوا ہے، بلکہ ایشیا میں مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے استحکام یا اسکی بقا کے لئے ہوا ہے، فَاَنّٰی تُؤفَکُوْنَ اصحاب کہف کے بارے میں امام العصر مدظلہ العالی نے جو ارشادات فرمائے ہیں، یہی رائے جمہور مفسرین کی ہے، اور امام دمفسر احدی نے اسکو ترجیح

کس قدر دور ہو گئے تھے، اور دور ہوتے چلے جا رہے ہیں، جو عزت سابق میں مسلم قوم کو ملی تھی، وہ ایمان اور عملِ صالح کی بنا پر ملی تھی، اب دونوں کا معاملہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ ظاہر باہر ہے، اور تو اور جو امور شرائط نصرت خداوندی تھے، انہیں سے انتہائی بغاوت کا مظاہرہ ہے، سورہ حج میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَيَنصُرَنَّ اللهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ الآیہ - کیا قبضہ پاکستان کے بعد ہماری قوم نے ان شرائط کا کچھ خیال کیا، یا کھلم کھلا مخالفت کی اور کرتے جاتے ہیں، پھر غیروں کی شکایت کیا ہے، جب ہم نے خدا اور رسول علیہ السلام کا دامن پکڑا تھا، خدا نے بھی ہماری مدد کی، اور دنیا کی قوتوں اور بادشاہتوں کو ہمارے قدم میں ڈال دیا، اور جب ہم نے اس کو چھوڑ دیا اس نے بھی اپنا سایہ اٹھا لیا، پھر غیرت نہیں معالجہ کی فکر نہیں بلکہ طغیان روز افزوں ہے، فالی اللہ المشتکی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا" أَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ" (کیا اہل اصلاح و تقویٰ کے ہم میں موجود ہوتے ہوئے ہلاک ہو جائیں گے!) تو فرمایا کہ "نعم اذا کثرت الخبث" ہاں جب کہ فسق و فجور غالب اور کثیر ہو جائے، کیا یہی واقعہ نہیں ہے مسلم قوم کی اکثریت ہر جگہ اور بالخصوص پاکستان میں کس رنگ ڈھنگ میں ہے، خود آپ ارقام فرما رہے ہیں، پھر ماتم کیوں؟ نہ صورت اسلامی ہے، نہ سیرت "مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب" کا سماں ہر جگہ ہے۔

اصحاب کہف کے متعلق جو آپ نے لکھا ہے کہ ہندوستانی اخبارات میں میں نے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۰۹) دی ہے، مولانا آزاد مدظلہ نے اصحاب کہف وغیرہ پر بالکل انوکھی تحقیق فرمائی ہے: جو اگرچہ جمہور کے خلاف ہے لیکن دلائل کے اعتبار سے ناقابلِ انکار تحقیق ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ترجمان القرآن جلد دوم سورہ کہف۔

نہیں دیکھا، بہرحال کتب تفسیر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ ایشیائے کوچک میں واقع ہوا ہے، جس پر زمانۂ قدیم میں رومیوں کا قبضہ تھا، دمشق، اور اسکے اردگرد کے ممالک اسلام کے قبضہ سے پہلے رومیوں ہی کے قبضہ میں تھے، اس لئے مستبعد نہیں، کہ یہ واقعہ وہاں ہی ہوا ہو، شام یعنی دمشق وغیرہ ایشیاء، روم اور ایشیائے کوچک میں شمار ہوتے تھے اس زمانہ کا بادشاہ ادقیانوس تھا، واللہ اعلم۔

دارالعلوم بیر بفضلہ تعالیٰ خیریت ہی (۱۳۰۰) کے قریب اطراف وجوانب کے طلبہ پڑھ رہے ہیں تقریباً (۷۰۰) طلبہ کی امداد ورحجاء ضروریات کی کفالت مدرسہ کررہا ہے، دورۂ حدیث میں تقریباً ڈیڑھ سو طلبا ہیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ دیوبند ۷، ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ

مکتوب نمبر ۱۱۰

جناب مولانا محمد صادق صاحب مخلہ کھڈہ کراچی کے نام

سیدنا المحترم زید مجدکم

کریم بخش صاحب کی حالت کا معلوم ہونا باعث تشویش ہوا، دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ان کو شفا بخشے، اگر ہو سکے تو مندرجہ ذیل عمل کیا جائے۔

باوضو تازہ پانی پر جو کوری ہانڈی یا کورے گھڑے میں ہو سورہ فاتحہ ہر مرتبہ بسم اللہ الرحمن الرحیم بوصل میم رحیم بلا الحمد ہو ایک سو ایک مرتبہ پڑھ کر اور معوذتین گیارہ گیارہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱۰) بہت سے لوگ جو جھاڑ پھونک اور تعویذ پر اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ جمہور صحابہ تابعین اور ان کے بعد کے لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں، علامہ نسفی نے ایسی تعویذوں کے لینے دینے کو جائز رکھا ہے جو قرآن اور حدیث سے ماخوذ ہوں، ان کے الفاظ سریانی، عبرانی اور ہندی کے نہ ہوں ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۱۳۰، ۶۷ یہ عمل تپ دق اور بعض دوسرے بخاروں میں مفید ہے۔

مرتبہ اور قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ گیارہ مرتبہ پڑھ کر پھونکیں اور بوقت صبح نہار منہ قبل طلوع الشمس جسقدر پیا جائے زیادہ سے زیادہ پلائیں، اور اس کے پینے کے بعد آدھ گھنٹہ تک کوئی دوا یا غذا نہ دیں، اس کے آدھ گھنٹہ گذرجانے پرجو چاہیں کھلائیں اور پلائیں، اور باقی ماندہ ہی پانی دن اور رات میں جب بھی پیاس لگے پلایا کریں، اگلے دن صبح تک یہی پانی پلایا جائے، اگلے روز کے لئے نہ پانی باقی ماندہ کسی پاک جگہ میں جہاں پیر نہ پڑتے ہوں، گرادیں، اور دوسرا تازہ پانی حسب سابق پڑھکر استعمال کرائیں یہ عمل چالیس روز تک متواتر کیا جائے، کوراگھڑا یا برتن وہی رہیگا بدلا نہ جائے گا۔

عصر کے بعد سورۂ مجادلہ تین بار پڑھ کر ہر مرتبہ مریض پر پھونکا کریں، یہ بھی مدت چالیس روز تک عمل میں لائیں۔

یہ میرا تجربہ ہے، اس سے متعدد مایوس العلاج شفایاب ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے اور گھر کے تمام پرسان حال سے میرا اسلام مسنون عرض کردیں اس ناکارہ کو دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۵ر صفر ۱۳۷۰ھ

مکتوب نمبر ۱۱۱

جناب مولانا رحمت اللہ صاحب مدرس اشرف العلوم بڑا کٹرہ ڈھاکہ کنا پان کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مزاج شریف

والانامہ مورخہ ۲۰ر صفر ۱۳۷۰ھ باعث سرفرازی ہوا، خیر وعافیت معلوم کرکے بہت خوشی ہوئی، بالخصوص آپ کے علوم دینیہ میں مشغول ہونے سے بہت ہی زیادہ خوشی ہوئی طوبیٰ لمن جعلہ اللہ مفتاحا للخیر مغلاقا للشر، الحدیث،

میرے محترم! تعلیم حدیث و تفسیر اور دیگر علوم دینیہ میں جس قدر بھی ممکن ہو کوشش کریں، اور شروح و حواشی کے مطالعہ میں کوتاہی نہ کریں اور سب میں محض رضائے خداوندی اور احیائے سنن نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) نصب العین بنائیں حطام دنیا کو ہرگز مقصد نہ بنائیں، تعلی اور بلند مرتبی حسد اور کینہ کو ہرگز ہرگز قلب میں جگہ نہ دیں تنگدستی اور افلاس سے نہ گھبرائیں خورد و نوش وغیرہ میں صحابۂ کرام اور انبیاء علیہم السلام کی تنگی معیشت کو ہمیشہ زیر غور لا کر شکر و ثنا ء خداوندی پر عمل پیرا رہیں، لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ کو خیال میں رکھا کریں، وفقنا اللہ وایاکم جمیعا لما یحبہ و یرضاہ آمین، ذکر سے غافل نہ ہوں، عمر عزیز کا ہر لمحہ نہایت بیش قیمت جوہر ہے اس کو غفلات میں ضائع نہ کریں۔

من نہ کردم شما حذر بکنید

میں بفضلہ تعالیٰ بخیر و عافیت ہوں، صرف گھٹنے میں کچھ تکلیف چلی جاتی ہے، معالجہ جاری ہے، دیگر مشاغل علمیہ انجام دیتا ہوں، آپ بھائیوں کی دعوات صالحہ کا بہت محتاج ہوں، تمام واقفین پرسانحال سے سلام مسنون عرض کر دیں، بالخصوص مولانا عبدالاحد صاحب غازی پوری سے سلام مسنون اور استدعا ر دعوات صالحہ عرض کر دیں، مدرسہ کے دیگر مدرسین سے بھی یہی عرض ہے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ از دارالعلوم دیوبند ۳ صفر ۱۳۷۰ھ

مکتوب نمبر ۱۱۲

جناب مولانا ابا یزید صاحب شہید کے نام

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، والانامہ مورخہ ۱۵ فروری ۱۹۵۱ء کے متعلق ..

مندرجہ ذیل عرض ہے، جناب عبدالرحمن صاحب کے متعلق جو کیفیات تحریر فرمائی ہیں۔ بہت بہتر ہیں، اللہ تعالیٰ کی دین ہے، جس بندہ کو اپنے کرم و فضل سے نواز دے

عجب نہیں ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ. یُعِزُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیُذِلُّ مَنْ یَّشَآءُ
اصل میں یہ امر دو اصولوں پر مبنی ہے، اول اصل یہ ہے کہ گھر کو اولاً کوڑے کرکٹ گندگی
اور نجاستوں سے صاف اور پاک کیا جائے، اس کے بعد شہنشاہ کو لایا جائے، دوسری
اصل یہ ہے کہ شہنشاہ کو پہلے لایا جائے، اور پھر کوشش جاری رکھی جائے کہ اسکی موجودگی
برقرار رکھتے ہوئے، گھر کو صاف کرنے کی کارروائی عمل میں لائی جائے گی حضرات چشتیہ
اور قادریہ اصل اول پر عمل پیرا ہیں، اور حضرات نقشبندیہ اصل ثانی پر عمل پیرا ہیں، یہ حال
ابتدائی سالک کا ہے، انتہا میں سب کا اجتماع ہو جاتا ہے، حضرات نقشبندیہ بالخصوص
حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے لطائف کے مراکز علیحدہ قائم فرما کر ان کو ذکر اسم ذات سے
منور فرمایا اور سالک کی حضوری کو بڑھانا اپنا طریقہ رکھا ہے، حضرات چشتیہ اور قادریہ نے اولاً
نفی واثبات اور پاس انفاس وغیرہ سے قلب کی صفائی کر کے ذاتِ مقدسہ کی طرف توجہ
بڑھائے جانے کو اپنا مسلک بنایا ہے، ان حضرات کے نزدیک لطائف سب کے سب قلب کے
اندر ہیں، قلب کی صفائی اور اس کے منور بالذکر ہونے سے تمام لطائف پر اثر پڑتا ہے،
جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ
صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔ (او کما قال)

دونوں اصولوں پر سلطان الاذکار حاصل ہوتا ہے، جو کہ مبادی سلوک میں ایک
عمدہ مبدا ہے، لطائف کا جاری ہونا یا سلطان الاذکار کا حاصل ہونا مقاصد میں سے
نہیں ہے، وسائل اور ذرائع میں سے ہے، بہرحال عنایات خداوندیہ اور مرشد کی
توجہ اور اس کی ماہرینت اس راہ میں بہت زیادہ کارآمد ہے، آپ کو معلوم ہے کہ میں
نہایت نالائق اور ناکارہ ہوں، نفس اور دنیا کی نجاستوں میں مبتلا ہوں، اگرچہ بفضلہ تعالیٰ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱۲) حضرت امام العصر مدظلہ العالی مہر فاطمی کے قائل ہیں اور اسی کو ترجیح دیتے ہیں
تفصیلی بحث راقم الحروف کے نام والے خطوط میں اسی جلد کے اندر موجود ہے۔

مجکو اعلیٰ درجہ کے خدا رسیدہ اہل کمال اور خواص مقربین کے در تک پہونچنے کا شرف حاصل ہوا۔ مگر میں نے اپنی نالائقی اور کم ظرفی اور نفس پرستی سے عمر کو ضائع کیا، اور اسلاف کرام کو بدنام کیا ہے، میں اس قابل اپنی بداعمالیوں اور نالائقیوں کی وجہ سے نہیں ہوں، کہ مجھ سے بیعت کیا جائے، فقط امتثالاً لامر الاکابر کرتا ہوں، ذکر کے وقت اس تصور کو میں عرش کے نیچے بیٹھا ہوں، کوئی خصوصی دخل نہیں ہے اور منافات ہے، والد صاحب اور ہمشیرہ صاحبہ اور دیگر اعزہ و احباب سے سلام مسنون عرض کر دیں میں دعا کرتا ہوں اور آپ بھی دعوات صالحہ سے اس نابکار کی دستگیری فرماتے رہیں۔　　　　والسلام

حسین احمد غفرلہٗ از دار العلوم دیوبند ۲ مارچ ۵۱ء

مکتوب نمبر ۱۱۳

جناب عبد الجلیل صاحب دار الحدیث بدپور ضلع کچھاڑ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

والانامہ باعث عزت افزائی ہوا، یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں، مصروفیات کا بڑھنا اور خدمت خلق و دین انجام دینا جب کہ بوجہ اللہ ہو اور کسی دنیاوی اور شخصی طمع سے نہ ہو، بہت بڑی نعمت ہے، ہمت گھرائیے، الخلق عیال اللہ[۵۱] وان احب الخلق الی اللہ اکثرھم احسانا الی عیالہ (مشکوٰۃ) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضرباش ہونے والوں میں تربیت کے متعلق فرمایا گیا ہے افضلھم[۵۲] عندہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱۳) [۵۱] ترجمہ حدیث:۔ مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ ساری مخلوقات میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ کے کنبے (مخلوق) پر احسان سب سے زیادہ کرتا ہے۔ [۵۲] ترجمہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں افضل وہ مانا جاتا تھا جس کی خیر خواہی عام ہوا کرتی تھی اور

اعمّهم نصیحۃً واعظمہم منزلۃً احسنہم مواساۃً ومواز رۃً رشمائل ترمذی فرہنیاً لکم والحمدللہ، ذکر پاس انفاس میں جی لگنا اور کبھی کبھی چیخ کا آجانا، یا کبھی زور زور سے اللہ اللہ نکل جانا، جب کہ بلا اختیار اور بلا تصنع ہو بہت امید افزا ہے، مبارک ہو، انوار اور شعاعوں کا نظر آنا بھی مبارک اور امید افزا ہے شکر کیجئے ذکر جلی کا اگر شوق ہے تو مولانا سید علی سے سیکھ لیجئے اور عبادت کے ساتھ عمل میں لاتے رہیئے، دودھ کا اندر جانا بہت ہی مبارک ہے، اللہم زد فزد جو کچھ دیکھتے ہیں وہ بہتر اور امید افزا ہے۔ مگر مطلوب سوائے اللہ تعالےٰ اور اس کی رضا کے کوئی دوسرا نہ ہونا چاہیے، اسی کو طلب کیجئے اور کسی دوسری چیز سے دل نہ لگائیے بھائی صاحب کی شادی جلد اور ضرور کر دیجئے، اگر وہ مہر فاطمی نہیں مانتے تو اس وجہ سے شادی میں دیر نہ کیجئے اور جلد کر دیجئے۔ اگر کی لکڑی اب تک نہیں پہونچی، دعواتِ صالحہ سے اس نابکار ننگ خاندان کو فراموش نہ فرمائیے، واقفین دیرسانخال سے سلام مسنون عرض کر دیجئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۰ ؍ ۱۲ ؍ ۷۰ھ از دارالعلوم دیوبند

مکتوب نمبر ۱۱۴

جناب مولانا عبدالحکیم صاحب چاہ میراں روڈ محلہ فیض باغ لاہور پاکستان

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مزاج شریف۔

والانامہ مورخہ ۲ ؍ ۱۲ ؍ ۵۱ء باعثِ سرفرازی ہوا، یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں،

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱۳) آپ کے یہاں (صلی اللہ علیہ وسلم) مرتبہ کے لحاظ سے سب سے زیادہ عظیم اور بڑا ہوا وہ ہوتا تھا جو ہمدردی خلق اور لوگوں کی ذمہ داریوں کا بار برداشت کرنے میں سب سے بہتر ہوتا تھا۔

بحمداللہ خیر و عافیت سے ہوں، مشاغل ضروریہ میں حسب استطاعت معروف ہوں۔ اگرچہ کوتاہی بہت ہوتی ہے، کوئی غیر معمولی تکلیف نہیں ہے۔

غلبہ بکا ذکر کا اثر ہے، اور نسبت چشتیہ قدس اللہ اسرارہم، کا ظہور ہے، پاس انفاس کا بلا اختیار جاری ہونا انعام خداوندی ہے، اللہ تعالیٰ اور زیادتی عطا فرمائے آمین اب آپ ذکر قلبی کی طرف توجہ فرمائیں، بائیں پستان سے تین انگل نیچے قلب ہے، یہ تصور فرمائیں کہ قلب سے ذکر اسم ذات لفظ (اللہ) یا لفظ (اللہ ہو اللہ ہو) ہو رہا ہے۔ قلب عشق خداوندی کی وجہ سے بے چین ہو کر اس کا نام نامی لے رہا ہے۔ مَنْ اَحَبَّ شَیْئاً اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ۔ اس ذکر کو باوضو قبلہ رو ہو کر تنہائی میں محض خیال اور تصور سے بجالایا کریں، زبان کو حرکت نہ ہو، سانس اپنے ذکر پاس انفاس میں مشغول رہے اس سے نفیاً یا اثباتاً کوئی تعرض نہ ہو، مرکز توجہ اس وقت میں نقطہ قلب رہے اس ذکر قلبی کو بارہ ہزار سے شروع کریں، اگر ایک مجلس ہو تو بہتر ہے، ورنہ متعدد مجالس میں ۲۴ گھنٹے شب و روز میں پورا کر لیا کریں، پھر آہستہ آہستہ اس کو بڑھائیں تا آنکہ یہ بھی پاس انفاس کی طرح بلا ارادہ و اختیار جاری ہو جائے دعوات صالحہ سے اس نابکار کو فراموش نہ فرمائیں، واقفین و پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ از دارالعلوم دیوبند ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ

مکتوب نمبر ۱۱۵

جناب سید شبیر حسین صاحب رشیدی منڈی شاہ ضلع جھنگ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ، مزاج شریف۔

آپ کا والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، احوال مندرجہ سے خوشی ہوئی، آپ کا روزانہ روز؟

رکھنا اگر کمزوری محسوس نہیں ہوتی اور تمام کاروبار بخوبی انجام پاجاتے ہیں تو جاری رکھئے مراقبہ میں دھیان اور دھیان ذاتِ مقدسۂ خداوندیہ کی طرف لگائیے، وہی اسمِ ذات اللّٰہ کی مسمّیٰ ہے، وہی تمام عالموں کی پیدا کرنے والی اور سب کو پالنے والی ہر چیز کو جاننے والی اور تمام عالم میں تصرف کرنے والی ہے، سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کی محتاج نہیں وہ ہر قسم کے عیبوں سے پاک ہے، اور وہ تمام کمالات سے موصوف ہے، نور اور نار سب اس کے پیدا کئے ہوئے ہیں تو ہمیشہ اس تصور اور دھیان کو جمائے رکھئے کہ وہ ذاتِ مقدسہ میرے قلب میں موجود ہے اور جلوہ گر ہے، وہ مجھکو دیکھتی اور جانتی ہے، کوئی حالت اور کوئی خطرہ یا خیال یا ادراک یا کام اس سے چھپا ہوا نہیں ہے اسی تصور کو دل میں جمائیے، دوسری اور چیزیں خواہ روشنی اور . . . . نور ہو یا بزرگ ہستیاں وغیرہ ان کی طرف دھیان نہ کیجئے، فقط ذاتِ خداوندی جل وعلا وشانہٗ کی طرف دھیان رکھیئے ؎

ہست رب الناس را با جان ناس　　　اتصالے بے تکیف بے قیاس

جو واقعہ تین چار آدمیوں کے آنے اور اعضاء کاٹنے کا دیکھا، اس سے ہراساں نہ ہوجئے وہ امید افزا واقعہ ہے، اس ذات مقدسۂ ربانیہ کو علاوہ جو کچھ دکھائی دے اس کی طرف توجہ نہ کیجئے اور نہ اس سے لذت حاصل کیجے۔ میں دعا کرتا ہوں اللّٰہ تعالیٰ آپ کی اور ہماری سب کی دستگیری فرمائے، شریعت اور سنت کی پابندی رکھیئے کوئی کام خلاف شریعت مت کیجئے۔ مجھ ناکارہ کو دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیے، واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہدیجئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند

۱۷ ربیع الاول ۱۳۷۱ھ

✽ ✽ ✽ ✽ ✽ ✽

مکتوب نمبر ۱۱۶

آپ ذات مقدسہ کی طرف رجوع کرنے میں اشکال ذکر فرماتے ہیں، ابنائے علیہ عرض یہ ہے کہ ہر عامی مسلمان اور ہر خصوصیت رکھنے والا مسلمان سمجھتا اور یقین کرتا ہے، کہ تمام عالم اور اہل عالم کا پیدا کرنے والا کوئی ہے، جس کو ہم لفظ اللہ سے تعبیر کرتے ہیں، وہ فقط ایک ہے جو شرکت اور نقصانات وعیوب سے پاک اور منزہ ہے اور تمام کمالات سے متصف، جو اپنی تمام مصیبتوں کے دور کرنے کا خواستگار ہوتا ہے وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا نعمت، بشری زندگی، اور اسکے تمام لوازم کو عطا کرنے والا ہے، وہ سب سے بالاتر ہے؛ سب سے مستغنی ہے سب سے پہلے اور سب کے بعد اور سب کے ساتھ اپنی صفات کمالیہ اور اپنی تمام تنزیہات کے باوجود موجود ہے اور وہ تمام موجودات کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا دستِ نگر نہیں، اسی کی ذات مقدسہ کی طرف قلب میں توجہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ صراط مستقیم صفحہ ۱۰۴ میں ہے۔

" سوم کہ مراد در ینجا است کہ وجود از ایگانہ غیر تمام اشیا، ہر جا تصور کنند آن چیز با نفی کنند نزعین حق دانند شانش این کہ ہر شخص می داند کہ معنی ازاں بلفظ ہست در فارسی وہے در ہندی تعبیر می کنند ہر جا موجود است وعین ہیچ چیز نیست بلکہ غیر ہر چیز است باوجودیکہ ہیچ چیز خالی ازان نیست۔

صفحہ ۱۰۸ میں ہے۔ (در بیان یادداشت)

"حقیقتش التفات دائمی است بسوئے ذات بے چون وبے چگوں در ہمہ اوقات درنشست وبرخاست وعرض مکاسب ومصائب واوقات خوردن واشامیدن بحیثیتیکہ ہیچ امر مانع التفات نگردد و بمثابہ آنکہ ہرگاہ محبت چیزے باہتمام تمام

در دل شخصے راسخ گردد. پس در بین اشتغال بجائج ضروریہ و اعمال معاشیہ دلش کما ینبغی بسوئے ہماں امر متوجہ میماند. چنانچہ بر ہر صاحب وجدان پوشیدہ نیست پس یاد حق تبارک و تعالےٰ را باید کہ تمثیل مذکورہ را از وجدان خود دریافت نمودہ یاد داشت حق را ممتنعات عقلیہ یا عادیہ نشمارند بلکہ آن را سہل و آسان پنداشتہ کمر ہمت بر تحصیل او چست بندد۔"

خلاصہ یہ ہے کہ ذات مقدس جناب باری عزاسمہ کی تمام حوادثات سے پاک و منزہ ہے، نہ وہاں رنگ و روپ ہے، اور نہ نور و نار، نہ آواز و راگ ہے یہ سب مخلوقات اور حوادث ہیں، اس ذات بے چون و بے چگوں کو تمام صفات کمالیہ کے ساتھ دل میں جلوہ گر سمجھئے اور اسی کی طرف متوجہ ہو جیئے۔ اور اس کی توجہ کو دائمی بنائیے۔ ؎

ہست رب الناس را با جان ناس اتصالے بے تکیف بے قیاس

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ کی حالت پیدا کیجئے اور ملکۂ یاد داشت حاصل کیجئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ از دارالعلوم دیوبند ۵ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ

مکتوب نمبر ۱۱۷

جناب میر مشتاق احمد صاحب ایم ایل اے دہلی کے نام

محترم المقام زید عنایتکم

بعد از سلام مسنون عرض آنکہ والانامہ باعث سرافرازی ہوا، میں سفر میں تھا، اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی، جو کٹنگ آپ نے "ملاپ" کا بھیجا تازہ پیدا شائع نہیں کیا گیا، دفد مذکور آیا اس نے گئو رکھشا کی حمایت کی خواستگاری کی

میں نے جواب میں کہا آپ لوگ اپنی اکثریت سے جو چاہیں پاس کرا سکتے ہیں، ہم اس میں کوئی حمایت نہیں کریں گے، نہ ہم مخالفت کریں گے۔ غیر جانبدار رہیں گے انہوں نے کہا آپ کیوں اس کی حمایت نہ کریں گے، مذہبی وجہ سے یا اقتصادی وجہ سے۔ میں نے کہا کہ دونوں وجہوں سے، نہ مذہبی حیثیت سے گئو رکھشا کی حمایت کر سکتے ہیں، کیونکہ ہمارے مذہب میں حلال ہے، اور نہ اقتصادی حیثیت سے اس لئے کہ مسلمانوں کی خورد و نوش کی یہ چیز ہے، ہندوستانی غریب مسلمانوں کی خوراک تقریباً اس پر منحصر ہے، اس کے بند ہونے سے (گئو رکھشا ہونے سے) تمام غریب مسلمان طبقہ کی خوراک پر مضرت رساں اثر پڑے گا، انہوں نے کہا، کانگریس نے اس کو منع کیا ہے، میں نے کہا کانگریس نے اپنے اصول میں گائے کی اور اس کے ذبح کرنے کی ضرور اجازت دی تھی، مگر آزادی کے بعد اس نے اس میں رکاوٹیں ڈالیں، انہوں نے کہا کہ کیا قرآن میں گائے کی قربانی ہی کا حکم ہے، میں نے کہا خصوصی طور پر گائے ہی کی قربانی کا حکم تو نہیں ہے مگر جن جانوروں کی قربانی کا حکم ہے، ان میں گائے بھی ہے، انہوں نے کہا دوسرے اسلامی ممالک میں کیا ہوتا ہے کیا وہاں گائے کی قربانی ہوتی ہے میں نے کہا کہ ہم باہر کے ملکوں کو یہاں سے کیسے جان سکتے ہیں، انہوں نے کہا کہ اس کی رکھشا سے اقتصادی حالت کا سدھار ہوتا ہے، میں نے کہا یہ غلط ہے، ۱۹۳۶ء[۱] سے گائے کی قربانی اور ذبیحہ بند ہے، نہ دودھ میں ارزانی ہوئی نہ گھی میں بلکہ دونوں چیزیں پہلے سے گراں ہوتی جا رہی ہیں، کیونکہ عام طور سے دودھ بھینس کا پیا جاتا ہے اور دہی بازاروں میں فروخت ہوتا ہے اور گھی بھی عام طور سے بھینس ہی کا فروخت ہوتا ہے اور کھانوں میں بھی وہی مستعمل ہے، گئو رکھشا کی وجہ سے کوئی فائدہ گھی اور دودھ کا نہیں ہے، جیسا تجربہ بتاتا ہے، انہوں نے

---

[۱] غالباً ۱۹۴۷ء ہے۔ نقل میں غلطی ہوئی ہے۔ (مصحح)

کہا پہلے بادشاہوں کے زمانہ میں ذبیحہ گاؤ بند تھا، میں نے کہا یہ بھی غلط ہے، تاریخ اس کی غلطی کی شہادت دیتی ہے۔ بے شبہہ تاریخیں اس کے گوشت کی نہایت ارزانی ہر زمانے میں بتلاتی ہیں، اس کے بعد وہ چلے گئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۱۱۸

جناب محمد خاں صاحب کانسٹبل کامبنہ واڑہ ضلع بلند شہر کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ۔

آپ کا والا نامہ آیا، حضرت فاطمہؓ کے صاحبزادوں کو ابنی ھذا سید لعل اللہ یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین (میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا) اور دونوں صاحبزادوں امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے فرمایا، سیدا شباب اھل الجنۃ الحسن والحسین، (اہل جنت کے جوانوں کے سردار امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما ہیں) اس کی وجہ سے صاحبزادوں کو سید کہا جانے لگا، پھر ان کی اولاد کو بھی یہی لقب دیا گیا، جیسے قاضیوں کی اولاد کو قاضی، اور راجاؤں کی اولاد کو راجہ، اور بادشاہوں کی اولاد کو شاہزادہ کہا جاتا ہے، شیوخ کی اولاد کو شیخ کہتے ہیں، چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ......

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱۸) جناب محترم معظم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی دام مجدکم

خدمت برکات میں عرض ہے کہ سید کا مرتبہ کیا ہے؟ اور کہاں سے سید کا مرتبہ شروع ہوتا ہے اور اسوقت سید کا زمرہ کیا سمجھنا چاہیئے، اگر آپ نے اس کا جواب نہ دیا تو میں شیعہ یعنی مذہب اپنا میہ اختیار کر لونگا۔ اسکے جواب دہ آپ ہوں گے، جواب کا انتظار ہے، میں دس یوم تک جواب کا منتظر رہوں گا اور یہ بھی تحریر کریں کہ کبوتر سید کیوں ہے؟ حضور والا جواب سے جلد از جلد مشرف فرمائیں گے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں اور قاعدہ ہے کہ ماں باپ کو چھوٹی اولاد سے زیادہ محبت ہوتی ہے اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ رضی سے بہت زیادہ محبت تھی جتنی کہ اور صاحبزادیوں سے نہیں تھی، آپ نے فرمایا ہے کہ فاطمۃ بضعۃ منی یریبنی ما ارابہا ویؤذینی ما آذاہا فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جس چیز سے ان کو تکلیف ہوتی ہو اس سے مجکو تکلیف ہوتی ہے، اور جو چیز ان کو ستاتی ہے مجکو بھی ستاتی ہے یہ ارشاد اس وقت فرمایا جب کہ حضرت علی رضی نے ابوجہل کی لڑکی سے شادی کا ارادہ کیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے شادی کا ارادہ ترک کر دیا تھا اور جب تک حضرت فاطمہ رضی زندہ رہیں دوسری شادی نہیں کی، مسلمان ہمیشہ اسی بنا پر حضرت فاطمہ رضی کی اولاد سے محبت کرتے رہے، اور احترام کی نظر سے دیکھتے رہے، سیدوں کا رتبہ آج یہ ہے کہ اگر کوئی سید صحیح النسب اور متقی پرہیزگار، شریعت پر مضبوطی سے چلنے والا ہے تو سب کی عزت سے زیادہ عزت اور احترام کا مستحق ہو اور اگر صحیح النسب نہیں ہے۔ یا متقی و پرہیزگار شریعت کا تابعدار نہیں ہے تو نہ مستحق مسلمانوں کے احترام کا ہے، اور نہ اس کے لئے نجات اخروی کا اطمینان ہو۔ بلکہ اس کے لئے آخرۃ میں زیادہ خطرات ہیں اگر اس نے جھوٹ نسب سادات اختیار کیا ہے تو لعنت خداوندی کا مستحق ہو اور اگر باوجود صحیح النسب ہونے کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور حکم قرآن و حدیث سے بغاوت کی ہے تو بہت زیادہ عتاب کا مستحق ہے، نزدیکان را بیش بود حیرانی۔ بڑوں کی اولاد کی ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہو جیسی کہ تابعداری کرنے پر انکے مرتبے بھی بہت بڑے کئے جاتے ہیں، کبوتر نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غار ثور پر خدمت کی تھی اسکے دروازے پر گھونسلا بنا کر انڈے دیئے تھے، اور دشمنوں سے اس طرح حفاظت کی تھی، فقط والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب نمبر ۱۱۹

جناب حافظ ریاض احمد صاحب قاسمی میر لاج تکیہ سادہوان اندرون موچی دروازہ لاہور کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امور مسئولہ عنہا کا جواب ذیل ہے۔

(۱) بیشک کتاب الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب میری ہی پہلی تصنیف ہے جو کہ مولوی احمد رضا خان بریلوی کے (حسام الحرمین کے) خلاف میں لکھی گئی تھی، وہابیوں کا تذکرہ اس میں ضمناً آیا ہے، جس سے مقصود یہ ہے کہ ہمارے اسلاف افراط و تفریط دونوں سے علیحدہ ہیں، ان کا مسلک معتدل اور بین بین ہے اور اہلِ سنت والجماعت اسلاف کرام کے سچے متبع ہیں۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱۹) بخدمت حضرت شیخ الحدیث مولانا سیدنا حسین احمد مدنی مدظلہ العالی .....

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(۱) کیا کتاب الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب وہابیوں اور بریلویوں کے خلاف آپکی ہی تصنیف ہے؟

(۲) اب بھی آپ یہی مسلک رکھتے ہیں یا اس سے رجوع فرمایا ہے، جس مسلک کا آپنے اپنی اس کتاب میں اظہار کیا ہے اور محمد بن عبدالوہاب مرحوم کو آپ خارجی ہی تصور کرتے ہیں، یا متبع سنت عالم جیسا کہ آپ کے پیر مرشد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی رشیدیہ میں تحریر فرمایا ہے؟

(۳) کیا یہ درست ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے حضرت شیخ الہند مولانا و مقتدانا محمود حسن قدس سرہ العزیز کو مالٹا میں قید کر دیا تھا، ایک صاحب کہتے ہیں کہ مولانا تھانوی نے حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کے خلاف گورنمنٹ کے ہاں مخبری کی تھی، اور مولانا تھانوی سی، آئی۔ ڈی کا کام کرتے تھے، اور مشرکانہ عقائد رکھتے تھے، کیونکہ پیری مریدی کرتے تھے۔ (۴) نیز وہی صاحب

(۲) اب بھی میرا وہی مسلک ہے جو اس کتاب میں ظاہر کیا گیا ہے اور یہی مسلک میرے اسلاف کرام کا ہے، محمد بن عبدالوہاب اور اس کی جماعت کو میں نے نہیں بلکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ردالمختار حاشیہ درمختار میں جو کہ فقہ حنفی میں نہایت مستند اور مفتی بہ کتاب ہے جلد ثالث ص ۳۳۹ میں بھی لکھا ہے، صاحب ردالمختار... علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ اسی طرف کے رہنے والے اور اسی زمانہ کے ہیں، سنہ ۱۲۳۳ھ میں جب کہ محمد بن عبدالوہاب کی جماعت نے حجاز پر قبضہ اور تسلط کیا ہے وہ حج کے لئے مکہ معظمہ گئے ہیں، جیسا کہ انہوں نے جلد اول ص ۴۷۰ میں تصریح کیا ہے پس وہ جس قدر محمد بن عبدالوہاب اور اس کی جماعت سے واقف ہیں دور دور کے رہنے والے اور زمانہ مابعد میں ہونے والے اتنے واقف نہیں ہو سکتے، حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز بہت بعد کے لوگوں میں ہندوستان کے باشندہ ہیں، ان کو اس قدر اس جماعت کے احوال معلوم نہیں ہیں، چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ ص ۶۴ میں اس کی تصریح فتویٰ میں موجود ہے اور ص ۸ میں جو عبارت ان کی تحسین میں لکھی گئی ہے وہ محض سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے۔ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز اس کتاب شامی پر بہت زیادہ اعتماد فرماتے تھے، عموماً ان کے فتاویٰ اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱۹) کہتے ہیں کہ حضرت مولانا مدنی مولانا تھانوی کو صحیح مسلمان نہیں سمجھتے تھے اسی لئے میں بھی مولانا تھانوی کو اچھا نہیں سمجھتا، میں امید کرتا ہوں کہ آپ ان سوالات کے جوابات عنقریب بالتفصیل تحریر فرمائیں گے، اور آپ سے زیادہ اب کوئی ایسا آدمی نہیں جو قابل اعتماد ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری زندگیاں بھی آپ کو دیدے اور آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے آمین۔ بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم،

والسلام۔ ریاض احمد قاسمی!

عبارت درمختار ص ۳۳۹ جلد ثالث یہ ہے وخوارج وھم قوم لھم منعۃ خرجوا علیہ

(۳) یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کو مالٹا میں قید کرایا تھا، وہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور محبین میں سے تھے، البتہ تحریک آزادی ہند میں ان کی رائے خلاف تھی، انہوں نے کوئی مخبری کی اور نہ ان کو انگریزوں سے اس قسم کے تعلقات رکھنے کی کبھی نوبت آئی، ہاں مولانا مرحوم کے بھائی، محکمہ سی آئی ڈی میں بڑے عہدیدار آخیر تک رہے ان کا نام مظہر علی ہے، انہوں نے جو کچھ کیا ہو مستبعد نہیں ہے۔

مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ معاذ اللہ مشرکانہ عقاید ہرگز نہیں رکھتے تھے بہت بڑے موحد، خداپرست تھے، تصوف میں ان کا قدم بہت راسخ تھا، پیری مریدی بھی حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحب اور حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے حکم پر اور ان کی اجازت سے کرتے تھے، علم ظاہر میں بھی ان کا قدم بہت راسخ تھا،

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱۹) بتاویل یرون انہ علی باطل کفر او معصیۃ توجب قتالہ بتاویلھم یستحلون دماءنا واموالنا یسبون نساءنا ویکفرون اصحاب نبینا صلی اللہ علیہ وسلم وحکمھم حکم البغاۃ باجماع الفقھاء کما حققہ فی الفتح وانالم نکفرھم لکونہ عن تاویل وان کان باطلا بخلاف المستحل بلا تاویل کما مر فی باب الاما متہ قولہ بتاویل ای بدلیل یاولونہ علی خلاف ظاھرہ کما وقع للخوارج الذین خرجوا من عسکر علی رضی اللہ عنہ علیہ بزعمھم انہ کفر ھو ومن معہ من الصحابۃ حیث حکم جماعۃ فی امر الحرب الواقع بینہ وبین معاویۃ رضی اللہ عنہ وقالوا ان الحکم الا للہ ومذھبھم ان مرتکب الکبیرۃ کافر وان التحکیم کبیرۃ لشبہ قامت لھم استدلوا بھا مذکورۃ مع ردھا فی کتب العقائد اھ۔ قولہ ویکفرون اصحاب نبینا صلی اللہ علیہ وسلم علمت ان ھذا غیر شرط فی مسمی الخوارج بل ھو بیان لمن خرجوا علی سیدنا علی رضی اللہ عنہ

حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ العزیز کی مالٹا میں قید اُن کے کارناموں اور انگریز دشمنی اور آزادیٔ ہند کی جانبازانہ جدوجہد نے کرایا تھا جس کی کچھ تفصیل رولٹ رپورٹ میں لسباسار یشمی خط موجود ہے، ان کے متعلق اس قدر رپورٹیں فرنٹیر اور صوبہ یوپی کے سی، آئی، ڈی کی تھیں کہ ان کا مجموعہ ہم کو قاہرہ میں بیان لیتے وقت۔ انگریزی افسر نے ایک بڑی ضخیم کتاب کی صورت میں دکھایا تھا اور اسی کو دیکھ دیکھ کر ہم سے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوالات کرتا تھا، اس میں فرنٹیر کے سی، آئی ڈی کی رپورٹیں بہت زیادہ ہیں

(۴) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نہ صرف صحیح مسلمان ہونے کا معتقد ہوں، بلکہ ان کو بہت بڑا عالم باعمل اور صوفی کامل جانتا ہوں۔ ہاں ان کی رائے دربارۂ تحریک آزادی ہند غلط سمجھتا ہوں اس بارہ میں میرا یقین کامل ہے کہ میرے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ العزیز کی رائے نہایت صحیح اور واجب الاتباع تھی یہ غلطی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اجتہادی غلطی جانتا ہوں جس کی وجہ سے حضرت تھانوی مرحوم کی شان میں نہ میں گستاخی کرتا ہوں اور نہ کسی کی گستاخی کو روا رکھتا ہوں۔ والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، دیوبند ۴ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱۶) ولا یکفی فیہم اعتقادہم کفر من خرجوا علیہ کما وقع فی زماننا فی اتباع عبدالوہاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذاہب الحنابلۃ لکنہم اعتقدوا انہم ہم المسلمون وان من خالف اعتقادہم مشرکون واستباحوا بذالک قتل اہل السنۃ وقتل علمائہم حتی کسر اللہ شوکتہم وخرب بلادہم وظفر بہم عساکر المسلمین عام ثلاث وثلاثین ومائتین والف اھ۔

مکتوب نمبر ۱۲۰

جناب مولانا سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری دارالارشاد علیم آباد رای چوٹی ضلع کڈپہ مدراس کے نام

محترم المقام زید مجدکم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج مبارک۔

مُسلکہ والانامہ ماہ شعبان میں آیا تھا، وہ زمانہ انتہائی عدیم الفرصتی کا تھا۔ مجکو اس زمانہ میں بعض امراض سے بھی ابتلاء واقع ہوا تھا، جواباً عرض ہے۔

میں مودودی صاحب اور ان کے لٹریچر اور ان کی جماعت کو سخت گمراہ اور ضال اور مضل سمجھتا ہوں۔ مجکو جس قدر بھی ان کی تصانیف دیکھنے کی نوبت آئی، اسی قدر میرا گمان متعلق عقیدہ بڑھتا گیا، اگر آپ کی توجہ صادق ہے تو اعلان فرمائے اور اخباروں میں شائع کرا دیجئے کہ میں مودودی صاحب اور ان کی جماعت کو سخت

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۰) حضرت اقدس مخدومی و مطاعی مدالله فیضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یہ ناکارہ خلائق آوارہ بہ علائق اب گذشتہ شعبان کے بعد سے اپنے ذہن کو یکسو کرلیا ہے اور بے شرط و بے تحفظ اپنے وجود کو حوالہ خدا کرنے کا قصد کرلیا ہے، دربار عالی میں حاضری اور قدم بوسی کی اجازت مرحمت فرمائی جائے، تمام بزرگان سلسلہ کو واسطہ بنا کر درخواست کرتا ہوں، میرے بزرگان خاندان کی تمنائیں بھی یہی تھیں، کمترین خدام بارگاہ حسینی (صبغۃ اللہ)

مولانا بختیاری کا اعلان بیزاری، (مدینہ مورخہ ۱۷ مارچ سنہ ۱۹۵۳ء)

مولانا سید صبغۃ اللہ بختیاری علاقہ اندھرا جنوبی ہند اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ انکو جماعت اسلامی کے نام سے جو مجموعۂ افراد کی تنظیم ہے اُن سے کوئی علاقہ نہیں رہا بعض وجوہ کی بنا پر پہلے "دل ٹوٹ گیا پھر قالب" الگ ہو چکا ہے، اور اس امر کا اعلان بھی کرتا ہوں کہ قرآن حدیث فقہ تصوف ان علوم دینیہ اربعہ کے بغیر ہند میں تحریک اسلامی کا نام لینا مشکل ہے اور

ضال اور مضل سمجھتا ہوں، اور اس لئے میں ان سے علیحدہ رہتا ہوں مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس جماعت سے علیحدہ رہیں، ان کی تلبیسات میں نہ آئیں اور سلف صالحین کی متبع ہو کر احیاء شریعت حقہ اور اتباع سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سرگرم عمل رہیں، وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ :- والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند ۳ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ

مکتوب نمبر ۱۲۱

جناب مولانا محمد سعید صاحب گذری روڈ کراچی پاکستان کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ۔

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی طرف جو مضمون انکار ختم نبوت زمانی کا نسبت کیا گیا ہے، بالکل جھوٹ اور افترا ہے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۰) چند خالی الذہن افراد احاد کا مہیا ہو جانا کافی نہیں، جب تک کہ اصحاب تفقہ کا اجتماع نہ ہو جائے تبلیغ دعوت و اصلاح کے اہم کام انجام نہیں پا سکتے۔ وہو الموفق

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۱) بخدمت اقدس جناب مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی السلام علیکم۔

ابھی چند روز ہوئے کہ ایک پمفلٹ میری نظر سے گزرا جو شاید سلسلہ احمدیہ کی جانب سے شائع ہوا تھا، اس میں دیوبند کے بانی صاحب کے کچھ اقتباسات درج ہیں جن کا مطلب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے نبوت ختم نہیں ہو جاتی، جناب عالی، آپ کی برگزیدہ ہستی دیوبند کی ممتاز ہستی ہے، یہی وجہ ہے کہ میں نے یہ خط لکھ کر آپ کو زحمت دینے کی کوشش کی ہے، جناب سے التماس ہے کہ براہ کرم اپنے قیمتی اوقات سے کچھ منٹ نکال کر ذرا مجھے یہ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمادیں کہ کیا واقعی کوئی دوسرا نبی صرف قوم کی اصلاح کے لئے آسکتا ہے؟ اور اگر بار گراں نہ گزرے تو ذرا اس کی بھی وضاحت فرمادیجئے کہ کیا حضرت عیسیٰ دوبارہ آئیں گے اور قوم کی اصلاح کریں گے

حضرت مولانا مرحوم تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تین قسم کی خاتمیت ثابت کرتے ہیں خاتمیت (ذاتی امرتبی) خاتمیت مکانی اور خاتمیت زمانی کو قطعی ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو اس کا منکر ہے وہ کافر ہے، دائرۂ اسلام سے خارج ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ نبوت تمام انبیاء سے آخر میں واقع ہوا ہے، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے جو شخص اس کو نہ مانے اور انکار کرے وہ مسلمان نہیں ہے، حضرت مولانا مرحوم ص ۹ سے خاتمیت زمانی کے عقلی دلائل شروع فرماکر ص ۱۰ میں بطور نتیجہ ارشاد فرماتے ہیں.....

تحذیر الناس ص ۱۰ میں مندرجہ ذیل عبارت ہے۔

"سو اگر استغراق اور عموم ہے، (یعنی لفظ خاتم النبیین مذکورہ آیت میں) تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے، ورنہ لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے، ادہر تصریحات نبوی مثل انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی اوکما قال، جو بظاہر بطرز مذکور اسی خاتم النبیین سے ماخوذ ہے، اس باب میں کافی رہا کیونکہ یہ مضمون درجۂ تواتر کو پہنچ گیا ہے، پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہوگیا، گو الفاظ مذکور بسند متواتر منقول نہ ہوں اور یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا، جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض ووتر وغیرہ باوجودیکہ الفاظ احادیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں، جیسا اس کا منکر کافر ہے ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔" (تحذیر الناس ص ۱۰ مطبوعہ قاسمی پریس)

صفحہ ۲۱ میں فرماتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۱) کیا وہ ابھی تک زندہ ہیں، اور اگر زندہ ہیں اور دوبارہ آئیں گے تو انکی پوزیشن کیا ہوگی، امید ہے کہ جناب اس کی وضاحت فرماکر حد درجہ مشکور اور ممنون فرمائیں گے۔

(محمد سعید)

ہر حادث زمانی کے لئے ایک عمر کہ جس کی وجہ سے محققان صوفیہ کرام ہر حادث میں قائل تجدد امثال ہوتے ہیں کیونکہ زمانہ ایک حرکت ہے، چنانچہ اس کا منتج وغیر قار الذات ہونا بھی اس کا مؤید ہے، اس صورت میں مسافات متعددہ اور حرکات متعددہ منجملہ حرکات سلسلہ نبوت بھی تھی سو بوجہ حصول مقصود اعظم ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم مبدل بہ سکون ہوئی، اور حرکتیں البتہ باقی ہیں اور زمانہ آخر میں آپ کے ظہور کی ایک یہ بھی وجہ ہے۔ (تحذیر الناس صفحہ ۱۱۰ مطبوعہ قاسمی پریس)

مندرجہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ جب کہ حرکت سلسلہ نبوت ختم ہو کر مبدل بہ سکون ہو گئی۔ تو پھر کوئی نبی کیونکر آ سکتا ہے۔ حضرت مولانا کی تحریرات میں متعدد مقامات پر آپ کی خاتمیت زمانی کا زور شور سے اقرار کیا گیا اور آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کے امکان کا سختی سے انکار موجود ہے۔ دیکھو مناظرہ عجیبہ اور ہدیۃ الشیعہ وغیرہ رسالہ تحذیر الناس میں عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ تمام انبیاء سے اونچا اور آخری ہے آپ سے اوپر کسی نبی کا مرتبہ نہیں ہے اور آپ کا زمانہ سب سے آخر ہے، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور اسی طرح آپ کا مکان اور وہ زمین جس میں آپ مبعوث ہوئے۔

احادیث صحیحہ قویہ دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور آخیر زمانہ میں اتریں گے، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے متبع ہو کر قیام فرمائیں گے۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔ دیو بند ۲ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ

مکتوب نمبر ۱۲۲

جناب مولانا عبد الحق صاحب مدنی مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد کے نام

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام للہ ما اخذ وما اعطیٰ فلتصبر ولتحتسب:

وما المال والاھلون الا ودیعۃ ولابد یوما ان ترد الودائع

عزیز محترم سلمکم اللہ تعالیٰ ورقاکم علی المرضاء المرادات بفضلہ ومنہ آمین۔

واقعہ میں میں خطاوار ہوں، کہ آپ کو تعزیت نامہ نہیں بھیجا، مگر مختلف ذرائع سے بار بار خبر پہنچتی رہی کہ آپ یہاں آنے کا ارادہ کر رہے ہیں، اس لئے مجھ سے تقصیر ہوئی اور انتہائی عدیم الفرصتی اور بھی اس کی باعث بنی، بہرحال میں قصوروار ہوں اور معافی کا طالب

میرے محترم! مجھے سخت تعجب آپ کی حالت سے ہوتا ہے، آپ کو غیر اللہ سے اس قدر تعلق کیوں ہے؛ اپنا نفس ہو، اپنی اولاد ہو، اعزہ واقارب ہوں سب کے سب فانی اور غیر محبوب حقیقی ہیں۔ ان سے دل لگانا سخت غلطی ہے: دل میں جگہ اور محبت صرف اللہ تعالیٰ کی ہونی چاہیئے۔ شرعی حقوق سب کے ادا کیجئے مگر دل میں جگہ اللہ تعالیٰ کو اور صرف اللہ تعالیٰ کو دیجئے، لا الٰہ الا اللہ کی ضرب نفی و اثبات کو عمل میں لائیے اور غیر اللہ کو دل سے نکال دیجئے، کوئی بھی اس کے سوا قابلِ محبت نہیں ہے۔ وہ قلق اور بے چینی جو آپ کے قلب اور دماغ پر مستولی ہے۔ نہایت غلط اور قابلِ ملامت ہے۔ من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت: مادیہ مرحومہ مریم نزیہ یحییٰ اسماعیل ان کی والدہ سلمہم اللہ تعالیٰ سب کے سب فانی غیر اللہ ہیں، سب کو دل سے نکالئے اور حی باقی دائم لا شریک لہ کی یاد اور حضورِ دائم میں مشغول ہو جیئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

کیا آپ کے پیش نظر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو صحیحین میں مذکور ہے عبرت کیواسطے کافی نہیں ہے، انہوں نے بچہ کو نہلایا، کفنایا، اور ایک طرف جنازہ چھپا کر رکھدیا بعد خود نہائیں، عمدہ کپڑے پہنے خوشبو لگائی، اور خاوند کی راحت کا سامان کیا، خاوند (ابو طلحہ رضی اللہ عنہ) کے پوچھنے پر ایسے الفاظ کہے جس سے افاقہ اور اطمینان ہوتا تھا اور صبح کو امانت کی واپسی کا مطالبہ مالک کا پیش کر کے خاوند کو تکفین و تدفین کی تلقین کی، اور مطالبہ کیا۔ کیا آپ ماں کا صبر و استقلال نہیں دیکھتے، آپ کو کیوں مرحوم کی اس قدر بے چینی اور قلق ہے۔ مالک الملک کو سپرد کیجئے اور اس کی یاد میں کوتاہی مت کیجئے، انما الصبر عند الصدمة الاولیٰ ہر قسم کی بے چینی کو دل سے نکالدیجئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، یہ دنیا دار کدر ہے کسی کے لئے اس میں صفا نہیں ہوئی بلکہ حسب ارشاد اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل جسقدر قرب ہے اسیقدر مصائب اور کدورات ہیں اور حسب ارشاد وما من شئی یصیب المومن من نصب لا حزن ولا وصب حتی الھم یھمہ لکفر اللہ بہ عنہ سیاتہ الحدیث وارشاد لایصیب المومن شوکۃ فما فوقہا الارفعہ اللہ بہا درجۃ وحط عنہ بہا خطیئۃ الحدیث، یہ سب باعث تزکیہ و تطہیر اور باعث رفع درجات ہیں، ان سے کیوں غافل ہوتے ہیں، اور اگر اس پر راضی نہیں ہیں تو اما ان تغنی بقضاء اللہ قدرہ والانقم وحاربہ، صبر جمیل کیجئے، اور ہر چیز میں توسط اور تقصد کو اختیار کیجئے، کان اللہ فی عوننا وعونکم آمین، ماریہ مرحومہ کے لئے دعاء و استغفار کیجئے۔

گھر میں اور بچوں کو میرا اور میرے متعلقین کا سلام مسنون کہدیجئے۔ مریم سے بھی سلام مسنون اور دعوات صالحہ سے اس نابکار اور سگ دنیا کو فراموش نہ فرمایئے

خویدنکم ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ از دارالعلوم دیوبند ۲ ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ

مکتوب نمبر ۱۲۳

جناب مولانا عبد الحمید صاحب اکبر پور ضلع سیتاپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج مبارک

آپ کا مفصل اور طویل والا نامہ محررہ ۱۱ رشوال مجکو ملا تھا، احوال مندرجہ سے آگاہی ہوئی، میں شوال کی ۲۴-۲۵ تاریخ کو اعذار کی وجہ سے پہونچا تھا میرے پہونچنے سے تین دن پہلے اسباق شروع کرا دیئے گئے تھے، بنا بریں پہونچنے کے اگلے دن مجکو بھی شروع کرا دینا پڑا۔ پھر اس قدر مصروفیتیں لگاتار پیش آئیں کہ جواب میں تاخیر پہ تاخیر ہوتی رہی، معافی کا خواستگار ہوں۔

محترما! سنی سنائی باتوں پر اعتماد نہ کیجئے، میں ایک معمولی طالب علم ہوں میں ولی، بزرگ، قابلِ ارشاد، صاحب کشف وکرامات نہیں ہوں، تمام عمر لہو لعب، کھانے پینے، سونے نفس پرستی دنیا طلبی میں مثل بہائم گذری ہے اور گذر رہی ہے اس سے بڑھ کر دنیا طلبی کیا ہوگی کہ کتب دینیہ حدیث شریف وغیرہ تنخواہ لے کر پڑھاتا ہوں، اور تنخواہ بھی معمولی نہیں ہے صدہا ماہوار۔ بیشک فضل وکرم خداوندی سے باکمال اہل اللہ کے جوتوں کے سیدھے کرنے کا شرف حاصل ہوا مگر حسب ارشاد:۔

تہیدستانِ قسمت راچہ سود از رہبر کامل   خضر از آبِ حیوان تشنہ می آرد سکندر را

خالی رہا، لوگ حسن ظن عمل میں لا رہے ہیں، اور انہوں نے آپ کو بھی گمراہ کیا ہے میں جو کچھ حقیقت اپنی بتلاتا ہوں واقعہ یہی ہے، اگر میرے صحیح معائب پر آپ مطلع ہو جائیں تو اسقدر نفرت مجھ سے کرنے لگیں جیسی کہ سور اور کتے سے کرتے ہیں یا اس سے زیادہ۔ اگر کرم و فضل خداوندی شامل حال ہوا تو مجکو امید نجات ہو سکتی ہے ورنہ انتہائی خطرناک حالت ہے اسلئے

آپ کسی کامل تارک الدنیا اللہ والے کو تلاش کریں، امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) اللہ والوں سے خالی نہیں رہ سکتی اور اگر بالفرض آپ کو کوئی ایسا نہ ملتا ہو، تو ایسے نالائق و نابکار کے پھندے میں تو نہ پھنسئے ؎

کس نیاید بزیر سایۂ بوم　　　ورہما از جہاں شود معدوم

میرے بال سفید ہو گئے، اعضاء میں کمزوری بے حد آگئی، پچہتر سال سے عمر زیادہ ہو گئی، مگر ہنوز بر روز اول ہے ؎

قوت تمام گشت و بپایاں رسید عمر　　　ما ہمچناں در اول راہش فتادہ ایم

میں مخلصانہ اور ہمدردانہ آپ کو لکھتا ہوں آپ گوہر مقصود تلاش کیجئے اور اس تگ و دو میں لگے رہئے، اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے گا، ورنہ آپ معذور ہوں گے، آپ کو بوقت پیشی یہ عذر معقول ہوگا۔ والسلام دعوات صالحہ سے اس نابکار و روسیاہ کو فراموش نہ فرمائیے، واقفین و پرسان حال سے سلام مسنون کہیئے۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ از دارالعلوم دیوبند ۳ رذی الحجہ ۱۳۷۱ھ

مکتوب نمبر ۱۲۴

جناب مولانا شمس الدین صاحب مبارک پور اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

محمد امین صاحب انصاری کے لئے بھی وہی طریقہ تمک پر ایک ہزار ایک مرتبہ آیت وَاِذْ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۴) مولانا شمس الدین صاحب نائب ناظم و مدرس مدرسہ احیاء العلوم حضرت شیخ مدنی مدظلہٗ العالی کے خدام میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں، اور مدرسہ مذکور کے روح رواں ہیں، بزرگوں سے خاص عقیدت ان کی زندگی کا جزء لاینفک ہے، بڑے جفاکش سپاہی ہیں، مذہب کا درد اور تبلیغ کا جوش اور سلیقہ بھی اچھا خاصا ہے، حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی ذات

فَتَنَتُم نَفسًا ...... تَعقِلُونَ - تک باوضو پڑھ کر پھونکنے اور پھر کھانے میں ملا کر کھانے کا استعمال فرمایئے، انشاء اللہ تعالیٰ اگر سحر ہی یا آسیب ہے زائل ہو جائیگا نیز سفید مرغ کو باوضو ذبح

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۴) جس حاضری کا شرف بھی حاصل ہے۔ اس والانامہ میں سحر یعنی جادو کے دفع کی جو تدبیر درج ہے، اور جس کے لئے حضرت شیخ مدظلہ العالی نے بتلائی ہے وہ ہمارے دوست محمد امین صاحب انصاری مبارکپوری ہیں، انصاری صاحب مدرسہ اشرفیہ کے سرپرست اور ایک خاص مکتب خیال کے لوگوں کے نمایندہ ہیں، جن کا اکثر یہ شغلہ رہا ہے کہ علمائے حق (معاذ اللہ) خاکم بدہن کافر اور ایسے اور ویسے ہیں جس کا اثر یہ ہوا کہ مدرسہ ہذا کو اور مدرسہ احیاء العلوم میں برابر رقابت رہکر بلکہ دیوبندی اور بریلوی تفریق ہو کر امت مسلمہ کا ایک زبردست جتھا پاش پاش ہوگیا، اور اب تک راہ راست پر نہیں آیا، اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی اچھی طرح انصاری صاحب سے واقف ہیں کہ یہ دیوبندیوں کے خلاف ہیں، مگر خلق مدنی کا یہ عالم ہے کہ امین صاحب کی صحت کے لئے دعا اور تدبیر سے دریغ نہیں کرتے، کاش اس دور انقلاب میں مبارک پور کے دونوں مدرسے مل جل کر کام کرتے اور سارے فروعی اختلافات کو ختم کر دیتے۔ ان میں سے ہر ایک مدرسہ کے ذمہ دار اساتذہ اور طلبہ اگر صرف اپنے اپنے پر متحد ہو کر معاہدہ کریں کہ کسی بزرگ پر لعن طعن نہ کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ اختلاف و شقاق کی خلیج جو حائل ہے، خود بخود جاتی رہے گی، سچ فرمایا گیا ہے۔ ے

اللہ کی راہیں سب ہیں کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں ؛ اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

ان راہوں میں سے ایک راہ یہ ہے۔ ے

نہ تھی اپنے گناہ سے جب کہ خبر تو رہے دیکھتے غیروں کے عیب و ہنر

پڑی اپنے گناہوں پہ جب کہ نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

اس والانامہ میں "اساتذہ ورزش" کا جو ذکر آگیا ہے اس سے مراد فنون حربیہ کے استاد عبدالرشید صاحب ہیں جو دارالعلوم دیوبند میں بچوں کو ورزش وغیرہ کی تعلیم دینے کے لئے

کرکے اسکے تازہ خون سے ایک کاغذ پر (جا دو میر جادو گر) لکھکر جہاں ڈسویا کرتے ہیں، اس کاغذ
کو چھت پر لٹکا دیں، اس طرح کہ کاغذ مذکور ان کے سر اور سینہ کے مقابل رہے۔ اساتذہ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۴) ممبر دینکی رائے سے مشاہرہ ۵ روپیہ ماہوار بڑھائے گئے تھے، افسوس آج کا نوجوان جس بری طرح اپنی اخلاقی اور جسمانی بربادی پر تلا ہوا ہے، اور یورپ کی باد سموم سے جتنا متاثر ہو چکا ہے اسکے پیش نظر گھوڑوں کی سواری، شمشیر زنی، تیر اندازی فنون حربیہ کا سیکھنا اور ورزش کرنا، پانی میں تیرنا، بندوق چلانا سائیکل پر بیٹھنا، بندوق اور توپ کا تیار کرنا، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش، کروزر و باما اور بنوٹ وغیرہ کا سیکھنا اور سکھانا، تیار کرنا بنانا جو کہ نصوص کتاب سنت، صحابہ کی زندگی اور سلف کے طریق عمل سے ثابت ہے، آج کل کا مسلم بچہ سب چھوڑ چکا ہے، جہاد اسکی زبان میں لغو، بنوٹ اور دیگر فنون حربیہ آوٹ آف فیشن ہوگیا ہے، وہ تو اس بات پر خفا ہے کہ ہمارے چہروں پر ڈاڑھی کیوں ہوئی اور ہم کو صنف نازک کیطرح گلبدن کیوں نہ بنایا گیا اسلئے ہر صبح و شام چند منٹ تک وہ اپنے چہروں کو چھیل چھیل کر اندر سے حسن نکالتا ہے۔ اور اچھی خاصی بیگم صاحبہ بن کر اپنے چشم و ابرو اور زلف گرہ گیر سے پہلے ..... زمانے کی حیادار عورتوں کو مات کر دیتا ہے حالانکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرمادیا تھا کہ: مومن قوی مومن ضعیف سے بہتر ہے" یہ حدیث اپنے اندر ایک دنیا رکھتی ہے جس کی مختصر توجیہ یہ ہے کہ ہر انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے، روح کی غذا اور اسکی طاقت اللہ کے ذکر اور امور شرعیہ پر عمل اور نواہی سے پرہیز ہے، اور جسم کی صحت تندرستی احتیاطی تدابیر یعنی سویرے اٹھنا جفاکش ہونا سوائے بیوی کے لنگوٹ کا کسی اور جگہ نہ کھلنا، نشہ کی چیزوں سے بچنا، کم سونا پوری بھوک پر کھانا کھانا پانی بہت صاف پاک پینا غسل کرتے رہنا سبزی اور پھل کھانا، بھوکے رہنے کی عادت ڈالنا وغیرہ توانائی اور قوت بخشتے ہیں امید ہے کہ مدنی برادری کے لوگ اپنے اپنے حلقوں میں ورزش کا انتظام اور بچوں میں مردانگی اور شجاعت پیدا کرنے کی کوشش کریں گے، سینما بازی، بیڑی اور سگریٹ نوشی اور خصوصاً بچیوں میں بے پردگی اور جدید تعلیم غیر شرعی نظام کے تحت ہرگز ہرگز نہ دلائیں گے، کیونکہ دین کی رسوائی

درزش کے متعلق ابھی تک انہوں نے کوئی جد وجہد نہیں فرمائی اس کا انتظار ہے۔ والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۸ صفر المظفر ۱۳۷۰ھ

مکتوب نمبر ۱۲۵

جناب مولانا نورالدین راجی ہاڈ گوڈ ضلع کھیڑا کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا والانامہ مع پوسٹل آرڈر ۵ پونڈ باعثِ سرفرازی ہوا تھا حسب ارشاد دارالعلوم میں پوسٹل آرڈر پانچ پونڈ داخل کر دیئے گئے، رسید پہونچی ہو گی۔

آپ والانامہ میں ارسال جواب کا ارشاد فرماتے ہیں، اور عدم وصول پر افسوس کا اظہار فرماتے ہیں۔ واقعہ یہی ہے کہ ہر دو صحیح ہیں، مگر مجھ نالائق کی اخلاقی پستی اور عدیم الفرصتی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔

امور مسئولہ عنہا کے متعلق عرض حسب ذیل ہے۔

(۱) آیت اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ ر میں گذارش یہ ہے کہ رویت کو آپ رویت بصری پر ہی کیوں منحصر فرماتے ہیں، رویت محاوراتِ عرب اور قرآنی محاورات میں دونوں قسم میں مستعمل ہوتا ہے۔ رویت قلبی بمعنی علم اور رویت عینی بمعنی البصر ہر دو اس کے معانی حقیقیہ بطور اشتراک ہیں۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّيَاطِيْنَ عَلَى الْكَافِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا وغیرہ آیات بکثرت وارد ہیں، کتاب التفسیر میں بخاری نے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیزاری یہ وہ مصیبت ہے کہ جسکی کوئی کاٹ نہیں نعوذ من ذلک وھم شماحذر بکنید

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۵) شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی کی خدمت اقدس میں راقم نے یہ سوال پیش کیا تھا کہ سورہ نوح میں باری تعالیٰ نے منکرین سے یوں خطاب فرمایا ہے اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا جب آسمان ہائے سبعہ نظر آتے نہیں تو پھر اس کو دلیل قرار دیکر مخاطبت کیسے صحیح ہے؟ نورالدین راجی،

تصریح فرمائی ہے، لہذا اگر آسمانہائے سبعہ بذریعہ قوت بصریہ مدرک نہیں تو بذریعہ قوتِ علمیہ تو مدرک ہیں، اس لئے مخاطبت صحیح ہے۔

(۲) اذان کے وقت میں قبلہ کی طرف منہ نہ ہونے کو خواب میں کسی نمازی کا دیکھنا بیشک ضرور بتلاتا ہی کہ آپ کے اخلاص عبادت میں کوتاہی ہے، اس لئے اس میں جدوجہد فرمائیے، اور ذکر کے پورا کرنے اور دل لگا کر انجام دینے میں کوتاہی کو روا نہ رکھئے۔

(۳) آسمان پر مشرق کی طرف سنہرے اور جلی خط میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا دیکھنا مبارک اور مسعود ہے، خوشی کی بات ہے۔ والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ، ٹانڈہ فیض آباد

مکتوب نمبر ۱۲۶

آپ کی تحریر کے مطابق یہ حدیث احبوا اللہ لما یغذوکم من نعمۃ الخ ترمذی شریف جلد دوم صفحہ ۲۲۰ میں موجود ہے، ہم کو اس وقت باوجود تلاش نہیں ملی تھی اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۶) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ایک اردو رسالہ میں نظر سے گذرا تھا "اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو، بہ سبب اس کے کہ وہ تمہیں کھانے کی نعمت عطا فرماتے ہیں، اور مجھ سے محبت رکھو اس لئے کہ اللہ عز وجل مجھ سے محبت رکھتے ہیں، اور میرے ساتھ محبت رکھنے کے سبب میرے اہل بیت سے بھی محبت رکھو" او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث نفیس کے عربی الفاظ اور اس کی صحت کا علم مطلوب تھا جو حضرت کو اس وقت فوری طور پر نہیں ملی تھی، بعد کو نشر الطیب میں نظر نواز ہوئی تو حضرت کو لکھا، حضرت والا نے خوش ہو کر راقم کے لئے دعا فرمائی، اللہ تعالیٰ میرے لئے سعادت کا سرمایہ بنائے۔ آمین۔

اس حدیث کے متعلق یہ سوال کیا گیا کہ ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن اور ذریت طیبہ ہر

درود ماثور ابوداؤد میں لفظ اہل بیت ذکر ازواج اور ذریتہ کے بعد عرنت واو کے
ساتھ شرح مشکوٰۃ میں طیبی سے نقل کرتے ہوئے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ عطف
عام علی الخاص ہے، جیسے کہ آیت ولقد اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ
میں واقع ہوا ہے۔ (مرقاۃ جلد ۲ ص ۱۰)

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۶) رضی اللہ عنہم کے ذکر کے بعد اس درود ماثور میں اہل بیت سے کون مراد ہیں۔
مشکوٰۃ شریف میں ہے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
من سرہ ان یکتال بالمکیال الاوفی اذا صلی علینا اھل البیت فلیقل،
ابوداؤد میں ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ
وَذُرِّیَّتِهٖ وَاَھْلِ بَیْتِهٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔
ایک مرتبہ خواب دیکھا حضرت مولانا مدنی مدظلہ میرے گھر میں رونق افروز ہیں اور اس
ناکارہ کو تبسمانہ نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں ایک اہل علم اس وقت حاضر ہوئے اور حضرت
والا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مناسبت ہے۔ (نورالدین راجی)
نظم قرآن پر غور کرنے والے بالخصوص قرآن حکیم کے اسلوب سے واقفیت رکھنے والے اچھی
طرح واقف ہیں کہ قرآنی سیاق وسباق سے یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے، کہ آیت تطہیر سورۂ
احزاب میں لفظ اہل بیت (یعنی گھر والوں) میں ازواج مطہرات قطعی داخل ہیں رہ گیا انا
نرقہ کا یہ طالب علمانہ شبہہ کہ ضمیر کم میں ازواج کا آنا عربیت کے خلاف ہے تو اس کا جواب
خود قرآن اور کلام عرب سے واضح ہے، سورہ ہود میں ہے برکاتہ علیکم اھل البیت"
ضمیر علیکم حضرت ابراہیم کی بیوی کے لئے موجود ہے، اور ضمیر جمع مذکر نساء کے لئے کلام
عرب میں بہت زیادہ مستعمل ہے جب کہ اس سے اہل کو تعبیر کیا جائے، عمران بن ربیعہ القرشی کا شعر ہے ؎

الم تعلمی ما کنت آلیت فیکم   واقسمت لاتخلین ذاکرۃ باسمی

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مفردات القرآن علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۷۔

اور شرح ابو داؤد جلد ثانی ص ۱۲۴ میں ہے وهذا بيان لما قبله من الازواج الذي يعني اس کو عطف تفسیری قرار دیا ہے، اور ممکن ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے داخل فرمانے کے بعد یہ لفظ زیادہ کر لیا گیا ہو، جیسا کہ حدیث عبا میں وارد ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت نزول آیت انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس الآیہ میں حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ اور حسنین رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے فرمایا تھا، اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی الحدیث یقیناً حضرت علی رضی اللہ عنہ ازواج اور ذریہ سے خارج ہیں واللہ اعلم، اس صورت میں عطف متغایرین کا ہوگا جو کہ اصل قاعدہ عطف کا ہے۔

آپ کا خواب امید افزا ہے ..... کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور آپ جیسے کرم فرماؤں کے حسن ظن اور دعوات صالحہ سے مجھ جیسے ننگ اسلاف دنا کارہ کو اپنے عباد صالحین میں داخل کر دے جزاکم اللہ خیر الجزاء ؎

یظن الناس بی خیرا دانی   لشر الناس ان لم یعف عنی

والسلام۔   ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔ ۱۷

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۶) ممکن ہے کسی کو حدیث ترمذی جو کہ مشکوٰۃ میں موجود ہے یعنی احبوا اللہ لما یغذوکم من نعمۃ الخ مفہوم میں کچھ خلجان ہو، سو یہ حدیث آیہ کریمہ وما بکم من نعمۃ فمن اللہ۔ یعنی جو کچھ نعمت تم کو ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔ اسی آیت سے ماخوذ ہے، ورنہ عرفاء اور محبین کے نزدیک تو چاہے دے یا نہ دے اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کی بنا پر محبوب ہے۔ مفہوم حدیث اللہ تعالیٰ کے قول "فلیعبدوا رب ھذا البیت" کی طرح ہے، حضرت شیخ مدظلہٗ العالی نے حدیث کی جو توجیہ فرمائی ہے وہ اپنی جگہ پر قول فیصل ہے۔

مکتوب نمبر ۱۲۷

جناب مولانا قاری فخر الدین صاحب مدرسہ قاسمی گیا کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میرے محترم۔ آپ کو تعلیمی سلسلہ کے جاری رکھنے اور ترقی دینے میں جو کچھ مشکلات پیش آئی ہیں وہ طبعی امور ہیں "لکل شیئ آفۃ وللعلم آفات" عربی کی مشہور مثل ہے۔ مخلص مصلحین کے لئے رکاوٹوں کا پیدا ہونا اس عالم میں لوازم ذاتیہ کا... منصب رکھتا ہے۔ اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل الحدیث اگر ان مشکلات کے سامنے کوئی کمزور اور کم ہمت ہوگیا، تو نہایت ذلیل ناکامی کا شکار ہوتا ہے۔ اور اگر استقلال اور عالی ہمتی سے کام کرتا رہا تو اللہ تعالےٰ کی رحمت دستگیری کرتی ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۷) حضرت مولانا قاری فخر الدین صاحب مدرس مدرسہ قاسمیہ گیا۔ حضرت.... شیخ الاسلام مدظلہٗ العالی کے مزاج طریقت اور مخصوص جانثار خدام میں ہیں اردو کے زبردست شاعر اور دیوبند کے فاضل صاحب حال بزرگوں میں ممدوح کا خاص مقام ہے، شاعری اور نسبت و محبت شیخ کا اندازہ آپ کے اس شعر سے ہوتا ہے۔ ؎

بڑے ہشیار ہیں ہم بھی حسین احمد کے دیوانے
ہمارے پر نہیں جلتے کہ بنتے ہیں پروانے

سورہ بنی اسرائیل کی دونوں آیتوں کا ترجمہ یہ ہے۔ ۱؎ ہر ایک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں، ان کو اور ان کو۔ تیرے رب کی بخشش میں سے اور تیرے رب کی بخشش کسی نے نہیں روکی ہوئی ۲؎ اور جس نے چاہا پچھلا گھر اور دوڑ کی اس کے واسطے جو اس کی دوڑ ہے اور وہ یقین پر ہے، سو ایسوں کی دوڑ ٹھکانے لگی ہے۔

اس والا نامہ میں اخلاص پر متوجہ فرمایا گیا ہے، کیونکہ کتاب اور سنت اس پر شاہد

اس کی نہایت زیادہ امید دلانے والی سند ہے۔ سعی پیہم اور جد وجہد، استقلال اور جانفشانی ہمیشہ کامیابی تک پہونچاتی ہیں۔ کُلًّا نُّمِدُّ هٰؤُلَآءِ وَهٰؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ اہلِ دنیا اور اہلِ آخرت کے لئے بشارت ہے، ہاں اگر اخلاص محبت بھی ساتھ ہے تو دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی ہوتی ہے، وَمَنْ اَرَادَ الاٰخِرَةَ[۵۲] وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا۔ اس کے لئے شاہد عادل ہیں ...... ہاں اخلاص و للّٰہیت نہایت مشکل امر ہے، جس کے لئے قوی رہزن نفس اور شیطان الانس و جن ہمیشہ مسلط رہتے ہیں ان سے بغیر امداد خداوندی خلاصی ناممکن ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ایاک نعبد کے بعد وایاک نستعین کو لایا گیا ہے، ہر حرکت اور سکون قول اور فعل میں استعانتِ خداوندی اور صرف استعانت خداوندی کو ملحوظ رکھنا چاہیئے اپنی کسی طاقت و

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲) عادل ہیں، ارشاد ہوتا ہے: الا للہ الدین الخالص؛ سنتا ہے اللہ ہی کے لئے ہے بندگی خالص، حدیث انس بن مالکؓ جس کو قشیریؒ نے اپنی سند صحیح سے بیان کیا ہے مزید شاہد ہے، اخلاص نام ہے اس بات کا کہ طاعت و بندگی کا مقصد محض تقرب باری تعالیٰ ہو، اور تشریع و تکوین کے کسی شعبہ میں کسی دوسرے کو خود مختار نہ سمجھے، کیونکہ مخلص ہی ریا سے خالی ہوتا ہے جس طرح صادق عجب و تکبر سے، حضرت فضیلؒ نے خوب بات فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لوگوں کی خاطر عمل کو چھوڑ دینا ریا ہے اور لوگوں کے لئے عمل کرنا شرک ہے۔ اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں باتوں سے دور رکھے، یوسف ابن حسینؒ فرماتے ہیں "اعز شیئ فی الدنیا الاخلاص وکم اجتھد فی اسقاط الریاء عن قلبی فکانہ ینبت علی لون آخر" دنیا میں سب سے بلند مقام اخلاص کا ہے، کتنی بار میں نے کوشش کی کہ میرے قلب سے ریا نکل جائے لیکن وہ ایک دوسرے رنگ میں پیدا ہو جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ کثرتِ وساوس اور ریا صرف اخلاص سے ختم ہو جاتا ہے، اور اس کے

سعی پر اعتماد نہ کرنا چاہیئے، جس طرح کسی سعی ممکن کو چھوڑنا بھی نہ چاہیئے ؎

عبرکن حافظ زسختی روز و شب　　عاقبت روزے بیابی کام را

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۹ جمادی الاول ۵۹ھ

مکتوب نمبر ۱۲۸

مندرجہ افسوسناک واقعات معلوم ہوئے، تقدیرات الٰہیہ میں عبید[۱] کو مجال دم زدنی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ امداد و اعانت فرمائے۔ آپ کو ضرور ہے کہ ہمیشہ اپنی زبان بزرگوں کے حق میں محفوظ رکھیں اور اسی طرح ابنائے زمان اور برابریوں کے متعلق بھی حرف شکایت بلا ضرورت شدیدہ زبان پر نہ لائیں، صبر جمیل اور صفح جمیل کے یہی معنی ہیں، معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ اسلام او مسلمانوں کی خدمت اور عباد اللہ کی ہمدردی اور بھلائی میں جس قدر بھی حصہ لے سکیں، اس کو غنیمت سمجھیں، عباد اللہ عیال اللہ ہیں الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ اکثرہم احسانا الی عیالہ فرمان نبوی ہے۔ کسی کی دل آزاری کا ہرگز قصد نہ ہونا چاہیئے۔ اخلاص اور للہیت کا ہمیشہ منظاہرہ کیجئے۔ اور تلاب نفس سے اسی کا مطالبہ کرتے رہیئے۔ امام جعفر صادق فرماتے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۷) بعد پھر حکمت ربانی کے چشمے دل سے زبان پر جاری ہو جاتے ہیں حضرت مولانا دامت برکاتہم کا تاکید آ ارشاد فرمانا ہاں ہاں اخلاص اور للہیت نہایت مشکل امر ہے، اس سے بھی اخلاص کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۸) ۱؎ عبید کے معنے بندے۔ حدیث بیہقی کا ترجمہ یہ ہے۔ مخلوق خداوند کریم کی بمنزلہ عیال ہے تو جو شخص اللہ تعالیٰ کے عیال پر سب سے زیادہ احسان کرے، گا وہ خدا کے یہاں سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔

ہیں: "ماشغلک عن الحق فہو طاغوتک"۔ بہت سے لیگیوں اور حضرت تھانوی کیطرف انتساب کے بعض دعویدار کی کوشش یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کو چندہ نہ ملے اسلئے حسب موقع لوگوں کو اس چندہ کیطرف بھی متوجہ کرنے کا خیال رکھیں۔

والسلام :۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۴ رمضان المبارک سلہٹ

مکتوب نمبر ۱۲۹

مجھ کو سخت تعجب ہے کہ آپ اس قدر تجربہ کار ہوکر لوگوں کے کہنے میں آگئے تفاسیر اور بالخصوص اردو تفاسیر کی جسقدر کثرت ہے وہ بذات خود کہاں کم ہے جو ہم جیسے بے مایہ اس کی طرف مزید توجہ کریں۔ کتابیں بہت ہوگئیں، انکو دیکھنے والے

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۹) حضرت مولانا دامت برکاتہم نے خوب بات فرمائی کہ کتابیں بہت ہوگئیں ان کو دیکھنے والے ناپید ہوتے جاتے ہیں"۔ نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم و مغفور نے اپنے زمانہ تک کی تفاسیر کی تعداد پانچسو کم و بیش بتائی ہے جو اب تک لکھی گئیں، مزید براں ہیں، کتابوں کا ایک انبار لگا ہوا ہے اور خودرو مصنفین اور خانہ ساز مؤلفین کا شمار نہیں لیکن کتابوں کا سمجھنا، فنون پر نظر اور پڑھنا پڑھانا یہ بہت ٹیڑھی کھیر ہے، مدرسین ناپید ہیں، اور اپنے ساتھ نہ جانے کتنے علوم و فنون لئے ہوئے اٹھتے جاتے ہیں حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے حضرت جیسے جامعیت کے .... اساتذہ حفظ و اتقان میں اجتہادی شان رکھنے والے معاصرین میں بھی کہاں تھے اور اب تو اس کا کوئی سوال ہی نہیں۔ کیونکہ اس دور جہل میں جس چیز کی بہتات ہے قرآنمجید کے تراجم اور تفاسیر کی کثرت ہے۔ ان خانہ ساز اردو مصنفین میں ایک بھی شاید ہی ایسا ہو جو کسی حدیث کی کتاب کی شرح لکھ سکے، یا نقد کلام کی مشکلات کو عربی میں کھول سکتا ہو، یا معانی و بلاغت اور ادب پر نظر اور عبور رکھتا ہو، کیا تماشہ ہے کہ جو علوم و فنون کو پڑھا نہ سکے۔۔۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۹)

ہماری طرح مؤلف اور مصنف مانا جائے، نہ عوام و خواص سے اسکا تعارف ہو، اور چکی پیسنے والے مدرسین جو سلف کے علوم و فنون کے خادم اور محافظ ہوں ان کو حقارت سے دیکھا جائے۔ اور یہاں تک کہہ دیا جائے کہ مانا کہ بہت بڑے عالم ہیں مگر کوئی کتاب نہیں لکھی، حالانکہ کتاب کا لکھ دینا کوئی بڑا کام نہیں اور نہ اس سے کوئی مصنف ہوتا ہے۔ مصنف نہ تو بنتا ہے نہ بنایا جاتا ہے، بلکہ پیدا ہوتا ہے، جو اپنے ساتھ ایک علمی انقلاب لیکر آتا ہے اور دوسروں کے .... شروح و حواشی کا محتاج نہیں ہوتا، اور پیچھے مڑ کر بہت کم دیکھتا ہے، اور اپنا راستہ خود پیدا کرتا ہے، ہندوستان کی خاک سے میرے نزدیک ابتک صرف ایسے تین ہی مصنف پیدا ہوئے ہیں، ایک امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانی دارالعلوم دیوبند، تیسرے استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ۔ اول الذکر عارف باللہ کی اجتہادی شان اور فیضان باری کی بلاواسطہ تلقی کی شاہکار حجۃ اللہ البالغہ البدور البازغہ تفہیمات الٰہیہ اور خیر کثیر ہیں اور آخر الذکر بزرگ کے انقلاب آفرین نظریات و خیالات کی بین دلیل جمہرۃ البلاغۃ امعان فی اقسام القرآن وغیرہ کتب مطبوعہ و غیر مطبوعہ ہیں، ہندی مصنفین میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے صاحبزادوں کا قرآن مجید سے شغف اور فارسی اور اردو تراجم کا شرف اہل علم کے نزدیک ایک ایسا علمی اور تصنیفی انقلاب ہے کہ اگر ان تراجم کو اور ان کے مختصر نوٹ اور فوائد جو موضح القرآن اور فتح الرحمٰن کے نام سے مشہور ہیں سمجھ لیا جائے تو ایک حرف اس پر نہ تو زیادہ کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اردو تفاسیر کی کوئی قدر و قیمت ہے، یہ تراجم اگر بیچ سے ہٹا دیئے جائیں تو اردو مفسرین کی ساری قلعی کھل جائے۔ اور اردو تفاسیر و تراجم کا جو فتنہ ہے فرو ہو جائے اور کل فن رجال کی صداقت سامنے آجائے۔ کیا اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو آٹھ سال تک صرف سورہ بقرہ کی تفسیر بارگاہ رسالت

ناپید ہوتے جاتے ہیں، علوم دینیہ سے نہ صرف عدم اعتناء بلکہ نفرت بڑھتی جاتی ہے، ہم اپنے خیالات اور ہوا وہوس اور شہوات نفسانیہ میں عمر عزیز کو ضائع کر دیتے ہیں، اور ہمیشہ اپنے آپ کو اور دوست احباب کو دھوکا دیتے ہیں، کہ ہم مخلصانہ طریقہ پر خدمات دینیہ انجام دے رہے ہیں، مگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو اخلاص کا پتہ چلنا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے عنقاء کا پتہ، اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا میرے محترم نفس اور شیطان نہایت زیادہ دھوکے باز ہیں ان سے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۹) میں حل کرنی نہیں پڑی تھی؟ اور کیا مجاہد بن جبیر کو تین بار ترجمان القرآن حضرت ابن عباس سے قرآن پڑھنے کی سعادت نہیں نصیب ہوئی تھی؟ اور کیا ابوبکر محمد بن عطیہ الدمشقی المتوفی ۳۸۳ھ کو قرآن حکیم کے افہام وتفہیم کے لئے پچاس ہزار اشعار جاہلیت حفظ کرنے نہیں پڑے تھے؟ اور کیا حافظ ابن تیمیہؒ کو ایک ایک آیت پر سو سو تفسیریں دیکھنی نہیں پڑی تھیں، اور کیا شاہ عبدالقادرؒ کو ۴۲ سال مسجد میں معتکف ہو کر درس قرآن میں بسر کرنا نہیں پڑا تھا؟ اور کیا استاذی مولانا حمید الدین فراہی صاحب نظام القرآن کو ۳۰-۴۰ سال دل ودماغ کو قرآن کریم کیلئے وقف کر دینا نہیں پڑا؟ امام فخر الدین رازی جیسے فاضل کا اپنی انتاد طبع کی بنا پر ابو مسلم اصفہانی کے انداز فکر پر تفسیر کرنا ایک علمی کارنامہ ہے جس سے بہت سے لوگ بے نیاز نہیں ہو سکتے اگر بقول ابوحیانؒ کل شیء الا التفسیر تفسیر رازی کے بارے میں لکھ جانا بجائے خود بڑا ہی معنی خیز فقرہ اور سانحہ عظیم ہے بس جب یہ امام محض اس وجہ سے نہیں بچ سکا کہ وہ متکلمانہ نظریات وخیالات کو خواہ مخواہ قرآن سے ثابت کرنا چاہتے تھے تو پھر عہد حاضر کے اردو مفسرین کس شمار وقطار میں ہیں؟ لاریب علوم الہیہ کی تحصیل اور مدت تک علوم دینیہ کی خدمت کے بعد تزکیہ نفس اور فیضان الٰہی افہام وتفہیم کلام ربانی کا وسیلہ اور ذریعہ بن سکتا ہے، مگر بدون اس کے صریح گمراہی کا زیادہ امکان ہے اس مختصر معروض کے بعد حضرت شیخنا مدنی مدظلہ العالی کی بے نفسی سلف کے علوم کی اہمیت، دوسرے حضرات کی غیر ذمہ دارانہ روش کا اندازہ کرتے ہوئے مولانا کی طرف سے یہ کہنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں مصرع

بیچارہ ہم بخانہ اینجا مسیحا نے کرد

مطمئن ہونا سخت غلطی ہے۔ ع

فانت تعلم کید الخصم الحکمۃ

کتب تصنیف کردہ میں سمجھنے اور کوشش کرنے والے کے لئے کفایت سے بھی زیادہ مواد ہیں اور نادان اور متکاسل کے لئے آیات بینات سے واضح سے اضح اشیاء بھی ناکافی ہیں لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا۔ مولانا محمد بشیر صاحب کو میری اور حافظ ابراہیم صاحب، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی، مولوی مہدی حسن صاحب سلیم پوری کی طرف سے بعد از سلام آزادی سے عید کرنے اور شیر و سویاں کھانے کی عظیم الشان .... مبارکباد پیش کر دیجئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ از مراد آباد جیل۔

مکتوب نمبر ۱۳۱

جناب مولانا وحید الدین حسن صاحب قاسمی کے نام

خواب کی تعبیر ظاہر ہے، عزیزم مولوی وحید مرحوم کی دائمی مفارقت میرے لئے معمولی تکلیف نہیں ہے، وہ میری ہی پرورش میں بچپن سے رہا تھا، اس کو اپنے والد مرحوم سے اتنا تعلق نہیں تھا، جتنا مجھ سے تھا۔ وہ ننھے ننھے چار بچے چھوڑ کر وہ

حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۰، مولانا حافظ فریدالوحیدی صاحب اس مکتوب کے متعلق مکاتیب شیخ الاسلام میں تحریر فرماتے ہیں، اپنے بھتیجے اور میرے والد مولانا وحید احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو دادا میاں نے انہیں نے بچپن ہی سے جب کہ ان کے والد زندہ تھے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا تھا اور اپنی اولاد کی طرح بڑے شوق و ارمان سے ان کی تعلیم و تربیت فرمائی، اسارت مالٹا کے زمانہ میں بھی وہ ساتھ ہی رہے اس وقت ان کی عمر بہت ہی کم تھی حضرت شیخ الہند؟

اپنی اہلیہ کو بیوہ چھوڑ کر چلا گیا، ذالک تقدیر العزیز العلیم ۞

دبی مایانا ود الکتب عنی غلہ ولکن قلبی یا ابنۃ القوم قلب

بہر حال آپ حضرات دعوات صالحہ سے امداد فرماتے رہیں۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ نئی سڑک سلہٹ ۱۱ رمضان المبارک ۵۶ھ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳) سے عربی پڑھا کرتے تھے اور دوسرے ممالک کے تیدیوں سے انگریزی فرانسیسی، ترکی اور دوسری زبانیں سیکھا کرتے تھے، مالٹا سے واپسی پر کچھ دنوں دارالعلوم میں مدرس رہے، پھر مدرسہ عزیزیہ بہار ضلع پٹنہ چلے گئے تھے اور وہاں ادب اور فقہ کا درس دیتے تھے، عربی تو خیر مرحوم کی مادری زبان تھی مگر ملک کی اکثر زبانوں مثلاً پشتو، بنگالی وغیرہ کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی، ترکی، فارسی وغیرہ بے تکلف بول اور لکھ سکتے تھے، ان تمام زبانوں میں تقریر بھی کر لیتے تھے۔ بڑے دلیر، بہادر اور غضب کے ذہین تھے۔ مگر افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی، شعبان ۵۶ھ کا واقعہ ہے کہ جب دارالعلوم سے گھر پہونچا تو وہ معمولی انفلوئنزا میں مبتلا تھے۔ میرے ماموں مولانا عزیز احمد صاحب بی اے فاضل دیوبند نے ان سے فرمایا کہ فرید کے قرآن شریف کے لئے کوئی انتظام کر دیجئے انہوں نے فرمایا بس تم جانو، اب تو اس کا انتظام تم ہی کر دوگے، ڈاکٹر کو بلایا گیا، تو فرمایا کہ یہ کوشش فضول ہے۔ اب خدا کے سپرد کر دو۔ اور یہ معمولی انفلوئنزا شدید نمونیہ کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ ہمہ وقت غفلت طاری رہنے لگی، کبھی کبھی ہوشیار ہوتے تھے تو چچا (حضرت امام العصر) کو بلاتے تھے، اعلیحضرت دارالعلوم میں درس بخاری میں مصروف تھے وقت گزرتا گیا اور حالت نازک ہوتی گئی، آخر یہ وقت آیا کہ ۲۴ گھنٹہ میں کبھی ایک سکنڈ کے لئے ہوش آجاتا تو یہ کہہ کر پھر غافل ہو جایا کرتے تھے، کہ چچا نہیں آئے، آخر بخاری کے ختم سے فارغ ہو کر دادا میاں مدظلہم لکھنؤ سے ڈاکٹر سید عبدالعلی کے ہمراہ لے کر ٹانڈہ پہونچے، ڈاکٹر صاحب موصوف نے اطمینان دلایا، اور دادا میاں اپنے پروگرام پر سلہٹ روانہ ہو گئے۔ ابھی

مکتوب نمبر ۱۳۱

والانامہ باعثِ عزت افزائی ہوا، یادآوری کا شکریہ تقریر کے متعلق آپ کی جدوجہد بہت مناسب ہے، زبان کھلنے کے لئے میں دعا کرتا ہوں، آپ عالی ہمتی کے ساتھ شروع کردیجئے اور چھوٹے مجمعوں میں خود بخود کھڑے ہوجایا کیجئے تقریر سے پہلے سات یا پانچ یا تین دفعہ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اور رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ۔ پڑھ کر سینہ پر دم کرلیا کیجئے، انشاء اللہ تعالیٰ اعانت خداوندی شاملِ حال ہوگی، نیز خالی کمرہ بند کرکے یہ تصور کرتے ہوئے کہ مجمع حاضر ہے، تقریر کرنے کی مشق کچھ دنوں کیجئے۔ نواب مہدی علی خاں مرحوم نے اسیطرح مشق کی تھی، اور اپنے زمانہ میں اعلیٰ درجہ کے مقرر شمار کئے جانے لگے تھے، کبھی سے اثنار تقریر میں مرعوب نہ ہوا کیجئے، خواہ کتنا ہی بڑا ہو، البتہ مضامین کو غور سے مطالعہ کیا کیجئے، اور جس مضمون پر تقریر کرنی ہو، اگر ممکن ہو تو اولاً تنہائی میں

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۰) سلہٹ پہونچنے بھی نہ پائے تھے کہ والد مرحوم نے بیت ہلال رمضان کے بعد ایک بجے رات کو معبودِ حقیقی کو یاد کرتے ہوئے اس سے جاملے (انا للہ الخ) مولانا وحیدالدین ناظم دفتر مرکزی جمعیۃ علمائے انتقال سے ایک دن پہلے خواب میں دادا میاں کو نہایت پریشان دیکھا، فوراً خط لکھکر اپنی پریشانی کا اظہار کیا، دادا صاحب دامت برکاتہم نے جواب لکھا (فرید الوحیدی) ترجمہ شعر۔ مجھ پر وہ مصیبت آئی جس کا کم سے کم حصہ بھی مجھے خطوط کے لکھنے دیا کتابیں کے پڑھنے سے روک سکتا ہے، لیکن اسے ابنۃ القوم میرا دل بڑا بدلنے والا ہے۔

مالٹا کے حالات کے لئے سفرنامہ اسیر مالٹا ملاحظہ فرمایا جائے، جو چھپ کر شائع ہو چکا ہے اسی لئے ہم نے مالٹا کے جانے کی تاریخ اور حالات کو نظرانداز کردیا۔ (اصلاحی)

اس پر دو تین مرتبہ یا کم از کم ایک دفعہ تقریر کر لیا کیجیے، چرچل آج تک ایسا ہی کرتا ہے، زبان جہاں تک ہو عام فہم اختیار کیجئے۔ جو لوگ الفاظ کی چمک دمک کی طرف جاتے ہیں میرے خیال میں غلطی میں مبتلا ہیں، ہاں نیت کی درستی ضروری ہے جو کہ واقعہ میں مشکل کام ہے، اپنی شہرتِ تقریر، لوگوں کی واہ واہ، ریا و سمعہ وغیرہ مقصود نہ ہونی چاہیئے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان شاء اللہ اعانت ہوگی، نیز ایک ضروری امر یہ ہے کہ نوجوانوں کی جماعت تیار ہونی چاہیئے، جو کہ تحریر و تقریر کی مشق کریں اور ضروری مقامات پر مذہبی اور سیاسی تقریریں کر سکیں، مواد کو جمع کریں۔ مباحث اور تاریخیں ایک ہفتہ پہلے متعین ہو جایا کریں، اور ضروری مطالعہ کر کے وقت معین پر تقریریں کر دیا کریں، اثناء تقریر میں صاحب تقریر اور سامعین تہذیب و متانت کو ہاتھ سے نہ دیں، اسی طرح مختلف عنوانات پر مضامین لکھیں اور علمی رسائل و اخبارات میں شائع کراتے رہیں آہستہ آہستہ اچھی خاصی قدرت حاصل ہو جائے گی، مضامین کی اصلاح کے لئے۔ حضرت مفتی صاحب اور اعلیٰ حضرت وغیرہ موجود ہیں، اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو خود آپس میں مل کر اصلاح کر لیا کریں ڈرنا اور مرعوب ہو کر پیش قدمی سے جھجکنا سخت غلطی ہے ؎

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد اگر خارے بود گلدستہ گردد

چراغ محمد ۱۲؍ جمادی الثانیہ ۱۳۶۳ھ

مکتوب نمبر ۱۳۲

جناب احمد شاہ ستیانہ ضلع جھنگ کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۲) میرا خیال ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ میں اور حضرت معاویہؓ

ذوالانامہ باعث سرفرازی ہوا، رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ۔ اس قسم کے جنگ کے خلاف نہیں ہے، کیا شفقت اور رحمت باعث جنگ نہیں ہوسکتی، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام میں کس قدر اختلاف ہوا۔ کیا وہ دشمنی سے تھا؛

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۲) نہ علی بین جمل اور صفین کی جنگ نہیں ہوئی، بلکہ یہ واقعات وضع کرلئے گئے ہیں .... اگر ان واقعات کو بالکل صحیح مان لیں تو قرآن شریف کی آیت وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کا کذب لازم آتا ہے، کیونکہ اس آیت کا مطلب ہے کہ تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم رحیم و شفیق تھے، حضور اس مسئلہ میں اپنی رائے عالی سے مطلع فرمائیں۔ احمد شاہ سیانہ ضلع جھنگ۔

اس والانامہ میں جنگ جمل اور صفین کا لفظ آگیا ہے: جس کو صاف کرنا ضروری ہوا۔ اگرچہ یہ مسئلہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک اور نازک تر ہے تاہم دلائل سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اجتہادی غلطی عدم عصمت کی بنا پر ہوئی، اور مجتہد کی خطا پر بھی عند اللہ ثواب ہی کا وعدہ ہے، اور بقول حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کو اس خون سے آلودہ نہیں کیا تو ہم کیوں اپنی زبانوں کو بحث و تنقید سے آلودہ کریں، جمہور علمائے اصول کا یہ اجماعی فیصلہ ہے۔ ان اٰیات القرآن دالۃ علی سلامۃ احوال الصحابۃ وبراءتھم عن المطاعن واذا کان کذالک وجب علینا ان نحسن الظن بھم الی ان یقوم دلیل قاطع علی الطعن فیھم اھ" (ارشاد الفحول) مفہوم یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات کی سلامتی اور نقاہت پر دلالت کرتی ہیں اور ان پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں اس سے ان کی برأت ثابت ہوتی ہے اس لئے ہمارا عقیدہ ہونا چاہئے کہ ہم ان سے حسن ظن ہی رکھیں تاآنکہ ان پر طعن کرنے کی کوئی قطعی دلیل قائم ہوجائے، ظاہر ہے کہ صحابہ پر طعن و تنقید کے لئے کوئی قطعی دلیل قائم نہیں ہے، اسلامی تاریخ پر نظر رکھنے والے تو

باپ بیٹوں میں زد و کوب کے واقعات کیا محبت اور رحمت سے نہیں ہوتے
کیا رحمۃ اللعالمین کے جہادات کو رحمت سے علاقہ نہ تھا، کیا جراح اور ڈاکٹر کا

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۲) اچھی طرح واقف ہیں لیکن مسلمانوں کا بیشتر حصہ اسلامی تاریخ سے بھی گویا واقف نہیں اس لئے، ہم احتیاط سے ان ہر دو جنگوں کا تاریخی پس منظر کچھ سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خلیفۂ دوم حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر اپنی بے پایاں رحمتوں کی بارش کرتا رہے کہ آپ نے کمال دور اندیشی سے اپنے دور میں فتنہ واختلاف کا سدباب اعیان قریش کو مدینہ میں روک کر کر دیا تھا، کہ یہ لوگ باہر نہ جائیں، اس حکمت کو یہ لوگ اپنے حق میں سختی سمجھتے تھے اور حضرت عمرؓ کو تنگ کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، کہ سب سے زیادہ اس امت کے لئے جس بات سے میں ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم لوگ جب یہاں سے نکل گئے اور شہروں میں متفرق ہو گئے تو تمہاری رایوں میں اتحاد نہیں رہے گا، اور پھر تمہارے اختلاف سے ساری امت میں تفرقہ پڑ جائیگا اس کا یہ اثر ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخر عہد تک لوگ متحد اور شقاق وافتراق سے نا آشنا تھے، اور جب ارباب حل وعقد باہم متفق رہیں تو امت میں اختلاف ہو نہیں سکتا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے اصرار اور اپنی نرم مزاجی کی بنا پر اس کا ٹ کو اٹھا دیا، چنانچہ اتحاد قریش کا باقی نہ رہا، کوفہ، بصرہ، اور مصر کے شورش پسند لوگوں نے عام نکتہ چینی شروع کر دیا اور عبداللہ بن سبا یہودی نے ان لوگوں میں شامل ہو کر مصر کے اندر ایک اشاعت بنائی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں اور حضرت عثمانؓ خلافت کے مستحق نہیں ہیں جب اس سبائی فرقہ کے خطوط لوگوں کے پاس پہنچے تو حضرت عثمانؓ اور ان کے عمال کے بارے میں شکوک شبہات اور ناراضگی پیدا ہوئی۔ چنانچہ امور مملکت کے متعلق خلیفہ سے گفت وشنید کا بہانہ کر کے خلیفۂ سوم کی مدت میں آ... آپ ... نے ... کا ... جواب دیا ... لوگ مدینہ سے آکر چار مختلف قافلے بنا کر

نشتر لگانا اور مریض کو تکلیف دینا منظاہر رحمت سے نہیں ہے، اجتہادی غلطی میں اگر غور فرمائیں تو عموماً منظاہر رحمت ہی محسوس ہوگا، واللہ اعلم، بہرحال سمجھ میں نہیں آتا کہ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۲) نکلے اور سب اس بات پر متفق تھے کہ خلیفہ کو قتل کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے ایک جعلی خط بنایا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ ہم نے ایک خط پکڑا جو قاصد کے ہاتھ خلیفہ نے والیٔ مصر کے نام بھیجا ہے، اور اس میں یہ حکم لکھا ہے کہ ہم جس وقت وہاں پہنچیں، ہم کو قتل کر دے، حضرت علیؓ نے فرمایا یہ سب تمہاری سازش ہے ہم اس میں شریک نہیں ہو سکتا، غرض باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس پہونچکر کہا کہ آپ نے ہمارے قتل کا فرمان لکھا ہے، لہٰذا آپ کا خون ہمارے لئے مباح ہے، گھر میں قید کر کے پانی بند کر دیا اور عین تلاوت قرآن مجید کی حالت میں خلیفہ برحق کو شہید کر دیا یہ حادثہ فاجعہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو ہوا، اسی منحوس تاریخ سے امت میں فتنہ کا آغاز ہوا، اور ایک مسلمان کی تلوار دوسرے مسلمان پر چلنے لگی، اہل علم واقف ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتخاب کی کیفیت سابقہ خلفاء کے انتخاب سے بالکل جداگانہ تھی، حضرت عثمانؓ کے حادثہ کے وقت بیشتر بزرگان امت دوسرے مقامات میں تھے مدینہ میں انہیں لوگوں کا غلبہ تھا جنہوں نے خلیفہ کو قتل کیا تھا، ان کی نگاہ میں حضرت علیؓ سے بہتر اور افضل کوئی اور نہ تھا، اس لئے باوجود انکار کے اصرار کر کے لوگوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا، آپ نے خطبہ پڑھا اس کے بعد صحابہ کی ایک جماعت خدمت میں آئی اور کہا کہ خلیفہ کا پہلا فرض ہے کہ حدود شرعیہ قائم کرے، لہٰذا جو خلیفہ کے قتل میں شریک ہوئے، ان سے قصاص لینا چاہیئے، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کو اچھی طرح علم ہے کہ وہی لوگ مجھ پر غالب ہو رہے ہیں، قابو ملنے پر مجھ سے کہنا۔ ابھی بہلت دو، آہستہ آہستہ عام شورش نے اسلامی صوبوں کے متعدد مقامات میں ایک ہیجان برپا کر دیا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والیٔ شام جو بنو امیہ کے رئیس اعظم تھے، حضرت علیؓ کی خلافت پر رضامند نہ تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو

متواترات عالم کا انکار کس طرح مفید ہو سکتا ہے۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۲ر محرم ۱۳۶۴ھ دیوبند

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۲) خلیفہ سوم کے قتل کی خبر حرم میں جب کہ وہ حج کے لئے تشریف لیگئی تھیں پہنچی۔ آپ کو نہایت صدمہ ہوا، اور ایک مؤثر تقریر فرمائی کہ جنہوں نے خلیفہ کو قتل کر ڈالا انہوں نے اسلام کے اصول کو توڑ ڈالا، ایسے باغیوں سے مسلمانوں کا فرض ہے کہ بدلہ لیں اور فساد کی اصلاح کریں قصہ مختصر یہ کہ حضرت عائشہؓ کو اونٹ پر سوار ہو کر خلیفہ برحق کے خون کا مطالبہ کرنا پڑا اور طرفین میں غلط فہمی اور اجتہادی فروگذاشتوں کی بناء پر ایک دوسرے کے خلاف میں آنا پڑا صحابہ کی دو معتبر جماعتیں سامنے آگئیں، ختم جنگ پر حضرت علیؓ نے بصرہ میں قیام فرمایا اور ام المومنینؓ کی خدمت میں جاکر بات چیت کی اور ان کو عزت کے ساتھ مدینہ میں روانہ کرنے کا سامان کیا اور روانگی کے وقت خود ساتھ نکلے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ مجھ میں اور علی میں بجز ان شکوؤں کے جو باہم رشتہ داروں میں ہوا کرتے ہیں اور کسی قسم کی عداوت یا دشمنی نہیں تھی، اور میں باوجود ناراضی کے ان کو بہترین لوگوں میں سے سمجھتی ہوں۔ جواباً حضرت علی نے فرمایا۔ ام المومنینؓ بالکل سچ فرمایا مجھ میں اور ان میں کوئی سابقہ رنجش نہیں تھی، ان کا رتبہ بہت بڑا ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح دنیا میں بیوی تھیں اسی طرح آخرت میں ہوں گی، اصل یہ کہ جمل کی لڑائی دراصل دیباچہ تھی، اس سے ایک دردناک جنگ کا جو مقام صفین میں دریائے فرات کے کنارے رقہ کے قریب ہے اسی طرح کی غلط فہمیوں کی بناء پر اجتہادی غلطی سے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں عظیم الشان جنگ ہوئی اور ۱۳ر صفر ۳۷ھ کو اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ ایک معاہدہ کی صورت میں ہو گیا۔ شعر ایں رشتہ بانگشت نہ پیچی کہ دراز است

پس آیت رحماء بینہم کا مفہوم یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ میں اصول مقصد کے اتحاد اور مقام اور منزل کے اشتراک نے ان میں محبت و خوش اعتمادی ایسی ہم رنگی و سازگاری پیدا

مکتوب نمبر ۱۳۳

جناب گلزار احمد صاحب بصیرہ ضلع شاہ پور پنجاب کے نام

محترم المقام زید مجدکم

(۱) قومیں نسل مذہب وطن، پیشوں وغیرہ سب سے بنتی ہیں، اس لئے اس میں منافات نہیں ہے کہ ایک جماعت کسی حیثیت سے دوسری جماعت کے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۲) کردی ہے کہ بیچ کے تمام پردے اٹھ گئے ہیں ہر ایک کا دل دوسرے کے لئے کھلا ہوا ہے، اسی ایک ٹکڑے کی تفصیل کے لئے سورہ فتح کے ساتھ سورہ حجرات لگائی گئی ہے اور اس میں وہ تمام خصوصیات گنادی گئی ہیں جو رُحَمَآءُ بَیْنَہُم والی جماعت میں ہونی چاہئیں تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عثمان غنی رضؓ کے زمانہ سے لیکر آج تک جتنے فتنے برپا ہوئے ہیں انہیں باتوں کی خلاف ورزی کا نتیجہ تھا جس سے صحابہ کرامؓ کی ذات بری ہے، مگر عام مسلمان قطعاً اس سے بری نہ تھے کیونکہ اجتہادی غلطی سے جنگ میں پڑجانا رُحَمَآءُ بَیْنَہُم کے منافی نہیں اور نہ عصمتِ صحابہ کا کوئی قائل ہے، اسی کے ساتھ صحابہ کی عدالت ثقاہت پر امت کا اجماع ہے۔ اور خارق... اجماع گمراہ ہے۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۳) مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول ص ۴۲۶ میں اس طرح کی گمراہی جو جماعتِ اسلامی کی طرف سے ان کے بانی آدم سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اپنی تحریروں میں پھیلائی ہے ہم نے کچھ تدارک کردیا ہے، وہاں ضرور ملاحظہ کرلیا جائے اور باقی لغویات و ہفوات کا یہاں جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں، اس سوالات کے جوابات کا پس منظر بھی صرف اسی قدر ہے کہ قوم اور وطن کی محبت غیر اسلامی ہے۔ اور قومیت متحدہ کا نظریہ دلائل سے خالی ہے، حالانکہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر موجود ہے کہ... قومیں نسل، مذہب وطن وغیرہ سے بنتی ہیں، ساری تصریحات تو محتاج تفصیل نہیں اگر

ہم توم بھی ہو، قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام اور مسلمانوں کو کفار کا ہم قوم ایک دو نہیں بلکہ تقریباً اسی جگہ قرار دیا گیا ہے، اس لئے مسلمانان ہند بحیثیت وطنیت جو کہ یورپین لسان میں مدار علیہ نیشن کا ہے، دیگر اقوام ہندیہ کے ہم قوم ہیں مگر بحیثیت مذہب مغائر ہیں بحیثیت نسل خود مسلمانوں میں بہت سی قومیں ہوں گی جن میں سے متعدد قومیں غیر مسلم قوموں سے بھی نسلی بناء پر متحد ہو جائیں گی، جیسے راجپوت، جاٹ وغیرہ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۳) صرف ایک ہی آیت والیٰ عاد اخاھم ھودا الخ کو مد نظر رکھا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ عاد حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے ارم کی اولاد میں ہیں یہ قوم اسی کی طرف منسوب ہے ان کی سکونت احقاف (یمن) میں تھی، حضرت ہود علیہ السلام اسی قوم سے ہیں اس لحاظ سے وہ ان کے قومی اور وطنی بھائی ہوئے"۔ ارباب لغت اور جمہور مفسرین قوم کے .... معنی کی یہ تشریح کرتے ہیں، قوم الرجل اقرباء الذین یجتمعون فی جد واحد وقد یقیمہ الرجل بین الاجانب فیسمیہم قومہ مجازا للمجاورۃ۔ وفی التنزیل قال یقوم اتبعوا المرسلین وکان مقیما بینھم ولم یکن منھم۔ ہندوستان کی آزادی سے قبل ہماری دو حیثیتیں تھیں ایک حیثیت ہندوستانی ہونے کی اور دوسری مسلمان ہونے کی، پہلی صورت میں ہم اس ملک کی تمام دوسری قوموں کے شریک حال رہتے ہوئے وطنی حیثیت سے ایک قوم تھے، اس لحاظ سے ملک کے جتنے سیاسی اور معاشی مسائل تھے، وہ سب کے سب ہمارے ابناء وطن کے درمیان مشترک تھے اسی معنی اور مفہوم کے اعتبار سے انگریزوں کے مقابل ہندی قومیں ایک نیشن کی حیثیت رکھتی ہیں دوسری حیثیت میں ہمارے ساتھ کوئی قوم ہماری شریک نہیں تھی۔ سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی خود ترجمان میں اسی طرح کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں" پس ہماری حیات ملی کا بقاء اور قومیت کا تحفظ اس پر منحصر ہے کہ ہم اس حکومت کے تسلط سے آزاد ہوں"۔ جب ہماری یہ دونوں حیثیتیں باہم متلازم ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کو حل کرنے کے لئے مشترک طور پر جدوجہد نہ کی جاتی۔ جو کچھ بھی باقی ہو

بہر حال مسلمان ہم قوم برادران وطن بھی ہیں اور غیر بھی؛

(۲) اس میں کوئی منافات نہیں ہے کہ ایک ہی وقت میں انسان ہندوستانی بھی ہو، اور مسلمان بھی، تقدم اور تاخر کا لزوم ضروری نہیں ہے، ہم ایک وقت میں بیٹے بھی ہیں، بھائی بھی ہیں، باپ بھی ہیں، ماموں بھی ہیں چچا بھی ہیں وعلیٰ ہذا القیاس۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۳) آزادی ہم مسلمان چاہتے ہیں وہ بھی اسی وقت حاصل ہو سکتی تھی جب کہ ہمیں ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے آزادی حاصل ہو جائے، چنانچہ اس تعریف کی رو سے ہندی قومیں باعتبار مذہب، معاشرت، تمدن، زبان اور کلچر تہذیب وغیرہ جداگانہ قومیں مانی جائیں گی۔ ع اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔

میں بطور دعا کے یہ کیوں نہ پڑھ دوں، اللّٰہم اہد قومی فانہم لایعلمون"

اسی کے ساتھ ملک کی محبت بھی غیر اسلامی چیز نہیں ہے، ورنہ پھر تو سوائے محبت اللہ و رسول کے کسی اور چیز کی محبت بھی غیر اسلامی کہی جائے گی، درانحالیکہ ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کتب حدیث و سیر میں اتنے موجود ہیں، جن کا انکار نصوص شرعیہ کے انکار کے مرادف ہوگا غور کیجئے، مکہ کی فتح اور صلح حدیبیہ کو فتح مبین کہا گیا۔ حدیث میں ہے کہ اے سرزمین مکہ تو مجھے محبوب ہے، میں تجھ سے جدا نہ ہوتا، اگر تیرے فرزند مجھے جدا نہ کرتے، ہجرت کے بعد دار الہجرت سے منتقل ہونا محبوب و مستحسن نہ تھا، اس لئے مدینہ منورہ آپکا وطن ہوگیا اس وطن جدید کے لئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے خدا مدینہ کو ہمارے قلوب میں ایسا محبوب بنا دے جیسا ہم مکہ سے محبت کرتے ہیں یا اس سے زیادہ اے اللہ اس کے صاع اور کھجوروں میں برکت عطا فرما، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نے مجھ سے فرمایا دیکھو مجھ سے بغض نہ رکھنا ورنہ دین سے بالکل جدا ہو جاؤ گے عرض کیا یا رسول اللہ بھلا آپ سے کیسے بغض رکھ سکتا ہوں، آپ ہی کے طفیل میں تو ..... اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہدایت نصیب فرمائی، فرمایا عرب سے بغض رکھو گے تو مجھ سے بھی بغض

اور اگر تقدم و تاخر مراتب شمار کرنا ہے، تو ہندوستانیت بحیثیت جسم اور اس کے لوازم کے ہے اور اسلامیت بحیثیت روحانیت اور اس کے لوازم و توابع ہے، بحیثیت وجود و بنیادی جسمانیت مقدم ہے۔ بچہ جب تین چلے اپنی پیدائش کے پورے کرلیتا ہے تب روح آتی ہے اور بحیثیت شرف و فضل روحانیت مقدم ہے۔ (مکاتیب شیخ الاسلام)

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۱۳۴

جناب مولانا احمد حسین صاحب لاہر پور ضلع سیتاپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مضامین مندرجہ چونکہ دفتر ادر ناظم سے تعلق رکھتے تھے اس لئے رجسٹری کرا کر ناظم اعلیٰ صاحب کے پاس بھیجدیئے، وہ حج کمیٹی کے ممبر بھی ہیں۔ آپ کے والانامہ مورخہ ۲۷ شعبان نے زیادہ تر مکدر کر دیا، کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلہ کی اسکیم کی

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۳) رکھنے لگے گے، ترمذی اور بیہقی وغیرہ میں بھی اس قسم کی روایا موجود ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وطن اور قوم کے حدود کہاں تک ہیں، حضرت شیخ مدظلہ العالی کے اس والانامہ کی شرح حضرت کا وہ رسالہ ہے جس کو سمجھتے ہوئے مودودی صاحب نے تدلیس سے کام لیا اور تردید میں بے سروپا باتیں حسب عادت بڑھا چڑھا کر لکھیں جو علم اور عقل دونوں کی کمی پر دلالت کرتی ہیں۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۴) دلائل الخیرات حضرت عارف باللہ مولانا محمد سلیمان صاحب جزولی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق کتاب ہے، اور بھی بہت سی کتابیں آپ نے تصنیف فرمائی ہیں، آپ کے تلامذہ کی تعداد بیس ہزار ہے جو روایت حدیث آپ ہی سے کرتے ہیں

وجہ سے نصیب دشمنان شباب کو جیل کا خطرہ ہے، بہرحال دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام مکروہات اور اذیتوں سے محفوظ و مصئون رکھے، آمین۔

جب تک اس قسم کے خطرے اور مشکلات پیش ہیں، حسبنا اللہ ونعم الوکیل روزانہ پانچ تسبیح پڑھ لیا کریں، خواہ ایک مجلس میں یا مجالس متعددہ میں۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۴) آپ کے دست مبارک پر تقریباً بارہ ہزار لوگوں نے توبہ کی، اتباع سنت آپ پر غالب تھا، نماز صبح کی پہلی رکعت یا دوسری کے سجدۂ اولی میں ۱۶ ربیع الاول ۸۷۰ھ میں رحلت فرمائی، کوئی اولاد نہیں چھوڑی، ستر برس کے بعد سوس سے آپ کی نعش کو نکال کر مراکش میں دفن کیا گیا۔ جسم مبارک میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا، بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی زندہ ہیں اور سو رہے ہیں، آج بھی آپ کے مزار مبارک سے مشک کی خوشبو زائرین کو محسوس ہوتی ہے، اس کتاب کے لکھنے کا سبب یہ ہوا کہ شیخ الدلائل اپنے شاگردوں کے ساتھ ایک دور دراز گاؤں کے قریب پہنچے، جہاں ظہر کی نماز کا وقت بالکل آخر ہو رہا تھا، اور پانی دینے والا کوئی نہ تھا، جستجو کے بعد ایک کنواں دکھلائی دیا تو رسی نہ تھی، کہ پانی نکالا جائے ایک نو سالہ لڑکی اپنے جھروکے سے دیکھ رہی تھی، اس نے شیخ سلیمان جزولیؒ کو آواز دی کہا کیا حال ہے، شیخ نے فرمایا کہ وقت جا رہا ہے، کنواں موجود اور پانی کے ملنے کی کوئی صورت نہیں، لڑکی نے کہا ٹھہر، پھر آئی اور کنوئیں میں درود شریف پڑھ کر لعاب دہن ڈالدیا پانی ابل پڑا اور شیخ نے اپنی ضرورت پوری کرلی، بعد فراغت شیخ لڑکی کے دروازے پر حاضر ہوئے اور بہت منت سماجت کرکے دریافت فرمایا کہ آخر تو اس مرتبہ پر کیسے پہنچ گئی، لڑکی نے عرض کیا کہ ایک درود شریف ہے جسکا ورد اور وظیفہ میں برابر کرتی رہتی ہوں اسی کی برکت سے خدا نے اس مرتبہ پر پہنچایا، شیخ نے وہ درود شریف بھی معلوم کرلیا، اور اپنی کتاب دلائل الخیرات میں درج کرکے ساری کتاب کو درود شریف سے بھر دیا، یہ کتاب اس درجہ مقبول ہوئی کہ اس کی سند اجازت مشایخ برابر دیتے چلے آتے ہیں اور قیامت تک انشاء اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ قائم رہے گا، درود شریف کے فضائل

ارادہ سفرِ حجاز سے مع اہلیہ محترمہ بہت خوشی ہوئی، دعا کرتا ہوں مسبب الاسباب تمام وسائل کو پورا کر کے مقصد میں کامیاب فرمائے آمین، دلائل الخیرات کی آپکو اجازت دیتا ہوں، کراچی کیس میں قتل مسلم کی بحث کے شبہے بوقت ملاقات متعین ہو جائیں، تو اس کی تفصیل زبانی ہوگی، آپ کے پرانے خطوط میں یہ ٹکٹ تھے علیحدہ لکھنے کی وجہ سے یہ ٹکٹ واپس ہیں۔　　　والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۱۴ رمضان المبارک ۶۲ھ از ٹانڈہ

مکتوب نمبر ۱۳۵

جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب نمرولی ضلع دربھنگہ کے نام

واقعی میں ذکر قلبی کے لئے کسی وقت کی تقیید نہیں ہے، اس لئے جو طریقہ بھی آپ نے حسب فرصت اختیار فرمایا ہے، مستحسن ہے، ذکر کے وقت میں جو کیفیت محسوس ہوتی ہے مبارک ہے، اللہم زد فزد اور دوسری کیفیتیں کشادگی وغیرہ اور خفیف سرزنی کی یہ سب جسم عنصری کے ذکر سے متاثر ہونے کے آثار ہیں جس کو سلطان الاذکار[ل]

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۴) وبرکات آفتاب سے زیادہ روشن ہیں، بعد تلاوت قرآن کریم درود شریف اور کلمہ طیبہ وغیرہ کے ثواب پر امتِ محمدیہ کا اتفاق ہے ترکِ فرائض کرکے درود شریف کا پڑھنا مثمر برکات نہیں خوب سمجھ لیا جائے۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۵) [ل] سلطان الاذکار کے مختلف طریقے ضیاء القلوب وغیرہ کے اندر درج ہیں حضرت امام العصر کے اس والا نامہ میں بھی سلطان الاذکار کا نام آگیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مرید کو چاہیئے کہ سر سے پیر تک اس کا ہر بن مو اپنی ذات کی طرف متوجہ ہو کر اسم ذات کو ملاحظہ کرے، اور مرشد بھی اسکے تمام اجزا کی طرف تمام و کمال صرف ہمت فرمائے اور اس شغل کو اس حد تک کرے کہ ہر بن مو سے ذکر جاری ہو جائے یہاں تک کہ اگر خود اپنے کو غافل رکھنا چاہے ممکن نہ ہو اسی کا نام سلطان الاذکار ہے۔

کہتے ہیں، فللہ الحمد والمنۃ اللہ تعالی ہر روز افزوں ترقی عطا فرمائے۔ آمین،
یقیناً نفس جوکہ مادیات سے پیدا ہوا ہے، اور سب سے بڑا دشمن روحانیت اور ملکیت کا ہے۔ کما قال علیہ السلام ان اعدا عدوک نفسک التی بین جنبیک، وہ اپنے ...... مالوفات اور خواہشات پیش کرتا ہوا منازعت کریگا شرع کی روشنی سے اس کی ظلمتوں کو مٹائیے اور استقامت کی داد دیجئے، قرآن اور سنت کی پیروی میں کوشاں رہیں، اللہ تعالے مدد فرمائے گا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طَآئِفٌ مِّنَ الشَّیْطَانِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ (الآیۃ) گناہوں پر ندامت ہوئی بڑی نعمت ہے، شکر ادا کرتے رہیے، نماز کی طرف رغبت اور نماز کی شیرینی حلاوت ایمان سے ہے اللہ تعالے روز افزوں اس میں ترقی عطا فرمائے آمین، ہمیشہ ذات مقدسہ فاطر السمٰوٰت والارض مالک الملک رب العلمین کا خیال اور دھیان ہونا چاہیئے کسی مخلوق کا خیال غیر اللہ کا خیال ہے، حتی الوسع اس کو تحت لا کھینچیے اور کنارہ کشی کیجئے۔
زیارت باسعادت کے لئے بعد از عشا غسل کرکے (شب جمعہ میں) دھوئے ہوئے یا نئے کپڑے پہنئے، خوشبو لگائیے، پاک صاف جگہ میں اگر بتی جلا کر دو رکعت نماز بہ نیت حصول زیارت پڑھیئے، ہر رکعت میں بعد از فاتحہ پچیس [25] مرتبہ سورۂ اخلاص (قل ہو اللہ) پڑھئے سلام پھیرنے کے بعد (صلی اللہ علی محمدن النبی الامی) ایکہزار مرتبہ پڑھئے، اور پھر اسی جگہ پر تنہا دہنی کروٹ سو جائیے اگر اس شب میں زیارت ہوگئی فبہا ورنہ اگلی شب میں بھی ایسا ہی کیجئے انشاء اللہ اگلے جمعہ تک میں یہ شرف حاصل ہوجائے گا تا حصول زیارت ہر رات میں عمل مذکورہ بالا رہنا چاہئیے، تہجد کے پڑھنے کی اجازت طلب کرنی کیسی؟ ہمت کیجئے اور کوشش جاری رکھیئے اللہ تعالی مدد فرمائے اسکا کوئی خصوصی طریقہ نہیں، ہاں قرآن جسقدر بھی ممکن ہو اس میں پڑھنا بہت بہتر ہے۔ والسلام)
ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ وارد حال نئی سڑک سلہٹ ۲۳ر رمضان المبارک ۶۲ھ

مکتوب نمبر ۱۳۶

جناب مولوی عبدالحمید صاحب مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مزاج مبارک ۔

جن باتوں کے متعلق آپ نے سوال فرمایا ہے، ان کا جواب حسب ذیل ہے۔

(۱) اولاً بطور تمہید یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام انسان ہوتے ہیں جو بشری لوازم ہیں، ان میں بھی پائے جاتے ہیں بھوک پیاس، سردی، گرمی، نیند، بیماری، دکھ، درد محبت اولاد نفرت از اعداء وغیرہ اوصاف بشریہ ہیں مثل تمام انسانوں کے ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ بھی مثل تمام انسانوں کے احکام خداوندی کے مکلف ہیں، وہ مثل فرشتوں اور ارواح قدسیہ کے ان احساسات بشریہ اور خواہشات نفسانیہ سے منزہ اور بے لوث نہیں ہوتے، بلکہ بسا اوقات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قویٰ... اور استعدادات بشریہ عام انسانوں سے بدرجہا زاید ہوتے ہیں، لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں خیر اور خشیت الٰہیہ کا غلبہ ہوتا ہے، حضور دائمی جناب باری عزاسمہٗ کا حاصل رہتا ہے، جس کی وجہ سے خیر کی رغبت اور شرور سے نفرت اور دوری ہتی

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۶) استاذنا المکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

بندہ کے دل میں ایک اشکال پیدا ہوا ہے جو کہ ایک مسلمان کے دل میں نہ ہونا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ جب کہ یہ امر مسلم ہے کہ جمیع انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں تو پھر بابت اخر سورہ تحریم نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے مخالف حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق وحی کا نازل ہونا یا ان شاء اللہ نہ کہنے پر وحی کا رک جانا وغیرہ کا کیا بھی ہوگا عصمت کیا ہے؟

(۲) یہ خیال اس وقت سے پیدا ہوا جب سے مودودیت جو گنگوہ میں صورت فتنہ

ہے۔ اگر کبھی کبھی، بمقتضائے طبیعت یا وساوس شیطانیہ کسی معصیت کی طرف میلان ہوتا ہے تو حفاظت خداوندی اور نگہبانی ربانی رکاوٹ پیدا کر دیتی ہے اور بیچ میں حائل ہو جاتی ہے، اسی حیلولہ اور رکاوٹ کا نام عصمت ہے، بخلاف فرشتوں کی معصومیت کے کہ ان کے یہاں ایسی خواہشات کا مادہ ہی نہیں ہوتا ان کا معصوم ہونا ایسا ہی ہے جیسے کہ بچہ اور عنین میں مادہ جماع اور رغبت الی النسأ کا مادہ ہی نہیں ہے، اس لئے ان کو معصوم کہنا حقیقی نہیں ہے بلکہ مجازی ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں یہ عصمت گناہوں اور ان اعمال کے متعلق ہوتی ہے، جو کہ از قبیل جوارح یا عمل قلب ہیں اور جو چیز از قبیل علم اور رائے ہیں ان میں عصمت کو دخل نہیں ہے، ممکن ہے پیغمبر کی کوئی رائے غلط ہو، البتہ اس کو جب کبھی عملی جامہ پہننے کا موقع آتا ہے تو وہاں عصمت خداوندی آکر حائل ہو جاتی ہے اور رائے کی غلطی پر متنبہ کر دیتی ہے، بشرطیکہ وہ عمل از قسم معاصی ہو اور اگر وہ عمل درجۂ معصیت نہیں رکھتا ہے بلکہ از قسم ترک اولیٰ یا بعض درجہ والوں کے لئے معصیت اور بعض درجہ والوں کے لئے معصیت نہیں ہے یا از قسم صغائر ہے تو وہاں عمل کے وقت میں بھی عصمت رکاوٹ نہیں ڈالتی، ہاں چونکہ پیغمبری کے درجہ والوں کے لئے وہ سیئہ تھی، اس پر مواخذہ الوہیت ہو جاتا ہے جیسا کہ بعض صغائر پر مقربین کی گرفت ہو جاتی ہے، حسنات الابرار سیئات المقربین، انبیأ سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام پر گرفتیں اسی قسم کی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۶) اختیار کئے ہوئے ہے کچھ تبادلۂ خیالات اور کچھ ان کے اخبارات کا مطالعہ تردید آ گیا گیا، یہ لوگ صحابہ تک کو متجاوز کہہ دیتے ہیں، چنانچہ حضرت علی و ابن عمر و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کو احیاء تبلیغ دین میں متجاوز عن الاعتدال کے الفاظ اختیار کئے ہیں نیز خود مسلک اعتدال میں فرماتے ہیں کہ میں نے اشخاص ماضی و حال کے بلا واسطہ دین کو

اس تمہید کے بعد عرض یہ ہے کہ جو شبہات آپ کو پیش آئے ہیں، ان میں غور فرمائیے وہ از قسم معاصی ہیں ہی نہیں سورہ تحریم میں جو واقعہ پیش آیا ہے کہ آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قسم کھائی کہ اب سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں کا شہد نہ پیوں گا۔ یا اب سے اپنی مملوکہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے جماع نہ کروں گا، یہ دونوں چیزیں از قسم معصیت ہی نہیں، دوسری ازواج کو خوش کرنے کی بنار پر یہ عمل کیا گیا تھا، جو کہ آپ جیسے اولعزم مقرب کے مقام عالی کے مناسب نہ تھا، اس لئے اس پر عتاب کیا گیا لہٰذا یہ بابِ عصمت میں آتا ہی نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر وحی کا آنا اکثر امور میں تو ان کی رائے ہے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں ہے، البتہ بعض امور میں مخالفت بھی ہے، جن میں رائے نبویہ علیہ السلام اور اس پر عمل میں کوئی معصیت نہیں تھی۔ فقط ترک اولیٰ کی بنار پر عتاب کیا گیا جیسے اساری بدر کا واقعہ تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے مشورہ لیا، کیونکہ باوجود انتظار کوئی حکم نہیں آیا تھا، ایک جماعت نے مشورہ فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا دیا، کہ یہ لوگ امید ہے کہ آیندہ مسلمان ہو جائیں اور اس وقت فدیہ لے کر مسلمانوں کا فقر وفاقہ دور ہو جائے اور جہاد مستقل کے لئے سامان تیار کر لیا جائے، دوسری جماعت نے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۶) کتاب وسنت سے سمجھا ہے، نیز حضرت حاجی علیہ الرحمۃ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے متعلق لکھتے ہیں، ان حضرات نے ابتدائے زندگی میں تو اچھا کام کیا مگر آخر عمر میں ایسی مسموم غذا مسلمانوں کو دے گئے ہیں کہ آج تک مسلمان اس کے زہر سے محفوظ نہیں ہیں۔ اور بھی تنقیدات تصوف پر بہت کی ہیں، بعض اہل گنگوہ دیگر بعض کو حضرت ابوسعید سعید علیہ الرحمۃ کے مزار پر جانے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک سنیاسی ہے، جو

مشورہ ان کے قتل کر دینے کا دیا کہ یہ دشمنوں کے سردار اور لیڈر ہیں ان کے قتل سے کفر کی ہیبت ٹوٹ جائے گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی مشورہ تھا، رحمۃ للعالمین کو پہلا مشورہ پسند آیا، اور آپ نے اسی کا حکم دیا۔ اس پر عتاب کیا گیا، اور آیت حسب رائے عمر رضی اللہ عنہ اتری حقیقت میں کوئی جائے معصیت نہ تھی، رائے کی غلطی کوئی گناہ نہیں، خصوصاً جبکہ کوئی حکم اس بارہ میں آیا ہی نہ ہو اور بالاخص جبکہ اس رائے میں امور شرعیہ کا لحاظ ہی باعث ہوا ہو، انبیاء کی عصمت اس سے کب دور ہوتی ہے، نہ دیکھیے حضرت داؤد علیہ السلام نے جو فیصلہ عادلانہ دیا تھا، اور .... وہی فیصلہ آج شریعت محمدیہ کا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا صلح جویانہ فیصلہ جس کو ففھمنا ہا سلیمان کے ساتھ فرمایا گیا ہے، اور اس پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا ہے، اس کے خلاف ہے، مگر حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کو معصیت نہیں قرار دیا گیا، اور فرمایا گیا وکلاً آتینا حکما وعلما، جس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر دو فیصلے اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک تھے، مگر اولیٰ اور بہتر حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ تھا، یہی صورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رایوں کی ہے، یہ بات دوسری ہے کہ بارگاہ خداوندی کسی امر پر گرفت فرمائے اس کو حق ہے کہ صغائر اور خلاف اولیٰ پر بھی گرفت کر بیٹھے، یہ ضرور نہیں..... کہ معصیت ہی پر گرفت کیا کرے، لفظ انشاء اللہ نہ کہنے پر گرفت کا ہونا بھی اسی قبیل ترک اولی سے ہے، خصوصاً اس وقت میں جب کہ اس کے متعلق کوئی حکم نہیں آیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۲) پتھروں میں پڑا ہے، اور یہ مشہور مقولہ ہے مودودیوں کا کہ دیوبند اور مظاہر میں قربانی کے مینڈھے تیار کئے جاتے ہیں، علماء پر زبردست، ریمارک خاص کر ماضی قریب کے بزرگوں پر، اس وقت یہ عرض کرنے کا مقصد ہے کہ آیا ہم کھل کر ان لوگوں کو جواب

سیدنا انبیاء علیہم السلام کا منصب اعلیٰ اس کا مقتضی تھا کہ وہ تمام امور کو اللہ تعالیٰ پر مفوض فرماتے، مگر آپ بھول گئے، آپ کی اس نسیان پر عتاب آمیز کلمات اور امساک عن الوحی بطور تادیب ارشاد عمل میں لائے گئے، آج بالاتفاق نہ تو سہو اور نسیان گناہ ہے اور نہ قصداً ترک انشاء اللہ معصیت ہے نہ کبیرہ نہ صغیرہ جب کہ خطرہ حدیثِ نفس، ہم[1] وغیرہ معصیت نہیں ہیں تو ان سے عصمت کیوں ضروری ہوگی، آپ کا یہ فرمانا کہ عصمت کلی نہ رہ جائے گی، یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے، کیونکہ عصمت معصیت اور گناہ سے ہوتی ہے، اور یہ چیزیں گناہ ہی نہیں ہیں۔

(۲) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ خواہ صحابہ کرام ہوں یا اولیائے عظام یا آئمہ حدیث و فقہ و کلام کوئی بھی معصوم نہیں ہے سب سے غلطیاں ہو سکتی ہیں مگر ان کے متعلق اعتمادیت کی شہادتیں، قرآن و حدیث میں بکثرت موجود ہیں، اور ان کے اعمال نامے اور اتقاء وعلم کی تاریخی روایات معتبرہ اس قدر امت کے پاس موجود ہیں کہ قرونِ حالیہ کے پاس ان کا عشر عشیر بھی نہیں ہو ان پر تنقید انہیں جیسے پایۂ علم و اتقاء والا کر سکتا ہے، ہمارے زمانہ کے ٹٹپو نجیے جنکے پاس نہ علم ہے نہ تقویٰ کیا منہ رکھتے ہیں کہ زبان دراز کریں، سوائے اپنی بدبختی کے اظہار کے اور کیا حیثیت رکھتے ہیں، ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکان برد

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۶) دیں کیونکہ خاص کر گنگوہ سے جملہ واسطہ ہے۔

(۳) یہ کہ بندہ حضرت سے ارادت بھی رکھتا ہے اور اپنے اندر بہت زیادہ عملی کوتاہی پاتا ہے لہذا درخواست ہے کہ دعا فرمادیں، والسلام۔ (عبدالحمید)

آیات قرآنی کا ترجمہ گذر چکا ہے۔ [1] لفظ ہم۔ کے معنے ہیں خیال اور وسوسہ کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تو ان کی تعریف فرماتا ہوا ارشاد کرتا ہے محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار الآیۃ ..... دوسری جگہ ہے ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم الآیۃ ...... تیسری جگہ ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس الآیۃ ...... چوتھی جگہ ہے ..... وکذالک جعلناکم امۃ وسطاً الآیۃ ..... اور یہ کم بخت ان کی شان میں ہذیان بکتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوا ھم من بعدی غرضاً[1] آپ فرماتے ہیں۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ اور یہ بدبخت ان کی شان میں بدگوئیاں کرتے ہیں، سوائے بدنصیبی کے اور کیا ہے، ان خبیثوں سے گفتگو اور مناظرہ کرنا اپنے وقت کو ضائع کرنا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اور ہماری ہدایت فرمائے آمین، دارالعلوم اور مظاہرالعلوم یا ان کی بنیاد رکھنے والوں اور طلبہ اور مدرسین کے متعلق ہر گمراہ اور مخالف اسلام و مخالف اہلسنت ایسے ہی الفاظ کہتا ہے۔

(۳) ذکر اور عبادت اور اتباع شریعت اور سنت میں ہمیشہ مشغول رہیں علوم دینیہ کی اشاعت اور تبلیغ میں جس قدر ممکن ہو عمر عزیز کو صرف کرتے رہیں دعا کرتا ہوں۔ والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۳؍ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ

---

[1] ترجمہ:۔ خدا سے ڈرو خدا سے ڈرو۔ میرے اصحاب کے متعلق میرے بعد ان کو نشانہ تنقید نہ بناؤ۔ اس حدیث کے باقی حصہ کا ترجمہ یہ ہے کہ جو شخص میرے اصحاب سے محبت رکھتا ہے تو درحقیقت اس کو مجھ سے محبت ہے اور میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے۔ اور جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے تو درحقیقت اسکو مجھ سے بغض ہے اور اس سبب سے ان سے بغض رکھتا ہے، (معاذ اللہ)

مکتوب نمبر ۱۳۷

جناب اقبال احمد خانصاحب سہیل ایل ایل بی کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ، مزاج مبارک

مجکو بعض ضروری گذارشات عرض کرنی ہیں، مگر چونکہ عرصہ سے اعظم گڈھ حاضر ہونے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس لئے اب تک ان کے پیش کرنے کا موقع نہیں ملا اس مرتبہ رمضان شریف میں سخت بیمار ہوگیا تھا، جس کا اثر اب تک ہے، اس لئے

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۰) مدرسۃ الاصلاح سرائے میر سے حضرت شیخ الاسلام مدظلہٗ العالی کا قدیم تعلق ہونا تو ایک جانی بوجھی بات ہے، ممکن ہے کہ حالات کے الٹ پھیر میں باتیں ضائع ہوجائیں اور مدرسہ مذکور کے تاریخ نگار کو زحمت پیش آئے۔ اس لئے ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ بعض اصولی اور تاریخی امور کو مختصراً یہاں پر درج کر دیں تاکہ سند رہے اور وقت پر کام آئے، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ضلع اعظم گڈھ کے اطراف و دیار کے باہوش اور درد مند مسلمانوں نے جس مجلس کی داغ بیل بنام انجمن اصلاح قوم و برادری ضلع اعظم گڈھ سنہ ۱۳۳۱ھ میں ڈالی تھی اور جس کے کل بارہ جلسے مدرسہ مذکور کے قریبی مواضعات سیدھا سلطانپور، مرزاپور، بیناوج، سرائے میر، راجہ پور سکرور، بڈہریا، نظام آباد، سہریا، اسلم پٹی، منجیرپٹی وغیرہ میں ہوئے تھے۔ جیسا کہ دستخط ممبران مواضعات و شرکائے انجمن اور اس کی عہد بعہد کامیابی کی تفصیلات سے ظاہر ہے، یہی مجلس انجمن اصلاح اعظم گڈھ ترقی کرکے مدرسۃ الاصلاح المسلمین سرائے میر کی شکل میں منتقل ہوگئی۔ جس کے اصلی روح رواں مولانا محمد شفیع صاحب مرحوم بیاروا اور مولانا عبدالاحد صاحب مرحوم فاضل دیوبند تھے، اس مدرسہ کا سنگ بنیاد سنہ ۱۳۲۶ھ کے موسم بہار میں مولانا سید اشتیاق حسین صاحب مرحوم و مغفور شاگرد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دست مبارک سے رکھا اور وہ دن مدرسہ کی ترقی و کامیابی کی بنائیں

اس سفر میں حاضری سے محروم رہا، مجبوراً تحریر کرنا ضروری معلوم ہوا، مدرسۃ الاصلاح سرائمیر سے مجھکو جو کچھ قدیم سے تعلق ہے، وہ آپ حضرات کو بخوبی معلوم ہے، مدرسہ مذکور

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۷) فرمائیں، گو بعد کو قوم و برادری کے دیگر علمائے کرام تکمیل کے نقشے مرتب کرتے رہے، لیکن اولیت اور الفضل للمتقدم کا طغرائے امتیاز اول الذکر حضرات ہی کے بے لوث ایثار اور خلوص کا مرہونِ منت ہے، اور اب اس مدرسہ کا نام بھی بدل کر مدرسۃ الاصلاح ہوگیا ہے، پھر عرصہ کے بعد علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے اس کے ابتدائی اغراض و مقاصد، نصابِ تعلیم اور طریقۂ کار کا خاکہ تیار کیا، اور استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائے قیام سے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک بحیثیت ناظم اس کی خدمت کی اس کے ناتمام شعبوں کی تکمیل فرمائی اور اس کی خاطر دنیا کے تمام دوسرے مشاغل سے علیحدہ ہوگئے اور مدرسہ کا یہ پہلا دور آپ کی وفات ۱۹۳۰ء پر جاکر ختم ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کا مدرسہ مذکورسے پہلا تعلق تو یہ ہے کہ اس کا سنگِ بنیاد ایک دیوبند کی عالم اور شیخ الہندؒ کے شاگرد نے رکھا ہے، دوسرے یہ کہ مولانا فراہیؒ اور مولانا مدنی کی پہلی ملاقات کلکتہ میں اس وقت ہوئی جب مولانا فراہی مرحوم مدرسہ کے کام سے رنگون تشریف لیجارہے تھے اس کے بعد پھر ۱۹۳۲ء میں مدرسہ پر مولانا مدنی مدظلہ العالی پہلی بار تشریف لائے اور پھر سیاسی مشاغل قید و بند کے مصائب سے تشریف لانا ممکن نہیں ہوا حسنِ اتفاق کہیے یا سوئے اتفاق کہ ۱۹۳۶ء میں مدرسہ کے آرگن رسالہ الاصلاح فروری ۱۹۳۶ء کی شائع شدہ ایک ناقص تحریر کی بناپر مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی رحمہما اللہ کی تکفیر کی گئی، اور انہیں کے تعلق سے مدرسۃ الاصلاح کے اساتذہ کارکنوں اور تمام متعلقین اور ہمدردوں کو بھی کافر قرار دیا گیا، اور اس کا اثر مدرسہ پر بڑی تیزی سے پڑا، اطراف و دیار کے مسلمان مدرسہ کے درجہ بدظن اور سارے ضلع اور ملک میں ایک آگ سی لگ رہی تھی، ان حالات کو دیکھ کر شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی نے مدرسہ پر ایک دارالامام اس

کے روح رواں مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو کہ قرآن شریف کے مُسلّم عالم تھے، اور ایک خاص فکر و خیال رکھتے تھے ضرورت تھی کہ مدرسہ مذکور کے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۰) مضمون کا روانہ فرمایا کہ مولانا حمید الدین فراہی مرحوم......

..... اور مولانا شبلی مرحوم کی تکفیر الاصلاح فروری ۱۹۳۶ء کے جس مضمون کی بنا پر کی گئی ہے اس کو میرے پاس روانہ کر دیا جائے، پرچہ روانہ کر دیا گیا اس کے بعد حضرت مولانا مدنی مدظلہٗ العالی نے تحریر فرمایا کہ میں فلاں تاریخ کو مدرسۃ الاصلاح پہنچ رہا ہوں، چنانچہ تشریف لائے الاصلاح کی جن عبارتوں پر تکفیر کی گئی تھی ان کو دیکھنے اور اساتذہ مدرسہ کے چند استفسارات کے بعد حضرت مولانا مدنی ظلہٗ العالی نے مندرجہ ذیل بیان بغرض اشاعت عنایت فرمایا۔

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ حضرات کے مسلکہ جوابات کو دیکھ کر مجھے اطمینان کلی ہو گیا اور جو شکوک و شبہات مجھکو مولوی محمد فاروق صاحب کے کھلے معروضہ کو دیکھنے اور دیگر حضرات کے کلمات کی بنا پر پیدا ہوئے تھے وہ سب رفع ہو گئے، مجھے سخت تعجب ہے کہ ان حضرات نے ایسے سخت گذار خطرناک راستہ یعنی تکفیر مومنین کو کیوں اختیار فرمایا ہے، حالانکہ اس کے اور اس کے مماثل امور کے لئے نہایت شدید وعیدیں وارد ہوئی ہیں، کیا "فقد باء بہ احدھما" الحدیث اور کل المسلم علی المسلم حرام الحدیث وغیرہ احادیث نبویہ انزجار کے لئے کافی نہیں ہیں، کیا آپس کے نزاعات نفسانیہ اس کی اجازت دیتے ہیں، کہ افترائات اور بہتانوں کا طومار باندھ کر تکفیر کے فتاویٰ حاصل کئے جائیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،

ہمنے مدرسۃ الاصلاح کے پرچے دیکھے، مجکو ان میں ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس کا کوئی صحیح محل نہ ہو سکتا ہو مجکو سخت افسوس ہے کہ مولانا فاروق صاحب اور انکے

اساتذہ اور طلبہ مولانا مرحوم کی زندگی کو اپناتے اور سلف صالحین و اکابر اہل سنت و الجماعت کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے مولانا مرحوم کے اصول کے مطابق علمی جد و جہد جاری رکھتے، لیکن یہ معلوم کر کے سخت صدمہ ہے کہ اب اس مدرسہ میں مودودی جماعت کا

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳) ہوا نقین نے وہی ناپاک طریقہ اختیار فرمایا ہے، جو کہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے ہمنواؤں کا تھا، اور ہے فالی اللہ المشتکی آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم کو اور ان حضرات کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اور "ان النفس لامارۃ بالسوء" کا مظہر بننے سے محفوظ رکھے، واللہ ولی التوفیق۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۰ر صفر ۱۳۵۵ھ)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ العالی کے اس قول فیصل نے قصر تکفیر کے ایک ایک ستون اور ایک ایک اینٹ کو منتشر کر دیا۔ غوغا تکفیر اور کافر گری کا ناس ہو گیا حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم وغیرہم اکابر علماء اور مفتیان ہند نے بعض تشریحی مضامین پڑھنے اور مولانا مدنی مدظلہ العالی کے محاکمہ پر تکفیر سے رجوع کر لیا مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کی اس نشاۃ ثانیہ کا سہرا حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کے سر رہا، اگر یہ بطل حریت اور زعیم ملک و ملت پیکر زہد و تقویٰ اپنے غیر معمولی خلوص اور علم و عمل کی بے پناہ طاقت سے مسلح ہو کر اس فتنہ کا سد باب نہ کرتا تو ہندوستان کے اندر کسی عالم اور مائی کے لال کو اتنی طاقت نہ تھی جو مدرسہ مذکور کو تباہی سے بچا سکتا حضرت مولانا مدنی کا مدرسہ پر یہ وہ احسان ہے کہ اس سے بڑا کسی اور کا کوئی احسان نہیں اور مدرسہ سے مولانا ممدوح کو جو تعلق ہے کیا اس سے بڑا اور اہم کوئی علاقہ ہو سکتا ہے، پس یہی وہ چیزیں ہیں کہ مولانا مدنی مدظلہ العالی نے جماعت اسلامی کے لوگوں کے خیالات اور لٹریچر کی اشاعت کو مسلمانوں کے لئے سخت مضر سمجھ کر روکا ہے۔ "زندگی" رام پور جس کا حوالہ

زور ہے، جیسا کہ جماعت کا آرگن زندگی رام پور مورخہ دسمبر و جنوری ۱۳۶۵ھ صفحہ ۱۰۲ سے ظاہر ہے، ایسی صورت میں آپ جیسے اراکین مدرسہ کا فرض ہے کہ اس خیال

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۷) حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی نے اپنے والا نامہ میں دیا ہے اس کے اندر یہ عبارت موجود ہے۔

"ملک کی کوئی بھی مشہور دینی درسگاہ ایسی نہیں ہے، جہاں ہمارا لٹریچر پڑھا جاتا ہو اور کچھ لوگ متاثر نہ ہوں، لیکن اس سلسلہ میں مدرسۃ الاصلاح سرائمیر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، ان درسگاہوں میں طلبہ اور اساتذہ کی معتد بہ تعداد تحریک سے روز بروز متاثر ہوتی چلی جا رہی ہے۔"

حضرت مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ شارح حماسہ جو مولانا فضل حق خیرآبادی کے ممتاز شاگردوں میں تھے، اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے ادیب تھے، قرآن پاک کی معجزانہ وسعت بلاغت کی نکتہ رسی آپ کا سب سے بڑا فیض تھا، استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ آپ ہی کے شاگرد تھے، جو اپنی نظری جودت طبع اور قرآنی معرفت کی بدولت اپنے عہد کے سب سے بڑے ماہر قرآن تھے، مولانا تھانویؒ اور مولانا فراہیؒ ایک ہی استاذ کے شاگرد تھے آپ کو بیعتِ ارادت حضرت شاہ وارث حسن صاحبؒ کوڑا جہاں آبادی خلیفۂ مجاز حضرت قطب گنگوہیؒ سے حاصل تھی، آپ کے زہد و اتقاء، علم و عمل کے بارے میں ہم عہد حاضر کے ایک ممتاز عالم امام الہند مولانا آزاد مدظلہ کی شہادت پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

"مولانا حمید الدین مرحوم۔ ان علمائے حق میں سے تھے، جن کا سرمایۂ امتیاز صرف علم ہی نہیں ہوتا، بلکہ عمل بھی ہوتا ہے اور اس دوسری جنس کی کمیابی کا جو عالم ہے وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں، میں جب کبھی ان سے ملا، مجھ پر ان کے علم سے زیادہ ان کی عملی پاکی کا اثر ہوا۔ وہ پورے معنوں میں ایک متقی ... اور راست باز انسان تھے، ان کے دل کی پاکی اور نفس کی طہارت دیکھ کر رشک آتا تھا

کے لوگوں سے مدرسہ کو پاک فرمائیں، یا کم از کم یہ کریں کہ مدرسہ سے ان کے لٹریچر اور خیالات کی (جو کہ گمراہیوں سے بھرے ہوئے ہیں) نشر و اشاعت قطعاً نہ ہو۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۶) ابو الکلام کلکتہ ۴ جنوری ۳۶ء۔

ان عبارتوں کے نقل کرنے اور مولانا حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر کو آتنی جاری ہنگامۂ تکفیر کو نہ تو فراموش کرنا اور مولانا حمید الدین فراہیؒ کو بھول جانا چاہیئے تھا، ۳۶ء اور اس کے کچھ دنوں بعد تک حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی ہی کا نام آپ ہی کے اتقاء و اخلاص، علم و عمل جہاد اور قربانی وغیرہ کا اساتذہ و طلباء مدرسہ میں چرچہ تھا، اب انہیں سے علی الرغم جماعتِ اسلامی کا اڈا اور مودودی لٹریچر کے سپلائی کا مرکز مدرسۃ الاصلاح کو بنا دیا گیا ہے، ہفتہ وار، ماہانہ، بلکہ سالانہ اجتماع بھی ہوتا رہتا ہے، افسوس جس ذاتِ گرامی کی بدولت مدرسہ کی اینٹ سے اینٹ ٹکرا کر ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی تھی، آج اسی ذات پر جماعتِ اسلامی مدرسۃ الاصلاح کے اندر رہ کر جو چوٹ کر رہی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں، مگر ان نادانوں کو معلوم نہیں کہ حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کا دل اپنے ہم قوموں کی اس قسم کی نادانیوں کو معاف کر دینے کیلئے پوری طرح فیاض ہے، مولانا مدنی ان علمائے حق میں ہیں جن کا سرمایۂ امتیاز محض خانقاہ نشینی اور علم و فن کی خدمت نہیں رہا ہے، بلکہ جو جہاد اور حریت، اتقاء و اخلاص میں اپنے عہد کے ممتاز فرد اور ان خواص امت میں سے ہیں کہ جن کا شیوہ گفتار سے زیادہ کردار رہا ہے اور ہر طرح کے باطل کا مقابلہ آپ کا سب سے بڑا طرۂ امتیاز ہے جس سے سلف کی تاریخ زندہ ہے۔ مولانا مدنی مدظلہ العالی جماعت اسلامی کو مسلمانوں کے لئے سخت مضر سمجھ رہے ہیں اس لئے ان کا دینی فریضہ تھا کہ مدرسہ سرائمیر کے ارکان کو خیر خواہانہ مشورہ دیکر مدرسۃ الاصلاح کو آیندہ کی تباہی سے متنبہ فرمادیں، باقی فیصلہ تو زمانہ کرے گا افسوس تو اس کا ہے کہ ابھی مولانا فراہیؒ کا کفن بھی میلا نہ ہوا ہوگا، اور اتنی جلدی ان کے کام اور نام

میں نے ان کو بغور دیکھا ہے میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں یہ جماعت مسلمانوں کے عقائد اور اصول کے لئے سخت مضر اور گمراہ کن ہے، یہ رائے صرف میری نہیں ہے بلکہ تمام علماء دیوبند و سہارنپور و دہلی وغیرہ اسی نتیجہ پر ہیں، اگر زندگی باقی ہے اور حاضری کا کوئی موقع ملا تو انشاء اللہ مزید توضیحات پیش کروں گا۔

والسلام :- ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ٹانڈہ فیض آباد ۲۸ جولائی ۵۳ء

مکتوب نمبر ۱۳۵

جناب مولانا عبداللہ بستی کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

محترما! مودودی جماعت کے لٹریچر جن کی اشاعت کی جارہی ہے وہ ایسے مضامین سے لبریز ہیں جو کہ ضلال سے پر ہیں گمراہی کے پھیلانے والے ہیں، "مشتے نمونہ از خروارے" چند باتیں پیش کرتا ہوں۔

صفحہ ۳۲ ترجمان ۳۵/۳۶ میں بطور قاعدہ کلیہ لکھا گیا ہے:

"اگر کسی شخص کے احترام کے لئے یہ ضروری ہو کہ اس پر کسی پہلو سے کوئی تنقید نہ کی جائے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۷) پر جماعت اسلامی کے غیر ممبر افراد کے کاغذی اور ہوائی مزخرفات کو ترجیح دیدی گئی، فالی اللہ المشتکی یہ فکر و نظر کی گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۸) سیدی و مطاعی استاذی و مرشدی ادام اللہ فیضکم نفعنا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج یکم ذیقعدہ بروز جمعہ گرامی نامہ دستیاب ہوا، بغور پڑھا، ایسے مکاتیب سے جو صدمات ہونے چاہئیں ہوئے اور نہ جانے کب تک رہیں گے، اللھم ارحم رحمۃ کاملۃ، سرنامہ پر سلام اور نقش تسمیہ نہیں تھا، اخیر میں سلام کے لئے وہ الفاظ استعمال کئے تھے، جو..... کے لئے

تو ہم اس کو احترام نہیں سمجھتے بلکہ بت پرستی سمجھتے ہیں اور اس بت پرستی کو مٹانا منجملہ ان مقاصد کے ایک اہم مقصد ہے جس کو جماعت اسلامی اپنے پیش نظر رکھتی ہے۔

غور فرمائیے اس کے الفاظ میں وہ عموم ہے جوکہ انبیاء، اولیاء، صحابہ تابعین، آئمہ مذاہب و محدثین فقہاء عوام و خواص سب کو شامل ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ رسول صلعم اور نہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اور نہ خلفائے راشدین وغیرہ میں سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے، کسی کو بھی تنقید سے بالاتر کہنا اور سمجھنا بت پرستی اور شرک ہے۔

ادھر دستور جماعت مطبوعہ مکتبہ جماعت اسلامی لاہور صفحہ ۵ میں ہے،

• رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے، کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ الخ۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) استعمال ہوتے ہیں، اس سے مجھے اچھی طرح یقین ہو گیا کہ حضرت نے میرے متعلق کیا نظریات قائم کئے ہیں، اور غالباً میرے عریضہ کی سطروں پر نظر مبارک بھی نہیں ڈالی گئی، سمع خراشی معاف فرماکر میرے مختصر حالات معلوم کرلیں لعل اللہ یرزقنی صلاحا۔

غالباً ۱۳۵۰ھ میں اللہ کے فضل نے دستگیری فرمائی اور دولت ایمان نصیب ہوئی، اتفاق سے حضرت استاذی مولانا عبدالوہاب صاحب کا ساتھ ہوا، موصوف نے اپنے بچے کی طرح پرورش کی اور تعلیم دلائی، دارالعلوم بھیجا، تعلیم کے بعد شادی کردی اب ان کے مدرسہ میں تعلیم دے رہا ہوں، اکثر کاروبار مجھی سے متعلق ہیں، ان کو مجھی سے بڑی بڑی امیدیں ہیں میں نے ایک دکان کرلی ہے جس کا کام قرض سے چل رہا ہے، اس وقت بھی تقریباً ہزار روپیے کا قرض ہے یہ ہیں میرے حالات۔

• مودودی ہونے اور نہ ہونے کے متعلق بہترین جواب تو وہی ہے جو حضرت عائشہؓ نے

آپ ان دونوں اعلانوں اور اصولوں پر غور کیجئے کیا ان میں احکام قرآنیہ اور اصول اسلام اور مسلمات اہلِ سنت والجماعت سے بغاوت نہیں ہے، اور تمام ان مسلمانوں کی تکفیر و تضلیل نہیں ہے جو کہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتے ہیں، قرآن اور حدیث صحیح صحابہ کو معیاً حق بتاتے ہیں، ان کی ہر طرح مدح سرائی کرتے ہیں، ان کے اتباع کا حکم کرتے ہیں، مگر یہ جماعت ان کے اتباع کو بت پرستی بتلاتی ہے اور اس قدر عموم کے ساتھ نفرت دلاتے ہیں کہ جن سے نہ صرف صحابۂ کرام اور اولیاء اللہ سے انقطاع ہوتا ہے، بلکہ انبیاء علیہم السلام اور خود سید المرسلین علیہ السلام کی تابعداری سے بھی انقطاع پیدا ہوتا ہے، نہ اجماع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قابلِ اعتماد رہتا ہے، نہ اوامر خلفائے راشدین و شیخین رضی اللہ عنہم اجمعین نہ فتاویٰ دیگر صحابہ و تابعین اور اوامر و مجتہدات و اجماع اہلِ قرون مشہود لہا بالخیر اور ائمہ مذاہب قابلِ اعتماد رہتے ہیں، اور نہ ان کے مقلدین اور اتباع مسلمان رہتے ہیں بلکہ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۸) عندالاستفسار دیا تھا، دیکھنے والے سمجھ رہے ہیں، کہنے والوں کی یہ توقع ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ میں جماعتِ اسلامی میں داخل نہیں، البتہ اب تک اس کے تعلیمی نظام کو پسند کرتا تھا، دیگر طریق کار سے مجھے قطعاً اطمینان نہیں، آج تک صرف ایک اجتماع میں شریک ہوا ہوں، وہ بھی صرف دیکھنے کی غرض سے، جب آپس میں تعارف کرا رہے تھے تو اپنی باری پر میں نے یوں کہا تھا کہ فلاں جگہ ضلع بستی میں ایک جماعتی طرز کے مدرسہ میں تعلیم دیتا ہوں جماعت سے میرا کیا تعلق ہے، میں نہیں جانتا اسے جماعت والے جانیں (ہر شخص اپنا تعلق بھی بتلاتا تھا) میرا مطلب یہ تھا کہ ذمہ دارانہ اور عہدہ دارانہ تعلق بالکل نہیں، اجتماع کے نگراں کی زور اجیوروت آئے تھے سوال یہ کہ جناب نے کیا ترقی کی اور لٹریچروں میں سے کن کن کا مطالعہ کیا، جواب دیا کہ دارالعلوم میں جن رسالوں کو دیکھا تھا بس انہیں کو دیکھا ہے اور اس وقت

سب کے سب بت پرست اور ضال ہو جاتے ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، کے متعلق اللہ تعالے تو فرماتا ہے۔

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ	اور سبقت کرنے والے پہلے مہاجرین اور انصا
وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ	اور جنہوں نے انکی پیروی کی نیکو کاری میں
بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا	اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور
عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ	اللہ نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لئے باغ
تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا	کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں اس میں
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (سورہ توبہ)	ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے

دوسری جگہ فرماتا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ	محمد اللہ کا رسول ہے اور جو لوگ آپکے
اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ	ساتھ ہیں سخت ہیں کافروں پر نرم دل ہیں
تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا	آپس میں تو ان کو دیکھتا ہے رکوع کرنیوالے
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ	سجدے کرنے والے طلب کرتے ہیں اللہ کا فضل
وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ	اور خوشنودی ان کی نشانی ان کے چہروں
مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي	پر ہے، سجدوں کے اثر سے یہی انکی صفت
الْاِنْجِيْلِ (سورہ فتح)	ہے، توریت میں اور انکی صفت انجیل میں

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۶) جس سطح پر کفا اس پر ہوں، اس میں فرق نہیں آیا۔
اب حضرت والا کو کس طرح یقین دلاؤں، کہ میں اپنے قول میں صادق ہوں، یہاں رہکر استاد محترم مولانا عبدالوہاب صاحب کا مقابلہ کرنا، یا تبادلۂ خیالات کرنا نہ مفید ہے اور نہ ہوسکے گا، یہاں رہتے ہوئے ہر قسم کے تعلقات تو منقطع ہوسکتے ہیں بلکہ ہیں ہی نہیں البتہ تعلیمی نظام پر عمل ضرور ہوگا، کم از کم اس معیار پر رہنا ضروری ہوگا، جس پر ہوں۔ آگے

تیسری جگہ فرماتا ہے۔

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ	لیکن اللہ نے محبت ڈالدی تمہارے دلوں میں
وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ	ایمان کی اور اس کو عمدہ کر دکھایا تمہارے دلوں
الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰٓئِکَ	میں، اور تمہاری نظروں میں برا بنا دیا کفر اور
ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ	فسق اور نافرمانی کو یہی لوگ ہیں جو نیک چلن
وَنِعْمَۃً الخ (سورہ حجرات)	ہیں اللہ کے فضل اور احسان سے،

چوتھی جگہ فرماتا ہے۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	تم بہتر ہو ان امتوں میں جو پیدا ہوئیں لوگوں
تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ	کے لئے، تم حکم کرتے ہو نیک کاموں کا اور
عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ الخ	منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان
(آل عمران)	رکھتے ہو اللہ پر۔

پانچویں جگہ فرماتا ہے۔

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً	اور اسی طرح ہم نے تم کو بنایا ہے امت
وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ	معتدل تاکہ بنو تم گواہ لوگوں پر اور بنے
وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا	رسول تم پر گواہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (معیار حقانیت تبلاتے ہوئے) ما انا[۵] علیہ اصحابی مگر یہ جماعت ان کے معیار حق ہونے کو اور ان کے مبرا از تنقید کہنے کو

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۰) آپ کا جو حکم ہوا انشاءاللہ بسر و چشم قبول کروں گا اور نہ ہی میرے اس دعوی کی دلیل ہوگا کہ میں مودودی نہیں ہوں، اللہ میرے حال پر رحم فرمائیں۔ احسن کما احسن اللہ الیک۔

خویدکم عبداللہ البستوی۔

۵ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

بت پرستی کہتی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، علیکم[۱] بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین عضوا علیہا بالنواجذ" اور یہ جماعت ان کی ذہنی غلامی اور معیار حق سمجھنے کو ضلالت اور بت پرستی قرار دیتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، علیکم[۲] بالذین من بعدی ابی بکر و عمر اور جماعت اس سے منع کرتی ہے اور بت پرستی کہتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، اصحابی[۳] کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم اور یہ جماعت اس کو بت پرستی قرار دیتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، رضیت[۴] لامتی ما رضی بہا ابن ام عبد۔ اور یہ جماعت اس کو ضلالت اور شرک قرار دیتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، لو کان مستخلفاً احداً بغیر مشورۃ[۵] لاستخلفت ابن ام عبد، اور یہ جماعت ان کو معیار حق بنانے کا انکار کرتی ہے اور شرک اور اتخاذ ارباب من دون اللہ قرار دیتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۸) [۱] تم پر لازم ہے میری سنت پر عمل کرنا اور ان خلفاء کی سنت پر عمل کرنا جو راشدین ہدایت یافتہ ہیں اسی سنت کو دانتوں سے پکڑ لو۔

[۲] تم پر لازم ہے ان دو کی اتباع اور پیروی جو میرے بعد ہوں گے یعنی ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما) [۳] میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں، ان میں سے تم لوگ جس کی اقتدا کروگے ہدایت پاجاؤ گے۔ [۴] میں نے اپنی امت کے لئے وہی پسند کیا جس کو ابن ام عبد نے پسند کیا۔ [۵] اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے خلیفہ بناتا تو بناتا بیٹے ام عبد کو، مراد اس سے یہ ہے کہ کسی لشکر کی امارت یا زندگی میں کسی امر میں خلیفہ وغیرہ کرتا کیونکہ علماء کی تحقیق ہے کہ خلافت راشدہ پر اس کو محمول کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ قریش سے مخصوص ہے اور عبد اللہ بن مسعودؓ قریشی نہ تھے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لو کان الدین عند الثریا لنالہ رجل من ابناء فارس۔ اور یہ جماعت اس کے مصداق اول حضرت امام ابوحنیفہ کو غیر حقانی ان کے اتباع کو بت پرستی قرار دیتی ہے اور جماعت اسلامی کا نصب العین ایسے امور کو تبلاتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۸) جماعت اسلامی کے مولویوں کے مبلغ علم وتحقیق کی بے بسی علم خرد کی کمی کا اس سے زبردست کوئی ثبوت نہیں ہوسکتا، کہ ان نادانوں کو ابھی تک تعظیم، احترام اور بت پرستی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا ہے، حالانکہ تعظیم اور عبادت دو الگ الگ چیزیں ہیں، غیر اللہ کی تعظیم کا بتہً ممنوع نہیں، البتہ غیر اللہ کی عبادت شرک جلی ہے جس کی اجازت ایک لمحہ کے لئے کبھی نہیں ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے، سجدہ عبادت یعنی غیر اللہ کو کسی درجہ میں نفع و ضرر کا مستقل مالک سمجھ کر سجدہ کرنا شرک جلی ہے، جس کی اجازت کبھی کسی ملت سماوی میں نہیں ہوئی ہاں سجود، تعظیم یعنی عقیدۂ مذکورہ بالا سے خالی ہو کر محض تعظیم، تکریم کے طور پر سجدہ ہونا شرائع سابقہ میں جائز تھا، شریعت محمدیہ میں اس کی بھی جڑ کاٹ دی۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ بحث اقسام شرک)

قرآن حکیم کی آیات کے عموم سے تو جملہ صحابہ و تابعین صالح، عادل، ثقہ اور مومن قطعی طور پر ثابت ہیں جو لوگ احادیث میں از سر نو کتر بیونت کرنا اور پھر سے چھان بین کر کے اپنی جہالت کا ثبوت دینا چاہتے ہیں اور احادیث صحیحہ کے حجت دینی کے منکر ہیں، ان کو تو بہر حال صحابہ کی عدالت، ثقاہت اور معیار حق ہونا قرآن ہی سے ماننا پڑے گا، جیساکہ آیات قرآنی سے امام العصر مدظلہ العالی نے ثابت کیا ہے، صحابہ کی عدالت اور ثقاہت پر استیعاب میں، علامہ ابن البر نے اور اصابہ میں شیخ الاسلام ابن حجرؒ نے بڑی جچی تلی اور محققانہ بحث فرمائی ہے۔ جس کو ہم اختصار کے ساتھ درج کر رہے ہیں، ارشاد ہوتا ہے۔

محترما! اگر میں تمام ضلالت اس جماعت کی اور ان احادیث کو جو تمام صحابہ کرام اور تابعین کے معیارِ حق ہونے اور ان کی ذہنی غلامی کے واجب ہونے کی ہیں ذکر کروں تو ایک طویل و ضخیم کتاب ہو جائے، یہ چند باتیں ذکر کر کے امیدوار ہوں کہ غور کیجئے، اگر سمجھ میں آئے تو جلد از جلد ان سے علیحدہ ہو جایئے اور انکی ضلالتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کیجئے، ورنہ عذابِ آخرت کے لئے تیار ہو جایئے یہ استاد کا احترام اسی وقت تک ہے، جب تک وہ صراطِ مستقیم پر ہے اور جب کہ اس نے صحابہ کرام کا احترام اور اتباع سلف کرام چھوڑ دیا، اور تمام مسلمانوں کے اساتذہ کرام کو چھوڑ دیا، اور باغیوں اور غیر مقلدوں اور اہل ضلال میں شامل ہو گیا. تو کوئی احترام اس کا باقی نہیں رہا۔ مودودیوں کی کتابوں کو پڑھنا ضلالت اور گمراہی ہے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل، فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الضالین، ھدانا اللہ و ایاکم لما یحبہ و یرضاہ آمین، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۸) حضرات اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ صحابہ عادل ہیں اس باب میں کوئی اختلاف نہیں ہے، سوائے مبتدعہ کی ایک مختصر سی ٹولی کے خطیب نے کفایہ میں نہایت نفیس بحث اس موضوع پر کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کی عدالت و ثقاہت تو خود قرآن کی تعدیل کے بموجب ہم مانتے ہیں۔ آیاتِ قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعدیل کے بعد اب کسی تعدیل کے محتاج نہیں ہیں، ابو زرعہ رازی کہتے ہیں کہ جب تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جو صحابہ میں سے کسی کی تنقیص کر رہا ہو، تو سمجھ لو کہ: زندیق (بددین) ہے۔ وہ تمام لوگ جو ان پر جرح کرنا چاہتے ہیں، وہ کتاب و سنت کو باطل کرنا چاہتے ہیں، وہ خود اس کے مستحق ہیں کہ ان پر جرح (تنقید) کی جائے وہ سب کے سب زنادقہ و گمراہ ہیں. اصابہ

اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدوسیت توریت اور انجیل میں بھی بیان

مکتوب نمبر ۱۳۹ (۱)

احوال سے صدمہ ہوا ، میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم کو اپنی مرضیات کی توفیق عنایت فرمائے اور موجبات غضب سے بچائے آمین ۔

میرے محترم ۔ رحمت خداوندی سے کبھی اور کسی حال میں مایوس نہ ہونا چاہیے اور اس کے انتقام اور قہر سے بھی مطمئن نہ ہونا چاہیئے، "الایمان بین الخوف والرجاء"

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا الآیۃ دوسری آیت میں ہے: اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔

گناہ اگر غلبۂ شیطان اور غلبۂ نفس سے صادر ہو جائے، تو جلد توبہ کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہیئے کہ اس گناہ سے بچائے ۔ رباعی ۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۸) ہوئی ہے ، ملاحظہ ہو ، استثنا ، باب ۳۳ ص ۲؎

"کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا ۔ اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا ۔ اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں ۔

پس خلاصہ بحث یہ ہے کہ جو لوگ رسول خدا کے سوا پر تنقید روا رکھتے ہیں اور انکی اتباع کو ذہنی غلامی بتاتے اور ان کو معیار حق بنانے کی نفی کرتے ہیں بلکہ خدا کے سوا کسی کے احترام اور تعظیم کو بت پرستی کہتے ہیں ایسے لوگ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق بخشے اور بے ادبی سے بچائے تفصیلی بحث ہماری کتاب دلائل السنن والآثار میں زیر عنوان عدالت صحابہ ملاحظہ فرمائی جائے ۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۹) حضرت الا دامت برکاتہم کی خدمت میں اپنے بعض معاصی اور عادات قبیحہ کا ذکر کیا تھا ، اور علاج کی درخواست کی تھی ، اسکے جواب میں یہ والا نامہ شرف صدور ہوا ۔ (عبداللہ بستی)

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

ہمیشہ رحمتِ خداوندی کے طلب گار رہیں، روزانہ کم از کم چھ ہزار مرتبہ اسم ذات یعنی لفظ اللہ آہستہ آہستہ ذکر کیا کریں، خواہ ایک مجلس میں ہو یا مجلسِ متعدد میں اور یہ دھیان بوقت ذکر رہے، کہ میرا محبوب فقط اللہ ہے، اور من احب شیئاً اکثر ذکرہ، اس کی محبت اور فریفتگی کی وجہ سے اس کا نام نامی میری زبان پر جاری ہے، اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے گا۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ یکم رجب ۱۳۶۱ھ

مکتوب نمبر ۱۴۰

جماعتِ اسلامی کے امیر کے نام

در مجلسِ خود راہ مدہ ہمچو منے را — افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

محترم المقام زید مجدکم — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا۔ اس سے پہلے دعوت نامہ پہنچا تھا، اجلاس سالانہ جمعیۃ کے سر پر آجانے کی وجہ سے میری مصروفیتوں کا عذر جناب نے صحیح طور پر اندازہ کیا، مگر اس کے علاوہ اور بھی ایسے ہی یا اس سے زائد قوی اعذار اس وقت درپیش ہیں مثلاً دارالعلوم کا سالانہ امتحان ہے، جو کہ رجب کی آخری تاریخوں سے

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) مخدومی السلام علیکم۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

جماعتِ اسلامی کے سالانہ اجتماع میں آنجناب کی شرکت کے لئے ایک دعوت نامہ کئی روز ہوئے ارسالِ خدمت کیا گیا تھا، اب تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے اسے قبول فرمایا یا نہیں، جمعیۃ العلماء کے سالانہ اجتماع کی وجہ سے آنجناب کی مصروفیتوں کا بخوبی اندازہ

شروع ہوکر ۲۳-۲۴ر شعبان پر ختم ہوتا ہے، نیز دارالعلوم کے تعلیمی سال کا اختتام ہے جس میں کتب مفوضہ بخاری شریف اور ترمذی شریف کا ختم کرانا ہے جس کو ۲۷ر ۲۸ر شعبان تک انجام دینا ہے، یہ امور علاوہ ان امور کے ہیں جو کہ تمام سال میں انتہائی مصروفیتوں کے باعث ہوتے ہیں، جن موٹی موٹی سرخیوں والے اشتہارات کو آنجناب ذکر فرماتے ہیں ان کا مجکو آپ کے والانامہ سے پہلے کوئی علم نہ تھا، صرف سہارنپور سے ایک رسالہ مسمی بہ کشف حقیقت یعنی تحریک مودودیت اپنے اصلی رنگ میں ایک صاحب نے بھیجا تھا، اس کا البتہ علم ہوا تھا۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) لیکن ان دونوں اجتماعات کی تاریخوں میں اتنا تفاوت ہے کہ آپ تھوڑا سا وقت ہمیں بھی مرحمت فرمائیں گے، ہمارا اجتماع ان شاء اللہ ۲۰ر اپریل سے شروع ہوگا۔ آنجناب سے ملنے کا اشتیاق تو بہت عرصے سے ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں میں نے خط و کتابت بھی کی تھی لیکن بدقسمتی سے آپ اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے اس وقت کوئی وقت نہیں دے سکے اس کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے ذریعہ وقت کے ..... تعین کی خواہش کی تھی لیکن اس موقع پر بھی ملاقات کی کوئی سبیل پیدا نہیں ہوسکی، بہرحال میں متعدد مسائل پر تبادلۂ خیال کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہا ہوں اور بہت سے امور میں آنجناب سے کچھ مشورے بھی کرنے ہیں اگر اس اجتماع کے موقع پر آپ تشریف لے آسکیں تو یہ ہماری عزت افزائی کا بھی موجب ہوگا، اور پیش نظر مقصد بھی حاصل ہوسکے گا، لیکن اگر خدانخواستہ یہ ممکن نہ ہو تو پھر اجتماع حیدرآباد سے واپسی کے بعد آپ مجھے کوئی موقع عنایت فرمائیں، تو ان شاء اللہ میں خود حاضر خدمت ہوں گا۔ اس وقت فوری مسئلہ جس پر میں گفتگو کی سخت ضرورت محسوس کر رہا ہوں وہ دارالافتاء دیوبند کا وہ فتویٰ ہے جو سہارنپور سے مودودی فتنہ کے عنوان، مودودی تحریک مہلک اور زہر قاتل ہے، مودودی کے ہم خیال گمراہ ہیں، مودودیوں کے پیچھے نماز نہ پڑھو، کی موٹی موٹی سرخیوں سے شائع ہوا ہے، معلوم نہیں یہ فتویٰ آنجناب کی نگا

محترما! میرا پہلے یہ خیال تھا کہ آپ کی تحریک اسلامی مسلمانوں کی علمی اور عملی بنیادی اور دینی کمزوریوں اور ان کے انتشارات کے دور کرنے اور مسلمانوں کو منظم کرنے تک ہی محدود ہے، اگرچہ طریق تنظیم میں اختلاف رائے ہو، اس لئے میں نے اسکے خلاف آواز اٹھانا یا تحریر کرنا مناسب نہ سمجھا تھا، اگرچہ افراد جماعت اور قائد جماعت کی طرف سے بسا اوقات ناشائستہ کلمات تقریر اور تحریر میں معلوم ہوئے ہیں؛ مگر ان سب چشم پوشی کرنا ہی انسب معلوم ہوا، مگر آج جب کہ میرے سامنے اطراف و جوانب ہند و پاکستان سے آنے والے مودودی صاحب کی تصانیف کے اقتباسات کا ڈھیر لگا ہوا ہے، اور پانی سر سے گذر گیا ہے تو میں ان کے دیکھنے اور سمجھنے سے مندرجہ ذیل نتیجہ پر پہنچنے میں اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) سے ابھی گذرا ہے یا نہیں، یہ فتوی قدرتی طور پر ان تمام لوگوں کے لئے انتہائی حد تک تکلیف دہ اور دلآزار ہے جو تحریک اسلامی کو حق سمجھکر اس میں شریک ہوئے ہیں، یا اس کو حق سمجھتے ہیں، ایسے فتوی کا دارالعلوم دیوبند سے شائع ہونا، جہاں آپ جیسی محتاط حضرات ہیں، ہمارے لئے انتہائی حیرت اور قلق کا موجب ہوا ہے بالخصوص ایسی حالت میں کہ ان امور کے بارے میں جن پر اس فتوی کی بنیاد قائم کیگئی ہے متعدد بار ہماری طرف سے توضیحات شائع کی جاچکی ہیں، اور جن کے بارہ میں ذمہ داران دارالعلوم سے براہ راست خط وکتابت بھی ہوچکی ہے جس کا سلسلہ ابھی جاری ہے، امید ہے کہ آنجناب جواب سے جلد مشرف فرمائیں گے۔ والسلام (ابواللیث)

مودودی تحریک جو جماعت اسلامی کے نام سے ہند و پاکستان میں چلائی جارہی ہے اور دیوبند، سہارنپور، دہلی، پھلواری شریف خانقاہ امدادیہ، اعظم گڈھ، لکھنؤ، کلکتہ، جونپور منؤ خانقاہ رحمانیہ کچھوچھہ شریف، سورت ڈابھیل، بمبئی، کانپور، بنارس، دائرہ اجمل الہ آباد وغیرہ کے مفتی صاحبان اور معتبر علماء کی اکثریت اس جماعت کو مسلمانوں کے لئے

آپ کی تحریک اسلامی، خلاف سلف صالحین مثل معتزلہ، خوارج، روافض جہمیہ وغیرہ فرق قدیمہ اور مثل قادیانی، چکڑالوی، مشرقی، نیچری، مہدوی، بہائی وغیرہ فرق جدیدہ ایک نیا اسلام بنانا چاہتی ہے، اور اسی کی طرف لوگوں کو کھینچ رہی ہے۔ وہ ان اصول وعقائد واعمال پر مشتمل ہے۔ جو کہ اہلسنت والجماعت اور اسلاف کرام کے خلاف ہیں۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) مضر سمجھتی ہے اور جمعیۃ علماء تبلیغی جماعت، احرار، مسلم لیگ اور اہلحدیث جماعتی حیثیت سے اس تحریک کے اندر مذہبی اور سیاسی گمراہیاں پاکر مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتی ہے کہ مسلمان اس جماعت سے کنارہ کش رہیں، دین کی سلامتی اسی میں ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں نہ جانے کتنے مضامین اس جماعت کی تردید میں شائع ہوئے اور ابھی کتنے باقی ہیں، ان تمام مضامین کو مطابقت کر کے پڑھنے کے بعد ہر پڑھا لکھا انشاء اللہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچے گا، کہ مانا کہ تھوڑا سا فائدہ کالج کے صاحبزادوں کو تو ضرور پہنچ گیا، مگر اسی کی ساتھ سواد امت اور عام مسلمانوں کو نہ تو فائدہ پہونچا، اور نہ پہنچنے کی امید ہے، بلکہ الٹا یہ نقصان عزید ہوگا کہ سلف صالحین کے بارے میں جو حسن ظن تھا، وہ مودودی لٹریچر کے پڑھنے سے عام مسلمانوں کے اندر سے کم ہوتا جا رہا ہے، اس میں راز یہ ہے کہ عوام اور انگریزی داں طبقہ دین کے علم سے بڑی حد تک ناواقف ہیں جن مسائل پر جماعت والے گفتگو کرتے ہیں، وہ مسائل ایسے ہیں کہ جن پر گفتگو ایسا ہی عالم دین کر سکتا ہے، جو دین کے ہمہ گیر تصور سے واقف ہو اور اس کی نظر کتاب وسنت آثار صحابہ اسلامی تاریخ فقہاء امصار کے فیصلہ جات اور صوفیائے کبار کے کارناموں وغیرہ پر ہو، اور نتیجہ یہ نہ ہوں ہو سکتا ہے کہ جماعت اسلامی کے دماغ میں حکومت الٰہی کا ناقص نقشہ ہو مگر اس دماغی تصور سے حکومت الٰہیہ کا قیام اس وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ اس کے لئے جب تک دین الٰہی کا کامل نقشہ اور علم نہ ہو یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا، تاریخ شاہد ہے کہ

(۱) وہ تفسیر بالرائے کی قائل ہے، ہر وہ پروفیسر جو کہ ملحدانِ یورپ اور انکی نئی روشنی کا حامل اور تھوڑی بہت عربی زبان سے واقف ہے اس کے نزدیک یہ حق رکھتا ہے کہ اپنے رائے اور مذاق سے تفسیر کر کے مسلمانوں کے لئے مشعل راہ بنے، اور یہی آپ کے یہاں ہو رہا ہے، خواہ اس کی تفسیر کتنی بھی سلف صالحین اور اقوال صحابہ کرام کے خلاف ہو،

حالانکہ سب سے پہلے یہی فتنہ اسلام میں پیدا ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تحکیم پر "اِنِ الحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" کی تفسیر بالرائے کر کے بارہ ہزار کی جماعت نے بغاوت کی، اور علیحدہ ہو گئی۔ اس کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) اس طرح کی جماعتیں مسلمانوں کے اندر بہت قائم ہوئیں جس سے امت کے اندر بجز اختلاف بڑھنے کے گھٹا نہیں، ضرورت ہے کہ پوری دیانت سے اس کا جائزہ لیا جائے، چنانچہ ہم نے اس سلسلہ میں ملل و نحل (شہرستانی، و ابن حزم مقریزی اور تاریخ اسلام کا ایک سال تک مکمل مطالعہ جاری رکھا اور خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہماری صحیح رہنمائی فرمائی اور ہم اس نتیجہ پر آسانی سے پہونچ گئے کہ یہ جماعت فرق باطلہ اور خوارج وغیرہ کے نقش قدم پر ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔

تاریخ تخلیق آدم علیہ السلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انسان کو عقاید اور ایمانیات اور دین کے عالمگیر تصور کے بارے میں جو شکوک و شبہات، وساوس اور طرح طرح کے فاسد خیالات پیدا ہوتے ہیں، ان سب میں شیطان رجیم کے پیدا کردہ وساوس اور شبہات ہی اصل اور اساس کا حکم رکھتے ہیں، جس کی تخم ریزی ابلیس نے پہلے ہی دن کر دی تھی: چنانچہ جو شبہات اور بزرگوں پر تنقیدات آج کی جاتی ہیں وہی تمام اعتراضات و مطاعن کفار، منافقین معاندین ملاحدہ اور اہل بدعت ابتدائے اسلام میں کرتے تھے جس کے سبب امت میں وہ تفرقہ پڑ گیا کہ سوائے اضافہ کے کمی نہ ہو سکی، اسی کی نشاندھی آیت و لا یزالون مختلفین الا من

"حق اُرید بہا الباطل"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سمجھانے کے لئے بھیجا، اور فرمایا کہ قرآن ذو وجوہ ہے، ان لوگوں کو سنت سے سمجھانا، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سمجھایا جس پر آٹھ ہزار آدمی تائب ہو گئے مگر چار ہزار اپنی ضد اور رائے پر قائم رہے اور تکفیر و قتل کا بازار گرم کرتے رہے، یہی فرقہ خوارج کے نام سے مشہور و معروف ہوا، اس کے بعد اس تفسیر بالرائے کی وبا اس قدر پھیلی کہ نہ صرف مسئلہ تحکیم میں بلکہ دیگر مسائل میں بھی اپنی آراء کو عمل میں لایا گیا، مرتکب کبائر وغیرہ دیگر مسائل میں بہت زیادہ افراط و تفریط جاری ہوئی۔ اور نہ صرف خوارج ہی تک اس کی محدودیت رہی، بلکہ فتنہ ہائے معتزلہ روافض جہمیہ کرامیہ، مجسمہ، مرجیہ وغیرہ اسی تفسیر بالرائے کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴) ساحر بابل میں تکوینی طور پر و ممن خلقنا امة یہدون الخ تشریعی طور پر قرآن نے کی، اور حدیث ستفترق امتی ثلاث و سبعین فرقة الخ کی پیش گوئی حرف بحرف صادق آئی، جس کو ابوداؤد و ترمذی ابن ماجہ و بیہقی اور ابن حبان نے ابو ہریرہؓ سے اور حاکم نے فضل بن موسیٰ کے طریق سے روایت کر کے فرمایا، ہذا حدیث کبیر فی الاصول، چنانچہ یہ روایت عوف بن مالک سے بھی حاکم روایت کرتے ہیں، امام بیہقی اور دیگر محدثین حسن اور صحیح کا فیصلہ دیتے ہیں، حتیٰ کہ امام مسلم نے محمد بن عمرو عن ابی سلمة عن ابی ہریرہ سے احتجاج کیا ہے اور تمام فضل بن موسیٰ کے تفرد ہونے کے قائل ہیں، اسی روایت کی بنا پر علمائے سلف و خلف نے جملہ فرقِ باطلہ کے دعاوی اور ان کی تحریروں اور تقریروں کو سامنے رکھ کر ان کے کاموں کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ قرآن حکیم کے اندر ابلیس کا یہ جملہ "خلقتنی من نار و خلقته من طین" کی تشریح اور اس کا پس منظر حدیث ستفترق امتی الخ سے ظاہر ہے، اور اس نظریہ کو علمائے سنت والجماعت نے زریا بنا کر خزف ریزے اور صدف راسخ میں تمیز کرنا اور درشاہوار کو پرکھنا بتا دیا تاکہ اسی روشنی سے قیامت تک امتِ محمدیہ مستفید ہوتی رہے

اہل سنت والجماعت ہمیشہ اتباع سنت اور اسلاف صالحین صحابہ کرام اور افاضل تابعین کو پیشوا اور رہبر بناتے ہوئے اپنی آراء اور مذاق کو انہیں کے رنگ سے رنگ کر فائز المرام ہوتے رہے، اور ما آنا علیہ واصحابی کی سند حاصل کرتے رہے یہی بعینہ واقعہ ان ازمنہ اخیرہ میں پیش آیا، نیچریہ، قرآنیہ (اتباع چکڑالویہ) قادیانیہ خاکسار بہائیہ وغیرہ نے بھی یہی تفسیر بالرائے اور اپنی عقل اور مذاق کو پیشوا بنایا اور نصوص کو اس طرف کھینچنا یا ترک کردینا اختیار کیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی پیش بندی کرتے ہوئے فرما دیا تھا من فسر القرآن برایہ فقد کفر (او کما قال) کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ وہ صحابہ کرام اور ان کے تلامیذ جن کی

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۳) پس امت محمدیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض اور وفات کے بعد صحابہ میں جو اختلافات ہوئے، وہ سب اختلافات اجتہادی، اقامت دین اور مناہج شرع ہی کے لئے ہوئے تھے: یہ تنازع ائتونی بدواۃ و قرطاس کا سب سے پہلا مشہور تنازعہ ہے اور دوسرا اختلاف مرض ہی کی حالت میں جیش اسامہ کے سلسلہ میں ہوا، تیسرا اختلاف آنحضرت صلعم کے وصال پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمانا۔ من قال ان محمدا مات الخ شاہد عادل ہے۔

چوتھا اختلاف آنحضرت صلعم کے دفن کے بارے میں ہوا، کہ مکہ میں دفن کیا جائے یا مدینہ میں، پانچواں اختلاف امامت و خلافت کے بارے میں ''منا امیر و منکم امیر'' کی صورت میں ظاہر ہوا۔ چھٹا اختلاف باغ فدک کے بارے میں ہوا، جو آنحضرت صلعم کے ارشاد عالی ''نحن معاشر الانبیاء'' الخ سے ختم ہوا۔

ساتواں اختلاف مانعین زکوٰۃ کے متعلق رونما ہوا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کے فیصلہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کو صاد کرنا پڑا۔ آٹھواں اختلاف خلیفہ اول کا حضرت عمرؓ کو اپنے بعد خلافت کے لئے پیش کردینے پر ہوا اور لوگوں کا یہ کہنا (ولیت علینا فظاً غلیظا الخ) اور حضرت ابوبکرؓ کا یہ فرماکر تسلی کردینا۔ لو سالنی ربی یوم القیامۃ

زبان مادری عربی تھی، اور جنہوں نے وحی خداوندی کا مشاہدہ کیا تھا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود اور آپ کے اعمال اور سنن کو دیکھنے والے تھے اور تابعین جو مشاہدین وحی کے شاگرد رشید تھے ان کی تفسیریں تو بالائے طاق رکھدی جائیں اور ان کو مردود اور غلط قرار دیدیا جائے، اور ان کے مقابلہ میں تیرہ سو برس بعد کے پیدا ہونے والے عجمی اشخاص جن کو زبان عربی اور اس کے ادب اور اصول دین وغیرہ میں کوئی مہارت تامہ بلکہ ناقصہ بھی نہ ہو صرف کیمرج یا اکسفورڈ یا کسی یونیورسٹی یا کالج کی ڈگریوں اور معمولی عربیت کی بنا پر ان کی تفسیروں کو معتمد علیہ قرار دیا جائے جن لوگوں کی عمریں زبان عربی اور علوم دینیہ میں پڑھتے پڑھاتے گذر گئی ہیں، ان کی تفسیر کو غلط اور تاریک خیال قرار دیا جائے اور پروفیسران علوم ملاحدہ یورپ کی سستم ظریفیوں کو مراد خداوندی اور مقصود الٰہی بنایا جائے، کیا کوئی

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) لفلت ولیت علیھم خیرا لھم» لوان اختلاف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے تحت مجلس شوری میں ہوا، مگر پھر سب نے باتفاق آرا حضرت عثمان رض کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ تیسرا اختلاف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں جنگ جمل وغیرہ کی صورت میں رونما ہوا۔

ایک اصولی نکتہ مدنظر رکھنے کی بنا پر عہد اول کے اختلافات کی تہ تک پہنچنے میں دشواریاں پیش آئیں افادہ کے خیال سے ہم ذکر کرتے ہیں، جیسا کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی مشہور کتاب منہاج السنتہ میں حضرت امام احمد بن حنبل اور دوسرے علمائے سلف کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ مہاجرین میں کوئی منافق نہ تھا بلکہ نفاق انصار کے قبیلوں میں ظاہر ہوا، جب مدینہ میں اسلام کا غلبہ ہوا، اور اس میں اوس اور خزرج کے قبیلے داخل ہوئے اور مسلمانوں کو ایک ایسا محفوظ گھر مل گیا، جس کے ذریعے سے وہ اپنی حفاظت کرنے اور لڑنے پر قادر ہوگئے تو مدینہ کے باشندے اسلام میں داخل ہوگئے اور اس کے قرب و جوار کے

عقلمند یا کوئی قوم اس بات کو روا رکھتی ہے کہ کسی فوجی کالج کے سند یافتہ کو یا انجینیرنگ کالج کے فارغ التحصیل کو اگرچہ ان کی ڈگریاں کتنی ہی اونچی کیوں نہ ہوں میڈیکل ڈیپارٹمنٹ میں کام کرنے اور بیماروں میں معالجہ کو عمل میں لانے کی اجازت دیجائیگی، جب کہ وہ کسی میڈیکل کالج کی طبی سند بھی نہیں رکھتا ہے، ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے کہ ایسا کرنا انسانوں کو برباد کر دینے کے مرادف ہے اور بجائے نفع رسانی مضرت اور بجائے تعمیر تخریب کا باعث ہوگا، یہی حال ایسے مفسرین کی تعبیر بالرائے کا ہے کہ سلف صالحین کی تفسیر اور اصول دینیہ کے خلاف بجائے ہدایت ضلالت اور گمراہی کی پیش خیمہ ہوگی۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) اعراب جان بچانے کے لئے اسلام لائے، یہ لوگ منافق تھے اسی لئے نفاق کا ذکر مدنی سورتوں میں ہے، مکی سورتوں میں نہیں ہے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ خلیفہ دوم اور سوم کی شہادت کے بعد منافقین کا زور بڑھا اور اختلاف عقائد وغیرہ کی بنا پر امت کا شیرازہ بکھر گیا، اور امت پانچ گروہوں میں بٹ کر، یعنی اہل سنت، مرجیہ، معتزلہ، شیعہ اور خوارج ۲، ۷، اور ۳، فرقوں میں منقسم ہوگئی، اہل علم واقف ہیں اور احادیث و آثار سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ صحابہ کرام نے آنحضرت صلعم سے جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ حرام اور حلال، جنت اور دوزخ وغیرہ کے بارے میں سوال کیا ہے، اسی طرح وہ صفات باری جو کتاب سنت میں از قبیل علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، جود، جلال، اکرام، عزت، عظمت وغیرہ جس کا اثبات قرآن حکیم اور احادیث نبی کریم نے کیا ہے کبھی بھی کوئی سوال صحیح روایت کے اندر صحابہؓ سے منقول نہیں ہے، بلکہ یہ حضرات ان باتوں کے معانی کو سمجھتے تھے، اور بحث و کلام سے سکوت اختیار فرماتے تھے اور سوائے کتاب و سنت کے کسی اور چیز کے ذریعہ اثبات صفات پر دلائل نہیں قائم کرتے تھے، تقریباً صحابہ کرام کا کل زمانہ اسی خیال پر ختم ہوا۔ اور انہیں کے زمانہ سے بالکل متصل سب سے پہلے معبد بن خالد الجہنی

(۲) وہ پیغمبر اسلام حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قیاسات اور اٹکلوں پر چلانے والا ابتلائی ہوئی تاریخی واقعات کے ذریعہ سے احادیث صحیحہ اور حسنہ کو ردی کی ٹوکری کی نذر کرتی ہے، حالانکہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیث صحیحہ پیغمبروں کی جملہ تبلیغات کو وحی خداوندی قرار دیتی ہیں، دنیاوی مشوروں اور جزئیات یومیہ اور روزمرہ کی ضروریات زندگی پر اخبار ہائے نبویہ اور احکامات سماویہ تبلیغیہ کو قیاس کرنا سراسر تلبیس اور مخالفت نصوص قطعیہ ہے، ابتداع فی الدین کی کھلی ہوئی تجویز ہے۔

(۳) وہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کو سقیم یا صحیح غیر حقیقی المراد روایات کی بنا پر مثل روافض غیر قابلِ وثوق اور ہدف ملامت بناتی ہے، حالانکہ انہیں کے اعتماد او

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) نے جو حضرت حسن بصریؒ کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا، تقدیر پر گفتگو کا آغاز کیا اور پھر اہلِ بصرہ نے اس خیال کو اپنایا، اور جب فتنہ بڑھ گیا تو حجاج نے اس کو سزا دی، اور پھر عبدالملک بن مروان کے حکم سے اس کو پھانسی دی گئی، جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو قدریہ سے آپ نے تبری فرمائی اس کے بعد سلف نے برابر اس کی تردید کی جیساکہ کتب حدیث سے ظاہر ہے، صحابہ ہی کے زمانہ میں خوارج کا فتنہ برپا ہوا، جن کا مذہب یہ تھا کہ گناہ کے بعد آدمی کافر ہو جاتا ہے، اور امام پر خروج کرنا وغیرہ جائز ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس جماعت سے مناظرہ کیا اور ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی تائب ہوئی خوارج کی اس دعوت میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد داخل ہوگئی، خوارج کی یہ جماعت نواصب اور حروریہ کے اسماء سے بھی یاد کی جاتی ہے، جو آگے چل کر بیس ٹولیوں میں بٹ گئی۔ جن کے اسماء یہ ہیں، محکمیہ ازارقہ، نجدات، صفریہ، عجاردہ، میمونیہ، شعیبیہ، خمریہ، حازمیہ، معلومیہ، علیثیہ، ثعلبیہ، معبدیہ، شیبانیہ، شبیبیہ، رشیدیہ، مکرمیہ، حفصیہ، اباضیہ، یزیدیہ، ان ناموں کے علاوہ اور بھی اسماء کتب تواریخ وغیرہ کے اندر ملتے ہیں، جن کے عقائد و خیالات سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ان سب میں اصحاب عبداللہ بن یزید الاباضی اسلام کے زیادہ قریب ہے اور

ثقاہت پر پیچھے آنے والوں کے لئے اسلام کا مدار ہے، اگر معاذ اللہ یہ اولین اساتذہ اسلام غیر قابلِ اعتماد ہو گئے تو تمام عماراتِ دین بالکل ڈھ جائے گی، قرآن مجید اور احادیث صحیحہ نے ان کی جگہ جگہ پر تعدیل کی ہے، بیشمار احادیث اور کتب سابقہ ان کو معتمد علیہ قرار دیتے ہیں، اور زوردار الفاظ میں ان کی مدح سرائی کرتے ہوئے تمام انسانوں سے افضل اور اعلیٰ قرار دیتے ہیں، اس دروازہ کے کھلنے سے تمام دینی اصول و فروع ملیا میٹ ہو جاتے ہیں۔

(۴) وہ صحابہ کرام کی متعدد روایتوں کو خواہ وہ کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہوں ان کی خوش اعتقادی پر مبنی بتاتی ہوئی واقعیت سے دور کر دیتی ہے حالانکہ اس دروازہ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴) ازارقہ اسلام سے کوسوں دور ہے، غرض صحابہ ہی کے زمانہ میں شیعہ مذہب کی ابتدا ہوئی، جس کا بانی عبد اللہ بن سبا یہودی تھا، اسی نابکار نے حضرت عثمان غنی رضی کے زمانہ میں وہ فتنہ کھڑا کیا، کہ خلیفہ برحق کو شہادت نصیب ہوئی، صحابہ کے زمانہ کے ختم کے بالکل قریب جہم بن صفوان کا مذہب مشرق کے اندر پھیلا، اور وہ عظیم قیامت قائم ہو گئی کہ اسلام کی اینٹ سے اینٹ ٹکرا گئی، اور مذہبِ اعتزال کو اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ہاتھ پیر پھیلانے کا پورا پورا موقع ہاتھ آیا، معتزلہ کی حماقتوں کے جواب میں مذہب تجسیم کا ظہور ہوا جس کا لیڈر محمد بن کرام بن حراق بن خرابہ ابو عبد اللہ السجستانی تھا، پھر معتزلہ اور کرامیہ میں مشرق کے اندر خوب خوب مناظرے اور فتنے رونما ہوئے اور شیعہ مذہب لوگوں میں بڑھتا رہا، اور قرامطہ کا ظہور ہوا کوفہ، عراق، شام، وغیرہ کے لوگ اس خیال سے متاثر ہوئے اور انہیں کے بطن سے علم باطن کی اصطلاح اور شرائع اسلام میں تاویل کا دروازہ کھلا ظواہر کو اپنے من مانی باتوں کی طرف پھیر کر خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

بغداد میں جب دولتِ بنی بویہ قائم ہوئی، اور ۳۳۴ھ سے لے کر ۴۳۵ھ تک قائم رہی تو مذہب تشیع نے از زور پکڑا، اور مساجد کے دروازوں پر حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی

کے کھلنے سے تمام معجزات اور اعلیٰ ترین اخلاق و اعمال نبویہ کی عمارت بالکل کھوکھلی ہو جاتی ہے اور ملاحدہ کو اس سے بڑا کاری ہتھیار ہاتھ آجاتا ہے۔

(۵) وہ احادیث صحیحہ کے راویوں اور ائمہ حدیث کو مجروح اور غیر ثقہ بتاتی ہوئی اقوال ضعیفہ یا غیر ظاہر المراد اقوال صحیحہ یا ان جیسے خود غرض اہل ہوا، دشمنوں کے اقوال کو پیش کرتی ہے، مشاہیر عالم ائمہ ثقات کو غیر قابل اعتبار قرار دیتی ہے حالانکہ اس سے تمام ذخائر احادیث بالکل فنا ہو جاتے ہیں، اور لعن اٰخر ہٰذہ الامۃ اولہا کا سماں پیش آجاتا ہے۔

(۶) وہ تقلید شخصی کو نہایت گمراہی اور ضلالت قرار دیتی ہے، حالانکہ یہ امر

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴) پر (معاذ اللہ) لعنت اور اس پر لعنت جس نے حضرت فاطمہؓ پر غضب کیا، اور حضرت حسنؓ کو اپنے نانا جان کے ساتھ دفن میں مانع ہوا، اور حضرت عباسؓ کو شوریٰ سے علیحدہ کیا وغیرہ، جب رات ہوئی تو بعض لوگوں نے اس کو مٹا دیا، اور وزیر مہلبی نے معز الدولہ کے حکم سے یہ تحریر کرایا "لعن اللہ الظالمین لاھل البیت" سوائے حضرت معاویہؓ کے کسی اور کا نام درج نہیں کرایا گیا جس سے بغداد کے اندر شیعہ اور اہل سنت میں وہ کربلا پرچ گیا کہ الامان والحفیظ، اس کے بعد مذہب اعتزال عراق، خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ میں خوب پھیلا، اور مشاہیر فقہاء کی جماعت اس طرف مائل ہوگئی، خلفاء فاطمیہ افریقہ میں ترقی کر گئے، اور مذہب اسماعیلیہ بلاد مغرب کے اندر اور ان کے دعاۃ مصر میں بھی پھیل گئے جس کے سبب صد در صد خونریزی ہوئی اور روافض کا مذہب مصر، دیار بکر، کوفہ، بصرہ بغداد، عراق، خراسان، حجاز، یمن، بحرین، وغیرہ میں پھیل گیا، اور قدریہ، جہمیہ، معتزلہ کرامیہ، خوارج، روافض، قرامطہ، باطنیہ، سے روئے زمین بھر گئی اور مامون عباسی کے لگائے ہوئے فلسفہ اور کلام ہی سب کا مطمح نظر ہو گیا، اور عقائد و ایمانیات تک میں اسی راہ سے دین کو انوکھے روپ میں ڈھالنا شروع ہوا، امام ابو الحسن اشعریؒ بھی اسی راہ میں ابتداءً بہہ گئے

آیات قرآنیہ فاسئلوا اھل الذکر، واتبع سبیل من اناب الی، ومن یتبع غیر سبیل المومنین الآیۃ۔ کی بنا پر فی زماننا جب کہ اہلِ علم و جامعین شروط اجتہاد معدوم ہیں، جیسا کہ چوتھی صدی کے بعد سے آج تک احوال اور وقائع بتا رہے ہیں) تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور تارک تقلید نہایت خطرہ اور گمراہی میں مبتلا ہے اس سے ایسی آزادی کا دروازہ کھلتا ہے، جو کہ دین اور مذہب سے بھی بیگانہ بنا دیتا ہے اور فسق و فجور میں مبتلا کر دینا تو اس کا معمولی اثر ہے۔

(۷) وہ آئمہ اربعہ امام ابو حنیفہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید کو گمراہی اور حرام بتلاتی ہے حالانکہ یہ آئمہ کرام اپنے اپنے زمانہ میں آفتاب ہائے ہدایت و تقویٰ اور علوم دینیہ اور فقہ کے نہایت روشن چراغ اور انابت الی اللہ کے درخشاں ستارے ہیں انکی تقلید شخصی پر چوتھی صدی کے بعد تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۱) اور جبائی معتزلی کی صحبت میں چند دنوں رہ کر پھر علیحدہ ہو گئے۔ صفات میں امام اشعری نے نفی میں اعتزال کے مابین اور اثبات میں مذہب تجسیم کے بین بین اپنا مسلک بنایا، اور جم کر تمام فرق باطلہ سے مناظرہ کیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ اہل حق کی ایک جماعت آپ کے عقائد و خیالات کی طرف نہ صرف مائل ہوئی بلکہ پورے طور پر نشر و اشاعت شروع کر دی، انہیں میں سے قاضی ابو بکر باقلانی ابن فورک شیخ ابو اسحاق اسفرائنی ابو اسحاق شیرازی، عبدالکریم شہرستانی، امام غزالی اور امام رازی وغیرہم اکابر اہلِ سنت والجماعت ہیں، جنہوں نے مذہب حق کی حمایت میں فرق باطلہ کا رد اور عقائد حقہ کا اثبات اتنے قوی دلائل کے ساتھ کیا کہ پھر مذہب اشعری عراق وغیرہ میں باقاعدہ پھیل گیا اس کے بعد جب سلطان صلاح الدین بن ایوب ملک مصر پر قابض ہوا تو مذہب تشیع اور فرقہ اسماعیلیہ کے استیصال پر کمر باندھی اور مصر میں قضاۃ مالکیہ اور شافعیہ کے مدارس قائم کر دیے اور قضائے مصر جو شیعوں کے ہاتھ میں تھا، اس کو صدر الدین عبدالملک بن درباس مارانی کو

(۸) وہ ہر پروفیسر اور عامی کی رائے کو آزادی دیتا ہے، کہ وہ اپنے مذاق اور اپنی رائے کو عمل میں لائیں اور مسلمانوں کو اس پر چلائیں، خواہ اس سے سلف صالحین کے مذاق اور رائے کے کتنا بھی خلاف کیوں نہ ہو۔

حالانکہ منکرین تقلید بھی اس کے مخالف ہیں ان کو بھی تجربہ کے بعد اس کی مضرتوں کا قوی احساس ہوا ہے، مولانا محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی جو کہ غیر مقلدوں کے نہایت جوشیلے امام تھے اور عدم تقلید کے زور دار حامی اور ہندوستان میں اس کے پھیلانے والے تھے، اپنے رسالہ اشاعت السنۃ جلد دوم نمبر ۲ ص ۵۱-۵۲، ۵۳ میں لکھتے ہیں پچیس ۲۵ برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور تقلید مطلق کے تارک بن جاتے ہیں، وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) تفویض کر دیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ ملک مصر سے مذہب شیعہ، فرقہ اسماعیلیہ اور امامیہ کا نام و نشان باقی نہیں رہا، چونکہ سلطان نور الدین زنگی حنفی المذہب تھا، اس سے شام اور مصر میں فقہائے احناف کا بھی زور بڑھ گیا، اور سلطان صلاح الدین نے تمام لوگوں کو مذہب اشعری اختیار کرنے پر مجبور کر دیا حتی کہ اوقاف میں بھی عقیدۂ اشعری کو ترجیح دی اور شرط قرار دیا، یہ شرط قاہرہ کی خانقاہ سعید السعداء میں بھی لگا دی، پھر شام، مصر، یمن، حجاز، بلاد مغرب وغیرہ سب کے سب اسی عقیدہ پر ہو گئے، یہاں تک کہ محمد بن تومرت نے بھی امام ابوالحسن اشعری کے خلاف کو اپنا عقیدہ بنا لیا، اور پھر تمام شہروں میں یہی عقیدہ قائم ہو گیا تاریخ سے پتہ چلتا ہے پھر ایک متنفس ائمہ اربعہ کے مذہب اور امام ابوالحسن اشعری کے عقائد کے خلاف باقی نہیں رہا، ہاں مذہب حنابلہ میں سے کچھ لوگوں نے امام ابوالحسن اشعری کے مسلک سے انحراف کیا اور اپنا ایک الگ مذہب بنایا حنابلہ میں ابوالخطاب بغدادی ابن عقیل، ابن البنا، شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی انہیں میں سے ہوئے آپ نے سلف کا نام لیکر اشاعرہ کے قائم کردہ مذہب پر اور ایک ہی ذات سے صوفیائے کرام کے طریق پر بھی بہت زیادہ تنقید فرمائی۔

ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں، اور بعض لامذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے، اور احکام شریعت سے فسق و خروج تو آزادی کا ادنی نتیجہ ہے ان فاسقوں میں بعض تو کھلم کھلا جمعہ جماعت نماز، روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں، سود و شراب سے پرہیز نہیں کرتے اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی سے فسق ظاہری سے بچتے ہیں، وہ فسق مخفی میں سرگرم رہتے ہیں، ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں، ناجائز حیلوں سے لوگوں کے مال خدا کے مال ذحقوق کو دبا رکھتے ہیں، کفر و ارتداد و فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں۔ مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے، اھ مختصراً۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) ایک جماعت نے ابن تیمیہؒ کی رایوں کو غلط قرار دیا اور ایک فریق ابن تیمیہؒ کے ساتھ ہو گیا، چنانچہ ایک جماعت علمائے کے تفردات ہی کو معیار اجتہاد سمجھ کر آج تک اسی راہ پر چل رہی ہے، اور ابو منصور ماتریدی اور اشاعرہ کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف کی اصل قرار دیکر فقہاء احناف جو عقیدہ ماتریدیہ کے قایل ہیں، ان سے کنارہ کش ہو گئی ہے۔ حالانکہ اشاعرہ اور ماتریدیہ میں جو اختلاف ہے وہ کتب عقائد و کلام میں چند ہی ہیں اور ان میں اصولی کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ تعبیرات اور طریق استدلال کا فرق ہے، بات ایک ہی ہے (ملاحظہ ہو کشف المبہم محب اللہ بہاری)۔

یہاں تک ہم نے جو تاریخ اسلام کی ورق گردانی سے سمجھا ہے پیش کر دیا، اب اس کے بعد ہندوستان میں فقہ حنفی کے قیام پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا ضروری ہے، کیونکہ ہندوستان جب سے فتح ہوا برابر فقہ حنفی برسر اقتدار رہی، بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شروع اسلام سے یہاں فقہ حنفی کے سوا کوئی اور فقہ معلوم نہیں ہوئی، ابتدا اس طرح ہوئی کہ بغداد کے زوال کے بعد بخارا کی حکومتیں قائم ہو گئیں، اور پھر غزنی سے لاہور اور لاہور سے دہلی عجمیوں

جس بے علمی کو مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی مذکور نے ذکر فرمایا ہے وہ تواس زمانہ میں عام طور پر اہل علم میں بھی موجود ہے، بالخصوص پروفیسروں اور انگریزی تعلیم یافتہ حضرات میں یہ حضرات تو علوم اسلامیہ اور فنون عربیہ اور ادب عربی سے اسی طرح ناواقف ہیں جس طرح عوام مسلمین اور اگر کسی میں قدرے شُد بُد موجود بھی ہے تو وہ بمنزلہ عدم ہے عموماً یہ حضرات اردو فارسی یا انگریزی ترجموں سے کام لیتے ہوئے پائے جاتے ہیں، ان میں سے جو لوگ کسی یونیورسٹی میں خواہ ہندوستانی ہوں یا یوروپین، عربی کے ایم اے اور فاضل بھی ہیں، وہ عربی درسگاہوں کے فاضل کے سامنے بمنزلہ طفل مکتب ہیں نہ صحیح عبارت عربی کے قواعد کے مطابق پڑھ سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں، نہ بے تکلف بول سکتے ہیں، اور اگر بعض چیدہ اشخاص میں ایسی قابلیت بھی پائی جاتی ہے تو وہ ان دیگر علوم سے یقیناً بے بہرہ ہوتے ہیں

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) کے مرکز بن گئے، تغلقوں کے عہد میں فتاویٰ تاتارخانیہ اور پھر عہد عالمگیر میں فتاویٰ عالمگیری کے فیصلے تمام قلمرو میں نافذ رہے، حتیٰ کہ نادر شاہ کے حملے تک فقہ حنفی اور عقیدہ اشعریہ ماتریدیہ پورے ہندوستان میں قایم رہا اور اس خاک ہند کا حنفیت تو مذہب قرار پایا، اور کسی مجدد اور مصلح نے حنفیت سے باہر قدم نہیں رکھا، چنانچہ ہندوستان کے اندر جس قدر علمی تحریکات اٹھیں وہ سب کی سب ایسے اساتذہ پر ختم ہوئیں جو عالمگیری عہد کے ممتاز فرد تھے، حضرت شاہ عبدالرحیم فتاویٰ عالمگیری کے مصنفین میں سے تھے، جن کی صلب سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سا محقق اور فقہ حنفی و شافعی کا مجتہد پیدا ہوا، آپ نے اپنے خصوصی فکر کی بنا پر بعض مسائل، عقائد اور فقہ میں تحقیقی شان ظاہر فرمائی اور اسی کے ساتھ اپنی تحریک کی بنیاد اتباع سلف صالحین پر رکھی، کیونکہ اتباع سلف ہی اصل اور اساس دین ہے، آنحضرت صلعم کی اتباع صحابہ نے کی اور صحابہ کی تابعین نے اور پھر یہ سلسلہ آج تک مسلسل اور متواتر چلا آرہا ہے، اگر اتباع سلف اور خلف کو مضبوطی سے قائم رکھا

جن پر اجتہاد فی الدین کے علاوہ ادب عربی کا مدار ہے، چنانچہ مشاہدہ اور تجربہ ہے ایسی صورت میں ان پروفیسروں کو اجتہاد اور ترک تقلید کرنا اور اس کی اجازت دینا سراسر دین اور شریعت کی جڑ کھودنا اور ضلالت اور گمراہی کو پھیلانا ہے۔ ہم نے خود اس زمانہ کے مجتہدین مطلق کو آزما کر دیکھا ہے۔

(۹) وہ طرق تصوف اور سلوک اور اس کے اعمال کو جاہلیت اور الحاد زندقہ قرار دیتی ہے، اس کو بدھ ازم اور یوگ بتلاتی ہے، حالانکہ یہی طرق اور اعمال ہیں کہ فی زماننا اسلام اور اعمال کی تکمیل اور احسان کے مامور بہ کی تحقیل اور عبودیت

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) جاتا تو امت میں وہ بے راہ روی نہ پیدا ہوتی جو کہ ہوئی، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد بزرگوار کے جملہ علوم و فنون، عقائد اور خیالات کو اپنایا اور شاہ ولی اللہ کے چھوڑے ہوئے کام کو نہ صرف ہندوستان بلکہ سمرقند اور بخارا حجاز اور دیگر ممالک تک پہنچایا اور پورا کیا، اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے والد بزرگوار کے مسلک اور مذہب کو دلائل سے مبرہن کر کے اپنے تلامذہ میں سے حضرت شاہ اسحاق صاحب کو سختی سے اتباع فقہ حنفی پر ڈٹا دیا۔ جسکا اثر یہ ہوا کہ چاہے وہ مولانا اسمٰعیل شہید ہوں یا مولانا فضل حق کوئی بھی شاہ ولی اللہ کی تحقیق سے باہر قدم نہیں نکال سکا، اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنے وصیت نامہ تک میں تحریر فرما دیا کہ در عقائد مذہب قدمائے اہل سنت اختیار کردن و از تفصیل و تفتیش آنچہ سلف تفتیش نہ کردہ اند اعراض نمودن الخ۔ شاہ ولی اللہؒ نے جو علمی انقلاب پیدا کیا اس کا اثر لوگوں کے عمل اور کردار میں نمایاں ہوا کہ پھر مذہب اور سیاست دو چیزیں نہیں رہ گئیں اور مذہب کے نام پر جو بدعات اہل علم تک میں رائج تھیں ان کی بنیاد متزلزل ہونا شروع ہو گئی اور دینی سیاست کے ساتھ ہندوستان کی آزادی کا لائحہ عمل بھی حضرت شاہ صاحبؒ ہی نے پیش فرمایا جسکو شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ اسحاقؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے پوری طرح اپنایا، اور ہر ممکن جد وجہد سعی اور کوشش خود کی اور اپنے تلامذہ اور مریدین کو اس کے لئے تیار کر دیا، خاک ہند کا ذرہ ذرہ شاہد ہے کہ بالاکوٹ کے

کاملہ کا استحصال بغیر ان کے اسی طرح غیر ممکن ہے، جیسے کہ فی زماننا قرآن کا صحیح پڑھنا۔ بغیر زیر، زبر، پیش، جزم و تشدید اور بغیر تجوید غیر ممکن ہے، اور جیسے کہ قرآن و حدیث کا فی زماننا سمجھنا اور بیت عربی کو حاصل کرنا۔ بغیر صرف و نحو معانی و بیان، بدیع و کتب لغت غیر ممکن ہے، قرون اولیٰ کو تلاوت صحیح اور فہم معانی میں ان چیزوں کی حاجت نہ تھی، مگر آج ہم کو بغیر ان کے کوئی کامیابی حاصل ہی نہیں ہو سکتی، بلکہ خود ملک عرب اور عراق و شام و مصر کے باشندے بھی (جنکی مادری اور روزمرہ کی بول چال عربی ہے)، ان علوم کے آج ہماری طرح محتاج ہیں، کم و بیش کا فرق دوسری بات ہے اختلاطاً بالعجم نے

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) شہیدانِ پاک باز کا بانکپن رنگ لایا، اور شاہ ولی اللہ کے بواسطہ اور بلا واسطہ شاگردوں اور مریدوں نے ہندوستان کو آزاد کرایا جس میں علمائے دیوبند کا مخصوص مقام ہے شاہ ولی اللہؒ کے بعد ہندوستان میں جتنی تحریکات اٹھیں ان میں سے اکثر ہندوستان کی آزادی کو مقدم رکھتے ہوئے اس مسئلہ خاص میں علمائے دیوبند جو شاہ صاحب کے سچے جانشین ہیں ان سے اشتراک عمل کیا، تھوڑے سے لوگ جن میں سید ابوالاعلیٰ مودودی ہیں اپنی راہ الگ نکالی، یہاں تک کوئی قباحت نہ تھی لیکن ستم بالائے ستم اس اللہ کے بندے نے آہستہ آہستہ الیسار دیہ اپنی تحریر میں اختیار کیا کہ بقول علامہ اقبال احمد خانصاحب سہیل اعظم گڈھ شربت کے بھرے گلاس میں ایک قطرہ پیشاب ڈال کر دکانداری شروع کر دی یہ ایسی نازک اور لطیف علمی اور تحقیقی تنقید ہے کہ جس کو سہیل صاحب ہی فرما سکتے ہیں، چند دن تک تو اس تحریک کے زہر کے اثر کا اندازہ نہیں ہوا مگر تھا زہر ہلاہل جسکی خاصیت یہ ہے کہ اس کے ساتھ اگر اس کے مصلح کو بھی استعمال کیا جائے تو چنداں مضائقہ نہیں ورنہ بدن ٹوٹ جاتا ہے اور جسم انسانی کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، چنانچہ اس تحریک مودودی المسمی بہ جماعت اسلامی کے بطن سے اکابر امت کی تحمیق، تضحیک ان کی خدمات کی ہجو ہیچ بزرگوں سے بیزاری علم تصوف اور احسان سے نفرت، اولیاء اللہ کی حقارت، امام مہدی کے بارے میں اسلامی تصورات کا

ان کو عجمی بنا دیا ہے، زمانہ ہائے قدیمہ اور قرون اولی میں احسان اور عبدیت کاملہ قرب زمانہ نبویہ کی بنا پر ان طرق و اعمال کی محتاج نہ تھی، مگر آج بغیر ان کے ان مامور بہا کمالات کا حاصل کرنا عادتاً غیر ممکن ہو گیا ہے، انکو لوگ قرار دینا سراسر ظلم اور ناانصافی ہے۔

(۱۰) وہ سلف صالحین اور اولیاء اللہ سابقین کی شان میں نہایت زیادہ زبان درازی کرتی ہوئی سخت گستاخانہ لفظ استعمال کرتی اور ان کو عوام الناس میں نہایت ذلیل و خوار کرتی ہے، حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) مذاق جمعیۃ علماء اور لیگ میں شرکت کرنے والے علماء کی ناقابل برداشت توہین، مسائل فقہی میں غیر معمولی آزادی سے فتویٰ نویسی سواد اعظم کے خلاف رائے زنی ... ڈاڑھی کے سنت رسول ہونے سے انکار، بلکہ اصرار کرنے پر بدعت کا حکم لگانا حتی کہ حضرات انبیاء اور صحابہ تک پر تنقید کرنا اور ان کی اتباع اور پیروی کو عام انسانوں کی پیروی کے برابر سمجھنا اور ہم رجال و نحن رجال کا خواب دیکھنا وغیرہ وغیرہ وہ گمراہی ہے جس کا رشتہ خوارج، معتزلہ اور دیگر فرق باطلہ سے ملتا جلتا ہے، ملاحظہ ہو ایمان و عمل حضرت شیخ مدنی مدظلہ العالی، اور یہ بیان کو پڑھ جائیے، اور فرق باطلہ کی ہر شاخوں کے عقائد و خیالات کو دیکھئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح خوارج نے سب سے پہلے حکومت الٰہی کا اسلامی ٹائٹل لگا کر دعوت دی تو اس کے پیٹ سے سوائے اس کے اور کیا پیدا ہوا کہ عقائد میں خرابی اور قتل صحابہ وغیرہ کے غیر اسلامی مقاصد نکل آئے، روافض نے محبت اہل بیت کا دینی نعرہ لگایا، اس کے بطن سے سب و شتم صحابہ اور انہدام خلافت کا مقصد ظہور پذیر ہوا، معتزلہ نے عدل اور توحید کا اسلامی نظریہ پیش کرتے ہوئے نفی صفات الٰہیہ کا کیا جس کے اندر سے عذاب قبر شفاعت اور رویت باری تعالیٰ کا انکار نکل آیا اور امت میں پھوٹ پڑ گئی، غرض اسی ہندوستان میں سرسید مرحوم نے تعلیم و ترقی کا اسلامی پروپیگنڈا کیا، مگر ہوا یہ کہ اس جماعت کی اکثریت نے خوارق و معجزات کا انکار کیا جس نتنہ عقائد دینی و سیاسی حد درجہ بڑھ گیا اور آخر میں وہ قیامت صغری

من[۱] اٰذی اولیائی اذنتہ بالحرب۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ اُذکروا موتاکم[۲] بخیرا۔ اور تیسری جگہ فرمایا۔ لعن[۳] آخر ہذہ الامۃ اولہا۔ جس سے تحذیر مقصود ہے۔

(۱۱) وہ حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہٗ العزیز، اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ العزیز اور ان کے اتباع واحفاد اور دیگر ائمہ ہدیٰ حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ اسرارہم ائمہ طریقت کو مسلمانوں میں انہوں اور ضلال وگمراہی کے انجکشن دینے والے اشخاص بتلاتی ہے حالانکہ یہ وہ اکابر اور اسلاف کرام ہیں، جنہوں نے تمام دنیائے اسلام میں دین وسنت کو

[۱] جو میرے دوستوں کو ایذا پہونچائے میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔

[۲] اپنے مردوں کا تذکرہ بھلائی کے ساتھ کرو۔

[۳] یعنی قرب قیامت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس امت کے پچھلے پہلوں پر لعنت کریں (ان کی غلطیاں اچھالیں)

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) قایم ہوگئی کہ ہند کے حصے بخرے ہوگئے، قادیانی احیاء اسلام اور تجدید دین کا ڈھنڈورا پیٹا، نیچے سے انکار ختم نبوت اور امانت انبیاء ورسل کا فتنہ برپا ہوگیا مشرقی نے عسکریت اور تنظیم کا شور مچایا، اندر سے مولوی کا غلط مذہب نکل آیا، غرض صدر اول سے لیکر آجتک امت کے اندر تفریق واختلاف برپا کرنے کے لئے اسلام ہی کو سب سے زیادہ استعمال کیا گیا اور یہی مودودی صاحب بھی کر رہے ہیں، نتیجہ ظاہر ہوا، جس کا اشارہ اوپر کیا گیا، اگر کسی کو شبہ ہو تو سیاسی کشمکش، تجدید واحیائے دین، رسائل ومسائل اور کارکنان تحریک اسلامی کے لئے اہم ہدایتیں شائع شدہ رامپور اور دستور العمل جماعت اسلامی ہند ملاحظہ فرمائیے، اسی میں مودودی صاحب کا یہ ارشاد خاص طور پر ان کی ذہنی ترتیب اور دماغی اپج کا آئینہ دار ہے اور جس کو ہندی جماعت اسلامی کے امیر اور قیم اپنے علم وعمل فہم اور تجربہ کی کمی کی بنا پر مودودی صاحب کے پس خوردہ پر قناعت کرکے سلف کے کاموں اور تمام صحابہ ہائے کرام یعنی علمائے حق کی پگڑی اچھال رہے ہیں۔ اور بزعم خویش سلف صالحین سے بدتر ترین جماعت اسلامی

زندہ کیا، اور ان کے فیوض و برکات سے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کو وصول الی اللہ اور حقیقی تقویٰ کی نعمت حاصل ہوئی ان کے مآثر اور برکات سے تواریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔

(۱۲) مذکورہ بالا مشائخ طریقت رحمہم اللہ تعالیٰ کو یوگ اور بدھ ازم اور ضلالت کے پھیلانے والے بتاتی ہوئی ان کی تذلیل کرتی ہے حالانکہ اعمال طریقت خواہ نقشبندیہ کے ہوں یا چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ وغیرہ کے یوگ اور بدھ ازم سے کوسوں دور ہیں، طریقت کی تعلیم سراسر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ اور توحید اور رسالت کی تعلیم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و اقوال سے بھری ہوئی ہے اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلنے کی سخت تاکید ہے جیسے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) کے اندر داخل ہونے والوں کو یہ تلقین کر رہے ہیں اور جماعت اسلامی کو سراہ رہے ہیں، ص ۸۰ میں لکھا گیا ہے، ایک صحیح دینی حس رکھنے والا آدمی خود ہی محسوس کرے کہ جماعت اسلامی کا اثر قبول کرنے کے بعد ابتدائی مرحلہ میں انسان کے اندر تقویٰ اور احسان کی جو کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے وہ عمر بھر تزکیہ نفس کی تربیت پانے والوں میں بھی نظر نہیں آتی قارئین اس بیجا پندار پر ناطقہ سر بگریباں اور مودودی صاحب کی اس مذبوحی حرکت پر انسانیت ماتم کناں ہے اس کے سوا اور کیا عرض کیا جائے ؎

اتنا نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

سچ فرمایا قرآن حکیم نے "اضلہ اللہ علی علم" جو گمراہی سطحی علم کے ساتھ آتی ہے وہ اپنے لپیٹ میں نہ جانے کتنوں کو لے لیتی ہے اور ایسے حضرات مسخر انگیز تناسخ کی صورت میں اپنی مہدویت پر مصر اور عام مسلمانوں سے گذر کر خواص تک کو مجروح کرنا ہی اقامت فی الدین اور حکومت الٰہیہ کے قیام کی اساس اور بنیاد قرار دیتے ہیں جو اس وجہ سے کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتی کہ

کے مکاتیب شاہد عادل ہیں، دیکھو تصانیف امام ربانی و تصانیف حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور عوارف المعارف فتوح الغیب وغیرہ۔

(۱۳) وہ علمائے ظاہر اور محافظین علوم شرعیہ کی شان میں گستاخی کے الفاظ استعمال کرتی ہوئی عوام کو ان سے متنفر کرتی ہے، اور ان کی تذلیل تو ہین عمل میں لاتی ہے، اور ان کو غیر قابلِ اعتماد ٹھہراتی ہے اور مسلمانوں کو نئے اسلام اور اس کے لیڈر کی تقلید اور تابعداری کی طرف لیجاتی ہے۔

حالانکہ اس پر آشوب پرفتن زمانہ میں جب کہ فسق و فجور اور الحاد و کفر ہوا پرستی اور خواہشات نفسانی کا چاروں طرف دور دورہ ہے، خدا اور رسول سے لوگ دور ہوتے جارہے ہیں اور شریعت کو پس پشت ڈالتے جاتے ہیں، ضروری تھا کہ محافظین شرع اور مبلغین دین وہدایت کا وقار عام میں قائم کیا جاتا، اور احیائے دین اور اتباع شریعت کی صورتیں پیدا کی جاتیں، عوام کے اذہان میں اس کے برعکس توہین اور تذلیل کو جانا دین کے مٹانے کے مرادف ہے، یہی طریقہ تمام مبتدعہ نے ہمیشہ سے جاری کر رکھا ہے، یہی طریقہ نیچریوں، قادیانیوں اور خاکساروں وغیرہ نے کیا۔ بلکہ مشرقی کا رسالہ ہماری "مولوی کا ایمان" تو اس باب میں خوب کھل کھیلا، اور ہر مبتدع اور ضال اپنے عیوب کو چھپانے اور اپنی ضلالت و گمراہی کے پھیلانے کے لئے یہی طریقہ عمل میں لاتا رہتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۰) حکومت الٰہیہ کا نقشہ اگر ہم مان بھی لیں کہ ان کے دماغ میں ہو لیکن دینِ الٰہی کا نقشہ قطعاً ان کے اندر نہیں ہے، ثبوت کے لئے اوپر کی مختصر تحریر تھا اور اس جماعت کے کارنامے اور عہدہ داروں کے حالات کافی سے زیادہ ہیں، والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ

(۱۴) وہ احادیث صحیحہ کو صرف اپنی عقل اور اپنے مذاق سے مجروح قرار دیکر عام مسلمانوں کو انسے منحرف کرتی ہے، حالانکہ سلف صالحین صحابہ کرام تابعین عظام قرون مشہود لہا بالخیر نے انکو قبول فرمایا ہے، اور جو شبہات اسپر وارد کئے جا سکتے ہیں انکے دفعیہ کی صورتیں بتائی ہیں، اپنی عقول اور اپنے مذاق کو ہم کتنا بھی اعلیٰ درجہ عطا کریں مگر وہ ناقص اور نارسا ہی ہیں جنپر تجربہ اور واقعات شہادت دیتے ہیں احمق سے احمق شخص بھی اپنی عقل اور سمجھ کو سب سے اعلیٰ خیال کرتا ہے ؎

گر از بسیط زمین عقل منعدم گردد بخود گمان نہ برد ہیچ کس کہ نادانم

(۱۵) وہ مثلِ خوارج ان الحکم الا للہ اور من لم یحکم بما انزل اللہ کا لیبل لگا کر مسلمانوں کو کافر قرار دیتی ہے حالانکہ یہ اس کی غلط تاویلات اور بے ربط توجیہات کا ثمرہ اور "کلمۃ حق[1] ارید بہا الباطل" کا نتیجہ ہے، نیز سلف صالحین کی آرا اور اعمال سے بغاوت اور انحراف ہے۔

(۱۶) وہ چکڑالوی کیطرح ذخیرۂ احادیث دین متین کو (معاذ اللہ) ناقابلِ اعتبار قرار دیتی ہے اگرچہ وہ اخبار احاد ہی کیوں نہ ہوں، حالانکہ ابتدائے اسلام سے لیکر آجتک انکو اصول دین قرار دیا گیا ہے، اور بہ نسبت روایات تاریخیہ ان کو زیادہ قابل اعتماد سمجھا گیا ہے۔

(۱۷) وہ مثلِ فرقہ قادیانیہ اپنے قائد اعظم اور امیر کو ایسا مختار بتاتی ہے کہ اپنے مذاق سے جس حدیث کو چاہے قابلِ اعتماد قرار دے اور جسکو چاہے ردی کی ٹوکری میں پھینک دے حالانکہ ایسی مطلق العنانی رائے اور حکم میں نہ کسی میں پہلے ازمنہ مشہود لہا بالخیر میں مانی گئی اور نہ اس زمانہ فتنہ و فساد میں مانی جا سکتی ہے (جب کہ رائے صائب) امانت کاملہ اور علم کامل عنقا ہو رہے ہیں، بلکہ حسب ارشاد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ "من کان[2] منکم مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا یومن علیہ الفتنۃ" ایسا امر موجودہ دور کے اشخاص میں انتہائی ضلالت کا پیش خیمہ ہے۔

(۱۸) وہ ذخائر فقہ کو غلط اور ذخیرۂ ضلالت بتلاتی ہوئی ترمیم اور اصلاح اور حذف کا حکم دیتی ہے اور مسلمانوں کے آجتک تیرہ سو برس کے عملدرآمد کو جاہلیت اور گمراہی بتلاتی ہے اور سر گذشتہ مسلمانوں کو

[1] الفاظ تو صحیح مگر انکا منشا اور مقصد باطل اور غلط۔ [2] جسکو پیروی کرنی ہو وہ انکے طریقوں کی پیروی کرے جنکی وفات ہو چکی ہے (صحابہ کرام) کیونکہ جو زندہ ہیں وہ فتنہ سے مامون نہیں ہیں۔

غیر ناجی کہتی ہے، حالانکہ یہ ایسا فتنہ ہے کہ جس پر جسقدر بھی افسوس اور رنج کیا جائے کم ہے۔

(۱۹) وہ مثل معتزلہ و روافض وغیرہ اپنے سائن بورڈ وغیرہ پر حقیقی توحید کا دفتر جماعت موحدین حقیقی کا امین اسلام یا اسکے مرادف الفاظ میں لکھتی ہے جس طرح معتزلہ اپنے آپ کو اصحاب العدل اور اصحاب التوحید کہتے اور لکھتے تھے، شیعہ اپنے آپ کو محبین اہلبیت لکھتے ہیں جسکے معنی یہ سمجھے گئے کہ ہم سے علیحدہ ہونے والے افراد اور فرقے اصحاب عدل نہیں، اصحاب توحید ہیں اور نہ اہل بیت سے محبت رکھنے والے ہیں۔

اس قسم کے سائن بورڈوں سے عوام مسلمین میں زمانہ ہائے گذشتہ میں جو زہریلا اثر پھیلا وہ ان تاریخی واقعات سے ظاہر ہے جو کہ ازمنہ سابقہ میں معتزلہ خوارج، روافض وغیرہ اور اہلسنت کے آپس میں پیش آئے اور ازمنہ آخیر میں بھی اسی قسم کی حرکتوں سے غیر مقلدوں اور مقلدوں، قرآنیوں نیچریوں ... قادیانیوں خاکساروں وغیرہ میں ظہور پذیر ہوئے ہر ایک اپنے اس قسم کے سین بورڈوں سے دوسرے فرقوں پر اس قسم کا حملہ کرتا ہے کہ وہ اس کمال سے محروم اور خالی ہیں، غیر مقلد اپنے آپ کو اہل حدیث والتوحید کے خوشنما سین بورڈ سے مزین کر کے آوازہ بلند کرتا ہے کہ احناف حدیث نبوی سے محروم اور توحید خالی ہیں وغیرہ وغیرہ آپکے سین بورڈ سے بھی یہی چرکا لگتا ہے کہ جو لوگ اسلامی جماعت کے ممبر نہیں ہیں وہ حقیقی موحد نہیں ہیں، وہ اسلامیت کاملہ نہیں رکھتے، اس سے عوام کو جسقدر انتشار اور افتراق میں مبتلا کیا جاتا ہے وہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا ادنی اثر یہ ہوگا کہ اسلامی جماعت میں داخل ہونیوالے شرکاء کا نہ غیر ناجی ہیں ہر ایک من مانی باتوں پر بحث کریگا، اور گالی گلوج، مناظرہ، مجادلہ مار پیٹ وغیرہ کا بازار گرم ہوگا، اور عوام کو سنبھالنا قبضہ سے باہر ہو کر امت مسلمہ کو انتہائی مشکلات میں مبتلا کر دیگا

محترما! دور حاضر کے ہم مسلمانان انڈین یونین کی مشکلات جو کہ اکثریت کی طرف سے مسلمانوں کو گھیرے ہوئے ہیں، مہاسبھائیوں کی فرقہ وارانہ ذہنیت آر، ایس، ایس کی اسلام دشمنی، آریوں کی جارحانہ مذہبی پالیسی اور مرتد بنانے کی جان توڑ کوششیں مسلمانوں کی ہر قسم کی مادی اور روحانی کمزوری اور انکی منتشر حالت ان میں احساس کمتری کا روز افزوں مرض ملحدان مغرب کی طرف سے الحاد و زندقہ کی سموم آندھیاں مادہ پرستی کی زور دار

اسکولوں، کالجوں کی تعلیم نفوس انسانیہ کا دنیاوی اور مادی ترقی کا طبعی رجحان فغیرہ وغیرہ امور تو تسقافی نتھے کہ مسلمانوں کے شیرازہ کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنایا جاتا اور حکیمانہ عاقلانہ تنظیم عمل میں لاکر انکے خوف و ہراس بدحواسی اور بزدلی بے دینی اور بدعملی کو دور کیا جاتا ہم؛ دیکھتے ہیں کہ آپکی تحریک ایسکے برخلاف دینی اور دنیاوی بربادی کی وبائی ہوا فضا میں پیدا کر رہی ہے اور آیندہ تمام ملک کو اس سے مسموم کر دینے کا سامان مہیا کیا جا رہا ہے اسلئے میں مناسب جانتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس تحریک سے علیحدہ رہنے اور مودودی صاحب کے لٹریچروں کے نہ دیکھنے کا مشورہ دوں۔

آپ حضرات کا یہ ارشاد کہ ہمکو مودودی صاحب کے اعتقادات و شخصی خیالات سے سروکار نہیں ہے ہم اسکا بار بار اعلان کر چکے ہیں، ایسا ہی ہے جیسے کہ مشرقی صاحب نے لوگوں کے اعتراضات کو تحریک خاکساران میں رکاوٹ دیکھکر اعلان کیا کہ ہم تو مسلمانوں میں جنگی اور حربی تعلیم اور اسپرٹ پیدا کرنا اور اسکو پھیلانا چاہتے ہیں ہمارے عقائد اور ہماری تصانیف سے مسلمانوں کو کوئی سروکار نہیں ہے پھر کیا ایسا ہوا اور جماعت خاکساران کیا اپنے لیڈر کے عقائد و اخلاق اور اسکی تصانیف کی گندگیوں سے محفوظ رہی۔ خود مودودی صاحب ہی کی زبان سے سن لیجئے، دیکھو الفرقان نمبر ۲ ج ۳ ص ۹ و ۱۰، بابتہ ماہ صفر و ربیع الاول بعنوان خاکسار تحریک اور علامہ مشرقی۔

محترما! جب کوئی تحریک کسی شخص کیطرف منسوب ہوگی تو وہ قبلہ توجہ ہوگا اور اس شخص کے عقائد اور اخلاق کا اثر ممبروں پر قطعی طور پر ضرور پڑیگا، خصوصاً جبکہ مودودی صاحب کے لٹریچر برابر زور دار طریقہ پر شائع کئے جا رہے ہیں اور ممبروں اور غیر ممبروں کو انکے مطالعہ کی ترغیب دی جا رہی ہے، ایسے وقت میں وہ زہریلے مواد جو نہایت چالاکی سے زوردار تحریروں میں لکھے گئے ہیں اپنے اثر سے خالی نہیں رہ سکتے، بہر حال ہم امور مذکورہ بالا کے ہوتے ہوئے یہ نہیں سمجھ سکتا کہ جناب سے شرف ملاقات سے کیا نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے میں ایک ادنا مسلمان اور مقلد حنفی خادم مشائخ طریقت ہوں آپ حضرات نئے اسلام کے روشن چراغ ہیں میں مسلمانوں کو سلف صالحین کے راستہ پر چلانا چاہتا ہوں اور اسیمیں انکی نجات سمجھتا ہوں آپ حضرات مودودی صاحب کے نئے اسلام پر مسلمانوں کو چلانا چاہتے ہیں جنکی تجدید اور احیاء کو جو کہ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت سید احمد شہید وغیرہ رحمہم اللہ کو بھی نصیب نہیں ہو سکی ذریعہ نجات مسلمانوں کیلئے قرار دیتے ہیں آپ سلف صالحین کی تیرہ سو سالہ

جاہلیت سے جو کہ مسلمانوں میں اسوقت سے لیکر آجتک جاری رہی اور ہر مقتدی اور امام اسلام بجز شرذمۂ قلیلہ اسمیں مبتلا رہا اس سے نجات دلانا چاہتے ہیں، پھر اس اصول بون بعید پر کیا امید ہے کہ آپ مجھپر اثر ڈالیں اور میں آپ پر کوئی اثر ڈالسکوں آپ اس تحریک کو عرصہ دراز سے چلارہے ہیں کئی برس ہوچکے ہیں کبھی آپ نے دیوبند تشریف ارزانی کی تکلیف گوارہ نہ فرمائی، نہ آپنے جمعیۃ علماء کے ذمہ داروں کے اسکے کارکنوں سے تبادلۂ خیالات کر کے مسلمانوں کی بہتری کی راہ پر غور وفکر فرمایا، میں نہیں سمجھ سکتا کہ آج کسوجہ سے آپکو اسطرف توجہ ہوئی ہے، بہر حال میں آپکی توجہ کا شکر گذار ہوں مگر اس بون بعید کے ہوتے ہوئے مجھکو کوئی امید فائدہ نہیں معلوم ہوتی، خصوصاً جب کہ آپکا رامپور کا جلسۂ عام بڑے درجہ پر آپکو پہنچا چکا ہے، تو بجز اسکے کہ لکم دینکم ولی دین کہکر آپکو تکلیف فرمانے کی زحمت سے سبکدوش کروں اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

میں حیدرآباد کے اجلاس اور دیگر مصروفیتوں کی بنا پر اس عریضہ کو روانہ کرسکا تھا کہ آپکا دوسرا والا نامہ جوابی رجسٹری والا باعث سرفرازی ہوا، اسکا بھی شکر گذار ہوں، جیسے کہ پہلے والا نامہ کا شکر گذار ہوں مکرم محترم! مذکورہ بالا مضامین جو کہ بہت زیادہ اقتباسات ہو لئے گئے ہیں، بجائے خود مایوس کن ہیں دارالافتاء کے مضامین کا جناب کو شکوہ ہے اور اسکے روکنے کا اجتماع حکم دیتے ہیں اسکے متعلق عرض یہ ہے کہ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں ایک مستقل ادارہ ہے اسکے سرپرست جناب مولانا المفتی سید مہدی حسن صاحب ایک معمر تجربہ کار فاضل محقق ہیں۔ روزانہ انکے پاس تیس چالیس بلکہ اس سے زائد استفتے آتے رہتے ہیں جنکے جوابات انکو چکانے ضروری ہوتے ہیں، تحریک اسلامی مذکور کے متعلق بھی جب مجبور ہوئے اور استفتوں کی بھرمار ہو گئی تو قلم اٹھانا اور مودودی صاحب کی تصانیف کو مطالعہ کرنا پڑا، انکے پاس ان تصانیف کا معتدبہ ذخیرہ بھی ہے۔ انکار وکنا میرے اختیار سے باہر ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ آمین

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ، دیوبند

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکتوباتِ شیخ الاسلام

جلد سوم

مکتوب (۱)

مولانا محمد ادریس صاحب سرائے میر اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ والا نامہ باعثِ سرفرازی ہوا یاد فرمائی کا شکر گزار ہوں۔ میرے مکتوبات پر اُن کا اعتراض کرنا بے محل ہے

(الف) یہ مکتوب جیل میں لکھا گیا جبکہ میرے پاس کتابوں کا کوئی ذخیرہ نہ تھا۔

(ب) یہ مکتوب شخصی کلام ہے اس میں کوئی اصول اور دستور دکھلایا نہیں گیا۔

حاشیہ مکتوب ۱: ۔ مخدومی ومطاعی متعنا اللہ بطول حیاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی بفضلہ تعالیٰ اچھا ہوں۔ خدا کرے حضرت والا بعافیت ہوں۔ حضرت والا کی تقریر کے جو اثرات لوگوں پر ہوئے ہیں اور عام طور پر مودودی جماعت سے جو نفرت پیدا ہوگئی ہے اس کو مٹانے اور محو کرنے کے لئے یہ لوگ کوشش میں ہیں۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ اس کام کے لئے کسی اجتماع عام کے موقع پر مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل میں سے حضرت اقدس کا ایک مکتوب جو ص۲۲۵ پر ہے اور یزید کی خلافت سے متعلق ہے استعمال کیا جائے گا۔ بنیاد یہ ہوگی کہ انبیاء کرام کی شان میں لوگ ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو اُن کے مرتبے سے فروتر ہے دوسرے یہ کہ یہ خود صحابہؓ کو غیر معصوم مانتے ہیں یعنی ان سے

(ج) کسی جماعت کی بنیاد نہیں رکھی گئی۔

(د) اس کو قبل طبع اور بعد طبع پورا دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔

(ہ) اس کی تصحیح میں اگرچہ ناشر نے بہت کوشش اور عرق ریزی فرمائی ہے مگر پھر بھی بہت سی غلطیاں کھلی ہوئی موجود ہیں۔

(و) اس میں کوئی عقیدہ نہیں دکھلایا گیا جو کہ مدار مذہب ہوتا ہے۔

(ز) اگر اس میں کوئی بات خلاف اصول اہل سنت والجماعت پائی جائے تو شخصی رائے ہوگی

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تمام اہل سنت والجماعت غیر معصوم مانتے ہیں۔ مگر یہ قابل تسلیم نہیں ہے کہ معیار حق صرف معصوم ہی ہو سکتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا اعلان کر دیا اس کے جنتی اور مخلد فی الجنۃ ہونے کا اعلان کر دیا وہ کیوں نہ معیارِ حق ہوگا جس کے تحفظ کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی جیسے آیت حجرات بتلاتی ہے اس کے محفوظ ہونے میں کیا شک

سلسلہ حاشیہ مکتوب ۱۔ غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں تو جن سے غلطیاں سرزد ہوں اُن کو کیسے معیار حق بنایا جا سکتا ہے۔ خیر جب اس قسم کے فتنے سامنے آئیں گے تو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے یہ خدام کافی ہیں۔ محض حضرت والا کی دعا اور توجہ کی ضرورت ہے۔

البتہ میں اپنے مزید اطمینان کے لئے چند باتیں جاننا چاہتا ہوں جو درج ذیل ہیں۔ اجمالی اشارات بھی کافی ہو سکتے ہیں اجمال کی تفصیل انشاء اللہ میں خود کر لوں گا۔

(۱) قبطی کے قتل کا واقعہ قبل نبوت کا ہے یا بعد نبوت کا؟

(۲) یہ درست ہے کہ حضرت ہارونؑ نبی تھے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ بڑے بھائی تھے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ اُن کے وزیر اور خلیفہ تھے۔ خلیفہ سے اس کی کوتاہیوں پر باز پرس کا حق ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے اسی حیثیت سے باز پرس فرمائی "بئسما خلفتمونی" اس پر شاہد ہے جبکہ معاملہ اس حیثیت سے ہے تو نبی کی توہین کا سوال کب پیدا ہوتا ہے۔ رہا القاء الواح کا معاملہ تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ القاء کو وضع کے معنیٰ میں لیا جا سکے نفس بے توجہی کے اظہار کے لئے القاء کا لفظ استعمال کیا ہو اگر ایسا درست ہو تو معاملہ ہلکا ہو جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو بات ہو سکتی ہے وہ یہی کہ جوش غضب میں بے اعتدالی کا ظہور ہوا؟ (دیکھئے حاشیہ ص۲۹)

کرنا درست ہوگا ؟ جس کو اجتبار اصطفاء ہدایت وغیرہ نعم کاملہ سے سرفراز فرمایا وہ کیوں نہ معیارِ حق ہونے کا حقدار ہوگا۔

امور مسئول عنہا

(۱) قبطی کا قتل یقیناً قبل اعطاء النبوۃ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت مدین سے ہجرت فرماتے بر راستہ میں طور پر عطا فرمائی گئی اور یہ واقعہ قبطی کے قتل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے مدین جانے کا سبب ہے جس کا تقدم اظہر من الشمس ہے۔ سورۂ قصص میں اعطاءِ حکم اور علم کا اس سے قبل ذکر کرنا تقدم زمانی کا موجب نہیں ہے کما ذکرہ ارباب التفسیر۔

(سلسلہ حاشیہ مکتوب ۱ (۳) حضرت والا کا ارشاد ہے " مگر اس ذنب سے حضرت موسیٰ سے استغفار منقول نہیں" حالانکہ استغفار منقول ہے۔ قال رب اغفرلی ولاخی وادخلنا فی رحمتك وانت ارحم الراحمین" کیا یہ سہو کتابت کی بنا پر ہے

(۴) انبیاء کرام معصوم ہیں اور باوجود معصوم ہونے کے ان سے لغزشیں ہوئیں لیکن وحی الٰہی نے فوراً اصلاح فرما دی اور اُن کی لغزش انہیں محسوس کرا دی اس لئے بلاشبہ انہیں معیارِ حق تسلیم کرنا جزو ایمان ہے۔ لیکن حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تو غیر معصوم ہیں ان سے لغزشوں اور غلط فہمیوں کا زیادہ امکان ہے بلکہ وقوع بھی ہوا ہے بروقت اُن کی اصلاح کا بھی قدرت کی طرف سے کوئی اہتمام نہیں تو اس کے باوجود انہیں معیارِ حق کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے اور تمام امور میں اُن کی اتباع کیسے ممکن ہو جبکہ بہت سی باتوں میں ان کی اتباع ترک کرنی پڑے گی ان ترک کے لئے ہمارے پاس معیار رسول ہی کی سنت ہوگی۔ پھر صحابہ کو معیارِ حق کہنے کا کیا مطلب ہے ؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان پر تنقید اور عیب جوئی حرام و ناجائز ہوگی۔ صحابہ کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(۵) اور اگر یہ معیارِ حق ہیں تو جملہ صحابہ یا بعض خلفاء راشدین ؟

حضرت اقدس کی دعاء توجہ کا محتاج محمد ادریس سرائے میر ۳ رجب ۱۳۷۲ھ

مکتوب ۱ کا پس منظر یہ ہے کہ جب مودودی گروہ کی گمراہیوں اور دستور غفاندی کھلی ہوئی برائیوں پر ۱۰ مارچ ۱۹۵۳ء میں حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی نے بیت العلوم سرائمیر کے سالانہ اجلاس میں تقریر فرما کر واضح الفاظ میں مودودی جماعت کو گمراہ اور جادۂ حق سے ہٹا ہوا ظاہر فرمایا تو مدرسۃ الاصلاح سرائمیر کے ہوا خواہوں بالخصوص ناظم مدرسہ نے ۲۶ اپریل ۱۹۵۳ء کو ہندوستان و پاکستان کے بے ضرورت مفتیوں سے جن میں تین نفر انڈیز بھی شامل تھے ان کی چند رائوں کو اکٹھا کر کے نام نہاد قول فیصل شائع کیا اور یہی سننے میں آیا کہ مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول پر بھی اس مبارک کام کے سلسلہ میں اعتراضات کئے جائیں گے جس کی اطلاع ذریعہ تحریر کے مولانا ادریس صاحب کو بھی ہوئی آپ نے حضرت دامت برکاتہم کو لکھکر اپنی تسلی کرنی چاہی خدا کا شکر ہے کہ بہت بہا ذخیرہ بیان حضرت اقدس نے دیکر سائل کا حل جانبے غلطی وہم کر دیا
(صـ ۱۰۳)

(۲) اگرچہ حضرت ہارون علیہ السّلام وزیر اور خلیفہ تھے اور اُن کو نبوت بھی حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی دعا ہی سے ملی مگر جب نبوت دیدی گئی تو حسب قاعدہ کلیہ "الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ" نبوت کے تمام لوازم کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔ بازپُرس کا حق اسی درجہ میں تسلیم کیا جا سکتا ہے جس درجہ میں لوازم نبوت کا ثبوت رکھا گیا ہو۔ نیز بڑے بھائی ہونے کا بھی احترام کیا گیا ہو جو کہ "یا ھارون[۵۱] ما منعک اذ رأیتھم ضلوا ان لا تتبعن افعصیت امری" تک ہی ہو سکتا ہے۔ اخذ راس اخذ لحیہ اور جر بازپُرس میں سے نہیں ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس القاء الواح کو وضع کے معنیٰ میں بنا تحریف معنوی سے جُدا نہیں ہے۔

اس مقام پر اس سے غفلت کرنا غلطی ہوگا کہ ہم معصیت کی حقیقت پر غور نہ کریں۔

محترما! کسی عمل کے طاعت اور معصیت ہونے کا مدار نیت ہی پر ہے "انما الاعمال[۵۲] بالنیات وانما لکل امرء ما نوی" الحدیث نص صریح ہے۔ نیز حدیث "ان[۵۳] اللہ لا ینظر الی صورکم بل ینظر الی قلوبکم و نیاتکم" (او کما قال) پس وہ اعمال جو کہ سہواً یا خطاءً یا غلط فہمی سے صادر ہوں وہ در حقیقت معصیت نہ ہوں گے (جبکہ نیت میں فساد اور نافرمانی نہ ہو) اگرچہ صورت معصیت پر کبھی مواخذہ بھی ہو جائے فان حسنات الابرار سیئات المقربین نزدیکاں را بیش بود حیرانی یقیناً حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی نیت ان معاملات میں صحیح تھی حُبّ خداوندی اور غیرت دینی ان اسباب اور اعمال کے موجبات ہیں اس لئے تخیلات اور تکلفات کا ارتکاب بے محل ہے جس سے تحریف معنوی کا بہت بڑا دروازہ کھلتا ہے۔ عصمت تو معصیت سے تحفظ کی ضمانت کرتی ہے۔ سہو، خطا، غلط فہمی کی محافظ نہیں ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ بوقت شفاعت کبریٰ قتل قبطی کا تو تذکرہ فرمایا گیا اور حضرت

---

۵۱ کہا موسیٰ نے اے ہارونؑ کس چیز نے روکا تجکو جب دیکھا تو نے کہ وہ بہک گئے تو میرے پیچھے نہ آیا کیا تو نے رد کیا میرا حکم (طہ)۔ ۵۲ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے واسطے وہی چیز ہے جو اس نے نیت کی۔
۵۳ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کے بجائے تمہارے دل اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے

ہارون علیہ السّلام اور الواح کا تذکرہ نہیں آیا۔ قبطی کے قتل میں نیت کا فرق کچھ نہ کچھ ضرور ہے اگرچہ قصدِ قتل نہ ہو مگر اس واقعہ میں نیت نہایت اعلیٰ تھی۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے استغفار (عما فعلہ بہارون علیہ السّلام والالواح) کے متعلق تفسیر مظہری جلد ثالث ص۲۶۴ میں ہے

والظاہر ان المقصود الاستغفار لاخیہ ضم الیہ نفسہ تو طیتہ لہ ودفعا التشماتتہ

سلہ تفسیر مظہری کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ (۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دعا کی۔ رب اغفر لی ولاخی یہاں اگرچہ پہلے اپنے لئے مغفرت کی دعا کی ہے مگر اصل مقصود اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السّلام کے لئے دعا کرنا ہے۔ اپنا نام پہلے بطور تمہید لائے اور اس لئے کہ (سامری کی جماعت) حضرت ہارون علیہ السّلام کا مذاق نہ بنائے کہ حضرت موسیٰ ۲ حضرت ہارونؑ کو بھی گنہگار سمجھ کر ان کے لئے استغفار کر رہے ہیں اس کے علاوہ دوسروں کے لئے استغفار کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنے لئے استغفار کرے تاکہ یہ تصور نہ ہو کہ اپنے آپ کو پاک صاف سمجھ رہا ہے۔ (۳) خود استغفار کر لینے کے بعد دعا جلد قبول ہو جاتی ہے۔ اسی بناء پر نمازِ جنازہ کی دعا میں پہلے لحیّنا ہے یعنی زندوں کے لئے مغفرت کی دعا پہلے ہے۔ یعنی پہلے اپنے لئے مغفرت کی دعا کی جاتی ہے پھر مردہ کے لئے (۴) اسی طرح اہلِ قبور کی زیارت کے وقت بھی جو دعا منقول ہے یغفر اللہ لنا ولکم (اللہ ہمیں بخشے اور آپ کو) اس میں پہلے اپنے لئے مغفرت کی دعا ہے پھر اہلِ قبور کے لئے (۵) سورہ محمد وغیرہ آیات میں جو وارد ہوا ہے کہ "واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات" اس سے مقصود امت ہے نہ کہ آنحضرت صلعم (۶) اب یہ طریقہ امتِ محمدیہ کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر بارگاہ رب العزت میں کسی کی مغفرت کے لئے دعا کی جائے تو سب سے پہلے اپنی مغفرت کی دعا ضروری ہے۔ (۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم باوجودیکہ کبائر و صغائر سب سے معصوم تھے پھر بھی واستغفر لذنبك الخ آپ کے لئے وارد ہے جس کا منشا صرف یہ ہے کہ اس طرح امت کو استغفار کرنے کا ایک طریقہ معلوم ہو جائے اور یہ سنت ہمیشہ باقی رہے۔ چنانچہ جن لوگوں کی نظریں قرآن مجید پر وسیع ہیں اور انھوں نے گہرائی سے قرآن کو سمجھا ہے وہ اچھی طرح واقف ہیں کہ قرآن حکیم میں اس طرح کے نظائر بکثرت ہیں اور اسالیب کلام الٰہی سے اس پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ سورۂ فتح میں ہے۔ لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر الخ خطاب نبی صلعم سے ہے مگر باتفاق مفسرین مراد اس سے امت ہے ملاحظہ ہو تفسیر نیشاپوری وغیرہ۔ آیات مذکورہ بالا میں جو لفظ "ذنب" واقع ہے اس کی نسبت فاعلی پیغمبرؐ کی طرف صحیح نہیں بلکہ ان آیات میں ذنب کی نسبت آنحضرت صلعم کی طرف اضافی ہے۔ سورہ الطلاق میں ہے۔ یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء الخ (باقی ص۳۲ پر)

عنہ ولان سنۃ الاستغفار لغیرہ ان یبدء بالاستغفار لنفسہ دفعا للتزکیۃ لنفس ولان الدعا بعد الاستغفار اقرب الی الاجابۃ ومن ثم ورد فی دعاء الجنازۃ اللّٰھم اغفر لحینا ومیتنا قدم الاستغفار للاحیاء لکونہ منھم وفی الدعاء لاھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم وقال اللہ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم مع کونہ معصوما واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات حتی تبقی منہ سنۃ فی اُمتہ الخ

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے آپ کو مرتکب معصیت نہیں سمجھتے ہیں اور نہ حقیقتاً اس سے استغفار کرتے ہیں بلکہ اپنے استغفار کو بھائی کے استغفار کے لئے توطیہ اور تمہید بناتے ہیں۔

اور اگر بالفرض مذکورہ بالا تحقیق ناقابل قبول ہی سمجھی جائے (حالانکہ اُس کے قبول کے شواہد صحیحہ موجود ہیں) تو مجھ کو اُس کے قبول کرنے میں کوئی باک نہیں کہ یہ غلطی اور سبقت قلم ہے۔ استغفر اللہ

(سلسلہ حاشیہ ۲) اس آیت میں خطاب یا ایھا النبی سے شروع ہوا لیکن پھر "طلقتم" اور "تطلقوھن" میں جمع کی ضمیریں آئیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب آنحضور ہیں لیکن مراد اُمت ہے سورۂ احزاب میں ہے "یا ایھا النبی اتق اللہ ولا تطع الکافرین والمنافقین" حسب تصریح البحر المحیط لابن حیانؒ و درمنثور وغیرہ مراد اس سے اُمت ہے نہ کہ آنحضور صلعم۔ پس قرآن اور حدیث میں جہاں کہیں آنحضرت صلعم کو خطاب کرکے لفظ ما تقدم وما تاخر آیا ہے اس سے مراد وسعت اور عموم ہے۔ بولتے ہیں اعطی من رأی ومن لم یرہ یعنی ہر شخص کو دیا اس کا فیض عام ہے۔ جاہلی شاعر کہتا ہے

؎ فیا عجبا للناس یستشرفوننی کان لم یروا بعدی محبا ولا قبلی

ترجمہ یہ ہے۔ تعجب ہے مجھ پر لوگوں کی نگاہیں اٹھتی ہیں۔ گویا انھوں نے کبھی کسی عاشق کو دیکھا ہی نہیں یہاں شاعر نے محض وسعت و عموم پیدا کرنے کے لئے "کان لم یروا بعدی محبا ولا قبلی" کا اسلوب اختیار کیا ہے پچھلے اور اگلے زمانہ میں کسی کو نہ دیکھنا مقصود نہیں ہے۔ ان نظائر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو سورۂ اعراف میں فرمایا "رب اغفر لی ولاخی" الخ تو یہ بات نہ تھی کہ آپ سے خدانخواستہ کوئی گناہ ہوا تھا اس لئے اس سے استغفار کرتے ہیں بلکہ اپنے استغفار کو بھائی کے استغفار کی تمہید بناتے ہیں۔ ؎

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

عن کل ذنب وا توب الیہ

(۴) "الف" انبیاء علیہم السّلام کو معیار حق قرار دینا اور اس کو جزء ایمان سمجھنا کسی نص صریح میں وارد ہے یا عقلی قضیہ ہے یعنی جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نص صریح ہے۔ کیا محمد معیار للحق بھی کسی نص میں وارد ہے کہ اس کو جزء ایمان بنایا جائے یا نہیں یا کسی نص میں وارد ہے النبی معیار للحق یا کہیں فرمایا گیا ہے "الانبیاء معیار للحق"

(ب) اگر نص صریح میں وارد نہیں ہے بلکہ عقل صحیح اور دلائل صریحہ اس کے باعث ہیں تو کیا رسالت اور معیار حق میں نسبت مساوات ہے تاکہ یہ کہا جا سکے کل نبی معیار للحق اور کل معیار للحق نبی" اور اسی طرح نفیاً کہا جا سکے لا شئ من الانبیاء الا وھو معیار للحق اور لا شئ من معیار للحق الا وھو نبئ" یا ان دونوں میں نسبت عموم وخصوص مطلق ہے یعنی کل نبی معیار للحق" کہنا مسلم ہے مگر کل معیار للحق نبیؑ" غیر لازم التسلیم ہے کیوں نہیں ہو سکتا کہ کوئی معیار حق ہو اور وہ نبی نہ ہو۔

(ج) اگر عصمت معاصی اور غلطیوں سے تحفظ کی ذمہ دار ہے تو رضائے خداوندی کیوں ذمہ دار نہ ہوگی اور خصوصاً جبکہ اس کی خبر علام الغیوب نے دی ہو جس کے سامنے ازل اور ابد کی تمام کائنات حاضر ہیں کوئی چیز اس سے چھپ نہیں سکتی قال سبحانہ وتعالیٰ لا یضل ربی[ل] ولا ینسیٰ۔ سابقین اولین کے متعلق آیات واردہ پر غور فرمایئے کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی رضا کی تصریح فرمائی ہے۔

(د) اگر عصمت معاصی اور غلطیوں سے تحفظ کی ذمہ دار ہو سکتی ہے تو قادر مطلق علام الغیوب کا یہ ارشاد قطعی اپنی کفالت کا" ولکنّ[ل۲] اللہ حبب الیکم الایمان و

ل نہ بہکتا ہے میرا رب نہ بھولتا ہے ل۲ پر اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی اور اچھا کر دکھایا (سجا دیا) اس کو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی یہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر اللہ کے فضل سے اور احسان سے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے حکمتوں والا۔

زینه فی قلوبکم وکره الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئك هم الراشدون فضلاً من الله ونعمة والله علیم حکیم" کیوں نہیں ذمہ دار ہوگا۔ کیا اس خبر میں شک کرنا درست ہو سکتا ہے۔ کیا اس میں تامل کفر نہیں ہے تو یہ حضرات کیوں نہ معیار حق ہوں گے

(ط) اگر عصمت (جس کا صریح اشارہ کسی قطعی نص میں نہیں ہے اشارات و دلالت ہی سے اخذ کیا گیا ہے) قابل اعتماد ہے تو خبر خداوندی دخول و خلود فی الجنۃ کی جو یقینی اور قطعی ہے کیوں نہیں قابل اعتماد ہے کیا اس میں شک کرنا درست ہوگا اور کیا خلود فی الجنۃ کسی عاصی اور نافرمان کے لئے ہو سکتا ہے۔ سابقین اولین صحابہ کے لئے فرمایا جاتا ہے۔ واعدّ لهم[۵۱] جنات تجری تحتها الانهار خلدین فیها ابدا ذلك الفوز العظیم" جناب رسول اللہ علیہ وسلم عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بشارت دخول جنت اور خلود کی عطا فرماتے ہیں کیا اس کی تغلیط ہو سکتی ہے۔ پھر کیا یہ حضرات معیار حق نہ ہوں گے اور اگر عصمت معہودہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے موجب معیار حقانیت ہو سکتی ہے تو وہ شہادت قطعی خداوندی در بارۂ صحابۂ کرام جس کی تصریح توراۃ، انجیل، قرآن میں فرمائی گئی ہو کیوں نہ معیار حقانیت قرار دی جائے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ محمد[۵۲] رسول الله والذین معه الی قوله تعالیٰ ذلك مثلهم فی التوراة ومثلهم فی الانجیل۔

(ی) اگر عصمت کی وجہ سے اصحاب عصمت معاصی سے محفوظ ہو سکتے ہیں تو خبر قطعی" یوم[۵۳] لا یخزی الله النبی والذین امنوا معه نورهم یسعی بین ایدیهم وبایمانهم

---

[۵۱] اور تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں انہیں میں ہمیشہ۔

[۵۲] محمد رسول اللہ کا اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشی، نشانی ان کی ان کے منہ پر ہے سجدہ کے اثر سے یہ شان ہے ان کی توراۃ میں اور مثال ان کی انجیل میں۔ [۵۳] جس دن کہ اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو اور ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں اس کے ساتھ ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے کہتے ہیں اے رب ہمارے پوری کر دے ہم کو ہماری روشنی اور معاف کر دے ہم کو۔

یقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا الخ کیوں باعث تحفظ نہیں ہو سکتی۔

خلاصہ یہ کہ متعدد آیات قرآنیہ قطعیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے عدم صدور معاصی اور اُن کے تحفظ عن المعاصی کے دلائل قطعیہ ہیں معیار حق ہونے کے لئے یہی اصل اصول ہے یعنی یہ علم یقینی کہ وہ شخص وقوع اور صدور معاصی سے محفوظ ہے خواہ عصمت کی وجہ سے یا ثبوت رضا خداوندی کی وجہ سے یا ثبوت خلود فی الجنة کی وجہ سے یا ثبوت اجتبا۔ یا تکفل خداوندی بالمحافظت عن اسباب المعاصی وغیرہ کی وجہ سے اس کے لئے عدم امکان عقلی ضروری نہیں فقط عدم امکان وقوعی خواہ بالذات ہو یا بالغیر کافی ہے جو کہ صحابہ کرام کے لئے حسب آیات مذکورہ یقینی ہے۔

باقی رہا یہ شبہ کہ انبیاء علیہم السلام کی غلطیوں کا تدارک بالوحی ہو سکتا ہے غیر انبیاء کی غلطیوں کا تدارک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وحی غیر انبیاء پر نہیں آسکتی بالکل لایعنی ہے۔

(الف) جبکہ عنایت ربانی اپنی رضا اور توجہ کی قطعی خبر دے چکی ہے تو وہ غلطی ہونے ہی نہ دیگی ورنہ کذب خبر خداوندی لازم آئیگا وھو محال۔

(ب) اور اگر غلطی بفرض محال ہوئی بھی تو اس کا تدارک کرے گی جس کی وہ ذمہ داری اپنے اوپر لے چکی ہے۔

(ج) کیوں نہ تحدیث اور الہام سے اس کا تدارک ہو سکے گا۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم[1] قد کان فی الامم قبلکم محدثون فان کان فیکم محدث فعمر (اوکما قال) وقال علیہ السلام الحق[2] ینطق علی لسان عمر (اوکما قال)

(د) کیوں نہ رویائے صالحہ سے اس کا تدارک کیا جاسکیگا۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذھبت[3] النبوة وبقیت المبشرات قالوا وما المبشرات یا رسول اللہ قال الرویا

---

[1] فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پہلی اُمتوں میں بھی مُحدَّث ہوا کرتے تھے (جن پر منشار الٰہی منکشف ہوجایا کرتا تھا) بس اسی انداز میں اگر تم میں بھی "محدث" ہیں تو وہ عمر ہیں رضی اللہ عنہ [2] حق حضرت عمرؓ کی زبان پر بولتا ہے [3] آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ نبوت تو ختم کردی گئی البتہ مبشرات باقی رکھے گئے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مبشرات سے کیا مراد ہے آپ نے فرمایا اچھے خواب جس کو مسلمان دیکھے یا اس کو دکھایا جاوے۔

الصالحۃ یراھا المومن او ترٰی لہ (او کما قال) وقال علیہ السّلام الرؤیا[۱] الصالحۃ جزء من ستۃ واربعین جزءا من النبوۃ (او کما قال)

(۵) کیوں نہ بصیرۃ خواص مومنین اس کی تدارک کر سکے گی قال تعالٰی قل ھٰذہٖ[۲] سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔ (سورہ یوسف) وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا فراسۃ[۳] المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ۔ الحدیث

(۶) جبکہ ارشاد ہے لا تجتمع[۴] امتی علی الضلالۃ اور قرآن فرماتا ہے ومن یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی الآیۃ تو کیا یہ ارشاد باعث تحفظ نہ ہوگا اور وہ قادر مطلق مقلب القلوب تحفظ کر کے ایسی غلطیوں کو نیست و نابود نہ کردیگا؟

محترما! صحابہ کرام کی وہ غلطیاں جن کو آپ امکان بلکہ توقع کے درجہ میں دکھلا رہے ہیں اگر روایات تاریخیہ اور احاد سے ثابت ہیں تو وہ ان قطعیات قرآنیہ کے سامنے کسی طرح کوئی حقیقت نہیں رکھتیں اور اگر ان کی کوئی حقیقت ہو بھی تو وہ نیت ہائے فاسدہ سے صادر ہوتی ہیں یا نیت ہائے صالحہ سے۔ کیونکہ بسا اوقات غلط فہمی اور خطا سے کوئی عمل صادر ہوتا ہے مگر وہ اُن اعمال قبیحہ سے بہت ہی گرا ہوا اور خفیف شمار ہوتا ہے جو کہ عمدًا اور بہ نیت فاسدہ وقوع میں آئے ہوں قتل عمد اور قتل خطا کی جزاؤں میں کس قدر تفاوت ہے حالانکہ دونوں میں مقتول کی جان ہلاک ہوتی ہے۔ اگر کسی نے اپنی زوجہ سمجھ کر اجنبیہ سے جماع کیا تو کیا اس وطی بالشبہ کی وہ سزا ہوگی جو جان بوجھ کر اجنبیہ سے جماع پر مقرر ہے حالانکہ دونوں میں جماع متحقق ہے۔ بہرحال جو اعمال خطاءً ہوئے ہوں وہ ان اعمال سے نہایت ہلکے ہیں جو کہ عمدًا کئے گئے ہیں خواہ یہ خطا نقل میں ہو یا علم اور سمجھ

---

[۱] اچھا خواب نبوت کا ایک ٹکڑا ہے نبوت کے ۴۶ ٹکڑوں میں سے [۲] کہہ دے یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں بھی اور جو میرے پیرو ہیں وہ بھی۔ [۳] نبی صلعم نے فرمایا کہ مومن کی فراست سے بچو وہ اللہ تعالٰی کے نور سے دیکھتا ہے [۴] میری امت کا اجماع گمراہی نہیں ہو سکتا۔

میں ہو۔ ثانی الذکر ہی کو معصیت کہا جاتا ہے۔ بخلاف اول الذکر کے اُن کے لئے تو رفع کی تصریح ہے۔ قال اللہ تعالےٰ لا تواخذنا[1] ان نسینا او اخطأنا۔ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع عن[2] امتی الخطاء والنسیان۔ انبیاء علیہم السلام کی خطائیں سب اسی قسم کی ہیں۔ اس لئے وہ یا جو عصمت صدور پذیر ہوئیں ان میں فساد نیت کا شائبہ بھی نہیں۔ اسی وجہ سے ائمہ اہلسنت والجماعت مشاجرات صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین کو خطاء اجتہادی قرار دیتے ہیں۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام کے ارتکاب اکل شجرہ کو ارشاد "فنسی ولم نجد له عزما[3]" ذنب خفیف اور غیر موجب مواخذہ اور داخل فی العصمۃ قرار دیتا ہے تو حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مشاجرات کو ان کے مناقب کی آیات اور احادیث صحیحہ کیوں نہ ہلکی اور غیر موجب مواخذہ اور داخل فی المحفوظیت قرار دیں گی اور کیوں نہ اُن کے دامن کو خطأً اجتہادی قرار دیکر منزہ اور پاک سمجھا جائیگا۔

محترما! صحابہ کرام میں جو بھی کمالات اور بھلائیاں ہیں خواہ از قسم علم ہوں یا از قسم عمل وہ سب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل اور آپ کے اتباع ہی سے ہیں۔ بالذات کچھ نہیں ہے۔ مگر جب قرآن اور احادیث صحیحہ نے ان میں موجبات معیاریت حقانیت کی خبر دیدی تو آج ہم کو اُن کی معیاریت میں کلام اور تامل کرنا یقیناً قطعیات کا انکار ہوگا۔ جو کہ انکار کتاب اللہ ہے۔

آپ کا یہ ارشاد" اور تمام امور میں اُن کی اتباع کیسے ممکن ہے۔ لامحالہ بہت سی باتوں میں اُن کی اتباع ترک کرنی پڑے گی اور اس کے ترک کے لئے ہمارے پاس معیار رسول ہی کی سنت ہوگی پھر صحابہؓ کو معیار حق کہنے کا کیا مطلب" میری سمجھ میں نہیں آتا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں بھی تو روایات اور احادیث متعارضہ موجود ہیں تو پھر آپ کو بھی معیار حق کس طرح قرار دے سکتے ہیں اور پھر آگے چلئے جناب باری

---

[1] اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں [2] میری امت سے خطا اور نسیان معاف کر دیا گیا ہے۔
[3] پھر بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اس میں پختگی۔

سبحانہ وتعالیٰ کے ارشادات قرآنیہ میں بھی تو بظاہر تعارض وتخالف موجود ہے پھر کتاب اللہ اور جناب باری عز اسمہٗ کو بھی معیار حق قرار دینا ناممکن ہوگا آخر اسی کی وجہ سے تو مجتہدین اور اسلاف کرام میں جدوجہد اور اصول فقہ وکلام اور کتب مبسوطہ لکھنے اور تدوین کی ضرورت پیش آئی۔

پھر حدیث اقتدوا[۵۱] باللذین من بعدی ابی بکر وعمر الحدیث اور علیکم[۵۲] بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیہا بالنواجذ وغیرہ احادیث صحیحہ کثیرہ دربارہ صحابہ کرام کا اتباع جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اتباع ہے جس کو جناب رسول اللہ علیہ وسلم نے ہم پر واجب کیا ہے۔ اُن کا اتباع بحیثیت رسالت نہیں ہے، بلکہ بحیثیت نقل وفہم ارشادات نبویہ کیا جاتا ہے اور اسی طرح بعد والے ائمہ کا اتباع بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اتباع ہے جو کہ بحیثیت نقل وفہم ہی کیا جاتا ہے کسی کو مطاع بالذات نہیں کہا جاتا ہے۔ مطاع مطلق تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس لئے یہ کلام جناب والا کا سمجھ میں نہیں آتا۔ غور فرمائیں۔

(۵) آپ فرماتے ہیں "اور اگر معیار حق ہیں تو جملہ صحابہ یا محض خلفاء راشدین" محترما! جن صحابہ کے متعلق نصوص وارد ہیں اُن کے لئے تو اس کو تسلیم کرنا ضروری ہوگا۔ آپ نے دربارۂ صحابہ کرام نصوص کو دیکھ لیا اب آپ خود فیصلہ فرمائیں۔ مگر مودودی صاحب تو سلب کلی فرماتے ہیں کسی ایک صحابی کو مستثنیٰ نہیں کرتے بلکہ تمام انبیاء کو بھی سوائے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معیار حق تنقید سے بالاتر اور اُن کی ذہنی غلامی جائز نہیں قرار دیتے ہیں تو پھر یہ عقیدہ مودودیان کس طرح جائز اور صحیح ہے اور کس طرح یہ تعلیم ایمان کی تعلیم قرار دی جا سکتی ہے۔ غور فرمائیے اور اُن کے ایمان کو ثابت کیجئے جو ہم کو نسلی مسلمان اور اپنے آپ کو اصلی مسلمان کہتے ہیں۔ والی اللہ المشتکی

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

---

[۵۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دو کی پیروی کرو جو میرے بعد ہیں (یعنی ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما) [۵۲] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر لازم ہے میرے طریقہ (سنت) کی اتباع اور خلفاء راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں ان کی سنت (طریقوں) کی اتباع اسکو دانتوں سے پکڑ لو

مکتوب ۲

جناب مولانا عبدالماجد صاحب (دریاباد) کے نام

محترم المقام زید مجدکم - السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ - والانامہ مورخہ ۶ مئی باعث سرفرازی ہوا۔ گرمی کی شدت اور مشاغل رمضان کی گرانباری کی وجہ سے باوجود ضرورت اور روزانہ جدوجہد کے ارسال عریضہ میں تاخیر ہوگئی بحمداللہ خیر و عافیت سے ہوں - جناب کا جو بیان چھپا ہے اُس کی ایک کاپی حاصل کرکے ارسال خدمت کر رہا ہوں تاکہ غور فرمائیں۔

مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں -

(۱) یہ بنیادی عقیدہ دستور اس جماعت کا بنایا گیا ہے جس کو مودودی صاحب نے انشار کیا ہے اور اس کو اصلی مسلمان اور دوسرے کو نسلی مسلمان کے لقب سے بار بار یاد فرماتے ہیں

(۲) اس عقیدہ کی بنا پر اجتہاد ہر عربی جاننے والے گریجویٹ اور پروفیسر وغیرہ پر اس طرح ضروری ہو جاتا ہے جیسے کہ ہوا اور پانی ہر انسان کے لئے ضروری ہیں چنانچہ ان کی تصانیف تصریح کر رہی ہیں۔

حاشیہ مکتوب ۲ و ۳ حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم کے مفصل مکتوب گرامی ۲ کے جواب میں مخدوم دریابادی نے جو گوہرافشانی کی ہے وہ درج ذیل ہے -

مخدوم و محترم! وعلیکم السّلام و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ - رجسٹرڈ والانامہ نے کئی دن ہوئے مشرف کیا تھا - میں جو کچھ عرض کر سکتا تھا پہلے عریضہ میں عرض کر چکا ہوں اب آپ میرے حق میں بس شرح صدر کی دعا فرمائیں۔

والانامہ کے ایک دوسرے پہلو سے متعلق البتہ گستاخانہ عرض خیال کرنے کی اجازت چاہتا ہوں - آپ ہی کے اکابر نے اصاغر کو اس کی اجازت دے رکھی تھی - والانامہ کے چند صفحوں میں کہیں بھی بسم اللہ یا اس کے مماثل کلمہ کا نظر آتا بلکہ بجائے اس کے ہر صفحہ پر انگریزی حروف میں ۷۸۶ عدد نظر آتا مجھ ناقہم کی فہم سے بالکل باہر نکلا والسلام

دعاگو دعاخواہ عبدالماجد دریاباد ۴ جون ۱۹۵۲ء

مخدوم دریابادی کے اشہب قلم کی جولانی اگر دیکھنی ہے تو سچ اور صدق جدید کو دیکھا جائے - آپ ماشاء اللہ

(۳) اس عقیدہ والے کو تقلید کسی امام مذہب اور امام طریقت اور کسی تابعی اور کسی صحابی کی کرنی درست نہیں ہے۔

(۴) ان لوگوں کی تصریح ہے کہ بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام انسان خواہ صحابہ ہوں یا تابعین، خلفاء راشدین ہوں یا غیر خلفاء، ائمہ جرح و تعدیل ہوں یا ائمہ حدیث و فقہ ہوں سب میں انسانی کمزوریاں ہیں کوئی معصوم نہیں ہے۔ اس لئے کسی کو امام اور مقلَّد بنانا درست نہیں ہے سب میں خطا اور غلطی کا احتمال ہے۔ اس لئے بجز ذات نبوت (علیہ السلام) کوئی بھی نہ معیار حق ہے اور نہ کسی پر اعتماد کلی ہے۔

(۵) یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں جاہلیت، حضرت مسطح کے نفقہ کو بند کرنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاہلیت وفات نبوی پر تلوار نکال کر لوگوں کو قول وفات سے روکنا وغیرہ ذکر کرتے ہیں اور اسی طرح حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی متعدد جاہلیتوں

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) جنگ برگی گری (گوریلا نارفیر) کے سب سے بڑے ماہر ہیں اُن سے لڑکر کون جیت سکتا ہے باقاعدہ علمی تنقید کر کے بیک وقت کبھی نہ بتائیں گے کہ فلاں شخص اتنا ہدایت پر اور اتنا ضلالت پر ہے۔ نہیں اس کے برعکس وہ تمام عمر ایک فقرہ اور دو لفظ کے حساب سے منتشر طور پر نکال نکال کر اس پر لوگوں سے جذباتی اپیل کرتے رہیں گے جس کی تفصیل میں جانا ہم روا نہیں رکھتے۔ البتہ جماعت مودودی کے بارے میں موصوف کے چند اقتباسات کو درج کرنا ضروری خیال کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ آگ لگانے اور بجھانے کا کتنا بہتر سلیقہ ہمارے مخدوم دریابادی کو ہے۔ صدق جدید میں ایک مراسلہ اگست ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا ہے اور سوال آپ سے یہ ہے۔

جناب مولانا عبدالماجد صاحب۔ السلام علیکم۔ آج کل مودودی جماعت کے متعلق ہندوستان پاکستان میں بڑی گڑبڑ ہو رہی ہے۔ خاص کر بمبئی میں یہ لوگ بڑا شور و شر کر رہے ہیں۔ میں نے خاتم السوانح میں دیکھا ہے جو ص۲ پر درج ہے کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا کہ میرا دل اس تحریک کو قبول نہیں کرتا لہٰذا آپ کا اس جماعت کے متعلق کیا خیال ہے وغیرہ؟ (لطیف اللہ دلی دربار ہوٹل ۱۹۰ بمبئی ۲)

جواب ۔۔۔ خاتمۃ السوانح خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کے قلم سے ہے جو حضرت تھانویؒ کے عاشق زار خلیفہ مجاز تھے اُن کا بیان یقیناً محققانہ ہوگا صدق کا جو کچھ مسلک اس باب میں ہے بار بار ان صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ یہ جماعت باوجود اپنے بانی کے بعض بڑے قابل قدر علمی کارناموں اور دینی خدمات کے بحیثیت

کو ذکر کرتے ہیں۔ نیز دیگر صحابہ کرام کے متعلق ایسے ایسے واقعات ذکر کرتے ہیں کہ ایک عامی مسلمان ان کو سننا گوارا نہیں کر سکتا اور ان امور کو ابن عبد البر اور ابن تیمیہ وغیرہ مصنفین کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ اس قسم کے متعدد امور ہیں جن کو اسی عقیدہ کی بنا پر فروغ دیا گیا ہے اور مودودی تصانیف جگہ جگہ پر ایسی باتوں سے بھری ہوئی ہیں۔

چونکہ ایسی ایسی ہفوات کی بنا پر تمام قلعہ روایات کی تصحیح اور تقویت کا منہدم ہو جاتا ہے اس لئے ذوق مجتہد (مودودی) کو ہی معیار حق قرار دیتے ہیں۔ یہ غیر متناہی مجتہدوں اور بالخصوص اُن کے امام مودودی صاحب جن روایات کو اپنے ذوق سے صحیح قرار دیں وہ ہی صحیح ہیں اور جن کو مجروح قرار دیں وہ مجروح ہیں۔ ہر بر و غیبرا و رہر مجتہد اس کا مجاز ہے۔ کتب صحاح بالکل لغو ہیں۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ تمام اہل سنت والجماعت محدثین، فقہا، علماء کرام وغیرہ متفق ہیں کہ تمام صحابہ کرام عادل ہیں اُن کی توثیق اور عدالت کے بحث کی ضرورت ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ

(حاشیہ متعلق صفحہ ۳۹) مجموعی گم کردہ راہ جماعت ہے۔ مفید اثرات سے کہیں زیادہ مضر پہلو اُن کی جامع ہے۔ حضرت تھانویؒ کا ذوق سلیم اس زمانہ میں اس جماعت کی طرف سے کھٹک گیا تھا اور حضرت کی فراست دینی اسی وقت "امیر جماعت" کی طرف سے بدگمان ہو گئی تھی۔ حالانکہ اس وقت تک جماعت کی طرف سے ان مفاسد (یعنی بُرائیوں) کا ظہور نہیں ہونے پایا تھا جو بعد کو ہوا (ملاحظہ ہو صدق جدید اگست ۱۹۵۱ء)

اسی ہاتھ لگے کراچی کے ایک مراسلہ کے جواب میں مخدوم دریابادی تحریر فرماتے ہیں۔ "اختلاف تو اُن کے صرف ان غالیانہ عقائد سے ہے جہاں وہ اہل سنت کے مسلک سے ہٹ کر تحریک قدیم خوارج کے نقش قدم پر چلنے لگے ہیں" (صدق جدید نمبر ۳۰ء)

کیا یہ لفظ خوارج کوئی تحسینی کلمہ ہے؟ غالباً مخدوم دریابادی نے اس جماعت کو سب سے پہلے خارجی کہا اور برابر اپنے اخبار میں خارجیت کے الفاظ سے یاد فرماتے رہے۔ لیکن جب جماعت مودودی کے بنیادی عقائد کی دفعہ کے بارے میں فتویٰ طلب کیا جاتا ہے تو باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی عین حق و صواب کے ساتھ پوری فنی قابلیت سے اتنا لکھ جاتے ہیں کہ "زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس کے ساتھ بعض توضیحی فقرے بڑھا دیئے جائیں" جب پورے بیان پر مواخذہ کیا جاتا ہے تو بڑی چالاکی سے یہ ارشاد ہوتا ہے کہ "مجھے اپنی شائع شدہ تحریر کا مطلق علم نہیں" باقی رہے الفاظ "تنقید سے بالاتر" "غلامانہ ذہنیت" (ملاحظہ ہو ص۴۲)

قرآن مجید میں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اس قدر اُن کی توثیق اور تعدیل کردی ہے کہ اس سے زائد ممکن نہیں۔ البتہ خوارج، روافض وغیرہ فرق مبتدعہ عدالت صحابہ کے قائل نہیں ہیں۔ اب سوال ہوتا ہے کہ اگر صحابہ کرام میں انسانی کمزوریاں اسی طرح غالب ہیں تو کتاب (قرآن مجید) اور حدیث (سنت) پر اعتماد کیسے ہو سکتا ہے۔ ہر ملحد و زندیق کو گفتگو کرنے اور دین اسلام سے برگشتہ کرنے کا موقعہ ہاتھ آتا ہے۔

بہرحال یہ عقیدہ جس کے متعلق آپ نے بلا غور و فکر فرمایا کہ "آپ نے بنیادی عقیدہ کی جو عبارت نقل کی وہ تو عین حق و صواب ہے اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا ہی چاہیئے الخ" میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ تو مودودی صاحب کے اقوال اور عقائد سے بہت زیادہ واقف ہیں کیا ان الفاظ میں تلبیس شدید اور انتہائی تخریب پنہاں نہیں کی گئی ہے۔

(سلسلہ حاشیہ صلا) یہ اسلوب نگارش افسوسناک ہے اور مجھے دل سے ناپسند۔ غلط فہمیوں کا اصل باعث قلم کی یہی بے احتیاطیاں اور منہ زوریاں ہیں" (عبدالماجد ۶ مئی)

مخدوم دریابادی کے اس خط پر پھر گرفت کی گئی کہ معیار حق کی جو تاویل جناب نے فرمائی اور وہ بھی بلفظ غالباً وہ بھی محل تامل ہے۔ اگر بالفرض ایسا ہی تھا جیسا کہ کہا گیا ہے کہ "معیار حق سے اس جماعت کا اشارہ غالباً وحی الٰہی کی جانب ہے یعنی اصلاً معیار حق وحی الٰہی ہی ہے" تو اولاً عرض یہ ہے کہ اس قسم کا احتمال اختیار کرنے پر اس کی تصویب کی گئی ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ شائع شدہ عبارت کہ "وہ تو عین حق و صواب ہے اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا ہی چاہیئے" زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس کے ساتھ بعض توضیحی فقرے بڑھا دیئے جائیں" کس طرح صحیح ہو سکتی ہے جبکہ اس عبارت کی تصحیح اس احتمال پر ہو سکتی ہے کہ اس جماعت کی مراد معیار حق سے وحی الٰہی ہو تو یہ مسئلہ یقینی اور اتنا ضروری کیسے رہ گیا کہ آپ فرماتے ہیں کہ "وہ تو عین حق و صواب ہے" حسب عادت برہم ہو کر شرح صدر کی دعا کے طلبگار ہو گئے اور مودودیوں کے بارے میں گذشتہ بیانات یک لخت فراموش کر دیئے اور چلتے خود اپنے پیر حضرت شیخ الاسلام مدظلہ پر نہایت ہی بھونڈے طور پر اعتراضاً بسم اللہ نہ لکھنے اور ہیڈ پر لفظ "جھنھ" چھپے ہوئے کو آڑ بنا کر گویا بہت بڑا تیر مارا اور یہ نہ سوچا کہ خطوط پر بسم اللہ وغیرہ مماثل کلمہ کا لکھنا نہ تو فرض ہے اور نہ واجب اگر ایسا ہوتا تو تمام اہل علم اور مشائخ اس کے پابند ہوتے۔ حضرت مولانا تھانویؒ کا والا نامہ میرے پاس محفوظ ہے۔ تو بسم اللہ درج ہے اور نہ کوئی مماثل کلمہ تحریر ہے۔ کیا ہر سنت کی اتباع اور استحباب حکم کی پابندی کے جناب خوگر ہیں؟ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ نہ آپ اپنے خطوط میں بسم اللہ الرحمن الرحیم مع نثال (باقی صـ پر)

(الف) رسول خدا (علیہ السّلام) کے سوا جتنے انبیاء علیہم السّلام ہیں کیا وہ معیارِ حق نہیں ہیں
(ب) کیا اُن پر آج بھی ایمان لانا اور اخلاق کاملہ و اعمال نبوت سے متصف قرار دینا فرض نہیں ہے۔
(ج) کیا اُن کی شان میں منصب نبوۃ کے خلاف کسی قسم کی گستاخی کرنا آج جائز ہے۔
(د) کیا معیاریت حق لوازم نبوۃ میں سے نہیں ہے۔ اس کا انکار ان کی نبوت کے انکار کو مستلزم نہ ہوگا
(ہ) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معیارِ حق قرار دینا اور دوسرے انبیاء علیہم السلام سے اس وصف کو نفی کرنا جیسا کہ صریح مدلول اس دفعہ کا ہے۔ کیا یہ تفریق بین الرسل اور حرام نہیں۔
(و) کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصدق لجمیع الانبیاء ہونا اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ جن انبیاء علیہم السلام کی تفصیل قرآن و حدیث میں آئی ہے اس کا انکار کر دیا جائے۔
(ز) کیا اصول فقہ کا مسلم مسئلہ نہیں ہے کہ "شریعۃ من قبلنا شریعۃ لنا اذا لم یکن منسوخا و ذکر فی کتبنا"
(ی) کیا قرآن مجید کی آیت "اولئك الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ" (سورۂ انعام) ثم اوحینا الیك ان اتبع ملة ابراھیم حنیفا" (سورہ نحل)، قولوا اٰمنا باللہ وما اُنزل الینا وما اُنزل الی ابراھیم واسمٰعیل الآیہ (سورہ بقرہ) وغیرہ آیات متعددہ میں آج بھی ان انبیاء علیہم السّلام پر ایمان لانے اور یقین رکھنے اور اُن کو معیارِ حق ماننے کا حکم قطعی نہیں ہے۔

امور مذکورہ بالا کے ہوتے ہوئے آپ کا جواب سمجھ میں نہیں آتا غور فرمائیے۔ آپ کا یہ ارشاد اس جگہ میں فرمانا "انبیاء سابقین کی تصدیق اور اُن پر ایمان تو ایک کھلا ہوا مسئلہ ہے یقین نہیں

(بقیہ حاشیہ ص۳۲۳) ابی فلاں کے پابند ہوتے اور اما بعد سے آغاز مدعا کرتے یا قرآنی شہادت کے مطابق من فلاں کے بعد بسم اللہ سے شروع فرماتے۔ شرح نووی اور ابن مفلح کی الآداب الشرعیہ پڑھئے اور اپنے اس طفلانہ اور بے محل اعتراض پر ماتم فرمائیے۔ بات کیا ہے آپ ۲۴ جون ۱۹۳۶ء کے خط میں لکھتے کیا ہیں آخر کوئی مناسبت ہے؟ (اصلاحی)

آتا کہ مودودی صاحب یا اُن کے اتباع ہیں سے کسی نے اس سے انکار کیا ہو" ان کی صریح عبارت کا انکار ہے۔ مودودی صاحب دستور اپنی جماعت کا لکھ رہے ہیں۔ عرصہ دراز سے یہ دستور شائع اور معمول بہ ہو رہا ہے اور الفاظ اتنی وضاحت کے ساتھ سلب کلی کے طور پر ہر انسان سے معیارِ حق اور تنقید سے بالاتری اور ذہنی غلامی کے ابتلا کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ پھر آپکی یہ توجیہ کس طرح قابل تسلیم ہو سکتی ہے۔ اس عموم اور استغراق اور سلب کلی اور اطلاق کو کہاں لیجائیں گے۔ بحث الفاظ پر ہے احتمالات غیر مفہومہ عن العبارۃ پر نہیں ہے اور اگر آپ مودودی صاحب کی تصانیف اور اُن کے خواص کی تالیفات کا استقصا فرمائیں گے تو نہ صرف عام انبیاء و رسل بلکہ اولوالعزم رسولوں کی بھی اُن کے بے پناہ قلم سے پناہ اور اُن کی تنقید سے نجات نہ پائیں گے۔ بہرحال الفاظ صاف ہیں۔ آپ کا فریضہ یہ تھا کہ خطا کو ظاہر فرما کر لوگوں کو غلط روی اور گمراہی سے بچاتے کسی شخص کی تکفیر اور تضلیل مطمح نظر نہیں ہے۔ بلکہ اس بنیادی غلطی اور فاسد عقیدہ سے لوگوں کو بچانا ہے۔ غور فرمائیے۔

لفظ معیار حق کی جو تاویل جناب نے فرمائی اور وہ بھی بلفظ غالبًا وہ بھی محل تامل ہے۔ اگر بالفرض ایسا ہی تھا جیسا کہ والانامہ میں (۲) پر کہا گیا ہے " معیار حق سے اس جماعت کا اشارہ غالبًا وحی کی جانب ہے یعنی اصلاً معیارِ حق وحی الٰہی ہی ہے" تو اولاً عرض یہ ہو کہ اگر اس قسم کا احتمال اعتبار کرنے پر اس کی تصویب کی گئی ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ شائع شدہ عبارت یعنی "آپنے بنیادی عقیدہ کی جو عبارت نقل کی وہ تو عین حق و صواب ہے اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا چاہیئے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اُس کے بعض توضیحی فقرے بڑھا دیئے جائیں" کس طرح صحیح ہو سکتی ہے جبکہ یہ مسئلہ یقینی اور اتنا ضروری کیسے رہ گیا۔ کہ آپ فرماتے ہیں کہ وہ تو عین حق و صواب ہے اور مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا ہی چاہیئے۔

ثانیًا! لفظ معیار حق ایک لغوی لفظ ہے کسی فن کا اصطلاحی لفظ نہیں ہے لغت عربی میں معیار ہر اُس شے پر بولا جاتا ہے جس سے کسی چیز کی مقدار پہچانی جائے خواہ ناپ و کیل ہو یا وزن

وغیرہ اس لئے ہر وہ شخص جس کے فعل، قول، عقیدہ، حال پر پورا اعتماد اسی طرح ہو جائے کہ اس میں قصداً غلطی اور نافرمانی کی گنجائش نہ ہو وہ معیار حق ہوگا اور اس کے ذریعہ سے حق پہچانا جائے گا۔ خواہ اس پر وحی الٰہی آتی ہو یا نہیں۔

(الف) اگر رسول یا نبی نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے کلام قطعی اور قدیم میں اس شخص کے متعلق خبر دیتا ہے کہ ہم اس سے راضی ہیں تو یقینی بات ہے کہ اس سے قصداً کوئی گناہ سرزد نہیں ہوگا۔ ورنہ اس علم قدیم میں جو کہ "لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ" کا مصداق ہے خلل لازم آئے گا۔ یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ قصداً گناہ کرنے والے سے بھی راضی ہو سکتا ہے۔ حالانکہ حق وہ ہی امر ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں قرآن مجید میں ہے "لا یرضی لعبادہ الکفر" اس لئے کسی ایسے شخص کے معیار حق ہونے پر تامل کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ میں اپنے راضی ہونے کی خبر دی ہو۔ جیسے سابقین اولین مہاجرین اور انصار اور تابعین بالاحسان کے لئے سورۂ توبہ میں اور اصحاب حدیبیہ کے لئے سورۂ فتح میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

(ب) علیٰ ہذا القیاس اگر قرآن مجید میں کسی کے متعلق ہمیشہ جنتی رہنے کی یعنی تابید کی خبر دی گئی ہو تو اس کے متعلق بھی کوئی بالقصد غلط کاری اور معصیت کے ابتلا کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یقیناً اس کے اعمال اور اقوال حق ہی ہوں گے۔ اس میں کوئی شائبہ باطل کا نہیں پایا جا سکتا ورنہ یا اخبار قطعیہ قرآنیہ پر حرف آئے گا یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ اشخاص جن میں معصیت کا تحقق ہے وہ مؤبدٌ فی الجنۃ ہوں۔ یا یہ جز تابید جنت کی سابقین اولین مہاجرین اور انصار اور تابعین بالاحسان کے لئے سورۂ توبہ میں وارد ہے۔

(ج) علیٰ ہذا القیاس اگر قرآن مجید میں کسی کے متعلق تحفظاً عن المعاصی والکفر ہا ننا کا اعلان کر دیا گیا ہے وہ یقیناً معیار حق ہوگا اور اس کی تمام حرکات و سکنات نظر خداوندی کی حفاظت میں ہوں گی اس سے کوئی گناہ قصداً صادر نہ ہوگا جیسا کہ سورۂ حجرات میں صحابہ کرام کے متعلق اعلان کیا گیا ہے

مذکورہ ذیل الفاظ پر غور فرمایئے۔

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئك ھم الراشدون الآیہ۔

کیا اس کفالت توبہ کے بعد بھی کسی نافرمانی کا احتمال ہو سکتا ہے۔

اسی طرح سورۂ تحریم کی آیت "یوم لا یخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ الآیہ۔ سورۂ فتح کی آیت "محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم الآیہ۔ سورۂ حشر کی آیت، سورہ اعراف کی آیت اور متعدد کئی آیتیں قطعی طور پر صحابہ رضوان اللہ علیہم کے متعلق انتہائی تزکیہ اور تعدیل پر زوردار روشنی ڈال رہی ہیں تو کیا یہ صحابہ کرام معیار حق نہ رہینگے اور ان کے اعمال واقوال سے حق پہچانا نہ جاسکے گا۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم، علیکم بسنتی وسنت الخلفاء الراشدین۔ الحدیث، اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر۔ الحدیث۔ احادیث صحیحہ اس بارے میں بہت زیادہ ہیں۔ طول کے خوف سے مذکورہ بالا مختصر عرض پر اکتفا کرتا ہوں اس لئے میں نہیں سمجھ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی اس تصریح کے بعد اگر ہم اس عقیدہ مودودیہ ملّہ پر نظر ڈالکر فیصلہ کرتے ہیں تو کیا مخالفت قرآن حکیم لازم نہیں آتی اور کیا ایسی خبر خداوندی کے بعد بھی حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہم اور دوسرے محترم صحابہ کو جانچنے کی ضرورت باقی رہتی ہے ؟ اور کیا مودودی صاحب کا سلب کلی کہ کوئی انسان رسول خدا کے سوا نہ معیار حق بن سکتا ہے نہ تنقید سے بالاتر ہو سکتا ہے نہ اس کی ذہنی غلامی جائز ہو سکتی ہے بالکل غلط اور باطل نہیں ہوتا۔ پھر آپکے یہ کلمات شائع شدہ کس طرح قابل تسلیم ہو سکتے ہیں۔

محترما! گفتگو اس میں ہے کہ ان نصوص کے وارد ہونے کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی معیار حق ہے یا نہیں؟ اس کی تقلید آنکھ بند کر کے کرنے پر انسان متبع حق رہیگا یا نہیں۔ مودودی صاحب کلیتہً نفی فرماتے ہیں۔ صحابہ کرام تک کو بلکہ خیر الامت حضرت خلیفہ اول (رضی اللہ عنہ)

کو بھی یہ حق معیاریت اور تنقید سے بالاتری اور ذہنی غلامی کا نہیں دیتے۔ مگر آپ کا شائع شدہ مضمون نہ صرف اس کی تائید کرتا ہے بلکہ اس کو عین حق اور صواب اور ہر مسلمان کا وہی عقیدہ ہونا لازم کر رہا ہے آنجناب کے اس والا نامہ کے مضمون کو جبکہ میں شائع شدہ عبارت کے سامنے رکھتا ہوں تو توافق تو درکنار مخالفت پاتا ہوں۔ مہربانی فرما کر واقعیت سے خبر دیجئے اور مودودیوں کی شائع کردہ تحریر کی تردید فرمائیے۔ احتمالات اور حسن ظن کے امکانات سے قطعی فیصلہ کسی عقیدہ دینیہ اور دستور میں کرنا انتہائی غلطی کے مرادف ہے۔ اس سے خلقت کی گمراہی کا وبال اٹھانا لازم آئے گا۔

یہ تو نہایت مختصر عرض پیش کر سکا ہوں۔ اگر کوئی موقعہ ملا تو تفصیلی باتیں عرض کروں گا۔ میری اس عرض پر چیں بجبیں نہ ہوں۔ ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ اگر ممکن ہو تو جلد جواب باصواب سے مشرف فرمائیں۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔ ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ

مکتوب ۳

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ انتظار شدید کے بعد والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ مایوس کن جواب سے صدمہ ہوا۔ جناب کو یاد ہوگا کہ اس سے تقریباً دو سال پہلے جب میں نے مودودی فتنہ کے متعلق آپ سے خط و کتابت کی تھی تو آپ نے اس فتنہ کی ذمہ داری علماء کے سکوت پر ڈالی تھی اور چند صدق کے نمبروں سے امداد فرمائی تھی۔ مگر تعجب ہے کہ جب ان کے دستور کی کھلی ہوئی گمراہی کو پکڑا گیا تو تاویلات کرتے ہوئے آپ خود سنگ گراں بن گئے۔ اب ہم اس کا شکوہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کس سے کریں۔

لفظ جے ہند کا مواخذہ بے موقع ہے۔ میری تحریر جو کچھ کٹی ہوئی عبارت پر مشتمل تھی اس لئے میں نے نقل کرنے کو ایک صاحب کو دیدی تھی وہ ایک پیڈ پر صاف کر کے لائے۔ پیڈ بازاری تھا اس کے ہر صفحہ پر یہ لفظ چھپا ہوا تھا۔ نقل کرنیوالے صاحب انگریزی سے ناواقف تھے۔ انھوں نے اس پر نقل کر دیا نہ انھوں نے یہ لفظ لکھا اور نہ میں نے۔ والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ٹانڈہ ۲۰ شوال ۱۳۷۲ھ

مکتوب ۴

جناب شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند کے نام

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است — جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوے لوح دل از نقش غیر حق — علمیکہ راہ حق ننماید جہالت است

این چنیں انفاس خوش ضائع مکن: — غفلت اندر شہر جاں شائع مکن

ہر نفس بہرت مسیحا ئیست چیست — گر نداری پاس او از جہل تست

سیدنا المحترم زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اطلعت علی قصیدتکم العربیۃ المطبوعۃ فی رسالۃ "القاسم" لشہر صفر وحیث امرتم المنظارۃ باخبارکم اغلاطھا فتقبلون شاکرین ، اجترأت علی الکلمات الآتیۃ وانی لم اکن اھلاً لھا والرجاء منکم العفو ۔

جناب من السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

القاسم ماہ صفر میں جو اشعار آپ کے شائع ہوئے تھے میں نے ان کو دیکھا ، چونکہ آپ نے ناظرین رسالہ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ ان اشعار کے اغلاط پر آپ کو متنبہ کرینگے تو آپ شکریہ کے ساتھ قبول فرمائیں گے اس لئے مجھکو جرأت ہوئی کہ باوجود اصلاح اغلاط کی اہلیت نہ رکھنے کے آپکی خدمت میں

حاشیہ مکتوب ۴ ۔ ۱۳۴۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کے اندر "نادیۃ الادب" کے نام سے ایک مجلس قائم ہوئی تھی جس کا مقصد عربی علم ادب کی ترقی و توسیع تھا ۔ علامہ حضرت انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے مصرع طرح کے لئے اس شعر کو منتخب فرما دیا تھا ۔ تمتع من شمیم عرار نجد ؛ فما بعد العشیۃ من عرار جس پر حضرت شیخ الادبؒ نے حسب قرار داد مجلس پندرہ اشعار لکھ کر اہل علم و فضل سے یہ گذارش کی تھی کہ " ان اشعار میں کسی خوبی کا نہ ہونا تو میری علمی بے بضاعتی پر نظر کرنے کے بعد تعجب خیز نہیں لیکن اگر ارباب نظر اس کی غلطی پر مجھکو مطلع فرمائیں گے تو میں شکرگذار رہوں گا "

مطلع اس طرح شروع ہوتا ہے ۔ الام علی التجنب والتخلی ؛ فقلت اھم الاحسن اعتذاری

ترجمہ یہ ہے کہ مجھکو اس پر ملامت کی جاتی ہے کہ میں لوگوں سے علیحدہ رہتا ہوں اور خلوت گزین ہوں میں تو مشکل کی آکہتا ہوں کہ میرا الطف یہی خلوت گزینی کرنا ہے صفحہ ۳۴۹ پر

سیدی! کانکم فلا نعرفی قصیدتکم
ھذہ ابا الطیب حیث یقول ؎
اعز مکان فی الدنی سرج سابح
وخیر جلیس فی الزمان کتاب
فقلتم ما قلتم وفیہ ولکن الکتاب کتاب علم
سمیری فی اللیالی والنھار
وانی اری تبدیل ھذ الشعر بان
یقال ؎
ولکن الالہ جلیس ذکر سمیری فی اللیالی والنھار

الفاظ ذیل پیش کروں اور امیدوار معافی ہوں۔ محترم بندہ
متنبی شاعر نے اپنے بعض اشعار میں گھوڑے کی زین کو
عمدہ جگہ اور کتاب کو بہترین مصاحب ظاہر کیا ہے غالباً
آپ بھی اسی کے نقش قدم پر چلے ہیں اس بنا پر آپکے
اشعار کی عمارت کھڑی ہوئی ہے اور اسی لئے یہ شعر
بھی آپکے قلم سے نکلا ہے کہ علمی کتابیں ہی رات دن
میرے لئے بہتر قصہ گو ہیں میرے خیال میں اچھا ہوتا اگر اس
شعر کو اس طرح تبدیل کر دیا جاتا جس کا مفہوم یہ ہو جاتا کہ میں تو اسی
ذکر کرنے والے کے ساتھ رہتا ہوں میں رات دن اسی سے باتیں کرتا

(سلسلہ حاشیہ مکتوب) اور ختم اس شعر پر یعنی مقطع یہ ہے ؎

خمولی اطیب الحالات عندی واعزازی لدیھم فیہ عاری

مجھ کو تو اپنے تمام حالات میں سے گمنام ہو کر زندگی بسر کرنا بھلا معلوم ہوتا ہے اور اگر لوگ میری عزت کرتے ہیں تو میں
اس کو ذلت اور عار سمجھتا ہوں — انھیں شعروں میں ایک شعر یہ بھی تھا۔ ؎

ولکن الکتاب کتاب علم سمیری فی اللیالی والنھار

جس کا مفہوم یہ ہے لیکن کتب علمیہ روز و شب مجھکو دلخوش کن قصے سناتی رہتی ہیں (نہ کہ اخلاق پر برا اثر ڈالنے والی کتابیں)
قطب العصر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی عمت فیوضہم نے مصرع "ولکن الکتاب کتاب علم" میں لطیف ترمیم اس طرح فرمائی
ولکن الالہ جلیس ذکر" جس سے شعر کا مضمون بہت بلند ہو گیا ورنہ جہاں تک شاعری کا تعلق ہے شیخ الادب کا شعر غلط نہیں ہے اور ان
کے ہمنوا حضرت حافظ شیرازیؒ بھی ہیں اور بہت آگے ہیں فرماتے ہیں دریار زیرک از بادکہن دو منے فراغتے و کتابے و گوشہ چمنے
اس اصلاح و ترمیم کے بعد حضرت شیخ الادبؒ نے القاسم جمادی الثانی [illegible] میں تحریر فرمایا۔ میں ان بزرگوں کا نام ظاہر کرنے سے اس
لئے قاصر ہوں کہ کہیں ان کو گراں نہ گذرے اور یہی وجہ ہے کہ میں نے اجازت بھی طلب نہ کی . . . . ہاں ان بزرگ کی نسبت مختصر الفاظ میں
بغرض تعارف اس قدر عرض کرنا ضروری ہے کہ اُن کی علمی اور عملی جلالت سے حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ واقف تھے اور ان کو سالہا سال
تک یہ فخر حاصل رہا ہے کہ مسجد نبوی کی پاک خاک کو سرمہ نظر کریں وکفیٰ بہ فخرا (اعزاز علی) اس کے بعد تو سب ہی سمجھ گئے کہ حضرت
شیخ الاسلام مولانا مدنی مدظلہ کے سوا ممدوح کے معاصرین میں کس کو یہ شرف و مجد جتک حاصل ہو سکتا ہے ذلک فضل اللہ الخ

لقوله علیه السلام روایة عن الله انا جلیس من ذکرنی . وانی اری خطأ عظیما من ابی الطیب فی قوله فیخشی علیه . هذا وقد قیل ما اشغلك عن الحق فهو طاغوتك والسلام واظهار رجاء الدعاء حین ختام

رہتا ہوں کیونکہ حدیث قدسی میں نبی کریم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کیا ہے فرمایا ہے "انا جلیس من ذکرنی" یہ مضمون بالا کے متعلق متبنی کی عظیم غلطی سمجھتا ہوں اور مجھ کو اس شعر کے مضمون کی بنا پر اس کے انجام بخیر نہ ہونے کا کھٹکا ہے ۔ سلف کا قول ہے کہ خداوند عالم سے جو چیز تم کو غافل رکھے وہ تمہارا بت ہے ۔

(القاسم جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ)

مکتوب ۵

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ آپ کے والانامہ کا جواب آج لکھ رہا ہوں ۔

(۱) تقریر کے سلسلہ میں جب کبھی آپ پر اعتراض کرتا تھا تو یہ حقیقت ملحوظ رہتی تھی کہ آپ سے یہ جُبن اور بخل چھڑایا جائے ۔ آخر وہ فریضہ تبلیغ جو مسلمانوں پر عموماً اور اہل علم پر خصوصاً عائد ہوتا ہے اُس کے ادا کرنے میں کیا یہ تقریر درجہ علیا نہیں رکھتی بالخصوص جبکہ یہ بلا معاوضہ اور بلا تنخواہ ہے ۔ ہماری تعلیمات تنخواہوں کی وجہ سے یقیناً محل نظر ہیں الا ان یرحم اللہ علینا ۔ مگر یہ تقاریر اگر بلا نفس معاوضہ ہیں تو یقیناً ہمارے لئے ذریعہ نجات ہیں اور اُمت کے لئے موجب اصلاح ۔ رہا یہ

حاشیہ مکتوب ۵ میرے مخدوم و محترم خداوند عالم آپ کو باین عاطفت و فیوض حیات طویلہ عطا فرما کر اپنی مرضیات کی توفیق مزید دے آمین ۔ حضرت مولانا مدنی کا ایک خط ارسال خدمت ہے اگر آپ اس کو مکتوبات کی جلد ثانی میں قابل اندراج خیال فرمائیں تو اس کی نقل رکھ لیں اور اصل مجھ کو واپس کر دیں ۔ آپ سے شرف ملاقات حاصل کرنے کی تمنا ہے جو میری بدقسمتی سے اس کے باوجود کہ آپ کا قیام دیوبند میں کئی دن رہا مگر پوری نہ ہوئی خدا کرے کہ ایک مرتبہ میری زندگی میں آپ اور تشریف لے آویں تو ہم آپ سے استفادہ کر دوں میری صحت خراب ہو چکی ہے اور معلوم نہیں کہ کس وقت کیا ہو اس لئے حسن خاتمہ کی دعا کا محتاج زیادہ ہوں ۔ محمد اعزاز علی اوری غفرلہ از دیوبند ۔ ۳ رمضان ۱۳۵۰ھ جمعہ ۔

الام اعمر دامت برکاتہم کے والا نامہ میں یہ عجیب آخر میں موجود ہے" رات کے چھوٹی ہونے سے بہت (باقی صفحہ)

شبہ کہ بعد میں عجب پیدا ہوتا ہے اور اسی بنا پر آپ اس کو پیشہ قرار دیتے ہیں اور نہایت ناگواری کے الفاظ مصافحہ وغیرہ سے استخراج فرماتے ہیں میرے لئے انتہائی تعجب خیز ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا ذخیرہ کیا یہی تقریریں اور خطبے نہیں ہیں کیا وہ ہماری طرح کتاب لے کر پڑھاتے تھے۔ رہبانیت پر اعتراض تو جب ہی عائد ہوگا جبکہ عمل سے پیشتر اس کا قصد اور وہ بھی ریاءً وسمعۃً ہوا ہو اور اگر پہلے سے ایسا قصد نہیں یا اسماع اور ارادہ محض اصلاح مخاطبین کے لئے ہے تو یقیناً اجر اور ثواب ہے۔ آخر میں لوگوں کی گرویدگی ثناء وصفت مصافحہ کے لئے ٹوٹ پڑنا کیا اسی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "عاجل بشری المومن" قرار نہیں دیا ہے ذرا غور فرمایئے اور فیصلہ غیر واقعی مت دیجئے یہ امور تو تعلیم تدریس بلکہ ہر عبادت، نماز روزہ سب میں واقع

(بقیہ حاشیہ ص۵۰) پریشانی ہے "اللہ اکبر یہ ہے مقام اللہ والوں کا جن کے یہاں رات راز و نیاز، سوز و گداز، ذوق و شوق عبادت ہی کے لئے بنی ہے نہ کہ محض آرام و سکھ کے لئے۔ رمضان المبارک میں مجھ کو بھی حضرت اقدس کے دربار گہر بار ٹانڈہ شریف میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی باوجود کبر سنی اور عوارض کے ہمارے حضرت کا یہ عالم تھا کہ گویا پوری رات وقف ہے عبادت وریاضت کے لئے اور آخری عشرہ تو "ایقظ اھلہ واحیٰی لیلہ" کا منظر زمان نبوی پیش کر رہا تھا خیر وہ تو وہی ہر اعتبار سے خیر القرون تھا بعد کی صدیوں میں جب حضرت فضیل بن عیاض رح کا آخری وقت آن پہنچا تو آپ زار وقطار رو رہے تھے لوگوں نے کہا کہ گریہ کیسا؟ فرمایا کوئی اور وجہ نہیں ہے بات صرف اتنی ہے کہ اب مرنے کے بعد گرمیوں کے رمضان کے روزے اور جاڑوں میں تہجد کا لطف کہاں نصیب ہوگا۔ سچ کہا بقول مولانا آسی مرحوم سے

رات ہے رات تو بسم مرد خوش اوقات کی رات ؛ گریہ شوق کی اور ذوق مناجات کی رات

گریہ غم ہے کہ ساون کی جھڑی تادم صبح ؛ کوئی موسم ہو یہاں رہتی ہے برسات کی رات

آج جبکہ ناچیز جلد سوم مرتب کر رہا ہے تو افسوس ہے کہ حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ دوسری دنیا میں "روح وریحان و جنت نعیم" کے مزے لوٹ رہے ہیں اور ہم مولانا کی یاد میں سوگوار ہیں۔ راقم الحروف کو مولانا کی زیارت کا شرف آستانہ مدنی ٹانڈہ میں پہلی بار حاصل ہوا۔ بہت ہی خوب بزرگوں میں تھے میری آنکھوں نے چند ہی ایسی ہستیاں دیکھی ہیں کہ وہ اپنے ہر چھوٹے کو بڑا کر کے اپنے حسن ظن کا اظہار فرماتے ہیں چنانچہ حضرت مرحوم اپنے ایک والا نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

جناب محترم زیدت معالیکم پس از تحیۂ مسنونہ ٹانڈہ کا سفر مبارک سفر تھا جس کی برکتوں میں سے ایک برکت یہ بھی تھی کہ آپ سے شرف ملاقات ونیاز حاصل ہوا اگرچہ یہ ملاقات سرسری تھی تھوڑی دیر بھی خدمت میں حاضر نہ رہ سکا تاہم قافیۂ گل تو ہو ہی گیا۔ فللہ الحمد والمنتہ (ملاحظہ ہو ص۵۲)

ہوتے ہیں۔

(۲) اس مسئلہ میں خبر غیر صحیح آپ کو پہونچائی گئی۔ میں آپ کے تعلیمی سلسلہ میں رہنے کو نہایت ضروری سمجھتا ہوں اور اسی وجہ سے افتاء کے متعلق میں عرصہ تک کوشاں رہا کہ کوئی دوسرا شخص سنبھالے مگر وہ مجبوریاں پیش آئیں جنہیں نے آپ کو اس منصب پر لانا ضروری کر دیا۔ اب مجلس شوریٰ میں پیش کیا گیا کہ آپکی تدریسات کی طرف مدرسہ اور طلبہ کو زیادہ حاجت ہے تو میں نے عرض کیا کہ ہم بار ہا تجربہ کر چکے ہیں کہ افتاء کا کام کسی سے نہیں چلا تو یہ کہا گیا کہ ہم مولوی مہدی حسن صاحب کو لکھیں گے تو۔ میں نے شبہ کیا کہ وہ عوامی فتاویٰ کو سنبھال سکیں گے یا نہیں؟ ان کو تصانیف اور اختلافی مسائل علمیہ میں تو دسترس کامل ہے مگر واقعات عامیہ میں کیا حال ہے مجھکو معلوم نہیں اس پر یہ کہا گیا کہ ان کو اس پر بھی دسترس ہے۔ بہر حال مجھکو آپ کے علمی مشاغل پر ہونے میں گرانی ہونا تو درکنار بہت زیادہ خوشی ہے اس کی وجہ سے استعفاء کا اظہار کرنا سراسر جھوٹ ہے وہ نظامت تعلیم بھی آپ کے سپرد کرنا چاہتے ہیں اس میں بھی متامل نہیں ہوں مگر میں نے یہی عذر کیا کہ دائرہ اہتمام سے توافق ہونا مشکل ہو گیا تھا خلاصہ یہ کہ تعلیمات کے کسی عہدہ پر آپ کے فائز ہونے کا میں مخالف ہرگز نہیں تھا اور نہ ہوں۔ اوہام اور غلط خبروں کو جگہ نہ دیجئے۔

(۳) فریدا رشید کی تعلیمات پر توجہ فرمانا عظیم الشان احسان ہے۔ دعوات صالحہ سے فراموش نفرمائیں چندہ دارالعلوم کی رفتار سے بھی مطلع فرمائیں۔ رات کے چھوٹی ہونے سے بہت پریشانی ہے۔ والسلام۔

ننگ اسلاف۔ حسین احمد غفرلہ

ٹانڈہ۔ ۱۲ر رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ

بقیہ حاشیہ مکتوب (۵۳) کل عزیز کرم صاحبزادہ مولوی اسعد سلمہ نے مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول از جانب آنجناب عطا فرمائی ہم نے اس کو کل ہی سے دیکھنا شروع کر دیا یہ خیال بھی نہ تھا کہ یہ کوزہ اس غیر متوقع طریقہ پر ہاتھ آئیگا۔ میرے خیال میں تو آپ نے جماعت پر ایک بڑا احسان کیا ہے جس کا اجر جزیل دربار خداوندی ہی سے مل سکتا ہے۔

اعزاز علی غفرلہ دیوبند ۳ر ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ دوشنبہ

مکتوب ۶

جناب مولانا مشہود حسن صاحب امروہی کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ عدیم الفرصتی کی بنا پر اب تک جواب نہ دے سکا معاف فرمائیں۔ اس حدیث کے متعلق یہی تو اشکال ہوتا ہے کہ اس کا سیاق سباق کے مخالف ہے یعنی جملہ اولیٰ تو دلالت کرتا ہے کہ ما زاد علی الفاتحہ کو امام کے پیچھے جہریہ میں مت پڑھا کرو اور جملہ اخیرہ دلالت کرتا ہے کہ ہر نماز میں مازاد اور فاتحہ دونوں ضروری ہیں بغیر ان دونوں کے نماز ہوتی ہی نہیں اس لئے یہ حدیث اپنے متعارض مفہوم کی وجہ سے قابل استدلال ہی نہیں ہے مگر یہ اشکال اس معنی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جو کہ محدثین اور شوافع وغیرہ اس حدیث کے لیتے ہیں کہ لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کو انشاء اور حکم قرار دیتے ہیں اور مختصر کرنے کی وجہ سے یہ ہی متبادر ہوتا ہے جو کہ لفظ فانہ کے حذف کی وجہ سے اور قوی ہوگیا ہے اور اگر اس

حاشیہ مکتوب ۶۔ مخدومنا و مرشدنا متعنا اللہ بطول حیاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گذارش ہے کہ سال گذشتہ سے احقر کا تقرر بہ ساطت حضرت شیخ الادب مرحوم و مغفور مدرسہ امینیہ میں مدرس دوم کی جگہ پر ہوگیا ہے۔ ابوداؤد شریف و مسلم شریف کتب سحاح میں سے میرے سپرد ہیں۔ مذاہب کے بارے میں گفتگو ابوداؤد میں زیادہ کرتا ہوں ایک اشکال مجکو اس حدیث میں جو کہ ابوداؤد و ترمذی دونوں میں ہے۔ ھل قرء منکم معی احد قالوا نعم قال لا تفعلوا الا بام القرآن فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بہا۔ اس کا جناب والا نے ایک مطلب یہ بھی بتلایا تھا کہ حضور کے ارشاد کا یہ مطلب ہے کہ کوئی نماز ایسی نہیں ہوتی کہ اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے کثیر الدوران ہونے کی وجہ سے اس کے پڑھنے میں ثقل نہ ہوگا اور اس پر دلیل نفی و استثناء کی بیان فرمائی تھی۔ اب اشکال یہ ہے کہ جب مختصر حدیث جو تمام صحابہ کی کتابوں میں ہے اور یہ مطول متحد ہیں ابن حجر بھی متحد مانتے ہیں اب بر تقدیر اتحاد مختصر حدیث میں مسلم ابوداؤد وغیرہ میں معمر نے بیان سے جو زیادتی فصاعداً کی زیادہ کی ہے اور صحیح ہے اس زیادتی کو اس حدیث مطول کے ساتھ اگر ملا یا جائے تو عبارت اس طرح ہوگی قال لعلکم تقرؤن خلف امامکم قلنا نعم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بہا و فصاعداً اس تقدیر پر مذکورہ بالا معنی حدیث کے سمجھ میں نہیں آتے۔ ہر چند سوچا لیکن کچھ جواب (دیکھئے ص ۵۵)

جُملہ کو خبر قرار دیں جو کہ مدلول مطابقی اس جُملہ کا ہے اور لفظ فانہ اس پر شاہد قوی ہے جس سے علت حکم سابق کی تبلانا منظور ہے تو معنیٰ بالکل صحیح ہو جاتے ہیں اور حدیث مذکور کے اول و آخر کا تعارض جاتا رہتا ہے یعنی چونکہ امام کے پیچھے قرآن کی ممانعت منازعت فی القرآن کیوجہ سے ہے اور وہ ام القرآن میں نہیں ہوتی کیونکہ وہ ہر نماز میں سری ہو یا جہری، منفرداً ہو یا جماعت، خواہ رکعت اولیٰ ہو یا ثانیہ اور ثالثہ اور رابعہ، نافلہ ہو یا فریضہ سب میں پڑھی جاتی ہے تو کثیر الدوران ہوئی بخلاف مازاد کے وہ کثیر الدوران نہیں ہے۔ رکعات اخیرہ ثالثہ رابعہ میں پڑھا ہی نہیں جاتا اور جن رکعتوں میں پڑھا بھی جاتا ہے وہ ایک نہیں ہے اس لئے وہ کثیر الدوران نہیں ہے۔ کبھی کوئی سورت اور کبھی کوئی دوسری سورت ہے۔ کبھی کوئی آیت ہے کبھی دوسری آیت اس لئے مازاد کے پڑھنے کی وجہ امام کیسا منازعت اور مخالجت پائی جائیگی پس امام کا مازاد کو بھول جانا ضروری ہوگا بخلاف فاتحہ کے اس میں کثرت دوران کی بناپر مخالجت اور نسیان نہ ہوگا اس لئے مازاد امام کے پیچھے مت پڑھو البتہ فاتحہ کی اجازت ہے پس استثناء ام القرآن کا کیا گیا جس کی اباحت لفظ الا بام القرآن سے کی گئی نھی لان الاستثناء من النھی اباحۃ کما صرح بہ الاصولیون بہرحال بنداء حدیث میں امام کے پیچھے پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا اور استثناء کرکے ام القرآن کو مباح کر دیا گیا۔ پھر فانہ سے اس اباحت

(سلسلہ حاشیہ مکتوب ۲۱) سمجھ میں نہیں آیا۔ جمعیۃ علماء کے دفتر میں بھی معلوم کرنا چاہا لیکن کچھ موقع نہ ملا۔ اس وجہ سے اگر حضور والا کو زیادہ تکلیف نہ ہو تو اپنے اس غلام کو محروم نہ فرمائیں۔ علم نافع کی دعا کا محتاج ہوں

مشہود حسن امروہی مدرسہ امینیہ دہلی

خاتم المحدثین حضرت مولانا مدنی دامت برکاتہم کی حدیث ابوداؤد و ترمذی پر مجتہدانہ بحث اور جمع و توفیق اولہ کی خداداد بصیرت کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ اعتراض کی ساری عمارت منہدم ہو کر حدیث کا مفہوم صاف ہو گیا۔ ایسے ہی تفقہ پر امام اعمش کو امام ابو یوسفؒ سے یہ کہنے میں ذرا بھی جھجک نہیں ہوتی "انتم الاطباء و نحن الصیادلہ" اصل یہ ہے کہ ہمیشہ فن کو فن والے سے سمجھنا چاہیئے خواہ وہ شریعت کا مسئلہ ہو یا طریقت کا۔ دین کا ہو یا دنیا کا۔ سلف کی تاریخ شاہد ہے کہ جب تک منصب افتاء اور شیخت کی کرسیوں اور گدیوں پر معتبر علماء اور متقی و صلحاء جنھوں نے کافی مدت تک اکابر و مشائخ کی صحبتوں میں رہ کر تعلیم اور تزکیہ کے فرائض انجام دیئے تھے اس وقت تک اُمت میں خیر زیادہ رہا اور جب سے نو آموزاں کی جگہوں پر آئے شر کا غلبہ ہو گیا۔ ضرورت ہے کہ اس طریقہ کی اصلاح کی جائے۔ بڑی دردناک داستان ہے۔ اصلاحی۔

کی علت ذکر کی گئی کہ ہر نماز میں فاتحہ اور ما زاد پائی جاتی ہے تو فاتحہ کثیر الدوران اور غیر مُفضی الی المنازعت والمخالجت ہوئی اور ما زاد کثیر الدوران نہ ہوئی اس لئے باعث مخالجت ہوگی۔ اس تقریر پر جملہ نماز لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب سے فرضیت فاتحۃ الکتاب اور انتفاء حکم نکالنا بالکل غلط توجیہ اور حدیث کو مہمل بنانا ہے جس کا سبب حدیث کا اختصار مخل ہے۔ اگر اس حدیث کا صدر حذف نہ کیا جاتا تو کم از کم لفظ فانہ ہی حذف نہ ہوتا تو اس قدر خلل نہ ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ روایت بالمعنی اور اختصار روایت میں تفقہ کی اشد ضرورت سمجھی گئی ہے جس کا اقرار خود محدثین کو بھی ہے (دیکھو نخبۃ الفکر)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حکم کے بعد فاتحہ میں بھی مخالجت محسوس ہوئی تو پھر اس کو بھی منع کیا گیا جیسا کہ روایات حضرت جابرؓ اور ابن اکیمہؓ وغیرہ دلالت کرتی ہیں۔ واللہ اعلم والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۴ر صفر ۱۳۷۵ھ یکم اکتوبر ۱۹۵۵ء

مکتوب

جناب مولانا محمد صاحب لائل پور

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والانامہ باعث سرفرازی ہوا جس پر آپ نے کوئی تاریخ درج نہیں فرمائی یہ تحریر کا بڑا نقص ہے۔

محترما! ہم سب اور ہمارے اسلاف کرام حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں۔ اساتذہ کرام کے ہم خوشہ چیں ہیں ان کے احسان اور علوم سے استفادہ کرنے والے اور شکر گذار ضرور ہیں۔ مگر تقلید صرف امام ابوحنیفہؒ کی کرتے ہیں اور اسی کو علمی روشنی میں ضروری اور باعث نظام امت سمجھتے ہیں

(حاشیہ مکتوب) یہ والانامہ غیر معمولی جامعیت، احتیاط اور معنویت پر مشتمل ہے اور حق یہ ہے کہ نہایت صاف طور پر اعتراف ہے کہ ہم اور ہمارے اسلاف کا مسلک حنفی ہے۔ اگر کسی مسئلہ فرعیہ میں دیگر علماء احناف کی رائے مختلف ہو تو ہوتی رہے۔ کیونکہ علماء دیوبند کے پاس بھی ان مسائل فرعیہ کے جوابات مدلل طور پر موجود ہیں جیسا کہ خود راقم الحروف کو مولانا حیدر حسن خان مرحوم شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تقریر سننے اور احناف کے مسائل پر دلائل و شواہد معلوم کرنے کا ذاتی تجربہ

ہم دوسرے ائمہ مذاہب کو بھی حق پر سمجھتے ہیں۔ ہم مُصَوِّبہ کی رائے پر جو کہ اقرب الی الصواب ہے فروع میں تمام مجتہدین کو صائب اور مصنفین کی رائے پر دائر بین الحق سمجھتے ہیں۔ بہرحال ہمارے اکابر نفقط امام صاحب کی فقہ کے مقلد ہیں دوسروں کے اقوال کو مرجوح سمجھتے ہیں باطل نہیں کہتے اور نہ اس پر عمل درآمد کرتے ہیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی قدس اللہ سرہٗ العزیز کو جو سلسلہ کے بہت بڑے امام اور حضرت شاہ محمد اسمٰعیل صاحب کے اُستاذ الاساتذہ اور جد بزرگوار ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ مطاع قرار نہیں دیتے۔ حجۃ اللہ البالغہ کی جلد ثانی میں شاہ صاحبؒ نے بہت سے مسائل میں خلاف فرمایا ہے ہم اُن پر نہ فتویٰ دیتے ہیں اور نہ عمل کرتے ہیں اور بحمد اللہ ہمارے پاس ان مسائل فرعیہ کے جوابات بھی مکمل طور پر موجود ہیں اور اسی طرح پر محقق العصر علامہ ابن ہمامؒ وغیرہ دوسرے اکابر کے تفردات بھی ہم معمول بہا نہیں قرار دیتے اور یہی مسلک ہم نے اسلاف کرام سے ارجح پایا ہے۔ جب حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ جو کہ سید الطائفہ اور حضرت شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کے روحانی اور نسبی بڑے ہیں ——

(سلسلہ حاشیہ مکتوبؐ) اتفاق ہوا ہے۔ اس بنا پر چاہے حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہؒ ہوں یا محقق ابن ہمام ہوں علامہ زبیدیؒ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقابل دوسروں کی نقلیہ کو راجح نہیں سمجھتے بہرکیف دلائل ہر بڑے آدمی کے پاس ہیں بحث محض راجح اور مرجوح ہی تک اگر ہے تو چنداں مضائقہ نہیں۔ ہاں یہ خیال زیادہ تحقیق پر مبنی نہ ہوگا کہ ہر ہر مسئلہ کسی امام کا باعتبار دلائل قوی اور سب سے مضبوط ہو۔ اس والا نامہ میں دو چیزیں ایسی ہیں کہ اُن پر ذرا کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے ایک تو کتاب "ایضاح الحق الصریح" کی تحقیق اور دوسرے مسئلہ احتیاط الظہر کی تعریف "ایضاح الحق الصریح" کی نسبت کا بھی حال ہے جو "تقویۃ الایمان" کی کیفیت کا ہے یہ دونوں کتابیں محرف ہیں جلد دوم میں تقویۃ الایمان پر لکھا جا چکا ہے اس جلد سوم میں ایضاح الحق الصریح پر کلام کیا جا رہا ہے۔

(۱) مولف تاریخ احمدی کی عبارت ذیل مولانا سید جعفر علی مرحوم نقل کرتے ہیں۔

"رسالہ ایضاح الحق مولانا (شہید) ممدوح در بلی تصنیف فرمودہ بودند بقیہ آں را میر وی سلطان محمد خاں تصنیف کردہ منضم ساختند" (ذخیرہ کرامت حصہ دوم)

مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ ایضاح الحق پوری خاص مولانا شہیدؒ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ اس میں خان مذکور بھی شریک ہیں۔

(۲) بقیہ تقویۃ الایمان کی طرح بقیہ ایضاح الحق کے مصنف بھی کوئی اور صاحب ہیں جن کا نام سلطان محمد خاں (دیکھیےؒ

اُن کے اقوال اور فتاویٰ کے ساتھ ہمارا یہ طرز ہے تو حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب کے وہ اقوال جو کہ خلاف فقہ حنفی ہوں گے ہمارے نزدیک کس طرح قابل عمل ہوں گے اس لئے ایضاح الحق الصریح میں اگر کوئی مسئلہ خلاف فقہ حنفی مذکور ہو تو وہ بھی ہمارے اساتذہ کے نزدیک غیر معمول بہ ہی ہوگا۔ نہ اس پر فتویٰ دیا جائے گا اور نہ اس پر عمل کیا جائے گا پس کتاب مذکور اگر حسب رائے آنجناب حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب شہید رکی نہ ہو جیسا کہ غیر مقلدوں کے تصرفات کو دوسری کتابوں کے متعلق نواب قطب الدین صاحب مرحوم سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا تھا تو کچھ تعجب نہیں ہے اور اگر ان کی ہی ہو تو یقیناً ہمارے اسلاف کرام کے یہاں ان مسائل میں جو کہ فقہ حنفی کے خلاف ہیں غیر معمول بہ ہوگی اس سے شاہ صاحب شہید مرحوم کے احترام میں کوئی خلل نہیں پڑتا جیسا کہ حضرت شاہ ولی صاحب کے ان اقوال کے ماننے سے جو کہ حجۃ اللہ البالغہ کے جلد ثانی میں خلاف حنفیہ مذکور ہیں نہ ماننے سے فرق ان کے احترام

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۶) ہے مگر تعجب ہے کہ مولف اثبات التوحید ان کو محمد سلطان علی خاں اور وہ خود اپنے کو محمد سلطان تذکیر الاخوان میں بتاتے ہیں۔ جب ایضاح الحق کا ترجمہ غیر مقلدین کی طرف سے شائع ہوتا ہے تو مترجم اور مصنف دونوں کے نام ظاہر نہیں کئے جاتے لہذا اس کتاب میں بھی ضرور تحریف سے کام لیا گیا ہے

(۳) صراط مستقیم میں یہ عبارت موجود ہے۔" در اعمال اتباع مذاہب اربعہ کہ رائج در تمام اہل اسلام است بہتر و خوب است" صفحہ ۶۹

ظاہر ہے کہ مذاہب اربعہ سے مولانا شہید کی مراد مذہب حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی ہے جس کی اتباع تمام اہل اسلام میں بصورت تقلید شخصی رائج ہے لہذا حضرت علامہ شہیدؒ نے اسی کو بہتر و خوب فرمایا ہے اور حق بھی یہی ہے مگر ایضاح الحق مترجم مسئلہ خامسہ میں اس کے خلاف ائمہ مجتہدین میں سے کسی شخص معین کی تقلید کو بدعت حقیقیہ شمار کیا ہے۔ انصاف کا مقام ہے کہ تقلید شخصی کے بہتر و خوب اور بدعت حقیقیہ ہونے میں کیا نسبت ہے؟ (۴) اسی طرح صراط مستقیم میں نذر و نیاز بلا رسم کی نسبت لکھا ہے" اصل ایں امر بہتر و خوب موافق حکم شرع شریف است" (باب دوم) اسی چیز کو ایضاح الحق میں بدعت حقیقیہ کہا گیا ہے۔

(۵) صراط مستقیم میں تشریح رسائل اربعہ کے ذکر و شغل کا طریقہ تفصیل سے لکھا ہے مگر ایضاح الحق میں ان تمام امور کو بدعت سیئہ بتایا گیا ہے۔ اس اندرونی شہادت سے یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ جاتی ہے کہ ایضاح الحق الصریح محرف اور مشکوک ہے اور یہ کتاب کسی اور کی لکھی ہوئی ہے نہ کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی۔

احتیاط الظہر کی تعریف یہ ہے کہ" جمعہ کے بعد چار رکعت نماز اس نیت سے کہ سب میں پہلی ظہر جس کا وقت پایا اور نہیں پڑھا" یہ ان لوگوں کے لئے ہے جنکو فرض جمعہ ادا ہونے میں شک ہو۔ یہ مسئلہ بھی فقہا میں اختلافی ہے۔ عالمگیری وغیرہ میں تفصیل موجود ہے اصلاحی

میں نہیں پڑتا ہے۔

چونکہ میں عدیم الفرصت بہت زیادہ ہوں اس لئے ایضاح الحق الصریح کے ایسے مسائل بالاستیعاب نہ دیکھ سکا اگر ممکن ہو تو اُن کا حوالہ صفحہ وار دیکر مطلع فرمائیں تو شکر گذار ہونگا اور بوقت فرصت اُن پر غور کروں گا۔

دربارہ احتیاط الظہر حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی رائے حفظ عوام اور تحقیق صاحب بحر الرائق پر مبنی ہے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر جزئیات فقہ پر بہت زیادہ تھی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر کلیات اور اصول پر بہت زیادہ تھی جزئیات فرعیہ اور مصالح عوام پر اُن کی نظر اس قدر نہیں تھی جس قدر حضرت گنگوہی کی تھی۔ اس وجہ سے وہ عموماً جزئیات فرعیہ کے فتاوے کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کر دیتے تھے۔ عوام کی غلط کاریوں نے بہت سے اکابر کو وقت کے مسائل میں روک تھام پر مجبور کیا ہے چنانچہ صاحب بحر الرائق کی تفصیل اس پر پوری روشنی ڈالتی ہے میں نے خود جدہ میں دیکھا کہ امام جب جمعہ سے فارغ ہوا تو بڑی جامع مسجد میں زور سے تکبیر کہی گئی اور پھر سے مجمع میں امام آگے بڑھا اور مجمع میں احتیاط الظہر کی چار رکعات با جماعت علانیہ پڑھی گئیں۔ اس وقت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دیکھا اور اس عمل سے تعجب فرمایا۔ الغرض حدود شرعیہ کا تحفظ مفتی پر بہت زیادہ ضروری ہے خصوصاً جبکہ عوام کی بے اعتدالی حد سے بہت زیادہ تجاوز کر گئی ہو۔ ایسے امور علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کو پیش آئے اور ایسے ہی امور حضرت گنگوہی کو متعدد فتاوی میں پیش آئے جن کو غیر محقق علماء نے محسوس نہیں کیا اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی پر معترض ہوئے۔ فتاوی دربارہ احتیاط الظہر میلاد رائج و سوم چہلم وغیرہ اسی قسم کے عوام کے غلو اور غلط کاریوں کے ثمرات ہیں۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو عوام کی ان غلط کاریوں کے مشاہدہ کرنے کی نوبت نہیں آئی واللہ اعلم۔

اگر میری معروضات قابل اطمینان ہوں تو فبہا ورنہ بوقت فرصت خدمات برا پنی ٹوٹی پھوٹی معلومات کو پیش کروں گا ان کو تحریر فرمائیں۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ از دیوبند ۲۰ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ

مکتوب ۸

جناب مولانا حکیم عبدالرشید محمود صاحب گنگوہی کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ والا نامہ باعث سرفرازی ہوا تھا عدیم الفرصتی کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی ۔

محترما! صیغہ اسم فاعل کی اصل تو یہی ہے کہ اس کا اطلاق حال پر ہو۔ استقبال کا ارادہ مجاز ہی کہلائیگا البتہ ماضی کا ارادہ مجاز بعید ہوگا اور استقبال کا ارادہ مجاز قریب ہوگا۔ زید قائم سے متبادر قائم بالفعل ہی ہوتا ہے اس لئے کل شئ ھالك الا وجھه اور اسی طرح کل من علیھا فان ویبقیٰ وجه ربك ذوالجلال والاکرام" وغیرہ کے معنی یہ ہوں گے کہ ہر شئ بالفعل ہالک اور فانی ہے سوائے ذات واجب الوجود کے کیونکہ ممکن کا وجود اصلی نہیں ہے جس طرح آفتاب سے نور ہر وقت آتا رہتا

حاشیہ مکتوب - بحضرت اقدس زید مجدکم السامی - السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - امید ہے کہ مزاج سامی بعافیت ہوں گے حامل رقعہ حافظ محمد حنیف حاضر خدمت ہو رہے ہیں پہلے بھی حاضر ہو چکے ہیں التجا کرتا ہوں کہ زمرۂ خدام میں داخل فرمالیں دعا کی بھی درخواست کرتا ہوں حالات ابتر ہیں حق تعالےٰ فضل فرمائیں ۔

دیر سے ایک سوال ذہن میں آرہا ہے بعض اہل علم سے تحقیق بھی کی تشفی نہیں ہوئی ۔ اس وقت حافظ محمد حنیف بعزم حاضری آئے تو خیال ہوا کہ حضرت والا ہی سے تحقیق کرلوں اس لئے تقریر سوال عرض کرتا ہوں ۔ امید ہے محققانہ تشفی فرمائینگے کل شئ ھالك الا وجھه اور کل نفس ذائقۃ الموت سے ہر حادث کا ہلاک و موت قاطبۃً متبادر ہوتا ہے یا کسی شئ کا استثنا بھی منقول ہے مثلاً عرش، کرسی، روح ۔ نص تحریر فرمائیں ۔ پھر اس ہلاکت و موت سے انعدام تام مراد و محقق ہے یا فساد و تغیر اور استحالہ ؟ چاہے یہ انعدام آنی عارضی اور فانی ہی ہو نہ ابدی کہ ابدیت میں تو حق تعالےٰ نے ہم کو بھی اپنے ساتھ رکھا ہے (اس جزو کی بھی تحقیق و توثیق یا تنقید فرمادیں) مقصد یہ ہے کہ ہر غیر اللہ اور ہر حادث کے لئے کوئی لمحہ ایسا بھی ہے کہ اس پر فنا تام اور انعدام کلی واقع ہو ۔ نصوص بالا مذکورہ سے تو ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے کہ ذات اقدس واجب الوجود قدیم ازلی ابدی کے علاوہ ہر ممکن حادث پر فنا، موت، ہلاک اور انعدام واقع ہوگا۔ پھر اس ہلاک و موت کی صورت کیا ہوگی ؟ آیا کسی درجہ میں عالم وجود میں اس کی کوئی صورت متغیرہ متخیلہ باقی رہے گی ؟ جس پر کسی درجہ میں کسی درجہ کی حیات کا اطلاق ہو سکے ۔ من وجہ موت اور من وجہ حیات (باقی ص ۶۰ پر)

ہے اور سابق نور فنا ہوتا رہتا ہے اور جس طرح سایہ ہر وقت چلنے والے سے پیدا ہوتا اور سابق فنا ہوتا رہتا ہے اسی طرح وجود ممکن ذات واجب سے افاضہ ہوتا رہتا ہے اور سابق فنا ہوتا رہتا ہے۔ شدت اتصال کی وجہ سے انقطاع محسوس نہیں ہوتا جیسے شعلۂ جوالہ اور قطرۂ نازلہ میں دائرہ اور پانی کا خط محسوس ہوتا ہے۔ اہل حقیقت اس کو تجدد امثال سے تعبیر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ عالم اور مافیہ ہر وقت میں فنا ہونے اور موجود ہوتے ہیں یہی حال نور شمس (اشعۂ) کا ہے اور فرماتے ہیں کہ قیامت یعنی فنا عالم ہر وقت ہوتی رہتی ہے اور ذات واجب الوجود ہی دائما باقی ہے اور اسی لئے یبقی بصیغہ مضارع ذکر فرمایا گیا ہے اس کی کھلی مثال آئینہ کی دیوار میں ظاہر ہوتی ہے اس میں چلنے والی ذات کا عکس چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے حالانکہ عکس باقی اور متحرک نہیں ہے اور ہر وقت ظل سابق فنا ہوتا اور دوسرا پیدا ہوتا رہتا ہے۔

اور اگر ہالک اور ذائقۃ الموت سے مستقبل ہی مجازاً مراد لیا جائے جیسا کہ عام مفسرین فرماتے ہیں تو اول تو لفظ کل کا مضاف الیہ عام نہیں ہے یعنی کل شئ بمعنی مشئ (ما یدخل تحت مشیئۃ) وہ ممکن اور اسی طرح من علیہا (ای علی الارض) اور نفس آیت کل نفس الآیہ) میں اس لئے جملہ موجودات اس کے

(بقیہ حاشیہ مکتوب) اگر نہیں تو روح کا جو ایک مستقل اور جسد سے علیحدہ وجود رکھتی ہے اور بہر حال مخلوق اور حادث ہے بگو امر رب کے خصوصی انعطاف سے معرض وجود میں آئی ہے اور اس کے متعلق اعطاء علم بہت قلیل و مجمل ہے موت کا کونسا لمحہ ہے اور کیا صورت ہے؟

روایات سے تو صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ جسم سے اس کا محض انتقال و ارتحال الی الملاء الاعلیٰ ہوتا ہے جیسا کہ الفاظ قرآن و سنت ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیہ" اخرجی الی مغفرۃ من اللہ ورضوان اور فتخرج تسیل کما تسیل القطرۃ من السقاء سے معلوم ہوتا ہے۔ نفخ صور اول کے وقت ارواح کی محض بے ہوشی فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ اور صور ثانیہ پر افاقہ منقول ہے۔ الا من سے استثناء شاید حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے یا کسی اور کا بھی؟ جیسا کہ حدیث میں کوئی مضمون اس قسم کا بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے طور پر جو صاعقہ ہوا ہی کافی ہوگا اب صعق نہ واقع ہوگا اور صعق کے معنی مدہوشی ہی کے ہیں موت کے نہیں اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ روح کے لئے کونسا لمحہ موت کا ہے اور صورت موت کی کیا تفصیل و تصریح ہے۔ والسلام

عبد الرشید محمود گنگوہی

ماتحت داخل نہ ہوں گے۔ اس لئے علماء کلام اور اہل تفسیر ارواح اور عرش وغیرہ کے استثناء کے قائل ہیں جس کے لئے حدیث "خلقتم للابد" وغیرہ دلائل پیش کئے جاتے ہیں اور آیت صعقہ میں "الا من شاء اللہ" وارد ہے اور استثناء کو متصل قرار دیتے ہیں جو کہ پہلی توجیہ پر استثناء منقطع تھا موت ہر ایک مرنے والے کی کلی متواطی نہیں ہے۔ انبیاء کی موت عوام کی موت سے مباین ہے اعراض کی موت جواہر کی موت سے علیحدہ ہے۔ کیفیات کی فناء کمیات کی فنا سے مغائر ہے سب کو ایک درجہ دینا غلطی ہوگی۔ اسی طرح انسانی موت اور ارواح کی موت کا ایک درجہ نہیں ہے۔ اول الذکر عبارت عن انفصال الروح عن الجسد ہے اور ثانی عبارت عن سلب الوجود ہے سو شتان ما بینھما۔ اس لئے ہر چیز کی موت کو اس کے موافق لینا ضروری ہوگا۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب ۹

میں نہ تفضیل کا قائل نہ مساوات کا ہاں ؛ مجھ سے گمراہ کی ہدایت کو ہیں یکساں دونوں

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ طویل والانامہ باعث سرفرازی ہوا مضامین مندرجہ سے خوشی ہوئی تفصیلی جواب کی نہ فرصت ہے نہ قابلیت مختصراً کچھ عرض کرتا ہوں حضرت اقدس قدس سرہٗ العزیز نے جب مجھ کو بیعت فرمایا تو چاروں خانوادوں چشتیہ نقشبندیہ

(حاشیہ مکتوب ۹) بحضرت اقدس مولائی زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ امید ہے مزاج عالی بعافیت ہوں گے۔ چند روز سے حضرت والا کے مکتوبات دیکھ رہا ہوں مکتوب ۲۵ ص ۱ پر حضرت والا نے طرق چشتیہ نقشبندیہ کے متعلق کچھ تحریر فرمایا ہے مجھ کو خیال دیر سے ہے۔ دل چاہا کہ اس موقعہ پر کچھ عرض کرنے کی جرأت کروں۔ اگر مصلحت خیال فرمائیں تشفی فرمادیں ورنہ خود اکثر اس پر استغفار کرتا ہوں۔
خیال ہوتا ہے کہ طریق چشتیہ کے اکثر حضرات کے یہاں عموماً بعض رسوم ایسی ہیں جو صورۃً بدعت محسوس ہوتی ہیں۔ ایک طرف حضرات صحابہ تابعین اتباع تابعین فقہا، محدثین، مجددین، مجتہدین کے احوال، اقوال، مذاق اور معمولات ہیں دوسری طرف صوفیاء کرام کے کچھ الف معمولات، رسوم اور خصوصی انکار ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے (باقی ص ۶۲ پر)

قادریہ، سہروردیہ میں بیعت فرمایا۔ پھر فرمایا کہ میں نے چاروں میں بیعت اس لئے کیا ہے کہ لوگ جس طریقے میں بیعت ہوتے ہیں اسی کی تفضیل اور ترجیح بلکہ غلو میں پڑجاتے ہیں اور دوسرے طریقہ کو مرجوح قرار دیتے اور گرانے میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے۔ چاروں میں بیعت کرنے سے اس کا سد باب کردینا مقصود ہے تاکہ اس قسم کی فضیلیات کی نوبت نہ آئے (او کما قال) حقیقت بھی یہی ہے۔ میں نے مدینہ منورہ میں اس کے واقعات مشاہدہ کئے ہیں چشتی حضرات

(سلسلہ حاشیہ مکتوب ۹) کہ دونوں کا سلوک اور دینی فکر و مذاق ایک دوسرے سے کچھ علیحدہ سا ہے۔

ایک کے یہاں مقصود اتباع واحسان ہے دوسرے کے یہاں شکر و استغراق، ایک میں تدین تفقہ اور توسع کی سی بیدار ہوشمندی اور حکیمانہ و مطیعانہ ماموریت "کان معهم راس العلم خشية الله" دوسرے میں محبت فنا، بیخودی، وحدت و کثرت کی ابحاث، حلول و اتحاد کے سے اجنبی عنوان بظاہر اور صورتاً احیاناً اتباع سے اعراض اور اسوہائے نبوی میں بے اہتمامی۔ ایک کے یہاں مقدمات یقین اور مراتب تنزیہہ کے واسطے اسی استقامت علی الدین اور کشف شرائع کے آثار۔ دوسرے کے یہاں رقص، وجد، گریہ و بکا، تجلیات صوری دالوان و اعراض کا تعدد، تنوع، ایک کی شان بداوت و ہدایت کہ " بر انداز رہ پنہاں بجرم قافلہ را" دوسرے میں تحیر تواجد شطحیات " آزادہ و مجنونے رسوا سربازارے" استغفر اللہ استغفر اللہ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی جلیل القدر ہستی ہے اور دوسری طرف بلاتشبیہ" عاشق سوختہ جاں سینہ فگار دل ریش ارنی" جو جذبۂ عشق میں نہ تنزیہ کو ملحوظ رکھتا ہے نہ تقدیس کو۔ عارف ہے مگر کامل نہیں، عاشق ہے مگر محقق نہیں، اللہ کو محبوب ہے مگر مرضی نہیں۔ کہ مرضیہ تو صرف راہ نبوت اور ذوق انبیائی ہی ہو سکتا ہے" ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله" مدعی محبت کے لئے اتباع ہی ضمانت رضا و محبوبیت ہے۔ كتاب انزلناه اليك مبارك ليدبروا اياته وليتذكر اولوا الالباب۔ تدبر و تذکر دونوں کا استوائی پیرایہ اگزیر ثم استغفر الله۔ یہ مختصر خاکہ ہے اپنے احساس اختلاف کا۔

رہیں رسوم جو صورتاً بدعت و محدث پیدا ہوئی ہیں الحمد للہ یہ حسن ظن میسر ہے کہ یہ رواسم اُن کے لئے اس دور میں اُن حدود و شرائط کے ساتھ جو اُن کے یہاں تھیں نہ حد جواز سے خارج تھیں نہ بدعت و ضلالت کہی جاسکتی تھیں۔ مثلاً ذہنی التزام نہ تھا۔ عقیدۃً تقیید اطلاق نہ تھا۔ اختصاص زمان و مکان میں نیت قربت نہ تھی بدعت للدین تعبیں فی الدین نہ تھیں اور وسائل بذات خود مقید تھے عدم مفاسد کے ساتھ اور منع مقید تھا مفاسد کے ساتھ۔ اور وہاں ان پاکیزہ نفوس میں اس کا احتمال تک نہ تھا۔ تاہم خیال ہوتا ہے کہ اس وقت مفاسد اگر محتمل نہ تھے تو بعد کے آنے والے عوام کے (باقی ص ۶۳ پر)

چشتیہ، مشائخ اور اُن کے طریقے میں اس قدر غلو فرماتے ہوئے دیکھے کہ دوسرے طرق اور اُن کے مشائخ کی توہین اور تذلیل نمایاں ہوتی تھی یہاں تک کہ اکابر طرق کی شان میں انتہائی گستاخیاں بھی مشاہدہ ہوئیں۔ اسی طرح نقشبندیہ کے متعلق بھی ایسا ہی مشاہدہ کیا کہ وہ چشتیہ او قادریہ وغیرہ کے متعلق ذکر فرماتے ہوئے حد اعتدال سے گذر جاتے تھے اور اکابر کے متعلق بھی ناشائستہ کلمات کہنے لگے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدا ہی سے ہیر کے لئے سدباب فرمادیا تھا۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اپنے طریقہ میں

(سلسلہ حاشیہ ص۶۲) خیال سے تو ان رسوم و معمولات پر نظر کی ضرورت تھی۔ جبکہ تعامل اذہان اقرب تھی۔ اس وقت اگرچہ اباحت کی حد تھی مگر دائرہ اباحت کی وسعت اور مباحات کی خصوصی ہیئتوں کا عملی اشتغال اور استقلال اُن کے مفضی الی الکراہت ہونے کا محتمل تھا اس پر آخر کیوں نہ نظر فرمائی گئی۔

مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ محافل سماع۔ مانا کہ بغیر مزامیر اور برعایت شروط زمانی، مکانی، اخوان، آلہ سماع جائز تھیں۔ مگر اُن مجالس کا ترتب خاص ہیئات و مقاصد کے ساتھ التزاماً آخر کیوں نہ کھٹکا۔ استغفر اللہ۔ وسوسہ آتا ہے کہ اول تو خود نفس شعر ماعلمناہ الشعر وما ینبغی لہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "لما نشات بغض الیّ الاوثان والشعر" گو بعض مواقع پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے شعر پڑھوائے بھی گئے ایدہ حسانا بروح القدس کی دعا بھی فرمائی اصدق کلمۃ قالہا الشاعر قول لبید بھی ارشاد ہوا۔ بہرکیف شعر ایک متبذل اور گھٹیا چیز قرار تھی پھر اس کی تغنی۔ یہ تغنی خود ایک پامال و متبذل کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کے وقت فرمایا کہ میں نے دس چیزیں اللہ تعالیٰ کے پاس امانت رکھی ہیں ایک اُن میں سے یہ بھی ہے کہ "ما تغنیت قط" اور یہاں اُس کا اشتغال مجتہد وقت شیخ تاج الدین سبکی قدس سرہ نے سماع کے متعلق

"واعلم بان الرقص والدف الذی سئلت عنہ وقلت فی الاصوات فیہ خلاف للائمۃ قبلنا (شرح الہدایۃ سادات السادات) لکنہ لم یات قط شریعۃ طلبتہ او جعلتہ کالقربات والقائلون بحلہ قالوا بہ کواہ من احوالنا العادات فمن اصطفاہ لدینہ متعبد الحضورہ فاعدوہ فی الحسرات" فرمایا۔

۔ اور کس قدر محل حسرت ہے کہ آج اس کو عام عادات مباحہ میں رکھنے کے بجائے واقعی موجب قربت سمجھا جانے لگا اور کیسے نہ سمجھا جاتا اور ذہنی تعامی کس طرح اس فساد سے محفوظ رہتی جبکہ دینی اغراض کے لئے یہ مجالس ترتیب دیجاتی تھیں اور وجد و ذوق اور لذت اس میں متحرک ہوتی تھیں غذاء روح اند پیام سرمدی سمجھا جاتا تھا آخر ایسے افضا اور انجرے کیوں صرف نظر فرمائی گئی۔

گو دماغ تاویل کرلیتا ہے کہ استغراق، محویت، مغلوبیت، اپنے مصفی اذہان پر قیاس اور غلبہ حسن ظن (باقی ص۶۴ پر)

فنا ہیں اور انتہائی مدح سرائی فرماتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے طریقہ میں فنا ہیں اور انتہائی مدح سرائی فرماتے ہیں اور دونوں حق پر ہیں ہر ایک کو اپنے طریقے اور مشائخ سے فیض پہونچا ہے (جس کی کھائے اس کی گائے) بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عنایات ربانیہ جو کہ متبادل ہوتی رہتی ہیں کبھی اس نالی میں پانی بہتا ہے کبھی اس نالی میں۔ کاشتکار کو اپنی اس نالی کی مدح سرائی کرنی اور شکرگذاری کرنی ضروری ہے جس سے اس کو پانی پہونچا ہے اور ان نالیوں کی جن سے پانی

(سلسلہ حاشیہ مکتوب ۱۹) اس تجویز کا سبب ہے اور مانعین کے یہاں غلبۂ حزم و احتیاط۔ مگر اس سے اس قدر تو ضرور متبادر ہوتا ہے کہ دوسرے سلاسل خصوصاً نقشبندیہ اس سے محفوظ ہیں۔ سوائے شغل رابطہ کوئی ایسی چیز نہیں جس پر خود نقشبندیہ میں بھی بعض نے اظہار کراہت کیا جیسے حضرت سید احمد شہید صاحبؒ۔ لہٰذا وہ بہتر و اسلم اور افضل ہیں۔ انبیائی طرز سے چشتیہ کی نسبت نقشبندیہ زیادہ اقرب و اشبہ ہیں کہ "انی عبدہ گو یند بجائے قول سبحانی"

ایک اور وجہ بھی نقشبندیہ کی افضلیت کی ذہن میں ابھرتی ہے۔ نسبت بے رنگ ذات بحث ہے اس لئے غیبت عقل اور تغیر عقل ان میں ہوتا ہے نہ نفس و ابلیس کے لئے موقعہ فریب و تلبیس کا زیادہ امکان، چشتیہ کے یہاں جذب کا، نور و الوان و انوار کا ظہور، اسی لئے وجد و حرکات بدنی کا صدور، غیبت و استغراق اور شنبہ امور۔ سلیم راستہ میں محض تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم - تقشعر عند الخوف و تلين عند الرجاء۔ اور راہ چشتیہ میں تو اجد حرکات بدنی، سقوط غشی، ایسے تاثرات کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کے ذکر سوال پر صاف فرمایا کہ انا نخشى الله ولا نسقط ان الشيطان يدخل في جوف احدهم (یہ روایت نظر سے گذری ہے اگر معتبر ہو)

ان حضرات کے اقوال میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کے ثبوت اور دلالت میں کلام کرکے تاویل کی جاتی ہے نقشبندیہ کے یہاں ایسی چیزیں بھی نہیں یا نہ ہونے کے درجہ میں۔ خصوصاً حضرت مجدد سرہندی تو کتاب و سنت سے صورتاً ادنیٰ تجاوز بھی پسند نہیں فرماتے۔ نص کے مقابلہ میں نص کو اور فتوحات مدنیہ کے مقابلہ میں فتوحات مکیہ کو بڑے محققانہ انداز کے ساتھ رد فرماتے ہیں۔ صورتاً بھی کوئی چیز بدعت و محدث نہیں معلوم ہوتی۔ بدعت حسنہ پر کس قدر قدح فرمایا ہے۔

ذہن میں آتا ہے کہ شاید یہی سلوک حضرات صحابہؓ کے سلوک سے قریب ہے اور یہی راہ نبوت ہے اور اسی طریق پر اجتبار بھی شاید منحصر ہے۔ بقیا ہو اور تقریباً و رنہ عطار رب کا انحصار فضل رب کے سوا کسی راہ و طریق پر بھی نہیں۔

یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ شاید سلوک چشتیہ راہ ولایت و نابت ہے جس کا مرتبہ بہرکیف ثانوی ہے۔ افضلیت و اولیت نقشبندیت ہی کو حاصل ہے۔ صحو کا غلبہ بھی ہے قرب و یقین کی مقصودیت بھی ہے۔ ثبت عقلی بھی غالب ہے جس میں حدود باقی رہیں۔ ایسا سکر و استغراق بھی نہیں جس میں شطحیات کا صدور اور احتمال حدود ہو یہی (باقی ص ۶۵ پر)

نہیں پہونچا بے فیض قرار دینا صحیح ہے۔ مگر چونکہ یہ حالت دائمی اُن نالیوں کی نہیں ہے اس لئے دائمی فیصلہ غلط ہے۔ لوگ اس غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض تصانیف (غالباً ہمعات میں) اس کو مفصل بیان فرمایا ہے۔ بہر حال فیوضات حاصل کرنے والوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے منعم کا شکر کریں۔ بعد کے آنے والے اس امر میں مخطی ہیں کہ انھوں نے اس قضیہ مطلقہ عامہ یا وقتیہ مطلقہ کو دائمہ مطلقہ قرار دیدیا

(بقیہ حاشیہ ص ٦٤) وہ طریق ہے جس میں" بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق" کی سی جامعیت وجمعیت موجود ہے اور اسی مسلک میں وہ تفضل واولیت مرکوز ہے جو فقیہ ناصح کی الف عابد پر ہے۔

رہے اپنے اکابر تربیہ سو اُن میں جو احتیاط تورع اتباع اور احسان کی مقصودیت پر زور ہے خیال ہوتا ہے کہ یہ برکت ہے حضرت سید شہیدؒ کی جن سے حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی بیعت ہوئے اور فرمایا کہ اگر میں حضرت سید صاحب سے بیعت نہ ہوتا تو میری موت اچھی نہ ہوتی۔ چنانچہ یہ بھی کسی جگہ دیکھا سُنا ہے کہ حضرت سید صاحب سے بیعت کے بعد اُن کے مریدین کی حالت پہلے مریدین سے بدرجہا بہتر تھی۔ حضرت میاںجی نور محمد صاحبؒ نے معمولی کوئی نظم وقصیدہ سننے سے بھی انکار فرمادیا کہ لوگ مجھ کو کبھی کبھی امام بنا دیتے ہیں۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کسی ایسے ہی موقعہ پر فرمایا کہ صوفیوں میں جس طرح بدنام ہوں مولویت کا دھبہ بھی میرے نام پر ہے اس لئے احتیاط کرتا ہوں۔

اس کے بعد حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے مسلک کی وسعت کہ خلفاء میں مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی جیسے کثیر السماع بھی ہیں۔ ادھر حضرت قاسمؒ اور حضرت رشید کا مسلک کہ "ہوگئے جن سے ہم ساغر رنداں دونوں حضرت حاجی صاحبؒ کے فیصلۂ ہفت مسئلہ کے متعلق حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد کہ ہم تصوف میں حضرت حاجی صاحبؒ کے مقلد ہیں نہ تحقیقات فقہیہ میں اور اس کو جلوا دیا۔ یہ برکت مزیدہ اور ثمرۂ ہنیہ ہے شجر طوبیٰ اصلها ثابت وفرعها فی السماء" ولی اللہی خاندان سے نسبت تلمذ کا اور اسی ذوق نقشبندیت کا۔ باوجود اس ذوق اور غلبہ صحو واستقامت کے حضرت گنگوہیؒ کے زبان قلم پر بھی یہ الفاظ آگئے " وہ جو میں ہوں وہ تو ہے اور میں اور تو خود شرک در شرک استغفر اللہ کیف آیا مگر شیخ مستقیم الحال غالب الاحوال تھے کہ " بینی خندہ بر لبہا و آتش پارہ در دلہا" فالوب ربٌ والعبد عبدٌ فوراً سنبھل گئے اور استغفار فرمایا۔

حضرت والا کا ارشاد اسی مکتوب میں ہے کہ" ہمارے حضرات پر عنایات الٰہیہ سلوک چشتیہ میں بہت مبذول ہوئیں جو کہ ازمنہ اخیرہ میں دوسرے طرق میں اپنا مثیل نہیں رکھتیں" اپنا حقیر خیال تو یہی ہے کہ شاید یہ عنایات الٰہیہ اسی تلمذ ولی اللہی اور اسی تعلق وبیعت حضرت شاہ عبدالرحیمؒ بسید شہیدؒ کی برکت ہے آگے چل کر فرمایا" ہمارے اسلاف ربانی (باقی ص ٦٦ پر)

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی نظر بہت اونچی تھی انھوں نے اس کا سد باب فرما دیا۔

ہمارے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے نہایت اعلیٰ اور اشرف طریقہ اختیار فرمایا ان کا ظاہر نقشبندی ہے اور باطن چشتی ہے ؎

بلبل نیم کہ نعرہ زنم دردسر کنم　　قمری نیم کہ طوق بہ گردن در آورم
پروانہ نیستم کہ بسوزم بگرد شمع　　شمعم کہ جاں گدازم و دم بر نیاورم

(بقیہ ص۶۵) اگرچہ سلوک چشتیہ بہ چست و چالاک اور گامزن ہیں مگر عملی حیثیت سے حضرت مجدد کے قدم بقدم ہیں" یہ سمجھ میں نہیں آیا گامزن ہونا ہی عمل ہے اور عمل کی کونسی جہت چشتی ہے اور کونسی قدم بقدم مجدد؟ کیا گامزن ہونا بطریق جذب اور قدم بقدم ہونا اتباع سنت یا کوئی اور مراد؟ حضرت وضاحت فرمادیں۔

یہ سب کچھ عرض کر رہا ہوں ایک خیال اور وہم کے درجہ میں ہے۔ تاہم استغفار کرتا ہوں اگر ادنیٰ شائبہ انتقاد ہو اپنی ظلمانی بساط ہرگز اس موازنہ کی نہیں"۔ ایاز قدر خود بشناس" محض میلان و وسوسہ کا درجہ ہے اگر حضرت والا کی توجہ سے اس میں اعتدال آجائے۔

ہمیشہ جب کبھی حضرات صحابہؓ کے حالات و سوانح جن کی ولایت قطعی معیاری ہے سامنے آتے ہیں ایک جذب و کشش محسوس کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدایا مجھے تو بلا استحقاق اسی زمرہ کے غلاموں میں محشور فرمادیجیو گو اس دعا پر حیا بھی آتی ہے کہ

ترجو النجات ولم تسلک مسالکھا　　ان السفینۃ لا تجری علی الیبس

اور امید بھی بندھتی ہے۔ الرجل یحب القوم ولا یستطیع ان یعمل عملھم قال یا اباذر المرء مع من احب" کے وسعت فضل و دور کرم پر۔

بخلاف صوفیاء کرام رحمہم اللہ خصوصاً چشتیہ کے کہ ان کے عشق و ولولہ کی کیفیات سوز و ساز" از جفتن و سوختن و بادہ نوشیدن" اور "کی بیری بپچی سوزی دو" کے آتشیں کوائف و حالات پر قلب گرمجاتا ہے، ان کی رونگی، ان کی سوختہ سامانی آشفتہ حالی ہجر و فراق کی بے چینی "بت آں ساقی و آں پیمانہ ایم" کی رنگینی "بسیار صبح شد کہ بوئے نسیمت نمی رسد شاید کہ گل تو پلے صبا اشکستہ" کا انتظار ان کا راتوں کو رونا یاد دلبر میں ان کا قلق تملل اور اضطراب اس پر اس قدر پیار آتا ہے کہ بے اختیار تمامی ہوش و خرد کو ان کی گرمی رخسار پر قربان کر دینے کو دل چاہتا ہے اور بعدہ دیوانہ سازم خویش را اور بکی بفروش دیرانی بحر" کی تڑپ پیدا ہوتی ہے مگر یہ سب کچھ طبعاً ہے عقلی طور پر جہاں ان کی بعض رسوم معمولات مکونہ نماسب رنگین لباس اور مناع اندراس سماع' طرق ایصال مخصوص ہیئت غیر ماثورہ اہتمامات کتاب و (باقی ص۶۷ پر)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت کہ "ان لصدرہ ازیز کازیز المرجل من البکاء" اوکما قال اکیا اسی کی شہادت نہیں دیتی۔ میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا تھا کہ فرماتے تھے کہ ہمارے مشائخ چشتیہ کے تین دور ہیں اول طبقہ پر زہد غالب ہے۔ دوسرے طبقہ پر عشق غالب ہے، تیسرے طبقہ پر اتباع سنت غالب ہے، الغرض کام کیجئے اور سب کو اپنا مقتدا قرار دیجئے کسی

(سلسلہ حاشیہ ص۴۲) سنت سے بظاہر مختلف بعض اقوال ممتاز و علیحدہ اطوار نظر آتے ہیں۔ ماھذہ التماثیل اللتی انتم لھا عاکفون، معاذاللہ، استغفراللہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا فکر، ذوق اور مسلک یکسر ہی کچھ مختلف سا ہے۔ ؎

وخیر امور الدین ما کان سنۃً　　　وشر الامور المحدثات البدائع

دفعتًہ طبیعت رک جاتی ہے۔

صحابہ کی زندگی اور صوفیا کی سوانح کو کس طرح بے تکلف منطبق کروں۔ البتہ بے تکلف بحمداللہ کر لیتا ہوں اور اپنے آپ کو مطمئن بھی کر لیتا ہوں۔ مگر یوں معلوم ہوتا ہے کہ بس صحابہ اپنے ہیں اور ہم صحابہ کے۔ یا جو ان سے اشبہ واقرب "دلاً وہدیاً، سمتاً" ہیں بس اصل یہی ہیں اور یہی معیاری ہیں۔ ہاں صوفیا چشتیہ خوب بھی ہیں شاید ضرورت زمانہ اور تغیر احوال کی وجہ سے اسی طرز میں قرب ووصال تزکیہ وتطہیر اور اصلاح وتبلیغ زیادہ سمجھی ہو۔ خصوصًا ہندوستان میں ہندوانہ ماحول میں یہی وضع وشکر مفید و موثر خیال فرمائی ہو یا بعد عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اذہان مختلف کا تنازع فکر و تفلسف، مختلف نسلی طبقاتی تلوثیات وتلونیات کے باعث اس شستہ پاکیزہ خالص" بیضاء نقیتہ لیلھا کنھارھا سواء" کے فہم و اخذ، عمل و اختیار اور اپنانے میں عوام کا ذائقہ بدلا چاہتا ہو اور وصول ضروری لہذا جس طرح بن پڑا یمین سے یا یسار سے کھینچ تان کر لائے۔ گو بعض جگہ وسائل نے مقاصد کا مقام بھی پیدا کر لیا مگر پھر دل اندر سے یہی کہتا ہے کہ "کل عبادۃ لم یفعلھا الصحابۃ فلا تفعلوا" اور "مالم یکن یومئذ دینا لایکون الیوم دینا علیکم بآثار النبی فان من افضل اعمال الرشاد اتباعھا" صاف ستھرا طریقہ بے غل وغش راہ انی ذاھب الی ربی سیھدین، اول ذاہب الی الرب جس کا طریق تہذیب اخلاق اور رسوخ فی الذکر ہے اور اسی کا منتہی سلوک متعارفہ کا منتہی ہے پھر سیھدین کا تفرع اس کا مآل کار ہے جس میں حقائق کے کشف وشہود، اللہ اور اس کے بندوں کے باہمی حالات کے انکشاف وانشراح، قرب ویقین، گویا مع الصحو الغالب تجلی ذاتی کا استقرار ہے وبس۔ یہ کیف چشتیہ میں کم نقشبندیہ میں نمایاں۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ نقشبندیہ ہی کو فضیلت ہے۔

امید ہے کہ حضرت والا افراط وتفریط پر متنبہ فرمائیں گے کہ کم از کم فکر واعتقاد میں تو کوئی نازیبا تجاوز اور کیف انتفاء باقی نہ رہے ۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد کہ اپنے حضرات کے مسلک میں نہایت اعتدال (باقی ص۷۶ پر)

کی تنقیص نہ کیجئے۔ سب سے ادب اور احترام کا معاملہ کیجئے۔ روح کے فنا کے متعلق سلب وجود کو جو عریضہ میں لکھا گیا ہے وہ اُن اکابر کے قول کی تشریح ہے جو فرماتے ہیں کہ ارواح فنا ہونگی یعنی جو نفخۂ اولی میں فنا کلی بلا استثنار کے قائل ہیں اور جو حضرات روح اور جنت وغیرہ کے استثنار کے قائل ہیں

(سلسلہ حاشیہ ص۶۷) اور حق کچھ اسی میں دائر سا محسوس ہوتا ہے گویا" ادر الحق مع علی حیث کان " حق تعالےٰ فکری اعتدال سے تو محروم نہ فرمائیں۔

مگر رآنکہ اس سے قبل ایک سوال کا جواب آسام سے موصول ہو گیا تھا اور قطعی تشفی ہو گئی تھی خصوصًا حدیث "خلقتم للابد" کے بعد کوئی خلجان نہیں رہا مگر آخر میں حضرت والا کا ارشاد کہ انسانی موت انفصال روح عن الجسد سے عبارت ہے اور روح کی موت عن سلب الوجود ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ سلب وجود روح نہیں: ہاں تو خود وجود محفوظ ہے یہاں سے محض انتقال وارتحال ہے۔ اس ارتحال سے جسم کی موت تو واقع ہو گئی۔ مگر خود نفس روح کی موت سلب وجود کا کونسا مرحلہ ہے چاہے اس سلوبیت وجود کی کچھ ہی کیفیت ہو کیفیت سے سوال نہیں۔ اگر چند کلمات اس کے متعلق تحریر فرما دیں اگرچہ اوپر والی حدیث کے بعد تشفی ہو گئی۔ حد ادب۔ عبدالرشید محمود گنگوہی

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں پر جناب حکیم صاحب مدظلہ کے اُس والانامہ کو درج کر دیں جو موصوف نے ایڈیٹر رسالہ دار العلوم کو حضرت شیخ المشائخ مولانا مدنی دامت برکاتہم کے جواب آجانے اور تشفی ہو جانے پر اپنے تاثرات کو مخصوص انداز میں ظاہر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

یہ سوال محض ایک علمی تحقیق ہی کی حیثیت نہیں رکھتا۔ بلکہ ایک متوسل کا اپنے شیخ سے اظہار حال بھی ہے جس کی نوعیت علاج و استعلاج کی ہے۔ ضروری نہیں کہ معالج عوارض لازمہ کے ہر ہر جزو کی طرف متوجہ ہو، وہ مرض اور عرض کے فرق کو جانتے ہوئے اپنی التفات کا مرکز مرض کو بنائے گا نہ عرض کو، کہ اعراض تابع امراض ہیں۔ مرض اصلی و شرکی ہی شرکی حیثیت رعایت کی ہو سکتی ہے عنایت کی نہیں۔ کم فہم مریض اعتناءً بالامراض پر مطمئن نہیں ہوتا وہ اعتنا بالاعراض تفصیلًا چاہتا ہے اور نہیں جانتا کہ اعراض کا رفع منحصر ہے امراض کے دفع و زوال پر۔ یہی شان حکما رامت و روحانی ماہرین نفسیات کی ہے کہ وہ زوائد و توابع سے بچکر فوائد و لوازم پر نظر رکھتے ہیں اور" ان السابقین عن علم وقفوا وببصر نافذ فذکوا وکانوا هم اقوی علی البحث لو بحثوا " کا علمی و بصیرتی کف و وقوف ان کا معمول ہے۔ حضرت نے اس تحریر میں مسائل کی علمی تحقیق اور تفصیل تحلیل و تجزی نہیں فرمائی۔ منتشار فکر و ذہنیت اور توران تخیل کے بند صلاح کی طرف متوجہ ہوئے اور نہایت خوبی و اجمال کے ساتھ فکری اسارت و تعدی کی اصلاح اور بڑھتے ہوئے جوش و رجحان پر ایک بند لگا کر مسلک اعتدال و زہبادری کی نشان دہی فرما دی جیسا کہ ؎ بلبل نیم کہ نعرہ زنم و در دسر کنم اور پروانہ نیستم کہ بسوزم بگرد شمع " اور آخیر کا مضمون کہ تیہر سے طبقہ پر اتباع سنت غالب ہے (باقی ص۶۹ پر)

ان کے قول پر نہیں ہیں۔ الغرض فنارروح اور اس کی موت کے معنی سلب وجود کے ہیں بعض کے نزدیک واقع ہوگا بعض کے نزدیک نہ ہوگا۔ واللہ اعلم دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

رزقنا اللہ وایاکم فیوضاتھم ولا یحرمنا اللہ وایاکم من برکاتھم آمین

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(سلسلہ حاشیہ ص۶۸) نیز اس قضیہ کو دائمہ مطلقہ قرار نہ دیا جائے سے ظاہر ہو رہا اسی فنار انتفار کا جو جو بے حکمار روحانی طویل قیل وقال سے ہٹ کر ایسی تدبیر وتدلی سے چلتے ہیں جو باصطلاح دینی الٰہی علم استعداد نفوس انسانیہ بجمیعہا وکمال ومآل ہر کسے کا مقتضی ہے۔ اہل علم اس حکیمانہ کف و وقوف اور بصیرت ایزدی ورسوخ کو جانتے ہیں جو اپنے عمیق ادراک میں نہ الفاظ وبیان کی سطوح کے پابند ہیں نہ دلیل واستدلال کے کناروں تک محدود۔ ان کی نظر منشار پر جاتی ہے جس کے آثار ہیں یہ بیان واستدلال ہے۔

وللقلب علی القلب دلیل حین یلقاہ ⁂ وفی الناس من الناس مقاییس واشباہ

چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ اس جواب کے بعد مسائل کا خلجان تقریباً ختم ہوگیا۔ شدت واعتدار فکر کی لگام کھنچ گئی اور ؎

اک دانش برہانی اک دانش نورانی ⁂ ہے دانش برہانی ظلمت کی فراوانی

کا انتباہ اور حصول اطمینان واعتدال میسر ہوگیا۔ عبد الرشید محمود

مولانا حکیم عبد الرشید محمود صاحب گنگوہ کے سوالات خالص علمی اور بہت پھیلے ہوئے ہیں کہ اگر خود ان کے مفہوم کی شرح کی جائے تو ایک دفتر بن جائے۔ مگر ہم نے اتنے ہی پر بس کر لیا کہ بھائی "بڑے کی بات بڑے ہی جانیں" چنانچہ امام العصر مدظلہ کا مختصر مگر جامع جواب کی افادیت اور معنویت کا فیصلہ وہ اہل ذوق کر سکتے ہیں جن کا علم حاضرہ اور سلف کے علوم وکمالات پر نہ صرف نظر ہو بلکہ وہ خود انھیں میں کا ایک فرد ہو۔ حکیم صاحب موصوف کے سوالات بظاہر بہت اہم اور ناقابل فہم محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن جواب میں انھیں گوشوں کو کھول دیا گیا ہے جہاں سے پانی مرتا تھا۔ سب سے بڑے سوال کا جواب تو صرف اسی ایک شعر سے ہو گیا۔ ؎

نہیں تفضیل کا قائل نہ مساوات کا ہاں
مجھ سے گمراہ کی ہدایت کو ہیں یکساں دونوں

افسوس یہ ہے کہ حکیم صاحب کے خط کے سوال وجواب سے معمولی درجہ کے پڑھے لکھے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ (۱ صلاحی)

مکتوب ۱۰

ایک سائل کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ تمام اہل سنت والجماعت مسلمان ہمیشہ سے اس امر پر متفق ہیں کہ جو شخص کلمہ طیبہ (اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمداً رسول اللہ) صدق دل سے کہے اس کا ایمان اجمالی اور ایمان متحقق ہو جاتا ہے اور جو شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی تمام یقینی باتوں (وحدانیت، رسالت، ملائکہ، کتابہائے خداوندیہ، قیامت تقدیر، ختم نبوت وغیرہ قطعیات) کو دل سے مان لے اور اقرار کرلے اس کا تفصیلی ایمان متحقق ہو جاتا ہے۔ اور وہ مسلمان اور ملت اسلامیہ کا فرد بن جاتا ہے۔ اعمال میں کوتاہی سے یہ ایمان و اسلام زائل نہیں ہوتا، اعمال ضروریہ کی کوتاہی سے صرف فسق آتا ہے کفر نہیں آتا۔ ہاں اگر ان امور ایمانیہ کا انکار و جحود پایا جائے تب بیشک استحقاق کفر ہوتا ہے۔ اعمال خواہ کسی درجہ کے ہوں اُن کا ترک کرنے والا کافر نہیں ہوتا

حاشیہ مکتوب ۱۰۔ خطبات میں مودودی صاحب سے بعض اصولی باتوں کی تشریح میں چوک ہوگئی تھی اور جو اصلاح طلب تھی۔ امام العصر مولانا مدنی نے اس پر تنبیہ فرمایا۔ ابوالاعلیٰ صاحب اور اُن کے مقلدین نے اس پر کچھ ایرادات کئے حضرت شیخ مدظلہ نے ایک مدلل رسالہ ایمان و عمل کے نام سے لکھ دیا۔ جس میں مودودی جماعت کے امام اور مقتدی دونوں کی خوش فہمی کو واضح کر دیا گیا۔ عقائد و کلام کی کتابوں میں صاف تصریح ہے کہ:۔

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے جو احکام بیان فرماتے ہیں ان کی تصدیق ایمان ہے۔ یہ احکام خواہ اعتقادی ہوں یا عملی" (ملاحظہ ہو مسامرہ شیخ ابن ہمام)

حتیٰ کہ علامہ عابدین جامع الفصولین کے حوالے سے شامی میں امام طحاوی سے یہ نقل فرماتے ہیں:۔

"ہمارے اصحاب کے نزدیک ایمان سے اس وقت خارج ہوگا جبکہ اس کا انکار کرے جس کی تسلیم سے مسلمان ہوا تھا اور جب تک کہ یہ انکار یقینی نہ معلوم ہو کفر کا حکم نہ دیا جائے گا" (شامی)

جس جماعت کے مبلغ اور رہنما کو اتنی سی بھی تحقیق نہ ہو اُس کو کیا حق پہونچتا ہے کہ لوگوں کا قائد اور رہبر بنے مسائل میں غیر تحقیقی شان اہل علم کے رتبہ سے گری ہوئی چیز ہے جس کا انجام "ضلوا فاضلوا" کی وعید سے ظاہر ہے۔

اصلاحی

البتہ گمراہ فرقے خوارج، معتزلہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ اعمال مرضیہ کے ترک کرنے سے یا کبیرہ گناہ کے مرتکب ہونے سے انسان ایمان سے نکل جاتا ہے۔ آج ہندوستان بھر میں مودودی صاحب اور ان کی جماعت بھی یہی عقیدہ رکھتی ہے اور اسی کی تعلیم اور تلقین کرتی ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب اپنے رسالے "حقیقت حج" میں زیر عنوان "حج کی تاریخ مابعد" میں فرماتے ہیں :۔

نیز ان چھوٹے رسالوں کے علاوہ خطبات میں بھی یہ عبارتیں موجود ہیں اور انھیں سے یہ مضامین اور عبارتیں چھوٹے چھوٹے رسالوں کی صورت میں شائع کئے گئے ہیں۔

"رہے وہ مسلمان جن کو عمر بھر کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ حج بھی کوئی فرض ان کے ذمہ ہے دنیا بھر کے سفر کرتے پھرتے ہیں کچھ یورپ کو آتے جاتے حجاز کے ساحل سے بھی گذر جاتے ہیں جہاں سے مکہ صرف چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے اور پھر بھی حج کا ارادہ تک ان کے دل میں نہیں گذرتا تو وہ قطعاً مسلمان نہیں ہیں جھوٹ کہتے ہیں اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور قرآن سے جاہل ہے جو ان کو مسلمان سمجھتا ہے"۔ خطبات ص ۱۸۶

نیز رسالہ حقیقت زکوٰۃ میں زیر عنوان "زکوٰۃ کی اہمیت" فرماتے ہیں:۔

"اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے بغیر نماز روزہ اور ایمان کی شہادت سب بیکار ہیں کسی چیز کا بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا" خطبات ص ۱۲۷ شائع کردہ مکتبہ جماعت اسلامی گوشہ محل جدید آباد دکن

پھر لکھتے ہیں:۔

"ان دو ارکان اسلام (نماز روزہ) سے جو لوگ روگردانی کریں ان کا دعویٰ ایمان ہی جھوٹا ہے"۔ (خطبات ص ۱۳۰ زکوٰۃ)

پھر فرماتے ہیں:۔

"قرآن کی رو سے کلمہ طیبہ کا اقرار ہی بے معنی ہے اگر آدمی اس کے ثبوت میں نماز اور زکوٰۃ کا پابند نہ ہو"۔ (خطبات ص ۱۳۳)

مذکورہ بالا تصریحات پر غور فرمائیے پاکستان اور ہندوستان کے وہ تمام سربرآوردہ مسلمان لیڈر جو کہ

برسراقتدار ہیں اور دور دور کے ممالک یورپ اور امریکہ وغیرہ کا سفر کرتے رہتے ہیں بازمانہ سابق میں ان دور دراز ممالک بالخصوص انگلستان کے سفر کر چکے ہیں اور نعمت حج وزیارت مدینہ منورہ سے فائز نہیں ہوئے، سرسید اور جسٹس محمود سے لیکر اس زمانہ کے جملہ اشخاص جن میں علامہ سر اقبال، قائداعظم، نواب زادہ لیاقت علی خاں، سر ناظم الدین وغیرہ وغیرہ بے شمار لیڈران قوم آتے ہیں، سب کے سب کو بیک قلم قطعی اور یقینی طور پر اسلام وایمان سے خارج کر دیا گیا اور فتویٰ صادر کر دیا گیا کہ ان کا اپنے آپ کو مسلمان کہنا جھوٹ ہے. جو شخص بھی اُن کو مسلمان کہے وہ قرآن سے جاہل ہے. اسی طرح وہ تمام اسلامیت کے دعویدار جو زکوٰۃ نہیں دیتے یا نماز نہیں پڑھتے یا روزہ نہیں رکھتے ان کا دعویٰ ایمان جھوٹا ہے اور اُن کا کلمہ طیبہ پڑھنا بے معنی اور اُن کے ایمان کی شہادت غیر معتبر اور بے کار ہے اور چونکہ ایمان اور کفر میں کوئی واسطہ نہیں ایک کے زوال سے دوسرے کا آجانا یقینی ہے. اس لئے جب ان لوگوں کو ایمان اور اسلام سے قطعی طور پر نکال دیا گیا تو قطعی طور پر کفر میں بھی داخل کر دیا گیا. اس طرح کی عمومی تکفیر صرف مودودی صاحب اور اُن کی جماعت یا خوارج کے سوا کلمہ گویان اُمتِ محمدیہ کی کس نے کی اور کب کی گئی؟ بے شک ایسے لوگ فرائض کے تارک گنہگار مستحق عقاب ہیں اُن کو جلد سے جلد توبہ کرنا اور اپنی بداعمالیوں کو ترک کر دینا ضروری ہے (اگر زندہ ہوں) اور خداوندی عذاب کے مستحق ہیں (اگر بلا توبہ مرگئے ہوں) مگر وہ دائرہ ایمان اور اسلام سے خارج نظر شرع میں نہیں کئے جا سکتے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ اور ایمان ضرور بالضرور اُن کو نفع پہونچائے گا. اگرچہ بداعمالیوں کی سزا کے بعد ہی ہو (اگر شفاعت یا دیگر وجود رحمت سے مستفید نہ ہو سکے) مگر ایسے لوگ خلود فی النار سے محفوظ رہیں گے. ذرہ برابر بھی ایمان کا درجہ اُن کے لئے خلود فی النار سے محافظ اور جنت کے دخول کا ذریعہ ہوگا. مودودی صاحب اور اُن کی جماعت کا یہ عقیدہ اُمتِ محمدیہ پر انتہائی ظلم اور خوارج کی طرح غلو فی الدین ہے.

اعمال کو جزوِ ایمان قرار دینا

اس مقام پر جب یہ کہا گیا کہ اعمال اسلامیہ کو جزءِ ایمان بجز فرقہ ہائے ضالہ خوارج اور معتزلہ وغیرہ کسی نے قرار نہیں دیا اور نہ یہ کہا کہ ان کے ترک سے ایمان سے خارج ہو جائے گا. جیسا کہ مودودی صاحب اور اُن کے

تبعین ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ اُن کا مسلک اہل سنّت والجماعت کے مسلک کے بالکل خلاف اور احادیث صحیحہ اور آیات صریحہ کے بالکل منافی ہے تو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اعمال کے جزو ایمان ہونے کے قائل تو تمام سلف محدثین اور شافعیہ اور اہل ظاہر وغیرہ ہیں جو کہ اہل سنت میں سے ہی ہیں مگر یہ جواب بالکل غلط ہے اور دھوکا ہے۔ شافعیہ اور محدثین اعمال کو ایمان کا جزو مقوم نہیں کہتے کہ اس کے عدم سے انعدام ایمان اسی طرح ہو جائے جس طرح جزو کے انعدام سے کل کا انعدام ہو جاتا ہے بلکہ جزو متمم اور مکمل کہتے ہیں اور ان کے انعدام سے کمال ایمانی معدوم ہو جاتا ہے نفس ایمان معدوم نہیں ہوتا جیسے کہ اجسام انسانیہ کے دو قسم کے اجزاء ہیں بعض مکملہ ہیں جیسے انگلیاں، ناک، کان، آنکھ، ہاتھ، پیر اور بعض مقومہ ہیں جیسے دل، دماغ، جگر وغیرہ اعضائے رئیسہ، پہلے قسم کے اعضا کے کٹ جانے سے انسان مرتا نہیں ہے البتہ اس کے حیوانی کمال میں نقصان ہو جاتا ہے، بخلاف دوسری قسم کے اجزاء کے کہ اگر وہ باقی نہ رہیں تو انسان فنا ہو جاتا ہے اس لئے تارک اعمال کی تکفیر نہیں کی جا سکتی خواہ وہ اعمال کتنی ہی عظیم الشان اہمیت رکھتے ہوں امام بخاری فرماتے ہیں۔

المعاصی من امر الجاهلیه ولا یکفر صاحبها بارتکابها الا بالشرك الخ (معاصی رسوم جاہلیت میں سے ہیں (لیکن) عصاۃ کو جب تک کہ ان کی معصیت حد شرک میں نہ داخل ہو کافر نہ کہا جائیگا) امام نووی شافعیؒ ص۲ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:۔

ثم ان اسم الایمان یتناول مافسر به الاسلام فی هذا الحدیث وسائر الطاعات لکونها ثمرات للتصدیق الباطن الذی هو اصل الایمان ومقویات ومتممات وحافظات له ولهذا فسر صلی الله علیه وسلم الایمان فی حدیث عبد القیس بالشهادتین والصلوٰة والزکوٰة وصوم رمضان واعطاء	لفظ ایمان میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو اس حدیث میں بسلسلہ تفسیر اسلام بیان کی گئی ہیں اور تمام طاعات بھی شامل ہیں کیونکہ یہ امر تصدیق کے ثمرات اور مقوی اور متمم ہیں جو کہ اصل ایمان ہے اسی لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد القیس والی حدیث میں ایمان کی تفسیر شہادتین صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم رمضان اور ادائے خمس کے ساتھ کی ہے اور اسی لئے مومن مطلق

الجنس ولهذا لا یقع اسم المومن المطلق	کا لفظ اس شخص پر نہیں بولا جاتا ہے جو کہ مرتکب
علی من ارتکب کبیرۃ او ترک فریضۃ لان	کبیرہ ہو یا تارک فرض ہو کیونکہ مطلق کا اطلاق کامل
اسم شیٔ مطلقا یقع علی الکامل منه ولا	ہی پر ہوتا ہے اور ناقص میں استعمال قرینہ یا
یستعمل فی الناقص ظاهرا الا بقید	قید کے بغیر نہیں ہوتا

اور ص۲۶ میں فرماتے ہیں :-

واعلم ان مذهب اهل الحق انه لا یکفر احد	جاننا چاہیئے کہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اہل قبلہ میں
من اهل القبلة بذنب ولا یکفر اهل الاهواء	کسی کو کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر نہ کہا جائے۔ نہ
والبدع وان من جحد مایعلم من دین الاسلام	اہل اہوا اور اہل بدعت کو کافر کہا جائے لیکن ضروریات
ضرورة حکم بردته وکفره الخ	اور قطعیات اسلامیہ کے منکر خارج از اسلام ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری ج ۱ ص۴۴ میں فرماتے ہیں :-

فالسلف قالوا هو الایمان اعتقاد	سلف صالحین کا مسلک یہ ہے کہ ایمان کہتے ہیں دل
بالقلب ونطق باللسان وعمل بالارکان	سے شہادتین کا اعتقاد کرنا اور اعضا سے مقتضائے شہادت
وارادوا ان الاعمال شرط فی کماله	پر عمل کرنا، زبان سے کلمہ شہادت ادا کرنا سلف نے عمل
ومن ههنا القول بالزیادة والنقص	کرنے کو کمال ایمان کے لئے شرط قرار دیا ہے اور اسی وجہ
کما سیاتی والمرجئة قالوا هو اعتقاد ونطق	سے سلف قائل ہو گئے کہ ایمان میں زیادتی اور کمی واقع
فقط والکرامیة قالوا هو نطق فقط والمعتزلة	ہو سکتی ہے (یعنی اعمال کی کمی اور زیادتی کے اعتبار سے)
قالوا هو العمل والنطق والاعتقاد والفارق	اور فرقہ مرجئہ کا مسلک یہ ہے کہ ایمان اعتقاد شہادت
بینهم وبین السلف انهم جعلوا الاعمال	اور زبان سے ادائے شہادت کا نام ہے (یعنی عمل سے
شرطا فی صحته والسلف جعلوها شرطا	ایمان کا کوئی تعلق نہیں) اور فرقہ کرامیہ کا مسلک یہ ہے
فی کماله۔	کہ ایمان صرف زبان سے ادائے شہادت کا نام ہے اور
	فرقہ معتزلہ کا مسلک یہ ہے کہ ایمان عمل اور نطق شہادت

اور اعتقاد کا مجموعہ ہے۔ معتزلہ اور سلف صالحین کے مسلک میں فرق یہ ہے کہ معتزلہ عمل کو ایمان کے صحیح ہونے کے لئے شرط قرار دیتے ہیں اور سلف صالحین عمل کو صحت ایمان کے لئے شرط قرار نہیں دیتے بلکہ کمال ایمان کے لئے شرط کہتے ہیں (ترجمہ

کلام سابق سے معلوم ہوا کہ علمائے کلام (اشاعرہ و ماتریدیہ) اور شافعیہ و محدثین اور سلف میں نزاع لفظی ہے، علمائے کلام نفس ایمان میں اعمال کی جزئیت کے نافی ہیں، کمال ایمان میں جزئیت کے نافی نہیں اور سلف اور شافعیہ اور محدثین کمال ایمانی میں جزئیت کے قائل ہیں نفس ایمان میں نہیں۔ اس لئے مرتکب کبیرہ اور تارک اعمال مفروضہ کسی کے نزدیک کافر نہیں ہوگا اور نہ نفس ایمان سے محروم ہوگا۔ البتہ کمال ایمانی سے سب کے نزدیک محروم رہے گا۔ اس لئے مودودی صاحب کا ارشاد بالکل اہل سنت والجماعت کے خلاف اور خوارج و معتزلہ ہی کا مذہب ہے جس کو مودودی جماعت اختیار کئے ہوئے ہے اور مسلمانوں کو اسی طرف بلاتی ہے اور اسی میں داخل کرتی ہوئی ان کو خارجی اور معتزلی بنا کر گمراہ کرتی ہے۔ اس پر مودودی صاحب کے یہاں آج ہندوستان اور پاکستان بلکہ تمام دنیائے اسلام کے اکثر بے نہایت مسلمان دائرہ اسلام سے قطعاً خارج ہو جاتے ہیں کیونکہ آج ملت محمدیہ میں بڑی اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے جو تمام یا اکثر یا بعض فرائض کے تارک ہیں، اُن کا کلمہ طیبہ پڑھنا اور اقرار یقین باللہ و بالرسول لغو اور غیر قابل اعتبار ہو جاتا ہے۔

جو حضرات مودودیت کی دعوت دینے کے لئے یہ پروپیگنڈہ کرتے پھرتے اور بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے دام اور جال میں پھنسا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ مودودی صاحب کی تحریروں اور لٹریچروں سے بے شمار انگریزی خواں جو کالجوں کی تعلیم سے بالکل ملحد اور بے دین ہو گئے تھے دیندار ہو گئے ہیں۔ یہ عظیم الشان کارنامہ مودودی صاحب کا ہے جس کی بنا پر سب کو ان ہی کے حلقہ ارادت کی طرف دعوت دی جاتی ہے اور جو حضرات اس دام تزویر میں گرفتار ہیں وہ غور فرمائیں کہ مودودی صاحب کے لٹریچروں سے دائرہ ایمان و دین میں داخل ہونے والے زیادہ ہیں یا ان لٹریچروں کی وجہ سے نکل جانے والے زیادہ ہیں۔ اور غضب تو یہ ہے کہ جو لوگ ان گنہگار مسلمانوں کو دائرہ اسلام و ایمان سے خارج نہیں کرتے ان کو کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ قرآن سے جاہل ہیں حالانکہ قرآن کی متعدد آیتیں اور بے شمار احادیث ان لوگوں

کے ایمان اور اسلام کی شہادت دیتی ہیں اور اُن کو مغفرت اور نجات کی اُمید دلاتی ہیں۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ۔ فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لہا۔ الآیۃ (پ۳ ع۲ البقرہ)

پس جو شخص شیطان سے بد اعتقاد ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش اعتقاد ہو (یعنی اسلام قبول کرے) تو اُس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کو کسی طرح شکستگی نہیں۔

(۲) وقال سبحانہ تعالیٰ ومن یسلم وجہہ الی اللہ وھو محسن فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ والی اللہ عاقبۃ الامور ومن کفر فلا یحزنک کفرہ الینا مرجعھم فننبئھم بما عملوا ان اللہ علیم بذات الصدور (پ۲۱ ع۱۲ لقمان)

(۲) اور جو شخص اپنا رُخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو اُس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا اور اخیر سب کاموں کا اللہ ہی کی طرف پہونچے گا اور جو شخص کفر کرے سو آپ کے لئے اس کا کفر باعث غم نہ ہونا چاہئیے ان سب کو ہمارے پاس لوٹنا ہے سو ہم ان کو جتلا دیں گے جو کچھ کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں۔

(۳) وقال تعالیٰ۔ ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ ولقد اصطفینہ فی الدنیا وانہ فی الاٰخرۃ لمن الصالحین اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العٰلمین (پ۱ ع۱۶ البقرہ)

(۳) اور ملت ابراہیمی سے تو وہی شخص روگردانی کریگا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو اور ہم نے اُن کو دنیا میں منتخب کیا اور آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں جبکہ ان سے اُن کے پروردگار نے فرمایا کہ تم اطاعت اختیار کرو انھوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی۔

(۴) وقال تعالیٰ۔ قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون (پ۳ ع۱۵ آل عمران)

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم اور کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے حق تعالیٰ کو چھوڑ کر پھر اگر وہ اعراض کریں تو کہدو کہ گواہ رہو ہم تو ماننے والے ہیں

(۵) وقال اللہ تعالیٰ. ان اللہ لا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذلك لمن یشاء الآیہ (پ ۵ ع ۱۵ انعام)	بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اس کے سوا جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے۔
(۶) وقال تعالیٰ: قل یاعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمة اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعًا الآیہ (پ ۲۴. ع ۳ الزمر)	آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو. بالیقین اللہ تمام گناہوں کو معاف کردے گا۔
(۷) وقال سبحانہ وتعالیٰ. وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما -الآیہ (پ ع ۱۳ الحجرات)	اگر مسلمانوں میں دوگروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کردو۔
(۸) وقال تعالیٰ. الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولٰئك لھم الامن وھم مھتدون (پ ع ۱۵ انعام)	جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے انھیں کے لئے امن ہے اور وہی راہ پر چل رہے ہیں.
وفسر النبی صلی اللہ علیہ وسلم "الظلم" بالشرك"	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ظلم کی جو اس آیت کریمہ میں ہے شرک کے ساتھ تفسیر بیان فرمائی ہے.
(۹) وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: مامن عبد قال لا الٰہ الا اللہ ثم مات علیٰ ذلك الا دخل الجنة قلت وان زنیٰ وان سرق قال وان زنیٰ وان سرق. قلت وان زنیٰ وان سرق قال وان زنیٰ وان سرق قلت وان	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اللہ کا بندہ کلمہ توحید کا قائل ہو پھر اسی عقیدہ پر اس کو موت آجائے تو وہ ضرور جنتی ہوگا (راوی حدیث یعنی ابوذر صحابی فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ کلمہ توحید کا قائل جنتی ہے چاہے وہ زنا اور چوری بھی کرے؟ آپ نے فرمایا ہاں چاہے وہ زنا اور چوری بھی کرے. پھر میں نے تعجب سے کہا اگرچہ؟

زنى وان سرق قال و ان زنى وان سرق على رغم انف ابى ذر . الحديث (متفق عليه)

زنا اور چوری بھی کرے. آپ نے فرمایا ہاں اگرچہ وہ زنا اور چوری بھی کرے۔ میں نے پھر عرض کیا اگرچہ زنا اور چوری بھی کرے. آپ نے فرمایا ہاں وہ جنتی ہے ابوذر کی ناگواری کے باوجود اگرچہ وہ زنا اور چوری بھی کرے (بخاری، مسلم)

(١٠) وعن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من شهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبده ورسوله . وان عيسى عبد الله ورسوله وابن امته وكلمته القاها الى مريم وروح منه والجنة والنار حق ادخله الله الجنة على ما كان من العمل (متفق عليه)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور بلاشبہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول برحق ہیں اور حضرت عیسیٰ بھی اس کے بندے اور رسول برحق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ایک بندی کے بیٹے ہیں اور کلمۃ اللہ ہیں جن کو حق تعالیٰ نے حضرت مریم کی طرف القا فرمایا تھا اور حق تعالیٰ کی جانب سے ایک روح ہیں اور گواہی دے کہ جنت دوزخ حق ہیں ایسے کو حق تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے اس کے عمل خواہ کیسے ہی ہوں (بخاری، مسلم)

(١١) وعن انس رضي الله عنه . قال يخرج من النار من قال لا اله الا الله وفي قلبه وزن شعيرة من الخير ويخرج من النار من قال لا اله الا الله وفي قلبه وزن برة من خير ويخرج من النار من قال لا اله الا الله وفي قلبه وزن ذرة من خير

انس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ عذاب نار سے ایسے لوگ بالآخر نکال دیئے جائیں گے کہ جو کلمہ توحید کے قائل تھے اور اُن کے دل میں جَو برابر ایمان تھا اور لوگ بھی دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے جو کلمۂ توحید کے قائل تھے اور اُن کے دل میں گیہوں کے دانہ کے برابر ایمان تھا اور ایسے لوگ بھی دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے جن کے دل میں ذرہ برابر ایمان تھا ابو عبداللہ بخاری فرماتے ہیں کہ (راوی) ابان نے کہا کہ

قال ابو عبد الله قال ابان حدثنا قتادة قال حدثنا انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ایمان مکان خیر (صحیح بخاری ملا)

ہم سے قتادہ نے بیان کیا کہ یہ روایت ہم کو انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے بیان کی تھی اور بجائے من خیر کے لفظ من ایمان نقل کیا تھا (بخاری)

کیا اسی قسم کی تعلیم کا نتیجہ وہ نہ تھا جو خوارج سے نہروان وغیرہ میں مسلمانوں اور حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے اصحاب و اتباع کے خون بہانے کی صورت میں ظاہر ہوا اور جو کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے اتباع نے حجاز، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ۱۲۲۰ھ سے ۱۲۳۳ھ تک مسلمانوں کے خون کے دریا بہانے کی صورت میں پیدا کیا۔

(۱۲) رد المحتار حاشیہ درمختار (شامی) جلد ۳ ص۳۳۹ میں ہے۔

کما وقع فی زماننا فی اتباع محمد بن عبد الوهاب الذین خرجوا من نجد و کانوا ینتحلون مذهب الحنابلة لکنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشرکون واستباحوا بذلك قتل اهل السنة وقتل علماءهم حتی کسر الله شوکتهم وخرّب بلادهم وظفر بهم عساکر المسلمین عام ثلاث وثلاثین ومائتین والف۔

جیسا کہ ہمارے زمانہ میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کے تبعین سے پیش آیا کہ انھوں نے نجد سے خروج کیا اور حرم مکہ اور حرم مدینہ پر تسلط جمایا اور اس کے مدعی رہے کہ حنابلہ کے مذہب کے پابند ہیں لیکن ان کا اعتقاد یہ تھا کہ مسلمان صرف وہ لوگ ہیں جو ہمارے ہم مشرب ہیں اور جو ہمارے اعتقاد کے مخالف ہیں وہ سب مشرک ہیں اور اس فاسد عقیدہ کی وجہ سے اہل سنت والجماعت کا قتل کردینا اور ان کے علماء حق کو مار ڈالنا مباح سمجھا۔ ان کا تسلط قائم رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے غلبہ کو فنا کردیا اور ان کے شہروں کو ویران کردیا اور اسلامی شہروں کو ان کے مقابلہ میں کامیابی عطا فرمائی ۱۲۳۳ھ میں۔

اور جو کہ ابن سعود کے تسلط کے وقت میں غطغطا و رد خنہ نے مسلمانوں کو قتل اور اموال کے لوٹنے

کی صورت میں ہویدا کیا اور بالآخر ابن سعود نے تنگ آکر ان قبیلوں کی قوت کا قلع قمع کیا۔ ایسی ہی تعلیمات کے نتیجے ہیں جن کو آجکل مودودی صاحب کے اتباع نے شروع کر دیا ہے۔

ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"یہاں حال یہ ہے کہ جو شخص بھی اس تحریک سے متاثر ہو گیا ہے وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر تمام سلف صالحین کی عظمت و رفعت اپنے دل سے نکال چکا ہے۔ تقلید اس کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتی وہ ہر موقع پر کورانہ تقلید کے الفاظ استعمال کرتا ہے اگرچہ مودودی صاحب کا ربقۂ تقلید اپنی گردن میں ڈال چکا ہو۔ وہ عام مسلمانوں سے اپنے کو کچھ علیحدہ سمجھتا ہے اور اس کی ہر چال ڈھال انداز تکلم ہر حساس آدمی کی نظر میں علیحدہ امتیازی نظر آتا ہے۔ مودودی اور غیر مسلمانوں میں انتشار و افتراق بڑی حد تک پھیل چکا ہے۔ اگر کسی اسکول کا ہیڈ ماسٹر مودودیت سے متاثر ہو چکا ہے تو وہ مذہبی لحاظ سے اپنے چپراسی پر رحم نہیں کرتا۔ اگر کسی کمپنی کا منیجر مودودی ہو چکا ہے تو وہ ایک کلرک کی بھرتی کے وقت مودودی کلرک رکھنا چاہتا ہے۔ بیٹا مودودی ہو گیا ہے تو وہ بوڑھے اور ضعیف حاجتمند باپ کی امداد نہیں کرتا۔ بھائی سے بھائی، چچا سے بھتیجا، ماموں سے بھانجا آپس میں دست و گریباں ہیں پرانی دوستیاں ختم ہو گئیں، عزیزوں میں اختلاف و افتراق رونما ہو گیا۔ جناب محترم ان سب باتوں کی بوقت ضرورت نشان دہی کی جا سکتی ہے"

غور فرمائیے کہ مودودیوں کے اس غلو و افراط کے نتائج ذکر وہ اپنی جماعت کو اصلی مسلمان قرار دیتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو نسلی مسلمان قرار دیکر سلف اور متبعین مذاہب اربعہ اور صوفیائے کرام کو نہایت دلخراش الفاظ سے علانیہ ذکر کرتے ہوئے تکفیر اور تحمیق و تجہیل کرتے ہیں اور سلف صالحین اور صحابہ کرام سے آج تک کے تمام مسلم افراد پر زبان درازیاں کرتے ہوئے تنقید و سب و شتم کرتے ہیں، کہاں سے کہاں تک پہونچ رہے ہیں اور آئندہ ان نتائج کے کیا کیا پھول پھل لگ سکتے ہیں۔ دور بیں اور سمجھدار لوگوں کو متنبہ ہونا اور عبرت پکڑنا از بس ضروری ہے اور جس قدر احتیاط اور انضباط ممکن ہو عمل میں لانا واجب ہے۔ واللہ الموفق۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ محرم سنہ ۱۳۷۱ھ

مکتوب ۱۱

جناب مولانا غلام حسین صاحب (بھاگل پور بہار) کے نام

محترم المقام زید مجدکم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - والانامہ باعث سرفرازی ہوا۔ بدء الاسلام غریبا الحدیث کا ترجمہ یہ کرنا کہ اسلام غریبوں سے پھیلا اور پھر غریبوں میں لوٹ آئے گا لغت عربی کے خلاف ہے۔ ہماری زبان اردو میں غریب کا ترجمہ مسکین اور فقیر سے کیا جاتا ہے یعنی وہ شخص غریب ہے جس کے پاس مال و دولت نہ ہو مگر عربی میں یہ معنی نہیں ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے۔ سب سے پہلے ایمان لانے والے مردوں میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جو مکہ معظمہ میں بہت بڑے تاجروں اور مالداروں میں سے تھے۔ غریب عربی میں اوپرے شخص کو کہا جاتا ہے یعنی وہ شخص جو کہ مشہور اور معروف نہ ہو لوگ عام طور سے اس کو جانتے اور پہچانتے نہ ہوں۔ خواہ وہ مالدار ہو یا مسکین و نادار۔ اسی وجہ سے مسافر کو غریب کہتے ہیں کیونکہ وہ بدیسی ہونے کی وجہ سے لوگوں کی پہچان میں نہیں آتا۔ جو چیز نادر الوقوع ہوتی ہے اس کو بھی غریب کہتے ہیں۔ کیونکہ قلیل الوقوع ہونے کی وجہ سے وہ مشہور و معروف نہیں ہوتی اور اس میں غرابت اور ندرت آجاتی ہے۔ لوگ اس سے مانوس نہیں ہوتے۔

نیز اس حدیث میں اسلام کو ذوالحال قرار دیا گیا ہے جو کہ مجموعہ احکام عقائد و اقرار و اعمال سے عبارت ہے یعنی دین اسلام غریب تھا نہ کہ اہل اسلام اگر اہل اسلام کی غربت مراد ہوتی جیساکہ

حاشیہ مکتوب ۱۱ مولانا غلام حسین صاحب بھاگل پوری ۱۹۴۲ء کی تحریک میں گرفتار ہو کر جیل میں حضرت شیخ الاسلام کی صحبت میں رہے جیل کی وہ زندگی اور حضرت شیخ کی صحبت موصوف کو شاید کبھی فراموش ہو گی جلد اول مکتوب ۲۱ میں آپکا ذکر موجود ہے۔ آپ نے حدیث بدء الاسلام الخ کے مفہوم و معنی کے متعلق حضرت سے سوال کیا تھا جس کی صحیح توجیہ اور مجتہدانہ تحقیق فرما کر حضرت مولانا مدظلہ نے اہل علم پر بڑا احسان فرمایا۔ حضرت نے جن عبارتوں کو نقل فرمایا ہے ان کا مفہوم بھی صاف کر دیا ہے اس لئے ہم اس کے ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھتے ہیں اس جلد میں کسی دوسری جگہ اس حدیث کے مفہوم و معنی پر کلام کیا جا چکا ہے۔ سب کا حاصل ایک ہے - اصلاحی۔

اُردو والے اور آپ کے یہاں کے لوگ کہتے ہیں تو جانب ذوالحال میں لفظ اھل کہا جاتا یا بلد المسلمون کہا جاتا اور جانب حال میں غرباء کہا جاتا۔ بہرحال بہترین توجیہہ حدیث کی یہ ہے کہ دین اسلام اور اس کے عقائد و اعمال سے لوگ ابتداء میں بیگانہ اور غیر مانوس تھے وہ عام انسانوں کی نظر میں اوپرا اور غیر معروف و غیر محبوب اور وحشی تھا پھر رفتہ رفتہ لوگوں کو اس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد اور روحانی تصرف کی وجہ سے اُنس و محبت پیدا ہوئی اور تمام فضا بدل گئی ہر طرف اور ہر قوم میں مذہب اسلام مقبول و محبوب اور مانوس ہو گیا یدخلون فی دین اللہ افواجا" کا سماں بندھ گیا اور جو نہیں مسلمان نہیں بھی ہوئیں وہ بھی اصول و قواعد اسلامیہ کو پسند کرنے لگیں اور اپنے اپنے یہاں کم و بیش اسلامی اصول و اعمال کو داخل کر لیا دین اسلام کا ڈنکا بج گیا اور ہر کہ و مہ میں عزیز و محبوب ہو گیا۔ پھر آخر زمانہ میں یہ فضا بدل جائیگی اور رفتہ رفتہ لوگوں کے مزاج ماؤف ہو جائینگے اور اسلام سے بیگانگی لوگوں میں پیدا ہو کر اس قدر بڑھ جائے گی کہ وہ مثل ابتدا کے بالکل غیر مانوس اور اوپرا بن جائے گا جیسا کہ آجکل مشاہدہ ہو رہا ہے غیر مسلم تو متنفر تھے ہی خود مسلمان بھی اسلامی اصول اور قواعد اور اعمال سے متنفر نظر آتے ہیں دیکھو اہل پاکستان کو کہ وہ اسلامی دستور بنانے پر بھی راضی نہیں ہیں اُن کو کفار اور یورپ والی قوموں اور مشرکین کی باتیں پسند ہیں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اور سیرت اور اُن کی سنتوں سے نفرت ہے۔ جو مسلمان دین پر چلتے ہیں اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اُن کی عیب جوئی کرتے ہیں اُن کے ہر ہر کام پر اعتراض کرتے ہیں اور مشرکین و کفار کی مدح سرائی کرتے ہیں دیندار مسلمان ان کی نظر میں غرباء اور اوپرے غیر مانوس ہوتے جاتے ہیں۔ یہ حقیقۃً نتیجہ اسی کا ہے کہ دین اسلام اور اس کے قواعد اور اصول ان کی نگاہوں میں غیر مانوس اور وحشی بن گئے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مادی امراض کا حال وباء کے زمانہ میں ہوتا ہے وباء کے زمانہ میں ہوا بگڑ جاتی ہے ہر ہر انسان کا مزاج کم و بیش ماؤف ہو جاتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو روحانی وباء پھیلی ہوئی تھی آپ نے اپنی

روحانی قوت سے قضا کو بدلا انسانی امزجہ رفتہ رفتہ صحیح و سالم ہوئے اور اُن کو عمدہ روحانی غذا محبوب اور مانوس ہوگئی۔ اب اس زمانہ میں پھر وہی وبا پھیل گئی ہے اور لوگوں کے امزجہ ماؤف ہوتے چلے جاتے ہیں جس طرح صفراء کے غلبہ یا بلغم وغیرہ اخلاط ردیہ کے غلبہ کے وقت عمدہ عمدہ غذا سے لوگوں کو نفرت ہوجاتی ہے اسی طرح اس زمانہ میں لوگوں کو اعمال اور عقائد صحیحہ سے نفرت ہوتی جارہی ہے تو سیعود غریبا کا سماں اس وقت پیش آرہا ہے اس لئے بشارت دیجاتی ہے فطوبیٰ للغرباء۔ اوپرے اور غیر مانوس لوگوں کو خوش ہونا چاہیئے کہ وہ حقیقت میں اس زمانہ میں مثل اُن صحابۂ کرام کے ہوتے جاتے ہیں جو ابتدائے اسلام میں دین حق کی تابعداری کی وجہ سے لوگوں کی نظروں میں مثل خار کھٹکتے تھے آج یہ مسلمان دیندار بھی حقیر اور غیر مانوس ہوکر نظروں میں خار بنے ہوئے ہیں واللہ اعلم

غرضکہ اس توجیہہ پر لفظ غریب کے معنیٰ اوپرے اور غیر مانوس و بیگانہ کے ہونگے۔ دوسری توجیہہ یہ ہے کہ غریب بمعنیٰ تنہا اور قلیل اور اکیلے کے ہیں۔ مجمع البحار جلد ۳ ص۱۱ میں ہے " ان الاسلام بدأ غریبا ای کان فی اول امرہ کوحید لا اھل عندہ لقلۃ المسلمین وسیعود ای یقلون فی اٰخر الزمان فطوبیٰ ای الجنۃ للغرباء ای للمسلمین فی اولہ واٰخرہ لصبرھم علیٰ اذی الکفار و لزومھم الاسلام" اس توجیہہ پر حال تشبیہہ بلیغ کی صورت میں واقع ہوگا بخلاف توجیہہ اول کے کہ وہاں حالت حقیقی تھی۔ بعض حضرات نے غریب کی توجیہہ نُزّاع قبائل کے ساتھ کی ہے یعنی ہر قبیلہ کے اِکا دُکا لوگ۔ بعضوں نے غریب سے مہاجر مراد لیا ہے یعنی ایمان کی ابتداء مہاجرین سے ہوئی اور آخر میں بھی انہیں میں لوٹ آئے گا جبکہ ایمان تمام دُنیا سے سمٹ کر مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں قرار پکڑیگا۔

دوسری توجیہہ کی بنا پر امام نووی رحمۃ اللہ تعالےٰ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالےٰ سے نقل فرماتے ہیں۔ وظاھر الحدیث العموم وان الاسلام بدأ فی اٰحاد من الناس وقلۃ ثم انتشر وظھر ثم سیلحقہ النقص والاختلال حتی لا یبقی الا فی اٰحاد و قلۃ

ایضًا کما بدأ وجاء فی الحدیث تفسیر الغرباء وھم النزاع من القبائل جلد ۱ ص۸۴

مذکورہ بالا تفصیل سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ جو توجیہہ غریب کی بمعنی نادار اور مفلس کی جارہی ہے وہ غلط ہے اگرچہ یہ بات واقعی ہے کہ مفلسوں اور کم سرمایہ دار لوگوں میں بہ نسبت مالداروں کے تدین اور اخلاص زیادہ ہوتا ہے مگر یہ اخیر زمانہ سے مخصوص نہیں ہے ہر زمانہ میں یہی ہوتا رہا ہے۔ البتہ اسلام کی شوکت کے زمانہ میں تدین امرا اور اغنیاء میں بھی بہت کثرت سے پایا گیا اور اب بہت کم ہے۔ واللہ اعلم۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ

مکتوب ۱۲

جناب مولانا عبدالرشید صاحب خلیفہ و مجاز حضرت مدنی مبارکپور (بہار) کے نام

طریقہ بیعت لینے کا یہ ہے۔

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

حاشیہ مکتوب ۱۲۔ بیعت کے سلسلہ میں چند باتوں کا صاف کردینا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ موجودہ بیعت جو آج علماء اور مشائخ کے یہاں جاری ہے آخر اس کا ثبوت کیا ہے جبکہ یہ منصب خلیفہ وقت کا ہے کیونکہ نہ آج حکومت اسلامی ہے نہ خلیفہ نہ امیر شریعت۔

بلاشبہ بیعت امارت یا خلافت کا حق امیر یا خلیفہ وقت اور امیر لشکر کو ہوتا تھا یہی امیر یا خلیفہ توبہ اور ترک معاصی پر اقرار بھی لیا کرتا تھا لیکن امتداد زمانہ کے بعد جب خلافت سلطنت کی شکل میں تبدیل ہوگئی اور دنیاوی فرماں رواؤں اور دینی مقتداؤں کے دو سلسلے جداگانہ قائم ہوگئے تو بیعت توبہ نے حاکم وقت سے منتقل ہوکر دینی مقتداؤں کے دامن تربیت میں پناہ لی لوگ کسی مقتدائے وقت کے ہاتھ پر توبہ کرلیتے (باقی حاشیہ ص۸۵ پر)

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا ۔

(کہیئے) اشہدان لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشہدان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ گواہی دیتا ہوں میں کہ سوائے اللہ تعالےٰ کے کوئی عبادت کئے جانے کے قابل نہیں اکیلا ہے وہ کوئی اسکا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں میں کہ ہمارے سردار اور ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں ایمان لایا میں اللہ پر جیسا کہ ہے وہ اپنی ذات میں اور اپنی صفات

بقیہ حاشیہ ص۸۴) وہ بیعت توبہ لے لیا کرتا چنانچہ یہی سلسلہ دنیائے اسلام میں اب تک جاری ہے اور اُسے ہمیشہ جاری رہنا ضروری ہے کیونکہ وجود اور ثبوت بیعت پیغمبر صلعم سے ستفیض اور یقینی طور پر ہے

دوسری چیز بیعت کا کیا مفہوم ہے اور بیعت کس کو کہتے ہیں؟ پس جس طرح انسان علوم رسمیہ کے اکتساب میں کسی اُستاد اور معلم کی ضرورت محسوس کرتا ہے ٹھیک اسی طرح علوم باطنی یا بالفاظ دیگر معرفت اور تزکیہ نفس کی تحصیل میں ایک مرشد کامل اور اُستاد فاضل کا محتاج ہوتا ہے لغوی اعتبار سے بیع کے معنے خریدنے اور بیچنے کے ہیں اسلام میں یہ بھی ایک قسم کا معاہدہ ہے جس میں اُستاد یا کسی بزرگ اور صالح کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اقرار کیا جاتا ہے اور اس کی پابندی اہم خیال کی جاتی ہے گویا اس بیعت کرنے والے نے کسی ثواب یا رضائے الٰہی میں اس اقرار کے پورا کرنے کے لئے اپنے کو بیچ ڈالا ہے اسی تلمذ اور معاہدے کا نام بیعت ہے۔

تیسری چیز حکمت بیعت ہے۔ جس کو یوں سمجھا یا جا سکتا ہے۔ کہ خدا کا قانون اور اس کی سنت یوں ہی جاری ہے کہ بہت سے امور خفیہ بذریعہ افعال واقوال نفوس انسانی میں پوشیدہ ومخفی رکھے ہیں۔ بلاشبہ تصدیق خدا اور رسول اور یوم آخرت ایک امر مخفی وکیفیت باطنی ہے لیکن زبان سے اقرار کر لینے کو اس کے قائم مقام تسلیم کیا گیا محض اس لئے کہ ظاہر باطن کی خبر دے اور زبان دل کے پوشیدہ اسرار کی ترجمانی کرے اسی طرح معاہدہ توبہ وعزم بر ترک معاصی و تمسک بحبل اللہ ایک امر مخفی قرار دیکر بیعت کو اس کی جگہ رکھا اور اس کے جمیع احکامات شرعیہ کا اجرا ضروری قرار دیا۔

چوتھی چیز اقسام بیعت ہے۔ کتب تصوف وغیرہ میں بیعت کی بہت سی قسمیں مرقوم ہیں لیکن ان پر کوئی زبردست ثبوت کتاب وسنت سے موجود نہیں ہے البتہ مندرجہ ذیل اقسام کتاب وسنت مستفیضہ سے ثابت ہیں

(۱) بیعت امارت یا خلافت اور جہاد پر لوگوں نے آنحضرت صلعم سے بیعت کی حضرت انس رضی اللہ عنہ غزوہ خندق کے متعلق روایت کرتے ہیں (باقی ص۸۶ پر)

ہیں اور اپنے افعال ہیں۔ اکیلا ہے وہ کوئی اس کا ساجھی اور شریک نہیں اور ایمان لایا میں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں جو کچھ انھوں نے فرمایا وہ سب حق ہے اور ایمان لایا میں اللہ تعالیٰ کے سب پیغمبروں پر اور اس کے سب فرشتوں پر اور اس کی سب کتابوں پر اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر۔

داخل ہوا میں دین اسلام میں سچے دل سے۔ بری اور بیزار ہوں میں سب دینوں سے سوائے دین اسلام کے۔ بیعت کی میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر بواسطہ ان کے خلفاء کے۔ عہد کرتا ہوں کہ شرک نہ کروں گا' کفر نہ کروں گا' بدعت نہ کروں گا' چوری نہ کروں گا' زنا نہ کروں گا' کسی کو ناحق قتل نہ کروں گا' کسی پر بہتان نہ باندھوں گا' جہاں تک ہو سکے گا خدا اور اس کے رسول کی ہمیشہ ہمیشہ اطاعت اور فرماں برداری کرتا رہوں گا۔ اپنی طاقت بھر گناہوں سے بچتا رہونگا اور اگر کبھی کوئی گناہ ہوگیا تو بہت جلد توبہ کروں گا۔ توبہ کرتا ہوں میں اپنے سب گناہوں سے اگلے ہوں یا پچھلے۔ چھوٹے ہوں یا بڑے' ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ جن کو میں جانتا ہوں اور جن کو نہیں جانتا۔ اے اللہ تو سب کچھ سنتا ہے تو سب کچھ دیکھتا ہے تو سب کچھ جانتا ہے۔ تجھ سے کچھ چھپا ہوا نہیں

بقیہ حاشیہ ص۸۵ نحن الذین بایعوا محمداً ٭ علی الجہاد ما بقینا ابداً

حضرت سلمہ بن الاکوع و معقل بن یسار رضا انھیں میں سے ہیں۔

(۲) بیعت توبہ یعنی عزم بر ترک معصیت و التزام حسنات و قربات جو سورۂ ممتحنہ کی آیات و احادیث صحیحہ سے ثابت ہے یہی بیعت علماء اور صوفیہ کے نزدیک متفق علیہ ہے اور امت کا یہ سلسلہ اپنے پیشوا اور ہادی سے متصل ہے۔

مولانا عبدالرشید صاحب الحمدللہ جوان صالح اور حضرت شیخ مدظلہ العالی کے محبوب مجازین میں ہیں ابتدائی تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہوئی اور آخری تکمیل دیوبند سے کی۔ خوش قسمتی سے ایشیا کے سب سے بڑے شیخ وقت حضرت مولانا مدنی دامت برکاتہم کی بارگاہ عالی میں شرف باریابی کی دولت اور بیعت و اجازت کی نعمت و سعادت نصیب ہوگئی اور اپنے شیخ کے معتمد علیہ قرار پائے۔ اسی جلد سوم میں مولانا عبدالمجید صاحب کے نام جو خط ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ مولوی صاحب موصوف سے بہت خوش اور ساتھ ہی ان کی عملی زندگی پر مطمئن ہیں۔ اللہ تعالیٰ عمر میں برکت اور دین میں استقامت ارزانی فرمائے آمین۔

تو گناہوں کا بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ تو بار بار توبہ کو قبول کرنے والا اور کریم ہے۔ میری توبہ قبول فرما اور میرے گناہوں کو بخشدے۔ بیعت کی میں نے . . . کے ہاتھوں پر طریقۂ چشتیہ صابریہ اور طریقۂ چشتیہ نظامیہ اور طریقہ نقشبندیہ اور طریقہ قادریہ اور طریقۂ سہروردیہ میں اے اللہ میری بیعت قبول فرما اور مجھ کو ان سلسلوں کے بزرگوں کے طفیل میں اپنی سچی محبت اور کامل ایمان عطا فرما میرا خاتمہ ایمان پر ہو اور آخرت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ اور آپکی شفاعت اور جنت نصیب ہو۔ دعا . . . .

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ

مکتوب ۱۳

جناب مولوی محمد سالم صاحب ہنسوہ ضلع فتح پور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا تفصیلی والا نامہ ملا۔ مضمون دیکھ کر تعجب ہوا۔ آپ جب چاہتے اپنے اشکالات کو پوچھ سکتے تھے۔ کوئی مرعوبیت کی وجہ نہیں تھی۔ میں یہاں تو دیوبند سے زیادہ مصروف ہوں۔ استفسارات کے جوابات حسب ذیل ہیں

(۱) اخوان المسلمین کے عقائد کی ہم کو کوئی تفصیل نہیں معلوم۔ البتہ جماعت اسلامی کے عقائد

حاشیہ مکتوب ۱۳۔ (۱) رسالہ دارالعلوم دیوبند میں البعث الاسلامی عربی پر تبصرہ شائع ہوا کہ جماعت اسلامی اور اخوان المسلمین دونوں ہم مسلک ہیں اور البعث الاسلامی کو جماعت اسلامی اور اخوان المسلمین کا آرگن قرار دیا۔ اس کے متعلق حضرت شیخ مدظلہ العالی سے دریافت کیا گیا تھا۔

مودودی عقائد و افکار پر مکتوبات کی ہر ایک جلد میں جستہ جستہ بحث آگئی ہے اور سب کا قدر مشترک یہ ہے کہ یہ گروہ گمراہی پر ہے۔ عصمت انبیاء علیہم السلام پر اسی جلد میں کسی مقام پر مفصل کلام کیا جا چکا ہے جس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کے خیالات قطعاً غلط اور مسلک حق کے خلاف ہیں۔ رہگیا اگر عزیزم مولوی ابواللیث سلمہٗ اصلاحی ندوی امیر جماعت کا حضرت شیخ وغیرہم اکابر ملت سے تبادلۂ خیال کرنا یا اپنی غلطیوں کو سمجھنا ہے تو جماعت اسلامی کے بنیادی عقائد خیالات اور افراد کی زندگیاں تحریریں موجود ہیں جن پر علماء حق (باقی ص۸۸ پر)

اُن کی تحریروں سے معلوم ہورہے ہیں اس لئے دونوں کو ایک کہنا غلط ہے۔ مجھ کو دارالعلوم کے تبصرہ مذکور کی کوئی اطلاع نہیں آج آپ کے خط سے معلوم ہوا۔

(۲) جو عقائد مودودیوں کی طرف نسبت کئے گئے وہ رسائل میں مفصل طریقہ پر آگئے ہیں وہ ایک : وہیں ہیں اگر اُن کے وہ عقائد نہیں ہیں تو کیوں نہیں تبری شائع کرتے ہیں ۔ اور جو عبارتیں اُن کی مخدوش ہیں اُن کو اپنی تصنیفات سے کیوں نہیں نکالدیتے ہیں ۔ اگر ان کو واقع میں گفتگو کرنی ہے تو اُس کے لئے باقاعدہ تحریک ہونی چاہیئے۔ ابواللیث صاحب کو اگر اس طرح کی تکلیف دیجاتی تو پھر واپس ہو کر جو چاہتے شائع کرتے اور ہم جو چاہتے شائع کرتے تو یہ تُو تُو میں میں کس طرح ختم ہوتی اس لئے کہدیا گیا تھا کہ ہمارے پاس فرصت نہیں ہے ۔ یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ پیش آیا تھا جبکہ آخیر سال تھا اور کتابوں کی مصروفیت زیادہ تھی اب بھی یہی کہتا ہوں کہ اگر صفائی دل سے گفتگو کرنی ہے تو باقاعدہ تحریک ہو ہم ہر وقت تیار ہیں۔

(۳) پیغمبر بعد البعثت شرک، کفر، کبائر سے صدور سے معصوم ہے اور قبل البعثت

(بقیہ حاشیہ صفحہ) کے سواد اعظم نے گمراہی، بے راہ روی اور اُمت میں تفریق وغیرہ امور سے تعبیر کیا ہے اور بیسیوں مسائل کی غلطی جو عوام کے لئے معصیت، بدعت سیئہ وغیرہ ہوسکتی ہے اور یہی ثابت کرکے رکھدیا مگر ان لوگوں کو جو انبیاء کے مقام سے بولنے اور اقامت فی الدین کے مدعی ہیں یہ نہ ہوسکا کہ کسی ایک دو بنیادی غلطیوں کو مان کر سلف صالحین کی سنت کو زندہ کرنے سے فرمایا گیا ہے۔

؎ کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز ؛ اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا

ابواللیث صاحب سے میری جولائی ۵۳ء میں ملاقات ہوئی اور گھنٹہ بھر اسی طرح کے امور پر گفتگو رہی اور میں نے اُس گفتگو کو تحریری صورت میں اُن کے پاس بھیجکر یہ چاہا تھا کہ کوئی ایسا حل نکال لیا جائے جس سے تفریقا بین المؤمنین کے جُرم کی جو جماعت اسلامی مرتکب ہورہی ہے وہ نہ رہ جائے مگر خط پر خط بھیجنے کے باوجود امیر سلمہٗ نے سکوت اختیار کیا۔ کیا وہ ایمانداری سے کہہ سکتے ہیں کہ میرے خطوط ان کو نہیں ملے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچ چکا ہوں کہ یہ جماعت بھی سابق کی گمراہ جماعتوں کی طرح صریح گمراہی میں مبتلا ہے۔ اللہ ہی چاہے تو راہ راست پر آسکتی ہے ورنہ نہیں۔

شرک اور کفر سے معصوم ہے کبائر کے متعلق اختلاف ہے مگر کسی گناہ کا خیال آنا تو معصیت نہیں ہے پھر اس کا سوال آپ نے کیوں کیا۔ خیال تو اختیار کے اندر داخل نہیں ہے۔

(۴) گنگوہ کے واقعہ میں جو دعوت میں مضمون شائع ہوا ہے وہ بہت زیادہ جھوٹ اور افتراء پر مشتمل ہے۔ بہت سی غلط باتیں شائع کی گئی ہیں۔ حکیم عبدالرشید صاحب نے اس کو شائع کیا ہے ابن تیمیہؒ کی جو چیزیں خلاف جمہور اہل سنت والجماعت ہونگی یعنی اُن کے تفردات وہ یقیناً مردود ہیں۔ ہم اُن کے مقلد نہیں ہیں۔ میں تکفیر اُن کی نہیں کرتا۔

(۵) مودودی صاحب کی اس عبارت کا مطلب مجھ سے آپ کیوں پوچھتے ہیں انھیں سے پوچھیئے ہیں اُن کے اس مضمون (کہ ہر نبی سے ایک نہ ایک غلطی ہوئی اور دوسری اس قسم کی ہفوات) سے تکفیر نہیں کرتا۔ ضلال سمجھتا ہوں۔

(۶) خواب کی تعبیر حضرت رائے پوری زید مجدہم سے پوچھیئے۔

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ

مکتوب ۱۴

جناب مولانا رعایت اللہ صاحب (سہارنپور) کے نام

بعالیجناب فیضمآب مولانا رعایت اللہ صاحب زید مجدہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ حضرت مولانا محمد صادق صاحب اور اہل مدرسہ مظاہر العلوم کی

حاشیہ مکتوب ۱۴ ۔ یہ والا نامہ آبِ زر سے لکھکر پاس رکھنے کے لائق ہے جس پر تجربہ شاہد اور مدارس و تعلیمی اداروں کے حالات گواہ ہیں۔ چنانچہ جن مدارس واداروں میں سختی سے اپنے مسلک مشرب کی پابندی نہیں رہی وہاں سے ہمیشہ گمراہ کن فرقوں کی حمایت ہوئی اور انھیں ایسے گہواروں میں اپنے کاروبار کو چلانے، بدعات اور نفاق عملی کو پھیلانے کا موقع ہاتھ آیا۔ قطب العصر حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کو مودودیت سے جو عقد ہے وہ علی وجہ البصیرۃ ہے اور اس گروہ کے بارے میں جو شرح صدر آپ کو ہے اس کو فراست مومن کے سوا دوسرا کون سمجھ سکتا ہے یہی وہ چیزیں ہیں جن کو "قلندر انچہ گوید دیدہ گوید" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

خیر و عافیت اور مدرسہ کی بہترین حالت معلوم کر کے خوشی ہوئی۔

محترما! ہم نے ہمیشہ اپنے اکابر کا طریقہ دیکھا ہے اور حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کی وصایا میں (جو کہ دارالعلوم دیوبند کے لئے چارٹر ہیں) ہم مشرب ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے اکابر مقلد ہیں حنفی ہیں۔ سُنی ماتریدی اشعری ہیں۔ اہل طریقت (صوفیہ چشتی نقشبندی، قادری، سہروردی ہیں) بدعات سے متنفر اور مجتنب ہیں۔ یہ مشرب ہمارے اکابر اور اسلاف کا رہا ہے۔ اس مشرب کے خلاف ہونے والوں کو ہم نہ سب کو کافر کہتے ہیں نہ سب کو فاسق کہتے ہیں، نہ سب سے ہم عداوت رکھتے ہیں (ہاں اگر کوئی شخص کسی امر مکفر یا مفسق وغیرہ کا مرتکب ہوگا تو حسب استحقاق معاملہ ہوگا) غیر مشرب والوں کا کسی ادارے میں موجود ہونا ہم ادارے کے لئے مضر اور بجائے نفع، نقصان کا موجب سمجھتے ہیں اور یہی تجربہ ہمارا ہے۔ کوئی ادارہ مخالف مشرب کے اجتماع میں پھل پھول نہیں سکتا۔ غیر مقلد یا مبتدع کی شرکت ادارہ کی عملی نظام بالخصوص تدریس اور تعلیم میں مضر اور سبب بربادی ہے حالانکہ ان دونوں کے تفردات تکفیر تک نہیں پہنچتے تو قادیانیوں، شیعوں اور اُن کے جیسے غالیوں کے کیا اثرات ہوں گے۔ ہمیشہ ہمارے اکابر عدم تقلید سے متنفر اور حنفیت اور تقلید کے مقلد اور داعی و دلدادہ رہے ہیں۔ طریقت اور تصوف کے مؤید اور عامل رہے ہیں۔ مودودیت غیر مقلدیت سے بھی نہایت زیادہ گندی اور گمراہ کن ہے۔ مودودی کی تصانیف دیکھئے وہ نہ صرف امام ابوحنیفہ اور ائمہ اور فقہا سے نفرت دلاتی ہے بلکہ وہ صحابۂ کرام اور خلفاء عظام کی بھی توہین کرتی ہے۔ ائمہ حدیث اور مجتہدین کرام کے متعلق زہر اگلتی ہے اگر کوئی مدرس اس خیال کا ہے تو اُس کی تعلیم سے طلبہ میں کیسا زہر پھیل جائے گا۔ آپ خود اندازہ فرمایئے جو شخص حضرت امام ابوالحسن اشعری رح، امام غزالی رح، حضرت مجدد الف ثانی رح، حضرت شاہ ولی اللہ رح، حضرت شاہ عبدالعزیز رح، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح وغیرہم کی شان میں ہرزہ سرائی کرتا ہے اور اس کی تصانیف اس سے بھری ہوئی ہیں اس کی تصویب کرنے والا مدرس طلبہ میں کس ضلال وگمراہی کا باعث ہوگا آپ خود اندازہ فرمایئے۔ اس لئے ہم تو یہی کہیں گے کہ ایسے مشرب والے لوگ ہرگز ادارہ میں نہ ہونے

چاہئیں۔ نہ طلبہ نہ مدرس، مودودی کی تصانیف کو دیکھئے عمل کو جانچئے ہم تو یہاں تک دیکھتے ہیں کہ ہم مشرب شخص بھی اگر بے عمل یا بدعمل ہے تو ادارات تعلیمیہ میں بہت مضر واقع ہوتا ہے۔ میں حاجی قائم الدین صاحب کے عمل کی تصویب کرتا ہوں اگر مولوی عبدالحلیم صاحب مودودیوں کے ہم خیال اور موید ہیں اور انھوں نے اس کی تالیف وغیرہ کا مطالعہ کرکے یہ رائے قائم کی ہے تو یقیناً ان کو ادارہ سے نکال دینا چاہیئے۔ آئندہ آپ حضرات کو اختیار ہے ہم نے جو اعلان مودودیوں کے متعلق کیا ہے سوچ سمجھ کر ان کی کتابیں اور عملی حالت دیکھ کر اور ان کے اثرات کا مشاہدہ کرکے کیا ہے۔ اور جو کچھ ابھی تک نہیں لکھا اور نہیں شائع کیا ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ اُن کی تالیفات گمراہیوں سے بھری ہوئی ہیں فالحذر الحذر والسّلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند۔

مکتوب ۱۵

جناب مولوی شبیر احمد صاحب دھرم پوری غازی پور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ سوالات کے مختصر جوابات ارسال ہیں:۔

(۱) جب تک نماز کے پورے وقت میں اتنا وقت نہ مل سکے کہ وضو اور فرض کو بلاعذر ادا کر سکیں جب تک انسان معذور شرعی شمار نہیں ہو سکتا اس لئے بار بار ہی وضو کرنا ہوگا۔ البتہ ریاح کو صرف اسی وقت ناقض وضو شمار کیا جائے گا جبکہ ظن غالب ہو جائے کہ ریح خارج ہوئی۔

(۲) نماز ہو جائے گی وہم نہ کرنا چاہیئے۔

حاشیہ مکتوب ۱۵ (۱) خاکسار کو تقریباً بارہ برس سے بواسیر خونی کا عارضہ ہے۔ چھوٹا استنجا کر لینے یا پاخانے کے بعد ریاح کی کچھ دیر کے لئے کمی ہو جاتی ہے اس طرح کسی صورت سے نماز ادا کرتا ہے لیکن بعض وقت اس قدر ریاح کی کثرت رہتی ہے کہ ایک وضو سے چار رکعت پڑھنا غیر ممکن ہو جاتا ہے ایسی صورت میں بعد ادا کیا کرے (۲) بعض وقت ایک عجیب قسم کی ریاح چلتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ پیٹ کے (باقی ص۹۲ پر)

(۳) اگر جماعت نقض وضو کی وجہ سے چھوٹ جائے تو حرج نہیں۔ اس کے لئے معذوری ظاہر ہے۔ اگرچہ شرعی معذوریت طہارت کے بارے میں نہیں ہوتی ہے، مولانا نے جو کچھ فرمایا ہے بجز اس عبارت کے دیکھنے کے معلوم نہیں ہو سکتا۔

(۴) اس کے جواب کی حاجت نہیں علاج کیجئے۔

(۵) چار زانو بیٹھ کر نماز پڑھنے میں حرج نہیں بالخصوص ایسی معذوریت کی حالت میں جو کہ آپ کو ہے۔ درود شریف پہلے یا بعد میں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ کو اختیار ہے جس طرح آسان ہو عمل کریں۔

(۶) میرے پاس خطوط کے گڈے کے گڈے جمع ہیں مجھے عدیم الفرصتی بہت زیادہ ہے اور خطوط کی کثرت بھی بہت زیادہ ہے اس لئے ممکن ہے کہ آپ کا والا نامہ پہونچا ہو اور ذخیرہ میں جمع ہو۔

(بقیہ حاشیہ ص۹۱) اندر سے چلی اور پھر پاخانہ کے مقام تک آکر واپس ہوتی ہے نہ ہوا خارج ہوتی ہے نہ آواز لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ پاخانہ کے مقام تک ریاح کا دورہ ہو گیا نماز ہوئی یا پھر سے وضو کر کے پڑھے (۳) حضرت تھانوی مدظلہ العالی کی خدمت میں لکھا تھا تو حضرت نے تحریر فرمایا کہ اس کا جواب مختصر سے کارڈ میں نہیں آسکتا۔ کوئی تسکین بخش حل فرما دیجئے مولانا نے معذور قرار نہیں دیا یا نہ جانے کیا لکھا (۴) یہ ریاح کی صورتیں ہمہ وقت نہیں رہتی ہیں بعض روز سخت حملہ رہتا ہے۔ مختلف حالتیں رہتی ہیں (۵) وظیفہ چھ تسبیح برابر جاری ہے اکثر حضور والا کی زیارت خواب میں ہوتی ہے۔ ہماری بستی میں مولوی عبد الحمید صاحب ہیں جو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں وہ کہتے ہیں کہ چوزانو بیٹھ کر مت پڑھا کرو۔ نماز میں جس طرح بیٹھتے ہو ویسے بیٹھا کرو اور اس طرح مسلسل بیٹھنا تکلیف دہ ہے۔ تابعدار کس طرح بیٹھے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ درود شریف پہلے پڑھنا چاہیئے۔ حضرت مولانا مدنی سے پوچھ لینا۔ تابعدار کو جس طرح تعلیم فرمائی گئی اسی طرح پڑھتا ہے۔ (۶) حضور والا کی خدمت میں دیوبند کے پتہ پر دو لفافے تابعدار نے بھیجے تھے جواب سے محروم رہا (۷) اگر کوئی شخص نفل نماز پڑھ رہا ہے اور کسی وجہ سے تمام نہ کر سکے تو بغیر اس نفل کی قضا ادا (ارادہ) پڑھے فرض و سنت نماز اس کی ادا ہوگی یا نہیں؟ (۸) تابعدار کی صحت خراب رہتی ہے حضور والا سے گذارش ہے کہ صحتیابی کے لئے دعا فرمائیں۔ تابعدار شبیر احمد عفی عنہ دھرمر پوری ضلع غازی پور۔

(۷) ادا ہو جائے گی وہ قاعدہ فرائض کے لئے ہے

(۸) انشاء اللہ دعا کروں گا۔ والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب ۱۶

جناب مولانا محمد طیب صاحب بمدرسہ فیض آباد کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مراقبہ کی زیادتی کہنے رہیے کہ دوام حضور قائم ہو جائے۔ یہ جسمانی اور مادی تکالیف اندیشناک نہیں بلکہ ذکر کی تاثیرات ہیں جیسے اجزار ناریہ دخان میں اجزار ارضیہ کو اپنے مرکز کی طرف اُٹھا لیجاتے ہیں اور درمیان میں تصادم کی وجہ سے برق، رعد اور صاعقہ وغیرہ پیش آتے ہیں یہی حال سالک کو ذکر کے ساتھ پیش آتا ہی

هنيئاً لارباب النعيم نعيمهم الخ

تاہم آپ ذکر جہر بارہ تسبیح کو موقوف کر دیجئے اور علیٰ ہذا القیاس اسم ذات کو بھی بند کر دیجئے باقی اذکار یعنی پاس انفاس اور ذکر قلبی جو کہ جاری ہیں باقی رکھئے اور مراقبہ میں ترقی کیجئے۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ رمضان المبارک بانس کنڈی آسام

مکتوب ۱۷

جناب غلام پیر صاحب یوسف پور محمد آباد غازیپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج مبارک

(۱) میرے محترم پاس انفاس سے اصلی غرض یہ ہے کہ انسان کا کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ رہے نہ اندر جانے والا سانس نہ باہر نکلنے والا سانس۔ انسان دن رات میں تقریباً پچیس ہزار

حاشیہ مکتوب ۱۶۔ نفاق اور اخلاص ایک دوسرے کے ضد ہیں جہاں نفاق وہاں اخلاص نہیں اور جہاں اخلاص وہاں نفاق نہیں۔ اخلاص پر جلد اول میں کلام کیا جا چکا ہے اس مکتوب گرامی میں (باقی ص۹۵ پر)

سانس لیتا ہے سب کا سب ذکر سے معمور ہے۔ عمر عزیز کا جو حصہ بھی ذکر میں گذرے وہی زندگی ہے اور وہی مفید ہے۔ ؎

صبر کن حافظ زسختی روز و شب ❊ عاقبت روزے بیابی کام را

(۲) توکل کی عادت ڈالئے اور اللہ تعالیٰ ہی پر ہر کام میں اعتماد اور بھروسہ کیجئے انشاء اللہ تدریجی طور پر اثر ہوگا۔ ؎

تو مگو ما را بآں شہ بار نیست ❊ بر کریما کارہا دشوار نیست

(۳) بیشک یہ امور ثلاثہ جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا نفاق کے شعبے ہیں مگر یہ نفاق عقیدہ نہیں ہے نفاق عملی ہے ان کو جہاں تک ممکن ہو چھوڑنا چاہیئے اور اُس کے ترک کی کوشش میں لگے رہنا چاہیئے اور بارگاہ خداوندی میں استغفار کرتے رہنا چاہیئے اور اسی سے دعا مانگتے رہنا چاہیئے کہ وہ کریم کارساز ان تمام بُری عادتوں اور تمام ناپسندیدہ اخلاق اور اعمال سے ہم کو بچائے اور موجودہ ناسزا امور کو دور کرے۔

(۴) آپ ذکر اور اتباع شریعت وسنت پر مداومت کرتے رہیئے انشاء اللہ اصلاح رفتہ رفتہ ہو جائے گی۔ اہل وعیال اور اُن کی خبر گیری چھوڑ کر میرے پاس آنا بہتر نہیں ہے۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ

بقیہ حاشیہ صـ۹۳ نفاق کی دو قسموں پر اشارہ فرمایا گیا ہے۔ یعنی نفاق اعتقادی دوسرے نفاق عملی۔ پہلا زیادہ سنگین ہے۔ کیونکہ اس میں سرے سے قلبی تصدیق ہی نہیں ہوتی ہے اسی کو اصلی نفاق کہا جاتا ہے اور اس اعتبار سے جو منافق ہے اس میں اور کافر میں آخرت کے دن کوئی فرق نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں ہوگا۔ اور عملی نفاق یہ ہے کہ اس نے دل سے تصدیق کرلی ہے صرف اعضاء وجوارح کے اعمال پورے طور پر ادا نہیں کرتا تو اس کو فاسق کے نام سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور بعض سلف سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر دل کا عمل تصدیق کے ساتھ فوت ہو رہا ہے تو یہ نفاق عمل ہے۔ نفاق دراصل قلب کی ایک خاص حالت کا نام ہے اور وہ ایک ملکۂ رذیلہ اور کیفیت راسخہ ہے جس میں انسان بالکل فنا ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس سے قسم قسم کے گناہوں کا صدور ہونے لگتا ہے تفصیلی بحث تفہیمات الٰہیہ اور حجۃ اللہ میں ملاحظہ ہو۔

مکتوب ۱۸

جناب بابو سراج الحق خاں صاحب سیدہاری اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ والانامہ باعث سرفرازی ہوا والدہ ماجدہ کے انتقال سے صدمہ ہوا۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے فضل و کرم سے نوازے اور اپنی جوار رحمت میں جگہ دے آمین۔ مرحومہ کا اتنی مدت دراز تک بیمار رہنا اُن کی مغفرت کے لئے ذریعہ تو یہ ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان کو جو بھی تکلیف بیماری، غم درد وغیرہ کی پہونچتی ہے حتیٰ کہ اگر کانٹا چبھ جاتا ہے تو وہ اس کے گناہوں کے لئے کفارہ اور ذریعہ معافی ہو جاتا ہے دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اس کو مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر کے گناہوں سے پاک و صاف کر کے اٹھاتا ہے اس قسم کی متعدد روایات ہیں جو کہ نہایت امید افزا ہیں۔ مرحومہ نے سال بھر سے زیادہ بیماری وغیرہ کی تکالیف اٹھائیں یہ امور اُن کی مغفرت کے لئے شاہد عدل اور ذریعہ ہیں میں دعا کرتا ہوں؛ آپ کو بھی چاہیئے کہ صبح و شام کم از کم ایک ایک تسبیح استغفار کی اُن کے لئے پڑھا کریں اور اس کے علاوہ جو ذرائع اُن کی مغفرت کے لئے ممکن ہوں اُن میں کوتاہی نہ فرمائیں۔

خاندان میں میل جول اتفاق و اتحاد ہونا بہت مفید اور ضروری ہے اور جو میل بھی باعزت میل جول کی ہو اس میں کوتاہی نہ ہونی چاہیئے افسوس ہے کہ بابو فضل صاحب عقلمندی کی باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتے اور غلط طریقوں کو اختیار کئے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اور تمام خاندان کو اپنی رضا اور خوشنودی پر چلائے اور اعمال صالح کی توفیق عطا فرمائے۔ صبر جمیل کو اختیار فرمایئے۔ اور جہاں تک ممکن ہو اتباع شریعت میں کوشاں رہیئے۔ میں دعا کرتا ہوں۔

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۹ جمادی الاولیٰ ۷۰ ۱۳ھ

مکتوب ۱۹

جناب حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور کے نام

یظن الناس بی خیرا وانی ؛ لشر الناس ان لم یعف عنی

سیدنا المحترم اعلی اللہ درجاتکم فی الدارین آمین ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا ۔ آنجناب کا حسن ظن ہی امید نجات کا ذریعہ ہے ورنہ واقعی حالت اور اعمال یاس ہی یاس کے موجب ہیں " گر بدربارہ و برآوردہ" کی کیفیت ہو اختال حکم باعث شرف ہے اعانت بالدعوات الصالحہ کا متمنی ہوں ۔

یہ کارڈ ارسال ہو ۔ میں مرسل اور اس کے احوال سے بالکل واقف نہیں ہوں اگر کسی معتبر ذریعہ سے اُن کے احوال دریافت فرماکر جلد خبر دیں تو بڑا احسان ہوگا ۔ میں انشاء اللہ ۳ ۔ ۴ شوال تک یہاں سے روانہ ہوجاؤں گا ۔

والسلام ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ بانس کنڈی کچھار آسام ۱۹ ر رمضان المبارک ۷۵ھ

مکتوب ۲۰

جناب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مزاج مبارک ۔ سفر پاکستان سے

حاشیہ مکتوب ۱۹ ر کیا ر : محمد سلیمان اندرون محلہ میرکوٹ سہارنپور کا تھا جنھوں نے اپنی ہمشیرہ کے نکاح کے لئے حضرت دامت برکاتہم سے اعانت روپیہ کی درخواست کی تھی جواباً حضرت شیخ الاسلام نے ۲۵ روپئے اسی وقت روانہ کرادیئے اور پھر حالات کو بھی دریافت فرمایا ایسے نہ معلوم کتنے ہیں کہ جن کی مدد حضرت فرماتے رہتے اللہ تعالی حضرت کے فیض کو دائم وقائم رکھے آمین ۔ صد افسوس اس کی اشاعت حضرت کی وفات کے بعد ہوگی اور فرماتے رہتے ہیں کے بجائے فرماتے رہتے تھے پڑھنا پڑیگا ۔

بخیریت واپسی پر بہت خوشی ہوئی نیز وہاں سے چندہ اور اس کی منتقلی کی کامیابی اور زیادہ موجب سرور ہے کاش ان مواعید کو فعلیت کی نوبت جلد آجائے۔

مناسب ہوگا کہ دارالطلبہ کے حجروں کی سفیدی اور مرمت وصفائی ان ایام میں قبل از ہجوم طلبہ کرالی جائے۔ ہر وارد اس کو دیکھتا ہے۔ ابھی تک ضروری درسگاہوں کا کوئی سامان نہیں ہوا۔ شاہ سعود کے روپئے اسی لئے تھے جو کہ بطور دستگرداں خرچ ہوئے درس گاہوں کی قلت بہت زیادہ پریشان کن ہے۔ نیز طلبہ کے حجروں کی کمی بہت زیادہ محسوس کی جاتی ہے۔ چندہ کی رفتار ذکر فرمودہ باعثِ تشکرات واطمینان ہے مگر گجرات سے آنے والے وہاں کے چندہ کو بہت کم فرماتے ہیں جس کا سبب مفتی صاحب کا نہ جانا بیان کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

بحمد اللہ یہاں کا موسم بہت خوشگوار ہے۔ کئی روز سے ساون بھادوں کا سماں ہے۔ ابر محیط ہے۔ جھڑی لگی ہوئی ہے۔ طپش کا نام بھی نہیں ہے۔ روزوں میں پیاس کا واہمہ بھی نہیں گذرتا۔ اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازے آمین۔

سنا گیا ہے کہ مودودیان کرام تبلیغی اور دعوت وغیرہ میں یتدگان والا اور قدام پر بہت زیادہ کیچڑ اچھال رہے ہیں "حسبہم اللہ"

والسلام ننگ سلاف حسین احمد غفرلہ بانس کنڈی کچھار آسام ۲۰ رمضان المبارک ۷۵ھ

مکتوب ۲۱

جناب مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی مدظلہ نائب امیر شریعت بہار کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ ذکر کی جو کیفیت آپ نے تحریر فرمائی ہے باعث مبارکبادی ہے اللھم زد فزد آمین اب آپ بارہ تسبیح اور پاس انفاس

حاشیہ مکتوب ۲۱۔ حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت صوبہ بہار ہندوستان کے ان مشاہیر میں سے ہیں جو اپنے علم وعمل میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ موصوف حضرت شیخ الہند اسیر مالٹا کے (باقی ص۹۸ پر)

(جو کہ جاری ہے) اُس کے ساتھ ذکر قلبی بھی روزانہ کم از کم تین ہزار مرتبہ کر لیا کریں۔ یہ ذکر قلبی محض تصور اور دھیان سے ہوگا یعنی یہ تصور کیا جائے کہ قلب سے اللہ اللہ نکل رہا ہے اس میں زبان یا سانس کی طرف توجہ نہ ہو بلکہ یہ دھیان ہو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے قلب اس کا نام نامی لے رہا ہے اور اللہ دیکھ رہا ہے اور سن رہا ہے دن و رات میں بالفعل تین ہزار مرتبہ اس کو عمل میں لائیں پھر اس کو رفتہ رفتہ بڑھائیں تا آنکہ مثل پاس انفاس یہ بھی جاری ہو جائے۔ بیوی بچوں کے حقوق شرعیہ ادا کیجئے مگر دل میں محبت فقط اللہ تعالیٰ ہی کی ہونی چاہیئے۔

والسّلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند ۲۳ محرم ۷۶ھ

مکتوب ۲۲

جناب مولانا محمد سعید صاحب سملکی رکن مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند کے نام

مخدوم المقام زید مجدکم۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ والانامہ سابقہ اور لاحقہ حاملہ السامیہ ۱۳۲ بمد صرف طلبہ اور ما ۵ برائے قربانی پہونچ گیا اطمینان فرمائیں۔ حسب ارشاد سابق مدینہ منورہ کو آپ کے لئے دو کمروں کو مدرسہ شرعیہ میں سید حبیب سلمہ کو لکھد یا گیا... طلبہ کے لئے یکم ذیقعدہ سے کھانے جاری کر دیئے گئے۔ کاغذات حساب طلبہ جمادی الاول ۷۵ھ تک کے آپکو دیدیئے گئے تھے۔ ماہ جمادی الثانی سے آگے تک کے ہمارے پاس ہیں حساب ان کے ساتھ بھیجا جائیگا۔ آپکے ارادہ سفر حج سے خوشی ہوئی اللہ تعالےٰ اپنی قبولیت اور رضا سے نوازے آمین

(۲) ڈابھیل کی تعلیمی حالت اور انتظامی کیفیت معلوم نہیں ہوئی مولانا عبد الحلیم صاحب کا تار آیا

بقیہ حاشیہ صـ۹۷۔ شاگرد اور ہمارے اُستاد حضرت مولانا حمید الدین فراہی صاحب تفسیر نظام القرآن عربی سے قرآن مجید کی مشکلات وغیرہ پر کچھ دنوں پھر اہا علم گڈھ رہ کر استفادہ فرمایا ہے۔ حد درجہ متین خاکسار اور خاموش بزرگ ہیں۔ بہت سی کتابوں کے مصنف اور کتابوں کے کیڑا ہیں اسی وجہ سے صحت خراب رہا کرتی ہے اللہ رحم فرمائے۔

تھا کہ وہ یکم جولائی ۵۶ئہ کو ڈابھیل پہونچیں گے خدا کرے ان کا اور دیگر کارکنان تعلیم وتنظیم کا شغلہ راست آئے اور باعث طمانینت وترقی ہو۔

(۳) غسلخانہ کا حسب تحریر ارادہ ہو گیا ہے۔ تخمینہ مسلک ہے دریاں بن رہی ہیں انشاء اللہ اسی مہینہ میں آجائیں گی۔

(۴) مدرسہ میں دینی تعلیم کی جد وجہد کی کیفیت سے بھی اطمینان ہوا آپ کا والد مرحوم کی جگہ پر خدمات دینیہ کا انجام دینا باعث تشکرات ہے جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ نیز اتباع شریعت اور احیاء سنت میں آپکی مساعی سے بہت خوشی ہوئی خصوصاً اذکار کی پابندی بہت امید افزا ہے اس میں کسل کو راہ نہ دیجئے اور مردانہ وار قدم بڑھائیے۔ عمر عزیز کا ہر حصہ بالخصوص شباب کا زمانہ بہت ہی قیمتی اور کار آمد ہے اس میں ذکر وشغل بہت زیادہ موثر اور دیر پا ہوتا ہے اس کو غفلتوں میں ضائع کرنا خسارۂ عظیمہ ہے اس کو غنیمت کبریٰ سمجھنا اور اس کو موجبات رضوانیہ ذکر وفکر سے معمور رکھنا از بس ضروری اور مفید ہے۔

ع من نکردم شما حذر بکنید

(۵) والدہ مرحومہ کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے فضل وکرم سے نوازے اور اپنی خصوصی رحمتوں سے ڈھک لے آمین .... والدین کا سایہ ظل رحمانی ہے وہ جس قدر بھی دراز ہو لبا غنیمت ہے اولاد اور متعلقین کو صدمہ اور قلق ضرور ہوتا ہے مگر ہم کو طبعی امور کو اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر قربان کرنا از بس ضروری ہے۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند۔

مکتوب ۲۴

ایضاً بنام مولانا محمد سعید صاحب موصوف

جنابعالی دعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میرا خیال تو یہی ہے کہ اولاً مدینہ منورہ حاضر ہوں اور وہاں اوائل ذی الحجہ تک مقیم رہ کر مکہ معظمہ کو روانہ ہوں اور حج سے فارغ ہو کر جلد از جلد واپس

ہندوستان کو ہوں ۔

(۱) یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ پہلے مکہ معظمہ جانا افضل ہے یا مدینہ منورہ مگر آیت ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ اور قاعدہ شفاعت اسی کا مقتضی ہے کہ پہلے شفیع کی خلوت میں حاضر ہوں اور اسی کو لیکر شہنشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اسی کو ترجیح دیتے ہیں کہ مدینہ منورہ اولاً حاضر ہوں۔ آئندہ اختیار ہے مطوفین اس کے خلاف زور دیتے ہیں اس میں اُن کے مصالح ہیں ۔

(۲) شوافع کے یہاں حرم کی کوئی چیز جنس ارض کی حتیٰ کہ صراحیاں بھی حرم سے نکالنی جائز نہیں مگر حنفیہ غیر ضروری اور زائد کی یا اُن چیزوں کی جو انسانی ضرورتوں کے لئے بنائی گئی ہوں اجازت دیتے ہیں (۳) حنفیہ کے نزدیک جائز ہے (۴) ہر دو حنفیہ کے یہاں درست ہے ۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

حاشیہ مکتوب ۲۳ جناب مولانا محمد سعید صاحب سملکی ڈابھیل ضلع سورت حضرت مولانا احمد صاحب بزرگ کے صاحبزادے صاحب نسبت بزرگ ہیں آپ کے والد بزرگوار حضرت گنگوہیؒ کے خدام میں تھے جن کا ذکر تذکرۃ الرشید میں اکثر جگہ آیا ہے ۔ آپ ہی نے ڈابھیل کے مدرسہ کو ترقی دی اور جامعہ حاصل کر کے مدرسہ کو خود کفیل بنایا بعد کو ۱۹۶۸ء میں ڈیڑھ دو لاکھ روپئے سے مسلم ایجوکیشن انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا جس کو آج اپنے خلف الصدق مولانا محمد سعید صاحب چلا رہے ہیں ۔ سالانہ خرچ ۱۵ ہزار روپئے ہیں ۔ مولانا محمد سعید صاحب امانت ، دیانت اور خوش اخلاقی اور مہمان نوازی میں حضرت شیخ الاسلام مدظلہ کا پرتو ہیں اللہ تعالےٰ عمر میں برکت دے اور اخلاص سے نوازے آمین ۔ حضرت شیخ الاسلام مدظلہ جب ۱۳۷۰ھ میں حج بیت اللہ تشریف لے گئے تھے تو مولانا محمد سعید صاحب نے شرف ہمرکابی کی سعادت کے دوران چند سوالات بھی کیے تھے جو برائے افادہ ناظرین مکتوبات درج کیے جا رہے ہیں ۔ اصلاحی ۔

سوالات : (۱) ۲۰ شوال ۱۳۷۰ھ محمدی جہاز پر عرض کیا گیا کہ پہلے مدینہ منورہ حاضری دیجائے یا میقات سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ جائیں ؟ (۲) حرم شریف کی کنکریاں یا خشت یا شکستہ پتھر وغیرہ بطور تبرک لیکر اپنے پاس رکھنا کیسا ہے ؟ (۳) لیمہ یا جالی ارکنان مسجد نبوی صلعم حرم شریف سے کسی پتھر کو بطور تبرک حاصل کرنا کیا حکم رکھتا ہے ؟ (۴) اشیاء مذکورہ بصورت خرید یا ہدیہ درست ہے یا نہیں ؟ ۲ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ مدینہ منورہ (محمد سعید)

مکتوب ۲۴

بنام جناب سکریٹری صاحب و اراکین مدرسہ عربیہ بانس کنڈی آسام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مجھ کو خطوط سے معلوم ہوا کہ مولینا احمد علی صاحب بدرپوری بانس کنڈی پہونچ گئے مگر آپ حضرات نے ان کو مدرسہ میں درس و تدریس کی اجازت نہیں دی ہے آپ کو اس میں توقف ہے اور شیطانی نزعات سنی پوری اور بنگالی کے آپ کو ستا رہے ہیں ۔

محترما ۔ مولانا احمد علی صاحب بدرپوری دارالعلوم دیوبند میں کئی سال رہے ہیں اور تمام کتابیں درسیہ نہایت محنت اور شوق سے پڑھی ہیں امتحانات میں نہایت اعلیٰ نمبر آئے ، چال چلن نہایت عمدہ ، سلوک طریقت میں پوری جد و جہد کرتے رہے اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے بہت کامیاب ہوئے طبیعت نہایت سلیم پائی ہے ۔ قلب میں تقویٰ اور اخلاص ہے ۔ ایسے سعید اور قابل اشخاص بہت کم ہوتے ہیں ۔ حرمین شریفین میں بہت دنوں تک نہایت دینداری اور تقویٰ کے ساتھ رہے ہیں ۔ اور اللہ تعالےٰ کے فضل اور توجہات نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) سے سرفراز ہوتے رہے ہیں نہ صرف آپ کے ضلع کچھار بلکہ صوبۂ آسام و بنگال کے لئے مایۂ فخر بلکہ تمام ہندوستان کے اندر ان کے مثل افراد اقل قلیل ہیں ۔

مدینہ منورہ میں اسی سال ان کے متعلق تذکرہ پیش کیا گیا اور ان کے متعلق یہ مشورہ ہوا کہ ان

حاشیہ مکتوب ۲۴ ۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب بدرپوری زیدت معالیہ کے بارے میں حضرت اقدس دامت برکاتہم کا یہ والا نامہ بڑا ہی وزن رکھتا ہے اور مجھ کو تو اس بات کی خوشی ہے کہ ہماری جماعت میں الحمدللہ ایسے بزرگ بھی موجود ہیں جن کے مثل ہندوستان میں بہت کم ہی لوگ ہیں ۔ اصل کمال تقویٰ اور اخلاص کا ہے جو بدقسمتی سے بہت ہی کمتر از کبریت احمر ہے ۔ کاش مولانا بدرپوری سے کبھی ملاقات کا شرف حاصل ہوجاتا ۔

کو کہاں رہنا چاہیئے۔ میرے پاس اُن کے طلب کرنے کے مختلف مقامات سے خطوط آئے ہوئے تھے پاکستان شرقی سے ۴۔ ۵ جگہ سے خطوط تھے اور ضلع کچھار بدرپور سے بھی اور آسام برم پتر والے کے گوال پاڑے سے بھی ان کی طلب تھی میں نے خود طلبہ آسام و بنگال میں دیوبند میں ان کو نہایت ہر دلعزیز دیکھا تھا سب جگہ سے اُن کے لئے تنخواہ بڑی مقداریں دینے کے وعدے تھے کئی آدمی صوبہ بنگال اور آسام کے اس سال حج میں شریک تھے جو ان کو اپنے یہاں لے جانے کے لئے اصرار کر رہے تھے۔ مگر چونکہ مجھ کو مدرسہ بالس کنڈی سے بہت زیادہ محبت ہے میں چاہتا ہوں کہ آپکا مدرسہ تمام صوبہ میں دین اور علوم دین کا مرکز ہو جائے اور اس طرف کے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فیض پہونچے اس لئے میں نے ان کو مشورہ دیا کہ تم بالس کنڈی میں قیام کرو۔

میرے محترم! مولوی احمد علی صاحب کا آپ کے مدرسہ میں رہنا بہت مفید اور بہت کارآمد اور غنیمت کبریٰ ہے ان کی قدر و منزلت کیجئے اور اُن کو خوش رکھ کر دین اور علم دین کو پھیلایئے۔ اُن کے جیسا آدمی لایق اور متقی اگر چراغ لیکر ڈھونڈھیں گے تو نہیں ملیگا۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند ضلع سہارن پور ۱۳۷۵ھ

مکتوب ۲۵

محترم المقام زید مجدکم۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ والانامہ مورخہ ۱۶ ذیقعدہ باعث سرفرازی ہوا۔ احوال مندرجہ سے بہت خوشی ہوئی۔ آپ کو مشکوٰۃ شریف کی تدریس تفویض ہوئی ہے بڑی خوشی کی بات ہے علم حدیث کا اشتغال بہت ہی مبارک ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی تعلق بہت قوی ہو جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فیوض الحرمین میں لکھا ہے کہ میں نے مشاہدہ کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشتغلین حدیث کے درمیان میں ایک نورانی دھاگہ متصل ہے اس لئے اُنھوں نے وصیت فرمائی ہے کہ تمکو اشتغال بالحدیث رکھنا چاہیئے تعلیماً ہو یا مطالعۃً تحریراً ہو یا کسی اور طرح اس کو ہمیشہ باقی رکھنا

چاہیئے ۔ اس اشتغال میں ہمیشہ سلف صالحین کا اتباع اور ادب ملحوظ رکھنا چاہیئے ۔ شرح اور حواشی کا مطالعہ کرتے رہیں ۔ ہر قول و فعل میں اتباع سنت کا اہتمام رکھیں ۔ طلبہ کو سمجھانے میں پوری کوشش کرتے رہیں ۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کے طریقہ کو احادیث کے مطابق ثابت کر کے طلبہ کو سمجھائیں ...... حطام دنیا کی رغبت سے اعراض اور اخلاص وللہیت ہر قول و فعل میں ملحوظ رکھیں ۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ

مکتوب ۲۶

جناب مولوی عبد الحفیظ خاں صاحب (ہاپوڑ ضلع میرٹھ) کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔ مبلغ ایک ہزار روپیہ سفر حج کے لئے ناکافی معلوم ہو رہا ہے اور جدہ کے بعد ریگستانی و پہاڑی علاقہ نیز راستہ کی خرابی کے باعث سائیکل پر سفر نہ ہو سکیگا اس لئے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اس قلیل سرمایہ کے ساتھ سائیکل لیکر چلیں ۔

آپ پر جب حج فرض نہیں تو کیوں اس ناتمام رقم سے حج کا ارادہ کرتے ہیں اتنی رقم سے کیا ہوتا ہے والسلام ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند ۔ ۷ رجب ۱۳۷۰ھ

مکتوب ۲۷

جناب مولانا محمد الیاس صاحب مالیگاؤں ضلع ناسک کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔ حسب ارشاد عزیزم سید حبیب بن عزیزم سید محمود سلمہما اللہ تعالیٰ کو خط لکھدیا ہے ان شاء اللہ حسب امکان وہ دونوں ضروریات میں تسہیل پیدا

حاشیہ مکتوب ۲۵ بدعت سیئہ کی تعریف اور تحقیق کے لئے مکتوبات جلد اول میں مکتوب ۹۶ کا حاشیہ ملاحظہ فرمایا جائے ان شاء اللہ کافی ہوگا ۔ اگر اس مسئلہ خاص کی تفصیل مطلوب ہے تو ہمارا رسالہ "بیان سنت" ضرور دیکھا جائے لاؤڈ اسپیکر کی تفصیل جلد اول ص ۱۳۲ پر ملاحظہ کرلی جائے ۔

کریں گے۔ اس سفر حج میں اوقات کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور جس قدر بھی ممکن ہو عبادات اور ذکر کا خیال رکھنا چاہیئے۔ مجالس اور اجتماعات فضولیہ دنیاویہ سے بچنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد جس قدر اور جس پیرایہ میں ہو غنیمت باردہ ہے اسم ذات (اللہ) زبان سے آہستہ آہستہ کہتے رہیں اور اس میں کوتاہی روا نہ رکھیں۔

مدینہ منورہ میں اور اس کے راستہ میں آتے جاتے درود شریف اور ذکر کی کثرت رکھیں۔ نماز میں جماعت کی پابندی کا لحاظ رکھیں۔ امام کے اتنے قریب کھڑے ہوں کہ انتقالات میں اس کی تکبیر سُنائی دے یا اُس کی تکبیر سننے والوں کے انتقالات دکھلائی دیں اور اس کی وجہ سے آپ کے انتقالات ہوا کریں۔ محض لاؤڈ اسپیکر سے انتقالات عمل میں لانا ہماری سمجھ میں بوجہ غور و خوض صحت صلوٰۃ کو مانع ہے اس کا اعادہ ہونا چاہیئے اللہ تعالیٰ اس بدعت سیئہ سے جلد از جلد مسلمانوں کو نجات دے آمین۔

اکبری جہاز میں اسعد اور اس کی اہلیہ بھی گئے ہیں غالباً کہیں ملاقات ہوئی ہوگی۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ

مکتوب ۲۸

جناب مولانا عبدالمجید صاحب قاسمی (مبارک پور ضلع مونگیر) کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ احوال مندرجہ سے بہت تعجب ہوا۔ دنیا کا طلبگار تو دنیا کی طلب میں ذرا بھی جھجک نہیں کرتا اور بغیر شرم و حیا کے دن و رات سرگرم رہتا ہے مگر خدا کا طالب شرم کرے لوگ مضحکہ اڑائیں گے کس قدر تعجب کی بات ہے، اگر آپ کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی محبوب حقیقی ہے اور اس کے علاوہ سب فانی اور بیکار ہیں تو یقیناً اس راہ میں ہر چیز کو فدا کرنا ضروری سمجھئے۔

عشق چوں خام است باشد بستۂ ناموس و ننگ ۔۔ پختہ مغزان جنون را کے حیا زنجیر پاست

یہ آپ کی انتہائی خام خیالی ہے۔ معلوم ہوا کہ نہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے حقیقی محبت ہے نہ آخرت پر پورا یقین نہ ایمان ہے۔ یہ سب شیطانی اور نفسانی وسوسے ہیں سہ

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است ❊ جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوے لوح دل از نقش غیر حق ❊ علمیکہ راہ حق نہ نماید جہالت است

جو رکاوٹیں آپ کو ذکر میں پیش آرہی ہیں وہ سب شیطانی ہیں حقیقی علم اور سچا عزم پیدا کیجئے ورنہ عمر ضائع کرنا اور پھر کف افسوس ملنا ہے۔ موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں ہے۔ کہیں ہاتھ خالی نہ جانا پڑے۔۔۔۔۔۔ پاس انفاس ہی آپ عمل میں لاکر کیا کمالیں گے جبکہ آپ کا نفس اور شیطان ان نجس خیالات سے گندہ ہورہا ہے۔ ذکر اللہ ھو اللہ میں آنسوؤں کی انچھن بھی شیطانی اثرات سے ہے اور حقیقی طلب اور عزم راسخ سے خلو کی دلیل ہے سچی طلب اور علم حقیقی پیدا کیجئے اور عشق حقیقی سے اپنی روح کو زندہ کیجئے۔

تہجد کی رکعتوں میں کوئی تحدید نہیں ہے۔ حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ روزانہ چھ سو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس برس تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے تو کیا یہ حضرات فقط بارہ رکعتوں ہی پر اکتفا کرتے رہے ؟

مولوی عبدالرشید صاحب کی والدہ ماجدہ سے بعد سلام مسنون عرض کر دیجئے کہ ماشاءاللہ مولوی عبدالرشید صاحب کی حالت نہایت بہتر اور قابل شکر ہے اُن کو اجازت بھی مل گئی ہے ان کو والدین کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ میں اُن سے بہت خوش ہوں اور اُن کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کو خاندان کے لئے قابل فخر بنائے اور اپنی رضا اور خوشنودی سے دونوں جہان میں نوازے آمین۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

آسام - ۳۰ شوال ۱۳۷۵ھ

مکتوب ۲۹

جناب مولانا خورشید عالم صاحب شمیمی نگینہ بجنور کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ آپ کو یاد ہوگا کہ سال گذشتہ ہم میں نے آپکو زور دیا تھا کہ آپ جلد از جلد نکاح کر لیں اور اُمت محمدیہ کے اضافہ کی صورتیں عمل میں لائیں ...... آپنے والد صاحب پر ٹال دیا ...... اور ابھی تک آپکی طرف سے کوئی تحریک نہیں ہوئی میں ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے اس عریضہ کو آپ اپنے خاندان کے ان بڑوں پر پیش کر کے جلد اس کی تحریک کرائیں جن کے بغیر آپ ظاہری حیثیت میں تحریک نہیں کر سکتے ..... اور اگر بالفرض آپ خود ہی اس معاملہ کو انجام دے سکتے ہوں تو خود تحریک کریں ...... میں تاخیر ہرگز صحیح نہیں سمجھتا نہ اُن رسوم کو صحیح و جائز تصور کرتا ہوں جو بزرگوں نے آپ لوگوں کے خاندانوں میں جاری کر کے تمام خاندانوں کو نقصان پہونچایا ہے۔

جو اعذار آپنے تحریر فرمائے ہیں اُن کو دیکھ کر سخت تعجب ہوا کیا آپ آیت " وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ " بھول گئے ہیں ۔ کیا آپنے عقد سابقہ باہر نکلنے اور اسباب معیشت مکمل کرنے کے بعد کیا تھا ... آپ

حاشیہ مکتوب ۲۹ ۔ مولانا خورشید عالم صاحب کی پہلی شادی مفتی مولانا شمیم احمد صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جو مدتوں ہو کر اس دار فانی سے رخصت ہوگئیں انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ عقد ثانی پر حضرت اقدس مولانا مدنی مدظلہٗ نے اپنے والا نامہ میں زور دیا جس کے اندر بہت سے دینی اور دنیوی فوائد مخفی ہیں ۔ حضرت پر اتباع سنت اور ساتھ ہی اپنے متوسلین پر شفقت کا ایسا پختہ رنگ چڑھا ہوا ہے کہ اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو حضرت مدظلہٗ کی زندگی اور آپکے دینی تاثرات سے اچھی طرح واقف ہے اپنے اسلاف کرام کی اتباع میں اس ناچیز نے حضرت مدنی سے بہتر نہ کسی کو دیکھا اور نہ سنا کاش ہمارے اندر بھی وہی اخلاق پیدا ہو جائیں ۔ حضرت کی دور رس نظر اور حکیمانہ تعلیم ہی کا یہ اثر ہے کہ اپنے متوسلین کو شروع ہی سے نکاح کرنے کی ترغیب دیکر اُن امکانات کا سد باب فرماتے ہیں جن کی بدولت انسانی اخلاق و کردار کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لگ سکتا ہے ۔ ان ہر دو والا ناموں میں یہی چیز سب سے زیادہ نمایاں اور سلوک نبوی کی روح اُبھری ہوئی ہے ۔

میرے پہلے عریضہ کو بھی اور اس کو بھی مولانا ممتاز علی صاحب زید مجدہم اور اپنے دیگر بزرگوں پر پیش کیجئے۔ میرے خیال میں آپکو ہرگز تاخیر نہ کرنا چاہیئے۔ والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۰ ر و ۲۰ ر صفر ۱۳۶۱ھ

مکتوب ۳۰

جناب مولانا محمد ابو یوسف صاحب کاکوی (قصبہ کاکو ضلع گیا) کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ محترما! یہ دُنیا مسلمانوں کے لئے راحت و آرام کا گھر نہیں ہے بلکہ ابتلاء و امتحان اور مصائب و تکالیف کا گھر ہے الدنیا سجن للمؤمن وجنۃ للکافر ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ ہے بلکہ جو جس قدر مقرب خداوندی ہے اس کے لئے حسب مرتبہ شدائد و تکالیف زیادہ ہی فرمایا جاتا ہے اشد الناس بلاء الانبیاء

حاشیہ مکتوب ۳۰۔ حضرت بختیار کاکیؒ ہوں یا دوسرے اکابر صوفیہ اُن کی سیرت کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور اسوہ حسنہ اس درجہ واضح ہے کہ کہیں اور جگہ یہ چیز اتنی اُبھری ہوئی نہیں محسوس ہوتی ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ یہ جماعت ہمہ تن عمل تھی اور شریعت کی اتباع میں اُن کا خاص مقام تھا اور عشق و محبت کے پاک جذبہ نے اُن کے اندر احترام شریعت کو اس طرح رگ و پے میں بھر دیا تھا کہ سطحی حضرات کو انہیں دیکھ کر مجنون و پاگل کہدینے میں باک نہ تھا غور کرو مصائب کو بڑی ہی تند و تلخ چیز سمجھی جاتی ہے اور ہے بھی مگر ان بزرگوں نے اس کو راحت و آرام کی چیز بنا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پھر مصیبت مصیبت نہ رہی بلکہ عین راحت بن گئی کیونکہ محبوب حقیقی کی طرف سے اپنے بندے کو جو چیز ملتی ہے اس کا نام تم مصیبت اور دکھ رکھدو مگر ہے وہ آرام و سکھ راحت و سکون۔ حضرت کاکیؒ کے مقام کی بلندی کے لئے ان کی زندگی کا یہ واقعہ کافی ہے آج بھی اور پہلے بھی ہمارے لئے سلف اور طریقوں کے یہی طریقہ اللہ تعالےٰ سے قرب و نزدیک ہونے کا رہا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کو عارف رومیؒ نے ع " اے طبیبِ جملہ علتہائے ما " سے تعبیر فرمایا ہے۔ رباعیات مولانا رومؒ میں یہ رباعی بھی اسی حقیقت حال کی ترجمان ہے اہل دل حضرات کی خاطر ہم درج کر رہے ہیں بہت ہی خوب اور عرفان رومی کا ذرہ سنام ہے۔

رباعی
با درد بساز چوں دوائے تومنم ٭ درکس منگر کہ آشنائے تومنم
گر کشتہ شوی مگو کہ من کشتہ شدیم ٭ شکرانہ بدہ کہ خوں بہائے تومنم

ثم الامثل فالامثل ۔ اس لئے مسلمان حقیقتاً ان مصائب میں لذت اور نعمت پاتا ہے ۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو اگر کسی دن کسی مصیبت کا سامنا نہیں ہوتا تھا تو روتے تھے اور فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج ہمارا محبوب حقیقی ہم سے خفا ہے ۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من یرد اللہ بہ خیرا یصب منہ ۔ صبر کرنے والوں کے لئے بغیر حساب اجر کا وعدہ کیا گیا ہے انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب ....

اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائیے اور عرض کیجئے کہ پروردگار ہم کمزور ہیں ہم کو سنبھال اور ہم کو صابرین اور شاکرین کے زمرہ میں داخل فرما اور اپنی خوشنودی اور رضا نصیب فرما ۔ ذکر و عبادت میں فرق نہ آنا چاہیئے ۔۔۔ اتباع شریعت اور ذکر میں کوتاہی نہ فرمائیں ۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۷ شوال ۱۳۷۰ھ

مکتوب ۱۳۱

جناب مولانا عبدالوہاب صاحب (مبارک پور ضلع مونگیر) کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ آپ کے والد صاحب محترم کے والا نامہ سے خبر وحشت اثر انتقال صاحبزادی کی معلوم ہوئی جس سے ہم سبھوں کو صدمہ ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون آپ کے پہلے بچوں اور ان کی ماؤں کی وفات کی بھی خبریں نہایت دلخراش ہیں ۔

میرے محترم ! یہ صدمات اگرچہ نہایت تکلیف دہ ہیں مگر آپ کو صبر و استقلال سے رہنا چاہیئے اور ہرگز ہرگز مایوس اور غمگین نہ ہونا چاہیئے ۔ تقدیرات الٰہیہ میں بندوں کا کوئی چارہ نہیں ہے پروردگار کے حکم پر راضی رہنا وظیفۂ عبودیت ہے ۔

حاشیہ مکتوب ۱۳۱ ۔ مولانا عبدالرشید صاحب جو حضرت مولانا مدنی مدظلہ کے بڑے بھائی کی پہلے دو شادیاں ہوئیں اور بچے بھی ہوئے اور سب ایک ایک کر کے عدم ہو گئے تو تیسری شادی ہوئی اس سے بھی اولاد ہوئی مگر جاتی رہی ۔ بظاہر طور پر جو صدمات ہو سکتے تھے مترود ہوئے اگر اللہ کو منظور ہے تو اب اللہ دعا ہے جمع لائیں گی دعا کیجئے ملک الشہ جزیہ

میرے محترم! مسلمان کو جو بھی صدمہ پہونچتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں کی معافی کا ذریعہ اور سبب بناتا ہے اس لئے یہ صدمات ذریعہ مغفرت ہیں۔ پھر یہ بچے ماں اور باپ کے لئے عذاب آخرت سے نجات دلانے والے اور حجاب عن النار ہیں جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جن ماں اور باپ کے تین بچے مرجائیں تو وہ بچے ماں باپ کے درمیان اور دوزخ کے درمیان دیوار بن جائیں گے پھر دو بچوں کے لئے بھی یہی فرمایا پھر ایک بچہ کے لئے بھی ایسا ہی فرمایا تو آپ کو اور اہلیہ محترمہ کو خوش ہونا چاہیئے کہ عذاب آخرت سے بچاؤ کا بہت بڑا سامان مہیا ہوگیا۔ فالحمد للہ شاکر رہیئے۔

میرے محترم! خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوجیئے اور ہمیشہ صابر و شاکر رہیئے۔ خداوند کریم اس کے بعد بچوں سے آپ کو نوازے اور وہ طویل العمر، با اقبال، نیک، صالح ہوں اس کی دعا کرتے رہیئے اور ہم سب بھی دعا کرتے ہیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۲ ربیع الاول ۷۵ھ

مکتوب ۳۲

جناب منشی عبدالقیوم صاحب اصالت پورہ مراد آباد کے نام

ہر ایک جمہوری ادارہ کی قوت حاکمہ مجلس ممبران ہے یہی مجلس عوام کی نمائندہ ہے اور اسی کے ہاتھ میں تمام امور عزل و نصب ترقی و تنزل وغیرہ متعلقہ ادارہ ہیں۔ تمام ملازمین ادارہ، خواہ مدرس ہوں یا غیر مدرس۔ اوپر سے نیچے تک۔ اسی مجلس

حاشیہ مکتوب ۳۲۔ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کی مجلس عاملہ کے ارکان مولانا مظفر الدین صاحب: لکڑی زاج کمپنی، مولانا حکیم انتظار احمد صاحب نے ایک عرضداشت ذریعہ منشی عبدالقیوم صاحب، حضرت مولانا مدنی دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کرائی جس میں مدرسہ شاہی کے کچھ اندرونی معاملات اور انتخابات کا تذکرہ تھا۔ جواب میں حضرت شیخ مدظلہ العالی نے مدارس عربیہ میں مجلس شوریٰ اور مجلس عاملہ کی حیثیت پر گراں قدر افادہ فرمایا ہے۔ اصلاحی۔

کے سامنے جوابدہ ۔ اور حسب قوانین ادارہ مکلف اور پابند ہیں۔ کسی ملازم یا مدرس کو جائز نہیں ہے کہ جب تک وہ اس ادارہ کی ملازمت میں ہے مجلس کے احکام سے روگردانی کرے۔ یہی حال تمام مدارس دینیہ جمہوریہ کا ہے۔ ممبران شوریٰ چندہ دہندگان کے نمائندہ اور ملازمان مدرسہ کے حاکم ہیں۔ کسی مدرس کو خواہ مولوی .... ہوں یا مولوی .... یا حافظ .... ہوں یا کوئی اور صاحب۔ احکام مجلس شوریٰ کی سرتابی کرنا درست نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی حرکت جائز ہے جس سے ادارہ کو نقصان پہنچے یا اُس کے نظم و نسق میں ابتری پیدا ہو۔ مجلس عاملہ اس مجلس شوریٰ کی مقرر کردہ مجلس ہے اس کی سرتابی کرنا مجلس شوریٰ حاکمہ کی سرتابی ہے۔ اس لئے ان حضرات کے مذکورہ بالا اعمال و اقوال سراسر ناجائز ہیں اگر وہ پابندی عاملہ کے احکام کی نہیں کرتے تو ان کو ادارہ سے علیحدہ ہو جانا چاہیئے۔ ادارہ میں رہتے ہوئے ایسے اعمال کا یا ایسے اقوال کا ارتکاب سراسر بغاوت اور عند اللہ و عند الناس گرفت کا موجب ہے۔ ان حضرات کو غور کرنا اور اپنے ان مہمل اور ناجائز امور سے تائب ہونا ازحد ضروری ہے۔ ان کو جامعہ قاسمیہ شاہی مسجد کو نقصان پہنچانا انتہائی شرمناک اور نمکحرامی ہے۔ والی المشتکی۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ از دارالعلوم دیوبند

۸ رشعبان ۱۳۷۰ھ

مکتوب ۳۳

جناب مولانا عبد الخالق صاحب سید پور سلہٹ کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔

حاشیہ مکتوب نمبر ۳۳ ۔ اس والا نامہ میں یہ فقرہ درج ہے " دن کو تہجد کی قضا پڑھئے " ممکن ہے کسی کو شبہ ہو کہ فرائض نمازوں کی قضا کی طرح اس تہجد کی بھی قضا ہے تو ایسا نہیں ہے بلکہ حضرت اقدس کا یہ ارشاد بطور تنبیہ ایک حکیمانہ تعلیم ہے یعنی اگر کسی کو جماعت یا تہجد کا پابند بنانا ہو تو اس کو پہلے اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ ان نمازوں کی قضا کیا کرے۔ انشاء اللہ بتدریج جماعت اور تہجد وغیرہ کا پابند بھی ہو جائے گا۔ حضرت شیخ کا ارشاد کہ تہجد قضا پڑھے اور نفس کو ملامت کرکے روزہ رکھئے نفس امارہ کے استیصال کے لئے یہ تریاق ہے جو شیخ کامل ہی ایسا حکم دے سکتا ہے کیونکہ بقول خواجہ حافظ رحؒ ع کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا۔

(۱) میرے محترم کوشش کیجئے اور نفس امارہ پر ندر ڈالئے جس روز اٹھنا نہ ہو سکے نفس کو ملامت کیجئے اور دن کو تہجد کی قضا پڑھئے اور نفس کو ملامت کرکے روزہ رکھئے تھوڑے دن اس پر قوت سے عمل کیجئے انشاء اللہ اصلاح ہوجائے گی۔ عشا کے بعد جلد سوجایا کیجئے۔ ع من نکردم شما حذر بکنید انوار وکرامات وغیرہ سب غیر اللہ ہیں صرف ذات مقدسہ فاطر السموات والارض منزہ عن الحوادث والنقائص متصفہ بسائر الکمالات کی طرف توجہ رکھئے اور کوشش کیجئے اس میں دوام حاصل ہوجائے

ہر آں کو غافل از وے یکزماں است ❊ ہماندم کافر است اما نہاں است

مبادا غافلی پیوستہ باشد ❊ در اسلام بروے بستہ باشد

مقصود اصلی اس کی رضا اور خوشنودی ہے اس میں پوری جدوجہد کرنی چاہیئے اور ہر حرکت و سکون میں اس کی نظر اور عنایت شفقت اور رحمت کی جستجو ہونی چاہیئے۔

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب

کہ حیف باشد ازو غیر ازیں تمنائے

(۲) عورتوں کی طبیعت کمزور ہوتی ہے اس لئے ان کو تعلیم ہلکی اور خفیف ہونی چاہیئے اُن کے ذمہ تربیت اولاد اور خدمت زوج ہے احوال قویہ کی وہ متحمل نہیں ہوسکتیں اسی لئے صرف ذکر لسانی پر اکتفا ہونی چاہیئے۔ نور میاں کو مراقبہ وفی انفسکم تعلیم فرمایئے اور ذکر قلبی جاری کرائیے

(۳) الفاظ بیعت میں اگر ضرورت ہو تو یہ تفصیلی چیزیں داخل کرسکتے ہیں ورنہ اجمالی الفاظ عہد اتباع شریعت کے کافی ہیں۔ بنگلہ میں تمام الفاظ بیعت کا ترجمہ کرنا زیادہ تر مناسب ہے۔ سالک کو ترقی دینے میں جبکہ اس کو بارہ تسبیح سے ذکر جہر کے آثار پیدا ہوجائیں اور گریہ کا غلبہ ہونے لگے دنیا سے بے رغبتی اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا ہوجائے اور پاس انفاس بھی جاری ہوجائے تو ذکر قلبی تعلیم فرمایئے اور جب ذکر قلبی جاری ہوجائے تب مراقبہ تعلیم کیجئے۔ ضیاء القلوب امداد السلوک اور صراط مستقیم مطالعہ کیجئے۔

(۴) آثار ذکر خواہ انوار ہوں یا الہامات وکشف وکرامات وغیرہ خود بخود ظاہر ہوں تو

بیشک معین و مددگار رہیں اگرچہ یہ مبتدی کو بہلانے اور متوجہ کرنے کے لئے عموماً ہوتے ہیں۔ اسلاف کرام کا قول ہے "تلک خیالات تربی بہا اطفال الطریقۃ" مگر ان کو طلب کرنا اور نہ حاصل ہوتے پر غمگین اور مایوس ہونا سخت غلطی ہے ---- ان امور کے عدم حصول سے ذکر امر اقبہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہونی چاہیئے۔ ؎

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست ... بر کریماں کارہا دشوار نیست

ہم عبید ہیں ہمارا کام عبودیت اور امتثال حکم ہے، عاجزی اور نیازمندی ہے" خواہ ہمت افزائی اور راحات ہو یا نہ ہو۔ ؎

یابم اورا یا نہ یابم جستجوئے میکنم ... بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم

جس شخص کا سلوک مثل قرن اول ان امور سے خالی ہو اس کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اسلاف کرام اعلیٰ اور اولیٰ فرماتے ہیں دل لگانا اور اخلاص سے کام کرنا ضروری ہے تھوڑا کیجئے مگر مداومت نہ چھوڑیئے۔ والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ

مکتوب ۳۴

جناب مولانا عبد الجبار صاحب (مدن پورہ بنارس) کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ امور مسئولہ کے جوابات حسب ذیل ہیں:۔

حاشیہ مکتوب ۳۴۔ جناب مولانا عبد الجبار صاحب بنارس مدنپورہ کے معزز زمیندار حضرت شیخ مدظلہ العالی کے جاں نثار خادم ہیں اسی واسطے سے موصوف حضرت مدنی مدظلہٗ کے جملہ خدام سے محبت رکھتے ہیں اولاد بھی الحمد للہ صالح ہے۔ راقم الحروف پر بڑی ہی نظر کرم ہے۔ مدرسہ جامعہ اسلامیہ عربیہ کے روح رواں آپ ہی کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کے اخلاص میں اضافہ اور عمر میں برکت اور کاروبار میں ترقی دے۔ آمین۔

(۱) دوران ذکر میں آنکھوں کا کھلا رہنا شرط نہیں جہاں تک ممکن ہو دل لگا رہنا چاہیئے اور معنوں کا خیال رہنا چاہیئے خواہ آنکھ کھلی رہے یا بند۔ اگر کھلنے سے تشویش ہو تو بند رکھیں۔

(۲) اثناء ذکر جہری میں ہر پندرہ یا بیس یا پچیس مرتبہ کے بعد سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کہنا چاہیئے اور یہ دھیان رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا محبوب حقیقی ہے اس تک پہونچنے کے لئے وسیلہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اُن کے لئے درود شریف بطور شکریہ پیش کرتا ہوں۔

(۳) جو جو چیزیں میں طلب کروں ان کی قیمت لینی ضروری ہے یہی انعام اور احسان کیا کم ہے کہ آپکی عنایت سے چیز عمدہ اور مناسب قیمت پر مل جاتی ہے جو کہ بڑے بڑے دولتمندوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ نیز آپکو قیمت میں مہلت دینی پڑتی ہے انھیں احسانوں پر اکتفا فرمائیے اور مجھ کو قاعدہ کے خلاف پر مجبور ہرگز مت فرمائیے۔ والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۷ ر فروری ۱۹۵۳ء

مکتوب ۳۵

جناب حکیم مولانا احمد اللہ صاحب (فیض آباد) کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔۔۔۔ حافظ بشیر احمد صاحب کے والد ماجد کی سخت خطا ہے۔ اس زمانہ میں اولاد کو شادی سے روکنا انتہائی غلطی ہے۔ نہایت سادگی سے اولاد کی شادی بالغ ہونے

حاشیہ مکتوب ۳۵ ۔ ترجمہ حدیث انس بن مالکؓ کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ توریت میں لکھا ہوا ہے کہ جس کی لڑکی کی عمر بارہ سال ہو جائے اور وہ اس کا نکاح نہ کرے (اتفاقاً) اگر وہ لڑکی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ اُس کے باپ پر بھی ہے۔ دوسری حدیث ابن عباسؓ کا ترجمہ یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کے لڑکا پیدا ہو تو اس کو چاہیئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور شریعت کی تعلیم و ادب سکھائے پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دینا چاہیئے۔ پس اگر لڑکا بالغ ہوا اور گناہ میں مبتلا ہو گیا تو باپ پر بھی اس کا گناہ ہوگا۔ (باقی صفحہ ۱۱۴ پر)

ہی کر دینا اشد ضروری ہے۔ زیور، جوڑے، جہیز، لبہ وغیرہ کے چکر میں نوجوان اولاد کو رکھنا اللہ تعالیٰ کے مواخذہ اور اُس کی پکڑ کا باعث ہے۔

عن عمر بن الخطاب وانس بن مالک رضی اللہ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی التوراة مکتوب من بلغت ابنتہ اثنتی عشرة سنة ولم یزوجہا فاصابت اثما فاثم ذلک علیہ رواہما البیہقی فی شعب الایمان (مشکوٰة ص۲۲۹)

وعن ابی سعید وابن عباس رضی اللہ عنہما قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ فاذا بلغ فلیزوجہ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثما فانما اثمہ علی ابیہ (مشکوٰة عن البیہقی ص۲۲۸)

ان دونوں روایتوں کو ان کو سمجھا دیجئے۔ مولوی بشیر نے اگر تقاضہ کیا ہے تو یہ اُس کی صلاحیت کی بات ہے وہ حرام سے بچنا اور تقویٰ چاہتا ہے اس پر خوش ہونا چاہیئے اس پر خفا ہونا اور بے ادبی کا الزام دینا غلطی ہے۔ نیز ان سے بہت بہت سلام مسنون پہونچا دیجئے اور تاکید کر دیجئے کہ نہایت سادگی سے بغیر رسوم و عام شریعت کے موافق نکاح کر دیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۲۴ ربیع الثانی ۷۴ھ

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۳) مطلب ہر دو حدیثوں کا یہ ہے کہ باپ گناہ کا سبب ہو رہا ہے لہذا باپ کو چاہیئے کہ لڑکا اور لڑکی کے بالغ ہو جانے پر جہاں تک ممکن ہو جلد نکاح کر دینے کی سعی کرے جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں میں جلدی کرنے کا حکم فرمایا ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔ باقی اس طرح کی روایات کو زجر تہدید اور ترہیب پر محمول کر کے مطمئن ہو جانا روح ارشاد نبوی کو پامال کرنا ہے۔ ہمارے حضرت کا یہ مخصوص مقام ہے کہ آپ اس طرح کے کاموں میں اتباع نبوی پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔ تاویل و مداہنت کر کے امت کو تنگی میں مبتلا نہیں فرماتے بلکہ سادگی پر زور دیتے اور رسومات کا قلع قمع کر کے اپنے مریدین کو معاشی پریشانیوں سے بچاتے ہیں۔

مکتوب ۳۶

جناب مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب (ایبٹ آباد پاکستان) کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مجھ کو اس سے سخت صدمہ ہوتا ہے کہ آپ مادحانہ کلمات لکھتے ہیں اور آپ اس سے تغافل برت رہے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مادحین کے لئے کس قدر سخت کلمات فرمائے ہیں اور ممدوحین کے لئے کس قدر خطرات ہیں جن پر آیات واحادیث روشنی ڈال رہی ہیں اس سے آپ کو بہت زیادہ اجتناب چاہیئے اور سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ آپ اطراء مادح کرتے ہوئے ناجائز کلمات مثل خیر الاخیار، ذات نور علی نور قبلہ کعبہ حاجات وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ کس قدر غضب کی بات ہے کہ جس چیز کو ہم دوسروں کے لئے ناجائز بتلائیں اور جس سے ہم دوسروں کو روکیں اسی کو خود عمل میں لائیں۔ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم الآیۃ ایسی باتوں سے سخت گریز کیجئے ھو اعلم بکم اذ انشا کم من الارض واذ انتم اجنۃ فی بطون امھاتکم فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقیٰ۔ الحذر الحذر خاتمہ کا حال معلوم نہیں جب تک خاتمہ علی الایمان نہ ہو جائے جب تک اشرف المخلوقات ہونا بھی صحیح نہیں۔

(۱) بخاری شریف کے تراجم اس وقت میرے پاس نہیں ہیں میں اس وقت سفر کر رہا ہوں کراچی

حاشیہ مکتوب ۳۶۔ اس والا نامہ میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ لوگوں کے احترام میں حدود سے تجاوز نہ کیا جائے اور ایسے جچے تلے الفاظ استعمال کئے جائیں جو مناسب ہوں کیونکہ اسی طرح کی افراط و تفریط نے یہود و نصاریٰ کو سخت گمراہی اور ضلالت میں مبتلا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرمادیا ہے کہ انسان کے مقابلہ میں رب اور عبد کا استعمال نہ کیا جائے کہ شرک فی اللفظ ہوتے ہوتے شرک فی المعنی کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے لہٰذا آپ نے لفظ رب اور عبد کو فتی اور سید سے بدل دیا۔ اسی بنا پر حضرت مولانا فرنگی محلی مرحوم مجموعۃ الفتاویٰ جلد دوم کے صفحہ ۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔ ایسا نام جس میں اضافت عبد کی طرف غیر خدا کی ہو شرعاً درست نہیں ہے اور اگرچہ صرف اسی قسم کے نام رکھنے سے حکم شرک کا نہ ہو بسبب احتمال اس کے کہ عبد سے مراد خادم و مطیع ہے مگر بوئے شرک سے ایسا نام رکھنا خالی نہیں ہے الخ۔

اور بہاولپور کے درمیان میں ہوں آپ کے کاغذات وہاں دیوبند میں دوسرے کاغذات میں رکھے ہوئے ہیں مجھ کو اتنی فرصت نہیں ملی کہ ان کو دیکھوں آپ کو یہ خیال ہرگز نہ ہونا چاہیئے کہ لوگوں کی تعریفیں اور تصدیقات ہوا کریں یہ ایک غلط اور بے فائدہ چیز لوگوں میں رائج ہے عوام پر اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا ہے یہ میرے نزدیک نہایت فضول اور لغو امر ہے آپ خود احتیاط اور تیقظ سے کام کیجئے۔

(۲) آدمی کو اللہ تعالیٰ اور جناب رسول علیہ السلام کا غلام بننا چاہیئے اور اسی کی تمنا چاہیئے۔ جو رسالہ آپ نے شان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں لکھا ہے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو اس سے نفع بخشے آمین۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۹ ر ج ۲ ۵ھ

مکتوب ۳۷

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل ؛ کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

؎ کسی کے درد اور غم کو کسی کا ناز کیا جانے ؛ گذرتی صید پر کیا ہے دل صیاد کیا جانے

عدیم الفرصتی کی حالت یہ ہے کہ بسا اوقات خطوط پر نظر ڈالنے کا وقت بھی نہیں ملتا۔

؎ نہ شگوفۂ نہ برگے نہ ثمر نہ سایہ دارم ؛ درحیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

حاشیہ مکتوب ۳۷۔ محترم قاضی صاحب نے بحالت اعتکاف خواب میں قبر اطہر سید دو عالم صلعم کو بوسہ دیا اسی کی جانب حضرت اقدس نے اشارہ فرمایا ہے چنانچہ اسی سال ۱۹۳۹ء میں پہلی بار حج وزیارت کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے للّٰہ الحمد والمنۃ۔ قبر کو بوسہ دینا تعلق قلبی کی علامت ہے ممکن ہے کسی کو حیلہ کل آئے اور وہ قبروں کو چومنا شروع کرے۔ سو اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ سد باب ذریعہ اصول تشریع میں سے ایک اصل عظیم ہے چنانچہ جو ذریعہ مباح بلا قصد و ارادہ انسان کو کسی مفسدہ میں مبتلا کر دے جیسے قبروں کے سامنے نماز پڑھنا یا اس کو بوسہ دینا۔ خواہ کسی کی ہو شریعت اس کو روک دیگی۔ کیونکہ ابقول امام العصر شرعاً مذموم ہے۔ اصلاحی۔

جن خطوط کے جواب نہیں دے سکا ہوں ان کی مقدار تقریباً ہزار سے بہت زیادہ ہے۔ کیا کروں اور کس طرح کروں؟ آپ کے محبت آمیز کلمات کا شکریہ ادا کرتا ہوں مگر میرے عزیز عشق ودارفتگی محبوب حقیقی خالق کون ومکان سے ہونا چاہیئے کسی فانی اور ناقص کے ساتھ ایسا تعلق ہونا غلطی ہے اسی ذات وحدہ لا شریک لہ کا تصور ہونا چاہیئے اور اسی سے وابستگی ؎

بجز تو شاہا دگر ندارم بجز دے تو دے ندارم ؛ الیک اسعی ومنک رجو دان سالت بکم سوالی

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است ؛ جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

روحانی برکات مبارک ہوں خواب بہت بہتر ہے اللہ تعالیٰ مبارک کرے کیا تعجب ہے کہ واقعیت کا جامہ اللہ تعالیٰ پہنادے (تبرکو) بوسہ دینا اگرچہ شرعاً مذموم ہے مگر تعلق قلبی کی خبر دیتا ہے۔ والسّلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۶ رمضان ۵۸ھ سلہٹ

مکتوب ۳۸

محترم المقام زید مجدکم۔ جو کیفیت آپ لکھ رہے ہیں کہ تمام بدن بے اختیار حرکت کرنے لگتا ہے اور رونا آتا ہے یہ سلطان الاذکار کی شاخ ہے قلب اور بدن میں ذکر کی قوت سرایت کرتی ہے اور اس کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کا اثر جسم وغیرہ پر زور سے پڑتا ہے اور اس قسم کی حالتیں رونما ہوتی ہیں دنیا سے نفرت بھی ذکر کا اثر ہے اہل دنیا سے علیحدہ رہنے کو چاہنا "حُبّبَ الیہ الخلا" کا مظہر ہے ...... رویاء صالحہ بھی ذکر کے آثار ہیں تھے مگر ابتدائی آثار ہیں اب بحمد اللہ سلطان الاذکار کے آثار رونما ہیں ابتدائی منزل طے ہو جانے کے بعد ان کا ڈھونڈھنا غلطی ہے پاس انفاس ہمیشہ جاری رہنا چاہیئے...... ایک ایک سانس میں قلب کا ذکر کئی کئی مرتبہ ہو جایا کرے۔ خیال ہو یا نہ ہو برابر جاری رہے۔ والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۱ شوال ۵۹ھ

حاشیہ مکتوب ۳۸۔ سلطان الاذکار کی تعریف اور اس کا مفہوم مکتوبات جلد ثانی میں مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے والا نامہ کے تحت ملاحظہ فرمالیا جائے۔

مکتوب ۳۹

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مدت دراز کے بعد والانامہ محررہ ۲۵ ربیع الاول باعث سرفرازی ہوا۔ یادآوری کا شکرگذار ہوں۔ عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم۔ اس گوشہ نشینی میں بفضلہ تعالیٰ بہت خیرات مبرات ہیں اللہ تعالیٰ اپنے جود ورضا سے ہمکو آپ کو سب کو نوازے آمین۔ آپ کے علمی اور تعلیمی وتصنیفی مشاغل اور اُن میں کامیابی سے بہت خوشی ہوئی۔ اللھم زد فزد۔ ذکر سے اب مذکور کی طرف بڑھنا چاہیئے اور اسم سے مسمی کی طرف قدم بڑھانا چاہیئے یعنی تھوڑا سا وقت اب اس میں بھی خرچ کیجئے کہ ذات مقدسہ باری عزوجل کی طرف دھیان کیا جائے اور آیت وھو معکم اینما کنتم کے مفہوم کے مطابق یہ تصور کیا جائے کہ وہ ذات جو کہ مصداق ھو کی آیت میں مذکور ہے بلا کیف وبلا کم منزھا عن جمیع سمات النقص والزوال متصفا بسائر المحامد والکمال وغایۃ الجلال والجمال ہر جگہ میرے ساتھ ہے اور اس کی معیت بھی کما یلیق بشانہ ہے ہماری حیثیتوں سے بالاتر ازلی ہے۔ اس تصور اور دھیان کو جو واقعی ہے تقویت دیجئے اور وقت مقررہ میں یہی دھیان کیجئے۔ اس وقت میں ذکر قلبی یا انفاس کی طرف سے دھیان ہٹا لیجئے۔ قلب ذکر حسب عادت کرے تو مت روکئے کرنے دیجئے سانس حسب عادت جاری بالذکر ہونے دیجئے روکئے مت مگر اس وقت آپ کی توجہ کا نصب العین آیت مذکورہ کا مفہوم اور مسمی لفظ ھو اور لفظ اللہ ہو۔ اگر اس مراقبہ پر مداومت کیجئے اور ابتدا میں اگر کچھ ثقل پیش آئے تو تحمل کیجئے رفتہ رفتہ آسانی اور سہولت حاصل ہوگی۔

مدرسہ[1] محمدیہ میں کامیابی سے خوشی ہوئی۔ طوبیٰ لمن جعلہ اللہ مفتاحا للخیر مغلاقا للشر

حاشیہ مکتوب ۳۹۔ اس مکتوب عالی میں معیت سے معیت ذات مراد ہے نہ کہ باعتبار علم وغیرہ کما قال قطب الارشاد الگنگوہی مکاتیب رشیدیہ ص۱۶

[1] یہ مدرسہ بحمداللہ تعالیٰ ۱۳۵۶ھ سے قرآن اور علوم اسلامی کی خدمت کر رہا ہے اور اب ۱۳۹۶ھ میں حضرت کے نام پاک سے اس کی زیرنگرانی کیمبل پور شہر میں ایک جامعہ مدنیہ کا قیام عمل میں آچکا ہے اللھم تقبل وبارک (قاضی صاحب)

فھنیئا لکم۔ اللہ تعالےٰ قبول فرمائے اور مزید توفیق عطا فرمائے۔ اگر ممکن ہو تو کتاب صراط مستقیم مولفہ شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جو کہ درحقیقت ملفوظات حضرت سید صاحب ہیں زیر مطالعہ رکھیے نیز امداد السلوک کا بھی مطالعہ فرمائیے۔ والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد ۹ ربیع الاوّل ۱۳۶۳ھ نینی جیل

مکتوب ۴۲

اخی المحترم سلمکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ وصلنی مکتوبکم المنیف فشکرت اللہ علیٰ صحتکم واما ما ذکرتم من الرؤیا فعسی اللہ تعالیٰ بمنہ وکرمہ ان یصدق ذلک۔ اما البیعۃ فان شاء اللہ العزیز تتحقق بعد ما نتلاقیٰ واما اجازۃ حزب البحر فقد اجزتکم کما اجازنی بہ مشائخی العظام واما قراءۃ الفاتحۃ فی الصلوٰۃ بالوقف علیٰ کل ایۃ فھی عادۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قرأتھا کما ھو مذکور فی الصحاح من الحدیث	میرے بھائی۔ اللہ آپکو اچھا رکھے سلام مسنون۔ آپ کا گرامی نامہ پہنچا۔ آپ کی صحت معلوم کرکے شکر ادا کیا۔ آپ نے جو خواب ذکر فرمایا ہے خدا کرے وہ ویسا ہی ہو۔ رہگیا بیعت کا معاملہ سو وہ ملاقات پر انشاء اللہ ہو جائیگی میں نے آپ کو حزب البحر کی اجازت اسی طرح دیدی ہے جس طرح میرے مشائخ نے مجھ کو دی ہے۔ سورہ فاتحہ کا ہر ہر آیت پر وقف کرتے ہوئے پڑھنا آنحضرت صلعم سے صحاح میں ثابت ہے۔
والسلام ختام داعیکم حسین احمد غفرلہ	والسّلام

حاشیہ مکتوب ۴۲ قاضی صاحب محترم کو خواب میں بشارت ہوئی کہ حضور صلعم فرماتے ہیں کہ کیسے بے وقوف لوگ ہیں کہ میری زندگی میں ولی کامل سے بیعت نہیں کرتے اس کے بعد حضرت نے بیعت کو منظور فرمایا اور قاضی صاحب بیعت ہو گئے۔

مکتوب ۱۴۱

اخونا المحترم ۔ ان القبض والبسط	قبض اور بسط کی حالت کا پیش آنا خواص انسانی
من خواص البشریة فلا ینبغی التاثر من	میں سے ہے اس سے زیادہ متاثر نہ ہونا چاہئے
ذلک وینبغی ان یستغفر الانسان فی حالة	البتہ قبض کی حالت میں آدمی کو چاہیئے کہ وہ
القبض ویستکثر من ذلک ویشکر اللہ	کثرت سے استغفار کرتا رہے ۔ اور بسط
عزوجل فی حالة البسط ویستکثر من	کی حالت میں خدا کا شکر کثرت سے ادا
ذلک وقد قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ لئن	کرتا رہے کیونکہ خدا کا ارشاد ہے اگر تم شکر کروگے
شکرتم لازیدنکم	اور احسان مانوگے تو اور زیادہ تم کو دوں گا ۔
الانتشار الذی حدث	وہاں جو اختلاف اور انتشار آپ کے
فی دیارکم فمن الغرائب	اطراف میں ہے تعجب خیز ہے ۔ اللہ ہم کو
ھدانا اللہ وایاھم لما یحب	اور اُن کو ہدایت کرے اور اپنی مرضی پر
ویرضاہ	چلنے کی توفیق دے ۔
قد غفلوا ھولاء عما صرح بہ	یقیناً ان حضرات نے اہل سنت والجماعت
الاسلاف الکرام من اھل السنة	کے اسلاف کرام کی تصریحات سے بے پروائی برتی

حاشیہ مکتوب ۱۴۱ ۔ اس والانامہ میں قبض و بسط کی اصطلاح بھی آگئی ہے جس کو ہم نے مکتوبات جلد اول مکتوب ۲۵ کے تحت صاف کردیا ہے ملاحظہ فرالیا جائے کفر سازی اور تکفیر بازی کا مشغلہ ایک عام وبا ہے جس نے لوگوں کو قریب آنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے اور تبادلہ خیالات کرنے سے کوسوں دور کردیا ۔ اگر ایمانداری کے ساتھ لوگوں کی کتابیں پڑھی جائیں اور حق مدنظر ہو تو اب بھی بہت سی جماعتوں میں جو رسہ کشی جاری ہے کم ہو جائے ۔ اس مکتوب گرامی میں وہ تمام بنیادی ہدایات موجود ہیں جو طرفین کے لئے شمع راہ بن سکتی ہیں کیونکہ بقول شاعر

اللہ کے رستے سب ہیں کھلے آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پر چلنا چھوڑ دیا

(اصلاحی)

والجماعة ان من وجد فی کل کلامه ما فیه تسع و تسعون محملا تقتضی التکفیر و محمل واحد للایمان فلا ینبغی تکفیره و لا یصح لاحد الجرأة علی ذلك و یجب علی هؤلاء المتنازعین ان ینظروا الی رسالة حضرة الگنگوهی المرحوم المسماة بمکتوب انوار القلوب توجد هذه الرسالة عند مولانا شیخ الحدیث بمظاهر العلوم فی المکتبة المسماة بکتبخانه یحیویه بسهارنفور وکان حضرته رحمة الله علیه یقول انی منذ کتبت هذه الرسالة لا اجترء علی تکفیر احد .

فعلیکم السکوت عما یخدش فی شان احد من الاکابر فان کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه وقد قال علیه السلام فان دماءکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم الحدیث . ثم ان مثله

ہے جنہوں نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کے کلام میں ۹۹ باتیں کفر کی اور ایک بات ایمان پر محمول کرنے کی پائی جائے تو تکفیر نہ کی جائے اور کسی شخص کے لئے ایسی جرات کرنا جائز نہ ہوگا۔ ان صاحبان کو چاہیئے کہ وہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ انوار القلوب کا مطالعہ کریں جو سہارنپور کے مکتبہ یحیویہ میں شیخ الحدیث مظاہر العلوم سے مل جائے گا۔ جس کے اندر حضرت نے تصریح کر دی ہے کہ میں نے اس رسالہ کے بعد کسی پر تکفیر کی ہمت نہیں کی۔

بہرحال آپ کے لئے ضروری ہے کہ قطعاً خاموشی اختیار کریں۔ اور ایسی کوئی بات زبان سے نہ نکالیں جس سے اکابر کی شان میں فرق آتا ہو کیونکہ جان مال آبرو غرض مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لئے واجب الاحترام ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تمہارے خون (جانیں) تمہارے مال تمہاری آبروئیں آپس میں

التکفیر خطیرة جدًا یبوء باحدهما اعاذنا الله وایاکم وایاهم عن مثلها وقد ارسل الله سبحانه سیدنا محمدا علیه السلام لتالیف قلوب الناس وهدایتهم الی الاسلام وجلب الخلائق الی رحمة الله تعالیٰ وغفرانه لا لاخراج الناس من النور الی الظلمة ومن الایمان الی الکفر نعم لابد من ازالة المنکرات واصلاح العقائد والاعمال لکن بالحکمة والموعظة الحسنة وقد قال علیه السلام لمعاذ بن جبل وابی موسی الاشعری رضی الله عنهما یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا الحدیث فایاکم والغلو والافراط والتفریط هدانا الله جمیعًا لما یحبه ویرضاه آمین. والسلام

الداعی حسین احمد غفر له

۲۶ جمادی الثانی سنہ

ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ کسی کو کافر کہنے کا مسئلہ بہت ہی نازک اور خطرناک ہے ان دونوں میں سے کسی ایک پر اس کی زد ضرور پڑا کرتی ہے (یعنی جسکا کافر قرار دیا ہے اگر وہ مستحق کفر نہیں ہے تو اس کا وبال اس کافر کہنے والے پر پڑتا ہے) (اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے) اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی تالیف قلوب، اسلام کی طرف ہدایت کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت کی طرف کھینچ کر لانے کے لئے بھیجا تھا۔ نہ لوگوں کو نور سے نکالکر ظلمت اور تاریکی میں کر دینے اور ایمان سے ہٹا کر کفر کی طرف دھکیل دینے کے لئے البتہ منکرات وبدعات کو ختم کرنا اور عقائد واعمال کی اصلاح ضروری ہے مگر یہ اصلاحی کام حکمت اور موعظہ حسنہ (سمجھ بوجھ اور پند ونصیحت) کے ذریعہ ہونا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو باہر بھیجتے ہوئے ہدایت فرمائی تھی۔ آسانی اور نرمی برتنا۔ دلجوئی کرنا۔ نفرت نہ پھیلانا۔ اور تم خود آپس میں اتفاق اور باہمی رضامندی سے کام کرنا اختلاف نہ کرنا (صحاح) پس پوری احتیاط رکھو کہ کسی مسئلہ میں غلو یعنی افراط وتفریط نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کاموں کی ہدایت بخشے جو اس کو محبوب اور پسند ہوں۔ آمین۔ والسلام

آپکا دعاگو حسین احمد غفرلہ۔ ۲۶ جمادی الثانی سنہ

مکتوب ۴۲

حضرت طالوت کے نام

محترم المقام زید مجدکم - السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج مبارک - والانامہ باعث سرفرازی ہوا - میں آپ کی ہمدردانہ محبت کا شکرگذار ہوں بالخصوص اس بنا پر کہ باوجود عدم ملاقات کے اس قدر التفات فرماتے ہیں - میرے پاس بہت سے خطوط امضا مین اس کے متعلق استفسار کے آئے مگر میں انتہائی درجہ میں عدیم الفرصت ہوں اور اس قسم کے افتراآت اور سب وشتم کا سیلاب کم وبیش (اس زمانہ سے جبکہ میں نے تحریکات وطنیہ اور ملیہ میں قدم اُٹھایا ہے) برابر جاری ہے - اس لئے ایسی باتوں میں وقت صرف کرنا اضاعت وقت سمجھتا ہوں وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ الخ پر عمل پیرا رہتا ہوں - میں اس وقت بھی چپ تھا مگر آپ کے والانامہ نے مجبور کیا کہ حقیقت واضح کی جائے اس لئے باوجود عدیم الفرصتی مختلف اوقات میں لکھ کر مندرجہ ذیل مضمون پیش کرتا ہوں اور تاخیر کی معافی کا خواستگار ہوں

اصل واقعہ یہ ہے کہ صدر بازار دہلی فصل بلڈنگ میں زیر صدارت مولانا نورالدین صاحب جلسہ کیا گیا - اس میں اہل محلہ کی طرف سے ایڈریس پیش کیا گیا اور اس میں میری ملی اور وطنی خدمات کو سراہا گیا - جلسہ وعظ ونصیحت کا نہ تھا اور نہ اسلامی تعلیمات کے بیان کرنے کا اس روز صبح کو جلسہ مذہبی ہو چکا تھا - مولانا نورالدین صاحب نے تین یا چار برس میں ترجمہ قرآن شریف ختم کیا تھا اور اس کی خوشی میں جلسہ ہو چکا تھا اس میں مذہبی تقریر فضائل قرآن اور اس کی تعلیمات کے متعلق تقریباً دو گھنٹہ ہو چکی تھی - نیز جامع مسجد میں تبلیغ کے متعلق مذہبی وعظ اس سے پہلے اسی دن ہو چکا تھا - شب کے جلسہ کے اعلان میں یہ طبع کیا جا چکا تھا کہ حسین احمد کو ایڈریس پیش کیا جائے گا - ایڈریس کے جلسہ سے لیگیوں اور بالخصوص مولوی ظہیرالدین صاحب اور اُن کے ہمنواؤں میں انتہائی غصہ پھیلا ہوا تھا - کوشش کی جا رہی تھی کہ جلسہ کو درہم برہم کیا جائے جس کو احساس کر کے جناب صدر نے اپنی صدارتی تقریر میں یہ کہہ دیا تھا کہ اس جلسہ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق کوئی تقریر نہ ہو گی - اس کے بعد میں ایڈریس کا جواب دینے کے لئے کھڑا ہوا (صدارتی تقریر کے

بعد ایڈریس پیش کیا گیا تھا) میں نے بعض ضروری مضامین کے بعد ملک کی حالت بیرونی ممالک اور غیر اقوام نیز اندرون ملک میں آزادی کا تمہیدی مضمون شروع کیا تو کہا کہ موجودہ زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں۔ دیکھو انگلستان کے بسنے والے سب ایک قوم شمار کئے جاتے ہیں حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں، نصرانی بھی پروٹسٹنٹ بھی کیتھولک بھی یہی حال امریکہ جاپان اور فرانس وغیرہ کا ہے الخ۔ جو لوگ جلسہ کو درہم برہم کرنے آئے تھے انھوں نے شور مچانا شروع کیا میں اس وقت یہ نہ سمجھ سکا کہ شور کی وجہ کیا ہے۔ جلسہ جاری رکھنے والے لوگ اور وہ چند آدمی جو کہ شور و غوغا چاہتے تھے سوال و جواب دیتے رہے اور "چپ رہو" کے الفاظ سنائی دیئے۔ اگلے روز الامان وغیرہ میں چھپا کہ حسین احمد نے تقریر میں کہا کہ قومیت وطن سے ہوتی ہے مذہب سے نہیں ہوتی۔ اور اس پر شور و غوغا ہوا اس کے بعد اس میں اور دیگر اخبارات میں سب وشتم چھاپا گیا۔ کلام کے ابتدا و انتہا کو حذف کر دیا گیا اور کوشش کی گئی تھی کہ عام مسلمانوں کو ورغلایا جائے میں اس تحریف اور اتہام کو دیکھ کر چپکا ہو گیا اور تقریر کا بڑا حصہ "انصاری" اور "تیج" میں بھی چھپا مگر اس کو کسی نے نہیں لیا "الامان" اور "وحدت" سے "انقلاب" "زمیندار" وغیرہ نے لیا اور اپنے دلوں کی بھڑاس نکالی، ۸ یا ۹ جنوری کے انصاری اور تیج کو ملاحظہ فرمائیے میں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ مذہب و ملت کا دارومدار وطنیت پر ہے یہ بالکل افترا اور دجل ہے "احسان" مورخہ ۱۳ جنوری کے صفحہ ۳ پر بھی میرا قول یہ نہیں بتایا گیا بلکہ یہ کہا گیا کہ "قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے اگرچہ یہ بھی غلط ہے مگر یہ بھی ضرور تسلیم کیا گیا ہے کہ مذہب و ملت کا مدار وطنیت پر ہوتا میں نے نہیں کہا تھا، شملہ کی چوٹیوں اور نئی دہلی سے تعلق رکھنے والے ایسے افترا اور اتہام کرتے ہی رہتے ہیں۔ اس قسم کی تحریفیں اور سب وشتم ان کے فرائض منصبیہ میں سے ہیں ہی، اگر سر اقبال جیسے مہذب اور متین شخص کا ان کی صف میں آجانا ضرور تعجب خیز امر ہے۔ ان سے میری خط و کتابت نہیں، مجھ جیسے ادنیٰ ترین ہندوستانی کا اُن کی بارگاہ عالی تک پہنچنا اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اگر غیر مناسب نہ ہو تو اُن کی عالی بارگاہ میں یہ شعر ضرور پہونچا دیجئے۔

ھنیاً مریئاً غیر داء مخامر اعزۃ من اعراضنا ما استحلت

افسوس کہ سمجھدار اشخاص اور آپ جیسے عالی خیال نخریہ جانتے ہیں کہ مخالفت کی بنا پر یہ اخبار ہر قسم کی ناجائز اور ناسزا کارروائیاں کرتے رہتے ہیں اُن پر ہرگز اعتماد ایسے امور میں نہ کرنا چاہیئے اور سر اقبال جیسے عالی خیال اور حوصلہ مند مذہب میں ڈوبے ہوئے تجربہ کار شخص کو یہ خیال نہ آیا نہ تحقیق کرنے کی طرف توجہ فرمائی، آیۃ (اذا جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا الآیۃ گویا ان کی نظر سے نہیں گذری سر اقبال فرماتے ہیں۔

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است

چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

کیا انتہائی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ملت اور قوم کو سر اقبال ایک قرار دیکر ملت کو وطنیت کی بنا پر نہ ہونے کی وجہ سے قومیت کو بھی اس سے منزہ قرار دیتے ہیں۔ یہ بوالعجبی نہیں تو کیا ہے۔ زبان عربی اور مقام محمد عربی (علیہ السّلام سے) کون بے خبر ہے؟ ذرا غور فرمائیے میں نے اپنی تقریر میں لفظ قومیت کا کہا ہے۔ ملت کا نہیں کہا ہے۔ دونوں لفظوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ملت کے معنے شریعت اور دین کے ہیں اور قوم کے معنی عورتوں اور مردوں کی جماعت کے ہیں۔

قاموس میں ہے و بالکسر الشریعۃ او الدین یہ ملت کی بحث میں ہے

نیز قاموس میں ہے۔ القوم الجماعۃ من الرجال والنساء معا او الرجال خاصۃ او تدخلہ النساء تبعیۃً (بحث قوم)

مجمع البحار میں ملت کے معنی ان الفاظ کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں ما شرع اللہ لعبادہ علی سنۃ الانبیاء علیہم السّلام ویستعمل فی جملۃ الشرائع لا فی احادھا ثم اتسعت فاستعملت فی الملۃ الباطلۃ فقیل الکفر ملۃٌ واحدۃ) الخ

میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ منطق کون سی ہے۔ لفظ قوم، ملت، دین، تینوں عربی ہیں۔ اُن کے معانی کو لغت عربی سے پوچھیئے اور دیکھئے کہ کسی لغت عربی کی معتبر کتاب میں قوم اور علیٰ ہذا القیاس

قوم اور دین کو مرادف اور ہم معنیٰ قرار دیا ہے یا نہیں۔ آیات و روایات کو ٹٹولئے اور سر صاحب کی بوالعجبی کی داد دیجئے۔

اگر میری تقریر کے سیاق و سباق کو بھی حذف کر دیا جائے اور عبارت میں حسب اعلان جریدہ "احسان" "قوم یا قومیت کی اساس وطن پر مبنی ہے" بتائی جاتے تب بھی میں نے کب کہا کہ ملت یا دین کی اساس وطن پر ہے۔ پھر سر موصوف کی یہ فیت "سرود بر سر منبر الخ" افترا محض نہیں ہے تو کیا ہے اور اُن کا ان تینوں کو ایک قرار دینا عجمیت اور زبان عربی سے ناواقفیت نہیں ہے تو کیا ہے؟

یا للعجب و لضیعۃ الادب۔

آپ مجھ کو ارشاد فرماتے ہیں کہ تو اپنے خیالات سے مجھ کو مطلع کر۔ جواباً عرض ہے کہ قوم کا لفظ ایسی جماعت پر اطلاق کیا جاتا ہے جس میں کوئی وجہ جامعیت کی موجود ہو۔ خواہ وہ مذہبیت ہو یا وطنیت یا نسل یا زبان یا پیشہ یا رنگت یا کوئی صفت مادی یا معنوی وغیرہ وغیرہ۔

کہا جاتا ہے عربی قوم۔ عجمی قوم۔ ایرانی قوم مصری قوم۔ پختون قوم۔ فارسی بولنے والی قوم سیدوں کی قوم، شیخوں کی قوم کنجڑوں کی قوم، موچیوں کی قوم، کالوں کی قوم، گوروں کی قوم صوفیوں کی قوم، دنیا داروں کی قوم وغیرہ وغیرہ۔ یہ محاورات تمام دنیا میں شائع و ذائع ہیں۔ اور زبان عربی بلکہ احادیث و آیات میں بکثرت وجوہ پر اطلاق لفظ قوم کا پایا جاتا ہے۔ انھیں میں ہندوستانی قوم بھی ہے۔ موجودہ زمانہ میں ہندوستانی قوم سے بیرونی ممالک میں تمام باشندگان ہندوستان سمجھے جاتے ہیں خواہ اُردو بولنے والے ہوں یا بنگلہ، خواہ وہ کالے ہوں یا گورے، ہندو ہوں یا مسلمان، پارسی ہوں یا سکھ، انڈین کا لفظ ہر ہندوستانی پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ میں ہندوستان سے باہر تقریباً سترہ برس رہا ہوں عرب، شام، فلسطین۔ افریقہ۔ مصر، مالٹا وغیرہ میں رہتا ہوا ہر ملک کے باشندوں سے ملنا جلنا، بیٹھنا اٹھنا ہوا جرمن۔ آسٹرین۔ بلگیرین۔ انگریز۔ فرانسیسی آسٹریلین، امریکی، روسی چینی، جاپانی، ترکی، عربی وغیرہ وغیرہ مسلم اور غیر مسلم کے ساتھ سالہا سال ملنا جلنا نشست و برخاست کی نوبت آئی۔ اگر یہ لوگ عربی یا ترکی یا

فارسی یا اُردو سے واقف ہوتے تھے تو بلا ترجمان ورنہ بذریعہ ترجمان گفتگوئیں ہوتی تھیں۔ سیاسی مسائل اور مذہبی امور زیر بحث رہتے تھے۔ میں نے بیرونی ممالک کے عام لوگوں کو اسی خیال اور عقیدہ پر پایا کہ وہ ہندوستانی لوگوں کو ایک قوم سمجھتے ہیں اور سب کو باوجود مختلف المذاہب و مختلف اللسان و الالوان ہونے کے ایک ہی لڑی میں پروتے ہیں۔ لغوی معنی اس سے انکاری نہیں عرف اس کا متقاضی ہے پھر اس کے انکار کے کیا معنیٰ ہیں۔ یہ دعویٰ کہ اسلام کی تعلیم قومیت کی بنیاد جغرافیائی حدود یا نسلی وحدت یا رنگ کی یکسانی کے بجائے شرف انسانی اور اخوت بشری پر رکھتی ہے (جیسا کہ مدیر احسان کا دعویٰ ہے) مجھے نہیں معلوم کہ نص قطعی یا ظنی سے ثابت ہے جس کی بنا پر اختلافات اوطان وغیرہ پر اطلاق لفظ قوم ممنوع ہو لوگوں میں مساویانہ برتاؤ اور برادرانہ معاملات دوسری چیز ہیں۔ حالانکہ ان میں امتیاز عرفاً و شرعاً معتبر ہے اس کے علاوہ تقریر میں نہ اسلامی تعلیم اور نظریہ کا ذکر بھی نہیں تھا۔

میرے محترم اس اجنبی اور خود غرض حکومت اور پردیسی خون چوسنے والی قوم نے جس نعرہ مذلت اور ہلاکت اور خط و افلاس کے تیرہ و تاریک گڑھے میں تمام ہندوستانیوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً عرصہ دراز سے ڈال رکھا ہے اور جس طرح وہ ہندوستانیوں کو روزافزوں فنا کے گھاٹ اتارتی جا رہی ہے وہ اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ اس کے بیان کی حاجت نہیں ہے۔ نیز اس سے آزاد ہوتا اور ملک و ملت کی زندگی اور بہبودی کی فکر اور سعی کرنا ہر حیثیت سے سبھوں کا فریضہ ہونا بھی اظہر من الشمس ہے (ان دونوں چیزوں سے بجز غبی یا مکابر کوئی شخص بھی منکر نہیں ہو سکتا) اگرچہ اس پردیسی خونخوار قوم سے نجات کے اور بھی ذرائع عقلاً ممکن ہیں مگر جس قدر قوی اور مؤثر ذریعہ تمام ہندوستانیوں کا متفق اور متحد ہو جانا ہے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس کے آگے اس حکومت کے جملہ اسلحہ اور تمام قوتیں بیکار ہیں اور بغیر نقصان عظیم ہندوستانی اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اشد ضرورت ہے کہ تمام باشندگان ملک کو منظم کیا جائے اور اُن کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کر کے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے۔ ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق

ملل کے لئے کوئی رشتہ اتحاد بجز متحدہ قومیت کے نہیں جس کی اساس وطنیت ہی ہو سکتی ہے اس کے علاوہ کوئی اور دوسری چیز نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ کانگریس نے ابتدا ہی سے اس امر کو اپنے اغراض و مقاصد میں داخل کیا ہے ۱۸۸۵ء میں جبکہ کانگریس کا اولین اجلاس ہوا تو سب سے پہلا مقصد مندرجہ ذیل الفاظ میں ظاہر کیا گیا۔

"ہندوستان کی آبادی جن مختلف اور متضاد عناصر سے مرکب ہے ان سب کو متفق اور متحد کر کے ایک قوم بنایا جائے۔"

یہی متحدہ قومیت انگلستان کے دل میں ہمیشہ سے کھٹکتی رہی ہے اور ہر انگریز اس سے خائف اور اس کے زائل کرنے کے لئے ہر طرح سے ساعی ہے۔ پروفیسر سیلے نے "اکسپنشن آف انگلینڈ" میں اس کے متعلق لکھا ہے۔

"اگر ہندوستان میں متحدہ قومیت کا کمزور جذبہ بھی پیدا ہو جائے اور اس میں اجنبیوں کے نکالنے کی کوئی عملی روح بھی نہ ہو بلکہ صرف اسی قدر احساس عام ہو جائے کہ اجنبی حکومت سے اتحاد عمل ہندوستانیوں کے لئے شرمناک ہے تو اسی وقت سے ہماری شہنشاہیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ ہم درحقیقت ہندوستان کے فاتح نہیں ہیں اور اس پر فاتحانہ حکمرانی نہیں کر سکتے۔ اگر ہم اس طرح کی حکومت کرنی بھی چاہیں گے تو اقتصادی طور پر قطعاً برباد ہو جائیں گے۔"

اس بنا پر ہمیشہ سے یہی کوشش مدبران برطانیہ کی جاری ہے کہ یہ جذبہ ہندوستانیوں میں پیدا نہ ہونے دیا جائے اور اگر کبھی اس کی کوئی صورت پیش آ بھی جائے تو اس کو جلد از جلد ہر ممکن صورت سے تفرقہ ڈلوا کر فنا کر دیا جائے۔ "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی انگریزی پالیسی مشہور تر اور شاہد ہے بالخصوص کانگریس کے پیدا ہونے کے بعد تو اس راہ میں انتہائی جدوجہد جاری ہے۔ مسٹر بیک اور مسٹر ماریسن اور سر آکلانڈ کالون وغیرہ کی انتہائی انفرادی مساعی اور پھر ۱۸۸۸ء کی اجتماعی مساعی اس کی شاہد عدل ہیں جس کے ماتحت اولاً اسی سنہ میں "یونائیٹڈ انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن" قائم کرائی گئی

ہے جس کا دوسرا نام "انٹی کانگرس" تھا۔ اور پھر ۱۹۰۶ء میں "محمڈن اینگلو اورنٹیل ڈیفنس یونین آف اپر انڈیا" تخلیق کی گئی جس کے مناصب حسب ذیل قرار دیئے گئے تھے۔

(الف) مسلمانوں کی رائیں انگریزوں اور گورنمنٹ ہند کے سامنے پیش کر کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کرنا۔

(ب) عام سیاسی شورش کو مسلمانوں میں پھیلنے سے روکنا۔

(ج) ان تدابیر میں امداد دینا جو سلطنت برطانیہ کے استحکام اور سلطنت کی حفاظت میں ممد ہوں ہندوستان میں امن قائم رکھنے کی کوشش کرنا اور لوگوں میں وفاداری کے جذبات پیدا کرنا مسٹر بیک اور مسٹر کالون وغیرہ کی انفرادی مساعی کا نتیجہ تھا کہ سرسید جیسے تیز اور سخت سیاسی آدمی کے خیالات پر نہایت زہریلا اثر ڈالا گیا (اسباب بغاوت ہند کے لکھنے والے شخص کے عقائد اور ارادوں کو روزانہ اور پیہم مساعی سے بالکل ہی جامد اور انگریز پرست ڈریوک بنا دیا گیا۔ انہیں مساعی کی بنا پر ۱۹۰۶ء میں لارڈ میکڈانلڈ نے ناگری اور اردو کا قصہ اٹھایا اور انہیں وجوہ کی بنا پر ۱۹۰۶ء میں متعدد ذمہ داران برطانیہ کی کوششوں سے مسلم لیگ کی تخلیق شملہ کی چوٹیوں سے ظہور پذیر ہوئی اور آج تک اسی پالیسی پر گامزن ہے اسی بنا پر بار بار امن سبھائیں قائم کرائی گئیں اسی بنا پر شدھی اور سنگھٹن کو میدان میں پیش کیا گیا۔

مسٹر ہارسین اور مسٹر بیک وغیرہ کی کارروائیاں اگر دیکھنی ہوں تو انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے پرچے ملاحظہ ہوں مسلمانوں کو خصوصی طور پر کانگریس سے متنفر کرنے اور اس سے دور کرنے کی پالیسی آج سے نہیں بلکہ ۱۸۹۵ء یا اس سے بھی پہلے سے جاری ہے اور کامیاب ہوتی جاتی ہے، آج بھی یہی شراب ارغوانی جو کہ مسلم لیگ کی گھٹی میں ڈالی گئی تھی اس کے ممبروں کو گورے گورے ہاتھوں سے پلائی جا رہی ہے اور وفاداران ازلی اپنے خداوندوں کی مختلف پیرایوں میں خدمات جلیلہ انجام دیتے ہوئے لیگ کے پلیٹ فارم پر گرجتے اور جمعیۃ علماء اور دیگر سچے مخلصین خدام ملک و ملت سے نفرت دلانے میں طول کے خوف سے میں مفصل کیفیت اس بیان میں نہیں لاتا۔ اگر آئندہ کوئی موقعہ ملا تو عرض کروں گا' مسلمانوں کو

ہمیشہ دھوکہ دیا گیا اور آج بھی نہایت قوت اور چالاکی سے دیا جا رہا ہے، ان کو چاہیے کہ گذشتہ تاریخ کا مطالعہ کریں اور اپنے تحفظ و زندگی کا سامان کریں۔ اہل مطالعہ سے میری پُر زور درخواست ہے کہ وہ ضرور بالضرور کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" جو کہ ابھی ابھی مطبع نظامی میں چھپی ہے منگائیں اور اس کے آئینے میں انگریزی پالیسی اور مسلم لیگ وغیرہ کی حقیقت اور نام نہاد لیڈروں کی برہنہ تصاویر مشاہدہ کریں۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔ والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔ ۸ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ

مکتوب ۴۳

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف

والانامہ مجھ کو کلکتہ میں کل ۲۴ ذی الحجہ کو ملا۔ میں دیوبند سے ۱۱ ذی الحجہ کو ہری پور کے لئے روانہ ہو گیا تھا۔ ادھر سے بمبئی ہوتا ہوا کلکتہ آیا ہوں اس وقت مجھ کو بنگال آسام کے متعدد جلسوں میں شریک ہونا ہے۔ انشاء اللہ ہفتہ عشرہ کے بعد دیوبند پہونچوں گا۔ میں نے جب عریضہ لکھا تھا تو بعض احباب نے اصرار کیا تھا کہ چونکہ جگہ جگہ پروپیگنڈہ کیا گیا ہے اور ہر طرف سے خطوط آ رہے ہیں، نیز بذریعہ "مدینہ" وغیرہ مجھ سے استفسار کیا ہے۔ بنا بریں لازم ہے کہ اس خط کی نقل شائع کر دی جائے۔ میں نے ان کے اصرار پر اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ آپ کے پاس عریضہ روانہ کر دینے کے بعد انھوں نے اس کی نقلیں "مدینہ"، "الجمعیۃ"، "انصاری"، "ہند جدید"، "ترجمان سرحد"، "پاسبان"، "اجمل" وغیرہ کو بھیج دیں وہ شائع ہو گئی ہیں۔ بنا بریں عرض ہے کہ جناب کا اس عریضہ کو سر اقبال صاحب کی خدمت میں بھیجنے کے متعلق استفسار فرمانا اب غیر ضروری ہے اور اس میں کوئی پرائیوٹ مضمون تھا بھی نہیں۔ اگر ان کو ان اخباروں کے مضامین نہ پہنچے ہوں اور غالباً نہ پہنچے ہوں گے۔ کیونکہ بڑے حضرات اردو کے اخبار اور بالخصوص قومی اخبار ملاحظہ نہیں فرماتے تو ضرور بھیج دیجئے۔ میرے محترم سر موصوف کا ارشاد ہے کہ اگر بیان واقعہ مقصود تھا تو اس میں کوئی کلام نہیں اگر مشورہ مقصود ہے تو وہ خلاف

زیادتی ہے اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق و سابق پر نظر ڈالی جائے میں عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانہ میں تو ہم اوطان سے مٹی ہیں یا اس زمانہ میں جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے یہاں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ تم کو ایسا کرنا چاہیے خبر ہے انشا نہیں ہے کسی ناقل نے مشورہ کو ذکر بھی نہیں کیا نہ امر و انشاء کا لفظ ذکر کیا ہے۔ پھر اس کو مشورہ قرار دینا کس قدر غلطی ہے اور واقعہ اصلی یہ تھا کہ میں تقریر میں ان امور کو گنوا رہا تھا۔ جو کہ ہندوستانیوں کو اور بالخصوص مسلمانوں کو انگریزوں سے ہندوستان سے پہنچے ہیں۔ ان میں پہلی چیز ذکر میں ذلت آئی تھی کہ تمام دنیا میں اس زمانہ میں ہم ذلیل شمار کئے جاتے ہیں کیونکہ ساری دنیا کا خیال ہے کہ ہندوستانی (ہندوستان کے باشندے) ایک قوم ہیں اور وہ سب کے سب غلام ہیں۔ اور غلام ذلیل و خوار ہوتا ہی ہے۔ اس لئے ہم بیرون ممالک میں نہایت ذلیل دیکھے جاتے ہیں۔ وہاں کے لوگ مسلمان، ہندو، سکھ، پارسی یہودی وغیرہ کا مذہبی یا نسلی یا صنعتی فرق نہیں دیکھتے ہیں اور سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستانیوں کے متعلق نٹال، ٹرانسوال، کیپ کالونی، مارشیس، زنجبار، نیروبی، کینیا، فجی، آسٹریلیا، کینیڈا۔ امریکہ وغیرہ نہایت شرمناک اور ذلیل ترین قوانین اپنے یہاں بناتے ہیں اور ہندوستانی باشندوں کو شہری حقوق سے محروم کرتے ہیں اور ہم کوئی امداد وہاں کے ہندوستانی باشندوں کی نہیں کر سکتے۔ کیا ایسا وہ جاپان یا چین یا اطالین یا انگلینڈ یا ڈچ وغیرہ آزاد قوموں کے ساتھ کر سکتے ہیں اسی طرح ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے متعلق جو کہ فلسطین یا سیریا یا مصر یا عراق۔ طرابلس یا الجیریا وغیرہ میں موجود ہیں آوازیں اٹھاتے ہیں مگر کوئی یورپین طاقت ہماری آواز کی طرف رُخ نہیں کرتی اور نہ متاثر ہوتی ہے اس کی وجہ یہی ذلت ہے۔ خود برطانیہ کے مقابل ہم اس کے کھلے ہوئے مظالم پر جو کہ ہندوستان اور سرحد وغیرہ میں ہو رہے ہیں پروٹسٹ کرتے ہیں مگر وہ کان بھی نہیں دھرتی ہم بیرون ممالک میں دیگر اقوام کے سامنے اسی غلامی کی وجہ سے ہندوستانی قوم کو ذلیل کرتے ہوئے بارہا مشاہدہ کر چکے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

دوسری چیز میں نے ذکر کی تھی "بزدلی اور جبن" امورِ جنگ سے ناواقفیت اور اُس کو واضح طور پر ثابت کیا تھا - تیسری چیز نفاق - چوتھی چیز فقر و فاقہ پانچویں چیز جہل چھٹی چیز کسل اور سستی - ساتویں چیز بدعقلی - آٹھویں بیکاری وغیرہ مسلمانوں کے لئے خصوصی دارالاسلام کا دارالحرب ہوجانا - عالمِ اسلامی کا اس غلامی کی وجہ سے برباد ہونا مذہبی امور کا غارت ہونا وغیرہ یہاں کوئی مشورہ بجز اس کے ذکر نہیں کیا گیا تھا کہ اشد ضروری ہے کہ جلد از جلد کوشش کر کے ہندوستان کو آزاد کرائیں اگر اس مشورہ کو خلافِ دین و امانت شمار کیا جاتا ہے تو با نالان کہتا ہوں کہ میں اسی کو فرض سمجھتا ہوں -

فذالک ذنب لست منه اتوب (یہ ایسا گناہ ہے جس سے میں توبہ نہیں کر سکتا)

دنیا ادھر سے اُدھر ہو جائے اس مشورہ کو دوں گا اور میرا اعتقاد ہے کہ اس میں تقصیر کرنا مسلمان کے لئے حرام ہے اپنی طاقت کے مطابق اس میں حصہ لینا ضروری ہے -

باقی رہا ملتِ اسلامی کا بلا انساب بلا الوان بلا اوطان بلا صنائع وغیرہ متحد ہونا اور کرنا تو یہ دوسرا امر ہے اس کو بھی ہم جانتے ہیں، ہماری گھٹی میں پڑا ہے اس کی بنا پر ہم مالٹا میں قید رہے - ہم نے کراچی کا جیل کاٹا اور سیکڑوں مصائب اٹھائے اور بچپن سے اس کی تعلیم پائی - قرآن کی آیات احادیث صحیحہ اور روایات آج نہ سطور میں بلکہ صدور میں موجود ہیں - جن کو بارہا منابر پر مجامع میں ہم پڑھتے اور اُس کا وعظ سناتے ہیں - کوئی تو صرف اُس کا قوال ہی ہوگا - ہم قوال اور فعال دونوں ہیں - قوم کی بے حسی اور کمزوری کی وجہ سے اس حالت میں پڑے ہوئے ہیں پھر کس قدر تعجب خیز امر ہے کہ قوم اور ملت اور دین کو ایک قرار دیا گیا - میں فرق کو نقل کر چکا ہوں - اگر خلافِ لغت سر صاحب موصوف کا نظریہ دونوں کے اتحاد وغیرہ کا ہے تو اُن کو اپنے نظریہ کے مخالف کو ایسے ناشائستہ الفاظ کہنے کا کیا حق تھا - بہرحال

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

میرے محترم! ہم تو ایسی سب دشنام کے عادی ہو گئے ہیں - سنکر کچھ تغیر نہیں ہوتا

رنج کا عادی ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

مسلم لیگ کی شرمناک کارروائیاں مشاہدہ کرنے کے بعد جب سے میں علیحدہ ہوا ہوں ہر قسم کے سب و شتم کا بہ نسبت سابق زیادہ نشانہ بنا ہوا ہوں وہ کون سے الفاظ اور معاملات ہیں جو نہیں کئے گئے۔ سر موصوف صاحب تو جب بھی غیر ہیں۔ یہاں اپنے ہی کیا کمی کر رہے ہیں۔ والسلام دعوت صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ اس وقت میں نے یہ عریضہ اسٹیمر میں گوالندو اور چاندپور کے درمیان لکھا ہے۔ تاخیر پر مواخذہ نہ فرمائیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو میرے عریضہ کی نقل "احسان" کو بھیج دیں شاید وہ شائع کر دے اور جب کہ اس نے سر موصوف کا مقالہ ابتدا میں شائع کیا ہے تو اس کا فریضہ ہے کہ اس کو بھی شائع کر دے اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس عریضہ کو بھی شائع فرمادیں یا سر موصوف کی خدمت میں بھیج دیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ - ۲۵ ذی الحجہ

حاشیہ مکتوب ۴۲ و ۴۳

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ صدر دار العلوم دیوبند کی ذات گرامی کسی تعریف و تعارف کی محتاج نہیں۔ اتحاد اسلامی کے وہ اولین مبلغ و ناشر ہیں اور حریت وطنیہ کے وہ پرانے جانباز سپاہی بلکہ رہنما ہیں۔ ان کے صفات حسنہ اپنے تو اپنے اغیار بھی تسلیم کرتے ہیں۔ مگر ضرورت وقتی کے طور پر لوگوں کی عقیدت کو ان کے آستان عالی سے برگشتہ کرنے کی خاطر آسمان دہلی و شملہ کے کربی بعض اوقات ان کے خلاف خرافات و ہذیانات اور اباطیل واکاذیب کی نشر و اشاعت ضروری سمجھتے ہیں پروپیگنڈہ کی اس بارش کے بعد لالہ جی کی گلے تو آسانی سے گذر جاتی ہے مگر شیخ کا اونٹ جو "کیف خلقت" کی اعجوبہ زا تعبیر ہے جون پھسلنا شروع ہوتا ہے تو شملہ کی بلندیوں سے لے کر شاہجہاں اور عالمگیر کی مساجد کی

سیڑھیوں تک بس پھسلتا ہی چلا جاتا ہے۔ ایسی ہی ایک لغزش میں علامہ اقبال مرحوم بھی مبتلا ہو گئے تھے۔ مگر خدا بھلا کرے بھائی طالوت صاحب کا جنھوں نے علامہ اور مولانا سے خط و کتابت فرما کر علامہ کی غلط فہمی کو دور کرا دیا تھا۔ چنانچہ علامہ مرحوم نے "احسان" لاہور میں اپنا ایک بیان بھی شائع کرایا تھا جس میں صاف الفاظ میں اعلان فرمایا تھا کہ مجھے اب مولانا پر کوئی اعتراض نہیں، مگر بدقسمتی سے علامہ مرحوم اس کے کچھ عرصہ بعد انتقال فرما گئے اور اُن کی آخری تصنیف "ارمغان حجاز" کی جمع و ترتیب اور طباعت و کتابت کا کام ان لوگوں کے ہاتھ میں آگیا جن کی نکیل حدی خوانان شملہ کے ہاتھ میں رہتی ہے اور علامہ کا اعتراض واپس لینے کے بعد بھی علامہ کے ان دل آزار اشعار کو "ارمغان حجاز" میں درج کر دیا گیا اور ایک حجازی مہاجر کی نہیں (کیونکہ اس کی ذات تو مدح و قدح کی اس قسم کی آلائشوں سے دور اور بالاتر ہے) بلکہ حجاز کے جملہ نام لیواؤں کے قلوب کو مجروح کر کے ان پر نمک پاشی کا فریضہ زرنگی ادا فرمایا گیا اس پر بس نہیں بلکہ بعض تعصب بیض کے راز رموز سے واقف "رازیوں" نے علامہ مرحوم کے وہ بیانات بھی دوبارہ سہ بارہ چھاپ کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جن کی حیثیت علامہ کے آخری بیان کے بعد ایک "ناگفتہ بہ" چیز کے برابر ہو جاتی ہے، دیانت و امانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر علامہ کے تبرکات ہی شائع کرنا مطلوب تھے تو علامہ کا آخری بیان بھی ساتھ ہی شائع کر دیا جاتا۔ مگر ان لوگوں کو تو "لا تقربوا الصلوٰۃ" کا مفہوم بطور وسواس القا کرنا تھا" انتم سکاریٰ" بتلانے سے تو تبلیس کی ہانڈی عقل و خرد کے چوراہے پر دھڑام سے گر کر پھوٹ جاتی۔ پھر وہ آخری بیان شائع کرتے تو کیونکر؟ حسن اتفاق سے بھائی طالوت سے ملاقات ہوئی تو حضرت مولانا اور علامہ مرحوم کے خطوط اُن کے پاس موجود تھے، خطوط دیکھنے کے بعد معاً خیال ہوا کہ اقانیم ثلاثہ کے پجاریوں کے پجاری، ابالیس ارضیہ کی تلبیسات کا اس سے بہتر کوئی جواب نہیں کہ یہ ساری خط و کتابت شائع کر دی جائے۔ چنانچہ طالوت صاحب سے استدعا کی گئی تو انھوں نے نہایت خندہ پیشانی سے وہ خطوط بندہ کے حوالے کر دیئے بلکہ "احسان" کا

وہ پرچہ بھی عنایت فرمادیا جس میں علامہ کا آخری بیان شائع ہوا تھا۔ میں اپنے بھائی "طالوت" کا نہایت ہی شکر گذار ہوں جنھوں نے اس آفتاب علم کے چہرۂ روشن سے غلط فہمیوں کے گرد وغبار چھانٹنے میں نہایت ہی بیش بہا اور گراں قدر مدد فرمائی۔ (نیاز مند ناشر)

طالوت صاحب کا خط
علامہ اقبال کے نام

متاع محترم اسلامیاں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اگرچہ میرا یہ درجہ نہیں کہ آپ سے شرف مخاطبت حاصل کرسکوں۔ مگر "الضرورات تبیح المحذورات" کی بنا پر باوجود اس علم کے کہ آپ کی طبیعت کچھ ناساز رہتی ہے تکلیف دینے کی معافی چاہتا ہوں۔ اُمید کہ آپ اخلاق کریمہ کی بنا پر اپنے اوقات ثمینہ میں سے دو چار منٹ نکال کر میرے عریضہ کو پڑھنے اور اس کے جواب کی زحمت برداشت کریں گے مولانا حسین احمد صاحب قبلہ کے متعلق آپ کی نظم عجم ہنوز نداند الخ "احسان" میں چھپی اور اس سے پہلے "احسان" "زمیندار" "انقلاب" میں اُن کے خلاف متواتر پروپیگنڈہ بھی کیا جاتا رہا۔ میں نے مولانا کو ایک نیاز نامہ میں اس نظم اور اس پروپیگنڈہ کی طرف توجہ دلائی اس کے جواب میں انھوں نے ازراہ شفقت ایک مفصل تحریر بھیجی ہے جس کے اہم اقتباسات ذیل میں درج ہیں۔

میں نے بعض ضروری مضامین کے بعد ملک کی حالت بیرونی ممالک اور غیر اقوام نیز اندرون ملک میں آزادی کی ضرورت کا تمہیدی مضمون شروع کیا تو کہا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں۔ دیکھو انگلستان کے بسنے والے سب ایک قوم شمار کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں۔ نصرانی بھی پروٹسٹنٹ بھی کیتھولک بھی یہی حال امریکہ۔ فرانس۔ جاپان وغیرہ کا ہے الخ جو کہ جلسہ درہم برہم کرنے کے لئے آئے تھے اور موقع چاہ رہے تھے، اُنھوں نے شور مچانا

شروع کیا۔ میں اس وقت یہ نہیں سمجھ سکا کہ شور کی وجہ کیا ہے۔ جلسہ جاری رکھنے والے لوگ اور وہ چند آدمی جو کہ شور و غوغا چاہتے تھے سوال و جواب دیتے رہے اور چپ رہو وغیرہ کے الفاظ سنائی دیئے اگلے روز "الامان" وغیرہ میں چھپا کہ حسین احمد نے تقریر میں کہا ہے کہ قومیت وطن سے ہوتی ہے مذہب سے نہیں ہوتی اور اس پر شور و غوغا ہوا۔ اس کے بعد اس میں اور دیگر اخبارات میں سب و شتم چھاپا گیا۔ کلام کے ابتدا و انتہا کو حذف کر دیا گیا تھا اور کوشش کی گئی تھی کہ عام مسلمانوں کو ورغلایا جائے۔ میں اس تحریف اور اتہام کو دیکھ کر چپکا ہو گیا۔ تقریر کا بڑا حصہ "انصاری" اور "تیج" میں چھپا مگر اس کو کسی نے نہیں لیا "الامان" اور "وحدت" سے "انقلاب" اور "زمیندار" نے لیا اور اپنے دلوں کی بھڑاس نکالی۔ ۸۔ یا ۹۔ جنوری کے انصاری" اور" تیج" کو ملاحظہ فرمایئے۔ میں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ مذہب و ملت کا دار و مدار وطنیت پر ہے یہ بالکل افترا اور دجل ہے" احسان" مورخہ ۱۳؍ جنوری کے صفحہ ۳ پر بھی میرا قول یہ نہیں بتایا گیا بلکہ یہ کہا گیا کہ" قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ بھی غلط ہے۔ مگر یہ ضرور تسلیم کیا گیا ہے کہ مذہب و ملت کا مدار وطنیت پر ہوتا ہے۔ نے نہیں کہا تھا۔ شملہ کی چوٹیوں اور نئی دہلی سے تعلق رکھنے والے ایسا افترا اور اتہام کرتے ہی رہتے ہیں۔ اس قسم کی تحریفیں اور سب و شتم اُن کے فرائض منصبیہ میں سے ہیں ہی۔ مگر سر اقبال جیسے مہذب اور متین شخص کا ان کی صف میں آجانا ضرور تعجب خیز امر ہے۔ اُن سے میری خط و کتابت نہیں، مجھ جیسے ادنیٰ ترین ہندوستانی کا اُن کی عالی بارگاہ تک پہنچنا اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے اگر غیر مناسب نہ ہو تو اُن کی عالی بارگاہ میں یہ شعر ضرور پہنچا دیجئے ؎

هنيئاً مريئاً غير داء مخامر لعزة من اعراضنا ما استحلت

افسوس کہ سمجھدار اشخاص اور آپ جیسے عالی خیال یہ تو جانتے ہیں کہ مخالفت کی بنا پر اخبار ہر قسم کی ناجائز اور ناسزا کارروائیاں کرتے رہتے ہیں اُن پر ہرگز اعتماد ایسے امور میں نہ کرنا

چاہیے اور سر اقبال موصوف جیسے عالی خیال اور حوصلہ مند مذہب میں ڈوبے ہوئے تجربہ کار شخص کو یہ خیال نہ آیا نہ تحقیق کرنے کی طرف توجہ فرمائی آیتہ اذا جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا الآیۃ گویا ان کی نظر سے نہیں گذری ۔ اگر میری تقریر کے سیاق و سباق کو حذف بھی کر دیا جائے اور عبارت میں تحریف کر کے حسب اعلان جریدہ "احسان" قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے" بتائی جائے تب بھی میں نے کب کہا کہ ملت یا دین کی اساس وطن پر ہے ۔ اس کے علاوہ تقریر میں تو اسلامی تعلیم اور نظریہ کا ذکر بھی نہیں تھا ۔

یہ مولانا کی تحریر کے وہ اقتباس ہیں جو میرے نزدیک ضروری تھے کہ آپ کی نظر سے گذر جائیں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا کی پوزیشن صاف ہے آپ کی نظم کا اساس غلط پروپگنڈا پر ہے ۔ آپ کے نزدیک بھی اگر مولانا بے قصور ہوں تو مہربانی فرما کر اپنی عالی ظرفی کی بنا پر اخبارات میں اُن کی پوزیشن صاف فرمایئے ۔ بصورت دیگر مجھے اپنے خیالات سے مطلع فرمایئے تاکہ مولانا سے مزید تشفی کر لی جائے ہمارے جیسے نیازمند جو دونوں حضرات کے عقیدت کیش ہیں دوگونہ رنج و عذاب میں مبتلا ہیں ۔ اُمید کہ باوجود عدیم الفرصتی کے ہمیں اس ورطہ حیرانی سے نکالنے میں آیۂ رحمت ثابت ہونگے ۔ "طالوت"

علامہ اقبال کا خط
جناب طالوت کے نام

۱۶ر فروری ۱۹۳۸ء

جناب من ۔ مولانا حسین احمد صاحب کے معتقدین اور احباب کے بہت سے خطوط میرے پاس آئے ان میں سے بعض میں تو اصل معاملہ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے مگر بعض نے معاملہ پر ٹھنڈے دل سے غور کیا ہے اور مولوی صاحب کو بھی اس ضمن میں خطوط لکھے ہیں چنانچہ آپکے خط میں مولوی صاحب کے خط کے اقتباسات درج ہیں اس واسطے میں نے آپ ہی کے خط کو جواب

کے لئے انتخاب کیا ہے۔ جواب انشاء اللہ اخبار" احسان" میں شائع ہوگا۔ میں زیادہ تر علالت کی وجہ سے خط لکھنے سے قاصر ہوں۔ فقط

مخلص

محمد اقبال

علامہ اقبال کا دوسرا خط
حضرت طالوت کے نام

۱۸ر فروری ۱۹۳۸ء

جناب من۔ سلام مسنون۔ حسب وعدہ آپ کے خط کا جواب" احسان" میں لکھوانے کو تھا کہ میرے ذہن میں ایک بات آئی جس کا گوش گذار کر دینا ضروری ہے۔ امید ہے کہ آپ مولوی صاحب کو خط لکھنے کی زحمت گوارا فرماکر اس بات کو صاف کر دیں گے۔ جو اقتباسات آپ نے ان کے خطوط سے درج کئے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آج کل قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ اگر اُن کا مقصود ان الفاظ سے صرف ایک امر واقعہ کو بیان کرنا ہے تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایشیا میں بھی مقبول ہو رہا ہے۔ البتہ اگر اُن کا یہ مقصد تھا کہ ہندی مسلمان بھی اس نظریئے کو قبول کرلیں تو پھر بحث کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کیونکہ کسی نظریئے کو اختیار کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ آیا وہ اسلام کے مطابق ہے یا منافی۔ اس خیال سے کہ بحث تلخ اور طویل نہ ہونے پائے اس بات کا صاف ہو جانا ضروری ہے کہ مولانا کا مقصود ان الفاظ سے کیا تھا۔ اُن کا جو جواب آئے وہ آپ مجھے روانہ کر دیجئے۔ مولوی صاحب کو میری عادت سے یقین دلائیے کہ میں اُن کے احترام میں کسی مسلمان سے پیچھے نہیں ہوں۔ اگر مذکورہ بالا ارشاد سے ان کا مقصد وہی ہے جو میں نے اوپر لکھا ہے تو میں اُن کے مشورے کو اپنے ایمان اور دیانت کی رو سے اسلام کی روح اور اُس کے اساسی اصولوں کے خلاف جانتا ہوں میرے نزدیک ایسا مشورہ مولوی صاحب کے شایان شان نہیں اور مسلمانان ہند کی گمراہی کا باعث ہوگا۔ اگر مولوی صاحب نے میری تحریروں کو پڑھنے کی کبھی تکلیف گوارا فرمائی ہے تو انہیں معلوم ہوا ہوگا کہ میں نے

اپنی عمر کا نصف اسلامی قومیت اور ملت کے اسلامی نقطۂ نظر کی تشریح و توضیح میں گذارا ہے محض اس وجہ سے کہ مجھ کو ایشیا کے لئے اور خصوصاً اسلام کے لئے فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایک خطرۂ عظیم محسوس ہوتا تھا کسی سیاسی جماعت کا پروپیگنڈہ کرنا نہ پر اس سے پہلے مقصد تھا نہ آج مقصود ہے بلکہ وہ شخص جو دین کو سیاسی پروپیگنڈے کا پردہ بناتا ہے میرے نزدیک لعنتی ہے۔

مخلص :۔ محمد اقبال

علامہ اقبال کا تردیدی بیان

جو روزنامہ احسان ۲۸ر مارچ ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا

"میں نے مسلمانوں کو وطنی قومیت قبول کرنے کا مشورہ نہیں دیا" (حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا بیان)

"مجھے اس اعتراف کے بعد اُن پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا" (علامہ اقبال کا مکتوب)

قومیت و وطنیت کے سلسلہ میں ایک علمی بحث کا خوشگوار خاتمہ۔

جناب ایڈیٹر صاحب احسان لاہور۔ السلام علیکم۔

میں نے جو تبصرہ مولانا حسین احمد صاحب کے بیان پر شائع کیا ہے اور جو آپ کے اخبار میں شائع ہو چکا ہے اُس میں اس امر کی تصریح کر دی تھی کہ اگر مولانا کا یہ ارشاد کہ "زمانہ حال میں اقوام اوطان سے بنتی ہیں" محض برسبیل تذکرہ ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اور اگر مولانا نے مسلمانان ہند کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ جدید نظریہ وطنیت کا اختیار کریں تو دینی پہلو سے اُن پر مجھ کو اعتراض ہے مولوی صاحب کے اس بیان میں جو اخبار "انصاری" میں شائع ہوا مندرجہ ذیل الفاظ ہیں۔

"لہٰذا ضرورت ہے کہ تمام باشندگان ملک کو منظم کیا جائے اور اُن کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کر کے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے۔ ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کے لئے کوئی رشتۂ اتحاد بجز قومیت اور کوئی رشتہ نہیں جس کی اساس محض یہی ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے"!

ان الفاظ سے تو میں نے یہی سمجھا کہ مولوی صاحب نے مسلمانان ہند کو مشورہ دیا ہے، اسی بنا پر

میں نے وہ مضمون لکھا جو اخبار احسان میں شائع ہوا ہے۔ لیکن بعد میں مولوی صاحب کا ایک خط طالوت صاحب کے نام آیا جس کی ایک نقل انھوں نے مجھ کو بھی ارسال کی ہے اس خط میں مولانا ارشاد فرماتے ہیں۔

میرے محترم سر صاحب کا ارشاد ہے کہ اگر بیان واقعہ مقصود تھا تو اس میں کوئی کلام نہیں اور اگر مشورہ مقصود ہے تو وہ خلاف دیانت ہے اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق و سابق پر نظر ڈالی جائے۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں" یہ اس زمانہ کی جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ ہم کو ایسا کرنا چاہئے۔ خبر ہے انشا نہیں ہے کسی ناقل نے مشورہ کو ذکر بھی نہیں کیا پھر اس کو مشورہ قرار دینا کس قدر غلطی ہے "

خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انھوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ لہذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق اس پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔ میں مولانا کے ان عقیدت مندوں کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں جنھوں نے ایک دینی امر کی توضیح کے صلہ میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں خدا تعالیٰ ان کو مولانا کی صحبت سے زیادہ مستفید کرے نیز ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں" محمد اقبال

ہم مولانا خدا بخش صاحب ملتان کے شکر گذار ہیں کہ موصوف نے کتابچہ "نظریہ قومیت" حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ و علامہ اقبال مرتبہ جناب طالوت صاحب بغرض اشاعت اور ہماری واقفیت کے لئے بھیجا۔ ہم نے بغور پڑھا اور کئی بار پڑھا اور ڈاکٹر صاحب مرحوم پر اس وجہ سے سب سے زیادہ افسوس ہوا کہ جب موصوف کے دل میں مولانا مدنی مدظلہ کا احترام دوسروں سے کسی طرح کم نہ تھا تو کیا اُن کا یہی اخلاقی جواب تھا کہ محض اخبارات اور

اپنے حاشیہ نشینوں کے کہنے اور رطب و یابس کے شائع کر دینے ہی کو قرآن و حدیث سمجھ کر مولانا ممدوح سے دریافت کئے بغیر ایسے اشعار جو مزامیر ابلیس کے تحت داخل ہیں اپنی زبان فیض ترجمان سے کیونکر نکال دیئے اور پھر باہمی خط و کتابت کے بعد ڈاکٹر صاحب نے خود کیوں نہ ہدایت کر دی کہ "ارمغان حجاز" سے یہ خرافات علیحدہ کر دی جائیں ہم ڈاکٹر صاحب مرحوم کو ایک شاعر اور فلسفی سے زیادہ حیثیت دینے کو شرعی جرم سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ہم نے اُن کے کلام کو بغور پڑھا ہے اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ مرحوم کے جہاں سیکڑوں اور ہزاروں اشعار مفید ہیں وہیں اُن کے کتنے اشعار ایسے ہیں جن سے کھلے بندوں اسلام اور اسلامی فلسفہ پر اس کی زد پڑتی ہے "اگر زمانہ حال میں اقوام اوطان سے بنتی ہیں" یا "متحدہ قومیت" کا نظریہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اسلام کے مطابق نہ تھا تو اس سے کہیں کھلی ہوئی گمراہی کی تبلیغ موصوف کے اس شعر میں کیا موجود نہیں ہے

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں

کہ ہزاروں جلوے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

پاکستان میں قانون سازی کا اصول فکر اقبال کی روشنی میں" تو ہو سکتا ہے کیونکہ پاکستان جس اسلام کے نام پر بنا ہے وہ مرحوم ہی کے فلسفہ کا دوسرا نام ہے اس لئے ڈاکٹر صاحب مرحوم کو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم اکابر اولیاء اسلام کے دوش بدوش بلکہ مع شی زائد رتبہ دیدیا جائے تو پھر بھی کم ہے مگر ہم ہندی طالب علموں کے نزدیک تو ڈاکٹر صاحب کا وہی مقام ہے جو علامہ اقبال احمد صاحب سہیل مرحوم کا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آخر الذکر وکالت کی نذر ہو کر رہ گئے اور اول الذکر پنجاب کی نبوت خیز زمین کی بدولت آج شارح اور مقنن اسلام وغیرہ کے ناموں سے یاد کئے جا رہے ہیں۔ یوپی جو ہندوستان اور پاکستان کا قلب ہے اگر ڈاکٹر صاحب مرحوم اس سرزمین میں پیدا ہوئے ہوتے اور یہیں اُن کا نشوونما ارتقاء ہوا ہوتا تو شاید رموز و اسرار شریعت کے ساتھ ان کو اگر فرق مراتب نہ کنی زندیقی کا حکیمانہ مصرع فراموش نہ ہوتا اور نہ وہ آخر میں رجوع فرماتے بلکہ یا تو خاموش رہتے یا براہ راست مولانا

مدنی سے پوچھ کر دہ کرتے جس کے وہ اہل تھے۔ بہر کیف تاسفی لا یعید۔ ارمغان حجاز سے جب وہ اشعار نہیں نکالے گئے تو مجبوراً ہم کو بھی یہ حق مدافعت حاصل ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے اشعار کے جوابات دیئے گئے تھے اب الگ شائع کردیں۔ یہاں پر صرف علامہ اقبال صاحب سہیل مرحوم اعظم گڈھ کے ان اشعار کو شائع کرنا ضروری سمجھتے ہیں جس کے اندر نہ صرف شاعری بلکہ ڈاکٹر صاحب کو تعلیم بھی دیدی گئی ہے اہل دیانت خود ہی انصاف فرمائیں گے۔ مانا کہ ڈاکٹر صاحب بہت بڑے فلسفی کہے جا رہے ہیں لیکن جہاں تک شاعری اور وہ بھی اُردو فارسی شاعری کا درجہ ہے سہیل صاحب کا مقام اُن سے بہت زیادہ بلند ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

اقبال با اقبال

معاندے کہ بشیخ الحدیث خردہ گرفت
سبک بچشم خرد زیں سبب بے ادبی است

بیان او ہمہ تخییل و بحث در تفسیر
زبان او عجمی و کلام در عربی است

کہ گفت بر سر منبر کہ ملت از وطن است
دروغ گوئی اُبراد ایں چہ بوالعجبی است

درست گفت محدث کہ قوم از وطن است
کہ مستفاد ز فرمودۂ خدا و نبی است

زبان طعن کشودی مگر ندانستی
کہ فرق ملت و قوم از لطائف ادبی است

تفاوتے است فراواں میان ملت و قوم
یکے ز کیش و دگر کشوریست یا نسبی است

بملت ار چہ براہی است سرور ما
نہ لے بہ قوم حجازی بنسل مطلبی است

ز قوم خویش شمرد اہل کعبہ را باحد
رسول پاک کہ نامش محمد عربی است

خدائے گفت بعبد آں کلل قوم ہاد
مگر بہ نکتہ کجا پے برد کسے کہ غبی است

بقوم خویش خطاب ہمہ پیمبراں بنگر
پر از حکایت یا قوم مصحف عربی است

بلند تر بود از قوم رتبۂ ملت
کہ حبل دین قوی تر ز رشتۂ نسبی است

کسے کہ ملت اسلام نور سینۂ اوست
برادر ماست اگر زنگی است و حبشی است

گر بہ ہموطناں در جہاد استخلاص
مجاہدانہ تعاون ز روئے حق طلبی است

سلوک رفق و مدارا بہ جار و ذی القربیٰ — عمل بحکم الٰہی و اتباع نبی است
محبت وطن است از شعار ایمان — ہیں حدیث پیمبر فدیتہ بابی است
نظر نہ بودن و باز دیدہ و دور افتادن — دو گونہ شیوہ بوجہلی است بولہبی است
رموز حکمت ایماں ز فلسفی جستن — تلاش لذت عرفاں ز بادہ عنبی است
خموشی از سخن ناسزا اگر بیدہ نزاست — کہ ہرزہ لاف زدن خیرگی و بے ادبی است
بدیوبند گزر گر نجات می طلبی — ز دیو نفس سلح شور و دانش توابی است
بگیر راہ حسین احمد از خدا خواہی — کہ نائب است نبی را و ہم ز آل نبی است

مسئلہ قومیت وغیرہ پر جلد اول و دوم میں بحث ہو چکی ہے ضرور ملاحظہ ہو۔ اصلاحی

مکتوب ۴۴

جناب مولانا الحاج احمد حسین صاحب لاہرپور ضلع سیتاپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ میں شاہ ولایت احمد صاحب نے جو امور ذکر فرمائے ہیں اُن سے بہت ہی زیادہ خوشی ہوئی۔ جزاہم اللہ وایاکم احسن الجزاء آمین

ہم کو جد امجد شاہ نور الحق صاحب قدس سرہٗ العزیز کے نسب نامہ کی طرف سے بہت زمانہ مایوسی تھی ۱۸۵۷ء کے واقعات ہائلہ میں یا اس سے پہلے تمام قدیمی کاغذات ضائع ہو گئے راجہ بھیٹی نے تمام اثاثہ لوٹ لیا اور ضائع کر دیا تھا۔ والد صاحب مرحوم وغیرہ نے شجرۂ نسبیہ بہت تلاش کیا مگر نہیں ملا۔ مگر جو تصریحات شاہ ولایت احمد صاحب نے تلاش فرما کر ذکر فرمائے ہیں بہت ہی مفید اور کارآمد ہیں اور اس سے بہت سے مخفی امور معلوم ہو گئے ہیں بہت بڑا زیادہ شکر گذار ہوں۔ اگر تکلیف فرما کر مندرجہ ذیل عقدوں کو حل فرما دیں تو بہت ہی زیادہ احسان ہوگا۔

(۱) سید شاہ زید بن حضرت شاہ احمد زاہد سے شاہ نور الحق صاحب تک کا سلسلہ نسب کیا ہے؟ موصوف فرماتے ہیں کہ باوجود تلاش کے وہ نہیں ملا۔ چونکہ موصوف کے پاس وہ قدیمی کتابیں ہیں جو کہ ہم کو

حاصل نہیں ہیں اور حضرت موصوف کو اُن پر نظر بھی ہے تو اُمید ہے کچھ مواد حاصل ہو جائیں۔

(۲) وہ فرماتے ہیں "سادات ٹانڈہ وغیرہ حضرت سید احمد توختہ تمثال رسول (علیہ السلام کی اولاد ہیں" دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ حضرت مخدوم سید نور الحق چشتی ٹانڈوی قدس اللہ سرہٗ العزیز حضرت سید احمد توختہ تمثال رسول (علیہ السلام) کی اولاد سے تھے" غرض یہ ہے کہ یہ تصریح کس کتاب میں ہے اور اس کی عبارت کیا ہے اگر نقل فرمادیں تو بہت بڑا احسان ہوگا۔ چونکہ موصوف نے "نقش حیات" کو پسند فرمایا اور قابل اپنے کتب خانہ کے قرار دیا اس لئے ہر دو جلد ارسال خدمت ہے اُن کی خدمت میں ہدیۃً پیش فرمادیں اور استدعا دعواتِ صالحہ کردیں ایسے قدردان صاحب کمال بزرگوں کا قبول فرمالینا نعمت گرانمایہ ہے۔ حضرت کی خدمت میں سلام مسنون عرض کردیں اگر ممکن ہو تو جواب جلد عطا فرمادیں۔

آپ نے مسافت قصر کے متعلق جو فتویٰ پوچھا ہے اور حضرات زنگی محل کے فتاوی کے خلاف نقل فرمائے ہیں اس کو میں نے دارالافتاء میں بھیجدیا ہے انشاء اللہ جواب پہونچ جائے گا۔ ہمارے اکابر کا معمول بہ اڑتالیس میل ہی ہے اور اسی پر فتویٰ دیتے ہیں حضرات زنگی محل اس میں تشدد فرماتے ہیں۔ مگر کتب فقہ میں حکم میلوں پر نہیں ہے بلکہ تین دن تین رات کی مسافت اوسط ایام سال میں متوسط انسانی رفتار یا اونٹ کی رفتار سے جملہ حوائج انسانیہ اکل و شرب، پیشاب، پاخانہ وغیرہ اور حوائج شرعیہ نماز وغیرہ کو انجام دیتے ہوئے اکثر حصہ یوم ولیلہ میں جو قطع ہو سکے وہ مسافت قصر ہے۔ اسی قاعدہ سے بمشکل ۱۶ میل چل سکتا ہے بلکہ ۱۵ میل بھی چلنا دشوار ہوگا۔ اس لئے بعض حضرات ۱۲ میل روزانہ اور بعض ۱۵ میل روزانہ قرار دیتے ہیں۔ ہمارے اکابر نے ۱۶ میل روزانہ احتیاط کے طور پر قرار دیا ہے اس سے زائد قرار دینا غیر معقول ہے۔ واللہ اعلم

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۸ رجمادی الثانی ــــ دیوبند

حاشیہ مکتوب ۲۳۲

مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل اور نقش حیات جلد اوّل میں حضرت شیخ الاسلام مدظلہ کا سلسلۂ نسب جو درج ہوگیا تھا وہ بہت مختصر تھا بعد کو مولانا شاہ ولایت احمد صاحب مرحوم لاہرپوری نے مزید تحقیق فرما کر حضرت مولانا مدنی مدظلہ کو مطلع فرمایا نقش حیات جلد اوّل طبع دوم میں شاہ صاحب مرحوم کی تحقیق درج ہو چکی ہے مگر مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل طبع دوم میں پھر اندراج نہ ہوسکا۔ اس کی تلافی جلد سوم میں کی جارہی ہے، شاہ صاحب مرحوم نے اس سلسلہ میں مولانا الحاج احمد حسین صاحب لاہرپوری کو جو والا نامہ تحریر فرمایا تھا وہ یہ ہے۔

برادر عزیز از جان من حاجی احمد حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج شریف۔ بڑی محنت اور تحقیق سے جو حالات شجرۂ نسبی حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی مدظلہ العالی دریافت ہوئے وہ پیش ہیں۔ افسوس کہ سید شاہ زید بن شاہ احمد زاہد کے نیچے کا سلسلہ دریافت نہ ہوسکا اور یہ تو میں لکھ چکا ہوں کہ سلسلہ طریقت میں حضرت مخدوم سید شاہ نورالحق چشتی ٹانڈوی قدس اللہ سرہ العزیز اور حضرت شاہ نورالحق بن شاہ نصیرالحق قلندر قدس سرہ العزیز کے مرید و خلیفہ تھے نورالحق قلندر سرہرپور ۹۶۳ھ میں فوت ہوئے۔ مزار سرہرپور میں ہے۔ مگر داؤد شاہ کا سنہ وفات نہیں ملا البتہ اُن کے پیر اور خسر حضرت شاہ قطب الدین بنیادل قلندر کا سنہ وصال ۹۲۵ھ ہے۔ مکرر عرض یہ ہے کہ حضرت مولانا مدنی مدظلہ کے جدِ اعلیٰ حضرت شاہ داؤد کے اور وہ حضرت شاہ قطب الدین بنیادل کے اور وہ سید شاہ نجم الدینؒ کے اور وہ سید خضر رومی قلندر کے اور وہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلوی قدس اللہ اسرارہم کے مُرید و خلیفہ تھے۔ سلسلہ چشتیہ میں یہ تحقیق ہے اخبار الاخیار اور اذکار الابرار میں دیکھئے۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ ناچیز محمد ولایت احمد غفرلہ

نقل تحریر حضرت مولانا شاہ ولایت احمد صاحب زید مجدہم ساکن لاہرپور بنام مولوی احمد حسین صاحب لاہرپوری زید عنایتہم۔

عہد سلطان مبارک شاہ جونپوری (یہ دوسرا بادشاہ جونپور کا تھا) ۸۰۴ھ تا عہد سکندر ...

اس کے مختصر عہد میں اکثر سادات مستقر خلافت جون پور میں تشریف لاکر بحصول علوفہ و جاگیر علی قدر مراتب بادشاہ مرحوم سے مفصلہ ذیل میں سکن گزیں ہوئے۔ مورثان سادات ٹانڈہ ضلع فیض آباد و سادات مسوی و سادات بچھوکر، سادات ملوپور پرگنہ کادی پور ضلع سلطان پور، سادات زیدی پور، سادات کمال پور نکنی و سادات منڈیا ہو پرگنہ خاص، سادات دیوگاؤں (دیوگام) پرگنہ خاص۔

ذکر سادات ٹانڈہ۔ سادات آں بسیار نجیب اند و اکثر در قبائل ایشاں صاحب جاہ و جلال بودہ اند، در سیادت ایشاں ہیچ شکے نیست و سادات پوی و خرسوان بھی نہایت صحیح النسب تھے۔ صلت و معاہرت اُن کی سادات ٹانڈہ سے تھی وغیرہ۔ حضرت سید احمد توختہ تمثال رسول صلعم کے اولاد میں ہیں اسی طرح سید شاہ زین بن سید شاہ احمد زاہد بن سید شاہ حمزہ بن سید شاہ ابوبکر بن سید شاہ عمر بن سید شاہ محمد بن حضرت مخدوم سید شاہ احمد توختہ تمثال رسول صلی اللہ علیہ وسلم بن سید علی بن سید حسین بن سید محمد مدنی المعروف بہ سید ناصر ترمذی بن سید حسین ابن سید موسیٰ حمصہ بن سید علی بن سید حسین بن اصغر بن حضرت امام علی زین العابدین علی جدہ علیہم السّلام۔

سید علی مدنی عرف سید ناصر ترمذ تشریف لائے اور اُن کی اولاد سے حضرت مخدوم سید احمد توختہ تمثال رسول صلی اللہ علیہ وسلم لاہور تشریف لائے اور سنہ ۔۔۔ میں وصال ہوا۔ لاہور میں مزار ہے ان کی اولاد میں سے سید شاہ زید بن سید شاہ احمد زاہد مورث سادات ٹانڈہ وغیرہ ہیں اُن کی اولاد میں سے ایک بزرگ شاہ عبدالوہاب قدس سرہٗ کا مزار بمقام شاہ دھورہ متصل جونپور ہے اُن کی ایک کرامت یہ تھی کہ اُن کے مکان کے سامنے سے جس کسی کا ڈولا جنازہ نکلتا تھا تو پھر چل نہ سکتا تھا یہ بزرگ چشتی تھے۔

حضرت سید احمد توختہ تمثال رسول (صلعم) کے کوئی اوپر کے اجداد سے حضرت سلطان الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہٗ العزیز کے خلیفہ تھے ان کو حضرت نے ۔۔۔ دی تھی کہ تمہاری نسل میں بکثرت اولیاء اللہ ہوں گے اور ہمیشہ ایک قطب ہوا کرے گا۔

(نوٹ) توختہ لفظ ترکی ہے اس کے معنی بہت دیر تک کھڑا رہنا ہے۔ آپ کے پیر و مرشد نے

آپ کو اندر حجرہ میں بلایا اور ذکر و شغل میں مشغول ہو گئے آپ جب حجرہ میں جانے لگے تو حجرہ اندر سے بند پایا۔ آپ اس کی دہلیز پر کھڑے ہو گئے اندرات بھر کھڑے رہے۔ علی الصباح جب شیخ نے حجرہ کھولا تو آپ کو کھڑا دیکھ کر "نوختہ" کا لقب عنایت فرمایا اور تمثال رسول کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے ہمعصر کسی بزرگ نے واقعہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس زمانہ میں حضور کی اولاد میں کوئی حضور کی شبیہہ موجود ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سید احمد نوختہ کی زیارت کرو وہ میرا شبیہہ ہے اس کو دیکھا گویا مجھ کو دیکھا اس لئے آپ تمثال رسول سے ملقب ہوئے۔

حضرت مخدوم سید نورالحق چشتی ٹانڈوی قدس اللہ سرہٗ العزیز حضرت سید احمد نوختہ تمثال رسول کی اولاد سے تھے اور وہ سید محمد مدنی المعروف بہ سید شاہ ناصر ترمذی کی اولاد سے تھے اور وہ حضرت سید حسین اصغر بن حضرت امام زین العابدین بن شہید کربلا حضرت امام حسین علی جدہ علیہم السلام کی اولاد سے تھے متفق علیہ نسابین ہے۔ عمدۃ الطالب' منبع الانساب کنزالانساب' الحۃ المدنی' تاریخ آئینہ اودھ۔ (نقش حیات جلد اول طبع دوم صفحہ ۱۱)

مسافت قصر صلوٰۃ کے بارے میں فاضل لکھنوی حضرت علامہ فرنگی محلی کا بھی ایک فتویٰ اس جگہ درج کر دیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ کے مالہ وماعلیہ کے سمجھنے میں آسانی ہو وہ یہ ہے "اس باب میں کوئی حدیث مرفوع صحیح وارد نہیں ہوئی کہ جس سے صراحت تقدیر مدت ثابت ہو اور صحابہ مختلف رہے ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ وغیرہ سے مسافت دو روز میں قصر درست ہے جیسا کہ موطا امام مالک اور سنن بیہقی وغیرہ میں مروی ہے۔ مگر حنفیہ نے تقدیر تین روز کی اس حدیث سے جو کہ سنن وغیرہ میں باسانید صحیحہ مروی ہے " یمسح المقیم ای علی الخفین تمام یوم ولیلۃ والمسافر ثلاثۃ ایام ولیالیھا " کی ہے کیونکہ اس حدیث میں مسح خفین کی اجازت ہر مسافر کو تین روز تک کی دی گئی ہے اور یہ ممکن نہیں بدون اس کے کہ سفر شرعی اس قدر ہو۔"

(مجموعۃ الفتاویٰ جلد دوم صفحہ ۳۰۱)

واضح ہو کہ مسافت قصر صلوٰۃ میں جس طرح فقہاء امصار کا اختلاف ہے اسی طرح مقدار سفر میں بھی اختلاف ہے۔ اختلاف کا سبب نص قرآن اور حدیث صحیح میں مطلق سفر کا موجود ہونا اور صحابہ کرام کا مختلف الرائے ہونا ہے۔ تعیین و تحدید سفر خواہ لمبا ہو یا چھوٹا ہو جس مقدار پر شرعاً احکام سفر جاری ہوتے ہیں اس میں تقریباً آٹھ قول ہیں۔ بدیں وجہ نصوص ظاہر کی طرف رجوع کرنا ہی اولیٰ ہوگا۔ اس مسئلہ خاص میں مسلم اور ابوداؤد کی یہ روایت سب سے صحیح مانی گئی ہے۔

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا خرج مسيرة ثلاثة اميال او ثلاثة فراسخ قصر الصلوٰة"

نہایہ میں ہے فرسخ "ثلاثة اميال والميل اربعة الاف ذراع"

امام لغت جوہری کا رجحان میل کی تعیین اور تعریف میں یہ ہے کہ ارض منتہائے بصر کا نام میل ہے۔ بعض یہ تعریف کرتے ہیں کہ اگر ارض مستویہ سے آدمی نظر کرے اور مرد و عورت کی تمیز نہ ہو سکے کہ آرہا ہے یا جا رہا ہے یہ میل ہوگا۔ بعض نے جیسے ازہریؒ وغیرہ تین ہزار ذراع کہا ہے اور بعض نے ۱۲ ہزار قدم انسانی کو مانا ہے۔ بعض نے اس سے کم و بیش میل کو تعبیر کیا ہے۔ پس جن حضرات نے صفت تقصیرِ سفر کو مدنظر رکھا جیسے علماء حنفیہ میں حضرات دیوبند انھوں نے کوس کا اعتبار نہیں کیا بلکہ تین منزلوں کا اعتبار کیا جو خشکی میں تقریباً ۴۸ میل ہوتے ہیں۔ چونکہ میل کی تعیین میں علماء فرنگی محل نے میل کو چھ ہزار فٹ مان کر مسافر کے لئے دقت اور زحمت بڑھادی ہے اُن کو چاہیے کہ وہ اسی پر عمل کریں اور فتویٰ دیں مگر یہ صحیح نہیں ہے کہ ۴۸ میل کے قائلین کو غلطی پر سمجھیں۔ کیونکہ چار برد سے کم میں قصر نہیں ہے اسی بناء پر حضرت ابن عمرؓ نے مدینہ سے ریم جانے وقت قصر کیا ہے۔

برد بریدکی جمع ہے ایک برید چار فرسخ کا ہوتا ہے اور ایک فرسخ تین میل کے تو چار برید سے ۴۸ میل ہو جاتے ہیں جو ہندوستان کی دو منزلیں ہوتی ہیں۔ جب سارا جھگڑا میل اور فرسخ کی تقدیر میں موجود ہو تو خواہ وہ علماء دیوبند ہوں یا دیگر حنفی علماء یقیناً انگریزی میل سے حساب کرنے میں اختلاف کم و بیش ہو جائیگا جبکہ ہوا ایک فرسخ جس کے تین میل ہوتے ہیں اور جو تقریباً آٹھ کیلومیٹر ہوتا ہے تو پھر ۴۸ میل سے کم ہی تصریح جاتا ہو۔ واللہ اعلم

اصلاحی

مکتوب ۴۵

ضلع اعظم گڑھ کے ایک صاحب کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مزاج شریف ۔ والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا ۔ عزت افزائی کا شکرگذار ہوں آنجناب فرماتے ہیں (نوٹ) آج معتبر شخص کی زبانی سُنا گیا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کا گرامی نامہ مدرسۃ الاصلاح پر آیا ہے بنام پیچ بتا کر ہدایت کی گئی ہے کہ مولوی عبدالغنی صاحب سے مناظرہ کرو "

مولانا "کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع " اس معتبر شخص کو ظاہر فرمادیجئے کہ کہیں حضرت ابلیس نہ ہوں ۔ اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ۔ ذرا جاکر خود اس مکتوب کو دیکھ لیجئے اس کے بعد عتاب فرمایئے البتہ میں نے عریضہ میں صبر کی تلقین، احتیاط و مواضع تہمت سے اجتناب اور اتباع سنت کی تاکید ضرور کی تھی اگر اس کا نام پیچ ہے تو میں ضرور اس کی تلقین کروں گا اور اگر اس کے علاوہ کسی اور بات کا نام پیچ ہے تو میں اس سے بری ہوں اللہ تعالےٰ کذابوں کو ہدایت فرمائے ۔

مولانائے محترم آپ نے جو کچھ قصص ماضیہ کو اپنے مکتوب شریف میں تحریر فرمایا ہے مجھ کو اس میں گفتگو نہیں ہے میرا تمام روئے سخن تکفیر کی جانب ہے جس میں آپ کی جماعت مولوی احمد رضا خان بریلوی کا کان کاٹتی ہے خدارا سوچئے سمجھئے اور دیکھئے کہ تکفیر جیسی وادی پرخار میں آپ حضرات کی جرأتیں کس قدر خطرناک اور دنیا و آخرت میں کس قدر رسوا کرنے والی ہیں اول تو بحث اس میں بہت شد و مد کے ساتھ ہو سکتی ہے کہ آیا انکے ( ) وغیرہ کے مضامین مولوی شبلی و مولوی حمید الدین صاحبان کی تکفیر کے لئے کافی ہو سکتے ہیں کہ نہیں ۔ سیاق و سباق سے وہی مقصد نکلتا ہے جسکو آپ حضرات اپنے رسالوں و اشتہارات اور تقریروں میں دکھا رہے ہیں یا نہیں اگر بالفرض ایسا ہی ہو

توکیا ان دونوں بزرگوں کے خیالات ہیں یا مسلمانوں میں سے ایسے فرقے اور اشخاص بھی گئے ہیں جنکو لا نکفر احداً من اہل القبلۃ" سے اسلاف کرام نے یاد فرمایا ہے اور اگر بالفرض یہ سب بھی ہے تو جماعت موجودہ علانیہ طور پر ایسے تمام امور سے تبری کا اعلان تحریراً، تقریراً کررہی ہے تو پھر اُن کی تکفیر کے کیا معنی؟ کل خدا کے سامنے آپکو محاورہ اور مولوی عبدالغنی صاحب و مولوی فاروق صاحب کو جانا ہے۔ میں نے یہ فیصلہ بغیر ان کی تبری تحریری و تقریری کے نہیں لکھا۔ اگر میں ان امور میں ان کا موافق ہوتا یا اُن کو معصوم سمجھتا تو تحریر لینے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اُن کی تحریر اُن کے قلم سے موجود ہے۔ میرے نزدیک اس کے بعد تکفیر کرنا بلاشک وشبہ اپنے اوپر وبال تکفیر لینا ہے اور آپ لوگوں کا یہ فرمانا کہ اصلاحیوں کے ظاہری جواب اور لفاظی پر نہ جائیے ایسا ہی ہے جیسے کہ رضائی ہمارے ان جوابات کے متعلق کہا کرتے ہیں جو کہ حفظ الایمان و براہین قاطعہ اور تحذیر الناس کی عبارات کے متعلق ہم پیش کرتے ہیں۔ میرے محترم نصوص فقہیہ کو ملاحظہ کیجئے اور ظاہری جوابات و لفاظی کا اعتبار اُن کے نصوص ہی سے ابحاث ارتداد و تکفیر میں دیکھئے۔ یہ وادی نہایت ہی پُرخطر ہے اور صرف لفاظی کا اعتبار بھی بڑے پیمانہ پر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ھلا شققت قلبہ الحدیث و اقتلتہ بعد ما قال لا الٰہ الا اللہ کو پیش نظر رکھئے۔ اس لفاظی کو معمولی نہ سمجھئے صحابہ کرام کا تحت السیف اقوام عالم کے ایمان کو قبول کرلینا کیا لفاظی کا اعتبار نہیں پیدا کرتا۔ آپ جن امور اعتزالیہ وغیرہ کو اپنے مکتوب شریف میں ذکر فرمارہے ہیں وہ کفریات میں نہیں بلاغت قرآن مسلم و لازم التسلیم ہے مگر ایسی قطعی نہیں کہ اس کا منکر کافر قرار دیا جائے۔ ہاں اعجاز قرآن قطعی ہے مگر اس کا بلیغ ہونا اس کو لازم نہیں ہے ممکن ہے کہ اعجاز کسی دوسری ایک یا متعدد وجوہ پر مبنی ہو۔ اسلاف میں سے بہتوں کا یہ مذہب بھی ہے اگر بالفرض کوئی منکر بلاغت ہو بھی تو اُس کو کافر کہنا کس طرح درست ہوگا۔ پھر کسی عبارت کو غیر انسب کہنا بلاغت کا انکار نہیں غایۃ ما فی الباب ابلغیت کا انکار ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ معترضین نے سیاق و سباق سے قطع نظر کر کے لکھا ہے۔ مفسرین و ارباب معانی وجوہ بلاغت میں امور خارجیہ کی نظر کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

بسا اوقات مقتضی حال بحسب الذات اور ہوتا ہے اور بالنظر الی امور خارجیۃ اور ہوتا ہے اس لئے ایک عبارت بالنظر الی الذات غیر بلیغ یا غیر ابلغ ہوگی مگر بالنظر الی امور خارجیہ وہ انتہائی درجہ بلاغت پر پہونچ جائے گی۔ اسلوب حکیم التفات وغیرہ وجوہ معانی وغیرہ پر نظر ڈالئے غیر انسب کسی لفظ کو کہنا اور پھر اس کو جبتی بندش کی وجہ سے ترجیح دینا اس بات کو بتلاتا ہے کہ اس میں حسن لغیرہ ایسا پیدا ہوگیا کہ ذات غیر احسنیت کو نہ صرف زائل کر رہا ہے بلکہ احسنیت ذاتی پر راجح ہوگیا ہے۔ میرے محترم! مجاز عقلی کنایات، استعارات، ایجاز، اطناب وغیرہ میں ایسی بے حد باتیں مذکور ہیں ذرا کتب بلاغت معانی و بیان ملاحظہ فرمائیے۔ اسامی سُوَر و تعیین رکوع کا قطعی ہونا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہونا کون سے یقینی ذریعہ سے ثابت ہے۔ اور ان پر گفتگو کرنا موجب کفر کس نے قرار دیا ہے۔ مجھے تعجب ہے آپ والا نامہ میں میرے متعلق اس قدر حسن ظن کا اظہار فرما رہے ہیں اور آپ حضرات نے ابھی ابھی جلسہ بیت العلوم میں مجلہ قطعی کافر جہنمی قرار دیا ہے خوشی خوشی میری تکفیر کی اشاعت فرمائی ہیں تو اس کو اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ مجھ کو سنت رشیدی و قاسمی و محمودی و خلیلی و اشرفی نصیب ہو رہی ہے۔ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے میری نسبت یہ الفاظ مرحبہ سے تخاطب و کلام میری سمجھ سے باہر ہے۔ جناب مولانا عبد المجید بچھرایونی، جناب مولانا ظفر احمد صاحب، جناب مولانا مبارک حسن صاحب جناب مولانا مرتضیٰ حسن صاحب، مولانا مظہر الدین صاحب کی تقریروں کے نوٹ شائع ہو چکے ہیں بہتر ہے اس مقام میں غلو فرمایئے اور تکفیر کی گھوڑ دوڑ میں سبقت لیجائیے۔

"این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند" مگر یاد رکھئے یہ طریقہ اصلاح امت کا نہیں ہے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ

حاشیہ مکتوب ۴۵

مولانا الفضل اولینا حضرت مولوی محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند دامت برکاتہم و انفاسہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عریضہ ہذا کے ساتھ ایک خط حضرت مولانا سید حسین احمد کے نام

مشکل ہے سُنا گیا ہے کہ مولانا موصوف کو اپنے کارِ منصبی سے اتنی فرصت نہیں کہ معمولی لوگوں کے خطوط پڑھ سکیں بسا اوقات بلا دیکھے رکھ دیتے ہیں اور کمترین کا خط اعتقادی اور اخلاقی لحاظ سے بہت اہم ہے اس لئے حضور والا کے توسط سے حضرت مولانا تک پہنچانے کا خیال پیدا ہوا جناب والا خود یا جس سے چاہیں وہ خط پڑھوانے کے بعد ملاحظہ کے لئے دیں اور جواب دلانے کے لئے بلیغ کوشش فرمائیں اللہ اجر عطا فرمائے گا۔ فقط

آپ کا خادم۔ محمود الحسن راجہ پور سکرور اعظم گڈھ ۴ مئی ۱۹۳۶ء

(نوٹ) آج معتبر شخص کی زبانی سُنا گیا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کا گرامی نامہ مدرسۃ الاصلاح پر آیا ہے تمام پیچ بتا کر ہدایت کی گئی ہے کہ مولوی عبد الغنی سے مناظرہ کریں۔ واللہ اعلم

حنفی خیال سے معتزلی خیال کا تصادم

راس العلماء رئیس الفقہا حضرت سید حسین احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض آنکہ آج کل ہمارے اطراف میں مدرسۃ الاصلاح کے اعتقادی جھگڑوں کا بہت چرچا ہے کوئی گاؤں کوئی قریہ فرقہ بندی سے خالی نہیں اس فساد کی اصلیت معلوم کرنے کے لئے مدرسۃ الاصلاح کی ہسٹری سے واقفیت لازم ہے۔ مولوی محمد شفیع صاحب ایک پرانے خیال کے مولوی ہیں انھوں نے اس اطراف کے مسلمانوں کی متفقہ رائے سے انجمن اصلاح المسلمین کی بنیاد ڈالی اس کمیٹی کے زیر اہتمام اس نام کا ایک مدرسہ بھی اجرا ہوا جس کا افتتاح حضرت مولانا اصغر حسین صاحب دیوبندی نے فرمایا حسن اتفاق سے مولوی نعیم الحسن صاحب میرٹھی تشریف لائے انھوں نے اپنی خدمات پیش کیں ان کی پر اخلاص اپیل پر قوم نے پوری توجہ کی۔ موجودہ بنگلہ مکان دار الاقامہ آنا فانا تیار ہو گیا مسجد کی بھی بنیاد پڑ گئی اب مسجد کی صورت بدل کر کچھ اور ہی ہو گئی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی صاحب اسی برادری کے تھے ندوۃ لکھنؤ سے الگ ہونے کے بعد وہ ایک سالانہ جلسہ میں شریک ہوئے کمترین بھی شریک جلسہ تھا۔ علامہ موصوف نے فرمایا کہ ندوہ میں بہت سے موانعات حائل تھے لیکن قومی اصلاح ... کے کام کرنے کے واسطے یہ ضلع نہایت ہی موزوں

ہے کسی فرصت کے وقت میں عملی خاکہ بنا کر دوں گا اس اطراف میں آزاد خیال وکلاء اور مختاروں
کے علاوہ کم لوگ تعلیم یافتہ تھے ان کے لئے علامہ کا شریک کار ہونا نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا نوبت
بایں جا رسید کہ چند ہی دنوں کے بعد حسب خواہش ایک نئی عاملہ کمیٹی ترتیب دیدی گئی ۔ مولوی محمد شفیع صاحب
کو ناظم سے نائب ناظم بنا کر تنخواہ کے نیچے ان کی شخصیت کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا گیا اور نظامت
کے عہدہ پر علامہ حمید الدین فراہی فائز المرام کئے گئے تاکہ علامہ شبلی کے خاکہ کی تکمیل کریں علامہ
حمید الدین اشاعرہ مفسرین کی تحقیق کو غلط اور اپنی تحقیق کو حق بجانب سمجھتے تھے اُن کے شاگرد اس
نئی تحقیق و خیال کی وجہ سے ان کو امام کہتے ہیں علامہ حمید الدین نے کرسی نظامت پر متمکن ہو کر
یہ کیا کہ اصلاح المسلمین سے المسلمین کے لفظ کو نکال کر صرف مدرسۃ الاصلاح قائم رکھا ۔ اور
دیوبندی خیال کے مولوی سے رفتہ رفتہ حکمت عملی کے ساتھ مدرسہ کو صاف کیا اور اُن کی جگہ پر
ندوی مولوی اور پھر اپنے شاگردوں کو بھر دیا ۔ مولوی فیض الحسن نے رنگ بدلا ہوا دیکھ کر اپنا
راستہ لیا ایسے وقت مولوی عبد الغنی صاحب مدرسۃ الاصلاح میں بلا معاوضہ کام کرتے تھے
مخالفت کے خوف سے ان کو نکال نہ سکے مگر اعتقادی مسائل میں ان سے ان بن ہو گئی مولوی
عبد الغنی صاحب نے موقع کی نزاکت پر غور نہ فرما کر خود مدرسہ سے الگ ہو گئے کیونکہ جدائی کے بعد
قوم نے اُن کی چیخ و پکار کو دشمنی پر محمول کر کے بہت کم التفات کیا ۔ مجبوراً انھوں نے پھولپور
اور بعد میں سرائے میر میں دیوبندی خیالات اور پرانے معتقدات کی حفاظت کے لئے مدرسے
قائم کئے ۔ غرض اس طرح دار العلوم دیوبند کا اثر مدرسہ سے زائل اور ندوی تخیل کا تسلط ہوا
علامہ حمید الدین میدان کو صاف کر کے مدرسہ کو اپنے ڈھب پر لے گئے لیکن اب بھی حاجی شیخ محمد صاحب
رئیس کی سرکردگی میں عام لوگوں کے اعتراضات کا خوف باقی تھا کیونکہ اس جگہ کے عام مسلمان حضرت
خواجہ احمد صاحبؒ مولانا سخاوت علی جونپوریؒ اور مولانا سید محمد ابن صاحبؒ نصیر آبادی اور علماء
دیوبند کے معتقد تھے اس لئے ناظم صاحب نے اپنے اختیارات تیزی سے کام لے کر بیس سال سے سالانہ
جلسہ ہی نہیں کیا ۔ ڈپلومیسی چال سے خاموشی کے ساتھ اپنا کام کرتے رہے طلبہ پر اپنا رنگ چڑھانے

کے لئے یہ طریقہ نکالا کہ روزانہ دو گھنٹہ اپنی تفسیر القرآن اور اس کی نشر و اشاعت کی ترکیب تخلیہ میں معلموں کو پڑھانے لگے جس کا اثر طلبہ کے طرزِ عمل سے نمایاں ہے۔ اس سال شیخ محمد صاحب کا انتقال ہوگیا اور نئے ناظم صاحب کو جلسے کی سوجھی اور کارکنان مدرسہ نے صرف اپنی رائے سے مدرسہ کی عمارت میں شخصی دائرہ حمیدیہ کا قائم کر کے رسالہ الاصلاح کا اجراء کیا اس کے ۱۲ میں علامہ حمید الدین کا مضمون موسومہ بخیالات اثنار ترجمۃ القرآن شائع ہوا جس میں بعض باتیں قابل گرفت تھیں جس سے اختلافات کی دبی چنگاری سے شعلے بھڑک اٹھے اسی اثنار میں یہ اعلان ہوا کہ ۲ مئی ۱۹۳۸ء کو مدرسۃ الاصلاح میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب کا وعظ ہوگا۔

اب توی امید ہو گئی تھی کہ مدرسے کے اعتقادات کا چہرہ بے نقاب ہو جائے گا مگر چند غیر ذمہ دار اشخاص نے بذریعہ اشتہار یہ اعلان کر دیا کہ مدرسۃ الاصلاح کے عقائد خراب ہیں اس لئے اس کے جلسۂ وعظ میں جو شریک ہوگا وہ کافر اور اس کی عورت مطلقہ ہو جائے گی اس اشتہار نے یہ اثر کیا کہ بھڑکتے ہوئے شعلے مدھم پڑ گئے مولوی عبدالغنی کو مشتہر مان کر کچھ لوگ اُن سے برافروختہ ہو گئے کہ ہندوستان کے برگزیدہ عالم کے جلسۂ وعظ کی رکاوٹ کے لئے ایسا اشتہار کیوں دیا حضرت والا بھی ہندوستانی انسان ہیں اغلب ہے کہ حضور کے دل پر بھی اس کا اثر بد پڑا ہوگا۔

جس کی وجہ سے معتزلی خیالات جو عام اہلسنت والجماعت کے اعتقادات کو گھن کی طرح خراب اور برباد کر رہا ہے اس کی طرف توجہ مبذول ہوئی ہو اور مولوی فاروق صاحب کے معروضات کی بنا پر عام سوالات قائم فرما کے مدرسۃ الاصلاح کے موافق فتویٰ موسومہ قول الفصل دیدیا گیا ہو۔ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ میں یہ پہلا اختلاف ہے کہ اس کے نصب العین سے ہٹ کر یہاں کے علماء دو مختلف طریقے کے فتووں پر دستخط ثبت فرمائے۔ کمترین بھی حضرت کے وعظ میں شریک تھا اقبال احمد سہیل کے قصیدہ کے بعد جس انداز سے حضور نے نفرت کا اظہار فرمایا تھا اس سے ظاہر تھا کہ تبحر علمی کے علاوہ حضور کے سینے میں جو دل ہے وہ اتباع سنت کی روشنی سے منور ہے اس لئے ادب کے ساتھ یہ گذارش ہے کہ الاصلاح ۱۲ میں علامہ فراہی المرحوم مدرسۃ الاصلاح کے مضمون خیالات اثنار

ترجمۃ القرآن میں ہے کہ قرآن پاک میں محض قافیہ کی بندش کے لئے غیر انسب لفظ لائے گئے ہیں اور
گلستان و بوستاں کے ناموں کی طرح سورتوں کے نام عرب کے مذاق کے مطابق رکھدیئے گئے ہیں
آیات مناسب جگہ پر نہیں ہیں مثال دیکر فرمایا کہ فلاں فلاں جگہ فقرہ ختم ہونا چاہیئے۔ ہم جیسے جاہل
کے دل میں کلام پاک کی عظمت ہے ان خیالات کو پڑھ کر میرا دل کانپ گیا کیا اُن کے دل میں قرآن پاک
کی وہی عظمت نہیں جو معمولی عربی کتاب کی ہوتی ہے ورنہ تنقیدی نشتر کلام پاک پر کیوں چلتا۔ کیا
اصول زبان مکمل ہیں کیا فصحائے زبان کے کلام سے نئے اصول نہیں بنتے کیا انسانوں کے بنائے
ہوئے اصول کے اعتبار سے خالق کل کے کلام کی ترتیب کو غیر انسب کہنا ایک مسلمان کو زیبا ہے
اے ہمارے دینی رہنما، اے سنت نبوی کے حامل اے پشت پناہ اسلام اے گنبد خضرا کے
قرب نشین اگر ان خیالات سے خدا کے قادر الکلام اور اُس کے علم کی اہانت کلام پاک کی بے عزتی
نہیں ہے اور اسلامی معتقدات میں تزلزل نہیں پیدا ہوتا تو ہمیں آگاہ فرمایئے تو ہم اپنی غلطی
سے باز آئیں اور علامہ فراہی کے اعتقاد کے مطیع ہو جائیں اگر یہ خیالات خدا کے علم و قدرت کلام
و رسول کی تصدیق و کلام پاک کی بے عزتی کے منافی ہیں تو خدارا اُٹھئے اور اصلاحیوں کے جوابات
اور نفاق پر نہ جایئے اور ایک محترم دیوبندی کے بنیادی پتھر کی لاج رکھ لیجئے اور اس جگہ کے
خالص حنفی اعتقادات کے جہاز کو ڈوبنے سے بچایئے ورنہ سب لوگ حشر کے دن اللہ کے جلال و
جبروت کے سامنے کانپ رہے ہونگے ہمارے بجائے آپ ہی اُس کے جواب دہ ہونگے کیونکہ موجودہ
اختلافات کی رو سے اصلاح والوں کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو حضور کے فتویٰ نے سنبھالا ہے اور
اب اسی کے سہارے پر یہ لوگ اپنے خیالات پھیلا رہے ہیں۔ ۱۴ر جولائی ۱۹۵۲ء جواب طلب ضروری

مکتوب ۴۶

جناب مولانا شاہ عبد الغنی صاحب اعظم گڑھی خلیفہ حضرت تھانوی کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج مبارک۔ والانامہ باعث

سرفرازی ہوا یاد فرمائی کا شکر گذار ہوں۔ اگرچہ ضعیف العمری، بیماری، ناتوانی اور عدیم الفرصتی وغیرہ ایسے موانع ہیں جن کے ہوتے ہوئے سفر کا ارادہ بلکہ خیال بھی غیر صحیح ہے مگر موقع کی اہمیت امتثال امر پر مجبور کرتی ہے بنا بریں انشاء اللہ العزیز ۲۴ مارچ کو حاضر ہونگا۔ اللہ تعالیٰ موانع سے محفوظ رکھے مگر مستدعی ہوں کہ صدارت سے معاف کر دیا جاؤں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ از دیوبند ۲۷ رجمادی الاول ۱۳۷۳ھ

مکتوب ۴۷

جناب مولانا مسعود علی صاحب ندوی مجاز صحبت حضرت تھانوی کے نام

بامن اشارتہ حکم وطاعتہ غنم زید مجدکم

بعد التحیۃ اللائقۃ بالمقام قد اطلعت علی النمیقۃ فاردت الامتثال علی

حاشیہ مکتوب ۴۶۔ نعیم سرائے بیر ضلع اعظم گڈھ میں قدیم مدرسہ مدرستہ الاصلاح ہے اس مدرسہ میں کچھ دنوں سے مودودیت نے اپنا ڈیرہ ڈال رکھا ہے حضرت امام العصر نے اس جماعت کو مدرسہ مذکورہ کے اندر رہنا مصلحتاً اور دیانتہً خلاف سمجھ کر مدرسہ کے ذمہ داران کو آگاہ کیا چنانچہ جلد دوم میں علامہ اقبال احمد صاحب سہیل کے نام جو خط تحریر فرمایا ہے ملاحظہ فرمایا جائے مگر مدرسہ کے ذمہ داروں نے کوئی توجہ نہیں کی سرائے میر ہی کے اندر ایک اور مدرسہ بھی ہے جسکو بیت العلوم کہتے ہیں اس کے ناظم مولانا عبد الغنی صاحب ہیں آپ نے حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کو عریضہ لکھ کر دعوت دی۔ اس والا نامہ میں اسی کی جانب اشارہ ہے باقی تفصیلات کے لئے اصل قول فیصل ملاحظہ فرمایا جائے جو چھپکر شائع ہو چکا ہے کچھ تفصیلات اسی جلد میں بعض حضرات کے خطوط کے تحت آئیں گی جو ۱۹۳۶ء ۱۴ر جنوری کا جواب مزید دیکھ لیا جائے۔ ہمارے حضرت مولانا مدنی قدس اللہ سرہ العزیز پر الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کا ایسا پختہ اور گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا جو بہت سے نفس پرستوں کو آخر تک سمجھ میں نہ آسکا انھوں نے اپنے ہی طرف سے اندازہ کیا حالانکہ ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

حاشیہ مکتوب ۴۷۔ یہ والا نامہ بھی اسی مضمون پر مشتمل ہے جو اس سے پہلے درج ہے۔ (باقی آئندہ صفحہ پر)

رغم الضعف والامراض عسی اللہ ان یبیض وجھی بالمثول بین ایدیکم ویحفظنی عن العوائق والسلام۔

الداعی لکم بالفوز والنجاح احقر الخلق منہ حسین احمد غفر لہ

من دار العلوم الدیوبندیہ فی ۲۶ من الجماد الاول ۱۳۷۳ھ

مکتوب ۷۸

جناب منشی معراج الدین صاحب پھلتی کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ماہ شعبان کے ابتدا یا ماہ رجب کے اخیر میں عزیزم مولوی برہان الدین سلمہ کا خط آیا تھا اور انھوں نے اپنی یہ حالت دیوبند کی واپسی کے بعد لکھی تھی۔ وہ غالباً جمادی الثانی یا رجب کے ابتدا میں آئے تھے اس کے ساتھ چند رویا بھی لکھی تھیں۔ میں نہایت عدیم الفرصت تھا میں نے قاری اصغر علی صاحب کو کہہ دیا تھا کہ وہ لکھدیں کہ یہ حالت مبارک ہے تم کو خوش ہونا چاہیے انھوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں نے حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ کو خواب میں دیکھا اور اُن سے اپنی حالت کا تذکرہ کیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ ہمارے حسین احمد کو لکھو۔ بہر حال میں نے مبارکبادی دیدی تھی جس سے چاہیے تھا کہ آپ حضرات کو اطمینان ہوجاتا مگر تعجب ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ مولوی برہان الدین جب آئے تھے اُن پر کوئی بیماری کا اثر نہ تھا نہ اُنھوں نے کوئی شکایت کی تھی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ راقم الحروف نے اس کو محض ادبی نقطۂ نظر سے یہاں درج کردیا ہے عربیت سے ذوق رکھنے والے حضرات جملہ "یامن اشارتہ حکم وطاعتہ غنم" کے اسلوب خاص سے ضرور محظوظ ہونگے یہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا انتہائی اخلاق اور کمال تھا کہ مخاطب کو اتنا اونچا اور بلند کردیتے تھے جو بیان سے باہر ہے مولانا مسعود علی صاحب ندوی وغیرہ کے جائز مستحق تھے ہم جیسوں کو حضرت مدنیؒ نے اس طرح پر یاد فرمایا ہے کہ شرم سے گردن اوپر نہیں اٹھ سکتی۔ بقول شاعر ع جا دا دیکھو رسول اللہ سے ملتی ہوئی۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرات چشتیہ رحمہم اللہ تعالیٰ (جن کا طریقہ ہی ہمارے حضرات مشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ حضرت گنگوہی، حضرت نانوتویؒ حضرت شیخ الہند قدس اللہ اسرارہم کا طریقہ اصلی سلوک ہے) ان کی خاص نسبت گریہ و بکا، تڑپ و بیقراری عشق و ولولہ ہے جب اس نسبت کا کسی پر ظہور ہوتا ہے تو بے اختیار گریہ کا غلبہ ہوتا ہے اور جس قدر بھی زیادہ ہوتا ہے وہی مفید سمجھا جاتا ہے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ العزیز تو جب کسی ان کے متوسل کو مدتوں محنت کے بعد ایسی حالت پیش آتی تھی تو فرما دیتے تھے کہ الحمد للہ فلاں شخص کو رونا آنے لگا۔ خود حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اخیر تک بہت رویا کرتے تھے اور بالخصوص ابتدا میں تو اس قدر روتے تھے کہ تمام محلات پر دھبے پڑ جاتے تھے مولانا محمد یحییٰ صاحب مرحوم نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں کچھ لکھتا ہوا رہ گیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے وہ یہ سمجھے کہ کمرہ خالی ہے قرآن شریف کی تلاوت فرمانے لگے اور قرآن شریف کی تلاوت کے درمیان اس قدر بیقراری کے ساتھ روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ میں یہ حالت دیکھ کر آہستہ سے وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ خلاصہ یہ کہ یہ امر خاص نسبت چشتیہ کا ظہور ہے نہایت مبارک امر ہے نہ صرف صاحب حال کو بلکہ اس کے والدین و احباب کو بھی نہایت خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نسبت عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور زیادتی کی دعا کرنی چاہیئے کسی سے صاحب حال کو ظاہر نہ کرنا چاہیئے اور غنیمت شمار کرنا چاہیئے جب یہ نسبت عشقیہ چشتیہ ظاہر ہوگی تو صاحب حال کو کب خلق سے انس ہوگا اس کا لگاؤ تو خالق اور اس کے ذکر سے ہونا ضروری ہے اس کے جسم کا کمزور ہونا رنگ کا زرد ہونا نیند کا کم ہونا ذکر اور تنہائی کا اختیار کرنا لوازم نسبت میں سے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا یہ حالت پیش نہیں آئی۔ اہل اللہ پر بالخصوص چشتیہ اور قادریہ خاندان میں کم و بیش ہر ایک پر یہ حالت طاری ہوتی ہے اور جس قدر زیادہ کسی پر طاری ہوتی ہے اس کی خوش نصیبی ہے۔ ؎

تا نگرید بچہ کے جوشد لبن تا نہ بارد ابر کے خندد چمن

خدا کا شکر کیجئے اور اپنے وقت عزیز کو مخلوق کی صحبت غیر ضروری میں ہرگز ضائع نہ کریں خالق ہی محبوب حقیقی ہے اسی کی رضا جوئی اور خوشنودی کو اپنا نصب العین اور مقصد زندگی سمجھیں اور

شاکر و ذاکر رہیں اگر کسی قسم کی جسمی بیماری موجود ہو تو اس کا علاج جاری ہونا چاہیئے۔ والسلام
ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ

حاشیہ مکتوب ۴۸

حضرت شاہ اہل رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے صاحبزادے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بھائی تھے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس والانامہ میں بھی ایک بات بہت کام کی ہے جو جان سلوک اور عطر تصوف ہے۔ وہ یہ کہ "الحمد للہ فلاں کو رونا آنے لگا"۔ اس اجمال کی اگر تفصیل کی جائے تو ایک کتاب بن جائے چونکہ قطب گنگوہیؒ کی زندگی اور زندگی کی ساری چہل پہل سوز و گداز، آہ نیم شبی نالہ و فریاد صبحگاہی پر تھی جو ثمرہ ہے اتباع نبوی صلعم کا۔ جس کو خواجہ فریدالدین عطار کی زبان سے سننا ہے تو سنئے فرماتے ہیں۔ ؎

کفر کافر را و دیں دیندار را ذرۂ دردت دل عطار را

کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلعم میں گریہ و بکا نہ صرف واقعات بلکہ ترغیب اور استحباب موجود ہے۔ امام نوویؒ نے اپنی کتاب التبیان فی آداب حملۃ القرآن میں یہ روایت نقل فرمائی ہے "اقرء القرآن وابکوا فان لم تبکوا فتباکوا" جس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کرو اور روؤ اگر رونا نہ آئے تو کم از کم رونے کی صورت بنا لو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر آنسو نہ نکلے تو دل ضرور روئے۔ امام غزالیؒ نے احیاء میں نفیس اور مفصل بحث فرمائی ہے اور طریقہ یہ بتایا ہے کہ دل کو کھیچ کر کے اس کے اندر حزن و غم لاکر اللہ تعالیٰ کی دھمکیاں اور سخت قسم کی بازپرس اس کے سامنے اور عہد و پیمان کو یاد کر کے اپنی تقصیرات اور گناہوں پر ماتم کیا جائے اور خوب رویا جائے اگر اس پر بھی دل کے اندر خوف اور بکا طاری نہ ہو تو سب سے بڑی مصیبت ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بسا اوقات ایک ہی آیت کو بار بار پڑھنا اور گریہ کرنا روایات کے اندر موجود ہے صحابہ کرام میں سے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ، تمیم داری عبداللہ بن مسعود وغیرہم کا ایک ایک آیت پر رکنا اور رونا ثابت ہے سی طرح تابعین میں ضحاکؒ

ابن سیرینؒ اور بعد کے صلحاء امت کا تلاوت اور غیر تلاوت کے اوقات میں نہ صرف رونا بلکہ اسی حالت میں وصال فرمانا تاریخ اسلام کے مشہور واقعات ہیں مثلاً زرارہ ابن اوفی تابعیؒ احمد بن ابی الحواریؒ، ابوبکر اشنانیؒ وغیرہم۔ خلاصہ یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ رونا اور نمائش سے دور رہ کر اپنے گناہوں پر نادم اور شرمندہ ہونا، اندر اندر گھلنا اور نجات و مغفرت کی فکر میں راتوں کو نیند حرام کر دینا، آنکھوں سے بے ساختہ آنسو کا بہہ پڑنا کو بڑی ہی بہا ہے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دو قطرے بہت محبوب ہیں ایک خون شہادت کے قطرے دوسرے خوف خداوندی کی بنا پر اپنے معاصی و سیئات پر رو دینا۔ بیشک اگر یہ آجائے تو بہت کچھ امید فضل و رحمت الٰہی کی کیجا سکتی ہے۔ ساری لبنہائے سلوک کا یہی منتہائے کمال ہے۔ مدت ہوئی ایک مرتبہ راقم الحروف کو بھی رمضان المبارک کی ستائیسویں شب میں دو بجے کے بعد تہجد میں یہ کیفیت طاری ہوئی تھی یہی وہ رات تھی کہ بقول آسی مرحوم ؎

رات ہو رات تو لبس مرد خوش اوقات کی رات ∴ گریۂ ذوق کی اور شوق ملاقات کی رات
گریۂ غم ہے کہ ساون کی جھڑی تا دم صبح ∴ کوئی موسم ہو یہاں رہتی ہے برسات کی رات
ہے شب قدر سے دعوائے مساوات کی رات۔

اللّٰھم ارزقنا بحرمۃ نبیک صلعم

مگر آہ گئے وہ دن اور آئے یہ دن پھر وہ بات حاصل نہ ہو سکی جو تڑپ و بیقراری اور آہ و زاری کی طاری ہو گئی تھی آج بھی اس کے تصور میں دل مسوس کر رہ جاتا ہے۔ ان کیفیات کے طاری ہونے کے اسباب بہت سے ہو سکتے ہیں اور اسی بنا پر گریہ و بکا میں بھی فرق ہوا کرتا ہے حتیٰ کہ بعض وقت کسی خوشخبری وغیرہ سے بھی بے ساختہ آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔ چوٹ لگنے، پھوڑے کے چیرنے پھاڑنے اور خبر موت پر بھی ایسا ہوتا رہتا ہے۔ گریہ رونا یا اس آنسو کا نکلنا مطلوب و مقصود نہیں۔ اس راہ کے رہبر اور حکیم اُمت حضرت مولانا رومؒ نے جو ہدایات دی ہیں وہ یاد رکھنے اور سمجھنے سے تعلق رکھتی ہیں رحمت کا انحصار گریہ و زاری ہی کو قرار دیتے ہیں ملاحظہ ہو

رحمتم موقوف آں خوش گریہا است   چوں گریست از بحر رحمت موج خاست

اے برادر طفل، طفل چشم تست   کام خود موقوف زاری داں نخست

کام تو موقوف زاری دل است   بے تضرع کامیابی مشکل است

زاری و گریہ قوی سرمایہ ایست   رحمت کلی قوی تر دایہ ایست

دایہ و مادر بہانہ جو بود   تا کہ کے آں طفل گریاں می شود

باعث گریہ وزاری پر عجیب حکیمانہ بات فرماتے ہیں۔ ؎

درحقیقت ہر عدو داروئے تست   کیمیائے نافع و دلجوئے تست

گریہ وبکا اور آہ وزاری کی قدر وقیمت پر اس سے زیادہ کیا کہا جا سکتا ہے ؎

اشک کاں از بہر او بارند خلق   گوہر است و اشک پندارند خلق

گریہ کا فلسفہ اور نتیجہ بیان فرماتے ہیں ؎

از پئے ہر گریہ آخر خندہ ایست   مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

ذوق خندہ دیدہ اے خیرہ خند   ذوق گریہ بیں کہ ہست آں کانِ قند

نتیجے کی بات آخر میں ہے جس سے گریہ کے جھوٹے اور سچے ہونے کو سمجھا جا سکتا ہے۔ ؎

گریۂ باصدق باجانہا زند   تاکہ عرش وفرش را نالاں کند

دُرد را بگذار و زاری را بگیر   رحم سوئے زاری آید اے فقیر

گریہ اور خندہ کا مخزن ومنبع کیا ہے فرماتے ہیں

گریۂ و خندہ غم و شادی دل   ہر یکے را معدنے داں مستقل

میلان گریہ وزاری پر اس طرح رطب اللساں ہیں ؎

چوں خدا خواہی کہ ماں یاری کند   میل ماما جانب زاری کند

اے خنک چشمے کہ او گریان اوست   اے ہمایوں دل کہ او بریان اوست

مکتوب ۷۹

جناب مولانا سعید علی صاحب سلہٹ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میرے محترم! بارگاہ خداوندی نہایت عظیم الشان بارگاہ ہے رحمت اور کرم اس کے اوصاف کاملہ میں سے ہے "سبقت رحمتی علی غضبی" اس کے لطف وکرم سے کسی وقت مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ راہ سلوک میں مردانہ وار گامزن رہنا چاہیئے۔ اگر ستر برس کی محنت وریاضت کے بعد بھی تھوڑی سی توجہ محبوب حقیقی اور بارگاہ لم یزلی کی حاصل ہوجائے تو نعمت غیر مترقبہ اور احسان غیر متناہی ہے۔ ؎

اگر بدانم کہ خواہی آمد بزیرت من نوگاہے گاہے ان احترفت بنار عشقک نعت ہجرا فلا ابالی

اس محبوب لم یزلی کی یاد میں عمر صرف کیجئے اور مایوسی کو راہ نہ دیجئے۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا الحدیث کو پیش نظر رکھئے اس محبوب حقیقی کی رضا و خوشنودی مقصد اصلی ہے اگرچہ سارا جہان چھوٹ جائے

فلیتک تحلوا والحیاۃ مریرۃ ولیتک ترضی والانام غضاب

(کاش کہ آپ کی محبت کی حلاوت مجھے حاصل ہوجاتی پھر چاہے زندگی کتنی ہی تلخ ہوتی اور کاش کہ آپ مجھ سے راضی ہوجاتے چاہے ساری دنیا ناراض ہوجاتی (ترجمہ اصلاحی)

ذکر میں جس قدر ممکن ہو مداومت کیجئے (والذین ھم علی صلواتھم دائمون) یہی غنیمت بارده ہے جو کہ اس دنیا سے ہم کو لیجانا ہے۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۰ جمادی الاول ۱۳۵۲ھ

∴

مکتوب ۵۰

جناب مولانا نسیم انور صاحب آزاد قدوسی قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مزاج شریف ۔ یقیناً دنیا میں ہر طرف الحاد اور بے دینی پھیلی ہوئی ہے اور بڑھتی جا رہی ہے مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور قرآن مجید کی رہنمائی بھی ہر طرف موجود ہے اس پر عمل کیجئے اور دوسروں کو اس پر عامل بنائیے نجات کے طریقوں پر چلئے اور چلائیے اللہ تعالےٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوجیے ۔ جناب رسول اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں " بدا الاسلام غریبا و سیعود کما بدا فطوبی للغرباء " یعنی شروع میں اسلام اوپرا تھا اور عنقریب اوپرا ہوجائے گا اور جنت کی بھلائی اوپروں کے لئے ہے اوپرا غیر مانوس کو کہتے ہیں ۔ ابتدا میں اسلامی قوانین اور اصول غیر مانوس تھے لوگ ان سے چونکتے تھے اور نفرت کرتے تھے پھر یہ قوانین اور اصول مانوس ہوگئے اور عام طور پر پسندیدہ اور محبوب بن گئے تمام دنیا میں مقبولیت ہوگئی اور قومیں کی قومیں اسلام میں داخل ہونے لگیں مگر پھر اسلام میں مقبولیت نہیں رہیگی اور لوگ ان تعلیمات اور اصول کو اوپرا دیکھنے لگیں گے اور اُن پر چلنے والے مسلمانوں سے چونکنے اور نفرت کرنے لگیں گے یہی وہ زمانہ ہے تو جناب رسول اللہ علیہ وسلم طوبیٰ یعنی بشارت انہیں لوگوں کو دیتے ہیں جن کو لوگ نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور مانوس نہیں ہوتے ۔

حاشیہ مکتوب ۵۰ ۔ اس مکتوب گرامی میں حدیث " بدا الاسلام " کے اندر ایک لفظ " غریب " واقع ہے جس کا ترجمہ اور مفہوم حضرت شیخ مدظلہ العالی نے لفظ اوپرا سے فرمایا ہے چنانچہ اس لفظ کا صحیح ترجمہ یہی ہے اور جہاں کہیں کلام عرب اور احادیث میں یہ لفظ وارد ہوا ہے اس کے معنی وطن سے دور مسافر اجنبی اور غیر مانوس وغیرہ کے ہیں چنانچہ اسی بنا پر بعض حدیث کو غریب کہا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کی اسناد میں کسی جگہ صرف ایک ہی راوی رہا ہے اور جس کا کوئی شریک نہ ہونے کی بنا پر وہ پہچانی نہیں جاتی ۔ مسافر کو بھی اسی بنا پر غریب کہا جاتا ہے کہ وہ جہاں وارد ہوا ہے اجنبی ہے کوئی اس کا جاننے والا اور شناسا نہیں ۔ باقی مفہوم حدیث کا واضح ہے اسی طرح اس والا نامہ میں حدیث کا ایک فقرہ یہ ہے " القابض علی الدین کالقابض علی الجمر " جس کا مفہوم بھی حضرت مدظلہ العالی نے صاف کردیا ہے اور خصوصیت سے موجودہ زمانہ پر بھی ان پیشگوئیوں کو منطبق فرمایا ہے اور اندر دیا ہے کہ استقلال اور ثابت قدمی ہی سے آخرت کی نجات اور دنیا میں فلاح و کامیابی ہے

میرے محترم! مضبوطی سے دامن کو تھامئے اور اس پر چلئے اور لوگوں کو اس پر چلنے کی ہدایت کیجئے خود کو الحاد اور بے دینی سے بچائیے اور دوسروں کو بھی اس سے روکئے جس طرح قرن اول میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا تھا۔ لوگ مخالفت کریں گے، توہین و تذلیل ہوگی، آوازے کسے جائیں گے، مذاق اڑایا جائے گا، مشکلات کی آندھیاں آئیں گی، عسرت اور تنگ دستی میں پھنسنا پڑیگا مگر مثل قرن اول صبر کرنے والوں کو اور ان سب باتوں کے جھیلنے والوں کو آخرت کی نجات اور سرخروئی ہوگی۔ دین کو سنبھالنا اس زمانہ میں آگ کی چنگاری کا سنبھالنا ہوگا۔ القابض علی الدین کالقابض علی الجمر۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے اسی پر عمل کیجئے ثابت قدم رہیئے اور لوگوں کو ثابت قدم بنائیے جیسے کہ صدر اول کے مسلمانوں نے کیا ہے

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب ۵۱

جناب مولانا سید عزیز الرحمٰن صاحب تکیہ رائے بریلی کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ باعث سرفرازی ہوا احوال پر اطلاع ہوئی جب تک کوئی حالت استقرار نہیں پکڑتی اس وقت تک ناغہ اور وہ بھی طویل، نقصان رساں ہوتا ہے اور پھر اس کے ساتھ اگر افکار دنیاویہ اور صحبت نااہل وغیرہ جمع ہوجائیں تو اور بھی اس میں زیادتی ہوجاتی ہے۔ بہرحال اس عالم اسباب میں خداوند عالم نے امور کو اسباب کے سلاسل سے متعلق کیا ہے۔ والسلام ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب ۵۲

محترما! اس عالم اسباب میں عادت الٰہی اسباب ہی کے ساتھ تاثیر فرما ہے جو امور خوارق عادات کسی سے ظاہر ہوئے خواہ وہ افاضہ اور استفاضہ کے متعلق ہوں یا تکوینیات کے متعلق وہ

نہایت قلیل ہیں اور پھر ایسے اشخاص سے ظہور پذیر ہیں جن کی نظیر اس زمانہ میں نہایت کم ہے اور بالخصوص میرے جیسے روسیاہ تو بجز اس امر کے کہ ان اکابر کے لئے ننگ وعار کہا جائے اور کوئی قابلیت نہیں رکھتا بنابریں جب تک قاعدہ کے ساتھ محنت نہ کی جائے کس طرح کامیابی کی توقع کی جاسکتی ہے؟ حالانکہ اس حالت میں بھی فضل وکرم خداوندی کی ازبس ضرورت ہو یاس اور ناامیدی کسی طرح جائز نہیں مردانہ وار قدم رکھنا چاہیئے۔ کوشش جاری رکھئے عادتِ الٰہی نہیں ہے کہ کسی کی جدوجہد کو ضائع فرمائے والسّلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۵ ارجمادی الاوّل ۱۳۵۲ھ

مکتوب ۵۳

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذالک علی اللہ یسیر۔ لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم واللہ لا یحب کل مختال فخور (سورہ حدید)

محترم المقام۔ والدہ ماجدہ کے انتقال پر ملال سے صدمہ ہوا۔ یقیناً ایک ایسے سایہ کا سر سے اُٹھ جانا اور پھر ایسی کیفیت کے ساتھ طبعی طور پر سخت صدمہ کا باعث ہے جس قدر بھی

حاشیہ مکتوب ۵۲ یہ والا نامہ صاف ہے چند الفاظ کے مفہوم کو ظاہر کر دینا ضروری ہے۔ افاضہ کے معنی فیض پہنچانا اور استفاضہ کے معنی فیض قبول کرنا۔

حاشیہ مکتوب ۵۳ آیت سورۃ حدید ترجمہ یہ ہے کہ کوئی آفت نہیں پڑتی ملک میں اور نہ تمہاری جانوں میں جو لکھی نہ ہو ایک کتاب میں پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم اس کو دنیا میں بیشک یہ اللہ پر آسان ہے تاکہ تم غم نہ کھایا کرو اس پر جو ہاتھ نہ آیا اور نہ شیخی کیا کرو اس پر جو تم کو اس نے دیا اور اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا۔ حدیث بخاری کا ترجمہ یہ ہے۔ شہید کی بہت سی قسمیں ہیں۔ پانچ یہ ہیں (۱) طاعون سے مرنے والا (۲) ہیضہ سے مرنے والا (۳) ڈوب کر مرنے والا (۴) دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والا اور اللہ کی راہ میں جہاد کی حالت میں جاں بحق ہونے والا لے ۵ قرص النملۃ کے معنی چیونٹی کے کاٹنے کی سی تکلیف۔

رنج ہو کم ہے انا للہ وانا الیہ راجعون

صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں موجود ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الشہداءُ خمسۃ المطعون والمبطون والغریق وصاحب الھدم والشہید فی سبیل اللہ

بخاری جلد اوّل صفحہ ۱۰ : ۹۰ : ۳۹۷ : ۸۵۳

میرے محترم وہ عمر طبعی کو پہنچ چکی تھیں حسب ارشاد کل نفس ذائقۃ الموت مرنا تھا ہی۔ مگر شہادت کی وہ میت ہے جس پر ہزاروں موتیں قربان کیجا سکتی ہیں عاش سعیداً و مات شہیداً کی مصداق۔ خدا کا شکر کیجئے اُن کے لئے کفارۂ سئیات ہوا رفع درجات ہوا فللہ الحمد والمنۃ

آپ چارپائی پر پیر رگڑ رگڑ کر موت پسند کرتے ہیں؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ شہید کا الم موت بھی نہایت خفیف "کقرص النملہ" بتایا گیا ہے۔

بہرحال یہ ظل سبحانی تھا یہ سایہ رحمانی تھا یہ امانت یزدانی تھا جو کچھ بھی تھا انعام الٰہی تھا۔ منعم نے اپنے انعام کو واپس لے لیا اس پر خوش ہونا چاہیئے نہ کہ افسردہ دل للہ ما اخذ وما اعطی فلتصبر ولتحتسب ارشاد نبوی ہے۔ مرحومہ کے لئے دعا کیجئے استغفار کیجئے یہ چیز نافع ہے رنج اور صدمہ کرنا بے فائدہ ہے۔ رضی بقضاء الٰہی ہونا اشد ضروریات میں سے ہے۔ والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ یکم جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ

مکتوب ۵۴

ایمن مشو کہ مرکب مردان مرد را | در سنگلاخ بادیہ پیما بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندان بادہ خوار | ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

محترم المقام — اگرچہ آنجناب کے والا نامجات قلت قیام اور تنگی وقت کی وجہ سے مجھکو حجاز میں نہیں ملے بلکہ بعد واپسی ہندوستان ملے مگر میں نے ہر مقدس جگہ میں اپنے احباب اور بزرگوں کو دعا سے فراموش نہیں کیا۔ یہی نہیں کہ میری دعائیں صرف احباب اور بزرگوں تک منحصر نہیں بلکہ ہر اس شخص کے مقاصد دارین کے حصول کے لئے ہمیشہ دعا کرتا رہا اور دعا کرتا رہتا ہوں

جس نے دعا کا حکم کیا ہے۔ آئندہ قبولیت اور حصول مقاصد قبضہ قدرت قدیمہ میں ہے ....
اتباع سنت میں سرگرم رہتے ہوئے ذکر میں پوری کوشش کرتے رہیں۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ

مکتوب ۵۵

معاشی ضروریات اگرچہ باعث تخریب توجہ الی اللہ اور موجب تنغض ہیں مگر بغیر اُن کے اس دارفانی میں چارہ بھی نہیں ہے۔ ؎

اگر دنیا نہ باشد دردمندیم
وگر باشد بمہرش پائے بندیم

بہتر یہی ہے کہ "دل بیار و تن بکار" کا معاملہ جاری کیا جائے۔ جہاں تک ہوسکے توجہ قلبی اور شغل لسانی ذکر کے ساتھ ہو اور ملحوظ بیرا و ظاہران اشغال دنیاویہ کے ساتھ ہو ؎

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش
ایں چنیں زیبا روش کمتر بود اندر جہاں

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ

مکتوب ۵۶

اس میں شک نہیں کہ تکیہ نہایت مبارک اور مسعود جگہ ہے اہل اللہ اور اولیاء عظام کے انوار و برکات وہاں موجود ہیں۔ اُن کے قرب میں رہنا سودمند ہی ہے۔ ذکر اور اتباع سنت میں کوتاہی نہ فرمایئے۔ والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۹ شعبان ۱۳۶۳ھ

حاشیہ مکتوب ۵۶۔ حضرت سید شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ تکیہ رائے بریلی کے اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے آپ کا اور عالمگیر کا زمانہ ایک تھا۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی" کے مشہور خلیفہ اور جانشین حضرت آدم بنوری" کے فیض سے متفیض اور مشرقی کے دیار میں ان کے خلیفہ خاص تھے۔ راقم الحروف نے کہیں پڑھا ہے کہ جس شب میں شاہ علم اللہ کا وصال ہوا اسی شب کو عالمگیر نے خواب میں دیکھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر رہا ہوں صبح کو یہ خبر پہنچی کہ شاہ صاحب کا وصال ہوگیا۔ اس خواب کی یہی تعبیر تھی اور عملی تعبیر و تفسیر بعد کو سید شہید سے ظاہر ہوئی۔

مکتوب ۵۷

جو احوال جناب نے تحریر فرمائے ہیں اطمینان بخش اور امید افزا ہیں" الاستقامۃ فوق الکرامۃ"
خواب یا انوار یا الہامات وغیرہ صرف دل بڑھانے کے لئے سالک کو پیش کئے جاتے ہیں جیسے بچے کو
لبھانے کے لئے گھنگھنا دیدیا جاتا ہے۔ اکابر کا مقالہ" تلک خیالات نربی بہا اطفال الطریقۃ"
مشہور ہے۔ عبادت اور ذکر پر مداومت، اتباع سنت اور شریعت پر قیام یہی امور ہیں جن کے
ہم مکلف ہیں اور جن پر استقلال سے عمل پیرا ہونا اور درجات احسان کا حاصل ہونا کمال
ایمانی ہے۔ خوف خداوندی اور رجاء دونوں ایمان کے کمال کی نشانیاں ہیں۔ بکا اور گریہ
کا غلبہ چشتیہ نسبت کا ظہور ہے ہنیئاً لارباب النعیم نعیمھم اللّٰھم زد فزد
والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ

مکتوب ۵۸

اذکار اور نمازوں میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہ رکھیں، وساوس گذرتے رہیں آپ اپنا کام
جاری رکھیں۔ سیلاب چلتا ہے اور اس پر خس وخاشاک چھائے رہتے ہیں کچھ پرواہ نہ کیجئے۔
ہاں نماز میں یہ کوشش کیجئے کہ جو کچھ زبان سے پڑھا جا رہا ہے وہ کیا ہے اور اس کے معانی کا دھیان
رکھتے ہوئے جناب باری عز اسمہٗ کو سامنے سننے والا دیکھنے والا تصور کیجئے۔ قرآن مجید میں ہے
وما تکون فی شان وما تتلوا منہ من قرآن ولا تعملون من عمل الا کنا علیکم
شھودا اذ تفیضون فیہ الآیہ کے مضمون کے موافق خیال باندھا کیجئے۔ غیبوبت ہو جائے
پر بھی بار بار کوشش کیجئے آہستہ آہستہ حالت درست ہوگی۔
اگر ممکن ہو تو روزانہ شجرۂ منظومہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ پڑھ لیا کیجئے اور

حاشیہ مکتوب ۵۸۔ آیت سورۂ یونس کا ترجمہ یہ ہے۔ اور نہیں ہوتا تو کسی حال میں اور نہ پڑھتا ہے اس میں
سے کچھ قرآن اور نہیں کرتے ہو تم لوگ کچھ کام کہ ہم نہیں ہوتے حاضر تمہارے پاس جب تم مصروف ہوتے ہو
اس میں۔

مشائخ طریقت کے لئے ذکر شروع کرنے سے پہلے ایصال ثواب کیا کیجئے۔ درود شریف تین مرتبہ سورۂ فاتحہ تین مرتبہ سورۂ اخلاص ۱۲ مرتبہ درود شریف تین مرتبہ پڑھکر دعا کیجئے کہ پروردگار اس کا ثواب میرے مشائخ طریقت کو پہونچادے اور اُن کی برکت سے اُن کے طفیل میں میرے دل کو اغیار سے پاک اور اپنی معرفت کے انوار سے منور کردے۔ والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ

مکتوب ۵۹

محترما! دنیاوی مصائب بھی اُس کی رحمتیں ہیں جن کے ذریعہ سے بندہ کو اپنی طرف کھینچا جاتا ہے ورنہ بندہ فرعون بے سامان بن کر انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ لگانے لگتا۔ ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض اس کی دلیل ہے۔ نیز ابتلا اور امتحان آزمائش اور پرکھ دونوں طرح جاری ہے انعام اور وسعت دنیاوی سے بھی اور تنگدستی اور مصائب سے بھی۔ ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ۔ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے وبلوناھم بالحسنات والسیئات۔ غرضکہ یہ عالم امتحان کی جگہ ہے اور طرح طرح سے امتحانات کا سلسلہ جاری ہے اس میں پاس ہونے کی فکر ہونی چاہیئے اور بجز "مالک حقیقی دائم وباقی" کسی چیز اور کسی شخص سے دل لگانا نہ چاہیئے۔ جو کام کیجئے حسن نیت کے ذریعہ سے عبادت بنالیجئے۔ انما الاعمال بالنیات۔ حتیٰ کہ سونا، کھانا، پینا اور حاجات بشریہ کا بجالانا سب عبادت ہوسکتا ہے ذریعہ اور وسیلہ عبادت یقیناً عبادت ہے۔ ذکر اور فکر سے مقصد اصلی رضاء محبوب حقیقی ہے۔ کسی لذت کا حاصل ہونا، قلب کا صاف ہونا، کشف وکرامات کا مل جانا انوار وبرکات کا محسوس ہونا، فنا اور بقا، قطبیت وغوثیت سب کے سب غیر مقصود ہیں اُن کی طرف توجہ اور قصد خطرناک چیزیں ہیں ؎

فراق ووصل چہ خواہی رضائے دوست طلب ✽ کہ حیف باشد ازو غیر ازیں تمنائے

حاشیہ مکتوب ۵۹۔ اس مکتوب میں جو آیات درج ہیں اُن کا ترجمہ پہلے گذر چکا ہے۔ اسی طرح فنا اور بقا وغیرہ کی تشریح بھی ہوچکی ہے۔ جلد اول ودوم کے حواشی ملاحظہ ہوں۔

مذکورہ بالا اشیاء وسائل و ذرائع ہیں مقصد اصلی صرف رضاء الٰہی ہے۔ بندہ کا وظیفہ آداب عبودیت بجالانا ہے اس میں جدوجہد جاری رکھئے اور اخلاص و للّٰہیت کو ہمیشہ پیش نظر رکھئے

والسّلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب ۶۰

لکل شیٔ آفۃ وللعلم آفات

محترما! اگر اس قسم کے علائق اور موانع نہ ہوتے تو ہر ایک شخص اِدّعاء عشق و طلب کر لیتا لیکن انہیں امور کے امثال کے ہوتے ہوئے تمیز بین الصادق والکاذب ہوتی ہے اور امتحان کا سماں بندھتا ہے۔ ولنبلونکم الآیہ اور اس کے ہم معنیٰ بہت زیادہ آیات اور روایات موجود ہیں لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ الآیہ ۵

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ   نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ہمت بلند کیجئے، جفاکشی اور جانبازی اختیار فرمائے اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا من تقرب الیّ شبرا تقربت الیہ ذراعا الحدیث

مکتوب ۶۱

جناب سکریٹری صاحب مرکزی مجلس تحفظ ناموس صحابہؓ لکھنؤ کے نام۔

حامدًا ومصلیًا ومسلما

محترم المقام زید مجدکم۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج مبارک

مدح صحابہ کی مذہبی حیثیت اور وجوب

حضرت خاتم النبیین سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے دوستوں اور آپ کے اصحاب کرام

حاشیہ مکتوب ۶۰۔ آیت اور حدیث کا ترجمہ گذر چکا ہے۔

رضوان اللہ علیہم کی تعریفیں قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بہت سی آیتوں میں ذکر کی گئی ہیں حتیٰ کہ بعض جگہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اُن کی پیدائش سے پہلی کتابوں میں (توریت و انجیل میں) اُن کی ثنا اور صفت ذکر کی گئی تھی۔ سورہ حشر میں مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعض خصائل حمیدہ پر روشنی ڈالنے کے بعد اُن لوگوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو کہ اُن کے بعد آئے یا آئیں گے (تابعین اور اُن کے بعد والے لوگ) اُن کی توصیف اور تعریف میں اُن کا یہ قول ہی ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں رَبنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم۔ ترجمہ اے ہمارے پروردگار ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو کہ ہم سے پہلے ایمان لائے تھے مہاجرین اور انصار (یعنی صحابہ کرام) اُن کی مغفرت فرما اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے متعلق کسی قسم کا کوئی کینہ نہ کر۔ اے پروردگار تو بہت محبت اور مہربانی والا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب یہ قولی صفت بطور ثنا صحابہ کرام کے بعد قیامت تک کے آنے والوں کے لئے ذکر کی گئی ہے اور اس انداز سے کہ اس سے نہ صرف اس قسم کی پسندیدگی ہی معلوم ہوتی ہے بلکہ اُس کا حکم بھی مکانی، زمانی، انفرادی اور اجتماعی قیود وغیرہ سے بالاتر ہو کر ٹپکتا ہے تو بعد کے آنیوالے مسلمانوں پر اس قول کا کہنا پبلک مقامات، عام مناسب مقامات پر بھی شرعاً مطلوب ہوگا۔ احادیث صحیحہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ثنا و صفت اُن سے محبت رکھنے کی تاکید، ان کی شان میں گستاخی کی مذمت، اُن کی تابعداری کرنے کا حکم، اُن کا ذکر بالخیر کرنے کا ارشاد وغیرہ نہایت کثرت سے مذکور ہے اسی بنا پر مسلمانوں کے اجتماعات عامہ عیدین، حج، جمعہ وغیرہ میں لکچر دیتے ہوئے خطبہ پڑھتے ہوئے صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ثنا و صفت کرنی نہ صرف مستحب قرار دی گئی ہے (دیکھو درمختار، شامی، عالمگیری وغیرہ) بلکہ حسب تصریح امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز (مکتوبات امام ربانی جلد دوم ص۱) اس کو شعار اہلسنت و جماعت بھی قرار دیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وجوب مدح صحابہ اور اعلان کی پہلی وجہ

" ذکر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اگرچہ از شرائط خطبہ نیست لیکن از شعار اہل سنت است (شکر اللہ تعالیٰ سعیہم) ترک نہ کند بعمد تمرد آں را مگر کسے کہ دلش مریض و باطنش خبیث، اگر فرض کنم کہ بتعصب و عناد ترک نکردہ باشد وعید من تشبہ بقوم فہو منہم را چہ جواب خواہد گفت، ایں قسم گل بدیہ از ابتدائے اسلام تا ایں وقت معلوم نیست کہ در ہندوستان شگفتہ باشد نزدیک است کہ ازیں معاملہ تمام شہر متہم گردد بلکہ از ہندوستان مرتفع شود دریں طور واقعات تغافل ورزیدن متبدعان را دلیر ساختن است و رخنہ دین کردن (انتہی مختصراً) ترجمہ۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر اگرچہ خطبہ کے شرائط میں سے نہیں ہے لیکن اہلسنت کے شعار میں سے ہے کوئی اپنے ارادے اور سرکشی سے اس کو نہیں چھوڑتا مگر وہ شخص جس کا دل بیمار ہو اور اس کا باطن خبیث ہو اور اگر فرض کریں کہ تعصب اور عناد سے ترک نہ کیا ہو تو وعید من تشبہ بقوم فہو منہم" (جس نے کسی قوم کی شباہت اختیار کی وہ ان میں سے ہے) کا کیا جواب کہا جائے گا؟ اس قسم کا بدبو دار پھول ابتدائے اسلام سے اسوقت تک ہندوستان میں کھلنا معلوم نہیں ہوتا لیکن نزدیک ہے کہ اس معاملہ سے تمام شہر متہم ہو جائے بلکہ ڈر ہے کہ ہندوستان سے یہ امر اٹھ جائے اس قسم کے واقعات سے تغافل برتنا متبدعین کو دلیر بنانا.... اور رخنہ دین میں پیدا کرنا ہے اور چونکہ شعار کا اظہار و اعلان ہر زمانے اور ہر جگہ میں ضروری ہے بنا بریں اس کا اعلان ہر جگہ ضروری ہوگا۔ منہاج السنۃ میں ہے " انّ المسلمین والکفار اذا کان لھولاء شعار وجب اظہار شعار الاسلام فی کل زمان وفی کل مکان؛ مسلمانوں اور کافروں کے جبکہ علیحدہ علیحدہ شعار ہوں تو مسلمانوں کے شعار کا ہر زمانہ اور ہر مکان میں ظاہر کرنا واجب ہے

وجوب مدح صحابہ کی دوسری وجہ

علاوہ ازیں جس جگہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے نہ صرف بدظنی پھیلائی جاتی ہو بلکہ اشہد ان علیا ولی رسول اللہ ووصیہ وخلیفتہ بلا فصل" بآواز بلند اذان میں کہا جاتا ہو، نیز امامباڑوں، مجلس خاص

اور خصوصی مساجد میں اُن کی طرف غلط اور جھوٹے اہانت آمیز واقعات منسوب کئے جاتے ہوں اور عوام سنیوں کا سُننا اور شریک ہونا ممکن اور غلطی میں پڑنا ہو تو سنیوں کی اصلاح اور تحفظِ عقائد کے لئے ایسی مجالس کا منعقد کرنا جن میں صحابہ کرام کے صحیح واقعات ذکر کئے جاتے ہوں اور اُن کی ثنا و صفت کی جاتی ہو واجب ہے۔

وجوب مدح صحابہ کی تیسری وجہ

بالخصوص جبکہ دوسری قومیں اور حکومت غیر مسلمہ اس کو جرم قرار دینے لگے اس وقت اس کا وجوب اور بھی بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے انہیں امور کی بنا پر لکھنؤ میں مدح صحابہ کا سلسلہ چلا آتا تھا مگر اہل شیعہ نے حکام وقت پر اثر ڈال کر اس میں رکاوٹیں پیدا کیں اور ۱۹۰۸ء سے اس میں تشددات ہوئے اور بار بار اس بارے میں گرفتاریاں کی گئیں۔ مدح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اُس کے جلسے اور جلوس سنیوں کا انسانی اور شہری اور اجتماعی حق ہے۔

دنیا کا مسلمہ اصول یہ ہے کہ ہر قوم اپنے مقتدایان دین اور اکابر ملت کے کارنامے، ان کی تعلیمات اور اُن کے واقعات زندگی سے متاثر ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے لئے حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرات خلفاء راشدین کے کارنامے، ان کی تعلیمات اُن کے حالاتِ زندگی سرچشمہ ہدایت ہیں اور نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ تمام انسانی دنیا کے لئے اُن کے کارناموں میں کھلی ہوئی صاف اور ستھری روشنی موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ ۱۷ جولائی ۱۹۳۷ء کے اخبار ہریجن میں گاندھی جی نے کانگرسی وزراء کو زوردار الفاظ میں ہدایت کی تھی کہ وہ اپنا طرزِ عمل حضرات شیخین حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ جیسا بنائیں۔ یوروپین مورخین اس کی خصوصی طور سے ہدایت کرتے ہیں اور اسی بنا پر سیرتِ فاروقی رضی اللہ عنہ کو فرانس کی یونیورسٹیوں وغیرہ میں داخل نصاب کر دیا گیا ہے نہایت ضروری ہے کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ ان کارناموں اور اخلاق و اعمال سے واقف ہو اور چونکہ مسلمانوں کا وظیفہ ہے کہ دنیا میں اسلام کی اشاعت کریں اس لئے ان پر اور بھی لازم ہے کہ ساری نوع انسانی کو ان باتوں سے واقف کریں اور ہر بستی میں عام جلسوں اور جلوسوں وغیرہ سے مسلمانوں

اور غیر مسلموں کو بتائیں کہ ان بزرگوں نے دنیا میں کیا کارنامے بطور یادگار چھوڑے ہیں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے کس طرح متاثر ہوئے اور اہل عالم کو مذہب، اخلاق، تمدن، معاشرت، اقتصادیات، سیاسیات وغیرہ تمام شعبہائے زندگی و آخرت کے کیسے کیسے عمدہ اور مفید اسباق سکھائے۔

ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں اور غیر مسلم جاہل محض ہیں نہ کتابیں پڑھ سکتے ہیں نہ اخبارات ان بے پڑھے لوگوں کو مقدس ہستیوں کی زندگی کے پاکیزہ زندگی کے پاکیزہ حالات ان کے بلند مرتبہ خیالات اور ان کے مہتم بالشان کارناموں سے روشناس کرانے کا سوائے اس کے کیا ذریعہ ہو کہ بار بار عام جلسوں اور جلوسوں میں ان کا ذکر خیر کیا جائے اور ان کے نام نامی سے ہر کس و مہ کو مانوس بنایا جائے بالخصوص ایسی جگہوں میں جہاں کہ غلط فہمیاں قصداً پھیلائی جاتی ہیں۔ یہی مقصد سیرت کے جلسوں اور جلوسوں کا ہے اور یہی مقصد مدح صحابہ کے جلسوں اور جلوسوں کا ہے۔

ہندوستان جیسے ملک میں تبرّا قانونی اور اجتماعی اور اخلاقی جرم ہے اور مدح صحابہ اخلاقی، ذاتی اور اجتماعی فریضہ ہے۔ ہندوستان جو کہ مختلف اقوام اور مختلف مذاہب کا گہوارہ ہے بجز اس کے باامن و باعافیت نہیں رہ سکتا کہ اس میں بین الاقوامی قوانین رائج کئے جائیں اور ایسی چیزوں سے روکا جائے جو بین الاقوامی رواداری اور میل ملاپ کے منافی ہوں کسی شخص یا جماعت کا دوسرے شخص یا جماعت کے پیشواؤں کو برا کہنا ان کی تذلیل و توہین کرنا علاوہ اخلاقی جرم کے یقیناً بین الاقوامی رواداری اور اتحاد کو ننا کے گھاٹ اتارنے والا ہے اور یہی وجہ ہے کہ تعزیرات ہند دفعہ ۲۹۸ کے ماتحت ہمیشہ سے تبرّا ہندوستان میں ممنوع رہا ہے اور اسی وجہ سے موجودہ حکومت ایران نے اس کو شدید ترین جرم قرار دیا ہے اسی طرح بین الاقوامی رواداری کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر شخص اور ہر جماعت کو مکمل آزادی ہو کہ وہ جائز طریقہ پر اپنے پیشواؤں کی ثناء صفت کر سکے ان کی قابل اقتدا زندگی کو دنیا میں دکھلا سکے یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں سناتن دھرم آریہ سماج، برہمو سماج، جینی، عیسائی، یہودی، شیعہ وغیرہ سب کے سب اپنے اپنے پیشواؤں کے جلوس نکالتے اور جلسے وغیرہ

کرتے رہتے ہیں۔ کسی جگہ اور کسی زمانہ میں اُن کو رکاوٹ نہیں ہے۔ کسی شخص کا اس کے خلاف یہ قول نہیں سنا جاتا کہ ہم کو اُن کے مذاہب کے پیشواؤں کے جلوس یا جلسہ سے دل آزاری ہوتی ہے اس لئے اس کو بالکل بند کر دیا۔ حالانکہ ایک موحد مسلمان کو مورتیوں اور شرک و کفر کے مظاہروں سے جس قدر تکلیف اور دل آزاری ہوسکتی ہے وہ بے حد اور بے قیاس ہے مگر اس کو یہ کہکر روک دیا جاتا کہ اس مجمع المذاہب ہندوستان میں اگر بسنا ہے تو اُس کو سہنا پڑیگا۔ ہر صاحب مذہب کو اپنے ضمیر اور مذہب کی آزادی ہے اور اپنے پیشواؤں کو ذکر کرنے اور تعریف کرنے کا حق ہے اگر تم اُن کے حق میں مداخلت کروگے تو تم امن و امان میں خلل انداز ہوگے اور اس لئے تم قانونی شکنجہ کے شکار بنائے جاؤگے۔ حقوق کی حفاظت کرنا اور غاصبوں کے دستبرد سے بچانا گورنمنٹ کا فریضہ ہے۔

حکومت کا طرزِ عمل

مگر شہر لکھنؤ کی اندھیر نگری میں تقریباً ۳۰-۳۲ برس سے یہ حکم نافذ ہے کہ اہل سنت و جماعت (جس کی تعداد شہر میں اسّی ہزار سے زیادہ ہے اور اُن کے خلاف شیعوں کی آبادی صرف اٹھارہ ہزار ہے) اپنے پیشوایان مذہب صحابۂ کرام خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی مدح و ثنا کی اجازت نہیں ہے بار بار اس پر قید و بند اور جرمانہ و تکلیف کی نوبت آچکی ہے، حکومت نے اگرچہ ۳۰ مارچ ۱۹۳۸ء کے اعلان میں یہ الفاظ شائع کر دیئے تھے "گورنمنٹ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ پہلے تین خلفاء کی مدح پڑھنا خواہ عام مقام پر ہو خواہ کسی شخصی مقام پر زیر بحث نہیں، یہ حق سنیوں کو بلاشک حاصل ہے"

مگر افسوس ہے کہ آج تک باوجودیکہ تقریباً ایک سال گذر چکا ہے یہ مقال مثل سابق گورنمنٹوں کے مقالوں کے اور ۱۸۵۸ء کے اعلانات وکٹوریہ اور ۱۹۱۱ء کے لارڈ جارج کے وعدوں ہی کی طرح ثابت ہوئے بھی نہیں ہوا کہ اس پر عمل نہیں کیا گیا بلکہ نیم پبلک مقامات بھڈیوال[۵] اور مساجد وغیرہ میں بھی مدح صحابہ سے روکا گیا اور سنیوں کو سزائیں دی گئیں۔ بہت زیادہ مطالبہ پر ۱۱ فروری ۱۹۳۹ء

---

[۵] غالباً "چوراہوں" ہے۔ ناقل کی غلطی سے بھڈیوال لکھا گیا۔

کو بمشکل خصوصی مقامات پر یا خصوصی حالات میں مدح صحابہ کے جلسے کی اگرچہ اجازت دی گئی مگر پبلک مقامات پر جلسۂ مدح صحابہ کو اس نام سے ممنوع ہی قرار دیا گیا اور جلوس کی تو کسی صورت میں بھی اجازت نہیں دی گئی

ظاہر ہے کہ اہل سنت والجماعت کے لئے اس سے بڑھ کر تذلیل و توہین اور حق تلفی کا کیا مظاہرہ ہو سکتا ہے۔ اس سرزمین میں تو ہیں اور تمام مذاہب تو اپنے اپنے مذہبی اور شہری جلسوں اور جلوسوں سے بلا قید وقت و مکان نفع اٹھائیں اور سنیوں کو امن کے بہانہ سے روکا اور گرفتار کیا جائے۔ بوالعجبی یہ ہے کہ صاحب حق کو امن و امان کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے اور غیر صاحب حق، معتدی، حق چھیننے والا اور غصب کرنے والا امن توڑنے کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جاتا صاحب مال کی سرزنش کی جائے اور ڈاکو اور چور کی ہمت افزائی کی جائے کیا اس کی مثال بجز برطانوی حکومت کے کہیں دنیا میں پائی جاتی ہے؟ بہرحال اب ہم تمام اہل سنت وجماعت پر لازم ہے کہ اپنے اس مذہبی، انسانی، اخلاقی، شہری حق حاصل کرنے کے لئے پورے تیقظ کو کام میں لائیں اور مردانہ وار ہر قسم کی جائز سعی کو میدان عمل میں پیش کریں۔ اسی سلسلہ میں چار پانچ مرتبہ قانون شکنی اور گرفتاریوں کی نوبتیں آچکی ہیں مگر اصل مقصد کے اعتبار سے وہ بالکل ہی بے فائدہ ثابت ہوئیں بنا بریں اس مرتبہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس میدان میں اپنی زندگی اور ثابت قدمی کا ثبوت پیش کریں اور یہ دکھلادیں کہ مسلمان اپنے مذہبی امور میں حتی الوسع ذرہ بھر بھی مداخلت گوارا نہیں کریں گے اور نہ کر سکتے ہیں۔

آج ۱۳ر مارچ ۱۹۳۸ء مطابق ۹ صفر کو مسلمانوں کو چاہیئے کہ بعد نماز جمعہ جلسہ کریں اور اس میں گورنمنٹ کے اس فعل پر کہ اس نے مسلمانوں کے مذہبی، انسانی، شہری حق مدح صحابہ میں ناجائز مداخلت کر کے ان کے صحیح جذبات کو ناقابل برداشت ٹھیس لگائی ہے جس کی وجہ سے ہزاروں مسلمان پروانہ وار جیل کی کوٹھریوں میں بند ہو چکے ہیں، صدائے احتجاج بلند کریں اور مطالبہ کریں کہ جلد از جلد مدح صحابہ کے جلسے لہذا اور جلوسوں پر سے ہر قسم کی پابندیاں اٹھالے

اور جس طرح دوسری اقوام اور مذاہب کے لئے آزادی ہے کہ وہ اپنے پیشواؤں کے جلسے اور جلوس پبلک مقامات پر عمل میں لا سکتے ہیں اسی طرح سنیوں کا بھی عمل حق تسلیم کرلے اور جاری کرادے اور اگر کوئی شخص یا قوم سنیوں کو اس حق پر عمل کرنے سے روکے تو اس کو قرار واقعی سزا دے اور ان مجاہدین ملت کو مبارکباد دیں جنھوں نے ملت اور مذہب اور حق قومی کے لئے اپنے آرام و راحت کو تجتے ہوئے قانون شکنی اور سول نافرمانی اختیار فرمائی ہے اور اسی طرح اُن کے اعزہ اور اقارب کو بھی اُس کی مبارکباد پیش کریں۔

نیز اس سلسلہ میں جس قدر بھی امداد مالی یا بدنی ممکن ہو مجلس تحفظ ناموس صحابہ پاٹانالہ لکھنؤ اور مجلس احرار اسلام امین آباد لکھنؤ کو پہونچائیں۔ ریزولیوشن کی نقلیں اخباروں میں بھیجی جائیں اور ایک ایک نقل گاندھی جی (وشیو گاؤں ضلع واردھا) پنڈت جواہر لال نہرو (انند بھون الہ آباد)۔ بابو سبھاش چندر بوس کلکتہ اور وزیر اعظم یوپی لکھنؤ مولانا ابو الکلام آزاد (۱۹ بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ) کو بذریعہ ڈاک بھیجی جائیں۔ کسی کو تار ہرگز نہ دیں۔ اس تاریخ کو ہر جگہ زیادہ سے زیادہ سول نافرمانی کے لئے رضاکار بھرتی کئے جائیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۸ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ

حاشیہ مکتوب ۶۱

بدعات اور محدثات پر کتاب اور سنت نے جو نکیر کی ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں البتہ سنی اور بدعتی ہونیکا معیار شریعت محمدیہ میں یہ قرار پایا کہ احکام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ اُن میں اصل حقیقت سے پردہ اُٹھا دیا گیا اور لوگوں کا ان احکام کے ساتھ مکلف ہونا ثابت ہو چکا ہے اب اگر کوئی شخص کسی کمزور شبہ کو بنا و بنا کر ان احکام کی مخالفت کرے تو وہ معذور نہ ہوگا۔ نہ اس مخالف کا مقلد معذور ہوگا۔ درحقیقت شریعت کی بنا انہیں احکام پر ہے سُنی اور بدعتی ہونا انہیں احکام کے قبول اور رد سے وابستہ ہے۔ چنانچہ قدریہ اور مرجیہ اور خوارج اور روافض اسی درجہ میں ہیں جن میں منکرین زکوٰۃ تھے دوسری قسم وہ ہیں کہ ان میں اصل حقیقت سے پورے طور پر نہیں اُٹھایا گیا۔ ایسے ہی احکام میں اجتہاد

کی گنجائش ہے۔ اس مختصر تنبیہ کے بعد دین میں اصل بدعت فرقہ اور گروہ کی بدعت ہے لہذا جو گروہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین برحق صحابہ کو پہنچایا مگر صحابہ یا ان معانی کو نہ سمجھے یا سمجھے مگر غرض نفسانی ان کو اس دین کے پوشیدہ کرنے پر باعث ہوئی وہ شخص بدعتی ہے۔ روافض، شیعہ اور معتزلہ وغیرہ فرق باطلہ ہی میں داخل ہیں۔ چنانچہ اہل سنت والجماعت نے فرقہ امامیہ یعنی اس فرقہ کی تکفیر کی ہے (اور حق کی ہے) جو حضرات شیخین پر تبرا کو جائز اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی برأت وطہارت کا منکر اور قرآن مجید میں کمی بیشی کا قائل ہے۔ بڑے صدمہ کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی بدعات جو آئیں وہ زیادہ تر جہالت اور دوسری قوموں کے اختلاط اور پڑوسی اقوام میں اس درجہ گھل مل جانا کہ اپنے پاس کچھ نہ رہ جائے اور دوسروں کے رسم و رواج ہی کو عین شریعت سمجھ کر اس درجہ مضبوطی سے اس پر قائم ہو جانا اور علماء سو کا ایسے گروہ کی تائید پر آمادہ ہو کر نصوص شرعیہ کی تاویلات رکیکہ کر دینا یہ وہ بدعت ہے جس نے دین کے شیرازہ کو قیامت تک کے لئے منتشر کر دیا انا للہ الخ
مثال کے طور پر شعبان المبارک میں آتش بازیوں اور چراغاں کا فروغ پا جانا جو برامکہ کے زمانہ کی ایجاد بندہ ہے کیا یہ ہنود کے تہواروں کے مشابہ نہیں ہے۔ یا اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حقیقی شہادت اور واقعہ کربلا کی ہر سال تجدید کرنا وہ بدترین بدعت نہیں ہے کہ جس پر کتب امامیہ بھی کفر سے نیچے کوئی درجہ دینے کو تیار نہیں (ملاحظہ ہو من لا یحضرہ الفقیہ ابن بابویہ قمی۔ امیر علیہ السلام سے یہ حدیث نقل کرتا ہے من جدد قبرا او مثل مثالا فقد خرج من الاسلام یعنی جس نے قبر کی صورت و تربت کی صورت نئی بنائی یا کوئی صورت شکل نئی تیار کی وہ اسلام سے قطعی نکل گیا) شیعہ تو کرتے ہی تھے سنیوں نے بھی اس کو ایسا اپنایا گویا ان کے یہاں بھی اس طرح کی بدعت سیئہ کا جواز موجود ہے۔ معاذ اللہ۔ مدتوں تک ہم نے ہر گروہ کی کتابوں اور ان کے معتقدات کو معلوم کرنے کی سعی کی اور شکر ہے کہ ہم کو اس میں کامیابی ہوئی اور ہم پوری بصیرت کے ساتھ آج یہ کہنے اور لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ حضرات ائمہ مجتہدین سے لے کر ان کے جملہ مقلدین میں سے کسی صحیح الدماغ عالم نے عزاداری اور تعزیہ سازی کی نہ تو تائید کی اور نہ اس کو فروغ دینا چاہا بلکہ صریح طور پر لکھ دیا کہ شرک

اور بدترین قسم کی بدعت سیئہ ہے۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نیل المطالب میں تحریر فرماتے ہیں کہ واعظ میں کسی وقت میں بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور صحابہ کرام کی باہمی جنگوں کے قصص اور واقعات کا سُنانا حرام ہے کیونکہ اس کی وجہ سے بعض صحابیوں پر جو رہنمائے دین ہیں طعن کرینگے "ہمارے زمانہ میں صحابہ پر تنقید کرنے والے بھی کان کھول کر سُن لیں ؟ یہی جواب دیا جائے گا یا اور کہ غزالی پیغمبر نہیں ہم نے تو غزالی کو بھی عریاں کر دیا ہے۔ بعض یہ کہہ کر بزم کی رونق کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں کہ ارے بھائی تعزیہ وغیرہ کی مخالفت تو وہابی گروہ کرتا ہے نہ کہ ہم سُنی حنفی۔ سو انھیں یہ معلوم ہو جانے کے بعد فوراً توبہ کرنا ہوگا کہ اعلیحضرت مولوی احمد رضا خاں صاحب مرحوم بھی انھیں وہابیوں کے ساتھ ہیں چنانچہ وہ اپنی کتابوں اور فتاووں میں جن کے نام یہ ہیں۔ عرفان شریعت حصہ اول۔ احکام شریعت حصہ اول اور رسالہ تعزیہ داری کے ص ۲ تا ۱۴ میں صاف صاف تحریر فرماتے ہیں۔ اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

" رافضیوں کی مجلس میں مسلمانوں کو جانا اور مرثیہ سننا حرام ہے ان کی نیاز کی چیز نہ لی جائے حاضری سخت ملعون ہے اور اس میں شرکت موجب لعنت۔ محرم میں سیاہ کپڑے علامت سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے' محرم میں مرثیہ خوانی ناجائز ہے کہ وہ مناہی و منکرات سے مملو ہوتے ہیں۔ تعزیہ آتا دیکھ کر اعراض اور روگردانی کریں۔ اور اس کی طرف دیکھنا ہی نہ چاہیئے۔ تعزیہ کی اصل اس قدر تھی کہ روضۂ حسین شہیدؓ کی صحیح نقل بنا کر بہ نیت تبرک مکان میں رکھنا مگر جہاں بے خردوں نے اس اصل جائز کو بالکل نیست و نابود کر کے صدہا خرافات وہ تراشیں کہ شریعت مطہرہ سے الامان الامان کی صدائیں آئیں۔ کوئی ان تصویروں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے کوئی مشغول طواف کوئی سجدہ میں گرا ہے کوئی ان مایہ بدعات کو معاذ اللہ معاذ اللہ جلوہ گاہ حضرت امام علی جدہ و علیہ الصلوٰۃ و السلام سمجھ کر اس ابرک پنی سے مرادیں مانگتا، منتیں مانگتا حاجت روا جانتا، غرض عشرہ محرم الحرام جو کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت و محل عبادت ٹھہرا ہوا تھا ان بے ہودہ رسوم نے جاہلانہ فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا۔ یہ ہر سال اضاعت مال

کے جرم و وبال جداگانہ ہے ۔ اب کہ تعزیہ داری اس طریقۂ نامرضیہ کا نام ہے قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے ۔ ۔ اب اس نقل میں بھی اہل بدعت سے ایک مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہل اعتقاد کے لئے ابتلائے بدعات کا اندیشہ ہے ۔ لہذا روضۂ اقدس حضرت سید الشہداء کی ایسی تصویر بھی نہ بنائے ۔ ۔ ۔ ایسے ہی وجوہ پر نظر فرما کر امام غزالی وغیرہ ائمہ کرام نے حکم فرمایا کہ شہادت نامہ پڑھنا حرام ہے ۔ شرع مطہر نے غم میں صبر و تسلیم اور غم موجود کو حتی المقدور دل سے دور کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ غم معدوم کو بہ تکلف وزور لانا ۔ ۔ یہ سب بدعات شنیعہ روافض ہیں جن سے سُنی کو احتراز لازم ۔ ۔ ۔ ۔ اگر یہ مراد ہے کہ تعزیہ شرعاً اچھی چیز ہے تو یہ بہت بُرا کہا اور شرع پر افترا کیا ۔

قارئین کرام مولوی احمد رضا خاں صاحب کی تصریحات بالا کو خصوصیت سے بار بار پڑھیں اس لئے کہ اور کسی مفتی یا عالم کو شیعہ یا کوئی اور از راہ افترا پردازی وہابی یا غیر مقلد کہدے تو کہدے لیکن مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کو وہابی غیر مقلد کہنے کی جرأت کون کر سکتا ہے؟ رہ گئے صحابہ کرام اور بزرگان دین کے فضائل و کمالات کا بیان کرنا اور صحیح طور پر بتا کر تمام مسلمانوں کو صحیح مسلمان بنانا ، منبر و محراب میں ان کے تذکرے کرنا کسی صحیح ملت و مذہب میں کبھی نہ تو بُرا تھا اور نہ قیامت تک بُرا سمجھا جائے گا ۔ البتہ کسی مذہب کے پیشوا کو بُرا کہنا اور اس کی تشہیر کرنا نہ تو پہلے جائز تھا اور نہ اب کبھی جائز ہو سکتا ہے ۔ جو اس کا مرتکب ہو وہ حیوان سے بھی بدتر ہے ، خبیث و ناپاک ہو ۔ جو مسلمان تعزیہ بناتا اور بنواتا ، رکھتا اور رکھواتا ہے وہ فرقۂ امامیہ میں سے تو ہو سکتا ہے مگر اہلسنت والجماعت سے وہ خارج ہے ۔ ہندوستان کی تقسیم کے بعد تو قدرتی طور پر ہندوستان میں یہ خبیث بدعت بہت سنگ مر گئی اور آئندہ مر جائے گی بشرطیکہ سُنی مسلمان انصاف اور دیانتداری پر آ تو آئیں اب اگر شیعہ میں نہ تو اتنی سکت ہو اور اتنا دم خم ہے کہ شعور قائم رہ جائے ۔ پس کیا اے مسلمانو تم اپنے بزرگوں کی مدح کو اپنے دینا گوارا کرتے ہو ؟ کیونکہ تمہارا یہ فعل بانیٔ اسلام اور شارعین اسلام کے نزدیک جرم ہے معصیت ہے گناہ ہے شرک ہے بدعت ہے جس کے اندر کسی بھی معتبر مولوی کا اختلاف نہیں ہے ۔

مکتوب ۶۲

سکریٹری صاحب خلافت کمیٹی کاندھلہ کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ ۔ سیرت کمیٹیوں کا انشاء اور اختراع قادیانیوں کی طرف سے تو نہیں ہوا مگر بعض اوقات میں اس سے قادیانیوں نے فائدہ ضرور اٹھانا چاہا اور اٹھایا ۔ اس کا بیڑا اٹھانے والے شیخ عبدالمجید صاحب قریشی ساکن پٹی لاہور ہیں ۔ قریشی صاحب نے ابتداء میں اس کے متعلق مختلف مقامات سے رائے لی چنانچہ میرے پاس اور مولانا کفایت اللہ صاحب کے پاس بھی اُن کے خطوط آئے تھے ہم دونوں کے جوابات تقریباً متفق تھے خلاصہ یہ تھا کہ یہ امر نہایت مستحسن ہے بشرطیکہ اس کے لئے کوئی تاریخ اور مہینہ متعین نہ ہو کبھی صفر میں ہو تو کبھی جمادی الاوّل میں کبھی ربیع الاوّل میں ہو تو کبھی رجب میں علی ہذا القیاس بارہ یا پندرہ کی ہمیشہ کے لئے تعیین نہ ہوا کرے نیز سال میں صرف ایک دفعہ نہ ہوا کرے بلکہ دوسرے تیسرے مہینہ اور اگر اس سے زائد ممکن ہو تو زیادہ تر ہوا کرے ۔ نیز سیرت کے متعلق بیان کرنے والے کوئی واقف کار شخص ہوں جو کہ صحیح اور قوی روایتیں بیان کریں اور عوام کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل زندگی سے آگاہ کرتے رہیں جب تک اس قسم کے بیانات عوام تک لگاتار اور کثرت سے نہ پہنچائے جائیں گے کما ینبغی فائدہ نہ ہوگا ۔ معترضین علی الاسلام کے زہر آلود پروپگنڈوں سے عوام کو اسی طرح محفوظ رکھا جا سکتا ہے مگر افسوس ہے کہ قریشی صاحب نے ہماری عبارت میں کاٹ چھانٹ کی اور اپنے مدعا کے موافق جملوں کو لیکر شائع کرایا اور باقی کو حذف کر دیا ۔ ہم نے اس کے بعد اسی زمانہ میں اخباروں میں اپنی تراشیدہ عبارت کو پھر چھپوایا مگر وہ اپنے پروپگنڈہ سے باز نہیں آئے ۔ اور اب انھوں نے سالانہ ربیع الاوّل کو اس کی تحریک شروع کر دی اور اس کے استحسان میں ہمارے نام شائع کرا رہے ہیں ہم ہرگز تعیین تاریخ و ماہ کے ساتھ سالانہ ایک جلسہ کو شرعی اور ملکی نقطۂ نظر سے نہ مفید

اور نہ ضروری سمجھتے ہیں بلکہ اب تو یہ مثل عمل نصاریٰ (کرسمس ڈے) یوم پیدائش اور اس کی رسوم کے ایک رسم ہو رہی ہے کیونکہ عیسائی یوم ولادت عیسیٰ علیہ السلام مناتے ہیں اس کو دیکھ کر مصر وغیرہ کے لوگ بھی اس قسم کی تابعداری کرنے کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور اخلاق اور سیر لوگوں کے کانوں تک پہونچانے نہ صرف مفید بلکہ ضروری ہیں۔ اگر مذکورہ بالا طریق پر ہو تو مفید اور بہترین چیز ہے ورنہ اجتناب چاہیئے افسوس کہ سیرت کمیٹی اور اس کے علم برداروں نے تمام امور مشروطہ کو ترک کر دیا والسلام۔ از دار العلوم دیوبند

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

حاشیہ مکتوب ۶۲

یہ مکتوب گرامی اپنے مدعا اور مقصد میں بالکل صاف ہے جو ۱۳۵۲ھ میں مفتی محمد شفیع صاحب کی تائید میں تحریر فرمایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو رسالہ قاسم العلوم بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ راقم الحروف کو عرصہ سے یہ خلجان تھا کہ آیا وہ کونسی باتیں ہیں جن کی بناء پر مقبول علماء کی اکثریت ربیع الاول میں سیرت کے جلسوں اور میلاد نبوی کی مجلسوں کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ پوری ایمانداری سے غور کرتا ہا اور مطالعہ جاری رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔ سب سے پہلے "عید میلاد النبی" کی تاریخ حیثیت کا سراغ لگایا تو تاریخ سے پتہ چلا کہ سب سے پہلے چوتھی صدی ہجری میں خلفاء فاطمیہ نے قاہرہ میں چھ عدد میلادوں کی بنیاد ڈالی جن میں سے ایک میلاد النبی صلعم دوسرے میلاد حضرت علیؓ تیسرے میلاد حضرت سیدہ فاطمہ زہراؓ چوتھے میلاد حضرت حسنؓ۔ پانچویں میلاد حضرت حسینؓ اور چھٹے میلاد خلیفہ وقت۔ ان میلادوں کو افضل بن امیر الجیوش نے ختم کر دیا۔ جب حاکم بامر اللہ خلیفہ ہوا تو اس نے ۵۲۴ھ میں پھر ان میلادوں کی مجلسوں کو قائم کر دیا۔ ہاں عید میلاد النبی صلعم کو موصل میں شیخ عمر بن محمد الملا جو اپنے زمانہ کے اچھے لوگوں میں شمار ہوتے تھے قائم کیا جن کی اقتداء صاحب اربل مظفر ابو سعید نے ساتویں صدی ہجری میں بڑے زور شور سے کی چنانچہ ابو الخطاب عمر بن الحسن المعروف بابن دحیہ اندلسی نے سلطان مظفر الدین کی یہ پرجوش میلاد النبی دیکھ کر ایک کتاب التنویر فی مولد

السراج المنیر تصنیف کردی جس کے صلہ میں سلطان اربل نے ایکہزار دینار عنایت فرمائے۔ شاہ اربل نے ربیع الاوّل میں سرکار دو عالم صلعم کی پیدائش کی خوشی میں اس قدر غلو کر رکھا تھا کہ بقول حسب تاریخ ابن خلکان و کتاب مراۃ الجنان لسبط ابن جوزی مظفر نے بیس قبہ جات یعنی گنبد اس طرح بنوائے کہ ہر گنبد کے چار اور پانچ درجے نیچے اوپر قائم کر دیئے تھے ایک اپنے لئے مخصوص کر رکھا تھا اور بقیہ امرا اور سلاطین وغیرہ کے لئے وقف تھے جس کی آرائش و سجاوٹ صفر کے مہینہ سے شروع ہو جاتی تھی اور ہر قبہ میں مردوں کے علاوہ عورتیں گانیوالی موجود رہتی تھیں۔ عصر کی نماز پڑھکر مظفر اپنے قبہ کے اندر داخل ہوتا تھا۔ مجلس رقص و سرود جمتی تھی۔ طرح طرح کے کھانے اور رنگ برنگ کے بھیس میں متصوفین اور نام نہاد علماء عصر ٹوٹ پڑتے تھے کبھی ۸ ربیع الاوّل کو اور کبھی ۱۲ ربیع الاوّل کو یہ تقریب منائی جاتی تھی چنانچہ حسب تصریح سبط ابن جوزی پانچہزار بھنی بکریاں اور دس ہزار مرغ مسلم اور ایک لاکھ برتن اور تیس ہزار تشتریاں مٹھائی سے پرموجود ہوتی تھیں اور سماع و قوالی کی مجلسیں ظہر سے فجر تک مسلسل جاری رہتی تھیں۔ مزامیر اور معازف یعنی وہ باجے جو ہاتھوں اور منھ سے بجائے جاتے ہیں اور جن کے محو اور برباد کر دینے کے لئے جناب محمد رسول اللہ صلعم مبعوث ہوئے تھے اس مجلس میں انھیں چیزوں کی کثرت تھی۔ بقول صاحب خلکان " ولم یکن له لذة سوی السماع " یعنی شاہ اربل کو راگ اور باجے کے سوا کسی اور چیز سے لذت و خوشی نہ تھی۔ شاہ اربل تو بادشاہ ہی تھا لوگوں نے اس کے اثر سے متاثر ہو کر اپنے دین کو بادشاہ کے دین کے مطابق بربنا خوشنودی بادشاہ ضرور کیا ہوگا اس لئے اس کی تقلید و اتباع کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔ البتہ عمر بن دحیہ جو اہل علم میں سے تھے اور مشہور محدث ابن بشکوال وغیرہم کے شاگرد بہت سی مفید کتابوں کے مصنف اور ظاہری مذہب رکھتے تھے ان کے بارے میں آخر محدثین کا کیا خیال ہے۔ موصوف کے بارے میں طبقات و رجال کی کتابوں میں تعدیل اور جرح دونوں موجود ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب لسان المیزان میں " بلفظ اتہم فی النقل " مجروح کیا ہے اور ابن بخاری نے لکھا ہے " رایت الناس مجمعین علی کذبه وضعفه وادعائه سماع مالم یسمعه ولقاء من لم یلقه " حتی کہ امام سیوطی نے تدریب الراوی

شرح تقریب النواوی میں یہاں تک لکھ دیا ہے "ان ابی الخطاب ابن وحیہ کان یفعل ذلک کانہ وضع الحدیث فی قصر المغرب" ابن حافظ ابوالحسین ابن الفضل اور حافظ ضیاء مقدسی نے کامل کے ذیل میں ابراہیم سنبھوری مشائخ مغرب وغیرہ کی تحقیق درج کی ہے کہ ابن وحیہ کی عادت جھوٹ بولنے اور گڑھنے کی تھی، اس کو اچھا نہ سمجھنا چاہیئے وہ بڑے بڑے اماموں کو بُرا کہتا تھا اور ایسے ایسے دعاوی احادیث کے سننے میں کرتا تھا جس سے کبھی کی ملاقات تک نہ تھی اور نہ معاصرت۔ حتیٰ کہ بادشاہوں کی خوشنودی کے لئے کتاب لکھنا اور انعام کا وصول کرنا وغیرہ اُمور اس کے عدم تدین کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ یہ تو ہوا مسئلہ مولد کا تاریخی پہلو اور اُن کے مقتدائوں کا مذہبی مقام۔ رہ گئی یہ بات کہ میلادالنبی کے مجوزین میں ابوشامہ مقدسی صاحب الباعث، سیوطیؒ، عسقلانی قسطلانی، جزری، عمر بن محمد ملاء اور صاحب سیرت شامی کا نام پیش کرنا اس وجہ سے کوئی وزن نہیں رکھتا کہ ان حضرات کی کوئی تصریح صریح خاص تعین ماہ وسال وغیرہ اور ساتھ ہی موجودہ میلادیوں کے جواز میں موجود نہیں ہے بلکہ مروجہ میلاد کی تقریبات میں جو خلاف شرع امور ہوتے ہیں اُن کے رد میں ان کی عبارتیں موجود ہیں۔ نیز یہ کہ مجوزین میں جن بزرگوں کا نام ظاہر کیا جاتا ہے وہ سب علماء شوافع میں سے ہیں۔ خالص سُنی حنفی کہہ کر جو اپنے کو پکارتے ہیں اُن کے نقطۂ نظر سے موجودہ میلاد کی مجلسیں بدعات ومحدثات کے تحت بوجوہ ذیل داخل ہیں۔

(۱) موجودہ میلاد کی تقریبات کرسمس ڈے اور ہندوؤں کے جنم دن یعنی ولادت کنہیا جی وغیرہ سے مشابہت رکھتی ہیں چنانچہ ماہرین شریعت سے مخفی نہیں کہ شارع نے غیر مذاہب کے تھوڑے سے تشابہ کو بھی برداشت نہیں کیا ہے اور اس کے خلاف کو پسند فرمایا ہے تاکہ دین حنیف میں کسی طرف رخنہ اندازی نہ ہو سکے وغیرہ (۲) جن امور میں یا جن حضرات کے لئے شارع نے کسی چیز کی تخصیص کر دی وہ یقیناً اسی کے ساتھ مخصوص ہوگی البتہ دوسرے امور جن میں شارع سے کوئی تخصیص و تعیین موجود نہیں اس پر اصرار کرنا ائمہ اربعہ کے نزدیک ممنوع ہی اور بدعت سیئہ ہے کیونکہ یہ منصب شارع کو

حاصل ہے اور آیت " مالم یاذن بہ اللہ " سے مستنبط بھی یہی ہوتا ہے۔ اسی بناء پر ائمہ اربعہ بالخصوص امام دار الہجرۃ حضرت امام مالکؒ کا یہ ارشاد گرامی رہتی دنیا تک کے لئے شمع راہ ہوگا۔

من ابتدع فی الاسلام بدعۃ	ترجمہ: ۔ جو شخص اسلام میں کوئی نئی بات نکالے جس کو
یراها حسنة فقد زعم ان محمدا	وہ نیکی سمجھتا ہو گویا وہ اس بات کا مدعی ہے
صلی اللہ علیہ وسلم خان الرسالۃ	کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ
لان اللہ تعالیٰ یقول الیوم اکملت	کے احکام امت کو پہونچانے میں خیانت کی کہ
لکم دینکم فما لم یکن یومئذ دینًا	یہ نیکی ان کو نہیں بتلائی کیونکہ ارشاد باری ہے یعنی
لا یکون الیوم دینا	آج تمہارا دین کامل کر دیا ہے تو جو چیز اس دن مذہب
(اعتصام للشاطبی ص۲۸ جلد اول)	میں داخل نہ تھی وہ آج بھی دین و مذہب نہیں بن سکتی۔

(۳) مذہب اور دین کے اندر جو چیزیں فرض ، واجب ، مستحب ، مندوب اور مباح وغیرہ کے ناموں سے یاد کی جاتی ہیں وہ سب کی سب صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم سے منقول اور موجود ہیں ۔ ائمہ اربعہ کے اصول کے خلاف کوئی طریقہ اور کوئی مجلس بعد کے کسی صوفی یا مولوی نے ایجاد کی ہو اس کے مندوب اور استحباب پر زور دینا پلے سرے کی جہالت ہوگی اور اس کے تارک کو ملامت کرنا اور دشمن اسلام ظاہر کرنا بددینی اور کھلی ہوئی گمراہی متصور ہوگی

(۴) متاخرین علمائے ہند میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی ایک تحقیق کا دربارۂ عید میلاد النبی ہم یہاں ذکر کر دینا اس وجہ سے ضروری خیال کرتے ہیں کہ بہت سے ناعاقبت اندیشوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتاووں کے اندر تحریف کر دی ہے حتیٰ کہ بعض نے آپ کو مجوزین مروجہ میلاد النبی میں شمار کیا ہے ۔ شاہ صاحب کی معرکۃ الآرا تصنیف تحفہ اثنا عشریہ کی نوع یازدہم میں ایک نفیس بحث موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانہ جب امر سیال غیر قار ہے یعنی تیزی سے گذرنے والا جس کو قرار و ثبات نہیں تو پھر شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ میں اور آج کے دن میں کس قدر فاصلہ ہے اور آج کے دن میں اس دن سے کیا مناسبت و اتحاد ہے؟

رہ گیا یہ شبہ کہ پھر عید الفطر، عید الاضحیٰ وغیرہ کو بھی اس پر قیاس کرنا چاہیئے تو یہ خیال فاسد ہے اس لئے کہ ان ایام کی خوشی سال بسال جو نئی ہوتی رہتی ہے یہ بسبب رمضان المبارک کی برکت و ادائے فرائض اور ادائے فریضۂ حج وجمعہ وغیرہ کی بنا پر ہر سال اور ہر ہفتہ از سرِ نو فرحت و سرور کا باعث بنتی ہے چنانچہ جتنی شرعی عیدیں ہیں اسی اصول کے تحت آتی ہیں۔ نہ کہ نوروز و مہرجان و عید بابا شجاع الدین، وعید غدیر وغیرہ۔ آخر اس کو سوچا گیا ہے کہ آیت تکمیل دین کے دن کو نیز نزول وحی کے دن کو اور شب معراج وغیرہ کو شارع نے کیوں دن نہیں قرار دیا ؟ شاہ صاحب کا یہ فقرہ فراموش نہ کرنا چاہیئے" روز تولد و وفات ہیچ نبی را عید نہ گردانیدند" یعنی کسی نبی اور رسول کی پیدائش اور اُس کی وفات کے دن کو خوشی کا دن نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کا فلسفہ بیان فرماتے ہیں۔

دلائل ہمہ ہمیں سراست کہ وہم را دخلے نباشد بدون تجدد نعمت حقیقیہ سرور و فرحت نمودن یا غم و ماتم کردن خلاف عقل خالص از شوائب وہم است۔

(۵) موجودہ مروجہ میلاد کی مجلسوں میں سب سے زیادہ جس پر موزین زور دیتے ہیں وہ قیام کا مسئلہ ہے۔ افسوس یہ کہ بہت سے واقف کار اور اچھے خاصے لکھے پڑھے بھی اس چیز کو اتنی اہمیت دیتے اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ دلایل و شواہد کا اپنے خیال سے انبار لگا دیتے ہیں کہ کہا نہیں جا سکتا مگر اہل انصاف کے نزدیک یہ مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا یاروں نے سمجھ رکھا ہے اور جو کچھ رکھا ہے وہ غلط ہے تحقیق صرف اتنی ہی ہے کہ ان احادیث سے جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ قیام برائے قادم نہ قیام برائے حکایت قدوم عمل مولد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم خوب سمجھ لیا جائے تفصیل کے لئے فتاویٰ اور آلاداب الشرعیہ حصہ اول لابن مفلح مقدسی رحمہ اللہ ملاحظہ ہو۔

خلاصہ سب کا یہ ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلعم کے حالات زندگی، آپ کی سیرت مقدسہ معتبرہ اور آپکی لائی ہوئی شریعت کو جگہ جگہ پہونچانا، بیان کرنا، مختلف اوقات اور مختلف مہینوں میں سنانا، پڑھنا، لکھنا اور اس کی تبلیغ کرنا کون مسلمان ہے جو پسند نہ کرتا ہو اور اس کے ثواب کا قایل نہ ہو۔ یہ چیز دبرکتیں کے کام مخرب اور گروہ بندی کی نظر ہو کر نفاق، شقاق،

اور کفر تک پہونچ گئے انا للہ الخ اگر مروجہ میلاد النبی کی مجلسیں اپنے تمام لوازم کے ساتھ عہد صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین میں موجود تھیں تو اس کا ثبوت قطعاً موجود نہیں ہے پھر جھگڑا ختم ہو جانا چاہئے اور اگر موجود تھیں تو اس کا ثبوت اور اس کے مستحسن ہونے کا جواز ائمہ اربعہ کی تصریحات میں پایا جانا چاہئے تھا جو افسوس موجود نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ان کا فتویٰ ہے کہ جو چیز ہم لوگوں کے زمانہ تک دین میں داخل نہ تھی وہ ہمارے بعد بھی شریعت نہیں بن سکتی۔ واللہ اعلم

مکتوب ۶۳

جناب مولانا واحد اللہ صاحب مالدہ بنگال کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ آپ کے امر مستفسرہ سے تعجب ہوا ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ اور کانگریس میں معاہدہ ہوا جس کو لکھنؤ پیکٹ اور میثاق ملی کہتے ہیں یہ اجلاس مسٹر محمد علی جناح کی صدارت میں ہوا تھا۔ اس میں لیگ نے تسلیم کیا کہ صوبہ بنگال میں مسلمانوں کو چالیس نشستیں ملیں گی (اس وقت صوبہ بنگال کی آبادی ۵۲ فیصدی مسلمانوں کی تھی) اور صوبہ پنجاب میں پچاس فیصدی ملیں گی۔ حالانکہ پنجاب کی آبادی میں اس وقت مسلمان پچپن فیصدی تھے اور اسی طرح بہار، مدراس، بمبئی، برار میں مسلمانوں کی نشستیں تھوڑی تھوڑی بڑھادی گئی تھیں مگر اتنی زیادتی سے مسلمان ان صوبوں میں نہ اقلیت سے نکلے تھے اور نہ کسی اہم اور موثر اقلیت میں ہوتے تھے۔ یہ کھلی ہوئی سیاسی غلطی اسی لیگ نے کی جس کے ذمہ دار خود قائد اعظم ہیں۔ جمعیۃ اس وقت میں قائم نہ ہوئی تھی۔ مولانا محمد علی مرحوم مولانا ابوالکلام آزاد اور دیگر نیشنلسٹ مسلمان نظربند تھے اسی پیکٹ کو مانٹیگو چیمسفورڈ اسکیم میں تسلیم کرلیا گیا تھا اور جب عملدرآمد ہوا اور سمجھدار نیشنلسٹ باہر آئے تو اس غلطی پر متنبہ کیا گیا مگر خود کردہ را علاجے نیست (دیکھو تاریخ مسلم لیگ ص ۱۲۵ مصنفہ اختر حسن صاحب بی اے)

اس کے بعد لیگ اور مسلم کانفرنس وغیرہ کے کنونشن (کلکتہ ۱۹۲۸ء) میں جبکہ سر تیج بہادر سپرو

نے مخلوط انتخاب پر تقریر کرتے ہوئے کہا ــ " اگر مخلوط انتخاب جاری ہوا اور مسلم اقلیت والے صوبوں میں مسلمانوں کی نشستیں حسب تحریر کردہ نہرو رپورٹ محفوظ رہیں اور مسلم اکثریت والے صوبوں میں تعیین نہ کی گئی تو مسلمان پنجاب میں ساٹھ (۶۰) تک اور بنگال میں ۵۰/۵۰ تک سیٹیں حاصل کرلیں گے"۔ تو مسٹر جناح نے فرمایا کہ اکثریت والے صوبوں (پنجاب و بنگال) میں زیادہ سیٹیں دینا ایسا ہے کہ جیسے امیروں کو اور امیر کردیا جائے۔ اقلیت والے صوبوں کو اور سیٹیں دینے میں بھلائی ہے

(دیکھیو روشن مستقبل ص۳۹۵ چوتھا ایڈیشن)

الغرض خود مسٹر جناح نے ان صوبوں (پنجاب و بنگال کی کونسلوں) اور اسمبلیوں میں مسلمانوں کی اکثریت کی مخالفت کی اس کے بعد جبکہ گول میز کانفرنس میں نمائندے بھیجے گئے تو صرف لیگ اور مسلم کانفرنس ہی کے بھیجے گئے تھے۔ نیشنلسٹ مسلمانوں کے نمائندے ڈاکٹر انصاری وغیرہ کو گورنمنٹ آف انڈیا نے بھیجنا گوارا نہیں کیا۔ ان دونوں جماعتوں نے مسلم نمائندوں کو تاکید کی تھی کہ مسلمانوں کی چند شروط

حاشیہ مکتوب ۶۳ ۔ حضرت استاذنا وشیخنا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ معروض ذیل کا جواب بہت جلد ارسال فرماکر ہماری آپس کی جنگ وجدال کی مصالحت بلکہ اصلاح فرمائیں کیونکہ ہم سب مریض وجہلا اپنا سوال صاف لفظوں میں عرض کرتے ہیں۔

مسلم لیگ کہتی ہے کہ مسلمانوں کے حقوق مثلاً پنجاب ۶۰ فیصدی اور بنگال ۵۰ فیصدی پہلے محفوظ کرلیا جائے کیا یہ کہنا اُن کا مسلم نہیں ہے کانگریس اور لیگ کے درمیان مجھے اختلاف دو امروں میں ہیں۔

(۱) ہندو مسلم انتخاب جُدا ہو۔ مسلمان اس پر معترض ہیں ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ایسا ہو تو ملک خصوصاً ہندوؤں کا اس میں کیا نقصان آج تک جدا ایسا ہی ہو رہا ہے تو کیا نقصان ہے

(۲) دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ہر صوبہ میں جتنی آبادی ہے اسی قدر نمائندگی اس کو دی جائے چنانچہ بلدیات میں ایسا ہی قانون ہے مگر کونسلوں وغیرہ میں ایسا ہونا ہندوؤں کو ناپسند ہے کیوں؟ مخلوط انتخاب کی صورت میں ملک کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں ہوگی۔؟

آپ کا جاں نثار

محمد ناصر اللہ مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ مالدہ (بنگال)

جلد دوم میں اس طرح کے بہت سے خطوط ہیں اُن کو بھی ملاحظہ کیا جائے ۔ اصلاحی

کا وہاں التزام رکھیں اور بغیر ان شروط کے کوئی معاہدہ تسلیم نہ کریں اُن میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی سیٹیں کم از کم ۵۱ فیصدی ہوں گاندھی جی اور کانگریس نے جملہ شروط قبول کرلی تھیں (دیکھو بیان مسٹر محمد علی جناح مدینہ بجنور ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۵ ص ۷) البتہ مہا سبھائی اس کے منکر تھے اس کے بعد مسلم لیگیوں اور مسلم کانفرنسیوں نے یوروپین ایسوسی ایشن اور دیگر اقلیتوں سے معاہدہ کرلیا اور اس میں ایسی ایسی باتیں تسلیم کرلیں جو نہ صرف ان امور کے خلاف تھیں جن کا عہد کرکے وہ ہندوستان سے گئے تھے بلکہ مسلمانوں کو اکثریت والے صوبوں میں اقلیت میں لانے والی بھی تھیں یعنی اُن کو ۵۱ فیصدی بھی ان دونوں صوبوں میں نشستیں نہیں ملتی تھیں (دیکھو مدینہ بجنور ۲۱ راگست ۱۹۳۲ء جلد ۲۱ ص ۵)

اس پر اخبارات میں ان لیگیوں پر جن میں مسٹر محمد علی جناح بھی تھے بہت لے دے کی گئی۔ اس کے بعد کمیونل اوارڈ کو (جس میں بنگال کو ½ ۴۷ اور پنجاب کو ۴۹ فیصدی نشستیں دی گئی ہیں)۔ ۳۱ راکتوبر ۱۹۳۳ء کے اجلاس کلکتہ اور ۲۵ رنومبر کو نئی دہلی میں تسلیم کرلیا (دیکھو روشن مستقبل ص ۲۲۲ و ۲۲۳)

ہاں جمعیۃ علماء ہی وہ جماعت ہے جس نے ہمیشہ اس امر کی کوشش کی ہے کہ ان دونوں صوبوں بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کی نشستیں اُن کی آبادی کے موافق رہیں۔ ان میں کسی وقت اور کسی حال میں کمی نہ ہونی چاہیئے چنانچہ جمعیۃ علماء ہند کے رسالہ تنقید و تبصرہ پر نہرو رپورٹ ۱۹۲۸ء میں مطالبات کے ضمن میں ص ۲۳ دفعہ ۲ کی عبارت ملاحظہ ہو۔ "پنجاب اور بنگال کی پوری حفاظت کردی جائے۔ کیونکہ وہ بہت تھوڑی تعداد کی اکثریت ہے" دفعہ ۷ "صوبوں کی مسلم اقلیتوں کو باہمی سمجھوتہ سے اگر اکثریت کوئی رعایت دے تو اسی نسبت سے غیر مسلم اقلیتیں بھی اپنے صوبوں میں رعایت کی مستحق ہونگی اور اس باہمی مفاہمت کا دروازہ کھلا رہنا چاہیئے۔ بشرطیکہ کوئی اکثریت اقلیت میں تبدیل نہ ہوجائے"

لاہور اور سہارنپور کے خطبات صدارت جمعیۃ علماء میں بھی اس مضمون کو فی الجملہ لیا گیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ لیگ ہی ہر دو صوبوں میں مسلمانوں کو اقلیت میں لانے کی ذمہ دار ہے کانگریس

کو اس کا ذمہ دار قرار دینا بالکل افترا اور بہتان ہے خود کردہ را علاجے نیست
دوسرا مسئلہ انتخاب جداگانہ یا مخلوط انتخاب کا ہے یہ مسئلہ تقریباً بیس پچیس برس سے زیر بحث چلا آرہا ہے نشستوں کے تعین کے بعد مخلوط انتخاب میں کوئی خطرہ نظر نہیں آتا۔ البتہ ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ فرقہ پرست ہندو یا مسلمان کونسلوں میں نہ جا سکیں گے۔ ہر ایک ہندو اور ہر ایک مسلمان کونسل اور اسمبلی میں جانے کے لئے غیر برادری کا محتاج ہوگا نہ ہندو مسلمانوں سے بے نیاز ہوگا نہ مسلمان ہندو سے نہ ہندو گائے کی حفاظت کے نام پر ووٹ مانگ سکے گا نہ مسلمان باجا اور قربانی کے نام پر اس لئے اُمید ہو کہ وہ اتحاد جس پر آزادی موقوف ہو پائیدار رہیگا ہاں صرف یہ خطرہ رہجاتا ہو کہ ہندو صرف اسی مسلمان کو ووٹ دیگا جو اُس کے قریب تر ہو اور علیٰ ہذا القیاس مسلمان صرف اسی ہندو کو ووٹ دیگا جو اس کے قریب تر ہو۔
اس خطرہ کے دفعیہ کے لئے مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی رائے یہ تھی کہ کوئی اُمیدوار اس وقت تک کامیاب شمار نہ کیا جائے گا جب تک ⅖ یا ⅗ ووٹ اس کی قوم کے نہ ہوں۔ گویا مسئلہ مخلوط انتخاب اگر نشستوں کی تعین کے ساتھ ہو خواہ وہ آبادی کے موافق ہو یا موجودہ طریق پر ہو ملک کی باگ ڈور صرف ہندوؤں کے ہاتھ میں نہ ہوگی اور کوئی قانون صرف ایک قوم کی خواہش کے موافق نہ بن سکے گا۔ ہاں اگر نشستوں کا تعین نہ ہو تو خطرات بہت زیادہ ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ کے سوالوں کے جوابات پہنچ گئے۔ آپ کوشش کیجئے کہ صرف آزاد مسلم بورڈ کے نمائندے کامیاب ہوں۔ والسلام
ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۶۴ھ

مکتوب ۶۴

مولانا عبدالجلیل صاحب ۲۶ فیلڈ رجمنٹ لاہور گیٹ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امور مسئولہ عنہا کا جواب حسب ذیل ہے۔
(۱) الجواب ٹیکہ لگانے اور انجکشن کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ روزہ بدن میں اس چیز کے داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے جو کہ مدخل عادیہ دان راستوں سے جن سے عادی طور پر بدن میں چیز داخل

ہوتی ہے) داخل ہو اور انجکشن اور ٹیکہ میں غیر عادی مدخل سے دوا داخل کی جاتی ہے جیسے غسل کرنے سے یا سر پر تیل لگانے سے پانی اور تیل مسامات جسم میں داخل ہوتا ہے واللہ اعلم۔ ہاں اگر کوئی انجکشن ایسا عمل میں لایا جائے جس سے دوا معدہ میں براہ راست پہونچتی ہو تو وہ یقیناً مفسد روزہ ہوگا مگر ایسا ٹیکہ یا انجکشن ابھی تک ایجاد نہیں ہوا۔

(۲) الجواب محترما! آپ نے اس جواب کو دیکھا اور اس کے طویل ہونے کی وجہ سے اس کے اقتباسات نقل کر دیئے مگر یہ نہیں دیکھا کہ وہ میرا جواب کس کو لکھا گیا تھا اور کہاں لکھا گیا تھا اور کن باتوں کا جواب تھا اگر اس کی تحقیق فرماتے تو آپ کو پوچھنے کی ضرورت نہ پیش آتی اور نہ مودودیوں کے ہتکنڈے آپ پر مخفی رہتے واقعہ یہ ہے کہ قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور میں کچھ لوگ مودودی جمع ہو گئے تھے اور اپنے عقائد اور طریقہ کا اعلان اور تبلیغ اور دعوت جاری کی تھی اُن کی ہذیانات کے متعلق ایک سوال آیا تھا جس میں منجملہ اور ہذیانات کے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام اور ائمہ عظام کی توہین اور بے ادبی ذکر کی گئی تھی ایک یہ بھی ہذیان لکھا کہ یہ لوگ، حضرت ابو سعید صاحب کے متعلق نہایت دلخراش الفاظ استعمال کرتے ہیں اور اُن کی زیارت کے متعلق نازیبا الفاظ کہتے ہیں (واضح ہو کہ) حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سلسلہ مشائخ چشتیہ صابریہ میں نہایت معزز اور محترم بزرگ گذرے ہیں جو کہ تقریباً ۱۱۴۰ھ میں فوت ہوئے تھے حضرت شاہ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد ہیں اُن کا مزار حضرت شاہ عبد القدوسؒ کی خانقاہ کے قریب ایک قبہ میں ہے۔ یہ جوابی خط میں نے اسی شخص کو گنگوہ میں بھیجا تھا جنھوں نے یہ سوال بھیجا تھا۔ مدرسہ اشرفیہ کے مدرس مولوی عبد الحمید صاحب حسن پوری تھے اُنھوں نے اس خط کو شائع کر دیا۔ اب قابل غور بات ہے کہ اس خط میں جو الفاظ "ٹ پونجیے، کم بخت، بدنصیب وغیرہ کے لکھے گئے ہیں انھیں لوگوں کے لئے ہیں جن کے تذکرے سائل نے اپنے خط میں کئے ہیں اور وہی لوگ ہیں جو کہ گنگوہ میں مودودی مسلک پھیلاتے تھے اور بزرگان دین کی شان میں گستاخیاں کرتے ہوئے اول فول بک رہے تھے۔ مودودی صاحب

کو ان الفاظ کا اپنے اوپر اوڑھنا یا مودودیوں کو اپنے امیر کو اس کا مصداق بنانا یہ اُن کا پروپیگنڈا اور ہتکنڈا ہے۔ اصل خط میں مودودی (ابوالاعلیٰ) صاحب کا نہ کوئی تذکرہ تھا نہ ابوالاعلیٰ صاحب کا جواب میں کوئی تذکرہ ہے۔ بہرحال ان الفاظ کے مصداق وہ اشخاص ہیں جنھوں نے گنگوہ میں بدزبانیاں اور بدعنوانیاں کی تھیں اور اسی وجہ سے جمع کے الفاظ لائے گئے ہیں اگر مودودی صاحب کی طرف روئے سخن ہوتا تو مفرد لایا جاتا گنگوہ میں نہ مودودی صاحب موجود تھے نہ اُن کو وہاں آنے کا موقع ملا (ثانیاً)، بالفرض اس کے مصداق اگر مودودی صاحب ہی قرار دیئے جائیں تو اُنھوں نے اسلاف کرام کی شانہائے عالیہ میں کیا کیا ہرزہ سرائی نہیں کی ہے یہ الفاظ تو نہایت ہی ہلکے ہیں۔ مودودیوں کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچنا چاہیئے یہاں تو "جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا" بھی نہیں کیا گیا ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ "کلوخ انداز را پاداش سنگ است" کا معاملہ کیا جائے۔ جب کسی کے باپ کو گالی دوگے تو کب تمہارا باپ گالی سے بچ سکتا ہے اگر کسی کو اپنے باپ کی عزت مطلوب ہے

حاشیہ مکتوب ۱۹۲ پہلا سوال۔ کیا ٹیکہ لگانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں جاہل لوگ بحث کرتے ہیں لہذا اس کا جواب چاہیئے۔

دوسرا سوال۔ ہمارے یہاں یہ بحث ہو کہ جماعت اسلامی پاکستان کے رسالوں اور اخبارات میں یہ مضمون (یعنی خط) آپکی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ آپنے مودودی کے متعلق یہ مندرجہ ذیل فقرے استعمال کئے ہیں" ایسے ٹٹ پونجیے اپنی بدبختی کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں" ایسے کم بخت' ایسے بدنصیب' بدبخت اور ایسے خبیثوں سے منہ لگانا الخ کیا واقعی یہ آپ کی عبارت ہے آپ کا شائع کردہ خط چونکہ لمبا تھا اس لئے اقتباسات لکھے گئے ہیں ہم یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی انہیں کے ہتکنڈوں میں سے ایک ہو جو کسی کی عبارت کو کسی کے سرمنڈھ دیتے ہیں اور رہبر علماء کو بدنام کرنے کا راستہ نکال لیتے ہیں جیسا کہ تھوڑا عرصہ ہوا مولانا قاسمؒ کی عبارت کو کس چالاکی سے توڑ مروڑ کر مفتی مہدحسین صاحب دیوبند سے فتویٰ حاصل کیا اور پھر حاشیہ آرائی کی جو کہ اخبارات میں تفصیل سے آچکا ہے یہ بھی اسی میں سے ایک ہو جواب سے آگاہ فرماکر تسلی دیں تاکہ ہم ان کو جواب دے سکیں

تیسرا سوال۔ کیا واقعی آپ اس میت کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے جس پر لٹھے کا کفن ہو۔

سوالات مذکورہ بالا کے جوابات مفصل ہوگئے ہیں اس لئے تشنہ تشریح نہیں رہے۔ اصلاحی

تو اس کو ضروری ہے کہ دوسروں کے آباؤ اجداد کی عزت اور تکریم میں کوتاہی روا نہ رکھے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یسب احدکم والدیہ قالوا یا رسول اللہ هل یسب احد والدیہ قال نعم یسب ابا الرجل فیسب اباہ (اوکما قال) اور ٹٹ پونجیا تو کوئی ایسا شنیع اور سب وشتم کا لفظ نہیں ہے اس کے معنی کم مایہ کے ہیں جس کی تمام پونجی ٹاٹ ہو کم مایہ ہونے کا خود مودودی صاحب کو اقرار ہے۔ بہرحال یہ الفاظ اُن کے لئے نہیں لکھے گئے۔ اور نہ لکھنے کے وقت اُن کا خیال تھا یہ الفاظ فقط اُن مودودیوں کے لئے تھے جنھوں نے گنگوہ میں اودھم مچا رکھی تھی مودودی صاحب کے لئے ان الفاظ کو قرار دینا یہ اُن کا اور اُن کی جماعت کا شگوفہ ہی ہے اور بس۔

(۳) الجواب۔ بالکل صحیح ہے یہ میرا عمل اس وقت سے ہے جبکہ ترک موالات کی وجہ سے ولایتی کپڑوں کا بائیکاٹ کیا گیا اس وقت سے میں نے آجتک دیسی ہی کپڑے پہنے اور کھدر ہی کا استعمال کیا جنازہ کی نماز جبکہ اس کا کفن غیر کھدر ہوتا پڑھانا چھوڑ دیا تھا تاکہ لوگوں کو اس سے نفرت اور دیسی مصنوعات سے اُلفت اور انس پیدا ہو مگر کفن اگر غیر کھدر ہوتا ہے تو میں نماز نہیں پڑھاتا ہوں پڑھ لیتا ہوں نماز نہیں چھوڑتا۔ نیز اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ملوں کے کپڑوں میں خواہ یورپ کے ہوں یا ہندوستان کے چربی ضرور استعمال کی جاتی ہے۔ کورے کپڑوں میں ضرور اس چربی کا میل ہوتا ہے البتہ دھلنے کے بعد وہ زائل ہو جاتی ہے۔ یہ چربی یورپ اور ہندوستان میں کہیں بھی پاک نہیں ہوتی۔ بلکہ اُس میں خنزیر اور مردہ جانوروں اور غیر مذبوح جانوروں کی چربی ہوتی ہے۔ یورپ میں جانوروں کو مشین سے ذبح کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کی ملوں میں بھی کوئی احتیاط چربی میں نہیں ہوتی اس لئے کورے کپڑے ملوں کے یقیناً مشتبہ ہیں البتہ دیسی کپڑوں میں چربی کا استعمال نہیں ہوتا ان میں ماڑی استعمال کی جاتی ہے پھر آپ ہی فرمایئے کہ ہم کو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے آپ خود بھی ملوں میں جا کر تحقیق کر لیجئے۔

اب اگرچہ تبدیل صورت اور خاصیت کی وجہ سے فتویٰ پاک ہونے کا دیا جاتا ہے نیز عموم

ملوں بھی ہے مگر کیا اس میں احتیاط مناسب نہیں ہے خصوصاً جبکہ اپنے دیس کے غریب مزدوروں اور کپڑا بننے والوں کی امداد و اعانت بھی ہو غور فرمائیے کہ ان یورپین اور ہندوستانی ملوں نے سرمایہ داروں نے ہندوستانی غریب دستکاروں کو انتہائی درجہ میں مفلوک اور محتاج بنا دیا ہے۔ ایسی حالت میں غیر تمند ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند ۱۱ صفر ۱۳۷۷ھ

مکتوب ۶۵

جناب مولانا حکیم سید محمد نور العین حسن صاحب لکچرار طبیہ کالج علی گڈھ چھتاری ضلع بلند شہر کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ والانامہ بھیراؤں ہو کر دیوبند پہونچا۔ قرآن کے تراویح اور نوافل میں سنانے کی وجہ سے مشغولیت زیادہ تھی۔ کیونکہ کثرت اسفار و ہجوم اشغال کی بنا پر فرصت قرآن شریف کے مدارسۃ کی ایام سال میں نہیں آتی۔ یہی وجہ جواب کے تاخیر میں ہوئی۔ میں وسط شعبان میں بوجہ تعطیل رمضان المبارک سلہٹ سے روانہ ہو گیا تھا راستہ میں مختلف مقامات پر جلسوں کی وجہ سے جانا ضروری تھا۔ دیوبند میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے نواسی اور نواسہ کی شادی تھی اس لئے ۲۳ ر شعبان کو یہاں پہونچا اور بعد از فراغ از عقد مرادآباد و بھیراؤں وغیرہ جاکر ۲۹ ر شعبان کی شام کو دیوبند پہونچ گیا تھا اس وقت سے اب تک یہاں ہی مقیم ہوں اور یکم شوال تک یہاں قیام رہے گا بعد ازاں قرب وجوار یعنی گنگوہ نانوتہ تھانہ بھون وغیرہ ہوتا ہوا دس یا بارہ شوال کو بھیراؤں سے روانہ بسوئے سلہٹ ہو جاؤں گا (انشاء اللہ العزیز) المعراج ایک مضمون میں نے منیجر سیاست کی طلب پر لکھا تھا ان کا خط سلہٹ میں آیا تھا کہ ہم ۲۷ ر رجب کو ایک پرچہ مخصوص معراج کی نسبت نکالنا چاہتے ہیں تو بھی اس میں کچھ لکھو۔ باوجود عدیم الفرصتی میں نے کچھ مضمون ہیئتہ قدیم و جدیدہ کے موافق لکھا تھا جس کو انھوں نے ۲۷ ر رجب کے پرچہ میں غالباً

نہیں نکالا بلکہ ۱۵ اور ۱۷ رشعبان کے دو پرچوں میں شائع کیا۔ میں عدیم الفرصتی کی وجہ سے مسودہ کو مبیضہ بھی نہیں کر سکا تھا بلکہ مسودہ ہی کو باوجود قطع و برید اُن کے پاس بھیجدیا تھا اور لکھدیا تھا کہ اگر آپ کو مناسب معلوم ہو تو اُس کو شائع کریں مگر دونوں کاپیاں میرے پاس بھیجدیں ورنہ کالائے بد بریش خاوند مجھ کو واپس کردیں۔ اُنھوں نے اس کے بعد مجھ کو کوئی اطلاع نہیں دی جب آپنے لکھا تو میں نے تلاش کیا دارالاخبار مدرسہ میں دونوں پرچوں میں یہ مضمون مکمل مل گیا۔ البتہ غلطیاں کاتب کی ضرور ہیں۔ آپ ان دونوں پرچوں پر غائرانہ نظر ڈالیں آپ اگر اس کو اس قابل دیکھیں کہ رسالہ کی صورت میں ہو تو فبہا ورنہ اُس کو زوایا رنسیان میں محو ہوجانا ہی مفید ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ موجودہ سائنس اور گذشتہ فلسفہ سے اس پر خاص طور کی روشنی ڈالی گئی ہے اگرچہ یہ مضمون بدیں نوعیت میری نظر سے اب تک نہیں گذرا تھا۔

موجودہ مشائخ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب، مولانا صدیق احمد صاحب انبیٹھوی، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مفتی مدرسہ دیوبند، مولانا انور شاہ صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب یہ جملہ حضرات ہر قسم کے کمالات کے حاوی ہیں بعض مسائل میں بعض حضرات کا مخالف ہونا دوسری بات ہے اس لئے ان بزرگوں میں سے استخارہ مسنونہ مکرر کر لینے کے بعد تعلق پیدا کرنا مفید اور ضروری ہے۔ میری عرض سابق کا مقصد یہی تھا کہ کم از کم قول الجمیل کی تعریف کے مطابق کوئی شیخ تلاش کریں، مجھ جیسے ناکارہ و نالایق کی طرف آپ کی نظر انتخاب کا اُٹھنا قباحت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ غیر قابل تلافی خطا ہے۔ حقیقت میں یہ ظاہری سجادہ نشین اکثر گمراہ کنندہ ہیں اور کسی طرح قابل بیعت نہیں۔ اسی لئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہیئے۔ علی البصیرۃ کام کیجئے والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ از دیوبند آستانہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ

۲۸ ر رمضان المبارک

حاشیہ مکتوب ۶۵ (۱) اس والا نامہ میں معراج کے جس مضمون کا ذکر کیا گیا ہے صاحبزادہ محترم مولانا اسعد صاحب نے اپنے مکتبہ دینیہ کے اہتمام سے (باقی صفحہ آئندہ پر)

مکتوب ۶۶

وما المال والاھلون الاودیعۃ   ولابد یوما ان ترد الودائع

ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات

وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون ۰

اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ ۰ واولئک ھم المھتدون ۰

میرے مکرم محترم زید لطفکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ کا والا نامہ پہونچا۔ دلریش[1]

احوال معلوم ہوئے۔ اگرچہ آپ اور والدین ماجدین سلمہا اللہ تعالیٰ وبلغہما علیٰ ذروۃ المرادات

بقیہ حاشیہ مکتوب ۶۵۔ ایک مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کر دیا ہے جو مکتبہ دینیہ دیوبند ضلع سہارن پور سے مل سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مجموعہ ارشادات میں بھی یہ پورا رسالہ شامل ہے۔

(۲) حضرت حکیم صاحب مدظلہ کے ہر دو والا نامے جلد اول اور دوم میں شائع نہ ہو سکے اب احقر نے بالقصد نہیں کیا تھا بلکہ خطوط کے انبار میں وہ اس طرح ادھر ادھر ہو گئے کہ ترتیب کے وقت ان کا دھیان بھی نہ رہا جس کا مجھ کو خود افسوس ہے اور حکیم صاحب کو بھی جائز شکایت کا حق پہنچتا ہے مگر موصوف کا خیر سے محروم کر دینا اور خط و کتابت کے سلسلہ کو بند کر دینا مدنی برادران کے اخلاق کے منافی ہے خدا کا شکر ہے کہ میں آج حکیم صاحب کے قرضہ سے سبکدوش ہو رہا ہوں۔ میری مشکلات کا صحیح اندازہ بہنوں کو نہیں ہے اس لئے نہ جانے کیا کیا رائیں احباب قائم فرماتے رہتے ہیں۔ اللہ ہم کو اور ان کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے آمین   اصلاحی۔

---

[1] ریش بیائے مجہول۔ بمعنی جراحت و بمعنی مجروح و زخمی

خود اچھی طرح واقف اور ذی علم ہیں مگر بحکم وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ کچھ عرض کرتا ہوں مرحومہ کا صدمۂ مفارقت آپ حضرات کے لئے واقع میں کوئی معمولی صدمہ نہیں ہے مگر ہم کو وجوہ ذیل سے صدمہ ہونا بے جا ہے۔

(۱) ہم بارگاہ خداوندی سے اس عالم میں تن تنہا آئے ہیں۔ جو کچھ ہم کو دیا گیا محض خدا کی بلکہ ہی ہماری حفاظت وحراست میں چند دنوں کے لئے امانتاً یہ اشیاء رکھدی گئی ہیں اور ہم کو انتفاع کی بھی اجازت دیدی گئی ہے، نہ ہمارے اعضا ہمارے ہیں اور نہ خارجی نعمتیں ہماری ہیں اس لئے امانت رکھنے والا جبکہ اپنی چیز ہم سے خود لیتا ہے تو ہم کو اپنی سبکدوشی پر ممنون احسان ہونا چاہیئے اور شکر اور خوشی کرنا چاہیئے یا رنجیدہ ہونا چاہیئے، ہم دنیا میں تو تمام عقلا کو امانت کے دینے پر خوشیاں مناتے ہوئے دیکھتے ہیں اور جو شخص کچھ بھی مال مثل امانت کے واپس کرتے ہیں کرتا ہے سب اُس پر تھو تھو کرتے ہیں۔ خائن بتلاتے ہیں۔ بے ایمان کہتے ہیں۔ کیا دنیاوی امانتوں کا یہ حال ہو اور خدا کی امانت میں وہ حال۔ ذرا غور فرمایئے۔ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی۔

(۲) محبوب اور معشوق اگر کوئی چیز لے لیتا ہے یا طلب کرتا ہے تو خوش قسمتی سمجھی جاتی ہے کہ اُس نے خاص لطف وکرم کیا کہ ہماری چیز قبول کرلی۔ اگر کچھ نقصان کردیتا ہے تو لیلیٰ کے کاسہ توڑدینے کی طرح مجنونان محبت کے لئے رقص وسرود کا باعث ہو جاتا ہے۔ بادشاہان دنیا اور اُمراء عالم فانی کا بڑے سے بڑے مال کو اختیار کرلینا ہر طرح باعث عظمت شمار کرتے ہیں۔ خداوند کریم ہمارا محبوب حقیقی ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔ اس نے اگر ہماری کوئی چیز لے لی ہے تو چاہئے شکر وسرور ہے یا چاہئے حزن والم ہے۔ ہم کو مثل قیس بنی عامر رقص کرنا چاہیئے

(۳) رنج والم کرنے سے وہ جُدا ہونے والا محبوب ہم تک واپس نہیں آسکتا بلکہ ہمارا دل ودماغ خراب ہوتا ہے اور ہمارے بہت سے اعمال مثل گریہ آواز وغیرہ اُس کی تکلیف کے اسباب بن جاتے ہیں اس لئے عاقلانہ کارروائی اختیار کرنا چاہیئے ایسی صورتیں ہونی چاہئیں کہ اس کو بجائے صدمہ راحت اور بجائے حزن سرور ہو۔ خیالات کو منتظم کرتے ہوئے اُس کی مغفرت کی دعا کریں۔ کلمات

طیبہ اور ادعیہ سے اُس کی فریاد رسی کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مُردہ کو زندوں کی دُعا و استغفار کا اس سے بھی زیادہ انتظار رہتا ہے جتنا کہ ڈوبنے والے کو رسّی اور دوسری بچانے والی چیزوں کا۔

(۴) خداوند کریم کی مرضی پر بندوں کو راضی ہونا ضروری ہے۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ غم و حزن کرنا جزع و فزع ظاہر کرنا علامت اس کی ہے کہ ہم کو اُس کی مرضی پر خوشنودی نہیں بلکہ اُس کے افعال و تقادیر پر اعتراضات ہیں ہم کو دنیاوی حکام کی رضاجوئی کا تو خیال رہتا ہے اور اُن کی خوشنودی کو سب پر مقدم کرتے رہتے ہیں۔ اپنی مرغوبات کو اُن کی وجہ سے بالائے طاق رکھ دیتے ہیں مگر خداوند کریم کی مرضی اُس کی تقدیر اُس کے ارادہ پر صراحۃً یا کنایۃً اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔ معاذ اللہ

(۵) صبر کا ثواب اور اُس کا کمال صدمہ کے اوائل ہی میں ہے۔ زمانہ دراز گذرنے کے بعد تو طبعی طور پر صبر آ ہی جاتا ہے۔ لہٰذا وہ عظیم الشان خُلقِ صبر جس کی تاکید و تعریف میں قرآن شریف میں نیس آیتوں سے زیادہ آیات موجود ہیں اُس کو اور اُس کے ثواب کو ہرگز ضائع نہ ہونے دینا چاہیئے

الصبر عند الصدمۃ الاولیٰ

الغرض میں آپ سب حضرات کے اوقات ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ آپ مرحومہ کے لئے باقاعدہ ایصال ثواب کی صورتیں کریں۔ دعا استغفار، تلاوت، مال وغیرہ سے اُس کی مدد فرمائیں یہ اصلی اور سچی محبت ہے اسی میں سب کا نفع ہے میں بھی دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم مرحومہ کے لئے ہر قسم کا سامان رحمت و مغفرت مہیا فرماتا ہوا پس ماندوں کو نہ صرف صبر جمیل بلکہ نعم البدل جلد از جلد عطا فرمائے آمین والد صاحب، والدہ صاحبہ دام مجدہما، حافظ حمید اللہ صاحب اور دیگر واقفین پُرسان حال کی خدمت اقدس میں سلام مسنون عرض کر دیں اور دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

از سلہٹ خلافت آفس

۱۳ رجب ۱۳۴۳ھ

مکتوب ۶۷

جناب منشی محمد حسن ابراہیم صاحب کاوی بھروچ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میرے محترم مختلف وجوہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کراچی سے سفر کیا جائے اگر اس طرف سے نہ جانا ہوا اور بمبئی ہی سے جانا ہوا تو پھر جی آئی پی والے چاہتے ہیں کہ میں اُن کی لائن سے سفر کروں۔

آپ نے جو حصص وقف کے ارسال فرمائے ہیں میں اُن میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا اس لئے کہ لوکل ضروریات کو مقامی اشخاص زیادہ جانتے ہیں مولانا محمد حسین صاحب سے آپ کیوں نہیں رجوع فرماتے۔ وہ صاحب علم وسیادت ہیں اُن کے قول اور رائے پر اعتماد کیجئے۔ میں سخت گنہگار ہوں اور نالائق ہوں مجھ کو دعوات صالحہ سے یاد فرماتے رہیں۔ میں بھی آپ کے لئے دعا کروں گا۔ والسّلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۱ر شوال ۱۳۴۹ھ

مکتوب ۶۸

محترم المقام زید عنایتکم۔ آپ کے گاؤں والے میری شرکت کا حکم کرتے ہیں۔ میں یہاں سے شریک ہوں۔ سب کو نماز کی تاکید کرتے رہیئے اور خود بھی کسی وقت کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے میں ہرگز کمی نہ کیجئے۔ اللہ کا ذکر جس قدر ہوسکے کرتے رہیئے دنیا کی زندگی ہرگز قابل اعتماد نہیں ہے آخرت کی فکر سے غافل نہ ہوجیئے۔ جو جو نام آپ نے لکھے ہیں قواعد نحو وصرف کے موافق نہیں ہیں۔ مگر چونکہ اُس کے تمام الفاظ عربی نہیں ہیں اس لئے اُس کے اندر قواعد نحو وصرف کی تلاش بھی غلط ہے لفظ انجمن عربی نہیں ہے لہذا دوسرا نمبر یعنی انجمن ملت ابراہیم کاوی زیادہ مناسب ہے۔ لفظ حنیف کا اس موقعہ میں ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۲۱ر محرم الحرام ۱۳۵۲ھ

مکتوب ۶۹

آپ کا فتویٰ دار الافتاء میں بھیجدیا گیا تھا اور جواب بھی لکھا ہوا آگیا تھا مگر اس میں کچھ خامی رہ گئی تھی اس لئے میں نے اس کو مولانا المفتی محمد شفیع صاحب کی خدمت میں دوبارہ بھیجا ہے جواب آجانے پر بھیجوں گا آپ جلدی نہ کریں۔ دیر آید درست آید۔

آپ کے اجلاس جمعیۃ علماء بھروچ کی خبریں اخباروں میں آگئی ہیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت اور توسیع ہونی چاہیئے۔ علماء کو متنبہ کرنا چاہیئے والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۱ر ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ

مکتوب ۷۰

میرے محترم بھائی زید عنایتکم - مجھ کو خود شوق ہے کہ میں کاوی آؤں۔ مگر کیا کروں طلبا رکا حرج ہمیشہ روکتا رہتا ہے اگر زندگی باقی ہے تو انشاء اللہ پھر کسی وقت حاضر ہونگا - ڈابھیل میں بہت سے علماء کرام کا مجمع ہے راندیر میں بہت سے علماء کرام موجود ہیں اُن کے مواعظ و نصائح سے کام لیجئے سب کو نماز پڑھنے کی سخت تاکید کردیں - خبردار خبردار ایک نماز بھی کسی کی فوت نہ ہو -

والسّلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۱ر صفر ۱۳۵۵ھ

مکتوب ۷۱

محترم المقام زید مجدکم - میرے خیال میں کانگریس کا ممبر ہر مسلمان کو ہونا ضروری ہے مگر یہ درست نہیں ہے کہ وہ اسلامی ضروریات اور مذہبی فرائض میں کوتاہی کرے آزادی کی رائے رکھتے ہوئے

حاشیہ مکتوب ۷۱ - محترمی و مکرمی مرشدی و سندی قبلہ باپو شیخ الہند ثانی مولانا حسین احمد صاحب - بعد از سلام مسنون گذارش ہے کہ صوبہ بمبئی کے تمام اضلاع لوکل بورڈ اور میونسپلیٹیوں میں اکثر کانگریسی جماعتیں برسرکار آتی ہیں۔ اور مخالف میں پور مسلم لیگ کے ارکان نظر آتے ہیں۔ صوبہ بمبئی کا ماحول ایسا نازک ہے کہ اکثر اضلاع میں جمعیتیں مسلمان کانگریس کا یا مسلم لیگ کا ممبر ہو کر مسلمانوں میں لب کشائی نہیں کرسکتا اگر کانگریس کا ممبر نہ ہو لیگی بھی نہ ہو محض جمعیتی ہو تو کچھ گنجائش رہتی ہے۔ دوسری طرف کانگریسی حضرات کا یہ طریقہ ہے کہ لوکل بورڈوں (باقی برصفحہ آئندہ)

جیسا کہ کانگریس کا فنڈامنٹل ہے اس کا ممبر ہونا چاہیئے ۔ مذہب اسلام میں پوری طرح سخت اور مضبوط رہنا چاہیئے ۔ ہاں لیگیوں کی غلط چالیں اور برباد کرنے والی روش سے احتراز ہونا چاہیئے ۔ تدبیروں سے کانگریس کے ہر شعبہ میں اپنی اکثریت اور قوت پیدا کرنی چاہیئے ۔ اگر کسی میٹنگ میں کثرت رائے سے مغلوب ہو جائے تو بھی اپنی آزاد مخالفت کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے اور مغلوب ہوتے وقت اعلان کر دینا چاہیئے کہ اپنی رائے میں محفوظ رکھتا ہوں کھلے اجلاس میں پیش کروں گا ۔

اگر تصویر کا مسئلہ پیش ہو تو صاف کہدینا چاہیئے کہ مذہب اسلام کسی جاندار کی تصویر کی اجازت نہیں

بقیہ حاشیہ صـ گذشتہ ۔ اور میونسپلیٹوں کے جو مسلمان خواہ جمعیتی ہوں یا غیر جمعیتی کانگریس کے پلیج پر دستخط کر دے وہی ماتحت کمیٹیوں میں آسکتے ہیں ۔ نیز جو مسلمان کانگریس پلیج پر دستخط کرے وہ پارٹی کی نجی میٹنگ میں تو مسلمانوں کے مفاد اور اسلامی شریعت کو مدنظر رکھ کر کچھ بحث کر سکتا ہے لیکن یہ خانگی میٹنگ میں کثرت رائے سے (جو حقیقت میں کانگریسی ہندوؤں کی ہوتی ہے) جو بات طے ہو جائے اس کے خلاف لوکل بورڈ کے کھلے اجلاس میں کانگریس پارٹی کے خلاف لب کشائی کا حق نہیں رکھتا ۔ اس سے یہ ہوتا ہے کہ جب کسی تجویز پر خاموشی اختیار کی جاتی ہے تو تمام مسلمانوں میں اس جمعیتی کے خلاف خوب شور برپا ہوتا ہے نیز جب کوئی بات شریعت کے خلاف اور مسلم مفاد کے خلاف پیش کی جائے اور جمعیتی ممبر محض پلیج پر دستخط کرنے کی وجہ سے خاموشی اختیار کر لے یہ غیرت اور خودداری نیز جذبۂ اسلامی کے بھی خلاف ہے ۔ مثلاً اسکولوں میں گاندھی جی کی تصویریں آویزاں کی جائیں یا مسٹر جناح کی ۔ اب کانگریس کا طریقہ کار اس کی تو اجازت دیتا ہے کہ خانگی مجلس میں مخالفت کیجئے مگر جب خانگی مجلس میں بکثرت رائے سے یہ بات طے ہو کر لوکل بورڈ کے کھلے اجلاس میں پیش کی جائے تو اس جمعیتی ممبر کو حق نہیں کہ وہ اس تجویز کی مخالفت کرے لہٰذا براہ کرم آپکی جانب سے اس بارے میں رہنمائی فرمائی جائے تو ممنون ہونگا ۔

والسّلام ۔ محمد حسن ابراہیم کاوی صوبۂ گجرات بمبئی ۱۹ ر شعبان ۱۳۶۰ھ

جناب منشی محمد حسن ابراہیم صاحب کاوی حضرت اقدس مدظلہٗ العالی کے مرید اور ۱۹۲۰-۲۱ء میں ترک موالات کے پرزور حامی تھے جس کی بنا پر سابرمتی جیل گئے اور وہاں حضرت اقدس بھی جیل میں تھے حضرت ہی سے قرآن مجید پڑھا اور مدنی زندگی پر نثار ہوگئے جیل کے اندر حضرت کی کرامتیں، ریاضت اور مجاہدہ حسن سلوک اور پدرانہ شفقت دیکھ کر اس درجہ متاثر ہوئے کہ کوئی اور دوسرا اُن کی نظر میں نہیں ٹھہرا اور رہ ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اس شیخ کامل کے تصوف و سلوک کا ماحصل بس اسی قدر ہے کہ "باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار" جو الحمد للہ دیگر مشایخ کی صف میں ہمارے حضرت کا امتیازی مقام ہے ۔ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ؛ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ۔ اصلاحی

دیا اس لئے ہم اس کے مخالف ہیں گاندھی کی تصویر ہو اور نہ جناح کی۔

بہرحال سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیئے اور کوشش ہونی چاہیئے کہ کانگریس کے ہر شعبہ پر ہم چھا جائیں ورنہ کم از کم ہماری آواز موثر آواز ہو۔ خود بھی شریعت پر مضبوط رہیئے اور اپنے رشتہ داروں اور احباب کو بھی مضبوط کیجئے نماز اور جماعت پنجگانہ کا بہت خیال رکھئے۔

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ، رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۶ھ

مکتوب ۷۲

مولوی غلام رسول صاحب راولپنڈی (پاکستان) کے نام

محترم المقام زید مجدکم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - والانامہ مورخہ ۱۰/۱۱ باعث سرفرازی ہوا۔ ہجوم احزان وہموم کے لئے ہر نماز کے بعد سات مرتبہ سورہ الم نشرح اور سوتے وقت ستر مرتبہ یہی سورت اول وآخر درود شریف پڑھ کر سینہ پر دم کرلیا کریں۔ تنگدستی اور قرض کے لئے مندرجہ ذیل عمل ہمیشہ جاری رکھیں۔

(۱) بعد نماز عشا تنہا بیٹھکر یا وہاب چودہ سو چودہ بار پڑھ کر یہ دعا ایک سو مرتبہ پڑھا کریں "یا وھاب ھب لی من نعمۃ الدنیا والآخرۃ انک انت الوھاب - اول وآخر تین تین مرتبہ درود شریف ہو۔

(۲) بعد نماز صبح سورۂ اذا جاء نصر اللہ ۲۱ مرتبہ بعد ظہر ۲۲ بعد عصر ۲۳ بعد مغرب ۲۴ اور بعد عشا ۲۵ مرتبہ اول وآخر تین تین مرتبہ درود شریف ہوا کرے۔ مداومت پر انشاء اللہ کامیابی حاصل ہوگی۔ نماز با جماعت اور اتباع شریعت اور ذکر میں کوتاہی نہ کریں۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۲۴ر شوال سنہ ۱۳۷۲ھ

مکتوب ۴۳

مولانا سید عبد الخالق صاحب سلہٹ (پاکستان) کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آثارِ ذکر خواہ انوار ہوں یا الہامات وکشف وکرامات وغیرہ خود بخود ظاہر ہوں تو بیشک معین ومددگار ہیں اگرچہ بندی کو لبھانے اور متوجہ کرنے کے لئے عموماً ہوتے ہیں۔ اسلافِ کرام کا قول ہے " تلك خيالات تربى بها اطفال الطريقة" مگر ان کو طلب کرنا اور نہ حاصل ہونے پر غمگین ہونا اور مایوس ہونا سخت غلطی ہے۔ ہم عبید ہیں ہمارا کام عبودیت اور امتثالِ حکم ہے عاجزی اور نیازمندی سے خواہ ہمت افزائی اور اجابت ہو یا نہ ہو ؎

یابم اورا یا نیابم جستجوئے میکنم بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم

انشاء اللہ دیر یا سویر ایک نہ ایک دن شنوائی اور کامیابی ہوگی۔

ذکر اور مراقبہ کے عمل میں لانے اور مداومت کرنے میں خواہ کتنی ہی مشقت علی النفس پیش آئے کوتاہی کو راہ نہ دینا چاہئے۔ صبر اور استقلال کو کام میں لانا چاہیئے جس شخص کا سلوک مثل قرن اوّل ان امور سے خالی ہو اس کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اسلافِ کرام اعلیٰ اور اولیٰ فرماتے ہیں۔ دل لگانا اور اخلاص سے کام کرنا ضروری ہے۔

حاشیہ مکتوب ۴۳۔ اس والا نامہ میں بڑے ہی کام کی بات معلوم ہوئی وہ یہ کہ مردوں اور عورتوں کی تعلیم سلوک میں فرق رکھنا ضروری ہے اور اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ذکر وشغل کا سلسلہ عورتوں کے اندر بھی جاری ہونا چاہیئے جس کی بڑی کمی ہے۔ حسب تصریح سوانح قاسمی حضرت نانوتویؒ کی رفیقۂ حیات کی زندگی کا یہ عالم تھا کہ بعد نماز صبح سر اور منہ پر اپنا دوپٹہ ڈال کر ہلکی ضربسے ذکر کیا کرتی تھیں، آندھی ہو مینہ ہو، سردی ہو گرمی ہو اس میں بال برابر فرق نہیں آتا تھا" ص ۵۱۹۔ سبحان اللہ۔ حضرت حافظ احمد صاحب ومولانا قاری محمد طیب صاحب اسی اصل کی صحیح فرع ہیں۔ اللہ تعالیٰ سبھوں کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔ اسی جلد میں کسی جگہ پر موجود ہے کہ ہمارے حضرت اقدس مدظلہ العالی نے بھی اپنی صاحبزادی کو ذکر کی تعلیم دی ہے اور اس پر تاکید بھی فرمائی ہے اور یہ سلسلہ قائم ہے فسبحان الله حين تمسون وحين تصبحون۔

عورتوں کی طبیعت کمزور ہوتی ہے اس لئے اُن کو تعلیم سلوک ہلکی اور خفیف ہونی چاہیئے اُن کے ذمہ تربیت اولاد اور خدمت زوج ہے اس میں کوتاہی نہ ہونی چاہیئے ۔ احوال قویہ کی وہ متحمل نہیں ہوسکتیں اس لئے صرف ذکر لسانی پر اکتفا ہونی چاہیئے ۔

الفاظ بیعت میں اگر ضرورت ہو تو یہ تفصیلی چیزیں داخل کر سکتے ہیں ورنہ اجمالی الفاظ عہد اتباع شریعت کے کافی ہیں ۔ بنگلہ زبان میں تمام الفاظ بیعت کا ترجمہ کرنا زیادہ مناسب ہے سالک کو ترقی دینے میں جبکہ اس کو بارہ تسبیح یعنی ذکر جہر کے آثار پیدا ہوجائیں اور گریہ کا غلبہ ہونے لگے ، دُنیا سے بے رغبتی اور اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ پیدا ہوجائے اور پاس انفاس جاری ہوجائے تو ذکر قلبی تعلیم فرمایئے جب ذکر قلبی جاری ہوجائے تب مراقبہ تعلیم کیجئے ۔ ضیاء القلوب ، امداد السلوک صراط مستقیم مطالعہ کیجئے ، سینہ کا درد انشاء اللہ جاتا رہے گا بوقت تکلیف سورہ فاتحہ سات مرتبہ مع بسم اللہ پانی پر پڑھکر پینا اور پلانا بہت مفید ہے ۔ والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۔ ۱۶ ربیع الاوّل ۱۳۷۰ھ

مکتوب ۴۷

جناب حضرت مولانا سید حبیب محمود صاحب مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ کے نام

الی ولدنا المحترم السید حبیب محمود	ہمارے بھتیجے سید حبیب ابن سید محمود
سلمہ اللہ تعالیٰ وبلغہ علی مناہ ۔ آمین	سلمہٗ ۔ سلام مسنون
غب اہداء السّلام فلا یخفی علیکم انا	ہم بحمد اللہ بخیریت ہیں اور امید ہے کہ تم
بفضل اللہ تعالیٰ بکل خیر ۔ نرجوا ان	لوگ بھی بعافیت ہوگے ۔

حاشیہ مکتوب ۴۷ ۔ راقم الحروف کے پاس ایک قلمی قرآن مجید تھا ۔ شاہ سعود والی حجاز ونجد خلد اللہ ملکہ جب ۱۹۵۵ء دسمبر میں ہندوستان تشریف لائے اور اپنی داد و دہش اور فیاضی سے گذشتہ بادشاہان اسلام پر سبقت لیگئے اور اس سخاوت کی شہرت دور و نزدیک پہنچی تو بعض لوگوں کے اصرار سے جبکہ شاہ موصوف کی روانگی کا وقت آچکا تھا ۹ دسمبر ۱۹۵۵ء کو وہ قرآن مجید پنڈت جواہر لال نہرو ۔ وزیر اعظم کے نام رجسٹری کر دیا گیا کہ اس کو (باقی آئندہ صفحہ پر)

تکونوا انتم وعائلتکم کذلک بخیر. وحیث ان اخانا المحترم الشیخ نجم الدین الاصلاحی دام فضله وعلاه من خواص الاحباب ومن خلص السادات کتب الیکم مکتوبًا وھو فی طے ھذا المکتوب فالمرجو منکم ان تسعوا قدر الامکان فی اسعاف مرامه ولا تقصروا فیه جزاکم اللہ خیر الجزاء وخلاصة المرام ان حضرته لدی ورود حضرة جلالة الملك خلد اللہ سلطانه الدیار الھندیة قدم لجلالته ھدیة وھی مصحف قلمی قدیم بخط حسن انیق معجب رجاء المکارم الملوکیة والی الساعة لم یتشرف بشئ من حسن توجھاته الملوکیة فمھما امکن تستخبروا عنه وتستعطفوا

دینی بھائی نجم الدین اصلاحی ہمارے مخصوص احباب میں سے ہیں جنھوں نے آپ کو ایک خط لکھا ہے۔ جو ہمارے اس خط کے ساتھ ہے۔ مجھکو اُمید ہے کہ حتی الامکان پوری سعی مقصد کے لئے کی جائے گی وہ مقصد یہ ہے کہ جب جلالۃ الملک شاہ سعود خلد اللہ ملکہ ہندوستان تشریف لائے تو موصوف نے ایک نہایت عمدہ قلمی قرآن مجید جو بادشاہوں کے لائق تھا پنڈت جواہرلال نہرو وزیر اعظم ہند کے ذریعہ پیش کرنے کو بھیجا) عرصہ ہوگیا مگر اب تک اُس کا کوئی پتہ نہ چلا۔ لہذا ہر ممکن طریقہ پر اس کا پتہ لگائیے۔ کیونکہ نجم الدین اصلاحی زبردست علماء میں سے ہیں جو شاہی توجہ کے محتاج ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ شاہ کی خدمت میں پہنچا دیا جائے اور رجسٹری خط بھی وزیر اعظم موصوف کو اور سفیر حکومت سعودیہ جناب فوزان صاحب کو لکھ دیا گیا۔ مگر صدائے بر نخاست۔ بعد کو مختلف ذرائع سے پتہ لگایا گیا کوئی صحیح پتہ نہ چلا کہ قرآن مجید کہاں پہونچا۔ ایک اجمالی علم یہ ہوا کہ اس طرح کے جملہ ہدایا وتحائف بعد کو شاہ کی خدمت میں بھیجدیئے گئے خدا کرے ایسا ہی ہو ورنہ اگر اس کے برعکس ہوا (جس کا امکان زیادہ ہے) تو حد درجہ سوہان روح حادثہ ہے اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور صبر دے اسی کے لئے حضرت اقدس مدظلہٗ نے مدینہ طیبہ اپنے بھائی صاحب اور بھتیجے مولانا سید حبیب صاحب سلمہٗ کو لکھا تھا مگر وہاں سے بھی کوئی جواب بدقسمتی سے نہ آسکا۔ "انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ" شکر ہے کہ نومبر ۱۹۵۷ء میں سفیر ہند جدہ کا گرامی نامہ آیا کہ قرآن مجید جدہ میں پہنچ چکا ہے اب یہاں سے شاہ سعود خلد اللہ ملکہٗ کو بھیجا جا رہا ہے۔ رسید کا انتظار ہے۔

له وهو من اجلة العلماء المتقين المستحقين
للانظار السلطانية -

هذا وقد جاءنا مكتوب من بعض
الاحباب اهل افريقه ان جماعة من
رفقاءهم سيردون المدينة المنورة
بعد العيد بالطيارة ويريدون هناك القيام
بالمدرسة الشرعية فالمرجو منكم انهم اذا وردوا
تخلوا لهم خلوتين حسبما يشتهون وتريحهم
حسب العادة وتاخذوا بخواطرهم ما امكن
هذا وسلموا منا على والدكم العزيز
والوالدة المحترمة والاخوات المصونات
وجميع من يلوذ بكم ومن عندنا يسلم عليكم
ولدنا اسعد وانا ترمضت هذه السنة
باسام الهند ببلدة بانس کنڈی من مضافات
کچھار والعائلة كلهم بديوبند وكلهم بخير
يسلمون عليكم هذا ودمتم سالمين بغاية
الفرح والسرور والسلام ختام.

الداعي لكم حسين احمد غفر له في
٨ من رمضان المبارك - من بانس
کنڈی کچھار (آسام)

ہمارے پاس افریقہ کے بعض دوستوں
کے خطوط آئے ہوئے ہیں اور وہ عنقریب
بعد عید مدینہ منورہ ہوائی جہاز
سے پہونچیں گے - وہ مدرسہ
شرعیہ میں قیام کے خواہشمند
ہیں - مجھ کو امید ہے کہ ان
کی خواہش کے مطابق دو کمروں
کا انتظام کر دیا جائے گا - اور
جیسا کہ آپ حضرات کا معمول ہے ان
کی راحت کا خیال رکھا جائے گا -

والسلام (مولانا) حسین احمد غفرلہ
۸ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ
بانس کنڈی آسام

مکتوب ۷۵

جناب مولانا احمد میاں صاحب انصاری مدرسہ رحمانیہ فیض آباد کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ جوابات حسب ذیل ہیں۔

(۱) پاخانہ اور پیشاب کے وقت میں صرف ذکر لسانی ممنوع ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ بھی ممنوع نہیں لہذا سانس کا ذکر یا قلب یا روح یا سر یا خفی یا اخفیٰ کا کسی طرح نہ ممنوع ہے اور نہ مکروہ یہ آپ کا توہم ہے شریعت سے اس کو تعلق نہیں۔

(۲) میں کوئی بڑا القاب نہ آپ کو لکھتا ہوں اور نہ میری عادت ہے مدار بڑائی کا قبولیت خداوندی پر ہے نہ عمر پر نہ علم پر نہ عمل پر۔ "پیا جسکو چاہیں سہاگن وہی ہے"۔ ع

تا یار کرا خواہد و کرا طلب دوست

اگر اس نے قبول کر لیا تو زہے قسمت ورنہ کچھ ٹھکانا نہیں قبول کرے تو قراب الارض والسماء خطائیں اور معاصی ایک دم میں صاف ہو جائیں بلکہ حسنات بن جائیں (اولئک یبدل اللہ سیاٰتہم حسنات) نہ قبول فرمائے تو جبال حسنات ذرہ سے بھی چھوٹے ہو جائیں بے نیاز اور بے پروا سرکار ہے پھر کیا چارہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو

حاشیہ مکتوب ۷۵۔ پیشوائے راہ شریعت وہادیٔ دین متین دام ظلکم العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ عرصے سے آنجناب کی خیریت معلوم نہیں ہوئی تردد ہے خود ارادہ کئی بار ہوا لیکن اپنی کاہلی سے رہ گیا اب چونکہ اپنا مطلب بڑا یعنی چند امور دریافت طلب جمع ہو گئے سو آمادہ ہو گیا۔

(۱) ذکر رفع حاجت کے موقع پر جیسا کہ آنجناب نے تحریر فرمایا گو جائز ہے دوسرے بھی سجادہ نشین کن انفاس کے لحاظ سے بھی دم مارنے کی جا نہیں لیکن خاص پیخانہ کے وقت ذکر قلبی بھی کرتے ہوئے میری کم بخت طبیعت منقبض ہوتی ہے اور دل نہیں گوارا کرتا اس کا کیا علاج کروں؟ (۲) آنجناب خط میں کوئی بڑا القاب تحریر نہ فرمایا کریں کبر پیدا ہوتا ہے۔ ایسے ہی جب آنجناب نے دعا کے لئے لکھا تو نفس کو اچھا معلوم ہوا اور عجب وکبر آ گیا۔ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا فاروق اعظم سے دعا کرائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیکن مجھ بدنصیب کا عجیب حال ہے اس کا کیا علاج کروں؟ ذکر وورد الحمد للہ بپابندی وقت چلا جا رہا ہے" ولا فخر: اگرچہ نفس کو اس کے ثمرات کے حصول کی (باقی آئندہ صفحہ پر)

بڑا ہمیں۔

یقیناً ذکر و شغل پر مداومت ہونی یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ الاستقامۃ فوق الکرامۃ مگر ثمرات جس کی نفس خواہش کرتا ہے اگر وہ انوار، الہامات، کشوف، رویا رصادقہ وغیرہ اشیاء ہیں تو انتہائی غلطی ہے۔ غیر اللہ کا قصد کرنا اور اُن کی خواہش ہونی اولین گمراہی ہے ؎

دنیا و آخرت را بگذار حق طلب کن   کایں ہر دو لولیاں را من خوب می شناسم

سب کو زیر لا لانا چاہیئے اور الا اللّٰہ کی ضرب سے صرف ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کا قصد کرنا چاہیئے فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحًا و لا یشرک بعبادۃ ربہ احدًا۔

ہاں ہاں فراق و وصل بھی غیر ہیں ؏

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب

بجز رضاء الٰہی اور کوئی مقصد نہ ہونا چاہیئے (ویبتغون فضلاً من اللہ و رضوانًا) و رضوان من اللہ اکبر۔ یہ رضاء الٰہی اگر ہزار برس عبادت کے بعد بھی حاصل ہو تب بھی عظیم الشان

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ رغبت و خواہش بعض وقت ہوتی ہے لیکن اس کو بھی سمجھا کر خاموش کر دیتا ہوں کہ خدا کی یہی کس قدر عنایت ہے کہ اس نے چند عرصہ سے کام سے لگا رکھا ہے ورنہ پہلے تو یہ بھی نہ تھا۔ اگر اُن کو اتنا ہی پسند آجائے اور بغیر عذاب دیئے نجات فرما دیں تو میرے لئے بے حد کامیابی ہے جس کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے (۳) تذکرۃ الرشید میں یہ لکھا ہے کہ درود دوں میں" بعدد معلوم لک" لوگ پڑھتے ہیں میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ اس سے معلومات باری تعالیٰ کے متناہی ہونے کا شبہ پیدا ہوتا ہے سو جو درود شریف آنجناب نے بندہ کو ارشاد فرمایا ہے برابر اسی طرح پڑھتا رہتا ہوں کوئی حرج تو نہیں (۴) تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ یا باسط گیارہ سو مرتبہ بعد نماز عشاء، اور یا مغنی گیارہ مرتبہ بعد نماز صبح اول و آخر گیارہ بار درود شریف پڑھنے سے تنگدستی پیش نہ آئیگی (۵) اور لفظ اللہ اس ہیئت کہ تختی یا کاغذ پر جلی حروف سے لکھ کر اس پر نظر جمایا کرے انشاء اللہ نگاہ تیز ہو جائے گی اور نظر کو بہت قوت حاصل ہوگی تو بندہ کو ان دونوں چیزوں کی حاجت ہے کیا میں ایسا کر لیا کروں (۶) قبض کی ہمیشہ سے مجھے شکایت ہے قوت ہاضمہ بہت کمزور ہے جس کے باعث کسل اور طبیعت میں کاہلی آجاتی ہے اگر یہ مرض جاتا رہتا تو شاید اوراد و اعمال صالحہ کی طرف رغبت ہوتی اور طبیعت زیادہ لگتی اور خدا بہتر جانتا ہے کہ اصلاح معدہ کا ذکر اس غرض سے نہیں کہ اطعمہ لذیذہ ملیں اور حیوانوں کی طرح دمبدم شکم بھرتا رہوں اگر آنجناب کوئی نسخہ تجویز فرما دیں تو کیا عجب ہے کہ مراد بر آئے۔ (۷) عرصہ دو ماہ کا ہوا کہ بعد فراغت درد ایک (باقی بر صفحہ آئندہ)

کامیابی ہے رزقنا اللہ وایاکم امین انوار الہامات وغیرہ کے لئے اسلاف فرماتے ہیں تلک خیالات تربی بہا اطفال الطریقہ

(۳) درود شریف میں "بعدد کل شیٔ معلوم لک" اس کو حضرت قطب امام ربانی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز پسند فرماتے تھے جن اشیاء سے صفات الٰہیہ کو تعلق ہے اُن میں سب سے زیادہ وسعت علم کو ہے۔ بنا بریں عدد خلقک ورضاء نفسک وزنۃ عرشک ومداد کلماتک وغیرہ الفاظ وارد ہوئے اس لفظ کو اوسع ترین شمار کیا جائے گا اور یہی مقصد درود شریف پڑھنے والے کا اس مقام پر ہے معلومات الٰہیہ کو بہ نسبت دیگر اشیاء کتنا ہی غیر محدود قرار دیا جائے اگرچہ وہ احاطۂ علمیہ میں ضرور داخل ہیں و احصیٰ کل شئ عددا۔ تو اس لحاظ سے اگر متناہی کہا بھی جائے تو کیا حرج ہے۔ مگر حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز اس مقام پر (کما تحب وترضی عدد ما تحب وترضی) کو پسند فرماتے ہوئے ترجیح دیتے تھے اور دریافت کرنے سے پہلے سے میرا یہی خیال تھا مگر چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے امر فرمایا تھا

بسلسلہ صفحہ گذشتہ۔ حالت طاری ہوتی تھی کہ خود بخود دل بھر آیا اور ایک گھنٹہ کامل اس قدر اپنی خستہ و تباہ حالی کا دھیان آ کر اس درگاہ بے نیاز میں کبھی حالت سجدہ میں کبھی حالت قعود میں روتا ہوں کہ رکنا چاہتا تھا اور نہیں رکتا تھا جس کا اثر دو یوم تک میری صحت پر پڑا رہا اس کا اثر کمزوری جسم و جان و دماغ معلوم ہوتا ہے آہ افسوس بس اُس دن کے بعد سے آج تک پھر وہ کیفیت میسر نہ ہوئی ہر چند بہ تکلف وہ حالت پیدا کرنا چاہتا ہوں مگر نہیں ہوتی اپنے خدائے بے نیاز سے بھی عاجزانہ عرض کرتا رہتا ہوں مگر خدا کو منظور نہیں۔ صرف گاہے ماہے معمولی رونا آتا رہتا ہے بالخصوص درود شریف کے وقت زیادہ طبیعت لگتی ہے اور رونا بھی آتا ہے مگر کبھی زیادہ کبھی کم کبھی کچھ بھی نہیں لیکن اس کیفیت مذکورہ کی تمنا ہے۔ سو کوئی ایسا دعا فرما دیجئے کہ خدا کا خوف پیدا ہو اور قلب نرم ہو کر اکثر خدا کی طرف متوجہ رہے۔ (۸) کیا درود شریف پڑھتے وقت یہ دھیان کر لیا کروں کہ میں حضور اکرم کے روضۂ انور کے سامنے کھڑا ہوا پڑھ رہا ہوں کیا یہ ضروری ہے؟ (۹) ریا و نمائش کا مادہ زیادہ ہے اس کا علاج فرما دیجئے کار خیر کا ادھر خیال آیا ادھر نمود وریا کا خیال بھی ساتھ ساتھ آ جاتا ہے (۱۰) شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ترغیب اہل السعادت میں لکھا ہے کہ شب جمعہ میں دو رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں گیارہ بار آیت الکرسی اور گیارہ بار قل ہو اللہ احد الخ اور بعد سلام سو بار یہ درود شریف پڑھے انشاء اللہ تین جمعے نہ گذرنے پائیں گے کہ زیارت نصیب ہوگی۔ اللھم صل علی محمد ن النبی الامی وآلہ واصحابہ وسلم بوجہ شوق زیارت کے آسان طریقہ سمجھ کر میں نے ایسا کیا تو کچھ صاف معلوم نہیں ہوا (باقی آئندہ صفحہ پر)

اور حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے معمولات میں یہی مرقوم ہے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم اپنے متوسلین کو یہی تھی میں نے یہی قائم رکھا آپ کا جی چاہے تو کلما تحب الخ جاری کر دیں۔

(۴) و (۵) ان کو عمل میں لائے کچھ حرج نہیں۔

(۶) قوت ہاضمہ کے لئے مجھ کو کوئی نسخہ معلوم نہیں۔ میں طبیب نہیں ہوں۔ ہاں اگر ورزش جسمانی (ڈنڈ) کا التزام کیا جائے جس میں صرف ۱۲ ڈنڈ روزانہ تہمد نہ لنگوٹ باندھ کر کر لینا اور اگر ممکن ہو تو چند ہاتھ ہلکی جوڑی کے پھیر لینا بہت زیادہ مفید ہے المومن القوی خیر من المومن الضعیف و فی کل خیر الحدیث اس سے قوت ہاضمہ اور اعضاء رئیسہ کی تقویت اور بدن کی چستی وغیرہ امور سب حاصل ہوتے ہیں۔ ڈنڈ سے فارغ ہوتے پر اگر رات بھر بھگوئے ہوئے مٹھی بھر چنوں کے پانی کو شہد میں میٹھا کر کے پی لیا جائے تو نور علی نور جسمانی صحت، اور قوت کے لئے مفید تر ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تشریف لائے ہیں لیکن نظر نہیں آئے اور کسی نے مجھ سے کہا کہ حضور کی طبیعت اچھی نہیں یہ سنکر مجھے بہت رنج ہوا اور میں نے کہا کہ اسی وجہ سے تشریف لانے میں دیر ہوئی پھر آنکھ کھل گئی اور حاجت غسل کی تھی چونکہ میری تسلی نہ ہوئی تھی اس لئے پھر شروع کیا۔ تین مہینے گذر چکے آج چہار شنبہ ہے لیکن اس مرتبہ بھی زیارت نصیب نہ ہوئی یہ عمل جاری رکھوں یا ترک عمل ہی میں خیر ہے (۱۱) ہفتہ عشرہ ہوا میں نے اپنے تایا صاحب مرحوم کو خواب میں دیکھا۔ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور حافظ عبد اللطیف صاحب مدظلہ سے ملاقات کے لئے گیا معلوم ہوا کہ کسی کی عیادت کو گئے ہیں میں قریب کے مکان میں گیا جو تایا صاحب کا ہے اندر کمرہ میں چلا گیا کہ تایا صاحب سفید اور صاف بستر پر لیٹے ہیں لباس بھی سفید ہے چہرہ زردی مائل ہے اور کچھ درد و کرب سے کروٹیں بدل رہے ہیں کچھ علیل اور قریب مرگ ہیں۔ معلوم ہوا کہ حافظ صاحب ابھی ابھی اٹھکر گئے ہیں۔ حضرت والا تشریف فرما تھے۔ تایا صاحب مجھے دیکھ کر اٹھ بیٹھے اور کہنے لگے کہ تمہاری نوکری ٹھیک نہیں۔ بلکہ تمہارا بھائی احمد میاں جو اجر ہے وہ کام ٹھیک کر رہا ہے تایا صاحب مجھے میرے بڑے بھائی محمد میاں سمجھ رہے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ان کے ایک آنکھ نہیں ہے۔ صرف ایک آنکھ سے مجھے بغور دیکھا اور پھر لیٹ گئے اور درد و کرب کے آثار چہرہ سے عیاں ہیں داڑھی بھی کچھ سفید کچھ سیاہ ہے لیکن منہ ہی سے برابر کی ہوئی صاف معلوم ہو رہی ہے۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ کیا میں ان کو ایصال ثواب کروں۔؟ والسلام

احمد میاں انصاری۔

(۷) جو حالت بعد از فراغت وردطاری ہوئی تھی نہایت مبارک تھی مگر وہ مقصود بالذات نہیں سوائے رضائے الٰہی اور سوائے ذات اللہ تعالیٰ اور کسی کی خواہش نہ کرنی چاہیئے وہ حالت بھی تو غیر خدا ہے۔ حاصل جو کچھ ہو وہ بہتر ہے مگر مطلوب اور مقصود صرف ذات الٰہی اور اس کی رضا ہونی چاہیئے آپ ذکر پر مداومت کیجئے اور جی لگاکر ثابت قدم رہیئے سب کچھ حاصل ہوگا کسی دوسرے عمل کی خوف ورجا وغیرہ کے حصول کے لئے ضرورت نہیں۔

(۸) درود پڑھتے وقت روضہ اطہر کے سامنے کھڑے ہونے کا تصور کوئی اصلیت نہیں رکھتا

(۹) ریا اور نمائش سے جہاں تک ممکن ہو بچئے۔ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانیئے اور اسی کے راضی کرنے کا خیال کیجئے یہ یقین رہے کہ اگر ساری دنیا راضی ہو جائے اور وہ راضی نہ ہو تو کوئی فائدہ نہیں اور اگر وہ خوش ہو اور ساری دنیا انتہائی دشمن ہو تو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتا لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذالجد منک الجد۔ الحدیث۔

(۱۰) جو عمل شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کا دربارہ زیارت باسعادت ہے اس کو جاری رکھئے کچھ حرج نہیں ہے۔

(۱۱) تایا صاحب کا سفید لباس میں ہونا مبدا فزا ہے امید ہے کہ ان کی مغفرت ہوگئی ہو کچھ اعمال سیئہ کا اثر بھی ان کے ساتھ موجود ہے جو کہ درد اور کرب وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہے ایصال ثواب اور استغفار مناسب ہے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۷ جمادی الاول ۱۳۵۲ھ

مکتوب ۷۶

جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سلہٹ پاکستان کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ میں ایک معمولی درجہ کا گنہ گار ہوں مسلمان ہوں اس قسم کے معارف عظیمہ اور حقائق حالیہ سے مجھ کو کیا واقفیت ہو سکتی ہے

یظن الناس بی خیرا و انی لشر الناس ان لم یعف عنی

مگر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ حضرت مجدد الف ثانی شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی، مرزا مظہر جانجاناں قدس اللہ اسرارہم وغیرہ اکابر کے احوال میں بے شمار ایسے وقائع درج ہیں جن میں ان اکابر کو بلا واسطہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوات سے استفادہ کی نوبت آئی ہے مگر کسی نے اپنے مشائخ اور مرشدین سے رابطہ منقطع نہیں فرمایا اور اپنے متوسلین کو اپنے مشائخ سے ہی مربوط کرتے رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہونچنا اور فیوض کا حاصل کرنا یہ سب ان مشائخ کرام کے ہی طفیل میں ہے اس لئے اُن سے روگردانی عقوق اور انتہائی ناشکری ہے اگر والدین نے کسی بچہ کو پال کر اس لائق کر دیا کہ بادشاہ کے دربار سے بلا واسطہ مستفید ہونے لگے تو اسکو والدین سے تعلق توڑنے کی اجازت

حاشیہ مکتوب نمبر ۶۷ ۔ محترمی دامت الطافکم ۔ گذارش یہ ہے کہ فقیر طریقہ قادریہ عالیہ کے مشائخ سے فیضیاب ہوتا ہوا فیوضات خلافت و قربت ذاتی و وصل ذاتی باری تعالےٰ سے سرفراز ہو کر گذشتہ ماہ شوال کو بواسطہ حضرت مولانا شاہ عبدالمنعم الانصاری دامت برکاتہم کے فیوضات محبوبیت سرور کائنات صلعم سے مشرف ہوا بعدہٗ گذشتہ تیرھویں محرم الحرام کو حضور پُرنور صلعم کے قلب مبارک کے ساتھ رابطہ لگاؤں چنانچہ جوں ہی میں نے آپکے قلب مبارک کے ساتھ رابطہ لگایا حضور اقدس صلعم نے مجھے فیوضات حقیقت محمدی و حقیقۃ اللہ جل شانہ سے سرفراز فرمایا اور مجھے آنحضرت صلعم نے اپنی اُمت کو آپ ہی کے قلب مبارک کے ساتھ رابطہ لگانے ہوئے توجہ دینے کیلئے ارشاد فرمایا الغرض اسی دن سے خود آنحضرت صلعم میرے شیخ و مرشد اعلیٰ بن گئے اس کے بعد جو بھی اس فقیر کے پاس استفادہ کیلئے آیا آپ ہی کے قلب مبارک سے مستفیض ہوتا رہا اور مجھے آنحضرت صلعم نے یک مسند کی حیثیت سے ان کا واسطہ بنایا اب اس اطراف کے بعض علماء و مشائخ کے واسطہ چھوڑنے کی وجہ میرے ان فیوضات کو اغوائے شیطانی سے تعبیر کرتے ہیں اور میرے پاس آنے والے غرباء کو ہر طرح کی ایذا پہونچا رہے ہیں اب حضرت والا سے دریافت طلب ہے کہ میں اس ارشاد خیر البریہ کی تعمیل کے بموجب مشائخ کے واسطہ چھوڑنے میں خاطی ہوں یا مصیب ؟ والسّلام ۔ محمد حبیب الرحمٰن ۱۴ رمضان ۱۳۴۶ھ

سائل جیسے صوفیوں کی باتوں کے سمجھنے سے ہم قاصر ہیں انہیں باتوں نے تصوف کو زیادہ نقصان پہونچایا ہے حضرت اقدس مولانا مدنی مدظلہ العالی نے جو حکیمانہ جواب دیا ہے وہ ان کے علو مقام پر کھلی ہوئی سند ہے اور ساتھ ہی تنبیہ ہے کاش لوگوں کو سمجھا آجائے اور دکانداری سے الگ ہو کر کچھ روز بیٹھے باکمال بزرگوں کی صحبت میں مولانا مدنی کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے ان کے معاصرین کو بھی ایسی باتیں خدمت میں زندگی بنا ناصیب ہو ۔ اپنی دارین کی سعادت حاصل فرمائیں ۔ اصلاحی

دیجائیگی یا اور زیادہ شکر گذار ہ الدین کا ہی اثر ہیگا واللہ اعلم ۔ والسّلام ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب ۷۷

جناب شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی دامت برکاتہم کا اپنی صاحبزادی کے نام

میری پیاری بیٹی ۔ اللہ تعالیٰ تم کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے آمین ؎

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

السّلام علیکم ۔ تمہارے بخیر و عافیت وہاں پہنچنے کے تار اور خطوط بہت سے آئے جن سے بہت اطمینان ہوا ۔ الحمدللہ ۔ تمہارا بات بات پر رونا نہایت غلط ہے ۔ لڑکیوں کے لئے سسرال جانا زندگی کا دور ہوتا ہے سمجھدار لڑکیوں کے لئے نہایت سمجھ اور صبر و سکون کو عمل میں لانا اور قدم قدم پر غور کرنا ضروری ہوتا ہے ورنہ زندگی وہاں وبال جان بن جاتی ہے ۔ اس کا بڑا سبب نئے نئے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے ۔ نہ ناز برداریاں وہاں ہوتی ہے نہ ہمیشہ کا جاں نثار باپ نہ رشتہ دار بھائی بہن

حاشیہ مکتوب ۷۷ تا ۷۹ یہ تیسری جلد ہے ناظرین نے اگرچہ سو خطوط ہی پڑھے ہیں تو بھی اس سے یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ حضرت مولانا مدنی قدس سرہٗ کے خطوط میں استحضار معلومات جس کا دوسرا نام رسوخ فی العلم ہے بدرجہ اتم موجود ہے اس کے ساتھ عربی و فارسی، اردو ہندی اور بھاشا کے نرم و نازک اور رسیلے شعر خاصی تعداد میں موقع موقع سے نگینہ کی طرح جڑے ہوئے پائے جاتے ہیں ساتھ ہی ان مکتوبات کی زبان بھی صاف اور سلیس شگفتہ اور رواں ہے جو ادب اردو کی جان ہے ۔ اپنی صاحبزادی سلمہا اللہ تعالیٰ کو جو خطوط لکھے ہیں وہ اپنی معنوی اور ظاہری خوبیوں کے اعتبار سے اپنا مخصوص مقام رکھتے ہیں اور اس قابل ہیں کہ جن گھروں میں پڑھنے لکھنے کا دستور چلا آرہا ہے یا پڑھنے لکھنے سے دلچسپی ہے وہ اس کو پڑھیں اور ہر خاندان کی بہو بیٹیوں کو دکھائیں کہ اولادی تعلیم و تربیت ایسے اسلامی جذبات کے ساتھ اگر دی جائے تو بہن بدعا زندگی اور منہلنے کمال دارین ہو سکتا ہے ۔ اس والانامہ میں جس انداز سے اپنی لاڈلی اولاد کو نصیحت کی گئی ہے اس کے ہر ہر جملہ کے اندر روح اور زندگی ہی زندگی ہے اور منزل زندگی کے لئے یہ خطوط دستور کا حکم رکھتے ہیں جو معاشرہ اسلامی ان تعلیمات سے خالی ہوگا ظاہر ہے کہ اس کے اندر انتشار اور بات بات پر سراسیمگی، ابتری اور بدنظمی پھیل جائے گی جس کا اثر پورے معاشرہ دینی پر پڑکر رہے گا جس کا مشاہدہ ہو رہا ہے ۔ تصوف و سلوک کی تعلیم دین کی تعلیم ہے مگر آج وہ کتنے گھر ہیں جن میں ذکر و شغل اور پاس انفاس مستورات کر رہی ہیں، ہمارے حضرت نے تعلیمات

(باقی آئندہ صفحہ پر)

عزیز و اقارب ہوتے ہیں جن لوگوں میں زندگی گذارنی پڑتی ہے وہ ہر ہر قدم پر تنقیدی نظر رکھنے والے ہوتے ہیں۔ ذرا ذرا سی غلطیوں پر نظر کرنے عیب ڈھونڈھنے والے اور عیب اچھالنے والے ہوتے ہیں۔ محبت اور ہمدردی کا اُن میں جذبہ نہیں ہوتا اس لئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا ضروری ہوتا ہے سلیقہ اور سمجھ والی لڑکی سالہا سال کی جدوجہد کے بعد چین کی زندگی حاصل کرتی ہے۔ مگر تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ابتدا ہی سے شامل حال رہا ہے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے خسر وہ عطا فرمایا ہے جو کہ تمہارے باپ سے بہت زیادہ شفقت رکھنے والا و سمجھدار اور مہربان ہے ساس وہ عطا فرمائی ہے جو کہ خاندان میں تمام عورتوں کی ماں کا درجہ رکھتی ہے تمہاری ماں کو بھی گود میں پالنے والی اور ہمدرد ہے تم کو اللہ تعالیٰ نے نند وہ عطا کی ہے جو کہ تمہارے بچپن سے سہیلی اور ہمدم و ہمراز ہے۔ بہرحال تمہاری سسرال سسرال نہیں ہے بلکہ میکہ سے بھی بہتر ہے اور تم غیروں میں نہیں گئی ہو بلکہ اپنوں سے بہتر اور پیاروں میں گئی ہو یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اُس کی دل سے قدر کرو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی رہو اور جس قدر ممکن ہو ساس و سسر کی خدمت دن و رات کر کے اُن کو یقین دلا دو کہ تم اُن کی ہی واقعی اولاد ہو اُن کی خدمت میں ذرا بھی کاہلی مت کرو تم کو کسی کی جدائی کا خیال بھی نہ آنا چاہیئے۔ دل فقط اللہ تعالیٰ سے لگانا چاہیئے وہی ہمیشہ کام آتا ہے

سلسلہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اسلام کے ساتھ تعلیم بھی اپنی اولاد کو دی ہے جو ہمارے لئے اور ہماری آئندہ نسلوں کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے فیضان کو تا دیر قائم و باقی رکھے اور حضرت کی نسبی اور روحانی اولاد کو اسی نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

ناچیز راقم الحروف کو عرصہ سے ان خطوط کی جستجو تھی دینی بھائی حافظ مولوی سید محمد ارشد صاحب سلمہ رب نے اُمید دلائی تھی کہ آپا جان کے چند خطوط ہمشیرہ محترمہ کے نام ہیں۔ ستمبر ۱۹۵۰ء میں بغرض زیارت و عیادت حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ دیوبند جانے کا شرف حاصل ہوا تو یاد دلانے پر مولانا حافظ رشید الدین صاحب جو بھائی ارشد کے بہنوئی اور اپنی خوش روئی اور خوش خوئی کی وجہ سے سب کی نظروں میں ہر دلعزیز ہیں ان بیش بہا خطوط کو عنایت فرمایا جزاہم اللہ خیر الجزاء

حقیقت یہ ہے کہ پورا خانوادہ اور تمام اہلبیت کرام اپنے زروتی فضائل و کمالات میں ؎

"این خانہ تمام آفتاب است" کے مصداق ہیں جن لوگوں نے تربیت ہمارے حضرتؒ (باقی آئندہ صفحہ پر)

دنیا والے سب جُدا ہوجانے والے ہیں نہ باپ نہ ماں نہ بھائی نہ بہن کوئی بھی قبر میں ساتھ نہ جائیگا اور کام نہ آئے گا خداوند کریم سے لو لگاؤ اور اُس کا ذکر کرتی رہو اُس کی رضا اور خوشنودی کی طالب رہو اُس کے حکم پر دن رات چلو پاس انفاس کا ذکر جو تم کو بتایا گیا ہے اُس کی قدر کرو کہ بلا ارادہ ہونے لگے گھر میں ہر ایک سے خوش اخلاقی سے پیش آیا کرو بادشاہ کو اگر وہ ضد کرے تو ملامت کرد بد دعامت کرو یہاں ہر طرح خیریت وعافیت ہے۔ سب کو سلام کہدو بادشاہ کو اور بربرہ سلمہا کو اور بوبو کو سلام کہدو بربرہ کی حالت کی اطلاع دیتی رہو۔ تمہاری اماں جیبھی ہیں سلام کہتی ہیں۔ فقط والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ دیوبند ۱۴ر فروری ۱۹۵۷ء

مکتوب ۷۸

آج رمضان کی گیارہ تاریخ ہوگئی یعنی ہم کو تم سے جُدا ہوئے پندرہ دن (آدھ مہینہ) گذر گیا مگر تم نے اپنے ہاتھ سے آجتک کوئی خط نہیں بھیجا، اس کا جواب تو یہ تھا کہ میں بھی تم کو خط نہ لکھتا مگر تمہاری آپا کی خفگی سے پہلے بھی خط لکھ چکا ہوں اور آج بھی لکھ رہا ہوں یہاں آنے کے بعد سے اب تک تین مرتبہ بارش سخت آندھی کے ساتھ ہو چکی ہے گرمی اور لو کا نام تک نہیں ہے۔ رات کو اچھی ٹھنڈک ہوجاتی ہے کھانے نہایت عمدہ ملتے ہیں تمہاری آپا تو ایسے کھانے کہاں کھلاتی ہیں۔ یہاں کئی سو مہمانوں کا کھانا روزانہ پکتا ہے۔ ہم نو بجے شب سے تراویح میں کھڑے ہوجاتے ہیں اور ساڑھے گیارہ بجے کے بعد

سلسلہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سید محمد اسعد زاد شرفہ ودام فیضہ کو دیکھا ہے وہ مطمئن ہیں کہ اس بے نفس اور ایثار پیشہ جوان صالح کا مستقبل انشاء اللہ روشن ہے۔ مکتوب میں صفو، کتو، بانو اور بادشاہ کا ذکر آگیا ہے بادشاہ سے مراد حضرت کے نواسے اور بقیہ سے بچیاں اور سب سے چھوٹے صاحبزادے مراد ہیں کویل ایک چڑیا ہے گوریا سے بڑی ہوتی ہے بہ غالبًا ہمارے اضلاع میں نہیں پائی جاتی ہے حضرت کو اس چڑیا کی آواز اور اس کے بولنے سے بہت ہی دلچسپی تھی۔ آدمیوں کی طرح اس کے آرام وآسائش کی فکر حضرت کو رہتی تھی۔ اس کا خواب میں شکایت کرنا گویا اس پر مزید توجہ دلانا ہے بے زبان سے مراد یہی ہے کہ ہم اس کی بات اور اس کی بھوک وپیاس کو سمجھنے سے قاصر ہیں اس لئے اس کا خیال مقدم ہونا چاہیئے۔ اس میں بھی جانوروں کی پرورش کی تعلیم موجود ہے۔

فارغ ہوتے ہیں۔ آدھ گھنٹہ کے بعد بارہ بجے سو جاتے ہیں ایک بجے پھر نفلوں میں کھڑے ہوجاتے ہیں اور پونے تین بجے فارغ ہوکر سحری میں مشغول ہوجاتے ہیں۔۔۔ ہم سے کوئل نے خواب میں شکایت کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کی خبر گیری نہیں کرتی ہو اس کا پنجرہ بدل دو۔ سب کو سلام دعا کہدو۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ بانس کنڈی آسام ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ

مکتوب ۷۹

خط ۱۲ رمضان کا پہونچا احوال معلوم ہوئے۔ تم روزے کی سختی کی شکایت کرتی ہو یہ تمہاری سخت غلطی ہے۔ جبکہ اللہ تعالے نے بندوں پر رحم کیا ہے اور دودھ پلانے والی عورت کو بچہ کی وجہ سے افطار کی اجازت دیدی ہے تو پھر نبار روزہ رکھنا سخت حماقت ہے ایسا ہرگز نہیں چاہیئے۔ دسمبر یا جنوری میں قضا کر لینا ممکن ہوگا بلکہ بہت آسان ہوگا۔ کوئل کے پنجرے بدلنے اور تمہاری توجہ کی خبر سے خوشی ہوئی۔ اگر تم کہتی ہو کہ کوئل تکلیف میں رہے وہ بیچاری بے زبان کیا کرے تم سب تو اس کے کھانے پینے کا خیال نہ کرو اور وہ ہم سے خواب میں بھی شکایت نہ کرے۔ صفوا کتو اور بانو اور بادشاہ کو پیار کردو اور سب کو سلام کہدو۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ

مکتوب ۸۰

تم کہتی ہو کہ یہ شعر (تم سلامت رہو ہزار برس) کی دعا میرے لئے زیادہ موزوں ہے مگر یہ کسی طرح صحیح نہیں۔ ہماری ضعیفُ العمری، کمزوری اعضاء کا جواب دیدینا، دانتوں کا یکے بعد دیگرے ٹوٹنا، پانی اترنے کا بننا، گھٹنوں اور پیروں میں کمزوری کا روز بروز بڑھنا وغیرہ اس قسم کی زندگی تو وبال جان ہے، نہ کھانے میں مزہ ہے نہ اٹھنے بیٹھنے میں نہ عبادت ہوسکتی ہے اور نہ دنیاوی مشاغل انجام پاتے ہیں ایسی زندگی تو گھروالوں پر بھی بوجھ ہی بوجھ ہے ہاں تم جوانوں کی زندگی البتہ مستحق دعا اور زیادتی ہے آج ۲۰ رمضان ہوگئے کئی روز سے جھڑی لگی ہوئی ہے تھوڑی تھوڑی دیر میں پانی برس رہا ہے سورج ڈیڑھ ہفتہ سے نہیں دکھائی دیا چاند بڑا ہوا ہے۔ بیٹھکوں کے کونے سے نمناک ہو رہی ہے خشکی اور پیاس کا نام بھی

نہیں روزے نہایت آرام سے گذر رہے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے تو کامیابی ہے یہاں روزانہ تراویح میں تقریباً آٹھ سو آدمیوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ ارشد شکایت کرتا ہے کہ خطوں میں اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا گیا تو اس نے بھی ہم کو کچھ لکھا؟ اس کے روزے اور قرآن سنانے سے خوشی ہوئی۔ ہم نے اس کی عیدی کے لئے اور بچوں سے زیادہ پانچ روپے بھیجے ہیں اوروں کو وہی دو دیئے اسعد اور میاں رشید اور دوسرے رفقاء سب کو سلام کہتے ہیں۔ والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۰ رمضان بانس کنڈی آسام

مکتوب ۸۱

جناب مولوی عبدالوحید صاحب ضلع ہگلی کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ قسطلانی شرح بخاری جلد ۹ صفحہ ۲۷۵ میں عبارت ذیل ہے۔

وقال ابن عبد البر فی التمہید عن سعید ابن المسیب قال بلغنی ان من قال

حاشیہ مکتوب ۸۱۔ بخاری پارہ تیئس باب رقیۃ الحیۃ والعقرب کے حاشیہ سے معلوم ہوا کہ سعید ابن المسیب کا بیان ہے کہ اگر کوئی شام کو سلام علیٰ نوح فی العالمین کہے تو اس کو بچھو ضرر نہ کرے۔

دوم حصن حصین کے نزل یوم الاثنین الرقیہ للدیغ بالفاتحہ کے کسی حاشیہ سے معلوم ہوا کہ علامہ قہستانی کے بیان کے موافق بذریعہ مشائخ کہ حیہ وعقرب حضرت نوح علیہ السلام سے بوقت طوفان نوح وعدہ کیا تھا جو تمہارا نام یاد کریگا اور سلام علیٰ نوح فی العالمین کہے گا تو ہم اسے ضرر نہ کرینگے۔ اب حضور سے دریافت یہ ہے کہ وہ روایت کونسی حدیث کے کس باب میں وارد ہے۔ محمد عبدالوحید پرسبہ کیکالا ضلع ہگلی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قسطلانی شرح بخاری سے جو عبارت نقل فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ علامہ عبدالبر مالکیؒ اپنی کتاب تمہید (جو موطا امام مالکؒ کی گویا سب سے اہم اور ضخیم شرح ستر جلدوں میں ہے بقول علامہ ابن حزمؒ لا اعلم فی الکلام علی فقہ الحدیث مثلہ) میں سعید بن المسیب جلیل القدر تابعی سے نقل کرتے ہیں کہ ابن المسیبؒ نے فرمایا کہ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص شام کو سلام علیٰ نوح فی العالمین پڑھ لیا کرے گا اس کو بچھو نہ کاٹے گا۔ نیز ابو القاسم قشیریؒ نے اپنی تفسیر قرآن مجید میں بعض تفاسیر سے نقل کیا ہے کہ سانپ اور بچھو دونوں حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ اس طوفان کے وقت ہم کو بھی سوار کر لیجئے۔ نوحؑ نے فرمایا کہ (باقی آئندہ صفحہ پر)

(باقی آئندہ صفحہ پر)

حین یمسی سلام علی نوح فی العالمین لم یلدغہ عقرب و ذکر ابو القاسم القشیری فی تفسیرہ. ان فی بعض التفاسیر ان الحیۃ والعقرب اتیا نوحًا فقالتا احملنا فقال نوح لا احملکما فانکما سبب الضرر فقالتا احملنا ونحن نضمن لک ان لا یضر احد ذکرک الخ اس عبارت سے آپ کے دونوں مسئلے معلوم ہو گئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۴ ۵/۲۶ ھ

مکتوب ۸۲

جناب اسد اللہ خانصاحب رئیس بگراسی ضلع بلند شہر کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ نے جس ہمدردی اور جن عنایات کا مظاہرہ فرمایا ہے میں اُن کے شکریہ سے قاصر ہوں اللہ تعالٰے آپ کو دونوں جہان میں فائز المرام فرمائے اور اپنی خوشنودی سے نوازے۔ میں بحمد اللہ خیر و عافیت سے ہوں اور بہت زیادہ مطمئن الخاطر ہوں اور الطاف خداوندی سے اُمیدوار ہوں کہ نتائج بہتر پیدا ہوں۔ ملاقات اور اخبار اور ڈاک جب سے نئے لوگ گرفتار ہو رہے ہیں بند ہے تنہائی جس قدر بھی مل جائے مطمئن اور خوش و خرم رہتا ہوں اجتماع میں وہ بات کہاں۔ ؎

دل ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ. میں تم کو اپنے ساتھ اس وجہ سے نہ رکھوں گا کہ تمہارا رہنا ضرر سے خالی نہیں. تب ان دونوں نے کہا کہ ساتھ لے لیجئے. ہم سب آپ سے وعدہ کرتے اور ضمانت دیتے ہیں کہ جو شخص "سلام علی نوح فی العالمین" پڑھتا رہیگا ہم اس کو ہرگز تکلیف نہ دینگے. بہرکیف اللہ تعالٰے کے کلام کی تاثیر کا منکر تو بے دین ہی ہوگا. خواص اشیاء، آیات وسور پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں اور مشائخ کا ان پر عمل درآمد ہے اسی طرح تعویذ وغیرہ کے جواز پر بھی کلام مکتوبات کے اندر موجود ہے البتہ تعویذ، دعیہ اور طرائقہ مشائخ کے سلسلہ میں اگر کوئی چیز ایسی ہو جس سے استعانت بغیر اللہ پایا جائے تو اس سے احتراز ضروری ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد من اتقی الشبہات استبراء لدینہ وعرضہ. ہزاروں شکوک وشبہات کا علاج ہے یعنی مطلب ارشاد نبوی کا یہ ہے کہ جو شخص شبہات سے پرہیز کرے گا وہ اپنے دین وا پنی آبرو محفوظ کر لیگا

اصلاحی

جو فراغت یہاں ہے باہر کب نصیب ہوتی تھی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے اور راضی رہنا ہوا جس حالت میں رکھے اس پر شاکر رہنا فریضۂ عبودیت ہے۔ ہم کو اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ حضرات سے مستدعی ہوں کہ استقامت اور اسلاف کرام (قدس اللہ اسرارہم) کے قدم بقدم چلنے کی دعا فرماتے رہیں گے۔ آپ میری طرف سے کسی قسم کا فکر نہ کریں آپ کا بار بار تکلیف کر کے آنا اور اپنے کاروبار میں حرج ڈالنا میری طبیعت پر بہت زیادہ بار ہوتا ہے میں ایک معمولی اور گنہ گار بندہ ہوں جو اسلاف کے لئے ننگ عار ہی رہا اس کے لئے اس قدر تکلیف اٹھانا بہت بیجا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۵ شعبان ۶۱ھ مراد آباد جیل

مکتوب ۸۳

شادی میں آپ کا دہلی، مراد آباد، رڑکی اور دیوبند سے لوگوں کو بلانا کیا یہ اسراف نہیں ہے ان لوگوں کے آنے کا خرچہ متعدد مصروفیتیں کیا یہ چیزیں دقت طلب نہیں ہیں اگرچہ بعض ایسی ہی تقریبوں میں مجھ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ (حضرت مولانا محمود حسن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ بہادر گڈھ حاضری کی نوبت آئی تھی مگر میرے محترم بزرگ اور اختشام ملک میں مسلمانوں کی موجودہ حیثیت اور حالت کے لحاظ سے بالکل ناجائز بن گئے ہیں یہ وجہ نہیں کہ امور غیر مشروعہ کا ارتکاب ہوتا ہے محتاط حضرات ایسے امور سے تو بچتے ہی ہیں ایک خاص وجہ یہ ہے کہ برادری کے لوگوں پر

حاشیہ مکتوب ۸۲ و ۸۳ جناب بھائی اسد اللہ خاں صاحب رئیس سے عرصہ کے بعد شوال ۶۰ھ میں ٹانڈہ شریف ملاقات ہوگئی۔ اب تو موصوف پر دوسرا رنگ غالب ہے یعنی مجذوب سالک کبھی ہوش و حواس کے ساتھ اور کبھی وارفتگی و سرشاری میں راتوں کو اٹھ کر جوش کو بھرنا، لوگوں کو تہجد کے لئے بیدار کرنا اور ننگے سر اور پابرہنہ والہانہ انداز میں سوز و گداز کے ساتھ اشعار پڑھنا، ہنسنا اور رُلانا اور بسا اوقات مجذوبانہ ادا سے کسی پر برس پڑنا معمولی بات تھی۔ آہ اب

نہ گل ہیں نہ وہ سبزہ نہ وہ بہار چمن
گلوں کی ہستی ہوئی ہے چمن میں بار چمن

اس کا اثر بُرا پڑتا ہے اور وہ اپنی تقریبات میں قرض اور سودی قرض لیتے اور بسا اوقات زمین کے فروخت کرتے یا رہن رکھنے پر مجبور رہتے ہیں مسلمانوں کی جائدادیں عموماً ان تقریبات اور مقدمہ بازیوں کی وجہ سے مہاجنوں کے قبضہ میں گئی ہیں۔ کاش اہل استطاعت سادگی اختیار کرتے تو برادری کے غریب ان مصیبتوں میں گرفتار نہ ہوتے۔ والسلام - ۳ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ مرادآباد جیل

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب ۸۴

مولوی صاحب کا مستقل طور پر ملازم ہوجانا باعث طمانیت ہے بالخصوص اہلیہ کے ساتھ صلح کرلینا اُن کے خسر صاحب کا راضی ہوجانا اور پھر اہلیہ کا اُن کے ساتھ روانہ ہوجانا یہ امور بہت زیادہ باعث طمانیت اور خوشی وقتی ہوئے آپ اُن کو مبارکباد لکھ کر میری طرف سے پُرزور تاکید لکھ دیجئے کہ اہلیہ محترمہ کی دل داری اور حسن معاشرت میں کوتاہی نہ کریں سخت کلامی اور سخت گیری سے بچیں، نماز پنجگانہ باجماعت کے ساتھ ذکر کا سلسلہ جاری رکھیں ذکر کہ ہرگز ہرگز نہ ہوں۔ جبکہ گھٹاسن کی آبادی چار ہزار یا اس کے قریب نفوس پر مشتمل ہے تو جمعہ پڑھنے کے لئے کیوں پالن پور جاتے ہیں وہیں کیوں نہیں پڑھتے تین ہزار یا اس کے قریب کی آبادی یقیناً شہر کے حکم میں ہے خصوصاً جبکہ مکانات کی پختگی اور اہل حرفہ کی موجودگی کی وجہ سے اُس نے شہر کی صورت بھی اختیار کرلی ہے۔ اپنے افسران کو راضی رکھیں اور عام لوگوں سے خوش اخلاقی اور ہمارے طریقہ پر رہیں۔ مسائل مختلف فیہا کی وجہ سے لڑائی جھگڑا پیدا نہ ہونے دیں۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۳ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

مکتوب ۸۵

جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم لدھیانوی کے نام

محترم المقام زید مجدکم - السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ مزاج مبارک - والانامہ مورخہ ۱۰ جنوری باعث سرفرازی ہوا۔ کمیونسٹ بات کے متعلق میری رائے نہیں تھی مجھ پر بار بار زور دیا گیا

مگر میں نے انکار کیا جس کے وجوہ متعدد تھے جن میں بڑی وجہ یہ ہے کہ بفضلہ تعالیٰ ہمارے پاس حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر کے مکتوبات کا وافی ذخیرہ نہایت مفید اور کارآمد موجود ہے اُن کے ہوتے ہوئے مجھ جیسے نالائق اور کم علم بے مایہ کے مکتوبات کا ہونا انتہائی شرمناک ہے اور ان بزرگوں کی ہمسری کا ادعا ہے کم از کم یہ تو ضرور ہے کہ اپنی انانیت کا مظاہرہ ہے آپ کو معلوم ہے کہ مجھ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ اور تبحر نہیں ہے نہ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم اور مولانا کفایت اللہ صاحب مرحوم کی ذکاوت ہے ۔ نہ مولانا شبیر احمد صاحب کی حسن تقریر و تحریر اور عالمیت ہے نہ ان حضرات کا تبحر اور وسعت علمی ہے ۔ پھر ان حضرات کے مکتوبات کا شائع نہ ہونا اور میرے مکتوبات کی اشاعت کس قدر بے شرمی اور انانیت کی بات ہے ۔ حضرت شیخ الہند حضرت نانوتوی حضرت گنگوہی قدس اللہ اسرارہم کے مکتوبات کہاں ہیں حسین احمد کون چیز ہے جس کے مکتوبات شائع کئے جائیں یہ عموماً لایعنی باتوں پر مشتمل ہوں گے خصوصاً جبکہ عدیم الفرصتی کی وجہ سے اور کم مائگی کی بنا پر جیلوں اور ریلوں میں لکھے گئے ہوں ۔ کتابوں کے ذخائر کے استمداد سے خالی ہو اور پھر تحریک آزادی کے انہماک نے مختلف اطوار اور احوال کے اندر مبتلا رکھا ہو کسی طرح مناسب نہیں تھا کہ ایسا ذخیرہ عام لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے ۔ مکتوبات علیحدہ علیحدہ ہونے میں اور حالت ہی چونکہ کاتب اور مکتوب الیہ کے معاملات خصوصیہ اور وقتی واقعات پر مبنی ہوتی ہے اور مجموعہ بصورت کتاب کی اور حالت ہے مگر احباب نے کچھ نہ سنا اور جمع کر کے بغیر دکھلائے ہوئے شائع کر دیا ۔ میں اس کو غیر مفید اور ناچیز بلکہ مضر سمجھتا تھا اس لئے میرا منع کرنا اور اُن کے زیادہ اصرار کا باعث ہوا میری کم مائگی ہرگز ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتی تھی

حاشیہ مکتوب ۸۵ و ۸۶ جس سلسلہ میں یہ والا نامے حضرت مدنی نے تحریر فرمائے ہیں وہ جلد اول کے مکتوبات ۳۰۵ پر مولانا الدھیانوی مرحوم کے اعتراض کے جواب میں ہے اور اسی لپیٹ میں اور باتوں کو بھی حضرت مدنی نے صاف فرما دیا ہے ۔

سب غدارکے یہاں پہنچ چکے اس لئے اب اس داستان کو دہیں پر چھوڑتے ہیں ۔

بہرحال جو نہ ہونا چاہئے تھا وہ ہو کر رہا مجھ کو بار بار یہی کہا گیا کہ اس سے لوگوں کو فوائد پہنچے اور پہنچیں گے واللہ اعلم اب اگر وہ مفید ہوں تو فمن اللہ اور اگر غیر مفید ہوں تو ننگ اسلاف کرام سے اس کے سوا ہو ہی کیا سکتا ہے۔

آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق تحریر کو پسند فرمایا فللہ الحمد والمنۃ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ مجھ کو اس کے طبع کے پہلے اور بعد میں دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔ نہ آپ کے نشان دیئے مقامات پر نظر ڈالنے کی نوبت آئی۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب مرحوم کے متعلق جو اُن کی تنخواہ حیدرآباد کے متعلق لکھا گیا ہے وہی مجھ کو علم ہے اور موثوق ذریعہ سے ہے ممکن ہے کہ غلط ہو مگر یہ بھی قابل غور ہے کہ سر اکبر حیدری صاحب نہ کوئی متشرع متقی تھے نہ اُن کو تحریکات آزادی سے لگاؤ تھا بلکہ انگریز کے پروردہ اور اُس کے آوردہ تھے وہ اگر تحریک آزادی کی رکاوٹوں میں حصہ لے کر حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کے مٹانے میں ایسے حضرات کو کام میں لائیں تو کیا تعجب ہے، میرے اور شیخ الہندؒ کے روکنے کے لئے کیا کیا نہیں کیا گیا اور کیسے کیسے طریقے نہیں برتے گئے اس کا علم واقفین اسرار انگریزیہ کو بہت کچھ ہے۔ میرے لئے تو بہت سے طرق ترغیب اور ترہیب کے لئے عمل میں لائے گئے اور اس میں بہت سے ثقات اور ارباب تقویٰ سے مدد لی گئی میں نہیں کہتا کہ وہ سب فاسد النیۃ تھے مگر اُنھوں نے کیا اور بہت کچھ کیا۔ بہت سے کمزور تھے وہ ڈر گئے اور جو کچھ نہ کرنا چاہیئے تھا کر گذرے بہرحال یہ زمانہ اور حال گذر چکا والعلم عند اللہ وھو الحسب لنا ولھم

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب مرحوم کے لئے وہ کلمہ غلط نہیں لکھا گیا واقعات تو بہت زیادہ ہیں اتنے کلمہ سے کوئی دوسرا زیادہ نفع نہیں اٹھا سکتا ہماری معلومات تو اب بھی پردہ ہی میں ہیں اور انشاء اللہ رہیں گی یوم تبلی السرائر کے شرور سے اللہ تعالیٰ اُن کو اور تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

مختوما! حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک نے بہت سوں کی قلعیاں کھول دیں اور بہت سے دوستوں کو دشمن اور بہت سے دشمنوں کو دوست ثابت کر دیا یا ظاہر کر دیا۔ مجیب ستمان تھا جس نے کھرے کھوٹے کا تمیز کر دیا۔ ع

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

عالیجاہا۔ آپکی یہ تنقیدات میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ کاش آپکی حضرت شیخ الہندؒ سے تنہائیوں میں باتیں ہوتیں تو شاید اس قدر حسن ظن یا اخفاپر ہم کو آپ مجبور نہ فرماتے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب ۸۶

آپ کو جو کچھ معلومات میرے خیال میں ہیں وہ بہت کم ہیں بہرحال جو کچھ گذرا گذرگیا ع

درمیان ما و جاناں ماجرائے رفت رفت

تلک اُمّۃ قد خلت لہا الآیہ۔ ناکارہ اس تحریک کا اُٹھانے والا نہ تھا بلکہ محرک مرحوم کا نالائق اور ناکارہ خادم تھا اور ہوں میرا خیال ہے کہ ادائے خدمت میں میں نے کوتاہی نہیں کی ؎

نہ مرنے مرنے محبت سے منہ پھیرا کبھی میں نے جفائیں سیکڑوں جھیلیں وفا پر اپنی نازاں ہوں

میں ہمیشہ کوشاں رہا کہ اکابر کی شان میں گستاخی اور سوء ادبی کی نوبت نہ آئے میرا خیال ہے کہ میں اس میں پوری طرح سے یا بڑے درجہ تک کامیاب رہا۔ واللہ اعلم۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۷ر رجب ۱۳۷۲ھ

مکتوب ۸۷

جناب محترم غلام محمد مصطفیٰ صاحب گرہٹیہ ہزاریباغ صوبہ بہار کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ مسلمانوں کی بہت سی مشکلات کا حل نیز خود اسلام کی ترقی اور اس کے بہت سے فرائض اور واجبات کی ادائیگی اجتماعی قوت اور صحت نظام پر موقوف ہے اندریں زمانہ انحطاط ہم

حاشیہ مکتوب ۸۶۔ حضرت اقدس السلام علیکم۔ حسب ذیل معروضات خدمت عالی میں پیش ہیں۔ سیدی! جمعیۃ علماء ہند کے اغراض و مقاصد پر پورا یقین رکھتے ہوئے ہم لوگ چاہتے ہیں کہ حضرت والا کی رہنمائی میں مسلمان باعزت زندگی گذارنے کے قابل ہو سکیں اس لئے ہماری یہ تمنا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کے نظام کی (باقی آئندہ صفحہ پر)

بالخصوص ان ملکوں میں جہاں اسلامی حکومت نہیں ہے اور مسلمان اپنی اقلیت کی وجہ سے وہاں پر نہایت کمزور اور ان کی آواز نہایت گری ہوئی ہے اشد ضرورت ہے کہ اُن میں اجتماعی قوت اور نظام مکمل ہو بالاخص انڈین یونین (بھارت) میں تقسیم ہند کے بعد یہ ضرورت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اس لئے تمام مسلمانوں کا عموماً اور علماء اسلام کا خصوصاً اہم فریضہ ہے کہ وہ جاگیں اور تحفظ اور بقاء کی صورتیں

حاشیہ بسلسلہ صفحہ گذشتہ - بقاء اور اُس کے پروگرام پر عملی جدوجہد سب دین کا کام ہے اور خدا کے یہاں اجر و ثواب کا باعث انشاء اللہ۔

میں بدقسمتی سے عالم دین نہیں ہوں لیکن علماء کی کفش برداری کا فخر حاصل ہے گر نتیجہ کو یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے کہ بہت سے علماء کرام جمعیۃ علماء کے کام میں کوئی اشتراک نہیں کرتے ہیں میں نے جب بھی اُن کی خدمت میں جمعیۃ کا کوئی پروگرام پیش کیا اور کچھ وقت مانگا گیا تو یہ کہہ کر ٹال مٹول کیا گیا کہ ہم بھی دین کا کام کر رہے ہیں مدرسہ چلا رہے ہیں تصوف کے مراحل طے کر رہے ہیں جس کے لئے شور و ہنگامہ مضر ہوتا ہے۔ پھر کس طرح سے ہم جماعتی کام کریں۔ حضرت والا کے بہت سے متوسلین اور خلفاء کے بھی یہی خیالات ہیں اور وہ غالباً جمعیۃ علماء کے کام میں وقت لگانا وقت کی بربادی سمجھتے ہیں۔ ان حالات میں ضرورت ہے کہ حضرت والا اپنے ایک واضح بیان کے ذریعہ جمعیۃ علماء کے ساتھ وابستگی کی شرعی حیثیت بیان کر کے راستہ صاف فرمائیں گے

اگر واقعی جمعیۃ علماء کی خدمت کرنا دین کا کام نہیں ہے اور جمعیۃ کی خدمت تضیع اوقات ہے تو پھر ہم لوگوں کی بھی رہنمائی کی جائے کہ اتنی دردسری کی ضرورت نہیں۔ مگر میں تو اب تک بلکہ اب اور زیادہ ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ وقت کی پکار ہے کہ جمعیۃ علماء کی ترقی ہم ہندی مسلمانوں کا نصب العین ہونا چاہیئے۔

(خویدکم احقر غلام محمد مصطفےٰ ناظم عمومی جمعیۃ علماء گریڈیہ ہزاری باغ بہار)

جناب غلام مصطفےٰ صاحب ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہزاری باغ صوبہ بہار کے ایک سوال کے جواب میں حضرت مولانا مدنی دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء ہند نے جو یہ مفصل والا نامہ تحریر فرمایا ہے وہ اخبار الجمعیۃ سنڈے ایڈیشن ۹ ستمبر ۱۹۵۱ء میں شائع ہو چکا ہے پورا خط اس لائق ہے کہ بار بار پڑھا جائے اس والا نامہ کی افادیت کا تقاضہ ہے کہ کسی قدر اس اسلامی جماعت و اسلامی تحریک پر روشنی ڈالی جائے اس کی اصل تاریخ کی ابتداء حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ العزیز کی ذات سے شروع ہوتی ہے آپ نے [illegible] میں اس کی داغ بیل ڈالی اور کام شروع کر دیا۔ مولانا شاہ اسحاق صاحب حضرت سید احمد بریلوی شہید اور شاہ اسماعیل شہید [illegible] کی بنیاد [illegible] بن کر جمعیۃ علماء کی ایک [illegible] آہنی دیوار قائم [illegible] شاگردوں اور مریدوں [illegible] آگے بڑھایا۔ ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ [illegible] جمعیۃ علماء ہند [illegible]

عمل میں لائیں۔ اختلافات کو مٹائیں اور اجتماعی قوتوں کو بڑھا کر صحیح نظام پر گامزن رہیں، ورنہ عند اللہ اور عند الناس تحت مواخذہ اور گرفت کے مستحق ہوں گے خود کو بھی برباد کریں گے اور قوم و ملت نیز دین و مذہب کی بربادی کا وبال بھی اپنے اوپر لیں گے۔ انھیں امور کو دیکھتے ہوئے باعزت اور سمجھدار بزرگوں نے جمعیۃ علماء ہند کی بنیاد رکھی تھی جو کہ اپنی ابتداء اور سالہا سال سے آجتک میدان عمل میں اپنی طاقت کے مطابق مخلصانہ سرگرمی چلی آرہی ہے مگر آج بہت سے ناعاقبت اندیش مسلمان اور علماء کرام اس میں جد و جہد کرنے اور جمعیۃ کے نظام کو بڑھا کر مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو بالا کرنے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ صدہا مضامین لکھے گئے اور ہزاروں تقریریں کر کے ملک کے گوشہ گوشہ میں اس کے نیک کارناموں کی تفصیلات پہونچائی گئیں اور یہ حقیقت ہے کہ جمعیۃ کے اراکین کی سعی و کوشش نے پورے ہندوستان کی مختلف مذہبی جماعتوں میں صرف یہی جماعت ہے جس نے ملک کی آزادی میں غیر معمولی حصہ لیا۔ پھر جب ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں نے قیامت برپا کی تو اس جماعت کی ایمان پسند تقریریں اور ہامرو نواز تحریریں ہزاروں اور لاکھوں مسلمانوں کے لرزتے ہوئے دلوں اور ڈگمگاتے ہوئے قدموں کا سہارا بنیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے زیادہ کیا اور ہر ہر محاذ پر ڈٹ کر فرقہ پرستوں کو آگاہ کر دیا کہ ہم تمہاری خون آشام تلواروں اور نت نئے پروپگنڈوں سے مرعوب ہونے والے نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اب بہت سے مسلمانوں سے مرعوبیت، دہشت اور احساس کمتری کا رنگ بہت حد تک دور ہو چکا ہے۔ سانس لینے کے لئے جب فضا سازگار ہو گئی تو چاہئے تھا کہ ہندوستان میں دعوت حق کی جو جماعتیں مدعی ہیں وہ سب مل کر اور ایک ہی رشتہ میں جڑ کر پورے امن اور سکون کے ساتھ وہ کام کرتیں جن سے مسلمانوں کے باہمی انتشار اور اختلاف کار کا سدباب ہوتا مگر ایسا نہیں ہو سکا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جمعیۃ علماء ہی ایک ایسی جماعت ہے جو فکر و عمل، اخلاق اور کردار کے اعتبار سے بحیثیت مسلمان ہونے کے اپنے اندر ایک مخصوص انفرادیت رکھتی ہے اور اپنے مخصوص نظام فکر و عمل کے ساتھ وابستگی میں کسی جماعت سے اس کو نہ تو تعصب ہے اور نہ وہ کسی سے مصالحت کرنے میں ذرا بھی متعصب ہے۔ اس کے اندر جھکاؤ اتنا دوسروں کو اپنے اندر جذب کرنے کی قوت موجود ہے کیونکہ کسی جماعت کا متعصب ہونا اور کٹر ہونا روح شریعت کے منافی ہے یہ کٹر پن جماعتوں کے محاسن میں سے نہیں ہے بلکہ معایب اور نقائص میں سے ہے مسلمانوں کی تاریخ میں متشدد جماعتوں کا جو حشر ہوا ہے وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے کیا آج ہندوستان کی تمام مذہبی جماعتوں سے پوچھا جا سکتا ہے کہ بھائیو! یہ تو بتاؤ کہ جمعیۃ علماء ہند سے آپ کی جماعت زیادہ پہلے سے قائم ہے یا جمعیۃ علماء؟ دوسرے یہ کہ جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم اور سکریٹری کے علم و عمل، خدمات، جہاد و قربانی، ایثار و جانبازی، اخلاص و للہیت، دانشمندی و ہوشمندی تجربہ اور تدبیر وغیرہ کے مقابل دوسرے وہ کون حضرات ہیں جن کی رہنمائی از روئے دیانت قبول کی جائے؟ (باقی آئندہ صفحہ پر)

سے جان چُرانے ہوئے نظر آرہے ہیں یہ اُن کی سخت غلطی ہے میں اُن کو متنبہ کرتا ہوا نیز ورد انہ لہجہ میں آگاہ کرتا ہوں کہ وہ اپنی انفرادی اصلاحی جدوجہد کے ساتھ ساتھ اجتماعی تقویت زیادہ سے زیادہ عمل میں لائیں ہرگز ہرگز اس میں غفلت اور سہل انگاری کو راہ نہ دیں ورنہ سخت خطرات سے دوچار ہونگے اور اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ ہندیونین میں جمعیۃ علماء ہند کے نظام کو زیادہ سے زیادہ مستحکم اور مضبوط بنائیں واللہ المستعان۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اگر جواب نفی میں ہے تو اختلاف اور شقاق، تفرق اور منازعت جو قرآنی اصطلاح میں "کفر" ہے اُس کی جو بھی تاویل کریں گے وہ شر ہی ہوگی خیر نہ ہوگی جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ جمعیۃ علماء ہند کا حکم عام جمعیتوں کا حکم نہیں ہے کہ اگر وہ باوقار اور کامیاب ہے تو ہم اس کے ممبر بنیں اور اس کی تائید کریں اور اگر وہ بے وقار اور ذلیل ہے تو اس کو مٹ جانے دیں بلکہ جمعیۃ علماء ہماری ایک مذہبی اور شرعی ضرورت ہے جس سے کسی حال میں ہم مستغنی نہیں ہوسکتے۔ جب ہمارا نظام صحیح حالت میں قائم رہا تو علماء کی جماعت ہی ارباب حل وعقد کی جماعت تھی۔ یہی لوگ اولوالامر تھے۔ انھیں کے پاس ہمارے حالات و مسائل آتے تھے۔ یہی ہمارے تقضاوارت کے تمام عہدوں کے سنبھالنے والے اور ہمارے تمام دینی و دنیاوی معاملات میں رہبر تھے اور اب کہ ہم بگڑنے کے بعد سنبھلنے کا ارادہ کر رہے ہیں تو ہمارا سب سے پہلا اور سب سے آخری فرض یقیناً یہی ہے کہ اس جماعت کو مقدم رکھیں۔ ہم نہ تو اس جماعت سے مستغنی ہوسکتے ہیں اور نہ اس جماعت کو چھوڑ کر کسی دوسری جماعت کی پیروی کرسکتے ہیں از روئے شریعت صرف یہی جماعت ہے جس کا قیام مسلمانوں پر ہر حال میں فرض اور اس کی اطاعت و پیروی ضروری ہے پس اگر کوئی شخص اس جماعت سے الگ ہو کر ملت میں افتراق اور جماعت میں بدنظمی پیدا کرے گا تو ہماری اجتماعی زندگی کا یہ کھلا ہوا قانون ہے کہ اس فتنہ کا سدباب کردیں۔ اس جماعت میں قیادت اور اجتہاد کا منصب صرف علماء کے لئے مخصوص ہے اور اُن کے فیصلہ کے صدور کے بعد ہر شخص کے لئے صرف سمع وطاعت ہے اس کے علاوہ کوئی بات کسی کے اختیار میں نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ کسی کی رائے علماء کی جماعت کے اجتہاد سے الگ ہو مگر پیروی سب کو اسی فیصلہ کی کرنی چاہیئے جو جماعت کا فیصلہ ہو۔ کیا جمعیۃ علماء ہند کے علاوہ کسی جماعت کو بھی حق ہے کہ مسلمانوں کی قیادت کرے؟ موجودہ جمعیۃ علماء ہند کے دستور اساسی یعنی اغراض و مقاصد یہی تو ہیں۔

(الف) اسلام، شعائر اسلام اور مسلمانوں کے آثار و معابد کی حفاظت (ب) مسلمانوں کے مذہبی، تمدنی اور تعلیمی حقوق کی تحصیل و حفاظت (ج) مسلمانوں کی مذہبی، تعلیمی، اخلاقی اور معاشرتی اصلاح (د) ایسے اداروں کا قیام جو مسلمانوں کی تعلیمی، تہذیبی اور معاشرتی (سوشل) زندگی کی ترقی و استحکام کا ذریعہ (باقی آئندہ صفحہ پر)

مکتوب ۸۸

جناب مولانا خلیق احمد صاحب استاذ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ والانامہ مورخہ ۳ جون باعث سرفرازی ہوا۔ مندرج مضمون کو دیکھکر تعجب ہوا۔ کیونکہ جناب مشایخ طریقت اور اُن کے احوال سلوک و طریقت اور اُس کے لوازمات شعر و سخن اور اُس کے انواع و اقسام وغیرہ سے بخوبی واقف ہیں پھر قصیدہ مذکور کے متعلق متردد ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ عرض ذیل ملاحظہ فرمائیں ۔

حضرت شیخ الہندؒ اگرچہ حضرت قطب العالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز سے بیعت تھے مگر منازل سلوک انھوں نے بامر مرشد حضرت گنگوہیؒ سے طے کئے تھے اور سالہا سال اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر ریاضات شاقہ اور ذکر و اشغال سلوک انجام دیتے رہے تھے تا آنکہ حضرت گنگوہیؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس اُن کی سیر و سلوک کی کامیابیوں کو تحریر فرمایا

حاشیہ مکتوب ۸۸ ۔ حضرت مخدوم و محترم مدظلکم العالی ۔ سلام مسنون ۔ اس زحمت کے لئے معذرت خواہ ہوں جب کوئی مشکل پیش آتی ہے بے اختیار آپکی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہوجاتا ہوں ۔ پرسوں بچھرایوں ضلع مرادآباد میں ایک دوست نے وہ مرثیہ دکھایا جو حضرت مولانا محمود حسنؒ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی وفات پر لکھا تھا اور جو مطبع بلالی ساڈھورہ ضلع انبالہ سے شائع ہوا تھا دوست کو اعتراض تھا کہ اس مرثیہ میں جذباتِ عقیدت و ارادت جس انداز سے ظاہر کئے گئے ہیں وہ مناسب نہیں مثلاً یہ کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کو بانئے اسلام اور خلفاء راشدین کا مثل اور تمام اکابر علماء صوفیہ کی خصوصیات علمی و باطنی کا حامل بنایا گیا ہے ۔ (باقی آئندہ صفحہ پر)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ ہوں۔ (ہ) اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انڈین یونین کے مختلف فرقوں کے درمیان میل جول پیدا کرنا اور اس کو مضبوط کرنے کی کوشش کرنا (و) علوم عربیہ و اسلامیہ کا احیاء اور زمانہ حال کے مقتضیات کے مطابق نظام تعلیم کا اجراء (ز) تعلیمات اسلامی کی نشر و اشاعت (ح) اسلامی اوقاف کی تنظیم و حفاظت

پھر کون مسلمان ہے جو دستور مذکور سے اختلاف کریگا اور جمعیۃ علماء ہند کے سوا کون دوسری جماعت ہے جو اس کو عملی جامہ پہنا سکتی ہے فانی توفکون ۔ (نوٹ) یہ خط اگست ۱۹۵۷ء میں لکھا گیا جبکہ مرض الوفات شروع ہو چکا تھا اسی زمانہ میں روزنامہ الجمعیۃ کے سنڈے ایڈیشن میں پھر شیخ الاسلام نمبر میں شائع کیا گیا۔

جس پر وہاں سے نعمت خلافت و اجازت سے نوازے گئے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ سلوک طریقت میں کامیابی کے لئے اولین شرط اور اہم رکن مرشد کے ساتھ ربط قلب از راعتقاد و محبت اور تعظیم کامل اور توحید مطلب ہے۔ بغیر اس کے کامیابی اس راہ میں ممکن نہیں۔ ضیاء القلوب ص۲۵ میں ہے

و ربط قلب با شیخ باعتقاد و محبت و تعظیم تمام دریں راہ سلوک شرط مقدم و رکن اعظم است

امداد السلوک ص۔ میں ہے۔

پس چوں با او بیعت کند فرمانبردار او شود و بتوحید مطلب حلقہ اطاعت او در گوش کشد و توحید مطلب ایں کہ بداند بجز ایں شیخ معین موصوف صفات مرا در عالم کسے بمطلب نتواں رسانید اگرچہ دیگر شیوخ اقران او باشند و بایں صفات موصوف بوند و ایں رکن اعظم است اگرچہ توحید مطلب ندارد پراگندہ ہر جائے ماند و مشوش شود خدا ہم پروائے او نہ کند کہ در کدام صحرائے ہلاک شود بلکہ چنانکہ حق و قبلہ یک است

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ص۶ پر ایک شعر ہے

زباں پر اہل اہوا کی ہے کیوں اعلیٰ ہبل شاید اٹھا عالم سے کوئی بانئے اسلام کا ثانی

ص۱ پر ہے۔

جو ایج دین و دنیا کی کہاں لیجائیں ہم یارب گیا وہ قبلہ حاجات روحانی و جسمانی

ص۱۵ پر ہے۔

شہید صالح و صدیق حضرت ہیں باذن اللہ حیات شیخ کا منکر جو ہے اس کی نادانی

اس طرح کے اور بھی اشعار اس مجموعہ میں شامل ہیں دریافت طلب یہ امر ہے۔

(۱) کیا یہ مرثیہ حضرت شیخ الہند ہی کی تصنیف ہے؟ (۲) مذکورہ بالا اور اس انداز کے دوسرے اشعار کے متعلق جناب والا کی رائے کیا ہے؟ نیلین۔ نفیس منزل۔ ۳۰ رجون ۱۹۵۶ء

مکتوب ۸۳ اپنے مفہوم اور مدعا میں محتاج تشریح نہیں ہے۔ ضیاء القلوب اور امداد السلوک کی فارسی عبارتیں جس مسئلہ پر حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے روشنی ڈالی ہے اس کی خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب ۹۹ جلد دوم میں توضیح فرما دی ہے وہاں ضرور دیکھ لیا جائے اس لئے ہم نے فارسی عبارتوں کے ترجمہ کو چھوڑ دیا ہے۔ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے مرثیہ کے بارے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ اشارات فرمائے ہیں وہ اہل (باقی برصفحہ آئندہ)

شیخ راہ رساں را ہم یک دانند و بسیاراں دریں پراگندگی ہلاک شدند پس اگر خطرہ ہم دارد
کہ در عالم کسے بجز ایں شیخ مرا بمطلب تواند رسانید شیطان دروے تصرف کند و از جائے
لغزاند و بسیار شود کہ شیطان بصورت پیر درآمدہ اور اغواء کند و چنیں اشیاء نماید کہ با
عقیدہ او بر باطل معتقد گردد معاذ اللہ و بتوحید مطلب ہرگز شیطان راہ نہ یابد بہ تمثل
بایں شیخ نتواند الخ

حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرہ العزیز کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ اپنے مرشد بختیار کاکی قدس سرہٗ العزیز کے ساتھ خواجہ اجمیری کی مجلس میں حاضر تھے کوئی چیز پینے کی دودھ یا شربت وغیرہ پیش کی گئی تو مرشد حضرت کاکیؒ نے ارشاد فرمایا کہ مجلس کے سب سے بڑے کو پیش کرو انھوں نے پھر حضرت صاحب ہی کو پیش کی انھوں نے سرزنش فرمائی اور فرمایا کہ مجلس کے سب سے بڑے کو پیش کرو انھوں نے پھر حضرت کاکیؒ ہی کو پیش کیا پھر حضرت کاکیؒ نے سرزنش فرمایا تو حضرت خواجہ اجمیری نے فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو یہ اپنے حال میں ہیں اور معذور ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے تین قسم کے تھے بعضوں کا یہ خیال تھا کہ خواجہ معمولی اولیاء ہیں بعضوں کا خیال تھا کہ اعظم اولیاء میں سے ہیں بعضوں کا خیال یہ تھا کہ اس زمانہ میں اُن کا کوئی مثل نہیں ہے فرماتے ہیں کہ ہر ایک کو اُن کے عقیدہ کے موافق فیض پہونچا اور اپنے آپ کو قسم ثالث میں فرماتے ہیں چنانچہ اُن کو وہ فیض پہونچا جو کہ ظاہر و باہر ہے۔ الغرض فنا فی الشیخ ہونا سلوک میں ضروری اور اقوی ذریعہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ذوق کے لئے کافی ہیں کیونکہ اس طرح کی چیزیں عربی اور فارسی بلکہ اُردو کے مستند شعراء جن پر مذہب کا غلبہ رہ چکا ہے اُن کے کلام میں بھی موجود ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ حضرت شیخ الہند تو اونچے درجہ کے شاعر تھے اور نہ شاعری اُن کے محاسن میں سے تھی اس لئے بعض الفاظ کھٹک کا باعث ہو گئے۔ مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ تو بڑے باکمال شاعر اور ادیب تھے اور سیرۃ النبی جیسی بلند پایہ تصنیف آخرت کا سب سے بڑا ذخیرہ نجات ہے مگر جب اپنے اُستاد مولانا فیض الحسن سہارنپوری شارح حماسہ کا مرثیہ لکھا تو یہ شعر بھی آخر کار قلم سے نکل ہی گیا خدا معاف فرمائے۔

بگیریں از کجا سنجند لطف طبع رنگینت ، بزنہاں ندانم چوں پسندی ہمزباں بودن

کامیابی ہے۔ حضرت شیخ الہند کے یہ الفاظ اور اس قسم کے دیگر جملے اسی فنائیت فی الشیخ کے مظاہر ہیں جو کہ حضرت شیخ الہند کے سلوک میں کمال کو بتلاتے ہیں اس جگہ پر آپ حضرت امیر خسرو رح و مولانا جامی حافظ شیرازی وغیرہ اہل معرفت و شیریں کلام شعراء رحمہم اللہ تعالےٰ کی تشبیہات بلیغہ، استعارات تحقیقیہ استعارات تخییلیہ، استعارات بالکنایہ، ترشیحات، تجریدات، کنایات وغیرہ سے جن کے بغیر کلام میں شیرینی اور حلاوت پیدا ہی نہیں ہوتی اور کلام بمنزلہ "دندان تو جملہ در دہان است" ہو جاتا ہے اور جن کے ہوتے ہوئے حقیقت مراد نہیں ہوتی، غافل نہ رہیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۶ ۱۱/۵ ھ

مکتوب ۸۹

حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ العزیز کی طرف جو عبارت منسوب ہو وہ نظر سے گذری اس میں ہے

"چوں در عہد رسول اللہ صلعم آں سجدہ	جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ
برخاست اکنوں وقت اباحت ماند اگر مستحب	میں وہ سجدہ جاتا رہا تو اب اس کی اباحت باقی رہ گئی
نباشد مباح باشد بر مباح نفی و منع کجا	اگر مستحب نہ ہوگا تو مباح تو ہو ہی گا۔ لہذا مباح
آمدہ است"	چیز پر ممانعت کے کیا معنی۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر اباحت کی نفی اور ممانعت ثابت ہوجائے تو اس کا اعتبار ہوگا

تفسیر عزیزی پارہ الم ص۱۷۷ میں ہے (سجدہ کی تقسیم فرماتے ہوئے)

دوم آنکہ برائے	دوسری صورت یہ ہے کہ سجدہ عزت کرنے

حاشیہ مکتوب ۸۹ حضرت مخدوم و محترم مدظلکم العالی سلام مسنون۔ حج بیت اللہ سے واپسی پر مبارکباد قبول فرمایئے اللہ تعالےٰ عرصہ تک آپ کا سایہ مسلمانوں کے سر پر قائم رکھے کہ ان کی علمی اور دینی زندگی کو ذات عالی سے بڑی تقویت ہے غالباً "تاریخ مشائخ چشت" اور "حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی" نظر سے گذری ہونگی مگر میں کچھ عرصے مشائخ چشت کے حالات کی ترتیب میں مصروف ہوں اور پانچ جلدوں میں اس کام کو مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت زحمت دینے کا مقصد ایک مشکل کا حل تلاش کرنا ہے اس وقت مشائخ چشت کی روایات کی حامل صرف آپکی ذات گرامی ہی ہے اس لئے یہ جانتے ہوئے کہ وقت آپ کے لئے عنقا کی حیثیت رکھتا ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

تکریم و تحیۃ باشد مانند سلام و سرخم کردن وایں	اور سلام کرنے کے طور پر ہو محض سلام اور سر کو
معنی باختلاف رسوم و عادات و تبدل ازمنہ	نیچے کردینا یہ سجدہ رسوم اور عادات کے اختلاف اور
اوقات مختلف است گاہے جائز است وگاہے	زمانہ کے الٹ پھیر سے کبھی جائز اور کبھی حرام چنانچہ سابقہ امم
حرام در امتہائے سابقہ جائز بود چنانچہ در قصۂ	میں جائز تھا۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام
حضرت یوسف و اخوان ایشاں واقع شدکہ	کے قرآنی قصہ میں اُن کے بھائیوں سے واقع ہوا
وخرواله سجدا" و در شریعت ما ایں طریق	اور ہماری شریعت میں سجدہ یا سر جھکانے کی یہ صورت
فیما بین مخلوقات حرام و ممنوع است بدلیل	حرام اور ممنوع ہے جس کا ثبوت بہت سی متواتر حدیثوں سے
احادیث متواترہ کہ دریں باب وارد شدہ الخ	ہو رہا ہے۔

احادیث اُس کی ممانعت میں بکثرت ہیں جن میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر انکار کیا گیا ہے یقیناً ان کا سجدہ سجدۂ عبادت نہیں تھا بلکہ سجدۂ تحیۃ ہی تھا حضرات صحابہ۔ ولا نعبدوا الا ایاہ اور اُس کے ہم معنی آیات سے بخوبی واقف تھے اس لئے محبوب سبحانی قدس اللہ سرہ العزیز کے قول سے بھی اس کی ممانعت ثابت ہوگی مشکوٰۃ المصابیح ص۱۳۷ و ص۲۳۳ اور دیگر کتب صحاح میں اس قدر روایات موجود ہیں کہ بقول حضرت شاہ عبدالعزیز رح درجہ تواتر رکھتی ہیں۔

سلسلہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ زحمت دینے کی جرأت کر رہا ہوں فوائد الفواد ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاء مرتبہ میر حسن سجزی میں لکھا ہے کہ حضرت بابا فریدؒ اور حضرت محبوب الٰہی کی مجلس میں سجدہ کی رسم جاری تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے اعتراض کیا اور جھگڑنے پر آمادہ ہوا۔ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا "شنو غلبہ کن کہ ہر امرے کہ فرض بودہ باشد چوں فرضیت برخیزد استحباب باقی ماند چنانچہ ایام بیض و ایام عاشورا بر امم ماضیہ فرض بود در عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوں روزہ ماہ رمضان فرض شد آں فرضیت ایام بیض و ایام عاشورا برخاست اما استحباب باقی ماند۔ آمدیم در سجدہ۔ سجدہ میان امم ماضیہ مستحب بود چنانکہ رعیت بادشاہ را و شاگرد مر استاد را و اُمت پیغمبر را سجدہ میکردند چوں در عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آں سجدہ برخاست اکنوں رفت در اباحت ماند۔ اگر مستحب نباشد مباح باشد بر مباح نفی و منع کجا آمدہ است (فوائد الفواد نولکشور ص۱۵۹) اس مسئلہ پر آپ کی کیا رائے ہے۔ میرا مقصد کسی مناظرانہ بحث کو شروع کرنا نہیں ہے صرف علمی حیثیت سے سمجھنا چاہتا ہوں مشایخ چشت شریعت و سنت کے سختی سے پابند تھے انھوں نے اس رسم کو کس طرح جائز رکھا ؟ ممنون ہونگا اگر اپنی پہلی فرصت میں (ملاحظہ ہو صفحہ آئندہ)

۲۱ ستمبر کو عریضہ درباره سجدۂ تعظیمی جناب کی خدمت میں ارسال کیا ہے چونکہ میں اس وقت سفر کی جلدی میں تھا اس لئے آپ کے والا نامہ پر پوری طرح غور نہ کر سکا اور حضرت محبوب سبحانی رح کی طرف منسوب شدہ عبارت کے متعلق مختصراً عرض کر دیا تھا سفر سے واپسی پر آپ کے والا نامہ پر اطمینانی حالت میں غور کرنے کا موقع نصیب ہوا تو معلوم ہوا کہ جناب کا منشا کچھ اور ہی ہے آپ فرماتے ہیں میرا مقصد کسی مناظرانہ بحث کو شروع کرنا نہیں ہے صرف علمی حیثیت سے سمجھنا چاہتا ہوں مشائخ چشت شریعت و سنت کے سختی سے پابند تھے انھوں نے اس رسم کو کس طرح جائز رکھا اس لئے عرض یہ ہے کہ سجدہ دو قسم کا ہے (۱) سجدۂ عبادت (۲) سجدۂ تحیۃ۔ سجدۂ عبادت بالاتفاق تمام اُمتوں میں غیر اللہ کے لئے حرام اور ممنوع تھا اور ہے اور سجدۂ تحیہ امم سابقہ میں مباح اور جائز تھا اُمت محمدیہ میں اسکو بھی منع کر دیا گیا حضرت شاہ عبدالعزیز تفسیر عزیزی پارہ الم ص۱۷۱ میں فرماتے ہیں۔

بحث دوم آنکہ حقیقت سجدہ پیشانی — سجدہ کی حقیقت ماتھے کا زمین پر پہنچا دینا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اس طرف توجہ فرمائیں۔ عرصہ سے تمنا ہے کہ ایک دو دن کے لئے دیوبند میں حاضر ہوں اور سعادت قدمبوسی حاصل کروں کیا اکتوبر کے آخر ہفتہ میں آپ کا قیام دیوبند میں رہے گا امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ خاکسار خلیق احمد نظامی۔

جناب مولانا خلیق احمد نظامی اُستاذ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں آپکی علمی خدمات میں مشائخ چشت شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے اس کتاب کی مقبولیت اور اس کی افادیت سے مشائخ چشت رحمہم اللہ تعالیٰ کو جاننے اور پہچاننے میں بڑی مدد ملی۔ .... اُردو زبان پر آپ نے بڑا احسان فرمایا کیونکہ ایسا مستند تذکرہ اردو زبان میں کوئی اور دوسرا نہیں لکھا جا سکا ہے اللہ تعالیٰ اجر عظیم دے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے سیاسی خطوط اور حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ بھی آپکی کوششوں اور دلی جذبات کی زندہ تصاویر ہیں۔ اس مکتوب گرامی کی فارسی عبارتوں کو ہم نے صحیح کر دیا اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ عام لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچ جائے۔

خلاصہ مکتوب یہ ہے کہ ہر فن میں فن والے کی رائے ہی حجت اور دلیل بن سکتی ہے اور صحت حدیث کے بعد کسی بڑے سے بڑے امام فن کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہمارے حضرت مدنی رحمۃ اللہ پر سنت کا جو غلبہ رہ چکا ہے اُس کے لئے ہم مفصل الگ لکھیں گے انشاء اللہ۔ اصلاحی

برزمین رسانیدن است واین معنی در شرع برائے غیر خدا جائز نیست و درین جا فرشتگان را بادائے این فعل برائے حضرت آدم علیہ السلام امر فرمودہ اند وجہ این امر چیست؟ جوابش آنکہ پیشانی را برزمین رسانیدن بردو طریق واقع می شود یکے آنکہ برائے حق معبودیت باشد واین قسم درجمیع ادیان وجمیع ملل برائے غیر خدا حرام وممنوع است وہیچ گاہ جائز نشدہ زیراکہ از محرمات عقلی است ومحرمات عقلیہ بہ تبدل ادیان وملل تبدل نمی شوند ودلیلش آنکہ این نوع تعظیم مشعر بغایت تذلل است وغایت تذلل برائے کسے سزاوار است کہ درغایت عظمت باشد وغایت عظمت آنست کہ ذاتی باشد وعظمت ذاتی خاص بحضرت حق است درہیچ مخلوقے یافتہ نمی شود دوم آنکہ برائے تکریم وتحیتہ باشد مانند سلام وسرخم کردن واین معنی باختلاف رسوم وعادات وتبدل ازمنہ واوقات مختلف است گاہے جائز است وگاہے حرام درامتہائے سابقہ جائز بود الخ وسجود فرشتگان برائے آدم علیہ السلام بہمیں طریق بود زیراکہ بہ نیت تعلیم

یہ شریعت میں خدا کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں تو پھر فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے لئے کیوں حکم فرمایا گیا آخر اس کا جواب کیا ہے ؟ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ پیشانی کے زمین پر رکھ دینے کی دو صورتیں ہیں ۔ ایک اس طرح کہ حق معبودیت سمجھ کر زمین پر رکھ دینا تو یہ تمام مذاہب اور ادیان میں سوائے خدا اور کسی کے لئے جائز نہ تھا اور نہ کبھی جائز ہوگا کیونکہ یہ طریقہ محرمات عقلیہ میں سے ہے اور جن چیزوں کی حرمت عقلاً ثابت ہو وہ ادیان و مذاہب کے ردوبدل سے کبھی بدل نہیں سکتی ۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ تعظیم کی یہ نوع غیر معمولی تذلل یعنی فروتنی اور عاجزی کرنا ہے یہ غیر معمولی عاجزی ایسی ہی ذات کے سامنے لائق ہے کہ جو عظمت اور کبریائی ذاتی طور پر رکھتی ہو یہ عظمت ذاتی سوائے اللہ تعالے کے کسی مخلوق میں موجود نہیں ہے دوسری صورت یہ کہ تکریم وتحیتہ کے طور پر جیسا کہ ذکر ہو چکا فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اسی دوسری قسم میں سے تھا کیونکہ آدم علیہ السلام کو اسماء وغیرہ کی تعلیم کی وجہ سے فرشتوں پر ایک طرح برتری حاصل ہو گئی

اسمائے حضرت آدم را آسانی وتفوقے بر فرشتگان حاصل شدہ بود و از فرشتگان قبل از پیدائش نسبت بایشاں سوء ادبی وقوع یافتہ بود برائے مکافات آں احسان وکفایت آں بے ادبی ملائکہ را مامور باین نوع تعظیم وتکریم ساختند۔

تھی اور فرشتوں کو اُسے حضرت آدمؑ کی پیدائش سے پہلے اُن کے متعلق کچھ بے ادبی ظاہر ہو چکی تھی اس کے تدارک میں فرشتوں کو اُن کی تعظیم کا حکم دیا گیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تحیۃ کی ممانعت ان احادیث سے معلوم ہوتی ہے جو کہ کتب احادیث میں اتنی کثرت سے موجود ہیں کہ حد درجہ تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں۔ قرآن شریف میں اس کا وقوع انبیائے سابقین کے زمانہ میں مذکور ہے اس اُمت کے لئے اس کی صراحت ممانعت کی موجود نہیں ہے (اگرچہ التزاماً موجود ہی) چونکہ حضرات مشایخ چشت حضرت بابا فرید اور حضرت محبوب سبحانیؒ کے زمانہ میں ہندوستان میں کتب حدیث بہت کمیاب تھیں علم حدیث بھی رائج نہ تھا اس لئے ان حضرات کو ان احادیث صحیحہ متواترہ کا علم نہیں ہوا اس لئے باوجود شدت اتباع شریعت وسنت ان حضرات سے ایسے امور پائے گئے ہوں تو کچھ تعجب نہیں۔ حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ دربارہ رفع سبابہ در نماز (جس کو مجدد الف ثانی اپنے مکتوب میں منع فرماتے ہیں اور مرزا صاحب مرحوم بوجہ احادیث صحیحہ اس کے استحباب وسنت کے قائل ہیں) اپنے مکتوبات میں ارشاد فرماتے ہیں

"اگر گویند کہ حضرت مجدد باں علم اوسع از احادیث ثبوت رفع سبابہ مگر آگاہ نہ بود گویم باز زمانہ مبارک حضرت ایں کتب در رسائل در دیار ہند شہرت نیافتہ بود از نظر مبارک ایشاں نہ گذشتہ کہ ترک نمودہ اند و گرنہ ہرگز ہرگز ترک رفع نمی نمودند کہ ایشاں حریص ترین اکابرین بر اتباع سنت بودہ اند (کلمات طیبات مکتوبات مرزا صاحبؒ)"

اگر کہا جائے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ کو باوجود غیر معمولی وسعت علم کے تشہد میں التحیات کے اندر کلمہ کی انگلی سے اشارہ کی حدیث نہیں پہونچی تو مرزا جان جاناںؒ فرماتے ہیں کہ آپکے زمانہ میں ان کتابوں اور رسالوں کی ہندستان میں عام طور پر شہرت نہ تھی اس لئے آپکی نظر مبارک سے نہیں گذرے ورنہ آپ کبھی ترک رفع سبابہ نہ فرماتے آپ سنت نبوی کے تتبع میں بڑا بجا درجہ رکھتے تھے اور سنت کے غیر معمولی حریص تھے۔

مرزا مظہر جانجاناںؒ کا یہ ارشاد حضرت مجددؒ کے متعلق ہے کہ حضرت باباصاحبؒ اور حضرت محبوب سبحانیؒ سے بہت متاخر ہیں حالانکہ اس زمانہ میں علم حدیث کا چرچا بہ نسبت سابق ہو چلا تھا۔ حضرت شیخ عبد الحق صاحب بخاری الدہلویؒ حرمین شریفین سے علم حدیث لیکر آ چکے تھے اور لمعات اشعۃ اللمعات وغیرہ کتابیں اس زمانہ میں لکھی گئی تھیں تاہم احادیث کی کتابیں کمیاب اور غیر مشہور ہی تھیں اس لئے حضرت باباصاحب اور حضرت محبوب سبحانیؒ کا ان احادیث سے ناواقف ہونا کسی طرح بعید نہیں ہے۔ یقیناً اگر یہ حضرات ان احادیث صحیحہ متواترہ کو پاتے تو ضرور بالضرور سجدہ تعظیمی کو ترک کراتے اور سخت مخالفت فرماتے۔ واللہ اعلم

ہندوستان میں علم حدیث اور کتب حدیث کی شہرت حضرت شاہ ولی اللہؒ سے ہوئی ہے نیز عرض ہے کہ یہ اکابر علم طریقت اور تصوف کے ائمہ عظام ہیں علم ظاہر اور شریعت کے امام نہیں اس کے امام حضرت امام ابوحنیفہ و امام محمد و ابو یوسف اور فقہاء کرام ہیں اس بارہ میں اُن کا قول و فعل حجت ہوگا۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اور حضرت جنید بغدادی حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند حضرت خواجہ معین الدین سجزیؒ کے اقوال اور فتاویٰ اور اعمال حجت نہ ہونگے۔ اگرچہ یہ حضرات علم طریقت کے سب سے اونچے پہاڑ ہیں۔ لکل فن رجال رحمھم اللہ تعالیٰ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔ ۸ صفر ۱۳۷۵ھ

مکتوب ۸۹

جناب مولانا سید حامد میاں صاحب مقیم پاکستان کے نام۔

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ و رزقکم رضاہ فی الدنیا و الآخرۃ آمین۔ بعد از سلام مسنون آنکہ بحمد اللہ احوال نہایت اُمید افزا ہیں اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے نعمائے جلیلہ سے نوازا ہے آئندہ بھی اُس کے فضل و کرم سے قوی اُمید رکھنی چاہیئے کہ وہ کریم کارساز درجات عالیہ پر پہونچائے اور اپنی خوشنودی اور قرب سے مالا مال کرے آمین۔

مراقبہ اور حضور ذاتِ مقدسہ محضہ میں اس قدر انہماک رہنا چاہیئے کہ دوام حضور کی نعمت حاصل ہو جائے الذین ھم علی صلوٰتھم دائمون کا منظر قائم ہو جائے اسی کے ساتھ ساتھ اتباع شریعت اور اتباع سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں زیادہ سے زیادہ ہمیشہ کوشاں رہنا ضروری ہے۔ میں آپ کو طرق اربعہ معروفہ میں بیعت کرنے کی اسی طرح اجازت دیتا ہوں جس طرح میرے آقا حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے مجھ کو عطا فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے اور آپ کے ذریعہ سے فیض اکابر طریقت جاری فرمائے۔

جدوجہد اور مراقبہ و ذکر میں پوری مشغولیت کے ساتھ علوم دینیہ کے مشاغل کو جاری رکھیں اور اسلاف کرام کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے رہیں اور اس ناکارہ کو دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ رزقنا اللہ وایاکم رضاہ وفضلہ فی الدارین۔ آمین

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۴ شوال ۱۳۶۸ھ

مکتوب نمبر ۹۰

بہت مبارک ہو۔ بارگاہ سرور عالم سے جو کچھ نصیب ہو وہ سراسر خیر و برکت ہے اتباع شریعت اور اتباع سنن نبویہ جس قدر بھی ممکن ہو اس کا خیال رکھیں۔ والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۹۱

ہدی اصطلاحًا ایک مقام ہے مقامات سلوک میں سے گذرنے والا جب وہاں سے گذرتا ہے تو یہ

حاشیہ مکتوب نمبر ۹۰ آج قریب صبح بین النوم والیقظہ بلکہ نیند ہی میں ایسا معلوم ہوا کہ گویا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا اترا ہوا قمیص جو سفید رنگ کا اور طویل تھا مجھے عنایت ہوا کہ پہنوں وہ قمیص مبارک استعمال شدہ تھا یہاں تک کہ اس کی گردن پر جس طرح کپڑا پہننے سے کچھ میل سا ہو جاتا ہے ایسا ہی تھا حضرت صلعم کی زیارت بھی ہوئی اور اسوقت دراز قد کیا۔ (تمام میاں)

حاشیہ مکتوب نمبر ۹۱ حضرت والا سے ایک سوال ہے کہ کیا ہدیٰ ہر ہادی اور مجاز کو کہا جاتا ہے یا قطب وغوث اور فرد کی طرح یہ بھی کوئی خاص عہدہ ہے کیونکہ اس حقیر نے خواب میں اس جگہ جہاں یہ لکھا ہے کہ دودھ بچا کر رکھ لیا اپنے بارے میں یہ بات سنی یا نہیں آئی کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہٗ نے بھی یہی لکھا ہے کہ ہدیٰ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغیر حیز میں پہنچیں گی (حالانکہ حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ نے غالباً یہ بات نہیں تحریر فرمائی اپنے بارے میں (باقی آئندہ صفحہ پر)

لقب اس کو محسوس ہوتا ہے (یعنی بعض سالکین کو) بعض اشخاص سمجھ بیٹھتے ہیں کہ مہدی موعود اور مقام سکو والا مہدی ایک ہی ہیں اور وہ غلطی میں پڑ کر دعوی کر بیٹھتے ہیں اور خرابیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں الحاصل مہدی تین ہیں لغوی، اصطلاحی، موعود اوّل یعنی لغوی وہ شخص مصداق ہے جسمیں ہدایت کاملہ ظہور پذیر ہوئی خواہ ظاہری ہو یا باطنی یا دونوں واللہ اعلم ۔ والسّلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مکتوب ۹۲

جناب مولانا محمود حسن صاحب پیارم پیٹ صوبہ مدراس کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ بفضلہ تعالیٰ چھ روز قیام کر کے گنٹور، ناگپور، آگرہ، دہلی ہوتا ہوا ۲۷ جولائی کو دیوبند پہونچ گیا ۔ حضرت مہتمم صاحب ۲۵ جولائی کو محمدی جہاز سے حج کے لئے روانہ ہو چکے تھے ۔ والانامہ میں جو امور ذکر فرمائے گئے ہیں ان کا علم مجھ کو بالکل نہ تھا ۔ چونکہ میں عدیم الفرصت رہتا ہوں اور اب ضعیف بھی بہت ہو گیا ہوں اس لئے دارالعلوم کو دیکھنے کی نوبت بالکل نہیں آتی اور نگرانِ اعلیٰ جناب مہتمم صاحب کی نگرانی پر اعتماد رہتا ہے ۔ آپکی تحریر بغور دیکھی اور پھر یہ نمبر ماہ صفر ۱۳۷۳ھ منگا کر دیکھا اور مضمون میں غور کیا ۔ میرے خیال میں اگرچہ مولانا محمود احمد صاحب نے

حاشیہ مکتوب ۹۲ ۔ حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز کا یہ والانامہ اپنی افادیت تحقیق اور تنقید صحیح کا شاہکار ہے ۔ ساتھ ہی نہایت صاف، شگفتہ اور سلیس بھی ہے اس لئے ہم ان فارسی عبارتوں اور مسئلہ وحدۃ الوجود کو واضح کر دینا چاہتے ہیں جو مکتوب گرامی میں بہتوں کے لئے دشواری کا سبب ہو سکتے ہیں ۔ دادا پیر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ وحدۃ الوجود کی جس عبارت کو درج فرمایا گیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ مسئلہ وحدۃ الوجود کو اس وجہ سے چھپانا چاہئے اور ظاہر نہ کرنا چاہیئے کہ اس مسئلہ کا ثبوت نہایت ہی نازک، باریک اور عوام کی فہم تو درکنار ایسے علماء ظاہر جو کہ اہل اللہ اور عارفین کی اصطلاحات کو نہیں جانتے وحدۃ الوجود کو سمجھ نہیں سکتے ۔ علماء رد علماء و صوفیہ (باقی آئندہ صفحہ پر)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ یہی لفظ ایک اور خواب میں بھی بہت روز پہلے استعمال ہوتا دیکھا تھا (حامد میاں)

آپ کے بقیہ خطوط جلد چہارم کے لئے تبرکاً رکھ چھوڑے گئے ہیں انشاء اللہ درج ہونگے ۔

اصلاحی

درجۂ اعتدال سے ہٹ کر کچھ سختی اختیار کی ہے مگر وہ نہ تصوف کے منکر ہیں اور نہ بیعت لینے اور ذکر و شغل ریاضات و مراقبات وغیرہ اعمال سلوک کے مخالف ہیں وہ تصوف کو کتاب و سنت اور شریعت کے لباس میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ غلاۃ صوفیہ اور جہال پیروں کے غیر شرعی اعمال و اقوال سے لوگوں کو بچانا چاہتے ہیں اس قسم کی تحریریں ہمارے اکابر کے کلام میں بھی موجود ہیں۔ قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز اپنے رسالہ وحدۃ الوجود میں ارشاد فرماتے ہیں۔

در استتار ایں مسئلہ فائدہ ہمیں کہ اسباب ثبوت ایں مسئلہ بسیار نازک و نہایت دقیق فہم عوام بلکہ فہم علماء ظاہر کہ از اصطلاح عرفا عاری اند قوت درک آں نمی داند چہ علماء بلکہ صوفیائے کہ ہنوز سلوک خود تمام ناکردہ باشند و از مقام نفس گذشتہ بمرتبہ قلب نارسیدہ ازیں مسئلہ ضرر می یابند واز مکر نفس و تزلزل و لغزش پا در چاہ اباحت و قعر ضلالت سرنگوں می افتند بلکہ گروہا افتادہ اند کما شہد ناھم نعوذ باللّٰہ من ذٰلک جناب ہم نیک میداند کہ ایں مسئلہ خاصیت عجیب میدارد ع

بعض را ہادی و بعضے را مضل

جن کا سلوک بھی ناتمام ہے اور مقام نفس سے گذر کر قلب کے مرتبہ تک رسائی نہیں اس مسئلہ سے اُن کو نقصان پہونچا ہے نفس کے فریب اور قدم کے اپنی جگہ پر قائم نہ رہنے کی بنا پر مباحات اور ضلالت کے گڑھے میں مُنہ کے بل بہت سے لوگ گر پڑے جیسا کہ مشاہدہ ہے اللہ اس سے محفوظ رکھے ۔ اس مسئلہ کے دو رخ ہیں بعضوں کو اس سے ہدایت ہوئی اور بعض گمراہ ۔ جو لوگ صحیح اور تندرست ہوتے ہیں اُن کو اس سے لذت اور مٹھاس ملتی اور جو مریض نفس ہوتے ہیں ان کو یہ زہر قاتل بن جاتا ہے اسی بنا پر صوفیاء کرام نے فرمایا ہے کہ جو شخص ربوبیت یعنی خدائی کے راز کو فاش کرے اُس نے کفر کیا۔ لہٰذا وحدۃ الوجود کو ظاہر نہ کرنا ہی بہتر اور اولیٰ ہے ۔ سب سے پہلے جس ذات گرامی نے اس مسئلہ میں غور و خوض فرمایا وہ حضرت شیخ اکبر محی الدین بن عربیؒ تھے آپ نے اس مسئلہ کو ظاہر اور مدلل فرما کر تمام اللہ والوں پر احسان عظیم فرمایا ہے جس سے قیامت تک کوئی خدا پرست احسان فراموشی نہیں کر سکتا ۔ نہایت لطف کی بات یہ ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ جو محی الدین بن عربیؒ کے ہم عصر بھی تھے اور ایک ہی جگہ کے رہنے والے تھے ۔ لوگوں نے حضرت سہروردیؒ سے حضرت شیخ اکبرؒ کے متعلق پوچھا کہ وہ کیسے بزرگ ہیں ؟ آپ نے فرمایا کہ " وہ بد دین ہے " قول شیخ اکبر کی صحبت سے دور رہو گے ۔ پھر جب ان کی وفات ہوگئی تو حضرت سہروردیؒ سے (ملاحظہ ہو صفحہ آئندہ)

ہر چند نعمت خوشگوار است۔ اصحاب را ازاں لذت وحلاوت حاصل۔ مرشما را تلخ و ناگوار و درحق شاں زہر قاتل۔ برائے ہمیں فرمودہ اند من صرح اسرار الربوبیۃ فقد کفر۔ استتار آں لازم افشائے آں ناجائز۔ اول کسے کہ دریں مسئلہ خوض فرمود شیخ محی الدین بن عربی است قدس اللہ سرہ العزیز اجتہاد او دریں مسئلہ و اظہار آں بہ براہین واضحہ برگردن جمیع موحدان تاقیام قیامت منت نہاد۔ لطف اینجا است کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز ہم عصر و ہم بلد او بود مرداں حال شیخ اکبر ازو پرسیدند گفت نعوذ زندیق مرداں از صحبت او احتراز می کردند چوں بعد وفات از شیخ الشیوخ حال آخرت او پرسیدند فرمودند مات قطب الوقت من کان ولی اللہ ہمہ مرداں تعجب کردند پرسیدند کہ چرا او را زندیق گفتی مارا از استفادہ محروم داشتی گفت او ولی و واصل بحق بود اما جذبہ قوی داشت ہر چند مقرب بارگاہ بود لیکن قابل اتباع نبود در زمان اخیر مجذوب شدہ و زبان او در افشائے اسرار بے اختیار شدہ اگر شما در صحبت او برسیدند

سلسلہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ شیخ اکبر کی آخرت کے بارے میں سوال کیا آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے زمانہ کے قطب تھے اور بہت بڑے ولی اللہ تھے۔ لوگوں نے سہروردیؒ سے عرض کیا کہ زندگی میں آپ نے ان کو زندیق فرما کر ہم کو اُن کے فیوض و برکات علوم و معارف اور صحبت سے دور رکھا اور مرنے کے بعد ولی کامل وغیرہ سے یاد فرماتے ہیں آخر کیا راز تھا؟ سہروردیؒ نے فرمایا کہ وہ واصل بحق ہو گئے تھے اور اُن کا جذبہ نہایت قوی تھا لیکن وہ پیروی کے لائق نہ تھے کیونکہ آخر میں مجذوب ہو گئے تھے چنانچہ اُن کی زبان اسرار کے ظاہر کرنے میں بے قابو ہو گئی تھی اگر لوگ اُن کی صحبت میں جاتے تو زیادہ تر گمراہ ہو جاتے اُن کی باتیں عوام اور علماء رسوم کی سمجھ میں آنے والی نہ تھیں۔ پس مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ مسئلہ وحدۃ الوجود کو ہر کس و ناکس کے درمیان میں لانے کے مجاز نہیں۔ اس مسئلہ میں گفتگو لاحاصل اپنے وقت کو اور عوام کے اعتقاد کو ضائع کرنا ہے۔ فقیر کا طریقہ یہ ہے۔ چاہیئے کہ فقیر کے احباب اور مریدین بھی اس مسئلہ پر قیل و قال کرنے سے احتراز کریں اور بچتے رہیں۔ جو لوگ پوچھیں کچھ اشارات ایسے انداز سے کردیں کہ انکار لازم نہ آئے۔ بہت سے لوگ اس مسئلہ وحدۃ الوجود کے لئے مجلسیں منعقد کرتے اور شیخی بگھارتے ہیں خود گمراہ ہوتے اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں جیسا کہ تجربہ ہے۔ اصلی بات یہ ہونی چاہیئے کہ لوگوں کو اللہ کی طرف متوجہ کیا جائے اور دنیا سے بے رغبتی کے ساتھ ذکر اللہ اور فکر آخرت کی طرف رغبت پیدا کی جائے وغیرہ وغیرہ (ملاحظہ ہو صفحہ آئندہ)

گمراہ می شدید چراکہ از غلبۂ حال سخناں کہ می گفت در فہم نمی آمد و عوام را زیاں دارد اگر دانید
بر شماتت نہادم۔

پس اینجا غور باید فرمود کہ مرداں راچہ می رسد کہ باکس و ناکس بازار مسئلہ وحدۃ الوجود
گرم داریم و عوام را کہ جزوے از ایمان تقلیدی می دارند از آں ہم بے نصیب سازیم دریں
جا گفتگو بے حاصل است وقت خود و اعتقاد عوام ضائع کردن است ۔

معارف آگاہا! برائے ہمیں احتیاط احباب فقیر مثل فقیر زبان ازیں قیل و قال بستہ
میدارند و احتراز می کنند۔ سائلاں را اشارت بتاویلات نمایند تا انکار آں مسئلہ نگردد
و بسیار مردم بدست آویز ایں مسئلہ سرشیخی برداشتہ مجلسہا می آرایند خود گمراہ شدہ گروہ
مسلماں را گمراہ می سازند چنانچہ مشاہدہ می افتد پس ازیں قیل و قال چہ فائدہ اگر می باید
مرداں را طلب حق و ترک تعلق دنیا و کثرت ذکر و فکر تحریص باید فرمود داں باید کوشید الخ
کلیاتِ امدادیہ ص ۱۲۹ رسالہ درمیان وحدۃ الوجود ص ۳۷۲)

یہ مفصل عبارت متنبہ کرتی ہے کہ اس میدان میں بہت زیادہ تیقظ اور تثبت کی ضرورت ہے اور
تقریر و تحریر میں نہایت احتیاط لازم ہے خصوصًا اس وجہ سے کہ متصوفین میں متعدد امور جاذب انظار

سلسلہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ تھوڑی سی مسئلہ وحدۃ الوجود کی تشریح کر دی جاتی ہے تاکہ کچھ تو اس مسئلہ کی واقفیت علمی طور پر ہو جائے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک توحید کی چند قسمیں ہیں (۱) توحید ایمانی (۲) توحید علمی (۳) توحید حالی (۴) توحید الٰہی (۵) توحید وجودی۔ شیخ اکبر حضرت محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ توحید وجودی کے علمبردار تھے اور صوفیائے کرام میں بہت سے لوگوں کا یہی مذہب ہے ۔ ہمہ اوست اور وحدۃ الوجود کہ تمام عالم اسی ہستی مطلق کی مختلف شکلیں اور صورتیں ہیں اس بنا پر ایک ذات واحد موجود ہے اور تعدد جو محسوس ہوتا ہے محض اعتباری اور ظنی ہے اس کے قائلین میں حضرت مولانا روم بھی ہیں صوفیہ کے نقطۂ نظر سے ذات باری ہی کے مظاہر کا نام عالم ہے۔ اس گذارش کے بعد وحدۃ الوجود یہ ہوگا کہ وجود کو ایک ذات حق میں منحصر و محدود رکھا جائے اس کے سوا کسی اور کا حقیقتًا وجود ہی تسلیم نہ کیا جائے ۔ یہ ہے مسئلہ وحدۃ الوجود کی علمی تشریح ۔ شیخ اکبرؒ پر وحدۃ الوجود منکشف تھا اس لئے یہ دلائل اور براہین کے معیار و مدارک سے خارج محض ذوقی اور وجدانی ثابت جس پر دو انکار (دیکھئے مقدمہ)

وقلوب ایسے موجود ہیں جو کہ عوام الناس کے دماغوں اور افکار کو مسخر اور گرویدہ بنا لیتے ہیں ۔

(الف) دنیا سے اعراض و بے رغبتی

(ب) لوگوں کو ایذا نہ دینا ۔

(ج) مجامع لہو و لعب سب و شتم وغیرہ سے مجتنب رہنا

(د) ریاضات شاقہ کو عمل میں لانا ۔

(ہ) ہر ایک کے ساتھ اخلاق حسنہ کو اختیار کرنا

(و) ذکر کی کثرت کرنا ۔

(ز) عبادات کو زیادہ سے زیادہ کرنا ۔

(ح) ان سب سے بڑھکر یہ کہ بسا اوقات اُن سے بعض خوارق عادات کا ظہور ہونا ۔ عوام کے نزدیک یہ امور قبولیت بارگاہ خداوندی کے زبردست گواہ ہیں اور اُن کی حاجات کے پُوری ہونے کے قوی ذرائع ہیں (حالانکہ یہ گمان صحیح نہیں ہے) خوارق عادات کا مبنیٰ ریاضات نفسانیہ ہیں جو کہ اسلام پر بھی

سلسلہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ کرنا لاحاصل ہے ۔ جس طرح شیخ اکبر کی یہ عبارتیں موحش اور مشکوک نظر آتی ہیں مثلاً "سبحٰن الذی خلق الاشیاء وھو عینھا" و قول "فھو عین ما بطن و عین ما ظھر" وغیرہ اسی طرح اسی فتوحات کے اندر خود انہیں کی توضیح موجود ہے جس کو حضرت جامیؒ نے لمعات کی شرح میں نقل فرمایا ہے قال "فھو عین کل شیٔ فی الظھور ما ھو عین الاشیاء فی ذواتھا سبحانہ وتعالیٰ بل ھو ھو والاشیاء الاشیاء" اس سے شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ذوق کا صحیح اندازہ ہوتا ہے اور یہ مسئلہ شرعاً بھی زیادہ خطرناک نہیں رہ جاتا ۔ تاہم احتیاط ضروری ہے

استدراج کی تعریف یہ ہے کہ وہ باتیں جو خلاف قیاس کسی سے ظاہر ہوں اگر نبی و رسول سے ظاہر ہوں تو اس کا نام معجزہ ہے اور اگر ولی خدا پرست سے ظاہر ہوں تو اس کا نام کرامت ہے اور اگر کافر سے ظاہر ہوں تو اس کا نام استدراج ہے جن اسلامی فرقوں کا نام اس والا نامہ میں آگیا ہے جیسے حشویہ، مجسمہ، معتزلہ، خوارج، روافض اور جہمی وغیرہ یہ گمراہ فرقے ہیں ۔ لمعات اور اشعۃ اللمعات مشکوٰۃ کی عربی و فارسی شرحوں کا نام ہے جن فرق باطلہ کا نام اس والا نامہ میں آگیا ہے ان پر جلد دوم میں بحث گذر چکی ہے ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مکتوب گرامی سلوک بالنبوۃ کا عطر اور تصوف کی افراتفری پر بڑی ہی اہم تنبیہ ہے جس نے علم کے ایک باب کو کھولدیا ہے جو دوسرے ہیان اصلاح کے یہاں بھی موجود نہیں ہے حتی کہ اکابر نے بھی اس طرح کی کوئی شاید ہی تنبیہ کی ہو ۔

موقوف نہیں کبھی کبھی یہ امر غیر مسلموں میں بھی پایا جاتا ہے جس کو استدراج کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے)
بہر حال متصوفین پر کنٹرول کرنا اور ان کو قیود شرعیہ اور کتاب و سنت کی حدود میں مقید کر دینا
از بس ضروری ہے ورنہ عام مسلمانوں میں سخت گمراہی اور الحاد کے پھیل جانے کا قوی امکان ہے
خصوصًا اس وجہ سے کہ جوش عشق خداوندی اور غلبہ سکر میں صوفیہ سے ایسے ایسے افعال و اقوال
صادر ہو جاتے ہیں جن کی شریعت کے احاطہ میں کوئی جگہ نہیں ہے اگر ان کی روک تھام نہ کی گئی تو
انتہائی فتنوں کا سامنا ہوگا۔ علماء کا فریضہ ہے کہ ظاہر شریعت کی مکمل حفاظت کریں۔
مولانا محمود احمد صاحب کو اس پر غصہ آیا ہے کہ بڑے بڑے اکابر نے صوفیہ کی بڑی بڑی
ہفوات پر تو پردے ڈالے ہیں اُن کے اقوال اور افعال کی جائز و ناجائز تاویلیں کی ہیں اس میں
کتابیں تصنیف کی ہیں۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارہ میں مستقل تصنیف فرمائی ہے اور
صریح سے صریح بغاوت و مخالفت شریعت کی دور دراز تاویلیں کر کے اُن کو رازداران ملت قرار دیا
ہے ادھر حفاظ شریعت کی ادنیٰ سے ادنیٰ زلات اور غلطیوں پر مواخذہ فرمایا جاتا ہے اور اُن کی خدمات
جلیلہ کو بالکل بھلا دیا ہے کسی کو حشویہ میں سے کسی کو مجسمہ میں سے کسی کو معتزلی کسی کو جہمی کسی کو رافضی کسی
کو خارجی وغیرہ قرار دیا ہے یہی غصہ اُن کا حضرت شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی پر ہے وہ حضرت
شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات علمیہ اور تقویٰ و طہارت اُن کی خدمات دینیہ کے منکر نہیں ہیں۔ لمعات اور
اشعۃ اللمعات وغیرہ صحیح اور مستند کتابوں کا کون انکار کر سکتا ہے۔ بہر حال جو اثر آپ نے ان حضرات
کی عبارت سے لیا ہے وہ میرے خیال میں افراط سے خالی نہیں ہے۔ آپ بھی تصوف کی جنبہ داری
اور اُس سے محبت میں اعتدال سے بڑھ گئے ہیں جیسے محمود احمد صاحب موصوف ظاہر شریعت اور
حاملین شریعت کی جنبہ داری میں اعتدال سے کچھ آگے نکل گئے ہیں اس لئے میرے خیال میں مدیر رسالہ
کا نوٹ کافی ہے اور اگر آپ ناکافی ہی شمار فرماتے ہیں تو ہم آپ کے اس مضمون کو آپ کی طرف سے شائع
کرنے کے لئے تیار ہیں یا آپ اس تنقیدی مضمون کو ذرا تفصیل زائد سے تحریر فرما دیں ہم کو اس کی اشاعت
میں کوئی پس و پیش نہ ہوگا۔ مولانا محمود احمد صاحب کی تحریر مو دودیوں کی تحریر ہے میرے خیال میں

بہت متفاوت ہے غور فرلیئے ۔ واللہ اعلم

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند ، ۹ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ

مکتوب ۹۳

جناب مولانا محمد صاحب مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام سنت پورہ لائل پور کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ والا نامہ مورخہ ۲۳ ر نومبر باعث سرفرازی ہوا مضمون دیکھ کر تعجب ہوا ۔ مودودیان کرام کس منہ سے انبیاء علیہم السلام کے متعلق عصمت کے دعویدار اور دوسروں پر گرفت کرنے والے ہو سکتے ہیں جبکہ اُن کے نزدیک انبیاء گذشتہ میں سے کوئی بھی نہ معیار حق ہے نہ تنقید سے بالاتر ہے نہ اُس کی ذہنی غلامی جائز ہے ۔ دیکھئے دستور جماعت اسلامی صـ

" رسول اللہ کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو ہر ایک کو خدا کے بنائے ہوئے اس معیار کامل پر جانچے اور پرکھے جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اُس کو اسی درجہ میں رکھے ۔"

اور جبکہ تمام انبیاء علیہم السلام سے بشمول جناب خاتم النبیین حضرت محمد علیہ السلام عصمت کے اُٹھ جانے اور معاصی کے صادر ہونے کے قائل ہیں ۔ دیکھئے تفہیمات جلد ثانی صـ ۴۳

حاشیہ مکتوب ۹۳ ۔ حضرت محترم دام ظلہٗ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مزاج گرامی ۔ عرض یہ ہے کہ تصفیۃ العقائد صـ ۲۴ و ۲۵ کو بغور مطالعہ فرما کر حضرت نانوتوی قدس سرہٗ العزیز کی ان عبارات کا مطلب واضح فرما کر ممنون فرمائیں ۔ انبیاء علیہم السلام کے کذب پر بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ۔" جب اس قدر آزار معتولین دفع فساد کے لئے ثواب مستحسن ٹھہرا تو کذب صریح بغرض دفع فساد و اعلاء کلمۃ اللہ کیوں کر مستحسن نہ ہوگا ۔ بالجملہ علی العموم کذب کو منافی شان نبوت باین معنی سمجھنا کہ یہ معصیت ہے اور انبیاء علیہم السلام معصیت سے معصوم ہیں خالی غلطی سے نہیں ۔"

مودودیان کرام یہ الزامات اکابر دیوبند پر لگاتے ہیں کہ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں بلکہ مستحسن ۔ والسلام مع الاکرام براہ کرم نوازش جواب باصواب سے مشرف فرمایا جائے ۔

محمد عفی عنہ مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام محلہ سنت پورہ لائل پور پاکستان

اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں ہو جانے دی ہیں تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں"۔

ایسی تصریحات اور ایسے عقائد کے بعد ان کو کیا حق ہے کہ اکابر دیوبند کے متعلق کوئی ہرزہ سرائی کریں اور بے سوچے سمجھے کوئی الزام تراشیں العجب العجب۔ تصفیۃ العقائد کی عبارت پر جو کچھ تنقید کی جاتی ہے بغیر غور و فکر ہے یہ بحث سر سبک کی اس عبارت کا جواب ہے۔

سلسلہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اللہ تعالیٰ جماعت اسلامی کے نوجوانوں کو ہدایت کے بعد توفیق بخشے کہ وہ اقامت دین سے پہلے اپنے کو علم و عمل اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ کر لیں اور دینی دعوت کے نام پر عہد حاضر کی پیچ باز سیاسی ٹولیوں کی طرح پروپیگنڈہ، زیب دہی کے ذریعہ قیل و قال کا بازار گرم کرنا اور بے سر و پا امور کو چھیڑ کر بزرگوں پر تنقید کے لئے بیتاب نہ ہوں یہ ایسے قبائح شرعی و اخلاقی ہیں جس کا صحیح طور پر اندازہ عہد قدیم و جدید کی گمراہ ٹولیوں سے ملتا جلتا ہے۔ اگر پروپیگنڈہ پر دین کی بساط قائم ہوتی تو اسلام آج سے پہلے بھی اپنے ہاتھوں ختم ہو چکا ہوتا بلکہ اسلام کی غیر معمولی ترقی کا راز عمل صالح اور محاسن اخلاق میں مضمر تھا اور ہے چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان میں کہ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے"۔ ایسا معیار و محک بن گیا تھا کہ جس کے لئے پہنچوانے اور بتانے کی ضرورت نہ تھی۔ اس نالائق کا پس منظر مولانا محمد صاحب کے سوال کے اندر موجود ہے اس کو بغور ملاحظہ فرمانے کے بعد حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے مکتوب گرامی کی تحقیق اور افادیت، قابل ہے کہ آب زر سے لکھ کر اپنے پاس رکھا جائے ایسے پر پیچ اور علمی مسئلہ کے اشکال کو جس خوبی اور دلائل و براہین سے واضح فرما کر اسلامی جماعت کے انیانہ ذہن ایجنٹوں کو سبق دیا ہے وہ کافی سے زائد ہے حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ کی جس اردو عبارت کی آڑ میں علماء دیوبند پر چاند ماری کی گئی ہے یہ جماعت اسلامی کی صریح بد دیانتی کے مرادف ہے۔ اولاً تو اس کار خیر کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیا مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے اقامت دین کے اندر کوئی رکاوٹ ہو رہی تھی؟ یا اگر خاکم بدہن علماء دیوبند کے خدانخواستہ عقائد و خیالات غلط بھی ہوں تو اس سے ان کو کوئی خاص فائدہ پہونچ جائیگا؛ پھر اس پاپڑ بیلنے کی ضرورت ہی کیا تھی یہی ناکہ غلط سلط شور و غوغا مچا کر ان کو الجھا کر یا اور سیدھا کریں اور مرعوب کر دیں تاکہ وہ ہمارا راستہ چھوڑ دیں۔ ورنہ اگر ان کو تحقیق کرنی ہوتی تو اس کے صدہا ذرائع تھے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم برداشتہ جن عربی اور اردو عبارتوں کو درج فرمادیا ہے اس کے نظائر کتب معانی و بلاغت، اصول فقہ اور کلام کی کتابیں بھری پڑی ہیں اس کے بعد ہم در مختار اور شامی کی تھوڑی سی ان عبارتوں کو درج کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جس کا ذکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس والا نامہ میں فرمایا ہے۔ در مختار کی عبارت یہ ہے۔ جو نفع مضرت اور جلب منفعت کا ایک نہی ضابطہ ہے (دیکھئے صفحہ آئندہ)

"تمام افعال اور اقوال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سچائی تھے مصلحت وقت کی نسبت رسول کی طرف کرنی سخت بے ادبی ہے جس میں خوف کفر ہے مصلحت وقت سے میری مراد وہ ہے جو عام لوگوں نے مصلحت وقت کے معنی سمجھے ہیں یعنی ایسے قول و فعل کو کام میں لانا جو درحقیقت بیجا تھا مگر مصلحت وقت کا لحاظ کرکے اس کو کہہ دیا گیا"

اس کا حقیقی جواب ص۲۳ کی مندرجہ ذیل عبارت سے شروع ہوتا ہے۔

"ہم دعویٰ کرتے ہیں اور سب اہل عقل انشاء اللہ تسلیم ہی کریں گے کہ کذب بمعنی گفتار مخالف واقع "خود قبیح نہیں"

اس تفصیل میں کذب کے معنی "گفتار مخالف واقع" میں مبالغہ اور کنایات اور استعارات تمام اقسام مجاز داخل ہو جاتے ہیں جن میں معنی مطابقی مراد نہیں ہوتے اور بسبب قرائن نقلیہ یا عادات نوعیہ یا رواجات عرف عام معانی التزامیہ قریبہ یا بعیدہ مراد ہوتے ہیں ایسی عبارتیں کلام اہل فصحاء و

حاشیہ بسلسلہ صفحہ گذشتہ

الکذب مباح لاحیاء حقہ ورفع الظلم عن نفسہ والمراد التعریض لان عین الکذب حرام قال وھو الحق الخ (ص۳۰۲)

اپنے حق کو حاصل کرنے اور اپنی ذات سے ظلم کو ہٹانے کے لئے جھوٹ کہہ دینا مباح ہے مراد اس سے تعریض ہے کیونکہ صریح جھوٹ تو حرام ہے اور یہی حق ہے۔

علامہ شامی حاشیہ میں بڑی لمبی چوڑی تشریح فرماتے ہیں۔ واعلم ان الکذب قد یباح وقد یجب والضابط فیہ کما فی تبیین المحارم وغیرہ عن الاحیاء ان کل مقصود محمود یمکن التوصل الیہ بالصدق والکذب جمیعا فالکذب فیہ حرام وان امکن التوصل الیہ بالکذب وحدہ فمباح ان ابیح تحصیل ذلک المقصود وواجب ان وجب تحصیلہ کما لو رأی معصوما اختفی من ظالم یرید قتلہ وایذاءہ فالکذب ھھنا واجب وکذا لو سألہ عن ودیعۃ یرید اخذھا یجب انکارھا الخ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جھوٹ کبھی مباح اور کبھی واجب کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ ہر محمود مقصد کو اگر حاصل کرنا جھوٹ اور سچ دونوں کے ذریعہ ممکن ہو تو ایسے موقعہ پر جھوٹ قطعاً حرام ہوگا اور اگر صرف جھوٹ ہی کے ذریعہ حصول ممکن ہو تو اس جگہ مباح ہوگا۔ جس طرح مقاصد مباح اور واجب ہوتے ہیں اس کا حاصل کرنا بھی اسی (ملاحظہ ہو صفحہ آئندہ)

دلبغاریں عام طور سے پائی جاتی ہیں

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں - واما ابو جھم فلا یضع عصاہ عن عاتقہ الحدیث شاعروں کے اکثر مقالات غیر مبالغہ والے بھی اس میں داخل ہیں شاعر کہتا ہے

انا ادعوك ليلًا ونهارًا .

داخل مجلساعن شکرک وغیرہ جن میں شاعر کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ غلط بات کو صحیح کر دکھائے اور جھوٹ کو سچ ثابت کر کے اس کی ترویج کرے بلکہ صناعت شعریہ کی بنا پر یہ خیالات واقع گفتار لانا ضروری سمجھتا ہے بخلاف کاذب کے کہ اس کا مقصد غلط بات کو صحیح کرنا اور اس کی ترویج کرنا ہوتا ہے اور اسی تعریف میں معاریض بھی داخل ہیں جن کے معانی مطابقیہ کچھ اور ہوتے ہیں اور انھیں کو متکلم مراد لیتا ہے مگر اہل عرف مویدات خارجیہ کی وجہ سے دوسرے معنی سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ معاریض مشابہ کذب ہو جاتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد" لایدخل الجنتہ عجوز" فرمانا اور" فی عین زوجك بیاض" فرمانا اور "نحملك علی ولد البعیر" فرمانا اسی قبیل سے ہے

سلسلہ حاشیہ صفحہ گذشتہ - طرح مباح اور واجب ہوتا ہے۔ مثلاً ایک مظلوم ظالم کے قتل کے خوف سے روپوش ہے ایسی جگہ جھوٹ بول کر جان بچانا واجب ہو جاتا ہے یا اسی طرح اگر کسی نے امانت ہڑپ کرنے کی نیت سے دریافت کیا کہ کہاں ہے بتاؤ وہاں جانتے ہوئے انکار کر دینا ضروری اور واجب ہو جاتا ہے۔ شامی کی یہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ نہ صرف تعریض بلکہ کذب صریح بھی خاص خاص صورتوں میں جائز ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والا نامہ میں اس قول یعنی " ان فی المعاریض لمندوحۃ عن الکذب یعنی معاریض میں جھوٹ بولنے سے بچاؤ ہے۔ کی نسبت جس طرح حضرت علیؓ اور عمران بن حصین کی طرف سے اس طرح مرفوعاً یہ روایت بسند صحیح آنحضرت صلعم سے بھی ثابت ہے الخ صحاح ستہ اور مسند امام احمد میں یہ روایت نہیں ہے بلکہ اس کو ابوبکر بن ابی الدنیا نے کتاب المعاریض میں روایت کیا ہے۔ ابن مفلح مقدسی کے علاوہ ابن قدامہ نے مغنی میں بھی اس پر اعتماد کیا ہے انھیں حادیث اور آثار کی بنا پر حنفیہ، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ معاریض کے جواز کے قائل ہیں وفی تفسیر ابن الجوزیؒ فی قولہ تعالیٰ (بل فعلہ کبیرھم ھذا) المعاریض لا تذم خصوصًا اذا احتیج الیھا ثم ذکر خبر عمران بن حصین۔ موطا شریف میں مرسلاً صفوان بن سلیم سے موجود ہے۔ ان رجلًا قال یارسول اللہ اکذب لامراتی فقال لا خیر (دیکھئے صفحہ آئندہ)

ملہ بظاہر مبالغہ والے ہے

انبیاء علیہم السلام سے جو خلاف واقع گفتار منقول ہے وہ اسی قسم کی ہے حضرت علی اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں " ان فی المعاریض لمندوحۃ عن الکذب " حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی یہی صادر ہوا تھا یہ معاریض کسی حاجت دینی کی بنا پر واقع ہوئی ہیں اور اسی تعریف میں وہ قصص اور کہانیاں بھی داخل ہیں جو بزبان طیور و حیوانات و اشجار اکثر حکماء اور مصلحین اور ادباء سے لوگوں کو سمجھانے اور راہ راست پر لانے کے لئے مثل کتاب کلیلہ ودمنہ یا بچوں کو بہلانے کے لئے یا وحشت وغیرہ دفع کرنے کے لئے بطور داستان گوئی عمل میں لائی جاتی ہیں۔

اس تعریف میں وہ دروغ تعریضی بھی داخل ہوجاتا ہے جس کا نفع اس کے ضرر سے زیادہ ہو جیسے مقاصد حربیہ اور جہاد کے اغراض ہیں اگر وہ کسی موقعہ پر بغیر اس دروغ تعریضی کے پورے نہ ہوتے ہوں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں " الحرب خدعۃ " اور جیسے اصلاح بین الناس کے کے لئے فرمایا گیا ہے " لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس " اور جیسے زوجہ یا بیٹے کے

سلسلہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ فی الکذب فقال فاعدھا واقول لھا فقال جناح علیک ۔ اسی طرح بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہ میں آنحضرت صلعم سے یہ روایات صحیح موجود ہیں کل الکذب یکتب علی ابن آدم الا ثلاث خصال رجل کذب لامراتہ لیرضیھا او رجل کذب فی خدیعۃ حرب او رجل کذب بین امرأتین مسلمین لیصلح بینھما ۔ او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام

ان سعد بن عبادہ قال یوم فتح مکۃ یا اباسفیان الیوم یوم الملحمہ الیوم تستحل الکعبۃ فاخبر ابوسفیان بذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال کذب سعد ولکن ھذا یوم یعظم اللہ فیہ الکعبۃ الخ۔ آیۃ المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف ۔

ان روایات کو سمجھنے کے لئے ذیل کی تحقیق مد نظر رہنی ضروری ہے ۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا ایک زریں اصول

یہ بات معلوم کر لینا ہر شخص کے لئے نہایت ضروری ہے کہ تمام وہ الفاظ جو قرآن حکیم واحادیث نبی کریم کے اندر موجود ہیں جب ان کی تعریف و تعبیر خود شارع سے منقول ہو تو اس وقت اہل لغت و غیر اہل لغت کے مخترعہ اقوال کو کسی استدلال کے سلسلہ میں بطور حجت پیش کرنا قابل قبول نہ ہوگا خواہ وہ کیسے ہی بلند پایہ تحقیقات اور بصیرت افروز معلومات پر کیوں نہ مشتمل ہوں چنانچہ محض اسی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے اسماء کی تین قسمیں کی ہیں (۱) وہ جن کی تفسیر خود شارع نے کردی ہے (۲) جن کی تعریف لغت کے توسط سے (ملاحظہ ہو صفحہ آئندہ)

خوش کرنے اور خانہ داری کے مکمل بنانے کے لئے محبت زائدہ کا اظہار کرنا وغیرہ وغیرہ۔ مجتبیٰ میں ہے:

"کل کذب ھو مکتوب لا محالۃ الا ثلاثۃ" "الرجل مع امراتہ او ولدہ"

والرجل یصلح بین اثنین۔ والحرب خدعۃ"

خلاصہ یہ ہے کہ تصنیفۃ العقائد کی یہ بحث سرسید کے مصلحت وقت کے قول و فعل رسول علیہ السلام میں ملحوظ ہونے کو قابل اعتراض قرار دینے پر ہے جس کو شرح کر کے کذب کی حقیقی تعریف لغوی (گفتار مخالف واقع) اور اس کے انواع و اقسام ذکر کئے گئے ہیں اور ان کے شرعی احکام بتائے گئے ہیں اور سرسید کا سب کو ایک لاٹھی سے ہانکنا غلط قرار دیا گیا ہے اور اس کے احکام خمسہ واجب، مستحب، مباح، مکروہ، حرام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کی پوری توضیح رد المحتار حاشیۃ الدر المختار جلد ۵ ص ۳۰۲ للعلامہ ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر کتب فقہ میں موجود ہے۔ اس سے مودودیان کرام کا یہ نتیجہ نکالنا کہ اکابر دیوبند انبیاء علیہم السلام کے لئے جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں بلکہ مستحسن، سراسر غلط کاری اور بہتان بندی ہے اور اپنی غلط فہمی اور کم سمجھی کی شہادت دینی ہے۔ اس میں تصریح ہے اس لئے تا مقدور

سلسلہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ معلوم ہو (۲) جن کی تعریف عرف عام کے ذریعے بیان کی جائے۔ پس شارع نے اگر کسی لفظ کی تصریح کر دی ہے اور اس کے مواقع استعمال کو متعین فرما دیا ہے وہی حجت ہوگا چونکہ شارع علیہ السلام نے اصلاح ذات البین کو نماز، روزہ اور صدقات سے افضل قرار دیدیا ہے اسی بنا پر علامہ ابن حزمؒ کو لکھنا پڑا اتفقوا علی تحریم الکذب الا فی حرب وغیرہ ومداراۃ الرجل امراتہ واصلاح بین اثنین ودفع مظلمۃ الخ اور یہ تمام اہل علم کا اجماعی مسئلہ ہو گیا ہے۔ مکتوب عالی کے اندر کی عبارتوں نیز روایات حدیث اور فقہی تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ حسن قبح عقلی و شرعی کی بحث نے اشعریہ اور معتزلہ میں الجھاؤ پیدا کر دیا ہے جس نے کسی مسئلہ کے حکم کو عقلی سمجھا اس نے کذب وغیرہ کو اپنی اصلی حالت پر باقی رکھا جیسے فرق باطلہ میں معتزلہ اور جس نے حسن و قبح اشیاء کو شرعی مانا یا ابو منصور ماتریدیؒ کی تحقیق پر بعض کو شرعی اور بعض کو عقلی اس نے شارع کی تصریحات کے تحت کذب کے استعمالات میں وسعت دی جیسا کہ احادیث نبوی میں محض خلاف واقع بات کو کذب سے اور اسی طرح خلاف وعدہ کرنے کو کذب کے بجائے اخلاف سے تعبیر فرمانا صاف قرینہ ہے کہ شارع کی مراد اس سے کچھ اور ہے بہر حال شارع علیہ السلام نے جن جن چیزوں کو کذب سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ مثلاً صریح جھوٹ بول کر دو آدمیوں میں صلح کرانا وغیرہ قطعاً معصیت نہ ہوگا۔ کیونکہ شریعت نے دین کے اندر مصالح کا بڑا لحاظ فرمایا ہے۔ علامہ ابن حزم ظاہری محلی میں لکھتے ہیں (ملاحظہ ہو صفحہ آئندہ)

کذب صریح جائز نہ ہوگا تعریضات سے کام لیا جائے گا بلکہ انبیاء کرام اگر تعریضات (جو کہ کذب صریح نہیں ہیں) کو بھی مکروہ سمجھیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے مترشح ہوتا ہے تو کچھ عجب نہیں صـ۲۲ اگرچہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام سبھی سے محفوظ رہے ہوں" صـ۲۳ پھر تیسر تعریضات جو واقع میں اقسام کذب میں سے نہیں ہوتیں بلکہ مشابہہ کذب ہوتی ہیں ہرگز مخالف شان نبوت نہیں ہو سکتیں یہ غلط الزام ایسی تصریحات کے ہوتے ہوئے کس قدر دریدہ دہنی اور ڈھٹائی ہے۔ آپ جیسے ذوی العلم والفہم کا (تصفیۃ العقائد کی یہ تمام تفصیل سامنے ہوتے ہوئے) اُن کے دھوکے میں آجانا کس قدر تعجب خیز ہے والسّلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ از دار العلوم دیوبند۔

سلسلہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ لیس کل کذب معصیۃ بل منہ مایکون واجباً یعصی من ترکہ وصح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس فینمی خیرا ولذا اجمع اہل الاسلام الخ یعنی ہر جھوٹ گناہ نہیں بلکہ اس میں سے وہ جھوٹ بھی ہے جو واجب ہوتا ہے اور انسان اس کے چھوڑدینے سے گنہگار بن جاتا ہے اور نبی کریم صلعم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا وہ جھوٹا نہیں جو لوگوں میں صلح مصالحت کرتا ہے اور خیر پھیلاتا ہے اس لئے اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔

آگے کذب کے اقسام تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

علامہ عزالدین عبدالسلام شافعی لکھتے ہیں۔ الکذب معصیۃ محرمۃ الا ان یکون فیہ جلب مصلحۃ او درء مفسدۃ فیجوز تارۃ ویجب اُخری ولہ امثلۃ یعنی کذب معصیت ہے حرام ہے سوائے اس کذب کے کہ جس میں کسی خیر مصلحت کا حصول ہو اور کسی فساد و نقصان کی مدافعت ہو یہ کذب کبھی جائز ہو جاتا ہے کبھی واجب۔ امام خطابی معالم السنن میں لکھتے ہیں" کذب بطنہ" کے معنی ہیں لم یصلح بقول الشفاء بل زل عنہ۔ بدایہ میں بھی ایسا ہی ابن اثیر نے کذب کو خطا کے معنی میں لکھا ہے۔ عرب کذب کا استعمال خطا میں کرتے ہیں مشہور شاعر اخطل کہتا ہے۔ ؎

کذبتک عینک ام رأیت بواسط | ملس الظلام من الرباب خیالا

راغب اصفہانی مفردات میں لکھتے ہیں کہ کذب وصدق کا استعمال اعتقاد میں بھی ہوتا ہے جیسے صدق ظنی و کذب ظنی اور افعال جوارح میں بھی استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے۔ صدق فی القتال وکذب فی القتال اور خود فعل کو بھی صادق و کاذب کہتے ہیں۔ فعلۃ صادقۃ وفعلۃ کاذبۃ قرآن میں ہے ناصیۃ کاذبۃ۔ عرب کا محاورہ ہے کذب لبنُ الناقۃ یعنی اونٹنی نے توقع سے کم دودھ دیا ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) کرمانی شرح بخاری میں ہے۔ العرب تستعمل الکذب بمعنی الخطاء والفساد یقال کذب سمعی ای زل ولم یدرك ما سمعته۔ یعنی عرب کذب کو خطا و فساد کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ میری سامعہ نے غلطی کی اور جو کچھ اس نے سنا اسے سمجھا نہیں۔

بخاری میں ہے کہ عاصمؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ سے قنوت کے بارے میں دریافت کیا تو فرمانے لگے کہ قنوت نبی صلعم کے زمانہ میں تھا میں نے عرض کیا کہ رکوع سے قبل یا بعد فرمایا قبل پھر میں نے عرض کیا کہ فلاں صاحب نے تو مجھے آپ سے یہ روایت کی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ رکوع کے بعد سو فرمایا۔ کذب انما قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الرکوع شھرا۔ یہاں کذب کے معنی محدثین نے خطا کے لئے ہیں۔ بخاری غزوۂ خیبر میں سلمہ بن عامر کو آنحضرت صلعم کا دیکھنا اور رنگ متغیر دیکھ کر فرمانا کیا حال ہے۔ عرض کیا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ عامر کا عمل اکارت گیا۔ آپ نے فرمایا یہ کس نے کہا میں نے عرض کیا کہ فلاں فلاں نے۔ آپ نے فرمایا کذب من قالہ ان لہ لاجرین یہاں بھی خطا کے معنی ہیں۔ غیر انسان یا اس کے کسی عضو کی نسبت کی مثالیں بھی موجود ہیں ماکذب الفواد ماراٰی۔ بدم کذب۔ صدق اللہ وکذب بطن اخیك حدیث میں ہے یہ چند مثالیں اس لئے لکھدی گئیں کہ مودودی صاحب نے تفہیمات میں یہ گل افشانی فرمائی ہے کہ بسا اوقات صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا اور وہ ایک دوسرے پر چوٹیں کر جاتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے سنا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وتر کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں فرمانے لگے کہ ابوہریرہ جھوٹے ہیں حسن بن علیؓ سے ایک مرتبہ شاہد و مشہود کے معنی پوچھے گئے انھوں نے اس کی تفسیر بیان کی۔ عرض کیا گیا ابن عمرؓ و ابن زبیرؓ تو ایسا اور ایسا کہتے ہیں فرمایا دونوں جھوٹے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک موقع پر مغیرہ بن شعبہ کو جھوٹا قرار دیا۔ عبادہ بن الصامت نے ایک مسئلہ بیان کرتے ہوئے مسعود بن اوس پر جھوٹ کا الزام لگایا حالانکہ وہ بدری صحابی ہیں" مذکورہ بالا تصریحات سے ثابت ہے کہ ہرگز ہرگز کسی صحابی نے دوسرے صحابی کو جھوٹا نہ کہا نہ سمجھا بلکہ کذب کو خطا کے معنی میں ان کی عام بول چال

تھی جیسا کہ مُجملہ شراح حدیث اور اہل زبان نے سمجھا ہے، مودودی صاحب اور جماعت اسلامی ہند کے ناداں دوست صحابہ کو جھوٹا ثابت کر کے اور ایک دوسرے پر چوٹیں کرنے والا پروپیگنڈہ کر کے سارے دفتر حدیث بلکہ دین کی بنیاد کو متزلزل کر رہے ہیں اور نام ہے اقامت دین کا انا للہ ہم نے ثلاث کذبات والی حدیث کے ضمن میں اتنی تفصیل کر دی تاکہ اس روشنی میں فرق باطلہ اپنی جہالت پر نظر ثانی کریں۔ اور سمجھ لیں کہ کذب کی کئی قسمیں ہیں حرام قطعی واجب وغیرہ اور بدترین کذب پیغمبر خدا پر جھوٹ باندھنا ہے بلکہ ایسے شخص کی تکفیر کی گئی ہے اور اس کی سب روایتیں مردود قرار دی گئی ہیں اور وہ مردود الشہادت ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ روایت حدیث میں بے انتہا احتیاط برتتے تھے اسی لئے کتب حدیث کی کسی روایت میں بھی جہاں کسی صحابی کی طرف کذب کی نسبت کی گئی ہو وہاں باتفاق شارحین حدیث نے کذب کے معنی خطا کے لئے ہیں۔ ایسا ہی حدیث ثلاث کذبات کے معنی کرنے میں سمجھنا چاہئے۔ یعنی صورتاً کذب ہے لیکن معناً اور حقیقتاً کذب نہیں ہے پھر کیا اشکال رہ جاتا ہے۔

معاریض اور توریہ کی تعریف اور اس کی صحیح تحقیق

معاریض اور توریہ کا مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کا ارادہ دل میں کرنا اور اس کے خلاف زبان سے ظاہر کرنا۔ غیر واضح کلام کرنا چھپانا وغیرہ۔ کچھ مثالیں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب عالی میں دیدی ہیں جیسے ابوجہم کے متعلق کہ یہ اپنی لٹھیا کو اپنے کندھے سے رکھتے نہیں بلکہ اٹھائے رہتے بڑے مارتے خاں ہیں۔ یا بڑھی عورت جنت میں نہ جائے گی یا تیرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی ہے یا میں رات اور دن تم کو یاد کیا کرتا ہوں یا تمہارے ذکر سے مجلس کبھی خالی نہیں جاتی یا اونٹ کے بچہ کے لئے لفظ ابن اور ولد کا استعمال یا حدیث ہجرت میں "ممن الرجل" کے جواب میں آنحضرت صلعم نے فرمایا "من الماء" اور حضرت ابوبکر صدیق رضی نے ایک سوال کے جواب میں کہا " رجلٌ یھدینی السبیل" وغیرہ مثالوں کے اندر توریہ اور تعریض سے کام لیا گیا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے کلام میں لفظ کذب خلاف واقع خبر دینے کے طور پر نہیں تھا جسے حقیقۃً جھوٹ کہا جائے۔ یہی نوعیت ثلاث کذبات

۔الی حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی ہے جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے ایسی صورت کے ساتھ کلام نہیں فرمایا جو کذب کی صورت ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام سے صریح کذب کا ظہور نہیں ہوا ہے اور نہ انہوں نے کبھی ایسا کیا ہے تاہم اس کا ظاہر مفہوم باطن کے خلاف تھا اس لئے حضرت ابراہیمؑ کو اس کے مواخذہ کا خوف ہوا اور اس پر لفظ ذنب کا اطلاق حدیث شفاعت میں کیا گیا۔ حدیث شفاعت میں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی اپنے معمولی زلات کا احساس شفاعت کے لئے مانع ہوا نہ کہ صریح گناہ (معاذ اللہ) انبیاء کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس کو بڑے سے بڑے فلاسفہ اور حکماء بھی نہیں جان سکتے ہیں چہ جائیکہ ما و شما۔ سچ فرمایا حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے۔ ؎

فلسفی کو منکر حنانہ است — از حواس انبیاء بیگانہ است

اہل علم واقف ہیں کہ علماء حجاز لفظ کذب اکثر اخطاء کے معنی میں بولا کرتے ہیں۔ ان کے اس خیال کی تائید حضرت عبادہ بن الصامت کے قول کذب ابو محمد سے ہوتی ہے جبکہ ان کو خبر دی گئی کہ وہ فرماتے ہیں "الوتر واجب" اس کے نظائر حدیث کے اندر بہت موجود ہیں اور یہ ان لوگوں کے استعمالات ہیں جو اہل زبان ہیں۔ پس حدیث شیخین "ثلاث کذبات" کو مفصل بخاری و مسلم نے اور مجمل ابوداؤد، ترمذی، ابن المنذر، ابوحاتم اور ابویعلیٰ وغیرہ نے روایت کیا ہے، جس کے راوی حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری وغیرہ صحابہ ہیں۔ یہ روایت نہ صرف مفید علم یقینی بلکہ مفید علم نظری ہے (ملاحظہ ہو دلائل السنن و آثار جلد اول بحث طہارت) رہ گیا یہ کہ واقعہ سارہ علیہا السلام کو بائبل نے اور رنگ آمیزی کے ساتھ مختلف طریقوں سے ذکر کیا ہے اس کے ہم ذمہ دار نہیں اور نہ موجودہ بائبل عہد قدیم و جدید، توریت و انجیل وغیرہ کتب صحت تحریف سے محفوظ ہیں اور نہ وہ روایات کے رد و قبول یعنی محدثین کرام کے فن روایت و درایت کے معیار و محک پر بھی صحیح اترتی ہیں اس لئے ان کا درجہ محض تاریخ اور افسانے سے زیادہ نہیں رہ جاتا ہے اسی بنا پر کتب سماویہ پر اجمالی ایمان تو ہم کو رکھنا ضروری ہے۔ کہ موجودہ بائبل کی ہر خرافات اور کج بحثی پر بخاری میں واقعہ سارہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام

پڑی لے دے ہے اس کے بانی مبانی امام رازیؒ وغیرہ ہیں۔ مگر جب قرآن حکیم کی بیسیوں آیات میں اسی طرح کی باتیں حضرات انبیاء علیہم السلام پر آگئیں تو یہی حضرات ان تمام تاویلات سے کام لے کر جو ایسے مواقع پر ضروری ہیں ان آیات میں بھی وہی کیا ہے اور حق یہ ہے کہ اس کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "فتح القرآن" امام ابوالفضل مختار رازیؒ۔ حضرت قاسم العلومؒ کی عبارت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ علماء دیوبند انبیاء علیہم السلام کے لئے جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں بلکہ مستحسن معترضین کی بلادت ذہن اور قساوت قلب کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ ہماری اس تحریر سے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب سامی سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ ہم جھوٹ بولنے کا دروازہ کھول رہے ہیں بلکہ ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ بعض ناگزیر حالات اور مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام فقہاء امصار نے اس نازک مسئلہ کی حل کی طرف بھی اپنی توجہ مبذول فرمائی اور صاف لکھ دیا کہ صریح جھوٹ حرام ہے۔ "عین الکذب حرام" اور حقیقت ہے کہ سمجھدار کو کبھی جھوٹ بولنے کی ضرورت ہوتی ہی نہیں۔ البتہ ذو معنی الفاظ کو کام میں لانا یہ قطعاً جھوٹ نہیں ہے اور نہ کسی نبی اور رسول سے صریح جھوٹ کا ثبوت موجود ہے جہاں کہیں ایسا ہوا ہے وہ توریہ اور تعریض میں شمار کیا گیا ہے۔ ائمہ اربعہ اور ان کے تلامذہ سے بڑھ کر کس نے قرآن اور حدیث کی خدمت کی ہے ہم کو پیغمبر اسلام نے حکم دیا ہے "احترسو من الناس بسوء الظن" کیونکہ صاحب شریعت نے اس کی وجہ ظاہر فرمادی ہے۔ "اذا ظننتم فلا تحققوا" خلف نے سلف کی تحقیق سے فائدہ اٹھا کر ہمارے لئے کوئی راہ قیامت تک کے لئے بند نہیں کی ہے۔ یہ قرآن و حدیث کی تہ تک پہونچ کر اس کا عطر کھینچ لیا ہے ان کی تصریحات و تحقیقات اصولی دربارہ حلت و حرمت، جھوٹ اور سچ وغیرہ رہتی دنیا تک کے لئے اصول اور دستور کی حیثیت رکھتی ہیں۔ فتدبر

مکتوب ۹۴

خاکسار مرتب کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے حکم کے موافق دعا کرتا ہوں وفقنا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ۔ خدا پر بھروسہ اور اعتماد کیجئے اور استخارہ کے بعد حجرہ میں بیٹھ جائیے مشاغل کی کثرت، جسمانی ضعف ونقاہت امتثال حکم کی درباره تراجم ابواب بخاری جرأت نہیں دیتی۔ والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۔ ۱۷ ر شوال ۱۳۶۹ھ

مکتوب ۹۵

میرے نزدیک جب کہ آپ کے سمدھی صاحب محمود پوری اس قدر ایثار فرما رہے ہیں تو اتنا استغنا فرمانا غیر مناسب ہے میں انشاء اللہ بعد جمادی الاول میں جبکہ تعطیل امتحان ششماہی ہوگی ٹانڈہ آؤنگا وہاں پر ایک یا دو شب رہ کر آپ کے یہاں محمود پور کی حاضری کے قصد سے حاضر ہونگا وقت حاضری سے بذریعہ تار ٹانڈہ سے مطلع کروں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کریم کارساز اس عقد کو مبارک فرمائے آمین۔ اگرچہ ضعف اور گھٹنے کی تکلیف چل رہی ہے مگر اس عقد کی شرکت انشاء اللہ بہرحال مناسب جانتا ہوں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند ۲۷ ر دسمبر ۱۹۵۲ء بروز یکشنبہ

حاشیہ مکتوب نمبر ۹۴۔ خاکسار پہلے بابو سراج الحق صاحب کے دولت کدہ پر مقیم تھا بعد کو جب مسجد کے متصل حجرہ اپنی خواہش پر خدا نے تیار کرا دیا تو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے دعا کی درخواست کی اور حجرہ میں بیٹھ جانے کی اجازت چاہی۔ اس والا نامہ میں اسی جانب اشارہ ہے۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے بقول سعدیؒ ؎

نہ با شتر بسوارم نہ چو اشتر زیر بارم نہ خداوند رعیت نہ غلام شہریارم

زندگی کے دن خدا کے فضل وکرم سے اچھے بسر ہو رہے ہیں اور آئندہ کے لئے بھی کوئی مایوسی نہیں ہے یہ سب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں کی بدولت ہے۔ ورنہ بقول شاعر۔ ع

اک فاسق وفاجر پر اور اتنی عنایا تیں۔

مکتوب ۹۶

میں انشاء اللہ ۷ جنوری ۱۹۵۲ء بروز جمعرات بوقت شام یہاں سے روانہ ہو کر ۸ جنوری بروز جمعہ دیرہ ایکسپریس سے ٹانڈہ پہونچوں گا اور یکشنبہ کی صبح کو آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکوں گا۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی روز محمود پور پہونچ جائیں اور عقد مبارک سے شب دوشنبہ کو فراغت ہو جائے محمود پور اور سکرور کا ایسا پروگرام بنائیے کہ وقت کم خرچ ہو تاکہ میں دوسرے امور ضروریہ کو بھی انجام دے سکوں۔ اگر اس پروگرام میں کوئی رکاوٹ ہو تو ٹانڈہ میں اطلاع دیجئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ از دیوبند

مکتوب ۹۷

محترم المقام زید مجدکم۔ حسب ارشاد مولانا سعید احمد صاحب کا جواب بعینہٖ ارسال خدمت ہے۔ دریابادی صاحب سے اُن کے آخری جواب کے بعد پھر مراسلت کا سلسلہ بند ہو گیا کیونکہ آخری جواب

حاشیہ مکتوب ۹۵ و ۹۶ ہر دو والا ناموں کا مضمون صاف ہے البتہ اس کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ شاید ہی کسی خوش قسمت کو یہ شرف حاصل ہوا ہو کہ موسم کی غیر معمولی خرابی، برف و بارش کی کثرت کے باوجود ٹھیک وقت پر حضرتؒ محمود پور تشریف لائے اطراف سے پروانہ وار معتقدین بھی اس جنگل کے اندر منگل منانے پہونچ گئے۔ بعد مغرب عقد نہایت سادگی کے ساتھ ہر ناظمی پر ہو گیا۔ راقم الحروف اور دوسرے حضرات نے حضرت قدس سرہٗ کو اس قدر خوش اور باغ و بہار کبھی بھی نہیں دیکھا۔ اگر ہزاروں بلکہ لاکھوں روپیہ صرف کر کے جشن شادی رچایا جاتا تو بھی اس عقد نکاح میں جو خیر و برکت حضرتؒ کے قدوم میمنت لزوم سے محسوس و مشاہد ہوئی وہ کہاں سے لائی جا سکتی ہے۔ ناچیز کے دونوں بچوں کے نام محمد اسعد اور محمد ارشد ہیں نکاح کے وقت اس نام پر حضرت مسکرا دیئے اور حضرت کے صاحبزادے مولانا محمد اسعد صاحب زاد شرفہٗ بھی ہنس پڑے۔ عجیب دلکش سماں تھا اللہ تعالیٰ سے اُمید قوی ہے کہ وہ اس تقریب کو مبارک اور سعید بنائے گا۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

حاشیہ مکتوب ۹۷ - مخدوم دریابادی صاحب پر مفصل اسی جلد میں لکھا جا چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اُن پر رحم فرمائے۔ مکتوبات جلد دوم کی کتابت اور سب سے زیادہ ترمیم میں مودودی کا تب نے اپنے خبث کو اور جماعتی تعصب اور اندرونی نفرت کو غیر معمولی بددیانتی کے ساتھ ظاہر کیا ہے اللہ تعالیٰ انصاف فرمائے وہ اس گناہ کو بدا بخشے

یہ تھا کہ دعا کرو کہ مجھ کو شرح صدر ہو جائے۔ دیگر امور کا کوئی جواب ہی نہ تھا البتہ ایک تنقید تھی کہ کاغذ پر انگریزی عبارت ہے (جے ہند) ہم نے اس کاغذ پر عبارت خط نقل کر دی تھی اور انگریزی عبارت کافی نہ تھی۔ پیڈ پر یہ عبارت چھپی ہوئی تھی اس پر خفا ہو گئے۔

میں گذشتہ ہفتہ دہلی گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ کاپیوں کی کتابت میں کاتب نے نہایت بے ایمانی کی ہے جس کی وجہ سے کاپیاں پتھر پر نہیں چڑھی ہیں بہت مشقت پیش آ رہی ہے۔ مشہور مقالہ ہے لکل شئ آفة وللعلم آفات۔ آپ کے صاحبزادہ کہاں ہیں اور کیا پڑھتے ہیں۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، محرم ۷۲ھ

مکتوب ۹۸

محترم المقام زید مجدکم۔ مزاروں پر حاضری کے وقت مندرجہ ذیل عمل کرتا ہوں

السلام علیکم یا دار قوم مومنین انتم سلفنا ونحن بالاثر وانا انشاء اللہ بکم للاحقون یغفر اللہ لنا ولکم اجمعین وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد و آلہ وصحبہ وبارک وسلم سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار

پھر درود شریف ۳ بار سورۂ فاتحہ ۳ بار سورہ اخلاص ۱۲ بار درود شریف ۳ بار پڑھکر صاحب مزار کو بخشکر اُس کے اور تمام گرد و پیش کے مدفونین کے لئے دعاء مغفرت کرتا ہوں

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۵ جنوری ۱۹۵۵ء از نوساری ضلع سورت

مکتوب ۹۹

محترم المقام زید مجدکم۔ میں نے ڈائری میں بیت العلوم سرائمیر کی حاضری کے لئے ۱۰، ۱۱ مارچ ۵۵ء درج کر لیا ہے میں انشاء اللہ پوری کوشش کروں گا کہ ان تاریخوں میں حاضر

حاشیہ مکتوب ۹۸۔ راقم الحروف نے دربارۂ زیارت قبر اولیاء اللہ و قبرستان میں حاضری پر حضرت کا مسلک اور طریقہ معلوم کرنے کے لئے عریضہ لکھا تھا جس پر حضرت اقدس کا یہ کرمت نامہ شرف صدور ہوا اب اپنا عمل یہی ہے کفی بذلک لی قدوۃ۔

ہو جاؤں۔ اگر ممکن ہوا تو ایک روز پہلے سکرور پہونچوں گا ورنہ معذوری ہے مکتوبات جلد ثانی کے واقعات سے افسوس ہوا۔ دعا کرتا ہوں۔ والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۳ر جنوری ۵۵ء ۱۹ر جمادی الثانی ۱۳۷۴ھ

مکتوب ۱۰۰

محترم المقام زید مجدکم۔ گنگوہ شریف میں ۵۔۶ر نومبر ۵۵ء کو اجتماع ہوا تھا۔ وہاں مودودیوں نے شور مچا رکھا تھا مولانا ابوالوفا صاحب و مولانا قاسم صاحب مفتی محمود صاحب گنگوہی مدرس مدرسہ اشرفیہ کانپور مولوی عزیز صاحب منیجر اشاعات دارالعلوم بھی تشریف لائے تھے بحمداللہ عمدہ کامیابی ہوئی۔ تفہیمات جلد دوم ص۴۳ کی عبارت دربارۂ عصمۃ انبیاء علیہم السلام نہایت تعجب خیز ہے اللہ تعالیٰ سب کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مکتوب ۱۰۱

محترم المقام زید مجدکم۔ عصمت انبیاء کے متعلق جو کچھ جلد دوم میں ہرزہ سرائی کی گئی ہے جلد اول میں بالکل اس کی نقیض گفتگو ہے۔ آیت سورۂ جن الا من ارتضیٰ من رسول فانہ یسلك من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا الآیہ کی آیت سورہ طور واصبر لحکم ربك فانك باعیننا الخ اور سورۂ یوسف کی آیت کذلك لنصرف عنہ السوء والفحشاء انہ من عبادنا المخلصین وغیرہ کافی ہیں۔ تبرکات مدینہ منورہ کا آپ نے بوقت حاضری مطالبہ نہیں فرمایا۔ انشاء اللہ بوقت مناسب پیش ہونگے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ دیوبند ۲۹ر ربیع الاول ۱۳۷۵ھ

مکتوب ۱۰۲

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کتاب "الرد الوافر" پہونچی اس سے پہلے اس کتاب کے دیکھنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ میں نے اس سے پہلے علامہ ابن تیمیہؒ کی کچھ تصانیف مدینہ منورہ زید شرفا میں دیکھی تھیں ان کے تفردات سے دلچسپی پیدا نہیں ہوئی۔ نیز ان کی زبان امام اشعری اور شیخ اکبر رحمہما اللہ تعالیٰ اور دیگر اسلاف کرام کے متعلق نہایت تیز ہے جن کی درح

اور شنا بہت زیادہ ہم اپنے اسلاف کرام سے ہمیشہ سنتے آئے ہیں۔

رسالہ قبلہ نما میں حقیقت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کے لئے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط تقریر کی ہے ملاحظہ فرمائیں

امام مہدی کے متعلق امداد المشتاق ص۱۲۳ میں کچھ تحریر فرمایا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں

کتب خانہ شیخ الاسلام مدینہ منورہ میں کئی ہزار کتابیں عمدہ نفیس اُن کو دیکھ لینا ممکن نہ تھا ورنہ اب یاد ہے۔ تاہم بہت کچھ نوادر پر نظر ہے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ دیوبند ۱۳۷۵ھ۔

حاشیہ مکتوب ۱۰۰ و ۱۰۱ و ۱۰۲

گنگوہ میں ۵ ر ۶ ر نومبر ۵۵ء کو جو رد و قدح مودودی گروہ پر ہوئی تھی اور عصمت انبیاء علیہم السلام کے بارے میں حضرت اقدس کا حد درجہ تعجب فرمانا معلوم کر کے عریضہ لکھا کہ سید ابو الاعلیٰ صاحب کا تو وہی عقیدہ ہے جو مین اہل سنت کا مسلک ہے اس پر حضرت نے یہ مختصر گرانی سے زیادہ مدلل اشارہ فرمایا ہے جس کی شرح یہ ہے

(۱) عصمت کی تعریف اور اس کا مفہوم کیا ہے ؟ سو جاننا چاہیئے کہ عصمت کے معنیٰ ہیں گناہ سے اپنے کو روک رکھنا اور مفہوم یہ ہے کہ معصوم وہ ہے کہ باوجود استعداد گناہ کے اور قدرت رکھنے کے اس سے گناہ نہ ہو نا صرف یہ انبیاء علیہم السلام کی ذاتِ اقدس کے ساتھ مختص ہے دوسرے کسی اُمتی کو یہ مقام شرف و مجد خدا نے نہیں بخشا ہے اور نہ اس کی حیثیت اُمت کے عام اور عادل افراد کے برابر ہو سکتی ہے اور نہ اُن کے مقتدا ہونے میں من کل الوجوہ کوئی ہمسری کر سکتا ہے اور نہ معصوم حضرات اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کو توڑنے آئے ہیں بلکہ جوڑنا اُن کا اولین فریضہ ہے اور نیت معصیت کا فقدان انہیں حضرات کا طغرائے امتیاز ہے۔ اسی بنا پر امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب الملل والنحل میں امام ابو اسحٰق اسفرائنی و ابن فورک و ابن برہان، امام نووی، قاضی حسین وغیرہم تمام اہل سنت والجماعت کا مسلک بتلاتے ہوئے رقم طراز ہیں " انہم معصومون عن الصغائر والکبائر جمیعًا و

وقال انه الذی ندین به وهو الصحیح الخ۔ مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام چھوٹے بڑے تمام گناہوں سے معصوم ہیں اور یہی اعتقاد حق اور صحیح ہے

(۲) انبیاء اور غیر انبیاء میں فرق نہ کرنے اور صحیح مقام اور موقف نہ سمجھنے کی بنا پر سید ابوالاعلیٰ صاحب جیسے پڑھے لکھے شخص کو اس بات کے لکھنے میں ذرہ برابر جھجک نہ ہوئی کہ "عصمت دراصل انبیاء کے لوازم ذات سے نہیں ہے"۔ تفہیمات جلد دوم ص۴۳۔

ہم اس موقعہ پر کتب عقائد و کلام کے مباحث اور دلائل سے قطع نظر کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انسان کی فطرت کے کچھ سوالات ہیں جن کو نہ حیلہ و بہانہ سے ٹالا جا سکتا ہے اور نہ اس سے چشم پوشی کی جا سکتی ہے مثلاً اس زندگی کا انجام اور اس عالم کا منتہا کیا ہے اس زندگی کے بعد کیا ہوگا وغیرہ انسان اس کو جاننا چاہتا ہے کیونکہ صحیح جواب اب تک نہ حکماء نے دیا ہے اور نہ فلاسفہ نے اس گتھی کو سلجھایا ہے۔ لامحالہ ہم کو ان باتوں کے صحیح حل پر اعتماد ایسے لوگوں پر کرنا ہوگا جن کا علم اس بارہ میں قیاسی نہ ہو بلکہ یقینی ہو جن کو انسانی حواس کے علاوہ حاسہ غیبی بھی ملا ہوا اور جنھوں نے اپنے مشاہدہ سے ان علوم و حقائق کو اس طرح حاصل کیا ہو جس طرح ہم کو اس عالم کی بہت سی باتوں کے سننے اور دیکھنے کا علم ہوتا ہے یہ صرف پیغمبروں کی جماعت ہے اور یہ لوگ ایک الگ نوع کے لوگ ہیں جو خدا کی باتیں سنتے اور ہمکلام ہوتے ہیں وہ عالم غیب کو بھی اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح دنیا کو اور یہ تمام ادیان و ملل حکماء و فلاسفہ وغیرہم کا مسلم مسئلہ ہے کہ کوئی نوع دوسری نوع کے سرحد میں قدم نہیں رکھ سکتی ہے اس لئے نبی اور رسول عام انسانوں سے الگ ایک ایسی نوع ہیں جس میں کوئی اور ان کا شریک و سہیم نہیں اس بناء پر رسول خدا کے پیغام میں نہ تو کمی بیشی کر سکتا ہے اور نہ قدرت کی نگرانی اس سے کسی لمحہ اٹھ جاتی ہے اور نہ تربیت خداوندی اس سے منفک ہوتی ہے بلکہ خود صفت عصمت سے نوازتی ہے پیغمبروں کا انتخاب براہ راست قدرت ہی کرتی ہے نہ کوئی اور رسول اور نبی اس سے بالکل بے خبر ہوتا ہے کہ اس کو کل کیا کرنا ہے مگر جوں ہی منصب رسالت پر فائز ہوتا ہے موت کی سرحد سے پار تک دیکھتا اور آخرت کے منازل ایک ایک کر کے سامنے آجاتے ہیں۔ اس کا ہر حکم واجب الاطاعت

ہو جاتا ہے کسی کو چون و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ رسول کو انسان کے مبداء معاد سے علاقہ ہوتا ہے اس کا ہر حکم مذہب و شریعت کی بنیاد بنتا ہے اس کا علم یقینی اور قطعی ہوتا ہے اس لئے وہ فلاح اور نجات کا ضامن ہوتا ہے۔ رسول کی ذات سے وابستگی کے بعد ہزاروں اختلافات وحدت اور اخوت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں کیونکہ نبی اور رسول کوئی اکتسابی شرف مجد نہیں ہے بلکہ "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ کی سب سے وزنی شہادت' اعلیٰ صداقت' پاکیزہ سیرت' خداداد بصیرت اور مشاہدۂ غیبی اس کی نمایاں خصوصیتیں ہیں لہٰذا منصب پیغامبری پر ہر کس و ناکس کو نہ تو سرفراز کیا جا سکتا ہے اور نہ ایسی جلیل القدر نازک ذمہ داری کا تحمل دوسرے انسانوں کے بس کی بات ہے۔ اس عظیم الشان امانت الہیہ کا حامل صرف پیغمبروں کی ذات ہوتی ہے۔ آیت سورۂ انعام نے تو صاف صاف اعلان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہیں اور اس موقع سے باخبر ہیں کہ منصب رسالت اور پیغام نبوت جہاں چاہے بھیجے اور جہاں چاہے نہ بھیجے یعنی نبی اور رسول جس کو چاہے بنائے اور جس کو چاہے نہ بنائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انبیاء اور رسول خدا کی سب سے برگزیدہ اور واجب الاطاعت جماعت ہے اور یہ پہلے سے منتخب شدہ اللہ کے بندے اور رسول ہوتے ہیں پس اگر صفت عصمت کو اُن کی ذات سے علیحدہ کر لیا جاتا ہے تو یہ قرآن حکیم کے صریح خلاف ہوگا عقلی اشارات تو کئے گئے نقلی تصریحات سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے اور انبیاء کے نوعی خصوصیات اور صفات پر کافی سے زیادہ آیات موجود ہیں ہم اس جگہ صفت عصمت پر چند آیات کا ترجمہ اور مفہوم واضح کرنا چاہتے ہیں جس کو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والا نامہ میں سرسری طور پر ذکر فرمایا ہے حسن اتفاق کہ انہیں آیات سے استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ نے تفسیر سورہ عبس عربی میں عصمت نبوی صلعم پر اپنے مخصوص فکر سے بڑا ہی گرانقدر۔ استنباط اور ایمان پرور تحقیق دنیا کے سامنے پیش فرمائی ہے جو اپنی جگہ انبیاء علیہم السلام پر بحث و کلام کرنے والوں کے لئے قرآنی حجت ہے اصل عبارت مع ترجمہ درج کی جاتی ہے

(۲) فی عظیم خلق الانبیاء وعصمتهم وموقع العتاب بهم

انبیاء کا خلق عظیم ان کی عصمت اور ان کے مواقع عتاب۔

قد علمنا بصریح العقل والنقل ان الله
یصطفی للرسالة اکرم الناس و
اتقاهم کما قال تعالیٰ - والله اعلم
حیث یجعل رسالتهٗ وقال فی نبینا
وانک لعلی خلق عظیم۔ اذکر
الخبر الذی جاء فی الصحیحین عن
وزن النبی بکفة وجمیع الناس بکفة
حتیٰ اذا رجحهم اعلی الرسالة ثم
بعد اصطفائهم بهم فهم الله
کیف یشاء فیامرهم وینهاهم ویعلمهم
مالم یعلموا فکانهم بین اصبعیه
ویمشون بین یدیه کما قال تعالیٰ
فانک باعیننا - وقال تعالیٰ فانه
یسلك من بین یدیه ومن
خلفه رصدا لیعلم ان قد ابلغوا
رسالات ربهم واحاط بما لدیهم
واحصی کل شیء عددًا
فهذا بیان لنظرة الخاص الی
رسله وانه تعالیٰ یعصم رسوله
عن کل زیغ وتدارکه قبل ان
یقع فیه فاذا جری فی سمت

با عتبار عقل و نقل یہ بات طے ہو چکی ہے کہ ہمیشہ
اللہ تعالیٰ نے رسالت کے فرائض کی ذمہ داری کے
لئے ایسے لوگوں کو منتخب فرمایا ہے جو اس کی تمام
مخلوقات میں اخلاق اور تقویٰ کے لحاظ سے بلند مرتبہ
رکھتے تھے جیسا ارشاد ہے اللہ اعلم حیث
یجعل رسالتہ اور ہمارے نبی کے متعلق اللہ کا
ارشاد ہے "وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" جس کی
وضاحت حدیث صحیحین سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت
صلعم کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور بقیہ کو دوسرے
پلڑے میں رکھا تو آپ تمام مخلوقات پر بھاری رہے
تب جا کر آپ کا انتخاب رسالت کے لئے عمل میں آیا
اس چناؤ کے بعد اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے اپنے اوامر
و نواہی کی تعلیم دیتا اور جن سے وہ واقف نہیں ہوتے
انہیں سکھاتا اور تربیت کرتا ہے گویا وہ ہر آن اللہ کے
ہاتھوں میں ہوتے اور اس کی نگاہوں میں رہتے ہیں اللہ کا
ارشاد ہے "فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا" دوسری جگہ ہے فانہ
یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا لیعلم
ان قد ابلغوا رسالات ربھم واحاط بما لدیھم
واحصیٰ کل شیء عددًا پس یہ مخصوص نظر خداوندی
انبیاء پر ہوتی ہے جو ان کو ہر طرح کی لغزشوں سے بچاتی رہتی
ہے اور قبل اس کے کہ ان کا قدم غلط اٹھے اللہ تعالیٰ

خطرلا يمهله الا ريثما يتم فرض	اس کو روک دیتا ہے اور جب کبھی وہ دشوار گذار راہ کی
نبوته ويفرغ سجل قوته	جانب بڑھ جاتے ہیں تو سنت اللہ یہ ہے کہ جب تک وہ
حسب سنة الله وحكمته فى	اپنا فرض پورا نہ کرلیں اُن کو چھٹی نہیں دی جاتی۔
خلقه فانه يبتلى عباده و	کیونکہ اللہ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے اور جو کچھ اُن
يخرج ما فى سرهم. وعلى	کے اندر پوشیدہ ہے باہر لاتا ہے اسی اصول کے تحت
هذا فاذا رأى بين يدى رسوله	اللہ کو جب معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے رسول کو لغزش کا
معثرةً نبهه وربما نبهه	سامنا ہے تو فوراً آگاہ کر دیتا ہے اور بسا اوقات بآواز
بجهير الصوت واسلوب العتاب	عتاب بلند آواز سے روکا جاتا ہے خصوصاً جبکہ وہ آگے
اذا وجده يذهب غارزا	بڑھتا جاتا ہے تاکہ وہ متنبہ ہو جائے اور منہی عنہ کو سمجھ لے
راسه لكى يتنبه ولكى يعلم	پیغمبر چونکہ ڈرتا اور محسوس کرتا ہے کہ اگر اس وقت اللہ نے مدد
فظاعة المنهى عنه ولكى يتذكر	فرمائی ہوتی تو خطرہ سامنے تھا وہ شکر اور تذلل کے
ان لولا الله لعثر فيشكر ربه و	ساتھ جھک پڑتا ہے اور اللہ سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے
يتذلل امامه ويزداد	جیسے بچہ۔ ماں اس کو ڈراتی دھمکاتی ہے تو وہ اسی کی
قربا منه والتصاقا به كرضيع	چھاتی سے چمٹ جاتا ہے۔
تخوفه امه فيلتصق بلبانها	الحاصل ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس سے یہ بات
فتبين بما ذكرنا ان الانبياء	واضح ہو جاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا جھکاؤ نیکی ہی
متقلبون بين حسنيين فان	کی طرف رہتا ہے۔ اللہ نے اُن کے قلوب کو تمام
الله تعالى نقاهم عن اوضار	برائیوں سے پاک کر دیا ہے اُن کا قدم بالقصد رضائے
الهوى فلا يعمدون الا	الٰہی کا پابند ہے۔ اگر کبھی افراط کی طرف اُن کا قدم
الى مرضاة الله الا انهم ربما	بڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو حق اور اعتدال کی
يفرطون فى جانب فيردهم	طرف موڑ دیتا ہے یہ اس لئے کہ پیغمبر ہی دینی

ردهم الی حاق الجادة وذلك
لان النبی کالاصل للامة
کانهم شقوا من نبعه وجبلوا
علی طبعه وهم مامورون
باقتفاء آثاره واقتباس انواره
فادنی افراط منه اشاعة
لجمیع الامة - واما سبب افراطهم
فلا یخفی انهم لا یعلمون من
سرائر الناس نهایة غورها
فلا یقطعون الرجاء من اصلاحهم
فیجاهدون بهم کطبیب آس
وحمیم مواس حتی یتبین لهم
انهم اعداء الله فحینئذ یتبرؤن
منهم کما اخبر الله عن ابراهیم
(فلما تبین له انه عدو لله تبرأ
منه ان ابراهیم لحلیم اواه منیب)
وکذلك ربما یقع ان النبی قد
قطع الرجاء لما ظهر علیه من
تمردهم ومع ذلك فیهم مطمع
کما وقع لیونس وذلك بان الله
تعالی وحده علیم بما تکن الصدور

اُمت کے لئے اصل اور بنیاد ہے گویا اُمت اسی کے چشمۂ فیض اور اسی
کی طبیعت کے نمونہ پر ڈھلتی ہے اسی لئے تمام
اُمت اس کی ہر چھوٹی بڑی بات کے اقتدار اور پیروی پر
مامور کی گئی ہے اب اگر پیغمبر کے کسی فعل میں ذرا بھی
افراط کا شائبہ ہوگا تو اس سے تمام اُمت پر بے راہ
روی کا اثر پڑ جائے گا۔ اور اُن کے افراط کا یہ سبب
ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے باطن کا علم نہیں رکھتا جیسا کہ
چاہئے۔ تاہم پیغمبر لوگوں کی اصلاح سے نا اُمید نہیں
ہوتا بلکہ وہ اُن کے پیچھے ایک جاں نثار دوست اور شفیق
طبیب کی طرح لگا رہتا ہے۔ ہاں جب خدا کی طرف سے
ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے
کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں
اللہ نے خبر دی ہے فلما تبین له انه
عدو لله تبرأ منه ان ابراهیم لحلیم
اواه منیب ۔ اور اسی طرح کچھ ایسا بھی ہوتا ہے
کہ نبی اُن کی سرکشی سے مایوس تو ہوتا ہے مگر باوجود
اس کے اس کو سدھرنے کی خواہش ہوتی ہے جیسا کہ حضرت
یونسؑ کے قصہ میں ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی تنہا دلوں
کے بھید سے واقف ہے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ
نبی کو کسی جماعت سے اعراض کا اور کسی مخصوص جماعت
پر برابر دعوت و تبلیغ کو جاری رکھنے کا حکم دیدیا کرتا ہے۔

فربما یامرھم بالاعراض والاستغنا	حاصل سب کا یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نبی کو
وربما یثبتہم علی المجاھدۃ بھم و	اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ نبی
جملۃ الکلام ان اللہ تعالیٰ یصرف	کو اپنی رحمت کے غیر محل کرنے سے روک لیتا
نبیہ کیف یشاء فتارۃ یمنعہ عن رحمۃ	ہے اور کبھی اس کو صبر اور شدائد کے
وضعھا غیر موضعھا واخریٰ یثبتہ	برداشت کا خوگر کر دیتا ہے۔ پہلی صورت
علی الصبر واحتمال الاذی والعتاب	پر عتاب اس کے کمال رحمت کی دلیل ہے
علی الاول دلیل علی کمال رحمتہ وعلی الثانی	اور دوسری حالت کا عتاب اللہ تعالیٰ کے کمال
دلیل علی کمال غیرتہ فی جنب اللہ وھو فی	غیرت پر مبنی ہوتا ہے اور یہ دونوں حالتیں ہوائے
کلتا حالتین بریٔ عن ھوی النفس ونزغ الباطل	نفس وغیرہ سے پاک ہیں۔

(۱) آیت سورۂ یوسف میں صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے یہ فرمایا گیا ہے اس طرح ہم نے اس سے برائی اور بے حیائی کی باتیں دور رکھیں بلاشبہ وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو برگزیدگی کے لئے چن لئے گئے (سورۂ یوسف) بلکہ یہ تمام حضرات انبیاء کرام کے مخصوص اور ذاتی کمالات کا بنیادی سرمایہ ہے چنانچہ قرآن عزیز کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ مُخلَص یہ صرف انھیں حضرات کے لئے قرآنی اصطلاح میں آیا ہے جس کا ذکر آیت مذکور میں ہے یعنی حضرات انبیاء کرام اللہ کے مخلص بندے ہیں جو تمام برائیوں اور فواحش سے پاک اور صاف رکھے جاتے ہیں اور معصوم ہوتے ہیں نیز النبی اولی بالمومنین من انفسہم۔ یعنی نبی زیادہ حق رکھتا ہے مسلمانوں پر خود ان کی جانوں سے۔ صاف واضح ہوتا ہے کہ اگر نبی اپنی امت کو آگ میں کودنے کا حکم دیدے تو امت پر فرض ہو جاتا ہے اور یہ اسی ذات کا خاصہ ہو سکتا ہے جو معصوم ہو اور جس کے فیصلہ کی پھر اپیل نہ ہو سکے۔ بہر کیف مودودی صاحب کی یہ آخری تحریر کہ عصمت انبیاء کے لوازم ذاتیہ سے نہیں ہے نہایت ہی گمراہ کن اور قصر نبوت کی ایک ایک اینٹ کو پراگندہ کرنے والی اور برباد کرنے والی ہے خدا کا شکر ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس فرقہ کے خلاف جس طرح زبان اور قلم کو حرکت دیکر سواد امت کو بر وقت تنبیہ فرمایا

اور مودودی جماعت کی تلبیسات کی نشاندہی کر کے اصولی گرفت فرمائی اس کی بھی وہی نوعیت ہے جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دور میں فتنۂ دین الٰہی کی تھی اور مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سرکوبی فرمائی۔ مودودی دستور اور عقائد پر حضرتؒ کا رسالہ شائع ہے ملاحظہ فرمایا جائے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اپنے اسلاف اور اساتذہ کی تحقیقات کا ایسا غلبہ ہے اور ساتھ ہی تمام اسلاف کرام کا احترام ہے کہ دیگر علماء کے تفردات سے وہ دلچسپی نہیں ہے جو تجدد پسند اور ہندی علماء حق کی علمی گہرائیوں سے ناواقف حضرات کا شیوہ ہے۔ مثال کے طور پر حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ اور استاد امام مولانا فراہیؒ وغیرہم کو ایک پلہ میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلہ میں تمام علماء کو تو انشاء اللہ ہندی علماء کا پلہ وزنی ثابت ہوگا۔ کتاب "الرد الوافر" کے متعلق معلوم تھا کہ حضرت اقدس کی نظر سے شاید گذری نہیں ہے راقم الحروف نے پیش کر دی اس پر یہ والانامہ شرف صدور ہوا اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ امام ابن حزمؒ امام جوزیؒ، امام ابن تیمیہؒ وغیرہم اکابر کا انداز تحریر بہت ہی تلخ ہے اور یہ محدثین کا عام وظیفہ رہ چکا ہے جس کی تیزی کو یہ کہکر ہمیشہ کم کیا گیا کہ دین اور شریعت کی حمایت اور صیانت کے لئے ایسا کرنا چنداں عیب نہیں۔ اشاعرہ اور صوفیاء پر علامہ ابن تیمیہؒ کی تنقید اور سخت تنقید کے قائلین میں اُن کے شاگرد ذہبیؒ کا نام خاص وزن رکھتا ہے۔ بہرکیف یہ بڑوں کی باتیں ہیں بڑے ہی جانیں البتہ ہمارے حضرت کا علم بہت گہرا اور تحقیقی ہے اور مطالعہ بہت وسیع ہے یہ اور بات ہے کہ اظہار مقصود نہیں ورنہ مدینہ منورہ کی علمی زندگی، ممالک عربیہ اسلامیہ کے مختلف الخیال علماء کی مجلسیں، ذرنک جھونک جدید و قدیم عربیت پر عبور اور بنیادی علوم و فنون پر دانفیت جس سے علماء کی اکثریت بے خبر ہے اس کا کہنا ہی کیا ہے۔ کیا عربی تصنیفات کے لئے کوئی زحمت ہو سکتی تھی؟ تصنیف اور تالیف جو موجودہ دنیا کا سب سے اہم کارنامہ سمجھا جا رہا ہے میرے نزدیک اس کی نہ کوئی وقعت ہے اور نہ یہ معیار علم و تحقیق ہے۔ ان تصنیفات کے کرنے والوں کی اکثریت، اسلاف کی خدمات سے نہ تو خبر رکھتی ہے اور نہ اُن کی کتابوں کے سمجھنے کی قطعاً صلاحیت ہے کہ کیسے انمول جواہرات علمی دفاتر اور اسفار میں

بکھرے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کی تفاسیر اور احادیث کی شرحیں متاخرین نے بھی کی ہیں لیکن جب اُن سے پہلوں کی خدمات اور تحقیقات کو نظر انصاف سے دیکھا جاتا ہے تو متاخرین کی ساری کوشش کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ظاہر ہوتا ہے کہ بس ایک جماعتی نمائندگی ہے نہ کہ قرآن اور حدیث کی واقعی تفسیر اور توجیہہ۔ حضرت کا یہ تحریر فرمانا کہ "کتب خانہ شیخ الاسلام مدینہ منورہ میں کئی ہزار کتابیں عمدہ تھیں اُن کو دیکھ لینا ممکن نہ تھا اور نہ اب یاد ہے الخ کوئی معمولی بات ہے؟ ہاں جو چیز قابل فخر ہو سکتی ہے اور جس کو علم سینہ بالعلم حاضر اور رسوخ فی العلم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے وہ ہمارے حضرتؒ کا طغرائے امتیاز ہے و ذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔ حضرت امام مہدی علیہ السّلام پر اسی جلد کے اندر مولانا سید حامد میاں صاحب کے خط کے تحت کچھ مزید اشارات موجود ہیں تفصیل کے لئے حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدثؒ دہلوی کا رسالہ علامات قیامت ملاحظہ فرمانا چاہیئے۔ قرب قیامت میں امام مہدیؑ کا ظہور۔ دابۃ الارض کا خروج اور دجال کا نکلنا ساتھ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا نزول وغیرہ صحاح کی روایات میں مصرح اور مفصل ذکر آ گیا ہے۔ حقیقت محمدیہ پر ان شاء اللہ جلد چہارم میں کلام ہوگا۔

مکتوب ۱۰۳

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

محترم المقام زید مجدکم۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ دار رمضان باعث سرفرازی ہوا۔ یاد فرمانے کا شکرگزار ہوں۔ اظہار مادح سے اجتناب ضروری ہے۔ ؎

حاشیہ مکتوب ۱۰۳ حدیث میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے مہینہ میں ہر ماہ سے زیادہ فیاض ہو جاتے اور جود و سخا بڑھ جاتا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اتباع سنت نبوی صلعم کا ایسا غلبہ تھا کہ کوئی قدم سنت کے خلاف ساری زندگی آپ کا نہیں اُٹھا دنیا والے تو یہ کہہ کر کہ آپ حنفی تھے اس لئے حنفیہ کے کتنے مسائل احادیث کے خلاف محض قیاس پر مبنی ہیں دل ٹھنڈا کر لیں گے لیکن انھیں قطعاً علم نہیں کہ ہمارے حضرتؒ پر عمل بالحدیث کا اثر جو کچھ تھا وہ اپنے بھرپور علم کی بنا پر تھا اور کوئی مسئلہ سنن و آثار صحابہ سے باہر نہ تھا۔ علم کی بے پناہ وسعت کا اندازہ مدینہ منورہ کے مالکی عالم سے پوچھیے جنھوں نے مالکیہ کے کسی مذہب کو حنفیہ سے راجح سمجھ کر اظہار خیال (ملاحظہ ہو صفحہ آئندہ

یظن الناس بی خیرا و انی   لشر الناس ان لم یعف عنی

اگر ستاریت خداوندی کا ظہور نہ ہوتا تو ہم سیاہ رُوں کا کیا حال ہوتا۔ فلہ الحمد و المنتہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کو دنیا و آخرت میں مبذول فرماتا رہے آمین۔ شاید آپ جیسے عنایت فرماؤں کا حسن ظن باعثِ نجات ہو جائے۔ ماہ رمضان المبارک میں مصارف زیادہ ہو جاتے ہیں بنا بریں یہ معمولی مقدار پیش خدمت ہے قبول فرما کر دعوات صالحہ سے امداد فرمایئے متعلقین اور صاحبزادوں اور پُرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ ارادہ ہے کہ اگر موانع نہ پیش آئے تو ۱۳ر شوال تک ٹانڈہ پہونچ جاؤں۔ ۱۷ر شوال کو عزیزم رشید احمد سلمہ ابن مرحوم رحید احمد کا عقد ہے۔ اسعد ارشد وغیرہ سلام مسنون کہتے ہیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ بانس کنڈی ضلع کچھار آسام مدرسہ عربیہ ۲۴ر رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ

مکتوب ۱۰۴

اب بحمد اللہ ضعف و نقاہت میں بہت کمی ہے اگرچہ سابقہ حالت ابھی تک نہیں لوٹی چہ جائیکہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کیا اور حضرت کے دلائل سُن کر اپنے خیال سے رجوع فرمایا۔ نیز اثنا درس حدیث میں کسی طالب علم کا یہ کہنا کہ پھر امام شافعیؒ کی دلیل تو نہایت پوچ ہے گویا کچھ ہے ہی نہیں اس کے جواب میں امام شافعیؒ کے دلائل ذکر اس کو حق فرمانا اور طالب العلم کا متحیر ہو جانا یہ معمولی سی بات تھی ورنہ ...... غرض حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سنن عادیہ و اتفاقیہ تک پر عمل تھا آپ نے اپنے بچوں کی سالانہ عیدی کے سلسلہ میں اس ناچیز کو بھی برابر نوازا ہے۔ آہ یہ شفقت اور یہ نظر اب کہاں سے لائیں؟

حاشیہ مکتوب ۱۰۴ مالیگاؤں ضلع ناسک سے مولانا عبد الحمید صاحب نعمانی نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو تار اور خط کے ذریعہ اپنے مدرسہ میں درس حدیث کے لئے میری خدمات چاہی تھیں اور حضرتؒ کے پاس لکھنے کا مقصد بھی غالباً یہ تھا کہ اگر حضرتؒ نے بھی اشارہ فرمایا تو کام بآسانی ہو جائے گا مگر حضرتؒ نے اس تار اور خط کو میرے پاس بھیجدیا کہ جو مناسب سمجھو کرو چونکہ اس سے پہلے دار العلوم دیوبند سے حضرت مہتمم صاحب کا والا نامہ آیا تھا کہ دیوبند ادارہ نشر و اشاعت جو تصنیف و تالیف کے لئے قائم ہے بہتر ہوگا کہ اپنے آنے کی شرائط وغیرہ سے تو مطلع کریں۔ میرے نا نگی حالات ایسے نہ تھے کہ اتنے دور دراز سفر کو برداشت کرتا معقول عذر کر چکا تھا بنا بریں نعمانی صاحب کو بھی لکھ ہی دینا پڑا کہ حاضری بوجوہ قاصر ہوں اگرچہ جناب سے دلچسپی مجھ کو پوری زندگی رہی ہے اور ہے۔ جس مسودہ کا اس والا نامہ میں ذکر ہے اس کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

شباب کی ہوا آتی۔

بڑے صاحبزادہ کی ناسازیٔ طبیعت سے صدمہ ہوا اللہ تعالیٰ صحت کاملہ عطا فرمائے۔ آمین

مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث نے مسودہ ملاحظہ فرمانے کے بعد بھیجدیا ہے باوجود موانع وقلت فراغ، میں کوشش کر رہا ہوں کہ اس کے مطالعہ سے استفادہ حاصل کروں اگر ہو سکا تو بہا ورنہ جلد خدمت میں ارسال کر دوں گا۔ مولوی عبدالحمید صاحب نعمانی آف مالیگاؤں کی استدعا پر کیا رائے قائم فرمائی۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ دیوبند ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۷۶ھ

مکتوب ۱۰۵

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ نے "دلائل السنن والآثار" کو مطالعہ کے لئے ماہ رجب میں ارسال فرمایا تھا مگر میری ناکارگی اور نالائقی سے آپ ناواقف ہیں۔ وہ زمانہ اخیر سال اور انتہائی مصروفیت کا تھا جس میں انتہائی عدیم الفرصتی ہوتی ہے چنانچہ میں بالکل امتثال حکم نہ کر سکا اور چونکہ مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور علم حدیث سے بہت زیادہ واقف اور اس کے ماہرین اعلیٰ میں سے ہیں۔ ان کی اعلیٰ تصنیفات اس فن میں شائع ہو چکی ہیں اوجز المسالک شرح موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کئی جلدوں میں چھپ کر شائع

حاشیہ مکتوب ۱۰۵۔ ناظرین کے افادہ کے لئے ہر دو بزرگوں کی گراں قدر رائے کا یہاں پر درج کر دینا ضروری معلوم ہوا تاکہ ان ائمہ وقت کی بے نفسی اور ان کی بلندی کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ کتاب مذکور کو دیکھنے کے بعد حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور نے جو رقعہ حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ کر کتاب کو بھیجا ہے وہ یہ ہے

بحضرت اقدس سیدی ومندی حضرت شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم ادام اللہ ظلال برکاتہ بعد سلام مسنون ناستدعا۔ دعا۔ تعمیل ارشاد میں کتاب دلائل السنن والآثار مؤلفہ مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی بالاستیعاب دیکھ لیا اور اپنے ناقص خیال میں جہاں کوئی اجمال یا اشکال تھا حاشیہ پر پنسل سے لکھ دیا اور کہیں کہیں تائیدی مضمون کی طرف اشارہ کر دیا لیکن کتاب میں جو مفصل خط مولانا موصوف کا حضرت اقدس کے نام ہے اس میں کسی نظر ثانی کی درخواست نہیں کی گئی بلکہ صرف برکت کے واسطے حضرت اقدس کی نظر اس پر چاہیئے۔ سرسری اور کہیں کہیں پر (باقی برصفحہ آئندہ)

ہو چکی ہے۔ شرح شمائل ترمذی۔ الکوکب الدری مجموعہ تقاریر الترمذی لحضرۃ الگنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تحشیہ اور اس سے پہلے بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد میں پوری امداد تحریری و تخریجی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مرحوم کو دیکر کتاب مذکور کی تکمیل کر چکے ہیں اس لئے جس قدر اس فن سے اُن کو واقفیت اور اس میں مہارت ہے میں تو اُس کا عشر عشیر بھی نہیں رکھتا اس لئے میں نے اُن کی خدمت میں بھیجنا ضروری اور انفع سمجھا چنانچہ موصوف نے اس کتاب کو بالاستیعاب دیکھا اور جگہ جگہ اس پر یادداشتیں لکھیں۔ اور ماہ شوال کے اخیر میں میرے پاس مع منسلکہ نوٹ اور مقدمہ اوجز بھیجدیا۔ میں اس وقت اس فکر میں تھا کہ اس کو مطالعہ کروں مگر اسفار کی طوالت اور ہجوم اضیاف اور مشاغل دارالعلوم نے فرصت نہ دی۔ بالآخر جبکہ ماہ محرم الحرام کی بیماری میں ڈاکٹروں نے مشاغل تدریسیہ اور نقل و حرکت، آمد و رفت سے بالکل منع کر دیا اور مکمل راحت کی تاکید کر دی تو موقع مل گیا کہ کتاب مذکور کو بالاستیعاب دیکھ لوں۔ چنانچہ میں نے امتثال حکم کیا اور حسب الحکم اپنی ناقص رائے بھی لکھدی جو کہ منسلک ہے۔ البتہ میرے خیال میں چند امور قابل غور ہیں۔

(الف) آپ مخالفوں پر رد کرنے میں نہایت نرم الفاظ استعمال کرتے ہیں میرے خیال میں یہ نہ ہونا چاہیئے۔ سب وشتم سے تو بچنا ضروری سمجھتا ہوں لیکن رد کرنے میں الفاظ سخت اور زوردار ہونے چاہئیں۔

(ب) آپ بسا اوقات مسئلہ میں متعدد اقوال مثل علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ذکر فرما دیتے ہیں جس سے مخالفت کو شہ ملتی ہے۔ میرے خیال میں فقط قول راجح ذکر کرنا چاہیئے جو کہ آپ کا مختار ہو باقی کو یا تو ذکر ہی نہ کیا جائے یا اگر ذکر کیا جائے تو نہایت تضعیف کے ساتھ۔

حاشیہ بسلسلہ صفحہ گذشتہ۔ کی درخواست کی گئی۔ یہ درخواست تو اس ناکارہ کے دیکھنے سے پوری نہ ہو سکی تاہم اس ناکارہ نے تعمیل ارشاد الاکرین۔ اگر فرصت ہو تو حضرت اقدس حاشیہ کے ان نشانات کو ملاحظہ فرمالیں جو صحیح ہو اُس پر صاد بنادیں جو غلط ہو اس کو قلمزد فرمادیں پھر یہ نشانات حضرت والا کے نشانات بن جائیں گے اتنی بھی فرصت نہ ہو تو پھر مولانا اصلاحی مدفیضہم خود ان کو ملاحظہ فرمالیں کوئی بات قابل قبول ہو تو قبول فرمالیں ورنہ قابل رد ہونے کے لئے اُن کا ایک نااہل کی طرف انتساب ہی کافی ہے۔ اس ناکارہ نے حاشیہ میں ایک جگہ مقدمہ اوجز کا ایک حوالہ ملاحظہ کرنے کی مولانا اصلاحی سے درخواست کی ہے جو قراۃ علی الشیخ کے متعلق ہے اس لئے مقدمہ اوجز بھی ہمراہ ارسال ہے موصوف کی خدمت میں بھیجدیا جائے فقط والسلام۔ زکریا۔ مظاہر العلوم ۱۰ شوال ۱۳۷۶ھ

(ج) کتابت حدیث کے متعلق مولانا منت اللہ صاحب خانقاہ رحمانیہ مونگیر صوبہ بہار نے ایک رسالہ لکھا تھا جس کا مسودہ مجھ کو دکھلایا تھا اب مجھ کو معلوم نہیں کہ وہ چھپ گیا یا نہیں اگر ہوسکے تو اس کو بھی دیکھ لیں اور اگر کچھ مفید باتیں معلوم ہوں تو اس میں زیادہ کردیں۔ امیدوار ہوں کہ تاخیر امتثال کو بنظر عفو کرم اس ناکارہ و نالائق سے درگذر فرمائیں گے۔ والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ دیوبند ۲۷ صفر ۱۳۷۷ھ

مکتوب ۱۰۶

آپکا کوئی والا نامہ یہاں سفر کے بعد باعث سرفرازی نہیں ہوا، خیریت معلوم نہ ہونے سے فکر ہے غالباً جناب کو پارسل رجسٹرڈ کتاب کا مل گیا ہوگا، اس پر جو کچھ میرا یا شیخ الحدیث صاحب کا جگہ جگہ پر نوٹ ہے اس کے متعلق کیا رائے ہے۔ میں الحمد للہ تعالیٰ تدریجاً صحت حاصل کر رہا ہوں۔ علاج یونانی دو ہفتہ سے ہو رہا ہے جس سے فائدہ ظاہر ہو رہا ہے تکالیف میں بڑے درجہ تک کمی ہوگئی ہے۔ کل ۲۰ ربیع الاول سے میں نے باہر آمد و رفت شروع کردی علاج اور پرہیز برابر جاری ہے آپ بزرگوں کی دعاؤں اور اللہ تعالےٰ کے فضل

حاشیہ مکتوب ۱۰۶۔ ستمبر ۱۹۵۷ء میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کو سُنکر ۲۲ ستمبر کو بغرض عیادت دیوبند پہونچا اور پھر ۳۰ ستمبر کو واپس ہوا۔ کیا معلوم تھا کہ یہ علالت ہمیشہ کے لئے جدائی کا پیغام اور اس کی علامت ہے ذرا بھی وہم و گمان نہیں ہو رہا تھا کہ حضرتؒ اس بیماری سے جانبر نہ ہونگے تاہم ناچیز نے دیوبند میں یہ انتظام کرا یا تھا کہ ہفتہ میں دو بار خیر ملتی رہے البتہ حضرتؒ کے نام کوئی عریضہ اس لئے نہیں لکھا تھا کہ پڑھنے اور جواب دینے میں زحمت نہ ہو مکمل آرام رہے مگر اس نظر کرم کو دیکھئے کہ خود خط تحریر فرما کر میری خیریت نہ ملنے کی فکر لگی ہوئی ہے۔ بھلا اس ذرہ نوازی کی بھی کوئی حد ہے؟ میں تو حضرت کے اس تحریر فرمانے سے کہ "جلد میں اس قابل ہوسکوں گا کہ تعلیمی مشاغل جاری کردوں" باغ باغ ہوکر کلی مطمئن ہوگیا تھا۔ کیا معلوم تھا کہ ستمبر کی زیارت ہی آخری زیارت ہے اور یہ ذات گرامی ہم سبھوں سے پردہ کرنے والی ہے اللھم اجرنی فی مصیبتی والحقنی بالصالحین۔ اس ناچیز پر جو خاص توجہ تھی افسوس کہ اپنی ناکارگی سیہ کاری اور ترنانی کے ساتھ استعداد کی کمی نے بہت سے زیادہ محروم رکھا پھر بھی خدا کا یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ہمارے اندر کافی مدت تک رکھ کر اپنے گذشتہ مقبول بندوں جن کے انوار و برکات سے دنیا اب تک منور ہے اور رہے گی ان سب کو دیکھ لینے کا موقع نصیب فرمایا جس کو آفتاب و ماہتاب کی ہزاروں گردشوں کے بعد بھی بمشکل کسی کو دیکھنا میسر آئے گا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے میری کتاب دلائل السنن والآثار پر جو تقریظ ثبت فرمائی ہے وہ ناظرین کے استفادہ کے لئے درج ذیل ہے یہ صرف میری اور (باقی بر صفحہ آئندہ)

ذکرم سے قوی امید ہے کہ جلد میں اس قابل ہو سکوں گا کہ تعلیمی مشاغل جاری کر دوں بابو سراج الحق صاحب اور اُن کے متعلقین اور دوسرے واقفین پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ دیوبند

مکتوب ۱۰۷

والانامہ مورخہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ باعث سرفرازی ہوا احوال مندرجہ سے آگاہی ہوئی۔ واقعہ یہی ہے کہ والانامجات کی اطلاع مجھ کو نہیں ہوئی تھی بہرحال یادفرمائی کا شکرگذار ہوں۔ اذکار اور

حاشیہ مکتوب ۱۰۷۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ کے والانامہ کے جواب میں ناچیز نے لکھا کہ برابر عریضہ سے خیریت دریافت کرتا رہا وغیرہ۔ ایک مفصل بارہ صفحے کا والانامہ ۵ رنومبر کو شرف صدور ہوا اور بھی اطمینان ہوگیا کچھ حصہ یہاں درج کر دیا ہے باقی مفصل خط اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وہ آخری ناتمام مکتوب جس کے بعد کوئی خط کسی کو نہیں لکھا سوائے اس گستاخ اور بارگاہ حسینی کے سب سے ادنیٰ خادم اور آستانہ مدنی کے سگ حق شناس نجم الدین اصلاحی کے جس کو جلد چہارم مکتوبات میں تبرکاً درج کر کے اسی پر ختم کیا جانے گا۔ میرے جس لڑکے کی شادی کا ذکر اور حضرت اقدسؒ کی شرکت کا تذکرہ اس جلد میں گذر چکا ہے اُس کے جب لڑکا پیدا ہوا تو نام کے لئے حضرت سے درخواست کی آپ نے چند نام تحریر فرمائے جس میں سے محمد ارشد مجھ کو پسند آگیا اور نام رکھ دیا گیا۔ ارشد و اسعد حضرت کے صاحبزادوں کے نام تھے اس لئے اس سے ادباً احتراز کرنا پڑا ان والاناموں سے اور دوسرے والاناموں سے ناظرین کو خود اندازہ ہوگا کہ یہ ناچیز حضرت ہی کا تھا اسی کا (ملاحظہ ہو صفحہ آئندہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کتاب کی خوش قسمتی ہے کہ جس کو حضرت نے اپنے آخری لمحات زندگی میں حرفاً حرفاً ملاحظہ فرما کر ایسی تحریری سند عطا فرمائی ہے کہ جس کی دوسری نظیر نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد۔ میں نے مولانا نجم الدین اصلاحی زید مجدہم کی مبارک تصنیف دلائل السنن والآثار حصہ اول کو ابتدا سے آخر تک حرفاً حرفاً پڑھا اس سے قبل حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور نے بھی بالاستیعاب اس کتاب کو دیکھا تھا اور کہیں کہیں اصلاح و ترمیم بھی فرمائی تھی ماشاء اللہ کتاب مذکور اپنے مقصد میں نہایت کامل اور مفید ہے جہاں تک مجھ کو معلوم ہے اردو زبان میں اس مقصد کے لئے کوئی ایسا مجموعہ موجود نہیں ہے بلکہ عربی اور فارسی میں بھی کوئی ایسا مجموعہ جس میں اہل زیغ وعناد اور ملاحدہ کے شبہات اور اعتراضات متعلقہ علم حدیث وسنن کو اس طرح واضح طور پر دفع کیا گیا ہو اور سب ایسی ابحاث کو ایک جگہ جمع کر کے پوری روشنی ڈالی گئی ہو آج تک تصنیف نہیں کیا گیا مصنف مدظلہ العالی نے حسب ضرورت زمانہ نہایت عرق ریزی اور محنت سے امور متعلقہ ضروریہ کو حسب طریقہ فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت جمع اور مرتب فرمایا ہے اور اہل زیغ وعناد کے خرافات و وساوس کو جڑ سے اکھاڑنے کی پوری کوشش کی ہے جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔ آمین ثم آمین۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ کریم کارساز مصنف کی کوششوں کو اپنی قبولیت کاملہ سے نوازے اور مسلمانوں کو اس کتاب سے نفع عظیم عطا فرمائے۔ یہ کتاب مقبول عام ہو۔ واللہ ولی التوفیق والسداد وبیدہ القبول فی المبداء والمعاد۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مراقبہ پر پابندی کی اطلاع سے بہت خوشی ہوئی اللّٰھم زد فزد اس بارہ میں جس قدر بھی انہماک اور زیادتی ہو غنیمت کبریٰ ہے ذکر روحی مسمی کی طرف انہماک اور توجہ کو کہتے ہیں ذکر لسانی، پاس انفاس، ذکر قلبی وغیرہ میں توجہ الی الاسم ہوتی ہے یا ماتدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ اور ذکر روحی میں توجہ الی المسمیٰ و الذات ہوتی ہے نہ الفاظ سے بالاتر ہے کیف اور کم، اتصال اور انفعال، لون اور رنگ و روپ سے اونچا مقام ہے ؎

ہست رب الناس را با جان ناس اتصالے بے تکیف بے قیاس

اسی دھیان کا نام مراقبہ ہے وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق الآیۃ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید الآیۃ وغیرہ آیات اس کا حکم فرماتی ہیں اس بیچون وبیچگون لیس کمثلہ شئی کا استحضار اور اس کی طرف توجہ زیادہ سے زیادہ عمل میں لانا اور دوام یادداشت پیدا کرنا ضروری اور لازم ہے نھم علی صلاتھم دائمون کا سماں پیدا کرنا چاہیے روح اگرچہ عقدۂ لاینحل ہے مگر اجلی البدیہات میں سے ہے ہر ایک کو مثل نور اور سرور اس کا علم ہے اس دوام حضور کے حصول کی کوشش بلیغ کیجئے من دق الباب فتح لہ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ان اللہ لمع المحسنین

صاحبزادہ سلمہٗ کے یہاں صاحبزادہ پیدا ہونا بہت ہی خوشگوار مژدہ ہے اللہ تعالیٰ بلند اقبال، طویل العمر، مرضی السیرہ ومحبوب السریرہ ذی علم وعمل بنائے آمین. نام کے متعلق اسعد نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا میں نے یہ چند نام بتلا دیئے تھے احمد، ازہر، ارشد، اسجد، ان میں سے جو پسند ہوں وہ اختیار فرما لیں۔

دلائل السنن والآثار پر جو کچھ نوٹ مولانا زکریا صاحب نے کئے ہیں یا میں نے کچھ کئے اُن کے مفید سمجھنے کا شکریہ ادا کرتا ہوں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قبولیت سے نوازے۔ آمین. سفر کے متعلق جو کچھ ہدایات ہیں قابل شکریہ ہیں. کاش اس پر عمل ممکن ہو محبین اور مخلصین کے اصرار کو رد کرنا بہت مشکل امر ہے تاہم معذوری سب کچھ کرا لیتی ہے اب تقریباً تین ماہ سے سفر یک قلم بند ہے خلق اللہ کی اصلاح وہدایت اور اُن کی دلجوئی اور اپنی کم مائگی اور عاجزی کا لحاظ ضروری ہے. واللہ یوفقنا وایاکم لما یحبہ ویرضاہ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ ۵ نومبر ۱۹۵۷ء

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ - یہ اثر ہے اور خدا علیم ہے کہ دل کی دنیا سونی ہوگئی، زندگی کا مزہ جاتا رہا، حیات دوبھر ہوگئی اور سینے بہشت کے بیشتی صحبت ملنے والی نہیں اب تو سی پر زندگی کے ایام بسر ہو رہے ہیں اور برابر یعنی قائم ہے۔ کاش سُن لی جاتی ؎ یہی کہہ کہہ کے اک بیمار غم روتا ہے راتوں کو؛ کہ جب سے تم گئے ہو دل کی ویرانی نہیں جاتی اور ہر صبح وشام اپنا یہ وظیفہ ہے ؎

اپنا پیغام درد کا کہنا جب صبا کوئے یار سے گذرے
کونسی رات آپ آئیں گے دن بہت انتظار میں گذرے

حزین وغمگین نجم الدین اصلاحی کان اللہ لہٗ رجب ۱۳۸۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکتوبات

بسلسلہ مودودی جماعت

از حضرت شیخ الاسلام

مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی

صدر جمعیۃ العلمائے ہند

و شیخ الحدیث دار العلوم

دیوبند

ناشر

ملک سنز بک سیلرز اینڈ پبلشرز

کارخانہ بازار شاہ فیصل آباد